1
مدارج النبوت
مصنف
حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
مترجم
علامہ عبدالمصطفیٰ محمد اشرف نقشبندی
ناشر
مکتبہ اسلامیہ
۴۰۔ اردو بازار۔ لاہور

(جلد اوّل)

مُصنّف

حضرت شیخ عبدالحق مُحدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

مُترجم

علامہ عبدالمصطفیٰ مُحمّد اشرف نقشبندی

ناشر

مکتبہ اسلامیہ

۴۰، اُردو بازار — لاہور

نام کتاب — مدارج النبوت (جلد اوّل)

مصنف — شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم — علامہ محمد اشرف نقشبندی

مطبع — تابا سنز پرنٹرز لاہور

صفحات — ۶۹۸

ناشر — مکتبہ اسلامیہ
۴۰ / اردو بازار۔ لاہور

بسم الله الرحمن الرحيم

پیش لفظ

حضرت شیخ عبدالحق محدث محقق دوراں دہلوی رحمتہ اللہ علیہ عالم اسلام کی معروف شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ علماء ومشائخ اسلام میں وہ نمایاں اور قابل رشک مقام کے حامل ہیں۔ برصغیر ہندوپاک میں حدیث رسالت مآب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ترویج واشاعت کی اولین مساعی جمیلہ انہیں کی طرف سے ہوئیں اور آج کل جس قدر اشاعت و تبلیغ دنیا کے اس حصہ میں ہے اس کی بنیاد آپ ہی کی ذات ہے یہ تحقیق کے میدان کے وہ شہ سوار ہیں جن پر جمہور علماء اسلام متفق ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت الی الحق کو بلاد پاک وہند میں عام کرنے والوں میں انہیں ممتاز مرتبہ حاصل ہے۔ آپ نے احادیث رسول کی شرح کے ساتھ ساتھ آقائے نامدار حبیب کردگار رسول مختار محبوب دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک پر مدارج النبوت کے نام سے وہ کتاب قلمبند فرمائی ہے کہ آج سیرت پر قلم اٹھانے والا کوئی مصنف اس کتاب کے مطالعہ اور اس سے خوشہ چینی کے بغیر کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکتا اور سنت رسول عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متلاشی وشوقین حضرت کو اس کتاب کے مطالعہ کے بغیر کامل تشفی نہیں۔ یہ فارسی زبان میں لکھی گئی ہے اور آج کے عوام الناس کے لئے اس کا اردو میں ترجمہ کرنا نہایت ضروری ہے لہٰذا یہ سعی قارئین کے سامنے پیش خدمت ہے اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے۔

کتاب کا ترجمہ اردو زبان میں کرنا اور مصنف کے خیالات وجذبات کو صحیح طور پر دوسری زبان میں منتقل کرنا جوئے شیر جاری کرنے سے کم مشکل نہیں اہل علم پر یہ حقیقت مخفی نہیں۔ پھر بندہ راقم الحروف محمد اشرف ولد غلام محی الدین بوبک نے اپنے محبوب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ عالیہ میں نصرت واعانت کی خاطر التجاؤں کے ساتھ اس کارگراں پر قلم اٹھایا کہ شیخ محقق کی کاوشوں میں ادنیٰ ساحصہ اس فقیر کو بھی نصیب ہو جائے اور نجات اخروی کا سبب بن جائے۔ اور اللہ تعالیٰ جل جلالہ اور اس کے حبیب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے شفقت وکرم ہے کہ آج یہ کتاب اردو میں ترجمہ شدہ اشاعت پذیر ہو کر آپ کے ہاتھوں میں پہنچ گئی ہے۔ کتاب کا ترجمہ مکمل ہے۔ جملوں کا ترجمہ مکمل ہے متن بھی مکمل میں اس میں کمی اور کوتاہی نہیں کی گئی جیسے کہ بعض ترجمہ کرنے والے حضرات کرتے ہیں۔ اور ترجمہ نہایت سادہ زبان میں کیا گیا ہے کہ عوام وخواص سب کے لئے یکساں طور پر مفید ہو۔

اس سلسلہ میں بندہ راقم الحروف اپنے پیرو مرشد و دستگیر من فی العالمین حضرت سید الحاج علی حسین شاہ صاحب علی پور لاثانوی کا قدمبوس اور شکرگزار ہے جن کی نظر کیمیائے بندہ ناچیز کو اس قابل بنایا اور اپنے دست شفقت سے کرم بخشی اور سرپرستی فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ میرے پیرو مرشد کا آستانہ عالیہ دائم وقائم اور آباد وشاداب رکھے آمین۔ اور

بندہ کو اس دربار سے وابستگی کمل اور شیفتگی کمل عطا کئے رکھے اور مرشد کی مہربانیوں سے سرفراز رکھے۔

راقم الحروف جناب مفتی مختار احمد صاحب نعیمی خلف الرشید مفتی احمد یار خاں نعیمی مرحوم کا بھی شکر گزار ہے جو راقم الحروف کی ہمت بڑھاتے رہے اور اس کتاب کے ترجمہ کے وقت سرپرستی فرماتے رہے اور کتاب کی اشاعت و طباعت کے لئے تیار و کمربستہ رہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی نیت صالح کا انہیں اجر عظیم عطا فرمائے۔

قارئین سے التماس ہے کہ اس کتاب سے مستفید ہوتے وقت بندہ پر خطا کے حق میں دعائے خیر فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ انجام بخیر فرمائے اور دامن محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پناہ عطا فرمائے۔

احقر العباد

محمد اشرف نقشبندی لاثانوی مرالوی فاروق آباد

××

1427
1052
375
1052
1427

محقق العصر حضرت شیخ محمد الحق محدث دہلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
مصنف مدارج النبوت کے مختصر حالات زندگی

قارئین کے لئے مفید ہوگا اور دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ مصنف کتاب کے مختصر حالات پیش کئے جائیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ کس قدر علو مرتبت اور عظمت شان کے حامل تھے شیخ محقق رحمۃ اللہ علیہ جن کی کتاب زیر مطالعہ ہے

حضرت شیخ عبدالحق محقق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا دور زیست و حیات دنیوی 958ھ سے 1052ھ تک ہے۔ آپ کے خاندانی حالات یوں ہیں۔

شیخ صاحب کا خاندان۔ آپ کے آباء و اجداد بخارا کے باشندے تھے جن میں سے آغا محمد ترک تیرھویں صدی عیسوی میں ہندوستان میں تشریف فرما ہوئے یہ 1296ء تھا اور اس وقت ہندوستان کا حکمران سلطان علاء الدین خلجی تھا۔ دربار شاہی میں آغا محمد ترک کو نہایت عزت و احترام سے خوش آمدید کہا گیا سلطان علاؤ الدین خلجی نے انہیں اپنے امراء میں شامل کیا پھر انہیں جماعت امراء کے ہمراہ گجرات کی مہم پر روانہ کیا یہ مہم سر ہو گئی اور آغا محمد ترک صاحب گجرات میں ہی رہائش پذیر ہو گئے آغا محمد ترک کثیر الاولاد تھے آپ کے ایک صد اور ایک فرزند تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی بے نیازی ہے کہ کسی حادثہ میں آپ کے ایک سو فرزند انتقال کر گئے اور ایک ہی بیٹا معزالدین نامی باقی بچا جو خاندان کی آئندہ تنسیل کا باعث ہوا۔ یہ صدمہ اس قدر شدید تھا کہ آغا محمد ترک پریشان و مغموم گجرات کو چھوڑ کر دہلی چلے آئے یہاں پر حضرت شیخ صلاح الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں اعتکاف پذیر ہوئے۔ آغا محمد ترک 17 ربیع الاول 739ھ میں ملک عدم کو سدھارے اور وہاں پر آپ کی تدفین ہوئی معزالدین کے فرزند ملک موسیٰ بڑے نامور اور مشہور تھے جس کے متعدد فرزندان میں سے شیخ فیروز نامور تھے علوم و فنون میں ماہر اور یکتا و یگانہ زمانہ تھے ان کی شہادت کسی معرکہ میں ہوئی جو 928ھ میں واقع ہوا اور اپنے پیچھے اپنی حاملہ زوجہ کو چھوڑا جس کے بطن سے شیخ سعد اللہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانہ میں بڑے کامل بزرگ ہو گزرے ہیں ان کا وصال 928ھ کو ہوا ان کی وفات کے وقت ان کے دو بیٹوں میں سے شیخ سیف الدین کی عمر آٹھ سال تھی۔ شیخ سیف الدین بڑے معروف و نامور ہوئے ہیں۔ یہی وہ خوش بخت والد ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جیسا فرزند عطا فرمایا کہ دنیا و عقبہ میں خاندان کو ان کے باعث عزت و شرف حاصل ہوا اور رہتی دنیا تک روئے زمین پر حضرت شیخ اور ان کے خاندان کا نام روشن و تابندہ رہے گا۔

تعلیم و تربیت۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت باسعادت 958ھ میں ہوئی اپنے والد محترم کے زیر سایہ تعلیم و تربیت حاصل کی والد محترم سے ہی قرآن پاک کی ابتدائی تعلیم سے بہرہ ور ہوئے اور صرف تین مہینے کے

عرصہ میں ہی مکمل قرآن پاک پڑھ لیا ازاں بعد صرف ایک ہی ماہ کے قلیل سے وقت میں فن تحریر سے آپ کی شخصیت مزین ہو گئی اس سے شیخ صاحب کی ذہانت و فراست اور قابلیت خداداد عیاں ہے فارسی و عربی زبانیں بھی آپ نے اپنے والد محترم سے ہی سیکھیں آپ نہایت جلدی اور نہایت قلیل وقت وہ علم حاصل کر لیتے تھے جو شروع کرتے جس وقت آپ نے شرح عقائد اور شرح شمسیہ ختم کر لی تھی آپ کی عمر مبارک صرف تیرہ برس تھی اور سولہ سال کی عمر تک آپ نے مختصر مطول وغیرہ پڑھ چکے تھے یہاں تک کہ صرف اٹھارہ برس کی عمر تک آپ تمام علوم عقلیہ و نقلیہ حاصل کر چکے تھے۔

عبادت و ریاضت۔ علوم ظاہری کے ساتھ آپ نے علوم باطنی کی طرف بھی توجہ دی۔ عبادت و ریاضت میں مشغول رہے یہ سب کچھ تربیت پدری کے تحت ہی ہوتا رہا آپ دیگر علماء و مشائخ کی صحبت کا شرف حاصل کرتے رہے لیکن عوام الناس کی صحبت سے ہمیشہ گریزاں رہے۔ اس وقت مغلیہ خاندان کے شہنشاہ اکبر ہندوستان پر حکمران تھا۔ شہنشاہ اکبر کا دور حکومت شعائر اسلام اور اقدار شریعت محمدی کی بے حرمتی کا دور تھا مختلف بدعات کے عروج کا زمانہ تھا اور اس میں بذات خود اکبر اور اس کے امراء سلطنت کی تمام تر جدوجہد شامل تھی۔ حضرت مصنف کو بھی ان لوگوں کے اپنے ساتھ شامل کرنے کی بڑی کوشش کی لیکن اس مرد حق کا دل محبت اسلام اور فریفتگی شریعت محمدی سے لبریز تھا ان کی کوششیں ان پر کامیاب ہو سکیں حضرت شیخ ان تمام حالات سے متنفر و دل برداشتہ ہوئے اور حجاز کی طرف چلے گئے۔

مکہ شریف کی طرف روانگی۔ حضرت شیخ اڑتیس سال کی عمر میں مکہ مکرمہ پہنچے اور اس سال ماہ رمضان تک محدثین مکہ سے صحیح بخاری و مسلم کی تدریس کا شرف حاصل کر لیا بعد ازاں شیخ عبدالوہاب متقی کی خدمت میں حاضر ہوئے جو یگانہ روزگار علمی شخصیت تھی۔ ان سے حضرت شیخ نے خواب استفادہ کیا اور طریقت و سلوک کا علم بھی حاصل کیا حضرت شیخ مصنف کتاب ہذا پر حضرت شیخ عبدالوہاب متقی رحمتہ اللہ علیہ کا بہت زیادہ اثر ہوا ان کے ساتھ رمضان شریف بسر کیا۔ حج کی سعادت سے بھی ان کے ساتھ ہی بہرہ ور ہوئے اور اس کے بعد انہی کی سرپرستی میں حرم شریف کے ایک حجرہ میں عبادت و ریاضت میں مشغول ہوئے۔

عشق رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم۔ حضرت شیخ محقق نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عاشق صادق تھے دیار محبوب میں ننگے پاؤں چلتے تھے اور بارگاہ رسالت میں حاضری دیا کرتے تھے اور اس دوران آپ چار مرتبہ محبوب العالمین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے بھی مشرف ہوئے آپ حجاز مقدس میں تین سال کا عرصہ مقیم رہے۔

ہندوستان کو مراجعت۔ شیخ عبدالوہاب متقی رحمتہ اللہ علیہ نے آپ ہندوستان واپس جانے کا حکم فرمایا آپ کی خواہش تھی کہ واپسی کے دوران سفر براستہ بغداد شریف حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کے مرقد مقدس کی زیارت سے مشرف ہوں لیکن شیخ عبدالوہاب متقی رحمتہ اللہ علیہ نے آپ کو اس کی بھی اجازت نہ فرمائی اور سیدھے

ہندوستان پہنچنے کا حکم فرمایا یہاں تک کہ یہ حسرت دل میں ہی رہی اور دیار محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے چشم گریاں اور دل بریاں لئے ہوئے 999ھ وہاں سے روانہ ہوئے۔

آپ 1000ھ میں ہندوستان میں پھر وارد ہوئے اس وقت اکبر بادشاہ دین الٰہی کا اجراء کئے ہوئے تھا اور شعائر اسلام کی تضحیک و تذلیل زوروں پر تھی یہ سب کچھ حضرت شیخ محقق کے لئے ناقابل برداشت تھا۔ لہٰذا آپ نے شریعت محمدی کی ترویج و تدریس پر کمر باندھی اور ایک دار العلوم کی بنیاد رکھی جس میں تعلیم دین اسلام کا سلسلہ شروع کر دیا اور اپنی ساری زندگی اس مشن میں دار العلوم میں تعلیم و تدریس دیتے رہے۔

پیرو مرشد۔ حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی آسمان علم پر درخشاں و تابندہ ستارے تھے اور اس کے ساتھ آپ کا شمار اولیائے وقت میں ہوتا ہے اہل طریقت میں بلند مقام کے حامل ہیں۔ طریقت کے جہان میں بھی ابتدائی طور پر آپ کو آپ کے والد ماجد نے تربیت دی نیز حضرت سید محمد موسیٰ گیلانی رحمتہ اللہ علیہ اس وقت سلسلہ قادری نے مشہور و معروف بزرگ تھے۔ حضرت شیخ کو ان سے بڑی عقیدت تھی ان کے دست حق پرست پر حضرت شیخ نے بیعت کا شرف حاصل کیا۔ بیعت کا دن 6 شوال 985ھ تھا حضرت موسیٰ پاک گیلانی رحمتہ اللہ نے حضرت شیخ کو اپنی خلافت سے سرفراز فرمایا۔ شیخ عبد الوہاب متقی مکی رحمتہ اللہ علیہ بھی آپ کے رہبروں میں شامل ہیں ان کا حال سابقہ طور پر بیان ہو چکا ہے۔ اس وقت نقشبندیہ سلسلہ میں ہندوستان میں مشہور و معروف ترین بزرگ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمتہ اللہ علیہ دہلی میں تھے جو سنت رسول کے احیاء اور بدعت کے خاتمے کے لئے کوشاں تھے اور انہوں نے اپنی پوری زندگی اس عمل میں صرف فرمائی تھی حضرت شیخ نے ان کے دست حق پرست پر بھی بیعت کا شرف حاصل کیا۔

حضرت شیخ محقق کا وصال شریف۔ حضرت شیخ نے 94 برس کی زندگی پائی اور ہمہ زندگی شریعت محمدی کی ترویج و اشاعت میں لگے حدیث رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی اشاعت و تبلیغ ہندوستان میں شروع کرنے والوں میں سرفہرست حضرت شیخ کی ذات ہے آپ نے اس کا باحسن طریق ادا کیا بالآخر 21 ربیع الاول 1052ھ میں ہندوستان کی فضاء کو منور کرنیوالا یہ آفتاب علم و نور عالم جلووانی کو رخصت ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون آپ کی تدفین حوض شمسی کے کنارے ہوئی جو کہ آپ کی وصیت تھی، اور آپ کے فرزند ارجمند شیخ نور الحق نے آپ کے جنازہ کی نماز پڑھائی آپ کی تاریخ ولادت "شیخ الاولیاء" اور تاریخ وفات "فخر عالم" ہے۔ حضرت شیخ نہ صرف زبانی اشاعت زمین مصروف رہے بلکہ آپ نے تحریری طور پر بھی یہ معرکہ سر کیا۔ تمام زندگی تصنیف و تالیف میں گزاری اور جس علم کو ہاتھ ڈالا اور قلم اٹھایا اس کا حق بکمال ادا کیا آپ میدان علم و تحقیق کے شاہسوار ہیں آپ متعدد علوم و فنون پر کتب و رسائل لکھے۔ ساٹھ تک آپ کی کتب کا شمار ہے اور رسائل سمیت تعداد ایک سو سولہ ہو جاتی ہے۔ مشہور مطبوعہ کتب یہ ہیں۔

تصانیف شیخ

	نام کتاب	موضوع	زبان
1	اخبار الاخیار فی احوال الابرار	سیر و تذکرہ	فارسی
2	آداب الصالحین	اخلاق	فارسی
3	آداب اللباس	اخلاق	فارسی
4	اشعۃ اللمعات فی شرح مشکوۃ	حدیث	فارسی
5	زبدۃ الآثار منتخب بہجۃ الاسرار	سیر	فارسی
6	تکمیل الایمان و تقویۃ الایقان	عقاید	فارسی
7	توصیل المرید الی المراد بہ بیان	تصوف	فارسی
8	جذب القلوب الی دیار المحبوب	تاریخ	فارسی
9	شرح سفر السعادت	تاریخ	فارسی
10	شرح فتوح الغیب	تصوف	فارسی
11	فہرس التوالیف	ذاتی	فارسی عربی
12	کتب المکاتیب والرسائل	مکاتیب	فارسی
13	ماثبت بالسنہ فی ایام السنہ	حدیث	عربی
14	مدارج النبوت	سیرت	فارسی
15	مرج البحرین	تصوف	فارسی
16	نکات الحق والحقیقت	تصوف	فارسی

نامہ و پیام۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ اپنے زمانہ میں وقت کے جلیل القدر حضرات سے نامہ و پیام بھی کرتے رہے مشائخ سے نامہ و پیام جاری رہتا تھا۔ آپ کے مختلف مکتوبات حضرت شاہ ابوالمعالی رحمتہ اللہ، حضرت شیخ الشیوخ خواجہ باقی باللہ رحمتہ اللہ علیہ، حضرت شیخ عبداللہ نیازی رحمتہ اللہ علیہ، حضرت خانخانان رحمتہ اللہ علیہ، حضرت شیخ ابوالخیر مبارک رحمتہ اللہ علیہ، نواب مرتضیٰ خاں رحمتہ اللہ، شیخ ابوالفیض فقیر رحمتہ اللہ علیہ، شیخ اسماعیل رحمتہ اللہ علیہ اور اپنے صاحبزادے فرزند ارجمند شیخ نورالحق رحمتہ اللہ علیہ جیسی مقدر شخصیات کے نام دیکھنے میں آتے ہیں۔

معاصرین۔ حضرت شیخ محقق رحمتہ اللہ علیہ کے معاصرین میں درجہ ذیل حضرات بھی شامل ہیں۔

حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ

حضرت شاہ ابو المعالی رحمتہ اللہ علیہ
حضرت شیخ عبداللہ نیازی رحمتہ اللہ علیہ
نواب مرتضیٰ خاں شیخ فرید
عبدالرحیم خانخاناں
فیضی
ملا عبدالقادر بدایوانی رحمتہ اللہ علیہ
مرزا نظام الدین احمد بخشی
میر سید طیب بلگرامی رحمتہ اللہ علیہ
محمد غوثی شطاری رحمتہ اللہ علیہ

حضرت شیخ محدث کی اولاد۔ حضرت شیخ محقق و محدث رحمتہ اللہ علیہ کے تین بیٹے تھے ان میں سے بڑے صاحبزادے شیخ نور الحق مشرقی بڑے عالم و فاضل تھے جیسے کہ انکے والد گرامی تھی۔ حضرت شیخ محدث اپنے اس فرزند کو اپنا وجود ثانی فرمایا کرتے تھے اور ان سے بڑی محبت رکھتے تھے۔ شیخ نور الحق رحمتہ اللہ علیہ نے بھی تصنیف و تالیف میں بڑا کام کیا ہے۔ ان کی تصانیف میں چھ جلدوں میں تیسرا القاری شرح صحیح بخاری بھی شامل ہے اپنے والد صاحب کے زندگی میں چھ عہد شاہجہانی میں اکبر آباد کی قضاء کے عہدہ پر فائز ہو چکے تھے اپنے والد ماجد کے بعد ان کی مسند ارشاد پر یہی صاجزادے متمکن ہوئے۔ حضرت شیخ محدث رحمتہ اللہ علیہ کا دوسرے فرزند شیخ علی محمد رحمتہ اللہ علیہ بھی علوم عقلیہ و نقلیہ کے ماہر جید عالم اور بزرگ ہوئے ہیں انہوں نے بھی کئی تصانیف چھوڑی ہیں اور شیخ صاحب کے تیسرے فرزند شیخ محمد ہاشم رحمتہ اللہ علیہ کو بڑا پیار اور محبت تھی۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ حضرت شیخ محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ کو جنت الفردوس میں ترقی درجات عطا فرمائے اور دنیا میں ان کے فیض علمی و عملی کو ہمیشہ جاری و ساری رکھے۔

آمین

راقم الحروف نے بیشتر تذکرہ حالات شیخ کتاب اخبار الاخیار اردو ترجمہ سے لئے ہیں جو مدینہ پبلشنگ کمپنی بند روڈ کراچی نے مولانا سبحان محمود کی مترجم شائع کی ہے۔

احقر العباد
محمد اشرف عفی عنہ

xx

فہرست مضامین مدارج النبوت جلد اول

○ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

ھو الاول والاخر والظاہر والباطن وھو بکل شئی علیم (وہی ذات اول اور آخر اور ظاہر اور باطن ہے اور ہر شے کا جاننے والا ہے) یہ کلمات اعجاز اللہ تعالیٰ سبحانہ' کی حمد وثناپر بھی مشتمل ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کتاب مجید میں اپنی کبریائی کا خطبہ ان کلمات میں ارشاد فرمایا اور حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعت اور وصف کا مضمون اس میں شامل ہے کیونکہ اللہ سبحانہ نے اسماء وصفات سے ان کی توصیف فرمائی اور یہ اسماء اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ نے وحی متلو (قرآن مجید) وغیر متلو (جس کی تلاوت نہ کی جائے مثلاً القاء خواب کلام الٰہی بلاواسطہ وغیرہ) میں اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو ان ناموں سے موسوم فرماکر آپؐ کے حلیہ مبارک جمال وحسن اور آپؐ کے کمال وخصائل کو ظاہر فرمایا باوجود اس امر کے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء حسنیٰ سے متخلق اور متصف ہیں ان میں سے بعض تو خصوصیت کے ساتھ نامزد اور مشہور ہوچکے ہیں۔ مثلاً نور' حق' علیم' حکیم' مومن' مہیمن' ولی' ہادی' رؤف' رحیم وغیرہ اور یہ چاروں اسم اول' آخر' ظاہر' باطن' بھی اسی قبیل سے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اولیت کا ثبوت۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اول اس لئے ہیں کہ عالم وجود میں سب سے پہلی تخلیق آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں (کہ حدیث میں آیا ہے) اول ما خلق اللہ نوری و ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرا نور پیدا فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبوت میں بھی سب سے اول ہیں۔ (کیونکہ حدیث میں ہے) کنت نبیا وان ادم لمنجدل فی طینہ (میں اس وقت نبی تھا جب آدم اپنے خمیر میں تھے) اور آپؐ اس لئے بھی اول ہیں کہ روز میثاق میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے سوال الست بربکم کا جواب آپؐ نے قالوا بلیٰ کہہ دیا تھا۔ آپؐ اول اس لئے بھی ہیں کہ سب سے پہلے ایمان لانے والے آپؐ ہیں۔ کیونکہ فرمایا گیا ہے و اول من امن باللہ و بذلک امرت و انا من المسلمین اور آپؐ کی اولیت اس لئے ہے کہ لوگوں کے نکلنے کو جب زمین شق ہوگی تو سب سے پہلے میں باہر نکلوں گا اور (قیامت کے روز) سب سے پہلے سجدہ کرنے کی مجھے اجازت ہوگی اور شفاعت کا دروازہ سب سے پہلے مجھ پر کھلے گا اور سب سے پہلے میں ہی جنت میں داخل ہوں گا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم آخر بھی ہیں۔ باوجود سبقت و اولیت آپ آخر بھی ہیں بعثت و رسالت میں کیونکہ (قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے) ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین (لیکن اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں۔) اور ان کی کتاب (قرآن) آخری کتاب ہے۔ اور ان کا دین دینوں میں آخری ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے۔ نحن الاخرون السابقون (باوجود سب سبقتوں کے ہم آخری ہیں) اور حقیقت میں بعثت کے لحاظ سے آخریت اور خاتمیت فضیلت میں اولیت و سابقیت ہے۔ کیونکہ تمام کتب اور ادیان کے آپؐ ناسخ اور ماحی ہیں اور سب پر غالب اور قوی ہیں۔

حضور علیہ السلام کے الظاہر و باطن ہونے کے دلائل۔ آپؐ کے انوار نے تمام عالم کو گھیرا ہوا ہے اور تمام عالم کو روشن کیا ہے اور آپؐ کے ظہور کی مثل کسی کا ظہور نہیں اور آپؐ کے نور کی مثل کوئی نور نہیں اور آپؐ کے اسرار باطن ہیں۔ کسی شخص کو آپؐ کے حال کی حقیقت کا ادراک نہیں دور و نزدیک کی ہر شے حضور علیہ السلام کے کمال اور جمال کے نظارہ میں حیران و متحیر ہے۔

حضور علیہ السلام ہر شے کے جاننے والے ہیں۔ وھو بکل شی علیم (اور وہ ہر شے کا جاننے والا ہے) اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام شیونات الٰہی، احکام، صفات حق تمام اسماء و افعال اور آثار اور جملہ علوم ظاہر و باطن اول و آخر جانتے ہیں اور ان پر محیط ہیں جو اس کے مصداق ہے فوق کل ذی علم علیم (ہر علم والے کے اوپر علم والا ہے) علیہ من الصلوٰۃ افضلھا و من التحیات اتمھا و اکملھا۔

امابعد بندہ مسکین عبدالحق بن سیف الدین دہلوی قادری وفقہ اللہ لما یحب و یرضاہ و جعل اخراہ خیر من اولاہ۔ اس کتاب کے جمع اور تالیف کرنے کے اسباب میں کہتا ہے جس کا نام **مدارج النبوت** اور درجات الفتوۃ ہے۔ کئی سالوں سے دل میں وفور شوق اور ذوق ایمان تھا کہ سیر مصطفےٰ اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی شرح پر کتاب تالیف کرنی چاہیے جس کا حق خدمت ادا کیا ہے اور غلامی کی ہے اس کی تکمیل اور تتمیم کرنی چاہیے اور نور نظر فرزند نور الحق خصہ اللہ تعالیٰ عزوجل بخیئہ المطلق کی طرف سے بھی اصرار اور تاکید ہوئی اور چونکہ امر نہ ہوا تھا یعنی توفیق نہ ملی تھی شاہد مقصود کا جلوہ جمال توقف میں رہا۔ اور جب دور حاضر کے فساد کی وجہ سے اس دور کے کچھ مغرور درویشوں کی طبیعت میں انحراف نے راہ لی اور آئینہ استعداد کی سیاہی اور حوصلہ کی تنگی آڑھے آئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارفع مقام کہ جہاں تک کسی کو ادراک نہیں ان درویشوں نے نہ پہچانا اور اس کے متعلق اعتقاد کا حق ادا کرنے سے قاصر ہوئے اور دین قویم کے راستہ اور صراط مستقیم سے دور دور جا پڑے تھے تو ان مسلمانوں کے لئے حق نصیحت لازم ہو گیا کہ اس سرور انبیاء و امام اولیاءؑ فخر رسل استاد کل معدن علوم اولین و آخرین منبع فیض انبیاء و المرسلین واسطہ ہر فضل و کمال مظہر ہر حسن و جمال شاہد و مشہود وسیلہ و مقصود (صلی اللہ علیہ وسلم) کے احوال و صفات لکھے جائیں اور ان سے خبروں کو حقیقت حال سے آگاہ کیا جائے اور غافلوں کو خواب غفلت سے بیدار کیا جائے اور طالبان حق کو راہ پر لائے اور عشاق کو ذوق و شوق مزید ار دلایا جائے پس اس کتاب کو مرتب کیا۔ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبداء حسن و جمال اور فضل و کمال بیان کئے گئے ہیں۔ چونکہ ذوق اور محبت کی کیفیت طاری رہی لہٰذا حسب عادت تھوڑی سی مدت میں کتاب وجود میں آگئی اور راقم الحروف کو یہ پتہ بھی نہ رہا کہ کب شروع ہوئی اور کب مکمل ہو گئی۔ واللہ ولی الرشاد الیہ المبداء والمعاد۔

ترتیب کتاب۔ اور اس کتاب کی ترتیب پانچ قسموں پر ہے۔

قسم اول۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و کمالات کے بیان میں آپؐ کا حسن خلقت اور جمال صورت نمبر2

اخلاق عظیم صفات کریمہ۔ نمبر3 فضل و شرف جو قرآنی آیات اور صحیح احادیث سے ثابت ہے نمبر4 آپ کا اور آپ کی مرحومہ امت کا ذکر جو سابقہ کتابوں میں ہے۔ نمبر5 آپ کے ان فضائل کا ذکر جو آپ اور سابقہ انبیاء میں مشترک ہیں۔ نمبر6 آپ کے مخصوص کمالات کا ذکر مثلاً معراج وغیرہ۔ نمبر7 معجزات قاہرہ اور آیات باہرہ کا بیان۔ نمبر8 آپ کا اسماء گرامی۔ نمبر9 فضائل ذکر و کرامات اور درجات و مقامات کا بیان جو آخرت کے دن آپ کے مختص ہوں گے۔ مثلاً شفاعت عام اور وسیلہ مخصوص وغیرہ۔ نمبر10 آپ کے حقوق کا ذکر جن کی پاسداری تمام مخلوق کے لئے ضروری ہے۔ مثلاً ایمان اطاعت اتباع وغیرہ۔

قسم دوم۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب شریف، حمل شریف، پیدائش مبارک، آپ کی شیر خوارگی کا ذکر عبدالمطلب کی کفالت اور ان کی رحلت حضرت ابوطالب کی مدد اور تعاون ان کی ہمراہی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر شام۔ بحیرا راہب کا آپ کو پہچان لینا۔ آپ کی نبوت پر ایمان لانا۔ خدیجہ کبریٰ سے نکاح۔ بنائے کعبہ، آپ پر نزول وحی۔ ظہور نبوت۔ ابوطالب کی فوتیدگی۔ کفار کی طرف سے ایذائیں۔ حبشہ کی طرف صحابہ کی ہجرت۔ آپ کا طائف تشریف لے جانا۔ جنات کا بیعت کرنا۔ ہجرت مدینہ پر تیاری۔ ہجرت مدینہ وغیرہ۔ یہ قسم چار ابواب پر تقسیم ہے۔

قسم سوم۔ سن و سال کے لحاظ سے ان واقعات کا ذکر جو ابتدائے ہجرت سے وفات شریف تک رونما ہوئے ہر سال و سن کے واقعات علیحدہ ہیں اس لئے یہ قسم معنی کے لحاظ سے گیارہ ابواب پر ہوگی لیکن ابواب کے عنوانات کا ذکر نہ کیا جائے گا۔

قسم چہارم۔ مرض کا حدوث و امتداد اور وہ واقعات بیان ہوئے ہیں جو مرض کے ایام کے دوران اور روز وفات شریف وقوع میں آئے۔ غسل، تجہیز، و تکفین، نماز، دفن اور انبیاء علیہم السلام کی حیات کے ثبوت مذکورہ ہیں۔ اس قسم میں تین ابواب ہیں۔

قسم پنجم۔ اولاد طاہرہ، ازواج مطہرہ، اور اہل بیت و باندیاں وغیرہ کا ذکر ہے، چچا، پھوپھیاں، اجداد اور دودھ شریک بھائی بہن خدام و موالی نگہبان و دبیر، امراء، قاصد، عمال، خطباء، شعراء، موذنین اور سامان حرب وغیرہ کا بیان ہے اس ترتیب سے یہ قسم گیارہ ابواب پر ہوگی۔

تکملہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض اوصاف کاملہ کے بیان میں اہل معرفت و طریقت کے دستور کے مطابق اور آپ سے استمداد کرنے کا ذکر۔

قسم اول۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و کمالات۔ اس قسم میں گیارہ ابواب ہیں۔

باب اوّل

دربیان حسن خلقت وجمال صورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

رخ روشن صلی اللہ علیہ وسلم۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رخ انور جمال الٰہی کا آئینہ اور انوار لامتناہی کا مظہر تھا۔ صحیحین میں براء عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ عیہ وسلم تمام بنی نوع انسان میں سب سے زیادہ خوبرو اور خوش خو تھے اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے۔ کہ

مارائیت شیئاً احسن من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

ترجمہ۔ میں نے کوئی شئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حسین اور بہتر نہیں دیکھی۔

(ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ) کے قول میں مارایت شیئاً (کسی چیز کو نہ دیکھا) کہا گیا اور انساناً یا رجلاً نہیں فرمایا اس میں بہت مبالغہ ہے کہ حضور علیہ السلام کا خوبی وحسن ہر چیز پر فائق تھا اور کہا کہ آپ کا رخ روشن اس طرح روشن اور تاباں تھا۔ جیسے کہ آفتاب چہرہ انور میں پھرتا ہے اور دوسری حدیث میں آیا ہے کہ جب تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا ہے تو گویا دیکھتا ہے کہ آفتاب طلوع ہو رہا ہے۔

؎ تاشب نیست روز ہستی زاد آفتابے چوں اوندارد یاد

مقصود بیان یہ ہے کہ آپ کے رخ تاباں کی آب وتاب نہایت ہی زیادہ تھی۔ صحیح بخاری کی حدیث میں آیا ہے کہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ آیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک چمک دمک میں شمشیر کی مانند تھا؟ فرمایا نہیں بلکہ وہ تو چاند کی طرح تھا۔ کیونکہ شمشیر کی تشبیہ میں گولائی نہیں ہوتی اس لئے انہوں نے چاند سے تشبیہ دی کیونکہ چاند میں دونوں صفات جمع ہیں۔ چمک وتابانی بھی اور گولائی بھی مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ انہوں نے جواباً فرمایا نہیں بلکہ مہروماہ کی مانند تھا۔ یعنی مستدیر وگولائی کے لحاظ سے گول چاند کے مقابلہ میں سورج میں روشنی زیادہ ہے لیکن جو ملاحت ماہ میں پائی جاتی ہے وہ آفتاب میں نہیں ہے اور ملاحت ایسی صفت ہے کہ دیکھنے میں بھلی لگتی ہے اور دل نشین ہوتی ہے اور اس کو صرف ذوق (مناسب) ہی سمجھ سکتا ہے اور بیان نہیں کیا جاسکتا۔ جیسے کہ کہا گیا ہے۔

؎ شاہد آں نیست کہ موئے ومیانے دارد بندہ طلعت آں باش کہ آنے دارد

اور صباحت وملاحت کا فرق اس طرح کرتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی صفت صباحت تھی اور ملاحت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت وصفت ہے۔ آپ نے فرمایا "انا املح واخی اصبح (ہم ملاحت کے حامل ہیں اور بھائی یوسف علیہ السلام صباحت کے)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا روئے مبارک گول ہونے کے یہ معنی نہیں کہ دائرہ کی طرح گول۔ دائرہ کی طرح گولائی

خلاف حسن و جمال ہے۔ بلکہ یہ معنی ہیں کہ کچھ گول تھا یعنی دراز تھا گولائی لئے ہوئے۔ اور یہ حسن و جمال اور عظمت و ہیبت میں شامل ہے اور کہا گیا ہے کہ آپ کا رخ زیبانہ مکلثم تھا اور نہ مطہم' کلثم مانند دائرہ گول ہوتا ہے اور کتاب الشفاء میں ہے کہ مکلثم وہ ہوتا ہے جس کی ٹھوڑی چھوٹی ہو اور اس میں گولائی لازم ہے اس لئے کہ چہرہ ٹھوڑی کی لمبائی کے باعث دراز ہوتا ہے اور مطہم بروزن معظم وہ چہرہ ہوتا ہے جو پر گوشت اور متورم معلوم ہوتا ہو۔ قاموس میں تدویر و اجتماع کے معنی میں بھی لایا گیا ہے اور اسی جگہ معنی اخذ کئے گئے ہیں نیز اس کے معنی لاغر و نحیف کے بھی آئے ہیں اور دونوں معنی خلاف حسن و جمال ہیں اور روایت میں سہل الخدین بھی آیا ہے سہل نرم و ہموار زمین کو کہتے ہیں۔ بعض روایات اسیل الخدین ہیں اور یہ سیلان سے اخذ شدہ ہے۔ مواہب الدنیا میں ابن اثیر سے نقل کیا گیا ہے اسالہ در خدین استطالہ ہے (یعنی آپ کے رخسار مبارک نامطلوب حد تک) بلند و باہر نہ تھے۔ شیخ ابن حجر عسقلانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسی روایت کے باعث یہ بات قابل دریافت بنی کہ کیا حضور علیہ السلام کا رخ انور شمشیر کی مانند تھا تدبر لازم ہے۔ بعض احادیث میں چہرہ مبارک کو بقعہ قمر اور شقہ قمر یعنی قمر کا ٹکڑہ اور قمر کی تشبیہ آئی ہے اور ایسی تشبیہ شعروں میں بھی استعمال کی گئی ہے محبوبوں کے لئے۔

ہر دیدہ جائے آں ماہ پارہ نیست۔

گویا یہ تشبیہ چاند کی بلندی اس کے حجم کی زیادتی اور اس کی گولائی کے باعث ہے اور یہ وصف دوسرے تمام اشخاص سے زیادہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ تاباں میں زیادہ تھی۔ شعراء صحابہ میں سب سے زیادہ فصاحت کے حامل شاعر حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے کلام میں تشبیہ آئی ہے پس اس کے مطابق توجیہہ واجب ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ تشبیہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال توجہ و التفات یا کبھی کبھی چہرہ مبارک دوسری جانب تھوڑا سا پھیر کر توجہ فرمانے پر دی گئی ہے۔ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث اس کی تائید میں لائی جاتی ہے جو طبرانی شریف میں ہے فرمایا کہ ہماری جانب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح توجہ فرمائی کہ آپ کا چہرہ اقدس نصف پارہ چاند کی مانند تھا اور احسن توجیہہ یہ ہے کہ تشبیہ آپ کی پیشانی اقدس کو دی گئی ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا:-

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا سر استنار وجھہ کانہ قطعۃ قمر

ترجمہ: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماتھے پر شکن پڑتی تو آپ رخ روشن پارہ قمر کی طرح چمکنے دمکنے لگتا تھا۔

کیسکہ تشنہ لب تست باز میداند

کہ عین موج حیات است چیں پیشانی

الصراح (یہ لغت کی ایک کتاب ہے) میں سرر بفتحتین شکن پیشانی اور اس کی جمع اسرار ہے اور جمع اساریر ہے اور حدیث شریف میں آیا ہے کان تبرق اساریر وجھہ (رخ انور کی پیشانی کی شکنین چمکنے لگتی تھیں) اور بعض نے کہا ہے کہ پارہ چاند سے تشبیہ چاند میں پائی جانے والی سیاہی کے باعث ہے اور یہ سخن ضعیف ہے۔ کیونکہ چاند سے تشبیہ قطع نظر

اس کی سیاہی صرف چمک دمک سے ہوتی ہے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ چہرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاند کے دائرہ کی مانند تھا۔ دائرہ قمرہالہ قمر کو کہتے ہیں۔ اس کو فارسی زبان میں خرمن ماہ کہتے ہیں۔

بندہ مسکین (شیخ عبدالحق دہلوی) نور اللہ قلبہ بنور الیقین (عرض کرتا ہے) کہ واضح یہ ہے کہ جسم قمر سے تشبیہ کا مقصود ہے کہ ہالہ قمر سے تشبیہ سے اشارہ ہے۔ آپ کے چہرہ انور کے انوار و اضواء کی طرف جو آپ کے رخ مبارک کے گرد اطراف و جوانب میں احاطہ کئے ہوئے ہیں۔ مانند ہالہ اور یہ آپ کے رخ انور کے کمال ضیاء و نورانیت اور عظمت و ہیبت اور جلال کا بیان ہے اور اس ضمن میں کہ دیکھنے والے کی نظر میں کیا آتا ہے۔ اس تشبیہ پر نظر کرنے سے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا جلال و جمال آنکھوں اور دل کو بھی نور محبت و عظمت سے پر کر دیتا ہے اور کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بھی دائرہ قمر سے تشبیہ آئی ہے۔ چاند سے تشبیہوں میں سے چودھویں رات کے چاند سے تشبیہ بڑی ظاہر اور مشہور ہے۔ (امام بیہقی) نے ابو اسحاق سے روایت کی ہے کہ ہمدان کی ایک عورت نے مجھ سے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کیا ہے۔ میں نے کہا ان کے چہرے کی توصیف کر۔ اس نے کہا

کالقمر لیلۃالبدر لم ار قبلہ ولا بعدہ مثلہ

ترجمہ۔ چودھویں رات کے چاند کی طرح تھا۔ جس کی مثل اس سے پہلے اور نہ بعد میں دیکھی۔

اور جو طالب مشتاق ہمیشہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال جہاں آراء میں مستغرق رہتا ہے اسے چاہیے کہ بدر راتوں میں اس مشاہدہ سے غافل نہ رہے کہ دیدار نقد ہے اور ابن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فخما مفخما یتلالا وجہہ تلالو القمر لیلۃالبدر

ترجمہ۔ دیکھنے والوں کی نظر میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بزرگ معظم اور ہیبت والے تھے گویا کہ آپ کا رخ تاباں چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن تھا۔

آفتاب کے مقابلہ میں چاند سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن جہاں زیب کو تشبیہ اہل سیر حضرات اس لئے ترجیح دیتے ہیں کہ چاند اپنے نور سے آنکھوں کو ٹھنڈک اور فرحت پہنچاتا ہے اور اس کے دیکھنے سے دل کو انس اور لذت ملتی ہے اور اس کی طرف نظر کر لینے کا امکان ہے جبکہ سورج آنکھیں خیرہ کر دیتا ہے اور دل کو ذوق بھی نہیں دیتا ہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات عظیم الصفات کو سطوت و جلال اور نور بخشی اور اس کے ظہور کے باعث آفتاب سے تشبیہ دینا درست ہے اور آپ کی ذات شریف کن تھا۔

آفتاب کے مقابلہ میں چاند سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن جہاں زیب کو تشبیہ اہل سیر حضرات اس لئے ترجیح دیتے ہیں کہ چاند اپنے نور سے آنکھوں کو ٹھنڈک اور فرحت پہنچاتا ہے اور اس کے دیکھنے سے دل کو انس اور لذت ملتی ہے اور اس کی طرف نظر کر لینے کا امکان ہے جبکہ سورج آنکھیں خیرہ کر دیتا ہے اور دل کو ذوق بھی نہیں دیتا ہاں آپ صلی اللہ

علیہ وسلم کی ذات عظیم الصفات کو سطوت و جلال اور نور بخشی اور اس کے ظہور کے باعث آفتاب سے تشبیہ دینا درست ہے اور آپ کی ذات شریف کی کنہ حقیقت کے عدم ادراک اور آپ کے فضل و کمال کے مطالعہ میں دور و نزدیک سے عقول کے عاجز آجانے کے باعث بھی آفتاب سے تشبیہ دی جاسکتی ہے۔ جیسے کہ اس شعر میں ہے۔

اعلی الوری فهم معناه فليس يرى
للقرب والبعد فيه غير منفهم
كالشمس تظهر والصينين من بعد
صغيرة وكل الظرف من امم

یعنی آپ کی حقیقت فہم و ادراک سے وراء ہے کوئی بھی دور و نزدیک سے ادراک نہیں کر سکتا گویا کہ آپ سورج کی طرح ہیں جو دوری کے باوجود بھی آنکھیں خیرہ کر دیتا ہے اور اسی طرح جملہ مخلوقات آپ کی معرفت حقیقت سے عاجز ہے یہ تشبیہ حال کے مطابق ہے لیکن حسی اور عینی مشاہدہ میں چاند سے تشبیہ زیادہ مناسب ہے۔ مواہب الدنیہ میں نہایہ سے نقل کیا گیا ہے کہ حضور علیہ السلام جب خوش ہوتے تو آپ کا رخ زیبا آئینہ کے مانند ہو جاتا تھا اس میں در و دیوار کے نقوش اور دوسرے لوگوں کے چہروں کے عکس نظر آنے لگتے۔ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چاند والی راتوں میں دیکھا ہے۔ اس وقت آپ سرخ رنگ کی چادر و تہبند میں ملبوس تھے۔ کبھی میں آپ کے روئے روشن کو دیکھتا تھا اور کبھی چاند کی چمک دمک کو۔ قسم بخدا آپ چاند سے بہتر تھے۔ ان کے الفاظ میں "میرے نزدیک" میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن و جمال سے لذت اندوز ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ یہ تو ان کا اظہار تلذذ ہے۔ حضور علیہ السلام کے حسن و جمال کی وجہ سے۔ اور یہ حق ہے۔ کہ آپ سب سے بڑھ کر حسین و جمیل تھے۔

تنبیہہ:۔ حلہ کپڑوں کے جوڑے چادر و تہبند کو کہا جاتا ہے اور حمراء سے مراد سرخ دھاریوں والا ہے یہ محدثین کی تحقیق ہے جو لوگ حلے سے ریشمی لباس اور حمراء سے محض سرخ رنگ مراد لیتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات عالیہ شاعروں کی طرح بیان کرنا شعری مزاج و عادت کی وجہ سے ہے ورنہ اس دنیا کی کوئی چیز آپ کی اخلاقی خوبیوں اور تخلیقی صفتوں کو مثل نہیں ہو سکتی اور نہ ہم پلہ ہو سکتی ہے۔

سبحان اللہ من خلقہ و حسنہ و اجملہ و اتمہ و اکملہ سبحان اللہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چشم مبارک کا بیان۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کے متعلق دو وجہ سے گفتگو کی جاتی ہے۔ پہلی وجہ خانہ چشم اور اس کی شکل و ہیئت کی تعریف میں ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں بڑی تھیں۔ اور بھنویں بھی تھیں۔ آنکھوں کے بڑا ہونے کا مطلب ہے کہ انہیں تنگی اور چھوٹا پن نہ تھا۔ اور یہ نہیں کہ بڑائی کے باعث آنکھیں باہر نکلی ہوئی تھیں۔ آپ کے جسم مبارک کے اعضاء شریف میں اوسط اور اعتدال قاعدہ کلیہ ہے۔ کیونکہ توسط و اعتدال پر ہی حسن و جمال اور فضل و کمال کا

دار و مدار ہے اور دیگر حدیث میں "اشکل العینین" آیا ہے۔ یعنی آپ کی آنکھوں میں سفیدی میں سرخی لئے ہوئے تھیں۔ جس کا معنی یہ ہے کہ چشمان مبارک کی باریک رگیں سرخ تھیں اور "شہلہ" یعنی سیاہی سرخی ہونا آپ کی آنکھ مبارک کی یہ صفت بہت کم ذکر کی گئی ہے۔ لیکن نہایہ میں کہا گیا ہے۔ کہ

کان اشہل العینین و کفنہ الشہل حمرۃ فی سواد

ترجمہ۔ آپ کی دونوں آنکھیں اشہل تھیں۔ سیاہی میں سرخی کو اشہل کہتے ہیں۔

یہ بھی حسین آنکھوں کے حسن کی ایک قسم ہے لیکن اشکل العینین مشہور ہے۔ (سفیدی میں سرخی) اور شعروں میں حسین آنکھوں والے محبوبوں کے لئے شہلا آیا ہے اور قاموس میں ہے کہ اشکل وہ ہے جہاں سرخی و سفیدی ملی جلی ہوں اور سفیدی میں سرخی ظاہر ہوتی ہو۔ اور شکلہ کو "سحرہ" بھی کہتے ہیں۔ یہ سحر سے مشتق ہے۔ اس قسم کی آنکھ کو چشم سحر کار اور فسوں کار بھی کہتے ہیں۔ ایسی آنکھیں دلربا ہوتی ہیں۔ اور بعض اشخاص اشکل العینین کو طویل شق العینین یعنی لمبی اور باریک آنکھیں بھی تفسیر کرتے ہیں۔ اسی طرح قاموس نے تحریر کیا ہے۔ قاضی ریاض مالکی نے بھی اسی طرح بیان کیا ہے۔ شمائل ترمذی میں بھی اسی طرح آیا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کے قول میں عظیم العینین سے بھی یہی مراد ہے واللہ اعلم اور ادعج العینین بھی لکھا گیا ہے۔ اور ادعج حسین سیاہ آنکھ کو کہتے ہیں اور قاموس نے اس کی معنی فراخ اور کشادہ کئے ہیں۔ اور اکحل العینین بھی روایت کیا گیا ہے۔ جس کا معنی سرگیں آنکھیں ہیں۔

ے دو چشم تو کہ سیاہ ہند سرمہ ناکردہ بسال سرمہ سیاہ کردہ خانہ مردم

اس سے مراد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں بغیر سرمہ کے بھی سرگیں تھیں۔

وجہ ثانی۔ یہ دوسری وجہ حضور علیہ السلام کی آنکھوں کی بینائی کے متعلق ہے۔ ابن عباسؓ نے کہا ہے کہ آنحضرتؐ جس طرح دن کو دیکھتے تھے اسی طرح رات کی تاریکی میں دیکھتے تھے۔ یہ روایت بخاری و بیہقی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کی ہے اور قاضی عیاض نے شفا شریف میں لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ثریا میں گیارہ ستارے دیکھتے تھے اور سہیلی کے نزدیک بارہ ہیں۔ آپ کی نظر خضوع اور حیاء کی وجہ سے آسمان کی نسبت زمین کی طرف زیادہ رہتی تھی۔ اور احادیث میں وارد ہوا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آسمان کی طرف وقتاً فوقتاً نظر اٹھاتے تھے تو یہ وحی کے انتظار میں ہوتا تھا اور روز مرہ کی حالت میں نظر زمین کی طرف ہوتی تھی اور اکثر دیکھا گیا ہے کہ حضور گوشہ چشم سے دیکھتے تھے۔ براہ راست نظر کو جوق وملق کہتے ہیں آپ انتہائی حیاء اور وقار کے باعث گوشہ چشم سے دیکھتے تھے لیکن جب آپ کسی کی طرف توجہ فرماتے تو پورے طور پر گھوم جاتے تھے۔ دائیں یا بائیں پہلو بدلنا یا صرف گردن گھمالینا یا چور نظر سے ہرگز نہ دیکھتے تھے۔ کیونکہ متکبر اور تن آسان لوگ ایسا کرتے ہیں۔ آپ کی نظر آگے اور پیچھے کی طرف برابر تھی۔ صحیح احادیث میں آیا ہے کہ آپ نماز میں مقتدیوں سے فرمایا کرتے تھے کہ آپ رکوع و سجود میں مجھ پر سبقت نہ کیا کرو میں تمہیں اپنے آگے اور پیچھے سے یکساں طور پر دیکھتا ہوں اور تمہارا رکوع و سجود مجھ پر چھپا ہوا نہ ہے اور اس روایت کی حقیقت کو خدا جانتا ہے کہ کس طرح تھی۔ اور آپ

کے تمام اعضاء کے احوال اسی طرح ہیں کہ ان کی حقیقت کی کنہ تک کسی کو رسائی نہیں۔ اور ان کی کنہ جاننے کا دعویٰ ایسا ہے جیسا کہ متشابہات کی تاویل و تفسیر' عقل' قیاس' تدبر اور نظر کے لحاظ سے یہ آپؐ کی فضیلت ہے۔ آپؐ کی یہ بینائی چہرے کی آنکھ سے یا دل کی آنکھ سے؟ یا یہ نماز کی حالت میں مخصوص ہو گی جو محل انکشاف تمام اور زیادتی نور ہے۔ یا ہمہ وقت ہر حال میں یہ کیفیت ہو گی اگر یہ بینائی بصری ہے تو اسی سر کی آنکھ سے ہے یا پروردگار تعالیٰ قدرت والا ہے کہ آپ کے ہر جزو بدن کو بینائی عطا کر دیتا ہو۔ یا یہ بینائی آپؐ کو بغیر مقابلہ کی کسی شرط کے بطور معجزہ عطا ہوئی ہو گی۔ بعض نے کہا ہے کہ آپ کے دونوں کندھوں کے درمیان سوئی کے ناکے کی مانند باریک دو آنکھیں تھیں۔ جن سے آپ پس پشت دیکھ لیتے تھے۔ آپؐ انہیں کپڑوں میں ڈھانپتے نہ تھے۔ یا قبلہ کی طرف دیوار پر مقتدی حضرات کی شکلیں منعکس ہوتی ہوں اور آپ ان کی حرکات دیکھ لیتے ہوں گے۔ یہ ہر دو امور عجیب و غریب ہیں اگر کسی صحیح حدیث میں ہو تو ہم مانیں گے ورنہ تدبر کا مقام ہے۔ کیونکہ اسناد صحیح کے ساتھ اہل سیر کے نزدیک یہ دونوں باتیں ثابت نہیں ہیں۔

اور اگر یہاں دل کی آنکھ سے دیکھنا مراد ہے تو یہ علم آپؐ کو وحی' اعلام' کشف اور الہام کے طور پر میسر تھا۔ اہل سیر کے نزدیک یہی درست ہے۔ جس طرز پر اللہ تعالیٰ نے پاک دل کو معقولات کے جاننے اور سمجھنے میں وسعت اور احاطہ عطا فرمایا ہے۔ اسی طرح آپؐ کے لطیف حواس میں محسوسات کی سمجھ میں احاطہ عطا فرمایا ہے اور شش جہات کو ایک ہی جہت بنا دیا گیا ہو۔ واللہ اعلم۔

کان مبارک (سمع شریف)۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا میں وہ چیز دیکھتا ہوں جو آپ نہیں دیکھتے اور وہ آوازیں سنتا ہوں جو آپ نہیں سنتے' میں آسمان کی اطیط (آسمان کی کوئی خاص آواز) کو سنتا ہوں اور اونٹ کے پالان کی آواز' خالی معدہ کی آواز' درد اور تکلیف سے اونٹ کے بولنے کی آواز یا کسی اور قسم کی آواز ہو یہ سب اطیط کہلاتی ہیں اور آپ نے فرمایا کہ آسمان کی سزاوار ہے کہ وہ بھی آواز نکالے۔ آسمان پر ایک بالشت بھر اور ایک روایت کے مطابق چار انگشت بھر جگہ بھی نہیں ہے۔ جہاں کوئی فرشتہ سجدہ میں سر رکھے ہوئے نہ ہو اور دوسری روایت میں ہے کہ بہت سے فرشتے سجدے میں ہیں یا قیام میں ہیں اور کتب سیر میں آپؐ کے گوش مبارک اور ان کی جملہ اوصاف و ہیئت کے متعلق نہیں ملتا سوائے ایک روایت کے جو جامع صغیر میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کان مبارک مکمل و کامل (تام الاذنین) تھے۔

پیشانی شریف۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپؐ کی پیشانی مبارک کے متعلق صفت فرمائی ہے کہ واضح الجبین اور ایک روایت میں ہے صلت الجبین فی الصراح صلت کشادہ پیشانی ہوتی ہے۔ اور دوسری حدیث میں واسع الجبین آیا ہے اور ایک روایت میں واسع الجبہہ آیا ہے اور چہرہ مبارک کے ذکر میں کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان گزر چکا ہے کہ جب آپؐ کی پیشانی مبارک پر شکنیں پڑتیں تو معلوم ہوتا تھا کہ گویا چاند کا ٹکڑا ہے اور کہتے ہیں آپؐ کی جبین مبارک سے نیک

بختی طالع مندی اور نورانیت ظاہر ہوتی تھی اور سرنوشت جو کہ شکم مادر میں لکھی جاتی ہے اس کا مقام پیشانی ہے اور کبھی کبھی اس معنی کا مشاہدہ کعبہ کے دروازہ میں ہوتا ہے۔ جس وقت عادت کے طور پر اس پر پیشانی ملتے رگڑتے ہیں تو اس میں نیک بختی اور طالع مندی کے نشان ظاہر ہوتے ہیں۔

بھنویں مبارک۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں واضح الجبین مقرون الحاجبین آیا ہے۔ پیشانی کشادہ اور بھنویں ملی ہوئی اور قرن ابروؤں کے بالوں کے اتصال کو کہتے ہیں۔ اور ابن ابی ہالہ کی حدیث میں جو کہ حلیہ شریف کے واصفوں میں سے ہے من غیر قرن یعنی ابرو کے بال ملے ہوئے نہ تھے۔ آیا ہے ان ہردو روایات میں اختلاف ہے اور کہتے ہیں کہ من غیر قرن والی روایت صحیح ہے اور ظاہر میں اتصال زیادہ نہ تھا جس سے دونوں ابروؤں کے بال باہم پیوستہ ہوں اور نہ ہی دونوں ابروؤں کے درمیانی کھلی جگہ تھی کہ غیر متصل کہا جائے۔ چند خفیف بالوں کا اتصال تھا اس بنا پر ظاہر نظر میں اتصال اور عدم اتصال نمودار تھا۔ واللہ اعلم اور کہتے ہیں کہ دونوں ابروؤں کے درمیان ایک رگ تھی جو غضب کی حالت میں ظاہر ہوتی تھی۔ ابن ابی ہالہ کی حدیث میں ازج الحواجب بھی آیا ہے ازج کے معنی ہیں دراز کمان' موئے کثیر اور کشیدہ ابرو ہیں اور ایک اور حدیث کی رو سے ازج الحواجب سوابغ آیا ہے۔ یعنی کشیدہ ابرو اور گھنے بال' قاموس اور صحیحین میں زج کے معنی ابرو کی باریکی یا لمبائی کے ہیں جس طرح فارسی زبان میں کمان ابرو کہا جاتا ہے۔ بیہقی میں بعض صحابہ کرام سے نقل کیا گیا ہے۔ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو احسن الوجہ عظیم الجبہ و دقیق الحاجبین دیکھا ہے باریکی کے معنی یہ ہیں کہ ابرو کے بالوں کا گھنا نہ تھا اور کثرت مو کا مطلب ہے کہ بال تھوڑے اور دقفوں پر نہ تھے اور پراگندہ نہ تھے۔

بینی مبارک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ بینی مبارک کے ذکر میں اقنی الانف واقنی العزنین آیا ہے۔ عزنین بکسر عین مہملہ و سکون راء و کسر نون اس کا معنی بلندی جو بھنوؤں کے بالوں کے اتصال کے نیچے ہے اور اقنی کی تشریح سائل الحاجبین کے الفاظ سے کی گئی ہے یعنی مرتفع الوسط۔ سائل سیلان کے لفظ سے نکلا ہے اس کے معنی ناک درازی اور باریکی میں ایک طرح کی ہمواری کے بھی نقل کئے گئے ہیں اور دقت کا لفظ سیلان کے معنوں میں بھی آیا ہے۔ جس کا مفہوم ہے ناک کے موٹاپے کی نفی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناک مبارک نورانی اور روشن تھی کہ جب تک کوئی بڑے غور سے نہ دیکھتا اور سوچتا تھا بینی مبارک کو بلند تصور کرتا تھا۔ جب کہ اصل میں بینی مبارک بلند نہ تھی بلکہ نور بینی کی بلندی تھی جو ہر چیز کو بالکل ظاہر کر دیتا اور دکھاتا تھا اس میں نیک بختی اور سعادت مندی کی علامت ہے۔

حضور علیہ السلام کا دہن مبارک۔ صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے حدیث میں وارد ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضلیع الفم تھے۔ یعنی فراخ دہان' اور اسی طرح ابن ابی ہالہ نے توصیف کی ہے۔ ابن ابی ہالہ وصاف نبی تھے صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور حلیہ شریف کے بیان میں ایک طویل حدیث وارد ہوئی ہے جو کہ شمائل ترمذی میں مذکور ہے

عربوں کے نزدیک وسعت فم کی تعریف کی گئی ہے اور منہ کی چھوٹائی کو مذموم شمار کیا گیا ہے۔ صرف مردوں میں نہ کہ عورتوں میں، عربی شاعر تنگ دہنی کو محبوب کا خاصہ بیان کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک وہ عورتوں کے بارے میں ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اس سے اشارہ کم سخنی اور محبوبی کی طرف ہے۔ دوسری حدیث میں لفظ ضلیع الفم یعنی کشادہ دہنی کے بعد اس عبارت کا اضافہ ہے جس سے کشادہ دہنی کا مفہوم لیتے ہیں یفتتح الکلام و یختمہ باشداقہ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کشادہ دہنی سے کلام کا آغاز فرماتے اور اپنے شدق کے ساتھ اس کو ختم فرماتے تھے۔ شدق بہ کسر شین کنج دہان شدق ۔تحریک فراخی دہن کو کہتے ہیں۔ خطیب شدق کشادہ تالوا و تشدق فصیح بولنے والے کو کہا جاتا ہے مفہوم یہ ہے کہ آپؐ کے دہن مبارک سے کلام پورا مکمل اور بھرا ہوا ہوتا تھا۔ شکستہ و ناقص نہ ہوتا تھا۔ پس اس بیان سے فصاحت اور اس کا ثبوت دونوں حاصل ہوئے۔ اور تشدق لسانی جس کی مذمت کی گئی ہے اس صورت میں ہوتی ہے کہ ناحق ہو اور تکلف اور بناوٹ اس میں پائی جائے بعض نے کشادہ دہنی سے ہونٹوں کی نزدیکی بیان کی ہے۔ آپؐ مفلج الاسنان یعنی سامنے والے دانت کشادہ تھے۔ الصراح (لغت کی کتاب) میں فلج کے معنی سامنے والے دانتوں کی کشادگی ہے۔ اور حدیث میں آیا ہے۔ اشنب مفلج الثنایا۔ اشنب کے معنی دانتوں کی آب و تاب اور شیرینی ہے اور قاموس میں اشنب باکی حرکت ساتھ ورقۃ و برود عذوبۃ فی الاسنان معنی بیان کئے گئے ہیں۔ علی مرتضیٰ کی حدیث شریف میں سلیج الثنایا آیا ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں انہوں نے کہا ہے کہ آپؐ کے ہونٹ مبارک کشادہ تھے۔ جس وقت آپؐ گفتگو فرماتے تو ایسے دکھائی دیتا کہ سامنے والے مبارک دانتوں کی کشادگی کے درمیان میں سے نور چھن چھن کر نکل رہا ہے سبحان اللہ اللہ تعالیٰ بوصیری پر رحم فرمائے جس نے یہ شعر کہا ہے۔

كانها اللؤلؤ المكنون في صدف
من معدنه منطق منه و مبتسم

جیسے کہ دانت مبارک صدف میں پوشیدہ ہیں اور وہ اپنے معدن میں بولتے اور تبسم فرماتے ہیں۔ طبرانی کی اوسط میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہونٹ مبارک اور دہن مبارک کا مہرہ تمام لوگوں سے زیادہ احسن اور الطف یعنی حسین و لطیف تھا۔ ایک روایت میں وارد ہوا ہے۔ عظیم الاسنان یعنی دانت مبارک عظیم تھے۔ جملہ روایات محولہ بالا سے مفہوم ہے کہ آپؐ کا دہن مبارک درست اور صحیح تھا۔

حضور علیہ السلام کے لعاب دہن کے خصائص۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا لعاب شکستہ حالوں اور عشاق کے لئے شفا تھا۔ وہ حدیث مشہور ہے جس میں بیان ہے کہ روز خیبر علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں لعاب دہن لگایا گیا اور وہ ٹھیک ہو گئیں اسی وقت۔ ایک ڈول پانی آنجناب کے سامنے لایا گیا آپؐ نے ایک گھونٹ بھرا اور کلی کر دی دوبارہ اس ڈول کے پانی کو کنویں میں انڈیلا گیا۔ تو کنویں سے کستوری کی طرح خوشبو پھیل گئی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے گھر میں کنویں میں آپؐ نے اپنا لعاب دہن ڈالا تو وہ مدینہ طیبہ کے تمام کنوؤں سے زیادہ شیریں تھا۔ ایک دفعہ کچھ شیر خوار بچوں کو آپؐ کے

سامنے لایا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا آب دہن ان کے مونھوں میں ڈال دیا وہ اس طرح سیراب ہو گئے کہ وہ تمام دن انہوں نے دودھ نہ پیا۔ ایک دن امام حسن مجتبیٰؓ بڑے پیاسے تھے آپؐ نے اپنی زبان مبارک ان کے منہ میں ڈالی۔ وہ زبان کو چوستے رہے۔ اس کے بعد سارا دن سیراب رہے۔ اس نوعیت کے بہت سے معجزات روایات آئے ہیں۔

آپؐ کے تبسم مبارک کا بیان۔ صحیح بخاری میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت لاتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے کبھی آپؐ کو قہقہہ لگا کر ہنستے نہ دیکھا جس سے آپؐ کے لہوات دکھائی دیں لہوات جملہ حرف کے فتح کے ساتھ لہاۃ سے جمع ہے اور فتح لام وہ ٹکڑا گوشت کا جو کہ حنجراء کے اوپر ہوتا ہے اور منہ میں آخر پر ہوتا ہے اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا منہ مبارک ہمیشہ متبسم رہتا تھا اور یہ جو بعض احادیث میں آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اتنے ہنسے کہ آپ کی پچھلی عقل ڈاڑھ نظر آ گئی۔ نواجذ اس عقل ڈاڑھ کو کہتے ہیں جو آخری ہوتی ہے اور بلوغت کو پہنچنے پر نکلتی ہے۔ اس بیان میں ہنسنے میں مبالغہ کو ظاہر کیا گیا ہے نہ کہ یہ حقیقت ہے اور یہ مثل شدت ہنسی میں مثل کے طور پر ہے اور بعض کہتے ہیں کہ نواجذ سے مراد عام ڈاڑھ ہے اور دانت ہیں۔ آپ زیادہ تر مسکراتے تھے جو ضحک یعنی ہنسی کا ابتدائی درجہ ہے۔ جس میں خوشی سے دانت نظر آتے ہیں اگر ہنسی کی آواز یہ آواز قلقلہ سے سنی جائے تو یہ قہقہہ ہوتا ہے ورنہ اس کو ضحک کہا جائے گا اور اگر بالکل آواز نہ ہو تو اسے تبسم کہتے ہیں اور الصراح۔ لغت کی کتاب میں لبوں کے ملانے کو تبسم کہا گیا ہے۔ مگر عام طور پر مشہور یہ ہے کہ دانتوں کی سفیدی نمودار ہونے کو تبسم کہتے ہیں۔

علامہ شیخ ابن حجر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جملہ احادیث سے جو وضاحت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ اکثر اوقات بڑے بڑے حالات میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم صرف تبسم فرماتے تھے اس پر کبھی اضافہ نہ کرتے تھے۔ یہ بھی امکان ہے کبھی اس پر زیادتی کی ہو مگر ضحک یعنی تبسم تک ہی اس سے زیادہ نہیں لیکن یہ ہرگز قہقہہ نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ مکروہ ہے۔ زیادہ ہنسنا آدمی کے وقار کو کم کرتا ہے۔ بیہقی نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ضحک (تبسم) فرمانے کے وقت دیواریں روشن ہو جاتی تھیں۔ اور ان دیواروں پر آپؐ کے دانتوں کا نور سورج کی شعاؤں کی طرح پڑتا ہے۔

گریہ شریف کا ذکر۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گریہ شریف بھی تبسم (ضحک) کی قسم کا تھا۔ آواز بلند کبھی نہ ہوئی تھی۔ چشم مبارک سے آنسو بہتے تھے اور آپؐ کے سینہ اطہر سے ایک خاص قسم کی آواز سنی جاتی تھی۔ جس طرح تانبے کی دیگ میں جوش آیا ہے۔ بعض روایات میں کہا گیا ہے کہ چکی کی آواز کے مانند آواز ہوتی تھی۔ آپؐ کا گریہ فرمانا رب تعالیٰ کی جلالیت کے ظہور کے وقت یا امت پر شفقت اور طلب رحمت میں ہوتا تھا اس قسم کا حال زیادہ تر قرآن سنتے وقت یا کبھی کبھی راتوں کی نماز کے دوران ہوتا۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے جمائی لینے سے حفاظت میں رکھا ہے۔ جمائی سستی اور اعضاء کے ڈھیلے پن کی علامت ہے۔ تاریخ بخاری اور مصنف ابن ابی شیبہ میں نقل کیا گیا ہے کہ نبی علیہ السلام نے کبھی جمائی نہ لی تھی۔ بعض

روایات میں آیا ہے کہ کسی نبی نے کبھی جمائی نہ لی تھی۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ جمائی شیطان کی طرف سے ہے اگر جمائی غالب ہو تو بلیاں ہاتھ منہ پر رکھ جائے۔ یا ہونٹوں کو دانتوں میں دبائے جو لوگ ہاہایا آہ آہ کی آوازیں نکالتے ہیں ان کا یہ فعل حد درجہ کا قبیح ہوتا ہے۔ ایک روایت میں آیا ہے جو شخص اس طرح کرتا ہے۔ شیطان اس کے منہ میں ہنستا ہے۔

آپ کی صوت شریف (آواز کا بیان)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صوت شریف احسن ترین تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جملہ بنی نوع انسان میں آواز اور اس کی شیرینی کے لحاظ سے حسین ترین تھے اور کوئی دیگر شخص آپؐ سے زیادہ خوش آواز اور شیریں کلام نہ تھا اور آپؐ کے کلام شریف کی صفت اس طرح کی گئی ہے۔ اصدق الناس لھجہ یہ انہی معنی میں آیا ہے کہ حروف کے مخارج سے کلام فرمانے میں آپؐ کی زبان شریف سب سے زیادہ راست تر اور درست تر تھی۔ اور اس پر آج تک کوئی شخص (سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے) قادر نہیں ہو سکا اور (کلام میں) فصاحت کو صدق لہجہ کہتے ہیں اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ خدا تعالیٰ نے ہر پیغمبر کو خوش آواز اور خوبصورت بنا کر بھیجا ہے۔ حتیٰ کہ آپ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام پیغمبروں سے زیادہ خوش آواز اور خوش رو بنا کر بھیجا۔ اسی مقام پر کہا گیا ہے۔

؎ در دل ہر امتی حق مزہ است روئے آواز پیغمبر معجزہ است

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز مبارک بے تکلفی سے وہاں تک پہنچتی بالخصوص خطبوں کے دوران جن میں نصیحت ہوتی تھی۔ یا خوف دلانا اور خدا تعالیٰ سے ڈرانا ہوتا تھا۔ جیسے کہ پردہ دار عورتیں پردہ میں آپؐ کی آواز مبارک سنتی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام منیٰ پر ایام حج کے دوران خطبہ پڑھا اس خطبہ نے تمام لوگوں کے کان کھول دیئے اور تمام لوگوں نے اپنے اپنے مقام پر یہ خطبہ سنا اور جو کوئی بھی منیٰ میں موجود تھا خواہ دور یا نزدیک اس نے یہ خطبہ سنا اور وہ جو دوسری حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ میں خطبہ ارشاد فرمایا اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے سامنے اس کی تعبیر کرتے جاتے تھے۔ اس سے مراد آپ کی آواز سنوانا نہیں بلکہ آپ کے کلام مبارک کی تفسیر' وضاحت' تشریح بیان' اور رفع شکوک ہے۔

فصاحت شریف۔ حضور علیہ السلام کی زبان مبارک میں فصاحت' جامعیت کلام' انوکھا طرز بیان اور عجیب و غریب احکام بہت ہیں کہ کوئی محاسب فکر ان کا احاطہ نہیں کر سکتا اور آپ کی فصاحت کلام کے اوصاف بیان نہیں ہو سکتے اور اسی طرح زبان سے یہ بیان ناممکن ہے اور اللہ پروردگار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ فصیح الزبان اور شیریں بیان کوئی شخص پیدا نہیں کیا ایک دفعہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپؐ نہ تو ہم میں سے باہر نکلے اور نہ ہی آپ گھل مل کر رہے۔ آپؐ نے یہ سب فصاحت کہاں سے پائی۔ آپؐ نے فرمایا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی لغت کم اور فنا ہو چکی تھی۔ پس جبرئیل علیہ السلام وہ مجھ پر لے کر آئے میں نے اسے یاد کر لیا۔ نیز

فرمایا۔

ادبنی ربی فاحسن تادیبی

(میرے رب نے مجھے ادب سکھایا پھر میرے ادب کو حسین بنایا)

میرے رب نے مجھے ادب سکھایا۔ اسے اچھا کیا اور عربیت کا علم جو عربی زبان اس کی فصاحت و بلاغت سے متعلق ہے اسے ادب کہتے ہیں اور نیز فرمایا کہ میں نے بنی سعد بن بکر قبیلہ میں پرورش پائی جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دائی حلیمہ سعدیہ کا قبیلہ ہے اور وہ عرب میں سب سے زیادہ فصیح الزبان تھے اور جو روایت کیا گیا ہے کہ میں ضاد کو مخرج سے ادائیگی ہر اس شخص سے زیادہ فصیح ہوں۔ جو ضاد کو ادا کرتا ہے اگرچہ بعض محدثین کو ان کی اپنی اصطلاح کے ساتھ اس حدیث کی صحت میں کلام ہے۔ لیکن اس کے معنی صحیح ہیں اور حاصل کلام اسی طرف راجح ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں عرب میں سب سے زیادہ فصیح ہوں۔ کیونکہ یہ حرف (الضاد) عرب کے ساتھ مخصوص ہے اور دوسری زبانوں میں نہیں ہے اور عرب میں کوئی ایسا شخص موجود نہیں جس نے اس حرف کا حق ادا کیا ہو مکمل طور پر سوائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اور اس حرف کا مخرج دائیں یا بائیں کی طرف پچھلی داڑھ ہے اور لوگوں نے کہا ہے کہ اس کی ادائیگی بائیں طرف سے زیادہ آسان ہے اور صحابہ عظام میں سے بعض نے اسے ہر دو جانب سے ادا کیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم واضح طور پر مفصل کلام کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اگر سننے والا چاہتا کہ جدا جدا ہر حرف شمار کرے تو کر سکتا تھا اور آپؐ ایک بات کو تین بار دہراتے تھے۔ تا کہ سمجھ میں آجائے اور ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ احتیاط ابہام و اشتباہ کو دور کرنے کے لئے ہوگی۔ ورنہ آپ ہر بات میں ایسا نہ کرتے تھے۔ واللہ اعلم۔

خصائص کلام مبارک۔ ختمی مرتبت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کے خصائص میں سے ہے آپؐ نے فرمایا: اوتیت جوامع الکلم واختصر لی الکلام مجھے **جوامع الکلم** دیا گیا اور میرے لئے کلام میں اختصار کیا گیا اور **جوامع الکلم** سے مراد ہے کہ کلام میں نہایت اختصار اور معانی میں کثرت ہو۔ اور علماء نے اپنی وسعت اور طاقت کے مطابق بعض ایسے کلمات جمع کئے ہیں اور اپنے دفتروں اور کتابوں کو مزین کیا ہے اور آپؐ کے مکتوبات اور پیغامات جو بادشاہوں امراء اور اس وقت کے بڑے بڑے سرداروں کو بھیجے گئے تھے ہر قوم کو اسی کی زبان میں مخاطب کیا گیا تھا۔ (علماء نے ان کو) جمع کر کے ان کی شرح اور تفسیر کی ہے۔ اور چونکہ اس باب کا دارومدار فارسی کے لفظ پر ہے۔ ان میں سے بعض کلمات جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ کمال اور زینت جمال کے متعلق ہیں تصور میں لا کر بیان کئے جاتے ہیں۔ کیونکہ وہ آپؐ کے زبان و دہان مبارک سے فرمائے گئے تھے۔

؎ حرف از دہان و دست شنیدن چہ خوش است یا از دہان آنکہ شنید از دہان و دست

حدیث نمبر1۔ انما الاعمال بالنیات (ہر عمل کا دارومدار نیت پر ہوتا ہے)

یہ حدیث اصلی اور عظیم ہے اور اصول دین میں سب سے زیادہ جامع اور مفید ہے بہ نسبت دیگر احادیث کے' اور بعض نے اسے علم دین کا تہائی حصہ کہا ہے۔ اس اعتبار سے کہ دین قول عمل اور نیت ہوتی ہے اور بعض نے اسے نصف علم دین کہا ہے اس اعتبار سے کہ اعمال دو قسم کے ہوتے ہیں۔ اعمال قلب اور اعمال جوارح اور اعمال قلب میں سے نیت سب سے زیادہ افضل واجل ہے۔ پس اس کے متعلق علم نصف علم ہو گا۔ بلکہ دونوں نصفوں میں سے بڑا نصف ہے اور تمام اعمال قلبیہ اور بدنیہ کی اصل نیت ہے اور تمام اطاعات و عبادات کا دار و مدار نیت پر ہے اگر اس اعتبار سے مبالغہ کریں اور اس کو تمام علم کہیں تو درست ہو گا۔

2	من حسن اسلام المرء ترکه مالا یعنیه	کسی مرد کے اسلام کی عمدگی یہ ہے کہ تمام لغویات ترک کر دے۔
3	المسلم من سلم المسلمون من لسانه و یده	مسلمان وہ ہے جس کی زبان و ہاتھ سے دوسرے تمام مسلمان محفوظ ہوں۔
4	لا یومن احدکم حتی یحب لاخیه ما یحب النفسه	تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک ایماندار نہیں ہو سکتا جب تک وہی چیز اپنے بھائی کے لئے پسند نہ کرے جو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔
5	الدین نصیحة کله	دین سراپا بھلائی ہے۔
6	البلاء موکل بالنطق	کلام مصائب کا باعث ہوتا ہے۔
7	المجالس بالامانة	مجالس کی گفتگو امانت ہوتی ہے۔
8	المستشار موتمن	جس آدمی سے مشورہ کیا جائے وہ امین ہوتا ہے۔
9	ترک الشر صدقة	برائی کو ترک کرنا صدقہ ہے۔
10	الحیاء خیر کله	حیاء تمامتر بھلائی ہے۔
11	فضل العلم خیر من فضل العبادة	فضیلت علم فضیلت عبادت سے بہتر ہے۔
12	الصحة و الفراغ نعمتان مغبون فیهما اکثر الناس۔	صحت و فراغت دو نعمتیں ہیں جن میں اکثر لوگ داخل ہیں۔
13	من غشی فلیس منا	جس نے ملاوٹ کی وہ ہم میں سے نہیں۔
14	الدال علی الخیر کفاعله	نیکی پر دلالت کرنے والا خود نیکی کرنے والے کے مانند ہے۔

15	حب الشیئی یعمی ویصم	کسی شے کی محبت اندھا اور بہرا کر دیتی ہے۔
16	المرء مع من احب	آدمی اس کے ساتھ ہو گا جس کے ساتھ اس کو محبت ہے۔
17	لا ترفع عصاک عن اهله	اپنی اہل سے اپنی لاٹھی کو نہ اٹھاؤ۔
18	خیرکم خیرکم لاهله	تم میں سے وہ شخص بہتر ہے جو اپنے اہل کے لئے بہتر ہے۔
19	من ابطاء به عمله لم یسرع به نسبه	ست عامل نسب کے باعث چست نہیں ہو سکتا۔
20	زرغبا تزدد حبا	زیارت وقفہ کے ساتھ اور توشہ محبت کے ساتھ۔
21	ایاکم و خضراء الدمن	
22	لن یشاء الدین احد الا غلبه	ہرگز کوئی دینداری نہیں چاہتا سوائے اس کے کہ وہ اس پر غالب ہوتا ہے۔
23	الکیس من دان نفسه و عمل لما بعد الموت	اپنے نفس کو دیندار بنا کر تھیلا تیار کر لے اور موت کے بعد کے لئے عمل کر لے۔
24	الفاجر من اتبع نفسه و تمنی علی الله	فاجر وہ ہوتا ہے جو اپنے نفس کی اتباع کرے اور اللہ سے امید رکھے۔
25	لیس الشدید من غلب الناس انما الشدید من غلب نفسه	لوگوں پر غالب آنا شدید (بہلوری) نہیں اپنے نفس پر غلبہ شدت (بہلوری) ہے۔
26	الثناء ربیع المومن	ثناو حمد مومن کی بہار ہے۔
27	القناعة کنز لا یفنی	
28	الاقتصاد فی النفقة نصف المعیشة	اخراجات میں اعتدال (میانہ روی) آدھی معیشت ہے۔
29	التودد الی الناس نصف العقل	لوگوں سے محبت آمیز سلوک نصف عقل ہوتی ہے۔
30	حسن السوال نصف العلم	عمدہ طریق سے سوال کرنا آدھا علم ہے۔
31	لا عقل کالتدبیر	تدبیر کی طرح عقل نہیں ہوتی۔
32	لا ورع کالکف	کوئی پارسائی زبان روک لینے سے جیسی پارسائی کے برابر نہیں۔
33	لا حب کحسن الخلق	خوش اخلاقی جیسی کوئی دوسری محبت نہیں۔

34	الرضاع بغير الطباع	رضاعت غیر طبعی ہوتی ہے۔
35	لا ایمان لمن لا امانة له	جو امانتدار انہ ہو ایماندار نہیں ہوتا۔
36	الایمان یمان	ایمان حفاظت ہے۔
37	جمال الرجل فصاحة لسانه	کسی شخص کا جمال اس کی زبان کی فصاحت میں ہے۔
38	لا فقر اشد من الجهل	جہالت سے بڑھ کر کوئی محتاجی نہیں۔
39	لا مال اعز من العقل	عقل سے بڑھ کر عزت والا مال کوئی نہیں
40	لا دین لمن لا عهد له	جو عہد کا پورا نہیں اس کا دین نہیں۔
41	ماجمع شی احسن من علم الی علم	علم سے علم کو جمع کرنے کی نسبت بڑھ کر اچھا کسی دوسری چیز کا جمع نہیں۔
42	کن فی الدنیا کانک غریب او لعابری سبیل و عدنفسک من اصحاب القبور	دنیا میں اجنبی یا راہگیری کی طرح رہو اور اپنے آپ کو اہل قبور میں شمار کرو۔
43	العفو لا یزید الصبر الا عزا	درگذری بندے میں عزت کو بڑھاتی ہے۔
44	التواضع لا یزید الا رفعته	تواضع سے رفعت درجات ہوتی ہے۔
45	مانقص مال من صدقته	صدقہ دینے سے مال میں کمی نہیں آتی۔
46	کنوز البر کتمان المصائب	نیکی کا خزانہ مصائب کو چھپانا ہے۔
47	لا تظهر الشماتة باخیک فیعاقبه الله و یبلیک	اپنے بھائی کو طعنہ دے کر شرمسار نہ کرو کہ خدا تمہاری گرفت نہ کرے اور تمہیں بھی اس میں مبتلا نہ کرے۔

ان کلمات میں سے ہر کلمہ ایک ایسا خزانہ ہے جو دین و دنیا کے عجیب و غریب آداب پر مشتمل ہے اور یہ قلعدے دین و دنیا کی سعادتوں سے معمور ہیں اور اس قسم کی مثالیں بے شمار اور بے اندازہ ہیں ان میں سے جو بالفعل نظر آئے ہیں وہ تحریر کر دیئے ہیں ان میں سے ہر ایک کی شرح اور بیان ایسا ہے کہ کئی دفتروں میں بھی نہیں آسکتی اور حدیث شریف الدین نصیحته تمام اولین و آخرین کے علوم پر منحصر ہے اور دنیا کے علماء جمع ہو جائیں اور اس کی شرح بیان کرنے لگیں تو اس کے ایک جزء سے بھی نہ نپٹ سکیں جو کچھ بھی وہ کہیں گے وہ اپنے علم وسعت حوصلہ اور عقل کے اندازے کے مطابق کہیں گے۔ فارسی رسالہ میں اس کے متعلق اشارہ کیا گیا ہے۔

سر مبارک۔ حضور علیہ السلام کے سر مبارک کے متعلق حدیث ابی ہالہ میں آیا ہے۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عظیم الھامة (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک عظیم تھا۔)

اور سر کی بزرگی و فور عقل پر دلیل ہے اور جودت پر بوجہ قوت دماغ اور اس کی کثرت کے اور سر جوہر عقل کا حامل ہوتا ہے۔ یہاں سر کی عظمت سے مراد کوتاہی اور چھوٹائی کی نفی ہے۔ ورنہ آپ کے جملہ اعضاء بدن و جوارح میں اعتدال ہے۔ جیسے کہ اس سے پہلے اس طرف اشارہ کیا گیا ہے اور ہر جگہ یہ قاعدہ و کلیہ نظر میں رکھنا چاہیے۔

موئے مبارک۔ حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ہے کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا آپ کے بال نرم نرم تھے۔ رجل فتح کے ساتھ راؤ کسر جیم اور فتح سے بھی آیا ہے۔ اس طرح نیز سبط و قطط میں آیا ہے۔ سبط فتح سین و سکون باو کسر با اس کے معنی ہیں نرم اور لٹکتے بال اور قطط بفتح قاف و کسر طاو فتح طا جو بال سخت اور پیچیدہ ہوں۔ جبشیوں کے بالوں کی طرح جنہیں گھونگھریالے بال کہتے ہیں۔ بعض احادیث میں آپ کے بالوں کے لئے جعد آیا ہے یعنی سخت پیچیدہ لیکن تمام تر جعد نہیں تھے بلکہ جعد قطط یعنی نرم اور گھونگھریالے تھے۔ سبط و قطط کی ضد میں جعد جائز نہ ہے اور بعض روایات میں جعد کی نفی کی گئی ہے۔ جعد سے مراد سخت اور بل دار ہوتے ہیں اور صراح میں جعد کے معنی مرغول اور قطط کے معنی سخت مرغول اور سبط کے معنی لٹکے ہوئے بال ہیں۔ پس حضور علیہ السلام کے بال نہ سبط تھے نہ قطط۔ بلکہ دونوں کے بین بین تھے۔ ایسے بالوں کو رجل بھی کہتے ہیں اور جعد بھی کہتے ہیں۔ اور آپ کے بالوں کی لمبائی کانوں کے درمیان تک تھی اور ایک روایت کے مطابق کندھوں کے قریب تک ان سب روایات میں تطبیق اس طرح ہے کہ سب اوقات و احوال کے اختلاف کے مطابق ہے۔ کبھی آپ تیل ملتے اور کنگھی کرتے تو بال لمبے ہوتے ورنہ آپ کے بال چھوٹے ہوتے یا بال کتروانے سے قبل و بعد لمبے اور چھوٹے ہوتے اور مواہب لدنیہ میں کہا گیا ہے اور مجمع البحار میں بھی اس کے مطابق آیا ہے کہ جب بال ترشوانے کے لئے آپ توجہ نہ فرماتے تو بال لمبے ہوتے اور جب بال ترشوائے جاتے تو بال چھوٹے ہوتے تھے۔ اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام بالوں کو چھوٹا کرواتے تھے مونڈواتے نہ تھے آپ نے خود فرمایا ہے کہ آپ حج و عمرہ ان دو مواقع کے علاوہ بال نہ مونڈواتے تھے۔ واللہ اعلم۔

○# ام ہانی کی روایت میں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تشریف فرما ہوئے۔ آپ کے بالوں کی چار لٹیں (گیسو) تھے اور سر کے بالوں کو چھوڑنا سنت ہے۔ پرانے زمانے سے عربوں کی عادت اسی طرح تھی لیکن چاہیے کہ بالوں کو تیل لگایا جائے اور کنگھی کی جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بالوں میں اکثر کنگھی کرتے رہتے تھے۔ اور اگر کسی کے بال بکھرے ہوئے دیکھتے تو آپ کراہت محسوس کرتے اور کہتے کہ تم میں کسی نے دیکھا ہے گویا شیطان ہے اور جب آپ دیکھتے کہ کسی نے بڑا تکلف کیا ہے (بناؤ سنگار) اور لمبے بالوں سے بھی آپ کراہت فرماتے۔ اور ہر حال میں توسط (اعتدال) پسندیدہ ہے۔ جو کوئی تیل و کنگھی نہ کر سکے اس کے لئے تو بال کتروانا ہی بہتر ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں سر کے بالوں کو اس وقت سے دشمن سمجھتا ہوں جب سے میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ہر بال کی جڑ میں جنابت ہوتی ہے اور وہ جو اہل زمانہ سے بال کتروانے کا پتہ چلتا ہے خصوصاً" مشائخ و زہاد اور عباد۔ اس کی وجہ بظاہر یہ

معلوم ہوتی ہے کہ تیل و کنگھی کی یا تو استطاعت نہیں ہوتی یا فرصت نہیں ہوتی۔

فائدہ۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بالوں کو سدل کرتے تھے اور مشرکین اپنے بالوں کو فرق کرتے تھے۔ سدل سے مراد پیشانی کے اطراف میں بال لٹکانا ہے اور فرق سے مراد بالوں کو علیحدہ علیحدہ کرنا ہے کہ درمیان میں مانگ ظاہر ہو جائے اس کو مفرق کہتے ہیں یعنی تارک سر اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اہل کتاب کی موافقت کو پسند کرتے تھے۔ ان امور میں جن میں حکم الٰہی نہ ہوتا تھا۔ اس کے بعد آپ فرق کرنے لگے۔ پس کہتے ہیں کہ فرق کرنا سنت ہے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سدل سے فرق کی طرف رجوع فرمایا اور ظاہر یہ ہوتا ہے کہ آپ کو اس کے بارے میں حکم ہوا ہوگا۔ پس سدل منسوخ ہو گیا۔ اور احتمال ہے کہ اجتہاد سے فرق کرنا اپنا ہوگا۔ اس میں اہل کتاب کی مخالفت ہوتی ہے۔ ان کی موافقت صرف کی ان کی تالیف قلوب کی خاطر تھی جب اللہ تعالیٰ نے ان سے آپ کو بے نیاز کر دیا تو ان کی موافقت ترک کر دی گئی۔ اور بالجملہ سدل اور فرق دونوں جائز ہیں اور فرق زیادہ پسندیدہ اور افضل ہے۔ جیسا کہ علماء فرماتے ہیں اور مختار یہ ہے کہ بالوں کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے اگر خود بخود مانگ نکل آئے تو مانگ نکالی جائے واللہ اعلم۔

مسئلہ خضاب میں اختلاف۔ آیا حضور علیہ السلام بالوں کو خضاب کرتے تھے یا نہ اس میں علما کو اختلاف ہے۔ اکثر اس میں رائے پر ہیں کہ آپؐ خضاب نہ کرتے تھے۔ اور محدثین کا مسلک یہی ہے کیونکہ آپؐ کا بڑھاپا اس حد پر نہ پہنچا تھا کہ خضاب کیا جائے اور تمام سر اور ریش مبارک میں صرف چودہ یا سترہ یا اٹھارہ بال (سفید) تھے اور بالوں میں تیل لگایا جاتا تو یہ بال بھی پوشیدہ ہو جاتے تھے) بڑھاپا پوشیدہ ہو جاتا تھا اور دکھائی نہ دیتا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ کی ریش مبارک میں صرف چند بال سفید تھے اگر میں چاہتا تو انہیں گن لیتا تھا۔ اور چند بال سر مبارک میں (سفید تھے) اور کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خضاب نہ کرتے تھے اور یہ جو روایت ہے کہ انس رضی اللہ عنہ وہ بال مبارک باہر لائے جو ان کے پاس تھے۔ وہ مخضوب تھے۔ علماء نے کہا ہے کہ وہ مخضوب نہ تھے بلکہ خوشبو سے ممزوج و معطر تھے اور اس طرح دکھائی دیتے تھے جیسے کہ مخضوب ہیں یا انس رضی اللہ عنہ نے ان کو خضاب کیا تھا کہ محفوظ رہیں اور اس طرح ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں بھی کلام ہے اور مواہب میں اور صحیحین میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ہے کہ انہوں نے حضور علیہ السلام کو دیکھا کہ بالوں کو زرد رنگ کیا ہوا ہے۔ علماء نے کہا ہے کہ وہ زردی زعفران تھی اور میں نے شیخ اجل امام عبدالوہاب متقی سے سنا ہے کہ وہ کہتے تھے کہ یہ خضاب نہ تھا۔ کیونکہ آپؐ کے بال مبارک سیاہ تھے اور سیاہ رنگ کوئی دوسرا رنگ نہیں پکڑتا۔ زردی سے آپؐ نے بالوں کی صفائی فرمائی تھی اور پاکیزگی فرمائی تھی مگر جو چند بال سفید تھے وہ رنگین ہو گئے ہوں گے اور وہ بھی پیری میں خضاب کیا ہو تو مقام تدبر ہے۔ اور امام نووی رحمتہ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ مختار یہ ہے کہ کبھی تو رنگ کرتے تھے اور اکثر اوقات ویسے ہی چھوڑ دیتے تھے۔ پس ہر کسی نے وہی خبر دی جو اس نے دیکھا اور ہر خبر دینے والا سچا ہے اور فرمایا کہ یہ تاویل معین ہے۔ کیونکہ ابن عمر رضی اللہ عنہ والی حدیث صحیحین میں

ہے۔ اس کا ترک ممکن نہیں اور نہ ہی اس کی تاویل ہے۔ باوجود اس امر کے کہ حضور علیہ السلام کا سن مبارک وہ تھا جس میں عورتیں بالوں کی سفیدی کو مکروہ سمجھتی ہیں۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی چیز کو مکروہ سمجھنے والا کافر ہو جاتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کئی حدیثوں میں روایت ہے کہ شیب کو غیب سمجھتے اور فرماتے تھے ماشاء اللہ بالشیب۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑھاپا نہ دیا اور علماء کہتے ہیں کہ حیران کن امر ہے کہ انس رضی اللہ عنہ نے اس طرح فرمایا ہے جب کہ حدیث میں آیا ہے کہ بڑھاپا وقار اور نور ہوتا ہے اور زبان نبوت سے بڑھاپے کی تعریف کی گئی ہے اور کہتے ہیں کہ جب انس رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف خضاب کرنے اور حالت بدلنے میں مبالغہ دیکھا۔ جیسے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے والد ابو قحافہ رضی اللہ عنہ کے سر اور ریش کے بال سفید ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کراہت فرمائی اور فرمایا کہ بڑھاپے کو بدل دو جوانی سے۔ پس جب انس رضی اللہ عنہ نے بالوں کی سفیدی کو غیب گردانا اور دوسری حدیث نہ سنی یا یہ گمان کیا کہ وہ حدیث منسوخ ہے اس حدیث کی رو سے تو اس طرح حکم کیا۔ جیسے کہ مواہب لدنیہ میں ہے۔ بندہ مسکین ثبتہ اللہ فی مقام یقین کہتا ہے کہ اس میں شک نہیں کہ دشمنوں کی نظر میں قوت، قدرت اور مہابت کی حیثیت سے جوانی ایک کمال ہوتا ہے جس کو دین کی تقویت اور اسلام کی شوکت میں پورا دخل ہے۔ بالخصوص زمانہ نبوت میں جہاد فی سبیل اللہ اور دشمنوں کے ساتھ غزوات اس وقت کافی ہوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت تھی کہ اس نے حضور علیہ السلام کو بڑھاپے سے بچائے رکھا۔ بڑھاپا کمزوری اور عجز کی نشانی ہے۔ اور صحابہ رضوان اللہ علیہم کو خضاب کی رخصت و ترغیب بھی اسی لئے تھی کہ یہ اہل شباب سے تشبیہ رکھتا ہے اور آپؐ کا بڑھاپا صرف چند بالوں تک تھا جو کہ خوف و خشیت الٰہی کے باعث تھا۔ جیسے کہ آپؐ نے فرمایا کہ سورۃ ہود و الواقعہ اور المرسلات و عم یتساءلون اور اذالشمس کورت نے مجھے بوڑھا کر دیا ہے۔ اور یہ بڑھاپا اس قدر نہ تھا کہ آپ کی جوانی کی صورت میں خلل یا فتور ڈالے اور سفیدی کا یہ وجود باعث وقار و نور تھا۔

چنانچہ خلیل الرحمٰن ان پر صلوٰۃ اللہ و سلامہ ہو اور آپؐ کے فرزند حضرت اسحٰق علیہ السلام دونوں میں تمیز کی خاطر سفیدی بھیجی گئی تھی۔ اس پر آپؐ نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا یا رب! یہ کیا ہے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا یہ وقار ہے انہوں نے کہا ربزدنی وقارا اے میرے رب میرے وقار کو اور زیادہ کردے۔ فافھم و باللہ التوفیق

بیان لحیہ شریف۔ اور ابن ابی ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ریش مبارک کے متعلق آیا ہے۔

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم كث اللحية

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ریش مبارک میں بال کثرت سے تھے (یعنی داڑھی مبارک گھنی تھی)

لغت میں کث کے معنی کثیف ہیں جو لطیف کی ضد ہوتی ہے۔ اور کہا گیا ہے رجل كث اللحية و كيف اللحية و

لحیۃ کث اور قاضی عیاض کی کتاب شفاء میں کہا گیا ہے۔ اللحیۃ یملاء صدرہ آپ ؐ کے ریش مبارک میں اتنے زیادہ بال تھے کہ آپ ؐ کا سینہ مبارک ان سے بھر گیا تھا اور آپ کی ریش مبارک کی لمبائی کتب میں معین نظر نہیں آتی اور وظائف النبی میں کہا گیا ہے آپ ؐ کی دھاڑی مبارک چار انگل تھی طبعی طور پر یعنی از روئے خلقت اتنی لمبائی تھی۔ اس میں کمی بیشی نہ ہوتی تھی۔ لیکن اس پر کوئی سند میسر نہیں ہوئی اور ریش کا طولانی ہونا باعث حسن و جمال ہے بالخصوص جب دھاڑی گھنی ہو۔ واللہ اعلم۔

نیز یہ بات اس کے خلاف ہے جو شفاء میں ذکر کی گئی ہے اور ترمذی کی حدیث کے بھی خلاف ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دھاڑی مبارک اپنے ہاتھ میں پکڑ کر اپنی مونچھوں کو کترواتے تھے اور فرماتے تھے کہ جو کوئی مونچھوں کو نہ ترشوائے وہ ہم میں سے نہیں۔

صحیحین میں آیا ہے کہ مشرکوں کی شکل و صورت میں مخالفت کرو اور ایک روایت میں ہے کہ آتش پرستوں کی مخالفت کرو۔ اور بہت زیادہ کرو اور دھاڑیوں کو لمبا کرو اور مونچھوں کو پست کرو اور لبوں کو کتروانے کے بارے میں آئمہ کا اختلاف ہے اور کم از کم یہ ہے کہ لبوں کی اطراف ظاہر ہوں اور مونچھوں کو مونڈوانا بدعت ہے اور بعض آئمہ کے نزدیک سنت ہے اور حنفیوں کے نزدیک احفاء ہے کہ جڑ سے اکھاڑتے ہیں۔ لیکن حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مونچھوں کو مسواک کے اوپر اٹھایا اور ظاہر طور پر یہ احفاء کے خلاف ہے جیسے کہ کہا گیا ہے اور یہ ایک مخصوص وقت پر تھا۔ ورنہ زیادہ تر اوقات میں احفاء ہی ہوگا اور ہمارے مذہب میں یہ ہے کہ ابرو کے مقدار میں چھوڑ دیئے جائیں اور یہ غیر غازیوں کے لئے ہے۔ غازیوں کے لئے مونچھیں لمبی کرنا مستحب ہے۔ تاکہ دشمنوں کی نظر میں ہیبت پیدا ہو۔ اتنا لمبا نہیں کہ اطراف لب پوشیدہ ہو جائیں۔ جیسے نقلاً عن ذخیرۃ مطالب المومنین میں ہے۔ مونچھوں کے دونوں کناروں کے بال چھوڑنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کہتے ہیں کہ حضرت امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ اپنے مونچھوں کے کناروں کو چھوڑ دیتے تھے۔ اس لئے کہ وہ لبوں کو نہیں ڈھانپتے تھے اور کھانا بھی انہیں نہیں لگتا تھا اور مونڈوانے اور زیر لب بال جنہیں عنفقہ کہتے ہیں ان کے چھوڑ دینے میں اختلاف ہے اور ان کو چھوڑ دینا ہی افضل ہے لیکن عنفقہ کے دونوں طرفین کو مونڈ دینے میں کوئی خدشہ نہیں ہے۔ ریش کے بڑھانے میں بھی اختلاف ہے۔ مذہب حنفی میں چار انگل مشہور ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ اس سے کم نہ ہونی چاہیے لیکن روایت میں آیا ہے کہ اس سے زیادہ کو قطع کر دینا واجب ہے اور کہتے ہیں کہ اگر علماء مشائخ اس سے زیادہ چھوڑ دیں تو وہ بھی درست ہے۔ وہ یہ دلیل لاتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ اپنی داڑھی کو مٹھی میں پکڑ لیتے تھے۔ پس جو اس سے زیادہ ہوتی تھی کٹوا دیتے تھے اور یہ حدیث کتاب اللباس کے آخر میں درج ہے لیکن اس لفظ کے ساتھ ہے کہ

کان ابن عمر اذا حج واعتمر قبض علی لحیتہ فما فضل اخذہ

حضرت ابن عمر جب حج ادا کرتے یا عمرہ تو اپنی داڑھی کو مٹھی میں پکڑ کر زائد بال کٹوا دیتے۔

اور پھر حضرت نافع نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے حدیث بیان فرمائی کہ

قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و آلہ وسلم انھکو الشوارب واعفوا اللحی

کہا کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کہ مونچھوں کے تراشنے میں مبالغہ کرو اور داڑھی کو چھوڑ دو۔

یعنی اضافہ کرو اور شوارب کے کتروانے میں اور داڑھیوں کو اپنے حال پر چھوڑ دو۔ ان سے تعرض مت کرو۔ جیسے کہ شارحین نے تفسیر کی ہے۔ پھر اشکال لائے ہیں کہ جب داڑھی کو چھوڑ دینا مامور بہ ہے پھر کیوں ابن عمر رضی اللہ عنہ مٹھی بھر کر باقی ماندہ کو کترواتے تھے باوجود اس کے کہ وہ خود اس حدیث کے راوی ہیں تو اس کا جواب انہوں نے دیا ہے کہ اس میں کمی یعنی کتروانا حج اور عمرہ کے وقت مخصوص تھا۔ اور قصر کے معنی وہی ہیں جو مذکور ہوئے ہیں اور مجمیوں کے فعل کی طرح نہیں اور اس باب میں پہلے آدمیوں کی عادت مختلف ہے بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی داڑھی ان کے سینے کو پر کرتی تھی اور اسی طرح عمر رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھا ہے اور حضرت الشیخ محی الدین رضی اللہ عنہ طویل و عریض داڑھی والے تھے۔

عانہ شریف۔ او زیر ناف بالوں کے متعلق بعض حدیثوں میں آیا ہے کہ مونڈتے تھے اور بعض میں بیان ہوا ہے کہ نورہ کرتے تھے اور ہر دو طرف کی حدیث ضعیف ہے اور مونڈنے والی حدیث ضعیف تر ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ حمام میں گئے تھے نہ حمام انہوں نے دیکھا تھا۔ اور حضور علیہ السلام کے رحلت کے بعد عجمی ممالک فتح ہونے کے بعد حمام وجود میں آئے۔ اس کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حمام کی خبر پہلے ہی دے دی تھی اور عورتوں کو حمام میں جانے سے منع فرمادیا تھا۔ سوائے بوقت ضرورت فصد اور علاج وغیرہ کے' اور حضور علیہ السلام بروز جمعہ اور بعض روایات کے مطابق جمعرات کے روز مونچھوں کو اور ناخنوں کو کترواتے تھے۔ ناخن کٹوانے کی کیفیت میں کوئی چیز ثابت نہیں ہے۔ صرف اس قدر آیا ہے کہ انگشت شہادت سے شروع کرتے تھے اور انگوٹھے پر ختم کرتے تھے۔ ایک نظم جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منسوب ہے اس میں آیا ہے۔

قلم الاظفار بالسنة والادب یمنها خواسب یسارها اوخسب

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسواک اور کنگھی کبھی اپنے سے جدا نہ کرتے تھے اور جب بالوں کو تیل لگاتے تھے تو کنگھی فرماتے تھے اپنی ریش مبارک کو اور آئینہ میں اپنے جمال شریف کو ملاحظ فرماتے تھے۔ اور حق تو یہ ہے کہ آپؐ ہی کو آئینہ دیکھنا ہی چاہئے۔ کیونکہ آپؐ کا جمال' جمال جہاں آرا اور نور اللہ تعالیٰ کے نور کو ظاہر کرنے والا اور بعید و حساب بھیدوں کو ظہور میں لانے والا ہے۔

دم از آئینہ حسن ترا جدائی نیست
غرض تجلی حسن است خود نمائی نیست

صلی اللہ علیہ وآلہ قدر حسنہ و جمالہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن شریف۔ گردن شریف کے متعلق حدیث ابن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ میں آیا ہے۔ کہ کان عنقہ جید دمیہ فی صفاء الفضۃ آپ کی گردن شریف چاندی کی طرح صفائی میں چمکدار اور دمیہ کی طرح تھی۔ دمیہ بضم دال و سکون میم' وہ بت جو ہاتھی دانت سے تراشا گیا ہو۔ جیسے کہ نہایہ میں ہے اور قاموس میں ہے وہ مجسمہ جو سفید پتھر سے تراش کیا گیا ہو اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن شریف کو بت و مجسمہ سے تشبیہ ادب کے خلاف دکھائی دیتا ہے لیکن چونکہ اس کی صنعت میں بڑی آراستگی کرتے ہیں اور اسے خوبصورت بنانے میں بڑا مبالغہ کرتے ہیں۔ لہٰذا اس سے تشبیہ دی گئی ہے۔ (کذا فی النہایہ) اور شمائل کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ "الدمیتہ الغزال" یعنی دمیہ غزال یعنی ہرن کو کہا جاتا ہے اور دیگر حاشیہ میں دمیہ ہرن کے بچہ کو کہتے ہیں لیکن کتب لغت میں یہ معنی نہیں ملے۔ واللہ اعلم۔

اور اس حدیث کو ظاہر عبارت فی صفاء الفضۃ ہے کہ یہ گردن مبارک کی صفت ہے اور دوسری حدیث کی رو سے جو مواہب میں لائی گئی ہے۔ کہ

قال ابو ھریرہ کان جیدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابیض کانما صیغ من فضۃ	ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن مبارک سفید تھی گویا کہ چاندی سے بنائی گئی ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی صفات میں یہ صفت علیحدہ ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی منکبین شریف۔ منکب بفتح میم و کسر کاف بمعنی سر کندھا اور بازو کے اجتماع کی جگہ اور (لغت کی کتاب) صدرح میں منکب کا معنی بن اور بازو اور شانہ ہیں۔ اس کی توصیف میں واقع ہوا ہے۔

بعیدما بین المنکبین	دونوں منکب میں دور کی مسافت

نیز صیغہ تصغیر کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے اور بعض نے یہ تفسیر سینہ مبارک کی چوڑائی کی ہے۔ اور سینہ کی چوڑائی (عرض صدر) ایک علیحدہ صفت ہے اور جو واقع ہوا کہ

عریض الصدر بعیدما بین المنکبین

اور یہ ہر دو صفات لازم و ملزوم ہیں۔ چونکہ یہ صفت دو اعضاء کے متعلق ہے اس لئے علیحدہ ذکر کیا گیا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا صدر مبارک۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ مبارک کشادہ محسوس تھا جو کہ آپ کی صورت ظاہر اور حلیہ شریف میں داخل ہے لیکن صدر معنوی وہ ہے جس کی طرح آیت شریف الم نشرح لک صدرک میں اشارہ کیا گیا ہے۔ وہ مقام بلند ہے کہ تمام کمال ذات بابرکات سید السادات صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے آپ کے علاوہ اکمل اولیاء کو آپ کی اتباع اور اقتداء کے باعث حاصل ہے اور اس کا ذکر اخلاق کے ابواب میں انشاء اللہ آئے گا۔

قلب مبارک۔ اور مواہب لدنیہ میں قلب شریف کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ پس تدبر کرو۔ اور بعض روایات میں بھی آیا ہے۔ عظیم مشاش المنکبین والکتد کتد بفتح کاف وکسرتا فوقانیہ اور فتح تاء دونوں کندھوں کے ملنے کا مقام اور مشاش بضم میم اس سے مراد سر کی ہڈیاں ہیں۔ نیز آیا ہے سواء البطن والصدر یعنی ہموار اور برابر شکم و سینہ نہ سینہ شکم سے زیادہ بلند اور نہ شکم سینہ سے' اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مغاض البطن آیا ہے اور اس کی تفسیر واسع البطن کی ہے جو کہ عریض الصدر کے لئے ضروری ہے اور بعضوں نے تفسیر کی ہے۔ "مستوی البطن مع الصدر" اور ام ہانی رضی اللہ عنہا کے بیٹے نے بطن مبارک کی صفت کی ہے اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شکم مبارک کو دیکھا وہ گویا کاغذات کی طرح تھا جو تہ کر کے ایک دوسرے کے روبرو رکھ دیئے گئے ہوں۔

سینہ مبارک کے بال۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں آیا ہے۔ ذو مسربۃ سینہ مبارک کے بالوں کی صفت میں اور حدیث ابن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ میں ہے۔ دقیق مسربتہ اور مسربۃ کی تفسیر کرتے ہیں۔ وہ بال جو سینہ کے اوپر سے لے کر ناف تک تھے اور باریک تھے لہٰذا خیط یعنی ڈورا سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور صراح مسربہ بضم راان بالوں کو کہا گیا ہے جو سینہ و ناف کے درمیان ہوں۔ ظاہرا" مسربۃ کا لفظ سرب سے نکلا ہے جس کا معنی ہے راستہ' آپ کے صدر شکم کے علاوہ کسی جگہ بال نہ تھے لہٰذا اسی حدیث میں کہا گیا ہے کہ عدی الثدیین والبطن سویٰ ذالک یعنی اَن موئے شکم کے علاوہ آپ کے دونوں پستان مبارک خالی تھے۔ یہ موئے شکم مشربہ ہیں اور کہتے ہیں۔

الذرا عین والساعدین والمنکبین واعالی الصدر والساقین — یعنی ہر دو کلائیاں۔ بازو اور دونوں کندھے' سینہ مبارک کا اوپر کا حصہ اور دونوں پنڈلیاں ٹخنوں تک بالوں والے تھے۔

اور جو آپ کی توصیف میں اجرد آیا ہے یعنی بالوں سے خالی ہونا۔ وہ اشعر کے مقابلے میں ہے۔ اشعر اسے کہا جاتا ہے جس کے تمام جسم پر بال موجود ہوں۔

بغل شریف۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی بغل مبارک سفید تھی جس طرح کہ آپ کا تمام بدن شریف تھا۔ طبری نے کہا ہے کہ حضور علیہ السلام کے خصائص میں یہ ہے ورنہ تمام مردوں کی بغل کا رنگ بدن کے رنگ سے مختلف ہوتا ہے اور سیاہی مائل ہوتی ہے سوائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرطبی نے اتنا زیادہ کیا ہے کہ آپ کی بغل میں بال نہ تھے لیکن چند لوگوں کو اس میں کلام ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ ثابت نہیں ہے جلد کے سفید رنگ کے لئے ضروری نہیں کہ بغل میں بال نہ ہوں اور بعض حدیثوں میں آیا ہے۔ نتف ابطیہ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم موئے بغل کو اکھاڑ دیتے تھے۔ واللہ اعلم۔ بعض حدیثوں میں واقع ہوا ہے عفر ابطیہ اور عفر' غیر خالص سفیدی کو کہتے ہیں۔ جس طرح اہروی نے الصراح میں کہا ہے۔ اعفر سرخ و سفید رنگ ہے اور سرخی جھلکتی ہو۔ صحابہ میں سے ایک شخص کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے مجھے اپنے ساتھ بغل گیر فرمایا آپ کی بغلوں کے پسینہ کی خوشبو مشک کی طرح مہکنے لگی۔

پشت مبارک۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت کے متعلق اس طرح آیا ہے کہ گویا پشت مبارک پگھلائی ہوئی چاندی سے ہے یعنی پاک وصاف وہموار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

مہرنبوت مبارک۔ بین کتفیہ خاتم النبوت و ھو خاتم النبیین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں کندھوں کے درمیان مہرنبوت تھی اور آپ خاتم النبیین ہیں اور جان لو کہ مہرنبوت ابھری ہوئی چیز تھی۔ بدن شریف سے اور رنگ و صفائی اور نورانیت میں جسم مبارک سے مشابہ تھی۔ اس کو مہرنبوت کہتے تھے۔ خاتم النبوۃ بکسر تاء فاعل ختم ہے۔ جس کے معنی آخر میں آکر مکمل کرنا اور فتح تاء سے معنی مہر وانگوٹھی ہیں۔ یعنی وہ چیز جو دلیل ہے اس امر پر کہ اس کے بعد کوئی پیغمبر نہیں۔ اس نام سے اس کے تسمیہ کا سبب یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کی نعت سابقہ کتب میں اسی نام سے کی گئی ہے۔ لہٰذا یہ وہ علامت ہے جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہچانے جاتے ہیں کہ آپ وہی پیغمبر ہیں جن کی بشارت دی گئی تھی اور طعن و تشنیع اور قدح وغیرہ سے صیانت فرمادی گئی اس چیز کی طرح کہ جس پر مہر کردی گئی ہو کہ اس میں خلل و فساد کا دخل نہ ہو سکے۔ اور خاتم نبوت ایسی نشانی تھی اللہ سبحانہ کی نشانیوں میں سے اور ایک عظیم بھید تھا جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم مخصوص کئے گئے تھے اور حاکم نے مستدرک میں وہب بن منبہ سے روایت درج کی ہے کہ کوئی پیغمبر مبعوث نہ ہوا۔ بغیر اس کے کہ اس کے دائیں ہاتھ میں علامت نبوت کے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تھے کہ علامت نبوت دونوں شانوں کے درمیان تھی۔ کسی شاعر نے خوب کہا ہے۔

نبوت را توئی آن نامہ درست

کہ از تعظیم دارد مہر بر پشت

اور شیخ ابن حجر مکی رحمتہ اللہ علیہ مشکوۃ شریف کی شرح میں لکھتے ہیں کہ آپ کی مہرنبوت میں لکھا تھا۔

اللہ وحدہ لا شریک لہ توجہ حیث کنت فانک منصور — اللہ تعالیٰ ایک ہے کوئی اس کا شریک نہیں آپ جس حیثیت میں بھی ہیں توجہ فرمائیں پس تحقیق آپ ہی نصرت یافتہ ہیں۔

اور روایات میں آیا ہے کہ ایک نور تھا جو چمکتا تھا اور بعض روایات میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریف کے بعد آپ کی مہر پوشیدہ ہوگئی اور اس سے آپ کی وفات شریف کی پہچان ہوگئی تھی۔ کیونکہ وفات کے بارے میں لوگوں میں اشتباہ اور اختلاف واقع ہوا تھا۔ اس واسطے کہ دلیل نبوت تھی اور اب اس کے ثبوت کی حاجت نہیں رہی تھی۔ یا کوئی دیگر بھید اللہ تعالیٰ کا ایسا ہوگا کہ خدا خود ہی اسے بہتر طور پر جانتا ہے۔ اس کے لئے کہنا کہ موت کے بعد نبوت باقی نہ رہی غلط ہے کیونکہ وفات کے بعد بھی نبوت و رسالت باقی رہتی ہیں۔ اکثر روایتوں میں بین الکتفین یعنی دونوں کندھوں

کے درمیان آیا ہے اور بعض روایات میں آیا ہے عندناغض کتفہ الیسری اور ناغض نون اور غین اور ضاد کے ساتھ یعنی بائیں کندھے کے ساتھ نرم گوشت جسے غضروف کہتے ہیں نزدیک تھی۔

اور جناب تورپشتی صاحب فرماتے ہیں باتوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ بین الکتفین کا مطلب ضروری نہیں کہ دونوں کندھوں کے عین درمیان میں ہو اگر کچھ بائیں جانب بھی ہو تو بین الکتفین یعنی دونوں شانوں کے درمیان میں ہی ہے۔ اور اسی طرح ایک روایت میں آیا ہے عند کتفہ الیمنی۔ واللہ علم۔ راویوں نے اس کی صورت و شکل کا ذکر کیا ہے اور ایسی اشیاء سے تشبیہ دی ہے جنہیں لوگ پہچانتے جانتے ہیں۔ پس کبوتر کے انڈے سے تشبیہ دی ہے اور دوسری حدیث میں آیا ہے کہ غدۃ الاحمر تھا اور غدہ بضم غین معجمہ اور تشدید دال مہملہ یعنی گرہ جو گوشت میں ہوتی ہے اور صراح میں غدہ یعنی گوشت کی گرہ اس کی جمع غدود ہے کہ غدہ سے تشبیہ تھی۔ اور حمراء کے معنی ہیں کہ مائل بہ سرخ رنگ تھی۔ لہٰذا یہ اس روایت کے منافی نہیں ہے۔ جہاں فرمایا گیا ہے کہ مہر نبوت کا رنگ دوسرے جسم کے رنگ جیسا تھا۔ جیسے کہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح شمائل میں کہا ہے اور دیگر روایت میں ہے کہ مہر نبوت زر حجلہ کی طرح تھی۔ زر بتقدیم زاء مکسورہ برائے مشددہ کا معنی ہے۔ تکمہ (جسے پنجابی میں گھنڈی کہتے ہیں) جو لباس کے گریبان میں ہوتا ہے اور حجلہ بفتح حاء و جیم اس کے معنی ہیں وہ گوشہ مکان جہاں دلہن کو رسم ملیاں کے لئے بٹھلایا جاتا ہے اس کی جمع حجال ہے جیسے کہ جمہور نے کہا ہے اور بعض تو کہتے ہیں کہ حجلہ ایک پرندہ مشہور ہے اور زر اس کا انڈہ ہوتا ہے۔ یہ بات اس حدیث کے مطابق ہے۔ جس میں کہا گیا ہے کہ نبوت کی مہر کبوتر کے انڈے کی مثل تھی اور لغت میں بیضہ کے معنی میں زر کا لفظ نہیں آیا۔ بعض کہتے ہیں کہ زرایت بتقدیم راء برزاء بھی آیا ہے اس کے معنی بیضہ کے ہیں اور ترمذی شریف میں ایک دیگر حدیث میں موجود ہے۔ جس میں ہے شعرات مجتمعات یعنی کہ نبوت کی مہر شریف گوشت کا ایک ٹکڑہ تھا۔ دیگر ایک روایت میں ہے کہ مہر نبوت مٹھی کی طرح تھی۔ جس کے گرد ثالیل کی طرح کے تل تھے۔ ثالیل ان دانوں کو کہتے ہیں جو جلد کے نیچے چنے کے دانے کی طرح کے نکلتے ہیں ثالیل بعد حمزہ بروزن مصابح ہے اس کی جمع ثالول ہے جو زنبور کے وزن پر ہے۔ ظاہری شکل و صورت مہر نبوت کی بیضہ کی تھی جو نظر آتی تھی لیکن اس کے پیچھے حضور علیہ السلام کے ساتھ ایک عظیم سر (بھید) مخصوص تھا جو کسی دوسرے پیغمبر کے ساتھ نہ تھا۔ واللہ اعلم۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک۔ شمائل ترمذی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ طویل الزندین پنجہ دراز تھا۔ زند بفتح زاء و سکون نون پنجہ کو کہتے ہیں اور قاموس میں ہے کہ الزند موصل الذراع والکف و ھما زندان کلائی اور ہتھیلی کے ملنے کے مقام کو زندہ کہتے ہیں اور اس کی جمع تثنیہ زندان ہے۔ پنجہ کے طول کی تفصیل نہیں دی گئی ہے۔ باوجود اس کے کہ ممکن ہے کہ آپ کا ہاتھ مبارک میں مٹھی بند یعنی پنجہ لمبا واقع ہوا ہو۔ اور ایک روایت میں آیا ہے طبل الزراعین ایک اور روایت میں طبل العضلین آیا ہے اس کا مطلب ہے کہ دونوں بازو اور دونوں آپ کی کلائیاں موٹی تھیں۔ اور (لغت کی کتاب) صراح میں ذراع کے معنی ہیں رحب الراحنہ یعنی ہاتھ کی ہتھیلی ایک

اور بسط الکفین فراخ ہتھیلی۔ مراد یہ ہے کہ ہتھیلی کھلی اور بھرپور تھی۔ یہ رجب الراحنہ والی حدیث کے مطابق تھی اور صراح میں۔ سط بالکسر کھلے ہاتھ کے معنی میں ہے اور عبداللہ کی قراۃ میں آیت بل یداہ بسطان آیا ہے اور دیگر ایک روایت میں سبط الکفین بتقدیم سین برباء نرم کے معنی میں وارد ہوا ہے۔ یعنی مراد یہ ہے کہ آپ کی ہتھیلیاں نرم تھیں۔ آپ کے بالوں کی صفت میں پیشتر ازیں ذکر ہو چکا ہے کہ سبط کے معنی لٹکے ہوئے نرم بال جو جعد کے مقابلے میں ہوتے ہیں۔ گویا کہ سبط الکفین اس جگہ سے ہے اور سبط الجسم بھی آیا ہے یعنی اچھے مناسب قد و قامت والا آدمی اور قاموس میں آیا ہے رجل سبط الیدین یعنی سخی آدمی۔ نیز کہا ہے کہ سخی فراخ دست ہوتا ہے۔ اور اس کی تفسیر شثن الکفین بھی کی گئی ہے۔ شثن بفتح شین وسکون ثلثہ کے معنی ہیں بہت سخت پکڑیں تو سخی محسوس ہو۔ حدیثوں میں ہاتھ کی ہتھیلی کی تعریف سین اور نرم کے الفاظ سے کی گئی ہے اور طبرانی نے مستورد بن شداد سے روایت کی ہے اس نے اپنے باپ سے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آیا۔ میں نے آپ کے ہاتھ مبارک کو چھواء۔ آپ کا ہاتھ مبارک ریشم سے بڑھ کر نرم اور برف سے زیادہ ٹھنڈا تھا اور بخاری میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت آئی ہے کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کی ہتھیلی سے بڑھ کر نرم حریر اور دیبا کو بھی نہیں پایا۔ جب کہ حریر تمام تر ریشمی کپڑوں سے زیادہ نرم ہوتا ہے۔ دیبا بھی حریر ہی کی ایک قسم ہے جو سب سے زیادہ نرم ہوتا ہے۔ پس سختی کے ساتھ کس طرح جمع ہو سکتا ہے ہاں نرمی موٹاپے کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے۔ جس طرح آپ کا سارا بدن شریف نرم تھا لطیف تھا فربہ اور طاقتور تھا۔ اور اسی طرح آپؐ کے ہاتھوں کی ہتھیلیاں نرم اور پرگوشت تھیں اور بعض نے کہا ہے کہ آپ کے ہاتھ کی ہتھیلی کی نرمی اور سختی حالات کے اختلاف کے ساتھ ساتھ تھی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام کرتے جہاد میں یا اسلحہ استعمال کرتے وغیرہ وغیرہ یا گھر میں کام کاج کرتے تو ہتھیلیاں سخت ہو جاتیں۔ جب یہ کام ترک کر دیتے تو اپنی اصلی حالت (نرمی) پر آجاتیں جو ان کی اصل جبلت تھی۔ چنانچہ بیان کیا گیا ہے۔ کہ جب لغت کے امام اصمعی تفسیر لکھ رہے تھے اور شثن کی تفسیر خشونت یعنی سختی سے کی تو ان سے کہا گیا کہ حضور علیہ السلام کے ہاتھ مبارک کی صفت میں تو نرمی آئی ہے اور آپؒ نے سختی سے تفسیر کی ہے تو اصمعی نے عہد کر لیا کہ اس کے بعد حدیث کی شرح نہیں کریں گے۔ جب تک ضبط و احتیاط نہ کر لیں۔ اصمعی نہایت انصاف پسند تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بڑا مودب تھا۔ ایک دفعہ لوگوں نے آپ سے حدیث پاک (لیغان علی قلبی) کی تفسیر پوچھی اور پوچھا کہ غین کیا ہے اس کی حقیقت کیا ہے تو جواب دیا اگر تم لوگ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پاک کے غین کی بجائے کسی دوسرے شخص کے یعنی حجاب کے متعلق دریافت کرو تو میں بتا سکتا ہوں لیکن یہاں دم مارنے کی تاب نہیں۔ اس کی حقیقت سوائے علام الغیوب کے کوئی نہیں جانتا۔ رحمتہ اللہ علیہ اس کے آداب و انصاف کے ساتھ۔

قاضی عیاض نے کہا ہے کہ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے شثن کی غلظ اور قصر یعنی فربہی اور کوتاہی کے الفاظ میں کی ہے اور عیاض کہتے ہیں کہ یہ تعریف مردوں کے لئے تو اچھی ہے لیکن عورتوں کے لئے نہیں اور اس تفسیر کی انہوں نے نفی کی

ہے۔ یہ بات اس روایت کے باعث ہے جس میں ہے "سائل الاطراف" اعضاء کی گرہیں لمبی تھیں۔ اس سے مراد انگلیاں مبارک ہیں۔ مطلب یہ ہے آپؐ کی انگلیاں مبارک لمبی تھیں اور رواں تھیں اور شفاء میں کہا گیا ہے۔ طویل الاصابع اور ایک روایت میں ہے "شائل الاطراف" یہ شین معجمہ یہ بھی سائل کے معنی کے قریب قریب ہے۔ سائل کا لفظ سول سے ہے جس کا معنی ہے کھینچنا زمین سے بوجھ اٹھانا۔ اونٹنی کا اپنی طاقت کے مطابق بوجھ اٹھانا اور ایک روایت میں آیا ہے "شاین الاطراف" لام کے تبدیل کے ساتھ نون سے۔ مثل کے طور پر جبرئل سے جبرن وارد ہوا ہے۔ یہ ابن الانباری بیان کرتے اور یہ توصیف قصر کے الٹ ہے۔ شثن کے معنی ہیں غلیظ (موٹا) جو کوتاہی اور سختی کے بغیر ہو۔ اگرچہ صحاح اور قاموس کے مطابق اس کے معنی خشونت یعنی سختی بھی معلوم ہوتی ہے۔ جان لو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک کی صفات' آثار' برکات اور معجزات اس کثرت سے ہیں کہ احاطہ تحریر سے باہر ہیں مسلم میں روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کے چہرہ پر پھیرا۔

جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے آپؐ کے دست اقدس سے ٹھنڈک اور خوشبو ایسی پائی جس طرح ابھی میں نے ہاتھ عطار کی خوشبو والی ڈبیہ سے نکالا ہے۔ بیہقی اور طبرانی میں آیا ہے کہ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مصافحہ کرتا ہوں میرا ہاتھ آپؐ کے جسم شریف سے مس ہونے کے باعث اس سے مشک کی خوشبو سے بہتر میں خوشبو سونگھتا ہوں۔ یزید بن اسود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ میرے ہاتھوں میں دیا۔ اچانک میں نے آپؐ کا ہاتھ مبارک برف سے زیادہ سرد اور مشک سے بہتر خوشبودار پایا اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کے لئے تشریف لائے پس آپ نے اپنا دست مبارک میری پیشانی پر رکھا پھر میرے چہرہ سینہ اور شکم پر ہاتھ پھیرا۔ مجھے ہمیشہ یاد ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کی ٹھنڈک اب تک اپنے جگر تک محسوس کرتا ہوں۔ مخفی نہ رہے کہ خوشبو آپؐ کی سارے بدن میں شامل تھی۔ حتی کہ پسینہ مبارک اور بول مبارک میں خوشبو شامل تھی۔ چنانچہ ان کی خوشبو کا بیان آگے آئے گا۔ آپ کے دست شریف کی ٹھنڈک کا مطلب کیا ہے وہ آپؐ کے بدن شریف کی صحت کی علامت ہے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم گرم اور معتدل تھے۔ پس یہ ٹھنڈک وہ ٹھنڈک نہیں ہے جو سرد مزاجی اور برودت طبع کے باعث ہوتی ہے اور پسینہ آتا ہے۔ اور طبیعت اس کو چھونا پسند نہیں کرتی۔ بلکہ یہ خوش مزاج کے اعتدال اور عدم غلبہ حرارت کے باعث ہوتی ہے۔ جن سے چھونے سے راحت اور لذت حاصل ہوتی ہے۔ جیسے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی حدیث اور دیگر حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے۔ پس سمجھو اور اللہ توفیق دے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قدم مبارک۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک کی توصیف میں بھی "شثن القدمین" وارد ہوا ہے۔ جیسے کہ شثن الکفین آیا ہے لیکن مواہب میں اس کی تفسیر غلط اصابع (موٹے اور نرم پاؤں کی انگلیاں) کے الفاظ میں کی ہے۔ اور مشارق میں دونوں کے معنی ضخیم (فربہ) کئے گئے ہیں۔ خمصان الاخمصین خمص

پاؤں کا وہ باطنی حصہ ہوتا ہے جس کا پاؤں وہ باطنی مقام ہوتا ہے جو زمین پر پاؤں رکھتے وقت زمین پر نہیں لگتا۔ اور صراح میں اس کا معنی پاؤں کے تلوہ کی باریکی ہے۔ خمصان بضم خاء اس کا واحد خمص ہے۔ اور خمصین کا اضافہ مبالغہ کے لئے ہے۔ شدید الاخمص وہ ہوتا ہے جس کا پاؤں زمین سے کافی بلند رہتا ہے۔ جس طرح نقل ہے ابن اثیر سے' اور مسیح القدمین یعنی دونوں پاؤں ہموار تھے۔ ان میں آلودگی اور شکستگی ہرگز نہ تھی۔ ینبوا عنھما الماء پانی تیزی سے ان پر سے بہ جاتا ہے بوجہ نرمی کے۔ اور ابن ابی ہالہ کی حدیث میں اس طرح آیا ہے۔ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم زمین پر چلنے کے لئے قدم رکھتے اور راستہ پر چلتے تو پورا قدم زمین پر رکھتے تھے۔ اور اخمص (ابھری ہوئی جگہ) نہ تھی۔ اسے بیہقی نے روایت کیا ہے۔ اور ابی امامہ رضی اللہ عنہ سے آیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ آپ کے قدم میں ابھری ہوئی جگہ نہ تھی۔ زمین پر چلتے وقت پورا قدم رکھتے تھے۔ اسے ابن عساکر نے روایت کیا ہے۔ اور وہ مسیح القدمین کے بھی یہی معنی کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کو مسیح کہتے تھے۔ وہ اس وجہ سے تھا کہ ان کے پاؤں میں ابھار نہ تھا۔ واللہ اعلم۔ اور ینبو عنھما الماء ان کے نزدیک علیحدہ وصرف ہے۔ نہ کہ مسیح القدمین کا تمہ۔ اور اس حدیث میں منافات نظر آتا ہے۔ غایت وہ ہے جو کہا گیا ہے۔ اور توفیق میں اس طرح ہے کہ قدرے ابھار تھا اور ہموار نہ تھا نچلہ حصہ اور زیادہ بلند بھی نہ تھا۔ لیکن جب زمین پر چلتے تو پورا قدم زمین پر لگاتے اور قدم زمین پر پوری طرح بیٹھ جاتا تھا اور ابھار نہ ہوتا تھا۔ جیسے کہ ابن الاعرابی سے نقل میں آیا ہے۔ لیکن بایں تقدیر ابھار میں مبالغہ سمجھا جائے اچھا نہیں ہے جیسے کہ بعض شارحین نے کیا ہے اور نقل کیا گیا ہے حضرت عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ سے انہوں نے کہا ہے۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احسن البشر قدما رواہ ابن سعد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک حلقہ' بشریت میں حسین ترین تھے۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک ایڑیوں کے بارے میں "منہوس اوقب" کے الفاظ روایت میں آئے ہیں۔ مطلب یہ کہ آپ کی ایڑیاں کم گوشت والی تھیں۔ اور منہوس کو سین مہملہ کے ساتھ درج کیا ہے اور صاحب البحرین اور ابن اثیر نے کہا ہے کہ روایت کیا گیا ہے شین معجمہ کے ساتھ اور مشارق میں بھی مہملہ اور معجمہ دونوں کے ساتھ کہا گیا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ ابھری ہوئی ایڑی معنی ہے منہوس کا اور صراح میں منہوس سے مراد کم گوشت لی گئی ہے۔ اور کاتب الحروف عفی عنہ (شیخ عبدالحق) نے کہا ہے کہ پیری مرشدی سید موسیٰ پاک الجیلانی (ثم ملتانی) لطافت و صفائی میں اس حد تک تھے کہ کسی حسین کے رخسار بھی ان کی ایڑیوں جیسے صاف ولطف نہ تھا کہ آپ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حلیہ میں بہت مشابہت رکھتے تھے اور مواہب لدنیہ میں بنت کرزم سے روایت ہے کہ کہا اس نے کہ میں نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے پاؤں میں انگشت سبابہ کو کبھی نہیں بھول سکتی۔ آپ کے پاؤں کی انگشت سبابہ یعنی انگوٹھے کے ساتھ والی انگلی باقی تمام انگلیوں سے لمبی تھی۔ اس کو احمد اور طبرانی نے روایت کیا ہے اور جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ حضور علیہ السلام کے پاؤں مبارک میں خنصر کی انگلی (چھنگلیا) سب سے لمبی تھی اور مظہری

نے کہا ہے کہ زبانوں پر مشہور ہو گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کی انگشت سبابہ (شہادت کی انگلی) بیچ کی انگلی سے زیادہ لمبی تھی اور حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ یہ غلط ہے۔ جس کسی نے بھی یہ کہا ہے اور یہ صرف پاؤں میں تھا کہ پاؤں کی انگشت سبابہ دوسری انگلیوں سے زیادہ لمبی تھی اور "مقاصد حسنہ" میں کہا گیا ہے کہ ایک ایسی خطاء ہے جو اس روایت مطلقہ پر اعتبار سے پیدا ہو گئی ہے جو میمونہ بنت کرزم نے بیان کی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں کو اس طرح دیکھا لیکن یہ حدیث مسند امام احمد میں پاؤں کے ساتھ مخصوص ہے اور اسی طرح بیہقی کے نزدیک ہے۔ انتہی کلام المواہب۔

بندہ عبدالحق بن سیف الدین کہتا ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اس طرح بھیجا گیا ہوں کہ میں اور قیامت ان دو انگلیوں کی طرح ہیں اور انگشت شہادت اور بیچ کی انگلی کو آپ نے اکٹھا کر لیا۔ آپ نے قیامت سے اس قدر پہلے اپنی بعثت کے فرق کو اشارہ سے سمجھایا کہ جس قدر ان دو انگلیوں میں فرق ہے اور بعض کہتے ہیں کہ بعثت و قیامت کی معیت سے مبالغہ ہے۔ ورنہ دونوں انگلیوں کے ملانے کی ضرورت نہ تھی۔ جواب یہ ہے کہ دونوں انگلیاں ملانے سے تقدم و تاخر کا فرق ظاہر ہو جاتا ہے۔ اور بعض نے کہا ہے شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی دونوں برابر تھیں اور ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ اس وقت معجزہ کے طور پر برابر ہو گئی تھیں پر ف معیت اور مبالغہ کے اظہار کی خاطر۔ واللہ اعلم

پنڈلیاں مبارک۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پنڈلیوں کے متعلق آیا ہے۔

وکان فی ساقیہ خموشۃ

یعنی آپ کی دونوں پنڈلیاں باریک (پتلی) تھیں۔ مطلب یہ کہ پر گوشت نہ تھیں۔

دیگر ایک حدیث میں آیا ہے کہ

نظرت الی ساقیہ کانھا جمارۃ

میں نے آپ کی پنڈلی کی طرف دیکھا تو وہ درخت خرما کی مانند تھی۔

جمار بضم جیم و تشدید میانہ طبعی خرما کا درخت اور اس کو شحم النخل کہتے ہیں کیونکہ وہ ہموار صاف و لطیف اور سفید ہوتا ہے۔ عظم الکرادیس۔ فربہ جوڑ کردوس بضم دو ہڈیاں ہیں جو جوڑ میں پیوست ہوتی ہیں اور علماء کہتے ہیں اس سے اعضا کا فربہ اور قوی ہونا مراد ہے۔ صراح میں آیا ہے کہ کردوس جڑی ہوئی ہڈیوں کو کہتے ہیں جو دوگانہ ہوتی ہیں۔ مثلاً دو کندھے، دو بازو، دو زانو وغیرہ۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقامت شریف۔

حضور علیہ السلام کی قامت شریف باغ قدس کا ایک پودا اور بوستان محبت کی ایک شاخ تھی۔ مراد یہ کہ لطیف درست اور چست تھا۔ قد مبارک نہ کوتاہ تھا اور نہ دراز لیکن درازی کی طرف مائل تھا۔ لہٰذا حدیث پاک میں آیا ہے۔ کان ربعۃ من القوم آپ اپنی قوم میں متوسط قامت تھے۔ ربع بفتح را و سکون باء کے معنی ہیں متوسط القامت دیگر ایک حدیث میں ہے اطول من المربوع و اقصر من المشذب پست قد سے طویل

قامت اور دراز قد سے چھوٹے تھے۔ مراد یہ ہے کہ چھوٹے قد سے لمبے اس وجہ سے تھے کہ مائل بہ دراز قد تھے۔ مشذب بضم میم وفتح شین اور ذال معجمہ تشدید کے ساتھ اس کے معنی ہیں بہت دراز جس کے کھڑا ہونے میں میں خوف واضطراب پایا جائے اور حدیث ابن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ میں ہے لم یکن الممغط بہت زیادہ طویل القامت نہ تھے الممغط بضم میم اول اور بفتح میم ثانی مشدد و کسر غین معجمہ اور نیز مہملہ سے بھی آچکا ہے اور بانغین مشددہ معجمہ و طا مہملہ بروزن اسم مفعول از باب تفعیل بھی پڑھا گیا ہے۔ یہ اس کو کہتے ہیں جو طویل القامتی میں بہت زیادہ طویل ہو۔ ولا بالقصیر المتردد اور متردد کی طرح چھوٹا قد نہیں ہے۔ متردد وہ ہوتا جس کے بدن کے چند اعضاء باہر نکلے ہوئے ہوں۔ مثال کے طور پر کوبڑ وغیرہ۔ بعض حضرات اس عبارت سے قصد کا ثبوت سمجھتے ہیں مگر زیادہ نہیں بلکہ جتنا وسط اور اعتدال کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ دیگر ایک حدیث میں آیا ہے۔ لم یکون بالطویل البائن یعنی مفوط مطلب یہ کہ لمبائی میں سب سے علیحدہ طویل القامت نہیں تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔ لیس بالذھب طولا و فوق یعقاذا جاء مع القوم مطلب یہ کہ آپ بہت زیادہ لمبے قد والے نہ تھے۔ لیکن درازی کی طرف مائل ہونے کے باعث ربعہ سے اونچے تھے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی قوم میں تشریف لاتے تو ان کو چھپالیتے تھے اور آپ کے نزدیک پست و کوتہ نظر آتے تھے۔ اور عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں آیا ہے کہ جب آپؐ اکیلے ہوتے تو ربعہ معلوم ہوتے یعنی متوسط قد۔ اور جب آپؐ لوگوں کے درمیان ہوتے تو سب سے اونچے اور بلند معلوم ہوتے تھے اور اس وقت آپؐ دراز قامت کہے جاتے تھے۔ اور اگر آپؐ کی دونوں جانب دائیں دو آدمی ہوتے تو آپؐ ان دونوں سے بلند تر دکھائی دیتے تھے اور جب ان سے علیحدہ ہوتے تو پھر آپؐ متوسط القامت ہوتے تھے۔ علاوہ مجلس میں ہوتے ہوئے آپؐ کے دونوں کندھے سب سے زیادہ بلند ہوتے تھے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ ہوتا تھا نہ سورج کی روشنی میں نہ ہی چاند کی چاندنی میں۔ اسے نوادر الاصول میں حکیم ترمذی نے روایت کیا ہے ذکوان سے اور تعجب و حیرانی ہے کہ ان بزرگوں نے چراغ کا ذکر نہیں کیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء میں سے ایک اسم نور ہے اور نور کا سایہ نہیں ہوتا۔

رنگ مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔ آپؐ کا رنگ مبارک روشن اور تاباں تھا اور آپؐ کے جملہ صحابہ کرامؓ آپ کے سفید رنگ پر متفق ہیں۔ رنگ کی سفیدی کے ساتھ آپ کی توصیف کی ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ کان ابیض ملیحا یعنی ملاحت کے ساتھ سفیدی تھی اور ایک روایت میں ابیض ملیح الوجہ یعنی سفید ملاحت والا چہرہ مبارک اور اس میں احتمال مراد ہے کہ رنگ کا وصف سفیدی ہے اور ملاحت زائد صفت ہے آپؐ کے حسن و جمال اور لذت بخشی اور جان افزا و دلربا دیدار آنجناب کے بیان کے لئے صلی اللہ علیہ وسلم۔ یا اس لئے کہ امق یعنی سفیدی بلانمکینی سے بچنے کے لئے اور امق کی تفسیر سفیدی بغیر سرخی اور زردی میں کرتے ہیں جو گندم کے رنگ کی بھی نہ ہو اور سفیدی جیسے

مریض کے چہرے پر ہوتی ہے۔ جیسے جست کا رنگ ہوتا ہے۔
ایک روایت میں اس طرح بھی آیا ہے کہ سخت سفید چہرہ اور سخت سیاہ بال اور ابوطالب کے شعر میں آیا ہے جو کہ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں کہا ہے۔

ابیض یستسقی الغمام بوجہ ثمال الیتامی عصمۃ للارامل

آپؐ کے رخ روشن کی سفیدی سے برسنے والے سفید بادل بارش کی بھیک مانگتے ہیں اور آپؐ بیواؤں اور یتیموں کو پالنے والے ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے۔ ابیض مشرب کانہ شراب خلط لون بلون یعنی سفید رنگ مشربی تھے مشرب وہ شراب ہوتی ہے جس میں ایک رنگ میں دوسرا ملایا ہوا ہو۔ یعنی ایک رنگ پلا کر دوسرا رنگ پلایا ہو۔ اس جگہ مشرب سے سرخی مراد ہے اور دوسری روایت میں تصریح بھی آئی ہے کہ سفیدی میں سرخی ملی ہوئی تھی۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ازھر اللون آیا ہے۔ بعض نے اس کی تفسیر اس طرح کی ہے ظاہر یہ ہے کہ اس سے ان کی مراد چمک دمک ہے اور نسائی کی حدیث میں ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے۔ کہ ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ میں رونق افروز تھے۔ ایک بدوی ایلچی کی حیثیت سے آیا اور سادگی محبت اور حیرانی سے اس نے پوچھا کہ عبدالمطلب کے بیٹے کہاں ہیں؟ اور آپ میں سے کون ہیں۔ عبدالمطلب کا وہ بیٹا جو اپنے جمال و کمال کی وجہ سے جہاں میں مشہور ہے اور جس کے جاہ و جلال کے آوازہ نے سارے جہان کو گھیر لیا ہے اور خلقت کے کان اس کے کمال کی گونج سے پر ہو گئے ہیں۔ صحابہ نے کہا کہ یہ سرخ و سفید چہرے والا مرد جو اپنی کہنی کو تکیہ بنا کر ٹیک لگائے ہوئے ہیں۔ الھم صل علی محمد بقدر حسنہ و جمالہ اور قاموس میں امغر بغین معجمہ یعنی وہ مرد جس کے چہرے پر سفیدی و سرخی ہو اور مرفق وہ ہوتا ہے جو اپنی کہنی پر ٹیک لگائے اور بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے کہ لیس بابیض ابہق یعنی وہ برص کی طرح سفید نہ تھے اور امہق کے معنی پہلے لکھے جا چکے ہیں اور قاموس میں ہے الامھق الابیض اللذی لا یخالطہ حمرۃ و لیس نیر اللون اور رنگ مبارک کی تعریف میں اسمر کا لفظ بھی آیا ہے۔ سمرہ بضم ایک مرتبہ ہے درمیان سفیدی و سیاہی کے اور اور اسمرار گندم گوں کو کہتے ہیں۔ کذافی القاموس اور صراہ میں گندم گونی کہا گیا ہے اور کہتے ہیں کہ یہ سفیدی کے ساتھ مشربی شامل ہو جاتی ہے اور عربی لوگ اس کو اسمر کہتے ہیں اور ایک حدیث میں آیا ہے کہ سفیدی تھی جو مائل بہ گندم گونی تھی اور کہتے ہیں مشرب جب مشدج ہوتا ہے تو گندم گونی سے مشابہ ہوتا ہے اور مہ وہ رنگ ہوتا ہے جس میں سیاہی زیادہ ہوتی ہے۔ چنانچہ ترمذی شریف کی حدیث میں آیا ہے۔ لیس بالابیض الامھق ولا بالادم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ شریف نہ برص کے مریض جیسا سفید تھا اور نہ ہی بالکل سیاہ تھا۔ قاموس اور صراح سے علم میں آتا ہے کہ ادمتہ کا معنی سمرۃ یعنی گندم گوں ہے اور آدم کا معنی امرہے اس قول کے باعث لابالادم کا معنی اور مہ یعنی گہری سیاہی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سمرہ کا مطلب ملاوٹ شدہ سفیدی ہے جسے امہق کہتے ہیں۔ اس وجہ سے جو ابن جوزی نے کہ حدیث کا اسمر صحیح نہیں ہے وہ قول ساقط ہو گیا ہے۔ کیونکہ یہ قول احادیث کے مخالف ہے کیونکہ حدیثوں میں واضح طور پر ابیض

مشرب اور لا بلادم آیا ہے اور آدم سے مراد گندم گونی ہے اور اس نے (ابن جوزی) بیاض اور سمرہ یعنی سفیدی و سرخی کے جمع کی وجہ سے کیا ہے کہ جسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ حصے جو سورج کی دھوپ میں ہوتے تھے وہ گندم رنگ تھے اور وہ حصے جو کپڑوں میں ملبوس رہتے تھے اور وہ سفید تھے اور علماء نے اس قول کی تصنیف کی ہے۔ کیونکہ آفتاب و ہوا آپ کے بدن شریف میں اثر نہ کرتے تھے۔ چنانچہ ابن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں "انوار المتجرد" کے الفاظ سے اسی طرف اشارہ ہے یعنی جو حصے ننگے اور کپڑوں سے باہر ہوتے تھے وہ روشن تاباں اور سفید تھے نہ کہ اس طرح جیسے سب مردوں کے ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ انس و محبت آپ کی بارگاہ میں ہروقت خلوم ہے۔ پس کس طرح آپ کی کوئی وہ صفت کر سکتا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں نہ ہو۔ پس تاویل اور مراد و مطلب وہی ہے جو کہا گیا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ عمر کے آخری حصے میں جب کے رنگ مبارک پختہ ہو گیا تھا۔ حمرہ سمرہ کی طرف مائل ہو چکا تھا۔ فتدبرو (پس تدبر کرو)

رفتار مبارک۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مشی اور رفتار کے متعلق بیان حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا مشی تکفأ کانما ینحط من صلب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب چلتے تھے تو جھک کر چلتے تھے۔ جس طرح اوپر سے نیچے کی طرف اتر رہے ہیں۔

اور علماء نے تکفو کی تفسیر کی ہے آگے کی طرف جھکنا۔ جس طرح پھولوں سے لدی ہوئی ٹہنی جھکتی ہے اور قدم شریف بڑی قوت اور تیزی اور بلا سستی یعنی چست رکھتے تھے اور حدیث میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بزار نے روایت کی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چلتے تھے تو زمین پر پورا قدم رکھتے تھے۔ دیگر حدیث میں مروی ہے کہ آپ کی رفتار مبارک طاقت سے بھرپور بغیر کسی ڈھیل یا سستی کے ہوتی تھی ایک حدیث میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم زمین سے پورا قدم اٹھاتے اور قدم کشادہ رکھتے اور بغیر حرکت و اضطراب آپ آسان اور سبک رفتاری سے چلتے تھے۔ فافہم' اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے راستہ چلتے وقت کسی شخص کو حضور علیہ السلام سے تیز تر چلتے نہیں دیکھا۔ گویا کہ زمین خودان کے پاؤں کے نیچے تہ شدہ ہوتی تھی اور ہم تھے کہ ان کے ساتھ ہمیں مشقت کرنی پڑتی تھی اور بھاگتے تھے تاکہ ان کے ساتھ ملے رہیں اور انہیں ہرگز محسوس تک نہ ہوتا ہے۔ بے تکلف حسب معمول چلتے تھے اور کوئی اضطراب نہ تھا۔ اس طرح چلنا آپ کی اولوالعزمی' عالی ہمتی اور شجاعت تھا اور رفتار کی یہ قسم قوی اور اعتدال پر ہے اور اعضاء کو راحت ملتی ہے۔ آپ کبھی جوتا پہن کر چلتے اور کبھی بغیر جوتے کے۔ کبھی آپ پیادہ چلتے تھے اور کبھی سوار ہو کر بالخصوص غزوات میں۔

سرو پیادہ خوش بود اندر چمن بناز
آں سرو من پیادہ خوش است و سوار خوش

اور جب آپؐ صحابہ کے ساتھ چلتے تھے تو آپ صحابہ کے پیچھے پیچھے چلتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ میری پشت کو فرشتوں کی خاطر خالی چھوڑ دو۔ حدیث میں آیا ہے کان لیسوق اصحابہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کو اپنے آگے چلاتے تھے۔ سوق کا مطلب ہے سواری کے جانور کو پیچھے سے ہنکانا اور قود کے معنی ہیں اس کو آگے سے کھینچنا۔ آپؐ سفر میں پہلے سب صحابہ کو بھیجتے پھر خود روانہ ہوتے تھے۔ آپ ناتوانوں اور کمزوروں کو سہارا دیتے تھے۔ اور پیچھے رہ جانے والوں کو سوار کرتے تھے اور کبھی اپنے پیچھے بٹھالیتے تھے۔ صلی اللہ علیہ وسلم

فائدہ۔ رفتار کی دس اقسام ہیں۔ ایک قسم تحلوت ہے یہ خشک لکڑی کی مانند' مردوں کی طرح افسردہ رفتار کو کہتے ہیں۔ دوسری قسم ازعاج ہے۔ یہ طیش خفت میں چلنا' سبک سری اور تکلیف و پریشانی میں چلنا۔ یہ ہردو قسمیں مذموم و قبیح ہیں۔ یہ مردہ دلی پر دلیل ہیں۔ تیسری قسم ہون ہے۔ جو پوری حرکت اور تھوری سی تیزی کے ساتھ چلتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفتار کی یہ ہی قسم تھی۔ آپؐ یہ چال سکون و وقار کے ساتھ بغیر تکبر و تحلوت کے ساتھ چلتے تھے۔ چوتھی قسم سعی ہے۔ یہ تیز چال ہوتی ہے۔ پانچویں قسم رمل ہے۔ بفتح راء یہ چال کندھوں کو حرکت دے کر جلدی جلدی قدم اٹھاتے ہوئے چلتے ہیں۔ جس طرح پہلوان چلتے ہیں۔ چھٹی قسم نسلان ہے۔ یہ وہ چال ہے تیزی سے دوڑ کر چلی جاتی ہے اور سعی کی قسم رفتار سے زیادہ تیز ہے۔ ساتویں قسم خوزئی ہے۔ بفتح خاء اور سکون راء۔ بازار آخر میں الف مقصورہ ہے۔ یہ چال پاؤں کے پنجوں کے بل چلی جاتی ہے۔ آٹھویں قسم قہقری ہے یہ چال پیچھے کی طرف الٹے قدم چلی جاتی ہے۔ نویں قسم جمزی ہے۔ بفتح جیم' جس میں کود کود کر (اچھل اچھل کر) چلتے ہیں۔ اس معنی میں اونٹنی کو جمارہ کہتے ہیں۔ دسویں قسم تبختر ہے۔ ٹہلنا گردن اوپر اٹھانا جیسے متکبروں کی روش ہے اور ان سب میں افضل اور اکمل رفتار کی قسم ہون ہے۔ یہ چال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس قسم کی چال کی تعریف کی ہے اور فرمایا ہے۔

عباد الرحمن الذین یمشون علی الارض ھونا

اللہ تعالیٰ کے بندے وہ ہیں جو زمین پر ہون کی رفتار سے چلتے ہیں۔

پاک و طیب خوشبو اور آپؐ کے پسینہ اور فضلات۔ حضور علیہ السلام کی عجیب صفات میں سے ایک صفت پاکیزہ خوشبو ہے۔ یہ آپؐ کی ذاتی خوشبو تھی۔ بغیر کسی دوسری خارجی خوشبو کے استعمال کے۔ اور کوئی خوشبو آپؐ کی خوشبو کا مقابلہ نہ کر سکتی تھی۔ انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے ہر ایک خوشبو کو سونگھا ہے خواہ مشک ہو' یا عنبر لیکن کوئی خوشبو بھی حضور علیہ السلام کی خوشبو سے بڑھ کر ہرگز نہ تھی۔ اور عاصم کی والدہ عتبہ بن فرقد سلمی رضی اللہ عنہ کی زوجہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت عتبہ رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں ہم چار عورتیں تھیں۔ اور ہم میں سے ہر بیوی زیادہ سے زیادہ خوشبو لگا کر عتبہ کے پاس جانے کی کوشش کرتی تھی۔ لہٰذا ہم سب بہت خوشبو استعمال کرتی تھیں۔ باوجود اس کے ہم میں سے کسی کی خوشبو بھی عتبہ کی خوشبو کا مقابلہ نہ کر سکتی تھی۔ جب کہ عتبہ رضی اللہ عنہ صرف اتنا کرتے تھے کہ تیل کو

(۱) عتبہ بن فرقد

اپنے ہاتھ سے چھو کر اپنی داڑھی پر مل لیتے تھے۔ پھر بھی ان کی خوشبو ہم سب کی خوشبو سے بڑھ کر ہوتی تھی۔ عتبہ رضی اللہ عنہ باہر جاتے تھے تو لوگ کہتے تھے کہ باوجود اس کے ہم خوشبو استعمال کرتے ہیں۔ عتبہ رضی اللہ عنہ کی خوشبو سے بڑھ کر کوئی خوشبو نہیں ہے۔ عاصم کی والدہ کہتی ہیں کہ میں نے ایک روز عتبہ سے کہا کہ کیا وجہ ہے ہماری خوشبو تمہاری خوشبو پر غالب نہیں آتی جب کہ ہم خوب خوشبو استعمال کرتی ہیں۔ عتبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں مجھے گرمی دانے نکلتے تھے میں نے بارگاہ رسالت میں مرض کی شکایت کی تاکہ آپ علاج فرمادیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کپڑے اتارنے کے لئے حکم دیا۔ میں نے کپڑے اتارے اور آپؐ کے روبرو بیٹھ گیا۔ آپؐ نے اپنا ہاتھ مبارک میرے جسم پر ملا۔ اس وقت سے میری پشت اور پیٹ سے یہ خوشبو جاری ہو گئی اسے طبرانی نے معجم صغیر میں روایت کیا ہے۔

روایت میں آیا ہے کہ

آدمی نے چاہا کہ اپنی بیٹی کو اس کے خاوند کے گھر بھیجے۔ اس نے خوشبو کی تلاش کی جو اسے نہ ملی۔ وہ نبی کریم علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور گزارش کی کہ کوئی خوشبو عطا فرمائیں۔ اس وقت وہاں کوئی خوشبو نہ تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شیشی طلب کی تاکہ اس میں خوشبو ڈال کر دی جائے آپؐ نے اپنے بدن مقدس سے پسینہ لیا اور شیشی میں ڈال دیا اور آپ نے فرمایا کہ جاؤ اور اپنی دختر کے جسم پر یہ پسینہ لگادو۔ جب وہ پسینہ اس کی بیٹی کے جسم پر لگایا گیا تو تمام مدینہ شریف کے شہر میں خوشبو کی مہک آنے لگی اور ان کے گھر کا نام بیت المطیبین رکھ دیا گیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائے اور دوپہر کے وقت آرام فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں بہت پسینہ آتا تھا۔ میری والدہ ام سلیم نامی نے آپؐ کا پسینہ ایک شیشی میں جمع کرنا شروع کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے اور پوچھا کہ کیا کرتی ہے۔ اے ام سلیم! تو ام سلیم نے جواب دیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ آپؐ کا پسینہ مبارک خوشبو کے طور پر استعمال کرنے کے لئے جمع کر رہی ہوں۔ کیونکہ اس کی خوشبو سب خوشبوؤں سے بڑھ کر ہے۔

اس کو مسلم نے روایت کیا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت منقول ہے کہ جب کوئی صحابی آپ کی بارگاہ کی حاضری کے لئے جاتا تو آپؐ گھر میں موجود نہ ہوتے تو جس راہ سے حضور علیہ السلام کہیں گئے ہوتے۔ اس راہ سے خوشبو آیا کرتی۔ لہٰذا وہ صحابی اسی راہ پر چلا جاتا اور جو کوئی بھی مدینہ طیبہ کی گلیوں میں سے گزرتا ہوا خوشبو پاتا وہ جان جاتا تھا کہ اس راستہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم گزرے ہیں۔ اور ابھی تک مدینہ طیبہ کی در و دیوار سے خوشبو آتی ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عشاق محب اپنی شامہ محبت کے ذریعہ اسے پالیتے ہیں۔ شاید شاید اس خوشبو کا ایک شمہ آپؐ کے محبان باذوق اور طلبگاروں اور

مشتاقین میں سے بعض کو ملا ہو۔ ابو عبد اللہ عطار مدینہ طیبہ کی تعریف میں کہے ہیں۔

یطیب رسول اللہ طاب نسیمھا فما المشک والکافور المندل الرطب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشبو مبارک سے فضائے مدینہ مہک رہی ہے مشک کیا ہے اور کافور کیا ہے ان جیسی خوشبو تو وہاں کی کھجوروں میں پائی جاتی ہے۔

اہل وجدان علماء میں سے ایک عالم ہشلی ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ مدینہ طیبہ کی مٹی میں ایک مخصوص قسم کی خوشبو ہے جو کسی مشک یا عنبر میں نہیں ہے اور کہا گیا ہے کہ مدینہ شریف میں ایسی خوشبو کی موجودگی از عجائب و غرائب ہے۔ اور در حقیقت کوئی تعجب نہیں ہے۔

ے
دراں زمین کہ نسیمے و زدز طرہ دوست
چہ جائے دم زدن نافہائے تا تاریست

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا ہے آپ کے رخ انور پر پسینہ کے قطرے پاکیزہ خوشبو دار موتیوں کی طرح ہوتے تھے جو مشک سے بڑھ کر خوشبو دار ہوتے تھے۔

(رواہ ابو نعیم)

توصیف ید شریف۔ آپ کے ہاتھوں کی توصیف میں اس سے پہلے جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے گزر چکا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ مبارک میرے چہرہ پر پھیرا۔ پس میں نے آپ کے ہاتھ سے ٹھنڈک اور خوشبو پائی جیسے کہ ابھی آپ نے اپنا ہاتھ طبلہ عطار سے باہر نکالا ہے اور جو کوئی بھی آپ سے مصافحہ کرتا تمام دن اپنے ہاتھ سے خوشبو پاتا رہتا اور جس کسی بچے کے سر پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا ہاتھ پھیرتے وہ بچہ تمام بچوں میں آپ کی خوشبو کی وجہ سے ممتاز اور معروف ہو جاتا تھا۔

فائدہ۔ جان لو کہ بعض حدیثوں میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پسینہ مبارک سے گلاب کا پھول پیدا ہوا ہے اور دوسری جگہ پر آیا ہے کہ معراج کی رات کو میرے پسینہ سے سفید پھول پیدا ہوا تھا۔ اور گلاب کا پھول جبریل کے پسینہ سے۔ اور زرد رنگ کا پھول براق کے پسینہ سے پیدا ہوا ہے۔ نیز روایات میں آیا ہے کہ معراج شریف سے واپسی پر میرے پسینہ کا ایک قطرہ زمین پر گر پڑا اور اس سے گلاب کا پھول پیدا ہوا جو کوئی چاہتا ہے کہ میری خوشبو کو سونگھے وہ گلاب کے پھول کو سونگھ لے اور ایک روایت میں آیا ہے کہ جب میرے پسینہ کا قطرہ زمین پر گرا۔ زمین ہنسی اور گلاب کا پھول اگ آیا لیکن محدثین کو ان کی اصطلاع کے مطابق اور روایت کی صحت میں کلام ہے۔ مواہب لدنیہ کے مولف نے ابو الفرج نہروانی سے روایت درج کی ہے کہ اس نے کہا کہ جو کچھ ان احادیث میں آیا ہے وہ نبی مختار صلی اللہ علیہ وسلم کے فضل میں سے ایک قطرہ ہے اور اس کثرت میں سے تھوڑا سا ہے جو کہ پروردگار نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائی ہے اور

اس مرتبت و منزلت سے آپؐ کو رفعت شان عطا فرمائی ہے۔ ان میں محدثین کو کلام ان اصطلاحات اور صناعت کی وجہ سے ہے جو انہوں نے تحقیق اور تصحیح کی خاطر خود بنائی ہیں۔ یہ کسی استبعاد یا محال یا ناممکن ہونے کی وجہ سے نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

قضائے حاجت۔ جب حضور قضائے حاجت فرمانا چاہتے تھے تو زمین شق ہو جاتی تھی اور آپؐ کا بول و براز زمین کے اندر چلا جاتا تھا۔ اور وہاں پر خوشبو مہک اٹھتی تھی۔ آپ کے براز کو کبھی کسی نے نہ دیکھا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپؐ استنجا (طہارت) فرما کر باہر تشریف لاتے تو میں وہاں ہرگز کسی قسم کی پلیدی نہ دیکھتی تھی۔ آپؐ نے فرمایا کہ کیا تو نہیں جانتی کہ جو کچھ انبیاء کے اندر سے خارج ہوتا ہے اسے زمین اپنے اندر اتار لیتی ہے۔ پس اس میں سے کوئی چیز نہیں دیکھی جاتی اور صحابہ میں سے ایک شخص نے کہا کہ ایک سفر میں میں آنحضرت کی صحبت میں تھا۔ آپؐ ایک مقام پر قضائے حاجت کے لئے آئے۔ آپؐ کے واپس تشریف لے جانے کے بعد میں وہاں پر گیا جہاں سے حضور علیہ السلام باہر آئے تھے۔ میں نے وہاں پر بول و براز کا کوئی نشان نہ پایا۔ وہاں کچھ روڑے پڑے ہوئے تھے۔ میں نے ڈھیلا اٹھایا اس سے پاکیزہ خوشبو آ رہی تھی اور قاضی عیاض رحمتہ اللہ علیہ نے شفا میں کہا ہے کہ تحقیق اہل علم کی ایک جماعت اس طرح گئی ہے کہ بول و براز (محدثین) کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طہارت فرماتے تھے۔ اور یہی قول بعض شافعی المسلک صاحبان کا ہے۔

حضور علیہ السلام کا بول مبارک۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بول شریف تو بہت لوگوں نے دیکھا ہے اور اس کو ام ایمن رضی اللہ عنہا نے پیا بھی ہے جو آپؐ کی خدمت کیا کرتی تھی' اور علماء نے کہا ہے کہ رات کے دوران حضور علیہ السلام (جہاں سویا کرتے تھے) اس کے نیچے ایک برتن رکھا کرتے تھے جس میں آپؐ پیشاب فرماتے تھے۔ ایک شب آپؐ نے اس میں بول فرمایا تھا۔ صبح ہوئی تو ام ایمن کو فرمایا کہ جو کچھ اس برتن میں ہے زمین پر انڈیل دو۔ پس اس برتن میں کوئی چیز نہ پائی۔ ام ایمن نے کہا کہ اللہ کی قسم مجھے پیاس لگی تھی تو میں نے اسے پی لیا تھا۔ پس حضور علیہ السلام مسکرائے اور منہ دھونے کے لئے نہ کہا اور نہ دوبارہ ایسے کرنے سے منع فرمایا اور فرمایا کہ تمہارے پیٹ میں کبھی درد نہ ہو گا اور ایک دفعہ اور ایک عورت تھی جس کا نام برکہ تھا وہ بھی آپؐ کی خدمت کرتی تھی۔ اس نے بھی آپؐ کا پیشاب مبارک پی لیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ام یوسف! تو کبھی بیمار نہ ہو گی۔ پس وہ عورت اس کے بعد کبھی بیمار نہ ہوئی سوائے اس علالت کے جو اس دن ہوئی جس دن اور جس کے دوران وہ اس جہان سے رخصت ہو گئی۔ بعض روایات ہیں آیا ہے کہ ایک شخص نے آپؐ کا بول پی لیا تھا۔ پس اس سے خوشبو آیا کرتی تھی اور اس کی اولاد سے بھی چند پشتوں تک اور مواہب لدنیہ اور شفاء میں یہ دو روایات مذکور نہیں ہوئی ہیں۔ روایت میں آیا ہے کہ لوگ آپؐ کے بول شریف سے برکت حاصل کرتے تھے اور لہو مبارک سے بھی۔ پیشاب کے متعلق احادیث بیان ہو چکی ہیں۔ لہو شریف کا پینا بھی کئی دفعہ واقع ہوا ہے۔ ان میں سے ایک وہ حجام تھا جو آپؐ کی حجامت بناتا تھا اس نے حضور علیہ السلام کو پچھنے لگائے خون نکلا تو وہ اسے پی گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا تونے خون کو کیا کیا ہے اس نے کہا میں خون باہر لے گیا تھا تاکہ اسے پنہاں کردوں۔ میں نے نہ چاہا کہ آپ کے خون مبارک کو زمین پر پھینکوں۔ پس میں نے اسے اپنے پیٹ میں چھپالیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا' بیشک تم نے بہانہ بنا کر اپنے نفس کی حفاظت کرلی ہے یعنی بیماریوں اور بلا سے۔ روایت میں آیا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم احد کے دن زخمی ہوئے تھے۔ ابو سعید حزری رضی اللہ عنہ کے والد مالک بن سنان نے (آپؐ کے جسم شریف) پر جراحت کی تاکہ زخموں کو مفید ہو۔ اسے لوگوں نے کہا کہ اپنے منہ سے خون کو پھینک دو اس نے کہا کہ اللہ کی قسم! ہرگز زمین پر نہیں پھینکوں گا۔ پس وہ اسے پی گئے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی مرد جنتی کو دیکھنا چاہتا ہے۔ وہ اس آدمی کو دیکھ لے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت آئی ہے۔ کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجامت بنوائی۔ پس آپ نے مجھے اپنے خون (والا برتن) دیا کہ اس خون کو کہیں ایسی جگہ پوشیدہ کردو۔ جہاں کوئی نہ دیکھے۔ پس میں نے اسے پی لیا کیونکہ اس سے زیادہ پوشیدہ کوئی جگہ میں نے نہ پائی حضور علیہ السلام نے فرمایا وائے تمہیں لوگوں سے اور وائے لوگوں کو تم سے۔ اس سے حضور علیہ السلام نے ان کی قوت و مردانگی اور شجاعت و شہامت کی طرف اشارہ فرمایا جو اس کو خون سے حاصل ہوئی۔ لوگوں کے ساتھ لڑائی و قتل کا باعث بنا اور اس نے یعنی عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے یزید کی بیعت نہ کی اور مکہ شریف میں قیام کیا اور ان کے حلقہ امارت میں حجاز و یمن اور عراق و یونان و خراسان کے لوگ مجتمع تھے۔ اور عبدالملک بن مروان کے عہد حکومت میں ان کو حجاج بن یوسف نے شہید کردیا اور پھانسی پر لٹکایا اور ان کے متعلق روایات میں طویل قصہ آیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اس وقت فرمایا جب انہوں نے خون مبارک پی لیا تھا۔ لا تمسک النار الا قسم الیمین تمہیں دوزخ کی آگ مس نہ کرے گی سوائے قسم کے لئے جو حق تعالیٰ نے کھائی ہے۔ ان روایات سے حضور علیہ السلام کے بول شریف اور خون مبارک کی طہارت و پاکیزگی پر دلالت ہوئی ہے اور اسی طرح تمام فضلات کے متعلق ہے اور علامہ عینی جو صحیح بخاری کے شارح ہیں۔ جو مسلک حنفی رکھتے ہیں فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ اسی کے قائل تھے اور شیخ ابن حجرؒ نے بھی فرمایا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات کی طہارت پر کثیر بین دلائل ہیں اور حضور علیہ السلام کے خصائص میں یہ چیز بھی ائمہ نے شمار کی ہے۔

مستورات سے مباشرت۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی عورتوں کے ساتھ مباشرت کا ذکر پشت مبارک سینہ و شکم کے ذکر کے بعد ہونا چاہیے تھا۔ جیسے دوسری قومی کتابوں میں آیا ہے۔ لیکن سیاق و سباق اور ترتیب و نظم کے باعث بعض مقامات کی وجہ سے اس ذکر کو آخر پر کرتے ہیں میرے نزدیک اس کے لئے (ترتیبی لحاظ سے) یہ مقام بہتر ہے۔ جیسے کہ اہل فہم اور فراست پر روشن ہو جائے گا فوائد نکاح میں پہلا فائدہ حفاظت نسل' نسل انسانی کا دوام اور اس کے بعد لذت حاصل ہونا۔ نعمت کا انقلاع اور صحت کی حفاظت ہے۔ مادہ منویہ کو عرصے تک روکے رکھنا اور جماع نہ کرنا شدید بیماریوں اور جسمانی اعضاء کی کمزوری اور انسداد مجاری کا باعث ہوتا ہے اور قوت باہ اور جماع کی شہوت کو لیٹ کرنا ان امور میں نقص ڈالتے ہیں جو معروف' مقرر کردہ مستحرہ ہیں مردوں میں' عورتوں سے محبت کرنا اور کئی عورتوں سے نکاح کرنا یہ تو ایک کمال ہوتا ہے اور ان

مقلات سے ہے کہ کوتاہ فہموں کی عقل اس کی کمالیت کی حقیقت سے حجاب میں ہے۔ عورتوں سے جماع اور مباشرت کو باعث نقصان سمجھتے ہیں اور ایسے لہو و لعب تصور کرتے ہیں۔ یہ شعور کی کمی اور رہبانیت کی طرف میلان کی وجہ سے ہے اور حقیقت و جماعیت، فعل و انفعال اور تاثیر و تاثر جو کہ ظہور عالم کی علت غائیہ ہے کی طرف۔ نظر حقیقی اس فعل میں ہوتی ہے کسی دوسرے میں نہیں اور اس کی سند اور محبت کے لئے سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل مبارک کافی ہے۔ اس بحث کا باقی ماندہ حصہ انشاء اللہ ازواج مطہرات کے ضمن میں کتاب کے آخر میں آئے گا۔

حضرت انس رضی اللہ کی حدیث میں آیا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام (ایک رات کے دوران اپنی گیارہ ازواج مطہرات کے پاس تشریف فرما ہوتے تھے راوی کہتے ہیں میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا۔ آیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اتنی طاقت تھی؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم آپس میں باتیں کیا کرتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے تیس مردوں کے برابر قوت عطاء کی تھی۔ یہ روایت بخاری میں ہے اور دیگر ایک حدیث میں چالیس جنتی مردوں کی طاقت بتائی گئی اور ہر جنتی مرد کی طاقت سو مردوں کے برابر ہوتی ہے۔

ایک روایت میں آیا ہے نبی کریم رؤف و رحیم نے فرمایا کہ جبریل کھانے کی ایک دیگ لے کر حاضر ہوئے۔ اس میں سے میں نے کچھ کھالیا تو مجھ میں چالیس مردوں کے برابر طاقت آگئی۔ شفاء شریف میں قاضی عیاض رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت درج کی ہے انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شرم گاہ کبھی نہیں دیکھی۔ دیگر روایت میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے عائشہ رضی اللہ عنہا کی شرمگاہ کبھی نہ دیکھی تھی اور نہ ہی عائشہ رضی اللہ عنہا نے کبھی حضور علیہ السلام کی شرم گاہ دیکھی تھی اور نبی کریم علیہ السلام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وصیت فرمائی تھی کہ ان کے سوا کوئی دوسرا شخص آپؐ کو غسل نہ دے اور نہ ہی میری شرمگاہ پر کسی کی نظر پڑے۔ اس لئے کہ جس کی نظر میری شرمگاہ پر پڑے گی وہ دونوں آنکھوں کی بینائی سے محروم ہو جائے گا۔ یہ کمال ہے آپؐ کے جسم کی قوت کا اور آپؐ کی روحانی طاقت یہ تھی کہ آسمان کو حرکت سے روک دیتی تھی۔ بلکہ وہ حرکت کے معمول سے الٹ متحرک ہو جاتا تھا۔ اسی لئے سورج غروب ہو جانے کے بعد اسے واپس لوٹانا۔ احادیث میں وارد ہوا ہے یہ عبرت کا مقام ہے اور نصیحت کا موقع ہے وجہ یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عیش و تنعم اور کھانا پینا تو ایسا تھا کہ کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا اور نان جویں پر قناعت کی بلوجود اس مرتبہ کے اور باوجود اس حال کے جسم مقدس کی توانائی و طاقت کا مندرجہ بالا حال آپؐ کا ایک معجزہ ہے جو کہ ارباب فہم و ذکا پر روشن و عیاں ہے۔ حضور علیہ السلام کا حسن و جمل' صفاو نورانیت' رنگ اور آپؐ کے چہرے مبارک کی خوبی اس مرتبہ کی تھی جو کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے۔ اور کھانا پینا اور لباس حسن و صفاء میں اضافہ کا باعث بنتا ہے اور وہ حسب عادت وہی تھے (جن کا ذکر ہو چکا ہے) تو معلوم ہوا کہ یہ عالم عادت و اسباب سے باہر تھا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

احتلام سے محفوظ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم احتلام سے محفوظ تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ انہوں نے کہا کبھی کوئی پیغمبر محتلم نہیں ہوا اور احتلام شیطان کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اسے طبرانی سے روایت کیا ہے۔ لیکن

متفق علیہ حدیث میں آیا ہے کہ رمضان شریف کے مہینے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فجر کے وقت جنبی ہوئے تھے لیکن بغیر احتلام کے۔ پس آپؐ غسل فرماتے تھے اور روزہ رکھ لیتے تھے اور اسی عبارت سے ظاہر یہ ہوتا ہے کہ آپؐ پر احتلام جائز تھا۔ ورنہ استثناء کا کیا فائدہ ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ استثناء کی بنیاد و جواز کے نہ ہونے پر ہے اور یہ خبید اتفاقی ہے اور بیان واقع ہے کہ آپؐ غسل فرمانا بوجہ جماع تھا نہ کہ بوجہ احتلام۔ کیونکہ آپ پر احتلام کا اطلاق جائز نہیں۔ کیونکہ احتلام شیطان سے ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سے معصوم تھے اور روزے والی حدیث میں احتلام سے مراد ہے سوتے میں بغیر کسی چیز کے دیکھنے کے انزال ہو۔ اور خواب میں دیکھنے والی چیز شیطان ہے۔ قاضی عیاض رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ اس حدیث میں حضور علیہ السلام کا غسل فرمانا اس لئے تھا کہ جماع کے بعد دیر ہو گئی تھی جو کہ ہماری کثرت اجتماع کی وجہ سے تھا۔

تکملہ۔ وہ لمبی حدیث جو آئمہ اہل بیت نبوت کے طریق سے ہے اور امام حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا امام شہید امام حسین رضی اللہ عنہ پر ختم ہوتی ہے اور حضور علیہ السلام کے حلیہ مبارک اور بعض سیر و عادات پر مشتمل ہے۔ اس میں ہے کہ امام حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی پھوپھی جن کا نام ہندہ بنت ابی ہالہ تھا اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ کے متعلق پوچھا اور امید رکھتا تھا کہ وہ چیزیں بھی وہ بیان کریں گی جو مجھ سے متعلق ہیں مراد یہ کہ میں جانتا تھا کہ آپؐ کا حلیہ میں موجود ہر چیز مجھ میں بھی ہو گی۔ اس لئے کہ امام صاحب حلیہ شریف میں دیکھتا تھا تو لوگ کہتے تھے تم نے درست دیکھا ہے۔ ہندہ بنت ابی ہالہ نے کہا۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فخما مفخما یتلالا ءوجھہ تلالا ءالقمر لیلۃ البدر آخر الحدیث

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک عظیم' بزرگ' رعب والا تھا۔ آپؐ کا روئے مبارک تاباں تھا۔ جس طرح چودھویں رات کا چاند۔

امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ پس میں نے ہندہ بنت ابی ہالہ سے سوال کیا کہ مجھ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بولنے' سکوت کرنے اور قوت گویائی کے متعلق بتائیں۔ انہوں نے کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ مضطراب اور غمزدہ رہتے تھے۔ آپؐ بلا ضرورت نہ بولتے تھے۔ آپؐ زیادہ دیر خاموش رہتے تھے۔ شروع میں اور آخر میں کنج دہن ہوتے تھے مراد یہ کہ تمام الفاظ اپنے منہ مبارک سے بھرپور کمل اور درست بولتے تھے۔ آپؐ کا کلام ٹوٹا پھوٹا اور نقص دار نہ ہوتا تھا۔ آپؐ کا تکلم جوامع الکلم تھا۔ یعنی کلام مختصر اور معانی زیادہ ہوتے تھے۔ جس طرح حدیث میں ہے۔

اوتیت جوامع الکلم واختصر لی الکلام

مجھے جوامع الکلام دیا گیا اور کلام میرے لئے مختصر کر دیا گیا۔

اور فاضل و مفضول کے ساتھ کلام فرمایا کرتے تھے۔ نہ اس میں نقص ہوتا تھا اور نہ ہی فضول کلام ہوتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نرم طبیعت اور خوش خلق تھے۔ درشت سخن اور تند خو نہ تھے۔ نعمت کی تعظیم کرتے تھے خواہ وہ تھوڑی

سی ہوتی۔ کسی چیز میں عیب جوئی نہ کرتے۔ کھانا جس طرح کا بھی ہوتا کھالیتے تھے۔ برا نہ کہتے تو تو تعریف بھی نہ کرتے تھے۔ جیسے کہ اہل ترفہ وتنعم (چٹخارے لے لے کر کھانے والے) کی علامت ہے۔ آپ کے غصے کے ساتھ کوئی کھڑا نہ ہو سکتا تھا اور نہ کسی میں تاب ہوتی تھی۔ اس وقت جب کوئی حد سے تجاوز کر جاتا۔ حتیٰ کہ آپ انتقام لے لیتے تھے اور اپنے نفس کی خاطر نہ غصہ کرتے نہ انتقام لیتے اس امر میں جو دنیا سے تعلق رکھتا تھا اگر کسی چیز کی طرف اشارہ کرتے تھے تو مکمل ہتھیلی سے کرتے تھے نہ کہ صرف انگلی سے اور جب تعجب اور تحیر واضح کرتے تو کف دست کو اس کے تخلیقی انداز میں باہر نکالتے۔ جب آپ گفتگو فرماتے تو دائیں ہاتھ کی نر انگلی کو بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر مارتے تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام علامات اللہ تعالیٰ کو محبوب تھیں۔ آپ کی علامات اس قسم کی تھیں لازماً" اس میں کوئی نکتہ اور بھید ہو گا جس کی کنہ معلوم کرنے سے عقل قاصر ہے واللہ اعلم۔

جب آپ غضب فرماتے تو اس طرف سے چہرہ اور پہلو بدل لیتے اور خوشی کا اظہار فرماتے یا کسی چیز سے لذت حاصل کرتے تو آنکھوں کو ڈھانپ لیتے۔ اکثر آپ کی ہنسی تبسم ہوتا تھا اور تبسم کے دوران دندان مبارک ظاہر ہوتے۔ ان کی صفائی لطافت اور آب و تاب اولے کی طرح ہوتی تھی۔ امام حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ میں نے یہ حدیث ابن ابی ہالہ سے سنی اور ایک مدت تک امام حسین رضی اللہ عنہ سے پوشیدہ رکھا اور بالفعل ان سے ذکر نہ کیا۔ اور جب میں نے ان کے ساتھ اس کا ذکر کیا تو میں نے دیکھا کہ اس حدیث کو وہ مجھ سے بھی پہلے سن چکے تھے اور انہوں نے یہ حدیث اپنے والد ماجد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھی تھی حضور علیہ السلام کے حلیہ مبارک بیٹھنے اٹھنے کے اضافہ کے ساتھ امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ میں نے اپنے والد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پوچھا کہ مکان میں کس طرح داخل ہوتے تھے او. مکان میں داخل ہو کر کیا کرتے تھے تو انہوں نے جواب دیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں داخل ہوتے تو اپنا وقت تین حصوں میں تقسیم فرماتے تھے۔ ایک حصہ وقت کا خدا کے لئے یعنی عبادت کی خاطر ہوتا۔ یوں تو آپ ہر وقت عبادت میں مشغول رہتے تھے لیکن اس جگہ بالخصوص عبادت مراد ہے۔ اس وقت کے دوران نہ اہل بیت کو دخل کی اجازت تھی نہ اپنے اور دوسرے لوگوں کے حقوق کو دخل تھا۔ وقت کا دوسرا حصہ اہل و عیال کے مخصوص ہوتا تھا۔ یعنی اس دوران ان کے حقوق کی ادائیگی فرماتے تھے۔ ان سے ہم کلام ہوتے تھے۔ ان کی ضروریات کی کفالت کرتے تھے۔ نیز ان سے مباشرت ہوتی تھی۔ وقت کا تیسرا حصہ اپنی ذات کی خاطر ہوتا تھا۔ اپنی ذات کے حقوق ادا فرماتے تھے مثلاً آرام فرماتے سوتے تھے اور اس قسم کے دیگر کام وغیرہ۔ بلکہ اس اپنی ذات کے لئے مخصوص شدہ وقت کو بھی دوسرے لوگوں اور اپنے درمیان تقسیم فرمادیتے تھے اور اس وقت میں دوسروں کو شامل فرمالیتے تھے۔ اس سے آپ کے خاص صحابہ کرام آپ کو ضروریات عامہ کے متعلق مطلع کرتے۔ پھر وہ آپ کی مجلس شریف کے موائد اور فوائد دوسروں تک پہنچاتے تھے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ پہلے وہ فوائد ان مخصوص صحابہ کو پہنچتے تھے۔ پھر انکے وسیلہ سے عام لوگوں تک پہنچتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوسروں سے بچا کر فوائد اور نصائح کو اپنے پاس جمع نہ کرتے تھے۔ یعنی جو کچھ ان کی استعداد اور

ان کے حال کے مناسب ہوتا تھا وہ انہیں پہنچا دیا جاتا تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک اور عادات کریمانہ میں ایثار اور اہل فضل اور علم اور اہل صلاح و شرف کو اختیار با اجازت ہوتا تھا۔ آپؐ ان کو اندر داخل ہونے کی اجازت عطا فرماتے تھے۔ اور اپنی محفل مقدسہ میں ان کو مخصوص فرمالیتے تھے اور فضل و مرتبہ کے لحاظ سے دین میں ان کی تقسیم فرماتے تھے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جو کوئی ان میں سے دین میں ممتاز تر ہوتا آپؐ کی عنایت و رعایت اس کے حق میں اتنی ہی زیادہ ہوتی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی حاجات پوری کرنے اور ان کے مقاصد کی تکمیل میں مشغول ہوتے تھے۔ اور ان کو بھی اس کام میں مشغول رکھتے تھے جس سے ان کی اصلاح حال ہوتی تھی۔ آپؐ انہیں حکم دیتے تھے۔ کہ مجھ سے دریافت کرو اور جو کچھ یہاں سے سنو وہ دوسروں تک پہنچاؤ اور آپ فرماتے تھے کہ جو لوگ اپنی حاجات مجھ تک خود نہیں پہنچا سکتے۔ ان کی حاجات تم میرے پاس حاضر ہو کر پہنچاؤ۔

فائدہ۔ آپؐ نے فرمایا کہ جو کوئی کسی کو سلطان حاجت کے پاس پہنچائے جو کہ خود نہیں پہنچ سکتا اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اسے ثابت قدم رکھے گا۔ اس میں آپ نے اپنے حضور میں پیش کرنے کا ذکر نہیں کیا لیکن چونکہ جو حاجات دین و دنیا میں ضروری ہوتی تھیں وہ آپؐ کے حضور ہی پیش ہوتی تھیں ان سے ہٹ کر آپؐ کی مجلس میں کوئی دوسرا ذکر نہ ہوتا تھا۔ لایعنی اور بے فائدہ کوئی بات نہ ہوتی تھی اور علم، خیر اور برکت کے طالب لوگ حاضر ہوتے اور اپنا نصیبہ حاصل کرتے تھے اور وہاں سے لوگوں کے لئے رہنما بن کر باہر نکلتے تھے۔ امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ میں نے اپنے والد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام گھر سے باہر کس طرح تشریف لاتے تھے اور باہر آکر کیا کام کرتے تھے۔ جب کہ وہ صحابہ کے ساتھ بیٹھ جاتے تھے۔ آپؐ نے جواب میں فرمایا۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یحزن لسانہ الا فیما یعنیہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زبان کو بند رکھتے تھے سوائے اس کے جس میں فائدہ ہو۔

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زبان مبارک کو بند رکھتے تھے سوائے اس بات کے یا چیز کے جس میں فائدہ ہو۔
یحزن کا لفظ خذن سے ہے یعنی مال کو خزانہ میں رکھنا۔ اشارہ ہے کہ آپ کی زبان مبارک مثل چابی کے تھی اور آپ کا دل خزانہ تھا جو حقائق و معارف سے مالا مال تھا جو کچھ امت کے لئے فائدہ مند ہوتا تھا اس میں زبان کھولتے تھے اور سود مند نہ ہوتا تو زبان شریف بند رکھتے تھے۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام ان کی دل جوئی فرماتے تھے اور اپنے سے دور جانے سے ان کی حفاظت فرماتے تھے اور یہ اصل میں اللہ تعالیٰ کے فعل سے ہے۔ جیسے کہ فرمایا ہے۔ ھو الذی الف بین قلوبھم حضور علیہ السلام احسان اور عطا و بخشش بہت کرتے تھے۔ ضعیف ایمان والوں پر جسے تالیف قلوب کہتے ہیں اور ہر قوم کے بزرگوں کی عزت کرتے تھے اور ان پر انہی کو حاکم مقرر کرتے تھے اور لوگوں سے بچتے رہتے تھے اور اپنی حفاظت لوگوں سے کرتے تھے۔ اور دشمنوں سے اپنے تیں حفاظت میں رکھتے تھے تاکہ نقصان نہ پہنچائیں اور یہ اس آیہ کریمہ کے نزول سے پہلے ہوتا ہے واللہ یعصمک من الناس یا اس سے قطع نظر اس کے اس میں علم و حکمت اور امت کے لئے تعلیم و ارشاد ہے۔ درحقیقت

یہ اشارہ ہے اپنا رعب قائم رکھنے کے لئے اور لوگوں سے عدم انبساط کی طرف تاکہ وہ ڈرتے رہیں اور بیباک نہ ہو جائیں اور حفاظت و نگہبانی کے باوجود لوگوں کے ساتھ کشادہ روئی اور خوش خصالی سے منہ نہ موڑتے تھے۔ ان کے احوال معلوم کرتے تھے اور اپنے اصحاب کی بازپرس بھی کرتے تھے اور لوگوں سے ایک دوسرے کا حال بھی پوچھتے تھے۔ تاکہ جو کوئی نیک ہو تا اس سے نیکی کی جائے اسے شاباش دی جائے اور اس کی تقویت اور تائید کی جائے۔ اگر نیک نہ ہو تو اصلاح کی جائے، منع فرمایا جائے اور باز رہنے کی تلقین کی جائے۔ آپ کی عادت شریف تھی کہ اچھائی کی تعریف کرتے تھے اور برائی کی ہمیشہ مذمت کرتے تھے اور جس سے برائی واقع ہوتی تھی اس سرزنش فرماتے تھے اور برا کرنے والے کی پرواہ نہ کرتے تھے۔ اور اس سے کوئی خوف نہ رکھتے تھے خواہ وہ کتنا ہی بظاہر عظیم القدر ہوتا اور یہ لوگوں کے حالات معلوم کرنا کسی تجسس کے باعث نہ تھا۔ تجسس وہ ہوتا ہے کہ لوگوں کی خفیہ برائیاں معلوم کی جائیں برائے عام تشہیر اور یہ ظاہر احوال ایک دوسرے سے پوچھے جاتے تھے۔ یہ برائے تربیت اور اصلاح تھا اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام ہر چیز میں یعنی اپنے تمام افعال اور اوصاف میں معتدل الامر یعنی اعتدال پر رہنے والے تھے اور متمکن اور مستقل مزاج تھے۔ آپ کے کام پست وبالا نہ ہوتے تھے اور ان میں اختلاف، افراط اور تفریط ہرگز نہ تھی اور امت کی تعلیم، تادیب اور تہذیب میں ہرگز غافل نہ تھے اور ہمیشہ ان کی سیاست اور تدبیر کار میں مشغول رہتے تھے۔ اس لئے کہ وہ غافل نہ ہو جائیں اور کام کرنے (یعنی فرائض کی ادائیگی) سے باز نہ رہیں اور سخت عبادت کرنے کا التزام ہمیشہ کے لئے نہ کرتے تھے۔ اس لئے فرض قرار نہ دی جائے امت کے لئے اور ہر حال میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر کام کے لئے تیار اور آمادہ رہتے تھے۔ مثال کے طور پر جنگی اسلحہ اور لڑائی کے سازو سامان میں اور جو کچھ بھی مصلحت کے لئے ہوتا اس کو تیار رکھتے تھے۔ کسی کے حق میں کوتاہی نہ کرتے تھے اور نہ ہی حق سے تجاوز کرتے تھے اور آپ ہمیشہ اقامت حق اور اس کے اثبات میں لگے رہتے تھے اور آپ کے مقرب لوگ ہمیشہ اچھے اور پرہیز گار ہوتے تھے۔ آدمیوں میں سے آپ کے نزدیک زیادہ فضیلت والا اور مقرب وہ ہوتا تھا جو مخلوق کا زیادہ خیر خواہ اور زیادہ ناصح ہوتا۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے اپنے والد صاحب رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ لوگوں کے ہم نشینی میں حضور علیہ السلام کی مجلس کے آداب اور طریقے کیا تھے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سوائے ذکر خدا کی خاطر نہ اٹھتے تھے نہ بیٹھتے تھے۔ یعنی آپ نشست و برخاست میں ہمیشہ ذکر خدا میں مشغول رہتے تھے اور جب مجلس میں آتے تو جو جگہ ملتی وہیں بیٹھ جاتے تھے اور بالا نشینی کی کوشش کبھی نہ کرتے تھے۔ اور اپنے بیٹھنے کے لئے کوئی جگہ بھی مخصوص نہ فرماتے تھے اور اسی چیز کا حکم امت کو بھی کرتے تھے اور بالا نشینی کی کوشش سے منع فرماتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجلس میں موجود ہر شخص کے حصے کے مطابق اسے توجہ التفات اور عنایت عطا فرماتے تھے۔ آپ کا کوئی ہم نشین خیال نہ رکھتا تھا کہ فلاں شخص اس سے زیادہ عزت یافتہ ہے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور ہر شخص کے ساتھ اس کے حال، مرتبہ اور قابلیت کے مطابق توجہ فرماتے تھے کہ وہ راضی اور خوشحال ہو جاتا تھا اور جو کوئی بھی آپ کے پاس آکر بیٹھتا یا کوئی حاجت لے کر آپ کے پاس آتا۔ آپ اس وقت تک صبر فرماتے تھے جب تک وہ مرد خود ہی اٹھ کر چلا

جاتا اور آپؐ اس وقت تک نہ اٹھتے تھے جب وہ آدمی خود اٹھ کر نہ چلا جاتا تھا اور وہ جو بھی سوال آپ سے کرتا یا حاجت پیش کرتا آپؐ رد نہ فرماتے تھے اگر آپؐ کے پاس وہ چیز حاضر موجود نہ ہوتی تو خوش خوئی اور دل جوئی کے ساتھ جواب عطا فرماتے اور اس کی شرح آپؐ کے اخلاق شریف کے اور جود و سخا کے باب میں آئے گی اور آپؐ کی خوش خلقی نے لوگوں کو پر کر دیا تھا۔ آپؐ تمام لوگوں کے لئے باپ کی مانند تھے۔ اور تمام لوگ آپؐ کے نزدیک حق کے لحاظ سے برابر تھے۔ حتیٰ کہ آپ کسی کے حق میں فروگذاشت نہ کرتے تھے اور آپؐ کی مجلس علم و حلم، حیاء و صبر اور امانت کی مجلس ہوتی تھی اور مجلس میں آواز بلند نہ کی جاتی تھی اور کوئی سخن حرام یا ناشائستہ بات نہ کی جاتی تھی اور کسی کی ذلیل حرکت کو ظاہر نہ کیا جاتا تھا نہ تشہیر کی جاتی تھی۔ یعنی اگر کسی ذلیل و ناشائستہ حرکت ہوتی بوجہ بشریت تو اس پر پردہ پوشی فرمائی جاتی تھی اور تمام اہل مجلس معتدل متساوی اور متوافق ہوتے تھے اور ان کی ایک دوسرے پر فضیلت بوجہ تقویٰ تھی۔ جو زیادہ متقی ہوتا تھا اور زیادہ فضیلت والا ہوتا تھا۔ اہل مجلس میں ایک دوسرے کے ساتھ متواضع ہوتے تھے۔ بڑے کی عزت و تکبیر کرتے تھے اور چھوٹے پر رحم کرتے تھے اور محتاجوں کے لئے ایثار کرتے تھے اور غریب و مسافر کے لئے رعایت کرتے تھے۔ صلی اللہ علیہ وسلم و رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

xx

محمد عباس غفر لہ

باب دوم
اخلاقِ عظیمہ اور صفاتِ کریمہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان

جان لو کہ خلق بضم خاء سیرت باطن کو کہتے ہیں۔ خلق خاء ظاہری صورت کو کہتے ہیں اور قاموس میں الخلق خاء اور لام کے ضمہ اور سکون کے ساتھ اس کے معنی خصلت اور طبیعت کے ہیں اور صدرح میں خلق کا معنی خوئے حسن (اچھی علات) ہے اور کبھی خلق کالفظ سماحت' تازہ روئی اور خلقت کے ساتھ حسن اختلاط کے لئے بھی آتا ہے لیکن اس کے معنی اس سے زیادہ وسیع ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق شریف سے صرف یہی کچھ مراد نہیں ہے بلکہ آپ مسلمانوں کے ساتھ رحم والے اور رفیق تھے اور کفار پر شدید و غلیظ تھے۔ عقلمندوں کے نزدیک خلق کے معنی ایک ایسا ملکہ ہے کہ اس کے ساتھ آدمی صابر ہو جاتا ہے اور افعال سہولت اور آسانی کے ساتھ واقع ہوتے ہیں اور اس کے لئے کتب معقولات میں وضاحت کی گئی ہے اور اس میں اختلاف ہے کہ خلق عزیزی ہے یعنی اللہ کی طرف سے طبعی اور خصلت ہے یا کہ اکتسابی ہے کہ آدمی کوشش سے اسے حاصل کر لیتا ہے بعض تو اس کو عزیزی یعنی طبعی اس حدیث کی وجہ سے سمجھتے ہیں۔ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمہارے درمیان تمہارے اخلاق کو تقسیم کر دیا ہے۔ جس طرح کہ تمہاری روزی کو تقسیم کر دیا ہے۔ (رواہ بخاری) اور آپ نے فرمایا کہ اگر تمہیں یہ خبر دی جائے کہ پہاڑ اپنی جگہ سے حرکت کر گیا ہے تو اس کی تصدیق کر دو اور اگر تمہیں یہ خبر دی جائے کہ کسی مرد نے اپنی علات و خصلت کو تبدیل کر لیا ہے تو تم قبول نہ کرو۔ یعنی خلق میں تبدیلی نہیں ہوتی لیکن پھر بھی ہر دو امور پر اللہ تعالیٰ کو قدرت حاصل ہے۔

اور تحقیق یہ ہے کہ آدمی خلق کے لحاظ سے مختلف ہیں۔ بعض آدمیوں میں بعض اخلاق شدید اور پختہ ہوتے ہیں کہ ان سے تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ ان کے زوال کو ریاضت اور مجاہدہ کے ذریعے محمود بنایا جا سکتا ہے۔ اور بعض قوت سے ضعف میں آجاتے ہیں۔ اور شریعت میں اخلاق کو اچھا بنانے کا حکم آیا ہے اور انبیاء صلوٰۃ اللہ و سلامہ علیہم کو تربیت' تہذیب اخلاق اور خلقت کی ہدایت کے لئے بھیجا گیا ہے اگر اخلاق کی تبدیلی ممکن نہ ہوتی تو اس کی خاطر پیغمبروں کو بھیجنے کے کیا معنی اور دعائے ماثورہ میں واقع شدہ ہے۔ (روایت ہوئی ہے)

اللھم کما حسنت خلقی فحسن خلقی

ترجمہ اے اللہ جس طرح تو نے میری پیدائش اچھی بنائی۔ اسی طرح تو میرے خلق کو اچھا بنا دے۔

دوسری حدیث میں ہے۔

اللھم اھدنی لا حسن الاخلاق لا یھدی لاحسنھا الا انت واصرف عنی سیئھا ولا یصرف سیئھا الا انت۔

ترجمہ اے اللہ تعالیٰ مجھے اچھے اخلاق کی ہدایت عطا فرما تیرے سوا اچھے اخلاق کی توفیق کوئی نہیں دیتا۔

(۱) اخلاق کی تعریف
(۲) دعائیں

مجھے بری عادتوں سے ہٹادے اور تیرے سوا کوئی بری عادات سے ہٹا نہیں سکتا۔

شیخ عبدالقیس کی حدیث میں ہے۔

ان فیک الخصلتین یحبھما اللہ الحلم ولا ناءۃ۔

ترجمہ:- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالقیس سے فرمایا، تم میں دو خصلتیں ہیں۔ جنہیں خدا پسند کرتا ہے ایک حلم (بردباری) اور دوسرا وقار۔

عبدالقیس نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قدیما کان فی او حدیثیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ مجھ میں ہمیشہ سے ہیں یا بعد میں پیدا ہوئی ہیں۔ آپ نے فرمایا "قدیما" یعنی ہمیشہ سے موجود ہیں۔ اس پر عبدالقیس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے میری طبیعت میں دو خصلتیں ایسی رکھی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے۔ پس سوال میں تردید سے یہ مراد ہے کہ بعض اخلاق جبلی ہیں اور اکتسابی ہیں اور یہاں تطبیق کی ایک اور وجہ بھی ہے۔ وہ یہ کہ جو اخلاق صحبت و عادت کے باعث حاصل اور پیدا ہوتے ہیں ان میں تبدیلی آسان ہے۔ لیکن جو جبلی اور قدیم ہوتے ہیں ان میں تغیر و تبدل مشکل ہے۔ اس کے باوجود حیطہ امکان سے باہر نہیں یعنی ممکن ہے۔ واللہ اعلم۔

اور اعتقاد ہونا چاہیے کہ جملہ انبیاء و رسل کو صورت و سیرت میں مکارم اخلاق محامد صفات، اور تمام کمالات و فضائل اور محاسن حاصل ہیں اور تمام بنی نوع انسان پر وہ فوقیت اور ترجیح رکھتے ہیں اور ان کا رتبہ سب سے بڑا اور درجہ سب سے بلند ہوتا ہے۔ کتنا بلند اور اعلیٰ مقام ہوتا ہے ان کا جن کو اللہ تعالیٰ مختص کر لیتا ہے اور برگزیدہ کرتا ہے اپنے فضل سے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ان کی مدح فرمائی ہے۔ صلوٰۃ اللہ و سلامہ علیہم اور عقائد میں یہ ثابت شدہ امر ہے کہ کوئی ولی نبی کے برابر نہیں ہوتا۔ شیخ امام حافظ الدین نسفی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر مدارک میں فرماتے ہیں کہ تحقیق بعض لوگوں کے قدم ولی کو نبی پر فضیلت دینے میں لغزش کھا گئے ہیں اور یہ جلی کفر ہے اور حق جل و علیٰ نے بعض انبیاء و رسل کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے تلک الرسل فضلنا بعضھم علی بعض قاضی عیاض مالکی کی کتاب شفاء میں مذکورہ ہے کہ انبیاء صلوٰۃ اللہ و سلامہ علیہم کے تمام اخلاق فطری اور جبلی ہیں نہ کہ اکتسابی اور معمولی اور بغیر کسی اکتساب اور ریاضت کے اول خلقت سے اصل فطرت میں ہوتے ہیں اور سب وجود الٰہی کے اختیار اور اللہ کے فضل سے فیض یافتہ ہیں۔

تبارک اللہ ماوحی بمکتسب ولا نبی علی الغیب بمتھم

اللہ تعالیٰ بزرگ و برتر ہے کسی نبی کی وحی اکتسابی نہیں اور نہ کوئی نبی غیب پر کذب کے ساتھ متہم ہے۔ اس شعر کے اندر وحی سے مراد نبوت و رسالت ہے جو وحی اور القاء حکمت کی مبداء ہے اور نفس وحی کا اکتساب بیان کی حاجت نہیں رکھتا۔

بعض انبیاء کا بچپن۔ اور بعض انبیاء سے نبوت اور اخلاق کریمہ کا ظہور ان کے بچپن میں ہوا ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے یحییٰ علیہ السلام کی شان میں فرمایا ہے اتیناہ الحکم صبیا کہ وہ دو یا تین سال کی عمر کے تھے کہ بچے ان سے کہنے لگے تم

کیوں ہمارے ساتھ نہیں کھیلتے۔ آپؑ نے فرمایا میں کھیلنے کے لئے پیدا نہیں ہوا ہوں' اور مصدقا بکلمۃ من اللہ کی تفسیر میں علماء نے کہا ہے کہ یحیٰیؑ علیہ السلام نے عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کی۔ اس وقت ان کی عمر تین سال تھی۔ گواہی دی کہ وہ کلمۃ اللہ اور اس کی روح ہیں' اور عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی ماں کی گود میں کہا کہ اتانی الکتاب و جعلنی نبیا اور سلیمان علیہ السلام بھی اس وقت بچے تھے جب فتاویٰ ارشاد فرماتے تھے اور طبری میں روایت آئی ہے کہ آپ کی عمر جب آپ نے حکومت سنبھالی بارہ برس کی تھی واتینا ابراھیم رشدہ من قبل (اور ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو پہلے ہی پختگی شعور عطاء فرمائی تھی) کے تفسیر میں ہے۔ ھدیناہ صغیرا (ہم نے انہیں بچپن میں ہی ہدایت عطاء فرمائی تھی) اور بعض نے کہا ہے کہ ان کی پیدائش کے وقت ابداء خلق سے پہلے ان کے پاس اللہ نے فرشتہ بھیجا جس نے کہا کہ تجھے خدا تعالیٰ حکم دیتا ہے اور مجھے دل سے پہچانو اور زبان سے ذکر کرو پس ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ میں نے ایسا ہی کیا اور آگ میں ڈالے جانے کے وقت آپ کی عمر سولہ سال تھی اور موسیٰ علیہ السلام کی فرعون کے ساتھ کہانی میں انہوں اس کی داڑھی پکڑلی وہ بھی اس باب سے ہے اور جب یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے انہیں کنویں میں پھینکا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی فرمائی اور ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ولادت کے وقت کا واقعہ مشہور ہے جس میں انہوں نے دونوں ہاتھ اور سر مبارک آسمان کی طرف اٹھایا اور آپؑ نے فرمایا کہ جاہلیتؓ کے دور کے کاموں کی طرف میں نے کبھی کوشش اور ارادہ نہ کیا تھا۔ سوائے دو دفعہ کے' اس وقت بھی اللہ تعالیٰ نے مجھے محفوظ رکھا۔ میرے دل میں ابتداء سے ہی بتوں اور شعر گوئی کی نفرت پیدا کی گئی تھی۔ بعد ازاں امر نبوت پر متمکن فرمایا گیا اور مسلسل نفحات ربانی ہوتی رہیں کہ ان کے دل میں انوار الہیہ ظاہر ہو گئے یہاں تک کہ قصویٰ کے مرتبہ کو پہنچے یعنی نہایت بلند اور کمال درجہ مقام کو پہنچے یہ سب کچھ بلا محنت و کوشش و بلا ریاضت و بلا مجاہدہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ولما بلغ اشدہ واستوی اتیناہ حکما و علما (جب شعور کی پختگی پر پہنچے اور قائم ہو گئے ہم نے انہیں حکمت راہ علم عطاء فرمائی بعض اولیاء کو بھی ان سے یعنی انبیاء سے ان میں سے بعض صفات حاصل ہوتی ہیں لیکن تمام صفات نہیں اور عصمت و پاکیزگی تو صرف انبیاء کے ساتھ مخصوص ہوتی ہے۔ صلوٰۃ اللہ وسلمہ علیہم اجمعین۔

اور حضرت بابرکات عالی صفات منبع البرکات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک اپنی ہمہ اخلاق خصائل' صفات جمالی و جلالی میں اتنے اعلیٰ اشرف' اتم' اکمل' احسن اور اجمل اور بڑے روشن اور طاقتور ہیں کہ حد و عدد اور حیطۂ ضبط و حصر سے باہر ہیں اور کمالات کے لحاظ سے جو کچھ قدرت کے خزانہ اور مرتبہ امکان میں خیال کیا جا سکتا ہے وہ سب کے سب آپ کو حاصل ہیں اور تمام نبی اور رسول آپؑ کی کمالیت کے آفتاب کے چاند ہیں اور آپ کے انوار حسن کے مظہر ہیں اور بو صیری نے اس ضمن میں کیا خوب کہا ہے۔

و کل آی اتی الرسل و الکرام بہا ۔۔۔ فانما اتصلت من نورہ بھم

فان شمس فضل ھم کوا کبھا ۔۔۔ یظھرون انوار ھا للناس فی الظلم

وکلھم من رسول اللہ ملتمس ۔۔۔ عنقا من الیم اور شفا من الدیم

ترجمہ تمام انبیاء و رسل جو نشان لے کر آئے وہ سب آپ کے انوار کا پرتو ہیں۔ تحقیق آپ ہی فضل کے آفتاب ہیں اور دوسرے انبیاء سب آپ کے ستارے ہیں جن کے انوار لوگوں کے لئے اندھیرے میں روشنی بنے۔ وہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی لینے والے ہیں۔ وہ آپ کے فضل و کرم کے دریا سے ایک گھونٹ ہیں یا آپ کے سمندر سے ایک قطرہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم قدر حسنہ و جمل و کملہ۔

اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی ذات شریف میں موجود مکارم اخلاق محامد صفات اور ان کی زیادتی اور قوت اور عظمت کی قرآن پاک میں تعریف فرمائی ہے۔

انک لعلی خلق عظیم۔ کان فضل اللہ علیک عظیما۔

ترجمہ بے شک آپ بہت ہی بڑے اخلاق والے ہیں آپ پر اللہ کا بہت بڑا فضل ہے۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

بعثت لاتمم مکارم الاخلاق

ترجمہ میں مکارم اخلاق کی تکمیل کی خاطر بھیجا گیا ہوں۔

اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا۔

اکمل محاسن الافعال

ترجمہ افعال کے محاسن کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا۔

پس معلوم ہوا ہے کہ تمام مکارم اخلاق اور محاسن آپ کی ذات شریف میں جمع تھے۔ کیوں نہ ہو کہ آپ کا معلم رب تعالیٰ ہے سب کچھ جاننے والا اور قرآن پاک ادب سکھانے والا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ کے اخلاق کا بیان

وصل۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ سے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اخلاق کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کان خلقہ القرآن آپ کا اخلاق قرآن تھا۔ اس کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ قرآن میں جو مکارم اخلاق اور اچھی صفات مذکور ہیں۔ وہ سب آپ سے موجود تھیں۔ اور قاضی عیاض کی شفاء میں یہ عبارت زائد لائی گئی ہے۔ یرضی برضاہ و یسخط بسخطہ یعنی خوشنودی قرآن کے ساتھ آپ کی خوشی اور قرآن کی ناراضگی کے ساتھ آپ کی ناراضگی تھی مراد یہ ہے کہ امر الٰہی کی بجا آوری میں آپ راضی ہوتے تھے اور جن چیزوں سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے ان کے ارتکاب سے حضور علیہ السلام کی ناراضگی ہوتی تھی۔ اور اس کے یہی معنی بادی النظر میں ہیں جن کا ذکر ہو چکا ہے۔ عوارف المعارف میں کہا گیا ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی مراد یہ تھی کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا مہذب اخلاق قرآن تھا۔ اور حضرت شیخ نے اس طویل بیان میں ذکر کیا جس کا ماحصل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے قلب سے

شیطان کا حصہ نکال کر قلب کو غسل و تطہیر کے بعد نفوس بشریہ کی پر قائم رکھنا اس میں بشری صفات و اخلاق اس حد تک باقی رکھے اس کا ظہور قرآن کے نزول کا باعث بنے تاکہ ان صفات کا آپ منبع ہوں۔ اور آپ کو تھذیب و تادیب ہو۔ تاکہ خلقت کے لئے رحمت کا باعث اور امت کی تہذیب اخلاق ہو۔ کیونکہ نفوس بشری ان صفات کی اصلیتیں (صفات بشری کی) زیادہ ظلمت و کثافت کے ہونے اور ان کے واضح ہونے کا سبب بنتی ہیں۔ چنانچہ آپ نے فرمایا۔ لنثبت بہ فوءاد نمبر16- (تاکہ تمہارا دل اس سے ثابت و قائم رہے) یہ ثبات دل اضطراب کے بعد ہوتا ہے وجہ یہ ہے کہ حرکت نفس اس کی صفات کے ظہور کے ساتھ ہوتی ہے۔ اور قلب و نفس کے درمیان ایک تعلق ہوتا ہے جس طرح کہ جب آپ کا دندان مبارک شہید ہوا۔ اور خون آپ کے چہرہ مبارک پر بہہ آیا۔ اس وقت آپ کی ذات حرکت میں آئی تو آپ نے اس وقت فرمایا کہ وہ قوم کس طرح اصلاح پا سکتی ہے جس نے نبی کے چہرہ کو خون آلود کر دیا۔ حالانکہ انکا نبی انہیں رب تعالیٰ کی طرف بلاتا ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر وحی نازل ہوئی لیس لک من الامر شی (آپ پر کسی امر کی ذمہ داری نہیں ہے) پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پاک نے صبر کا لباس پہنا۔ اور اضطراب کے بعد سکون میسر ہو۔ لہٰذا انہی وجوہات اور اسباب کی بنا پر قرآن کی آیات مختلف وقتوں میں نازل ہوتی تھیں۔ اور آپ کے قلب کو مہذب اور پاکیزہ بناتی تھیں۔ اور قرآن آپ کا اخلاق آگیا اور قول عائشہؓ رضی اللہ عنہا کان خلقہ القرآن کے یہی معنی ہیں اس کی حقیقت یہ ہے کہ کسی کا ادراک و فہم اور نہ ہی کسی کا قیاس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت اور آپ کے حال کی عظیم کنہ تک پہنچ سکتا ہے اور سوائے خدا کے آپؐ کو کوئی نہیں پہچان سکا اس طرح جیسے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی طرح کوئی بھی خدا کو نہیں پہچان سکتا۔ لا یعلم تاویلہ الا اللہ (اور اس کی تاویل کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا)۔

جز خدا را نشاختت قدر تو ز انکہ
کس خدارا ہمچو تو شناختہ

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام سب سے بلند تر ہے اس کا علم بھی سب فہموں سے بالا تر ہے۔

تراچنانکہ توئی ہر نظر کجا بینہ
بقدر دانش خود ہر کسے کند ادراک

معنی کی تحقیق میں عظیم کہا گیا ہے اور عظیم وہ ہوتا ہے جو حیطۂ ادراک سے باہر ہو۔ یعنی اگر محسوس ہیں (یعنی نظر آتے ہیں) تو قوت باصرہ کے ادراک کی صلاحیت کے احاطہ سے بالاتر ہیں۔ جس طرح کہ ایک بڑا پہاڑ ہوتا ہے جو احساس باصرہ کے احاطہ سے باہر ہوتی ہے اور اگر معقول ہیں تو عقل آپ کے ادراک کو محیط نہیں ہو سکتی۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات ہیں۔ پس جب اللہ تعالیٰ نے آپ کے اخلاق کو خلق عظیم کیا اور آپؐ عطاء کی جانے والی فضیلت کو بھی عظیم کیا تو اس کی کنہ کو کماحقہ سمجھنے سے عقل عاجز ہے اور اس سے پہلے تقریر ہو چکی ہے کہ اس پر اتفاق ہے کہ انبیاء کی صفات جمیل اور اخلاق حسنہ جبلی اور پیدائشی ہوتی ہیں اور ان کے حصول میں کسب اور ریاضت کا دخل نہیں۔ اور نہ ہی اس کی ضرورت ہے۔

بالخصوص سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم جو تمام اخلاق عظیمہ اور صفات حمیدہ سے آراستہ و پیراستہ تشریف لائے ہیں۔

؎ بہ تعلیم و ادب او راچہ حاجت
که او خورز آغاز آمد مودب

اور آپ کے سراپردہ عزت میں تغیر و تبدل کو کوئی راہ نہیں اور بعض احکام و آثار جبلت بشری کو ظاہر نہیں کرتے۔ سوائے کبھی کبھی اور گاہ بگاہ اور وہ بھی مخصوص مواقع پر کہ جن قیاس کو دائرۂ سائز نہیں بنا سکتے اور رب العزت ہی جانتا ہے جل وعلیٰ کہ ان مواقع میں آپ کس مشہد اور تجلی الٰہی میں ہوتے تھے۔

؎ او برتر از آں است کہ آید بخیال

اور اس موقع پر غزوہ احد کا قصہ آیا ہے جب آپ کے دانت مبارک شہید ہوئے۔ آپ کا سر مبارک زخمی ہوا۔ رخ انور پر خون بہنے لگا۔ آپ کا یہ حال آپ کے اصحابہ کو سخت دشوار معلوم ہوا۔ انہوں نے عرض کیا کاش کہ آپ ان پر بددعا کر دیتے تاکہ اپنے کئے کی سزا پالیتے۔ تو آپ نے فرمایا میں ان پر لعنت اور بددعا کرنے کے لئے نہیں بھیجا گیا بلکہ خدا کی مخلوق سے ملانے کے لئے اور ان پر رحمت برسانے کے لئے بھیجا گیا ہوں اور آپ نے فرمایا۔ اللھم اھد قومی فانھم لا یعلمون اس مقام پر کمال درجہ کا صبر اور حلم ہے اور اس جگہ جزع فزع اور اضطراب و پریشانی کہاں سے پس شیخ رحمتہ اللہ علیہ کا یہ قول کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات شریف حرکت میں آئی اور اضطراب و پریشانی ہوئی اور بے صبری ظاہر کی پس اس آیت کے نزول سے صبر و ثبات کا جامہ پہنایا گیا اور اضطراب کے بعد طبیعت کو قرار آیا۔ اس لفظ کے اطلاق سے اس مسکین (شیخ عبدالحق) کی زبان حال و قال وحشت محسوس کرتی ہے اگرچہ قاعدہ علم اور قیاس کی بنا پر یہ بات ٹھیک اور درست معلوم ہوتی ہے نیز صاحب عوارف نے کہا ہے کہ یہ بھی بعید نہیں کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے کان خلقه القرآن اس میں اخلاق ربانیہ کی طرف گہری رمز اور پوشیدہ اشارہ ہو اور لیکن عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عظمت وحشت قائم رکھی یعنی عائشہ رضی اللہ عنہا چاہتی تھیں کہ کہیں آپ کا اخلاق اخلاق الٰہی تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اللہ تعالیٰ کی جلالت وحشت قائم رکھتے ہوئے یہ نہ کہا کہ متخلق بہ اخلاق اللہ۔ لہٰذا انہوں نے یہی معنی اس طرح ادا کئے کہ کان خلقه القرآن یہ تعبیر حق تعالیٰ سے حیاء اور حقیقت حال لطیف پیرایہ میں پوشیدہ فرما کر بیان کی اور یہ ان کی وافر عقل اور کمال ادب کی وجہ سے تھا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور یہ معنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کی عظمت اور لاتناہی ہونے میں داخل ہیں اور بعض نے تو کہا ہے کہ جس طرح قرآن کے معنی غیر متناہی ہیں اسی طرح حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے آثار اور اوصاف جمیلہ کے انوار اور اخلاق بھی غیر متناہی ہیں اور ہر حال میں آپ کے اخلاق و اوصاف جمیلہ تازہ اور جدت لئے ہوئے ہوتے ہیں اور جو علوم و معارف کا اللہ تعالیٰ ان پر اضافہ کرتا ہے جیسے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا۔ پس آپ کی اوصاف حمیدہ کی جزئیات کا احاطہ کرنے کی طرف کوشش کرنا ایسا تعرض جو نہ انسانی بس میں ہے اور نہ ممکنات عادیہ میں ہے اور ممکن ہے کہ کہا جائے کہ حضور علیہ السلام کے اخلاق کی قرآن سے تشبیہ کا مقصد یہ ہے کہ قرآن میں آیات متشابہات ہیں

جن کی تاویل کا ادراک ممکن نہیں ہے۔ اسی طرح حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے احوال شریف کا ادراک و شعور ممکن نہیں۔ جیسے کہ بیان ہوا واللہ اعلم بعض عارفوں سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا گیا۔ انہ لیغان علی قلبی (بے شک میرے دل پر حجاب غیبی آجاتا ہے) کہ اس حجاب غیبی اور آپ کی اس حالت کی حقیقت کیا ہے؟ پس اس عارف نے کہا اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور کے قلب پر حجاب غیبی کے متعلق پوچھا جاتا تو جو کچھ میرے علم میں ہے میں بیان کرتا لیکن یہاں غین اس قسم کے عین (ذات) کے ساتھ غین کے متعلق میں دم نہیں مار سکتا۔ اس حدیث کی شرح مرج البحرین میں شرح و بسط سے ہے وہاں دیکھنی چاہیے ہاں حضور علیہ الصلوۃ والسلام پر قدرت کے سمندروں کی موجوں کے تلاطم سے تقلبات اور تجلیات کا نزول ہوتا ہے جو ایک حال سے دوسرے حال میں لے جاتے ہیں اور احکام میں ناسخ و منسوخ کا وجود بھی اسی کی فرع میں ہے اور وہ ہمیشہ ہر حال میں ترقی اور کمال پر ہوتے تھے اور آپ کے حال عظیم میں نقصان یا تنزل کو بالکل راہ نہ تھی لیکن آپ کے بعض احوال فاضل تر اور عالی تر تھے۔ چنانچہ تمام (انبیاء کامل اور معصوم ہیں پھر بھی اس کے باوجود فضلنا بعضھم علی بعض بعض کو بعض پر فضیلت ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال اطاعات اور عبادات اور صرف مجرد تعلیم اور محض تشریح کے لئے نہ تھے بغیر اس کے کہ آپ کے وجود اقدس میں اس کے انوار و آثار ظاہر ہوں۔ ہاں نبوت اور متعلقہ مقامات موہبی اور اصطفائی اور اجتبائی تھے اور اس میں کسی کسب و کوشش کو ہرگز دخل نہ ہے لیکن اسرار کا عکس اور انوار کا ظہور دن و رات کے دوران متواتر و مسلسل اوراد و اذکار پر ترتیب یافتہ ہے اور جملہ کے حصول کی کفالت اور جملہ انوار کے ظہور کی ضمانت نزول قرآن' تعلیم ربانی' تادیب رحمانی اور اللہ تعالیٰ کے اوامر اور نواہی تھے لیکن خاصیت نفس کا اثبات اور بشریت طبع یقیناً" نقصان و انحطاط کا اثبات ہے اور وہ اچھا نہیں ہے۔ اور اگر تہذیب سے مراد ہے کسی کمی کے حائل ہونے کے باعث یہ گلہ خبردار کرنا اس طریقہ سے کہ عالی مقام میں استغراق کی حالت ہے جیسا کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا استغفار کرنا یا نسیان کا ہونا وغیرہ علماء فرماتے ہیں کہ ان کا یہی مطلب ہے تو بیان کے جائز ہونے کی کوئی صورت ہو سکتی ہے ورنہ اس قسم کی استغراقی حالتوں کا ذکر اور کسی سابقہ آلائش پر مبنی تہذیب و اصلاح کے اطلاق پر بیان کرنا یہ سب کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلند مرتبہ کو گھٹانے اور فساد ڈالنے کا سبب ہے جو ہرگز مناسب نہ ہے۔

قاموس میں ہے کہ تہذیب کا لفظ ہذبہ سے ہے جس کے معنی نظافت' صفائی' درستگی اور اصلاح کے ہیں اور صداح کے مطابق تہذیب کے معنی ہیں آدمی کو پاکیزہ بنانا جس طرح رجل مہذب کہا جاتا ہے اس آدمی کو جو مظہر اخلاق ہو۔ مجموعی طور پر کہ آپ کو اکمل اور اعلیٰ مرتبہ کمال پر محمول کرنا اور آپ کی حقیقت حال کے ادراک سے عاجزی ظاہر کرنا آپ کے ادب و جلالت کے زیادہ قریب ہے (واللہ الموافق)

رسالتِ عامہ

وصل۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اعظم الاخلاق تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں تمام بنی نوع انسان کی طرف

(۵) اعظم الاخلاق ہیں۔

مبعوث فرمایا اور آپ کی رسالت کو صرف انسانوں تک ہی نہ رکھا بلکہ جن وانس تک محیط کیا بلکہ جن وانس تک ہی نہیں سارے جہانوں کی طرف رسالت عامہ تھی۔ پس جس کسی کا رب اللہ پروردگار ہے اس کی طرف رسول محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں چونکہ اللہ کی ربوبیت تمام اہل عالم کو شامل ہے اس طرح صاحب مواہب لدنیہ نے بعض علماء عظام سے نقل کیا ہے۔ اور اس نے کہا ہے کہ حضور علیہ السلام کی رسالت فرشتوں تک بھی ہے جس طرح کہ ایک جماعت اس طرف گئی ہے اور ان کی دلیل قرآن میں حق تعالیٰ کا قول ہے لیکون للعالمین نذیرا اور عالمین میں جملہ اہل عقل شامل ہیں اور سنت حدیث سے مسلمہ امر ہے ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ارسلت الی خلق کافہ اور بعض کہتے ہیں کہ بعض ملائکہ رسالت میں شامل ہیں۔ گویا کہ اس سے مراد بعض فرشتے ہیں جو زمین پر ہیں۔ اس تخصیص کی وجہ ظاہر نہیں ہے چونکہ دلیل عام ہے اور اللہ تعالیٰ کا قول وما ارسلنک اللہ کافتہ للناس تخصیص پر ولادت نہیں کرتا جیسے کہ آیت پاک کے مفہوم میں مذہب مختار ہے۔ ورنہ لازم آتا ہے کہ جنوں کی طرف بھی رسول نہ ہوں اور یہ اجماع امت کے خلاف ہے۔ بلکہ قرآن پاک کی آیت میں الناس کا ذکر اس لئے ہے کہ تخصیص رسالت کے قول کی نفی ہو جائے چنانچہ یہود کا خیال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت صرف عرب تک مخصوص ہے اور اسی طرح (رسالت عامہ کا مفہوم لئے ہوئے) آیہ کریمہ ہے یایھاالناس انی رسول اللہ علیکم جمیعا واللہ اعلم۔

یہ بندہ مسکین اس لئے طریق حق ویقین پر ثابت یقین رکھے ہوئے کہتا ہے کہ بعض اہل بصیرت محققین نے کہا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام اجزائے عالم کی طرف بھیجے گئے ہیں اور اس میں حیوانات وجمادات ونباتات سب شامل ہیں لیکن اہل عقل کی طرف تعلیم وتکلیف اور بشارت اور ڈرانے کے لئے آپ کی رسالت ہے غیرذی عقل کی طرف اضافہ کے لئے ان کو ان کے حال کے مطابق کمال تک پہنچانے کے لئے ہے۔ تمام عقلاء کی طرف عمومیت رسالت اس قول خدا سے ہے وما ارسلنک الا رحمتہ للعالمین (تمام عالمین کی طرف آپ کو رسول بنا کر بھیجا گیا ہے) اور جمادات کا آپ کو السلام علیک یا رسول اللہ کہنا آپ کی رسالت کا اقرار ہے۔

شکر فیض تو چمن چوں کندا ے ابر بہار
کہ اگر خارد گل ہمہ پرور دہ تست

ایں ہمہ غنچہ و گل باست کہ پروردہ تست
آخر اے بادصبا ایں ہمہ آوردہ تست

اگر کہیں کہ رسالت کے لئے دعوت امردینی اور تبشیر انداز ضروری ہے کہ اس کا وقوع ملائکہ کی طرف کہاں ہے۔ مواہب میں کہا گیا ہے کہ شاید یہ کام معراج کی رات ہو پوشیدہ نہ رہے کہ شب اسرای کے ساتھ اس کی تخصیص کی کوئی وجہ نہیں بلکہ تمام اوقات کا احتمل ہے اس لئے کہ آپ پر ملائکہ نازل ہوتے ہیں اور دوسرے اوقات میں بھی جس طرح کہ جنوں کو آپ نے دعوت دی تھی اور کتاب الیہ میں جنوں کا خصوصی ذکران کے تمرد اور سرکشی کی وجہ سے ہے۔ واللہ اعلم۔

اور ملائکہ میں نہی اور انداز نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ ان سے گناہ سرزد نہیں ہوتا جیسے کہ ذکر کیا گیا ہے۔ لا یسبقونہ بالقول وھم بامرہ یعملون (وہ کسی بات میں پہل نہیں کرتے اور خدا کے حکم وہ جانتے ہیں) لہٰذا عالم ملکوت کو عالم امر کہتے ہیں کیونکہ وہاں ممانعت کی گنجائش نہیں ہے اور جبریل کے علاوہ بھی دوسرے فرشتوں کا نزول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ذکر میں آیا ہے۔ بعض اوقات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں آیا ہے۔ جبریل علیہ السلام آئے تو ان کے ساتھ اسماعیل نام کا فرشتہ تھا۔ جو صد ہزار فرشتہ پر سردار تھا اور ان میں سے ہر فرشتہ ایک لاکھ فرشتوں پر سردار تھا اور باب فضائل قرآن میں سورۃ فاتحہ الکتاب کی فضیلت میں نیز سورہ بقرہ کی آخری آیتوں کی فضیلت میں آیا ہے۔ اور فرشتہ نیچے آکر حاضر ہوا جبریل نے کہا کہ یہ فرشتہ کبھی زمین پر نہیں آیا سوائے آج کے دن کے سبحان اللہ احادیث میں آیا ہے کہ صبح شام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر ستر ہزار فرشتہ حاضر ہوتا ہے پس حضور علیہ السلام کی ظاہرہ زندگی کے وقت کیوں نہ آتے ہوں گے۔

عقل کامل و علم آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم۔ وصل:۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل کامل اور علم شامل کے بیان میں 'پس جو کچھ کہ سابقاً' ذکر کیا گیا ہے اس سے معلوم ہو گیا کہ اخلاق شریف نبوی اعظم 'اتم اور اکمل اخلاق ہے اور ان اخلاق حمیدہ کی ماخذ و منبع عقل ہے کہ اس سے علم و حرفت نکلتے ہیں اور اسی عقل سے رائے کی قوت' فکر و تدبیر میں جودت' اصابت فکر اور امور کے انجام پر نظر مصالح نفس مجاہدہ شہوت' حسن سیاست و تدبیر' فضیلتوں کی اشاعت اور رذیل کاموں سے اجتناب وغیرہ قسم کی صفتیں ابھرتی ہیں۔ عقل کی حقیقت میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے۔ اس میں بہت سا کلام ہے۔ قاموس میں کہا گیا ہے کہ اشیاء کے حسن و قبح اور کمال و نقصان کی صفتوں کے علم کا نام عقل ہے اور یہ علم عقل کے نتائج اور ثمرات سے ہے اور عقل ایک قوت ہے جو اس علم کی مبداء اور منشاء ہے اور کہا کہ کہا جاتا ہے کہ انسان کی حرکات و سکنات میں صنعف محمودہ کا نام عقل ہے اور یہ بھی عقل کے آثار اور خصوصیات سے ہے اور حق وہی ہے جو کہا گیا ہے کہ عقل نور روحانی ہے جس سے کہ معلوم ہوتے ہیں (جانے جاتے ہیں) علوم ضروریہ اور نظریہ اور عقل کا وجود بچے کی پیدائش کے ساتھ ہی ہوتا ہے۔ رفتہ رفتہ زیادہ ہو جاتی ہے۔ نشوونما پاتی ہے حتیٰ کہ بلوغ کے وقت کامل ہو جاتی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عقل و علم کے کمال مرتبہ میں تھے جس تک کوئی بشر نہیں پہنچا سوائے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اور عقلیں حیران ہیں اور افکار متحیر ہیں ان میں سے بعض پر جو پروردگار نے آپؐ پر اضافہ فرمایا۔ اور جس کسی نے آپؐ کے احوال شریف' صفات حسنہ اور محاسن افعال کی متابعت کی اور جو مطالعہ کرتا ہے جوامع الکلم' حسن شمائل' سیرت مبارک' لوگوں کی سیاست' شہری امور کا بیان' آداب جلیلہ کی تفصیل و وضاحت اچھے اخلاق کی ترغیب' آسمانی کتب اور نازل شدہ صحیفوں کا علم' مراحم حالیہ' ایام گزشتہ کے احوال کہاوتوں اور ان کے وقوع اور حالات کا بیان عرب کے لوگ جو درندوں اور چوپاؤں کی مانند تھے جن کی طبیعتیں دور رہنے والی اور نفرت کرنے والی تھیں۔ بوجہ جہالت و جفاء اور بیوقوفی و شقاوت' ان کی اصلاح و تدبیر ان کے ظلم' سختی ایذاء و تکلیفوں پر آپؐ کا صبر و تحمل اس کے بعد ان کو علم و عمل' حسن اخلاق و اعمال میں

نہایت اعلیٰ درجے پر پہنچانا ان کو دنیاو آخرت کی خوش بختیوں سے بہرہ ور کرنا پھر اپنے نفسوں پر ان سعادتوں کا اختیار کرنا اور اپنے گھروں دوستوں اور عزیزوں کو آپ کی خوشی کے لئے ان کا چھوڑ دینا۔ یہ سب چیزیں مطالعہ کی جائیں تو معلوم ہو جائے گا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل کامل اور علم کس مرتبہ و مقام پر تھے اور یہ سب کچھ بغیر کسی سابقہ تعلیم کے اور پہلی کتب کے مطالعہ اور اہل کتاب و دیگر علماء کی ہم جلیسی کے بغیر تھا۔

نگار من کہ بہ مکتب نہ رفت و خط نہ نوشت
بغمزہ مسئلہ آموز صد مدرس شد

اور کوئی ابتداء سے آخر تک آپ کے احوال شریف کا مطالعہ کرے اور دیکھے کہ خدا تعالیٰ نے آپ کو کیا تعلیم کیا ہے۔ اور آپ پر کان و مایکون کے علوم و اسرار کا افاضہ کیا ہے۔ بغیر کسی وہم و گمان اور شک و شبہ نبوت کے متعلق جان لے گا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت و کمال کے مطابق ہی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

و علمک مالم تکن تعلم
و کان فضل اللہ علیک عظیما

حضرت وہب بن منبہ تابعی ثقہ حدیث بیان کرنے والے، علامہ صدوق اور صاحب کتب و اخبار ہیں انہوں نے کہا کہ قدیم کتابوں میں سے میں نے اکثر کتابیں میں نے پڑھی ہیں۔ ان سب میں میں نے پایا ہے کہ آغاز دنیا سے انجام دنیا تک تمام لوگوں کو جس قدر عقلیں اللہ تعالیٰ نے دی ہیں وہ سب کی سب عقل نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں دنیا کے ریگستان کے مقابلہ میں ایک ذرہ کی طرح ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سب میں عقل کے لحاظ سے راسخ ترین اور رائے میں فاضل ترین ہیں۔ اسے ابو نعیم نے حلیہ میں اور ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں روایت کیا۔

بعض علماء سے عوارف المعارف میں نقل کیا گیا ہے کہ کلی طور پر تمام عقل کے ایک صد حصے میں ہیں انہیں سے ننانوے حصے حضور علیہ السلام کی عقل مبارک کے ہے اور باقی ایک حصہ تمام مومنین میں ہے۔ یہ بندہ مسکین (شیخ عبدالحق) رزقہ اللہ الثبات والیقین کہتا ہے کہ اگر وہ کہیں کہ تمام عقل کے ایک ہزار جزو ہیں ان میں سے نو سو ننانوے جز حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے حصہ میں ہیں باقی ایک حصہ صرف تمام عوام الناس میں ہے تو اس کی بھی گنجائش ہے۔ کیونکہ ہر مقام پر آپ کے لئے (صلی اللہ علیہ وسلم) نہایت کمال ثابت ہے جو کچھ بھی وہ کہیں درست ہے۔ کیونکہ اس سے حاسدوں کے سینہ و دل جلتے ہیں۔

انا اعطینک الکوثر ○ ان شانئک ھو الابتر

ترجمہ۔ ہم نے آپ کو کثرت (خیر) عطاء فرمائی ہے آپ بے شک علو شان کے حامل ہیں اور وہ بدگو لوگ ہی ذلیل و خوار ہیں۔

(۱۱) نبی کی عقل

شاہ رسل شفیع امم خواجہ دو کون　　نور ہدای حبیب خدا سید انام
مقصود ذات اوست وگرنہ ہمہ طفیل　　منظور نور اوست ورگرنہ ہمہ ظلام
ہر رتبہ کہ بوددر امکاں بروست ختم　　ہر نعمتیے کہ داشت خداشد برو تمام
برداشت از طبیعت امکاں قدم برآں　　اسراء بعیدہ است من المسجد الحرام
تاعرصہ و جوب کہ اقصای عالم است　　کانجلنہ جا است نی جہت و نشان و نام
سریست بس شگرف دریںجا کہ ہیچ آن　　از آشنائے عالم جان پرس ازیں مقام

(علیہ افضل الصلوٰۃ واتم التحیۃ وازکی السلام)

اب آپؐ کے بعض اخلاق شریف جو نظر میں ہیں تحریر کرتا ہوں۔ ان میں سے اکثر کتاب الشفاء مواہب لدینہ، روضۃ الاحباب اور موارج النبوت سے ہیں۔

والتوفیق من اللہ المنعام

صبر، حلم اور عفو۔ وصل:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صبر حلم اور عفو کے بیان میں یہ نبوت کی عظیم صفات میں سے ہیں اور ان صفات کی طاقت کے بغیر نبوت کا بوجھ اٹھایا نہیں جا سکتا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

لقد کذب رسل من قبلک فصبرو علی ما کذبو واوذو

ترجمہ۔ بے شک آپ سے پہلے رسول بھی جھٹلائے گئے پس انہوں نے ان کے کذب اور ایذا پر صبر کیا۔ ۲

فاصبر کما صبر اولوا العزم من الرسل

ترجمہ۔ پس آپ صبر کریں جیسے اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا۔

نیز اللہ تعالیٰ کا قول ہے:۔

فاعف عنہم واصفح

ترجمہ۔ آپ ان کو معاف فرمادیں اور درگزر فرمائیں۔

جملہ طاعات و عبادات کا مصدر صبر ہے اور تمام خیرات و نیکیوں کا منبع ہے۔ کیونکہ کوئی نیکی اس وقت تک وجود میں نہیں آتی جب تک اس کی ضد پر صبر نہ کیا جائے۔ اس وجہ سے صبر کل ایمان ہے اور جس جگہ صبر کو نصف ایمان کہا گیا ہے وہ صبر ہے۔ گناہوں سے کیونکہ گناہوں سے اجتناب نصف مقتضائے ایمان ہے اور طاعات بجالانا دوسرا نصف ہے اور اس جگہ پر مراد ہے خلقت کی طرف سے ایذاء پر صبر کرنا اور ان کے ظلم کا بوجھ اٹھانا اور سید الانبیاء صلوٰۃ اللہ و سلامہ علیہ کا صبر مصائب اور ایذاء پر سب سے زیادہ ہے اور سخت تر ہے چنانچہ آپؐ نے فرمایا ہے۔

مالوذی نبی مثل مالوذیت

ترجمہ۔ کسی نبی کو اتنی ایذاء نہ دی گئی جتنی مجھے دی گئی۔

یہ اس واسطے تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ خواہشمند تھے کہ امت ایمان لائے اس وجہ سے ان کے کفر سے زیادہ ان کی ایذاء اسانی تھی۔ روایت میں آیا ہے کہ جب معاف کرنے، نیکی کا حکم دینے اور درگزر کرنے کے ضمن میں آیت نازل ہوئی تو آپؐ نے جبرئیل سے اس کی وضاحت چاہی۔ جبرئیل نے عرض کیا کہ میں نہیں عرض کر سکتا جب تک اللہ تعالیٰ سے معلوم نہ کرلوں۔ جبرئیل گئے اور آئے اور عرض کیا یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو آپؐ سے دور ہو آپؐ اس کے قریب ہوں اور جو آپؐ کو محروم رکھتا ہے آپ اس کو عطاء فرمائیں۔ اور آپؐ پر ظلم کرنے والے کو معاف فرمائیں۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ذاتی معاملہ اور مال و متاع کے بارے میں کبھی کسی سے بدلہ نہیں لیا تھا۔ سوائے اس آدمی سے جس نے اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیز کو حرام قرار دیا تو اس سے بدلہ لیا خدا کے واسطے اور آپ کا سب سے زیادہ اور سخت صبر غزواہ احد کے وقت تھا۔ جب کہ کافروں نے آپؐ سے جنگ کی اور مقابلہ کیا اور آپ کو سخت دکھ پہنچا مگر آپ نے ان پر صرف صبر ہی نہ کیا اور معاف ہی نہ کیا بلکہ ان پر رحم فرماتے ہوئے ان کو اس جہالت اور زیادتی پر معذور گردانا اور آپؐ نے فرمایا اللھم اھدلقومی فانھم لا یعلمون۔ اور ایک حدیث میں ہے۔ اللھم اعفر لھم اور جب صحابہ کرام کو اس کا بڑا دکھ ہوا اور کہنے لگے یا رسول اللہ کاش ان پر آپ بددعا کرتے تاکہ وہ مرجاتے تو آپؐ نے فرمایا میں لعنت کے لئے نہیں بھیجا گیا ہوں بلکہ میں تو اللہ کی دعوت اور عالم کے لئے رحمت بنا بھیجا گیا ہوں۔

فائدہ۔ حیرانگی ہے کہ جس نے بھی کہا ہے کہ اس جگہ نفس نبوی (ذات نبوی) حرکت میں آئی اور بے صبری کا اظہار فرمایا۔ اور کہا "کیف یفلح قوم" اس پر نزول آیت شریف لیس لک من الامر شی حالانکہ قول رسول خدا کیف یفلح اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد لیس لک من الامر شی میں کوئی چیز بھی صبر و حلم کے خلاف نہ ہے۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پاک میں تو حیرانگی ہے۔ جو کچھ انہوں نے سلوک کیا۔ اور اللہ تعالیٰ کی آیت میں آپ کے لئے تسلی ہے۔ آپ کی ذات کے لئے یہ خاص بات ہے کہ آپ نے صبر کیا اور عفو فرمایا۔ لیکن جب جنگ احزاب کے دن کافروں نے آپ کو نماز سے باز رکھا۔ اور اس میں تاخیر کا سبب بنے تو آپ نے ان کے لئے دنیاء و آخرت کے عذاب کی دعا کی آپ نے فرمایا لا اللہ بیوتھم بیوتھم و قبودھم نارا اللہ تعالیٰ ان کے گھروں اور قبروں کو آگ سے بھردے اور اسی طرح آپ نے عرب کے ان قبائل کے لئے بددعا فرمائی جو کمزور مسلمانوں کو عذاب دیتے تھے اور متفق علیہ حدیث میں آیا ہے۔ کہ حق سبحانہ و تعالیٰ کا قول لیس لک من الامر شی اس جگہ نازل ہوا ہے اور اس طرح ان کفار پر جنہوں نے قرآن کے قاریوں کو شہید کر دیا تھا۔ اسلام کا حق اور مسلمانوں کے حقوق فوت ہونے کی وجہ سے یہ سب بددعائیں تھیں۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجاآوری بھی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

یایھا النبی جاھد الکفار والمنافقین واغلظ علیھم

ترجمہ۔ اور اسی طرح آپ کا اس شقی القلب جماعت پر بددعا فرماتا ہے۔ جنہوں نے آپ کی پشت شریف پر اونٹ کی اوجھ پھینکی۔

علماء یہود جو اسلام لائے ان میں سے ایک سعنہ تھا بفتح سین وسکون غین معلیٰن اور اس سے روایت کرتے ہیں۔ کہ اس نے کہا۔ نبوت کی کوئی علامت ایسی باقی نہیں رہی جو میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ میں نہ پہچان لی ہو۔ جب میں نے نظر کی سوائے دو علامتوں کے (صبر اور حلم) جن کا میں نے امتحان نہ کیا تھا ایک یہ کہ توارت میں لکھا تھا اس علم اس کے جہل کو زیادہ نہ کرے گا اور جہل کی شدت اس کے حلم ہی کو زیادہ کرے گی۔ پس آپ کے ساتھ میں نے تلطف کیا تاکہ معاملہ میں خلط ملط کروں اور اس طرح سے ان کے حلم وعلم کو پہچانوں۔ پس میں نے آپ سے مقررہ مدت کے لئے کھجوریں خریدیں اور پھل اٹھانے سے پہلے قیمت ادا کردی اور مقررہ دن سے وہ تین روز پہلے ہی آگیا آپ کا گریبان اور چادر پکڑلی۔ غصہ کی نظر سے آپ کی طرف دیکھا اور کہا محمدؐ! کیا تم میرا حق ادا نہیں کرتے ہو؟ خدا کی قسم، عبد المطلب کے بیٹے ہمیشہ ادائے حق میں حیلہ وبہانہ کرتے ہیں اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بولے اے دشمن خدا تو رسول خدا سے ایسی بدتمیزی کی بات کہتا ہے پس اللہ کی قسم اگر مجھے ان افرمانی کا خوف نہ ہوتا تو اپنی تلوار سے تمہارا سر قلم کردیتا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر کی طرف آرام سے اور آہستگی سے نظر کی اور تبسم فرمایا۔ اور فرمایا میں اور یہ مرد تم سے اس کے برعکس سننا چاہتے تھے۔ مجھے کہتا کہ ادائے حق اچھی طرح سے کرو۔ اور اس سے کہتا کہ تقاضہ ادائیگی اچھے انداز میں کیا کرو۔ اے عمر! اب جاؤ اور اس کا حق ادا کرو اور۔ اس ضمن میں کہ تو نے اسے ڈرایا دھمکایا اسے بیس صلاع وزن زیادہ دو۔ پس عمرؓ نے وہی کچھ کہا جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا پس اس یہودی نے کہا اے عمر! میں نے نبوت کی جملہ نشانیاں آپ کے چہرہ اقدس میں پہچان لی تھیں۔ مگر ان دو خصلتوں کے جن کا میں نے اب امتحان کیا ہے۔ اب تم گواہ رہو میں کہتا ہوں۔

اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمد رسول اللہ

اور ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ذکر فرمایا پس آپ اٹھ کھڑے ہوئے۔ ہم بھی کھڑے ہوگئے۔ پس میں نے ایک اعرابی کو دیکھا۔ جو آپ کے پاس پہنچا اور آپ کی چادر مبارک کھینچی حتیٰ کہ آپ کی گردن مبارک پر خراشیں آگئیں پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اعرابی کی طرف دیکھا کہ وہ کیا کہتا ہے اس نے کہا یہ دو اونٹ میرے پاس ہیں ان کو مال سے لاد دو۔ کیونکہ میں عیالدار ہوں اور آپ اپنا مال یا اپنے باپ کا مال نہیں لادیں گے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک مجھے رہا نہ کروگے مال نہیں لادوں گا۔ اعرابی نے کہا خدا کی قسم جب تک دونوں اونٹوں کو نہ لاداؤ گے رہا نہیں کروں گا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو بلایا اور کہا کہ ایک اونٹ پر مال لاد دو۔ ایک پر کھجوریں اور دوسرے پر جو لاد دو۔ رواہ ابوداؤد اور بخاری نے یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یوں روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں ہمراہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گیا۔ اور حضور پر اس وقت سخت حاشیہ دار نجرانی

چادر تھی پس ایک اعرابی حاضر ہوا اور آنحضرت کو چادر سے پکڑ کر سخت کھینچا انس رضی اللہ عنہ نے کہا پس میں نے آپ کی گردن شریف کی طرف دیکھا جس میں چادر کے حاشیہ نے اثر کیا تھا بوجہ سخت کھینچنے کے اس کے بعد اعرابی نے کہا یا محمد حکم دے مجھے دیئے جانے کا مال اس مال سے جو خدا کا آپ کے پاس ہے پس آنحضرتؐ نے اس کی طرف دیکھا۔ مسکرائے پھر مجھے حکم دیا اس کو مال دینے کا یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حلم کا بیان ہے اور کس طرح آپ اپنی جان و مال پر ایذاء میں صبر فرماتے تھے اور ظلم و جفاء میں درگذر فرماتے تھے یہ تالیف قلوب کی خاطر ہوتا تھا تاکہ یہ لوگ اسلام لے آئیں اور آپ کی صفات کے ضمن میں ذکر کیا گیا ہے کہ آپ نہ خود سخت کلامی کرتے تھے اور نہ ہی کسی دوسرے کی سخت کلامی کا انتقام لیتے تھے۔ عفو و درگذر سے کام لیتے تھے۔ دیگر ایک حدیث میں ہے۔ کہ آپ گالی نہ دیتے تھے نہ فحش کلامی اور لعنت کرتے تھے۔ کلام عمل اور علامت تینوں فحش میں شامل ہوتے ہیں۔ لیکن زیادہ تر قول اور کلام پر یہ لفظ استعمال ہوتا ہے اور آپؐ کی یہ صفت کہ نہ آپؐ کا کلام فحش ہوتا ہے اور نہ **متفحش**۔ اس سے یہ مراد ہے کہ سخت کلامی کی نہ آپؐ کی علامت تھی اور نہ ہی قصداً یا ارادہ سے ایسا کرتے تھے۔ **متفحش** وہ ہوتا ہے جو ارادہ اور کوشش سے اور کثرت و تکلیف سے سخت کلامی کرے اور فحش اس سے بھی عام ہے۔

اگر کہیں کہ یہ بات صحت کو پہنچی ہوئی ہے کہ جناب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے عقبہ بن معیط، عبداللہ بن حنظل اور علاوہ ان کے دوسرے ایذاء دینے والے لوگوں کو قتل کرنے کا آپؐ نے حکم فرمایا تھا تو یہ کہنا وماانتقم لنفسہ کس طرح صحیح ہوگا جواب یہ ہے کہ یہ لوگ "انتہاک حرمات اللہ" اللہ تعالیٰ کی حرمتوں کو پامال کرتے تھے بعض یہ کہتے ہیں کہ ایذاء کا بدلہ نہ لینے کا مطلب یہ ہے کہ ایسی وجہ ہو جو کفر کی حد کو نہ پہنچے اس میں انتقام نہ لیتے تھے مثال کے طور پر مندرجہ بالا واقعہ جس میں آپ کی چادر مبارک کو کھینچا اور اس قبیل سے دوسرے واقعات اور روادی انتقام نہ لینے کو مال کے ساتھ مخصوص اشیاء پر معمول کیا ہے اور جو عزت و ناموس سے متعلق نہ ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عفو و درگذر کی مثالوں میں یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لبید بن الاعصم کو معاف کر دیا یہودی جس نے جادو کیا۔ اور خیبر کی یہودیہ کو بھی معاف فرمایا۔ جس نے بکری کی زہر آلودہ ران دی تھی۔ اسی طرح ایک دفعہ آپ دوپہر کو آرام فرما رہے تھے۔ جب آپؐ نے آنکھیں کھولیں تو ایک اعرابی کو تلوار سونتے اپنے سرہانے کھڑا پایا جو کہتا تھا اب آپ کو کون بچائے گا اور کون مجھ سے تمہاری حفاظت کرے گا۔ آپؐ نے فرمایا "اللہ" ازاں بعد اس کے ہاتھ سے تلوار نیچے گری اور وہ تلوار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اٹھالی اور فرمایا اب تجھے کون بچائے گا۔ پس وہ شخص اپنی قوم میں آیا اور کہا میں آپؐ کے پاس بہترین شخص کے پاس سے آیا ہوں۔ ایسے ہی ایک آدمی کو آپؐ کے پاس لایا گیا اور صحابہ نے حضور علیہ السلام سے کہا کہ یہ شخص چاہتا ہے کہ آپؐ کے دشمنوں کو قتل کر دے۔ آپؐ فرمانے لگے۔ اگر تو مجھے قتل کرنا چاہتا ہے۔ تو تو مجھ پر قابو نہ پاسکے گا۔ یہ آپؐ کے خلق اور حلم سے ہے۔

اور آپؐ کا جو معاملہ منافقوں کے ساتھ تھا جو کہ جب غائب ہوتے تو ایذاء دیتے اور جب حاضر ہوتے تو خوشامد کرتے

اور یہ ایسا وطیرہ ہے جس سے تمام بنی نوع انسان نفرت کرتے ہیں۔ سوائے ان کے جو تائید ربانی کے حامل ہیں اگرچہ آنحضرت کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم آچکا تھا۔

یایہا النبی جاھد الکفار والمنافقین واغلظ علیہم — اے نبی! کافروں اور منافقوں کے ساتھ جہاد کریں اور ان پر سختی کریں۔

پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر عفو ودرگزر اور رحمت و استغفار کا دروازہ کھولا ہوا تھا۔ اور ان کے لئے دعا کرتے تھے حتی کہ یہ آیت نازل ہوئی استغفر لھم اولا تستغفر لھم پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دے رکھا ہے پس میں نے استغفار کو اختیار کئے رکھا ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان تستغفر لھم سبعین مرۃ تو حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا میں ستر مرتبہ سے بھی زیادہ استغفار کروں گا۔ آپ کا یہ فعل ان کے جرم اور ایذاء کے مقابلہ میں نہایت عفو و اغماض اور درگزر ہے۔ قطع نظر اس کے آیت مذکور سے کثرت و مبالغہ کا صیغہ بھی نکلتا ہے نہ کہ عدد کا تعین لیکن حضور نے غایت درجہ عفوودرگزر کی وجہ سے آیت کو ظاہری مفہوم پر ہی معمول کیا اور آپ عبداللہ بن ابی جو کہ رئیس منافقاں تھا کے بیٹے کو حکم کیا کہ اپنے والد سے نیک سلوک کرو اور جب وہ منافق مرگیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلن نے اپنا پیراہن شریف اپنے جسم سے اتار کر اس کا کفن بنایا اور اس پر نماز جنازہ پڑھنے لگے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کا دامن پکڑ کھینچا اور کہا کہ آپ اس قسم کے منافق پر نماز پڑھ رہے ہیں جو جملہ منافقین کا سردار ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر رضی اللہ عنہ سے اپنا دامن چھوڑایا اور کہا تم دور رہو پس یہ آیت نازل ہوئی

لا تصل علی احد منھم مات ابدا ولا تقم علی قبرہ۔ — اے محبوب! آپ کسی بھی منافق پر نماز جنازہ نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ ترک کردیا اور امت پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ نہایت درجہ صبر، درگزر شفقت اور رحمت تھی لیکن جب ممنوع ہوگئی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تو پھر آپ کیا کریں اور بعض نے کہا ہے کہ یہ عمل اس کے بیٹے کی دلجوئی کے واسطے تھا کہ بارگاہ رسالت کا مخلص اور صالح صحابی تھا۔ اس نے درخواست کی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول کرلی تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ عبداللہ منافق کو آپ کی قمیض پہنانا اس لئے تھا کہ جنگ بدر کے روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا عباس قیدی بن کر آئے اور وہ برہنہ تھے بوجہ طویل القامت ہونے کے کسی کی قمیض درست نہ آتی تھی تو اس عبداللہ نے اپنی قمیض اسے پہنائی تھی بالجملہ یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم اخلاق حمیدہ کا بیان ہے کہ منافقوں سے ہمیشہ آپؐ نے برائی ہی دیکھی اور تکلیفیں اٹھائیں ان کی عوض میں آپؐ نیکی کرتے تھے تو مومنوں کے ساتھ کیا حال ہوگا آپ کی رحمت و رافت کا اور اس مقام پر حق جل و علیٰ نے فرمایا انک لعلی خلق عظیم اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ذلک بانھم کفرو باللہ و رسولہ اور امت پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جملہ رحمت میں سے یہ بھی ہے کہ آپ نے امت میں کبیرہ گناہوں کے مرتکب لوگوں پر شفقت فرمائی اور ان پر پردہ پوشی کا حکم فرمایا کہ جس کسی سے محرمات کے ساتھ مباشرت

کا گناہ سرزد ہو جائے چاہیے کہ پوشیدہ رکھے اس کو آپ نے امر کیا اس کے لئے استغفار کریں جس پر حد قائم ہو جائے اور ان پر رحم کھائیں اور تمرہ اور لعنت کرنے سے منع فرمایا اور فرمایا۔

لا تلعنوہ فانہ یحب اللّٰہ و رسولہ

اور ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی نظر باطن میں دلوں پر ہوتی ہے اگرچہ ظاہر میں خطاء اور ذلت واقع ہو گئی ہو۔

اللھم طھر بواطننا واصلح ظواھرنا بحرمت سید کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ واکمل التحیات

بخاری شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حدیث آئی ہے کہ ایک شخص آیا اور حاضر ہونے کی اجازت طلب کی پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت عطاء فرمائی۔ جب آپ نے اسے دیکھا تو کہا کہ اپنے قبیلہ کا یہ شخص سب سے برا آدمی ہے۔ جب وہ بیٹھ گیا تو آپ نے کشادہ روئی فرمائی۔ اور خوشی کا اظہار فرمایا۔ جب وہ چلا گیا تو عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب آپ نے اس مرد کو دیکھا تو چنیں چناں کہا اور جب وہ بیٹھ گیا تو تازہ روئی اختیار کی اور خوشی کا اظہار کیا۔ یہ کیا معاملہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ تم نے مجھے درشت خو اور فحاش یعنی سخت کلام کرنے والا کب دیکھا تھا۔ یہ درست ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین مردوہ ہوتا ہے کہ لوگ اسے چھوڑ دیں اور کی شر سے بچیں۔ یہ عبارت دو معنی کا احتمال رکھتی ایک یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متعلق یہ کہا اعتذار کے طور پر اور اس شخص کے ساتھ مہربانی اور خوشی کا اظہار کرنے کی طرف اشارہ فرمایا۔ اور سخت کلام کرنے اور درشت خوئی سے منع فرمایا۔ تاکہ لوگ آپ کے قریب آنے سے نہ گھبرائیں اور دور نہ بھاگیں۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ آپ نے اس کے حال کی طرف نسبت اور اشارہ کیا۔ اور فرمایا کہ وہ اتنا برا آدمی ہے کہ اس کی برائی سے لوگ ڈرتے ہیں۔ اور اس کی شر کو اس کے سامنے نہیں لاسکتے اور اس کی بدی کی وجہ سے اس کی خاطر تواضع کرتے ہیں۔

علماء نے کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس شخص پر لطف و کرم اس کی تالیف قلبی کے لئے تھا تاکہ وہ اسلام لے آئے کیونکہ وہ اپنے قبیلہ کا رئیس تھا۔ اور اس شخص کے متعلق اسے برا کہنا یہ اس کی غیبت نہ تھی کیونکہ صاحب شریعت کو حق پہنچتا ہے کہ جو قباحتیں اور عیب وہ امت میں دیکھے انہیں بیان کرے اور لوگوں کو ان سے مطلع کرے۔ اور یہ نصیحت و شفقت کے باب سے ہے اس کے برعکس کہ امتی ایک دوسرے کی غیبت کرتے ہیں اور یہ بھی معلن مجاہد (کھلے عام فسق و فحش کرنے والا) کے متعلق جائز ہے۔ باوجود اس امر کے کہ حق تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی جبلت میں رکھا ہے کہ وہ مہربانی اور حسن خلق کا اظہار کریں۔ اور آپ نے اس شخص کے تلطف اور بشاشت فرمائی۔ نیز اس میں امت کے لئے تنبیہہ ہے کہ جو کوئی اس حال کا شخص وارد ہو اس کی شر سے بچیں اور ان سے خاطر تواضع پیش آئیں کہ ان کی شر سے بچے رہیں۔ لیکن مداہنت کی حد تک نہ پہنچیں۔ اور مدارات اور مداہنت میں یہ فرق ہے کہ مدارات شر سے بچنے اور وقتی طور پر حفاظت عزت کی خاطر ہوتی ہے اور مداہنت وہ ہوتی ہے جس سے مراد دنیاوی نفع و فائدہ ہوتا ہے۔ اور وہ جو

بعض علماء نے کہا ہے وہ بھی اس معنی کی طرف راجح ہے کہ مدارات وہ اخراجات ہیں جو کہ دنیا کی اصلاح یا دین کی اصلاح یا دونوں کے لئے ہوں۔ اور یہ مباح ہے بلکہ اکثریہ مستحن اور قابل تعریف ہے اور مداہنت ہے دنیاوی اصلاح کی خاطر دینی کسلمندی حضور علیہ السلام نے اس شخص سے اپنی دنیاوی طرف سے سلوک کیا۔ اچھا برتاؤ اور نرم گفتاری کی اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی مدح یا تعریف نہ کی۔ تاکہ حال کے خلاف نہ ہو۔ پس آپ کا قول مبارک حقیقت کے اظہار کے لئے تھا اور آپ کا فعل اچھے سلوک میں شامل ہے اور قاضی عیاض رحمتہ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ معلوم نہیں وہ اس وقت مسلمان تھا یا نہیں اگر وہ مسلمان نہ تھا تو آپؐ کا اس کے متعلق برا ہونے کا قول غیب نہیں ہے اور اگر وہ مسلمان تھا تو اس کا اسلام خلوص پر مبنی اور ناصح نہ تھا۔ لہٰذا آپؐ نے چاہا کہ اس کا حقیقت حال واضح کر دیا جائے تاکہ کوئی شخص واقف نہ ہو اس سے دھوکا نہ کھائے اور اس آدمی کے حالات کے بارے میں تحریر ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری زندگی کے دوران اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کے بعد بھی اس مرد سے اس قسم کی حرکات سرزد ہوئیں جن سے اس کے ایمان کی کمزوری ظاہر ہوتی ہے بنا بر ایں آپؐ کا فرمان اخبار بالغیب ہو گا اور علامت نبوت بھی ہو گا لیکن اس کے ساتھ نرمی کرنا اور خوشی کا اظہار فرمانا یہ اس کی قلبی تالیف کی خاطر تھی۔ یہ شخص جو اس قباحت کے ساتھ مذکور ہوا ہے اس کا نام عیینہ بن حصن بن حذیفہ بن بدر بن فزاری تھا اور اس کو احمق المطاع کہتے تھے۔ احمق اس کی حماقت اور تکبر کی وجہ سے اور مطاع اس لئے کہ وہ قبیلہ کا سردار تھا اور صحیح بخاری میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث ہے کہ انہوں نے کہا جب عیینہ بن حصن بن حذیفہ اپنے بھتیجے حر بن قیس بن حصین کے پاس آیا اور یہ حر بن قیس حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اصحاب مجلس میں آپؐ کے قریبیوں میں سے تھا اور آپؐ کے اہل مشاورت سے مراد علماء اور پیر ہوں گے اور عیینہ نے اپنے برادر زادہ سے کہا اے برادر زادہ میرے! تجھے اس امیر یعنی امیرالمومنین عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک عزت اور مرتبہ حاصل ہے پس میرے لئے ان سے اجازت مانگو کہ میں بھی اس کے نزدیک آؤں۔ اس نے کہا میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے درخواست کروں گا کہتے ہیں کہ حر بن قیس نے عیینہ کے متعلق درخواست گزاری۔ پس حضرت عمرؓ نے اجازت دے دی۔ جب عیینہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا تو کہا اے خطاب کے بیٹے! ہم کو بھی مال و منال دیں پس خدا کی قسم تو ہمیں بہت مال نہیں دیتا اور ہم میں عدل کے ساتھ حکم نہیں دیتا۔ پس عمر رضی اللہ عنہ غصہ میں آ گئے حتیٰ کہ تیار ہو گئے اسے سزا دینے کے لئے اور تعزیر کی حد لگانے کے لئے حر بن قیس نے کہا کہ اے امیرالمومنین رب تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا۔

خذ العفو وامر بالمعروف واعرض عن الجاھلین۔ اور کہا کہ آدمی جاہلوں سے ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ خدا کی قسم عمر رضی اللہ عنہ نے اس آیت سے ہرگز تجاوز نہ کیا جب حر بن نے ان کے سامنے پڑھی تھی اور کتاب خدا کے نزدیک عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ استوگی کئے ہوئے تھے۔

اور فتح الباری میں کہا گیا ہے عیینہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مرتد ہو گیا تھا اور مسلمانوں سے

اس نے جنگ کی تھی۔ اس کے بعد ارتداد سے رجوع کیا اور مسلمان ہوا اور حاضر ہوا بعض فتوحات میں عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں اور کتاب کے آخر پر غزوات کے باب میں اس کے متعلق کوائف و حالات آئیں گے جو اس کی شدت جفاء اور بدخوئی پر دلالت کرتے ہیں انشاء اللہ تعالیٰ۔

تواضع، ادب اور حسن معاشرت۔ وصل:۔ اہل خانہ، خدام اور اصحاب کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع، ادب اور حسن معاشرت کے بیان میں الصداح میں تواضع کا معنی ہیں۔ فروتنی کرنا اور نرم گردنی کرنا اور قاموس میں تواضع کے معنی تذلل اور ایضاع کے ہیں

تواضع کے معنی ہیں گردن نیچے کرنا اونٹ کی گردن جب نیچے کرتے ہیں کہ اس پر پاؤں رکھ کر اوپر سوار ہوا جائے تواضع کا لفظ وضع سے مشتق ہے۔ جس کا معنی نیچے کرنا اور تواضع کرنے والا شخص اپنے آپ کو اپنی قدر و منزلت سے نیچے کرتا ہے اور اگر اپنے مرتبہ کے مطابق بھی رکھے تو تواضع کے منافی نہیں ہے اور اس کی ضد کبر ہے اور اپنے آپ کو اپنے رتبہ سے بالاتر رکھنا اور جو کوئی اپنے مرتبہ سے کم تر رکھے اسے ضعف کہتے ہیں اور کبر اور ضعف کے درمیان تواضع ہے چونکہ آدمیوں کے نفسوں میں تکبر جگہ رکھتا ہے کبھی تواضع کی جگہ ضعف دیکھتے ہیں۔ میں نے سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی کو پوچھا کہ تواضع کیا ہے انہوں نے کہا کہ خفض الجناح ولین الجانب (یعنی بازوؤں کا جھکانا اور پہلو پر جھکنا) اور فرمایا تخضع للحق و منقاذلمو تقبله لحن قاله و تسمع منه یعنی حق کے آگے جھک جائے اور اس کا فرمانبردار بن جائے جو حق کہے اسے قبول کرے اور سنے۔ اور آپ نے کہا من رأی لنفسه فلیس له فی التوضع نصیب جو کوئی اپنے آپ کو قیمتی جانے اس کے لئے تواضع میں حصہ نہیں ہے۔ عارفوں کا قول ہے کہ بندہ تواضع کی حقیقت کو نہیں پہنچ سکتا۔ جب تک اس کے دل میں مشاہدہ نور نہ ہو۔ اس سے نفس پگھل جاتا ہے اور نرم ہو جاتا ہے اور اس کے نفس کی پگھلاہٹ میں کبر اور عجب سے صفائی حاصل ہوتی ہے پس نفس نرم ہو جاتا ہے اور اس میں حق کا نقش قائم ہو جاتا ہے اور اس کے اپنے آثار وہاں سے محو ہو جاتے ہیں۔ اور غبار چھٹ جاتے ہیں اور اس کا زیادہ اور بلند حصہ ہے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کیونکہ کمال کے اعلیٰ مرتبہ پر تھے۔ اور اس کے باوجود آپ تواضع اختیار فرماتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع ہی سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو صاحب اختیار بنایا۔ نبی بادشاہ ہو جائیں یا بندہ پس آپ نبی بندہ ہونا پسند فرمایا پس اس حکم کے مطابق من تواضع الله رفعه الله تعالیٰ سب پر برگزیدہ کر دیتا ہے اور سب سے رفعت والا اور بلند مرتبہ کرتا ہے اور نبی آدم کا سردار بنا دیتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مبالغہ نہ کرو اور حدود کو تجاوز نہ کرو میری تعریف میں جس طرح کہ نصاریٰ نے ابن مریم کے بارے میں کیا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ وہ خدا ہیں یا خدا کے بیٹے ہیں اور میں تو خدا کا بندہ ہوں پس تم مجھے اس کا بندہ اور اس کا رسول کہو اور ابی امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت آئی ہے کہ

ہم ان کی عزت افزائی کے لئے کھڑے ہو گئے تو آپ نے فرمایا جس طرح عجمی لوگ ایک دوسرے کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں لیکن تم نہ کھڑے ہوا کرو آپ نے فرمایا میں بندہ ہوں۔ اسی طرح کھاتا ہوں جس طرح بندہ کھایا کرتا ہے

اور اس طرح بیٹھتا ہوں جس طرح بندہ بیٹھتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع اور حلم ہی کی وجہ سے ہے کہ نوکر زجر اور غصہ نہ کرتے تھے اور نہیں کہا کرتے تھے کہ تم نے ایسا کیوں کیا اور اس طرح کیوں نہ کیا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی مہربان نہیں ہے اہل و عیال کے ساتھ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا سوائے جہاد کے موقع پر اور کبھی کسی سے اپنے نفس کی خاطر انتقام نہیں لیا سوائے دین خدا کی خاطر اور لوگوں نے عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب گھر میں خلوت کرتے تھے تو کیسے ہوتے تھے آپ نے فرمایا کہ وہ نرم ترین ہوتے تھے۔ بہت مسکراتے تھے۔ اور اچھے طور و طریق والے ہوتے تھی اور کبھی اپنے اصحاب کے درمیان آپ کے پاؤں دراز کرتے نہیں دیکھے گئے۔ آپؐ کے اصحاب میں سے یا اہل خانہ میں سے کوئی آپ سے مخاطب ہوتا تو آپ جواب میں لبیک فرماتے تھے۔ اور یہ حسن معاشرت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ ان کی تالیف قلبی کرتے تھے۔ اور ان سے نفرت نہ کرتے تھے اور ہر قوم کے معزز آدمی کی تکریم و تعظیم کرتے تھے اور اس کو ہی ان پر والی مقرر فرماتے تھے اور اپنے صحابہ کے احوال کی جستجو کرتے تھے اور اپنے جملہ ہم نشینوں کو ان کے حصہ کی توجہ اور فیض عطاء فرماتے تھے اور ان کا کوئی ہم نشین یہ گمان نہ کرتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک فلاں شخص بزرگ تر ہے بہ نسبت اس کے۔ اور جو کوئی آپ کے ساتھ ہم نشینی کرتا ہے اور آپؐ کے نزدیک آتا تو آپ اس کے ساتھ صبر کے ساتھ بیٹھے رہتے تھے اور اٹھ کر نہیں جاتے تھے جب تک وہ خود اٹھ کر نہ چلا جاتا تھا اور اگر آپ سے سرگوشی کرتا تو آپؐ اپنا سر مبارک اس سے ہرگز نہ اٹھاتے تھے جب تک وہ خود اپنا سر نہ ہٹا لیتا اگر کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ مبارک پکڑ لیتا تو کبھی اپنا ہاتھ اس سے نہ چھڑاتے تھے۔ جب تک کہ وہ خود اپنا ہاتھ پیچھے نہ کھینچ لیتا تھا اور آدمیوں سے اپنے آپ کو دور رکھتے تھے بغیر اس کے کہ کسی کے ساتھ آپ کے ماتھے پر شکن آئے یا آپؐ کی خندہ پیشانی اور خوش خلقی میں فرق آئے آپ کی کشادہ روئی و خوش خلقی سے لوگ پر ہو گئے تھے۔ سب کے لئے آپ بطور باپ تھے اور سب لوگ آپؐ کے نزدیک برابر حق رکھتے تھے اور ہمیشہ خوش خلق کشادہ اور نرم گفتار تھے اور آپؐ درشت خو، سخت گو اور بلند آواز نہ تھے۔ نہ فحش گو تھے اور نہ عیب جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی خوش خلق نہ تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی دس سال تک خدمت کی ہے آپ نے مجھ سے کبھی اف تک نہ کی اور کبھی نہ کہا کہ تم نے ایسا کیوں کیا ہے اور ایسے کیوں نہیں کیا اور حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ میں نے ہمیشہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو تبسم کی حالت میں دیکھا ہے اور اپنے ہم نشین کے سامنے اپنے گھٹنے دراز کرتے ہوئے کبھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نہیں دیکھے گئے اور کوئی بھی آپ کی بارگاہ میں آتا آپؐ اس کی عزت کرتے تھے۔ بہت دفعہ ایسے ہوا ہے کہ آپؐ نے آنے والے کے لئے اپنی چادر بچھائی اور اس کے لئے ایثار کیا اپنا تکیہ شریف جو اپنے نیچے رکھتے تھے اور کسی کی بات کو ہرگز نہ کاٹتے تھے۔ جب تک وہ حد سے تجاوز نہ کرتا تھا۔ اس وقت آپ بات کو ختم کرتے تھے۔ کھڑے ہو کر یا کسی اور طریقہ سے اور کبھی آنے والے کے لئے باقی ماندہ نماز میں تخفیف کر

دیتے اور اس کی حاجت دریافت فرماتے تھے اور جب اس کی حاجت سے فارغ ہوتے تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں لگ جاتے تھے۔ اور مساکین کی عیادت کرتے تھے اور فقراء کے ساتھ مجالس کرتے تھے غلاموں کی دعوت کو قبول کر لیتے تھے اور دعوت میں جو کی روٹی اور پگھلائی ہوئی پرانی چربی ہوتی تھی۔ پس آپ اس کو قبول کرتے تھے اور اپنے اصحاب کے درمیان بیٹھتے تھے اور جہاں مجلس ختم ہوتی تھی یعنی مجلس کے آخر میں بیٹھ جاتے تھے اور کبھی گدھے پر سوار ہو جاتے تھے اور کسی کو اپنے پیچھے بھی بٹھا لیتے تھے اور بنو قریظہ کے دن آپ ایک دراز گوش پر سوار تھے جس کی لگام رسن کی تھی اور اس کا پالان کھجور کی چھال کا تھا اور ایک شتر پرحج کا سفر کیا جس کا پالان پرانا تھا اور اس پر چار درہم قیمت کی چادر پڑی ہوئی تھی اور آپ کے عہد کے آخری حصہ میں یہ تھا جب کہ آپ کے ہاتھ بہت سے ممالک اور علاقے فتح ہو چکے تھے اور جب مکہ فتح ہوا آپ نے حج میں سو اونٹ قربان کئے تھے۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام مسلمانوں کے لشکر کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سر مبارک جھکائے ہوئے تھے کجاوے کی لکڑی کے قریب تک فی سبیل اللہ تواضع کے طور پر برخلاف جابر بادشاہوں کے جو فتح کے وقت اکڑ کر اور سر اونچا کر کے بیٹھتے ہیں۔ حضرت قیس بن سعد انصاری سے روایت ہے کہ وہ اور ان کے والد صاحب اکابر انصار میں سے تھے کہ ایک دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہاں تشریف فرما ہوئے۔ واپس جانے کے وقت حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے دراز گوش پیش کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس پر سوار ہو گئے اور سعد رضی اللہ عنہ نے کہا اے قیس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جاؤ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے کہا کہ اے قیس میرے پیچھے سوار ہو جاؤ میں نے انکار کیا بوجہ ادب۔ آپ نے فرمایا سوار ہو جاؤ یا واپس چلے جاؤ اور ایک روایت میں آیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میرے آگے سوار ہو جاؤ کیونکہ جانور کے مالک کا حق مقدم ہے اور اسی طرح ایک اور وقت پر ایک صحابی تھا جو کہ سوار جا رہا تھا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو نیچے اتر آیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہو گئے اور اس کو اپنے آگے سوار کر لیا۔ اس سے زیادہ عجیب و غریب وہ ہے جس کو محب طبری نے مختصر السیر میں نقل کیا ہے کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بغیر پالان کے ایک گدھے پر سوار ہو کر قباء کی طرف۔ جا رہے تھے اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پاپیادہ ساتھ جا رہے تھے آپ نے ابو ہریرہ سے فرمایا کہ تجھے سوار کر لوں عرض کی جو بھی رضاء آنحضرت ہے۔ آپ نے فرمایا سوار ہو جاؤ پس ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اچھلے لیکن سوار نہ ہو سکے اور حضور علیہ السلام سے چمٹنے کی کوشش کی پس دونوں ہی زمین پر آ رہے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوئے اور فرمایا ابو ہریرہ کیا تجھے سوار کر لوں۔ عرض کی جو کچھ حضور کی مرضی۔ فرمایا آپ نے سوار ہو جاؤ۔ پس سوار ہونے کی قدرت نہ ہو سکی۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چمٹ گئے۔ پھر دونوں زمین پر آ رہے۔ پھر فرمایا کیا تمہیں سوار کر لوں عرض کی خدا کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے کہ میں نہیں چاہتا کہ تیسری دفعہ آپ کو نیچے گراؤں اور طبری نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں تھے اور صحابہ کو حکم دیا کہ ایک دنبہ تیار کرو۔ پس صحابہ سے ایک آدمی اٹھا اور کہنے لگا کہ میں اس کو ذبح کروں گا۔ دوسرے نے کہا کہ میں کھال اتاروں گا تیسرے نے کہا میں اس کو پکاؤں گا اور حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میں لکڑیاں اکٹھی

کروں گا۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم یہ کام کرنے کے لئے بھی کافی ہیں آپ نے فرمایا کہ میں جانتا ہوں کہ تم کافی ہو لیکن میں اسے مکروہ سمجھتا ہوں کہ میں آپ سے ممتاز ہو کر علیحدہ ممیز ہو کر بیٹھوں اور اللہ تعالیٰ اسے اچھا نہیں سمجھے کہ کوئی شخص اپنے یاروں میں سے ممتاز ہو کر رہے۔ ایک دفعہ آپ کے جوتے مبارک کا بند ٹوٹ گیا تھا۔ ایک صحابی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ مجھے دے دیں کہ میں اسے درست کروں۔ آپ نے فرمایا کہ میں نہیں چاہتا کہ خود ممتاز ہو کر بیٹھوں اور کسی دوسرے کو اپنی خدمت کے لئے کہوں۔

ایک دفعہ حبشہ کے فرمانبردا نجاشی کے ایلچی آئے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے۔ تاکہ ان کی خدمت کریں۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمیں اجازت دیں کہ ہم ان کی خدمت بجالائیں۔ آپ نے فرمایا انہوں نے ہمارے صحابہ کی بہت خدمت کی تھی اور ان کی عزت و تکریم کی ہے اور میں پسند کرتا ہوں کہ اس کا بدلہ چکاؤں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اپنے اہل خانہ کی خدمت کرتے تھے۔ اور اپنا پھٹا ہوا لباس خود ہی سیتے تھے اور اپنی ٹوٹی ہوئی نعلین شریف کو خود گانٹھ لیتے تھے اور اپنی بکری کا دودھ خود دوہتے تھے اور اپنے کپڑوں سے جوں وغیرہ خود ہی نکالتے اور اسی طرح حدیث میں آیا ہے "دیفلی ثوبہ" اور فلی کا معنی ہے کپڑوں اور سر سے جوں تلاش کرنا لیکن علماء نے کہا ہے کہ آپ کے بدن شریف میں جوں ہرگز نہ تھی یہ کبھی بدن شریف پر نہ بیٹھتی تھی۔ گویا لفظ فلی کا یہاں معنی ہو گا اپنے کپڑں میں نظر ڈالتے تھے کہ گرد و غبار اور خس و خاشاک اس میں نہ ہو۔ واللہ اعلم۔ اور اپنے اونٹ کو خود باندھتے تھے اور چارہ ڈالتے تھے اور غلوم کے ساتھ مل کر کھانا کھاتے تھے۔ اس کے ساتھ مل کر آٹا وغیرہ گوندھ لیتے اور اس کی مدد فرماتے تھے کام کاج میں، مواہب الدنیہ میں کہا گیا ہے کہ یہ امور بعض وقتوں پر ہوتے تھے۔ یعنی یہ کام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی کرتے تھے۔ کیونکہ ثابت شدہ ہے کہ آپ کے خلوم ہوتے تھے اور آپ کے غلام ہوتے تھے۔ پس کبھی آپ خود بھی کام کر لیتے تھے۔ اور کبھی حکم دیتے تھے اور کبھی ان کے ساتھ کام میں شامل ہوتے تھے۔ اور بازار سے اپنا سامان اٹھا لیتے تھے اور دوسرے کو نہیں اٹھانے دیتے تھے اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بازار میں آیا۔ پس آپ نے چار درہم میں پائجامہ خریدا۔ پس وزن کرنے والے کو فرمایا کہ اس کا وزن کرو اور خوب کھینچ کر وزن کرنے والے مرد نے حیران ہو کر کہا کہ میں نے کبھی کسی کو قیمت ادا کرنے میں اس طرح کہتے ہوئے نہیں سنا پس ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا افسوس ہے تجھ پر کہ اپنے پیغمبر کو نہیں پہچانتا۔ پس اس مرد نے ترازو کو اپنے ہاتھ سے پھینک دیا اور اٹھا تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں کو چوم لے۔ پس آپ نے ہاتھ کھینچ لیا۔ اور فرمایا یہ عجمیوں کا کام ہے کہ اپنے بادشاہوں اور رئیسوں سے کرتے ہیں اور میں بادشاہ نہیں ہوں۔ تم میں سے ایک مرد ہوں پس آپ نے پائجامہ کو اٹھا لیا میں سامنے آیا کہ میں اٹھالوں فرمایا آپ نے کہ مال کے مالک کو زیادہ سزاوار ہے کہ اپنا مال اٹھائے۔ سوائے اس کے جو کمزور ہو اور نہ اٹھا سکتا ہو۔ پس اس کی مدد اس کا بھائی کرے۔

تنبیہہ۔ سراویل سے مراد تنبان (پائجامہ) ہے جو کہ عجمیوں میں پہنا جاتا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہو گیا ہے کہ

آپ نے پائجامہ خریدا لیکن آپ کے پائجامہ پہننے میں اختلاف ہے اور ابن قیم جوزی نے کتاب ہدای میں کہا ہے کہ ظاہر تو یہ ہے کہ پہننے کے لئے ہی خریدا تھا اور ایک روایت میں ذکر کیا ہے کہ آنحضرت نے پائجامہ پہنا ہے اور صحابہ نے آپ کے عہد میں آپ کی اجازت سے پہنا ہے۔ لیکن علماء نے ابن قیم کے اس سخن کو ضعیف کہا ہے واللہ اعلم۔ اور بعض روایت میں ضعیف سند کے ساتھ ذکر میں آیا ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ آپ پائجامہ پہنتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہاں میں پہنتا ہوں سفر و حضر میں اور رات کو اور دن کو بھی کیونکہ مجھے ستر یعنی ستر پوشی کا حکم ہے۔ اور پائجامہ سے زیادہ بہتر پردہ اور نہیں ہے۔ ابن حبان، طبرانی اور عقیلی بھی اس حدیث کا ذکر کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ازار پار پہنا ہے اگر ز رلیا سے وہی مراد ہے جو ازار کے متعلق ذکر کیا جاتا ہے اور ظاہر ہے تو وہ چنداں محتاج بیان نہیں اگر اس سے مراد پائجامہ ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پائجامہ پہننے میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ نہیں پہنا اور شرح شفاء میں شمنی نے کہا ہے کہ پہنا ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پائجامہ خریدنا معلوم ہے اور متفق علیہ ہے چنانچہ جامع الاصول میں ترمذی اور ابوداؤد کے حوالے سے آیا ہے اور یہ پائجامہ کی خریداری مکہ شریف میں تھی اور ابو یعلی موصلی نے اپنی مسند میں ضعیف سند کے ساتھ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ کہ ایک دن میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے ساتھ بازار میں آیا پس آپ نے چار درہم میں سراویل (پائجامہ) خریدا اور بازار والوں کے لئے ایک وزن کرنے والا تھا کہ قیمت وصول کرتا تھا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ کھینچ کر تولو پس وزن کرنے والے نے کہا کہ میں اس نے ہرگز کسی شخص کو قیمت ادا کرنے کے وقت یہ بات کہتے نہیں سنا پس ابو ہریرہ نے کہا آیا کہ تو اپنے پیغمبر کو نہیں پہچانتا۔ پس اس شخص نے اپنے ہاتھ سے میزان پھینک دی۔ اٹھا تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک چوم لے۔ آپ نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور فرمایا کہ یہ عادت عجمیوں کی ہے جو اپنے بادشاہوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ میں بادشاہ نہیں ہوں۔ تمہاری جنس سے ایک آدمی ہوں۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ میں پائجامہ پکڑ کر روانہ ہو گئے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے چاہا کہ پائجامہ آپ کے دست مبارک سے پکڑ لوں۔ اور میں اٹھالوں۔ آپ نے فرمایا کہ مال کے مالک کو زیادہ سزاوار ہے کہ وہ خود اپنا مال اٹھائے سوائے اس کے جو ضعیف ہو اور اپنا مال نہ اٹھا سکتا ہو تو اس کا بھائی اس کی مدد کرے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا آپ پائجامہ پہنتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں میں سفر و حضر اور دن اور رات کو پائجامہ پہنتا ہوں۔ کیونکہ میں ستر پوشی کا حکم کیا گیا ہوں اور اس پائجامہ سے زیادہ ستر پوشی کرنے والی کوئی دیگر چیز نہیں ہے۔ اور ابن حبان، طبرانی دار قطنی اور عقیلی نے بھی اس حدیث کا ذکر کیا ہے لیکن ضعیف سندوں کے ساتھ اور اس حدیث کا دار و مدار یوسف بن زیاد واسطی پر ہے اور وہ ضعیف ہے بالجملہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پائجامہ خریدنا تو صحیح و ثابت ہے اور ابن قیم نے کتاب ھدای النبی میں کہا ہے کہ ظاہر یہ ہوتا ہے کہ پہننے کے لئے خریدا تھا اور یہ بھی روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پائجامہ پہنا ہے۔ نیز صحابہ کرام بھی آپ کی اجازت سے آپ کے زمانہ میں پہنتے تھے اور ایک محدث بخاری نے بھی اپنی صحیح بخاری میں ترجمہ میں باب السراویل درج کیا ہے۔ لیکن اس میں کوئی حدیث

نہیں لائے شائد کہ صحیح نہ ہو اس طریقے کے مطابق۔ اور شرط کے جو ان کے نزدیک متغیر ہے علماء نے کہا ہے کہ امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ جس روز شہید کئے گئے تو وہ پائجامہ پہنے ہوئے تھے اور روایت کیا گیا ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پائجامہ پہنا کرو۔ کیونکہ وہ تمہارے لئے سب سے زیادہ ستر پوشی والا لباس ہے اور جب تمہاری عورتیں باہر آئیں تو پائجاموں کے ساتھ انہیں اپنی عصمن اور محفوظ کرو۔ یعنی جب وہ گھر سے باہر آئیں تو ان کے لئے زیادہ مناسب یہی ہے کذا آوردہ بعض مصنفین رحمہم اللہ۔ اور اس حدیث کو امام سیوطی بھی جمع الجوامع میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت سے لائے ہیں اس الفاظ کے ساتھ کہ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک بیٹھا ہوا تھا۔ جنت البقیع ہی میں بارش کے دن پس ایک عورت گدھے پر سوار وہاں سے گذری۔ ساتھ بوجھ بھی تھا۔ گدھے کے پاؤں زمین کے نشیب میں دھنس گئے۔ وہ عورت زمین پر گر پڑی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ادھر سے اپنا منہ پھیر لیا۔ کہا گیا کہ یا رسول اللہ! وہ پائجامہ پہنے ہوئے ہے۔ تو آپؐ نے فرمایا اے اللہ! میری امت کے پائجامہ پہننے والوں کو بخش دے۔ اے لوگو! پائجامہ پہننا لازم پکڑو یہ سب سے زیادہ ستر پوش لباس ہے اور تمہاری عورتیں خصوصاً پہنیں۔ اس حدیث کو ترمذی اور عقیلی نے ضعفاء میں ذکر کیا ہے ابن عدی نے الادب میں اور دیلمی نے مسند الفردوس میں ذکر کیا گیا ہے اور کہا ہے کہ ابن جوزی اس حدیث کو موضوعات میں لائے ہیں لیکن انہوں نے اچھا نہیں کیا کیونکہ یہ حدیث میرے نزدیک متعدد سندوں کے ساتھ ثابت ہے۔ واللہ اعلم۔ شرح سفر سعادت میں یہ حدیث لائے ہیں لیکن ضعیف ہے اور شرح سندوں کے ساتھ اور اس حدیث کا دارومدار یوسف بن زیاد واسطی پر ہے اور وہ آبائی طور پر ضعیف ہے اور شرح سفر سعادت میں اس پر زیادہ بحث ہے پس وہاں سے ملاحظہ فرمائیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آدمی آیا وہ لرزنے لگا آپؐ کی ہیبت کی وجہ سے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اپنے آپ کو آسانی میں کرو۔ میں بادشاہ نہیں ہوں۔ میں بنو قریش کی ایک عورت کا بیٹا ہوں جو قدید کھاتے ہیں۔ یعنی گوشت خشک کردہ جو فقراء اور مساکین کا کھانا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک عورت آئی جو قاتر العقل تھی۔ اس نے کہا مجھے آپ سے حاجت ہے۔ فرمایا بیٹھ جاؤ اور مدینہ شریف کے جس کوچہ و گلی میں تو چاہے میں تمہارے ساتھ بیٹھوں گا اور تمہاری ضرورت پوری کروں گا۔ پس حضور علیہ السلام اس کے ساتھ بیٹھے اور جو حاجت اس کی تھی وہ پوری فرمائی۔ بخاری شریف کی ایک روایت میں ہے کہ مدینہ شریف کی باندیاں آتی تھیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دست مبارک پکڑ لیتی تھیں۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ روانہ ہو جاتے تھے جہاں بھی وہ آپ کو لے جاتی تھیں۔ اس مقام پر ایک قسم کا مبالغہ ہے۔ کہ عورت ہو یا مرد غلام ہو یا آزاد جو کوئی بھی ہوتا اور جہاں کہیں بھی وہ لے جانا چاہتا لے جاتا تھا اگرچہ مدینہ شریف سے باہر ہی کیوں نہ لے جانا ہوتا۔ اس سے زیادہ تواضع تکبر متصور نہیں ہوتی نہ ہی اس میں کوئی ننگ و عار ہے بمطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔ کیونکہ آپ بیوہ اور مسکین کے ساتھ بھی چلے جاتے تھے اور جو حاجت بھی ہوتی تھی وہ پوری فرماتے تھے۔ عبداللہ بن ابی الحسماء نے بیان کیا کہ میں نے بعثت سے پہلے آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم سے کوئی چیز خریدی۔ قیمت میں کچھ حصہ واجب الادارہ گیا میں نے وعدہ کیا کہ اسی جگہ لاتا ہوں اور میں نے وعدہ فراموش کر دیا اور تین دن کے بعد یاد آیا۔ ناگاہ میں دیکھتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی جگہ پر بیٹھے ہیں۔ آپ نے فرمایا تو نے مجھے مشقت میں ڈالا۔ میں اسی جگہ پر ہوں اور تین دن تیرا انتظار کیا ہے اسے ابوداؤد نے روایت کیا اور اس میں نہایت تواضع، صبر اور صدق وعدہ ہے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام پیغمبر سے بھی اس نوع کی مثال آئی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے انہ صادق الوعد اور اسی طرح شریعت نبوی کے بعض پیروکاروں سے واقعہ ہوا ہے۔ چنانچہ آیا ہے کہ غوث الثقلین شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ پورا سال ایک آدمی کے وعدہ کے مطابق منتظر بیٹھے رہے اور وہ آدمی خضر علیہ السلام تھے اور عادت تھی کہ مدینہ طیبہ کی باندیاں پانی لاتی تھیں۔ آپ اس میں اپنا ہاتھ مبارک ڈال دیتے تھے اور وہ اسے بیماروں پر چھڑکتی تھیں اور کبھی سردیوں میں صبح کے وقت ٹھنڈا پانی لاتیں۔ آپ ان کی خاطر اس میں ہاتھ ڈال دیتے اور ازواج مطہرہ کے ساتھ حسن معاشرت میں بہت رعایت رکھتے تھے اور ان کے ہمراہ دوڑتے بھی تھے اور انصار کی لڑکیوں کو عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ کھیلنے کے لئے چھوڑ دیتے تھے اور جب عائشہ رضی اللہ عنہا برتن سے پانی پیتی تھیں تو آپ برتن پر اس مقام پر منہ رکھ دیتے تھے جہاں عائشہ رضی اللہ عنہ کا منہ ہوتا اور عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھ میں گوشت کی ہڈی لیتے اور جہاں عائشہ کھاتی تھیں وہیں سے کھانے لگتے اور حضور علیہ السلام مسواک کو شستہ و صاف کرنے کے لئے عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیتے تو وہ اسے اپنے منہ میں چبا کر نرم کرتیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے منہ سے لے کر اپنے منہ میں رکھ لیتے تھے اور نہایت درجہ کی تواضع اور نہایت درجہ کی محبت ہے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ اور بزرگوں کے جھوٹے کے تبرک کی دلیل ہے اور عائشہ رضی اللہ عنہا کو پہلو میں لے کر ان کا بوسہ لیتے تھے حالانکہ آپ کا روزہ ہوتا تھا۔ اور ان کو حمیرا کا لقب دیتے تھے۔ اور عائشہؓ اپنے رخسار حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کندھوں پر رکھتی تھیں اور وہ عائشہ رضی اللہ عنہا ان دنوں میں خورد سال تھیں۔ اور ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے مسابقت فرمائی اور ان کے ساتھ دوڑے عائشہ رضی اللہ عنہا آگے نکل گئیں دوسری مرتبہ (کچھ عرصہ کے بعد) پھر دوڑے تو حضور علیہ السلام آگے نکل گئے یہ وہ وقت تھا جب کہ عائشہ رضی اللہ عنہ بھاری جسم والی ہو چکی تھیں تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ آج میرا سبقت لے جانا تمہاری اس وقت والی سبقت کے بدلے میں ہے اور ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تھے۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کھانا بھیجا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہاتھ کھانے کے برتن کو لگا اور برتن ٹوٹ گیا اور کھانا زمین پر گر گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے برتن کے ٹکڑے چنے اور کھانا اٹھالیا اور برتن میں رکھ دیا اور حاضرین سے معذرت کی اور فرمایا تمہاری ماں نے غیرت محسوس کی اور بیتابی ظاہر کی۔ پس عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے درست برتن لیا اور ایک روایت کے مطابق اس کے گھر سے کھانا بھی لے کر برتن میں رکھا۔ اور خادم کے سپرد کیا اور فرمایا کہ برتن تاوان ہے برتن کا اور کھانا بعوض تاوان کھانے کے اور اس حدیث میں عورتوں سے غیرت کے وقت مواخذہ کرنے کی دلیل ہے کیونکہ اس حالت میں عقل چھپ جاتی ہے شدت سے غضب کی وجہ سے اور اس

میں اس کے غیرت ہونے کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ عورت غیرت کے وقت اسفل وادنیٰ کی تمیز نہیں کرتی ایک دفعہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شوربا بھیجا۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے سودہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ اسے پی لو۔ انہوں نے نہ پیا۔ دوبارہ کہا اسے پی لو۔ ورنہ تمہارے منہ پر مل دوں گی۔ پھر انہوں نے نہ پیا۔ پس عائشہ نے سودہ رضی اللہ عنہا کے چہرہ پر مل دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور فرمایا سودہ رضی اللہ عنہا سے۔ تو بھی عائشہ رضی اللہ عنہا کے چہرہ پر مل دے۔ پس سودہ رضی اللہ عنہا کے چہرے پر مل دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہنستے رہے اس طرح کے احوال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ تھے کہ ان سے غیرت و مزاح کے موقع پر مواخذہ نہ فرماتے تھے۔ اور معذور سمجھتے تھے اور جب ان پر عدل کی میزان اور شریعت کا دستور قائم فرماتے تو ملائمت اور نرمی فرماتے تھے اور اگر کوئی شخص اہل و عیال اصحاب و فقراء اور مساکین اور یتیموں' بیواؤں مہمانوں اور آنے جانے والوں کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سلوک میں غور و فکر کرے تو اسے معلوم ہو گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غایت درجہ کی رقت و مہربانی ہے کہ کسی دوسرے میں تصور بھی نہیں کی جا سکتی اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی حدود میں بڑے سخت تھے اور حقوق دین میں بھی اس حد تک کہ وہاں تک پہنچنا کسی دوسرے کے لئے ممکن نہیں۔ اور آنحضرت ؐ کے اخلاق و اعمال تمام کے تمام آپ ؐ کی نبوت معجزات اور علامات یقین کہ اس کی مانند کسی دوسرے سے واقعہ نہیں ہوئیں صلی اللہ علیہ وسلم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نرمی کرتے تھے۔ اصحاب سے مل جل کر اور لطف و کرم سے رہتے تھے اور ان سے مذاق بھی کرتے تھے۔ اور اس سے مطلوب و مقصود دلجوئی اور خوشخوئی ہوتی تھی اور اگر مذاق بھی کرتے تھے تو کلام سچا ہوتا تھا اور بچوں کے ساتھ کھیلتے تھے اور چھوٹے بچوں کو اپنی گود میں بٹھاتے تھے اور آزاد ہو یا غلام اور باندی ہو یا مسکین اس کی دعوت قبول فرماتے تھے اور بیمار کی عیادت فرماتے تھے خواہ مدینہ کے آخری حد پر کیوں نہ ہو اور کھیل اور مزاح سے جو نفی فرمائی گئی ہے بعض حدیثوں میں وہ اس کی کثرت سے ممانعت ہے کیونکہ ذکر خدا اور تحلت میں غور و فکر سے باز رکھتی ہیں اور جو اس میں سالم (یعنی صحیح رہے) اس کے حق میں مباح ہے اور اس سے کسی کی دلجوئی اور تالیف قلبی ہو جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ کا فعل تھا تو مستحب ہو گا۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مخلوق کے ساتھ تواضع اور الفت نہ رکھتے تو کسے طاقت ہوتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھ سکتا اور کلام کرتا یا کھڑا ہو سکتا آپ کے حضور بوجہ آپ کی ہیبت و جلالت اور مہابت و سطوت صلی اللہ علیہ وسلم اس میں علماء نے یہ حکمت بیان کی ہے کہ سنت فجر ادا کرنے کے بعد حضور علیہ الصلوۃ والسلام حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اگر بیدار ہوتیں تو ان سے گفتگو فرماتے تھے ورنہ زمین پر لیٹ کر آرام فرماتے تھے اس کے بعد نماز کی خاطر باہر تشریف لے آتے اس کی وجہ یہ ہے کہ رات کی ابتداء سے ہی قیام شب' تلاوت قرآن' اللہ تعالیٰ کے ذکر و فکر سے جو صبح تک آپ کرتے تھے اس سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر انوار و اسراء قرب و یگانگت اور اس ذات جبار سے سماع کلام اور مناجات کی قبولیت سے آپ ؐ کی جو حالت ہوتی تھی اس کے بیان کرنے کی طاقت انسانی زبان میں نہیں ہے اور کسی بشر کو اس حالت میں آپ سے ملاقات و صحبت

کی طاقت نہیں۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے گفتگو فرماتے تھے اور زمین پر لیٹ کر آرام فرماتے تھے تاکہ آپ کو عائشہ رضی اللہ عنہا سے موانست حاصل ہو اور خلقت کی اصل یعنی زمین سے مباشرت ہو اس سے اسی علو مقام سے نیچے آتے تو آپؐ پھر باہر لوگوں کی طرف تشریف لاتے اور یہ صرف صحابہ سے رفاقت اور مہربانی کے لئے تھا۔ کان بالمومنین رحیما یہ نکتہ ہے جو مواہب لدنیہ میں نقل کیا گیا ہے ابن الحاج سے بحوالہ مدخل۔

بندہ مسکین ثبت اللہ علی الطریق الحق والیقین (عبدالحق دہلوی) کہتا ہے کہ اس حال کی ان مقام سے تخصیص نہیں ہے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ ہی اعلیٰ علیین میں مقام قرب و تمکین پر ہوتے تھے اور باطنی لحاظ سے مخلوق میں سے کسی کے ساتھ تعلق نہ رکھتے تھے بحکم اللہ تعالیٰ احکام کی دعوت و تبلیغ پر مامور ہونا اور اس رحمت و مہربانی کی وجہ سے جو آپؐ کی اللہ کی مخلوق پر تھی آپؐ مقام احدیث کی بلندی سے تحفیض بشری کی طرف نزول فرماتے تھے اور لوگوں کے ساتھ ہم مجلس بیٹھتے تھے۔ قرآن کی آیت کے مصداق جو کشادگی عطاء ہوئی تھی اس کی بدولت آپ میں یہ خصوصیت ودیعت شدہ تھی کہ حضور حق کے ساتھ ساتھ دعوت خلق کمل طریقے پر جمع فرمائیں صبح کا وقت اور رات کے قیام کا وقت تو مخصوص تھا آپؐ کے اوقات میں سے اور یہ مقام کمل و تمام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے اور اولیاء اکرام کو آپؐ کی متابعت کے باعث اپنے نصیب کے مطابق حصہ حاصل ہے۔

مزاح و ملاعبت کی حالت۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاح اور ملاعبت کی برکت و آثار بے حد اور حساب ہیں۔ ان کا حساب و شمار اختیار میں نہیں آ سکتا ایک دفعہ زینب بنت ام سلمہ رضی اللہ عنہا جو آپ کی ربیبہ تھیں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپ ابھی غسل فرما کر آئے ہی تھے۔ آپ نے مذاق کے طور پر ان کے چہرے پر چھینٹے مارے۔ اس کی برکت سے آپؐ میں حسن و جمال پیدا ہوا جو کبھی متغیر نہ ہوا اور ان پر جوانی کا عالم ہمیشہ قائم رہا بڑھاپے تک۔

محمود بن ربیع رضی اللہ عنہ جو چھوٹی عمر کے صحابیوں میں سے تھے۔ جس وقت وہ پانچ سال کے تھے حضورؐ ان کے گھر میں تشریف لائے۔ ان کے گھر ایک کنواں تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی والے ڈول سے پانی نوش فرمایا۔ آپ نے مزاح کے طور پر آب دہن ان کے چہرے پر ڈال دیا۔ اس کی برکت سے ان کو ایسا حافظہ حاصل ہوا کہ وہ بات کو یاد رکھتے تھے اور اسی وجہ سے انہیں صحابہ میں شمار کرتے تھے اور ان کی حدیث بخاری شریف میں ذکر کی گئی ہے۔

اور آپؐ کے مزاح کے متعلق واقعات میں سے ایک یہ ہے جو کہ دیہات کے رہنے والوں میں سے ایک آدمی جس کا نام زاہر تھا گاؤں کی سبزیاں ہدیہ کے طور پر حضور کی خدمت میں لایا کرتا تھا جو آپؐ کو پسند تھیں اور آپؐ اس کو روانگی کے وقت شہری چیزیں مثلاً کپڑے وغیرہ دیا کرتے تھے اور اس کو دوست رکھتے تھے۔ آپؐ فرمایا کرتے تھے کہ زاہر ہمارا دیہاتی دوست ہے اور ہم اس کے شہری دوست ہیں۔ ایک روز آپؐ بازار کی طرف تشریف لے گئے تو زاہر کو بازار میں کھڑا پایا تو آپؐ نے اس کی پشت کی طرف سے آکر اپنے دست مبارک اس کی آنکھوں پر رکھ دیئے اور اس کو اپنی طرف کھینچا اور پہلو میں لے لیا۔ پس اپنا سینہ مبارک اس کی پشت سے لگا دیا اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھتا تھا۔ اس نے کہا۔

چھوڑو کون ہے اور جب پہچان لیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو اپنی پشت کو آنحضرت کے سینہ مبارک سے چمٹائے رکھا۔ اور نہیں چاہتا تھا کہ جدا ہو۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کون ہے جو اس غلام کو خرید لے تو زاہر نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ اب مجھے کھوٹا اور کم قیمت مال سمجھتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا لیکن تو اللہ کے نزدیک کھوٹا نہیں بلکہ گراں بہا ہے۔ آپؐ کی تواضع میں سے یہ بھی ہے کہ آپ کھانے میں نقص نہ نکالتے تھے اگر خواہش ہوتی تو کھا لیتے ورنہ چھوڑ دیتے اور یہ نہ کہتے تھے کہ یہ کھانا اچھا نہیں۔ کڑوا ہے' ترش ہے یا اس میں نمک کم ہے۔ گاڑھا ہے یا پتلا وغیرہ۔

فائدہ۔ اس مقام پر معلوم ہوا کہ کھانے میں عیب نکالنا خطاء ہے اور سنت کے خلاف ہے اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ اگر بتانے کی خاطر کہ کھانا برا پکا ہے۔ مال ضائع کیا ہے ایسا کہیں تو جائز ہے لیکن اس میں بھی کھانا پکانے والی کی دل شکنی ہوئی ہے اگر نہ کہا جائے تو بہتر ہے اور حضور علیہ السلام کی غایت تواضع اور حسن خلق میں سے ہے کہ بالعموم دنیا کی اہانت و تحقیر اور مذمت کی جاتی ہے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ دنیا کو گالی نہ دو کہ یہ اچھی سواری ہے جو مومن کی برائی سے خیریت اور نجات دلاتی ہے۔

فائدہ۔ اور اس طرح زمانہ کو برا کہنے سے منع فرماتے تھے چنانچہ حدیث قدسی میں ہے کہ لا تسبو الدھر فانما الدھر اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم درود دربان نہ رکھتے تھے جیسے کہ دنیا دار بادشاہوں کے ہوتے ہیں۔ ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضری اجازت کے ساتھ ہوتی تھی۔ تاکہ کوئی آدمی خلوت کے وقت اہل و عیال میں نہ آئے اور آپ کی مشغولیت میں دخل انداز نہ ہو۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع میں سے ہے کہ آپؐ نے فرمایا لا تفضلوا علی یونس بن متی ولا تخیرونی علی موسی (علیہم السلام) اور اس کی اور مثالیں بھی ہیں۔ اور آپ کا قول مبارک

انا سید ولد ادم

ترجمہ۔ میں بنی آدم کا سردار ہوں۔

اور اس کی مانند آپؐ کے دیگر ارشادات عالیہ' یہ واقع کے بیان اور تحدیث نعمت کی خاطر ہے اور اللہ تعالیٰ عزوجل کی فرمانبرداری میں ہے۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ اس قسم کی حدیثیں دوسرے انبیاء و رسل پر آپؐ کی فضیلت ثابت ہونے سے پہلے کی ہیں اور اس بارے میں نزول وحی سے قبل' یہ بحث بھی آئندہ آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔

السلام علیکم کہنے میں سبقت۔ اور یہ بھی آپؐ کی تواضع میں سے ہے کہ جو کوئی بھی آپ کے پاس آتا اس کے ساتھ سلام میں آپ سبقت فرماتے تھے۔ اور سلام کرنے والے کا جواب بھی دیتے تھے اور اس جگہ بشارت ہے آپ کی قبر شریف کی زیارت کرنے والوں کے لئے کہ جب آپ ظاہری زندگی میں اس صفت کے حامل تھے تو اب بھی جو آدمی آپ کی قبر شریف پر حاضر ہوتا ہے آپؐ کے سلام سے مشرف ہوتا ہوگا اور آنحضرتؐ کو سلام عرض کرنے والے کو اس کے سلام کے بعد

سلام کا جواب بھی ملتا ہو گا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ کے بعض مقربین ایسے ہوئے ہیں جنہوں نے کرامت کے طور پر اپنے کانوں سے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا سلام سنا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم حیات ظاہری میں امت کے لئے رحمت تھے اور وفات کے بعد بھی رحمت ہیں۔

جودو سخاوت حضور صلی اللہ علیہ وسلم وصل:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جودو سخاوت کے بیان میں جودو سخاوت کے لغت میں ایک ہی معنی ہیں۔ قاموس میں کہا گیا ہے۔ صداح میں جود اور سخا ہردو کے معنی جوانمردی کے گئے ہیں اور علماء نے کہا ہے کہ سخا صفت عزیز ہے اس کے مقابلہ میں شح ہے اور شح نفس کے لوازمات میں سے ہے۔ ارضی ہے اور طبعی ہے اور شح (کنجوسی) آدمی سے تعجب انگیز نہیں ہے کیونکہ یہ جبلی ہوتی ہے اور پروردگار تعالیٰ کو سخی کہنا جائز نہیں وہاں عزیزہ (یعنی طبع نفس) نہیں جود کا متقابل بخل ہے اور بخل علاوت کے طور پر اکتساب کے ذریعے پس ہر سخی جواد ہے اور ہر جواد سخی نہیں اور جواد کی حقیقت یہ ہوئی ہے کہ بے غرض اور بے عوض ہوتا ہے اور وہ صفت حق تعالیٰ کی ہے۔ کہ بغیر کسی غرض و عوض کے اپنی تمام نعمتیں ظاہری اور باطنی اور حسی و عقلی کملات کا مخلوق پر فاضہ کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے بعد جوادوں کا سب سے بڑا جواد اس کا رسول ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے بعد علماء امت جو علم دین کی اشاعت کرتے ہیں۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے۔ **اللہ اجو وجودا الم انا اجود بنی آدم واجودھم من بعدی رجل**

علم علما و نشرہ (الی اخر الحدیث)

ترجمہ: اللہ سب سے بڑا جواد ہے پھر میں بنی آدم میں سب سے زیادہ بڑا جواد ہوں اور میرے بعد وہ شخص جو علم سکھاتا پھیلاتا ہے۔

اور قاضی عیاض مالکی رحمتہ اللہ علیہ نے اس عنوان میں کرم ساحت کو زیادہ کیا ہے اور کہا ہے کہ جود و کرم اور سخاو ساحت کے معنی قریب ہیں اور علماء اس طرح فرق کرتے ہیں کہ نیک نیتی سے قدر و منزلت والی چیز خرچ کی جائے تو یہ کرم کہلاتی ہے اور اس کا نام حریت رکھا ہے نیز اس کا معنی آزاد آدمی ہے اور یہ نذالت کی ضد ہے۔ نون اور ذال معجمہ کے ساتھ اور صداح میں ہے نزالت کے معنی فرمایہ ہونا ہیں (کمینہ) اور نذل اور نذیل اسی سے بنے ہیں اور قاموس میں ہے کہ النذل اور النذیل وہ ہے جو لوگوں میں خسیس اور اور تمام حالات گھٹیا ہو۔ ساحت ایسی چیز کے خرچ بطیب خاطر کو کہتے ہیں جو خوش دلی کے ساتھ دوسرے کو دے دی جائے جب کہ خود اس کا حقدار ہو۔ اس کی ضد شکاس ہے شین معجمہ و سین مہملہ کے ساتھ۔ یعنی سخت علاوت "رجل شکس" بکسر شین و سکون کاف' سخت طبیعت کا آدمی اور قوم شکس' سخت علاوت کی قوم اور کہا گیا ہے کہ سخاء آسانی سے خرچ کرنے اور جو چیز اچھی نہ ہو اس کے حصول سے پرہیز کو کہتے ہیں اور وہی جود ہوتی ہے اس کی ضد **التقتیر** ہے جس کے معنی ہیں خرچ میں تنگی کرنا اور صداح میں **تقتیر** کے معنی ہیں اہل و عیال پر خرچ کی تنگی کرنا اور قاضی عیاض رحمتہ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام جانے پہچانے اخلاق و صفات میں ہمسری اور برابری نہیں کی جاتی تھی (انتہی) اور بخاری اور مسلم کی حدیث میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت آئی ہے کہ

انہوں نے کہا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم احسن الناس، اشجع الناس اور اجود الناس تھے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ان کی ذات شریف اشرف النفوس اور ان کا مزاج سب لوگوں کے مزاجوں سے زیادہ معتدل تھا اور جو کوئی اس طرح کا ہوتا ہے اس کا فعل سب فعلوں سے حسین ہوتا ہے اور اس کی شکل و صورت احمح اشکال اور اس کا خلق سب خلقوں سے اچھا ہوتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جمیع کملات جسمانی و روحانی کے جامع تھے اور خوب صورتی اور خوب سیرتی پر حاوی تھے اور آپ تمام لوگوں سے بڑھ کر اکرم، سخی اور جواد تھے اور علماء نے کہا ہے کہ وہ ایسے کیوں نہ ہوتے کہ وہ فانیات و باتیات سے مستغنی تھے اور ماسوای اللہ سے مجرد تھے اور اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتفی ہے۔

حدیث صحیح میں وارد ہوا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی کوئی ایسا سوال نہ کیا گیا اور آپ سے کبھی کوئی ایسی چیز نہ مانگی گئی ہے جس کے جواب میں آپ نے لا کہا ہو یعنی نہیں۔ یعنی جس شخص نے جس چیز کا بھی آپ کو سوال کیا آپ نے قبول فرمایا۔ اور وہ چیز عطا فرمادی اور فرزدق نے آپ کی نعت میں کہا ہے۔

؎ ما قال لا قط الا فی تشهده ولو لا التشهد كانت لاء ه نعم

ترجمہ۔ آپ نے سوائے تشہد کے کبھی لا نہیں کہا اور اگر تشہد نہ ہوتی تو آپؐ کی لا نعم یعنی ہاں ہوتی۔

اور اس بیت کا ترجمہ وہ ہے جو ایک شاعر نے کہا ہے اور افسوس ہے کہ اس نے ایسا ایک ظالم کی تعریف میں کہا ہے جو اس کا حقدار نہ تھا۔ (اللہ تعالیٰ اسے معاف فرمائے)

؎ نرفت لا برزبان مبارکش ہرگز
مگر باشہد لن لا الہ الا اللہ

اگر بفرضا" آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مانگی جانے والی چیز موجود نہ ہوتی تو آپ سکوت فرماتے۔ اچھی بات کے ساتھ سائل کی دلجوئی فرماتے تھے لیکن واضح طور پر نہ فرماتے تھے کہ میں نہیں دیتا۔ نیز علماء نے کہا ہے کہ کلام میں لا کے لفظ کا استعمال عطاء سے منع کرنے کے لئے ہی نہ ہوتا تھا اور یہ بھی لازم نہیں کہ معذرت کے طور پر لا نہیں فرماتے تھے۔ چنانچہ ایک جماعت آپؐ کے پاس آئی۔ اس نے آپ سے غزوہ پر جانے کی خاطر سواری طلب کی۔ آپؐ نے فرمایا۔ لا اجد ما احملکم علیہ کوئی سواری نہیں پاتا جس پر تم لوگوں کو سوار کروں اس کے باوجود علماء نے کہا ہے کہ لا اجد ما احملکم علیہ اور لا احملکم میں فرق ہے اگرچہ آپ نے اشعریوں کے بارے میں ان کی طرف سے سواری طلب کرنے پر لا احملکم بھی فرمایا ہے۔ بلکہ بعض روایات میں تو قسم بھی یاد فرمائی ہے اور فرمایا۔ واللہ لا احملکم خصوصا" اس مقام پر اس چیز کا اقتضا تھا۔ کیونکہ اس وقت سواری موجود نہ ہوگی۔ اور سائل بھی جانتے ہوں گے کہ سواری موجود نہیں اس کے باوجود انہوں نے ضد دکھائی اور گستاخی کی پس ان کے لالچ کو قطع کرنے کے لئے تاکید فرمائی۔ یہ صورت مستثنیٰ ہوگی اور مخصوص ہوتی عموم کے مقابلے میں کذافی مواہب لدنیہ۔

بندہ مسکین ثبتہ اللہ فی الصدق والیقین (شیخ عبدالحق) کہتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر لفظ لا کے

جاری نہ ہونے سے مراد بخل و خست کی نفی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وسعت قلبی اور کشادہ دستی سے اس کی نسبت ہے اور جیسے کہ کنجوس اور کمزور لوگ کرتے ہیں آپؐ نہیں کرتے تھے اور اس عبارت سے اسی معنی کی طرف اشارہ ہے اور یہ مفہوم نہیں کہ آپؐ کی زبان پر کبھی لا لفظ آیا ہی نہیں کسی دیگر غرض کی خاطر' نیز وہ جو آیا ہے کہ ہر شخص جو چیز بھی آپؐ سے مانگتا تھا آپؐ عطاء فرماتے تھے۔ اس سے مراد جود و سخاوت کا اثبات ہے کہ آپؐ مانگنے والے کے حسب لیاقت عطاء فرمایا کرتے تھے اور بسا اوقات آپ سائلوں کی مصلحت ان کو مانگی چیز نہ دینے میں دیکھتے تو مصلحت وقت نظر میں رکھتے تھے۔ مثال کے طور پر عمل اور حکومت کہ باوجود مانگے جانے کے لئے آپ نے عطاء نہ فرمائی۔ تاکہ مسلمانوں کے امور میں انتظام میں اور اس شخص کے حالات کی اصلاح میں خلل نہ واقع ہو جائے اور بعض اوقات آپ منع فرما دیتے تاکہ وہ آدمی لالچ' سوال اور حرص و ہوا کی علت میں نہ پڑ جائے۔ اور ان رذیل کاموں میں مبتلا نہ ہو جائے۔ جیسے کہ حکیم بن حزام جو بارگاہ رسالت کا مقبول تھا اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا ہمشیرہ زادہ تھا۔ اس نے کوئی چیز طلب کی آپ نے نہ دی فرمایا میں خود عطاء کر سکتا ہوں لیکن اس کے ہمراہ کدورت اور کراہت ہو گی اور اس کی نصیحت فرمائی کہ حتی الوسع کسی سے سوال نہ کرنا کہتے ہیں حکیم بن حزام اس کے بعد یہاں تک پہنچ گیا کہ اس کے ہاتھ سے تازیانہ (کوڑا) بھی زمین پر گرتا تو ہرگز کسی کو نہ کہتے کہ اٹھا کر مجھے دے دو اور اس طرح ابوذر رضی اللہ عنہ نے عمل طلب کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ابوذر! تم کمزور اور ضعیف ہو عمل مت طلب کرو اور کسی سے بھی کسی چیز کے لئے سوال مت کرو خواہ تمہارے ہاتھ سے تازیانہ ہی کیوں نہ گرے کسی سے مت کہو کہ اٹھاؤ اور مجھے دے دو ابوذر غفاری اکابر صحابہ میں سے تھے اور آپ بہت بڑے زاہد تھے اور وہ اس مسلک کے حامل تھے کہ مال و متاع جمع کرنا اور ذخیرہ اندوزی کو حرام سمجھتے تھے اگرچہ یہ جمع مال و ذخیرہ اندوزی زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد ہی ہو۔

اس کی مانند ایک دیگر حدیث وارد ہوا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی جماعت کو دینے کے لئے کوئی چیز دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کے لئے جس کے حال سے وہ واقف تھے کوئی چیز دینے کے لئے التماس کی اور کہا کہ یا رسول اللہ! میں اپنے علم کے مطابق اسے مومن تصور کرتا ہوں۔ تین بار التماس کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بہت سے اشخاص ایسے ہیں کہ میں انہیں دوست رکھتا ہوں لیکن ان کو نہیں دیتا ہوں ان کے حال کے مطابق ان کی مصلحت اس میں دیکھتا ہوں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کے برابر اسے مومن یا مسلم فرمایا۔ تیسری بار جب حد سے بڑھ گئی تو آپ نے وہی فرمایا جو اوپر گزرا ہے۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ و تقدس کے اخلاق کے مطابق اخلاق ہے کہ جب کسی بندہ کو دوست رکھتا ہے تو دنیاوی آسائشوں سے نہیں دیتا اور دوسروں کو دیتا ہے جنہیں دوست نہیں رکھتا۔ ہاں، یہاں اس بات کا احتمال ہے کہ لا کا لفظ آپ کی زبان سے استعمال نہ کیا گیا ہو اور کسی اور طریقے سے بیان کیا ہو لیکن نظر تو معنی پر ہونی چاہیے الفاظ کا تبدل تو سہل ہے۔ واللہ اعلم۔ بالجملہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سائل کو رد نہ فرماتے تھے اگر چیز اپنے پاس حاضر نہ ہوتی تو فرماتے ہمارے نام پر قرض کے طور پر حاصل کر لو۔ جب ہمارے

پاس کچھ ہو گا تو ہم وہ قرض ادا کریں گے۔ ایک دفعہ ایک سائل حاضر ہوا تھا۔ آپؐ نے فرمایا میرے پاس تو کوئی چیز نہیں ہے۔
ہمارے نام پر قرض لے لو۔ عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب نے کہا کہ یا رسول اللہ اللہ تعالیٰ اس چیز کی تکلیف آپ کو نہیں دیتا۔
جو آپ کی قدرت میں نہ ہو۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ الصلوات والسلام کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ بات پسند نہ آئی۔
پس انصار میں سے ایک آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ عطا فرمائیں اور اللہ تعالیٰ مالک الارش کی طرف تنگی کا خدشہ نہ
رکھیں۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا اور آپ کے چہرہ انور پر تازگی و خوشحالی نمودار ہوئی اور فرمایا کہ مجھے
یہی کچھ حکم کیا گیا ہے۔ ترمذی نے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نوے ہزار لائے گئے تھے آپ نے
چٹائی پر رکھ لئے اور سب کے سب تقسیم کر دیئے۔ کسی سائل کو محروم نہ رکھا حتیٰ کہ آپ ان سے بالکل فارغ ہو گئے۔ اور
صحیح بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے
بحرین سے مال لایا گیا۔ آپ نے فرمایا اسے مسجد میں ڈال دو۔ اور خود مسجد سے باہر تشریف لے گئے اور مال کی طرف نگاہ بھی نہ
کی جب واپس مسجد میں تشریف لائے اور نماز سے فارغ ہو گئے تو اس مال کے پاس آ بیٹھے۔ اور کوئی ایسا شخص نہ تھا جس کو
اس مال سے نہ دیا گیا ہو (یعنی سب کو اس میں سے دیا)۔ اور عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ آئے اور عرض کیا یا رسول
اللہ! مجھے بھی اس مال سے عطا فرمائیں۔ کیونکہ میں نے اپنی ذات اور عقیل کو فدیہ میں دے دیا ہے۔ پس آپ نے اس کی
چادر میں اتنا مال ڈال دیا۔ کہ وہ اسے اٹھا نہ سکتے تھے۔ عرض کیا یا رسول اللہ! کسی کو حکم فرمایئے کہ میرے لئے یہ مال اٹھائے۔
آپ نے فرمایا چچا جان! نہیں۔ جتنا آپ خود اٹھا سکتے ہیں اٹھالیں اور یہ عباس رضی اللہ عنہ کے طمع کے قطع کرنے کے لئے اور
ان کی تہذیب و تادیب کے لئے تھا۔ پس عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے کندھے پر اٹھالیا اور روانہ ہو گئے۔ اور آنحضرتؐ صلی
اللہ علیہ وسلم اس کی جانب دیکھتے تھے اور اس کی حرص و لالچ پر تعجب فرماتے تھے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھ
کھڑے ہوئے اور ایک درہم بھی باقی نہ رہا۔ اور ابن ابی شیبہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں آیا ہے۔ صد ہزار درہم مال تھا جو
علائے بن حضرمی نے بحرین کے خراج سے بھیجا تھا۔ اور یہ سب سے پہلا مال تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لایا گیا تھا۔
اور جنگ حنین کے روز آپ کی جود و سخاوت کا ظہور اور آپ کی مہربانیوں کے باب کے کھلنے کا ظہور بے حد حساب و قیاس تھا۔
ہر ہر عرس کو سو سو اونٹ اور ہزار ہزار بکریاں عطا فرمائیں۔ اور آپ کی عطاء کا زیادہ تر حصہ اس روز تالیف قلوب کے لئے
تھا۔ تاکہ کمزور ایمان والے شخص دنیوی مدد کے ذریعے ثابت قدم ہو جائیں۔ صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ بھی ان میں سے
ایک تھے۔ اس کو پہلی دفعہ ایک صد بکریاں دوسری بار پھر سو بکریاں اور تیسری بار پھر سو بکریاں عطا فرمائی گئیں۔ اور راے غازی
جو واقدی کی کتاب ہے اس میں نقل کیا گیا ہے کہ اس دن حضرت صفوان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی دوسرا آدمی عطاء اور بخشش اس قسم کی جوانمردی سے نہیں کر سکتا۔ لہٰذا اعطاء و
بخشش سے آپؐ نے اس کے کفر کا علاج فرمادیا جو کہ اس کے اندر تھا۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ بن حرب اور ان کے بیٹے بھی
اسی مؤلفتہ القلوب والوں میں تھے۔ چنانچہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ آئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! سب سے زیادہ مالدار

قریش میں آج کے روز آپ ہی ہیں۔ اس میں سے کچھ مال ہمیں بھی عنایت فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ان چالیس اوقیہ چاندی اور ایک صد اونٹ دے دیئے جائیں ابوسفیانؓ نے عرض کی کہ اس کے بیٹے یزید کا حصہ بھی دے دیا جائے ابوسفیان کے ایک بیٹے کا نام یزید تھا اور وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے۔ اس ہی نام پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کا نام یزید رکھا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صد اونٹ اور چالیس اوقیہ چاندی اس کے حصہ میں بھی عطاء فرمائے۔ پھر ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میرے دوسرے بیٹے معاویہ کا حصہ عطاء فرمایا جائے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے حصہ کے بھی سو اونٹ اور چالیس اوقیہ چاندی عطا فرمانے کا حکم صادر فرمایا ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میرے پدر و مادر آپ پر قربان ہوں۔ خدا کی قسم آپ زمانہ جنگ میں بھی کرم کرنے والے ہیں اور زمانہ صلح میں بھی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے اور یہ واقعات و اخبار فتح ہوازن و حنین میں بیان کئے جائیں گے جو کہ فتح مکہ کے بعد رونما ہوئے اگرچہ دوہرائے جائیں گے لیکن یہ دہرانا نہیں ہے۔ ھوالمسک ما کورتہ یتضوع یہ تو نافہ کستوری ہے جتنی دفعہ بار بار کھولا جائے خوشبو کی مہک زیادہ ہوتی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہوازن کی چھ ہزار باندیوں کو لوٹا دیا تھا۔ اور مال غنیمت کا مجموعہ یہ ہے چھ ہزار آدمی۔ تقریباً چوبیس ہزار اونٹ اور کم و بیش چالیس ہزار بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی اور ایک اوقیہ وزن چالیس درہم کے برابر ہے۔ اور صاحب مواہب لدنیہ نے کہا ہے کہ حنین کے دنوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جن لوگوں کو مال عطاء فرمایا وہ تعداد میں تقریباً پانچ ہزار تھے۔ پس بندہ مسکین ثبتہ اللہ علیٰ الطریق حق والیقین (شیخ عبدالحق) کہتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جود و سخاء بے حد و حساب اور بے اندازہ تھی اور آپ کی عطاء و بخشش صرف حاضر مال پر انحصار نہ رکھتی تھی بلکہ اس قسم کے اگر لاکھ دو لاکھ بھی ہوتے تو ان کے لئے بھی یہی حکم ہوتا۔

؎ فان لمن جودک الدنیا و ضرلھا
ومن علومک علم اللوح والقلم

اور سخاء و کرم اور جود و عطاء کی حقیقت ثابت ہونے کے لئے بالفعل یہ صفت ہونے کی شرط نہیں۔ وہ صفت تو ذاتی اور نفسی ہے اور اس کے اثر کا ظہور دیگر چیز ہے اور خلاصہ یہ کہ جو کچھ بھی ہاتھ لگتا تھا عطا کر دیتے تھے اور اس طرح عطاء و بخشش کرتے تھے کہ فقر و خالی ہاتھ ہونے کا اندیشہ نہ کرتے تھے۔

ہرچہ آمدے بدست بدادے تو پیش ازیں این جود آں کس است کش از فقر عار نیست

اور جب کسی محتاج کو دیکھتے تو باوجود ضرورت ہونے کے اپنا طعام اور پانی وغیرہ ایثار کر دیتے۔ آپ عطا و تصدیق اور ایثار میں تنوع کرتے تھے۔ کبھی ہبہ فرما دیتے، کبھی حق دیتے کسی کو قرض سے رہائی دلاتے اور کبھی صدقہ دیتے کبھی ہدیہ کر دیتے اور کپڑا خریدتے اس کی قیمت ادا فرماتے اور پھر کپڑا کپڑے والے کو بخش دیتے اور کبھی قرض لیتے تو اصل قرض سے زیادہ ادا کرتے اور کبھی کپڑا خریدتے تو قیمت سے زیادہ ادا کرتے اور کبھی ہدیہ قبول فرماتے اور اس سے زیادہ انعام فرما دیتے۔

ایک بار ایک عورت ایک طباق لے کر آئی جس میں کھجوریں تھیں جن پر دھاریاں تھیں نرم سی روئیں تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ بہت پسند تھیں۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بحرین سے آئے ہوئے زیورات جو سونے کے بنے ہوئے تھے ان سے اس کے ہاتھ بھر دیئے اور اس کو دے دیئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر طریقے سے خیرات و عطیات تقسیم فرمایا کرتے جس طرح بھی ممکن ہوتا تھا اور بذات خود فقیرانہ زندگی بسر فرماتے تھے اور ایک ایک دو دو ماہ گزر جاتے تھے کہ گھر میں آگ تک نہ جلائی جاتی تھی اور بسا اوقات پیٹ پر پتھر باندھے ہوئے تھے بوجہ بھوک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فقر تنگدستی کے باعث اور اضطراری نہ تھا بلکہ زہد کی وجہ سے تھا اور جود و سخاوت کی وجہ سے تھا اور کبھی ازواج مطہرات کے لئے ایک سال کا خرچہ مہیا فرما دیتے تھے لیکن اپنے لئے کچھ نہ رکھتے تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم علی الاطلاق بنی آدم میں سب سے زیادہ جود و سخا کرنے والے تھے جیسے کہ وہ سب سے زیادہ افضل، علم والے، بہادر اور کمال والے تھے تمام اوصاف و اخلاق میں اور آپ کی عطاء بخشش تمام اقسام پر مشتمل تھی۔ خواہ وہ علم اور مال کی عطاء ہو۔ یا دین اسلام کے اظہار اور بندوں کی ہدایت کے لئے ذاتی کوشش صلی اللہ علیہ وسلم۔

شجاعت نبوی و قوت دست نبوی صلی اللہ علیہ وسلم وصل:۔ شجاعت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بازوؤں کی قوت اور شدت زور کے بیان میں۔ صحاح میں ہے کہ خوف کے وقت بزدلی اور دلیری دکھانے کو شجاعت کہتے ہیں اور شفاء میں ہے کہ شجاعت غضب کی فراوانی اور امور عقل کو اس کے ماتحت کرنے کا نام ہے۔ اور قاموس میں ہے کہ شجاعت خوف کے وقت دل کی مضبوطی ہے اور اس صفت کا حسن و جمال بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں اسی طرح تھا۔ جیسے کہ کمال سخاوت، بسا اوقات سختی اور شدت کے وقتوں پر جب کہ تمام اولاد اور دلیر آدمی بھاگ جاتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ثابت قدم اور قائم رہتے تھے۔ اپنی جگہ سے ہرگز نہ ہلتے تھے اور نہ پیچھے ہٹتے تھے۔ جنگ حنین کے روز کافروں کے تیروں کی برسات سے صحابہ کرام میں ایک قسم کی بے قراری، پریشانی تزلزل، فراری اور ڈگمگاہٹ نمودار ہو گئی تھی سوائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جو کہ اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کی تھی اور اپنی بغلہ شریف پر سوار تھے۔ ابو سفیان بن الحارث بن عبد المطلب نے آپ کی سواری کی لگام پکڑی ہوئی تھی اور کھڑے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ حملہ کریں۔ پس آپ سواری سے نیچے اترے اور خدا تعالیٰ سے مدد چاہی ایک مٹھی خاک کی اٹھائی اور دشمنوں کی طرف پھینکی اور کافروں میں سے کوئی شخص ایسا نہ رہا جس کی آنکھیں اس مٹی سے پر نہ ہو گئی ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے تھے۔

؎ انا النبی لا کذب انا ابن عبدالمطلب

ترجمہ: میں نبی ہوں کوئی جھوٹ نہیں میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔

اور اس دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ شدت والا کوئی دیگر شخص نہ دیکھا گیا تھا۔ ذکر آیا ہے کہ جب مسلمان اور کافر بایکدگر گتھم گتھا ہو گئے مسلمان بھاگ اٹھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت حملہ فرمایا۔ ابو سفیان بن

حارث آپ کی رکاب تھامے تھے اس وقت انصار کو آواز دی گئی اور مسلمان حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے گرد جمع ہونے لگے۔ مسلمانوں کو نصرت وفتح نصیب ہوئی۔ یہ تمام واقعہ مناسب مقام پر انشاء اللہ بیان کیا جائے گا۔ اور ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ شجاع۔ دلیر سخی اور اللہ تعالیٰ سے راضی کسی شخص کو نہیں دیکھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ جب آتش جنگ گرم ہوئی اور آنکھیں بند ہو گئیں یہ اشارہ ہے کہ سخت جنگ ہونے لگی تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پناہ ڈھونڈی اس وقت دشمنوں کے زیادہ نزدیک حضور علیہ الصلوۃ السلام ہی تھے اور جنگ میں آپ تمام آدمیوں سے زیادہ سخت تھے اور علماء سیر کہتے ہیں کہ لوگ اس کو بہادر سمجھتے تھے جو دشمنوں سے نزدیکی کے لحاظ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ قریب ہوتا تھا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بڑے سے بڑا کوئی بھی لشکر ایسا نہ آیا تھا جس پر سب سے پہلے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حملہ نہ کیا۔

حکایت۔ ایک شب مدینہ شریف میں شور و غوغا اٹھا اور خوف و خدشہ ہوا کہ شائد کوئی چور یا دشمن آگیا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جلدی سے سب سے پہلے اٹھے۔ اپنے گلے میں شمشیر لٹکائی اور ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے پر جو بڑا سست رفتار تھا سوار ہو کر جدھر سے آواز آرہی تھی اس طرف روانہ ہو گئے اور واپسی کے وقت راستے میں جو آدمی ملے جو باہر آئے تھے اور اس طرف کو جا رہے تھے۔ حضور علیہ الصلوۃ السلام نے فرمایا واپس چلے جاؤ کوئی قصہ نہیں ہے اور وہ ابو طلحہ کا گھوڑا۔ جو نہایت سست تھا وہ آپ کی سواری میں اتنا تیز ہو گیا کہ کوئی گھوڑا اس تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ اور اس کے ساتھ برابری نہ کر سکتا تھا اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے تھا۔ دراصل جس کسی کو آپ قوت بخش دیں اور مدد فرما دیں خواہ وہ کتنا ہی سست ضعیف نامراد اور ناتوان ہو اس طرح قوی توانا اور مفید ہو جاتا ہے کہ کوئی شخص اس کے مقام تک نہیں پہنچ سکتا اور برابری نہیں کر سکتا۔

؎ تو میرا دل وہ و دلبرے ہیں
روبہ خویش خواب و شیرے ہیں

نیز شعر عرض ہے۔

؎ ومن یکن برسول اللّٰہ نصرتہ
ان یلقہ الاسد فی اجامھا تجم

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قوت بازو اور طاقت و بہادری میں ایسے تھے کہ ساری دنیاء کے پہلوان آپ کے سامنے نہ ٹھہر سکتے تھے اور محمد بن اسحاق نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے کہ مکہ میں رکانہ نامی ایک آدمی تھا۔ وہ کشتی لڑنے میں بڑا شدید القوت تھا اور اس فن میں منفرد تھا۔ بڑی بڑی دور سے لوگ اس کے ساتھ مقابلے کے لئے آتے تھے وہ ان سب کو پچھاڑ دیتا تھا۔ اچانک کسی گھاٹی سے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آگیا۔ آپ نے اس سے فرمایا۔ رکانا! تو خدا سے کیوں نہیں ڈرتا اور میری دعوت اسلام کیوں قبول نہیں کرتا۔ رکانہ نے کہا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کوئی ایسی چیز پیش

کرو جو تمہاری سچائی کی تصدیق کرے۔ آپ نے فرمایا اگر میں تمہارے ساتھ کشتی کروں اور تمہیں گرادوں تو کیا ایمان لے آؤ گے۔ اس نے کہاہاں تو آپ نے فرمایا پھرتیار ہو جاؤ پس وہ کشتی کے لئے آمادہ ہو گیااور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کپڑوں میں ہی تھے اور چادر و تہبند پہنے ہوئے تھے۔ پس وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک آیا آپ نے اس کا بازو پکڑا اور اس کو زمین پر پٹخ دیا۔ پس رکانہ حیران اور متحیر رہ گیا۔ آنحضرتؐ سے اس نے درخواست کی کہ چھوڑ دیں اور دوبارہ کشتی کریں۔ حضور علیہ السلام نے اس کو دوبارہ اور پھر تیسری دفعہ بھی گرادیا۔ پس رکانہ متعجب ہو گیااور کہنے لگاکہ آپؐ کی شان عجب ہے۔ اسی قدر حدیث میں علماء نے بیان کیا ہے اور یہ ذکر نہیں کیاکہ وہ ایمان لایا یا نہ لایا۔ واللہ اعلم۔ اس کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دیگر لوگوں نے بھی کشتی لڑی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب پر غالب تھے۔ ابوالاسد جمحی بڑا طاقتور تھا۔ وہ گائے کی کھال پر پاؤں رکھ کر کھڑا ہو تا تھاتو لوگ اس کے نیچے سے کھال کھینچ لینے کے لئے پورا زور لگاتے تھے۔ اس طرح کھال تو پھٹ جاتی تھی لیکن اس کے نیچے سے نہ نکل سکتے تھے اور وہ اپنی جگہ سے بالکل نہ ہٹتا تھا۔ ایک دفعہ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آواز دی کہ اس کے ساتھ کشتی کریں اور کہاکہ اگر مجھے زمین پر گرادیں تو آپ پر ایمان لاؤں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو زمین پر پچھاڑ دیا۔ پھر بھی وہ ایمان نہ لایا۔ یہ لمبی کہانی ہے اور اس کا ذکر اپنے مناسب مقام پر موجود ہے۔

حیاء و شرم **وصل:-** آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حیاء کے بیان ہیں۔

حیاء کے معنی شرم کرنے کے ہیں اور اس کا مادہ حیات ہے۔ یہی مقام ہے جہاں حیاء کے معنی بارش کے ہیں۔ کیونکہ بارش حیات کا سبب ہے لیکن وہ متصور ہے اور شرم بھی دل کی زندگی سے ہے اور اس کے اندازہ پر ہے۔ جس کسی کا دل زیادہ زندہ ہو اس کی خلق و حیاء بھی زیادہ قوی ہوتے ہیں __________ لغت میں حیاء کے معنی تغیر اور انکساری کے ہیں جو انسان کو خوف اور عیب دار چیز کے وقوع سے عارض ہوتا ہے۔ اور شریعت میں ایسے اخلاق کو کہتے ہیں جو قبیح چیزوں سے اجتناب کا سبب بنتا ہے اور تقصیر سے باز رکھتا ہے حق والے کے حق میں اور حیاء کو ایمان کا حصہ بھی شمار کرتے ہیں کیونکہ الحیاء من الایمان حدیث ہے اگر غریزی صفت ہے یعنی طبعی اور خلقی ہے اس کا استعمال شریعت میں قصد اور علم اکتساب کا محتاج ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اس حیاء سے مراد اکتساب ہے یعنی حاصل کرنے والی صلاحیت کہ صاحب شریعت نے اسے ایمان کا حصہ شمار کیا ہے۔ اور اس کے حصول کے لئے مسلمان کو مکلف کیا ہے اور غریزی ہوتی تو اس تکلف کا اجراء نہ ہوتا لیکن جس کسی میں یہ صفت غریزی ہے اس کے لئے اس کا حصول معین ہوتا ہے اور رفتہ رفتہ غریزی کے حکم میں لے جاتی ہے۔ مخفی نہ رہے کہ اس قسم کا کلام و بحث تمام غرائز میں ہے اور سخاوت اور شجاعت جیسی صفات کہ جن کے کرنے کا حکم اور ان کی ضد سے ممانعت ہے اور ان صفتوں میں وعدہ وعید وارد ہوئے ہیں اور یہ سب ایمان کی شاخیں ہیں۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم میں ہر دو قسم کی حیاء اتم درجہ کی تھی۔ کیونکہ آپؐ کے پاک دل کی حیات اور شرعی مکروہات سے گریز سب سے زیادہ قوی تھا۔ اتم و اکمل اور افضل تھا اور بخاری شریف کی حدیث حضرت ابوسعید خدری

رضی اللہ عنہ سے روایت آئی ہے کہ

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اشد حیاء من العذراء فی خدرھا۔

ترجمہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو شیزہ عورت اور اس کے حجاب سے زیادہ سخت حیاء کرتے تھے۔

صراح میں مخدرہ کے معنی ہیں پردہ نشین عورت۔ خدرہا کا استعمال عرف اور عادت کی بنا پر ہے کہ کنواری عورت پردہ میں ہوتی ہے۔ یہ قید اتفاقی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اس قید کا ذکر اس لئے ہے کہ پردہ نشین یعنی باکرہ عورت کا حیاء بہت ہوتا ہے۔ اس کا حیاء خلوت میں اور پردہ میں بہ نسبت بغیر پردہ عورت کے زیادہ ہوتا ہے پس ظاہر یہ ہے کہ دیگر قید بھی آپ کی بڑھ کر خوبی ہے کہ جب کوئی آپ کے پاس آتا تو آپ باہر تشریف لے آتے ورنہ خلوت میں تنہا رہتے۔ خلوت موجب حیاء نہیں ہوتا اور اس مقام پر ان تکلفات کا ذکر بدمزگی سے خالی نہیں اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی طرف سے اس تشبیہ کا ذکر ادب و تعظیم کے ذائقہ پر بھلا معلوم نہیں ہوتا لیکن مقصد کے بیان میں مبالغہ کی خاطر واقع ہوا ہے۔

مشائخ طریقت حیاء کے بارے میں۔ حیاء کی تشریح و تفسیر میں مشائخ طریقت کے چند اقوال ہیں۔ حضرت ذوالنون مصری قدس سرہ نے کہا ہے جو کچھ تمہاری طرف سے پروردگار کی طرف پہلے بھیجا گیا ہے۔ دل میں وحشت کے ساتھ ہیبت کے پائے جانے کا نام حیاء ہے۔ فرمایا

الحب ینطق والحیاء یسکت والخوف یقلق

محبت محبوب کی مدح و ثناء میں قوت کلام دیتی ہے اور ادائے حقوق میں کوتاہی کی بناء پر حیاء ساکت (خاموش) بنا دیتا ہے اور خوف بے آرام رکھتا ہے۔ یحییٰ بن معاذ رازی کا قول ہے کہ جو کوئی خدا سے شرم کرتا ہے اطاعت میں اللہ تعالیٰ گناہ کے وقت اس سے شرم رکھتا ہے۔ اور کبھی حیاء کرم اور خوف سے پیدا ہوتا ہے۔ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جماعت سے حیاء فرمایا۔ جو حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی دعوت ولیمہ پر آئی تھی اور دیر تک وہ لوگ آپ کی مجلس میں ٹھہرے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حیاء فرماتے تھے کہ ان کو اٹھائیں اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا فاذا طعمتم فانتشروا کھانا کھا لینے کے بعد منتشر ہو جایا کریں۔ پھر ارشاد ہوا۔ کان ذلک یوذی النبی فیستحی منکم واللہ لا یستحی من الحق اور کسی وقت حیاء بندگی میں ہوتی ہے کہ محبوب کی عظمت و کمال کے مطابق عبودیت نہیں ہوتی اور حیاء کی دیگر قسم وہ حیاء ہے۔ جو اپنے آپ سے ہو اور وہ حیاء شریف لوگوں میں ہوتی ہے جو ادنیٰ مرتبے پر راضی ہونے اور نقص پر راضی ہونے میں ہے۔ پس چاہیے کہ اپنے آپ کو حیاء دار بنایا جائے۔ یعنی اپنے آپ سے حیاء محسوس کرے گویا کہ اس میں دو نفس یا ذاتیں ہیں اور ایک ذات دوسری ذات سے حیاء کرتی ہے۔ حیاء کی قسموں میں سے یہ سب سے کامل ہے۔ کیونکہ جب آدمی اپنے آپ سے حیاء کرتا ہے تو دوسرے سے بڑھ کر کرے گا۔ جس طرح مواہب لدنیہ میں ذکر کیا گیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ الحیاء لا یعطی الا بخیر یعنی حیاء سے خیر (بھلائی) ہی ملتی ہے۔ دوسری ایک روایت میں ہے۔ الحیاء

خیر کلہ حیاء سراپا بھلائی ہے حدیث میں ذکر ہے کہ ایک آدمی اپنے بھائی سے حیاء کرنے کی نصیحت کرتا تھا گویا اس کا بھائی لوگوں سے حیاء کی وجہ سے اپنے حقوق طلب نہ کرتا تھا۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے چھوڑ دو کیونکہ حیاء ایمان کا حصہ ہے۔ حیاء کے آثار میں سے ہے لوگوں کے عیبوں سے اور اپنی طبیعت کے لئے ناپسند چیزوں سے تغافل اور چشم پوشی۔ اس بارے میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم تمام عوام الناس سے زیادہ سخت تھے۔ اس صفت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آدمی آیا جس کے چہرے پر زرد رنگ زعفران کی طرح تھا جو کسی عورت وغیرہ سے لگا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کچھ نہ کہا۔ جب وہ باہر چلا گیا تو کسی سے کہا اس کو کہہ دے کہ چہرے پر سے زردی دھوے اور ایک روایت میں ہے کہہ دو کہ اپنے بدن سے کپڑے اتار ڈالے۔ مخفی نہ رہنا چاہیے کہ یہ حکم غیر واجب اور حرام کے بارے میں ہو گا ورنہ صرف زردی کے بارے میں روایات موجود ہیں کہ مباح ہے۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی حیاء اس طرح تھی کہ آپ کسی کے چہرے پر نظر بھر کر نہ دیکھتے تھے اور کسی کے عمل کے بارے میں آپ کو اطلاع پہنچتی تو اس کو آپ یہ نہ کہتے کہ کیا حال ہو گا جو اس طرح کہتا ہے یا اس طرح کرتا ہے بلکہ یوں کہتے تھے کہ اس قوم کا کیا حال ہو گا جو اس طرح کہتی ہے یا اس طرح کرتی ہے اور اس فعل سے ممانعت فرما دیتے تھے لیکن اس فعل کے کرنے یا کہنے والے کا نام نہ لیتے تھے۔ اس عبارت میں کلیہ اور قائدہ ہے (یعنی آپ کا یہ کلیہ اور قاعدہ تھا) اور صحیح حدیث میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فحش کلام والے نہ تھے اور نہ وہ کسی کو برا کہتے تھے۔ نہ بلند آواز سے بولتے تھے۔ نہ بازاروں میں شور کرتے تھے اور بدی کا بدلہ بدی نہیں دیتے تھے بلکہ عفو و درگزر کرتے تھے اور اس طرح کی ایک حکایت توارت سے بھی ہے بذریعہ نقل عبداللہ بن سلام اور عبدالرحمٰن بن عمر بن العاص۔

شفقت و رحمت و رافت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وما ارسلنک الا رحمة للعالمین۔ اور فرمایا لقد جاء کم رسول من انفسکم عزیز علیہ ماعنتم حریص علیکم بالمومنین رؤف الرحیم۔ شفقت مہربانی کو کہا جاتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شفیق ہیں مہربانی فرمانے والے۔ اشفاق کے لغوی معنی ڈرنا ہیں اور شفقت میں بھی یہ مفہوم پایا جاتا ہے۔ کیونکہ شفقت کرنے والا ڈرتا ہے کہ کوئی گزند یا نقصان نہ پہنچے اس لئے حرص کے لفظ کے ساتھ آپ کی تعریف کی گئی ہے۔ کیونکہ صلاح اور درستگی کی نصیحت کرنے والے ہیں نصوح و رافت سخت رحمت ہے۔ صداح میں رحمت کے معنی بخشش و مہربانی کرنا ہیں اور رافت کا معنی ہے بہت زیادہ بخشنا اور مہربان ہونا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شریعت اس کے احکام اور ان کے ترک میں اپنی امت پر آسانی اور تخفیف کرنے والے تھے اور بعض افعال چھوڑ دیتے تھے۔ اس خدشہ پر کہ کہیں امت پر فرض نہ کر دیئے جائیں جس طرح کہ ہر نماز کے لئے مسواک کا چھوڑ دینا یا عشاء کی نماز میں تاخیر کو ترک کرنا یا صوم وصال کو چھوڑ دینا وغیرہ وغیرہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے دعا فرمایا کرتے تھے کہ تبرہ اور لعنت کو رحمت، قربت اور پاکیزگی کا موجب بنا دے اگر کبھی آپ باجماعت نماز کے دوران کسی بچے کے رونے کی آواز سنتے

تھے جب کہ حمل کی ماں نماز میں مصروف ہوتی تو آپ نماز ہلکی کر دیتے تھے۔ تاکہ اس کی والدہ فتنہ میں نہ پڑے اور آپ کہا کرتے تھے کہ کوئی شخص میرے پاس ایسی بات نہ پہنچایا کرے جو مکروہ اور ناپسند کی جانے والی ہو۔ کیونکہ میں یہ پسند رکھتا ہوں کہ جس وقت آپ کے پاس آؤں تو میرا سینہ بالکل پاکیزہ و صاف ہو۔ جب قوم قریش نے آپ کو جھٹلایا اور بڑی تکلیفیں دیں۔ تو جبریل حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ پہاڑوں پر مقرر فرشتہ کو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے جب کہ جملہ پہاڑ اس کے قبضہ و تصرف میں ہیں کہ جو محمد فرمائیں وہ بجالاؤ (صلی اللہ علیہ وسلم) لہٰذا فرشتہ نے عرض کیا۔ یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) فرمایئے آپ کی کیا خواہش ہے اگر آپ چاہیں تو میں اخشبین کو ان پر گرادوں اور اخشبین اس پہاڑ کا نام ہے جس میں مکہ کا شہر واقع ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نہیں چاہتا کہ یہ ہلاک ہو جائیں۔ امید رکھتا ہوں کہ حق تعالیٰ پروردگار ان کی پشتوں سے کسی کو پیدا فرمائے گا جو خدا کی عبادت کرے گا اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے گا اور اس کی داستان طویل ہے جو ذکر کی گئی ہے آپ کی بعثت کے بعد دوسرے سال میں نیز روایت کیا گیا ہے۔ کہ جبریل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان اور پہاڑوں کو حکم دیا ہے کہ وہ سب آپ کی اطاعت بجالائیں اور جو کچھ آپ حکم دیں وہ بجالائیں اور آپ کے دشمنوں کو ہلاک کر دیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں پسند کرتا ہوں کہ صبر کروں اور تاخیر کروں اپنی امت کے لئے عذاب میں شاید کہ حق تعالیٰ انہیں بخش دے اور ان پر ان کے توبہ کرنے کے بعد رحمت نازل فرمائے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دو باتوں میں اختیار دیتے تھے تو آپ ہمیشہ ان دونوں میں سے آسان بات کو اختیار فرماتے تھے اس قول کے بہت سے معانی اور تاویلات ہیں۔ سب سے زیادہ ظاہر اور اقرب معانی یہ ہیں وہ بات اختیار فرماتے تھے جو امت کے لئے آسان ہوتی تھی اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارا خیال رکھتے تھے اور ہمیں تیار کرتے تھے پھر ذکر و وعظ فرماتے تھے۔ مراد یہ ہے کہ کبھی کبھی ذکر و وعظ فرماتے تھے نہ کہ ہمیشہ ہی۔ تاکہ اس سے ملالت اور اکتاہٹ نہ ہو۔

وصل:۔ در بیان خلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور **وفاداری، حسن عہد، صلہ رحمی اور تیمارداری**

وفاء حسن عہد، صلہ رحمی اور تیمارداری اور عہد کو تازہ کرنا حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور ہدیہ پیش کیا جاتا تھا تو آپ فرمایا کرتے تھے اسے فلاں عورت کے پاس لے جائیں کیونکہ وہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی دوست تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ فرماتی ہیں۔ میں نے کبھی کسی عورت پر رشک نہیں کیا جس طرح کہ میں نے خدیجہ رضی اللہ عنہا پر رشک کیا۔ کیونکہ آنحضرتؐ ان کو بہت یاد فرماتے تھے اگر آپ کوئی بکری ذبح فرماتے تو گوشت ان عورتوں کو بھیج دیتے جو خدیجہ رضی اللہ عنہا کی دوست ہوا کرتی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک عورت آئی تو آپ نے بڑی شادمانی اور سبک روحی کا اظہار فرمایا۔ اس کی بڑی خاطر تواضع فرمائی۔ جب وہ عورت چلی گئی تو آپ نے فرمایا کہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے زمانے میں یہ عورت ہمارے ہاں آیا کرتی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وضعداری ایمان ہے۔

نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام قریبیوں کا بڑا لحاظ فرماتے تھے اور ان کی امداد فرماتے تھے اور انہیں ترجیح دیتے تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ ابو فلاں کی آل میری دوست نہیں ہے اور بعض طریقوں سے روایت آئی ہے کہ آپؐ فرماتے تھے کہ میرا کوئی دوست نہیں ہے۔ سوائے خدا تعالیٰ کے اور صالح مومنوں کے ہاں ان لوگوں کے لئے رحم ہے جو میں نرمی کرتا ہوں۔ یعنی ان سے تھوڑا احسان کرتا ہوں۔ جیسے کہ کسی کے چہرے پر پانی چھڑکنا اور علماء نے کہا ہے۔ آل ابی فلاں سے مراد ابن ابی العاص ہے اور اس جماعت کا حال معلوم ہے اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام امامہ بنت زینب کو اٹھا لیتے تھے۔ نماز کے دوران اپنے کندھے مبارک پر۔ جب سجدہ میں جاتے تو اس کو زمین پر رکھ دیتے تھے اور جب اوپر اٹھتے تھے تو دوبارہ اس کو اٹھا لیتے تھے۔ شفقت و مہربانی جو اولاد پر تھی اور یہ امامہ بنت زینب کو اٹھا لینا اور پھر زمین پر بٹھانا یا رکھنا آپ کا اپنا فعل نہ تھا بلکہ امامہ خود آکر چمٹ جاتی تھی اور جب آپ سجدہ میں جاتے تھے تو وہ گر پڑتی تھی۔ تاکہ یہ نہ کہا جائے کہ یہ فعل آپ کا کثیر تھا۔ نماز میں بلکہ ظاہر یہ ہوتا ہے کہ ایسا فعل نماز میں ہوتا تھا۔ واللہ اعلم۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب (حبشہ کے حکمران) نجاشی کا وفد آیا تو حضور کھڑے ہو گئے اور ان کی خدمت کرنے لگے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ کام ہمارے سپرد فرما دیں۔ آپؐ نے فرمایا انہوں نے میرے صحابہ پر مہربانیاں کیں اور مجھے پسند یہ ہے کہ میںؐ اس کا بدلہ خود چکاؤں اور یہ حکایت تواضع کے باب میں بھی گزر چکی ہے۔

ابن اثیر نے شیماء کا ذکر صحابیات میں کیا ہے جو کہ آپ کی رضاعی بہن تھی اور حلیمہ سعدیہ جو شیماء کی والدہ تھی یہ شیماء اپنی والدہ کے ساتھ مل کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت و پرورش کرتی تھی۔ یہی شیماء بنی ہوازن کی قیدی عورتوں کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی پہچان کرائی۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے اپنی چادر بچھائی (ان کو اس پر بٹھایا) اور فرمایا کہ اگر آپؐ پسند فرمائیں تو میرے پاس ہی قیام کریں آپ بڑی عزت و احترام اور محبت سے رہیں گی اور آپ کو مال و منال سے بھی بہرہ ور فرماؤں گا یا واپس اپنی قوم کے پاس چلی جائیں۔ پس اس نے اپنی قوم کے پاس جانا پسند کیا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مال اور سامان کے ساتھ بھیجا اور ابو الطفیل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جب کہ میں ابھی بچہ ہی تھا ناگاہ ایک عورت آپ کے پاس آئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر اس کی خاطر بچھا دی۔ وہ اس پر بیٹھی میں نے پوچھا کہ یہ عورت کون ہے تو صحابہ نے بتایا کہ یہ وہ عورت ہے جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا۔ ظاہر ہے وہ حلیمہ سعدیہ ہی ہوں گی۔ علامہ ابن عبداللہ نے استیعاب میں لکھا ہے کہ وہ حلیمہ سعدیہ تھیں اور علماء نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آٹھ عورتوں نے دودھ پلایا ہے۔ یہ بھی انہیں میں سے ہوگی۔ (واللہ اعلم)

عمر بن سائب کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز بیٹھے ہوئے تھے۔ پس آپ کا رضاعی باپ آپ کے حضور میں آئے۔ آپ نے اس کے لئے اپنا کپڑا بچھا دیا۔ وہ اس پر بیٹھ گئے۔ اس کے بعد آپؐ کی رضاعی والدہ تشریف لائیں تو اپنی چادر کی دوسری جانب سے ان کے لئے ایک کونہ بچھایا۔ اور وہ اس پر بیٹھ گئیں۔ بعد ازاں آپؐ کا رضاعی بھائی آئے۔ پس

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کے لئے اٹھے اور اس کو بٹھایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابولہب کی لونڈی ثوبیہ کو کھانا اور کپڑے وغیرہ بھیجا کرتے تھے۔ کیونکہ اس نے آپ کو دودھ پلایا تھا اور ثوبیہ جب فوت ہو گئی تھی تو آپ نے دریافت فرمایا کیا اس کے قریبیوں میں سے کوئی موجود ہے لوگوں نے بتایا کہ کوئی نہیں ہے اور خدیجہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں آیا ہے کہ انہوں نے حضور سے کہا تھا۔

البشر فواللہ لا یحزنک اللہ ابدا انک لتصل الرحم و تحمل الکل و تکسب المعدوم و تقری الضیف و تعین علی نوائب الحق صلی اللہ علیہ وسلم۔

ترجمہ: آپ کو خوشخبری ہو کہ خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی غمزدہ نہ کرے گا کیونکہ آپ تو صلہ رحمی کرتے ہیں یتیموں کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔ معدوم کا کسب فرماتے ہیں۔ مہمان کو اپنے پاس ٹھہراتے ہیں اور حق کی طرف دستگیری اور مدد فرماتے ہیں۔

عدل، امانت، عفت اور صدق کلامی وصلہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں میں سب سے زیادہ امانت دار تھے اور سب سے زیادہ عدل کرنے والے مہربانی کرنے والے اور سچ بولنے والے تھے کہ اس کا اعتراف تو دعویٰ نبوت سے پہلے تمام دشمن بھی کرتے تھے اور اظہار نبوت سے پہلے آپ کو محمد الامین کے نام سے پکارتے تھے۔ ابن اسحاق نے کہا ہے کہ امین اس لئے آپ کا نام ہو گیا تھا کہ آپ کی ذات شریف میں تمام اچھے اخلاق جمع کر دیئے گئے تھے اور حق تعالیٰ کا فرمان ہے۔ مطاع ثم امین

بیشتر مفسرین نے کہا ہے کہ اس سے مراد محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ کذا قال فی الشفاء اور جب قریش کے چار قبائل نے اختلاف کیا کہ کون تعمیر کعبہ کے وقت حجر اسود کو اٹھا کر اس کے مقام پر نصب کرے گا تو سب نے اتفاق کیا کہ جو آدمی کل سب سے پہلے آنے والے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے تو سب نے کہا کہ یہ محمد ہے (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ امین ہے جو کچھ یہ حکم کرے ہم راضی ہوں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چادر منگوا کر بچھائی اور اس پر حجر اسود رکھا۔ اس کے چاروں کونے چاروں قبائل کو پکڑائے اور خود حجر اسود کو اٹھا کر اس کی جگہ پر رکھ دیا اور یہ قبل از نبوت کا واقعہ ہے اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کی پیدائش کے سال میں اور قبل از نبوت مکہ کے قریش حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا ثالث بنایا کرتے تھے۔ آپ فرماتے تھے۔

واللہ انی لامین فی السماء وامین فی الارض

ترجمہ: اللہ کی قسم میں آسمانوں میں اور زمین میں امین ہوں (ہر دو جگہ پر)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابو جہل لعنۃ اللہ علیہ نے آنحضرت سے کہا کہ ہم تمہاری تکذیب نہیں کرتے اور نہ تجھے دروغ گو (جھوٹا) کہتے ہیں بلکہ ہم اس چیز کو جھٹلاتے ہیں جو تو لایا ہے دین۔ یہ بات تو یاوہ گوئی نامعقول ہے اور متناقص ہے۔ اس وجہ سے کہ جب تم آپ کو سچا اور راست گو سمجھتے ہو تو جو کچھ وہ فرماتے ہیں اس کی بھی تصدیق کرو پھر

یہ دشمنی اور تکبر کیوں کرتے ہو۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی تھی۔

فانھم لایکذبونک ولکن الظالمین بایات اللہ یجحدون

اے محبوب! بے شک یہ آپ کو جھوٹا نہیں کہتے لیکن یہ ظالم اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں۔

اس کی ایک اور بھی تفسیر ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! کافر لوگ تمہیں جھوٹا نہیں کہتے۔ لیکن یہ ظالم لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتے ہیں۔ یعنی آپ غم نہ کریں۔ ان کا جھگڑا تو میرے ساتھ ہو گیا ہے۔ میں ہی ان کو سزا دیتا ہوں۔ جس طرح کہ ایک جماعت کسی کے غلام کو ایذاء دے اور تکلیف دے۔ پس آقا اپنے غلام سے کہتا ہے کہ وہ تمہیں تنگ نہیں کرتے اور ایذاء نہیں دیتے بلکہ یہ سب کچھ میرے ساتھ کرتے ہیں۔ اب میں جانوں اور وہ۔

علماء نے نقل کیا ہے کہ اخنس بن شریق نے جنگ بدر کے دن ابو جہل سے ملاقات کی۔ اخنس نے کہا اے ابوالحکیم یہاں میرے اور تمہارے سوا کوئی دوسرا نہیں کہ ہماری بات کو سنے۔ مجھے خبر دے کہ آیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں۔ یا جھوٹے۔ پس اس ملعون نے کہا۔ اللہ کی قسم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) راستی پر ہیں سچے ہیں۔ جھوٹ بولنے والے نہیں۔

ہرقل نے اس حدیث میں جس میں آپ کے اوصاف و احوال کے متعلق سوال کئے اور آپ کی نبوت پر استدلال کیا تھا۔ اس میں ابوسفیان سے سوال کیا۔ کیا تم ان میں سے تھے کہ آپ کو کاذب سمجھتے تھے قبل از نبوت۔ ابوسفیان نے جواب دیا اللہ کی قسم! کبھی کسی نے آپ کو دروغ گو نہ کہا تھا۔ پس ہرقل نے کہا کہ وہ مخلوق کے ساتھ پھر کیسے کوئی بات کہہ سکتا ہے جو سچ نہ ہو اور ہرقل کی یہ بات نبوت کے آثار کی پہچان میں سب سے زیادہ مفید ہے۔ اول بخاری شریف میں بیان کیا گیا ہے۔ اور مشکوۃ میں اس کی شرح ہے۔

نضر بن الحارث نے قریش سے کہا۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بچپن سے جوانی تک تم میں رہے۔ وہ اپنے افعال میں پسندیدہ ترین اور اپنے کلام و اقوال میں سب سے زیادہ سچے تھے اور دیانتداری اور امانتداری میں بھی عظیم ترین تھے حتیٰ کہ اب جب کہ اس کے کانوں کے ساتھ بڑھاپے کی علامت دیکھ رہے ہو اور وہ آپ کے پاس دین و ملت کی چیز لے کر آیا تو آپ نے کہہ دیا کہ وہ جادوگر ہے۔ نہیں اللہ کی قسم وہ جادوگر نہیں ہے اور یہ نضر بن الحارث کافر تھا۔ اور اس کے دل پر پردہ پڑا ہوا تھا لیکن وہ عقلمند تھا اور منصف مزاج تھا اور دوسروں کے لئے زیادہ سخت پردہ تھا۔ کبھی وہ بھی ہلکا ہو جاتا تھا لیکن پھر سخت ہو جاتا تھا ولید بن مغیرہ جو قریش کے رئیسوں میں سے تھے اس نے بارہا قرآن سنا اور روتا تھا اور کہتا تھا میں یقین رکھتا ہوں کہ یہ کلام آدمیوں کا بنایا ہوا نہیں ہے۔ اس کلام میں شیرینی ہے اور دل نشینی ہے کہ اس طرح کسی دیگر کلام میں نہیں ہے۔ بے شک اس میں حلاوت ہے اور طلاوت ہے صداح میں طلاوت کے معانی اچھا اور دل میں اثر کرنے کے لئے ہیں۔

اور حارث بن عامر مشرکوں میں سے تھا۔ وہ لوگوں کے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کیا کرتا تھا۔ اور جب اپنے اہل خانہ کے ساتھ تنہائی میں ہوتا تھا کہ خدا کی قسم! محمد صلی اللہ علیہ وسلم جھوٹ بولنے والوں میں سے نہیں ہے۔

اور ایک روز ابو جہل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپؐ سے مصافحہ کیا تو لوگوں نے اس سے کہا کہ تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے مصافحہ کرتا ہے؟ تو ابو جہل نے کہا۔ اللہ کی قسم میں جانتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے پیغمبر ہیں لیکن ہم بنی عبد مناف کی متابعت کس طرح کر سکتے ہیں اور جب مشرک لوگ جب آپؐ کو دیکھا کرتے تھے تو کہا کرتے تھے۔ خدا کی قسم وہ پیغمبر ہے۔ مشرکوں کا حال تو تھا اور یہود و نصاریٰ اہل کتاب خود آپؐ کی رسالت کو جانتے تھے اور یقین رکھتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یعرفون کما یعرفون ابناءھم اور وہ پشت در پشت سے پیغمبر آخر الزمان کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے۔ موت کے وقت پر وہ وصیت نامہ لکھواتے تھے۔ اپنے بیٹوں کے لئے کہ جب تمہارے سامنے پیغمبر آخر الزمان تشریف لائیں تو ان کو ہمارا اسلام عرض کرنا۔ اور عرض کرنا کہ ہم نے آپ کے اشتیاق میں ہی جان دے دی ہے۔ ہمارا سلام قبول فرمائیں اور ہمیں اپنے غلاموں میں شمار فرمائیں۔

علماء سیر نے بیان کیا ہے کہ تبع نامی ایک بادشاہ یمن کے بادشاہوں میں سے تھا اور اس کی قوم کافر تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ تبع نبی تھیم تھا یا کہ نہیں۔ وہ اپنی جماعت کے ساتھ پیغمبر آخر الزمان کا نشان نبوت پہچاننے کے لئے مدینہ شریف میں آیا۔ اس کرامت والے شہر میں وہ ٹھہر گیا۔ ساتھیوں نے اس سے درخواست کی کہ اپنی صحبت سے انہیں معاف رکھے اور ایک قول کے مطابق انصار ان کی اولاد سے ہیں اور جب اس نور نے ظہور فرمایا۔ وہ سب کفر کے اندھیرے میں رہ گئے۔ اعوذ باللہ من الخذلان۔

عفت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ عفت کے معنی ہیں حرام سے بچنا اور قاموس میں ہے العفۃ عما لا یحل ولا یحمل (غیر حلال اور بری چیز سے بچنا) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات شریف میں عفت اور اس کا کمال کس زبان سے بیان کیا جا سکتا ہے۔ جہاں عصمت آ جائے وہاں سب کچھ آ جاتا ہے اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی ایسی عورت کا ہاتھ کبھی نہ چھوا تھا۔ جس کے وہ مالک نہ تھے کیونکہ یہ مکروہ ہے اور یہ ایک عبارت ہے جو اہل عرف و عادت عفت اور پارسائی کے بیان میں کہتے ہیں۔ ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عفت اور ان کے تمام اخلاق بیان کرنے کی طاقت سے بالاتر ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت راست گوئی کے متعلق بار بار گزر چکا ہے۔

عدل نبوی۔ عدل خواہ ہم انصاف اور عدل گستری کے لحاظ سے لیں یا خواہ اس سے مراد آپ کے اخلاق و صفات میں اعتدال و توسط لیں یہ دونوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات شریف میں برابر موجود تھے۔ ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال تقسیم کیا تو ذوالخویصرہ تمیمی نے کہا کہ آپ عدل کریں اور ایک روایت میں آیا ہے کہ اس نے کہا جو کچھ آپ کر رہے ہیں یہ عدل نہیں ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تجھ پر افسوس اگر میں عدل نہیں کرتا تو پھر اور کون ہے جو عدل کرے گا اور یہ لمبا قصہ ہے۔ ابو العباس مبرد جو علم نحو کے ائمہ میں سے ہے۔ اس نے کہا کہ کسریٰ نے اپنے دنوں کی

تقسیم کر رکھی تھی۔ جس دن ہوا چلے وہ سونے کے لئے تھا۔ ابر آلود دن شکار کے لئے مخصوص تھا اور بارش والا دن برائے شراب نوشی مقسوم تھا اور کھلی دھوپ والا دن لوگوں کی ضروریات کی کفایت کے لئے اچھا ہے اور کہتے ہیں کہ دنیوی معاملات میں بڑا دانانہ تھا تو دین میں کہاں ہو گا لیکن پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دن کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہوا تھا۔ ایک حصہ خدا کی عبادت کے لئے تھا۔ ایک جز اہل و عیال کی خاطر تھا اور ایک حصہ خاص اپنے لئے تھا۔ پھر یہ تیسرا حصہ اپنے اور لوگوں کے درمیان ان کی ضرورت کے لئے تقسیم کیا ہوا تھا۔ اور اس کا بیان حلیہ شریف کے باب میں آخر پر گزر چکا ہے اور ابو جعفر طبری نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔ اس نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اس چیز کے لئے کبھی کوشش نہیں کی جس پر اہل جاہلیت عمل کرتے ہیں سوائے دو مرتبہ کے ہر دفعہ میرے اور مطلوبہ عمل کے درمیان اللہ تعالیٰ حائل ہو گیا۔ اس کے بعد میں نے کبھی اس طرح کا قصد نہیں کیا۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے رسالت سے مشرف فرمایا۔ ایک دفعہ یہ ہوا کہ میں نے اپنے ساتھ بکریاں چرانے والے ساتھی سے ایک رات کے وقت کہا کہ میری بکریوں کی نگہداشت کرنا۔ تاکہ میں مکہ میں جاؤں اور آکر قصے کہانیاں سناؤں اور سنوں۔ جس طرح دوسرے نوجوان کہتے ہیں اور سنتے ہیں۔ میں گیا اور مکہ میں ایک سرائے (مسافروں کے ٹھہرنے کی جگہ) میں آگیا۔ لوگ اس جگہ نشانہ بازی میں مصروف تھے۔ اور دف اور مزامیر بجاتے تھے۔ کسی کے گھر میں اس روز شادی ہو رہی تھی۔ میں وہاں بیٹھ گیا تاکہ اس کو سنوں رب تعالیٰ نے مجھے سلا دیا۔ مجھے اس وقت جگایا جب سورج کی دھوپ پھیل گئی تھی میں واپس آگیا۔ دوسری دفعہ پھر اسی طرح کا واقعہ پیش آیا۔ اس کے بعد میں نے کبھی اس چیز کی کوشش نہیں کی (صلی اللہ علیہ وسلم)

وصل۔ وقار و دبدبہ و خاموشی اور مروت اور راہ و روش کے بیان میں وقار اور تودت کے لغت کے لحاظ سے معانی ہیں۔ آہستگی لیکن اس سے رعب ہیبت اور دبدبہ مراد لئے جاتے ہیں اور صمت کے معنی ہیں خاموش رہنا۔ مروت کے معانی ہیں۔ مردمی اور انسانیت اور ہدی کے ہیں علوت اور راہ روش یا رویہ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات شریف علم اور وقار تھا۔ اور آپؐ کی حرکات و سکنات میں اس طرح کی آہستگی تھی اور بردباری کہ کسی اور میں اس کا امکان نہیں ہے۔ حدیث میں روایت کیا گیا ہے کہ مجلس میں آپؐ سب سے زیادہ باوقار ہوتے تھے۔ آپؐ کے جسم پاک کا کوئی حصہ عضو باہر نہ نکلا ہوتا تھا۔ جس طرح بالعموم کوئی تو ہاتھ گھما رہا ہوتا ہے اور کسی نے پاؤں پھیلائے ہوتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

بالعموم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نشست مبارک احتباء کی ہیئت پر ہوتی تھی۔ احتباء بیٹھنے کی وہ ہیئت یا وضع ہے جو سیرین پر بیٹھتے ہیں اور گھٹنے اٹھا کر پنڈلیوں کو ملائے ہوتے ہیں۔ آپؐ اس طرح بیٹھتے تھے کبھی تو چادر شریف لپیٹ کر اور کبھی اس کے بغیر ہی اور کبھی سیرین نشست ہوتی تھی۔ صبح کی نماز ادا کرنے کے بعد آپؐ اس طریق سے بیٹھتے اور اوراد و وظائف پڑھا کرتے تھے اور کبھی قرفصاء کے طریقے پر بیٹھتے تھے۔ اس کی تفسیر بیان کی گئی ہے کہ آپ سیرین کے بل بیٹھتے تھے۔ جس کا مطلب ہے آپ رانوں کو اٹھا کر اپنے شکم پاک سے ملا لیتے تھے اور دونوں ہاتھوں کو لپیٹ لیتے تھے اور وہ زانوؤں یا پنڈلیوں پر

رکھے ہوتے تھے اور بعض کہتے ہیں کہ آپ زانوؤں کا احتباء فرماتے تھے۔ اور رانوں کو شکم پاک سے ملاتے تھے اور دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں بغلوں میں لے آتے تھے یہ ایک خاص قسم ہے احتباء کی کہا گیا ہے کہ اس طرح سے اعرابی اور غریب لوگ بیٹھا کرتے تھے۔ حضرت قیلہ رضی اللہ عنہا بنت مخرمہ کی حدیث میں ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بوقت خشوع قرفصاء کی ہیئت میں بیٹھے ہوئے دیکھا تو میں بوجہ خوف کانپ اٹھی۔ اس سے مراد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خشوع کی حالت میں اس وضع میں دیکھ کر مجھ پر خود کپکپی طاری ہو گئی۔ خشوع کے معنی ہیں عجز و انکساری سے آنکھیں بند کرنا اور قریباً یہی معانی خضوع کے ہوتے ہیں بعض لوگوں نے کہا ہے کہ خشوع بدن سے تعلق رکھتا ہے اور خضوع کا تعلق آواز اور نظر کے ساتھ ہے اور بعض احادیث میں خشوع کو باطن پر معمول کیا ہے اور خضوع کو ظاہر پر اور یہ ہر دو الفاظ سکون اور تذلیل کے معنوں میں مشترک ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاموشی کو بہت زیادہ پسند رکھتے تھے۔ آپؐ صرف ضرورت کے وقت ہی کلام کیا کرتے تھے جو آدمی اچھی بات نہ کرتا تھا۔ آپ اس کی طرف سے چہرہ مبارک پھیر لیتے تھے آپ کا کلام مبارک فیصلہ کن ہوتا تھا۔ اپنے مطلب و مقصد کے ظاہر کرنے کے لئے نہ زیادہ الفاظ ہوتے تھے اور نہ ہی کم ہوتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے کہ آپؐ اس طرح بات کرتے تھے کہ آپؐ کے الفاظ کو گنا جا سکتا تھا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ترتیل کے ساتھ ہوتا تھا اور ترتیل کے ساتھ۔ صداح میں آیا ہے۔ کہ ترسیل کے معانی ہوتے ہیں۔ ہموار اور خوب واضح الفاظ کے ساتھ آرام سے پڑھنا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

ورتلل قرآن ترتیلا

ترجمہ۔ قرآن کو وضع حروف اور ہموار الفاظ کے ساتھ آرام اور سکون کے ساتھ پڑھو۔

ترتیل کے معانی بھی یہ ہی ہیں۔ ان کے معنوں کی تحقیق رسالہ تجوید میں کی گئی ہے ابن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چار چیزوں کی وجہ سے خاموشی کو پسند کرتے تھے۔ حلم، حذر، تقدیر اور تفکر۔ آپؐ کا ہنسنا صرف مسکراہٹ ہوتی تھی اور آپؐ کی بارگاہ میں صحابہ بھی آپؐ ہی کی پیروی میں ہنستے (یعنی مسکراتے) تھے۔ آپؐ کی مجلس مبارک حلم و حیاء اور خیر و امانت کی مجلس ہوتی تھی۔ اس میں آوازیں اونچی نہ ہوتی تھیں۔ بری باتوں سے پرہیز ہوتا تھا۔ جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بولتے تھے تو صحابہ تمام کے تمام اپنے سر جھکا لیا کرتے تھے۔ گویا کہ سروں پر پرندے بیٹھے ہیں کہ سر اٹھاتے ہی اڑ جائیں گے۔ صاحب شفاء نے صحابہ کی اس حالت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کے دوران حالت کے ساتھ مخصوص اور مقید کیا ہے۔ جب کہ دوسری کتب میں مطلق کے طور پر آیا ہے۔ کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی مجلس شریف میں حاضری کے دوران صحابہ کی ہر وقت یہ ہی حالت ہوتی تھی۔ دیگر ایک حدیث میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب آپؐ کی مجلس میں بیٹھتے تھے تو اپنے منہ میں سنگریزہ رکھ لیتے تھے تاکہ سانس نہ گھٹنے پائے اور بات بھی نہ کر سکیں۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن و جمال پر اپنی محبت بھری نگاہ لگائے رکھتے

تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفتار شریف اور چلنے کی حالت آپؐ کے حلیہ شریف کے ضمن میں علم میں آچکی ہوگی یہ بھی آپؐ کی مروت میں سے ہے کہ آپؐ نے پھونک لگا کر کھانے پینے سے ممانعت فرمائی ہے اور جو کچھ سامنے رکھا گیا ہو وہ کھانے کا حکم کیا ہے۔ اور مسواک کرنے انگلیوں کے پوٹوں، گھاٹیاں اور جوڑوں کو اچھی طرح سے صاف کرنے کا حکم دیا ہے۔ آپ کی سیرت پاک بہترین سیرت تھی۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔

ان خیر الحدیث کلام اللہ و خیر الھدی ھدی محمد

ترجمہ: سب سے اچھا کلام کلام اللہ ہے اور سب سے اچھی سیرت سیرت محمدی ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خوشبو اور خوشبو والی فضاء کو بڑا پسند فرماتے تھے۔ آپؐ خود استعمال فرماتے تھے اور دوسروں کو بھی استعمال کرنے کی ترغیب دیتے تھے۔ آپؐ نے فرمایا ہے۔

وحبب الی من دنیاکم النساء والطیب وجعلت قرۃ عینی فی الصلوۃ۔

ترجمہ: تمہاری دنیا میں سے مجھے تین چیزیں پسند ہیں۔ بیویاں، خوشبو اور نماز میں تو میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔

اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ چیزیں میرے لئے محبوب بنادی ہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ میں نے اپنے اختیار سے ان کو محبوب کر لیا ہے۔ نماز میں میری آنکھوں کے لئے آرام اور سکون بنایا گیا ہے یا میری آنکھوں کی ٹھنڈک بتائی گئی ہے۔ بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے دوران، انبساط، مسرت اور روشنی اور خوشدلی حاصل کرتے تھے۔ اور نماز کے دوران جو ذوق اور شہود آپؐ کو میسر ہوتا تھا۔ وہ نہ کسی دوسری عبادت میں اور نہ کسی دوسرے وقت پر حاصل ہوتا تھا۔

قرۃ العین اشارہ ہے فرحت و سرور سے دریافت مقصود سے غیوب کے انکشاف کی زیادتی سے مشتق ہے قر سے اس کے معنے سکون و قرار و ثبات کے ہیں۔ کیونکہ محبوب کو دیکھنے سے قرار راحت اور آرام ملتا ہے۔ آپؐ سرور کی حالت کے دوران اپنے دائیں بائیں دیکھتے تھے۔ اور خوشحالی کے دوران اپنی جگہ پر بالکل ساکن رہتے تھے۔ اگر محبوب کے غیر پر نظر ڈالی جائے تو اس سے پریشانی ہو جاتی ہے۔ تدور اعینھم الذی یغشی علیہ من الموت (آنکھیں اس طرح ہو جاتی ہیں جیسے کہ ان پر موت طاری ہو گئی ہے) یہ اس کی دلیل ہے یا پھر قرۃ قر سے مشتق ہے اس کا معنی سردی اور خشکی کے ہیں۔ چونکہ اپنے محبوب کو دیکھیں تو آنکھوں کی خنکی اور لذت میسر ہو جاتی ہے۔ اسی وجہ سے بیٹے کو قرۃ العین کہتے ہیں اور یہ جو "فی الصلوۃ" فرمایا ہے نہ کہ "الصلوۃ" اس میں اشارہ کیا گیا ہے کہ آنکھوں کو مشاہدہ حق سے سرور اور آرام حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ بحکم "کانک تراہ" گویا کہ نماز کے دوران تم اسے دیکھتے ہو۔ یہ مشاہدہ حق نماز کی حالت میں ہوتا ہے نفس نماز یا اس کے اجزو

ثواب میں نہیں۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ مشاہدہ حق کے وقت کسی غیر سے آرام اور التفات نہیں ہوتا ہے اور نماز غیر حق ہے اگرچہ یہ نماز اسی کا فضل ہے اور اسی کی دی ہوئی نعمت ہے اور اللہ تعالیٰ کی نعمت اور فضل سے خوش ہونا بھی ایک اونچا و اعلیٰ مقام ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

قل بفضل اللہ و برحمتہ فبذالک فلیفرحوا

ترجمہ:۔ کہہ دو کہ اللہ کے فضل اور رحمت سے ہی وہ فرحت و سرور حاصل کریں۔

فضل اور رحمت کا مقام اللہ تعالیٰ سے جو کہ فضل کرنے والا اور رحمت کرنے والے ہے کم ہے اور فضل اور رحمت کے ساتھ ہی فرحت اور سرور ہوتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام اس سے بہت اعلیٰ اور رفعت والا ہے۔ اسی وجہ سے فلیفرحوا فرمایا اور فلتفرح نہ فرمایا۔ کیونکہ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہوتا ہے۔

تنبیہہ۔ جان لیں کہ یہ کلمہ جس کا ذکر کیا گیا ہے اس حدیث کا جزو ہے کہ حبب الی الطیب والنساء و جعلت قرۃ العینی فی الصلوۃ صاحب مشکوۃ کہتے ہیں کہ اس حدیث کو احمد اور نسائی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور سخاوی نے مقاصد حسنہ میں کہا ہے کہ طبرانی نے اسے "اوسط" میں اور "الصغیر" میں مرفوعاً" درج کیا اسی طرح خطیب اپنی تاریخ بغداد میں اور ابن عدی فی الکامل میں لائے ہیں اور مستدرک میں بھی لفظ جعلت کے بغیر یہ حدیث آئی ہے اور کہا گیا ہے کہ مسلم کی شرط پر صحیح ہے اور نسائی کے نزدیک ایک اور سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے "من الدنیا" کے الفاظ کی زیادتی کے ساتھ یہ روایت ہوئی ہے اور بہت سے محدثین نے اس وجہ سے روایت کیا ہے ابن قیم نے کہا ہے کہ اس کو احمد نے کتاب "زہد" میں لطیف زیادتی کے ساتھ روایت کیا ہے اور وہ یہ ہے۔ اصبر عن الطعام و الشراب و لا اصبر عنھن (میں کھانے پینے سے رک سکتا ہوں لیکن بیویوں سے نہیں رک سکتا۔) اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ بیویوں کے حقوق کی ادائیگی ضروری ہوتی ہے۔ کھانا پینا تو اپنا اختیاری فعل ہے اپنی ذات کے لئے لہٰذا یہاں تدبر لازم ہے) اور امام سخاوی نے کہا ہے کہ یہ جو مشہور ہے کہ اس میں لفظ ثلث ہے۔ میں اس سے واقف نہیں ہو سکا سوائے دو مقامات کے ایک تو احیاء کے اندر اور دوسرے سورہ آل عمران کی تفسیر میں کشاف کے اندر اور باوجود تلاش کرنے کے مختلف طریقوں اور سندوں سے روایت شدہ اس حدیث میں یہ اضافہ مجھے نہیں مل سکا اور زرکشی نے اس معانی میں صراحت سے کہا ہے کہ اس حدیث میں لفظ ثلث وارد نہیں ہوا۔ اور اس لفظ کی زیادتی معنی میں خلل انداز ہوتی ہے۔ کیونکہ صلوٰۃ دنیاء کی چیز نہیں ہے۔ گو اس کی تحویل بھی کر دی گئی ہے اور شیخ ابن حجر عسقلانی رافعی کی روایت کردہ حدیث کے سلسلہ میں کہا ہے کہ ثلث کا لفظ لوگوں کی زبانوں پر مشہور ہو گیا ہے۔ لیکن مجھے یہ لفظ اس حدیث کی سندوں میں کہیں نہیں ملا۔ اور ولی الدین عراقی بھی کتاب "املی" میں کہتے ہیں کہ ثلث کا لفظ کسی بھی کتاب حدیث میں نہیں ہے۔ اور صلوٰۃ دنیا کے امور میں سے نہیں (انتھی کلام سخاوی) پس معلوم ہوا کہ اصل حدیث پر ائمہ حدیث کا اتفاق ہے وہ یہ ہے۔

حبب الی الطیب والنساء و جعلت قرۃ عینی فی الصلوۃ

اور یہ تین بغیر کسی اشکال کے ہے اور بعض روایات میں "من الدنیاء" "یا لامن الدیناکم" آیا ہے اور کچھ کتابوں میں ثلث کا لفظ بھی آیا ہے اگر ان دونوں میں سے ایک نہ ہو تو اشکال نہیں ہوتا ہے اگر یہ دونوں موجود ہوں جس طرح کہ لوگوں کی زبانوں پر مشہور شدہ ہے تو اشکال وارد ہو جاتا ہے اور اس کی توجیہہ میں کبھی علماء کہتے ہیں کہ من الدنیاء سے مراد ہے دنیا میں اور اس کا وجود اس عالم کی زندگی میں ہے۔ پس یہ حاصل معانی ہوئے کہ اس عالم میں مجھے تین چیزیں بھلی معلوم ہوئیں۔ دو دنیوی امور میں سے ہیں اور تیسری چیز اختیاری امر ہے دینی اور کبھی کہتے ہیں تیسری چیز دنیاوی امور سے ہے بوجہ طالت کے۔ اس کا ذکر نہیں کیا اور اس امر دینی سے عدول کیا تکمیل کے طریقہ پر اور توہم کے دفع کی خاطر کہ اس میں لذت اور محبت ہے اور بیویوں کی معاشرت میں مشغولیت حق اور اس کی مناجات میں مشغولیت کے مقابلہ میں ہے اور ممکن یہ بھی ہے کہ تیسرا امر جو اس حدیث میں مذکور نہیں ہوا وہ گھوڑا ہے والعلم عنداللہ۔ جس طرح دوسری حدیث میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے کہ

لم یکن احب الیہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد النساء من الخیل۔

ترجمہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عورتوں کے بعد سب سے زیادہ محبت گھوڑے سے تھی

(رواہ النسائی)

اور احتمال یہ بھی ہے کہ تیسرا امر طعام ہے۔ جس طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں آیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا کی تین اشیاء اچھی لگیں۔ کھانا' بیویاں اور خوشبو' آپؐ ان میں سے دو چیزوں سے تو محظوظ ہوئے اور ایک سے نہیں ہوئے یعنی بیویوں سے اور خوشبو سے آپؐ محظوظ ہوئے لیکن کھانے سے نہیں ہوئے اسے امام احمد نے روایت کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

زہد۔ وصل:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زہد کے بیان ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زہد کی صفت اور اس کے کمال کی بابت بہت سی احادیث و اخبار ہیں۔ آپؐ نے دنیا سے اعراض فرمایا کہ دنیا پوری تابانیوں سے آپؐ کے پاس آئی اور یکے بعد دیگرے فتوحات حاصل ہوئیں۔ لیکن جب دنیا سے آپؐ کا رخصت ہونے کا وقت تھا تو آپؐ کی زرہ ایک یہودی کے پاس رہن رکھی ہوئی تھی اپنے اہل وعیال کے خرچہ کے لئے۔ اور اللہ تعالیٰ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم دعا کرتے رہتے تھے۔

اللھم اجعل رزق آل محمد قوتا

ترجمہ:۔ اے اللہ تعالیٰ! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اہل وعیال کی قوت کے لئے رزق عطاء فرما۔

وفات شریف کے وقت تک زرہ چھوڑنے کی توفیق نہ ہوئی اور یہ سب کچھ آپؐ کے زہد' سخاوت اور ایثار کی وجہ سے تھا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل کبھی تین دن تک گندم کی روٹی سے سیر نہ ہوئے حتیٰ کہ آپؐ اس دنیا سے رخصت ہو گئے اور دیگر ایک روایت میں آیا ہے کہ جو کی روٹی سے لگاتار دو دن کبھی نہ شکم

سیر ہوئے اگر آپ کو خواہش ہوتی تو اللہ آپ کو وہ چیز عطاء کرتا جو خیال میں بھی نہیں آسکتی اور گمان میں بھی نہیں۔ اور دیگر ایک حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل وعیال نے کبھی زندگی میں سیر ہو کر گندم کی روٹی نہ کھائی تھی حتی کہ وہ اللہ سے جاملے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتے ہیں کہ آپ نے اپنے پیچھے نہ درہم و دینار چھوڑے اور نہ کوئی بکری اور نہ اونٹ عمران بن الحارث رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سوائے اسلحہ گھوڑا اور زین کے اور کچھ نہ پیچھے چھوڑا اور زین صدقہ کردی ہوئی تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے اور گھر میں کوئی چیز نہ تھی۔ جسے کوئی جگردار شخص کھاسکے سوائے نصف کیل جو کے جو ایک طاق خانہ میں پڑے ہوئے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے درست فرمایا گیا کہ اگر آپ خواہش کریں تو وادی مکہ کو سونا بنا دیا جائے۔ پس میں نے عرض کیا اے اللہ تعالیٰ نہیں۔ بلکہ اتنا دے کہ ایک دن بھوکا رہوں اور ایک دن کھاؤں۔ پس جس دن میں بھوکا ہوں گا تیری بارگاہ میں آہ و زاری کروں گا اور تجھ سے دعا کروں گا اور جس دن میں سیر ہو جاتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کہتا ہوں۔ دوسری ایک حدیث میں آیا ہے کہ جبریل آپ کے حضور آئے اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو سلام کہتا ہے اور کہتا ہے کہ کیا تو پسند کرتا ہے کہ میں تیرے لئے یہ پہاڑ سونے کے بنادوں اور جس جگہ بھی تو جائے یہ تیرے ساتھ ساتھ رہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ساعت کے لئے سر جھکائے رہے اور اس کے بعد کہا اے جبریل! دنیا میں تو اس کے لئے گھر ہوتا ہے۔ جس کا کوئی اور گھر نہ ہو اور دنیا کا مال اس کے لئے ہے جس کا کوئی اور مال نہ ہو۔ اس کو وہ شخص جمع کرتا ہے جو عقلمند نہیں۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جبریل نے کہا اللہ تعالیٰ آپ کو قول ثابت کے ساتھ ثابت قدم رکھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت آئی ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ ہم آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ ایک ایک مہینہ تک ہمارے گھر میں آگ نہیں جلتی تھی اور سوائے کھجور اور پانی کے ہمارے پاس کوئی خوراک موجود نہ ہوتی تھی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کھانے سے بھرا ہوا ایک بہت بڑا طباق ان کے پاس لایا گیا پس وہ رونے لگے اور کہا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا چکے ہیں آپؐ اور آپ کے اہل خانہ نے کبھی سیر ہو کر روٹی نہ کھائی تھی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی ازواج لگاتار بغیر کھانے اور پینے کے راتیں گزارتے تھے۔ اور رات کا کھانا موجود نہیں ہوتا تھا۔ نقل ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے انہوں نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی دسترخوان پر یا سینی وغیرہ پر رکھ کر کبھی کھانا نہ کھایا تھا۔ نہ ہی کبھی آپ کی خاطر پتلی روٹی تیار کی گئی تھی اور کبھی بھی کسی نے آپ کے سامنے بھنی ہوئی بکری کا گوشت دیکھا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ کہتی ہیں۔ کہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں کبھی آسودگی نہ آئی تھی اور آپ نے کبھی کسی سے اس امر کی شکایت نہ کی تھی اور فاقہ کشی کو غنی کی نسبت زیادہ پسند فرماتے تھے آپؐ خالی پیٹ کے ساتھ دن گزار دیتے تھے۔ اور تمام رات بھوک کی وجہ سے اپنے پیٹ مبارک کو ملتے رہتے تھے۔ یہ اشارت ہے بھوک کی شدت کی طرف آپؐ کی یہ حالت

آپ کو دن کے وقت روزوں سے بھی نہ روک سکتی تھی اگر آپ پروردگار عالم سے درخواست کرتے تو وہ زمین کے تمام خزانے اور میوے دے دیتا۔ مجھے ان کی محبت اور مہربانی پر رونا آجاتا تھا۔ آپ کی حالت کو میں دیکھتی تھی۔ اپنے ہاتھ ان کا شکم پاک ملتی تھی۔ آپ پر بھوک کی حالت دیکھ کر میں عرض کیا کرتی تھی روحی فداک یارسول اللہ کاش آپ اتنا تو دنیا میں سے لے لینا پسند فرمالیتے جو آپ کے کھانے پینے کے لئے کافی ہوتا۔ اور وہ آپ کو قوت دیتا تو آپ فرمایا کرتے تھے اے عائشہ! مجھے دنیا سے کوئی سروکار نہ ہے۔ دنیا میرے کسی کام کی نہیں ہے۔ میرے بھائی جو اولوالعزم رسول ہو گزرے ہیں انہوں نے اس سے بھی زیادہ سختیاں برداشت کی ہیں۔ حتیٰ کہ وہ اپنے حال سے گزر گئے اور وہ رب تعالیٰ عزوجل کے حضور پہنچ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف ان کی مراجعت کو بہت بڑی قدر بخشی اور ان کو اجر و ثواب عظیم عطاء فرمایا۔ لہٰذا میں اپنے آپ کی طرف دیکھ کر تن آسانی سے شرم محسوس کرتا ہوں کہ اس طرح کی زندگی گزار دوں تو آنے والے وقت پر مجھے ان سے علیحدہ کر دیا جائے گا۔ جب میں اپنے ان بھائیوں میں شامل رہنے سے زیادہ کوئی دوسری چیز محبوب نہیں رکھتا ہوں۔ پس ایک میں ہوں اور میرے محبوب بھائی ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم و علیھم اجمعین۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے بعد ازیں واقعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ سے زیادہ اس دنیا میں قیام نہ فرمایا تھا۔

نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کوئی خاص بستر نہ رکھتے تھے صرف ایک بچھونا ہوتا تھا۔ جس میں روئی نہ ہوتی تھی بلکہ اس کی بجائے کھجور کے درخت کی چھال ہوتی تھی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں پلاسی ہوتی تھی (دوسوتی) میں اس کو دو تہیں بنا کر بچھا دیتی تھی اور اس کے اوپر آپ استراحت فرماتے تھے ایک شب کو زیادہ نرم کرنے کے لئے میں نے اس کی چار تہیں بنا دیں صبح جب ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے دریافت فرمایا۔ تم نے آج کی رات میرے لئے کیا چیز بچھائی تھی تو میں نے گزارش کی کہ حضور وہی بستر تھا جو ہر روز بچھایا کرتی ہوں۔ لیکن آج رات میں اس کو چار تہیں کر کے بچھایا تھا۔ تو آپ فرمانے لگے اس کو پہلے والی طرح ہی رکھا کرو۔ کیونکہ اس کی زیادہ نرمی مجھے رات کے وقت نماز سے روکتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریف تھی کہ کبھی آپ تختے پر آرام فرماتے تھے اور کبھی کھجور کے پتوں کی بنی ہوئی چٹائی پر۔ اور اس چٹائی کے نشان آپ کے جسم اطہر پر پڑ جاتے تھے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

خوف و خشیت الٰہی، اطاعت کی سختی اور عبادت کی شدت۔ وصل:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خوف، خشیت الٰہی اور اس کی اطاعت گزاری اور حضور کے حق میں آپ کی عبادت اللہ تعالیٰ کے علم اور معرفت کے مطابق ہوتی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ جو شخص جس قدر زیادہ اللہ تعالیٰ کو جانتا ہو گا۔ اور اس کی حقیقت سے واقف ہو گا۔ اسی قدر وہ زیادہ خوف کھائے گا اور عبادت کرے گا۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء

بے شک اس کے بندوں میں سے علماء ہی زیادہ خشیت رکھتے ہیں۔

صحیح بخاری میں حضرت ابوہرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر آپ لوگ وہ کچھ جانیں جو میں جانتا ہوں تو کم ہنسو گے اور زیادہ روؤ گے۔ اور ترمذی شریف کی روایت میں یہ زیادہ ہے کہ آپؐ نے فرمایا میں وہ سب کچھ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ سکتے ہو اور وہ کچھ سنتا ہوں جو تم نہیں سن سکتے اور آپ نے فرمایا کہ آسمان کی مخصوص آواز ہے جو وہ نکالتا ہے اور وہ اسی لائق ہے کہ اپنی آواز اطیط نکالے۔ اطیط کا معنی ہے وہ آواز جو اونٹ درد و کرب کے باعث نکالتا ہے۔ آسمان آواز اس لئے نکالتا ہے کہ اس پر فرشتوں کی کثرت و ازدہام کا بوجھ ہے یہ اشارہ ہے۔ اور آپ نے مزید فرمایا کہ آسمان پر چار انگل جگہ بھی ایسی نہیں ہے جہاں فرشتے اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ میں سر نہ رکھے ہوئے ہوں۔ دیگر ایک حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کی قسم! اگر تم وہ جانو جو کچھ میں جانتا ہوں تو تم تھوڑا ہنسو گے اور زیادہ روؤ گے اور اپنی بیویوں کے ساتھ ہم بستری سے مخلوط نہ ہو گے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عاجزی و انکساری کرو گے اور فریاد کرو گے اور بلند آوازوں کے ساتھ دعا میں اللہ تعالیٰ کو پکارو گے۔ مراد اس سے یہ ہے کہ میں صبر اور برداشت کی قوت سے ان کو جھیلتا ہوں۔ اگر تم وہ جان لو تو بوجھ ہرگز نہ برداشت کر سکو گے۔ اس حدیث کے راوی حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں ہر وقت یہی آرزو کرتا ہوں کہ کاش میں درخت ہوتا اور کاٹ لیا جاتا اور ایک اور روایت میں ہے صحابہ رضوان اللہ نے آنحضرت کے حضور عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کیا دیکھ رہے ہیں آپؐ نے جواب میں فرمایا کہ میں بہشت کو اور دوزخ کو دیکھ رہا ہوں۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات شریف میں اللہ تعالیٰ نے خشوع قلبی اور استحضار عظمت السمیہ کے ساتھ علم الیقین اور حق الیقین کو اس طریقے سے جمع فرمایا ہوا تھا کہ کسی دوسرے شخص میں ایسا نہیں تھا اور ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں اتنا قیام کرتے تھے کہ آپؐ کے پاؤں مبارک سوج جایا کرتے تھے۔ پس صحابہ نے عرض کیا کہ یہ سب تکلیف و محنت آپ کیوں کرتے ہیں یا رسول اللہ! حالانکہ قبل ازیں آپ کے تمام اگلے اور پچھلے گناہوں کو معاف فرما دیا ہوا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں اور اس کا شکر گزار نہ ہوؤں کہ اس نے مجھے مغفور کیا اور عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر عمل ہمیشہ اور مسلسل ہوتا ہوتا تھا۔ تم میں سے کون ہے جو وہ قوت رکھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت تھی۔ حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ ایک شب میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ پس آپ بیدار ہوئے۔ مسواک کی اور وضو کیا اور نماز میں کھڑے ہو گئے میں بھی آپؐ کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ آپؐ نے سورہ البقر کی تلاوت شروع کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر رحمت کی آیت پر توقف فرماتے تھے اور اللہ تعالیٰ سے رحمت کی درخواست کرتے تھے اور عذاب والی آیت سے ہرگز نہ گزرتے تھے جب تک توقف کر کے اللہ تعالیٰ سے اس کے عذاب سے پناہ نہ مانگ لیتے تھے۔ اس کے بعد آپ قیام کے برابر ہی رکوع کرتے تھے اور پڑھتے تھے۔ "سبحان ذی الجبروت والملکوت والعظمۃ والکبریاء" پھر آپؐ رکوع سے سر اٹھاتے تھے اور اتنا ہی قیام فرماتے تھے اور اسی طرح پڑھتے تھے۔ اس کے بعد سجدہ کرتے تھے اور اسی طرح زبان سے پڑھتے تھے۔ پھر دونوں

سجدوں کے درمیان میں بیٹھے اور اسی طرح پڑھا اور سورہ البقر' آل عمران' نساء و مائدہ کی تلاوت کی اور کبھی تمام شب قیام کرتے تھے ایک ہی آیت پڑھتے ہوئے اور صحیح حدیث میں آیا ہے۔ کہ یہ آیت ہوتی تھی۔

وان تعذبھم فانھم عبادک وان تغفر لھم فانک انت العزیز الحکیم

اس آیت کی تلاوت سے آپ کا مقصود اپنی امت کے حال کا بیان اور ان کے لئے بخشش کی درخواست تھی۔ یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے تھے اور آپ کے شکم اطہر سے اس طرح آواز آتی جیسے دیگ پکنے کی آواز ہوتی ہے اور بعض احادیث کے مطابق ہے کہ چکی کی آواز کی مانند اور ابن ابی ہالہ رضی اللہ کی حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر لگاتار غم آتے تھے اور آپ مسلسل اندوہناک ہوتے تھے اور آپ کو ہرگز آسائش نہ ہوتی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ایک دن میں ستر دفعہ استغفار کرتا ہوں اللہ تعالیٰ سے اور ایک روایت میں ہے کہ سو دفعہ۔ اور یہ تمام غم' اندوہ' محنت اور استغفار امت کے لئے ہوتے تھے اور اس کی دیگر وجوہ بھی علماء نے بیان کی ہیں جو رسالہ مرج البحرین میں درج کر دی گئی ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے کہا ہے کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے وصال حق کا طریقہ پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ معرفت میرے مال کی راس ہے۔ عقل اصل ہے میرے دین کی۔ میری اساس محبت ہے میری سواری شوق ہے۔ اللہ کا ذکر میرا انیس ہے۔ میرا خزانہ شفقت ہے۔ میرا ساتھی غم ہے۔ میرا ہتھیار میرا علم ہے۔ میری چادر صبر ہے میری غنیمت رضا ہے۔ فقر میرا فخر ہے۔ زہد میری حرفت ہے۔ میری قوت یقین ہے۔ صدق میرا شفیق ہے۔ طاعت میری محبت ہے۔ میرا خلق میرا جہاد ہے۔ نماز میں میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اور ذکر میں میرے دل کا ثمر ہے۔ میرا غم میری امت کی خاطر ہے اور اپنے رب کی طرف میرا شوق ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض صفات جو قرآن میں مذکور ہوئیں۔ وصل:۔ صحیح بخاری شریف میں حضرت عطا رضی اللہ عنہ کی روایت سے حدیث لائی گئی ہے۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر اخلاق کریمہ کی جامع ہے۔ راوی نے کہا ہے کہ تورات میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توصیف بعض ان صفات سے کی گئی ہے جو قرآن پاک میں مذکور نہیں۔ انا ارسلنک شاھدا و مبشرا و نذیرا و حرزا للمیینین

اے پیغمبر! بے شک آپ آگاہ رہیں کہ ہم نے آپ کو اپنی بھیجی ہوئی کتاب پر گواہ بنا کر بھیجا ہے۔ ان کی تصدیق ان کی تکذیب ان کی نجات اور گمراہی پر گواہ اور فرمانبرداری کرنے والوں کو خوشخبری دینے والا اور نافرمانبرداروں کو ڈرانے والا اور امیوں کے لئے جو عربی تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم سے تھے پناہ دینے والا اور صراح میں حذر کے معانی ہیں اچھی اور ہموار جگہ۔ انت عبدی و رسولی آپ میرے خاص بندہ ہیں کہ اس مقام کی حقیقت اور اس مرتبہ کا کمال سوائے آپ کے کسی کو لائق نہیں اور آپ میری تمام مخلوق کی طرف بھیجے ہوئے ہیں۔ فرمایا سمیتک المتوکل میں نے تمہارا نام متوکل رکھا ہے۔ کیونکہ آپ نے اپنا سب کاروبار میری سپرد کر دیا۔ اور اپنی قوت و طاقت سے مطلقاً دست بردار ہو گئے اور تمام کاموں میں میں آپ کے ہر امر کا متولی ہو گیا لیس الغظ ولا غلیظ میرا بندہ ایسا ہے کہ نہ سخت علوت والا ہے نہ سخت

کلام کرنے والا ہے۔ ولا سحاب فی الاسواق اور نہ بازاروں میں بلند آواز کرنے والا ہے۔ معنوی طور پر اس کا مطلب ہے کہ بازار جانے سے اجتناب کرنے والا ہے اس لئے کہ وہ جگہ دنیاوی کاروبار کی ہے۔ اور اہل آخرت کے حال کے لائق نہیں کہ وہ بغیر ضرورت وہاں جائیں۔ ولا یدفع السیئتہ بالسیئۃ اور وہ بدی کا بدلہ سے نہیں چکاتے اگرچہ وہ شریعت میں جائز ہے اگر حد سے تجاوز نہ کیا ہو تو ولکن یعفوا و یغفر بلکہ وہ معاف فرماتے ہیں اور مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔ بلکہ احسان کراتے ہیں۔ جیسے کہ دوسری جگہ خود ہی فرمایا ہے۔

ادفع بالتی ھی احسن السیئۃ ولا یقبضہ اللہ حتی لعتمر بہ الملتہ العوجاء

اور جب تک آپؐ کے سبب ٹیڑھے رویہ والے لوگ سیدھے نہ ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ روح قبض نہیں فرماتا۔ راست ہونا یہ ہے کہ کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھ لیں۔ ویفتح بہ اعینا عمیا اور ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ اندھی آنکھوں کو بینا کر دیتا ہے۔ واذانا صما و قلوبا غلفا اور بہتیرے کانوں اور دلوں پر جہالت کے پردے کھول دیتا ہے اور بعض طریقوں کے مطابق اس حدیث میں اتنا زیادہ آیا ہے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اسدہ بکل جمیل میں ان پیغمبروں کو ہر خوبی کے ساتھ درست کیا ہے۔ صراح میں سداد کے معانی ہیں راست گفتاری و درست کرداری واجعل السکینۃ لباسہ والبر شعارہ اور سکون و اطمینان ان کا لباس بنا دیتا ہوں۔ جو ان پر محیط ہے اور نیکی کو ان کی علامت اور اندرونی لباس بنا دیتا ہوں اور جو ان کے ساتھ چسپاں ہے۔ التقوی ضمیرہ اور ان کا ضمیر پرہیز گاری ہوتا ہے (قلب نہانی) کیوں کہ تقویٰ کی حقیقت دل میں ہوتی ہے۔ اس لئے فرمایا انہوں نے سینہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے التقویٰ ھلمنا تقویٰ کا یہ مقام ہے اسے ضمیر سے تعبیر فرمایا اور اضمار کا معنی ہے دل میں چھپا کر رکھنا الحکمۃ معقولہ ان کی عقل کو میں نے حکمت بنایا اور اشیاء کے احوال کو جاننا حکمت ہوتا ہے۔ جس طرح کہ نفس الامر میں ہے اس کے معانی راست گفتاری اور راست کرداری بھی آئی ہے والصدق والوفاء طبیعتہ صدق اور وفا ان کی طبیعت ہے۔ والعفو و المعروف خلقہ درگزر فرمانا اور نیک کام کا حکم کرنا اس کی خصلت و عادت بنائی۔ والعدل سیرتہ اور انصاف کرنا ان کی سیرت۔ والحق شریعتہ والھدی امامہ والاسلام ملتہ حق کو ان کی شریعت۔ ہدایت کو ان کا امام اور اسلام ان کی ملت بنادی۔ واحمد اسمہ اور ان کا نام مبارک احمد رکھا (صلی اللہ علیہ وسلم) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پچھلی امتوں میں ہر دو نام محمدؐ اور احمدؐ سے یاد کئے جاتے تھے۔ صلی اللہ علیہ وسلم واھدی بہ بعد الضلالۃ اور میں نے ان کے ذریعے گمراہی کے بعد ہدایت عطا فرمائی۔ واعلم بہ بعد اجھالۃ اور جہالت کے بعد ان کے ذریعے علم عطا فرمایا۔ وارفع بہ الخمالۃ اور پستی میں گر جانے کے بعد ان کے ذریعے مخلوق کو رفعت و بلندی دیتا ہوں واسمی بہ بعد النکرۃ اور بلندی پر لے جاتا ہوں اور شناسا کر دیتا ہوں ان کے ذریعے جماعت کو بعد جہالت اور ناشناسائی کے واکثر بہ بعد القلۃ اور قلت کے بعد ان کے ذریعہ کثرت میں بدل دیا۔ والغنی بہ بعد العیلۃ اور محتاجی کے بعد ان کے ذریعہ سے غنی کر دیا۔ والف بین قلوب مختلفہ و اھواء متشتتہ و امم متفرقتہ مختلف دلوں میں بکھرے ہوئے منتشر خیالوں اور علیحدہ علیحدہ گروہوں کے درمیان ان کے ذریعے الفت و محبت ڈال دی۔ واجعل امۃ خیر امتہ

اخرجت للناس۔ ان کی امت کو سب سے بہتر امت بنایا ان امتوں میں سے جو لوگوں میں نکالی گئیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم والہ واصحابہ اجمعین

xx

باب سوم

در بیان فضل و شرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

اس میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فضل و شرف کو بیان کیا گیا ہے۔ جو قرآنی آیات سے ثابت ہے اور صحیح احادیث سے ثبوت کو پہنچا ہے۔ قرآن میں آپ کی تعظیم امر اور بلند شان' قدر و منزلت اور مدح و ثناء صریحاً" اور اشاروں سے بھی واقع ہوئی ہے۔ پہلی دلیل "شاہد" کا لفظ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بلندی مقام' مرتبہ کی رفعت' عظمت شان اور حفظ ادب پر صادق آتی ہے۔ اور یہ کلمہ (شاہد) دلالت کرتا ہے اس امر پر کہ کوئی بزرگی آپ کی بزرگی کے برابر نہیں ہے۔ نہ کوئی قدر آپ کی قدر کے برابر ہے اور بڑی عظیم قدر و منزلت ہوتی ہے۔ جس کی مدح و ثنا رب العالمین اور مالک عرش عظیم فرماتا ہے۔ اور اصلیت تو یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جو صفات و مراتب اور درجات قرآن مجید میں ذکر کئے گئے ہیں وہ حد و شمار سے باہر ہیں۔ پہلی آیت جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود رسالت' شفقت اور رحمت کی خبر اور بشارت دیتی ہے۔ یہ ہے۔

لقد جاء کم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم بالمومنین رؤف رحیم

ترجمہ:- بے شک تم ہی میں سے تمہارے پاس رسول تشریف لائے جن پر گراں گزرتا ہے تمہار مشقت میں پڑنا۔ تمہاری بہتری کے خواہش مند ہیں۔ مسلمانوں کے ساتھ بہت مہربانی فرمانے والے اور رحم فرمانے والے ہیں۔

(اس سے یہ مراد ہے کہ) تمہارے پاس تم ہی میں سے رسول آئے ہیں۔ تم ان کے صدق و امانت اور مقام اور مرتبہ کو جانتے ہو۔ اور تمہارے درمیان ان پر کبھی جھوٹ بولنے کا الزام نہیں ہوا اور تم ان کے باپ دادوں کو بھی جانتے ہو اور کہ وہ سارے کے سارے اشرف' افضل' ارفع' طاہر اور مطہر تھے۔ ان میں سے کوئی بدکار اور جاہلیت کی خباثتوں والا نہ تھا۔ اس لئے فرمایا ہے کہ اخرجت من الاصلاب الطاہرات الی الارحام الطاہرات (مجھے پاک پشتوں سے پاک رحموں کی طرف منتقل فرما کر ظاہر فرمایا گیا ہے) اور تم ان کے ذاتی شرف' محلد صفاتی' عظائم اخلاقی اور محاسن افعالی کو ملاحظہ کرتے رہے ہو اور اس کے بعد ان کی بعض اچھی صفات کو تم بیان بھی کرتے رہے ہو۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان پر تم لوگوں کا مشقت میں پڑنا دنیا و آخرت میں نقصان اٹھانا بڑا دشوار اور گراں گزرتا ہے۔ تمہاری ہدایت کے یہ بڑے خواہش مند ہیں۔ اور بڑی ہمت والے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اہل اسلام کے لئے کمال درجہ کی رحمت و رافت اور شفقت و مہربانی رکھنے والے ہیں۔

دوسری جگہ پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم

ترجمہ۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے مومنین پر بہت بڑا احسان فرمایا کہ ان ہی میں سے ان میں رسول بھیجا۔
نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

هوالذی بعث فی الامیین رسولاً منهم

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں ان ہی میں سے رسول مبعوث فرمایا۔
نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

کماارسلنافیکم رسولا منکم

ترجمہ۔ جس طرح کہ ہم نے تمہارے درمیان تم ہی میں سے رسول بھیجا۔
یہاں مطلب یہ ہے کہ) ان ہی کی جنس میں سے رسول کا بھیجا جانا الیت' تصدیق' ایمان' اتباع اور امتنان میں زیادہ داخل ہے اور اقرب ہے۔

حضرت امام جعفر صادق سلام اللہ علیہ وعلیٰ اٰباءٓ الکرام نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی معرفت و اطاعت میں مخلوق کی درماندگی سے واقف ہے۔ اس نے معرفت کرانی چاہی اور چاہا کہ تعلیم دی جائے۔ لہٰذا اس نے ان ہی کے درمیان میں اس طرح کی مخلوق پیدا فرمائی جو ان ہی کی جنس سے ہے۔ ان کا لباس رحمت اور رافت کا بنایا اور ان کا نام نبی صادق اور سچے رسول بنا رکھا اور انکی اطاعت بنایا۔ اس بارے میں فرمایا من یطع الرسول فقد اطاع اللہ۔ جس نے رسول اللہ کی اطاعت کی تحقیق اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔ وماارسلنک الا رحمۃ للعالمین اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کی رحمت بنا کے بھیجا۔ انتھی کلام الامام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود شریف اور آپ کے خصائص و اوصاف تمام مخلوق کے لئے رحمت بنائے گئے۔ پس جس کو بھی رحمت کا کوئی حصہ عطا ہوا۔ اس کے حصہ میں دنیا و آخرت میں نجات ملی۔ اور وہ ہر قسم کی برائی سے محفوظ ہو گیا۔ حقیقی محبوب سے ملا اور فائز المرام ہو گیا جس طرح کتاب الشفاء میں ہے اس تقریر سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مومنوں کے لئے اس طرح پر رحمت ہیں کہ جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رحمت کے مظہر اور مصدر ہیں اور اگر کوئی شخص اپنے انکار' عناد اور تکبر کی بیماری میں مبتلا ہو اور قلب کی شقاوت و گمراہی اور بے نصیبی اور خذلان میں رہے تو اس کا یہ عمل اس کی اپنی ذات پر ظلم ہو گا۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے رحمت بن کر آنے میں کوئی نقصان نہ ہو گا۔ جیسے کہ آفتاب و مہتاب کو جہاں کی روشنی کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ اگر اس پر ظلمت کا ایک پردہ پڑ جائے تو آفتاب کو روشنی کے لئے پیدا کئے جانے میں کوئی نقص نہیں ہے اور یہ توجیہہ کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون۔ میں کہا گیا ہے۔ کہ انہیں اس صورت پر پیدا فرمانا کہ ان کی توجہ عبادت کی طرف ہو گویا کہ ان میں یہ استعداد رکھی گئی ہے کہ وہ بذریعہ عقل تدبر کر سکیں اور غلبہ شہوت اور غضب کے غلبہ کے لئے رکاوٹ عقل ہی ہے اور اسباب' آلات' اجسام منقادہ اور عبادت کے جملہ اسباب کی ایجاد کا ذریعہ صرف عقل ہے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جملہ اہل اسلام کے لئے بالفعل رحمت ہیں اور جملہ عوام الناس کے لئے بالقوہ رحمت ہیں اور

بعض تو آپ کو سب کے لئے ہی بالفعل رحمت سمجھتے ہیں۔ لہذا ان کا قول ہے کہ آپ ہدایت کے ذریعہ سے مومن کے لئے رحمت ہیں۔ اور کافروں کے لئے آپ رحمت اس طرح ہیں کہ آپ کے باعث عذاب میں تاخیر کرتے ہیں کافروں پر دنیا میں عذاب میں عجلت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کافروں کو قتل کرنا اور فسادیوں کو ہلاک کرنا بھی تو رحمت ہے۔ کیونکہ نظام عالم اور اصلاح کی ترتیب اس پر مبنی ہے جیس کہ درخت سے خشک شدہ اور خراب شدہ شاخوں کا کاٹنا ہے کیونکہ ان خراب شدہ شاخوں کا کاٹنا ہی دوسری شاخوں کے لئے درستگی، اصلاح اور پھل اٹھانے کا موجب ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے لئے رحمت ہیں۔ اور کفار کے حق میں بھی۔ کیونکہ جس عذاب سے جھٹلانے والی امتیں ہلاک ہوئیں۔ اس سے ان کو سلامت رکھا۔ حدیثوں میں ذکر کیا گیا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل سے دریافت فرمایا کہ آیا اسے بھی آپ کی رحمت کا حصہ میسر آیا ہے۔ اس نے عرض کیا کہ ہاں! میں پہلے اپنے انجام سے خوفزدہ تھا لیکن اب بے خوف ہوں۔ بدیں وجہ کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ اپنے فرمان میں میری تعریف کی ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے:-

ذی قوۃ عند ذی العرش مکین مطاع ثم آمین

ترجمہ۔ طاقت والا جو عرش کے قریب مکین ہے۔ اطاعت گزار ہے اور امانت دار۔

جبرئیل علیہ السلام کا یہ خوف اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بے نیازی سے خوف ہے۔ جو بارگاہ الہیہ کے مقربان سے کبھی علیحدہ نہیں ہوتا۔

عارف لوگوں کا قول ہے کہ جس روز سے لعنتی ابلیس راندہ بارگاہ ہو چکا ہے۔ عالم ملکوت میں بسنے والے سکون و اطمینان سے محروم ہو چکے ہیں اور خوفزدہ ہو چکے ہیں اگرچہ وہ وعدہ صادق کے مطابق امن میں ہیں۔ جیسے کہ صحابہ میں سے جو مشیر صحابہ تھے کے حال سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک تو کہتا تھا کہ کاش میں درخت ہوتا۔ تاکہ کٹ لیا جاتا۔ دوسرا کہتا تھا کہ کاش میں ایک بکری ہوتا کہ لوگ مجھے کھا لیتے۔

فائدہ۔ بعض انبیاء صلوٰات اللہ علیہم کا قول لا اخاف ما تشرکون بہ الا ان یشاء اللہ اسی قبیل سے ہے۔ کشاف کے مصنف زمخشری نے اس آیت سے جو جبرئیل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر فضیلت رکھنے کا تمسک اور استدلال کیا ہے وہ کتنا کمزور ہے۔ اسے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ جبرئیل علیہ السلام کے یہ اوصاف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت کے سبب تھا اور وہ یہ نہ سمجھ کا کہ کمال صفت جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے اس کے مقابلے میں جبرئیل کی یہ صفت ذی قوۃ عند ذی العرش مضمحل ہے اور کم حیثیت رکھتی ہے۔ جبرئیل کے اوصاف قلیل شمار ہیں۔ جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کا احصار اور شمار کرنا نہ صرف مشکل ہے بلکہ ناممکن ہے علاوہ دو اشخاص میں ایک میں کسی صفت کا بیان کرنا یہ معانی نہیں رکھتا کہ دوسرے شخص میں وہ صفت موجود نہیں ہے ہاں! مقام کے اقتضاء کے مطابق زیادہ تر یہی کہا جا سکتا ہے کہ قرآن میں میں صفت بیان کی گئی ہے اور نسبت اس کی طرف کی گئی ہے اور جب قرآن کی نص سے ثابت ہے کہ آپ صلی

اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین ہیں اور فرشتے بھی تو عالمین میں سے ہیں۔ لہٰذا ثابت و واجب ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرشتوں پر افضل ہیں اور مفسرین رحمہم اللہ کا ایک گروہ ذی قوۃ عند ذی العرش کی صفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کرتا ہے۔ اور انہ لقول رسول کریم میں رسول کریم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو مراد لیتے ہیں۔ کچھ علماء کرام نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود سے حصول رحمت کے بارے میں کہا ہے کہ خاک کو آپ سے رحمت ملی وہ مطہر (پاک) ہو گئی اور طوفان سے پانی ممنوع ہو گیا اور ہوا بھی شیطانوں کے راستہ سے محفوظ ہو گئی اور آندھی سے کافروں کو ہلاک کرنے سے محفوظ ہو گئی۔ اور آتش صدقات کو جلانے سے محفوظ ہو گئی اور آسمان بھی محفوظ ہو گیا کہ اس تک شیاطین پہنچیں اور چوری چھپی باتیں سنیں۔

اس مسکین (شیخ عبدالحق) سے ایک آدمی نے پوچھا کہ اس رحمت میں سے شیطان کو کیا ملا۔ میں نے اس کو جواب دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دبدبہ' ہیبت' ہدایت اور حقانیت اس مرتبہ کی تھی کہ بحکم جاء الحق و ذھق الباطل اور فیدمغہ فاذا ھو زاھق شیطان لعین کا وجود ناپید اور نابود ہو جاتا اور قیامت تک اس کے باقی رہنے کی اجازت جو واقع ہے متغیر اور منسوخ ہو جاتی۔ پس یہ رحمت ہی کا اثر ہے کہ وہ باقی رہا۔ جیسے کافروں کے لئے عذاب میں دیر ہونا علماء نے کہا ہے۔

نور و سراج کا بیان۔ وصل۔ اور حق سبحانہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک اس لئے نور اور سراج منیر رکھا کہ وہ غایت درجہ روشن تھے اور روشن کرنے والے تھے آپؐ سے وصول تجلی کا راستہ روشن ہو گیا اور ان کے جمال و کمال سے آنکھیں اور ان کی بینائی روشن ہو گئی۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:-

قدجاء کم من اللہ نور و کتاب مبین ○

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:-

یایھا النبی انا ارسلنک شاہدو مبشر و نذیر او داعیا الی اللہ باذنہ و سراجا منیرا

علماء نے کہا ہے کہ حق تعالیٰ نے آپ کو چراغ سے تشبیہ دی ہے۔ گو تشبیہ میں آفتاب اور چاند سے زیادہ مبالغہ ہے۔ چراغ کے ساتھ تشبیہ اس وجہ سے ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود شریف عنصری ہے۔ (یعنی ارضی ہے) دوسرے یہ کہ چراغ سے قائم مقام چراغ روشن ہوتے ہیں۔ ایک چراغ سے لاکھوں کے حساب سے چراغ روشن ہو سکتے ہیں۔ جب کہ چاند اور آفتاب کے قائم مقام نہیں ہوتے۔

یک چراغ است دریں خانہ کہ از پر تو آں
ہر کجا می نگری انجمنے ساختہ اند

بلکہ اگر یہ کہیں اس تشبیہ سے مراد آفتاب سے تشبیہ ہے تو یہ بھی بعید تو نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آفتاب کو (قرآن پاک) میں سراج کہا ہے۔

وجعل فیھا سراجا و قمر منیرا۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

وجعلنا سراجا وھاجا

(اور آفتاب کو چمکتا دمکتا ہوا بنایا)

لہٰذا جس طریقے سے آفتاب عالم اجسام میں افادہ نور کرتا ہے اور کسی غیر سے وہ خود مستفید نہیں ہوتا اس طرح آنحضرت صلی اللہ کی ذات بابرکات انوار عقلیہ کا افادہ کرتی ہے۔ تمام نفوس بشری کو اور سوائے اس ذات مقدس الہٰی عزوجل کے کسی دوسرے مستفید نہیں ہوتے اور اگر ماہتاب سے تشبیہ دی جائے تو یہ بھی درست ہو گی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نور کہنے میں تلمیح ہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے اللہ نور السموت والارض پس زمین و آسمان میں صرف اللہ تعالیٰ کا نور ہے جو جملہ موجودات میں ظاہر ہے اور وہی اللہ تعالیٰ وجود حیات اور جمال و کمال ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی ذات کا مظہر اتم اور واسطہ ظہور ہیں۔

آیت مثل نورہ کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر میں ایمان کی مثال مشکوۃ کی طرح ہے جس کے اندر شمع روشن ہو۔ مشکوۃ آپ کے سینہ مبارک کی مثل ہے۔ اور زجاجہ جناب کے قلب پاک کی مثال ہے اور آنحضورؐ کے قلب اطہر میں جو معرفت اور ایمان کا نور موجود ہے۔ مصباح اس کی مثال ہے۔ اور فرمایا:۔

الم نشرح لک صدرک

کیا ہم نے آپؐ کا سینہ مبارک کھول نہ دیا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمت عطا کرنے کے احسان کا اظہار فرمانے کے لئے یہ کلمات کہے جو نعمت کہ انشراح صدر میں ہے اور وہ عظیم نعمت ہے۔ اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک کی کشادگی اور وسعت مفہوم ہیں جو مناجات اور دعوت خلق میں جمع' معارف کے انوار و علوم 'توحید 'معرفت' عجیب و غریب اسرار اور جہل اور نکرت کی تنگی' حق سے اعراض' ماسواء اللہ سے دل کی قطع تعلقی' القائے وحی میں آسانی اور رسالت اور تبلیغ کے بڑے بھاری بوجھ کو اٹھانے کی طاقت عطا فرمانے کی خاطر ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

ووضعنا عنک وزرک الذی انقض ظہرک

ترجمہ اور انشراح صدر کا سب سے بڑا سبب وہ نور ہے جو دل میں چمکتا دمکتا ہے۔ جس طرح کہ فرمایا ہے

واذا دخل النور القلب انفسح وانشرح۔

اور اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہوتی ہے کہ دل صفات ذمیمہ (بری خصلتوں) سے پاک و صاف ہو جاتا ہے۔ اور اس صفت میں سب سے اتم' اکمل اور اعلیٰ حضرت سید السادات صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور آپؐ کی اتباع کرنے والے بھی اپنی متابعت و محبت کے مطابق اس سے حصہ پاتے ہیں۔ اس کا مفصل بیان کتاب سفر السعادۃ میں ہے کہ اور بعض فارسی رسائل میں

بھی بیان کیا گیا ہے۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے۔

ورفعنالکذکرک

ترجمہ اور ہم نے تمہارا ذکر اور آوازہ بلند کر دیا ہے۔ دنیا اور آخرت میں نبوت اور شفاعت کے ساتھ۔

اور کلمہ اسلام' اذان اور نماز میں اپنے نام مبارک کے ساتھ تمہارا نام بھی شامل کیا ہے اور کوئی بھی خطیب یا تشہد پڑھنے والا اور نماز ادا کرنے والا ایسا نہیں ہے جو اشھدان لا الہ الا اللہ و اشھدان محمد رسول اللہ نہ کہتا ہو۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث میں ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جبرئیل علیہ السلام آئے اور عرض کیا کہ پروردگار تعالٰی فرماتے ہیں کہ کیا آپؐ جانتے ہیں کہ کس چیز سے آپؐ کا ذکر بلند کیا گیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالٰی زیادہ جاننے والا ہے۔ تو کہا کہ اس سے کہ اذاذکرت ذکرت معی اور اپنے ذکر کے ساتھ تمہارے ذکر میں پورا ایمان رکھا ہے۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور تمہارے ذکر کو اپنا ذکر بنا دیا اور تمہاری اطاعت میں میری اطاعت۔ جس کسی نے تمہارا ذکر کیا اس نے میرا ذکر کیا۔ اور جس کسی نے تمہاری اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی۔ من یطع الرسول فقد اطاع اللہ اور آپؐ کی پیروی کو اپنی محبت سے مستلزم کر دیا۔ فاتبعونی یحببکم اللہ

صفات کے ذکر کے ساتھ نداء۔ جملہ اعزاز و تکریم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اللہ تعالٰی کے نزدیک ہے اس میں سے یہ ہے کہ ندا دیتے وقت اللہ تعالٰی آپؐ کو نبوت کی صفت اور رسالت کے ساتھ خطاب کرتا ہے۔ یاایھاالنبی یاایھاالرسول اور تمام دوسرے نبیوں کو ان کے ناموں سے مخاطب فرمایا یا ادم' یا نوح' یا موسیٰ' یا عیسیٰ اور یاایھاالمزمل' یاایھاالمدثر کی طرح محبت بھرے لفظوں سے یاد فرمانا۔ اہل ذوق و شوق اور صاحبان محبت پر عیاں ہے کہ ان میں کتنی محبت الفت اور مہربانی جلوہ گر ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے ابو نعیم نے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب آدم علیہ السلام کو ہند کی زمین میں اتارا گیا۔ تو وہ بہت پریشان ہو گئے تھے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور انہوں نے اذان دینا شروع کی۔ دو دفعہ اللہ اکبر کہا۔ دو دفعہ اشھدان لا الہ اللہ اور اشھدان محمد رسول اللہ دو دفعہ آخر حدیث تک۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک عرش پر' آسمان پر جنت میں ہر مقام پر نیز حوروں کی گردنوں میں تحریر شدہ ہے۔ جنت کے اندر کوئی ایسا درخت موجود نہیں جس کے ہر پتہ پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ نہ لکھا گیا ہو۔ بزاز نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت درج کی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ آپؐ فرماتے تھے کہ جب آپؐ کو آسمان کی طرف لے جایا گیا۔ میں کسی ایسے آسمان سے نہیں گذرا جس میں کہ میرا نام نہ لکھا گیا ہو۔ محمد رسول اللہ اور اللہ تعالٰی نے آپؐ کا نام اپنے نام سے نکالا ہے۔ جیسے کہ حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا ہے۔

فذوالعرش محمود وھذامحمد

اور اللہ تعالیٰ نے اپنے اسماء حسنیٰ میں سے ستر نام سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو موسوم فرمایا ہے۔ جس طرح کہ اسماء شریف کے باب میں انشاء اللہ آئے گا۔

مناقب جلیلہ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم۔ وصل:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر و منزلت کی۔ اللہ تعالیٰ کا قسم اٹھانا یہ آپؐ کے مناقب جلیلہ میں سے ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے لعمرک انھم لفی سکرتھم یعمھون تمام مفسرین کا یہ ہی مذہب ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف کی قسم اٹھائی ہے۔ اس میں نہایت تعظیم اور نہایت درجہ کا احسان اور بزرگی پائی جاتی ہے۔ جیسے کہ محبت کرنے والا اپنے محبوب کی قسم اٹھاتے وقت اس طرح پر کہتا ہے کہ تیرے سر کی قسم۔ تیری حیات و زندگی کی قسم وغیرہ وغیرہ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ پروردگار تعالیٰ نے اپنے نزدیک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ گرامی تر کسی کو نہیں پیدا کیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی قسم اٹھائی ہے۔ اور کسی غیر کی بالکل نہیں۔

بڑے اجل تابعین سے حضرت ابوالحوزا ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ سوائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پروردگار تعالیٰ نے کسی کی ذات کی قسم نہیں اٹھائی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام مخلوق سے زیادہ افضل اور اکرم ہے۔

(اسی طرح) علامہ قرطبی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات پاک کی قسم اٹھانا ایک صریح بیان ہے۔ ہم لوگوں کو کب جائز ہوا ہے کہ ہم آپؐ کی زندگی مبارک کی قسم اٹھائیں۔

فائدہ۔ امام احمد رحمت اللہ علیہ نے کہا ہے کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کی قسم اٹھاتا ہے اس کے لئے ایفا واجب ہو جاتا ہے اور یہ قسم توڑ دینے پر کفارہ واجب ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ذات پاک شہادت کے دو ارکان میں سے ایک رکن ہے۔

کچھ علماء نے تو کہا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کی قسم اٹھانے کا آج تک رواج ہے۔ اور مدینہ شریف کے لوگ تو ہمیشہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم اٹھاتے ہیں اور یہ کہنا ان کا معمول ہے کہ اس ذات کی قسم جو اس قبر میں پوشیدہ ہے۔ یا اس ذات کی قسم جس کو اس قبر انور نے چھپا رکھا ہے۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔

ایک قسم اللہ تعالیٰ نے اپنی ربوبیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب فرما کر اٹھائی ہے۔ جیسے کہ ہے فو ربک

یسین والقرآن الحکیم کی تفسیر میں مفسرین مختلف تفسیر کرتے ہیں۔ اکثر اس تفسیر پر ہیں کہ یسین آنحضرت صلی اللہ

وسلم کا نام ہے جس طرح کہ طٰہ ہے۔

حضرت امام جعفر صادق سلام اللہ علیہ وسلم وعلیٰ آباۂ واولادہ اکرام سے نقل کیا ہے کہ یٰس سے آنحضورؐ کا اسم پاک اور خطاب ہے۔ جس کا مطلب ہے اے سید و سردار! اور بعض کہتے ہیں کہ بنو طے کی زبان کی لغت میں اس کے معانی ہیں اے رجل یا اے انسان۔ بہرحال اس سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی مراد ہیں۔ خواہ اس سے مراد قسم ہو یا نداء۔ اس میں بھی آپ کی عظمت اور علوشان ہے۔ اور قرآن کی قسم اٹھانے سے مراد آپؐ کی رسالت کی تحقیق اور آپؐ کی ہدایت پر شہادت ہے۔ مراد یہ کہ آپؐ صراط مستقیم پر ہیں اس میں نہ ٹیڑھا پن ہے اور نہ ہی حق سے انحراف ہے۔

حرمت والے شہر کی قسم۔ علماء نے کہا ہے کہ حق تعالیٰ نے تمام انبیاء میں سے سوائے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی نبی کی رسالت کی قسم نہیں اٹھائی۔ لا اقسم بھذا البلد و انت حل بھذا البلد والی سورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت زیادہ بزرگی اور تکریم ہے کیونکہ قسم کو اس شہر کے ساتھ مقید کر دیا ہے۔ جو شہر بڑا محترم ہے اور بلد امین جس کا نام ہے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزول کے وقت سے وہ شہر عزت والا اور کرامت والا ہو چکا ہے اور اسی مقام پر علماء نے کہا ہے کہ مکان کی بزرگی اور عظمت اس کے مکین سے ہوتی ہے اور مشرکوں کی جہالت اور حق ناشناسی سے تعریض ہے جو کہ چاہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس میں سے نکال دیں۔

اور اللہ تعالیٰ کا قول شریف ووالد وما ولد اگر حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور ما ولد سے مراد ان کی نسل ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس نسل میں شامل ہیں اور والد سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں تو ما ولد سے مراد ان کی اولاد ہے تو پھر اس سے یقیناً" مراد حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ پس اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوبار قسم کھائی ہے۔

مواہب لدنیہ میں علماء کا بیان تحریر ہے کہ حضرت عمر بن خطاب سے روایت ہے کہ میں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کیا بابی انت و امی یا رسول اللہ تحقیق آپ کی فضیلت اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس مرتبہ پر پہنچ چکی ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ آپؐ کی حیات مبارک کی قسم کھاتا ہے نہ کہ سارے انبیاء کی اور آپؐ کی فضیلت اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس حد تک پہنچ گئی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ آپؐ کے پاؤں کی خاک کی قسم کھاتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے کہا ہے لا اقسم بھذا البلد یعنی اس زمین کی قسم ہے جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں کے نیچے پامال ہے۔ یہ آنحضرتؐ کی خاک پا کی قسم ہے اور حقیقت پر صاف و پاک نظر ہے۔ کیونکہ اس پر غبار نہیں بیٹھتا اور تحقیق یہ وہ بات ہے کہ اپنی ذات سے غیر کی قسم اللہ تعالیٰ کا اٹھانا اس چیز کے شرف۔ فضیلت اور تمیز کی خاطر ہے آدمیوں کے نزدیک۔

اس کلام کی تفصیل یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے کئی دفعہ کئی چیزوں کی قسم کھائی ہے۔ کبھی اپنی ذات اور صفات کی قسم اٹھائی اور کبھی کچھ مخلوقات کی قسم اٹھائی جو اللہ تعالیٰ کی ذات و عظمت کی طرف رہنمائی کرتی ہیں جس طرح کہ آسمان و زمین اور دن رات وغیرہ ہیں۔ کیونکہ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی آیات عظیمہ ہے اور قدرت خارجہ کے دلائل ہیں۔ ستارے (کوکب) سورج

اور چاند تمام یہ چیزیں مطالع انوار' اسرار کے مظاہر جہاں کو منور کرنے کے اور انسان کی نسل کی بہتریوں کو منضبط کرنے اور راستہ معلوم کرنے کے اسباب و علل ہیں اور شیطانوں کو مار کر بھگانے کے ذرائع ہیں۔ کچھ اس طرح کی چیزیں بھی ہیں جن کے اسرار کو تہ نظر لوگ سمجھنے سے عاجز ہیں۔ اللہ پروردگار تعالیٰ نے ان کی قسم کھائی ہے۔ مثال کے طور پر ہے والتین والزیتون قسم ہے کھجور کی اور زیتون کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان اشیاء میں کتنی حکمتیں رکھی ہوئی ہیں۔ کون جان سکتا ہے۔ ان میں کتنے اسرار پوشیدہ ہیں۔ یہ قسمیں ان کی فضیلت کو ظاہر فرمانے کے لئے اور جملہ اشیاء میں سے انکو ممتاز کرنے کے لئے ہیں۔ اسی حال میں آدمیوں کی قسم ہوتی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات اپنی صفات کی قسم کھائی ہے۔

زمانہ کی قسم۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے والعصر ان الانسان لفی خسر لفظ عصر کی تفسیر میں مختلف اقوام مفسرین ہیں۔ کچھ تو کہتے ہیں عصر سے زمانہ مراد ہے لیکن صراح میں عصر کا معنی ہے دن رات کی گردش اسی کو دھر (زمانہ) بھی کہتے ہیں۔ اور دہر بڑے تعجب خیز اور نادر الوقوع حادثات و واقعات پر مشتمل ہے۔ اس کے بیان اور اس کے احصار سے زبان انسانی عاجز ہے۔ لا تسبو الدھر فانا الدھر کے الفاظ میں دہر کو مشرف کردیا ہے اس کے اندر خوشی اور نقصان ہے۔ صحت بھی ہے اور بیماری بھی' آفات و خطرات بھی ہیں اور برکات و کملات سب موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

ان الانسا لفی خسر ○ الا الذین امنو و عملوا الصلحت ○

پس اس مقام پر حق تعالیٰ سبحانہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی قسم اٹھائی ہے۔ جیسے کہ آپؐ کے مکان کی قسم لا اقسم بھذا البلد میں ہے اور لعمرک میں آپؐ کی حیات طیبہ کی قسم ہے۔ اور الم کی تفسیر میں بھی مختلف اقوال ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ الف سے مراد اللہ کی طرف اشارہ ہے۔ لام سے جبرئیل مراد ہیں اور میم سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ق سے مراد ہے قلب محمدی کی قوت ایک قول کے مطابق۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپؐ مشاہدہ اور مکالمہ میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام تحمل فرماتے ہیں اور والنجم اذا ھواء کی تفسیر میں علماء کہتے ہیں کہ النجم بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب شریف ہے اور اذا ھواء سے مراد ہے۔ انوار الہیہ سے آپؐ کے سینہ مبارک کا انشراح اور غیر اللہ سے انقطاع اور ہواء کا معنی اترنا بھی آیا ہے۔

سورہ والفجر کی تفسیر میں علماء نے کہا ہے کہ فجر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مراد لئے گئے ہیں۔ کیونکہ آپؐ سے نور برستا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے کلام وما ادرک ما الطارق النجم الثاقب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں اور اسی طرح سورہ نون میں ن والقلم وما یسطرون کے الفاظ میں حق تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جنون کی نفی پر قسم کھائی ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ اجر غیر ممنون فرمایا گیا ہے۔ (نہ ختم ہونے والا اجر) نیز اخلاق عظیمہ پر آپؐ کا ہونا ثابت ہے۔ نون ہے اسماء حروف میں سے جس طرح الم وغیرہ ہیں۔ یا یہ سورتوں کے نام ہیں اور یا پھر یہ اللہ تعالیٰ کے نام ہیں۔ جس طرح کہ حروف مقطعات کی مختلف تفسیریں مفسرین نے بیان کی ہیں۔ کچھ مفسرین نے کہا ہے کہ مچھلی کا نام نون ہے اور یہ وہ مچھلی ہے جس پر زمین قائم ہے اس کا نام بہموت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ کہا نون دوات

کو کہا گیا ہے اور دوات اور قلم اور جو کچھ وہ لکھے۔ کیونکہ اس کا بڑا عظیم فائدہ ہے۔ ایک یہ بھی قول ہے کہ نون ایک تختی ہے نور کی بنی ہوئی۔ جس پر فرشتے لکھتے ہیں جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف انہیں حکم کیا جاتا ہے حدیث میں ہے کہ آیات الٰہی میں سے ایک آیت قلم ہے اور سب سے اولین تخلیق میں سے ہے۔ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی تقدیریں لکھوائیں تھیں۔

فائدہ۔ یہ قلم جو اس جہان میں ہے اسی اعلیٰ قلم کا نمونہ ہے۔ نیز یہ آیات الٰہی میں سے ایک آیت اور اس کی منفعت بڑی عظیم ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی شریعت اور وحی الٰہی لکھی جاتی ہے۔ اس سے دین و ملت کو احاطہ کیا جاتا ہے۔ اس سے علوم کو منضبط کرلیا جاتا ہے۔ اسی سے لوگوں کی مصلحتیں قائم کی جاتی ہیں۔ اسی سے علوم کو مدون کیا جاتا ہے۔ اور احکام کو مقید کیا ہے اور پہلے لوگوں کی خبریں اور مقالات لکھے جاتے ہیں اور اس سے نازل شدہ کتب اور آسمانی صحائف تحریر کئے جاتے ہیں۔ اگر قلم نہ ہو تا تو دین و دنیا کے امور کو استقامت نہ ملتی۔ سورہ اقراء کی تفسیر میں علم بالقلم کے بیان میں صاحب تفسیر کشاف بیان کرتے ہیں اگر اللہ کی دقیق حکمتوں اور لطیف تدابیر پر دلیل کوئی نہ ہوتی تو قلم اور خط ہی اس کے لئے کافی تھے اور اہم ترین خصوصیت قلم کی یہ ہے کہ اس کے ساتھ حمد باری تعالیٰ اور نعت نبی کریم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تحریر ہوتی ہیں اور کتاب اللہ کی تفسیر اور احادیث رسول کی شرح کرتے ہیں۔ اولیاء اللہ کے مقالات اور مواعظ و نصائح اس سے لکھتے ہیں۔ مزید یقین اور ایمان کی تقویت و تکمیل اور امور دین کی ترویج و تجدید ہوتے ہیں۔ اور فضول کلام اور نفسانی عندیات و خیالات اور توہمات سے بوجہ ہدایت خلق اور تقویت احکام اسلام اجتناب کرتے ہیں اگرچہ اپنے خیال و گمان کے مطابق انہیں حقائق و معارف کا نام ہی کیوں نہ دیتے ہوں۔

فویل للذین یکتبون الکتاب بایدیھم ثم یقولون ھذا من عند اللہ لیشتروا بہ ثمنا قلیلا ○ فویل لھم مما کتبت ایدیھم وویل لھم مما یکسبون ویقولون ھو من عند اللہ ویقولون علی اللہ الکذب وھم یعلمون ○

(اعاذنا اللہ من ذالک)

اور بالجملہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں نفی جنون کی قسم کھائی ہے جو کہ نہایت جہالت اور حماقت و عناد اور تکبر کی وجہ سے کافر لوگ آپؐ کو جنون سے منسوب کرتے تھے اور وہ ایک ایسی ذات کو کس طرح جنون سے منسوب کرسکتے ہیں۔ جب کہ اللہ تعالیٰ سے جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھا تھا اس سے تمام عقلاء کی عقلیں عاجز و درماندہ ہو چکی تھیں اور آپؐ ایسی کتاب لائے جس کے مقابلہ سے تمام فصحاء اور بلغاء عاجز ہو چکے تھے۔ بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے اس کی تعریف کی جو کہ عظیم ترین عطیہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے

فرمایا انک لعلی خلق عظیم یہ علامات نبوت و رسالت میں عظیم ترین علامت ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی خلق عظیم کی تفسیر میں فرماتی ہیں۔ کان خلقہ القرآن

عظائم نبوت۔ اللہ تعالٰی کی طرف سے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی عظیم ترین قدر و منزلت آپ کی تعظیم و تکریم اور تنزیہہ اور پاکیزگی کے بیان پر مشتمل ہے اور اللہ تعالٰی کی رحمتوں اور نعمتوں کی عطا پر دلیل ہے۔ نیز اس میں لامتناہی نعمتیں عطا کرنے کا وعدہ ہے۔ سورہ والضحیٰ کے اندر اللہ تعالٰی نے دن اور رات کی قسم کھائی ہے جو کہ اللہ تعالٰی کی بڑی نشانیوں کا مظہر ہیں۔ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا و آخرت کے حالات کی خبر دی گئی ہے اور اللہ نے فرمایا ہے۔ ماودعک ربک وماقلی اے میرے حبیب! تجھے اللہ تعالٰی نے چھوڑا نہیں ہے اور نہ ہی دشمن بنایا ہے۔ جس وقت سے لے کر آپ کو اللہ تعالٰی نے برگزیدہ کیا۔ مفسرین لفظ والضحیٰ سے آپ کا چہرہ مبارک اور لیل سے آپ کے گیسو مبارک مراد لیتے ہیں۔ جس طرح کہ امام فخرالدین رازی رحمتہ اللہ نے نقل کیا ہے وہ اپنی تفسیر میں اس سورۃ کی شان نزول بیان کرتے ہیں کسی وجہ سے یا کسی بہتری کی خاطر کچھ عرصہ تک نزول وحی بند رہا۔ اس بارے میں مشرک لوگ باتیں کرنے لگے کہ ان کے رب نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ دیا ہے اور اسے اپنا دشمن سمجھتا ہے۔

وللاخرۃ خیر لک من الاولی۔ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ مراتب و درجات اور نعمتیں جو رب تعالٰی نے آپ کے لئے آخرت میں رکھے ہوئے ہے۔ وہ اس جہان میں عطا کردہ نعمتوں سے بڑھ کر ہیں کیونکہ دنیا کی تنگی کے باعث ان نعمتوں کی دنیا میں گنجائش نہیں ہے واذا رایت ثم رایت نعیما وملکا کبیرا جب تم دیکھو گے تو وہاں بڑی نعمتیں اور بہت بڑا ملک تم کو نظر آئے گا۔

یا یہ مراد ہے کہ آپ کے امر کی اخیر اس کی ابتداء سے ہمیشہ بہتر ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر آن آپ کے مراتب کمال اور عطا کے فیضان میں ترقی ہے۔ اس دنیا اور آخرت میں عطاو بخشش، جود و کرم، وجود کرامت اور اس قسم کی سعادتوں میں یہ آیت جامع ہے کیونکہ رب تعالٰی نے فرمایا ہے۔

ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ

اللہ کریم کی طرف سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ فرمایا جا رہا ہے کہ آپ کو اتنا میں عطا کر دوں گا۔ قیامت کے روز کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔ جسکا بیان حصر و شمار سے باہر ہے۔ اور کچھ اہل بیت سلام اللہ علیہم اجمعین سے نقل ہے کہ اس آیت سے زیادہ رضا الٰہی کی موجب کوئی دوسری آیت نہیں ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تک ہر امتی کو دوزخ سے نہ نکال لیں گے راضی نہ ہوں گے۔

بندہ مسکین ثبتہ اللہ فی مقام الصدق والیقین (شیخ عبدالحق) کہتا ہے کہ آیت پاک لا تقنطوا من رحمۃ اللہ

ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا نیز موجب رجاء ہے اور باعث امیدواری ہے لیکن یہ آیت شریف گناہوں کی بخشش پر دلالت کرتی ہے اور آیت ولسوف یعطیک ربک فترضی درجات کی بلندی اور مراتب حاصل کرنے کی امید میں کافی ہے۔

؎ بشرٰی لنا یا معشر الاسلام ان لنا من العنایۃ رکنا غیر منھدم

صاحب مواہب لدنیہ پر حیرانگی آتی ہے۔ جو انہوں نے کہا کہ جو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر افترا باندھتے ہیں کہ آپؐ کسی امتی کے دوزخ میں ڈالے جانے پر راضی نہ ہوں گے۔ یہ شیطان نے فریب دیا ہے کہ وہ ان کے ساتھ تمسخر کرتا ہے۔ اس لئے کہ جس چیز پر اللہ تعالیٰ راضی ہیں۔ آپؐ بھی اس پر راضی ہیں۔ اللہ تعالیٰ گنہگاروں کو دوزخ میں ڈالے گا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اسکے حق کو جانتے پہنچانتے ہیں۔ وہ تو اس امر سے بریت والے ہیں کہ اللہ سے آپ عرض کریں گے کہ میری امت سے کسی کو دوزخ میں ڈالنے پر راضی نہیں ہوں اور کسی کا ٹھکانہ جہنم نہ بنایا جائے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ تو آپؐ کو شفاعت کی اجازت عطا فرمائے گا۔ لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر اس آدمی کی جس کو اللہ تعالیٰ چاہے گا شفاعت فرمائیں گے۔ آپؐ تو صرف اس آدمی کی شفاعت کریں گے۔ جس کے لئے اللہ تعالیٰ آپؐ کو اذن دے گا۔

(انتہی کلام)

مخفی نہیں رہنا چاہیے کہ شفاعت والی حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مختلف گنہگاروں کی شفاعت فرمائیں گے۔ جیسے کہ زانی، چور اور شرابی وغیرہ وغیرہ، اس کے بعد وہ رہ جائیں گے۔ جن کا ایمان رائی کے دانہ کے برابر ہوگا اور سوائے اس رائی برابر ایمان کے اور کوئی نیکی نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ان کے متعلق فرمائے گا کہ میرے بندے نہیں اور مخصوص نہیں ان کی شفاعت میں خود ہی اپنے آپؐ سے کروں گا۔ لہٰذا وہ بخشے جانے کے بعد دوزخ سے نکال لئے جائیں گے۔ یہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے ذریعے ہوگا۔

فائدہ۔ یہ تو معلوم ہی ہے کہ بغیر اذن کے رب تعالیٰ اور بغیر اس کی رضامندی کے شفاعت نہ ہوگی لیکن وہ اللہ تعالیٰ شفاعت کا اذن اور رضاء دیتا ہے اپنے وعدہ کے باعث جو اس نے اپنی رضا سے کیا ہوا ہے اور مراد یہ ہے (مواہب لدنیہ والی عبارت) سے کہ دوزخی ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ اور یہ تو مسلمہ امر ہے کہ گنہگار ہمیشہ کے لئے دوزخ میں نہ رہیں گے۔ یہ قول دو احتمال رکھتا ہے۔ ایک یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی بھی امتی کے دوزخ میں ڈالے جانے پر راضی نہ ہوں گے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ اپنے کسی امتی کی دوزخ میں ہمیشگی پر راضی نہ ہوں گے اور پہلی عبارت سے بھی یہ کچھ مراد ہے۔ فافہم وباللہ التوفیق۔

اس کے بعد اس سورۃ میں باقی نعمتیں بیان کی گئی ہیں جو ابتداء حال میں عطا فرمائی گئی تھیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ آخر میں بھی اسی طرح انعام و اکرام ہوں گے۔ جیسے کہ کہا گیا ہے لقد احسن اللہ

فیما مضٰی و کذالک یحسن فیما بقی مطلب یہ ہے کہ یتیمی و بے کسی میں تربیت و عنایت کی اور مقام عطا فرمایا۔

بعض کا قول ہے کہ یتیم کے معنی ہے یگانہ 'یعنی نفیس تر اور بے نظیر ذات تھی آپ کی اور جاہل اور گمراہ لوگوں سے آپ کو قضاء علم میں بلندی عطا فرمائی اور مقام ہدایت دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو صبر اور بے نیازی سے نیز اموال و غنائم سے غنی کر دیا۔ آپ کی چھوٹی عمر میں بے کسی اور یتیمی کے عالم میں مجبور اور محروم نہ کیا تو نبوت اور رسالت سے سرفراز ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ آپ کو کیوں چھوڑے گا۔ واما بنعمۃ ربک فحدث اس لئے کہ نعمت کا اظہار کرنا اور نعمت کا ذکر اور چرچا کرنا احسان شناسی اور شکر گزاری کا باعث ہے اور شرائع و احکام کی تبلیغ اور تعلیم و ہدایت بھی تحدیث نعمت ہے۔

سورہ النجم۔ اس سورۃ کی آیات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضل و شرف پر مشتمل ہیں۔ ان کا احصار ناممکن ہے۔ اولاً" اللہ تعالیٰ نے نجم کی قسم کھائی۔ اس سے مراد ستاروں کی حرکت ہے ثریا کہ یہ نام غالب آیا ہے۔ اکثر لوگ اسے نباتات یا قرآن کا نام دیتے ہیں کہ نجمًا نجمًا نازل ہوا ہے۔ یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو شب معراج واپس لوٹے۔ یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب مبارک جو انوار سے مشروح ہے کہ غیروں سے منقطع ہے اور آسمان قدس سے زمین انس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ثبات کے ساتھ تشریف لایا۔ اس پر طریقہ ہدایت وارد ہوا۔ ہواؤ ہوس سے پاک رکھا گیا اور صدق و سچائی اس میں ڈالی گئی۔ جس طرح کہ آیت پاک شہادت دیتی ہے۔ قلب کا ارادہ صدق و ہدایت کا مقام ہے بڑا مناسب ہے کہ اس پر قسم کھائی جائے۔

وما ینطق عن الھوٰی ان ھو الا وحی یوحی

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے مراد قرآن ہے اور آپ کا تمام کلام اور حدیث مراد لی جائے جو وحی خفی ہے تو دو تین مقامات کے سوا جنہیں کہ مستثنیٰ کرنا پڑے گا جیسے کہ بدر کے قیدیوں کا قصہ 'ماریہ قبطیہ اور شہد کا واقعہ اور تابیر نخل کی کہانی اور اس پر تنبیہہ واقع ہوئی ہے۔

علاوہ ازیں یہ درست ہے وما ینطق عن الھوٰی ان ھو الا وحی یوحی کہ کلام ان کا اپنا نہیں ہوتا بلکہ وحی ہوتی ہے۔ مواہب لدنیہ میں کہا گیا ہے کہ یہ قرآن سے اعادہ ضمیر سے یہ بہتر ہے کہ گویائی قرآن اور سنت دونوں کو شامل ہے۔ یہ دونوں چیزیں وحی کہی ہیں۔ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وانزل علیک الکتاب والحکمۃ یہاں بھی کتاب قرآن پاک ہے اور حکمت کا مطلب سنت رسول ہے۔

حضرت حسان بن عطیہ سے اوزاعی نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ حضرت جبریل رسول خدا پر نازل ہوتے صلی اللہ علیہ وسلم سنت کے ساتھ جس طرح کہ وہ قرآن لے کر نازل ہوا کرتے تھے اور آپ کو تعلیم دیا کرتے تھے۔ تو معلوم ہوا نطق سے صرف قرآن مراد نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اجتہاد بھی اللہ تعالیٰ

سے وحی ہے۔ علماء کہتے ہیں کہ اس آیت کے بعد آپ کے فضائل شریف میں معراج شریف کا واقعہ بیان کیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سدرۃ المنتہی تک گئے۔ مخلوقات کے علم کی انتہا یہ مقام ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے آپ کی نظر مبارک کی بھی یہاں وضاحت فرمائی ہے اور آپ کی آنکھ یا نظر مبارک نہ بھٹکی نہ حد سے اس نے تجاوز کیا۔ آپ نے جو کچھ بھی دیکھا۔ جو کچھ مقام جبروت ولاہوت سے آپ پر انکشاف ہوا۔ اور ملکوت سے عجائبات جو آپ نے دیکھے وہ عبارت کے الفاظ میں مقید نہیں کئے جا سکتے۔ اتنی قوت فہموں میں اور عقلوں میں بھی نہیں کہ اس میں سے تھوڑے سے تھوڑا ذکر بھی برداشت کر سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ رب تعالیٰ نے اس طرح رموز و کنایات میں اور اشاروں میں بیان کیا جس سے آپ کی بزرگی اور بڑائی ظاہر ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ فاوحی الی عبدہ مااوحی علماء فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تین قسم کا کلام فرمایا تھا۔ ایک قسم کلام کی وہ ہے جو عربی لغت کے مطابق ہے اور جس کے ظاہر معانی مخلوق سمجھ سکتی ہے۔ دوسرا کلام اشاروں میں فرمایا گیا تھا۔ جس طرح کہ قرآن میں حروف مقطعات ہیں۔ جن کو سمجھ لینے یا حقیقت تک پہنچنے کی طاقت و صلاحیت کوئی آدمی نہیں رکھتا۔ تیسری قسم وہ کلام پاک ہے جو ابہام میں فرمایا گیا تھا اور یہ کلام نہ کسی کے خیال میں آ سکتا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

فاوحی الی عبدہ مااوحی

اس سورۃ میں رویت کا اثبات کیا گیا ہے اس میں علماء میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ مفسرین نے اختلاف کیا ہے کہ یہ رویت جبریل کی ہے یا اللہ تعالیٰ کی رویت ہے دل سے یا آنکھ سے اور آخری قول یعنی آنکھ سے دیکھنا ہی متحقق ہے۔ حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ رویت اور کلام کو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام میں تقسیم کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ دو دفعہ کلام فرمایا تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دو دفعہ دیدار الٰہی ہوا۔ حضرت ابن عباس اور بہت سے دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے یہی کیا ہے۔ لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے۔ اللہ اعلم

فائدہ۔ بہرحال یہ سورۃ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتہائی درجہ کے فضل و کمال کی مظہر ہے جو سوائے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی دیگر شخص کو میسر نہیں ہے اور سورہ مبارکہ اذالشمس کورت میں۔

انہ لقول رسول کریم ذی قوۃ عند ذی العرش مکین مطاع ثم آمین

کچھ مفسرین کے مطابق یہ آیت پاک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات رؤف و رحیم کے متعلق ہے۔ اس لئے کہ آپ میں یہ صفات اور جملہ فضائل و کرامات پائی جاتی ہیں۔ جس طرح سورہ الحاقۃ کے اندر آیہ کریمہ انہ لقول رسول کریم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی مراد لئے جاتے ہیں۔

طہٰ اور یٰسین۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں رب تعالیٰ کا فرمان ہے طٰہٰ ما انزلنا علیک القرآن لتشقٰی اس سورۃ کی وجہ نزول سورہ یٰسین ہے۔ یہ سورۃ یٰسین کے بعد نازل ہوئی اور یٰسین میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

یٰس والقرآن الحکیم ○ انک لمن المرسلین

علماء حضرات لفظ طٰہٰ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموں میں شمار کرتے ہیں اور اس سے مفہوم انسان اور مرد کا بھی لیتے ہیں۔ جیسے یٰسین سے مراد یا شید کہتے ہیں اسی طرح وہ طٰہٰ سے مراد لیتے ہیں یا طاہر یا ہادی اور وہ کہتے ہیں کہ طٰہٰ کے چودہ عدد ہوتے ہیں (ط 9 ہا 5) یعنی اس کا مطلب ہے اسے چودھویں رات کے چاند جس طرح اس شعر میں ہے۔

رخت را خواندہ طٰہٰ راہبر درگاہ
چو ماہ چار دہ بل چار دہ ماہ

لیکن قرآن کے مفسر ایسی تفسیر یا تاویل کو بدعت کہتے ہیں اور طٰہٰ ان کے خیال میں اللہ تعالیٰ کا نام ہے اسی طرح دونوں سورتیں اللہ تعالیٰ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و ثنا ہے اسی طرح کہا گیا ہے۔

ترا عز لولاک تمکیں بس است
ثنائے تو طٰہٰ و یٰسین بس است

سورۃ یٰسین میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صراط مستقیم پر ہونے اور آپؐ کے دین قیم پر قسم اور شہادت دی گئی ہے اور طٰہٰ سورۃ میں محبت اور مہربانی کے طریق پر آپؐ کو عزت و بزرگی عطا ہوئی ہے جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کے دوران بالخصوص نماز تہجد اور رات کو عبادت میں کھڑے ہو کر سخت مشقت امکانی شروع کی۔ جب کہ آپ کے پاؤں مبارک سوج جایا کرتے تھے اور کسی وقت ایک پاؤں پر بھی قیام فرماتے تو سورہ طٰہٰ نازل ہوئی۔

طٰہٰ ما انزلنا علیک القرآن لتشقٰی

اگر طٰہٰ نبی پاک کا نام ہے تو یہ ندا کے طور پر ہے اور اگر یہ اللہ تعالیٰ کا نام ہے تو پھر قسم کے طور پر ہے اور مان لیں کہ یہ قسم کے طور پر ہوتے ہوئے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ہے پھر بھی جواز رکھتا ہے اور اس جگہ توجہ میں غیبت کے حصول کے ساتھ ساتھ مخصوص مہربانی اور اعزاز بھی ہے اور یہ محبت کی لذت کی طرح لذیذ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

الا تذکرۃ لمن یخشٰی

ترجمہ: یہ قرآن خدا سے ڈرنے والوں کے لئے خدا کی یاد دلانے کے لئے ہے۔

اس خطاب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک ہی ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو قیام فرماتے تھے تو اپنے سینہ کو رسی کے ساتھ باندھ لیتے تھے۔ اس لئے کہ نیند نہ آجائے اور آپ ساری رات جاگتے رہتے تھے۔

صاحب مواہب لدنیہ نے کہا ہے کہ بعید از قیاس ہے۔ واللہ اعلم۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس آیت کا مفہوم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود کو سخت مشقت میں نہ ڈالا کریں اور کافر لوگوں کے کفر پر غم اور غصب کرکے اپنے آپ کو تکلیف میں نہ ڈالیں۔ اس لئے کہ قرآن آپ پر صرف اس لئے نازل کیا گیا ہے کہ آپ انہیں ڈرائیں اور اسلام کی تبلیغ فرمائیں۔ جو آدمی ایمان لے آئے گا اس میں اس کی بھلائی ہو گی اور جو کفر کرے گا۔ وہ بھی اپنے لئے کرے گا۔ آپ کی ذمہ داری صرف ان تک حکم کا پہنچانا ہے۔ جس طرح ایک اور جگہ پر بڑے پیار اور مہربانی سے فرمایا گیا ہے۔

لعلک باخع النفسلک علی آثارھم ان لم یومنوا بھذا الحدیث اسفا

اس کا مطلب یہ ہے کہ اے میرے حبیب! اگر وہ کفار ایمان نہ بھی لائیں گے تو کیا غم و غصہ کے ساتھ اپنے آپ کو آپ ہلاک کرلیں گے۔ الحدیث سے قرآن مطلب لیا گیا ہے۔ نیز اللہ نے فرمایا ہے۔

ولقد نعلم انک یضیق صدرک بما یقولون

اور یہ اللہ تعالٰی اور آپ پر جھوٹ و افتراء باندھتے ہیں اور آپ کو دیوانہ اور جادوگر کہتے ہیں۔ یہ خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ اور قرآن پر طعنہ زنی کرتے ہیں۔ پس آپ صبر کریں کافر تو ہمیشہ اسی طرح ہی رہے ہیں۔ آپ بذات خود خوش رہیں۔ بالآخر آپ ہی کی مدد کی گئی ہے اور میں نے قرآن اس لئے نہیں بھیجا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں اور اندوہگین ہوں۔ جس طرح کہ تمام پیغمبروں کے ساتھ کیا تھا اور اس جگہ پر شاید شرح صدر کے ساتھ ساتھ ضیق صدر کے باعث آپ کو خلجان ہو۔ کیونکہ الم نشرح لک صدرک آپ کو عطا ہوا ہے۔ شاید یہ حال اس سے پہلے کا ہو۔ اللہ تعالٰی کی طرف سے محبت و تلطف اور تسکین اس حال کے اقتضا اور اس صدور کلام میں ابھی تک موجود ہے۔

اصحاب ذوق و وجدان میں سے بعض نے کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باوجود اللہ تعالٰی کی طرف سے نہایت محبت و عنایت کے لئے مشقت اٹھاتے تھے۔ عبادت و شرعی تکالیف میں وہ اس قبیل سے ہے کہ محب کمزور اور ناتوان کو طاقتور اور توانا محبوب بغل میں لے کر زور کرتا ہے تو یہ نحیف و کمزور محب لازماً مخصوص قسم کی مشقت اٹھائے گا لیکن اس بارے میں معلوم ہو سکتا ہے کہ اسمیں کس حد تک ذوق و لذت مخفی ہے۔ یہ تو جاننے اور سمجھنے والے کو ہی پتہ ہے۔

گر نکتہ داں عشقے خوش بشنو ایں حکایت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام۔ وصل:۔ رب کریم کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم۔ بلندی و شان' فضل و کرامت کے اظہار اور رفعت قدر میں یہ آیت شریف ہے۔

ان اللہ و ملائکتہ یصلون علی النبی یا یھا الذین امنو صلوا علیہ و سلمو تسلیما○

ترجمہ:۔ اے مسلمانو! اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبردای کرو۔ فرشتوں کے موافق عمل کرو اور تم بھی اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر دورود اور سلام بھیجو۔

فرشتوں اور آپ کا دورود بھیجنا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرو اللہ تعالیٰ ان پر درود بھیجے اور اپنی طرف سے ان پر رحمت فرمائے۔ تم میں تو طاقت و قدرت نہیں ہے کہ ان پر درود بھیج سکو۔ اور تمہیں یہ پہچان بھی تو نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر اور آپ کی شان معلوم کر سکو۔ تاکہ اس کے مطابق اور موافق حال ان پر درود بھیج سکیں۔ ہاں اللہ تعالیٰ سبحانہ تو خوب پہنچاتا ہے۔

اللھم صل علی سیدنا محمد کما تحب و ترضی ان نصلی علیہ وصل علیہ کما ینبغی ان نصلی علیہ اللھم صل علی سیدنا محمد صلوٰۃ انہ لھا اھل و ھو لھا اھل و بارک و سلم۔

پس اللہ تعالیٰ نے علویات اور سفلیات سب کو دعا میں اور ثنا میں جمع فرمایا ہے اور اولین اور آخرین میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل اور مناقب کو نشر کر دیا ہے اور آپ کے مناقب کا اعلان تمام زمین و آسمان میں شرقاً غرباً خشکی پر اور تری میں عرش و کرسی۔ قرب استویٰ اور حریف اقلام میں کر دیا۔ علاوہ ازیں اہل اسلام کے دلوں میں آپ کی محبت ڈال دی حتیٰ کہ آپ کے ذکر مبارک سے مسلمانوں کی روحیں آرام اور خوشی حاصل کرتی ہیں۔ اور آپ کا ذکر سن کر اس طرح خوش ہوتی ہیں کہ یا ذنی میں جھومتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جملہ موجودات کو آپ کی اتباع کے ساتھ پر کر دیتا ہوں تاکہ سب تیری ثناء و مدح کریں اور تم پر درود بھیجیں اور تیرے طریقہ کی پیروی کریں اور تیری سنت کی طرف نگاہ رکھیں اور نماز کے فرائض میں سے کوئی ایسا فرض نہیں۔ جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سنت کی نسبت نہ ہو۔ پس وہ فرض کے لحاظ سے میرے حکم سے اور سنت کے لحاظ سے تیرے حکم سے ہیں۔ حقیقت میں یہ دونوں چیزیں میرے اور تیرے حکم کے ساتھ پیوستہ ہیں۔ یعنی ہر فرض میں میرا اور تیرا دونوں کا حکم ہے۔ علاوہ ازیں میں نے تیری اطاعت اور بیعت کو اپنی اطاعت و بیعت بنا دیا۔ لوگ آپ کے احکام کے الفاظ کو زبانی یاد کریں گے اور مفسر حضرات آپ ہی کے ذریعے میرے قرآن کی تفسیر کریں گے۔ واعظ حضرات آپ کی پند و نصائح کو عوام تک پہنچائیں گے۔ بادشاہ' ملکوں کے سلاطین' فقیر لوگ اور مسکین دور دور سے آکر آپ کے ہاں حاضری دیں گے اور سلام پیش کریں گے اور آپ کے روضہ پاک کی مٹی کو اپنے چہروں پر لگائیں گے علاوہ آپ کی طرف سے شفاعت کئے جانے کی امید رکھیں

گے۔ آپ کی فضیلت و شرافت دائمی طور پر بقایافتہ ہوگی۔ والحمدللہ رب العالمین۔

آپ کا ارشاد مبارک وجعلت قرۃ عینی فی الصلٰوۃ۔ بعض علماء اس کی تاویل اس طرح سے کرتے ہیں کہ اس سے مراد ہے آپ پر درود و سلام بھیجنا۔ وجہ یہ کہ اللہ اور اس کے فرشتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا کرتے ہیں لیکن تحقیق شدہ بات یہ ہے کہ اس سے نماز کا مفہوم و معنی ہے۔ جس طرح کہ قبل ازیں حسن ہدیٰ اور سیرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان میں گزر چکا ہے۔

سورۃ فتح۔ اللہ تعالیٰ جل جلالہ کی بارگاہ سے کمال و تمام نعمت' اکمل کمال جاہ و جلال' کرامت و برکات اور بلند مراتب حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو عطا ہوئے ہیں۔ سورہ فتح ان کے بیان سے پر ہے۔ کیونکہ حق تبارک و تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و ثنا میں اس کے اندر خطبہ ارشاد فرمایا:۔

انا فتحنالک فتحا مبینا ○ لیغفر لک اللہ ماتقدم من ذنبک وما تاخر ویتمہ نعمتہ علیک ویھدیک صراط مستقیما ○ وینصرک اللہ نصرا عزیزا ○

یہ معلوم کہ جناب کبریا کی طرف سے رسول اللہ علیہ وسلم پر فتوحات اور فیوضات خواہ صواری ہوں یا معنوی اور کرامات اور برکات خواہ وہ ظاہر ہوں یا باطنہ ہوں وہ غیر متناہی ہیں اور بے حد و حساب ہیں ان میں ایک ہے شہروں کی فتح' اللہ کے بندوں کی تسخیر غنائم کا حصول' دین کی تقویت' آپ کی امت کی کثرت اور اسلامی احکام کی عام نشر و اشاعت اور عظیم ترین فتح تو فتح مکہ ہے۔ وجہ یہ کہ فتح مکہ کے بعد جملہ عرب قبیلے اور عام لوگ جماعت در جماعت اور فوج در فوج اللہ تعالیٰ کے دین میں یعنی اسلام میں داخل ہونے شروع ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے قدسی جہان کی طرف توجہ فرمائی۔ اس سورۃ کے اندر اس کی فتح کا وعدہ کیا گیا ہے اور اس فتح کے بالیقین ہونے کا ذکر ماضی کے صیغہ اور فتح مبین کے الفاظ سے کیا گیا ہے۔ کیونکہ یہ فتح ظاہرہ طور پر دین میں عزت' شان و شوکت اور یقین حاصل ہونے میں زیادتی کا سبب ہے فتح مبین کے معانی عزت و شان کو آشکارہ کرنے والی اور دین کو غلبہ عطا فرمانے والی روایت کئے گئے ہیں۔

اور یہ جو آیت ہے لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر اس کی تشریح اور تفسیر میں متعدد اقوال آئے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس سے مراد وہ چیز لی گئی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے سے پہلے دور جاہلیت میں وقوع میں آئی لیکن امام سبکی اسے مردود قول کہتے ہیں۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو جاہلیت سے کیا واسطہ ہے اور آپ تو نبوت سے پہلے بھی اور بعد بھی گناہوں سے معصوم ہیں۔ مجاہد کا قول ہے کہ ماتقدم کے الفاظ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کے قضیہ میں اور ما تاخر کے الفاظ حضرت زید کی بیوی کے ساتھ نکاح کے ارادہ کرنے کے سلسلہ میں ہے۔ امام سبکی مجاہد کے اس قول کو باطل کہتے ہیں۔ کیونکہ قضیہ ماریہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زید کی بیوی کے متعلق تو گناہ سرے سے ہی نہیں جو آدمی یہ ایسا اعتقاد رکھے

وہ غلطی پر قائم ہے۔ زمخشری کشاف میں اور بیعت کے اندر بیضاوی سے منقول ہے کہ اس سے تمام وہ لغزشیں مراد لی جاتی ہیں جو محل عتاب ہیں۔ امام سبکی کا قول ہے کہ یہ بھی مردود قول ہے۔ کیونکہ تمام انبیاء علیہم السلام کی عصمت ثابت شدہ امر ہے۔ ہاں وہ صغیرہ گناہ جن سے ان کی شان اور مرتبہ میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ان کے متعلق علماء میں اختلاف ہے۔ معتزلہ اور ان کے ساتھ بہت غیر معتزلہ بھی اس کے جواز میں ہیں۔ اور مسلک مختار ممانعت سمجھتے ہیں کیونکہ ہمیں حکم ہے کہ ہم انبیاء علیہم السلام کے قول و فعل کی پیروی کریں پس ان سے وہ فعل سرزد نہیں ہو سکتا جو غیر شائستہ اور ناموزوں ہو اور حشویہ تو انبیاء علیہم السلام کے متعلق بڑی بے باکی سے بولتے ہیں۔ وہ انبیاء پر بلا کسی قدر و استثناء کے اسے جائز ہونے کے قائل ہیں اگر وہ واقعتاً" یہ قول حشویوں کی طرف سے منسوب ہے تو مجوج یعنی توجہ اور صحت کے لائق نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے برعکس تو امت کا اجماع ہے جو لوگ انبیاء علیہم السلام کے لئے صغائر جائز سمجھتے ہیں۔ وہ کوئی نص یا دلیل نہیں رکھتے ان کے لئے یہی آیت یا علاوہ ازیں دوسری آیات کو ماخذ گردانتے ہیں اور ان کے بارے میں جواب بھی اچھی طرح عیاں کر دیا ہے۔

جہاں تک غیر رذیلہ صغائر کا تعلق ہے۔ ابن عطیہ کا قول ہے کہ کیا ان غیر رذیلہ میں سے کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ظاہر بھی ہوئے ہیں یا کہ نہیں؟ وہ اس بارے میں اختلاف کرتے ہیں اور صحیح بات تو یہ ہے کہ آنحضرتؐ سے اس قسم کی کوئی بات سرزد نہیں ہوئی ہے۔ امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ مجھے تو اس میں ہرگز کوئی شک نہیں ہے کہ آنحضرت سے کوئی غیر رذیلہ امر بھی واقع نہیں ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول اور حال کے خلاف کوئی کیسے گمان کر سکتا ہے۔ جب کہ رب تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ

مایںطق عن الھوی ان ھو اللہ وحی یوحی

آنحضرتؐ تو اپنی خواہش سے نہیں بولتے ہیں ان کا کلام تو وہ ہی ہے جو وحی کی گئی ہے۔

فعل کے بارے میں تو صحابہ کا اجماع ہے۔ وہ آپ کی قطعی طور پر آپؐ کی پیروی کرتے ہیں۔ اور جیسا کوئی عمل قلیل و کثیر اور چھوٹا یا بڑا ظاہر ہوتا تھا۔ صحابہ اس کی متابعت کرتے تھے یہاں تک کہ جو عمل آنحضرت خفیہ طور پر اور خلوت و تنہائی میں کرتے تھے۔ صحابہ وہ بھی جاننے اور کرنے کی تمنا رکھتے تھے اور اس کی اقتداء کرتے تھے۔ خواہ حضور کو اس کا پتہ چلے یا نہ چلے۔ صحابہ کرام کے حالات جو آنحضرت کی پیروی میں ہیں اگر کوئی ان پر تدبر کرے تو اسے پتہ چل جائے گا جو اول سے آخر تک آنحضرت کے احوال کو جانتا ہو گا اور دیکھتا ہو گا وہ ضرور شرم محسوس کرے گا کہ آنحضرتؐ کے بارے میں اس قسم کا کوئی لفظ کہے یا دل میں خیال و گمان ہی کرے۔

امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اگر اس قسم کی کوئی بات کسی نے نہ کہی ہوتی تو میں ہرگز ایسا تذکرہ نہ کرتا نیز جو قول زمخشری سے اس کی تفسیر میں منقول ہے اس سے بیزار ہیں اور خدا تعالیٰ سے انصاف کی آرزو بھی ہے امام سبکی نے اپنے اس کلام سے زمخشری کے قول کو مردود کر دیا ہے اور اس کو علامہ جلال الدین سیوطی رحمتہ

اللہ علیہ نے اپنے رسائل کے اندر درج کیا ہے۔ علاوہ ازیں اور بھی اقوال گیارہ کی تعداد تک یا اس سے بھی زیادہ ہیں۔ جو امام سبکی سے ان کی تفسیر میں بیان ہوئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جب میں اس آیت پر یعنی لیغفر لک اللہ پر سوچ بچار اور تدبر کرتا ہوں تو سوائے ایک وجہ کے اور کوئی گنجائش نہیں پاتا اور وہ آپ کی توقیر و احترام اور تکریم و تعظیم۔ اس کے سوا اور کوئی گناہ تصور میں نہیں ہے۔ امام سبکی کا قول ہے کہ جب میں نے اس وجہ کے ماخذ کو تلاش کرنے کی کوشش کی اور میں نے دیکھا کہ ابن عطیہ بھی اس کا قائل ہے اور اس نے کہا ہے کہ اس حکم سے آیت کے معنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شرافت و بزرگی کے ظاہر کرنے کے ہے اور اس میں کسی گناہ کا تصور نہ ہے ابن عطیہ کی یہ بات اللہ کی دی ہوئی توفیق سے ہے۔

(انتہی)

یہ اجمالی گفتگو ہے۔ جس کی تشریح اور تفصیل اس طرح ہے کہ آقا کبھی تو اپنے غلاموں کو اور اپنے خواص و مقربین سے بزرگی عطا فرماتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے تم کو بخش دیا ہے اور تمہارے سب اگلے پچھلے گناہوں کو نظر انداز کرتا ہوں۔ حالانکہ یہ بخوبی آقاء کے علم میں ہوتی ہے کہ ان سے شروع یا بعد میں کوئی گناہ سرزد ہوا ہی نہیں۔ پھر بھی آقا کا یہ کلام ان کے لئے عزت اور فخر کا سبب ہوتا ہے۔ فافھم و باللہ التوفیق اور کچھ مفسروں نے کہا ہے کہ اس جگہ بخشش کا کنایہ ہے عصمت سے ہو اس طرح آیت کے معنی یہ بنتے ہیں۔

"تاکہ اللہ تعالٰی بخش دے تمہارے اگلے اور پچھلے گناہ یعنی اللہ تعالٰی آپ کی اگلی زندگی میں بھی اور پچھلی زندگی میں بھی آپ کو اپنی عصمت میں رکھے۔"

یہ بات انتہائی درجہ کا حسن قبول رکھتی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ اہل بلاغت حضرات نے قرآن کے اسلوب بلاغت میں شمار کئے ہیں۔ مقامات تخفیف کو قرآن میں کنایہ کیا گیا ہے۔ مغفرت عفو اور توبہ سے۔ جس طرح کہ قیام لیل کے بارے میں تخفیف و نسخ کے متعلق اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے۔

علم ان لن تحصوہ فتاب علیکم فاقرلو ما تیسر من القرآن۔

ترجمہ:۔ اللہ تعالٰی تو جانتا ہے کہ رات کا شمار تم سے ناممکن ہے۔ پس جو قرآن میں سے آسان پاؤ اسے پڑھو۔

تو اللہ تعالٰی نے تم پر رجوع فرمایا۔ مراد یہ ہے کہ رات کا قیام معاف کر دیا۔ اب جس قدر قرآن سے تم پر آسان ہے اسے پڑھو۔ علاوہ ازیں صدقہ کی تقدیم کی منسوخی میں اس طرح کا فرمان۔

فاذا لم تفعلوا و تاب اللہ علیکم

ترجمہ:۔ جب تم نہ کر سکو تو اللہ تعالٰی نے تم کو (تقدیم صدقہ) معاف فرما دیا۔

علاوہ ازیں رمضان شریف کی راتوں کے دوران جماع کی حرمت کی منسوخی اس طرح فرمائی۔

احل لکم لیلۃ الصیام الرفث الی نسائکم

ترجمہ:۔ روزوں کی راتوں کے دوران عورتوں کے پاس جانا تم پر حلال کر دیا گیا۔

فتاب علیکم وعفا عنکم فالٰن باشروھن

ترجمہ:۔ اس نے تمہاری توبہ کو قبول کیا۔ تمہیں معاف کر دیا۔ اب تم ان کے ساتھ صحبت کرو۔

مفسرین نے اس طرح بھی کہا ہے کہ جس مقام پر قرآن میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی توبہ اور مغفرت کا تذکرہ فرمایا ہے۔ اس مقام پر اللہ نے ان کی متعلقہ لغزش یا خطا کا ذکر بھی فرما دیا ہے۔ جو ان سے واقع ہوئی تھیں۔ جس طرح کہ آدم علیہ السلام کے متعلق اللہ کا ارشاد ہے۔ وعصیٰ ادم ربہ (اور آدمؑ نے اپنے رب کی حکم عدولی کی۔) نوح علیہ السلام کے بارے میں ہے۔ انی اعظک ان تکون من الجاھلین (ہم ہی تو تم کو وعظ کرنے والے ہیں آپ تو جاہلوں میں سے تھے) اسی طرح یونس علیہ السلام کے قصہ میں ہے فظن ان لن نقدر علیہ (ان کا گمان تھا کہ ہم ان پر قابو نہ پائیں گے) حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں فرمایا گیا۔ فلا تتبع الھوٰی (پس تم اپنی خواہش کی پیروی نہ کرو) موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں آیا ہے فوکزہ موسیٰ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی شان میں فتح کو پہلے رکھے ہے۔ اس کے بعد ذکر ہوا ہے مغفرت کا اگلے پچھلے گناہوں کا اور ذنب پوشیدہ ہی رکھا گیا۔

شیخ عزیز الدین عبد السلام نے اپنی کتاب "نہایت السؤل فیما سخ من تفضل الرسول" میں کہا ہے کہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو جملہ انبیاء علیہم السلام پر بہت سی وجوہات سے فضیلت عطا کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان وجوہات کے تذکرہ کے دوران ایک وجہ انہوں نے یہ بتائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو پہلے ہی تمام اگلے پچھلے گناہوں کی مغفرت کی خبر دے دی جب کہ اس طرح کی خبر کسی اور نبی کو نہ دی گئی تھی۔ بلکہ ظاہراً" یہ نظر آتا ہے کہ ان کو اس بارے میں بالکل باخبر کیا ہی نہیں ہے۔ اس وجہ سے میدان حشر میں جس وقت دیگر امتیں ان سے شفاعت کرنے کے لئے کہیں گی تو وہ اپنی لغزشات بیان کریں گے اور اس مقام کی ہیبت کے باعث شفاعت میں سبقت ظاہر نہ کریں گے۔ اور اس جگہ پر جب تمام مخلوق آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے عرض کریں گی تو آپؑ کا ارشاد ہو گا کہ ہاں یہ کام تو میں ہی کروں گا۔ اس آیت کی یہ تفصیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے تو آپؑ کے لئے فتح مبین کا اثبات کیا۔ پھر ذنوب کی بخشش کا تذکرہ فرمایا۔ اس کے بعد نعمت کی تکمیل ہدایت صراط مستقیم کا اثبات اور غالب امداد کا تذکرہ کیا۔ پس یہ ثابت ہو گیا اور معین ہو گیا کہ اس کا مقصد گناہوں کا اثبات نہ ہے۔ بلکہ گناہوں کی نفی مقصود ہے۔ فافھم وباللہ التوفیق یہ تمام بحث سیوطی رحمتہ اللہ علیہ کی بیان کردہ ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ویتم نعمتہ علیک یہ مخفی و پوشیدہ نہ رہے کہ اس کلمہ میں تمام تر فضائل و کرامات اور کمالات و برکات ہیں اور خاص اور عام نعمتوں میں سے جس قدر بھی بیان میں آئے یا تصور میں آسکے وہ سب کچھ خیال و گمان باشمار میں نہیں آسکتا ہے۔ اس کے بیان سے حال و قال گونگے نہیں جو کچھ اظہار بیان میں آیا ہے وہ سب اجمالی ذکر ہے۔ اس کی تفصیل بیان کرنے کی قدرت نہیں ہے۔

فان فضل رسول اللہ لیس لہ قل لو کان البحر مد اذا لکلمت ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی ولو جئنا بمثلہ مددا ○ ولو ان ما فی الارض من شجرۃ اقلام و البحر یمدہ من بعد سبعۃ مجر ما نفدت کلمات اللہ جد فیعرب عنفنا طق بغم

ترجمہ:۔ رب تعالیٰ کے کلمات تحریر کرنے کے لئے سمندر سیاہی بن جائیں تو یقیناً سمندر خشک ہو جائے گا۔ اور کلمات ختم نہ ہوں گے۔ خواہ اس کی مدد کے لئے اور اس کی مثل لے آئیں اگر زمین کے درخت قلمیں بن جائیں اور سات سمندر سیاہی بنے تب بھی رب تعالیٰ کے کلمات ختم نہ ہوں گے۔

اہل تحقیق کے نزدیک ان کلمات کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے فضائل و کمالات اور حقائق و معارف جو اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں انبیاء و اصفیاء بالخصوص سید آلانبیاء اور سند الاصفیا علیہم السلام پر اضافہ کئے گئے ہیں۔ ورنہ اللہ تعالیٰ اس قسم کی تمثیل و صفت سے منزہ ہے اس کا تو کوئی ثانی و نظیر نہیں ہے۔ اپنے ارشاد میں اللہ تعالیٰ نے تعمیم نعمت اور دنیوی و آخروی نعمتوں کو شامل کرنے کے بعد بالخصوص دو نعمتوں کا تذکرہ فرمایا ہے۔ ایک ہے ہدایت صراط مستقیم جو اصل اصول نعیم اور مثمر فوز و فلاح اور عوام کی ہدایت ہے کیونکہ یہی تو اصلی مقصد ہے بعثت و رسالت کا۔ دوسرا ہے دنیا سے متعلق۔ اس کا مقصد بھی دین ہی ہے جیسے کہ پہلا ہے اور صلاح عالم اور کارخانہ موجودات کی انتظام پر منتج ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

ویھدیک صراطا مستقیما وینصرک اللہ نصرا عزیزا

ترجمہ:۔ تم کو صراط مستقیم دکھائے اور اللہ تعالیٰ تمہاری زبردست مدد فرمائے۔

ابن عطا کا قول ہے کہ اس سورۃ کے اندر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے لئے کئی عظمت والی نعمتیں جمع فرمائی گئیں ہیں ایک تو کھلی فتح ہے اور یہ اجابت و قبولیت کی علامات سے ہے اور دوسری ہے مغفرت و بخشش اور یہ ولایت کی نشانی ہے اور تیسرے نمبر پر ہے اختصاص نعمت اور اتمام نعمت یہ نشانی ہے اختصاص کی۔ چوتھے ہدایت ہے جو ولایت کی علامت ہے۔ پس مغفرت کنایہ ہے تمام عیوب اور آلائشوں سے پاکیزگی کا اور کامل درجہ تک اتمام نعمت سے مراد آپؐ کی رسالت کی تبلیغ ہے اور ہدایت ایک دعوت ہے مشاہدہ کی جانب اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی شان و مرتبہ کو اس قدر بلندی عطاء کی کہ اس سے بلند تر قرب حق میں کسی چیز کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے

فرمایا ہے۔

ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیھم

ترجمہ:۔ تحقیق جن لوگوں نے آپ سے بیعت کی ہے انہوں نے اللہ سے بیعت کی ہے اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے من یطع الرسول فقد اطاع اللہ۔ جس نے رسول اللہ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اہل عرب کی اصطلاح کے مطابق یہ مجاز کی قسم سے ہے لیکن اہل حقیقت پر مخفی نہ ہے کہ اس میں کیا رمز ہے۔ واللہ اعلم۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے احسان جتایا گیا ہے۔ مومنوں پر سکینہ اطمینان اور طمانیت و سکون کے نزول کا اور سورۃ کے آخر میں آپ کے صحابہ کرام کی مدح و ثناء کو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی معیت کے ساتھ فضیلت دی گئی ہے۔ کیونکہ محبت کا یہ لازمی نتیجہ ہے۔ کافروں پر ان صحابہ کا شدید ہونا ان کی مخالفت کرنا اور مسلمانوں کے ساتھ محبت کرنا۔ جس پر کہ کارخانہ دین و ملت کا انتظام ہے ان کی توصیف فرمائی اور ان کی وہ صفت اس قول کے مصداق بنائی گئی۔ یحبھم و یحبونہ وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سے محبت کرتا ہے۔ جس طرح سورۃ مائدہ میں فرمایا گیا ہے۔ اذلۃ علی المومنین اعزۃ علی الکافرین۔ مسلمانوں پر نرم ہیں اور کافروں پر سخت ہیں اور ان سے وعدہ فرمایا گیا ہے بخشش اور بہت بڑے اجر کا۔ یہ تمام امتنان کا باعث ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت اور شرف کو بیان کیا گیا ہے۔

سورۃ کوثر۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے جملہ فضائل و کرامات اور کمالات و برکات سب کے سب جوامع الکلم میں شامل ہیں۔

انا اعطینک الکوثر۔

ترجمہ:۔ بلاشبہ ہم نے تم کو بے حد و حساب خوبیاں عطا کی ہیں۔

الکوثر سے مراد ہے دنیا اور آخرت میں خیر کی کثرت اور باوجود اختصار اور ایجاز کے اس میں یہ راز ظاہرا" بیان کیا گیا ہے اگر تمام دنیا کے عالم اور عارف اس کلمہ کی تشریح کریں تو اس کا حق ادا کرنے سے قاصر ہیں حقیقت سے اللہ تعالیٰ ہی بخوبی واقف ہے۔ پھر بھی اس وقت میری نظر میں جو کچھ بھی ہے وہ تحریر کرتا ہوں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ انا اعطینک الکوثر۔ یعنی ہم نے آپ کو خیر کثیر عطا فرمایا ہے۔ جس میں ہر جزوی نعمت ساری دنیا سے بڑھ کر ہے۔ ہم نے آپ کو اتنی بڑی خوبیاں عطا کی ہیں تو تم اپنے رب کی نماز پڑھو اور قربانی کرو۔ بے شک تمہارا دشمن ہی ہر خیر سے محروم ہے۔

فصل لربک وانحر ○ ان شانئک ھو الابتر ○

عبادت دو دو قسم کی ہوتی ہے ایک مالی اور دوسری بدنی۔ اللہ کا اپنے فرمان فصل لربک سے بدنی عبادت

اور وانحر سے مالی عبادت کی طرف اشارہ ہے۔ انا اعطینک بصیغہ ماضی بیان ہوا ہے اور مستقبل کے صیغہ میں سنعطیکنہ فرمایا۔ یہ اس پر دلالت ہے کہ ولادت سے پہلے ہی یہ سب کچھ عطا ہو چکا ہے جس طرح فرمایا ہے کہ

کنت نبیا وادم بین الروح والجسد۔

ترجمہ:۔ میں اس وقت نبی تھا۔ جب آدم علیہ السلام روح و جسد کی منازل میں تھے۔

یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم آپ کی خاطر سعادت مندی کے جملہ اسباب آپ کی ولادت و جودی سے پہلے ہی ہم نے عطا فرمادیئے ہوئے ہیں۔ اب پیدائش کے بعد آپ کو کیونکر ہم محروم رکھیں گے۔ آپ عبادت میں جو لگے رہتے ہیں۔ آپ کی اطاعت و عبادت کی وجہ سے یہ آپ پر فضل و کرم وافر نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو بغیر وجوب و سبب کے ہے۔ یہ تو محض آپ پر اللہ کا فضل اور احسان ہے۔ اجباء یعنی بزرگی کے معانی یہی ماحصل ہے۔ اس بارے میں اگر کوئی یہ کہے کہ سب نبیوں بلکہ سب انسانوں کو جو کچھ دیا گیا ہے وہ پیدائش سے پہلے ہی دیا ہے اور انکی تقدیر میں تحریر شدہ ہے۔ تو فضیلت یہ ہے کہ ان سب سے زیادہ آپ کو عطا کیا گیا۔ یہ نہیں کہ سب سے پہلے دیا گیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے کمالات و نبوت وغیرہ کا اظہار عالم ارواح میں ہوا ہے۔ دیگر انبیاء علیہم السلام کی ارواح نے آپ سے استفادہ کیا ہے۔ جس طرح کہ فرمایا گیا ہے۔ کنت کنزا مخفیا الحدیث دوسرے تمام انبیا کی نبوت اللہ تعالیٰ کے علم میں تھی۔ ظاہر میں نہ تھی۔

ایک اور روایت کے مطابق کوثر سے مراد جنت کی ایک نہر ہے۔ جس طرح اس نہر کی صفت احادیث میں آئی ہے۔ اس کا نام کوثر اس لئے ہے کہ لوگ بڑی کثرت میں جائیں گے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے اپنی جنت کی سیر بیان کرتے ہوئے بتایا کہ جنت کی سیر کے وقت ناگاہ ایک نہر کو میں نے دیکھا کہ اس کی ہر جانب گنبد ہی گنبد بنے ہوئے ہیں جو اندر سے خالی موتیوں میں سے بنے ہوئے ہیں۔ ان کی مٹی مشک اذخر سے ہے۔ میں نے جبریل سے پوچھا کہ یہ کیا ہے اس نے بتایا یہ کوثر ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کیا ہے۔ رواہ بخاری۔ یہ ہی تفسیر مفسرین سلف میں مشہور ہے۔

کچھ کہتے ہیں کہ کوثر سے آپ کی اولاد پاک مراد ہے۔ کیونکہ اس سورۃ کا نزول اس آدمی کے رد میں ہوا ہے جس نے طعنہ دیا تھا کہ آپ کی کوئی اولاد نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ سے فرمایا کہ ہم نے تو آپ کو وہ اولاد عطا کی ہے جو تاقیامت رہے گی۔

فائدہ۔ بعض نے کہا ہے کہ کوثر سے خیر کثیر مراد ہے اور لغت کے لحاظ سے کوثر کا معنی ہے درود و سلام کی کثرت۔ ان سب میں ایک یہ بھی ہے کہ آپ کے دشمنوں نے آپ کو بے اولاد ہونے کا طعنہ دیا تھا۔

عین المعانی میں ہے کہ کوثر فوعل کے وزن پر کثرت سے ہے جس طرح غل سے نوفل ہوتا ہے جر سے جوہر

وغیرہ اور اس کے مقابل یہ خبردی گئی ان شانئک ھو الابتر مراد یہ ہے کہ آپ کو بے نسلا ہونے کا طعنہ دینے والے خود ہی تو بے نسلے ہیں۔ ابتر وہ کہلاتا ہے جو اپنی نسل باقی نہیں رکھتا اور کشاف میں درج ہے کہ کوثر فوعل کے وزن پر ہے۔ جس کے معانی ہیں کثرت۔ اس میں مبالغہ پایا جاتا ہے۔ کسی دیہاتی کا لڑکا سفر سے آیا تو لوگوں نے پوچھا کہ تیرا لڑکا کس حالت میں واپس آیا ہے تو اس نے جواب دیا کہ جاء بالکوثر یعنی وہ تو خیر کثیر لے کر آیا ہے۔ روایت ہے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کہ وہ بھی کوثر کا معنی خیر کثیر ہی لیتے تھے۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ لوگ کہتے ہیں کہ جنت میں ایک نہر کا نام کوثر ہے تو ابن عباس رضی اللہ عنہما کہنے لگے یہ بھی تو خیر کثیر میں سے ہی ہے تو معنی یہ ہوئے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم نے آپ کو ہر دو جہاں کی بہتریاں بھلائیاں اس قدر عطا فرمائی ہیں کہ ان کی کوئی حد نہیں ہے اور کسی کو بھی سوائے آپ کے اتنا کچھ عطا نہیں کیا۔ وہ دینے والا میں ہوں۔ رب ہوں۔ تمام جہانوں کا۔ پس میں ہی ہوں سب سے زیادہ بخشش فرمانے والا اور نہایت عظیم انعام کرنے والا۔

فصل لربک پس اپنے رب کی نماز پڑھیں کیونکہ اس نے آپ کو اپنی عطاؤں کا مستحق بنایا اور دوسرے لوگوں کی احسان برادری سے آپ کی حفاظت کی جو غیر خدا کو پوجتے ہیں۔ وانحر اور اپنے رب کی راہ میں قربانی دیں۔ یہ ان لوگوں کے خلاف ہوگا جو بتوں کے نام پر قربانیاں دیتے ہیں۔ اناشانئک ھو الابتر بلاشبہ وہی ابتر اور بے نسلا ہے جو تمہاری قوم میں سے تمہاری مخالفت کرتا ہے۔ اور آپ بے نسلے نہیں ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ قیامت تک جو بھی مسلمان پیدا ہوگا وہ آپ کی معنوی اولاد ہے۔ آپ کا ذکر ممبروں پر بلند کیا گیا ہے اور تمام دنیا کی زبانیں قیامت تک آپ کا ذکر خیر کریں گی۔ وہ ہمیشہ خدا کے نام سے شروع کریں گے۔ لیکن ساتھ ہی دوسرا نام وہ آپ کا لیں گے اور آخرت میں آپ پر میری عنایات حد بیان سے باہر ہیں آپ کو ابتر کہنے والا اصل میں خود ابتر ہے۔ کیونکہ اس کا نام لینے والا ہرگز کوئی نہیں نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں اور اگر کوئی اس کا نام لیتا ہے تو لعنت کے ساتھ لیتا ہے۔

ابو بکر بن عیاش رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ کوثر کا مطلب کثرت اتباع ہے۔ اور قول حسن بصری یہ ہے کہ کوثر سے مراد قرآن ہے اور عکرمہ کے قول کے مطابق نبوت ہے اور مغیرہ کے قول کے مطابق اسلام ہے اور حسین ابن الفضل کے قول کے مطابق کوثر سے مراد ہے قرآن کی آسانی اور شریعت کی تخفیف و کمی۔ بعض امت کی کثرت میں شفاعت لیتے ہیں۔ بعض آپ کے معجزات اور کچھ نبوت و قرآن اور ذکر عظیم اور دشمنوں کے خلاف آپ کی مدد اور کچھ نے علماء امت مراد لئے ہیں۔ کیونکہ حدیث ہے العلماء ورثۃ الانبیاء علماء نبیوں کے وارث ہیں (رواہ احمد، ابوداؤد، ترمذی) بعض کے نزدیک کوثر سے مراد ہے علم۔ وہ یہ قرینہ تصور کرتے ہیں کہ اس کے بعد فصل لربک آیا ہے اور اس عبادت پر جسے تقدیم حاصل ہے، وہ علم ہی ہے دیگر کوئی چیز کثرت اور وسعت کے لحاظ

سے علم کے مقابلے میں نہیں ہے۔ بعض کا قول ہے کہ کوثر سے اچھا خلق مراد ہے اور حقیقت یہ ہے کہ کوثر کسی چیز کے ساتھ مخصوص نہ ہے۔ بلکہ اس میں تو تمام ہی صفات کمال شامل ہیں اور خیر کثیر میں سب معانی آجاتے ہیں۔

مخاطبہ کے بارے میں مذکورہ بالا حضرات کے معانی مذکورہ بالا کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں۔ اس سلسلہ میں ابن عطا کا قول ہے کہ اے حبیب! ہم نے آپؐ کو اپنی ربوبیت کی معرفت سے نوازا ہے۔ اپنی وحدانیت کی یکتائی کا عرفان دیا ہے۔ اور اپنی مشیت و قدرت کی معرفت بھی عطا فرمائی ہے۔ سہل تستری کا قول ہے۔ کہ انا اعطینک الکوثر ہم نے آپؐ کو وحدت کے ساتھ کثرت۔ تفاصیل علم توحید اور اپنی بے نظیر تجلیات کے ساتھ عین کثرت کے ساتھ مشاہدہ وحدت کی معرفت عطا فرمائی ہے۔ یہ جلوہ افروزی جنت میں اس نہر کی طرح ہے کہ اس سے جو شخص پانی پی لے گا۔ پھر کبھی پیاسا نہ ہو گا۔ فصل لربک کا مطلب یہ ہے کہ جب مشاہدہ میں اور عین کثرت کے اندر وحدت کی معرفت ہو گئی تو بذریعہ استقامت نماز پوری طرح روح کا شہود، حضور قلب۔ انقیاد نفس اور بدن کی اطاعت سے بار بار ہیئت عبادت اپنا کر لطف حاصل کریں۔ کیونکہ یہ نماز ہی تو ہے جو ذریعہ ہے مکمل جمع اور تفصیل کے حقوق کی ادائگی کا۔ وانحر سے مراد یہ ہے انانیت کا اونٹ اور گائے ذبح کر دیں۔ تاکہ آپؐ کے شہود کے دوران تلون مزاج کی شکل میں یہ انانیت ظہور نہ کرے اور آپؐ کا مقام تمکین سلب نہ ہو۔ آپؐ اللہ تعالیٰ کے ساتھ قضائے محض کے اندر رہتے اور اس کی بقاء کے ساتھ آپ کی بقاء رہے۔ اس لئے کہ وصول حق میں اور آپؐ کے اپنے حال میں اور آپ کے ساتھ امت کے اتصال میں اور آپؐ کی ذریت میں خرابی نہ پیدا ہو۔ بلاشبہ آپؐ کے ساتھ عداوت کرنے والا اللہ تعالیٰ کی طرف سے قطع اور لعنتی ہے اور آپؐ نہیں بلکہ وہ ہی ابتر ہے۔

مولانا تاج الملت والدین المصدر البخاری کا حقائق الدائق میں قول ہے کہ انا اعطینک الکوثر بے شک، ہم نے بے حد اور بے شمار کثرت کے ساتھ خوبیاں اور ہر قسم کی بے شمار فضیلتیں عطا فرمائی ہیں۔

الکوثر کی تفسیر میں آئمہ کبار رحمہم اللہ کے بہت سے اقوال اور بہت سی تاویلات ہیں۔ جس کے اپنے باطنی نور سے جتنا نظر آیا اس نے بیان کر دیا لیکن کوثر کی کنہ تک تو جملہ مخلوقات کا علم بھی رسائی نہیں رکھتا۔ اس اجمال میں یہ سب کے سب اقوال اور جملہ تاویلیں ایک دفتر کے مقابلے میں ایک حرف کی طرح ہیں اور نہر کے ایک قطرے کی طرح ہیں۔ واللہ اعلم۔

میثاق انبیاء کی آیت۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہایت فضیلت و کرامت پر یہ آیت دلالت کرتی ہے اور یہ بتاتی ہے کہ آپ نبیوں کے نبی ہیں اور سرور انبیاء علیہم السلام ہیں۔ اور سب کے نبی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے حکم میں ہیں۔ آیہ میثاق یہ ہے۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَ اَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِیْ ؕ قَالُوْۤا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَ اَنَا مَعَكُمْ

من الشاہدین فمن تولی بعدذالک فاولئک ھم الفاسقون۔

ترجمہ:۔ جب اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء سے میثاق لیا تھا کہ جب آپ کو کتاب سے علم اور حکمت دیئے ہوں گے پھر وہ رسول تشریف لائے۔ جو ہر آپ کی چیز کی تصدیق کرے گا۔ تو آپ اس پر ایمان لائیں اور اس کی مدد کریں۔ کیا تم اس کا اقرار کرتے ہو۔ سب نے کہا ہم اقرار کرتے ہیں تو اللہ نے کہا گواہ رہو اس پر اور میں بھی گواہوں میں سے ہوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اس حقیقت سے واقف کرایا گیا۔ کہ آدم علیہ السلام سے آپ تک جتنے انبیاء ہوئے ہیں ان سے عہد لیا گیا ہے۔ یہ ہی مذہب ہے تمام مفسرین کا۔ کہ اس آیت میں رسول سے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہی مراد ہیں۔ اور ہر بھیجے جانے والے نبی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں اور اس کے بعد اس سے عہد لیا گیا ہے کہ اگر آنحضرت کا زمانہ وہ پائے تو ان پر ایمان لانا لازم ہے۔ جب انبیاء سے یہ عہد لیا گیا ہے تو انہوں نے اپنے امتیوں سے یقیناً یہ عہد لیا ہو گا۔ کیونکہ انبیاء تو اصل ہیں اور متابعت کئے جاتے ہیں۔ اس لئے ان ہی کے ذکر پر اکتفاء کر لیا گیا ہے۔

حضرت علی بن ابی طالب اور ابن عباس رضی اللہ عنہم نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بغیر یہ عہد لئے کسی کو پیغمبر بنا کر نہیں بھیجا کہ تم نے محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) پر ایمان لانا ہے اور ان کی مدد کرنا ہے کچھ کا قول ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء سے عہد لیا تھا کہ وہ اپنے امیوں سے بھی عہد لیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی جس وقت بعثت ہو تو سب کے سب ان پر ایمان لانا' اور اسی طرح بعد میں آنے والوں کو بتاتے جانا حتیٰ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے دور کے یہود کو بھی یہ عہد پہنچا تھا۔ جس وقت آنحضرتؐ مدینہ شریف میں تشریف لائے تو ان یہودیوں نے آپؐ کو جھٹلانا شروع کیا۔ تو اس وقت ان یہود کو عہد و پیمان کی یاد دلانے کے لئے آنحضرت پر اس آیت کا نزول ہوا اور جن حضرات نے یہ نکتہ اخذ کیا ہے کہ رب تعالیٰ نے انبیاء سے عہد لیا تھا کہ وہ اپنے امتیوں سے عہد و پیمان لیں۔ تو اس سے یہ حجت قائم ہو گئی ہے کہ بعثت آنحضرت کے بعد اہل کتاب پر فرض تھا کہ آپ پر ایمان لائیں۔ انبیاء علیہم السلام تو آنحضرت کی بعثت سے پہلے ہی دنیا سے جا چکے ہوئے تھے اور مرنے کے بعد آدمی مکلف نہیں ہوتا۔ پس یہ بات معین ہو گئی۔ کہ میثاق امتیوں سے ہے۔ اس بات کی تائید اس آیت سے بھی ہوتی ہے کہ رب تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

فمن تولی بعدذالک فاولئک ھم الفاسقون۔

ترجمہ:۔ جو اس عہد و پیمان سے پھرے گا وہ فاسقوں سے ہو گا۔

اس قسم کا وصف امتیوں کے لائق ہوتا ہے نہ کہ انبیاء کے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ اس آیت میں مراد بطریق فرض و تقدیر ہے۔ مفہوم یہ ہے کہ بفرض و تقدیر اگر انبیاء دنیا میں زندہ بھی ہوں تو ان پر ضروری ہے۔ کہ

آنحضرتؐ پر ایمان لائیں اور اس کا مفہوم یہ خبر دینا نہیں کہ وہ ان کے درمیان مبعوث ہوں گے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے احکام فرض و تقدیر پر بھی آئے ہیں۔ جس طرح اللہ کا فرمان ہے کہ

لین اشرکت لیحبطن عملک۔

ترجمہ:۔ اگر تم شرک کرو گے تو لازماً" تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔

ولو تقول علینا بعض الاقاویل۔

ترجمہ:۔ اگر کوئی اپنے منہ کی باتیں ہم پر منسوب کرے۔

ومن یقل انی الہ

ترجمہ:۔ اگر کوئی یہ کہے کہ میں معبود ہوں۔

یہ تمام ہی بفرض و تقدیر کی مثالیں ہیں۔ آنحضرتؐ کے فضل و شرف اور کرامت کے اظہار کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔ اور چونکہ اللہ کے اس کلام کی بنیاد فرض و تقدیر ہے تو یہ بات کہ جو کوئی روگردانی کرے گا وہی فاسقوں سے ہو گا درست ہے۔ علاوہ ازیں انبیاء پر جب حکم کیا گیا اور ان سے برتقدیر زندگی عہد و پیمان لیا۔ تو ان کے امتیوں پر تو اس عہد کا وجوب بطریق اولیٰ ثابت ہے۔ تاکہ وہ آنحضرتؐ پر ایمان لائیں۔ فمن تولی بعد ذالک فاولئک ھم الفاسقون۔ یہ الفاظ امتیوں سے منسوب ہیں۔ پس نبیوں سے عہد لینا اور ان پر ہی تاکید و تشدید کرنا اصل مقصود کے لئے قوی تر ہے۔

امام سبکی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے کہ برتقدیر حیات انبیاء کی طرف آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم رسول ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ آپؐ کی نبوت و رسالت کو عموم حاصل ہے اور یہ عموم آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک جملہ مخلوق کو شامل ہے۔ اور سب نبی اپنی امتوں سمیت اس عموم میں شامل ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں تمام لوگوں کی طرف رسول ہوں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وما ارسلنک الا کافۃ للناس (اور آپؐ کو تمام لوگوں کی طرف رسول بنایا ہے) یہ فرمودات آنحضرتؐ سے قیامت تک لوگوں کے لئے ہی نہیں ہیں بلکہ ان میں وہ بھی شامل ہیں جو آنحضرتؐ سے پہلے لوگ ہو چکے ہیں دیگر انبیاء سے اس لئے میثاق لیا گیا ہے۔ کہ ان کو علم ہو جائے کہ آنحضرتؐ ان سب پر مقدم اور معظم ہیں اور آپؐ ان سب کے لئے نبی و رسول ہیں۔ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم۔

پس سچے طالبان سے گزارش ہے کہ وہ تدبر فرمائیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تعظیم و تکریم کس قدر بڑی ہے۔ جب یہ جان لو گے تو تمہیں پتہ چل جائے گا کہ وہ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے امتی ہیں اور آنحضرت نبی الانبیاء ہیں۔ اس جگہ سے یہ بھی ظاہر ہے کہ آدم علیہ السلام اور ان کی تمام تر اولاد قیامت کے روز آنحضرتؐ کے جھنڈے تلے ہوں گے۔ جس طرح کہ فرمایا گیا ہے۔ ادم ومن دونہ

تحت لوائی آدم اور ان کے علاوہ سب ہی میرے جھنڈے تلے ہوں گے۔ اور فرض کرو کہ سب انبیاء آنحضرتؐ کے ساتھ ہی زمانہ میں موجود ہوتے یا آپ ان کے زمانہ میں موجود ہوتے تو یقیناً" سب کے سب آپ پر ہی ایمان لاتے۔ آپؐ کی مدد بھی کرتے اسی لئے تو یہ فرمایا گیا ہے لو کان حیاما وسعہ الا اتباعی اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو انہیں میرے اتباع ہی کرنی ہوتی۔ یہ اس میثاق ہی کی بنا پر ہو تا جو ان سے لیا گیا ہوا ہے۔ اسی لئے تو عیسیٰ علیہ السلام آخر زمانہ شریعت محمدی پر ہی تشریف فرما ہوں گے۔ جب کہ وہ اپنی نبوت پر باقی ہیں اور انہیں عزت و تکریم بھی حاصل ہے۔ اور کوئی چیز ان سے کم نہیں کی گئی۔ یہی حیثیت دیگر انبیاء کو حاصل ہے۔ وہ اپنی نبوت اور امت کے حامل ہونے کے باوجود آنحضرتؐ کی امت میں شامل ہیں۔ پس آنحضرت کی نبوت اعم۔ اکمل اور اعظم نبوت ہے ان معانی میں اچھی طرح تدبر و فکر کرو۔ تاکہ اس مقام سے دیگر انبیاء کرام سے ان کی نبوت و رسالت کی نفی کا آپ کو تصور نہ ہو۔ صاحب مواہب لدینہ دنیا نے بھی اس طرح فرمایا ہے جو کچھ کہ کہہ دیا گیا ہے۔ انہوں نے اس کی تحقیق اور اس کی تفصیل اس سے زیادہ بیان کی ہے۔

بندہ مسکین (شیخ عبدالحق) کہتا ہے کہ یہ مخفی نہ رہے کہ ظاہری قرینہ کے لحاظ سے یہ بالکل واضح ہے کہ میثاق انبیاء علیہم السلام سے لیا گیا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ لما اتیتکم من کتاب و حکمۃ۔

حضرت علی مرتضیٰ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف سے جو صراحت ہے اس سے ظاہر ہو تا ہے۔ کہ عہد و پیمان کے وقت انبیاء کرام کا آنحضرتؐ پر ایمان لانا اور مدد فرمانا اس کا مطلب یہ ہے آپؐ سے موافقت کرنا۔ عہد کی توثیق کرنا یا نصرت کا قصد کرنا جو وجود میں آیا۔ اور کثیر تعداد میں وہ لوگ بھی ہوئے ہیں جو آنحضرتؐ کی ولادت سے پہلے ہی آپؐ پر ایمان لائے تھے۔ مثلاً حبیب نجار وغیرہم۔ سابقہ زمانہ میں بہت سے لوگ ہو گزرے ہیں۔ جن کو آپؐ کے فضائل و کمالات اور نبوت کی خبر حاصل ہونے کا شرف مل چکا تھا۔ دیگر انبیاء کا حضور علیہ السلام کے امتی ہونے کے حکم میں اتنی سی بات ہی بہت ہے کہ آنحضرتؐ ان کی طرف سے بھی رسول ہیں۔ اور معراج کی رات میں مسجد اقصیٰ میں تمام انبیاء علیہم السلام۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اکٹھے ہوئے تھے۔ آنحضرتؐ ان کے امام بنے۔ دیگر سب آپؐ کے مقتدی ہوئے۔ اس وقت وہ تمام آپؐ پر ایمان لائے تھے اور امت کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں اور دنیوی زندگی کے ساتھ انہیں بقا حاصل ہے۔ یہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو فضیلت و بزرگی حاصل ہے کہ دیگر انبیاء نے اپنی امتوں سے آپؐ پر ایمان لانے اور مدد کرنے کا عہد و اقرار لیا تھا۔ یہ شرف کسی اور نبی کو حاصل نہ ہوا ہے لیکن اس سے کہیں زیادہ فضیلت و شرف ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے خود انبیاء علیہم السلام سے آپؐ کے حق میں میثاق لیا۔ فافہم و باللہ التوفیق۔

رسولوں کی ایک دوسرے پر فضیلت۔ **وصل:۔** اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے تلک الرسل فضلنا بعضھم علی بعض ان رسولوں کو ایک دوسرے پر ہم نے فضیلت دی ہے ولقد فضلنا بعض النبیین علی بعض یہ دونوں آیات ہیں دلیل ہیں انبیاء و رسل کے مراتب میں فرق ہے۔ بعض پر افضل ہیں۔ یہاں پر فرقہ معتزلہ کا رد فرمایا ہے۔ وہ انبیاء کی ایک دوسرے پر فضیلت کے قائل نہیں ہیں۔ سب کو برابر کہتے ہیں ان کا یہ قول فاسد ہے۔ کیونکہ نبوت کے لحاظ سے فضیلت ہونے میں گفتگو ہوئی ہے باپ ہونے کی حیثیت میں نہیں۔ اکثر اوقات ایسا واقعہ ہوا کہ بیٹا باپ سے کمالات میں زیادہ ہو تا ہے۔ گو باپ کو حق ابوت حاصل ہو تا ہے۔ ایک جماعت کا یہ

قول ہے کہ اس بارے میں خاموشی ہے۔ حالانکہ یہاں خاموشی کا کوئی مقام نہیں جب کہ قرآن میں انبیاء کی ایک دوسرے کی فضیلت میں نص موجود ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ومنھم من کلمھم اللہ انبیاء میں کچھ وہ ہیں جن سے اللہ نے کلام فرمایا ہے۔ مفسرین کہتے ہیں کہ مراد اس سے موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے بغیر کسی واسطہ درمیانی کے کلام فرمایا۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اس بارے میں موسیٰ علیہ السلام کو تخصیص حاصل نہیں ہے کیونکہ۔ ثابت شدہ امر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سید المرسلین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معراج کی شب میں بلاواسطہ کلام فرمایا تھا۔ سوائے اس کے کہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کلام کی کوئی خاص وجہ ہو اور اغلب یہ ہے کہ اس وجہ تخصیص اور اس نعمت کے پالینے سے ہی ان کا نام کلیم ہو گیا تھا۔ جس طرح کہا گیا ہے کہ انہوں نے نفسی کلام سنایا کسی جانب سے سنا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب عرش سے اوپر گئے اور مخلوق کے علوم کی حد انتہاء پر پہنچے جس مقام تک آنحضرتؐ کو رسائی عطا ہوئی۔ کسی اور کی رسائی وہاں تک نہ ہوئی۔ وہاں پر آنحضرتؐ کلام ربی سے مشرف ہوئے اور دوسرے کمالات و درجات بھی عطا ہوئے جتنے دوسروں کو حاصل ہوئے تھے ان سے اعلیٰ اور اتم حق تعالیٰ کے اس ارشاد کے یہی معانی ہیں۔ ورفع بعضھم درجات اس بات پر مفسرین نے اتفاق کیا ہے کہ یہاں مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اس مبہم کلام میں آنحضرتؐ کی تعظیم و تفضیل اور قدر و منزلت کی بلندی ہے اور کلام کے اسلوب سے واقف حضرت پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔

علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ انبیاء کی جو فضیلت یہاں پر مذکور ہے اس کی تین وجوہات ہیں۔ ایک یہ کہ ان کے معجزے نشانات سے زیادہ مشہور اور ظاہر اور روشن ہوں اس امت کے لئے جو پاک ہوا علم ہو اور کثرت تعداد میں ہو۔ یا وہ خود اپنی ذات میں افضل اکمل اور اظہر ہوں۔ ذاتی فضیلت ان خصوصیات پر ہوتی ہے۔ جو متعلقہ نبی میں کرامات اور اعلیٰ مراتب کلام وغیرہ سے خصوصیت حاصل ہو۔ یا وہ نبی خلت یا رویت قسم کے الطاف و تحائف عطا کیا گیا ہو۔ اور یہ اظہر من الشمس ہے کہ ہمارے پیغمبر علیہ السلام کے معجزات اور نشانیاں بہت ہی زیادہ روشن ظاہر۔ اتم ہیں اور اکثر کو بقا حاصل ہے۔ آپؐ کا منصب بھی اعلیٰ ہے۔ آپؐ کا دبدبہ بہت بڑا ہے اور زیادہ ہے اور امت محمدیہ بھی ازکی اعلم اور کثرت والی ہے بحکم آیت قرآنی فرمایا گیا ہے کنتم خیر امۃ تم بہترین امت ہو۔ یہ خیر و بھلائی آپؐ کی امت کی صفت ہے اس کے مفہوم میں سب کمالات و فضائل شامل ہیں۔ دوسرے نمبر پر یہ ہے کہ آپؐ کی ذات سب سے زیادہ اکمل اور اطہر ہے۔ آپؐ کے خصائص و کرامات اور آپؐ کے کمالات سب سے زیادہ عظیم مشہور اور ظاہر ہیں۔ اور سب رسولوں سے زیادہ بلند درجات کے آپؐ مالک ہیں آپؐ جملہ مخلوقات سے بڑھ کر ازکی اور افضل و اطہر ہیں۔ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ واتباعہ اجمعین۔

اب آپؐ ذرا حدیث شفاعت پر تدبر فرمائیں کہ حشر کے دن اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق اکٹھی ہوگی اور شفیع کو تلاش کرے گی۔ حضرت آدمؑ، نوحؑ، ابراہیمؑ، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کے پاس یکے بعد دیگرے جائیں گے اور شفاعت کی درخواست کریں گے اور تمام انبیاء یہ ذمہ داری قبول کرنے میں اپنے عجز کا اعتراف کریں گے۔ وہ کہیں گے کہ یہ ہمارا کام نہیں ہے۔ سب سے آخر میں لوگ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خدمت میں حاضر

ہوں گے۔ تو آپ ارشاد فرمائیں گے کہ یہ کام میرا ہے۔ پھر آپ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے۔
(الیٰ آخر الحدیث)

آنحضرتؐ نے فرمایا ہے انا سید ولد آدم میں اولاد آدم کے سردار ہوں۔ نیز آپؐ نے فرمایا ہے انا اکرم ولد ادم اولاد آدم میں بہترین میں ہوں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں اولاد آدم میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بہتر و بزرگ میں ہوں۔ بعض کا قول ہے کہ ولد آدم اور بنی آدم سے مراد بنی نوع انسان ہیں۔ اس میں خود آدم علیہ السلام بھی ہیں۔ دیگر ایک روایت میں آیا ہے۔ انا سید الناس یوم القیامۃ قیامت کے دن میں سب انسانوں کا سردار ہوں۔ بہترین استدلال والی یہ حدیث ہے کہ آپ نے فرمایا ادم ومن دونہ تحت لوائی آدم اور ان کے علاوہ سب لوگ میرے جھنڈے تلے ہوں گے۔ کچھ لوگوں نے اس آیت قرآنی سے دلیل لی ہے۔ خیر امۃ اخرجت للناس تمام امتوں میں سے بہترین امت تم ہو۔ یہ درست ہے کہ دین میں کمال حاصل ہو امت کو تو اس کی فضیلت و خیریت کا باعث ہوتا ہے۔ امت کا یہ کمال اپنے نبی کے کمال کے تحت ہوتا ہے۔ کیونکہ امت اس کی پیروی کرتی ہے۔

علاوہ ازیں فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت سے دلیل پکڑتے ہیں کہ رب تعالیٰ نے نبیوں کے اچھے اوصاف سے توصیف فرمائی ہے۔ پس انبیاء میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اولئک الذین ھدی اللہ فبھداھم اقتدہ یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت عطاء کی ہے۔ پس ان کی راہ اختیار کریں لہٰذا حکم فرمایا گیا کہ آنحضرتؐ ان سب کی راہ پر چلیں۔ لا محالہ امتثال امر اس کا بجالانا واجب ہو گیا جب آنحضرت اسے بجالائے تو تمام تر خوبیاں اور کمالات جن کے جملہ انبیاء حامل تھے بے شک آنحضرت میں جمع ہو گئے اور تمام انبیاء کے علیحدہ علیحدہ اور متفرق کمالات و خوبیاں آنحضرت میں جمع ہو گئیں پس آنحضرتؐ ان سب پر افضل ٹھہرے۔ اس استدلال میں لطافت پائی جاتی ہے۔ گو بادی النظر میں یہ گمان ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ صلعم کو حکم فرمایا گیا ہے کہ وہ دیگر انبیاء کی اقتداء کریں اور آپ مفضول ہو گئے۔ لیکن یہاں تو اتباع و اقتداء سے ان کی موافقت مراد ہے۔ اقتداء کا لفظ اس لئے بولا گیا۔ کہ دیگر انبیاء آپ سے قبل ہو چکے ہیں۔ اور جس حکم میں آنحضرت کو اتباع ملت کے لئے کہا گیا ہے۔ وہ بھی اسی قبیل سے ہے۔ علاوہ آنحضرتؐ کی دعوت دین بمقابلہ دیگر انبیاء کی دعوت کے زیادہ بلاد عالم میں اشاعت پذیر ہوئی ہے۔ لہٰذا اہل دنیا نے آپ کی دعوت سے بہ نسبت دوسرے انبیاء کی دعوت و تبلیغ کے زیادہ اور اکمل انتفاع کیا ہے۔ پس آنحضرتؐ سب انبیاء سے افضل و اکمل ہیں۔ خیر الناس من ینفع الناس لوگوں میں سے بہترین وہ ہے جو لوگوں کو زیادہ فائدہ پہنچاتا ہے۔

آنحضرتؐ کے صحابہ کرام کے فضائل کے بارے میں ایک حدیث وارد ہوئی ہے۔ کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ایک دروازے میں ظاہر ہوئے تو آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا۔ ھذا سید العرب یہ عرب کا سردار ہے۔ صحابہ عرض کرنے لگے یا رسول اللہ آپؐ کیا نہیں ہیں عرب کے سردار۔ تو آپؐ نے فرمایا۔ انا سید العالمین و علی سید العرب میں تمام جہانوں کا سردار ہوں اور علی عرب کا سردار ہے۔

فائدہ۔ حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ بعض نے اسے ضعیف کہا ہے۔ اور امام ذہبی نے اس کے موضوع ہونے کا حکم فرمایا ہے۔ (واللہ اعلم)

لیکن قرآن شریف میں اس طرح آیا ہے لانفرق بین احدمنھم ہم انہیں سے کسی کے درمیان میں بھی فرق نہیں کرتے اور **صحیحین** میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ ولاتفضلوفی علی الانبیاء انبیاء پر مجھے فضیلت نہ دو۔ دوسری روایت میں آیا ہے لاتفضلو بین الانبیاء انبیاء کے درمیان فضیلت نہ دو۔ ایک روایت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے اس طرح ہے لاتخیرو بین الانبیاء انبیاء کے درمیان فرق مت کریں اور مسلم شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے آیا ہے کہ بندہ کو امتیاز نہ دیں کہ کہنے لگو کہ میں یونس بن متی سے بہتر ہوں تو اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ جھوٹ بولتا ہے۔ روایت ہے کہ جو کوئی اس طرح کہے کہ میں یونس بن متی سے بہتر ہوں تو وہ جھوٹ کہتا ہے۔ ان کے جواب علماء اس طرح دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے لانفرق بین احدمنھم ہم ان میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے۔ اس سے تو ایمان میں تفریق جاننا مراد ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کچھ ان پر لوگ ایمان لائیں اور کچھ پر ایمان نہ لائیں۔ جس طرح کہ یہ فرمایا ہے۔ ان الذین یکفرون باللہ و رسلہ بلاشبہ جن لوگوں نے اللہ اور اس کر رسولوں کا انکار کیا۔ ویریدلون ان یفر قوابین اللہو رسلہ اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کا انکار کیا۔ یقولون نومن ببعض ونکفر ببعض اور کہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان لائے ہیں اور کچھ پر ایمان نہیں لائے۔ در حقیت کسی بھی ایک رسول کی تکذیب سے جملہ رسولوں کی تکذیب ہو جاتی ہے۔ یہ ہی مفہوم بعض علماء نے اللہ کے اس فرمان کے لئے ہیں۔ ان یکذبو کفقد کذب رسل من قبلک اگر آپ کو یہ لوگ جھٹلاتے ہیں تو آپ سے قبل کے رسول بھی جھٹلائے گئے۔ انبیاء اور رسل میں ایمان کی برابری بعض پر بعض کی فضیلت کے خلاف نہیں ہے۔ اور احادیث کے جوابات کئی وجوہات سے دیئے گئے ہیں۔ بعض کا قول ہے **تفضیل و تخییر** کی ممانعت یہ وحی نازل ہونے سے پہلے تھی کہ آپ سید الانبیاء افضل البشر اور سیف ولد آدم ہیں۔ لیکن جو اس کا قائل ہے اس پر یہ بھی واجب ہو جاتا ہے کہ وہ تقدیم و تاخیر کا ثبوت پیش کرے۔ بعض اس طرح کہتے ہیں کہ فضیلت دینے کا یہ طریقہ نہ ہونا چاہیے جس سے مفضول کی تنقیص واہانت پائی جائے۔ بعض کا قول ہے کہ نبوت و رسالت کی اصل میں **تفضیل** کی ممانعت ہے۔ کیونکہ جملہ انبیاء کرام اصل نبوت کے لحاظ سے حد واحد پر ہیں۔ اور نبوت کے لحاظ سے ان میں یک دیگر فضیلت نہیں ہے۔ بلکہ نبوت کے علاوہ جو زائد امور ہیں ان میں **تفضیل** ہے مثال کے طور پر بعض تو رسول ہیں۔ بعض اولوالعزم نبی ہیں۔ لیکن یہ بات خطاء سے خالی ہرگز نہیں ہے۔ اس کی یہ تفصیل ہے کہ بعض نے کہا ہے کہ میں تو صرف اس کی فضیلت حاصل سمجھتا ہوں جس کا ذریعہ خصائص قرب سے اللہ نے بلند کیا ہے۔ امت کو ڈرانے۔ دین پر صبر کرنے میں۔ ادائے رسالت پر قیام میں اور گمراہ لوگوں کی ہدایت کی خواہش رکھنے کے بارے میں سمجھے کسی سے کوئی تعرض نہ ہے۔ کیونکہ ہر نبی نے مقدور بھر جد و جہد فرمائی ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس سے زیادہ پر **مکلف** بھی نہیں ہیں۔ فافہم۔ بعض نے کہا ہے کہ ہمارا اعتقاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک دوسرے پا انبیاء کو اجمالاً فضیلت حاصل ہے لیکن اپنی ذاتی رائے کے ساتھ ہم فضیلت دینے سے رکتے ہیں کیونکہ کسی کی فضیلت ہم اپنی رائے سے تو بیان نہیں کر سکتے۔ ہم تو صرف اللہ تعالیٰ کی کتاب اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہی فضیلت دے سکتے ہیں۔ جس طرح کہ پہلے دلائل گزر چکے ہیں مسلک مالکیہ کا اکابر علماء سے ابن ابی جمرہ ہیں۔ وہ حدیث حضرت یونس علیہ السلام کے متعلق کہتے ہیں۔ کہ آنحضرتؐ کی اس سے مراد ہے اللہ تعالیٰ سے جت، تحدید اور تحیئف کی نفی۔

چنانچہ علامہ فخرالدین رازی فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے یونس علیہ السلام پر اس لئے فضیلت نہیں کہ مجھے آسمان پر لے جایا گیا تھا اور یونس علیہ السلام کو دریا کہ گہرایوں میں اتارا گیا۔ اور یہ کہ میں تو خدا کے قریب ہوں اور وہ خدا سے بعید ہیں۔ پس اس طریقہ سے میری فضیلت ثابت کریں۔ تو اس سے اللہ تعالیٰ کے لئے جہت و مکان ثابت ہو جاتا ہے۔ (اور یہ باطل و فاسد ہے۔) گو میں آسمانی سات طبقات میں لے جایا گیا اور حجت خرق ہوئی۔ یونس علیہ السلام گہرائی میں اتارے گئے۔ پھر بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ میرے اور ان کے قرب کی نسبت مساوی ہے دیگر انبیاء اور یونس علیہ السلام سے فضیلت کے سوا میرے دیگر فضائل و کمالات بھی ہیں۔ جو ثابت شدہ ہیں اس طریقے سے تو مجھے فضیلت دی جائے تو جہت لازم ہو جاتی ہے۔ یہی بات امام دارالہجرت یعنی امام مالک سے بھی مروی ہے۔ اسی طرح نقل کیا گیا ہے امام الحرمین سے کچھ فاضل لوگ اس میں اختلاف رکھتے ہیں ان کا قول ہے کہ ذات الٰہیہ کے لئے اثبات مکان کے لحاظ سے فضیلت ثابت نہیں کرتے ہیں۔ کیونکہ تمام جہتوں کو اللہ تعالیٰ کی ذات سے نسبت برابر ہے۔ بلکہ اس طرح ہے کہ ملاء اعلیٰ یعنی آسمان والوں کو جو زمین والوں پر فضیلت ہے جو کچھ اس عالم کو اس عالم پر شرف حاصل ہے۔ اس لحاظ سے آپ کو ہم یونس علیہ السلام پر فضیلت دیتے ہیں یعنی یہ فضیلت قدر و منزلت کے باعث ہے نہ کہ مکان کے باعث۔ پس تفضیل کی ممانعت مقید ہے مکان کے ساتھ۔ کیونکہ اس سے تو قرب مکانی فہم میں آتا ہے (ہم اس طرح نہیں کرتے ہیں اور نہ ہمارا یہ مقصد ہی ہے) فلیتامل

ملائکہ پر فضیلت بشر۔ وصل:۔ مسئلہ فرشتوں پر فضیلت بشر جس کے جمہور اہل سنت و جماعت قائل ہیں اس تفصیل کے ساتھ مشہور ہے۔ کہ بشر یعنی انبیاء صلوٰۃ اللہ و سلامہ علیہم کے خواص ملائکہ' جبریل' میکائیل' اسرافیل' عزرائیل اور حاملان عرش اور مقربان اور کروبیان اور روحانیان علیہم السلام کے خواص سے افضل ہیں۔ اس طرح مواہب لدنیہ میں تفسیر کی گئی ہے۔ اور عقائد کی عبارت یہ ہے ورسل البشر افضل من رسل الملائکتہ ظاہر تو یہی ہے کہ یہ جماعت جس کا ذکر کیا گیا ہے اس سے مراد فرشتوں کے رسول ہیں۔ کیونکہ یہ فرشتوں کی جماعتوں کو اللہ تعالیٰ کے احکام کی تبلیغ کرتے ہیں اور تعلیم دیتے ہیں۔ اور عوام بشر سے مراد اولیاء صلحاء اور اتقیاء ہیں۔ ان میں فاسق و فاجر لوگ داخل نہیں۔

فائدہ۔ شعب الایمان میں اور عامیوں پر تنقیص کی گئی ہے اور جیسے کہ اس کی عبارت نقل کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ قدیم و جدید لوگوں نے ملائکہ اور بشر کے موضوع پر بحث و تمحیث کی ہے۔ پس اس طرف جانے والے اسی طرف گئے ہیں کہ رسولان بشر ملائکہ کے رسولوں پر افضل ہیں اور اولیاء بشر اولیاء ملائکہ پر افضل ہیں۔ انتھی۔ اور جمہور اہل سنت و جماعت نے اس پر یہ کہا ہے کہ بعض اشاعرہ فضیلت ملائکہ کے قائل ہیں اور قاضی ابوبکر باقلانی جو اس مسلک کے لوگوں میں عالم و فاضل ہیں اور شیخ ابوالحسن اشعری کے شاگرد ہیں۔ ان کا یہی مسلک ہے اور عبداللہ حلیمی بھی اسی طرف ہیں۔ اور بعض مقامات پر امام غزالی کے کلام سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے اور بعض اس نظریہ پر ہیں کہ تجرد اور قرب کی حیثیت سے ملائکہ افضل ہیں اور کثرت ثواب کی حیثیت سے بشر افضل ہیں۔ اس میں اہل سنت کی فضیلت سے مراد کثرت ثواب ہے۔ جیسے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں کہا گیا ہے اور شیخ تاج الدین سبکی رحمتہ اللہ علیہ جو علماء شافعیہ میں اکابرین میں ہیں اور علمی

میدان میں بلند مرتبہ کے حامل ہیں۔ انہوں نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی تمام عمر کے دوران مسئلہ افضیلت خاطر میں نہ لائے نہ نفی کرے اور نہ اسکی اثبات کرے تو میں امید رکھتا ہوں کہ قیامت کے روز اس سے اس کے بارے میں سوال نہ کیا جائے گا اور اس مسئلہ افضیلت ملک و بشر پر دونوں فریقین کے دلائل کتب کلام میں درج ہیں۔

اور ملائکہ کے اندر بھی بعض فرشتے بعض پر افضل ہیں۔ ان سب میں جبریل علیہ السلام افضل ہیں۔ کیونکہ اس کو روح الامین کہتے ہیں اور وہ مظہر علم اور حامل وحی ہے اور تین دوسرے فرشتے بھی دیگر تمام فرشتوں سے افضل ہیں اور دیگر تمام فرشتوں میں بھی افضل و مفضول فرشتے ہوں گے اور تمام انبیاء میں سے رسول افضل ہیں۔ نیز رسول بھی بعض پر بعض افضل اور محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تمام انبیاء و رسل سے افضل ہیں۔ بس وہ سید المرسلین خاتم النبیین اور جمع خلائق سے افضل ہیں۔ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم افضل ماصلی علی احدمن الانبیاء والمرسلین واعلی الہ واصحابہ اجمعین۔ بدلالۃ طریق الحق ومجی علوم الدین۔

نیز انبیاء کی تعداد کے بارے میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ اور اس بارے میں حضرت ابی ذر رضی اللہ عنہ کی حدیث مشہور ہے۔ ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں درج کی ہے کہ ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ! انبیاء کتنے ہیں فرمایا ایک لاکھ چوبیس ہزار میں نے کہا یا رسول اللہ رسول کتنے ہیں۔ فرمایا تین صد اور تیرہ۔ وہ انبیاء جن کے اسماء قرآن میں ذکر کئے گئے ہیں وہ یہ ہیں۔ جناب حضرت آدمؑ، ادریسؑ نوحؑ، ہودؑ، صالحؑ، ابراہیمؑ، لوطؑ، اسمٰعیلؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ، یوسفؑ، ایوبؑ، شعیبؑ، موسیٰؑ، ہارونؑ، یونسؑ، داؤدؑ، سلیمانؑ، الیاسؑ، الیسعؑ، زکریاؑ، یحییٰؑ، عیسیٰ علیہم السلام اجمعین اور اکثر مفسرین کے نزدیک ذوالکفل بھی نبی ہیں اور اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے کہ بعض انبیاء کا میں نے تم پر ذکر کیا ہے اور ذکر نہیں کیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کا ذکر آنحضرت صلوٰۃ اللہ علیہ وسلامہ پر نہیں کیا گیا۔ اور اس مسکین (شیخ عبدالحق) کے دل میں اس طرح آتا ہے کہ یہ معنی اس وقت تھے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تھی اور دوسرے وقتوں پر ان انبیاء کا بھی ذکر کر دیا گیا۔ جن کا ذکر نہیں کیا گیا تھا اور یہ امر نہایت بعید ہے کہ اپنے محبوں کا ذکر اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ کرے اور ان کے احوال اس سے پوشیدہ رکھے۔

مخصوص عظمت رسول اور اعلیٰ منزلت۔ وصل:۔ اعظم و اعلیٰ جو کہ حق سبحانہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کرامت و مکانت بیان فرمائی ہے۔ اس بارے میں قرآن مجید میں قصہ اسرا اور معراج ہے۔ ودنی فتدلی جو سورۃ سبحان الذی اور والنجم میں ذکر کیا گیا ہے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی قدر و منزلت، علو درجات، قرب مشاہدہ آیات و عجائب قدرت رب تعالیٰ پر مشتمل ہے۔ انہیں میں سے ایک وہ ہے جس سے دشمنوں خصوصاً مکہ و مدینہ کے مشرکوں سے آپ کی حفاظت کی گئی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے واللہ یعصمک من الناس اور آنحضرت صلوٰۃ اللہ علیہ والسلام کی حفاظت و نگہبانی پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم ہوتے تھے۔ اور وہ دشمنوں کی شر سے احتراز و اجتناب کرتے تھے اور یہ حفاظت بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے اور اس کی حکمت بالغہ کے باعث تھی۔ اور جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپؐ دشمنوں کی مکاریوں سے فارغ ہو گئے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

اذیمکر بک الذین کفروا لیثبتوک او یقتلوک او یخرجوک

ترجمہ:۔ جس وقت کفار آپؐ کے متعلق سوچتے تھے کہ آپؐ کو قید کرلیں یا قتل کردیں یا باہر نکال دیں۔

یہ صورت حال ہجرت کے آغاز کے وقت تھی اور اس ہی وجہ سے ہجرت کرنا پڑی تھی۔ جیسے ہجرت کا قصہ مشہور ہے اور اللہ تعالیٰ کا قول ان لاتنصروہ فقد نصرہ اللہ ہے۔ جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرکوں کی ایذاء کو دفع فرمایا۔ جب کہ وہ آپؐ کی ہلاکت کے لئے بیعت کرچکے تھے اور وہ اتفاق الرائے کرچکے تھے اور حضور علیہ السلام کے خروج کے وقت ان کی آنکھوں کو اندھا کردیا۔ اور غار میں آپؐ کے موجود ہونے کے یقین کے باوجود آپؐ کی تلاش میں ان پر غفلت آگئی اور ان کی ہمت وارادہ کو پھیردیا اور نشانات وعلامات کا ظہور اور نزول سکینہ اور اللہ تعالیٰ کی معیت کا مشاہدہ عظیم معجزات اور علامات میں سے ہیں۔ جن کا ذکر ان کے مناسب مقام پر آئے گا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت اور عصمت میں اس کا قول ہے اذیقول لصاحبہ لاتحزن ان اللہ معنا اس کی مانند موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بھی ہوا ہے۔ جب کہ وہ بنی اسرائیل کے ساتھ نکلے اور فرعون نے ان کا پیچھا کیا اور بنی اسرائیل ڈر گئے کہ فرعون نے تو ان کو قریباً پکڑ ہی لیا ہے تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا مت ڈرو۔ بے شک میرے ساتھ میرا رب ہے۔ لیکن علماء نے کہا ہے کہ مشاہدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مشاہدہ موسیٰ علیہ السلام میں فرق ہے۔ آنحضرتؐ کی اول نظر وجود حق تعالیٰ پر پڑی اور اس کے بعد اپنے نفس پر کیونکہ آپؐ نے فرمایا ان اللہ معنا اور موسیٰ علیہ السلام کی اول نظر اپنے نفس پر تھی اور اس کے بعد حق تعالیٰ کے وجود پر اور یہ دونوں ہی شہود وقرب کی قسموں میں سے ہیں۔ اول اتم اور اقرب ہے جو اس کے مصداق ہے مارایت شیئاً الا ورایت اللہ قبلہ وثانی مارایت شیئاً الا ورایت اللہ یعنی میں نے کچھ نہ دیکھا سوائے اس کے کہ سب سے پہلے اللہ کو دیکھا اور دوسرے اس طرح ہے کہ میں نے کچھ نہیں دیکھا۔ مگر اللہ کو اس کے بعد دیکھا۔ پہلے میں تو جذب کا طریق ہے اور دوسرے طریق سلوک۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ولقد اتیناک سبعاً من المثانی والقرآن العظیم بے شک میں نے آپؐ کو دہرائی جانے والی سات سورتیں اور قرآن عظیم عطا فرمایا ہے۔ سبع مثانی سے مراد وہ سات دراز سورتیں ہیں جو قرآن کے شروع میں ہیں۔ یعنی پہلی سورۃ البقرہ ہے اور آخری سورۃ انفال معہ سورۃ توبہ ہے۔ کیونکہ یہ دونوں سورتیں ایک ہی سورۃ کے حکم میں ہیں۔ اور اسی لئے ان میں فصل نہیں کیا گیا۔ (یعنی ان دونوں کے درمیان بسم اللہ شریف کے ساتھ فرق نہیں کیا گیا)

فائدہ۔ اور قرآن عظیم کی یہ سات آیتیں ام القرآن یا سبع مثانی علیحدہ ہیں باقی ماندہ کا نام قرآن عظیم ہے اور ام القرآن کا نام سبع مثانی اس لئے ہے کہ وہ ہر رکعت میں دوہرائی جاتی ہیں۔ یا ان کے نزول میں تکرار کے باعث ہے۔ اور بعض تو کہتے ہیں یہ اس وجہ سے ہے کہ ان آیتوں کا اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے لئے استثناء فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ذخیرہ کیا تھا۔ اور سوائے آپ کے یہ آیات کسی اور کو نہ دیں انبیاء میں سے۔ اور قرآن کا نام مثانی یا تو اس لئے ہے کہ اس میں قصے بار بار دہرائے ہیں۔ یا اس جہت سے کہ ان میں اللہ تعالیٰ کی ثناء کی گئی ہے۔ یا اس لئے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بلاغت اور اعجاز کے ساتھ کی گئی ہے۔ اور سورتوں کا نام سبع مثانی بھی اسی اعتبار سے ہوا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

ومالرسلنک الاکافتہ للناس بشیرونذیرا

ترجمہ:۔ اور آپ ؐ کو تمام لوگوں کے لئے خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا گیا ہے۔
نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

قل یایھاالناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا

ترجمہ:۔ کہہ دو اے لوگو! میں آپ ؐ سب کی طرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول ہوں۔
اور یہ ارشاد گرامی آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے خصائص میں سے ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

ومالرسلنامن الرسول الابلسان تومہ لیبین لھم

ترجمہ:۔ اور ہم نے کسی رسول کو نہیں بھیجا سوائے اس کی اپنی قوم کی زبان میں تاکہ خوب بیان کرے۔

پس تحقیق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسولوں کی ان کے اپنی اقوام میں تخصیص کردی اور محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کو جملہ مخلوق کی طرف رسول بنایا جیسے کہ فرمایا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

بعثت الی الاسود والاحمر

ترجمہ:۔ مجھے سب اسود و احمر (سب کے لئے) کی طرف بھیجا گیا ہے۔

یہاں اسود سے مراد عرب ہیں کہ ان کے رنگ مائل بہ سبزی ہیں اور احمر سے مراد عجمی ہیں کہ وہ سرخ و سفید ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

النبی اولی بالمومنین من انفسھم وازواجہ امھاتھم

ترجمہ:۔ پیغمبر مومنوں کی جانوں سے بھی زیادہ ان کے قریب ہیں اور اس کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں۔

مراد یہ ہے کہ پیغمبر کا حکم نافذ ہے اور جاری ہے جس طرح کہ آقا کا حکم غلام پر نافذ ہوتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کے حکم کی پیروی اپنی ذاتی رائے کی پیروی سے بہتر ہے اور یہ معنی آپ کی محبت و اتباع کے لحاظ سے وجوب کے باب میں تفصیل کے ساتھ واضح ہو جاتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ازواج مومنوں کی مائیں ہیں۔ آپ ؐ کے بعد آپ ؐ کی کرامت و خصوصیت کے باعث حرمت نکاح کے بارے میں یہ حکم ہے اور یہ اس لئے بھی ہے کہ وہ آخرت میں آپ ؐ کی بیویاں ہیں۔ اور قرات شاذہ میں آیا ہے۔ ھواب لھم (نبی پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ان کے باپ ہیں۔)

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وانزل اللہ علیک الکتاب والحکمۃ وعلمک مالم تکن تعلم وکان فضل اللہ علیک عظیما

ترجمہ:۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ ؐ پر کتاب اور حکمت کا نزول فرمایا اور جو کچھ آپ ؐ نہ جانتے تھے وہ آپ ؐ کو سکھا دیا اور اللہ تعالیٰ کا آپ ؐ پر بہت بڑا فضل ہے۔

اور فضل عظیم کی کنہ اور اصل تک کسی کی بھی رسائی نہیں ہے اور علماء نے کہا ہے کہ یہ آیت الٰہی کی طاقت اور اس کی برداشت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ کیونکہ موسیٰ علیہ السلام تو اس کی تاب و طاقت نہ رکھتے

تھے۔ اور قرآن پاک کی وہ آیات جو آپ پر فضل اور آپ کی کرامت پر دلالت کرتی ہیں بہت ہیں اور در حقیقت سارے کا سارا قرآن اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے اوصاف و کمالات کو ظاہر کرتا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی فضیلت کی خصوصیات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جہاں کہیں بھی مشرکوں اور دین کے دشمنوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی نسبت طعن و تنقیص کی ہے۔ حق سبحانہ و تعالیٰ نے خود اس کا کفیل ہو کر آپ سے اس طعن و تنقیص کو دفع کیا ہے۔ اور اسی طرح ہی محب کی عادت ہوتی ہے کہ جب بھی وہ اپنے محبوب کے متعلق کسی کی طرف سے بری بات سنتا ہے تو خود اپنے اوپر اس کو لے کر اس کو جواب دینے اور اس کو بدگو کی طرف الٹ دینے کے لئے تیار ہوتا ہے اور اپنے حبیب کی مدد فرماتا ہے۔ اور حقیقت میں اس کی نصرت و اعانت زیادہ طاقتور اور ارفع ہو گی۔ جس وقت کہ کفار نے کہا

یاایھا الذی نزل علیہ الذکر انک لمجنون۔

ترجمہ:۔ اے وہ شخص جس پر قرآن کا نزول ہوا ہے۔ تحقیق تم دیوانے ہو۔

نیز اللہ تعالیٰ و تقدس نے فرمایا ہے۔

ماانت بنعمتہ ربک بمجنون وان لک لاجر غیر ممنون وانک لعلی خلق عظیم○

ترجمہ:۔ اے میرے حبیب! اپنے رب کے فضل و کرم سے آپ دیوانے نہیں ہیں۔ تحقیق آپ کے لئے اجر ہے نہ ختم ہونے والا اور بے شک آپ کا اخلاق بڑا ہی عظیم ہے۔

اور جس میں یہ اوصاف موجود ہوں وہ مجنون نہیں ہوتا اور جب عاص بن وائل سہمی نے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کو دیکھا کہ آپ مسجد سے باہر تشریف لا رہے ہیں اور یہ اندر داخل ہو رہا تھا تو باب نبی شیبہ کے قریب ملاقات کی اور کچھ گفتگو کی۔ اس وقت قریش کے شقی لوگ بیٹھے ہوئے تھے مسجد میں جب عاص مسجد میں آئے تو وہ کہنے لگے کہ کس کے ساتھ باتیں کرتے تھے۔ اس نے کہا اسی ابتر کے ساتھ۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کہ جن کے ہاں خدیجہ کے بطن سے بیٹا پیدا ہو کر فوت ہو چکا تھا۔ پس حق تعالیٰ نے جواب دیا اس کو

ان شانئک ھو الابتر

ترجمہ:۔ آپ کا دشمن ہی ابتر ہے۔

اور ابتر ذلیل حقیر اور بے برکت کو کہا جاتا ہے اور جب کافروں نے آپ کو "لست مرسلا" کہا یعنی کہ آپ رسول نہیں ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب اس طرح دیا

یٰس والقرآن الحکیم○ انک لمن المرسلین

ترجمہ:۔ یٰسین قسم ہے قرآن حکیم کی۔ بے شک آپ رسولوں میں سے ہیں۔

ائنا لتارکوا الھتنا لشاعر مجنون۔

ترجمہ:۔ کیا ہم اس دیوانے شاعر کی خاطر اپنے معبودوں کو ترک کر دیں؟
اس کے جواب میں حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

بل جاء الحق وصدق المرسلون

ترجمہ:۔ بلکہ حق آگیا اور رسولوں نے سچ فرمایا۔
اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وما علمناہ الشعر وماینبغی لہ

ترجمہ:۔ ہم نے اسے شعر کہنا نہیں سکھایا اور نہ ہی وہ اس کے مناسب ہے۔
نیز جب کفار نے کہا

لوشاء لقلنا مثل ھذا ان ھذا الا اساطیر الاولین

ترجمہ:۔ اگر ہم چاہیں تو اس طرح کلام کر سکتے ہیں۔ یہ تو صرف پچھلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں
اس کے جواب میں حق تعالیٰ نے فرمایا

قل لین اجتمعت الانس والجن علی ان یاتوا بمثل ھذا القرآن لا یاتون بمثلہ

ترجمہ:۔ یا رسول اللہ! آپؐ کہہ دیں کہ اگر تمام انسان و جن اکٹھے ہو جائیں پھر بھی اس قرآن کی مثال نہیں لا سکیں گے۔
جس وقت کفار نے کہا ہے کہ

مالھذا الرسول یاکل لطعام ویمشی فی الاسواق

ترجمہ:۔ یہ رسول نہیں ہے یہ تو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے۔
اس کے جواب میں حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

ومالرسلنا قبلک من المرسلین الا انھم لیاکلون الطعام ویمشون فی الاسواق

ترجمہ:۔ ہم آپؐ سے پہلے کسی رسول کو نہیں بھیجا مگر یہ کہ وہ یقیناً" کھانا کھاتے اور بازاروں میں بھی چلتے تھے۔
اور جب کافروں نے یہ بعید از قیاس سمجھا کہ انسانوں میں سے بھی رسول آ سکتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا

قل لو کان فی الارض ملائکۃ یمشون مطمئنین لنزلنا علیھم من السماء ملکا رسولا ○

ترجمہ:۔ آپؐ فرما دیں اگر زمین میں فرشتے ہوتے جو اطمینان سے چلتے تو ان کی طرف آسمان سے ہم فرشتہ ہی رسول بنا کر بھیجتے۔

اس سے مراد یہ ہے کہ ہم جنسی سے انس و محبت پیدا ہوتے ہیں اور غیر جنس میں غیریت اور تباین ہوتے ہیں تو یہی ہونا بھی چاہیے کہ فرشتوں کے لئے فرشتہ ہی مبعوث ہو اور اہل زمین کے لئے بشر مبعوث ہو اور جملہ انبیاء علیہم السلام اپنی ذاتوں سے اپنے ہم ذاتوں کی مدافعت کرتے تھے۔ جیسے کہ حضرت نوح علیہ السلام کا قول ہے لیس بی ضلالہ (مجھ میں گمراہی نہیں ہے) اور حضرت ہود علیہ السلام کا قول ہے لیس بی سفاھنہ (یعنی مجھ میں نادانی ہرگز نہیں) اور اس طرح کی مثالیں قرآن پاک میں بہت ہیں۔ واللہ اعلم۔

مبہمات و موہمات قرآنی سے ازالہ شبہات۔ وصل:۔ یہ وصل ان شبہات کے ازالہ میں ہے جو قرآن کی بعض مبہم اور موہوم آیات سے بادی النظر میں نادانی کے باعث اس حبیب ربانی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے درجہ و منزلت میں نقص و انحطاط کی صورت میں پیدا ہوتے ہیں۔ یہ دراصل متشابہات کی قسم سے ہیں علماء کرام نے ان کی مناسب تاویلات و معنی کر کے انہیں حق تعالیٰ کی طرف راجع کیا ہے۔ انہی میں سے اللہ تعالیٰ کا ایک یہ قول ہے۔ ووجدک ضالا فھدی اس کو آپ کی سابقہ ضلالت کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور ہدایت کے ذریعے رفع کرتے ہیں اور علماء کا اتفاق ہے کہ آنحضرت نہ قبل از نبوت اور نہ بعد از نبوت ضلالت سے متصف و موسوم تھے۔ اور آپ کی نشوونما توحید ایمان اور عصمت پر ہوئی ہے اور اسی طرح جملہ انبیاء و مرسلین صلوۃ اللہ علیہم اجمعین ہیں اور کسی بھی محدث نے نقل نہیں کیا ہے کہ ان میں سے کوئی بھی جو نبوت و رسالت اور اصفیاء و اجتبا یافتہ ہے۔ قبل ازاں کفر و شرک اور فسق و ضلالت سے موصوف اور معروف ہوا ہو اور یہ باب عصمت متفق ہے ہاں اس میں یہ اختلاف ہے کہ عقلاً یہ چیز جائز ہے یا نہیں۔ معتزلہ اس نظریہ پر ہیں کہ جائز نہیں کیونکہ یہ بعد اور نفرت کا باعث ہوتا ہے اور ہمارے ساتھ جو اہل سنت و جماعت ہیں۔ ان کے نزدیک یہ بھی جائز ہے کہ حق تعالیٰ کسی کو ضلالت کے کنویں سے باہر نکال کر ہدایت دے کر نبوت کے مرتبے پر پہنچائے لیکن نقل اور سمعی دلیل اس پر ہے کہ یہ جائز بات کبھی وقوع پذیر نہیں ہوئی اور تمام ہی انبیاء معصوم ہیں۔ خدا اس کی صفات اور ان میں کسی قسم کے شک سے اور تمام ہی کفر اور گناہوں سے معصوم ہیں اور ہر اس چیز سے بھی معصوم ہیں جو نقص اور نفرت کا سبب ہو۔ وہ سب ہی نبوت سے پہلے اور بعد سہو و نسیان غلطی اور جوش و غضب کی حالت میں غفلت سے اور تمام ان چیزوں سے جو تشریع ملت اور تبلیغ امت کے متعلق ہیں۔ ان سب سے محفوظ ہیں اور کبیرہ گناہوں سے مطلقاً محفوظ اور صغائر سے عمداً معصوم اور مامون ہیں اور بالخصوص حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سید الانبیاء کی عصمت تو اتم اور اکمل ہے اور آپ کا مقام بڑا بلند و بالا ہے۔ اور جو شخص بھی اپنی رائے سے ادب کے منافی دم مارے وہ ساقط ہے اور وہ گمراہی کے سب سے گہرے گڑھے میں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات شریف تو ازل سے ہی پاکیزہ اور آراستہ و پیراستہ آئی ہے کہ آپ کے عزت و جلال کے دامن تک کسی عیب یا نقص کے ہاتھ کو رسائی کی تاب نہیں۔

؎ یہ تعلیم و ادب اور اچہ حاجت ، کہ او خودز آنماز امد مودب ؎

لیکن تربیت و تعلیم اور قرآن کی تائید بتدریج قوت سے فعل کی طرف آتی ہے کیونکہ وہ وعدے جو اللہ تعالیٰ نے کئے تھے۔ مخصوص اوقات میں ظاہر ہو کر کمال یقین اور انکشاف کا سبب ہوتے ہیں۔ چنانچہ اکثر اوقات آپ معجزہ کے ظہور پر یا اللہ تعالیٰ کی قدرت کے شہود پر آپ فرماتے تھے۔ اشہدانی رسول اللہ یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ میں رسول خدا ہوں اگر کوئی شخص یہ پوچھے کہ سب اہل کمال کا یہ حال ہوتا ہے کہ جو کچھ ان کے ظرف میں اور استعداد میں پیدا کیا ہے وہ بتدریج اور ترتیب سے ظاہر ہوتا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ یہاں استعداد قرب اور دوری کے فرق کے لحاظ سے ہے کیونکہ کمال والوں کا کمال یہ حال ہوتا ہے لیکن یہاں تو تمام کا تمام کمال بالفعل موجود ہے اور ثابت شدہ ہے لیکن یہ پردہ کے اندر مخفی ہے۔ جس کا ظہور وقت کے ساتھ متعین ہے اور یہ نزول قرآن کی تقریب کے ساتھ بغیر کسی کوشش اور ریاضت کے ظہور میں آجاتا ہے۔ اس سے یہ مراد ہے کہ قرآن کریم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تہذیب و ادب سکھانے کا یہ مفہوم ہے کہ وہ آپ کو عیب اور نقص سے کمال کی طرف اور عدم سے وجود کی طرف نہیں لاتا۔ اس جماعت کے چند لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوہر قدس کے اندر بشری صفات کی بقا اور طبیعت کے احکام اور نفس کے احکام کے جزئیات کو موجود مانتے ہیں اور اس چیز کو بے صبری اور بے قراری قسم کے افعال کا مبداء اور منشاء کہتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ حکمت تشریع اور شرف اتباع کی دریافت ہی اس کا سبب ہے اور قرآن پاک کے نزول کو تہذیب سکھانے کا سبب کہتے ہیں اور اس کا ازالہ کا موجب۔ یہ لوگ دعویٰ رکھتے ہیں کہ وہ اپنے ذاتی علم و فہم کے ذریعے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احوال کی حقیقت کو جانتے ہیں اور ان کا گمان اس طرح کا ہے اور کلام ایسا ہے کہ اس مسکین (عبدالحق) کے اعتقادی ذوق پر بوجھل محسوس ہوتا ہے۔ اصل میں دوسرے لوگوں کے احوال پر آپ کے احوال تصور کرنا بالکل درست نہیں۔

؎ اوبرتر ازآں است کہ اید بخیال ؎

چونکہ آپ کے اخلاق کے باب میں یہ بحث جزوی طور پر گزر چکی ہے لہٰذا یہاں دوہرانے کی ضرورت نہیں ہے یہاں تو صرف وہ امور بیان کئے جائیں گے جو گمراہوں اور بھٹکے ہوئے لوگوں کو شک میں ڈالتے ہیں۔ اس کے ذکر سے اس مسکین (شیخ عبدالحق) کی زبان وقت بیزار ہے۔ خواہ ان کے شبہ کے ازالہ اور اس کو دفع کرنے کے طریق پر ہی ہے لیکن جب کہ علماء بھی ان کے پیچھے پڑے ہوں اور اس میں انہیں بہتری دکھائی دی ہو تو ہم بھی ان کی اتباع میں چلنے پر مجبور ہیں اور امید رکھتے ہیں کہ ہمارا انجام خیریت سے ہوگا۔

یہاں پر معلوم ہونا چاہیے کہ یہاں جو ادب اور قاعدہ بعض صوفیا اور اہل تحقیق نے بیان کیا ہے اسے اپنے شعور میں رکھنا اور رعایت کرنا ہی اس اشکال کے حل اور سلامتی حال کا موجب ہے۔ وہ یہ ہے کہ اگر رب تعالیٰ جل جلالہ و علیٰ کی طرف سے کوئی خطاب، عتاب، دبدبہ، غلبہ یا کوئی استغفار و برتری اس قسم کی ہے۔ جیسی کہ ایک

لاتهدی۔ ولیحبطن عملک (تمہارے عمل باطل ہو جائیں گے۔) ولیس لک من الامر شئی (آپ پر کسی بات کی ذمہ داری نہ ہے) تریدلزینۃالحیوۃ الدنیا (تم دنیوی زندگی کی زینت چاہتے ہو) اور اس قسم کی مزید مثالیں موجود ہیں۔ یا پھر نبوت کی طرف سے بندگی' عاجزی و احتیاج اور مسکینی ظاہر ہو جس طرح کہ ہے انماانابشر مثلکم (میں تم جیسا بشر ہوں) واغضب کمایغضب البشر (اور میں لوگوں کی طرح غصہ کھاتا ہوں) ومادری مایفعل بی ولا بکم (میں نہیں سمجھتا مجھ سے اور تم سے کیا کیا جائے گا) ولااعلم ماوراءھذاالجدار (میں نہیں جانتا کہ اس دیوار کے پیچھے کیا ہے) اس طرح کے سب ارشادات جو آئے ہیں ہمارے لئے ضروری نہیں کہ نہ ہی ہمارا مقام ہے کہ اس میں دخل و اشتراک تلاش کریں اور خوشی ظاہر کریں۔ بلکہ ہمارا مقام تو یہ ہے کہ ادب اور خاموشی کے ساتھ بیزاری ظاہر کریں آقا کا اپنے بندہ پر حق ہوتا ہے کہ جو چاہے کرے اور اپنی برتری اور غلبہ ظاہر کرے۔ اسی طرح بندہ بھی تو اپنے آقا کے آگے بندگی اور عاجزی پیش کرتا ہے۔ دوسرا کوئی کیا طاقت رکھتا ہے۔ کہ اس مقام میں دخل ڈھونڈے۔ دخل اندازی کرے اور ادب کی حد سے نکلے۔ یہ تو ایسا مقام ہے جہاں کئی کمزور اور جاہل اشخاص کے پاؤں ڈگمگانے سے ان ہی کا نقصان ہوتا ہے۔ ومن العصمنہوالعون (اسی طرف سے ہے حفاظت اور مدد)۔

اب جان لو کہ آیت پاک ووجدک ضالا فہدی (آپکو وارفتہ پایا تو ھدایت عطاء کی) اس کی تفسیر اور تاویل میں مفسرین نے بہت سے وجوہ بتائے ہیں۔ پہلا یہ ہے کہ آپ ؐ کو علوم نبوت اور شریعت کے احکام ناواقف اور ضال پایا۔ یہ ابن عباس' حسن' ضحاک' اور شہرین جوشب کا قول ہے۔ اسی کی تائید کے طور پر حق تعالٰی کا یہ ارشاد گرامی ہے۔

ماانت تدری مالکتب ولا الایمان آپ ؐ نہیں سمجھتے کہ کتاب اور ایمان کیا ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ نزول وحی سے قبل قرآن کو پڑھنا اور لوگوں کو دعوت ایمان دینا آپ ؐ نہ جانتے تھے۔ اور بعض کا تو قول ہے کہ ایمان کا مطلب فرائض و احکام ہیں۔ ورنہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم تو قبل از وحی بھی توحید پر ایمان والے تھے بعد ازاں فرائض کا نزول ہوا۔ جن سے آپ ناواقف تھے۔ یا ایمان سے مراد ہے۔ شریعت کی تفصیلات یا اس سے مراد نماز ہے جس طرح اللہ تعالٰی نے قرآن میں ارشاد فرمایا ہے۔

ماکان اللہ لیضیع ایمانکم

اللہ تعالٰی تمہارے ایمان کو ضائع نہ کرے گا۔

اس کا یہ مفہوم ہے قبلہ شریف کی تبدیلی سے قبل جو نمازیں آپ ؐ نے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے ادا کی تھیں۔ ان کو حق تعالٰی ہرگز ضائع نہ کرے گا۔ حدیث میں آیا ہے کہ آپ ؐ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالٰی کی توحید بجالاتے تھے۔ آپ ؐ بتوں کو دشمن خدا سمجھتے تھے۔ دور جاہلیت میں بھی آپ ؐ حج اور عمرہ ادا کیا کرتے تھے۔ حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں شراب نہیں پیتا تھا اور بتوں کی پرستش نہ

کرتا تھا اور ہمیشہ سے میں جانتا تھا کہ قریش کفر پر ہیں اور میں کتاب سے واقف نہ تھا اور نہ ہی ایمان کو سمجھتا تھا اور یہ بھی آیا ہے کہ قریش بھی اسماعیلی دین کے بچے بچائے جزئیات پر قائم تھے۔ مثال کے طور پر حج ختنہ اور غسل جنابت وغیرہ۔

دوسرے یہ کہ مرفوع حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بچپن کی حالت میں اپنے جدامجد عبدالمطلب سے گم ہو گیا تھا۔ پس قریب تھا کہ میں بھوک کی وجہ سے ہلاک ہو جاؤں۔ پس پروردگار نے مجھے راہ دکھائی۔ اس کا ذکر امام فخرالدین نے کیا جیسے کہ مواہب الدنیہ میں ہے اور مشہور تو یہ ہے کہ آنحضرتؐ کی دائی حلیمہ آپ کو اپنے گھر سے مکہ میں لے کر آ رہی تھیں۔ تاکہ اس امانت کو واپس لوٹائے۔ راستے میں یہ گم ہو گئے اور امام سے بھی یہی بات ظاہر ہے۔

تیسرے یہ کہ یہاں پر ضل الماء فی اللبن (دودھ میں پانی ملانا) سے لفظ ضلال اخذ شدہ ہے۔ جس وقت کہ پانی دودھ میں مغمور اور مغلوب ہو جاتا ہے۔ یعنی پس تو کفار میں مغمور و مغلوب تھا مکہ میں پس اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو قوت عطاء کی تاکہ اللہ کے دین کو ظاہر اور غالب کریں۔

چوتھے یہ کہ عرب لوگ اس درخت کو ضالہ کہتے ہیں جو بیابان میں تنہا ہو۔ گویا کہ یہاں اللہ سبحانہ یہ فرماتے ہیں کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپؐ اس درخت کی طرح یگانہ اور منفرد تھے ان شہروں میں جیسے کہ وہ درخت بیابان میں فرید و وحید ہوتا ہے۔ آپؐ نے اس کو ثمر عطاء کیا ایمان اور توحید کا۔ اور حق تعالیٰ نے انہیں تمہاری طرف رہنمائی کی اور وہ بہرہ ور ہو گئے۔

پانچویں یہ کہ بعض اوقات مخاطب تو کیا جاتا ہے قوم کے سردار اور ان کے سرکردہ کو لیکن اس سے مراد پوری قوم ہوتی ہے تو مطلب ہوا کہ تمہاری قوم کو گمراہ پایا پس تمہاری طرف ان کو ہدایت کی گئی اور آپؐ کی شریعت کی طرف۔

چھٹے یہ کہ ضال سے مراد محبت ہے۔ یعنی تجھے ہم نے اپنی معرفت کا محب اور طلبگار پایا۔ اور ضال کو محبت کے نام سے پکارنا اکثر استعمال ہوا ہے۔ کیونکہ محبت کی وجہ سے آدمی اپنے اختیار و قرار کے لحاظ سے اپنے آپ سے گم ہو جاتا ہے اور معقول نہج پر نہیں چلا جا سکتا۔ جس طرح کہ آیا ہے انا لنراها فی ضلال مبین اور انک لفی ضلالک القدیم اور یہ وجہ اور تاویل عطاء سے مروی ہے جو کہ تابعین میں سے ہیں۔

ساتویں یہ کہ ہم نے تجھے بھولا ہوا دیکھا تو آپؐ کو یاد دلا دیا۔ اور اس کو معراج کی رات کی حالت پر معمول کیا گیا ہے۔ کہ اس مقام کی دہشت اور ہیبت کے وجہ آپؐ بھول گئے کہ کیا کہیں کیا کہنا چاہیے اور ترانہ حمد الٰہی کس طرح تکمیل پائے پس اللہ تعالیٰ نے آپ کی مدد فرمائی اور حمد و ثناء کی کیفیت بتا دی تو آپؐ نے عرض کیا۔

یعنی میں تیری حمد و ثناء کا احاطہ نہیں کر سکتا) اسی طرح مفسر حضرات نے کہا ہے اور یہ نہیں ہے کہ بعض دیگر

اوقات پر بھی سہو اور نسیان ہوتا تھا۔ جس طرح کہ بعض حضرات نے آنحضرتؐ کے اجتہاد میں خطاء کے متعلق کیا ہے۔ کہ یہ جائز ہے کہ آنحضرتؐ پر سہو نسیان طاری ہوا ہو گا اور حق تعالیٰ آپ کو آگاہ کر دیتا ہو گا اور آپؐ کو درست کر دیتا ہو گا۔ اور یہ آیہ کریمہ اسی نعمت کے ذکر کے ساتھ نازل ہوئی۔ واللہ اعلم۔

آٹھویں یہ کہ اس سے مراد ہے۔ آپؐ کو گمراہوں کے درمیان پایا۔ پس آپ کو اس سے معصوم کیا اور ان کے لئے ہدایت ایمان و ارشاد کی اور ہمارے نزدیک یہ ہی توجیہہ ہے کیونکہ کہا جاتا ہے۔ کہ جب آپؐ کا تعلق اس گمراہ قوم کے ساتھ ہوا۔ ان کی صحبت سے ضلال میں پڑ جانے کا ظن ہوا اور جہل و اختلال میں گرنے کا احتمال ہوا۔ اس وقت اگر اللہ تبارک تعالیٰ کی طرف سے تحفظ و عصمت نہ ہوتی جیسے کہ اللہ کے قول میں اشارہ ہے۔ وان کادو لیفتنونک (قریب تھا کہ آپؐ کو فتنہ میں ڈال دیتے) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ لقد کدت لترکن الیھم (آپؐ ان کی طرف جھکنے کے قریب تھے۔) اور اس طرح کی دیگر مثالیں ہیں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے مبالغہ کے طور پر ہدایت اور عصمت کے ذکر کے ساتھ (یہ آیت نازل فرمائی) پس مراد آپؐ کا ضلال ہے نہ کہ قوم کا ضلال۔ فافہم۔

نہم یہ معنی ہیں جو کہ چیز تمہاری طرف کتاب سے بھیجی گئی۔ اس کے بیان کرنے میں تجھے متحیر پایا۔ پس تجھے اس کے بیان کی ہدایت کی گئی۔ جیسے کہ فرمایا ہے ان علینا بیانہ اور فرمایا انا انزلنا الیک الذکر اور یہ تاویل حضرت جنید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

دسویں یہ کہ روایت میں آیا ہے۔ امیرالمومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے۔ آپؐ نے کہا کہ فرمایا رسول اللہ نے کہا میں نے کسی وقت اور کسی حال میں بھی کسی چیز کا قصد نہیں کیا ان چیزوں میں سے جن پر اہل جاہلیت عمل کرتے تھے مگر دو دفعہ کے اور ہر بار اللہ پروردگار نے مجھے اس سے باز رکھا اپنے فضل سے اور میرے اور اس چیز کے درمیان اللہ تعالیٰ کی عصمت حائل ہو گئی۔ جس کا کہ میں قصد کرتا تھا۔ اس کے بعد اس قسم کی کسی چیز کا میں نے قصد نہ کیا۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی رسالت پر مکرم فرمایا۔ ایک رات میں نے ایک قریشی غلام سے کہا جو میرے ساتھ اعلائے مکہ میں بکریاں چرایا کرتا تھا۔ جب وہ ملا تو میں نے کہا کہ اگر تو میری بکریوں کی نگرانی کرے تو میں مکہ میں جاؤں اور کہانیاں سنوں اور سناؤں جس طرح کہ مکہ میں نوجوان کرتے تھے۔ پس میں چراگاہ سے باہر آیا اور مکہ میں آیا اور ان کے گھروں میں سے ایک گھر میں آیا۔ اور میں نے سنا کہ وہ اس وقت گانے گاتے۔ مزامیر بجاتے اور لہو و لعب میں ہیں۔ پس میں بیٹھ گیا اور ان کی طرف دیکھنے لگا۔ پس اللہ تعالیٰ نے مجھ پر نیند طاری کر دی اور اس وقت تک بیدار نہ ہونے دیا۔ جب تک کہ آفتاب میرے سر پر پہنچ گیا۔ ایک اور شب کو بھی اسی طرح ہوا۔ اس کے بعد میں نے کبھی قصد نہ کیا کسی برے کام کا۔ حتیٰ کہ پروردگار تعالیٰ نے مجھے رسالت پر سرفراز فرمایا۔ پس اللہ تعالیٰ کے قول ووجدک ضالا فھدی کے یہ معنی ہیں۔ واللہ اعلم۔

وصل۔ شبہات کے ازالہ میں آیات میں سے ایک یہ آیت بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔

ووضعناعنکوزرکالذیانقض ظھرک

ترجمہ:۔ آپ سے وہ بوجھ ہم نے دور کر دیا۔ جس نے آپ کی کمر کو دوہرا کر دیا تھا۔

ظاہر طور اس سے یہ موہوم ہے کہ گناہ کے بوجھ کا سخت اثبات ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت کی طاقت کی شکست کا سبب تھا۔ حتیٰ کہ فقہا و محدثین اور متکلمین کی ایک جماعت نے انبیاء صلوٰۃ اللہ و سلام علیہم اجمعین پر صغیرہ گناہوں کے جائز ہونے پر اس سے حجت کی ہے اگر قرآن و حدیث کے ظاہر الفاظ کو لیں تو کبائر اور خرق اجماع بھی لازم آجاتا ہے اور یہ ایسی بات ہے جس کا کوئی مسلمان بھی قائل نہیں ہے اور ٹھیک یہ ہے کہ جس سے اس جماعت نے حجت پکڑی ہے۔ مفسرین نے اس کے معنی میں اختلاف کیا ہے اور اس کے احتمالات متقابل اور متعارض ہیں اور جس چیز کا یہ جماعت التزام کرتی ہے تمام سلف صالحین کے اقوال اس کے خلاف ہیں اور جب ان کے مذہب و مسلک کے خلاف اجماع امت ہے جن چیزوں پر اس جماعت نے اجتماع کیا ہے وہ سب محمل اور ماول ہیں اور سلف صالحین کے اتفاق سے ان کے قول کے خلاف دلائل قائم ہیں۔ ان کا ظاہر متروک ہے۔ تو ظواہر پر قول بھی متروک اور اقوال سلف پر رجوع لازم اور تحقیق یہ ہے کہ اس آیت کی تفسیر میں اختلاف کیا گیا ہے۔ پس بعض نے کہا ہے کہ یہ تمثیل ہے اس بوجھ کی جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ڈالا گیا اور آپ کو صبر و رضا کی عطاء کے ساتھ تخفیف کردی گئی اور مشہور بھی یہی ہے کہ نبوت کے بوجھ کی تخفیف ہوئی۔ جو آپ کی پشت کو شکستہ کرتی تھی یعنی امر نبوت کا قیام۔ اس کے موجبات کی حفاظت اور اس کے حقوق کی ادائگی کا تحفظ پس اللہ تعالیٰ کی نصرت و تائید نے اسے سہل اور آسان کر دیا اور آپ سے وہ بوجھ اتار دیا آپ کی شرح صدر کے ساتھ۔ دعوت خلق کے ساتھ حضور حق جمع کیا۔ انشراح صدر ایک مقام ہے بڑا بلند ہے جو اپنے تمام کمالات کے ساتھ سوائے سید السادات علیہ افضل الصلوۃ و اکمل التحیات کے کسی دوسرے کے لئے ثابت نہیں ہاں ارباب تمکین میں سے کامل اولیاء کو ان کے ادراک کے مطابق آپ کی اتباع کے باعث اس میں سے کچھ حصہ ملا ہے۔ اور اس جگہ علماء نے کہا ہے کہ صوفی قائم ہے اور برقرار ہوتا ہے اور ان کی جمع میں فرق سے کوئی خلل نہیں پڑتا جیسے کہ مجذوبوں کے لئے ہوتا ہے اور جمع کو فرق پر غلبہ نہیں ہے۔ جس طرح کہ مجذوبوں کے لئے ہوتا ہے۔ اور بعض نے تو کہا ہے کہ وزر سے مراد ایسی چیز ہے جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکروہ سمجھتے تھے اور وہ چیز آپ کی ذات شریف پر گراں تھی۔ وجہ یہ کہ انہوں نے سنت خلیل اللہ کو تبدیل کیا ہوا تھا اور آپ ان کو منع کرنے پر قادر نہ تھے جب تک کہ حق تعالیٰ نے آپ کو قوی نہ کر دیا۔ بعثت و رسالت کے ساتھ اور امر اور توفیق وغیرہ سے اور فرمایا اتبع ملہ ابراہیم حنیفا اس کا مقصد اللہ تعالیٰ کی تائید و توفیق اور نصرت و تقویت سے شریعت و مشیت اور امر الٰہی کا اجراء تھا۔ اور حضرت خلیل کی سنت کے ذکر کی تخصیص بیان واقع کے لحاظ سے ہے اور بعض نے تو کہا ہے کہ وزر اور ذنب سے مراد آپ کا حفظ اور عصمت ہے۔ کیونکہ یہ آپ کی کمر کی شکستگی کا باعث ہے اس لئے بوجھ کو دور کرنا مجازی طور پر

عصمت ہی کا نام ہے عصمت کا معنی ہے وزر اور ذنب کا نہ ہونا۔ جس طرح کہ دوسری آیت میں مغفرت ذنوب کے معنی میں واقع ہوا ہے۔ علماء نے کہا ہے کہ جس طرح حدیث میں آیا ہے کہ نبوت سے پہلے آپؐ ایک ولیمہ میں حاضر تھے۔ اس جگہ گانے گائے جا رہے تھے اور باجے دف وغیرہ بجتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس وقت آپ پر نیند کو غالب کر دیا اور سننے سے محفوظ ہو گئے۔ جیسے کہ وہ حکایت پہلے گزر چکی ہے اور بعض نے کہا ہے کہ آنحضرت کے غور و فکر اور حیرت کا بوجھ ہے جو طلب شریعت میں تھا۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بیان کر دیا اور تشریح کر دی اور آپؐ کی پشت سے اس بوجھ کو اتار دیا اور بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد ہے امر شریعت کے حفظ میں آسانی اور تسہیل جو آپ سے طلب کی گئی ہو گی۔ اور حفظ ایک بوجھ اور مشقت ہے جس کو طبیعت پر برداشت کرنا مشکل ہو جاتا ہے اور قرب ہوتا ہے کہ طاقت کی پشت کو توڑ دے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ آنحضرتؐ غم کھاتے تھے ان امور سے جن کا قبل از نبوت ارتکاب کیا تھا اور وہ نبوت کے بعد حرام کر دیئے گئے ہوں گے آپ پر اور ان کا بوجھ آپؐ قلب پر محسوس کرتے تھے۔ اس بوجھ کے دور کئے جانے سے آپ کو نجات مل گئی اور ظاہر طور پر اس قوم کی مراد جس نے صغائر کو جائز سمجھا یہ ہے لیکن نبوت کے بعد ہرگز نہیں اور ایک جماعت اس طرف گئی ہے اور اس نے خوب کیا ہے کہ ذنوب سے مراد امت کے گناہ ہیں کہ اس کے باعث رسول رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر بوجھ تھا۔ پس حق تعالیٰ نے اس دنیا میں ان کو عذاب سے مامون کر دیا۔ اپنے قول کے ذریعے۔

وما كان الله ليعذبهم وانت فيهم

ترجمہ:۔ اور اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہ کرے گا۔ جب تک آپ ان میں موجود ہیں۔

اور آخر میں بھی ان کے لئے حضور کی شفاعت قبول کرنے کا وعدہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

ولسوف يعطيك ربك فترضى

ترجمہ:۔ اور جلدی آپؐ کو آپ کا رب اتنا عطاء کرے گا کہ آپؐ راضی ہو جائیں گے۔ واللہ اعلم۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ارشاد فرمایا۔

ليغفر لك الله ما تقدم من ذنبك وما تاخر

ترجمہ:۔ تاکہ رب تعالیٰ آپؐ کے اگلوں اور پچھلوں کے گناہوں کو معاف فرما دے۔

اس مفہوم کے لئے یہ آیت پاک عمدہ ہے اور مشہور ہے لیکن علماء نے اس آیت کی کئی تاویلیں بیان کی ہیں۔

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ اس سے ذنوب کی مغفرت مراد ہے بر تقدیر وقوع و فرض آں بامکان عقلی نہ کہ وجود فعلی کے لحاظ سے اور بعض نے کہا ہے اس کے وقوع سے مراد سہو و غفلت ہے اور یہ

وہ تاویل ہے جسے طبری نے حکایت کیا ہے اور قشیری نے اس کو اختیار کیا ہے اور بعض نے یہ کہا ہے کہ ماتقدم سے مراد آدم علیہ السلام کی خطاء ہے اور متاخر سے مراد امت کے گناہ ہیں۔ اس کو سمرقندی نے بیان کیا اور کہا کہ ذنب سے مراد ترک اولیٰ ہے اور ترک اولیٰ اصل میں گناہ نہیں ہے کیونکہ اولیٰ اور اس کا مقابل دونوں ہی اباحت میں شریک ہیں اور یہی درست ہے کہ یہ بزرگی اور تکریم کا کلمہ ہے۔ بغیر اس کے کہ اس میں کوئی گناہ ہو اور اس آیت میں تمام کلام کی مراد کے متعلق باب سوم میں آنحضرتؐ کی آیات قرآنی سے تفضیل کے ذکر میں گزر چکا ہے۔

عدم اطاعت کفار و منافقین۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ کہ

یاایھاالنبی اتق اللّٰہ ولا تطع الکافرین والمنافقین

ترجمہ۔ اے نبی! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور کفار اور منافقوں کی اطاعت نہ کرو۔

اس سے تقویٰ کے نہ ہونے اور صیغہ امر نہی کے تقاضہ سے کفار و منافقین کی اطاعت موجود ہونے کا امکان وہم میں آتا ہے ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد تقویٰ اور عدم اطاعت پر ہمیشگی ہے۔ بیٹھنے والے شخص کو کہا جاتا ہے کہ آپ بیٹھیں ہم ابھی آئے۔ یا چپ رہنے والے سے کہا جاتا ہے کہ تم چپ رہو تمہاری خواہش کو پورا کر دیا جائے گا مراد یہ ہے کہ بیٹھے رہیے۔ خاموش رہیے۔ اوس کا مقصد ہے استقامت اور تاکید نہ کہ اس کی طلب۔

کچھ حضرات نے کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علم و مرتبہ ہر ساعت میں زیادہ ہوتا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ آپ کا پہلا حال موجودہ حال کے مقابلے میں ترک اولیٰ اور افضل کے حکم میں ہو جاتا ہے۔ پس آپؐ کا علم و مرتبہ ہر ساعت میں ترقی اور زیادتی میں ہوتا ہے۔ تقویٰ بڑھتا رہتا ہے اور اس میں تجدید ہوتی ہے۔

کچھ حضرات نے کہا ہے کہ بظاہر یہ خطاب نبی سے ہے اور مراد اس سے امت سے خطاب ہے لہٰذا اسی لئے کہا گیا ہے ان اللّٰہ بما تعملون خبیرا اور بما تعمل نہ کہا اور اسی کی مانند اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے۔ "جھٹلانے والوں کی اطاعت نہ کرو۔" اصل میں اس سے آنحضرتؐ کے قلب پاک کو تقویت دینا اور اس قسم کے لوگوں سے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور ان کی مخالفت پر رہنا مقصود ہے اور یہ تو نہایت واضح ہے۔ حیرانگی تو یہ ہے کہ یہ بے وقوف لوگ ان آیتوں کے ظاہری معنی لے کر آنحضرت کی بارگاہ میں نقص اور گناہوں کے واقع ہونے کا وہم پیدا کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عالی بارگاہ ان سب باتوں سے پاک اور منزہ ہے۔

نزول قرآن میں شک کا مسئلہ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

فان کنت فی شک مما انزلنا الیک فاسئل الذین یقرءون الکتاب من قبلک لقد جاءک الحق من ربک ولا تکونن من الممترین ○ ولا تکونن من الذین کذبو بایات اللّٰہ فیکون من الخاسرین۔

ترجمہ۔ اگر تجھ کو آپ پر میری طرف سے نازل کردہ میں شک ہے تو اپنے سے پہلے کتاب پڑھنے والے لوگوں سے پوچھ لو۔ بے شک تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس حق آیا۔ ہرگز تو شک کرنے والوں میں سے نہ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کے آیات کو جھٹلانے والوں میں سے نہ ہونا۔ ورنہ تو خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائے گا۔

مفسرین حضرات اس میں مخاطب کے تعین میں اختلاف کرتے ہیں کہ آیا مخاطب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہیں یا کہ دوسرے لوگ ہیں جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ مخاطب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں ان کے اختلاف کی تین وجوہات ہیں۔ پہلی یہ ہے کہ گویا کہ حضور ہی سے خطاب ہے لیکن اس سے مراد آپ کے غیر کی تعریض ہے جس طرح کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ ولین اشرکت لیحبطن عملک (اگر تم نے خدا کے ساتھ کسی کو شریک بنایا تو تمہارے عمل ضائع ہو جائیں گے۔) یا پھر جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے متعلق فرمایا ہے انت قلت للناس اتخذونی وامی الھین من دون اللہ (کیا تم نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو اللہ تعالیٰ کے سوا معبود بنالینا) کلام میں یہ روش بہت زیادہ ہے۔ جس طرح سلطان کسی قوم پر امیر مقرر کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ وہ رعیت کو حکم دے۔ وہ اس قوم کے ساتھ خطاب میں توجہ نہیں کرتا بلکہ (اس کی بجائے) وہ اپنے مقرر کردہ امیر سے توجہ کرتا ہے اور اسے کہتا ہے کہ اس طرح کرو اور ایسے ایسے کرو اور اگر تم نے ایسا یا ویسا کیا تو تمہیں یوں کروں گا یوں کروں گا۔ ظاہر میں تو وہ امیر سے خطاب کرتا ہے لیکن مراد اس کی قوم ہوتی ہے۔ در حقیقت وہ ان سے خطاب کرتا ہے اور قاری لوگ کہتے ہیں کہ خدا جانتا ہے کہ اس کو رسول شک کرنے والا نہیں اور کس صورت میں یہ ہو سکتا ہے کہ اس کا رسول باوجود وحی و تنزیل کے نور کے شک میں پڑ جائے اور لیکن یہ اسی طرح ہے کہ مرد اپنے بیٹے کو کہتا ہے کہ اگر تو میرا بیٹا ہے تو میرے ساتھ نیکی کر اور آقا اپنے غلام سے کہتا ہے کہ اگر تو میرا غلام ہے تو میری فرمانبرداری کر۔ جسے طرح کہ عام طور پر کہا جاتا ہے۔ یعنی وہ یقین سے جانتا ہے کہ وہ اس کا بیٹا ہے یا غلام ہے لیکن شک کے صیغہ میں کہتا ہے کہ اگر تو میرا بیٹا ہے یا غلام۔ یہ صرف توبیخ اور تشدید کے لئے ہے اور اس جگہ تو اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ آنحضرت شک میں نہیں ہیں لیکن اللہ تعالیٰ شک کا اظہار کرتا ہے اس میں یہ صرف اشارہ اور تعریض کے لئے ہے۔ یہ پہلی وجہ کے علاوہ دوسری وجہ ہے۔ پہلی میں حضور علیہ السلام سے خطاب تھا۔ دوسری میں آپ کے سوا دوسرے ہیں۔ فافہم۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ اس جگہ شک سے مراد سینہ کی تنگی اور دل کی تنگی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر آپ کافروں کی طرف سے ایذاء و تکلیف اور اس قسم کی دوسری چیزوں سے تنگ آچکے ہیں تو صبر کرو اور ان سے دریافت کر دیکھیں جن کو کتاب دی گئی اور وہ پڑھتے ہیں اس کا احوال انبیاء کے متعلق کہ کسی طرح انہوں نے اپنی قوم کی طرف سے ایذاء پر صبر کیا اور آخر کار اللہ تعالیٰ کی نصرت و مدد سے ان کے ساتھ کیسی گزری۔ یا یہ فرض اور تقدیر کے طور پر ہے۔ گویا کہ فرماتا ہے کہ اگر فرض اور تقدیر کے طور پر جو کچھ آپ پر بھیجا گیا ہے گذشتہ قصوں میں سے اس میں اگر شک ہے یا شیطان آپ کے خیال میں

خلل ڈالتا ہے تو پھر خدا کی پچھلی کتابیں پڑھنے والوں سے پوچھیں کیونکہ یہ قصے ان کے نزدیک بھی متحقق اور ثابت شدہ ہیں اور جس طرح آپؐ کی طرف وحی ہوئی ہے اسی طرح ان کی کتابوں میں درج ہے اور مراد تحقیق حال اور شہادت ہے اس چیز کی جو پہلی کتابوں میں ہے اور یہ بیان ہے کہ قرآن پاک ہر چیز کی تصدیق کرتا ہے جو ان کی کتب میں موجود ہے یعنی اس سے مراد ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مزید آمادہ کرنا اور ان کا اضافہ یقین ہے۔ اس سے مراد وقوع شک کا امکان نہیں ہے۔ پس جب یہ آیت نازل ہوئی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ لا اشک ولا اسئال حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا ہے خدا کی قسم! آنحضرتؐ نے چشم زدن کے برابر بھی شک نہ کیا تھا اور ان میں سے کسی کو بھی کچھ نہ پوچھا تھا۔ بندہ مسکین عبدالحق بن سیف الدین خصہ اللہ بمزید الصدق والیقین و عصمہ عن الشک والتخمین کہتا ہے کہ یہاں شک سے ظاہری معنی نہیں ہیں جو یقین اور صدق کے منافی ہوتے ہیں۔ بلکہ وہ حالت ہے جو معائنہ مشاہدہ سے قبل جو کہ موجب اطمینان ہوتے ہیں یا ہوتی ہے۔ لہٰذا خلیل جلیل کے سوال کی حدیث میں کہ ارنی کیف تحی الموتی ہے شک کا نام دیا گیا ہے۔ یہاں آنحضرتؐ نے تواضع کے طریق پر اور خلیل علیہ السلام کی بلندی منزلت کے لئے یہ فرمایا نحن احق بالشک منہ ہم ان کی نسبت شک کے زیادہ حقدار ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سبح اسم ربک الاعلی الذی کی سورۃ کو اس لئے پسند فرماتے تھے کہ اس میں یہ ہے ان ھذا لفی الصحف الاولی صحف ابراہیم و موسیٰ یعنی بیشک یہ پہلے صحیفوں میں موجود ہے ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں۔

اور حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ نے دجال کے متعلق اس قول کے مطابق خبر دی تھی جس کی خبر جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دی تھی اور آپؐ نے جو اپنے صحابہ کو طلب کیا اور انہیں یہ قصہ سنوایا وہ اسی مفہوم میں ہے۔ اور معجزہ کے ظاہر ہونے کے بعد آپ کا ارشاد کہ اشھدانی رسول اللہ بھی اسی باب سے متعلق ہے لیکن جن لوگوں کا قول ہے کہ لین اشرکت (اگر آپؐ نے شرک کیا اس) میں رسول اللہ نہیں بلکہ دوسرے سامعین مخاطب ہیں تو امکان ہے کہ فان کنت فی شک میں سننے والوں سے ہی خطاب ہو۔

وہ یوں کہتے کہ آپؐ کے مبارک زمانہ میں لوگوں کے فرقے تھے۔ مصدق، مکذب اور منافق جو آپؐ کے کلام میں شک کرتے تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے عام خطاب کے طریقہ پر جو کہ واحد کے صیغہ میں ہوتا ہے خطاب کیا۔ اور اللہ نے فرمایا اسے متوقف! یعنی اے شک کرنے والے! جو کچھ ہم نے اپنے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف بھیجا ہے اس میں اگر تجھے شک ہے تو اہل کتاب سے سوال کر کے دیکھ لے۔ تاکہ وہ اس کی نبوت کی صحت پر دلالت کریں اور امت کے لئے نزول قرآن کی نسبت ثابت ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا انا انزلنا الیکم نورا مبینا اور جب اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے کسی ایسی چیز کا ذکر کیا جو ان کے شک کا ازالہ کر دیتی ہو تو وہ اس سے ڈر گئے کہ وہ لاحق قسم ثانی یعنی مکذبین میں سے ہو جائیں گے اور فرمایا لا تکونن من الذین کذبوا بایات اللہ فتکون من الخاسرین اور حق سبحانہٗ اللہ تعالیٰ کا قول والذین اتینھم الکتاب

یعلمون انہ کا منزل من ربک بالحق فلا تکونن من الممترین فی انھم یعلمون ذالک یا اس سے یہ مراد ہے کہ قل یا محمد لمن افتری لا تکونن من الممترین آنحضرت دوسروں کو خطاب کرتے ہیں اور آپؐ کے سوا دوسروں کو خطاب کرنے پر حق تعالیٰ کا ارشاد بھی تائید کرتا ہے۔ جو اس کے بعد فرمایا گیا ہے۔

قل یاایھا الناس ان کنتم فی شک من دینی۔

ترجمہ۔ کہہ دو کہ اے لوگو! اگر تم میرے دین میں شک کرتے ہو تو......

نسبت جہالت پر بحث۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ۔

ولو شاء اللہ لجمعھم علی الھدی فلا تکونن من الجاھلین

ترجمہ۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا انہیں ہدایت پر مجتمع فرمادیتا۔ پس تم جاہلوں میں سے نہ ہونا۔

قاضی عیاض رحمتہ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ یہ مراد نہیں ہے۔ کہ آپؐ جاہل نہ ہوں اس سے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان کو ہدایت پر جمع کر دیتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں صفت جہل کا اثبات پایا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفات میں یا اس کے انبیاء کرام پر جہالت کا اثبات جواز نہیں رکھتا۔ اس کا مقصد حضور علیہ السلام کو نصیحت کرنا ہے۔ تاکہ وہ اپنے امور میں جاہلوں جیسے طریقے اور انداز نہ رکھیں۔ علاوہ ازیں آیت کریمہ میں کسی ایسی صفت کی موجودگی دلیل نہیں ہے جس سے آپؐ کو ممانعت کی گئی ہے۔ بلکہ قوم کے اعتراض اور مخالفت کے سلسلہ میں صبر کو ضروری کرنے کا حکم ہے۔ یہ ابوبکر بن فورک نے بیان کیا ہے۔ بعض تو یہ کہتے ہیں کہ معنوی طور پر امت کو خطاب کیا گیا ہے۔ کہ تم جاہلوں سے نہ ہونا جس طرح کہ اور مقامات پر بھی کہا گیا ہے۔ قرآن پاک میں ایسی مثالیں بہت ہیں اور ایسے ہی قول خداوندی ہے۔

وان تطع اکثر من فی الارض یضلوک عن سبیل اللہ۔

ترجمہ۔ اگر آپؐ نے زمین میں رہنے والوں کی اکثریت کی پیروی کی تو وہ تمہیں خدا کے راستے سے بھٹکا دیں گے۔

یہ دوسروں سے کہا گیا ہے کہ جس طرح یہ فرمایا گیا ہے ولن تطیعو الذین کفروا (اگر تم لوگوں نے کفار کی اطاعت کی) اور ایسے ہی اللہ کریم کا یہ بھی قول ہے۔ ان یشاء اللہ یختم علی قلبک ولئن اشرکت لیحبطن عملک (اگر اللہ تعالیٰ کی مرضی ہوتی تو تمہارے قلب پر مہر لگا دیتے۔ اور اگر تم شرک کے مرتکب ہوئے تو تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔) ایسی جتنی بھی مثالیں ہیں۔ ان میں آنحضرتؐ کے سوا دوسرے لوگوں سے خطاب ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کی مرضی ہو آپؐ کو حکم یا ممانعت کر سکتا ہے۔ جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان چیزوں کا وقوع محال ہے۔ جس طرح کہ اللہ نے فرمایا ہے ولا تطرد الذین یدعون ربھم اور اپنے رب کی عبادت کرنے والوں کو اپنے سے پرے نہ ہٹایئے۔ جب کہ حضور علیہ السلام ایسوں کو اپنے قریب سے دور نہ کیا کرتے تھے اور نہ ہی اپنے سامنے سے پرے ہٹاتے تھے وجہ یہ کہ آپؐ ظالم نہ تھے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وان کنت من قبلہ لمن الغافلین اور کہ تم اس پہلے غافلوں میں سے تھے۔ اس سے یہ

مراد نہیں کہ آپ آیات الیہ سے غافل تھے۔ بلکہ آپ ؐ کا حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ کو نہ جاننا مراد ہے۔ کیونکہ آپ ؐ کے دل میں کبھی اس کا خیال نہ آیا تھا۔ اور نہ ہی آپ ؐ نے یہ قصہ پہلے کسی سے سنا تھا اور نہ ہی بذات خود آپ ؐ نے اسے جانا۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کے ذریعے آپ کو معلوم ہوا لیکن اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے الفاظ ظاہری طور پر گمان میں ڈالتے ہیں۔

واما ینزغنک من الشیطان نزغ فاستعذ باللہ

ترجمہ: اگر شیطان تجھے وسوسہ میں ڈالے تو اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو۔

جب کہ وسوسہ شیطانی آنحضرت ؐ کے لئے نہ تھا لیکن اس سے شیطان کا ارادہ اور کوشش مراد ہے۔ کہ وہ وسوسہ میں ڈالے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو آپ ؐ سے پھیر دیا۔ اس کا مطلب ہے کہ اگر کسی شخص پر تمہیں غصہ آجائے جو ان سے ترک اعراض کا باعث بنے تو اللہ تعالیٰ کی پناہ ڈھونڈو۔ تاکہ اللہ تعالیٰ تجھے ان سے محفوظ رکھے اور نزغ ایک ادنیٰ حرکت ہے جیسے کہ زجاج نے کہا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو حکم کیا کہ جب انہیں کسی دشمن پر غصہ آجائے یا شیطان اس کی کوشش کرے کہ دلوں میں وساوس ڈالے تو اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہو تاکہ اس کے کام کی کفایت کرے اور اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت مکمل ہو جائے۔ کیونکہ شیطان کو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر مسلط نہیں کیا اور ان پر اس کو قدرت نہ دی۔ یہ مقولہ اور دلیل اس آیہ کریمہ سے ہے

ان عبادی لیس لک علیھم سلطان

ترجمہ: بے شک میرے بندے ایسے بھی ہیں جن پر تجھے غلبہ نہیں ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ

ان الذین اتقو اذامسھم طائف من الشیطان تذکروا فاذاھم مبصرون

ترجمہ: بے شک جب اللہ کا خوف رکھنے والے لوگوں کو شیطانی خیال آتا ہے وہ ہوشیار ہو جاتے ہیں اور اس وقت ان کی آنکھیں وا ہو جاتی ہیں۔

اس سے بھی یہی مراد ہو گی لیکن اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے واما ینسینک الشیطان (لیکن تمہیں شیطان نے نسیان میں ڈال دیا) نسیان نزغ کے علاوہ ہے اور درست نہیں ہے کہ شیطان آنحضرت ؐ کے سامنے فرشتہ کی صورت میں تمثل یا متصور ہو جائے اور تلبیس کرے نہ رسالت سے پہلے اور رسالت سے بعد ؐ کیونکہ سنت الٰہی یہی ہے کہ رسول اظہار صدق کے لئے آتا ہے۔ اس کا تقاضہ ہے کہ نبی کو معلوم ہو جاتا ہے کہ جو کوئی اس کی طرف آتا ہے وہ فرشتہ ہے یا رسول خدا ہے۔ یا اسے علم ضروری سے پتہ چل جاتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ اس میں پیدا کر دیتا ہے یا اس دلیل سے جو اللہ تعالیٰ نبی کے پاس ظاہر کر دیتا ہے۔ اس کی تحقیق وحی کی ابتداء کے باب میں آئے گی۔ و تمت کلمت ربک صدقا و عدلا لا مبدل لکلمات اللہ تمہارے رب تعالیٰ کا کلمہ صدق اور انصاف سے مکمل ہوا ہے۔ اس کے کلمات کو کوئی نہیں بدلنے والا۔

تلاوت قرآن میں شیطانی دخل اندازی پر بحث۔ وصل:۔ اور لیکن اللہ تعالیٰ کا یہ قول اس کی تشریح میں بہترین ہے۔

ومآارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی الا اذا تمنیٰ القی الشیطان فی امنیتہ

ترجمہ۔ ہم نے آپ سے قبل جو بھی رسول یا نبی بھیجے انہوں نے پڑھا تو شیطان نے ان کے پڑھنے میں لوگوں پر اپنی طرف سے کچھ ملا دیا۔

جمہور مفسرین کا قول یہ مشہور ہے کہ یہاں تمنی سے تلاوت مراد ہے اور شیطان کے القاء سے مراد ہے تلاوت کنندگان کے دلوں میں اور اذکار میں دنیاوی یا دلانا تاکہ اس میں وہم اور نسیان تلاوت میں آجائے اور یا پھر سننے والوں کو افہام میں تحریف اور فاسد تاویل ڈال دیتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ منسوخ کر دیتا ہے اور تلبیس اور شک ان پر کھول دیتا ہے۔ اور آیات اللہ کو محکم اور ثابت کرتا ہے۔ کذافی مواہب لدنیہ' اس بارے میں بڑی بحث ہے۔ اس میں سے کچھ شفاء شریف میں بحث دی گئی ہے۔ اور لیلتہ التعریس کی وادی میں سونے کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا قول کہ اس وادی میں شیطان ہے۔ اس سے آنحضرتؐ پر شیطان کا تسلط یا غلبہ معلوم نہیں ہوتا اور اگر ہو گا تو بلال رضی اللہ عنہ پر ہو گا کیونکہ اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فجر کی حفاظت پر مقرر کیا ہوا تھا۔ تاکہ نماز فجر قضاء نہ ہو جائے۔ پس شیطان آیا اور اس نے بلال رضی اللہ عنہ کو سلا دیا۔ جیسے کہ اس کی تفصیل لیلتہ التعریس والی حدیث میں ہے۔ نیز یہ اس تقدیر پر بھی تھا کہ نماز کے وقت سو جانے کی وجہ پر حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا قول تنبیہہ ہو اور تنبیہہ بھی ہو تو وادی سے چلے جانے اور ترک صلوٰۃ کی علت پر ہے۔ پس کوئی اعتراض اور اشکال نہیں ہے اور نہ اس کے ازالے کی کوئی حاجت۔ واللہ اعلم۔

بحقیقت حال۔

حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کی زجر و تادیب۔ اور لیکن اللہ تعالیٰ کے قول عبس و تولی ان جاءہ الاعمی (سختی سے پیش آئے اور منہ پھیر لیا جب نابینا آیا) ان کا جو ظاہر مفہوم ہے وہ یہ وہم پیدا کرتا ہے کہ گناہ کا اثبات ہوا ہے۔ حضور علیہ السلام سے کہ آپ نے ترش روئی کی اور منہ پھیر لیا جب ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ آپؐ کے پاس آئے جو کہ اندھے تھے۔ اور وہ طلب ہدایت میں آئے تھے۔ وہ محل تذکر اور خشیت تھے اور کفار جو کہ حق سے بالکل مستغنی بنے بیٹھے تھے وہ آپؐ کے سامنے آئے اور آپ نے توجہ فرمائی اور ان کی طرف التفات فرمائی۔ پس حق تعالیٰ نے شکایت کی اور عتاب کیا۔ کتب تفسیر میں اس کی شان نزول یہ ہی ہے لیکن اس جگہ پر گناہ کے اثبات کا محض وہم ہے۔ ہاں! ترک اولیٰ والیق سے ظاہراً" ناپسندی نظر آتی ہے۔ اس لئے کہ اگر ان دو مردوں کی حقیقت حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر منکشف ہوتی تو نابینا کو سامنے بٹھاتے اور جو کچھ آپؐ نے کافروں کے ساتھ کیا تھا۔ وہ عین اطاعت کے لئے تھا۔ احکام شریعت کی تبلیغ' تالیف قلوب اور ایمان کے لئے اپنی آرزو اور طلب کا ظہور تھا کیونکہ اس ہی کام کے لئے مبعوث اور بھیجے گئے ہیں۔ نہ کہ

گناہ کے لئے اور امیر دین کی مخالفت کے لئے اور وہ جو اللہ تعالیٰ نے قصہ بیان کیا اور خبر دی اور ایک گونہ حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ اس سے بھی تذکرہ و نصیحت مقصود تھی۔ اور اس طرف اشارہ فرمایا گیا ہے کہ اسلام کے لئے دعوت اور تبلیغ آپ کی محویت اس درجہ تک نہیں چاہیے اور اس مرتبہ نہ ہونی چاہیے کہ اس کے سبب سے کسی مسلم سے اعراض لازم ہو جائے۔ صرف پیغام پہنچا دینا اور اس سے خبردار کر دینا ہی کافی است۔ وما علی الرسول الا البلاغ اور حقیقت میں ابن ام مکتوب زجر اور تادیب کا مستحق تھا۔ کیونکہ اگرچہ وہ نہ دیکھتا تھا لیکن سن تو رہا تھا کہ آنحضرتؐ کفار کے ساتھ مخاطب ہیں اور ان کو دعوت اسلام میں آنحضرتؐ کی شدت کو پہنچاتا تھا۔ پس اس کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام کو قطع کرنا اور مجلس میں ازدہام کرنا آنحضرت کے لئے ایذاء کا سبب تھا اور یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ پس معلوم ہوا کہ ابن ام مکتوم کا فعل ہی گناہ اور معصیت تھا اور جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا اسے تسلیم کرتے ہوئے واجبی طور پر اس جگہ میں ابن ام مکتوب رضی اللہ عنہ کی زجر و تادیب کی خاطر قرآن میں نازل ہوا جس طرح کہ رسول اللہ کے قریب بلند آواز سے بولنے اور آپؐ کو حجروں کے پیچھے سے آواز دینے کے بارے میں قرآن پاک میں نزول احکام ہوا لیکن اندھا ہونے اور نیت کی صداقت کے پیش نظر ان کو معذور رکھا اور مہربانی کا سلوک کیا۔ واللہ اعلم۔

اجازت برائے منافقین پر بحث۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ عفا اللہ عنک لم اذنت لھم (اللہ تعالیٰ آپؐ کو معاف کرے آپؐ نے کیوں انہیں اجازت دی) اس سے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گناہ کے ارتکاب کا وہم ہوتا ہے۔ کیونکہ عفو پہلے کسی تقصیر و گناہ کا مستدعی ہوتا ہے اور لم اذنت لھم میں بھی انکار کے لئے استفہام ہے لہٰذا منافقین کے حق میں اجازت منکر اور غیر مطلوب ہوگی۔ اگرچہ نہایت تسلی اور تسکین کی خاطر عفو کو انکار اذن پر مقدم رکھا اور عتاب سے مقدم عفو کا ہونا بڑا نادر، عزیز اور غایت درجہ محبت اور اکرام کا اثبات ہے۔ اور وہ جماعت کہتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو کام ایسے کئے جن کا انہیں حکم نہ دیا گیا تھا۔ جنگ بدر کے اسیروں سے فدیہ لینا اور منافقوں کو اجازت دینا پس اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ سے اظہار ناپسندیدگی کیا۔ اس کا یہ جواب ہے کہ اس جگہ پر اللہ تعالیٰ کی عفو وہ نہیں جو وقوع ذنب کے باعث ہوتا ہے۔ یہ توقیر و تعظیم کے مبالغہ پر دلیل ہے۔ جیسے کہ کوئی مرد اپنے یار کو کہتا ہے جب کہ وہ اس کے نزدیک بڑی عظمت والا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تجھے معاف کرے تو نے یہ میرے حق میں کیا کر دیا۔ اللہ تعالیٰ تجھ پر راضی ہو۔ میری بات کا تو کیا جواب دیتا ہے۔ خدا تعالیٰ تجھے عافیت دے تو میرے حق کو پہچان اور اس کلام سے یہی غرض ہے زیادتی احترام و اکرام کی نہ کہ ذنب اور تقصیر کا اثبات اور اس جگہ پر عفا کا معنی عفو نہیں ہے اور اظہار عتاب سے اس کی تقدیم سے یہ مراد و معنی نہیں ہیں بلکہ اس طرح ہے کہ حدیث میں واقع ہوا ہے۔ عفا اللہ لکم عن صدقۃ الخیل والرقیق (اللہ نے آپؐ کے لئے گھوڑے اور غلاموں سے زکوٰۃ معاف فرما دی ہے) جب کہ ان پر پہلے ہی زکوٰۃ واجب نہ تھی۔ مراد یہ ہے کہ آپؐ پر یہ لازم ہے۔

امام قشیری نے کہا ہے جو کوئی یہ کہتا ہے کہ ذنب کے بغیر عفو نہیں ہوتا۔ وہ کلام عرب کے طریقے نہیں جانتا اور کہا

ہے عفا اللہ عنک ای ام یلزمک ذنب اللہ تمہیں معاف کرے اس سے مراد ہے کہ تم پر کوئی ذنب نہیں ہے۔ جیسے کہ مواہب لدنیہ میں ہے اور دوسرے کا جواب کہ انکاری استفہام ہے یہ دیا گیا ہے کہ ترک اولیٰ پر انکار و عتاب ہے اور یہ افضل ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو اس کی رخصت دے رکھی ہے اگر وہ اذن دینا چاہیں تو اور فرمایا ہے۔

فاذا استاذنوک لبعض شانھم فاذن لمن شئت منھم

ترجمہ پس اگر آپؐ سے وہ کسی کی خاطر اجازت طلب کریں تو آپؐ ان میں سے جسے چاہیں اجازت دیں۔

پس حق تعالیٰ یہ امر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سپرد کر دیا ہے اور بطریق عموم آپؐ کو بااختیار کر دیا ہے مواہب میں عفویہ سے نقل ہے کہ کہا گیا ہے کہ ایک جماعت تو اس طرف گئی ہے کہ آنحضرتؐ اس آیۃ کی رو سے معاتب ہیں۔ (العیاذ باللہ) ہرگز ہرگز ایسا نہیں ہے۔ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو بااختیار تھے اور جب آپؐ نے اجازت دے دی تو اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو خبردار کر دیا کہ انہیں اجازت نہ بھی دیتے تو وہ اپنے نفاق کے باعث بیٹھے ہی رہتے اور آپؐ پر ان کو اجازت دینے کے معاملہ میں کوئی جرج نہیں ہے۔ انتہی

اور لیکن حق سبحانہ کا یہ قول بھی:۔

ولولا ان ثبتنا لقد کدت ترکن الیھم شیئا قلیلا اذا لاذقنٰک ضعف الحیوۃ وضعف الممات

ترجمہ اور اگر ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو ان کی طرف آپؐ کا تھوڑا سا جھک جانا قریب تھا اگر اس طرح ہو جاتا تو ہم آپؐ دگنی زندگی اور دگنی موت کا مزہ چکھاتے۔

آپؐ کا میلان ہونے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منافقوں کی جانب رغبت رکھنے اور ان پر شدید عتاب ہونے کا وہم پیدا کرتا ہے۔ لیکن بایں وجہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف رغبت سے آپؐ کو محفوظ رکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ مجوز وقوع ذنب ہے اور یہ وہم بالکل ساقط ہے کیونکہ اس کے معانی یہ ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت اور آنحضرتؐ کی عصمت نہ ہوتی تو نزدیک تھا کہ ان کی مراد کی اتباع میں میلان فرماتے لیکن عصمت آپؐ کے ساتھ تھی۔ اس لئے آپ کو ان کی جانب میلان سے روک رکھا اور یہ صراحت سے واضح ہے کہ آنحضرتؐ نے ان کو قبول کرنے میں کوئی قصد نہ فرمایا اور داعی قبولیت کی قوت کے ساتھ ادھر مائل نہ ہوئے اور خود ان کی بات اس امر میں گزر چکی ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے وقوع معصیت شرعی اور عقلی طور پر جائز نہ ہے اور وہ عصمت الٰہیہ کے ذریعے تحفظ میں ہیں اور عصمت اختیار کو باطل نہیں کرتی اور گناہ کو ممتنع نہیں کر دیتی عقلی طور پر بلکہ اللہ تعالیٰ کے حفاظت کے باعث اس کے واقع ہونے میں مانع ہوتی ہے۔ پس ہمارا مدعا ثابت ہو گیا کہ وہ گناہوں سے معصوم ہیں اور آنحضرتؐ ثابت قدم رہے اور میلان نہ کیا اور یہ آیت کریمہ میں مبالغہ ہے آنحضرتؐ کی کمال طہارت و پاکیزگی اور تقدیس میں اور ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی حفاظت و عصمت اور محبت میں اور اس میں تہدید و تشدید اور عتاب و تعذیر نہیں ہے۔

بدر کے قیدیوں سے فدیہ لینے پر بحث۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وماکان لنبی ان یکون لہ اسری حتی یثخن فی الارض تریدون عرض الدنیا واللہ یرید الاخرۃ (الی قولہ العظیم)

ترجمہ۔ اور نبی کے لئے مناسب نہیں کہ زندہ کفار کو قید کرے جب تک زمین میں ان کا خون نہ بہایا جائے۔ تم دنیا کے مال کے خواہشمند ہو اور اللہ تعالیٰ آخرت چاہتا ہے۔

اس آیت کریمہ کو بھی ایک گروہ نے عتاب پر محمول کیا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بدر کے قیدیوں سے فدیہ لینا اختیار لیا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مشاورت سے اور قتل نہ کیا جس طرح کہ عمر رضی اللہ عنہ نے اشارہ کیا تھا۔ یہ اجتہاد تھا اور اس بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی بات نہ تھی۔ شریعت کی رو سے اجتہاد میں خطاء کو جائز رکھتے ہیں لیکن اس خطاء پر قائم دائم رہنا جائز نہیں ہے اور آخر میں جو درست ہوتا ہے۔ نبی اس کا اظہار کر دیتا ہے۔ (جیسے کہ اصول فقہ میں ذکر کیا ہے) اور اس کلام کی تفصیل یہ ہے کہ مسلم عمر بن خطاب کی حدیث میں لائے ہیں کہ کہا جب یوم بدر میں اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کو شکست دی اور ان میں سے ستر آدمی مارے گئے۔ اور ستر آدمی قیدی بنائے گئے تو اس بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر و علی رضوان اللہ عنہما سے مشورہ کیا۔ پس حضرت ابوبکر نے کہا کہ وہ چچاؤں کے بیٹے۔ اپنے بھائی اور خویش قبیلہ میں آپؐ کے۔ میری رائے یہ ہے کہ آپؐ ان سے فدیہ لے لیں۔ تاکہ جو کچھ ہم ان سے لیں۔ وہ ہمارے لئے کفار پر قوت اور قدرت کا باعث بنے اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت کرے گا اور وہ ہمارے قوت بازو ہوں اور مددگار ہوں۔ پس رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مجھ سے کہ تمہاری کیا رائے ہے اے خطاب کے بیٹے میں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم۔ میری رائے ابوبکر کی رائے کے خلاف ہے۔ میری تو یہ رائے ہے کہ ان کو قتل کر دیا جائے۔ مجھے فرمایئے کہ میں فلاں شخص کو قتل کر دوں۔ میں نے (اس بارے میں) اپنے ایک خویش کی طرف اشارہ کیا اور علی کو حکم دیں کہ وہ عقیل کی گردن قلم کرے۔ جو کہ اس کا بھائی تھا اور حمزہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیں کہ وہ فلاں کو قتل کریں۔ تاکہ اللہ تعالیٰ جان لے کہ ہمارے دلوں میں مشرکوں کی محبت ہرگز نہیں ہے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے کو پسند فرمایا اور اسے ہی اختیار فرمایا اور میری رائے آپ کو اچھی معلوم نہ ہوئی اور ان سے فدیہ لیا۔ اگلے دن میں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دیکھا کہ آپ بیٹھے ہوئے ہیں اور ابوبکر بھی آپ کے پاس ہے اور دونوں ہی بیٹھے ہوئے رو رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے بتائیں کہ آپؐ کے رونے کا سبب کیا ہے؟ تاکہ مجھ سے ہو سکے تو میں بھی رونا اختیار کروں اگر نہ ہو سکے تو پھر بھی زور دے کر رونا شروع کروں۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ فدیہ لینے کے باعث تمہارے یاروں پر میرے سامنے اس درخت سے بھی قریب تر عذاب ظاہر کیا گیا ہے۔ اور آپؐ نے ہمارے قریب ہی ایک درخت کی جانب ارشاد فرمایا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔

ماکان لنبی ان یکون لہ اسری حتی یثخن فی الارض

ترجمہ۔ کسی نبی کے لئے لائق نہیں ہے کہ وہ کافروں کو زندہ کرے جب زمین میں ان کا خون نہ بہائے۔

اثخان کا مطلب ہے کسی چیز میں مبالغہ کرنا اور اس مقام پر اثخان سے مراد قتل اور جرح ہے اور جب پیغمبر کے ہاتھ قیدی لگیں تو انہیں قتل کرادے اور اس امر میں مبالغہ کرے تاکہ کفر زائل ہو جائے اور ان کا گروہ کم ہو جائے اور اسلام غالب آجائے اور اہل اسلام عزیز ہو جائیں۔

تریدون عرض الدنیا واللہ یرید الاخرۃ

ترجمہ۔ تم دنیا کے مال کے خواہشمند ہو اور اللہ تعالیٰ آخرت کو چاہتا ہے۔

آپ دنیا کو چاہتے ہیں کہ وہ غنیمت اور مال و منال ہیں اور خدا تعالیٰ آخرت کو چاہتا ہے کہ دین اسلام کی قوت ہو اور آخرت میں ان پر ثواب مرتب ہو گا۔

لولا کتاب من اللہ سبق لمسکم فیما اخذتم عذاب عظیم

ترجمہ۔ اگر اللہ تعالیٰ اس سے قبل ایک بات لکھ نہ چکا ہوتا تو جو تم نے کفار سے لیا اسکے عوض تم پر بڑا عذاب ہوتا۔

مراد یہ ہے کہ اگر حکم الٰہی نہ ہوتا جو کہ ازل سے ہے کہ مجتہد کو خطاء پر دارو گیر نہیں کرتا تو پھر ہر حال میں جو کچھ آپؐ نے لیا ہے اور اختیار کیا ہے اس پر آپؐ کے لئے سخت عذاب ہوتا اور حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اگر ہم پر عذاب نازل ہوتا تو نجات نہ ملتی ہم کو سوائے عمر کے پس وہ جماعت اس مقام پر کہتی ہے کہ اس جگہ آنحضرتؐ پر عتاب ہے اور عذاب کے ساتھ تہدید ہوئی ہے اور وہ نہیں ہوتا سوائے ذنب کے موجود ہونے کے صاحب مواہب لدنیہ کہتے ہیں کہ اس جگہ پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر ذنب کا الزام نہیں ہے۔ بلکہ اس بیان میں ایک چیز کو مخصوص کیا گیا ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے لئے کہ تمام انبیاء علیہم السلام پر غنیمت ناجائز ہے سوائے آپؐ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے جیسے کہ آپؐ نے فرمایا ہے احلت لی الغنائم میرے لئے غنائم کو حلال کر دیا گیا۔ انتہی

اور کوئی کہنا چاہتا ہے کہ یہ حکم آنحضرت کے سوا دوسرے تمام انبیاء علیہ و علیہم الصلوۃ والسلام کے لئے ہے تو کہے لیکن آنحضرتؐ کے لئے درست ہے کہ قتل نہ کریں اور فدیہ لے لیں اور یہ بھی غنیمت ہی کی قسم ہے اور اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ تریدون عرض الدنیا (تم دنیا کا مال و منال چاہتے ہو) بعض نے کہا ہے کہ اس خطاب سے وہ شخص مراد ہے جو دنیا کے حصول کا ارادہ کرے اور محض اس کی غرض دنیاوی مال ہو صرف اور اس کو کثرت سے جمع کرے۔ اور اس آیت سے مراد آنحضرتؐ نہیں ہیں اور نہ ہی آپؐ کے اکثر صحابہ کرام۔ بلکہ ضحاک سے روایت کی گئی ہے کہ یہ آیت اس وقت کی نازل شدہ ہے جب کفار کو ہزیمت ہوئی جنگ بدر کے روز اور اس وجہ سے آدمی آئیں جس طرح کہ احد کے دن ہوا تھا تو ان پر یہ آیت نازل ہوئی۔

منکم من یرید الدنیا ومنکم من یرید الاخرۃ

ترجمہ۔ آپ میں سے کچھ لوگ دنیا کے طلب گار ہیں اور کچھ آخرت کے

اور لیکن اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

لو لا کتاب من اللہ سبق (اگر شروع ہی سے اللہ کی طرف لکھا ہوا نہ ہوتا تو) اس کے معانی میں مفسر حضرات نے اختلاف کیا ہے بعض نے کہا ہے کہ اس کے یہ معانی ہیں کہ اگر میری طرف سے کسی پر عذاب نہ کرنے کی سبقت نہ ہوئی ہوتی۔ مگر بعد ممانعت کے میں لازماً تم کو عذاب کرتا۔ یہ بات اس امر کی دلالت کرتی ہے کہ قیدیوں سے فدیہ لینا گناہ نہیں تھا۔ بعض نے کہا ہے کہ اگر تمہارا ایمان قرآن پر نہ ہوتا کہ کتاب سابق سے مراد وہی ہے تو آپ اس سے عفو کے مستوجب ہو جاتے اور تم پر غنائم کی وجہ سے عتاب کیا جاتا۔ یا یہ ہے اس سے مراد کہ اگر لوح محفوظ پر اس سے پہلے نہ لکھا ہوتا کہ غنیمتیں حلال ہیں اور یہ سب ذنب اور گناہ کی نفی ہے کیونکہ جس چیز کا کرنا حلال ہے وہ معصیت نہیں ہوتی اسی لئے سبحانہ و تعالیٰ نے کہا آخری آیت میں فکلوا مما غنمتم حلالا طیبا غنیمت میں سے حلال و طیب کھاؤ اور بعض نے کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم مختار کر دیئے گئے۔ قتل اور فدیہ کے بارے میں۔ بے شک حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حضرت جبرئیل آئے جنگ بدر کے دن اور کہا کہ اپنے صحابہ کو قیدیوں کے بارے میں اختیار دیا گیا۔ جنھیں اگر چاہیں تو قتل کریں اور اگر چاہیں تو فدیہ لے لیں اس شرط پر کہ آئندہ سال ان میں سے ستر آدمی مارے جائیں۔ صحابہ کرام نے کہا ہے کہ ہم نے فدیہ کو اختیار کیا خواہ ہم میں سے مارے جائیں۔ اور تحقیق یہ ہے کہ صحابہ میں سے ستر اشخاص کا قتل روز احد میں واقع ہوا اور یہ اس پر دلیل ہے کہ انہوں نے صرف وہ کام کیا جس کی ان کو اجازت دی گئی تھی۔ پس یہ معصیت نہیں ہوتی اور بعض نے کہا ہے کہ اگرچہ فدیہ اور قتل میں اختیار دے دیا گیا تھا لیکن قتل اور اثخان بہتر تھا۔ پس اس پر عتاب کیا گیا اور فدیہ اختیار کرنے کا ضعف اور اثخان کی بہتری بیان کئے گئے ہیں لیکن خطاء کرنے والا مذنب نہیں ہے کوئی بھی۔ (واللہ اعلم)

اللہ تعالیٰ کی سطوت کا اظہار اور غلبہ ربوبیت۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

ولو تقول علینا بعض الاقاویل لاخذنا منہ بالیمین ثم لقطعنا منہ الوتین۔

ترجمہ۔ اگر ہم پر یونہی چند باتوں کی نسبت کر دیتے تو بالیقین ہم انہیں دائیں جانب سے پکڑ لیتے اس کے بعد ان کی رگ گردن کاٹ دیتے۔

گویا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر آنحضرت اپنی طرف سے کچھ باتوں کو ہمارے طرف منسوب کر دیتے تو ضرور ہم ان کو دائیں طرف سے پکڑ کر رگ گردن کاٹ دیتے اور انہیں ہم ہلاک کر دیتے اس میں ان کے لئے عذاب کا اشارہ ہے۔ جس طرح کہ بادشاہ جب کسی پر غضب آور ہوتے ہیں تو کرتے ہیں۔ اور یہ امر آنحضرت کی صداقت میں مبالغہ ہے اور مبالغہ ہے جھوٹ اور افتراء سے آپ کے نگاہ الیہ کی حفاظت میں لیکن اس عبادت میں سطوت کا اظہار اور ربوبیت کا غلبہ ہے

لیغفر لک اللہ کی شرف و تکریم کے باوجود۔ اور یہ آپؐ کے شاندار حال اور کمال محبت کی طرف اشارہ ہے دراصل یہ مفتریوں اور کذابوں پر تعریض ہے کہ وہ ہوشیار و خبردار ہو جائیں۔ اور اصل قاعدہ وہی ہے جو سابقاً عرض کر دیا گیا ہے۔ کہ ہمیں اس کی طرف نگاہ رکھنی چاہیے (یعنی محتاط رہنا چاہیے) جو کچھ محب اور محبوب کے درمیان رازو بیان ہوتے ہیں۔

مسئلہ تفصیلی علم۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ۔

ماکنت تدری مالکتاب ولا الایمان۔

ترجمہ:۔ قبل ازیں نہ آپؐ کتاب سے واقف تھے اور نہ ہی ایمان سے۔

بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد احکام ایمان کی تفاصیل اور اس کی صفات کا علم ہے۔ جس طرح کہ قرآن میں مذکور ہے کیونکہ اس کا وجود قیام رسالت اور دین و شریعت کی تکمیل کے بعد ہے اور بے شبہ شہرت کو پہنچ چکی ہوئی بات ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنی بعثت سے پہلے توحید پر قائم تھے اور بتوں کو ان کی عبادت کو دشمن جانتے تھے اور حج اور عمرہ کیا کرتے تھے اور ہرگز شراب نہ پیتے تھے باوجود اس بات کے کہ آپؐ شریعتوں کو نہیں جانتے تھے۔ جن کی تشریع اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر کی ہے۔ یہ ہے مراد اللہ تعالیٰ کے ارشاد سے ماکنت تدری مالکتاب

ایمان کے ارادہ کا مطلب تصدیق و اقرار ہے بعض نے کہا ہے کہ ایمان اور احکام کی دعوت مراد ہے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ حذف مضاف کے باب سے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ماکنت تدری اھل الایمان (تم اہل ایمان کو نہیں جانتے تھے) یعنی آپؐ نہ جانتے تھے کہ آپؐ کے چچاؤں اور قریبیوں میں سے کون کون ایمان لائے گا۔ اور حدیث کے سیاق و سباق کے لحاظ سے یہ معانی بہت بعید ہیں۔

××

باب چہارم

اس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق کتب سابقہ توریت انجیل وغیرہ میں پیش گوئیوں اور خبروں کے متعلق بیان ہے۔ جس کا تعلق آنحضرت ؐ کی تعظیم و توقیر اور رسالت سے متعلق خبروں سے ہے اور علماء اہل کتاب نے اجمالی اور تفصیلی طور پر اعتراف کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونہ مکتوبا عندھم فی التوراۃ والانجیل یامرھم بالمعروف وینھم عن المنکر۔

ترجمہ:۔ وہ لوگ جو اس رسول اور امی نبی کے اتباع کرتے ہیں۔ جس کو وہ توارت و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ ان کو یہ رسول نیکی کا حکم کرتے ہیں اور برائی سے منع فرماتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ذکر شریف سابقہ کتب میں بہت ہے اور انبیاء و رسل کے اہل مجالس میں حضور سید الانبیاء کا ذکر ہوتا رہتا تھا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس ذکر کے متعلق بتایا ہے لازماً آپ ؐ کا ذکر شریف انہوں نے اپنی مجالس میں بطریق اولیٰ کیا ہو گا۔

جو چیز بہت پیاری ہوتی ہے اس کا ذکر کثرت سے کیا جاتا ہے یہ آیہ کریمہ آنحضرت ؐ کی صداقت پر اول دلیل ہے کیونکہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال و صفات کے یہود و نصاریٰ کی کتب میں مندرج ہونے کی خبر دیتی ہے اور اگر یہ بات حقیقت کے مطابق نہ ہوتی تو ان کی نفرت و تکذیب کا باعث ہوتی آنحضرت سے اور یہود اور نصاریٰ سے بڑھ کر کوئی اور آنحضرت ؐ کے احوال اور صداقت نبوت سے شناسا نہ تھا۔ کیونکہ توارت وانجیل میں وہ اوصاف آنحضرت دیکھ چکے ہیں اور وہ عرصہ بعید سے مدینہ شریف میں آپ ؐ کا انتظار کرتے رہے تھے۔ وجہ یہ کہ اس شہر میں ظہور آنحضرت ؐ کی نشانیاں پائی جاتی تھیں اور یہود و نصاریٰ ہی تھے کہ جب ان کے ساتھ جنگ کا موقع آتا تو یہ آپ ؐ کی بعثت کے وسیلہ سے فتح اور نصرت مانگتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ وقت نزدیک آگیا ہے کہ ہم دولت پیغمبر آخرالزماں کے سایہ میں تمہیں سبق سکھادیں گے اور ان کے آباء دنیا سے رخصت کے وقت وصیت نامے لکھوایا کرتے تھے اور اپنے بیٹوں کے سپرد کر دیتے تھے اور کہتے تھے کہ آنحضرت کو ہمارا اسلام پہنچا دینا اور کہنا کہ ہم نے آپ ؐ کے اشتیاق میں (یعنی انتظار کرتے کرتے) جان دے دی ہے اور آپ ؐ کے ساتھ ایمان رکھتے ہوئے دنیا سے رخصت ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے یعرفون کما یعرفون ابناءھم یہ کافر آنحضرت ؐ کو اس طرح پہچانتے تھے جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے تھے۔ ان کے باپ دادے سماع اور اخبار کے ذریعے علم رکھتے تھے ان کے برعکس ان کے بیٹے علم یقینی اور مشہودی کے حامل تھے۔ لیکن جب اس نور کا ظہور ہوا تو ان کی سابقہ شقاوت عود کر آئی اور آپ ؐ سے حسد' عناد اور آپ ؐ کی تکذیب کا اظہار کیا۔ اور کفر کا ارتکاب کیا اور دیدہ و دانستہ طور پر حق کے

چھپانے کے راستہ پر چلتے ہوئے اپنی کتاب میں تحریف اور تبدیلی کرنے لگے اور دنیا کی محبت اور حب ریاست میں خسارت و شقاوت اور ذلت کے گہرے گڑھے میں گر گئے اور باوجود ان کی تحریف کے ان کی کتاب میں ہمارے پیغمبر کے حق میں دلائل نبوت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی شریعت کی علامات ان کی کتب میں تاباں و آشکارہ ہیں اور علماء نے کہا ہے کہ سریانی زبان میں آنحضرتؐ کا نام مشفح ہے اور مشفح کا معانی ہیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیونکہ ان کی زبان میں شفح کا معانی حمد ہوتا ہے اور جب وہ اللہ تعالیٰ کی حمد بجالاتے ہیں تو کہتے ہیں شفحا اللہ یعنی الحمد اللہ اور جب شفح کا معنی حمد تھا اس لئے مشفح کا معنی ہے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے احوال و صفات اور علامت نبوت کی تشریح کی گئی ہوئی ہے اور آپؐ کا زمانہ بعثت و خروج بھی ان کی کتب میں معین تھا اور جس روز کہ آنحضرتؐ نے مدینہ منور میں قدم رکھا عبداللہ بن سلام جو کہ احبار و اشراف یہود میں سے تھے اور یوسف علیہ السلام کی اولاد سے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر ایمان لائے اور اسی دن سے ہی جس دن سے مکہ سے آپؐ کا خروج سننے میں آیا تھا۔ آپؐ کے سعادت مند چہرہ انور کی زیارت کا منتظر تھا۔

مدت بود کہ مشتاق لقائے تو بودم
لا جرم روئے ترا دیدم واز جا رفتم

اور جب عبداللہ بن سلام نے چہرہ انور کی زیارت کی تو آنحضرتؐ نے پوچھا کیا تم ہی اہل یثرب کے عالم ابن سلام ہو تو عبداللہ بن سلام نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں جس نے کہ توریت بھیجی ہوئی ہے۔ کیا تم میری تعریف اپنی کتاب میں پاتے ہو؟ عبداللہ بن سلام نے کہا ہاں میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؐ خدا کے رسول ہیں اور خدا نے آپؐ کو ظاہر اور غالب کیا ہے اور آپؐ کے دین کو غالب کیا ہے تمام ادیان پر درستی اور راستی کے ساتھ کیونکہ میں کتاب خدا میں آپ کی یہ صفت پاتا ہوں کہ آپؐ سے اللہ نے خطاب کیا ہے اور کہا ہے۔ یایھا النبی انا ارسلناک شاھدا و مبشرا و نذیرا سچائی کے ساتھ ہم نے تجھے امت پر شاہد بنا کر بھیجا۔ ان کی تصدیق، تکذیب اور نجات و ہلاکت کے سلسلہ میں اور اپنے اطاعت گزاروں کے لئے خوشخبری دینے والا اور عاصیوں کو عتاب سے ڈرانے والے حرزا اللامیین امیون یعنی ان پڑھوں کے لئے پناہ گاہ کیونکہ وہ عرب ہیں اور ان کی اکثریت خط و کتابت سے نابلد ہے اور تعلیم و تعلم سے ناواقف ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تمام جہان کے لئے پشت پناہ ہیں اور عربوں کی تخصیص اس لئے ہے کہ وہ ان میں مبعوث ہوئے ہیں اور وہ آپؐ کے قریبی ہیں یا اس وجہ سے ہے کہ یہ قوم جہالت میں بہت زیادہ منہمک تھی اور علم و ہدایت سے بہت دور تھی اور قساوت قلبی کی حامل تھی اور "حرز" اس مقام کو کہتے ہیں۔ جو محفوظ ہو اور جہاں کوئی آفت و مصیبت نہیں، ہوتی اور اس آفات سے حفظ و تحصین سے مراد ہے کہ آفات نفس یا شیطانی وسوسوں سے تحفظ۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

هو الذی بعث فی الامیین رسولا منهم یتلو علیهم ایاتہ و یزکیھم و یعلمھم الکتاب والحکمۃ ان کانو من قبل لفی ضلال مبین۔

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے ان پڑھوں میں ان ہی میں سے رسول مبعوث فرمایا۔ جو ان پر اس کی آیات تلاوت کرتا ہے اور کتاب کا علم اور حکمت سکھاتا ہے اور اگرچہ وہ قبل ازاں کھلی گمراہی میں تھے۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد ان کو عذاب' ہلاکت اور دائمی استیصال سے محفوظ رکھنا ہو اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم اور اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کہ انہیں عذاب دے جب کہ آپ ان میں ہوں۔ عبداللہ بن سلام کے کلام کا تتمہ یہ ہے (کہ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے)

اور میرے بندے اور رسول ہیں۔ آپؐ میرے خاص بندے ہیں کہ اس صفت میں کوئی دوسرا آپ کے برابر نہیں ہے اور آپ میری طرف سے تمام مخلوق کی طرف بھیجے گئے ہیں وسمنک المتوکل اور آپؐ کا نام متوکل رکھا گیا ہے۔ کیونکہ سب اپنے کام آپ نے مجھ پر چھوڑ دیئے ہیں اور باہر آچکے ہیں آپ اپنی ذات او رطاقت وبساط سے اور حقیقت بندگی بھی یہ ہی ہوتی ہے لست بفظ ولا غلیظ آپ درشت طبع اور سخت دل بھی نہیں ہیں۔ جس طرح کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔

ولو کنت فظا غلیظ القلب لانفضو من حولک

ترجمہ:۔ اور اگر آپؐ سخت عادت والے اور سخت دل ہوتے تو لوگ آپؐ سے یقیناً دور ہٹ جاتے۔

اور دوسری جگہ فرمایا ہے واغلظ علیھم ان پر (منافقین و کفار) پر سختی کریں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کریم طبعی آپؐ کی جبلی خصوصیت ہے اور سختی (غلظت) کا حکم مخلوق کے معالجہ کے لئے ہے اس کی توجیہہ یہ ہے کہ سختی وغلظت کی نفی مومنوں کی خاطر ہے اور کافروں اور منافقوں کے لئے سختی کا حکم ہے اور یہ دونوں صفات آپؐ میں ودیعت شدہ ہیں الحب للہ والبغض للہ اور آپؐ نے فرمایا ہے انا الضحوک القتول (خندہ روئی تو میری عادت ہے) اور اخلاق کے باب میں اس کی طرف اشارہ پہلے ہی گزر چکا ہے۔ ولا سخاب فی الاسواق اور نہ ہی بازاروں میں شور و شغب کرنے والے ہیں۔ جس طرح کہ جاہل لوگ کرتے ہیں اور عقل مندی کی علامت یہ ہوتی ہے کہ نرم خوئی ہو اور آواز بلند نہ ہو۔ کج خلقی بھی نہ ہو نہ گھر میں نہ آدمیوں میں اور نہ ہی بازار میں۔

ولا یجزی بالسیئۃ السیئۃ ولکن یعفو و یغفر۔

ترجمہ:۔ اور برائی کے بدلے برائی نہ کرے اور عفو و درگزر سے کام لے۔

لن یقبضہ اللہ حتی یقیم بہ الملۃ العوجاء بان یقول لا الہ الا اللہ۔

ترجمہ:۔ اور اللہ آپؐ کو دنیا سے نہ اٹھائے گا جب تک آپؐ کے ذریعے گمراہوں کی درستی نہ کر لے اور لا الہ الا اللہ نہ کہہ لیں۔

فیفتح بہ اعینا عمیا و اذنا صما و قلوبا غلفا۔

ترجمہ:۔ پس آپؐ کے ذریعے نابینا آنکھوں کو بینا کرے گا جو کہ سیدھے راستہ کو نہیں دیکھتی ہیں اور بہرے کانوں کو کھول دے گا جو حق کی نہیں سنتے اور ان دلوں کو کھولے گا جن پر پردہ ہے جو نہیں سمجھتے اور حقیقت کو پاتے نہیں۔

اور ایک روایت میں یہ مزید آیا ہے کہ وہ بازار میں فریاد نہیں کرتا اور فحش گوئی نہیں کرتا۔ اور جھوٹ کو سچ نہیں کہنے والا۔ اور وہ ہر جمال و کمال سے موصوف اور جمیل صفات کے حامل ہوں گے اور میں ان کو ہر خلق کریم عطاء کرتا ہوں اور سکینہ و اطمینان اور آرام و آہستگی کو ان کا لباس بناؤں گا اور ان کا ضمیر تقویٰ و پرہیز گاری سے لبریز ہو گا۔ عقل ان کی حکمت ہو گی۔ انکی طبیعت صدق وفاداری ہو گی۔ ان کی عادت میں عفو اور نیکی ہو گی۔ ان کی سیرت انصاف ہو گا۔ ان کی شریعت حق ہو گی۔ اور ہدایت ان کی رہنما۔ اسلام ان کی ملت بناؤں گا اور ان کا نام احمد رکھوں گا۔ لوگ بعد از گمراہی ان سے ہدایت حاصل کریں گے۔ اور لوگ نادانی و جہالت کے بعد اس کے ذریعے دانا ہو جائیں گے اور گمنامی کے بعد ان کا آوازہ بلند ہو جائے گا۔ اس کے وسیلہ سے اور قلت کو کثرت میں بدل دوں گا۔ اور فراق و جدائی کے بعد انہیں ملاؤں گا۔ اور ناداری مفلسی کے بعد تونگر و غنی کروں گا۔ متخالفہ دلوں' پراگندہ خواہشات اور بکھری ہوئی جماعتوں کو محبت و الفت دوں گا اور ان کی امت میں بہترین امت ہو گی اور اسی طرح ہی کعب بن احبار رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے۔

اور دیگر ایک روایت میں آیا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کعب رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ توارت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی لغت کس طرح پاتے ہیں انہوں نے کہا اس طرح کہ لکھا ہوا ہے محمد بن عبداللہ عبدالمختار۔ انکی جائے پیدائش مکہ ہے ان کی ہجرت مدینہ میں اور ان کا ملک شام ہو گا۔ نہ درشت خو ہوں گے نہ سخت دل۔ نہ بازاروں مین شور و غوغا کریں گے اور برائی کا بدلہ برائی سے نہ لیں گے۔ بلکہ معاف کرنے اور درگزر کی عادت ہو گی۔ اس روایت میں حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی امت کی تعریف بھی کی گئی ہے۔ جیسے کہ انہوں نے بیان کیا تھا۔ آنحضرتؐ کی امت' غم اور مسرت' خوشی و پریشانی میں اللہ کی شکر گزار ہو گی۔ ہر نشیب و فراز پر اللہ تعالیٰ کی حمد اور تکبیر بلند کرے گی۔ نمازوں کے لئے آفتاب کا لحاظ رکھیں گے اور آفتاب کسی نماز کا وقت لے آئے گا تو وہ امت اسی وقت نماز ادا کرے گی۔ وہ خاک نشین ہوں گے۔ ان کے ازار بند اور پاجامے ٹخنوں سے اوپر ہوں گے اور وہ اپنے جسمانی اعضاء کے اطراف یعنی اپنے ہاتھوں پاؤں اور چہروں کو دھوئیں

گے۔ (وضو کریں گے) اور ان کا نداء کرنے والا یعنی اذان دینے والا آسمان میں نداء کرے گا۔ یعنی بلند اور اونچے برجوں میں کھڑے ہو کر اذان دے گا۔ ان کی صفیں نماز اور جنگ میں ایک جیسی ہوں گی۔ وہ راتوں کو نغمہ سنج ہوں گے۔ جس طرح کہ بھڑوں کی آواز ہوتی ہے۔ نغمہ سنجی سے مراد رات کے اوراد و وظائف کی ادائیگی ہے اور تلاوت قرآن۔

اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں آیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے سنا کہ آپ نے فرمایا جب موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل ہوئی انہوں نے اس کو پڑھا اور اس میں اس امت کا حال لکھا پایا تو عرض کیا اے خداوند! میں الواح تورات میں ایسی امت کا ذکر کرتا ہوں۔ جو آخر میں ہوگی۔ یعنی ظہور میں آخری ہوگی اور فضیلت میں سبق یافتہ ہوگی۔ ان کے لئے شفاعت کی جائے گی۔ بارشیں ان کی دعاؤں سے ہوں گی اور اللہ تعالیٰ کا کلام ان کے سینوں میں محفوظ ہوگا۔ جس کو وہ زبانی تلاوت کریں گے۔ وہ غنیمتوں کو کھائیں گے۔ اور صداقت ان کے اپنے شکموں کے لئے بن جائیں گے۔ یہ اس امت کی خصوصیات میں سے ہیں کہ ان پر کام آسان کردہ ہوں گے اور ان پر صدقات و غنائم حلال ہوں گے۔ بہ خلاف سابقہ امتوں کے اور جب ان میں سے کوئی بدی کا قصد کرے گا لیکن اسے عملاً نہ کرے گا۔ وہ اس کے لئے بدی نہ لکھی جائے گی اور جب بدی کرے گا تو اس کے لئے ایک ہی بدی لکھی جائے گی۔ جب وہ ایک نیکی کرے گا تو اس کے لئے دس نیکیاں لکھی جائیں گی اور ان کو اول و آخر کا علم دیا جائے گا اور وہ دجال کو ماردیں گے۔

موسیٰ علیہ السلام نے امتی ہونے کی تمنا کی۔ اور بعض روایات میں آیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے تورات کی تختیوں سے قریباً ستر صفات اس امت کی جو آخرالزماں ہوں گی کا تذکرہ کیا اور کہا کہ اے خداوند! وہ امت مجھ سے منسوب کردے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ! وہ تمہاری امت کس طرح کردوں۔ وہ احمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہوگی۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا پس یا اللہ! مجھے امت محمدی میں کردے پس اس گفتگو کے وقت پر اللہ تعالیٰ نے ان کو دو خوبیاں عطاء کیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

یاموسی انی اصطفیتک علی الناس برسلتی وبکلامی فخذما اتینکو کن من الشاکرین۔

○

ترجمہ:۔ اے موسیٰ میں نے تمہیں عوام الناس پر اپنی رسالت اور اپنے کلام کے ساتھ سرفراز فرمایا جو کچھ میں نے عطا کیا اسے لو اور شاکرین میں سے بن جاؤ۔

پس موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے خداوند! میں ان عطاؤں کے ساتھ راضی ہو گیا ہوں اور ابو نعیم نے سالم بن عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی نے حضرت کعب احبار کے پاس کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ حساب کے لئے آدمیوں کو جمع کیا گیا ہے۔ پس انبیاء کو بلایا گیا اور ہر نبی کے

ساتھ اس کی امت بھی آئی اور ہر نبی کے لئے دس نور دکھائی دے۔ اور اس کے پیروں کاروں میں سے ہر ایک کے لئے ایک نور جو اس کے ساتھ ساتھ چلتا ہے پس محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو بلایا گیا تو جتنے بال آپؐ کے جسم اطہر پر ہیں انمیں سے ہر بال کے لئے ایک نور دیکھا۔ اور پیروں کاروں میں سے ہر ایک کے لئے دو نور تھے پس کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو کچھ تفصیلات تم نے خواب میں دیکھی ہوئی بیان کی ہیں کیا تم نے وہ حدیث میں لکھی ہوئی بھی پڑھی ہیں؟ تو اس شخص نے کہا کہ قسم بخدا۔ میں نے سوائے خواب میں دیکھنے کے کہیں سے نہیں پڑھا۔ پس کعب نے اللہ تعالیٰ کی قسم کھائی کہ اللہ کی قسم جس کے دست قدرت میں میری زندگی ہے کہ یہ حقیقت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور حقیقت امت محمدیہ اور صفت انبیاء اور ان کی امتوں کی صفت ہے جو کتاب خدا میں لکھی ہے اور اس طرح ہے جیسے کہ تو نے توارت میں سے اس کو پڑھا ہے۔

خبریں جن سے یہود صداقت محمدیہ سے واقف تھے۔ وصل:۔ سابقہ خبریں ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ یہود کو سید المرسلین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی صداقت نبوت کا پہلے ہی پتہ تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے بعد ان شریر لوگوں نے عناد اور انکار کیا۔ سوائے ان اشخاص کے کہ توفیق وہدایت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے شامل حال تھی۔ اس قسم کی بے شمار خبریں ہیں۔ کیونکہ یہود جب بھی توارت پڑھتے یا پڑھاتے تو آنحضرتؐ کا ذکر ضرور کرتے تھے۔ اور اولادوں میں بھی ان کا برابر ذکر چلا آتا تھا۔ آپؐ کا حلیہ شریف بیان کرتے تھے آپؐ کی بعثت کی جگہ اور ہجرت کا مقام بھی وہ معین کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ آخری زمانے کا نبی مکہ شریف سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ میں تشریف لائیں گے لیکن جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مبعوث ہو گئے تو ان یہودیوں نے حسد اور بغض و عناد کا راستہ اختیار کیا اور کہا کہ یہ وہ نہیں ہے۔ جس کے متعلق ہم بتایا کرتے تھے۔ اور یہ یہودی آپ کی صفات مذکورہ میں تعریف کے درپے ہوئے۔ لیکن باوجود ان کی تبدیلی اور تحریف کے آپ کے متعلقہ دلائل اور شواہد توارت میں جگمگا رہے تھے۔ قبیلہ اوس میں سے ایک راہب شخص تھا جس کا نام تھا۔ ابو عامر اس شخص سے زیادہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی صفات بتانے والا اوس و خزرج قبائل میں کوئی دوسرا نہ تھا۔ وہ یہود مدینہ کے ساتھ محبت اور صحبت رکھتا تھا۔ وہ ان یہودیوں سے دین اسلام کے متعلق پوچھتا رہتا تھا۔ وہ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی صفات بتایا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ان کی ہجرت کا مقام مدینہ ہے۔ اس کے بعد وہ یتماء کے یہودیوں کے پاس چلا گیا انہوں نے بھی اس کو اسی طرح خبر دی آپؐ کی صفات کے متعلق۔ اس کے بعد وہ ملک شام میں گیا اور نصاریٰ سے پوچھا انہوں نے بھی اسی کی مانند خبر دی۔ پس ابو عامر نے گوشہ نشینی اختیار کی اور راہب بن گیا لباس کا پہن لیا اور کہنے لگا کہ میں ملت حنیف اور دین ابراہیم رکھتا ہوں۔ اور آخر الزمان پیغمبر کے ظہور کا منتظر ہوں اور اس ابو عامر نے جنوں کی عورتوں سے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف وعلامات سنی تھیں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ظہور فرمایا۔

یہ ابو عامر اپنے حال پر رہا۔ بغاوت کی حسد کرنے لگا اور منافقت اختیار کرلی اور کہتا تھا اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپؐ کس چیز پر مبعوث ہوئے ہیں تو آپؐ فرماتے تھے کہ میں ملت حنیف پر مبعوث ہوا ہوں تو ابو عامر کہتا تھا نہیں بلکہ تم نے اسے غلط ملط کر دیا ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا نہیں میں تو بلکہ اسے چمکتی ہوئی صاف و پاک لایا ہوں۔ اے ابو عامر! وہ خبریں کیا ہوئیں جو یہود تجھے میری اوصاف و خصوصیات کے متعلق دیتے تھے؟ تو وہ کہتا تھا کہ تم وہ نہیں ہو۔ جس کے یہود گن گاتے تھے اور آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اے ابو عامر! تم جھوٹ بولتے ہو؟ اس نے کہا نہیں میں جھوٹ نہیں بولتا۔ بلکہ تم جھوٹ بولتے ہو۔ آنحضرت نے فرمایا خدا تعالیٰ دروغ گو کو تنہائی میں سفر کی حالت میں موت دے۔ پس ابو عامر مکہ کی طرف چلا گیا اور دین قریش پر قائم ہو گیا اور دین ابراہیم اور رہبانیت کو ترک کر دیا۔ اس کے بعد وہ ملک شام کے راستے میں بے کسی کے عالم میں اجنبیت میں مر گیا۔ آنحضرتؐ کی بدعا سے جو انہوں نے کی تھی۔ اس جگہ سے معلوم ہوتا ہے کہ علم و دانش کام نہیں دیتے۔ جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق و ہدایت نہ ہو۔

اور اس ابو عامر کا بیٹا جس کا نام حنظلہ رہے اور جس کو غسیل ملائکہ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا ایمان لے آیا اور سادات صحابہ میں سے ہوا اور اس کے غسیل ملائکہ نام ہونے کا قصہ مشہور ہے۔ ابن حبان اپنی صحیح میں اور حاکم مستدرک میں شیخین کی شرط پر روایت لائے ہیں کہ انہوں نے ابھی ابھی شادی کی تھی۔ بلکہ اسی روز کی تھی اپنی بیوی کے ساتھ صحبت میں تھا کہ ناگاہ اس نے احد کے روز کفار سے لڑائی کی شدت کا شور سنا۔ بے قرار ہو گئے۔ غسل جنابت کی فرصت نہ ہوئی۔ باہر آئے اور (کفار سے لڑائی میں) شہید ہو گئے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر منکشف ہوا کہ ملائکہ اس کو غسل دیتے ہیں اور آپؐ نے حنظلہ کی حقیقت حال بیان کی اور وجہ بتائی کہ شہداء میں سے اس کو غسل کے لئے کیوں مخصوص کیا گیا تھا اور بعض روایات میں آیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا۔ وہ جنبی تھا اور ان کی بیوی سے پوچھا تو اس نے بھی یہی حقیقت حال بیان کی۔ اسی مقام سے دلیل لے کر امام ابو حنیفہ جنبی شہید کے لئے غسل واجب کہتے ہیں اور امام شافعی اور صاحبین اس کے خلاف رائے رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بوجہ جنابت فرض شدہ غسل دائرہ تکلیف سے باہر آنے پر ساقط ہو جاتا ہے اور جو غسل بوجہ موت ہوتا ہے اس کو شہادت ساقط کر دیتی ہے۔ دیگر کوئی غسل واجب ہی نہیں۔ امام ابو حنیفہ حنظلہ کے اس قصہ کو اپنی دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں اور آنحضرتؐ کا فرمان کہ وہ جنبی تھے ان کو بھی دلیل بتاتے ہیں۔

بشارات از توارات وانجیل۔ وصل:۔ یہ بات پوشیدہ نہیں رہنی چاہیے کہ قرآن مجید میں اس خبر کے آجانے کے بعد کہ ان کتابوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احوال و صفات موجود ہیں مزید کسی دلیل کی ضرورت نہیں لیکن خدا تعالیٰ کے ان کافر دشمنوں کے الزام سے بچاؤ کی خاطر ان کا بیان لانا ضروری ہے

اور اس کے سبب مسلمانوں کے ایمان میں زیادتی ہوگی اور نورانیت اور یقین پیدا ہوگا باوجود اس بات کے کہ ان بدنصیبوں نے توارت میں حزف، تحریف اور تغیرو تبدل کیا اور اس امانت میں خیانت کی ہے۔ ابھی تک موجود ہے کہ حق تعالیٰ نے سینا سے تجلی فرمائی اور ساغیر سے ظہور کیا اور فاران سے آشکارا ہوا۔ سینا اس پہاڑ کو کہا جاتا ہے جسے طور سینا اور طور سینین کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اس پر اپنی تجلی کی موسیٰ علیہ السلام سے ہم کلام ہوا اور اس کے اوپر ان کی نبوت کا ظہور ہوا۔ ساغیر سے ان پر انجیل کا نزول ہوا۔ فاران عبرانی زبان کا لفظ ہے۔ یہ مکہ مکرمہ میں بنو ہاشم کی پہاڑیوں کا نام ہے جس میں سے ایک پر ظہور نبوت سے قبل نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم عبادت کیا کرتے تھے اور یہی پہاڑی ہے۔ جس پر اولین وحی کا نزول ہوا۔ یہ تین ہیں۔ ان میں سے ایک کا نام جبل ابو قیس ہے اس کے نیچے مکہ آباد ہے اس کے سامنے جبل قیقعان ہے جو وادی کے بطن تک ہے اور اس سے مشرق کی جانب جبل قیقان کے ساتھ ہی شعب بنو ہاشم واقع ہے اور اسی شعب میں وہ جگہ ہے جہاں ولادت رسالت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ہوئی تھی۔

ابن قتیبہ امت کے ایک عالم۔ انہوں نے سابقہ کتابیں پڑھی ہیں اور خود ان کا ترجمہ بھی کیا ہے۔ وہ السلام نبوت کے اندر کہتے ہیں کہ اس جگہ پر کسی کو بھی جو سوچ و فکر کرے کوئی مشکل پیش نہ آئے گی۔ وجہ یہ ہے کہ جیسے کہ حقیقی بات ہے کہ موسیٰ علیہ السلام پر حق تعالیٰ کا طور سینا پر تجلی فرمانا سے مراد ہے موسیٰ علیہ السلام پر توارت کا نزول ہونا اور ساغیر کے پہاڑ سے ظاہر ہونا یہ مطلب رکھتا ہے کہ اس پہاڑ پر عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل کا نزول ہوا تھا۔ کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام ارض خلیل میں ساغیر کے پہاڑ پر رہائش پذیر تھے۔ اسے بھی اس پہاڑ کو ناصرہ بھی کہا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے ان کے متبعین کو نصاریٰ نام دیا گیا ہے۔ جب یہ ثبوت کو پہنچ گیا کہ ساغیر سے حق تعالیٰ کا ظاہر ہونے کا مطلب حضرت عیسیٰ پر نزول انجیل ہے تو پھر فاران کی پہاڑیوں سے آشکارا ہونے کا مطلب یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر قرآن کا نزول ہوا۔ اس بارے میں تو اہل کتاب اور اہل اسلام میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ فاران مکہ ہی کی پہاڑیوں کا نام ہے اور اگر ان کے دعویٰ ہو کہ فاران مکہ کے علاوہ کسی اور پہاڑ کا نام ہے تو یہ ان کی طرف سے بہتان ہو گا افتراء ہو گا۔ ان کا جواب میں ہم یہ کہیں گے کہ وہ دوسری جگہ ہمیں دکھائی جائے۔ جہاں پر رب تعالیٰ آشکارا ہوا اور اس مقام کا نام بھی فاران ہی ہونا چاہیے اور کوئی نبی بھی مبعوث ہوا ہو۔ نیز اس نبی پر بعد از عیسیٰ علیہ السلام اللہ نے کوئی کتاب بھی نازل کی ہو۔ نیز وہ دین بھی دکھایا جائے جو دین اسلام کے مقابلے میں ظاہر و منکشف ہوا ہو اور آشکار کیا آپ نہیں جانتے کہ مشرق میں اور نہ ہی مغرب میں اس طرح کا آشکارا کوئی دین ہے جس طرح تمام دنیا میں اسلام کا دین ظاہر و آشکارا ہے۔

ایک اور بشارت تورات ہی سے۔ علاوہ ازیں تورات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سفر خامس کے اندر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خطاب فرمایا کہ "تمہارا رب نبی اسرائیل کی خاطر تمہارے برادروں میں نبی پیدا

کرے گا اور اسے مبعوث فرمائے گا اس کے منہ میں اپنا کلام رکھ دے گا۔ پھر وہ وہی کچھ ان کے لئے کہے گا۔ جو میں اسے حکم کروں گا اور جو آدمی ان کے حکم کی تعمیل نہ کرے گا میں اس کو سزا دوں گا۔

تورات کی یہ عبارت سید المرسلین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نبوت پر ایک واضح دلیل ہے وجہ یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ اسلام معہ اپنی قوم بنی اسرائیل نسل اسحاق علیہ السلام سے ہیں اور بھائی ان کے اولاد ہیں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اگر یہ موعود نبی اسحاق علیہ السلام کے بیٹوں میں یعنی بنی اسرائیل سے ہوتا۔ پھر وہ ان ہی میں سے ہو گا نہ کہ ان کے برادران میں سے اور اگر وہ کہیں۔ کہ بنی اسرائیل ہی بنی اسرائیل کے بھائی ہیں۔ تو اس بنیاد پر اخوت ٹھیک ہے تو ہماری طرف سے ان کا جواب ہو گا کہ اس طریقے سے تم نے تورات کو جھٹلا دیا۔ کیونکہ تورات میں تو ذکر آیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام جیسا کوئی نبی بھی بنی اسرائیل میں سے نہ ہو گا۔ اس وجہ سے بعض یہود کی یہ بات غلط ہو گئی کہ اس موعود نبی سے مراد حضرت یوشع بن نون ہیں۔ کیونکہ یوشع بن نون نہ تو کفو ہی تھے حضرت موسیٰ علیہ کے اور نہ ان کی مثل تھے بلکہ وہ تو ان کی زندگی میں ان کی خدمت کرنے والے تھے۔ اور موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد انہوں نے بھی دعوت موسیٰ ہی کی تاکید و تائید کی تھی۔ لہٰذا یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اس موعود پیغمبر سے جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے مراد ہیں وہی کفو اور مثل ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نیز آپ ہی موسیٰ علیہ السلام کی مانند ہیں دعوت حق کے قیام میں تحدی معجزہ میں تشریع احکام الہیہ میں اور سابق شریعتوں کی منسوخی کے اجزاء میں۔ اور یہ چیز متعدد دلائل سے بھی واضح ہے کہ نبی موعود جناب سید المرسلین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہی ہیں۔ اس امر میں کوئی شک و ریب کی گنجائش نہیں ہے۔

نیز کہا ہے کہ تورات کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ میں اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا۔ اس کا مقصد اور مفہوم یہ ہے کہ ہم اپنا کلام ان کی طرف وحی فرمائیں گے اور جو کلام وحی انہوں نے سنا ہو گا وہی کلام مخاطب فرمائیں گے جیسے کہ سنا ہو گا کہ فرمایا کہ اس کی طرف تحریر شدہ صحائف یا الواح نہیں بھیجوں گا کیونکہ وہ امی ہے وہ مکتوب کو نہیں پڑھتا۔

بشارات از انجیل۔ انجیل میں بشارتوں کے بارے میں ابن ظفرپل نے کہا ہے کہ یوحنا نے کہا ہے جو کہ حواریوں میں سے ایک تھا اپنی انجیل میں مسیح کے بارے میں کہ انہوں نے کہا کہ میں اپنے باپ سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ تمہیں دوسرا فارقلیط عطاء کرے۔ جو تمہارے ساتھ ابد تک قائم رہے وہ روح حق ہے اور تمہیں ہر چیز کی تعلیم دے گا اور کہا کہ یہ بیٹا جانے والا ہے یہ اشارہ کیا ہے اپنی ذات کی طرف اور اس کے بعد فارقلیط آنے والا ہے وہ تمہارے لئے بھیدوں کو زندہ کرے گا۔ ہر چیز کو بدل دے گا۔ میرے حق میں گواہی دے گا۔ جس طرح کہ میں اس کے لئے گواہی دیتا ہوں۔ میں تمہارے لئے امثال لاتا ہوں اور وہ اس کی تاویل کرے گا اور تاویل سے قرآن مراد ہے جو بہت سی تاویلات و معنی کا حامل ہے۔ بمقابلہ دیگر کتابوں کے اور فارقلیط کو مارنے کی طاقت جہاں

والے نہیں رکھتے اگر تم میری دعوت کو قبول کرتے ہو اور مجھے دوست رکھتے ہو تو میری وصیت کو نگاہ میں رکھو۔ اور میں اپنے باپ سے درخواست کرتا ہوں کہ تمہیں دوسرا فار قلیط عطاء کرے جو آخر تک تمہارے ساتھ رہے۔

یہ تصریح اور وضاحت کے ساتھ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی طرف کسی ایسے کو بھیجے گا جو آخر زمانہ تک ان کے ساتھ رہے گا اور وہ تبلیغ رسالت اور سیاست خلق کو اس کے مقام پر قائم کردے گا اور اس کی شریعت تا ابد باقی رہے گی کیا کوئی اس قسم کا ہے سوائے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اور فاز قلیط کی تفسیر میں نصاریٰ نے اختلاف کیا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ فار قلیط کا معنی ہے حمد کرنے والا اور بعض نے کہا ہے کہ اس کے معنی ہیں مخلص اگر ہم مخلص کے معنی میں ان سے اتفاق بھی کریں پس اس سے مراد وہ رسول ہے جو خلاص عالم کے لئے آئے اور یہ وضاحت ہمارے مدعا کے مناسب ہے کیونکہ ہر نبی خلاص کرنے والا ہے کفر سے اور اس معنی کی شہادت انجیل سے مسیح علیہ السلام سے بھی ہے کہ میں اس لئے آیا ہوں کہ دنیا کو خلاص کروں اور جب ثابت ہو گیا کہ مسیح نے اپنے آپ کو مخلص عالم کہا ہے اور اس نے باپ سے درخواست کی ہے کہ ان کو دوسرا فار قلیط عطاء کرے پس لفظ کا تقاضا ہے کہ اس پر دلالت کرے کہ پہلا فار قلیط جائے تو دوسرا فار قلیط آتا ہے۔

اور اگر میں تنزل کروں کہ فار قلیط کا معنی حامد ہے تو پھر کونسا لفظ ہے جو اس سے زیادہ "احمد" کے قریب ہو سکتا ہو۔ ابن ظفر نے انجیل میں کہا ہے کہ جس چیز کا ترجمہ انجیل میں کیا گیا ہے وہ دلالت کرتا ہے کہ فاز قلیط سے مراد رسول ہے کیونکہ آپؑ نے فرمایا ہے کہ جو کلام آپؑ مجھ سے سن رہے ہیں وہ میرا کلام نہیں ہے بلکہ وہ تو باپ کا کلام ہے جس کا نزول مجھ پر تمہاری خاطر ہوا ہے لیکن فار قلیط جس کو روح القدس کی حیثیت سے میرا باپ اسے میرے نام سے بھیجے گا۔ تاکہ تم کو ہر چیز کی تعلیم دے تمہارے سامنے ذکر کرے اور نصیحت کرے جس طرح کہ میں نصیحت کرتا ہوں۔ کیا اس سے زیادہ واضح تر کوئی بیان ہے کہ فار قلیط سے مراد رسول ہی ہے جسے کہ خدا تعالیٰ بھیجتا ہے۔ وہ خلقت کو ہر چیز کی تعلیم دیتا ہے کہ ان کو نصیحت فرمائے گا لیکن اس جگہ "پدر" یعنی باپ کا لفظ محرف اور بدلا ہوا ہے اہل کتاب اس لفظ سے ناواقف نہیں ہیں کہ اس لفظ سے اشارہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف ہے کیونکہ یہ عصمت والا لفظ ہے اور اس لفظ سے شاگرد اپنے استاد کو مخاطب کرتا ہے۔ جس سے کہ وہ اپنے علم کے سلسلہ میں مدد حاصل کرتا ہے اور نصاریٰ کا اپنے علماء دین کو روحانی باپ کے الفاظ سے مخاطب کرنا مشہور ہے۔ نیز یہ کہ بنی اسرائیل اور بنو اعیص بھی اپنے آپ کو نحن ابناء اللہ ہم اللہ کے بیٹے ہیں کہتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ ہی خود بد گمانی میں ہیں۔

لیکن مسیح علیہ السلام کا یہ قول اللہ تعالیٰ اسے میرے نام سے بھیجے گا۔ اس کے اندر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی رسالت اور اس کی صداقت کی گواہی پائی جاتی ہے۔ کیونکہ قرآن میں یہ مضمون ہے جس میں

عیسیٰ علیہ السلام کی مدح اور پاکیزگی کا ذکر کیا گیا ہے۔ جن کے لئے بنی اسرائیل افتراء باندھتے تھے۔ یہاں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اور انجیل کے ایک اور ترجمہ کے اندر آیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ جب تک میں نہ جاؤں دوسرا فار قلیط نہیں آئے گا اور جب فار قلیط آئے گا تو دنیا والوں کی خطاؤں پر ان کی توبیخ و سرزنش کرے گا۔ وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہے گا جو کچھ خدا کی طرف سے سنے گا وہی کچھ کہے گا اور حق اور سچائی کے ساتھ وہ لوگوں کی سیاست کرے گا اور ان کی حوادث سے خبردار کرے گا۔

اور دوسری روایت میں آیا ہے کہ وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہے گا۔ بلکہ وہی کہے گا۔ جو خدا تعالیٰ سے سنے گا۔ کیونکہ اسے اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے جیسے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں قرآن پاک میں فرمایا ہے وماینطق عن الھویٰ ان ھوالا وحی یوحی "وہ اپنی خواہش سے کچھ نہیں فرماتے ہیں وہ تو وہی فرماتے ہیں جو ان کی طرف وحی کیا جاتا ہے" نیز مسیح علیہ السلام نے کہا ہے کہ وہ میری بزرگی اور شان بیان کرے گا اور واقعتاً" کسی نے بھی مسیح علیہ السلام کی اس قدر تمجید و بزرگی بیان نہیں کی جس قدر کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کی ہے۔ کیونکہ آپ نے عیسیٰ علیہ کو رسالت سے موصوف بیان کیا ہے۔ اور جن پیغمبروں سے ان کی امت نے انہیں منسوب کیا تھا۔ حضور علیہ السلام نے ان سے ان کو پاک بیان کیا ہے۔ یہ تمام صفات جن کی خبر مسیح علیہ السلام نے دی تھی وہ سب کی سب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہیں۔ وہ کون ہے جس نے علماء بنی اسرائیل کی حق کو چھپانے پر سرزنش کی ہے اور کلام حق کو اس کے مقام سے بدلنے پر ان کی توبیخ کی ہے اور قلیل معاوضہ پر دین کو بیچنے پر ان کی مذمت کی ہے اور وہ کون ہے جس نے حوادث کی خبر دی ہے اور عیوب کو ظاہر کر دیا ہے سوائے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اور انجیل میں اللہ نے عیسیٰ علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق کرو اور اس پر ایمان لاؤ اور اپنی امت کو فرما دو کہ ان میں سے کوئی بھی ان کا زمانہ پائے ان پر ایمان لائے۔ اے مریم بتول کے بیٹے! اگر محمد نہ ہوتے تو میں آدم علیہ السلام کو اور بہشت و دوزخ کو پیدا نہ فرماتا اور جب میں نے عرش کو پیدا کیا تو وہ مضطرب تھا۔ اسے قرار نہیں تھا (یعنی جنبش کرتا تھا) پس میں نے عرش پر لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ تحریر کیا تو وہ ساکن ہو گیا۔

مواہب الدینہ میں بحوالہ بیہقی حضرت ابن عباس سے روایت کیا گیا ہے کہ جارود نامی شخص جو نصرانی تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ مسلمان ہو گیا اور کہنے لگا خدا کی قسم جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ بے شک میں نے آپؐ کے اوصاف انجیل میں پائے اور بتول کے بیٹے نے آپ کے متعلق خوشخبری دی ہے۔

دلائل النبوت میں امام بیہقی بحوالہ ابو امام باہلی ہشام بن العاص اموی سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا ہے کہ میں اور کچھ اور آدمی ہرقل قیصر روم کی طرف بھیجے گئے تاکہ میں اس کو اسلام کی طرف بلاؤں۔ اس کے بعد

مکمل حدیث کو بیان کیا اور کہا کہ ایک شب کو ہرقل نے ہمیں اپنے نزدیک طلب کیا۔ ہم اس کے پاس گئے اس نے ایک بڑا صندوق لانے کے لئے کہا جس پر نقش و نگار تھے اور اس کے اندر چھوٹے چھوٹے خانے بنے ہوئے تھے اور ہر خانے کا چھوٹا سا علیحدہ دروازہ تھا۔ پس اس نے وہ صندوق کھولا اور اس میں سے سیاہ رنگ کے حریر کا ایک ٹکڑا PIECE نکلا اور اسے پھیلا دیا اس پر ایک تصویر نظر آئی۔ اس کی آنکھیں بڑی تھیں سرین بھاری تھے گردن دراز تھی۔ اس کے گیسو گندھے ہوئے (بافتہ) تھے گویا کہ خلق خدا میں بہترین اس نے کہا کیا تم اس صورت کو پہچانتے ہو ہم نے کہا کہ ہم نہیں پہچانتے اس نے کہا یہ صورت آدم علیہ السلام کی ہے۔ پس اس نے دوسرا خانہ کھولا اور اس میں بھی ایک سیاہ رنگ کا ریشم کا ٹکڑا نکلا اور اس میں سفید جسم میں بڑی بڑی سرخ آنکھیں اور حسین داڑھی والی تصویر تھی۔ اس نے کہا تم اس کو پہچانتے ہو۔ ہم نے کہا نہیں۔ اس نے بتایا کہ یہ تصویر ہے حضرت نوح علیہ السلام کی اس کے بعد اس نے ایک اور خانہ کھولا اور ریشم کا ایک پارچہ نکلا اور اس کو پھیلا دیا۔ اس پر ایک سفید رو پیکر کی تصویر تھی۔ خدا کی قسم گویا کہ وہ عین رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تھے۔ اس نے کہا کیا تم اس کو پہچانتے ہو۔ میں نے کہا ہاں پہچانتا ہوں یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہیں۔ پس میں رو پڑا۔ ہرقل اٹھ کھڑا ہوا اور پھر بیٹھ گیا۔ اور کہا کہ کیا یہ وہ نبی ہے۔ ہم نے کہا ہاں۔ یہ وہی ہیں جس کو تم دیکھتے ہو۔ تصویر کو دیکھا تو گویا تم نے انہیں کو دیکھا ہے۔ پس وہ ایک ساعت اس تصویر کو دیکھتا رہا پھر کہنے لگا اللہ کی قسم یہ آخری نبی ہیں لیکن میں نے جلدی کی کہ وہ علم پاسکوں جو تمہارے پاس ہے۔ اور اس صندوق میں ابراہیم موسیٰ عیسیٰ اور سلیمان وغیرہ پیغمبروں کی تصاویر ہیں۔ میں نے کہا یہ کہاں سے حاصل کی گئی ہیں اس نے کہا کہ آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی تھی کہ انہیں ان کی اولاد سے ہونے والے پیغمبر دکھائے جائیں پس اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف ان کی تصاویر بھیجیں اور یہ سورج غروب ہونے کے مقام پر آدم علیہ السلام کے خزانے میں تھیں۔ پس ان کو غروب شمس کے مقام سے ذوالقرنین نے نکالا اور حضرت دانیال علیہ السلام کے سپرد کردیں۔

بشارات از زبور۔ لیکن زبور میں چوالیسویں باب کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے خطاب فرمایا فاضت النعمۃ من شفتیک یعنی آپ کے دونوں ہونٹوں سے ہر دو جہاں کی نعمتیں فائض ہیں۔ من اجل ھذا بارک اللہ لک الی الابد اللہ تعالیٰ نے اس کی خاطر ابد تک آپ کی برکت عطاء فرمائی۔

فائض کا لفظ فیض سے ہے۔ (کذافی الصداح) اور صداح میں فیض کے معانی ہیں خبر کا خاموش ہو جانا۔ پانی کی بہتات ہونا۔ ندی کا لبالب بھری ہوئی بہنا' پانی کا بہنا وغیرہ اور حدیث مستفیض کا مطلب ہے حدیث کا پھیل جانا اور فیاض سے مراد ہے جوانمرد بہت بخشش کرنے والا۔

تقلدلیھا الجبار السیف اے بزرگ اپنی تلوار کو اپنی گردن میں لٹکاؤ۔ شکستہ دل بندوں کے کاموں کو سنو اور جبار بلند اور اونچے درخت کو کہا جاتا ہے جس تک کسی کا ہاتھ نہیں پہنچ سکتا۔ نخلہ جبارہ کا معنی ہے کھجور کا اونچا درخت فان شریعک و سننک مقرونہ بھیبتہ یمینک مطلب یہ کہ آپ کی شریعت حکمت اور سنت آپ کے دائیں ہاتھ کی بزرگی

کے ساتھ پیوستہ ہیں۔

اور آپؐ کے تیر تیز ہیں۔ وجمیع الامم یخرون تحتک اور امتیں آپؐ کے تحت سرنگوں ہیں۔ اس زبور سے مراد محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں۔

اور نعمت جو دولبوں سے فائض ہے آنحضرتؐ سے۔ وہ کلام ہے جو وہ کرتے ہیں اور کتاب ہے جو آپ پر بھیجی گئی ہے سنت وہ عمل ہے جو آپؐ کرتے ہیں اور گردن میں تلوار لٹکانا۔ یہ قول دلیل ہے کہ آپؐ آخری نبی عربی ہیں۔ کیونکہ عربوں کے بغیر کسی بھی امت میں تلوار گلے میں حمائل نہیں کرتے۔ تلوار کا گردن میں لٹکنا یہ عربوں کی خصوصیت ہے اور شریعت وسنت کا داہنے ہاتھ کی بزرگی سے پیوست ہونا مراد ہے آپؐ صاحب شریعت ہیں اور صاحب سنت ہیں۔ وہ نبی اپنی تلوار سے قائم ہوا ہے اور اپنی تلوار سے لوگوں کی درستی کرتا ہے اور حق پر قائم کرتا ہے۔ تلوار کے ذریعے انہیں کفر سے باہر نکالتا ہے۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

نیز زبور میں آیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے پروردگار کی بارگاہ میں رو کر درخواست کی یا رب! سنت ظاہر کرنے والے پیغمبر کو بھیج تاکہ لوگ جان لیں کہ مسیح بشر ہے نہ کہ معبود۔

داؤد علیہ السلام جانتے تھے کہ لوگ مسیح کے متعلق دعویٰ الوہیت کریں گے نیز داؤد علیہ السلام کے ذکر میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خدائے تعالیٰ نے کردار وگفتار میں دوستی کے ساتھ برگزیدہ کہا ہے اور برگزیدہ کیا اس کو اور اس کی امت کو اور اسے نصرت عطاء کی ہے اور اس کے امتیوں کو کرامت عطاء کی ہے۔ اپنی خوابگاہ میں بھی اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔ اور بلند آوازوں سے تکبیر کہتے ہیں اور ان کے ہاتھوں میں تلواریں ہیں۔ تاکہ ان لوگوں سے فی سبیل اللہ انتقام لیں جو عبادت نہیں کرتے اور ان قوموں کے بادشاہوں کو قید کرتے ہیں اور ان کے بڑوں کے گلوں میں طوق ڈالتے ہیں اور دوسری مزبور میں آیا ہے کہ خدا تعالیٰ نے صیہون سے تاج مرصع محمود کا ظاہر کرنا مقرر فرمایا ہے صیہون سے مراد مکہ شریف ہے، اور تاج مرصع سے مراد ریاست وامانت ہے اور محمود سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

اور دیگر مزبور میں آیا ہے کہ وہ مالک ہو گا اور دریا سے دریا تک جود و سخاوت کرے گا اور نہروں سے زمین کے آخری کناروں تک اور جزائر کے باشندہ اس کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھیں گے اور اس کے دشمن اپنی زبانوں سے خاک زمین ہو جائیں گے۔ اور بادشاہ اپنے خواص کے ہمراہ سر کے بل حاضری دیں گے اور امت اس کی فرمانبرداری کرتے ہوئے فروتنی کرے گی۔ گردن جھکا دینے سے ان کو نجات دے گا اور ستم رسیدہ لوگوں کی خلاصی کرائے گا ان سے جو ان سے زیادہ طاقتور ہوں گے اور جس ضعیف و کمزور کا کوئی مددگار نہ ہو گا اسے مدد دے گا۔ ضعیفوں اور مسکینوں پر مہربانی کرے گا۔ اس پر درود بھیجا جائے گا۔ اور ہر وقت ان پر دعا کی جائے گی اور اس کا ذکر ہمیشہ تا ابد رہے گا۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

آنحضرت کا ذکر دیگر صحائف میں۔ **وصل:۔** جس طریقے سے کتب ثلاثہ تورات زبور اور انجیل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف مذکور ہیں۔ اس طرح دیگر انبیاء علیہم السلام کے صحائف میں بھی مذکور و مسطور

ہے حتی کہ آدم علیہ السلام ابو الانبیاء علیہم السلام کے صحیفہ میں بھی نقل شدہ ہیں کہ پروردگار تعالیٰ و تقدس نے آدم علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی۔ کہ میں مکہ کا خداوند ہوں اور اس کے رہنے والے میرے، ہمسائے ہیں۔ خانہ کعبہ کے زائرین اور وہاں پہنچنے والے میرے مہمان ہیں۔ وہ میری عنایت و حمایت کی پناہ میں ہیں اور میرے تحفظ و رعایت کے سائے میں ہیں۔ میں اس خانہ کعبہ کو آسمان والوں اور زمین والوں سے بھر دوں گا اور جماعت در جماعت لوگ منتشر اور غبار آلودہ بالوں سے وہاں آئیں گے وہ بلند آواز سے تکبیر بلند کرتے اور لبیک کہتے ہوں گے۔ آنکھوں سے آنسو بہاتے ہوں گے اور جو کوئی اس خانہ کعبہ کی زیارت کو آئے گا۔ اس کا مقصد سوائے زیارت اور میری رضا کے اور کچھ نہ ہو گا۔ اس طرح ہو گا گویا کہ اس نے میری ہی زیارت کی اور میرا ہی مہمان ہو گا۔ اور وہ میرے کرم کا سزاوار اور لائق ہو گا۔ اس سے مراد ہے کہ میں اس کی تکریم کروں گا اور وہ خالی نہ رہے گا۔ اور اس خانہ کعبہ کا انتظام اس پیغمبر کے سپرد کروں گا۔ جس کا نام ابراہیم ہو گا اور وہ تیرے فرزندوں میں سے ہو گا۔ اس گھر کی دیواریں اس کے ذریعے بلند کراؤں گا اور اس کے ہاتھ سے عمارت تعمیر ہو گی اور اس کے لئے زمزم کا زمزم ظاہر کروں گا اور اس کی حل و حرمت اس کی وراثت میں کروں گا (یا دے دوں گا) اور اس کے مشاعد کو اس کے ہاتھ سے آشکارہ اور ظاہر کروں گا۔ اس کے بعد ہر زمانے کے لوگ اس کو یاد رکھیں گے۔ اور اس خانہ کعبہ کی زیارت کا قصد کریں گے حتی کہ نوبت اس پیغمبر تک پہنچ جائے گی جو تیری اولاد سے ہو گا۔ اس کو محمد کہتے ہیں صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور وہ خاتم پیغمبر ہو گا۔ اور اس کو اس گھر کے باشندوں والیوں حاجیوں اور پانی پلانے والوں میں سے گرامی قدر بناؤں گا جو کوئی مجھے تلاش کرے گا اور مجھ سے کوئی چیز طلب کرے گا۔ چاہیے کہ وہ جان لے کہ میں اس جماعت کے ساتھ ہوں گا۔ منتشر اور غبار آلود بالوں والی ہو گی اور اپنی منتوں کو پورا کرنے والی ہو گی حضور حق میں۔

صحیفہ ابراہیم۔ اور صحف ابراہیم علیہ السلام میں آیا ہے کہ اے ابراہیم! تیری اور تیرے فرزند کی دعا میں نے قبول کر لی ہے اس پر اور اس کی نسل پر برکات وارد ہوئیں اور اس سے ایک بیٹا وجود میں لاتا ہوں وہ معظم و مکرم ہو گا اس کا نام محمد ہو گا (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) وہ میری طرف سے برگزیدہ کیا ہوا رسول ہو گا اور اس کی امت جملہ امتوں میں سے بہترین ہو گی۔

کتاب حبقوق علیہ السلام میں تذکرہ حبیب۔ اور حبقوق علیہ السلام کی کتاب سے جو کہ حضرت دانیال علیہ السلام کے ہمعصر پیغمبر تھے۔ منقول ہے کہ

جاء اللہ من التسبیح والتقدیس من جبال فاران وامتلأت الارض من تحمید احمد و تقدیسه وملک الارض رقاب الامم

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ تسبیح و تقدیس کے ساتھ فاران کی پہاڑیوں میں سے ایک پہاڑی پر جلوہ گر ہوا اور زمین کو احمد کی حمد و ثنا اور تقدیس سے بھر دیا اور وہ زمین اور امتوں کی گردنوں کا مالک ہے۔

نیز یہ آیا ہے۔

لقدانکشفت السماء من بہاء محمد وامتلات الارض من حمدہ

ترجمہ۔ تحقیق محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خوبیوں سے آسمان روشن ہو گیا اور زمین اس کی تعریف و حمد سے بھر گئی۔

اور یہ بھی آیا ہے کہ

یضئی بنورہ الارض ویحمل خیلہ فی البحر۔

ترجمہ۔ اس کے نور سے زمین چمک اٹھی اور اس کے گھوڑے سمندر میں دوڑیں گے۔

اور جناب حبقوق علیہ السلام کے کلام میں یہ بھی ہے۔

سنزغ فی قیسک اغراقا وترتوی السہام بامرک یا محمد ارتواء

ترجمہ۔ جلدی ہی آپؐ کے کمان میں سختی سے تیر کھینچے جائیں گے اور یا محمد! آپؐ کے حکم پر تیر خوب سیراب ہوں گے۔

آپؐ کے حکم میں مبالغہ اور کام کے انجام کو پہنچنے کی طرف اس عبارت سے کنایہ ہے اور اس کے عہد نبوت میں دین و ملت کے کام و کمال درجے تک تکمیل پذیر ہوں گے۔ جیسے کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی حضرت وہب بن منبہ سے منقول ہے کہ اس نے کہا کہ میں نے قدیم کتب میں پڑھا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے کہا کہ میں اپنی عزت و جلال کی قسم کھاتا ہوں اور کہتا ہوں کہ میں نے عرب کے پہاڑوں پر ایک نور اتارا کہ مشرق و مغرب کو نور سے بھر دے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ایک پیغمبر پیدا کروں گا جو امی ہو گا کہ اس پر آسمان کے ستاروں کی مانند اور زمین میں روئیدگی کے برابر لاتعداد و بے شمار لوگ ایمان لائیں گے۔ میری ربوبیت پر اور اس کی رسالت پر اور اپنے آباء و اجداد کی ملتوں سے باہر نکل آئیں گے اور ان سے دور بھاگیں گے۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا پاکی ہے اے خدا تیرے لئے اور تیرے اسماء بھی پاک ہیں۔ بلاشبہ تو نے اس پیغمبر کو گرامی قدر بنایا ہے اور اسے شرافت عطاء کی ہے۔ پروردگار تعالیٰ نے کہا میں دنیا و آخرت میں اس کے دشمنوں سے انتقام لوں گا اور اس کی دعوت کو دیگر تمام دعوتوں پر ظاہر اور غالب کروں گا۔ اور جو کوئی اس کی شریعت کی مخالفت کرے گا اسے خوار و ذلیل کروں گا۔ اس کو میں نے عدل سے تربیت دی ہے اور اس کو میں عدل و انصاف کے لئے مبعوث کروں گا۔ قسم ہے مجھے اپنی عزت کی کہ میں جملہ امتوں کو اس کے ذریعے دوزخ کی آگ سے رہائی دوں گا اور میں نے ابراہیم علیہ السلام سے دنیا کا آغاز کیا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ختم کیا ہے پس جو کوئی اسکے عہد کو پائے اور اس پر ایمان نہ لائے اور اس کی لائی ہوئی شریعت کی متابعت نہ کرے پس خداوند تعالیٰ اس سے بیزار ہے۔

ذکر آنحضرت صحیفہ شعیا علیہ السلام میں **وصل:۔** صحائف شعیا علیہ السلام میں آنحضرت صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کا ذکر موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ بندہ میرا محبوب ہے میں اس سے خوش ہوں۔ وہ میری طرف سے مختار ہے۔ وہ میری ذات سے خوش ہے میں اس سے افاضہ کرتا ہوں اپنی روح کا۔ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں اپنی وحی اس کی طرف کرتا ہوں۔ پس امتوں پر اس کا عدل ظاہر ہوتا ہے۔ وہ قہقہے لگانے والا نہیں اور بازاروں میں وہ اپنی آواز بلند نہیں کرتا (بازاروں میں اس کی آواز سنائی نہیں دیتی) وہ اندھی آنکھوں کو بینا کرتا ہے اور بہرے کانوں کو سنواتا ہے۔ مردہ دلوں کو زندہ کرتا ہے میں اسے وہ کچھ عطا کروں گا جو کسی دوسرے کو نہیں دیا۔ وہ احمد ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کی حمد بجالاتا ہے۔ نئی اور تازہ حمد و ثناء۔ وہ کمزور نہیں کیا جائے گا۔ نہ ہی اسے مغلوب ہونے دیا جائے گا۔ وہ نفسانی لالچ کے ساتھ میلان نہیں رکھتا۔ وہ نیک لوگوں کو ذلیل نہیں سمجھتا۔ جو کہ کلک کی طرح کمزور و نحیف ہیں۔ وہ صدیقوں کو طاقتور کرتا ہے۔ وہ تواضع کرنے والے لوگوں کا ساتھی ہے۔ وہ خدا کا نور ہے جو بجھایا نہیں جاسکتا۔ میری محبت اسکے ساتھ ثابت ہے اور اس کے ذریعے سے عذر قطع ہو جاتا ہے۔ اس کی تورات پڑھنے سے جنات اور انسان مطیع و منقاد ہو جاتے ہیں اور یہاں تورات سے مراد وہ کتاب ہے جو موسیٰ علیہ السلام کی توریت کی قائم مقام ہے۔

اور شعیا پیغمبر علیہ السلام کے ذکر میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ

> "یا محمد! میں وہ خدا ہوں جس نے تمہیں عظیم بنایا ہے اور قوی کیا ہے حق کے ساتھ اور تجھے امتوں کا نور بنایا ہے۔ تاکہ وہ نابینا آنکھوں کو بینا کرے اور نفس و ہوا کے قیدیوں کو اندھیرے سے روشنی کی طرف لانے والی برہان ہو۔"

نیز حضرت شعیا علیہ السلام کی کتاب میں ہے۔ کہ

> "مجھے خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ اٹھ اور جو کچھ تو دیکھتا ہے اسے جمع کر اور لوگوں کو اس کی خبر دے۔ پس میں نے دیکھا کہ دو سوار میرے سامنے آتے ہیں۔ ایک گدھے پر سوار اور دوسرا اونٹ پر ایک مرو نے دوسرے سے کہا کہ بابل اور اس کے بت گر گئے جو اہل بابل نے گھڑے ہوئے ہیں۔"

ابن قتیبہ جو امت کے عالموں میں سے ہیں۔ وہ آسمانی کتابوں کو جاننے والے ہیں اور وہ ان کے محقق ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ گدھے کی سواری کرنے والے مسیح ابن مریم ہیں۔ نصاریٰ کے بیان کے مطابق۔ پس اونٹ کے سوار سے کیوں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مراد نہ ہوں گے۔ کیونکہ کہ بابل اور اس کے بتوں کا سقوط آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے ہاتھ پر ہوا اور مسیح علیہ السلام کے ہاتھ پر نہ ہوا تھا۔ اقلیم بابل میں بادشاہ ہو گزرے ہیں۔ جو ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے بتوں کی پرستش کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اونٹ کی سواری اور عیسیٰ علیہ السلام کی گدھے کی سواری بہت مشہور ہے اور حضرت شعیا علیہ السلام کی کتاب میں ہے کہ آل قیدار کے محلات سے تمام جنگل اور شہر بھر دیئے جائیں گے وہ تسبیح خدا بیان کریں گے اور پہاڑوں کی بلندیوں پر اذانیں بلند کریں گے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور بزرگی بیان کریں گے اور سمندروں پر اور ہر خشکی و تری پر اللہ تعالیٰ کی پاکی اور اس کی تسبیح و تقدیس جاری کریں گے اور وہ زمین کے انتہائی کناروں

سے تکبیر کا شور بلند کرتے ہوئے تیز رفتاری سے آئیں گے۔ وہ اپنے پاؤں کو ماریں گے۔ جس طریقے سے گل کار مٹی کو کوندتا اور کوٹتا ہے۔

اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ محبت و پیار سے آئیں گے اور ان کا تیز رفتاری سے آنا مراد ہے حج کی خاطر تیزی سے آنا۔ بلند آواز کرنا سے مراد ہے کہ تلبیہ یعنی لبیک کہتے ہوئے آنا اور طواف کے دوران رمل کا مطلب ہے اکڑ اکڑ کر چلنا اور ابن قتیبہ کہتے ہیں آل قیدار عرب لوگ ہیں۔ کیونکہ اس امر پر اجماع ہے کہ اسماعیل علیہ السلام کے بیٹے کا نام قیدار تھا۔ اور ابن قتیبہ کا بیان ہے کہ حضرت شعیا علیہ السلام کی کتاب میں مکہ شریف۔ بیت اللہ شریف اور حجر اسود کے بارے میں بھی مذکور ہے۔ یعنی وہ حجر اسود کا استیلام کریں گے یعنی بوسہ دیں گے شعیا علیہ السلام فرماتے ہیں۔ کہ رب تعالیٰ نے فرمایا کہ خبردار ہو جاؤ کہ صیہون یعنی مکہ شریف میں اپنا گھر بناؤں گا۔ جس کے ایک کونہ میں حجر اسود ہو گا۔ اس کو میں نے بزرگی اور کرامت عطاء کی ہے۔ اسے چوما جائے گا اور اللہ تعالیٰ نے مکہ سے مخاطب ہو کر فرمایا اے بانجھ تو خوش ہو جا اور تسبیح کے ساتھ کلام کر کیونکہ تیرے اہل میرے اہل کی نسبت تعداد میں زیادہ ہوں گے اپنے اہل سے مراد بیت المقدس کو ماننے والے یعنی نبی اسرائیل ہوں گے اور مکہ میں بیت اللہ کا حج و عمرہ کرنے والے تعداد میں ان سے زیادہ ہوں گے اور مکہ شریف کو بانجھ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام سے قبل اس علاقے میں کوئی بھی آباد نہ تھا اور نہ ہی اس مقام پر کتاب الہیہ کا کوئی نزول ہوا تھا۔ اس کے برعکس بیت المقدس میں بہت انبیاء ہوئے ہیں اور بیت المقدس اس طرح سے مقام نزول وحی بنا رہا۔ علاوہ شعیا علیہ السلام کی کتاب میں درج ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مکہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا مجھے اپنی ذات کی قسم جس طرح نوح علیہ السلام کے دور میں میں نے قسم اٹھائی تھی کہ میں نے زمین والوں کو بذریعہ طوفان غرق کر دیا۔ اسی کی مانند اب تمہاری خاطر مجھے اپنی ذات کی قسم ہے کہ میں کسی وقت بھی تمہارے ساتھ ناراض نہ ہوں گا اور تجھ کو ہرگز کبھی چھوڑوں گا نہیں۔ جب تک کہ تمام پہاڑ اپنے مقامات سے نہ چلے جائیں۔ (یعنی غائب نہ ہو جائیں) اور اونچے قلعے پست نہ ہو جائیں اور میری عطاء کی ہوئی نعمت تجھ سے زائل نہ ہو گی۔ اے سکینہ تو آگاہ رہ کہ میں تمہاری دیواریں پتھر سے بناؤں گا اور جواہرات سے تجھ کو مزین کروں گا اور چمکدار موتیوں اور زبرجد سے تیری چھت اور دروازے آراستہ کروں گا۔ اور تو ظلم سے دور رہے گا اور تجھے کسی ہتھیار وغیرہ سے جو کوئی بنائے تجھے نقصان نہ پہنچنے دیا جائے گا۔ اب اٹھو اور روشن ہو جاؤ کہ تمہارا نور قریب پہنچ چکا ہے۔ خدا تعالیٰ کا عز و وقار تم سے ہے خوشخبری ہو خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے نور کے ظہور کی اور اسی کی مانند حرم شریف کا تذکرہ کیا ہے کہ بھیڑیا اور بکری اکٹھے چریں گے اور اس کے راستوں کی توصیف کی گئی ہے۔ کہ ان کی فضیلت و اکرام تحریر کی حدوں سے باہر ہے اور بیان میں نہیں آ سکتی بالجملہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی صفات اور ان کے احوال شریف قدیم اور پہلی کتابوں میں اس قدر زیادہ ہیں کہ ان میں کسی قسم کا اخفاء یا شک و شبہ نہیں ہو سکتا سوائے اس کے کہ دین کے دشمنوں نے ان کا نام شریف تبدیل کر دیا۔ اس کے باوجود اس کے دلائل و شواہد ظاہر و باہر ہیں۔ یریدون لیطفؤا نور اللہ بافواھھم واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون○ و صلی اللہ علی سید الاولین و

اخرین وخاتم الانبیاء والمرسلین وعلیٰ الہ واصحابہا جمعین۔

روایاتی بشارتیں۔ وصل:۔ اجمالی طور پر معلوم ہو گیا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ذکر شریف سابقہ آسمانی کتب میں مذکور و مسطور ہے۔ اور اہل کتاب اس امر سے قطعی اور یقینی طور پر آگاہ تھے اور حسد و عناد اور شقاوت و خسارت کے غلبہ کے باعث انکار و ارتداد کے راہ پر چل پڑے اور اس میں تبدیلی اور تحریف و تغیر کردی اس سلسلہ میں اس مقام پر اگر بعض حکایتیں اور روایتیں جو حقیقت کو آشکارا کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی تفصیل بیان کرتی ہیں بیان کردی جائیں تو مناسب رہے گا اگرچہ ان کا ذکر کسلمند لوگوں کے لئے طوالت کا باعث ہی ہو گا۔ لیکن چونکہ ان کا ذکر ارباب دین و شوق اور سید المرسلین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے عاشقوں کے لئے مزید علم و یقین اور خوشی کا باعث ہے اس لئے چھوڑ کر آگے نہیں چلایا جاسکتا کیونکہ ہر چیز سے زیادہ محبوب کے متعلق باتیں خوش تر ہیں۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے والد مالک بن سنان جو شہدائے احد میں سے ہیں ان سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ ایک روز میں بنی عبد الاشہل کے پاس آیا تاکہ ان کے ساتھ بیٹھوں اور بات چیت کروں۔ اور ان دنوں ہماری یہود کے ساتھ صلح تھی۔ پس ایک یہودی جس کا نام یوشع تھا اس کو کہتے ہوئے میں نے سنا کہ ایک پیغمبر کے ظہور کا وقت آگیا ہے جس کا نام احمد ہے۔ وہ حرم یعنی مکہ شریف سے ظاہر ہو گا اور یہ مدینہ شریف اس کی ہجرت گاہ ہے۔ پس میں اپنی قوم کی طرف واپس آیا اس حالت میں کہ میں یوشع کی کہی ہوئی بات پر تعجب کرتا تھا۔ پس میں نے اپنی قوم کے ایک آدمی کو کہتے ہوئے سنا۔ یہ بات صرف یوشع ہی نہیں کہتا بلکہ یثرب کے تمام یہودی کہتے ہیں۔ پس میں باہر آیا اور بنی قریظہ کے پاس گیا پس وہ تمام بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ذکر کرتے تھے اور زبیر بن باطا جو کہ یہودیوں کے رؤساء میں سے تھا کہتا تھا کہ بلاشبہ وہ سرخ ستارہ طلوع ہو گیا ہے جو صرف کسی پیغمبر کے ظہور ہی کے وقت طلوع ہوتا ہے اور انبیاء میں سے کسی کا ظہور باقی نہیں سوائے احمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کے اور یہ شہران کی ہجرت گاہ ہے۔

ابو سعید خدری کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مدینہ شریف میں قدم رنجہ فرمایا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو میں نے اس حکایت کی خبر دی اور آپ نے فرمایا کہ اگر یہود میں سے زبیر اور اس کے دوست اسلام قبول کر لیتے تو تمام یہود جو ان کے ماتحت تھے اسلام لے آتے۔

حضرت قتادہ سے روایت ہے کہ یہود عرب کے کافروں کے ساتھ جنگ میں فتح کی دعا کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ اے خداوند! جس امی نبی کا ذکر اپنی تورات میں ہم پڑھتے ہیں انہیں مبعوث فرمایا تاکہ وہ ان کفار کو عذاب کریں اور قتل کریں اور ان کی آرزو یہ تھی کہ نبی ان کی جنس میں سے ہوں۔ یعنی بنی اسرائیل سے اور جب آپ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) ان کے سوا دوسری جنس سے ظاہر ہوئے تو وہ حسد کرنے لگے اور کفر اختیار کیا۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ مقوقس بادشاہ کے پاس گئے تو مقوقس نے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) اللہ کے بھیجے ہوئے نبی ہیں اگر وہ قبط یعنی مصر یا روم میں ہوتے تو سب لوگ ان کی متابعت کرتے۔

مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد اسکندریہ میں میں قیام پذیر ہوا اور میں نے کوئی گرجہ نہ چھوڑا جہاں میں نہ گیا اور مصر و روم میں تمام پادریوں سے ان اوصاف آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے متعلق پوچھا جو وہ اپنی کتابوں میں پاتے تھے۔ وہاں ایک اسقف ان میں سے بزرگ ترین تھا۔ وہ اپنے بیماروں کو ان کے پاس لاتے تھے۔ وہ ان کے لئے دعا کیا کرتا تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ مجھے خبردے کہ آیا پیغمبروں میں سے ابھی کوئی پیغمبر ایسا باقی ہے جو ابھی تک ظاہر نہ ہوا ہو۔ اس نے کہا ہاں۔ وہ آخرالزمان پیغمبر ہیں۔ ان کے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان کوئی دوسرا پیغمبر نہیں ہے اور وہ نبی ایسے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام نے ان کے متعلق ہم کو حکم دیا ہے۔ کہ اس کی پیروی کریں اور وہ عربی نبی امی ہے۔ اس کا نام احمد ہے۔ وہ نہ دراز قد ہیں اور نہ کوتاہ قد۔ اس کی دونوں آنکھوں میں سرخی ہے اور سفیدی نہیں۔ اس کے بال گھنے ہیں (گھبے دار ہیں) وہ کھردرا لباس پہنتے ہیں اور جو میسر آجائے کھانے کے لئے اسی پر کفایت کرتے ہیں۔ ان کی تلوار ان کے کندھے پر ہے اور جو کوئی بھی ان کے سامنے آئے وہ ان سے خوفزدہ نہیں ہوتے۔ وہ قتل کرنے میں پہل نہیں کرتے اس کے ساتھ اس کے صحابہ ہیں جو ان پر جان فدا کرتے ہیں۔ وہ اپنے باپوں اور بیٹوں سے زیادہ اور پیغمبر کے ساتھ محبت کرتے ہیں۔ وہ اس علاقے میں پیدا ہوں گے۔ جہاں سلم کے درخت ہوتے ہیں۔ وہ حرم شریف سے باہر نکلیں گے اور دوسرے حرم کی طرف ہجرت فرمائیں گے۔ وہ زمین شور سے خرمازار (کھجوروں کا علاقہ) کی طرف ہجرت کریں گے اور اپنا تہبند پنڈلی کے درمیان باندھیں گے اور اپنے اعضاء کی اطراف کو دھوتے ہیں (وضو کرتے ہیں) وہ ایسی صفات سے متصف ہیں۔ جو دوسرے انبیاء میں نہیں ہیں۔ ہر نبی اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوتا ہے اور تمام زمین اس کے لئے مسجد کا حکم رکھتی ہے اور پاک ہے جس مقام پر بھی نماز کا وقت آجاتا ہے وہ تیمم کرتے ہیں اور نماز ادا کرتے ہیں اور مغیرہ اس سفر سے واپس لوٹا اور وہ اسلام لایا تو جو کچھ اس نے سنا تھا۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم اور صحابہ کرام کے سامنے بیان کیا۔

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے والد زید بن عمرو بن نفیل طلب دین میں نکلے۔ وہ موصل میں رہنے والے ایک راہب کے پاس آئے۔ اس نے زید سے پوچھا کہ کہاں سے آئے ہو تو زید نے جواب دیا کہ بیت ابراہیم سے آیا ہوں۔ اس نے کہا کہ کیا تلاش کرتے ہو۔ زید نے کہا کہ دین کی تلاش میں ہوں۔ اس نے کہا کہ واپس چلے جاؤ وقت قریب ہے کہ جو کچھ تم تلاش کرتے ہو وہ ظاہر ہو تمہارے ہی علاقہ میں اور ابن زید بن عمرو بن نفیل کو زمانہ جاہلیت کا موحد کہتے ہیں اور مشرکوں کا ذبح کردہ نہ کھاتے تھے اور تورات کو اپنی قوم پر تلاوت کرتے تھے اور صحیح بخاری میں اس کا ذکر ہے۔

اور حضرت مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت آئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو بہشت میں داخل کرنے کے لئے اپنا پیغمبر مبعوث فرمایا اور اس کا قصہ اس طرح ہے کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم ایک گرجا میں تشریف لائے۔ ایک یہودی کو دیکھا جو اپنی قوم کے سامنے تورات پڑھ رہا تھا اور جب وہ نبی آخرالزمان کے ذکر پر پہنچے تو خاموش ہو گئے اور پڑھنے سے رک گئے۔ اور ایک کونے میں ایک بیمار پڑا ہوا تھا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا کہ پڑھنے سے رک

کیوں گئے ہو تو وہ بیمار شخص کہنے لگا یہ پڑھتے پڑھتے نبی آخر الزماں کے ذکر پر پہنچے ہیں تو انہوں نے پڑھنا بند کر دیا ہے۔ پس وہ بیمار شخص بچوں کی مانند بڑبڑاتا ہوا آیا۔ اس نے تورات پکڑی حضور صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی صفت پڑھی اور کہا کہ یہ آپؐ کی توصیف ہے اور پھر اس نے پڑھا اشھدان لا الہ الا اللہ و اشھد انک رسول اللہ اسی کلمہ پر اس نے جان دے دی۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ اپنے بھائی کی تجہیز و تکفین کرو۔

اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت آئی ہے کہ جب تبع حاکم طائف مدینہ میں آیا اور اس نے کہا کہ میں اس شہر کو تباہ کروں گا اور کہتے ہیں کہ اہل مدینہ نے اس کے بیٹے کو دھوکے اور بد عہدی سے مار دیا تھا پس شامول یہودی نے جو کہ ان دنوں یہود کا سب سے بڑا عالم تھا کہا کہ اے بادشاہ یہ وہ شہر ہے۔ جس کی طرف ایک پیغمبر ہجرت کر کے آئے گا۔ جو بنو اسماعیل سے ہو گا اس کی جائے پیدائش مکہ شریف ہے اور اس کا نام احمد ہو گا اور یہ شہر اس کا دار ہجرت ہے اور اس کی قبر شریف بھی اسی جگہ ہو گی۔ پس تبع اسی طرح واپس چلا گیا۔

اور محمد بن اسحاق اپنی کتاب مغازی میں لکھتے ہیں کہ تبع نے نبی آخر الزماں کے لئے ایک خوبصورت گھر تعمیر کیا اور اس کے ہمراہ چار صد علماء تھے جو تورات کا علم رکھتے تھے۔ جنہوں نے تبع کا ساتھ چھوڑ کر مدینہ میں اختیار کر لی۔ ان کی آرزو تھی کہ نبی آخر الزماں کی صحبت سے سعادت حاصل کریں۔ تبع نے ہر ایک کے لئے وہاں مکان تعمیر کرایا اور ہر ایک کو ایک باندی بھی ساتھ دی اور انہیں بہت سا مال بھی عطاء کیا اور اس نے ایک خط تحریر کیا اس میں اپنے اسلام لانے کے بارے میں لکھا ہے۔ اس میں سے یہ ابیات ہیں۔

شھدت علی احمد انہ رسول من اللہ باری النعیم فلو لا عمری الی عمرہ لکنت وزیر لہ وابن عم

ترجمہ: میں احمد (صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم) کی گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ہیں۔ جس نے مٹی سے انسان پیدا کیا اگر میں ان کے زمانہ تک زندہ رہا تو ان کا وزیر اور چچا زاد ہوں گا۔

پس تبع نے وہ خط سر بمہر کیا۔ چار سو علماء میں جو سب سے زیادہ عالم تھا اس کو سپرد کیا۔ اور اس نے اسے وصیت کی کہ اگر اس نے آخری الزماں پیغمبر کو پالیا تو یہ خط ان کی بارگاہ رسالت میں پیش کرے۔ ورنہ یہ وصیت اپنی اولاد در اولاد کے ذریعے ان تک پہنچا دے جو مکان اس نے خاتم انبیاء کے لئے بنایا تھا۔ وہ حضور علیہ السلام کی تشریف آوری تک قائم تھا اور کہتے ہیں کہ حضرت ابو ایوب انصاری کا مکان جس میں آنحضرتؐ نے نزول فرمایا تھا۔ یہ وہی مکان تھا۔

روایت۔ زبیر بن بطا یہود کا بڑا عالم تھا۔ اس نے کہا کہ میرے پاس ایک خط ہے۔ جس پر میرے والد نے مہر لگائی تھی اس پر اس میں احمد (صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم) کا ذکر ہے جو پیغمبر ہیں۔ وہ قرظ کی زمین سے ظاہر ہوں گے۔ ان کے اوصاف اس طرح کے ہیں۔ ان کے بعد اس نے اپنے والد کی وفات کے بعد اس کا ذکر کیا۔ ابھی آنحضرت علیہ و آلہ و سلم کا ظہور نہیں ہوا تھا۔ اور اس نے سنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم مکہ میں ظاہر ہوئے ہیں۔ تو اس نے وہ خط ضائع کر دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے مرتبے اور اوصاف کو چھپانا شروع کر دیا۔

اور بنی قریظہ بنو نضیر اور فدک و خیبر کے یہود تھے۔ وہ قبل از بعثت محمدیہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ان کی صفات سے واقف تھے اور وہ کہا کرتے تھے کہ مدینہ ان کا دار ہجرت ہے اور جب آنحضرت پیدا ہوئے تو یہ یہود کہنے لگے کہ آج کی رات احمد پر ہو گئے ہیں اور ان کی ولادت کا ستارہ طلوع ہو چکا ہے۔ اور جب مبعوث ہوئے تو انہوں نے کفر اختیار کیا۔ یہ سب کچھ بغاوت، حسد اور عناد کی وجہ سے تھا۔

روایت۔ ہشام بن عروہ اپنے والد سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودی مکہ شریف میں تجارت کے سلسلہ میں قیام پذیر تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی پیدائش مبارک کی رات آئی تو اس وقت وہ یہودی قریش کی ایک مجلس میں بیٹھا ہوا تھا۔ اسنے کہا کیا تمہارے ہاں کوئی بچہ پیدا ہوا ہے آج کی رات لوگوں نے کہا ہمیں معلوم نہیں ہے۔ تو اس نے کہا کہ پتہ کرواے معشر قریش تحقیق دکھائی دیتا ہے کہ آج کی رات اس امت کا احمد نامی پیغمبر پیدا ہو گیا ہے اس کے دونوں کندھوں کے درمیان علامت ہے۔ جس میں بال ہیں۔ پس اہل قریش منتشر ہو گئے جب کہ وہ یہودی کی بات پر تعجب کرتے تھے جب وہ اپنے گھروں میں آئے تو انہوں نے اپنے اہل و عیال سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ عبداللہ بن عبدالمطلب کے ہاں بیٹا پیدا ہوا ہے آج کی رات جس کا نام محمد لیتے ہیں (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) پس وہ یہودی کے پاس آئے اور اسے بتایا کہ ہمارے درمیان ایک بچہ پیدا ہوا ہے اس نے پوچھا کہ میرے خبر دینے کے بعد پیدا ہوا ہے یا کہ اس سے پہلے۔ انہوں نے کہا کہ اس سے پہلے تو یہودی نے کہا کہ مجھے اس کے پاس لے چلو پس وہ اس کو آمنہ رضی اللہ عنہا کے پاس لے گئے اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کو باہر لائے پس یہودی نے پشت مبارک پر علامت دیکھی اور بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ جب افاقہ ہوا تو لوگوں نے پوچھا کہ تجھے کیا ہوا تھا؟ اس نے کہا کہ بنو اسرائیل سے آج نبوت نکل گئی ہے اور کتاب بھی ان کے ہاتھوں سے نکل گئی ہے۔ اور یہ وہ بچہ ہے جو ان کو مارے گا۔ اور ہلاک کرے گا ان کے احبار کو۔ عربوں کو نبوت مل گئی ہے اے معشر قریش! تمہیں مبارک و شادمانی ہو۔ اور آگاہ رہو خدا کی قسم۔ تم کو غلبہ اور شوکت حاصل ہو گی۔ مشرق سے لے کر مغرب تک۔ اور اس حکایت کا تتمہ (آخری حصہ) بھی ہے جو ولادت آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بیان میں آئے گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت آئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ الہ وسلم بیت مدراس میں آئے اور فرمایا جو تم میں سب سے بڑا عالم ہے اسے میرے پاس باہر لاؤ۔ وہ عبداللہ بن سوریا کو بلا لائے۔ آنحضرت اس کو تنہائی میں لے گئے اور اس سے گفتگو کرنے لگے۔ آپ نے اس سے فرمایا۔ مجھے تیرے دین کی قسم جو بطور نعمت بنی اسرائیل کو عطاء ہوا اور جو من و سلویٰ کھلایا اور ان پر ابر کا سایہ کیا گیا کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ اس نے کہا اللھم نعم (ہاں) میں اور میری قوم سب پہچانتے ہیں جو کچھ میں جانتا ہوں آپ کی تعریف اور آپ کی خصوصیات تورات میں بیں طور مسطور ہیں۔ لیکن یہ قوم تم سے حسد کرتی ہے پس آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ تمہیں کون سی چیز ایمان لانے سے باز رکھے ہوئے ہے اور تو مسلمان نہیں ہوتا۔ اس نے کہا کہ میں اپنی قوم کی مخالفت کرنا اچھا نہیں سمجھتا۔ امید رکھتا ہوں کہ یہ سب آپ کی پیروی

اختیار کرلیں گے مسلمان ہو جائیں گے اور میں بھی مسلمان ہو جاؤں گا۔

حضرت طلحہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں بصرہ کے بازار میں موجود تھا۔ جو کہ بلاد شام میں واقع ہے۔ اچانک میں نے ایک راہب کو اپنی عبادت گاہ میں کہتے ہوئے سنا کہ کہتا ہے۔ آیا تم میں سے کوئی آدمی اہل مکہ میں سے بھی ہے۔ طلحہ نے کہا کہ میں اہل حرم سے ہوں۔ اس نے پوچھا کہ کیا مکہ میں احمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ظاہر ہوئے ہیں۔ میں کہا کہ احمد کون ہے۔ اس نے احمد ابن عبدالمطلب۔ یہ وہ ایام ہیں کہ جن میں ان کا ظہور کا وقت ہے۔ اور وہ آخری زمانہ کے نبی ہیں۔ اور ان کے ظہور کا مقام مکہ شریف ہے اور ان کا دار ہجرت یثرب کا نخلستان اور سنگستان اور وہاں کی شورہ زمین ہے۔ طلحہ نے کہا پس راہب کی بات میرے دل میں بیٹھ گئی۔ پس میں وہاں سے مکہ میں آیا۔ اور میں نے پوچھا کہ آیا کوئی حادثہ رونما ہوا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ ہاں محمد بن عبداللہ نے دعویٰ نبوت کیا ہے۔ اور ابوبکر ابن ابی قحافہ نے ان کی متابعت اختیار کرلی ہے۔ پس میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان کو راہب کے قول سے آگاہ کیا۔ پس میں نے کہا کہ کیا تو نے اس آدمی کی پیروی اختیار کرلی ہے۔ انہوں نے کہا ہاں۔ پس ابوبکر طلحہ کو اپنے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے گئے اور طلحہ نے آنحضرت کی پیروی اختیار کی۔

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس وقت حق تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو بھیجا اور اللہ تعالیٰ کا امر ظاہر ہوا مکہ شریف میں۔ میں شام کی جانب باہر آیا۔ جب میں بصریٰ پہنچا تو نصاریٰ کی ایک جماعت آئی انہوں نے مجھے پوچھا کیا تو حرم سے آیا ہے میں نے جواب دیا کہ ہاں۔ انہوں نے پوچھا کیا تو اس مرد کو جانتا ہے جس نے پیغمبری کا دعویٰ کیا تمہارے درمیان میں نے کہا میں اسے پہچانتا ہوں۔ پس انہوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے ایک عبادت خانہ میں لے گئے۔ وہاں بہت سی تصویریں اور تمثیلیں تھیں۔ مجھے کہنے لگے دیکھو تو کیا تمہیں ان تصویروں میں اس شخص پیغمبر کی صورت بھی نظر آتی ہے جو تمہارے درمیان پیدا ہوا ہے۔ پس میں نے ان پر نظر کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صورت اور توصیف نیز ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تصویر بھی نظر آئی۔ ابوبکر نے آنحضرت کے زانو مبارک پکڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے پوچھا کیا تم نے اس کو پہچانا ہے؟ میں نے کہا ہاں میں نے کہا کہ ان کے متعلق میں تم کو خبر نہ دوں گا جب جان نہ لوں کہ وہ ان کے متعلق کیا کہتے ہیں۔ پس انہوں نے آنحضرت کی توصیف بیان کی۔ پس میں نے کہا کہ وہ حقیقتاً وہی ہے۔ (جس کی توصیف کرتے ہو) انہوں نے پوچھا کیا اس مرد کو پہچانتے ہو جس نے ان کے زانو مبارک پکڑے ہوئے ہے۔ میں نے کہا ہاں میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ اس کا دوست ہے اور اس کے بعد اس کا خلیفہ ہے میں نے کہا کہ میں ڈرتا ہوں کہ قریش اسے مار دیں گے۔ انہوں کہا کہ اللہ کی قسم وہ اسے نہیں مار سکیں گے۔ واللہ وہ آخر الزمان پیغمبر ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو سب پر غالب کردے گا۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بنت حیی بن اخطب یہودی جو کہ امہات المومنین میں سے ہیں ان سے روایت ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قدم رنجہ فرمایا اور قباء میں نزول فرمایا۔ میرا والد حیی بن اخطب اور میرا چچا

ابو یسیر بن اخطب رات کے اندھیرے میں صبح کے وقت آنحضرت کے پاس گئے اور واپس نہ آئے حتیٰ کہ شام ہو گئی۔ جب وہ گھر پہنچے تو میں نے انہیں بوجھل بوجھل سے ست ست اور غمناک دیکھا۔ اتنا زیادہ کہ اس سے زیادہ تصور میں بھی نہیں لایا جا سکتا۔ گھر میں داخل ہوتے ہی پڑ گئے۔ اولاد میں سے میں ان کے نزدیک سب سے پیاری تھی۔ حسب سابق میں ان کے سامنے آئی۔ وہ غم واندوہ میں اتنے دبے ہوئے تھے کہ میری طرف توجہ نہ کر سکے۔ اس دوران میرے چچا نے میرے والد سے پوچھا۔ آیا یہ وہ ہی ہیں؟ میرے والد نے میرے چچا کو جواب دیا کہ ہاں ہیں تو یہ وہی ہیں۔ خدا کی قسم یہ وہی پیغمبر ہیں۔ چچا جان نے دوبارہ ان سے سوال کیا کہ تمہیں یقین ہے کہ یہ وہی ہیں۔ میرے والد صاحب نے کہا کہ خدا کی قسم میں یقین سے جانتا ہوں کہ یہ پیغمبر وہی ہیں۔ چچا نے پھر پوچھا کہ تمہارے دل میں ان کے متعلق کیا محسوس ہوتا ہے۔ محبت یا دشمنی۔ اس نے جواب دیا کہ دشمنی اللہ تعالیٰ کی قسم جب تک زندگی ہے مسلسل ان کی عداوت میں کوشش کرتا رہوں گا۔ پس یہ ہر دو اشخاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دشمنی میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے شقی ازلی ہو گئے اور وبال و نکال میں گرفتار ہو گئے۔

ان یہود میں سے بعض تو بدنصیب اور شقی تھے جنہوں نے دنیا کے حقیر اور ذلیل متاع کو جمع کرنے کے خاطر نیز دنیا کی حفاظت اور صیانت کے حیلہ بہانہ اور منافقت کو وسیلہ بنا کر اسفل ترین گڑھے میں گر گئے۔ ان میں بعض علماء اور احبار یہود بھی تھے۔ جن کی پیشانی اقبال پر دائمی رحمت و سعادت مندی پہلے ہی کندہ تھی۔ وہ اسلام اپنانے میں سبقت لے گئے اور اخروی جہان کے لئے سرمایہ اور سعادت سمیٹ لیں۔ جس طرح کہ حضرت عبداللہ بن سلام وغیرہ رضی اللہ عنہم تھے۔

مخریق نامی یہود بڑا عالم، دولتمند اور حسین صورت تھا۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے اوصاف و خصوصیات سے خوب واقف تھا۔ اور اس پر وہ قائم تھا۔ جنگ احد کے روز اس نے اپنی قوم سے کہا۔ اے معشر یہود! اللہ کی قسم تم اچھی طرح واقف ہو کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد کرنا ہم سب پر ضروری ہے۔ پس تم اس سعادت مندی سے بہرہ ور ہونے کی کوشش کرو۔ یہودیوں نے کہا آج سبت کا دن ہے۔ یعنی ہفتہ کا دن۔ اس نے کہا کوئی ہفتہ نہیں ہے۔ پھر وہ اپنے ہتھیار اٹھا کر باہر نکل آئے اور ایمان لانے کے بعد انہوں نے وصیت کی کہ اگر میں آج کے دن مارا گیا تو میرا تمام مال متاع جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے وقف ہو گا جو وہ چاہیں اس سے کریں اور جس کو چاہیں اسے عطاء کر دیں۔ اس کے بعد وہ شہید ہو گئے آنحضرت نے ان کا سارا مال اپنے قبضہ میں کر لیا حضور نے اسی مال میں سے عام صدقہ فرمایا۔

حضرت سلیمان فارسی رضی اللہ عنہ نصاریٰ کے علماء اور ان کے راہبوں سے آنحضرت کے متعلق سننے کے بعد آپ کی تلاش میں تین صد سال اور دوسری روایت کے مطابق اس سے بھی زیادہ لمبے عرصہ تک روئے مقصود کی زیارت کے لئے دوڑے پھرتے رہے یہ قصہ مشہور ہے۔ اور بھی بہت سی خبریں ہیں۔

xx

باب پنجم

ذکر فضائل کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم و دیگر انبیاء علیہم السلام میں مشترک ہیں

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے کعبہ شریف کی بنیاد رکھنے کا شرف عطاء فرمایا۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کعبہ شریف کی بنیاد رکھی اور حجر اسود کو اس کے مقام پر نصب فرمایا۔ تاکہ انکی امت جو کہ خیر الامم ہے۔ اس کا طواف کرے۔ پس کعبہ شریف کی بنیاد رکھنے میں آنحضرتؐ کا عمل قوی تر ہے اور کامل تر ہے اور جو فضیلت موسیٰ علیہ اسلام کو دی گئی تھی کہ ان کا عصاء اژدہا بن جاتا تھا جو کہ غیر ناطق تھا اور سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو یہ فضیلت عطاء ہوئی کہ استن حنانہ جو مسجد میں تھا۔ آنحضرتؐ کے فراق میں فریاد کرتا تھا اور روتا تھا۔ یہ لکڑی تھی جیسے کہ اس کا قصہ معجزات کے باب میں آئے گا اور امام فخرالدین رازی نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ ابوجہل نے چاہا کہ وہ لعین آنحضرت پتھر پھینکے اور آپ کو پیس ڈالے پس اس نے آنحضرتؐ کے ہر دو بازو پر دو اژدہا دیکھے۔ وہ ڈر کر بھاگ گیا اور موسیٰ علیہ اسلام کو ید بیضاء عطاء فرمایا کہ اس کی روشنائی میں آنکھیں چندھیا جاتی تھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو سر سے قدم تک سراپا نور بنایا کہ ان کے جمال باکمال کو دیکھنے سے دیدہ حیرت خیرہ ہو جاتا تھا۔ آفتاب و ماہتاب کی طرح روشن تھا اور آپؐ کے جسم اطہر پر بشریت کا نقاب نہ ہوتا تو کسی کو آپ کے حسن پاک پر نظر ڈالنے اور اس کے ادراک کی مجال نہ ہوتی۔ آپ کا جوہر ہمیشہ ہی نور تھا۔ جس نے آباء و اجداد کی صلبوں اور امہات کے رحموں سے آدم علیہ السلام کے زمانہ سے عبداللہ کی صلب اور آمنہ سلام اللہ علیہم اجمعین کی رحم تک منتقل ہوتا آیا۔

فائدہ۔ حضرت قتادہ بن النعمان جو صحابہ کرام میں سے ہیں انہوں نے ایک رات عشاء کی نماز آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ ادا کی۔ اس رات کو ابر چھایا ہوا تھا اور بارش تھی۔ اور سخت اندھیرا تھا۔ پس آنحضرتؐ نے کھجور کے درخت کی ایک شاخ اس کے ہاتھ میں دے کر فرمایا اسے پکڑ لو یہ تمہارے آگے اور پیچھے روشنی کرے گی دس گز تک اور جب تو اپنے گھر میں آئے گا تو اس میں ایک سیاہ رنگ کے سانپ کو دیکھے گا اسے مار دینا اور باہر پھینک دینا۔ (رواہ ابو نعیم)

اور بخاری شریف اور دیگر کتابوں میں ذکر کیا گیا ہے کہ عباد بن بشر اور اسید بن خضیر تاریک رات کو آنحضرتؐ کی خدمت میں سے باہر آئے ہر دو کے ہاتھ ایک ایک عصاء تھا۔ پس ان دونوں میں سے ایک کا عصاء روشن ہو گیا اور وہ اس کی روشنی میں راستہ طے کرتے تھے اور جب وہ ایک دوسرے سے جدا ہوئے تو دوسرے شخص کا عصاء بھی روشن ہو گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بذات خود عین نور تھے اور نور آپ کے اسماء شریف میں سے اسم ہے۔

اور امام بخاری تاریخ میں اور ابو نعیم اور بیہقی حمزہ سلمیٰ سے روایت لائے ہیں کہ ہم ایک سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ پس ہم اندھیری رات میں منتشر ہو گئے پس میری انگلیاں روشن ہو گئیں حتیٰ کہ ہم سب ان کی روشنی میں جمع ہو گئے اور ہم میں سے کوئی بھی ہلاک نہ ہوا اور میری انگلیاں بدستور روشن تھیں۔

نیز حدیث شریف میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ایک صحابی کو اپنی قوم میں دعوت اسلام کے لئے بھیجا اس نے عرض کیا کہ حضور کوئی عطاء فرمائیں تاکہ محبت ہو۔ پس آنحضرت نے اپنی انگلی اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان لگائی اور اس جگہ سے سفیدی اور نور ظاہر ہو گیا۔ اس صحابی نے عرض کیا اور کہا کہ لوگ اسے برص کی بیماری نہ خیال کریں جیسے موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں بھی آیا ہے بیضاء من غیر سوء (بے نقص چمک) آنحضرت نے ان کی روشنی کو ان کے تازیانے (عصاء) کی طرف منتقل فرمادیا یہ احادیث آنحضرت کی نورانیت پر پہلی ہیں اور اس پر کہ یہ نورانیت آپ کی بارگاہ کے خدام میں ان کے عصاء اور تازیانہ کی مانند سرایت کرتی ہے۔ کیونکہ آنحضرت کی ذات اور ان کے اعضاء نور علیٰ نور ہیں۔ یهدی اللہ لنورہ من یشاء۔

موسیٰ علیہ السلام کے لئے دریا پھٹ گیا لیکن اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ آنحضرت کے لئے چاند کو توڑا گیا کیونکہ وہ تو تصرف ہے زمین پر اور یہ تصرف ہے عالم آسمانی میں۔ دونوں میں فرق واضح ہے۔ اور روایات میں آیا ہے کہ زمین و آسمان کے درمیان ایک دریا ہے۔ جس کو مکفوف کہتے ہیں اور زمینی دریا اس کے مقابلے میں ایک قطرہ کی حیثیت رکھتا ہے اور اس تقدیر پر وہ دریا آنحضرت کے لئے پھٹ گیا کیونکہ آنحضرت اس میں سے معراج کی شب گزر گئے اور موسیٰ علیہ السلام کے لئے سمندر کے پھٹ جانے کے مقابلے میں یہ عظیم تر ہے۔

اور موسیٰ علیہ السلام کی دعا کی فرعون کی ہلاکت کے لئے قبول ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبولیت دعا تعداد بے شمار اور بے حساب ہے اور موسیٰ علیہ السلام کو پتھر سے پانی کا اجراء اور پتھر سے چشمے جاری ہونا عطاء کیا گیا ہے۔

آنحضرت کی انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری ہوئے یہ زیادہ ابلغ اور اکمل ہے۔ پتھر زمین کی جنس سے ہے۔ اس سے چشمے نکلتے ہی رہتے ہیں۔ لیکن وہ تو گوشت و پوست سے چشمے پھوٹے۔

نیز وہ جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کلم اللہ موسیٰ تکلیما (اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بلا واسطہ کلام کیا) ہمارے محبوب علیہ الصلوۃ والسلام کو یہ شرف بھی معراج کی رات عطاء کی گئی۔ بلکہ آپ کو زیادہ قرب بھی عطاء ہوا۔ نیز آنحضرت کا مقام مناجات آسمانوں پر سدرۃ المنتہیٰ کے مقام پر ہے۔ جہاں کہ مخلوق کے علوم کی انتہا ہوتی ہے۔ اور موسیٰ علیہ السلام کا مقام مناجات کوہ طور ہے۔ اور مقام مناجات محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آسمان ہیں۔

فصاحت ہارون علیہ السلام۔ اور وہ جو ہارون علیہ السلام کو فصاحت زبان عطاء کی گئی تھی۔ جس طرح کہ حدیث شریف میں آتا ہے۔ اخی ہارون ھو افصح منی لسانا (میرے برادر ہارون میری نسبت زبان میں زیادہ فصیح ہیں) ہمارے آقا و مولا سیدنا صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت و بلاغت اس حد تک دی گئی ہے کہ اس سے زیادہ متصور نہیں ہو سکتی۔ بلکہ اس جتنی بھی نہیں اور ہارون علیہ السلام کی فصاحت عبرانی زبان میں تھی اور عربی زبان عبرانی زبان سے زیادہ افصح ہے۔ نیز موسیٰ علیہ السلام نے کہا افصح منی کہا۔ مطلق طور پر نہ کہا اور موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں لکنت تھی۔ جس طرح کہ اس کا قصہ مشہور ہے۔

یوسف علیہ السلام کا حسن و جمال۔ یوسف علیہ السلام کو نصف حصہ حسن کا دیا گیا تھا اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام حسن دیا گیا اور کل حسن عطاء ہوا اور جو آدمی اس چیز میں غور و فکر کرے گا جو آپؐ کے حلیہ شریف میں منقول ہے۔ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے'اسے معلوم ہو جائے گا کہ جو تفاصیل حسن و جمال آپؐ میں تھیں۔ وہ کسی دوسرے انسان میں نہ تھیں۔ اور نہ ہوں گی۔ یوسف علیہ السلام کو تو حسن و جمال اور چہرہ کی صباحت اور چمک دمک دی گئی تھی۔ لیکن جو حسن و جمال اور صباحت آنحضرت کو دی گئی وہ کسی بھی دوسرے مقام میں نہیں پائی جاتی۔

خواب کی تعبیر۔ یوسف علیہ السلام کو خواب کی تعبیر بتانا عطاء کیا گیا اور ان اشیاء کی تاویل بتانا جو منقول ہیں اور معلوم ہیں۔ وہ ہیں تین اشیاء ایک تو یہ ہے کہ چاند سورج اور ستاروں کو اپنے سامنے سجدہ کرتے ہوئے ملاحظہ کرنا۔ دوسرے نمبر پر ہے۔ قید خانہ میں دو ساتھیوں کو خوابوں کی تعبیر کا واقعہ اور تیسرے یہ کہ بادشاہ وقت کے خواب کی تعبیر بتانا۔ اور اس کی تاویل بھی۔ لیکن جو تعبیریں اور تاویلیں ہمارے آقا سید الانبیاء صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بتائیں وہ حد سے باہر اور ناقابل شمار ہیں جو شخص احادیث میں دیکھے گا اور روایات و آثار میں محنت سے جستجو کرے گا۔ وہ نہایت عجیب و غریب واقعات اور کیفیات پائے گا۔ اس میں سے بعض کا ذکر ان کے مناسب مقام پر کیا جا چکا ہے۔ اور اس سے آگے چل کر بھی ہو گا۔

داؤد علیہ السلام کے ہاتھوں میں لوہے کا نرم ہونا۔ داؤد علیہ السلام کو لوہے کو نرم کرنے کا معجزہ عطاء فرمایا گیا تھا۔ نیز ان کے ہاتھوں میں خشک لکڑی سبز ہو جایا کرتی تھی اور پتے اگ آتے تھے۔ ہمارے آقاء و محبوب نے اپنا ہاتھ مبارک ام معبد کی خشک شدہ کمزور و ناتواں بکری پر پھیرا آپؐ کے دست بابرکت سے بکری کے تھن پھر تازہ ہو گئے اور ان میں دودھ کا اجراء ہوا اور دودھ اس قدر جاری ہوا جس قدر عام بکریوں میں نہیں ہوا کرتا۔ داؤد علیہ السلام کے پاس اگر لوہا نرمی اختیار کر لیتا تھا تو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خاطر تو پتھر بھی نرم کر دیئے گئے۔

حافظ ابو نعیم روایت نقل کرتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم غار میں تشریف فرما ہوئے اور وہ پوشیدگی اختیار کرنے کے لئے اپنا سر مبارک غار کی طرف داخل ہونے کو جھکایا تو سخت پتھر پہلے سے زیادہ کھل گیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے سخت پتھر کو نرم کر دیا۔ حتیٰ کہ آپؐ کا سر مبارک داخل ہو گیا اور اس پتھر پر آپؐ کے بازوؤں سے یہ اثر ہوا تھا۔ اور عروہ بیت المقدس خمیر کی طرح نرم ہو گیا تھا۔ پس آپؐ نے اپنی سواری کو اس کے ساتھ باندھا۔

اور حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ پہاڑ تسبیح بیان کرتے تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ہاتھ میں تسبیح بیان کرتے تھے۔

سلیمان علیہ السلام کے خصائص۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو پرندوں کی بولیاں سمجھنے کا علم دیا گیا اور جنوں اور ہوا کی تسخیر عطاء ہوئی اور ایسا ملک و حکومت ملی کہ ان کے بعد کسی کو نہ دی گئی تھی۔ لیکن ہمارے سلطان و آقا صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کو ان کے مانند بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ملک و حکومت دی گئی۔ لیکن پرندوں کے کلام کے متعلق فرمایا اوتینا **منطق الطیر** (مجھے پرندوں کے کلام کی سمجھ دی گئی) آنحضرتؐ کے ہاتھ پر پتھروں نے تسبیح بیان کی جو سنی بھی گئی جو کہ جمادات ہیں اور بھنی ہوئی بکری اور ہرن نے کلام کیا اور اونٹ نے شکایت پیش کی جیسے کہ معجزات کے باب میں آئے گا۔ یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ ایک پرندہ آیا اور آپؐ کے سر مبارک کے گرد گھومنے لگا۔ اور اس نے کوئی بات کی۔ آپؐ نے (صحابہ سے) فرمایا کہ تم میں سے کسی نے اس کو دکھ پہنچایا ہے۔ اسؓ کے بچوں کے حصول کے لئے۔ چاہیے کہ اس کے بچے وہ واپس کردے۔ اس طرح آپؐ کے ساتھ بھیڑئے کا کلام کرنے کا قصہ بھی مشہور ہے۔

ہوا کی تسخیر کے بارے میں آیا ہے غدو ھاشھر ورواحھاشھر ہوا تخت سلیمان کو جہاں ان کی خواہش ہوتی لے جاتی تھی تمام روئے زمین پر اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو براق عطاء کیا گیا تھا۔ جو ہوا سے بھی زیادہ تیز تھا۔ بلکہ برق خاطف سے بھی تیز تر تھا اور آپؐ کو زمین سے عرش تک لے گیا ایک ہی ساعت میں۔ اور سلیمان علیہ السلام کے لئے زمین کو مسخر کیا گیا۔ تاکہ ہوا آپؐ کو زمین کے کناروں تک لے جائے۔ اور آنحضرت کے لئے زمین کو لپیٹ کر کھینچ لیا گیا تاکہ آپؐ اس کے مشارق و مغارب کو دیکھ لیں۔ اور ان دو اشخاص میں بڑا فرق ہوتا ہے جن میں سے ایک تو خود کوشش کرکے زمین کی طرف جاتا ہے اور دوسرے کی طرف خود زمین کوشش کرکے آتی ہے۔

اور تسخیر شیاطین کے متعلق صحیح احادیث میں آیا ہے کہ شیطان نماز کے دوران آنحضرت کے سامنے حاضر ہوا۔ پس اللہ تعالیٰ نے آپ کو شیطان پر قدرت عطاء کی اور آپ نے چاہا کہ اسے مسجد کے ایک ستون کے ساتھ باندھ لیں تاکہ گلی کوچے کے لوگ اس کے ساتھ کھیلیں۔

نیز یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے جنات کو مسخر کیا گیا۔ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جنات ایمان لائے۔ سلیمان علیہ السلام نے تو جنوں سے کام لیا۔ ہمارے آقا نے ان کو مسلمان بنایا۔ سلیمان علیہ السلام کے لشکر میں جنوں انسانوں اور پرندوں کو شامل کیا گیا تھا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لشکر میں تو فرشتے بھی شامل کئے گئے حتیٰ کہ حضرت میکائیل علیہما السلام بھی آپ کے لشکر میں شامل کئے گئے سلیمان علیہ السلام کے لشکر میں پرندے شامل تھے اس سے بڑھ کر تعجب خیز کہانی تو غار ثور سے متعلق کبوتر کی ہے۔ جس وقت ہجرت کے وقت آپ غار ثور میں قیام پذیر ہوئے۔ کبوتر نے غار کے منہ پر اپنا آشیانہ بنایا تھا۔ وہاں اس نے انڈے دیئے اور حضور علیہ السلام کی ان کے دشمنوں سے حفاظت کی۔ مقصد لشکر کے قیام کا بھی تحفظ و حمایت ہی ہوتا ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ یہی مقصد نہایت آسان طریقے سے حاصل ہو گیا تھا۔

لیکن وہ جو سلیمان علیہ السلام کو ملک و حکومت دی گئی جو بعد ازاں کسی کو بھی نہ ملی۔ اس کے مقابلے میں ہمارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بادشاہ اور بندہ دونوں میں سے کوئی بننے کا اختیار عطا فرمایا گیا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بندگی ہی کو اختیار فرمایا۔ یہ ایسے بڑے ملک کی حکومت ہے جس کے لئے زوال نہیں ہے اور اس جیسا ملک آنحضرت صلی

اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو میسر نہیں آیا۔

عیسیٰ علیہ السلام اور ہمارے آقا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ عیسیٰ علیہ السلام کو اندھوں۔ کوڑھوں کو تندرست کرنے اور مردوں کو زندہ کرنے کی خصوصیت دی گئی۔ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ابو قتادہ کی آنکھ جو باہر نکل چکی تھی اس کو واپس اپنی جگہ پر رکھ کر درست کر دیا۔ پس وہ آنکھ پہلے سے بھی بہتر ہو گئی۔ اور روایت ہے کہ معاذ بن عفراء کی عورت کو برص کی بیماری تھی۔ پس اس نے اس بیماری کی شکایت آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے وہ لکڑی جو آپ کے ہاتھ میں تھی۔ اس میں بیماری کے مقام پر لگائی اور اللہ تعالیٰ نے اس سے برص کو دفعہ فرمایا۔ اسے فخرالدین رازی نے مواہب لدینہ میں نقل کیا ہے اور بیہقی نے دلائل النبوت میں روایت شدہ قصہ نقل کیا ہے کہ ایک آدمی آنحضرت صلی اللہ علیہ الہ وسلم کے دربار رسالت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ میں آپ پر ایمان لے آؤں گا اگر آپ میری لڑکی زندہ کر دیں۔ میری خاطر جو مر چکی ہے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اس کی قبر پر آئے۔ کھڑے ہو گئے اور آواز دی اے فلاں۔ پس قبر سے آواز آئی لبیک و سعدیک یا رسول اللہ (آخری حدیث تک) اور آنحضرت سے احیائے موتی کئی دفعہ واقع ہوا ہے۔ جیسے کہ معجزات کے باب میں آئے گا۔ علاوہ ازیں پتھروں اور چھوٹے روڑوں کا آپ کے ہاتھ پر تسبیح کرنا اور پتھروں کا سلام عرض کرنا (حجر اسود کا سلام پیش کرنا) اور استن حنانہ کا آپ کی جدائی میں جزع فزع کرنا اور رونا اتم اور ابلغ ہے بہ نسبت مردہ کے کلام کرنے کے۔

اور وہ جو عیسیٰ علیہ السلام جانتے تھے کہ ان کی قوم کیا کھاتی ہے اور کیا کچھ گھروں میں ذخیرہ کئے ہوئے ہے اس قسم کے واقعات تو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے متعدد حد و حساب سے باہر ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر زندہ اٹھا لیا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی شب ان کے مقام سے کہیں زیادہ بلند تر مقام تک گئے۔ جہاں کسی شخص کو کبھی نہیں لے گئے۔ اور مزید درجات سے مخصوص فرمایا۔ قدسی تنہائی میں مناجات کو سننا اور انواع و اقسام کے کرامات اور مشاہدات وغیرہ حاصل ہوئے۔ الحاصل یہ کہ تمام انبیاء کو جو فضائل کملات و معجزات ملے تھے وہ تمام آپ کی ذات شریف میں موجود تھے۔ شعر

خوبی و شکل و شمائل حرکات و سکنات
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم و علی الہ و صحابہ بقدر حسنہ و جمالہ و حب فضلہ و کمالہ و جودہ و نوالہ

مخصوص معجزات و فضائل۔ وصل:۔ یہ فضائل تو وہ ہیں۔ جو انبیاء کرام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و الہ وسلم میں مشترک تھے لیکن وہ فضائل و معجزات جو آنحضرت کے لئے مخصوص ہیں ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے خصائص کہا جاتا ہے اور وہ بہت زیادہ ہیں اور حد سے باہر ناقابل شمار اور بے حساب ہیں لیکن وہ ظاہر تھے اور علماء کی

تحریروں میں قیود و ضبط ہیں۔ ان کا ذکر کیا جاتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے خصائص اور بعض۔ نے کہا ہے کہ احکام شرح کی قسم کے ہیں۔ دوسری قسم ہے آپ کی صفات و احوال اور معجزات اور بعض نے کہا ہے کہ احکام شرح کی جو قسم ہے اس پر گفتگو اور بحث کرنے کا فائدہ نہیں ہے کیونکہ وہ تو ایسا حکم ہے جو ہو چکا اور درست یہ ہے کہ اس پر فائدہ مترتب ہے کہ آپ کے حال شریف کا پتہ چلتا ہے اور بلاشبہ وہ ایسی سعادت ہے جو کملات کی قسم سے ہے اور سب سے اہم اور سب سے بڑی ہے۔ اس کی پیروی کے لئے یہ ضروری ہے کہ اسے معلوم کیا جائے۔ اس پہلی قسم کی مزید چار قسمیں ہیں اول قسم وہ ہے۔ جو حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے لئے واجباً مخصوص ہیں اور یہ قرب میں زیادتی اور درجات میں اضافہ کی حامل ہے۔ وجہ یہ ہے کہ بذریعہ فرائض قرب کا حصول نوافل کے ذریعے قرب سے بڑھ کر ہے۔ جس کی شاہد حدیث بھی ہے کہ امر مکلفہ کو برداشت کرنا زیادہ قوی ہوتا ہے اور اس کا اجر بھی بہت زیادہ ہوتا ہے ہم نے ان تمام قسموں کے ساتھ کچھ مثالیں بھی بیان کر دی ہیں اور ہر مثال کو جاننے کی خاطر علماء کی کتب کا باقائدہ حوالہ درج کیا ہے۔ مثال کے طور پر کہ یہ مواہب الدینہ میں مذکور ہے وغیرہ وغیرہ۔ مثلاً ایک قول کے مطابق نماز ضحیٰ واجب ہے مگر ٹھیک مسئلہ اس کے خلاف ہے گو حدیث میں آیا ہے امرت بر کعتی الضحیٰ میں ضحیٰ کی نماز کا حکم کیا گیا ہوں۔ لیکن تحقیق تو یہ ہے۔ ضحیٰ کی نماز موکدہ سنت ہے۔ نہ کہ واجب امر ہے۔ ضحیٰ کی نماز وہ ہوتی ہے۔ جو سورج کے طلوع ہونے کے تھوڑی دیر بعد ادا کی جاتی ہے۔ اس نماز کو نماز اشراق بھی کہتے ہیں اور چاشت کی نماز کو بھی صلوٰۃ الضحیٰ کہتے ہیں۔ عائشہ رضی اللہ عنہما کا یہ قول ہے۔ مارایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یسبح صبح الضحی یہ قول اسی نماز کے متعلق ہے۔ جس طرح کہ نماز فجر اور وتر کی دو رکعت جس طرح متدرک میں حاکم نے ذکر کیا ہے۔

طبرانی اور امام احمد نے حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔ مجھ پر تین چیزوں کا قرض ہے۔ اور تم لوگوں پر نفل 'فجر اور وتر کی دو رکعت اور نماز ضحیٰ کی دو رکعت' وتر کے اختصاص کا قول امام شافعی کے قول کے مطابق ہے۔ اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک وتر سب پر واجب ہے جس طرح تہجد کی نماز آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر فرض تھی۔ کچھ علماء تو کہتے ہیں کہ تہجد کی نماز امت پر بھی فرض تھی۔ بعد میں اس کی فرضیت امت سے اٹھادی گئی۔ اور کچھ شافعی علماء کا قول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر سے بھی تہجد کی نماز کی فرضیت کالعدم کر دی گئی تھی۔ اسی کے مانند مسواک کے متعلق حکم ہے۔ حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو ہر نماز کے وقت وضو کے ساتھ مسواک کا حکم تھا (یعنی وضو کے ہمراہ مسواک) جس وقت یہ کام دشوار محسوس ہوا۔ تو ہر نماز کے لئے مسواک کا حکم ہوا۔ (یعنی وضو سے پہلے ہو تو اب صرف مسواک کر لیں) حدیث دیگر میں نیز مسواک کے بارے میں حکم ہے۔ اس قسم کی احادیث وجوب قطعی پر دلالت ہرگز نہیں کرتیں۔

حرمت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے خصائص دوسری قسم میں ہیں۔ یعنی وہ احکام جو آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر تو حرام ہیں۔ مگر دوسروں پر حرام نہیں ہیں۔ جس طرح کہ زکوٰۃ کی حرمت۔ یعنی آنحضرت پر زکوٰۃ کا مال وغیرہ

حرام ہے۔ اس طرح تحریم صدقہ ہے۔ صحیح و منصوص اور مشہور قول کے مطابق۔ آنحضرت کا قول ہے۔ انا لا ناکل الصدقۃ ہم صدقہ نہیں کھاتے ہیں۔ اس کی روایت مسلم میں ہے۔ ظاہراً ان چیزوں کی ممانعت اس لئے ہے کہ حرام ہیں۔ کچھ علماء کہتے ہیں کہ یہ ضروری نہیں کہ وہ حرام ہوں۔ بوجہ کھانے کی ممانعت کے یہ بھی تو امکان ہے کہ کراہت تنزیہی کے سبب ممانعت ہو۔ اور حرمت کی وجہ سے نہ ہو۔ بہر حال یہ خصائص میں سے ہے اموال صدقہ کے کھانے سے گریز و پرہیز۔ خواہ یہ ممانعت تنزیہی ہو اور خواہ تحریمی ہو اسی کی مانند آنحضرت آل پر اور غلاموں پر بھی زکوۃ حرام ہے۔ جس طرح کی فقہ میں تعین کر دیا گیا ہے۔

فائدہ۔ امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ سے ان کے دور میں اسکی اباحت مروی ہے۔ اسی طرح ان چیزوں کا کھانا جن سے بدبو آتی ہو مثلاً لسن، پیاز (کمافی الاحادیث) اسی طرح کتابت اور شعر کی تحریم ہے۔ اور قول تحریم اس طرح ہی ہے کہ آپ جانتے ہوں کتاب اور شعر کو۔ اور تحقیق یہ ہے کہ طبیعت اور جبلت کے حکم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے دو امر نہیں آئے۔ اور اس بات کی تحقیق صلح حدیبیہ کی قصہ میں بیان کی جائے گی۔ انشاء اللہ اسی طرح مسئلہ ہے جنگ کے وقت ہتھیاروں سے مسلح ہونے کے بعد دوبارہ جنگ سے قبل ہتھیار اتار دینا۔ اسی کی مانند ہے۔ غیر مسلم اہل کتاب کی عورت سے نکاح کی تحریم۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سب ہی بیویاں اہل اسلام کی مائیں ہیں اور وہ جنت میں بھی آنحضرت کی بیویاں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کا نطفہ شریف کسی کافر عورت کے رحم میں نہیں رکھا جا سکتا۔ اور اس کی مانند ہے مسلمان لونڈی سے نکاح کی تحریم۔ لیکن اس پر اتفاق ہے کہ لونڈی کے ساتھ تسری جائز ہے۔ تیسری قسم میں ایسے مباحات ہیں جو مخصوص ہیں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جس طرح سونے سے وضو کا نہ ٹوٹنا۔ کچھ علماء کہتے ہیں کہ یہ بات جملہ انبیاء کے برابر ہے اور عام ہے۔ اسی کی مانند عصر کی نماز کے بعد نماز کی اباحت، اور اسی طرح ہی ہے۔ سواری کی حالت میں نماز وتر کا جواز ہے۔ اور اسی طرح ہی ہے غائب کے لئے نماز جنازہ کی ادائگی ابو حنیفہ رحمتہ اللہ اور شافعی کے نزدیک عام ہے تمام امت کے لئے اور اسی کی مانند ہے صوم وصل جس کی تحقیق روزہ کے بیان میں انشاء اللہ تعالیٰ پیش کی جائے گی۔ اجنبیہ عورتوں پر نظر ڈالنے کی اباحت بھی اسی طرح ہے۔ اور اجنبیہ عورت کے ساتھ خلوت کا جواز بھی اسی طرح ہے۔ چار عورتوں سے زیادہ کے ساتھ نکاح۔ اسی طرح دوسرے تمام انبیاء علیہم السلام اور ہمارے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نو سے بھی زیادہ کے ساتھ تزویج کا جواز موجود ہے۔ اسی کی مانند ہے عورت کی طرف سے ہبہ کے لفظ کے ساتھ نکاح کا جواز کہ وہ عورت بغیر کسی ولی اور گواہوں کی موجودگی کے اپنے آپ کو ہبہ کر دے اور مہر طلب نہ کرے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف نکاح یا تزویج کا لفظ لازم ہے۔ آنحضرت کے لئے یہ بھی جائز تھا کہ آپ کسی عورت کا نکاح اس کی یا اس کے اولیاء کی اجازت کے بغیر ہی کر دیں۔ اسی طرح ہے عورت کی رضامندی کے بغیر ہی اس سے نکاح کر لینا اگر آپ اس قسم کی کسی عورت سے نکاح کرنا چاہئیں۔ جس کا شوہر نہ ہو تو اس عورت کے لئے ضروری ہے کہ اس بات کو وہ قبول کرے اس قسم کی عورت سے دوسرے لوگ نکاح کرنا چاہئیں تو ان پر وہ حرام ہو گی۔ اور اگر وہ عورت شوہر

رکھتی ہو تو شوہر پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اس عورت کو طلاق دے دے۔ وجہ یہ کہ اس کے ایمان کے امتحان کا مقام ہے۔ جس طرح رسول مقبول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ہے لا یومن احدکم حتی احب الیہ من نفسہ واھلہ وولدہ والناس اجمعین تم میں سے وہ آدمی مسلمان نہیں جس کے لئے میں اس کی جان' اس کی بیوی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوں پس اس شخص کے لئے ضروری ہے جو کھانا اور پانی رکھتا ہو اور اسے اس کی ضرورت بھی ہو۔ لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اس کے ضرورت مند ہوں۔ اسے وہ آپ پر خرچ کر دینا ضروری ہے۔ بلکہ اپنی ذات کو بھی آنحضرت کی ذات پر قربان کر دے وجہ یہ ہے۔ النبی اولٰی بالمومنین من انفسھم نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام مومنوں کی نسبت ان کی جانوں کے زیادہ حقدار ہیں حضرت زید رضی اللہ عنہ اور زینب رضی اللہ عنہا کے قصہ کے یہی معانی ہیں۔ حاصل اس کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ کر دیا۔ اور زینب کے متعلق حضرت زید کے دل میں کراہت سی پیدا کر دی۔ لیکن آنحضرت نے اس کے اظہار سے خدشہ محسوس کیا کہ کمزور ایمان رکھنے والے لوگ ہلاکت میں نہ پڑ جائیں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ سے وحی آئی۔ اے میرے حبیب! آپ صرف میرا ہی خوف رکھو اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی نہ کرنے پائے۔ لوگوں سے نہ ڈریں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے زینب کے ساتھ نکاح کر لیا اور اپنے گھر میں لے آئے۔ کچھ مفسرین حضرات اور ارباب سیر بھی اس مقام پر کلام کرتے ہوئے کہتے ہیں یہ بات نبوت کے لائق نہ ہے اور اہل تحقیق حضرات اسے مفسرین کی لغزشوں سے سمجھتے ہیں۔

اس کی مثال ہے یوسف علیہ السلام اور عزیز مصر کی بیوی زلیخا کا قصہ اور حضرت داؤد علیہ السلام اور اوریاء کا قصہ۔ اللہ تعالیٰ کے نبیوں کا مرتبہ و منصب اس سے بالاتر ہے۔ اور عتق کو حق مہر کے جابجا کر دینا جس طرح کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے حق میں کیا گیا تھا۔ (عتق کا معنی آزادی ہوتا ہے) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر ازواج کے نان و نفقہ کے واجب ہونے پر اختلاف ہے۔ امام نووی تو کہتے ہیں کہ زیادہ صحیح یہی ہے کہ واجب ہے اور آپ پر ازواج کے درمیان باری مقرر کرنا واجب نہ تھا۔ مذہب حنفی کے علماء کی کثرت اسی پر قائم ہے اور جیسے کہ آپ کرتے تھے وہ تفضل و احسان تھا وجوب نہ تھا۔

کہتے ہیں کہ ان سب خصائص کے آنحضرت میں جمع ہونے کی یہ وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حق میں نکاح تسری کے حکم میں ہے۔ اور تمام عورتیں اور مرد آپ کے غلام اور باندیوں کے حکم میں ہیں۔ اور یہ بھی آنحضرت پر مباح تھا کہ مال غنیمت میں سے قبل از تقسیم جو چیز بھی اپنے لئے چاہیں لے لیں۔ باندیاں اور تلواریں وغیرہ۔ اور آپ پر مکہ شریف میں قتل اور بلا احرام داخلہ بھی مباح تھا۔ اس امر کی تفصیل اور تحقیق انشاء اللہ تعالیٰ فتح کے باب میں آئے گی۔ یہ بھی آپ کے خصائص میں سے ہے کہ آپ اپنے لئے اور اپنی اولاد کے لئے اپنے علم سے حکم کریں اور اپنی ذات کے لئے اور اپنی اولاد کے لئے گواہی دیں۔ نیز آپ کا کسی کے حق میں برا کہنا یا لعن طعن کرنا قرب اور رحمت تھی اور مباح تھا آپ پر کہ فتح سے پہلے ہی تقسیم کر دیں زمین کو۔ کیونکہ آپ کو مالک الملک نے تمام اراضی اور ممالک کا مالک بنا دیا تھا۔ اور امام غزالی رحمتہ

اللہ علیہ نے کہا ہے کہ آپ تو جنت کی زمین کو تقسیم فرمانے والے ہیں۔ پھر دنیاوی زمین کو تقسیم کرنے والے تو وہ بطریق اولیٰ ہوں گے صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم۔

صفات و احوال سے متعلقہ خصائص۔ وصل:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے وہ خصائص جو احکام سے متعلقہ نہیں بلکہ صفات و احوال کی قسم سے ہیں وہ بے حد و حساب ہیں۔ بالخصوص صفات و احوال باطن کیونکہ ان کی کنہ تک کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ ان میں سے کچھ ظاہری صفات ہیں جو مذکور ہوئی ہیں۔ علماء نے ان کو شمار کیا ہے اور ان کا ذکر کیا ہے۔ تو معجزات سب کے سب اسی قسم سے ہیں کہ ایسے معجزات کسی بھی دوسرے نبی سے ظاہر نہیں ہوئے۔ لیکن ان کے لئے علیحدہ باب باندھا گیا ہے۔ بوجہ ان کی عظمت اور کثرت کے۔

اور آنحضرتؐ کو اعلیٰ اور اکمل فضیلت یہ ہے کہ پروردگار تعالیٰ نے آپ کی روح کی تمام مخلوقات کی ارواح سے پہلے پیدا فرمایا تھا۔ باقی تمام کون و مکاں کی ارواح کو آپ کی روح سے پیدا فرمایا۔ اور سب کو آپ کے نور سے پیدا فرمایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نبی تھے جب کہ آدم علیہ السلام ابھی روح اور جسد کی منزل میں تھے (کما رواہ الترمذی) اور عالم ارواح میں بھی انبیاء کی ارواح کو آپ کی روح سے فیض پہنچتا تھا۔ شعر

؎ وکل ای اتی الرسل الکرام بھا فانما اتصلت من نورہ بھم
فانہ شمس فضل ھم کواکبھا یظھرون انوارھا للناس فی الظلم

اور جب تک آپ کا آفتاب روح پردہ میں تھا۔ دیگر انبیاء کے چمکتے ہوئے ستارے آپ کے نور سے منور ہوتے رہے اور ظاہر ہوتے رہے۔ اور آپ کی نبوت کے آفتاب نے ظہور فرمایا۔ تو وہ سب محو اور مخفی ہو گئے۔ جس طرح کہ رات کو ستارے طلوع ہوتے ہیں۔ اور طلوع آفتاب کے قریب وہ سب مخفی ہو جاتے ہیں۔ جس طرح کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے فرمایا۔ کہ میں تمام انبیاء میں پہلا ہوں خلقت کے لحاظ سے اور بعثت کے لحاظ سے سب سے آخری ہوں۔ آنحضرت کے تمام فضائل عظیمہ میں سے یہ ہے کہ آپ کو جوامع الکلم کا مرتبہ عطاء کیا گیا۔ ان کلمات سے مراد ہے مختصر کلام میں کثرت معانی کا ہونا۔ اور یہ ختم المرسلین محمد صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے خواص میں سے ہے۔ جیسے کہ اس کے بارے میں حلیہ شریف کے باب میں اشارہ گزر چکا ہے۔ ازاں جملہ یہ ہے کہ آپ کی ذات ہی وہ اول ہے جس سے روز میثاق سب سے پہلے میثاق لیا گیا روز الست کو۔ اور آپ ہی وہ اول ہیں۔ جس نے روز الست سب سے پہلے بلےٰ (ہاں) کہا تھا۔ جس طرح کہ حدیث میں آیا ہے ازاں جملہ خصائص یہ بھی خصوصیت ہے کہ آدم علیہ السلام اور تمام جہان کو آپ ہی کے لئے پیدا فرمایا گیا تھا۔ اور ایجاد عالم کا اصل مقصود آپ ہی کی ذات ہے۔ اور ان کا نام شریف عرش پر لکھا ہوا تھا۔ اور جنت کے دروازوں پر اور جو کچھ جنت کے اندر ہے اس پر ازاں جملہ خصائص یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء سے عہد لیا تھا کہ جب آنحضرت مبعوث ہوں تو ان پر سب انبیاء ایمان لائیں اور اس کی مدد کریں۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ واذ آخذ اللہ میثاق النبیین جس طرح کہ سابقہ صفحات میں گزر چکا ہے اور ازاں جملہ یہ بھی ہے کہ

(۵) انبیاء آپ کے نور سے

(۶) نام مبارک

آپ کے وجود شریف کے متعلق خوشخبریاں سابقہ کتب میں آئی ہیں۔ جیسے کہ ذکر گزر چکا ہے۔ اور ازاں جملہ یہ بھی ہے کہ آپ کے نسب میں آدم علیہ السلام تک زنا نہیں ہوا ہے۔ جس طرح کہ عہد جاہلیت میں عادت عام تھی۔ اور اس کا ذکر آپ کی ولادت شریف کے باب میں انشاء اللہ تعالیٰ آئے گا۔ اور یہ بھی ہے کہ ہر زمانے میں آپ کی نبی آدم کے بہترین قرن میں آپ کو اٹھایا گیا۔ اور سب سے بہترین قبیلوں کے بہترین اشخاص میں سے آپ کو منتقل کیا جاتا رہا۔ جس طرح کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ رب تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اولاد میں سے بنی کنانہ کو سرفراز فرمایا۔ بنی کنانہ سے پھر قبیلہ قریش اور قریش میں سے بنو ہاشم میں سے مجھے برگزیدہ فرمایا گیا۔ لہٰذا آپ تمام برگزیدوں میں سے زیادہ برگزیدہ۔ بہتروں میں سے بہتر اور بڑوں میں سے سب سے بڑے تھے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

اور آپ کی ولادت شریف کے تمام بت اوندھے گر پڑے۔ اور جنوں نے اشعار پڑھے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی والدہ کے شکم مبارک سے ختنہ شدہ' بے آلود' صاف و پاک اور ناف بریدہ بر آمد ہوئے۔ آپ نے ولادت کے فوراً بعد سجدہ کیا اور آپ کی نظر آسمان کی طرف بلند تھی اور شہادت کی انگلی بھی اٹھائی تھی۔ آپ کو والدہ محترمہ نے دیکھا ان میں سے ایک نور ظاہر ہوا جس کے ساتھ شام ملک کے تمام محلات روشن ہو گئے تھے۔ اور آپ کے جھولا مبارک کو فرشتے جھولاتے تھے۔ اور آپ مہد میں کلام کرتے تھے اہل سیر نے کہا ہے کہ مہد میں آپ کے ساتھ چاند باتیں کرتا تھا۔ جس طرح آپ کا اشارہ ہوتا تھا چاند اسی طرف کو جھک جاتا تھا۔

ازاں جملہ یہ بھی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاطر دھوپ کے وقت بادل آپ پر سایہ کیا کرتا تھا۔ یہ ہمیشہ نہیں تھا بلکہ کئی دفعہ ایسا واقع ہوا ہے۔ جب بچپن میں اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ آپ سفر کر رہے تھے۔ بحیرا راہب نے آپ کو پہچان لیا تھا۔ ازاں جملہ یہ بھی خصائص ہے کہ آپ کا شق صدر ہوا اور یہ چار مرتبہ واقع ہوا تھا۔ اول بار جب آپ ایام طفلی میں بنو سعد میں رہتے تھے۔ دوسرا شق صدر دس سال کی عمر میں اور بعثت کے وقت تیسری مرتبہ اور چوتھی مرتبہ اس وقت ہوا جب شب معراج تھی۔

آپ کے خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ خدمت آنجناب میں وحی کے آغاز کے وقت جبریل آپ کے ساتھ لپٹا اور آپ کے جسم مبارک میں تصرف کیا گیا۔ اس کو بھی علماء کرام نے آپ کے خصائص میں شمار کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ آپ کے سوا کسی دوسرے نبی کے ساتھ ایسا نہیں ہوا ہے۔ اور یہ بھی آپ کے خصائص میں سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کے ہر عضو کا ذکر مبارک قرآن میں آیا ہے۔ آپ کے قلب پاک کا ذکر ان الفاظ میں موجود ہے تنزل بہ الروح الامین علی قلبک۔ جبریل امین اس کو لے کر آپ کے قلب مبارک پر نازل ہوتے ہیں۔ آپ کی زبان شریف کا ذکر یوں ہے۔ فانما یسرنہ بلسانک یقیناً ہم نے قرآن پاک کو تمہاری زبان پر آسان کر دیا ہے اور نیز یہ بھی اللہ کا فرمان ہے۔ وما ینطق عن الھویٰ وہ اپنی خواہش سے کلام نہیں کرتے۔ آپ کی چشم مبارک کا تذکرہ یوں ہے۔ ما زاغ البصر وما طغیٰ آنکھ کو نہ جھکا نہ آنکھ بھٹکی۔ آپ کے چہرہ شریف کا اس طرح ذکر ہے۔ قدنری تقلب وجھک فی السماء بے شک ہم نے دیکھا تجھے

⑦ انشاء النور

ولادت

⑧ تجارت معجزات

⑨ قرآن کا انداز

آسمان کی طرف بار بار منہ اٹھاتے ہوئے اور گردن شریف اور آپ کے ہاتھوں کا ذکر اس طرح ہے **ولد تجعل یدک مغلولة الی عنقک** آپ کے ہاتھوں کو بندھا ہوا نہیں بنایا آپ کی گردن کی جانب آپ کے سینہ مبارک اور آپ کی پشت مبارک کا ذکر ہے الم نشرح لک صدرک ووضعنا عنک وزرک الذی انقض ظھرک کیا ہم نے تمہارے سینہ کو نہ کھول دیا اور تمہارا بوجھ اتار لیا جس کے تلے تمہاری پیٹھ جھکی جا رہی تھی۔ ان آیتوں میں آپ کے ہر عضو کا تذکرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کمال محبت و عنایت پر یہ دلالت ہے۔ اور یہ بھی آپ کے خصائص میں سے ہے کہ حق تعالیٰ کا نام محمود ہے اس میں سے اس نے اسم محمد اور احمد نکالا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آپ سے قبل اس نام سے کوئی موسوم نہ ہوا تھا۔ اور حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے آپ کی مدح میں کہا ہے۔ شعر

؎ وشق له من اسمه لیجله فذوالعرش محمود و هذا محمد

اور بعض نے کہا ہے کہ یہ شعر ابوطالب کا ہے (کذا ذکرا البخاری فی تاریخ صغیر) اور انہی خصائص میں سے یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بہشت کے طعام و شراب سے کھلاتا پلاتا تھا۔ جس طرح کہ صوم وصال کے ذکر میں انشاء اللہ تعالیٰ آئے گا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیچھے سے بھی اسی طرح دیکھتے تھے۔ جس طرح کہ آگے سے دیکھتے تھے۔ اور آپ رات کے اندھیرے میں بھی اسی طرح دیکھتے تھے۔ جس طرح دن کی روشنی میں دیکھتے تھے۔ جیسے کہ آپ کے حلیہ شریف کے بیان میں گذر چکا ہے۔ اور انہی خصائص میں سے ہے کہ جب آپ پتھر پر چلتے تھے تو آپ کے پاؤں مبارک پتھر میں دھنس جاتے تھے۔ جس طرح کہ مقام ابراہیم میں تواتر سے ثابت ہے۔ اور مکہ کے پتھر میں آپ کی کہنیوں کے نشان مشہور ہیں۔ اور آپ کے گھوڑے کے سموں کے نشان مدینہ میں بنو معاویہ کی مسجد میں ہیں۔ اور آپ کا لعاب دہن کڑوے پانی کو میٹھا کر دیتا تھا۔ اور طفل شیر خوار کی بھی کفایت کر دیتا تھا۔ جس طرح کہ حلیہ کے باب میں گزرا ہے۔ اور آپ کی بغلیں سفید تھیں۔ اور ان میں بال نہیں تھے۔ نہ ہی ان کا رنگ تبدیل ہوا تھا۔ جیسے کہ دوسرے آدمیوں میں ہوتا ہے۔ اور بعض نے انہیں خصائص میں شمار نہیں کیا ہے۔ اور حدیث استسقاء میں آیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دونوں ہاتھوں کو دعا میں اوپر اٹھایا تھا۔ حتیٰ کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی دکھائی دیتی تھی۔ بعض نے کہا ہے کہ بغلوں کی سفیدی سے یہ ضروری نہیں ہے کہ ان میں بال نہ ہوں۔ وجہ یہ کہ جہاں سے بال اکھاڑے جائیں وہ جگہ سفید ہو جاتی ہے بالوں کے نشان و آثار باقی رہتے ہیں۔ اور تحقیق میں آ چکا ہے کہ آپ بغلوں سے بال اکھاڑ دیا کرتے تھے۔ اور بعض احادیث میں آیا ہے کہ عبداللہ رضی اللہ عنہ اقرم خزاعی نے کہا میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کی۔ جب آپ نے سجدہ کیا تو میں نے آپ کی بغلوں کی طرف دیکھا۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ اور عفرہ بیاض تھیں۔ اور کہتے ہیں عفرہ بیاض وہ سفیدی ہوتی ہے جو خالص نہ ہو۔ مٹی کے رنگ کی سفیدی کی مانند۔ اور یہ دلالت ہے اس امر پر کہ وہاں بالوں کے آثار موجود ہوں گے۔ اور اگر بالوں کے آثار سے مطلقاً خالی ہوتیں تو رنگ عفرہ بیاض نہ ہوتا۔ اس طرح مواہب لدنیہ میں کہا گیا ہے۔ اور کہا گیا ہے۔ کہ ہاں اس مقام پر یہ اعتقاد رکھنا چاہیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بغلوں میں کراہت والی بو نہ تھی۔ بلکہ پاکیزہ اور

(۱۵) پاک بسم دشمن

(۱۱)

بغلوں کی خوشبو

طیب خوشبو تھی۔ جس طرح صحیح بخاری میں بات ثابت ہے۔

آپ کی آواز مبارک اتنی دور تک پہنچتی تھی اور قوت سمع جتنی دور تک کسی اور آدمی کی آواز نہ پہنچتی تھی۔ اور نہ کسی قوت سمع کام کرتی تھی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھیں سوتی تھیں لیکن آپ کا دل نہ سوتا تھا۔ (رواہ بخاری) اور جو کوئی بات بھی آپ کے قریب کی جاتی تھی آپ اسے سنتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ آنحضرت کے سوجانے سے ان کے وضو میں کوئی نقص نہ آتا تھا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یہ امر تمام انبیاء علیہم السلام کے لئے مشترک وعام تھا اور اس جگہ اشکال پیدا کرتے ہیں کہ لیلۃ القدر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کیوں طلوع آفتاب کا پتہ نہ چلا جب تک کہ نماز قضا ہوگئی۔ اس کا جواب ہے کہ طلوع وغروب آفتاب کا ادراک چشم کا کام ہے۔ اور جب آنکھ سو رہتی تھی اس نے ادراک نہ کیا۔ اور وحی حکمت کی بنا پر نہ ہوئی شریعت میں نماز کی قضاء کی۔ یا کسی دوسری وجہ سے جو اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ بہتر۔ واللہ اعلم۔ اور آنحضرتؐ نے کبھی انگڑائی نہ لی تھی اس کو ابن ابی شیبہ نے اور بخاری نے اپنی تاریخ میں روایت کیا ہے اور یہ روایت بھی ہے کہ آپ کبھی جمائی نہ لیتے تھے۔ اور ایک روایت میں آیا ہے کہ کوئی پیغمبر بھی انگڑائی نہ لیتا تھا۔ اس روایت کی بنا پر یہ خصائص میں سے نہیں ہے اور اس روایت کی تائید بخاری کی روایت بھی کرتی ہے۔ کہ جمائی شیطان کی طرف سے ہے۔ اور آپ کے بدن مبارک پر مکھی نہ بیٹھتی تھی۔ نہ ہی آپ کے کپڑوں میں جوئیں پڑتی تھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کبھی احتلام نہیں ہوا تھا ہرگز۔ اور اسی طرح دیگر انبیاء بھی (رواہ الطبرانی) اور روایت میں آیا ہے کہ یہ بھی شیطان کی طرف سے ہے۔ اور بعض نے انزال کو جواز میں رکھا ہے کہ شاید بوجہ غلبہ مادہ منویہ ہو جاتا ہے۔ اور شیطانی خواب سے نہ ہوتا ہے۔ اس کی تحقیق کسی دوسرے مقام پر کردی گئی ہے۔ اور آپ کے پسینہ شریف کی خوشبو مشک و عنبر سے بہتر تھی۔ اور حضور علیہ السلام کا سایہ زمین پر نہ پڑتا تھا۔ وجہ یہ کہ زمین کثافت اور نجاست کا مقام ہے اور آپ کا سایہ کبھی بھی آفتاب کی روشنی میں نظر نہ آیا تھا۔ یہ عبارت علماء کی جانب سے بڑی تعجب خیز اور نادر وغریب ہے کہ چراغ کی روشنی کا انہوں نے تذکرہ نہ کیا ہے اور جو دعا آپ رات کی نماز میں پڑھتے تھے اس کا بھی ذکر لمبی حدیث میں موجود ہے۔ اور کچھ مشائخ اس کو فجر کے وقت سنت اور فرائض کے درمیان پڑھتے ہیں۔ اس میں آپ نے درخواست کی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام اعضاء اور تمام جوانب سے نور بخشے۔ اور اس کے آخر میں کہا ہے کہ مجھے نور کردے۔ اور چونکہ آپ عین نور تھے۔ نور کا سایہ نہیں ہوتا۔ اور جب لمبے قد والوں کے ساتھ آپ چلتے تھے تو آپ سب سے اونچے دکھائی دیتے تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لباس پر مکھی نہ بیٹھتی تھی (ذکرہ فخر الدین الرازی) پس بطریق اولیٰ بدن پر بھی نہ بیٹھتی ہوگی۔ مچھر نہ آپ کو کاٹتا تھا اور نہ خون چوستا تھا۔ اور نہ آپ کو جوں اور کھٹمل ایذاء دیتے تھے۔ قوم کی عبارت اس طرح ہے اور مراد اس سے یہ ہے کہ جوں نہ ہوتی تھی۔ اور وہ جو بعض احادیث میں واقع ہوا ہے کان یفلی ثوبہ آپ اپنے کپڑوں میں جوں دیکھا کرتے تھے۔ اس سے جوں کا دیکھنا مراد نہیں (یہ صرف امت کی تعلیم کے لئے تھا) اور یہ بھی آپ کے خصائص میں سے ہے کہ جب آپ مبعوث ہوئے کاہنوں اور شیطانوں کا چوری چھپے خبریں سننا آسمان سے بند کردیا گیا تھا۔ اور آسمان کو محفوظ کرلیا گیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس سے قبل شیطان آسمانوں سے حجاب میں رکھے ہوئے تھے اور وہ آسمانوں میں چھپ کر آتے اور وہاں سے کچھ خبریں وغیرہ چرا لے جاتے تھے۔ اور وہ کاہنوں پر القاء کرتے تھے جن کی ارواح شیاطین کی خبیث ارواح کے ساتھ قوی ہوتی تھیں۔ اور ان کا ان کے ساتھ روحانی تعلق ہوتا تھا۔ کاہن اس سے خبریں لیتے تھے ان میں کچھ اپنی طرف سے جھوٹ اور افتراء ملا لیتے تھے اور (اپنے سائلوں کو) سناتے تھے۔ انبیاء علیہم السلام کو فرشتوں کے ساتھ مناسبت تھی۔ اس کی وجہ سے انبیاء سچی خبروں اور وحی کے لئے مقام نزول تھے اور جب سید السادات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم متولد ہوئے۔ تو شیاطین منع کر دیئے گئے اور دور ہٹا دیئے گئے آسمانوں سے علماء کہتے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کی برکت سے شیاطین کو صرف تین آسمانوں سے ممنوع کیا گیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے تولد ہونے پر سب آسمانوں سے ممنوع ہو گئے اور پھر بھی اگر کوئی آسمان کی طرف چڑھنے کا قصد کرے تو آگ کے انگاروں یعنی ٹوٹنے والے ستارے سے مارا جاتا ہے اور بعض کو فاسد اور تباہ کر دیتا ہے ان کے اعضاء اور ان کی عقل کو فاسد کر دیتا ہے۔

فائدہ۔ شیاطین کا غول پھرتا ہے جو بیابانوں میں آدمیوں کو گمراہ کرتا ہے۔ اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بعثت سے پہلے ظاہر نہ تھے۔ اور آپ کے زمانہ سے پہلے ان کا کبھی کسی نے ذکر نہ کیا تھا۔ یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ابتدائی دور میں ظاہر ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نبوت کا ابتدائی کام یہ تھا۔ حضرت معمر بیان کرتے ہیں کہ میں نے زہری سے سوال کیا کہ کیا زمانہ جاہلیت میں ستارے ٹوٹا کرتے تھے۔ زہری نے کہا کہ ہاں' ٹوٹتے تھے لیکن ان کے اندر شدت اور زیادتی آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بعثت کے وقت سے ہوئی۔ لیکن ابن قتیبہ کا قول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بعثت سے قبل بھی شیاطین کو شہاب ثاقب کے ذریعے مارا جاتا تھا۔ لیکن بعد از بعثت نبوی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اس میں شدت و زیادتی آگئی تھی اور آسمانوں کو پہلے سے زیادہ محفوظ کر لیا گیا۔ بعض کا قول ہے کہ ستارے گرتے تو تھے اور شیاطین کو ان کے ذریعے مارا جاتا تھا۔ لیکن دوبارہ چڑھ آتے تھے (ذکرہ البغویؒ) اور یہ بھی ان خصائص سے ہے کہ آپ کے لئے معراج کی شب براق لایا گیا تھا۔ باقاعدہ زین اور لگام کے ساتھ اور کہتے ہیں کہ دیگر انبیاء اس پر ننگی پشت پر سوار ہوتے تھے اور اس جگہ معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کے لئے بھی براق ہوتا تھا۔ اور روایات بھی اس پر گواہ ہیں لیکن کیا وہی براق ہوتا تھا جو سرور انبیاء صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے لئے لایا گیا یا کہ ہر پیغمبر کے لئے علیحدہ علیحدہ اس کے مرتبہ اور شان کے مطابق علیحدہ براق ہوتا تھا۔ اور ظاہر حدیث جو معراج کے بارے میں آئی ہے۔ اس میں ہے کہ جب براق نے تیزی اور شوخی کی تو حضرت جبریل نے براق کو کہا کہ آہستہ ہو جاؤ کہ تم پر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جیسا کوئی بھی سوار نہیں ہوا۔ پہلے قول پر ہی دلالت ہے۔ واللہ اعلم۔ اور راتوں رات آنحضرت کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ لے جایا گیا۔ اور وہاں سے مقام اعلیٰ پر لے جایا گیا اور آیات کبریٰ دیکھائی گئیں اور ماسوا کی طرف نظر کرنے سے حفاظت میں رکھا گیا حتیٰ کہ ما زاغ البصر وما طغی نہ آنکھ کو آپ نے جھپکا اور نہ نظر بے راہ ہوئی۔ اور آپ کی خدمت میں تمام انبیاء اور ملائکہ کی

امت فرمائی۔ اور آپ کو بہشت اور دوزخ دکھائے گئے۔ اور ایسی جگہ لے جائے گئے جہاں تک کسی کا علم نہیں پہنچتا۔ اور پروردگار تعالیٰ و تقدس کو اپنی آنکھ سے دیکھا جیسے کہ معراج کے ذکر میں انشاء اللہ تعالیٰ آئے گا۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے کلام اور رویت کو جمع کیا اور آپ کو اس جہان میں اپنی رویت سے نوازا۔ یہ فضیلت نہ کسی نبی اور فرشتہ کو ملی۔ اور نہ کسی ولی کو۔ یہ بھی خصائص میں سے ہے۔ جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیر کرتے فرشتے اس وقت آپ کے پیچھے پیچھے چلتے تھے۔ اور آپ صحابہ کو فرماتے تھے کہ میرے آگے آگے چلو اور میری پشت کو فرشتوں کے لئے خالی چھوڑ دو۔ اور فرشتے آپ کے ساتھ قتال کرتے تھے جیسے کہ جنگ بدر و حنین میں اس پر قرآن عظیم بھی ناطق ہے۔ اور یہ بھی ناطق ہے۔ اور یہ بھی خصائص سے ہے کہ آپ کو کتاب عزیز دی گئی حالانکہ آپ امی تھے۔ اور آپ نے نہ کوئی چیز پڑھی تھی اور نہ لکھی تھی۔ اور نہ کبھی کسی مدرسہ میں گئے تھے۔ کہ امیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مخصوص تھی۔ کیونکہ آپ الوہیت کے خاص مظہر ہیں۔ اور کسی بھی سبب اور ذریعہ کے محتاج نہیں ہیں۔ ازاں جملہ خصائص یہ بھی ہے کہ آپ کی کتاب کی حفاظت کی گئی۔ تبدیلی سے اور تحریف سے اور ہرچند منجملہ لوگوں نے بڑی کوشش کی اور قرامطہ اور زندیق لوگوں نے اس کو تبدیل کرنے کی لیکن انہیں اس خاطر کوئی راستہ نہ ملا اور آپ کے نور کو بجھانے پر قادر نہ ہوئے۔ اور نہ آپ کے کلمات میں سے کسی کلمہ کو تبدیل کرنے اور اس کے حروف میں سے کسی حرف کو مشکوک بنانے میں بھی ناکام رہے باوجود اس امر کے کہ ملحد اور یہود و نصاریٰ نے وافر قصد کیا اس کی تغیر و تبدیلی کا اور ابطال و فساد کا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے۔

لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ تنزیل من حکیم حمید

ترجمہ:۔ ہرگز کوئی باطل چیز قرآن میں نہیں گھس سکتی نہ آگے سے نہ پیچھے سے یہ حکمت والے مالک الحمد کا نازل کردہ ہے۔

اس کتاب عزیز میں وہ تمام چیزیں ہیں۔ جن پر تمام پہلی کتب ربانی مشتمل تھیں۔ یہ کتاب جامع ہے۔ قرون سابقہ کی خبروں گزشتہ زبانوں کی امتوں کے حالات اور ان کے تمام احکام اور شرائع کی جن کا آج کل نشان تک باقی نہیں ہے۔ اور کوئی ایک دو شخص ہی ہوں گے اہل کتاب میں سے جنہوں نے اپنی تمام عمر اس کی تعلیم و تعلم میں گزاری ہوگی اور کچھ تھوڑا سا انہیں پتہ چلا ہوگا۔ بایں ہمہ اس کتاب اعجاز اور اختصار اور پوری توصیف اور مکمل تعریف انشاء اللہ تعالیٰ معجزات کے باب میں آئے گی۔ اور اس کتاب کو حفظ کرنا آسان بنا دیا گیا ہے ہر امتی کے لئے جو یہ خواہش کرے۔ دیگر سابقہ امتوں میں سے کوئی شخص بھی ایسا نہیں ہوا جس نے اپنی کتاب حفظ کی ہو چہ جائے کہ بہت بڑی تعداد زبانی یاد کرے۔ سالوں گزر گئے اور صدیاں بیت چکی ہیں پھر بھی چھوٹے بچوں اور جوان مردوں سب کے لئے آج بھی قرآن پاک اسی طرح آسان ہے قلیل وقت میں زبانی یاد کر لیتے ہیں۔ قرآن پاک کو سات حرفوں میں نازل کیا ہوا ہے۔ آسانی کے لئے شرافت اور عزت افزائی کی خاطر۔ ان کی شرح مشکوۃ میں کی گئی ہے۔ قرآن دائمی معجزہ اور نشانی ہے۔ یہ ہمیشہ ہی موجود رہے گا۔ جنت والے لوگ جنت

میں اس کی تلاوت کریں گے اور اس کے ساتھ ان کے درجات میں اضافہ ہو گا۔ جس طرح کہ حدیث میں آیا ہے رتل وار تق مراد یہ کہ تلاوت کرنے سے درجات میں بلندی ہو گی۔ تمام انبیاء کے معجزات باقی نہیں رہے سوائے خبر کے۔ لیکن اللہ تعالیٰ بذات خود قرآن پاک کی حفاظت اور نگہداشت کا ذمہ دار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون○

ترجمہ۔ ہم نے قرآن پاک نازل فرمایا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

جب کہ تورات اور انجیل کی حفاظت انبیاء اور احبار پر چھوڑی گئی تھی۔ ان میں تحریف۔ کی گئی اور تبدیلی بھی چونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کے محفوظ رہنے کی خواہش کی۔ لہٰذا صحابہ اس پر مقرر کئے گئے۔ اس لئے کہ کوئی یہ نہ کہے کہ خدا اس کی حفاظت کا ذمہ دار ہے تو صحائف میں اس کے جمع کرنے کی ضرورت کیا ہے۔ کچھ شوافع کا قول ہے کہ یہاں بسم اللہ الرحمن الرحیم کے بارے میں دلیل ہے کہ ہر سورۃ کی جزو ہے کیونکہ اس کو قائم رکھا گیا ہے قرآن میں بصورت دیگر اضافہ ضروری ہوتا ہے لہٰذا کمی کا بھی تصور ہو سکتا ہے اس کا جواب ہے کہ ہر سورت کے شروع میں صحابہ کے اجماع سے بسم اللہ شریف لکھی گئی۔ اور سورتوں میں فرق کے لئے بسم اللہ شریف نازل کی گئی۔ کیونکہ متاخرین میں سے کچھ علماء جائز قرار دیتے ہیں سورتوں کے نام اور آیتوں کو گننا۔ یہ تبدیلی میں شامل نہیں ہے۔ اس سے شبہ نہیں ہو سکتا قرآن کو دیگر لوگوں کے کلام سے مختلف رکھا گیا اور معجزہ بھی تاکہ حفاظت ہو سکے اگر کوئی شخص اس میں کمی یا زیادتی کی کوشش کرے تو اس کی ترتیب اور اسلوب بیاں بدل جاتا ہے۔ اور ہر شخص کو پتہ چل جاتا ہے۔ کہ یہ قرآن میں سے کلمہ نہیں ہے اور قرآن کو زبانی یاد کرنا بھی حفاظت قرآن کا سبب ہے۔ حتیٰ کہ اگر کوئی مہیب بزرگ بھی ایک حرف بلکہ ایک لفظ بھی بدلے تو بچے اور جوان اس کی غلطی ظاہر کر دیتے ہیں۔ یہ قرآن کی حفاظت السیمہ کے باعث ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو مخصوص فرمایا ہے سورۃ فاتحہ ' آیت الکرسی اور سورۃ بقر کی آخری آیتوں سے یہ عرش الٰہی کے تحت خزانوں میں سے ہیں۔ اس طرح کی آیتیں کسی اور نبی کو نہیں دی گئیں۔ اور یہ بھی آپ کے خصائص میں سے ہے۔ کہ خزانوں کی کنجیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو عطاء کی گئیں۔ یہ تو سب پر ظاہر ہے کہ فارس اور روم ان ملکوں کے خزانے صحابہ رسول کے قبضہ میں آگئے۔ باطنی طور پر یہ ہے کہ خزانوں سے مراد ہے اجناس عالم۔ وجہ یہ حضور کے دست اقتدار میں تمام رزق رکھا۔ اور ظاہر اور باطن کی تربیت اور سمجھ عطاء فرمائی گئی جس طرح کہ غیب کی کنجیاں دست علم الٰہی میں ہیں۔ سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی بذات خود علم غیب نہیں رکھتا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے رزق اور قسمت و نصیبہ کے خزانے رسول کریم کے مبارک اور مقدس ہاتھوں میں دیئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا انما انا قاسم والمعطی ھو اللہ وہ اللہ عطاء کرنے والا ہے اور میں ہی تقسیم کرنے والا ہوں۔ ان جملہ خصائص میں یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تمام لوگوں کے لئے رسول بن کر آئے۔ اور آپ رسول الثقلین ہیں۔ اور آپ جنوں اور انسانوں سب کے لئے رسول ہیں۔ اور بعض فرشتوں کے لئے بھی اور تمام اجزائے عالم کے لئے بھی آپ رسول ہیں بعض قول علماء پس وہ گواہی دیتے ہیں آپ کی رسالت پر اور درخت اور پتھر

15 نبی کی عطا

آپ کی خدمت میں سلام پیش کرتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب لوگوں کی طرف مبعوث ہوئے۔ اس پر یہ اشکال وارد کیا جاتا ہے۔ کہ نوح علیہ السلام کے طوفان کے بعد صرف آپ کی کشتی والے ہی ایمان دار لوگ باقی بچے تھے لہٰذا وہ بھی سب لوگوں کی طرف سے رسول ہوئے ان کے علاوہ کوئی دوسرا شخص تمام روئے زمین پر زندہ نہ بچا تھا۔ شیخ ابن حجر مکی اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ نوح علیہ السلام کی رسالت میں عمومیت ان کی بعثت کے لحاظ سے نہ تھی بلکہ یہ تو طوفان سے واقع شدہ حادثہ کے باعث اتفاقاً" ہوا۔ اور تمام لوگ صرف چند ایمانداروں کی جماعت ہی وہ صورت اختیار کر گئے اس کے برعکس ہمارے آقاو مولا نبی کل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت میں عمومیت بعثت کے لحاظ سے ہے اور ابتداء ہی سے ہے۔

بندہ مسکین (شیخ عبدالحق) ثبتہ اللہ اعلیٰ طریق الحق والیقین کہتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کافہ خلق کی طرف مبعوث ہونے سے یہ مراد ہے کہ آپ کی رسالت کی عمومیت میں تمام عالم یعنی مشرق سے لے کر مغرب تک تمام عرب و عجم اس میں شمار ہیں۔ جس طرح کہ جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہر نبی بالخصوص اپنی قوم ہی کی طرف نبی بن کر آتا رہا ہے۔ لیکن میں ہر احمر و اسود یعنی عرب و عجم کے لئے مبعوث ہوا ہوں۔ احمر سے عجم مراد ہے اور اسود سے عرب۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ عربوں کا رنگ سیاہی اور سبزی مائل ہوتا ہے۔ اور قرآن میں واضح طور پر آیا ہے۔ انا ارسلنا نوحا الی قومہ بلاشک ہم نے نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف رسول بنایا۔ علاوہ ازیں یہ کہ تھوڑی سی جماعت کو کافۃ الناس تو نہیں کہا جاسکتا۔ خواہ بوجہ حادثہ ہی صرف چند ہی آدمی باقی رہ گئے ہوں۔ شیخ ابن حجر کے جواب کا مطلب بھی یہ ہی ہے۔ نیز یہ اشکال بھی وارد کیا گیا ہے کہ جملہ باشندگان زمین کے لئے نوح علیہ السلام نے بددعا فرمائی تھی۔ اور اس بددعا سے جملہ اہل زمین ہلاک بھی ہو گئے سوائے ان چند ایمانداروں کے جو آپ کی کشتی میں سوار تھے۔ اگر آپ تمام اہل زمین کی طرف مبعوث نہ تھے تو آپ کی بددعا سے سب ہلاک کیوں ہوئے۔ رب تعالیٰ تو فرماتا ہے۔ وما کنا معذبین حتٰی نبعث رسولا جس وقت تک ہم رسول نہ بھیجیں ہم عذاب نہیں دیتے۔ اور اس میں بھی شک نہیں ہے۔ کہ شفاعت کی حدیث میں آیا ہے کہ وہ سب سے پہلے رسول تھے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ہو سکتا ہے نوح علیہ السلام کی دعوت دین سب لوگوں کو مل چکی ہو (یا پہنچ چکی ہو) کیونکہ آپ کی دنیا میں عمر بہت لمبی ہوئی۔ اور آپ کی امت نے شرک کے ساتھ سرکشی کی ہوگی لہٰذا وہ مستحق عذاب ہو گئے ہوں لہٰذا شیخ ابن دقیق العید کا قول ہے کہ ممکن ہے کہ بعض انبیاء میں دعوت توحید تو عام ہو لیکن شریعت کے فروعی احکام نہ ہوں کیونکہ بعض انبیاء نے غیر قوم سے بھی جنگ و قتل کیا ہے جس طرح کہ سلیمان علیہ السلام نے کہا اور بعض علماء کا قول ہے کہ یہ بھی تو امکان ہو سکتا ہے کہ نوح علیہ السلام کے ہم عصر کوئی اور نبی بھی نہ ہو۔ اور نوح علیہ السلام کو معلوم ہو چکا ہو کہ اس نبی پر کوئی شخص ایمان نہیں لایا۔ لہٰذا آپ نے ہر اس آدمی کے لئے بددعا فرمادی ہو جو ایمان نہ لایا۔ خواہ ان کی اپنی قوم سے ہو یا غیر قوم سے متعلق۔ یہ جواب خوب ہے اگر ثابت ہو جائے کہ نوح علیہ السلام کے ہم عصر کوئی اور نبی بھی تھا۔ ویسے نقل میں اس طرح آیا نہیں ہے اور محض امکان یا

احتمال کفایت نہیں کرتے۔ بعض علماء کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بعثت عامہ سے یہ مراد ہے کہ آپ کی شریعت کو قیامت تک کے لئے بقاء حاصل ہے۔ مراد یہ ہے کہ آپ سب لوگوں کی طرف عمومیت رسالت کے ساتھ آئے اور آپ کی شریعت تاقیامت اسی طرح قائم دائم رہے گی۔ اور نوح علیہ السلام اور دیگر تمام انبیاء علیہم السلام تو کچھ عرصے کے لئے ہی تھے۔ وجہ یہ ہے کہ یا تو ان کے اپنے ہی زمانہ میں کوئی نبی آکر ان کی شریعت کا کچھ حصہ منسوخ کر دیتا تھا یا ان کے بعد کوئی آکر ایسا کرتا۔ لیکن آنحضرت کی شریعت تاقیامت رہنے پر دلالت ہے۔ وجہ یہ کہ آپ تو خاتم النبین ہیں یعنی آخری نبی بعض اہل یہود کا قول فاسد ہے اور متناقض بھی کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ الہ وسلم صرف عرب ملک کے لئے بھیجے گئے ہیں۔ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی رسالت کا اقرار کریں گے تو اس وقت آپ کا سچا سمجھیں گے۔ کیونکہ رسول جھوٹا تو ہوتا ہی نہیں۔ آپ کا خود اپنا یہ دعویٰ ہے کہ میری بعثت سب لوگوں کے لئے ہے۔ تو ضروری ہے کہ آپ کا دعویٰ بالکل سچا ہے۔ آپ کے جملہ خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نصرت و مدد کی گئی رعب اور خوف کے ساتھ ایک ماہ کی مسافت پر یہ تخصیص عرصہ ایک ماہ بایں وجہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے شہر شریف اور آپ کے دشمنوں کے شہروں کے مابین ایک ماہ کے عرصہ کی مسافت سے زیادہ فاصلہ نہیں تھا۔ آپ کی یہ خصوصیت علی الاطلاق ہے حتیٰ کہ تنہائی میں بھی بلا فوج یا لشکر بھی جناب والا کو رعب و دبدبہ حاصل ہے۔ دوسرے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ یہ خصوصیت اضافی طور پر ہے اور یہ دوسری بات ہے کہ دیگر چند سلاطین یا بادشاہوں کو اگر یہ حاصل ہو۔ اس کی حقیقت معانی یہ ہے کہ رعب و ادب کے ساتھ ساتھ آنحضرت کو بالفعل نصرت و فتح حاصل تھی۔ جیسے کہ لڑائی اور قتل کے بعد اسے حاصل کیا جاتا ہے۔ دلوں میں رعب و خوف کا ہونا اور دبدبہ اور اندیشہ و ڈر کا پایا جانا یہ تو جملہ انبیاء کے لئے عام ہے یہ بھی امکان ہے کہ کچھ بادشاہوں اور امیروں کو بھی یہ میسر ہو۔ فافہم و باللہ التوفیق۔

ازاں جملہ خصائص یہ ہے کہ غنیمت کو آنحضرت اور ان کے امتیوں پر حلال کر دیا گیا۔ جب کہ آپ سے قبل کسی نبی کے لئے بھی غنیمت کا مال حلال نہیں کیا گیا تھا اور کچھ انبیاء کو تو جہاد کی اجازت بھی نہیں دی گئی تھی تاکہ غنیمت نہ حلال ہو کچھ انبیاء کو جہاد کی اجازت تھی۔ لیکن مال غنیمت کا کھانا ان پر نہ حلال تھا نہ جائز۔ وہ غنیمت کا مال ایک مقام پر جمع کر دیتے تھے۔ آسمان سے آتش ظاہر ہوتی تھی اور اسے جلا دیا کرتی تھی یہ قبولیت کی نشانی تھی کہ غنائم جل جائیں لیکن امت محمدیہ کے لئے اس کو حلال کر دیا گیا علماء کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو ہر وہ چیز اللہ تعالیٰ نے عطاء کی تھی جو ان کی امت کی طبع اور چاہت کے مطابق ہو وجہ یہ ہے کہ ان کی خواہشات ان کی طبیعت سے لذت یافتہ ہوتی ہیں اور یہ ان کے قہر و غلبہ یا قصد اور منت و تکلیف سے میسر آتی ہیں۔ لہٰذا ان کی یہ خواہش نہ ہو گی کہ ان نعمتوں سے جو لذت حاصل ہوتی ہے وہ ان کے لئے نہ رہے۔ ازاں جملہ خصائص یہ بھی ہے کہ آنحضرت اور ان کی امت کے لئے پوری کی پوری زمین کو سجدہ گاہ بنا دیا گیا۔ ان کے لئے ہر جگہ پر نماز جائز ہے کوئی مخصوص مقام سجدہ نہیں ہے اور یہ بھی آپ کے خصائص میں سے ہے کہ زمین کو پاکی کے حصول کا ذریعہ بنایا گیا ہے۔ اس سے مطلب مٹی سے تیمم کرنا ہے۔ دیگر شریعتوں کے مطابق سوائے پانی کے کسی

(۱) شریعت منسوخ نہیں

(۲) مال غنیمت

دوسری چیز سے طہارت نہیں ہو سکتی تھی۔ اس طرح وہ سوائے اپنی خصوصی جگہوں کے نماز بھی ادا نہ کر سکتے تھے۔ مثال کے طور پر ان کے کلیسے اور کلیسے وغیرہ وغیرہ اپنے گرجوں سے دور فاصلے پر ہوتے ہوئے وہ کیا کر سکتے ہوں گے سوائے اس کے کہ وہ نماز ادا ہی نہ کرتے ہوں گے۔ یا پھر وہ کسی دوسری چیز کو اپنی عبادت گاہ سے منسوب کر لیتے ہوں گے۔ مثال کے طور پر کوئی کپڑا یا لکڑی وغیرہ۔

فائدہ۔ مجھے تو علماء کی کسی کتاب میں یہ تذکرہ نہیں ملا۔ سوائے اس کے جو مواہب لدنیہ میں منقول ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام ہمیشہ چلتے پھرتے رہتے تھے۔ جہاں بھی نماز کا وقت ہو تا تھا۔ وہ اپنی نماز پڑھ لیتے تھے۔ یہ داؤی اور ابن التبیین سے منقول ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کی طرح فتح الباری میں بھی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ کوئی بھی سابقہ نبی یا پیغمبر جب تک اپنے محراب میں نہ پہنچ جاتا تھا۔ نماز نہ پڑھتا تھا۔ لیکن ان روایات میں ان کی امتوں کا ذکر نہیں ہے۔ تو مطلب یہ ہوا کہ یہ بات خالی از اشکال اور بے احتمال نہیں ہے۔ (واللہ اعلم)

کچھ عالم یہ کہتے ہیں کہ دوسرے انبیاء کے لئے زمین نہ مسجد تھی۔ نہ طہور۔ وجہ یہ کہ زمین مسجد گاہ تھی لیکن طہور ہرگز نہ تھی اور چند علماء کا یہ بھی قول ہے کہ اس کے معانی ہیں کہ ان پر ہر وہ جگہ جس کے متعلق ان کو پاک ہونے کا یقین نہ ہوتا تھا نماز کیلئے جواز نہ رکھتی تھی۔ اور اس امت کے لئے تو جس جگہ پر ظاہرا" گندگی نہ ہو وہ جگہ نماز کے لئے جائز ہے حالات ظاہری پر ہی دیکھ لینا کفایت کرتا ہے۔ (واللہ اعلم)

آپ کے خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات دیگر تمام انبیاء علیہم السلام کے تمام معجزات سے بھی زیادہ ہیں۔ قرآن پاک سراپا معجزہ ہے۔ تھوڑے سے تھوڑا اعجاز بھی جو چھوٹی چھوٹی سورۃ مثلاً انا اعطینک الکوثر میں پایا جاتا ہے اس میں ہی فکر و تدبر کرنا چاہیے (اور پھر سوچنا چاہیے) کہ کثرت کی حد کس مقام تک ہو گی۔ یا کوئی دیگر آیت ہی زیر فکر رکھیں اور اعجاز کی مقدار معلوم کریں۔ باب معجزات کے آخر پر اس بارے میں کافی و شافی بیان مذکور ہے۔

اور ان جملہ خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم انبیاء اور خاتم المرسلین ہیں۔ اور آپ کے بعد کوئی پیغمبر نہیں ہو گا۔ قرآن مجید اس پر شاہد ہے۔ اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ میرا قصہ و داستان اور دیگر انبیاء کی داستان ایک ایسے مرد کی داستان کی مانند ہے کہ جس نے ایک مکان بنایا اور اس مکان کو مکمل کر دیا لیکن اس کے کونوں میں سے ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ خالی پڑی رہی۔ پس لوگ اس مکان کا طواف کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اس خالی جگہ پر اینٹ کیوں نہ لگائی گئی تھی۔ پس میں وہ اینٹ ہوں اور میں خاتم انبیاء ہوں۔ اور جب عمارت پوری ہو گئی تو ضرورت نہ رہی۔ اور آنحضرت صلی اللہ وآلہ وسلم کی بعثت میں لاتمم مکارم الاخلاق اور محاسن الافعال کے الفاظ میں آپ کے خاتم الانبیاء ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ اور آپ کی شریعت روز قیامت تک ہے۔ اور سابقہ انبیاء و مرسلین کی شریعتوں کو ناسخ ہے۔ اور آپ کی امت سب سے بہتر امت ہے۔ اور تمام انبیاء کی امتوں سے تعداد میں زیادہ ہے اور اگر دوسرے

(3) قرآن سراپا معجزہ

(4) ختم المرسلین۔

انبیاء انہیں پالیتے تو ان ہی کو اتباع کرتے اور اس امر کی تحقیق فضائل کے باب میں گزر چکی ہے۔

اور ان خصائص میں سے ہی ہے کہ آپ کی شریعت تمام دوسری شریعتوں کی ناسخ ہے۔ لیکن آپ کی خاتمیت کے لئے ناسخیت مستلزم نہیں ہے۔ بلکہ یہ خصوصیت ایک جدا خصوصیت ہے۔

اور یہ بھی ان خصائص میں سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رحمت اللعالمین بنا کر بھیجا اور رحمت سے مراد ہدایت لیتے ہیں تو اس سے تمام خلقت کی طرف آپ کی رسالت مقصود ہے۔ خواہ تمام لوگ ہدایت یافتہ نہ بھی ہوں۔ اور شک وشبہ کی ظلمت میں ٹھوکریں کھائیں۔ اگر عام تر بھی تصور کریں۔ تو اس کا مطلب ہے کہ آپ کے وجود شریف کے وسیلہ سے تمام کائنات فیض وجودی میں شامل ہے۔ اور اس کا ذکر قبل ازیں باب سوم میں گزر چکا ہے۔

انہی خصائص سے ہے کہ حق تعالیٰ نے تمام انبیاء کو ان کے ناموں سے مخاطب کیا ہے۔ جیسے کہ کہا یا نوح! یا آدم! یا ابراہیم! یا موسیٰ! یا داؤد! یا زکریا! یا عیسیٰ! یا یحییٰ! لیکن آنحضرت کو اللہ تعالیٰ نے ان خطابات کے سوا نہیں مخاطب کیا۔ یاایھاالنبی - یاایھاالرسول - یاایھاالمزمل - یاایھاالمدثر اور ان دو ناموں سے یاد فرمانا مہربانی اور الفت کی وجہ سے ہے۔ جو مخفی نہیں ہے کہ اہل زبان اس سے محبت کو پہچانتے ہیں۔

اور یہ بھی ان جملہ خصائص سے ہے کہ امت پر آنحضرتؐ کو آپ کے اسم مبارک سے ندا کرنا حرام کر دیا جیسے کہ فریاد کرتے ہیں یا محمدؐ جیسے کہ وہ آپس میں کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ لا تجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضا رسول اللہ کو اس انداز میں نہ پکارو جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔ یعنی کہ نام لے کر آواز بلند کرنا۔ بلکہ کہو کہ یا رسول اللہ یا نبی اللہ توقیر تواضع کے ساتھ اور موہم آواز میں۔ اور تفسیر میں آیا ہے کہ ثابت بن قیس کے کانوں میں گرانی تھی۔ اور بلند آواز تھے۔ اور جب یہ آیت نازل ہوئی تو وہ اپنے گھر میں بیٹھ گئے اور آپ کی مجلس میں نہ آتے تھے۔ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ ثابت کو کیا ہو گیا ہے کہ ہمارے روبرو نہیں حاضر ہوتا اور دکھائی نہیں دیتا۔ پس اس کو بلایا گیا۔ اور وجہ دریافت کی۔ اس نے کہا یا رسول اللہ! آپ پر یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ اور میں بلند آواز رکھتا نہیں ہو۔ اور آنحضرت اس پر راضی ہو گئے۔ اور فرمایا تمہاری زندگی بخیر ہو گی۔ اور موت بھی خیریت سے ہو گی۔ اس کو جنت کی بشارت دی۔ اور وہ جنگ یمامہ کے دن فوت ہوئے رضی اللہ عنہ۔ اور اس قصہ کا ذکر کتاب کے آخر پر خطباء کے ذکر میں آئے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

اور اس طرح سے آنحضرت کو آپ کے حجرات سے باہر سے آواز دینا حرام تھا۔ اور حسن ادب یہ ہے کہ آئے اور دروزہ پر بیٹھ جائے جب تک کہ آنحضرت خود ہی باہر تشریف لے آئیں اور ملاقات کا شرف بخشیں۔ اور نہایت ادب میں ذکر اپنے مناسب مقام پر آئے گا۔

اور جملہ خصائص سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی زندگی کی آپ کے شہر کی اور آپ کے زمانہ کی قسم کھائی ہے جیسے کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔

حجرات سے باہر

اور یہ خصائص میں سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جملہ اقسام وحی میں آپ سے کلام فرمایا ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ اس کی تحقیق بعثت کے باب میں آئے گی۔

اور خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ آپ کے سامنے اسرافیل علیہ السلام نازل ہوئے اور آپ سے پہلے کسی نبی پر نازل نہ ہوئے تھے۔ طبرانی نے حدیث عمر سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا۔ کہ مجھ پر اسرافیل علیہ السلام نازل ہوئے اور وہ کبھی کسی دوسرے پیغمبر پر نازل نہ ہوئے اور نہ کسی پر نازل ہوں گے۔ اور فرمایا کہ میں تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہاری طرف بھیجا ہوا ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے امر کیا ہے کہ اگر آپ چاہتے ہیں تو پیغمبر اور بندہ بن کر رہیں۔ اور اگر آپ چاہیں تو پیغمبر اور بادشاہ بن جائیں۔ پس میں نے جبریل علیہ السلام کی طرف مشورہ کے لئے دیکھا کہ یہ کیا کہتے ہیں۔ اور آپ کیا کہتے ہیں پس جبریل علیہ السلام نے میری طرف اشارہ کیا۔ اور کہا کہ تواضع اختیار کریں اور بندہ بن کر رہیں۔ آنحضرت نے فرمایا کہ اگر میں کہتا کہ میں پیغمبر اور بادشاہ بنتا ہوں تو سونے کے پہاڑ میرے ساتھ ساتھ چلتے (کذافی مواہب لدینہ) اور یہ نہیں کہ آنحضرت پر اسرافیل علیہ السلام صرف ایک ہی دفعہ نازل ہوئے بلکہ وہ تو بارگاہ نبوت کے حاضر باش خدمت گاروں میں سے تھے۔

صاحب سفر السعادت نے لکھا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا سن مبارک سات سال تھا تو آپ کے دادا جان فوت ہو گئے۔ اور آپ کے چچا ابو طالب آپ کی تربیت و پرورش کی ذمہ داری کے شرف سے مشرف ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے اسرافیل علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ آنحضرت کی خدمت میں باقاعدہ رہیں۔ پس اسرافیل علیہ السلام ہمیشہ آپ کے قریب رہے جب تک کہ آپ کی عمر شریف کا گیارواں سال پورا ہو گیا۔ پھر جبریل علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ وہ آپ کی خدمت میں رہیں۔ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم۔

اور آپ کے خصائص سے ہے کہ آپ آدم علیہ السلام کی بہترین اولاد میں سے ہیں۔ مسلم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ میں روز قیامت اولاد آدم کا سردار ہوں اور چونکہ روز قیامت آپ سب سے بہتر اور سب سے مہتر ہوں گے تو دنیا میں تو بطریق اولیٰ آپ سب کے سردار ہیں کیونکہ وہ جگہ تو عزت' سیاست اور کرامت کے ظہور کی ہے۔ وہاں تو کسی کو دم مارنے کی طاقت نہیں سوائے آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے۔ جیسے کہ آیت پاک مالک یوم الدین کی تفسیر میں یہ نکتہ بیان کیا گیا ہے۔ اور ترمذی شریف میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت آئی ہے کہ انا سید ولد ادم یوم القیامۃ ولا فخر بیدی لواء الحمد ولا فخر مطلب یہ کہ جس طریقے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جل جلالہ کی حمد بیان کرتے ہیں کوئی دوسرا ایسی حمد بیان نہیں کر سکتا کیونکہ معرفت جس طرح آپ کو حاصل ہے کسی دوسرے کو نہیں ہے۔ اور جن نعمتوں سے آپ مشرف ہوئے ہیں۔ کوئی دوسرا نہیں ہوا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حمد بمعنی محمودیت (تعریف) ہو۔ تو اس سے یہ مراد ہے۔ کہ جس طرح روز قیامت آپ کی مدح و ثناء ہو گی کسی دوسرے کی نہ ہو گی۔ اور وہ روز آپ ہی کا دن ہو گا۔ اور اس دن شان آپ ہی شان ہو گی۔ اور آپ نے اپنے قول قول ولا فخر سے

آپ نے اثبات کیا کہ یہ فضیلت جو مجھے ملی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے فضل و کرامت ہے۔ اور یہ میری اپنی حاصل کی ہوئی نہیں ہے اور اس قسم کی طاقت بھی مجھ میں ازخود نہیں ہے کہ جس پر میں اپنے ذاتی فخر کا اظہار کروں۔ جس طرح کہ علماء کہتے ہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے یہ مراد ہو کہ آپ کو یہ سیادت جو اولاد آدم کی نسبت حاصل ہے اس پر مجھے کوئی فخر نہ ہے بلکہ مجھے تو اس نسبت پر فخر ہے جو مجھے اللہ تعالیٰ کے ساتھ حاصل ہے۔ جس طرح کہ بعض حضرات ولایت محمدیہ کو نبوت محمدیہ پر افضل سمجھتے ہیں۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ اور بعض ارباب معانی نے کہا ہے میرا فخر ذات واحد میں فنا پر ہے اور جود وجود کے آثار سے اور جو حیطہ تکوین کے تحت ہے اس سے نہیں جیسے کہ مشہور الفقر فخری۔ فقیر میرے لئے باعث فخر ہے۔ واللہ اعلم۔ اسی طرح پر ہے سید اولاد آدم اور سید جملہ مخلوق اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رب تعالیٰ کے نزدیک تمام انبیاء تمام رسولوں جملہ ملائکہ مقربین اور تمام زمین و آسمان کے باشندگان سے زیادہ عزت والے اور کرامت والے ہیں۔

اور خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام اگلوں اور پچھلوں کے گناہ آپ کے باعث بخش دیئے شیخ عزالدین عبدالسلام رحمتہ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ یہ خصوصیت محمدیہ ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ہی بخشش کی خبر دے دی۔ اس طرح کی خبر کسی اور نبی کے حق میں منقول نہیں ہوئی۔ یہاں تک کہ قیامت کے دن سب ہی نفسی نفسی کہیں گے۔ انتہی۔ اگر سب انبیاء مغفور ہیں تو ان کی تعذیب جائز نہیں ہے لیکن کسی نبی کو بھی اس دنیا میں صریحاً" آمرزش کی خبر نہیں دی گئی۔ اور اس کی تصدیح تو مخصوص ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے۔ اور آپ اپنے تمام غم و اندیشہ سے فارغ ہو گئے اور اطمینان کے لئے اپنی امت کے حال پر غور و تدبر پر لگ گئے اور ان کے گناہوں کی مغفرت کے لئے شفاعت میں اور ان کے درجات کی رفعت کے لئے کوشاں ہوئے۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ اور اس سلسلہ میں کلام پہلے گزر چکا ہے۔

اور جملہ خصائص سے یہ ہے کہ آپ کا قرین اسلام لے آیا۔ اور اس سخن کا بیان یہ ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک کے ساتھ اس کا قرین (ہمزاد) موکل کیا گیا ہے جنات میں سے اور ایک ہمزاد فرشتوں میں سے۔ لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا آپ کا حال بھی اسی طرح ہے۔ تو فرمایا کہ ہاں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں میری مدد فرمائی تو میرا ہمزاد مسلمان ہو گیا اب وہ سوائے اچھی بات کے اور کچھ نہیں کہتا۔ بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اسلام لانے سے مراد ہے حضور کا انقیاد اور اطاعت اور کہ آپ پر اس کے تصرف کا نہ ہونا۔ اور اکثریت اس قول پر ہے کہ درحقیقت اسلام لانا ہی مراد ہے۔

اور خصائص میں سے ہے کہ خطاء کا جواز نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اسے بیان کیا ہے۔ ماوردی نے اور حجازی نے بیان کیا ہے "مختصر روضہ" میں۔ اور ایک جماعت کا تو قول ہے کہ آپ پر بھول جانا اور نسیان بھی جائز نہیں ہے۔ شرح مسلم میں امام نودی سے اس قول سے متعلقہ حکایت بیان ہوئی ہے اور صاحب مواہب لدینہ نے بھی تفصیل اور اختلاف کے بغیر یہ بیان کیا ہے کہ ایسے اقوال اور خبریں جن کا تعلق تبلیغ' شرائع اور وحی کے ساتھ ہے۔ ان میں نسیان کے نہ

ہونے پر اجماع کرتے ہیں۔ اور خبروں کے بارے میں بعض علماء نے اختلاف کیا ہے۔ اور نسیان کو جائز رکھتے ہیں۔ یہ قول ضعیف ہے۔ کہ واقعہ کے خلاف کی خبر دینا یہ کذب و عیب ہے۔ جب کہ یہ ضروری ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو ان چیزوں سے پاک اور معصوم ماننا واجب ہے۔ اور یہ یقینی بات ہے کہ جملہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حضور علیہ السلام کے اقوال و اخبار کی تصدیق کرنے میں سبقت و عجلت کی عادت رکھتے تھے۔ خواہ وہ کسی چیز یا کسی بھی باب میں ہوں۔ اور جمہور علماء اسی مذہب پر ہیں۔ لیکن افعال کے متعلق نسیان جائز ہے اور اس کا وقوع نماز کے اندر صحت کے درجہ تک ہے۔ اور اب اس کو تسلیم کرنے سے گریز ناممکن ہے۔ ہاں ضمنی طور پر یہ اعتقاد ہونا ضروری ہے کہ اس میں مصلحت پائی جاتی ہے تشریعی حکمت کی اور امت کو اس کی پیروی کی سعادت مندی کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا بشری حصہ جبلی احکام کی بقاء اور آپ کے اعضاء کے افعال اور جوارح کی حرکات یہ تمام اسی عالم سے متعلق ہیں۔ واللہ اعلم۔ تحقیقت الحال

اور خطاء اگر اس خطاء سے اجتہاد میں خطاء مراد ہے جو بعض موقعوں پر سرزد ہوئی مثال کے طور پر بدر کے اسیروں سے وصولی فدیہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اس خطاء پر برقرار رہنے دیا گیا بلکہ آپ کو خبردار کر دیا گیا اور نسیان بھی اسی طرح ہی ہے لیکن شک تو آنحضرت سے پہلے واقع ہوا ہی نہیں۔ جس طرح کہ شک ہو جاتا ہے کہ دو رکعت ادا ہوئی ہیں یا کہ تین ہو چکی ہیں۔ آپ نے فرمایا ہے کہ شک شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔

اور انہی خصائص سے ہے کہ میت سے قبر میں آنحضرت کے متعلق سوال کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس مرد کے متعلق تو کیا کہتا ہے جو تمہارے درمیان مبعوث ہوا۔ (الحدیث کذا قالوا)۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دیگر انبیاء کے امتیوں سے انکے متعلق نہ پوچھا جائے گا قبر میں بعض علماء کا قول ہے کہ سوال قبر خصائص امت محمدیہ میں سے ہے صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کیونکہ برزخ کے عالم میں ان کو گناہوں سے پاک کر کے عالم آخرت میں لے جاتے ہیں۔

اور انہی خصائص سے ہے کہ خدائے عزوجل کی قسم آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ساتھ کھائی جانے اور آنحضور کے غیر کے ساتھ نہیں یعنی انبیاء و ملائکہ وغیرہ شیخ عزالدین ابن عبدالسلام نے کہا ہے کہ چاہیے کہ یہ بات صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ مخصوص و مقصود ہو۔ کیونکہ کوئی دوسرا آپ جیسا نہیں ہے کذا ذکر فی المواہب اللدنیہ۔

اور ان جملہ خصائص میں سے ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ازواج مطہرات آپ کے بعد دوسروں پر حرام کر دی گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وازواجہ امھتکم اس کی ازواج امتیوں کی مائیں ہیں یعنی حرمت کے لحاظ سے وہ ماؤں کے حکم میں ہیں۔ یہ آپ کی تکریم اور تعظیم کی وجہ سے ہے۔ آپ کی بیویاں جنت کے اندر آپ ہی کی ازواج ہوں گی۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

ما لکم ان تؤذوا رسول اللہ ولا ان تنکحوا ازواجہ من بعدہ ابدا۔

ترجمہ۔ تمہارے لئے مناسب نہیں کہ تم رسول اللہ کی ایذاء دو اور یہ بھی نہیں کہ تم اس کی بیویوں سے ان کے بعد نکاح کرو کبھی بھی۔

اور روضۃ الاحباب میں کہا گیا ہے کہ کہتے ہیں کہ طلحہ بن عبداللہ نے کہا۔ کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم دنیا سے رخصت ہوں گے تو میں عائشہ رضی اللہ عنہا کو چاہوں گا۔ پس یہ آیت نازل ہوئی۔ اور بعض کتب میں کہا گیا ہے کہ یزید شقی نے عائشہ رضی اللہ عنہا کا لالچ کیا۔ پس اس کے سامنے یہ آیت پڑھی گئی۔ اور وہ اس خواہش سے ممنوع ہو گیا۔ اور یہ بات ان ازواج کے حق میں ہے جن کو اختیار دے دیا گیا تھا کہ دنیا اور اس کی زینت کو اختیار کر لیں۔ یا خدا اس کے رسول کو پس جن عورتوں نے دنیا کی خواہش کی وہ آنحضور سے علیحدہ ہو گئیں ان کی حلالیت میں اختلاف پایا جاتا ہے امام الحرمین اور امام غزالی ان کو حلال سمجھتے ہیں۔ لیکن وفات آنحضرت تک جو بیویاں آپ کے ساتھ تھیں وہ حرام ہیں۔ ہر دو سرے پر اور دیکھنے کے جواز میں دو وجوہات ہیں۔ ان میں سے زیادہ مشہور ممانعت ہے۔ اور ماں کا حکم اطاعت و احترام اور نکاح حرام ہونے کے معانی رکھتا ہے۔ نہ کہ ان سے خلوت، نان و نفقہ اور میراث کے جائز ہونے میں۔ اور یہ حکم ان کے غیر سے متعدی اور متجاوز نہیں ہے۔ جس طرح کہ کہا جائے کہ آنحضرت کی دختریں مسلمانوں کی بہنیں ہیں۔ بر قول اصح اس طرح ہی مواہب لدنیہ میں درج ہے۔

اصل میں ازواج مطہرات کے حرام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں۔ اسی وجہ سے علماء کرام کہتے ہیں کہ ازواج مطہرات پر عدت وفات نہیں ہے اور اس عورت کے بارے میں جسے آنحضرت نے اختیار دیا اور جدا کر دیا جیسے کہ وہ عورت جس نے استعاذہ کیا آنحضرت سے اور وہ عورت جس کے نچلے حصہ میں آپ نے سفیدی دیکھ کر اسے جدا کر دیا۔ ان کے متعلق کئی اقوال ہیں۔ ایک تو یہ قول ہے کہ حرام ہے۔ امام شافعی نے اس پر سختی سے قیام کیا۔ دوسرا قول ہے کہ وہ حرام نہیں ہے۔ اور امام الحرمین نے کہا ہے کہ حرام ہے اگر اس سے مدخول بہا ہو چکا ہے یعنی ہم بستری۔ روایت ہے کہ اشعث بن قیس نے مستعیذہ عورت سے نکاح کیا حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں، پس عمر رضی اللہ عنہ نے قصد کیا کہ اسے رجم کریں۔ پس ان کی خبر دی گئی کہ دخول واقع نہ ہوا تھا۔ پس عمر رضی اللہ عنہ رجم سے رک گئے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ وطی کے بعد مفارقت کسری ایک عورت سے۔ اس بارے میں بھی تین قول ہیں جو منقول ہوئے ہیں۔ تیسرا قول ہے کہ حرام ہے اگر وفات پر مفارقت ہوئی۔ جس طرح کہ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا جو حضرت ابراہیم فرزند آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی والدہ تھیں۔ اور اگر زندگی میں ہی فروخت کر دیا جائے تو حرام نہیں ہے۔ (انتہی) یہ مسئلہ نیز اس قبیل سے ہے کہ جس کے ذکر کا اب کوئی فائدہ نہیں ہے۔ سوائے آنحضرت کے احوال شریف کے متعلق علم کے جیسے کہ کہا گیا ہے۔ ان خصائص کے بارے میں سابقاً جو احکام کی قبیل سے ہیں۔

اور یہ بھی ان جملہ خصائص میں سے ہے کہ آنحضرت کی ازواج کی شخصی ہیئت کو بھی بعد از نزول آیت حجاب دیکھنا حرام تھا۔ خواہ وہ پردے میں ہی کیوں نہ مستور ہوں۔ اور ان پر چہرہ اور ہاتھ کی ہتھیلی کھولنا بھی حرام تھا۔ خواہ کوئی حاجت ہی

ہو جیسے کہ گواہی دینا وغیرہ۔ جیسے کہ تمام عورتوں کے لئے جائز ہے یہ فتویٰ قاضی خاں کا ہے۔ اس نے کہا ہے کہ امہات المومنین پر ستر(پردہ) بلا اختلاف فرض کیا گیا ہے چہرے پر اور ہتھیلیوں پر بھی اور ان اعضاء کا کھولنا شہادت کے لئے بھی ان پر جائز نہیں ہے۔ نہ اپنی شخصیات کا اظہار ہی جائز ہے سوائے اس کے جب ضرورت ہو جیسے کہ پیشاب پاخانہ وغیرہ۔ اور موطاء میں اس روایت سے اس طرح استدلال کیا گیا ہے کہ جب حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا جو عمر رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں انہوں نے وفات پائی تو عورتوں نے ان کے جسم کو پوشیدہ کر دیا۔ تاکہ کوئی ان کے وجود کو نہ دیکھے۔ اور زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی نعش پر قصبہ بنایا تاکہ ان کی شخصیت پوشیدہ ہو جائے اور صاحب مواہب لدنیہ نے علامہ ابن حجر عسقلانی سے نقل کیا انہوں نے کہا ہے کہ جو کچھ قاضی خاں نے کہا ہے اس کی کوئی دلیل نہیں ہے جو اس نے ان پر فرضیت کا دعویٰ کیا ہے۔ اور تحقیق یہ ہے کہ ازواج مطہرہ حج کے لئے باہر آتی تھیں اور طواف کرتی تھیں۔ اور صحابہ اور تابعین ان سے احادیث سنا کرتے تھے۔ ان کے جسم کپڑوں سے ڈھکے ہوئے ہوتے تھے۔ اور جسم کی ہیئت وجودی پوشیدہ نہ ہوتی۔ (انتہی)

امہات المومنین کے حجاب کا معنی ہے تشخص کا اظہار نہ کرنا۔ خواہ وہ کپڑوں میں مستور ہی ہوں۔ یہ مشہور امر ہے اور مقرر وجہ ہے۔ پس اس کلام سے علامہ ابن حجر کی کیا غرض ہے کیا فرضیت کی نفی ہے جیسے کہ ان کے کلام سے ظاہر ہے۔ یا وہ انہیں ضرورت میں داخل کرتے ہیں۔ فتدبروا

امہات المومنین کا ظہور تشخص حج اور طواف کے موقع پر ثابت ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب ہم حج کے راستہ میں عورتوں کے گروہ میں ہوتیں تو اپنے چہرے کھول لیتیں تھیں۔ اور جب دیکھتیں کہ دوسرے لوگ پہنچنے ہی والے ہیں تو چہروں پر پردہ ڈال لیتے تھے۔ اور اسی طرح حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کمزوری کے باعث طواف نہ کر سکتی تھیں لوگوں کے ہجوم میں تو آنحضرت نے فرمایا کہ لوگوں کے پیچھے پیچھے طواف کر لو۔ بہر حال یہ تو بالکل واضح ہے کہ ان کا کالبد شریف ظاہری تھا۔ اور یہ قول کہ ان کے اوپر کوئی قبہ یا عماری وغیرہ کوئی چیز ہوتی ہو گی بالکل بعید ہے۔ اور جو احادیث سنانے کی حالت ہے۔ تو امکان ہے۔ پس پردہ سے سناتی ہوں گی۔ عبد الواحد بن ایمن اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قریب آیا اس وقت ان کے اوپر اوڑھنی تھی۔ ظاہر یہ ہے کہ ان کے وجود کے اوپر تھی۔ اور اگر حجاب سے یہ مراد لیتے ہیں کہ جو حصے یعنی چہرے اور ہتھیلیاں دوسری عورتوں کے لئے ننگی کرنا جائز ہیں ان پر حرام ہیں نہ کہ شخصیت کا ستر تو کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔ (واللہ اعلم فتدبروا)

ازاں جملہ خصائص یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی صاحبزادیوں کی اولاد کی نسبت آنحضور کی طرف کی جاتی ہے۔ جیسے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ہے ہر نبی کی اولاد اس کی صلب سے ہوتی ہے۔ اور میری اولاد علی رضی اللہ عنہ کی صلب سے ہے۔ اور حسن و حسین رضی اللہ عنہما کی شان میں حدیث میں آیا ہے۔ کہ

هذان وابنا بنتی اللهم انی احبهما فاحبهما واحب من یحبهما۔

ترجمہ۔ یہ دونوں ہی میری بیٹی کے بیٹے ہیں۔ اے اللہ تعالیٰ میں ان سے محبت کرتا ہوں۔ تو بھی ان کو

محبوب رکھ اور جو ان کو محبوب رکھے۔ ان سے بھی اے اللہ محبت رکھ۔

دوسری ایک حدیث میں آیا ہے کہ۔

ان ابنی ھذین ریحانتی من الدنیا۔

ترجمہ۔ بلاشبہ یہ دونوں میرے فرزند میرے لئے دنیا کے دو پھول ہیں

علاوہ ازیں روایت میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم حضرت فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا سے فرماتے تھے کہ میرے دونوں بیٹوں کو میرے پاس بلاؤ۔ پس حضور ان کی خوشبو سونگھتے تھے اور اپنے سینہ سے چمٹاتے تھے۔ اور امام حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہتے تھے۔ ان ابنی ھذا سید اس میں شک نہیں کہ میرا یہ بیٹا سید ہے۔

دیگر ایک حدیث میں آیا ہے حسن و حسین دونوں صاجزادوں میں سے کوئی ایک مسجد میں آئے رضی اللہ عنہما اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی پشت پر جب کہ وہ سجدہ میں تھے۔ بیٹھ گئے۔ آنحضرت نے سجدہ سے سر اوپر نہ اٹھایا اور سجدہ کو طویل کر دیا۔ نماز کے بعد صحابہ نے آنحضرت سے سجدہ کے بارے میں استفسار کیا۔ کہ یا رسول اللہ کیا سجدہ کے دوران وحی کا نزول ہوا تھا؟ آپ نے فرمایا کہ میری پشت پر میرا بیٹا سوار ہو گیا تھا۔ میں نے جلدی کرنے کو بہتر نہ جانا جب تک کہ وہ خود نہ نیچے اترے۔ اور مباہلہ سے متعلقہ آیت بھی اس پر دلالت کرتی ہے۔ وہ آیت یہ ہے ندع ابناءنا ہم اپنے بیٹوں کو بلا لیں۔

آنحضرت کے جملہ خصائص میں سے یہ ہے کہ ہر شخص کا سبب اور نسب قیامت کے روز منقطع ہو جائے گا۔ یعنی روز قیامت یہ سود مند نہ ہوں گے۔ سوائے میرے (رسول اللہ کے) سبب اور نسب کے۔ اور نسب سے آپ کی اولاد مراد ہے اور سبب سے آپ کی ازواج مطہرات مراد ہیں۔

اسی لئے امیر المومنین عمر نے فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا کی صاجزادی سے نکاح کیا کہ آپ کے سبب یعنی اولاد سے اتصال ہو جائے۔ یہ قصہ اس کے مناسب مقام پر زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا جائے گا۔

اور یہ بھی خصائص ہی سے ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے صاجزادیوں کے ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح نہ کیا گیا تھا۔ اس سے یہ مراد ہے کہ جب آپ کی کوئی بیٹی کسی کے نکاح میں ہوتی تو اس کے لئے جائز نہ تھا کہ بنت رسول کی موجودگی میں کوئی دوسری عورت نکاح کر کے اپنے گھر میں لائے۔ فی الحقیقت اس باب میں جناب فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا کا قصہ مذکور ہے۔ کہ ابو جہل کی جو لڑکی مسلمان ہو کر مدینہ آ گئی تھی اس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نکاح کرنا چاہتے تھے۔ اور جب بی بی فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا نے یہ خبر سنی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے پاس آئیں اور کہا کہ آپ کی قوم کے لوگ کہتے ہیں کہ آپ اپنی دختروں کے متعلق بد خواہ نہیں ہیں اور یہ علی ہیں کہ ابو جہل کی لڑکی سے نکاح کرتے ہیں۔ اور آپ کچھ نہیں فرماتے۔ پس آنحضرت اٹھے اور منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ اور خطبہ ارشاد فرمایا کہ میں نے اپنی صاجزادی کا نکاح ابو العاص کے ساتھ کیا۔ ابو العاص آنحضرت کے داماد کا نام ہے۔ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم۔

حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا آنحضرت کی صاحبزادی ان کے گھر تھی۔ اس نے ہمارے ساتھ درست سلوک کیا۔ اور ہماری رضا اور خوشنودی کا خیال رکھا۔ اور حضرت بی بی فاطمہ میری جگر گوشہ ہے میں پسند نہیں کرتا کہ اسے آزار دیا جائے اور آزمائش میں ڈالا جائے اور ایذاء دی جائے۔ اور میں نے سنا ہے کہ علیؓ نے ابوجہل کی لڑکی کی خواستگاری کی ہے۔ اور خدا کی قسم خدا کے رسول کی صاحبزادی اور خدا کے دشمن کی لڑکی ایک ہی مرد کے نکاح میں ہوں۔ چاہیے کہ پہلے فاطمہ کو طلاق دے۔ اس کے بعد اس سے نکاح کرے۔ پس علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ آئے اور انہوں نے عذر خواہی کی۔ اور ابوجہل کی لڑکی کی خواستگاری کو ترک کر دیا۔ پس آنحضرتؐ نے علیؓ پر حرام کر دیا کہ فاطمہ کی زندگی میں دوسری عورت سے نکاح کریں۔ آپ نے فرمایا کہ یا علی! میں تجھے دوست رکھتا ہوں۔ اور میں ڈرتا ہوں کہ تو فاطمہ کو تنگ کرے گا تو وہ تنگی مجھے ہوگی۔ یہ حدیث گو فاطمہ زہرہ رضی اللہ عنہا سے مخصوص ہے لیکن جب خواستگاری ایذاء کی موجب ہے لہٰذا تمام صاجزادیوں کے حق میں اس کا اجراء ہوا۔ فتدبر ولا۔

اور خصائص میں سے یہ ہے کہ مدینہ شریف میں، جو مسجد نبوی ہے اس کے محراب میں قبلہ کی تعیین کے لئے اجتہاد اور تحری نہ کی جائے گی دائیں بائیں۔ اور شیخ الاسلام ابوزرعہ نے ایسے شخص کے بارے میں فتویٰ دیا جس نے کہ محراب نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف نماز پڑھنے سے انکار کیا تھا۔ اور کہا کہ میں قبلہ کے متعلق اجتہاد کروں گا۔ اور پھر نماز پڑھوں گا۔ کیونکہ اگر اس نے یہ کلام اس اعتراف کے ہوتے ہوئے کیا کہ یہ محراب آنحضرت کے زمانہ میں موجود تھا تو مرتد ہو گیا۔ **نعوذ باللہ عنہا**۔ اور اگر تاویل کرتا ہے کہ اس وقت کا موجودہ محراب وہ محراب نہیں جو آنحضرت کے زمانہ میں تھا۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ بلکہ اس محراب میں تغیر و تبدل ہے تو کافر نہیں ہوتا۔ اور روایات میں آیا ہے کہ درمیان میں سے تمام حجابات اٹھا دیے گئے تھے۔ آنحضرت نے کعبہ کو دیکھا اور اس کی سمت میں محراب تعمیر فرمایا۔

اور یہ بھی ان خصائص سے ہے کہ جو کوئی خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھے تو وہ حقیقتاً آپ ہی کو دیکھتا ہے۔ اس میں شک و شبہ نہیں ہے کیونکہ شیطان ان کی تمثیل اختیار نہیں کر سکتا۔ یعنی ان کی صورت شریف میں ظاہر نہیں ہو سکتا۔ اسے قدرت نہیں دی گئی۔ کہ وہ اس باب میں آنحضرت پر افتراء کر سکے اور ایک روایت میں آیا ہے کہ آپ نے فرمایا من رانی فقد رای الحق اس سے مراد بھی وہی خواب میں دیکھنا ہے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں آیا کہ من رانی فی المنام فقد رانی یعنی اگرچہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو طاقت بخشی ہے کہ جس صورت میں وہ چاہے برآمد ہو اور دکھائی دے۔ لیکن اس کے لئے ممکن نہیں بنایا گیا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صورت میں برآمد ہو سکے۔ کیونکہ آنحضرت مظہر ہدایت ہیں اور شیطان مظہر ضلالت ہیں اور ہدایت و ضلالت ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ حتیٰ کہ شیطان رب تعالیٰ کی صورت میں ظاہر ہو سکتا ہے اور فریب اور دھوکا دے سکتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہدایت اور ضلالت دونوں کا پیدا کرنے والا ہے اور حضور علیہ السلام کی ذات میں یہ دونوں چیزیں محل اشتباہ نہیں ہیں۔ (کذا قالوا) اور بعض کہتے ہیں کہ یہ فضیلت تمام انبیاء کے لئے عام ہے۔ اور شیطان کسی بھی نبی کی شکل میں نہیں ہو سکتا لیکن صاحب مواہب لدنیہ نے یہ

(16) نبی کی زیارت خواب میں

فضیلت آنحضرت کے خصائص میں رکھی ہے صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے دیکھنے میں شرط نہیں ہے کہ بصورت خاص ہی دیکھا جائے۔ جس نے جس صورت میں بھی دیکھا آپ ہی کو دیکھا۔ اور بعضوں نے اس میں شک کیا کہ کہا کہ یہ اس وقت ہی درست ہے جب کہ بصورت خاص دیکھا جائے۔ مراد یہ ہے کہ دیکھنے والے نے آپ کو اس شکل و صورت میں دیکھا ہو جو فی الحقیقت اور واقعی آپ کی صورت ہے۔ بعض نے اس سے بھی زیادہ تنکیر کی اور کہا کہ اس صورت میں دیکھا جائے جس میں آپ نے رحلت فرمائی تھی۔ یہاں تک کہ وہ آپ کی ریش مبارک کے سفید شدہ چند بال بھی شمار میں لاتے ہیں۔ مطلب یہ کہ آپ کی ریش مبارک میں سفید بال تعداد میں بیس عدد سے زیادہ نہ تھے۔ اور کہا جاتا ہے کہ ابن سیرین خواب کی تعبیر بتانے میں ماہر تھے۔ اگر کوئی آدمی آتا اور کہتا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے تو وہ پوچھتے تھے کہ تم نے کس صورت میں دیکھا۔ اور اگر وہ آدمی اسی طرح کی صورت نہ بتاتا جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تھی تو وہ کہہ دیتے تھے کہ تم نے آپ کی زیارت نہیں کی ہے۔ علماء نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح السند ہے۔ (واللہ اعلم)

ایک آدمی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ خواب میں میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ الہ وسلم کی زیارت کی ہے۔ آپ نے پوچھا کہ تم نے آپ کو کس صورت میں دیکھا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ میں نے جناب امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کی شکل و صورت میں دیکھا ہے۔ یہ سنا تو ابن عباس رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ تو نے ٹھیک آنحضرت صلی اللہ علیہ الہ وسلم ہی کو دیکھا ہے۔ بعض علماء کا یہ قول ہے کہ آپ کو مخصوص آپ ہی کی صورت اور آپ کی معروف صفات کے ساتھ زیارات کرنا اصل میں آپ کی حقیقت کا ادراک ہوتا ہے۔ اور اس کے علاوہ کسی صورت میں دیکھنا آپ کی مثال کا ادراک ہوتا ہے۔ لیکن جملہ محدثین اس درست بات پر متفق ہیں کہ حضور علیہ السلام جس صورت میں بھی دکھائی دیں وہ حقیقتاً آپ ہی ہوتے ہیں۔ لیکن آپ کی خاص شکل و صورت میں زیارت اتم اور اکمل ہوتی ہے۔ اور صورتوں میں فرق آئینہ خیال کا تفاوت ہوتا ہے۔ آئینہ خیال جس کسی کا نور اسلام سے صاف تر اور منور تر ہو گا۔ اتنی ہی اس کی رویت درست تر ہو گی اور کامل تر۔ اس مقام کی تحقیق میں بہت سے اقوال ہیں۔ اور شرح مشکوۃ میں وہ تمام اقوال مندرج کئے گئے ہیں۔ وہاں دیکھنے چاہئیں۔ اور حدیث مسلم میں آیا ہے کہ من رانی فی المنام فسیرانی فی الیقظۃ (جس نے مجھے خواب میں دیکھا وہ جلد ہی بیداری میں بھی دیکھ لے گا) چند وجہوں سے اس حدیث کی توجیہات ہوئی ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ وہ آخرت میں دیکھے گا۔ جب کہ علماء کہتے ہیں کہ آخرت میں تو سب ہی آپ کی زیارت سے مشرف ہوں گے۔ خواب میں زیارت کرنے کا کیا تخصیص ہے۔ علماء کرام کا قول ہے اس قسم کی رویت کے لئے مخصوص رویت اور مخصوص قرابت ہو گی۔ ممکن ہو سکتا ہے امت کے کچھ گنہگار کسی وقت آپ کی زیارت کے باعث اپنے گناہوں کی شومی اور بدبختی سے محروم ہیں۔ بخلاف اور برعکس اس رویت نبوی کے کہ گنہگار اس محرومی اور بدبختی و حرماں نصیبی سے محفوظ و مامون ہو جائیں۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ بیداری میں دیدار سے مراد خواب میں رویت کی تاویل ہے۔ اور اس کی صحت ہے۔ اور یہ اہل زمانہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے مخصوص ہے کیونکہ آپ نے خوشخبری دی کہ جو کوئی شخص خواب میں دیکھے گا۔ امید ہے کہ وہ آپ کا ہمعصر آدمی دن کے وقت صحبت سے بھی مشرف ہو گا۔ یہ معنی ظاہر ہیں جس طرح کہ بعض روایات میں نیز آیا ہے کہ ایک آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کرنے لگا میرا والد بہت بوڑھا ہو چکا ہے جناب والا کی صحبت میں حاضری کی تاب نہیں رکھتا۔ لیکن نیند کے دوران آپ کی زیارت سے مشرف ہو چکا ہے۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا۔

جس نے مجھے خواب میں دیکھ لیا وہ جلدی ہی بیداری میں بھی زیارت کرے گا۔ یہ بھی امکان ہے کہ کچھ مستعد اور بارگاہ رسالت کے مقربان اور اہل سلوک کے لئے خوشخبری ہو کہ وہ کبھی کبھی اس شرف سے مشرف ہو کر بیداری میں بھی زیارت کی سعادت حاصل کریں۔ لیکن علماء آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم بڑی غمگین اور اندوہگین تھیں حتیٰ کہ صحیح قول کے مطابق اس اندرونی غم کے باعث حضور کی اس دنیا سے وفات کے بعد بیداری میں زیارت کے خلاف ہیں۔ صاحب مواہب لدینہ نے اپنے شیخ سے نقل کیا ہے۔ کہ انہوں نے فرمایا کہ ہم میں سے کسی شخص نے بھی بیداری میں زیارت نہیں کی خواہ وہ صحابہ سے ہو یا بعد والوں میں سے ہو۔ اور یہ امر تحقیق سے خوب ثابت ہے کہ حضرت فاطمۃ الذہرہ رضی اللہ عنہا وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے چھ ماہ بعد آپ بھی وفات پا گئیں۔ جب کہ آپ کا گھر مبارک حضور کی قبر شریف سے نزدیک ہی تھا۔ لیکن جدائی کے اس عرصہ کے دوران بیداری میں حضور کی زیارت سے متعلق ان سے کسی شخص نے نقل نہیں کیا۔ لیکن کچھ نیک لوگوں نے اپنے نفوس سے متعلق حکایات بیان کی ہیں۔ جس طرح بازری صاحب کی کتاب توثیق عبدس الایمان میں ابن ابی حمیرہ نے کی ہے۔ اسی طرح بہجتہ النفوس میں اور عفیف یافعی کی روض الریاحین اور ان کی دوسری تصانیف میں اور شیخ صفی الدین بن المنصور کے رسالہ میں تذکرہ کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں مواہب لدینہ میں ابن ابی حمیرہ کی عبارت نقل کی گئی ہے۔ اور انہوں نے کہا ہے کہ سلف و خلف میں سے ایک جماعت ایسی ہے۔ جس نے اس کا تذکرہ کیا ہے۔ اور اس حدیث کی انہوں نے تصدیق کی ہے۔

کہ ہم نے خواب میں آنحضرت کی زیارت کی اس کے بعد بیداری میں بھی اس شرف سے مشرف ہوئے۔ اور انہوں نے آنحضرت سے اپنی مشکلات و پریشانیوں سے چھٹکارے کا طریقہ جانا۔ آپ نے ان کو ان سے نجات کے طریقے ارشاد فرمائے اگر انسان کا اعتقاد کرامات اولیاء پر نہ ہو تو اس امر پر بحث ناممکن ہے۔ کیونکہ جو کچھ بھی اس بارے میں کہیں گے وہ اسے جھوٹ سمجھے گا۔ اور اگر اعتقاد ہے اور تصدیق بھی کرتا ہے تو اس سے یہ کہنا چاہیے کہ بیداری میں زیارت سے مشرف ہونا بھی کرامات میں سے ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس قسم خوارق اور عجیب و غریب واقعات متعلق بہ عالم علوی و سفلی اولیاء کے لئے منکشف ہوتے ہیں۔ جن پر کسی دوسرے انسان کی رسائی نہیں ہے۔ علاوہ ازیں صاحب مواہب لدینہ نے نقل کیا ہے۔ کہ شیخ ابو منصور نے اپنے رسالہ میں ذکر کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اہل کمال کا بیان ہے کہ ایک بار شیخ ابو العباس قسطلانی دربار رسالت مآب میں آئے۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔

اے احمد! اللہ تعالیٰ تمہاری دستگیری فرمائے۔

اور صاحب مواہب لدینہ نے شیخ ابوالسعود سے نقل کیا ہے کہ میں نے تمہارے شیخ ابوالعباس اور دوسرے شیوخ اور صلحاء زمانہ کی زیارت کی ہے۔ اس کے بعد سب قطع تعلق کر کے میں مشغول ہوگیا۔ اور مجھ پر انکشافات ہونے لگے۔ اس کے بعد میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کی بارگاہ میں شیخ کو موجود دیکھا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ان سب سے بعد میں میرے ساتھ مصافحہ فرمایا۔

شیخ ابوالعباس حراں نے بیان فرمایا ہے کہ ایک دفعہ میں پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس حاضر آیا تو میں نے دیکھا کہ آنحضرت اولیاء کے لئے فرامین تحریر کر رہے ہیں۔ اور ایک فرمان میرے بھائی محمد نامی کے لئے بھی تحریر فرمایا۔ میں نے عرض کیا کہ جناب والا نے میری خاطر کوئی حکم صادر نہیں فرمایا۔ جیسے کہ میرے بھائی کے لئے تحریر کیا ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ اس کے لئے اس سے سوا ایک مقام ہے۔

اور امام حجتہ الاسلام اپنی کتاب **منتقہ من الضلال** میں فرماتے ہیں کہ ارباب قلوب بیداری کی حالت میں ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام کی ارواح کو دیکھتے ہیں ان کی آوازیں سنتے ہیں اور ان سے انوار کا اقتباس کرتے ہیں اور بھی فوائد حاصل کرتے ہیں۔

حضرت سید نور الدین الحی جو سید صفی الدین اور سید عفیف الدین کے والد تھے۔ وہ حکایت بیان کرتے ہیں کہ بعض اوقات انہوں نے زیارت کے وقت قبر مبارک کے اندر سے سلام علیکم کا جواب یعنی وعلیکم السلام یا والدی سنا ہے۔ مواہب لدینہ میں اس کی طرح کی بہت سی حکایات بیان ہوئی ہیں جن سے ہر دو قسم کی زیارات بحالت بیداری اور بحالت خواب کا احتمال ہوتا ہے۔ اور علماء سے منقول ہے کہ شیخ شہاب الدین سہروردی قدس اللہ سرہ العزیز اپنی کتاب عوارف المعارف میں سیدنا غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ آپ نے فرمایا کہ میں نے نکاح کا ارادہ نہ کیا تھا جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے مجھے نکاح کا حکم نہ فرمایا تھا۔

راقم الحروف بندہ مسکین عبدالحق بن سیف الدین ثبتہ اللہ فی مقام الصدق و الیقین کہتا ہے کہ بجتہ الاسرار شیخ ابوالحسن علی بن یوسف شافعی لخمی رحمتہ اللہ کی تصنیف ہے۔ ان کے اور حضرت سید عبدالقادر غوث الثقلین رضی اللہ عنہ کے درمیان صرف دو واسطوں کا فرق ہے وہ جلیل القدر شیخ ابوالعباس احمد بن شیخ عبداللہ ازہری حسینی رضی اللہ عنہما سے راوی ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی کی مجلس میں حاضر ہوا۔ اس وقت دس ہزار کی تعداد میں لوگ مجلس شریف میں موجود تھے۔ اور شیخ علی بن ہیتی غوث اعظم کے سامنے مواجہ میں تھے۔ کیونکہ ان کی یہی جگہ مقرر تھی۔ انہیں اونگھ آگئی۔ پس شیخ عبدالقادر نے لوگوں سے فرمایا خاموش ہو جاؤ۔ پس لوگ خاموش ہو گئے اور ان کے سانسوں کے سوا ان کی کوئی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ جناب شیخ نیچے اترے اور دست بستہ شیخ علی ہیتی کے سامنے باادب کھڑے ہو گئے۔ اور اس میں اپنی نظر کو تیز کرتے تھے۔ اس کے بعد شیخ علی بیدار ہوئے تو شیخ عبدالقادر جیلانی نے فرمایا آیا تو نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی زیارت کی ہے خواب میں۔ اس نے کہا ہاں پس شیخ نے کہا اسی لئے میں مودب کھڑا ہو گیا

(17) غوث اعظم نے زیارت کی۔ علی ہیتی سے

تھا۔ پھر پوچھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ الہ وسلم نے تجھے کیا وصیت فرمائی ہے۔ اس نے عرض کیا کہ مجھے وصیت فرمائی ہے کہ آپ کی خدمت میں ہی رہوں۔ شیخ علی ہیتی نے لوگوں سے کہا کہ جو کچھ میں نے خواب میں دیکھا شیخ جیلانی نے وہ بیداری میں دیکھا۔ اور روایت کی گئی کہ اس روز مجلس شریف میں سات مرد مر گئے تھے۔

اور جان لیں کہ صاحب مواہب لدینہ نے روایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق مشائخ کے اقوال نقل کرنے کے بعد شیخ بدر الدین حسن بن اہدل سے روایت درج کرتے ہیں کہ بیداری میں زیارت رسول اللہ کا واقع ہونا اولیاء کی قبروں کے ذریعہ سے تواتر کی حد تک ثابت شدہ ہے۔ ان سے اس قسم کا علم حاصل ہوتا ہے کہ شک وشبہ نہیں رہتا۔ زیارت شریف کے وقت پر ان اولیاء کے حواس گم ہو جاتے ہیں۔ اور ایسی کیفیت طاری ہو جاتی ہے جو بیان عبارت میں لایا نہیں جاسکتا اور اس رویت کے سلسلے میں ان کے احوال مختلف ہوتے ہیں۔ اور کبھی غیوبت حواس کی حالت میں زیارت سے مشرف ہوتے ہیں۔ اور اسے بیداری خیال کرتے ہیں۔ اور کبھی خیال وتصور میں دیکھتے ہیں تو اسے رسول اللہ سمجھتے ہیں۔ بلکہ آپ کی زیارت و رویت بیداری اور خواب کے مابین ہوتی ہے۔ ہاں ارباب قلوب جو دائمی مراقبے اور توجہ میں ہوتے ہیں۔ اپنے نفس کی کدورتوں سے پاک اور دنیا والوں سے علیحدہ ہوتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عاشق و مشتاق ہیں۔ اور یہ اولیاء تمام اہل و عیال اور مال و متاع سے جدا ہوتے ہیں۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت اس انداز سے کرتے ہیں جس طرح جناب شیخ عبد القادر جیلانیؒ نے اپنی آنکھوں سے صورت متمثلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا۔ اور وہ ہر عالم مبرا از جسمانیت میں حالت ذوق میں کلام کرتے ہیں۔

شیخ ابو العباس مرسی سے حکایت بیان کرتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ اگر ایک چشم زدن کے لئے میری آنکھوں کے سامنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جمال جہاں آراء او جھل ہو جائے۔ تو میں اپنے آپ کو اہل اسلام میں شمار نہ کروں گا۔ اور یہ دوامی مشاہدہ حضوری پر محمول ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت، آداب اور سلوک و مناہج کی پاسداری کے باعث ہے۔

الاحسان ان تعبد اللہ کانک تراہ

ترجمہ۔ احسان یہ ہے کہ تم اس طرح عبادت کرو جیسے کہ خدا کو دیکھ رہے ہو۔

اور شیخ ابو العباس مرسی کی حکایت کے بعد نے کہا ہے کہ یہ جائز ہے کہ مشائخ کے کلام میں اس طرح واقع ہوتا ہے۔ اور مراد یہ ہے کہ بوجہ دوامی مراقبہ و حضوری اور اقوال و اعمال میں استحضار کے باعث غفلت و نسیان کے پردے میں محجوب نہیں اور یہ نہیں کہ آنحضرت ں روح و شخصیت سے اپنی آنکھوں سے محجوب نہیں کیونکہ یہ تو محال ہے۔ واللہ اعلم۔ یہ مواہب لدینہ کی عبارت کا خلاصہ ہے جو انہوں نے سر کی آنکھوں سے بیداری کے عالم میں رویت کے انکار میں نقل کی ہے۔

یہ بندہ مسکین (عبد الحق) ثبتہ اللہ علی طریق الصدق والیقین و خلصہ من کدورات الظن والتخمین کہتا ہے

کہ دائمی مراقبہ اور شوق و محبت کا غلبہ' زیارت بچشم خیال اور مثل کے تصور یہ اہل شوق و طلب اور ارباب سلوک کا مرتبہ ہے کہ وہ ان صفات سے متمتع اور محظوظ ہوتے ہیں۔ بات تو صورت و مثل کی رویت پر ہو رہی ہے۔ جس طرح کہ خواب میں جائز ہے کہ آنحضرتؐ کا جوہر شریف متصور اور متمثل ہو جائے اور اس میں شیطانی تمثل کا شک نہ ہو۔ یہ بیداری میں بھی حاصل ہوتا ہے۔ جس طرح کہ بہجۃ الاسرار کی حکایت سے ظاہر ہوتا ہے۔

اور جیسے کہ ایک حکایت میں آیا موسیٰ علیہ السلام کو میں چند ہزار بنی اسرائیل کے ساتھ عبا پہنے حج کے لئے آتا ہوا دیکھتا ہوں۔ اور وہ تلبیہ پڑھتے ہیں۔ یہ بھی خواب اور یقین میں مبالغہ پر محمول کرنا ظاہر کے خلاف ہے۔ اور تمثیل سکوتی در صورت ناسوتی یعنی ملائکہ کا انسانی شکل اختیار کرنا حقیقت ہے۔ اور یہ مستلزم نہیں کہ آنحضرت علیہ السلام قبر شریف سے باہر آ جاتے ہیں اور یہ بھی لازم نہیں کہ ان بیداری میں زیارت کرنے والوں کو صحابہ کہا جائے۔ اور وجوہ کی بنا پر وہ حکم صحابہ رکھتے ہیں۔ اور اگر ذکر کے غلبہ کے باعث عالم حسی سے غیوبیت ثابت کریں اور نیند اور خواب کا اثبات نہ کیا جائے تو کوئی چیز مانع نہیں۔ کیونکہ نیند بھی تو نام ہے معطلی حواس کا بوجہ غلبہ رطوبت مزاجی۔ اور یہاں ذکر شہود کے باعث حواس کی غیوبیت ہے۔ اور یہ عالم بیداری کے دوران ہے نہ کہ عالم خواب میں۔

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وفات شریف کے بعد دیکھنا یہ مثالی طور پر ہے۔ جس طرح کہ عالم خواب میں ہوتا ہے۔ اور اسی طرح ہی بیداری میں بھی زیارت ہو سکتی ہے۔ اور آپؐ کا جو جسم مقدس مدینہ شریف میں قبر انور میں ہے وہی وجود مبارک متمثل ہوتا ہے اور مختلف اور متعدد صورتوں میں ایک آن میں متعدد و مقامات پر عوام خواب کے دوران اور خواص بیداری میں زیارت سے مشرف ہوتے ہیں۔ صاحب مواہب لدنیہ فرماتے ہیں کہ اولیاء کرام کی کرامات کو سچ سمجھنے والا شخص جو یہ بھی جانتا ہے کہ اولیاء کا مرتبہ ہے کہ ان پر زمین و آسمان کی ہر شے منکشف ہوتی ہے۔ یہ رویت بھی اسی قسم سے ہوتی ہے۔ اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عام آدمی جو کچھ خواب میں دیکھتا ہے خواص اسے بیداری میں دیکھتے ہیں۔ جو کچھ عوام کو محنت اور مشقت کے بعد ملتا ہے۔ اولیاء کرام کو وہ بذریعہ موہبت ملتا ہے۔ یعنی وہبی طور پر اللہ تعالیٰ سے ان کو عطاء ہوتا ہے۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل

تنبیہہ۔ اگرچہ رویت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خواب میں ثابت اور حق ہے۔ اس میں شک نہیں ہے۔ لیکن کہتے ہیں جو کچھ احکام کی قسم سے زائد سنتا ہے ان پر عمل نہ کرے۔ اس لئے نہیں کہ رویت میں کوئی شک ہے بلکہ اس لئے کہ نیند کی حالت میں احکام کا ضبط و حفظ نہیں ہوتا۔ کما قالوا۔ اس سے مراد اس طرح کے شرعی احکام ہیں جو دین اور شریعت کے خلاف ہوتے ہیں۔ سوائے ان علوم کے جو اس قبیل سے نہیں ہوتے ان کو مان لینے اور ان پر عمل پیرا ہونے سے کسی کو اختلاف نہیں ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اکثر محدثین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے احادیث کی صحت تصدیق کرائی ہے۔ اور کہا ہے کہ یہ حدیث (یعنی فلاں فلاں حدیث) آنحضرتؐ سے مروی ہے اور انہوں نے عرض کیا ہے کہ کیا فلاں حدیث آپ سے روایت ہوئی ہے؟ جس کے جواب میں آنحضور نے فرمایا کہ ہاں یا نہیں۔ اور کچھ مشائخ عالم

بیداری میں بھی علوم سے مستفید ہوئے ہیں۔ واللہ اعلم۔

آنحضورؐ کے نام پر نام رکھنا اور یہ بھی آپ کے خصائص سے ہے کہ آپ کے اسم پاک پر نام رکھنا بڑا مبارک اور برکت والا ہے اور دین و دنیا میں بڑا نافع ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔ کہ بارگاہ الٰہیہ میں دو آدمیوں کو کھڑا کیا جائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ ان کو بہشت میں داخل ہونے کا حکم دے گا۔ اور خدا کے یہ دو بندے عرض کریں گے کہ یا اللہ ہم کس چیز کی بنا پر جنت کے مستحق قرار پائے ہیں۔ جب کہ ہم نے کوئی ایسا عمل نہیں کیا ہے۔ جس کی جزا تو ہمیں جنت عطا کرتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ ان کو فرمائے گا بہشت میں داخل ہو جاؤ کیونکہ میں نے قسم کھائی ہوئی ہے اور اپنی ذات پر لازم کیا ہے کہ اس شخص کو دوزخ کی آگ میں نہ ڈالوں گا۔ جس کا نام محمد یا احمد ہو گا۔ اور روایت کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ سے فرمایا ہوا ہے کہ میں اپنی عزت و جلال کی قسم کھاتا ہوں۔ کہ کسی ایسے شخص کو عذاب نہ کروں گا۔ جس کا نام تمہارے نام پر ہو گا۔ اور حضرت علی بن ابی طالب سے روایت ہے کہ کوئی دسترخوان ایسا نہیں ہے کہ جس پر کوئی شخص محمد یا احمد نام والا حاضر ہو۔ مگر اس دسترخوان والے گھر کو اللہ تعالیٰ دو دفعہ روزانہ پاک کرتا ہے۔ اسے ابو منصور دیلمی نے روایت کیا ہے نیز یہ بھی روایت ہے کہ ہر وہ گھر جس میں محمدؐ کے نام والے ہوں اسے اللہ تعالیٰ برکت عطا فرماتا ہے۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ جو قوم کسی امر میں مشورہ کے لئے جمع ہو اور ان میں ایسا شخص بھی ہو جس کا نام محمد ہے تو بالیقین اللہ تعالیٰ کے نام میں برکت عطاء فرمائے گا۔ نیز یہ بھی ایک حدیث میں آیا ہے کہ جس آدمی کا نام محمد ہے۔ آنحضرت اس کی شفاعت فرمائیں گے۔ اور اس کو بہشت میں داخل کروائیں گے۔ اس ضمن میں امام بوصیری نے خوب فرمایا ہے۔

؎ فان لی ذمۃ منہ بتسمیتی محمد و ھوا اولی الخلق بالذمم

اس کاتب حروف نے ایک بار حضرت غوث الثقلین کو خواب میں دیکھا۔ تو ان کے سامنے میں کھڑا ہو گیا۔ تو حاضرین مجلس نے کہا کہ محمد عبدالحق سلام عرض کرتا ہے۔ حضور غوث الثقلین کھڑے ہو گئے۔ معانقہ فرمایا اور فرمایا کہ تم پر آتش دوزخ حرام ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ بشارت میرے نام کے نتیجہ میں ہے۔ اور علماء کا اتفاق ہے آپ کے نام پر نام رکھنے پر۔ اور آپ کی کنیت اختیار کرنے پر اختلاف کرتے ہیں۔ خواہ محمد نام ہو یا نہ ہو اور بعض نے اسم مبارک اور کنیت دونوں کو جمع کرنے سے منع کیا ہے اور علیحدہ علیحدہ رکھنے کو جواز میں رکھتے ہیں۔ اور یہ قول صحیح ہے بلکہ زیادہ صحیح ہے۔

امام نووی نے کہا ہے کہ اس مسئلہ میں کئی مذاہب ہیں۔ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے مذہب میں مطلقاً ممنوع ہے۔ اور امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کے مذہب میں مطلقاً جائز ہے اور تیسرے مذہب یہ ہے کہ جس شخص کا نام محمد نہیں ہے صرف اس کے لئے ابوالقاسم نام رکھنا جائز ہے اور جو لوگ اسے مطلقاً جواز میں رکھتے ہیں وہ ممانعت ظاہر کرنے والی احادیث کو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ظاہر زندگی کے ساتھ مخصوص و مقید گردانتے ہیں اور یہ قول اقرب الی الصواب ہے۔ انتہی

بلند آواز کا ممنوع ہونا آپ کے خصائص میں سے ہے کہ قرات حدیث کے وقت غسل کرنا اور خوشبو لگانا مستحب ہے۔ اور حدیث پڑھتے وقت آواز کو پست رکھا جائے۔ جیسے کہ آنحضرت کی حیات پاک میں گفتگو کے دوران آواز پست رکھی جاتی تھی۔ رب تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

یاایھاالذین امنو لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی

ترجمہ اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو نبی کی آواز سے بلند تر نہ کرو۔

کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا کلام مروی اور ماثور ہے۔ اور آپ کی حیات طیبہ کے بعد عزت اور رفعت کے لحاظ سے آپ کی آواز کے مانند ہے۔ اور نیز یہ بھی ضروری ہے حدیث کو کسی اونچی اور بلند جگہ پر پڑھا جائے۔

روایت ہے حضرت مطرف سے کہ جس وقت لوگ حضرت امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کے پاس آیا کرتے تھے تو امام صاحب باندی کو پہلے باہر بھیجتے تھے کہ معلوم کرے کیا چاہتے ہیں۔ حدیث پاک یا کہ مسائل شریعہ۔ اگر لوگ کہتے کہ مسائل شریعہ تو آپ اسی وقت باہر تشریف لے آتے تھے۔ اور ان کو مسائل کی تعلیم دیتے تھے۔ دیگر ایک روایت میں ہے کہ اندر ہی سے آپ مسائل کا جواب بھیج دیا کرتے تھے۔ اور اگر یہ لوگ استدعاء کرتے کہ حدیث سننا ہے تو پہلے امام صاحب غسل خانہ میں جا کر غسل فرماتے تھے۔ سفید رنگ کا لباس ملبوس فرماتے۔ سر پر عمامہ باندھتے۔ چادر اوڑھ لیتے تھے۔ خوشبو لگاتے تھے۔ پھر آپ کے لئے مسند رکھی جاتی تھی۔ پس آپ باہر آتے اور مسند پر تشریف فرما ہو جاتے۔ عود وغیرہ سلگایا جاتا اور بڑے خشوع و وقار کے ساتھ حدیث پڑھتے۔ اور اس کرسی پر کبھی نہ بیٹھتے سوائے تعلیم حدیث کے وقت اور کہتے ہیں کہ امام مالکؒ نے یہ روش حضرت سعید بن مسیب سے اختیار کی تھی۔ اور حضرت قتادہ اور امام مالک اور دوسری ایک جماعت نے بلا طہارت حدیث پڑھنے کو مکروہ قرار دیا ہے۔ اور عمش تھے کہ بے وضو ہونے کے وقت تیمم کر لیتے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ آنحضرت کی وفات کے بعد آپ کے ذکر کے وقت حدیث پڑھتے وقت آپ کا اسم گرامی لیتے وقت اور آپ کی سیرت طیبہ کے تذکرہ کے وقت احترام و تعظیم اور توقیر لازم ہے۔ جیسے کہ آپ کی موجودگی میں ہوتی تھی۔ اور چاہیے کہ جب کوئی شخص حدیث پڑھنے کے دوران آئے تو اس کے لئے قیام نہ کیا جائے۔ کیونکہ اس میں آنحضرت کے ادب و احترام میں قلت اور کمی واقع ہوتی ہے اور غیر کی طرف التفات سے حدیث میں رکاوٹ آ جاتی ہے۔ خصوصاً فاسق و فاجر مبتدع لوگوں کے لئے ہرگز نہ کھڑا ہونا چاہیے۔ اور سلف صالحین حدیث کو ہرگز منقطع نہ کرتے تھے۔ خواہ کوئی نقصان یا آفت و مصیبت ہی کیوں نہ آ پڑے ان کے بدنوں پر۔ اور پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی حدیث کے احترام کے باعث اس پر صبر کیا کرتے تھے کہتے ہیں کہ ایک دفعہ امام مالکؒ کو بچھو نے سترہ بار ڈنگ کیا۔ لیکن انہوں نے ہرگز حرکت نہ کی۔ اور صبر و تحمل کیا۔ لیکن حدیث کو قطع نہ کیا بوجہ احترام و توقیر حدیث نبوی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اگرچہ وہ اس میں معذور تھے۔ اور اپنی فرصت کے بغیر حرکت و قیام کیا گنجائش رکھتے ہیں۔ اس کا ذکر ابن الحاج نے مدخل میں کیا ہے۔

اور خصائص میں سے یہ ہے کہ جس شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے ایک لمحہ کے لئے ملاقات کی۔ یا

آپ کی صحبت میں رہا۔ اور ایک لحظہ اور ایک نظر جمال مبارک کی زیارت کی۔ اس کے لئے درجہ اصحابیت ثابت ہو جاتا ہے۔ اسے علماء نے آنحضرت کے خصائص میں درج کیا ہے۔ گویا کہ اس سے یہ مراد ہے کہ عرف میں اور عادت کے طور پر تو لمبا عرصہ کے لئے رہنے اور طویل وقت کی صحبت سے درجہ صحابیت میسر ہوتا ہے۔ لیکن یہاں تو یک لحظہ و یک نظر سے صحابیت مل جاتی ہے۔ اور صحیح و مختار قول کے مطابق ایسا شخص صحابی کہلاتا ہے۔

اور کچھ خصائص جو علماء نے ذکر کئے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور دیگر سب انبیاء علیہم السلام کے درمیان مشترک ہیں۔ مثلاً سونے سے وضو میں نقص نہ پڑنا اور شیطان کا متمثل نہ ہونا۔ اور جمائی وغیرہ نہ ہونا اور ایسا بھی ہے کہ ایک نظر ہی جمال مبارک پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو دیکھنے سے اور آپ کی صحبت اختیار کرنے سے نورانیت ہو جاتی ہے اور کمال حاصل ہو جاتا ہے۔ جیسے کہ علماء نے کہا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی محض ایک نظر پڑ جانے سے ایک جاہل اعرابی حکمت و دانائی کی باتیں کرنے لگ جاتا ہے۔ اور قوت القلوب میں آیا ہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حسن و جمال پر ایک نظر پڑنے سے اس طرح دکھائی دینے لگتا ہے اور ایسے ایسے کشوفات ہوتے ہیں کہ دوسروں کو چلوں مراقبوں سے بھی حاصل نہیں۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اس قسم کے خصائص و معجزات دوسرے انبیاء علیہم السلام میں ہرگز نہیں تھے یہ امور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں علماء نے لکھے ہیں۔

نیز آپ کے خصائص میں لکھا ہے کہ آپ کے صحابہ کرام تمام کے تمام عادل ہیں۔ اور اس بارے میں ان کی مدح اور تعدیل میں کتاب و سنت سے شہادت حاصل ہے۔ پس ان میں سے کسی ایک کی عدالت کے متعلق کسی کو ہرگز سخن نہیں ہے۔ جس طرح کہ حدیث کے تمام روایت کنندگان میں اکیلے صحابی کی روایت کو فرد اور غریب نہیں کہا جاتا۔ صحابہ کے بعد تابعین میں اور ان کے بعد راویوں میں فرد اور غریب کہا جاتا ہے۔ اہل سنت و جماعت کے تمام صحابہ کے عادل ہونے پر اجماع ہے۔ گو ان میں سے کچھ صحابہ کی نسبت فتنوں سے ہے۔ اور حسن ظن ہے کہ یہ فتنے اجتہاد اور تاویل میں ان سے خطا کے باعث واقع ہوئے۔ اور علماء ان کے فضائل و مآثر پر نظر رکھتے ہیں۔ کیونکہ وہ آنحضرتؐ کے اوامر و نواہی کے غایت درجہ پابند تھے۔ آنحضرت کے حضور حاضر باش اور جہاد میں آپ کے ساتھ ہوتے تھے۔ ممالک و اقالیم کی فتح میں مصروف رہتے تھے۔ عوام الناس میں احکام و ہدایت کی تبلیغ میں مشغول رہتے۔ اور نماز روزہ زکوۃ وغیرہ عبادات میں لگے رہتے تھے۔ اس میں بالکل کوئی شک نہیں ہے کہ صحابہ کرام دلیری و شجاعت' جود و کرم اور دیگر اخلاق حمید جیسی کمال صفات کے حامل تھے جو سابقہ امتوں میں کسی امتی کو میسر نہ تھیں۔ اور جمہور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین خیار امت اور افضل الملت ہیں۔ اور جو کوئی بھی ان سے بعد میں ہو گا ان کی رتبہ کو ہرگز نہیں پہنچ سکتا۔ اور بعض علماء مثلاً ابن عبداللہ جو مشہور محدثین میں سے ہیں اور اس قسم کے دوسرے علماء نے اس مسئلہ میں کلام کیا ہے انہوں نے کہا ہے کہ ممکن ہے کہ صحابہ کے بعد آنے والا کوئی شخص عالمی اور عملی لحاظ سے بعض ان صحابہ سے افضل ہو جو کبیرہ گناہ کے ارتکاب کے باعث حدود زدہ ہوئے۔ اور ابن عبداللہ نے ان احادیث سے تمسک اور استدلال کیا ہے جو آخر امت کی فضیلت میں

وارد ہوئیں۔ اور بعض محدثین نے کہا ہے کہ بہتری اور فضیلت ان صحابہ کے لئے ہے جنہیں عرصہ دراز صحبت رسول میسر آئی۔ اور انہوں نے آنحضرت سے بہت استفادہ کیا۔ قول مختار پہلا قول ہی ہے۔ اور حق یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی زیارت و رویت اور یقین کا حصول اور دیکھ کر ایمان لانا یہ تمام امور صحابہ سے مخصوص ہیں۔ جو کوئی دوسرا شخص ہرگز نہیں رکھتا۔ اور جو احادیث آخرامت کی فضیلت میں وارد ہوئی ہیں وہ دوسری حیثیت سے ہیں۔ کہ غیب کے ساتھ ایمان ہے۔ جیسے کہ اسی وجہ سے یومنون بالغیب کے بارے میں تفسیر کی گئی ہے۔ واللہ اعلم۔

اور جملہ خصائص میں سے یہ بھی علماء نے ذکر کیا ہے کہ نمازی اپنی نماز کے دوران آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو خود خطاب کرتا ہے اپنے قول سے السلام علیک ایھاالنبی اور آپ کے سوا کسی دوسرے کو خطاب نہیں کرتا۔ اگر اس اختصاص سے یہ مراد لیتے ہیں کہ آنحضرت کے سوا کسی دوسرے پر مخصوص کر کے سلام بھیجنا واقع نہیں ہوا تو یہ معنی اس حدیث کے مطابق ہیں جو ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے آئی ہے انہوں نے فرمایا کہ ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کرتے تھے تو ہم نے کہا السلام علی اللہ السلام علیٰ جبریل۔ السلام علیٰ میکائیل۔ السلام علیٰ فلان اور جب آنحضرت اپنی تمام نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے ہماری طرف منہ پھیرا۔ اور فرمایا السلام علی اللہ نہ کہا کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ تو خود سلامتی ہے۔ یعنی وہ سالم ہے اور محفوظ ہے تمام نقائص اور خوف و خدشات سے۔ اور بندوں کو سلامتی بخشنے والا ہے۔ جس سلام سے خوف و احتیاط کا وہم ہو وہ سلام اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی معنی نہیں رکھتا۔ پس جب کوئی تم میں سے قعدہ میں بیٹھے تو چاہیے کہ وہ اس طرح کہے التحیات للہ والصلوات والطیبات السلام علیک ایھاالنبی و رحمۃ اللہ وبرکاتہ السلام علینا و علی عباداللہ الصالحین۔ جب بندہ اس طرح سلام کہے تو جو کوئی بھی صالح آدمی آسمان و زمین میں موجود ہو اسے سلام پہنچ جاتا ہے۔ (آخر حدیث تک) پس یہاں تخصیص کے ساتھ آنحضرت پر سلام واقع ہوا ہے اور دوسروں کو عموم میں رکھا گیا ہے۔ اور اگر علماء اس سے یہ مراد رکھتے ہیں کہ باوجود غائب از نظر ہونے کے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے لئے سلام آپ کے خصائص میں سے ہے تو اس کا بھی ایک سبب یہ ہے۔ اور یہ علماء وہ سب یہ بتاتے ہیں کہ چونکہ اصل میں معراج کی رات میں رب العزت کی طرف سے آنحضرت پر درود صیغہ خطاب میں تھا جو کہ رب العزت کی طرف سے سلام آیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر۔ تو اس کے بعد اسی صیغہ پر سلام موقوف رکھا گیا۔ اور کرمانی شرح صحیح بخاری میں کہا گیا ہے۔ کہ بعد از وفات النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم صحابہ کرام السلام علی النبی کہتے تھے۔ اور خطاب کے صیغہ سے نہ کہتے تھے۔ واللہ اعلم۔ اور بعض عارفین کے کلام میں آیا ہے کہ نماز میں آنحضرت پر خطاب کے صیغہ سے سلام اس لئے عرض کیا جاتا ہے۔ کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی روح مبارک حاضر ہوتی ہے۔ اور تمام موجودات میں سرایت کئے ہوئے ہوتی ہے بالخصوص نمازیوں کی ارواح میں۔ بالجملہ یہ کہ اس حالت میں آنحضرت کی حضوری اور شہود و موجودگی سے غافل و ذاہل نہیں ہونا چاہیے۔ اس امید کے ساتھ روح پر فتوح آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے فیوض وارد ہوں گے۔ اور آپ کے خصائص میں سے یہ ہے کہ جس شخص کو آنحضرت صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم پکاریں اس پر واجب ولازم ہے کہ وہ جواب میں حاضر ہو جائے۔ خواہ وہ شخص نماز میں ہو یا اپنے گھر میں ہو۔ اس پر سعید بن معلی کی حدیث شاہد ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ نماز میں مشغول تھا۔ پس مجھے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طلب فرمایا۔ پس میں نے جواب نہ دیا۔ اور نماز کے بعد خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ اور میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں نماز میں تھا اس لئے میں نے آپ کی پکار کا جواب نہ دیا۔ تو آنحضرتؐ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا:۔

استجیبو للہ وللرسول اذا دعاکم لما یحبکم

ترجمہ۔ جب اللہ اور اس کا رسول آپ کو پکاریں تو فورا حاضر ہو جاؤ اور قبول کرو پکار کو اس لئے کہ محبوب رکھتے ہیں۔

پس اجابت رسول علیہ السلام فرض ہے۔ اس کا تارک گنہگار ہو جاتا ہے۔ آیا اس طرح نماز باطل ہو جاتی ہے یا کہ نہیں تو صاحب مواہب لدنیا نے کہا ہے کہ مذہب شافعیہ کے علماء کی ایک جماعت اور دیگر علماء نے تصریح کی ہے کہ نماز باطل نہیں ہوتی۔ اور بعض اس نظریہ پر ہیں کہ نماز باطل ہو جاتی ہے۔ اور حدیث سے اس بارے میں کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم۔

اور منجملہ خصائص یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام پر جھوٹ باندھنا اس طرح نہیں جس طرح کہ دوسروں پر جھوٹ باندھنا ہوتا ہے۔ اور جو کوئی آنحضرت پر جھوٹ باندھے اس کی کوئی روایت بھی اور کبھی بھی قبول نہیں کی جاتی۔ خواہ وہ توبہ ہی کیوں نہ کرے۔ جس طرح کہ محدثین کی ایک جماعت نے ذکر کیا ہے۔ اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت آئی ہے کہ ایک آدمی نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جھوٹ باندھا۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی اور زبیر رضی اللہ عنہما کو بھیجا اور فرمایا کہ جاؤ اور اگر تمہیں وہ مل جائے تو اسے قتل کر دیا جائے اور امام الحرمین کے والد شیخ جوینی تو اس طرف گئے ہیں کہ عمداً" حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر کذب باندھنا کفر ہے۔ لیکن اس قول میں ائمہ کرام نے ان کی موافقت نہیں کی۔ اور حق یہ ہے کہ آنحضرت پر جھوٹ باندھنا عظیم برائی اور گناہ کبیرہ ہے لیکن کافر نہیں ہوتا جب کہ وہ اسے حلال نہ سمجھے۔ اگر اس کی اس سے توبہ صحیح ہو اور اس کے آثار عیاں ہوں تو مقبول ہو جاتی ہے۔ اور اس کی شہادت و روایت میں فرق نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم۔

اور جملہ خصائص سے یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبیرہ و صغیرہ گناہوں سے عمداً" اور سہواً" ہر طرح سے معصوم ہیں۔ یہی مذہب مختار ہے اور اسی طرح دیگر انبیاء علیہم السلام ہیں۔ اور کتب کلام میں اس بحث و مسئلہ کی تفصیل دی گئی ہے۔ اور وہی اجمل حق ہے۔

منجملہ خصائص یہ ہے کہ آنحضرت پر جنون کا کوئی جواز نہیں ہے۔ کیونکہ یہ نقص ہے اور نہ اغماء طویل یعنی لمبی غفلت ہی جائز ہے۔ اور اس طرح دیگر انبیاء علیہم السلام۔ علامہ سبکی نے اس پر تنبیہہ کی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی بے ہوشی و غفلت دوسروں کی بے ہوشی و غفلت کے مخالف ہوتی ہے۔ اور درد و غم کا غلبہ ظاہری حواس پر ہوتا ہے دل پر نہیں

ہوتا۔ کیونکہ یہ حدیث میں آیا ہے کہ ان کی آنکھیں سوتی ہیں دل نہیں سوتے۔ اور جب ان کے قلوب مبارک کو نیند سے حفاظت میں رکھا گیا ہے۔ یہ چیز بے ہوشی سے سبک تر ہے تو بے ہوشی سے تو وہ البطریق اولیٰ محفوظ و مامون ہیں۔ اور علامہ سبکی نے یہ بھی کہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے لئے نابینا ہونا بھی جائز نہیں ہے۔ کیونکہ یہ نقص و عیب ہوتا ہے اور کبھی کوئی نبی نابینا نہیں ہوا۔ اور جو بات شعیب علیہ السلام کے متعلق مذکور ہوا ہے وہ ثابت شدہ نہیں ہے۔ اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھوں پر پردہ آگیا تھا جو کہ دور ہو گیا تھا۔ اور امام فخرالدین رازی نے حق تعالیٰ کے اس قول وابیضت عیناہ من الحزن کی تفسیر میں کہا ہے کہ ان پر آہ و بکا یعنی رونا دھونا غالب آگیا تھا اور آہ و بکا کے غلبہ میں آنکھوں کے اندر پانی زیادہ ہو جاتا ہے۔ گویا اس پانی کی سفیدی کے باعث ان کی آنکھیں سفید ہو گئیں تھیں۔ اور اس قول کی صحت پر دلیل یہ ہے کہ حزن کی تاثیر غلبہ بکاء کی صورت میں ہوتی ہے۔ نہ کہ اندھا ہونے کی صورت میں۔ اور اس کے بعد انہوں نے کہا ہے کہ اس میں علماء نے اختلاف کیا ہے کہ آیا وہ مکمل طور نابینا ہو گئے تھے۔ اس کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص اس کے سر آنکھوں پر ڈالنے سے اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کو بصارت لوٹا دی۔ اور ان کی بینائی بکاؤ زاری اور حزن کے باعث کمزور ہو چکی تھی۔ اور وہ بہت تھوڑا ادراک کرتی تھیں۔ اور جب یوسف علیہ السلام کا پیراہن مبارک ان کے چہرہ شریف پر ڈالا گیا تو ان کی بینائی میں طاقت آ گئی اور نظر میں نقص دور ہو گیا۔ (انتہیٰ)

یہ امر پوشیدہ نہ رہے کہ علامہ سبکی نے انبیاء کے لئے نابینا ہونے کا جواز نہ ہونے کی وجہ یہ بتائی ہے کہ یہ نقص اور عیب ہوتا ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام کا اس طرح کے امراض میں مبتلا ہونا جو عیب ہوتے ہیں اس پر بھی اس حکم کا اطلاق ہوتا ہے۔ بالخصوص وہ امتحان اور ابتلاء جو حضرت ایوب علیہ السلام کے متعلق مذکور ہیں۔ اسی طرح حضرت شعیب علیہ السلام کا نابینائی کا معاملہ ہے کوئی ثبوت نہ ہونے کے باوجود ان سے اس عیب کو منسوب کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے فارتدبصیرا (ان کی نظر واپس آ گئی) اور مقاتل یہ کہتے ہیں کہ یعقوب علیہ السلام عرصہ چھ سال نہ دیکھ سکے۔ جب تک کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص کے ذریعے ان کی نظر واپس آ گئی۔ امام فخرالدین رازی کا قول ہے کہ حزن کی تاثیر غلبہ بکاء کی صورت میں ہوتی ہے۔ اور غلبہ بکاء کی تاثیر اندھا پن ہوتی ہے۔ لہٰذا حزن کی تاثیر کے ذریعہ سے اعمیٰ ہو گیا تھا۔ عام مشہور ہے کہ کبھی کوئی نبی گونگا نہیں ہوا۔ ہاں ان میں سے کچھ انبیاء اعمیٰ ہوئے ہیں۔ واللہ اعلم۔

اور آپ کے خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ جو کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو گالی دیتا ہے یا کسی صورت میں آپ کی تنقیص کرتا ہے خواہ واضح طور پر ہو یا اشارتاً کی گئی ہو۔ وہ شخص واجب القتل ہے۔ اس پر سب ہی متفق ہیں۔ ہاں اس میں اختلاف صرف یہ ہے کہ یہ قتل کردینا حد کے طور پر ہے۔ اور اسکو بلا توقف قتل کرنا چاہیے۔ اس سے توبہ بھی مطلوب نہ ہو۔ یا یہ قتل ردت کے طور پر یعنی مرتد ہونے کی صورت میں ہے۔ وجہ یہ ہے کہ مرتد ہونے والے سے توبہ کا مطالبہ ہوتا ہے۔ اگر وہ توبہ کرلے تو اسے معاف کر دیا جاتا ہے۔ لیکن قول اول ہی مختار ہے۔ اور یہ اس طرح ہے کہ وہ شخص مسلمان ہو۔ اگر وہ کافر ہو اور پھر مسلمان ہو جائے تو اس عفو و درگزر ہو گی۔ آخر کتاب میں یہ بحث مفصل طور پر آئے گی۔

انشاء اللہ تعالیٰ۔

اور جملہ خصائص سے ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام جس کسی کے لئے جو احکام وہ چاہتے ان کی تخصیص کر دیتے تھے۔ اس بارے میں دو اقوال ہیں۔ ایک یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی جانب احکام کی تفویض ہو گی۔ (مراد یہ کہ آپ اس تفویض احکام میں صاحب اختیار ہوں گے) آپ جو احکام چاہیں اپنی مرضی سے تفویض فرمادیں۔ دوسرا یہ قول ہے کہ ممکن ہے کسی حکم کے بارے میں خصوصاً" وحی نازل ہوتی ہو۔ جیسے کہ آپ نے خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کے لئے تخصیص فرمائی تھی۔ کیونکہ ان کی شہادت دو شہادتوں کے برابر ہے۔ اور قصہ یہ ہے کہ آنحضرت نے ایک اعرابی سے ایک گھوڑا خریدا تھا۔ پس وہ اعرابی گھوڑے کی فروخت سے منکر ہو گیا۔ اور کہنے لگا گواہ لاؤ جو مجھ پر گھوڑا بیچنے کی گواہی دے۔ جو کوئی بھی مسلمانوں میں سے آمادہ کہتا کہ تجھ پر افسوس۔ پیغمبر خدا جو کہہ رہے ہیں وہ حق ہے۔ اعرابی نے قبول نہ کیا۔ حتیٰ کہ خزیمہ آگئے اور انہوں نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ تونے فروخت کیا ہے۔ آنحضرت نے خزیمہ سے فرمایا کہ تو کس طرح گواہی دیتا ہے۔ جب کہ میں نے تجھے اس پر گواہ نہیں بنایا تھا۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ ہمیں آسمان کی خبر دیتے ہیں تو ہم اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ تو کیا اس اعرابی پر ہم آپ کی تصدیق نہ کریں پس رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے خزیمہ کی گواہی کو دو آدمیوں کی گواہیوں کے برابر کر دیا۔ اور اس کو اس فضیلت سے مخصوص کر دیا۔

خطابی نے کہا ہے کہ آدمیوں سے بہت نے اس حدیث کو غیر محل پر محمول کیا ہے۔ اور اہل بدعت میں سے ایک گروہ نے اپنے میں سے کسی معروف شخص کی گواہی کو حلال گردانئے کے لئے اس حدیث کو اس کا ذریعہ بنایا ہے۔ اس سے یہ مراد ہے کہ ان کے نزدیک اس معروف کا ہر دعویٰ سچا ہے۔ جب کہ حدیث تو یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ نے اعرابی پر اپنے علم سے حکم کیا اور اپنے قول کی سچائی پر مزید تاکید کے لئے اور مخالف پر ظاہر کرنے کے لئے یہ خزیمہ کی شہادت کا اجراء فرمایا۔ پس معنی میں شہادت خزیمہ دو شہادتوں کے برابر ہو گی۔ فافہم۔

اور جیسے کہ آنحضرت نے ام عطیہ کو رخصت جو کہ فاضل صحابیات میں سے ہیں۔ اور بعد از نزول آیت مبایعت نساء اجازت نوحہ کے ساتھ۔ کیونکہ اس جگہ واقع ہوا ہے۔ ولا یعصینک فی معروف (نیک کام میں حکم عدولی نہ کرنا) پس انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آل فلاں جاہلیت میں نوحہ کرنے میں میری مدد کیا کرتے تھے۔ اور اب ان کے ساتھ موافقت کرنے میں کوئی اور چارہ نہیں ہے۔ پس آنحضرت نے ام عطیہ کی نوحہ کرنے میں رخصت عطا فرمادی۔ امام نووی نے کہا ہے کہ اس میں ام عطیہ کو صرف مخصوص آل فلاں کے لئے نوحہ کرنے کے لئے رخصت دی ہے اور شارع علیہ السلام کو اختیار ہے کہ جس کسی کے لئے جو چیز وہ چاہیں اس کی تخصیص فرمادے۔ جس طرح کہ اسماء بنت عمیس کو ان کے خاوند پر سوگ ترک کرنے کی رخصت عطا فرمائی اور فرمایا کہ صرف تین دن کے لئے سوگ کا لباس پہنو۔ اور سوگوار رہو۔ اس کے بعد جو جی چاہے کرو۔ خاوند جعفر بن ابی طالب تھے۔

اور جیسے کہ ابو بردہ بن نیار رضی اللہ عنہ کے لئے قربانی کی خاطر جذعہ بزغالہ کی قربانی دینے کو حکم جواز میں رکھا۔ جزعہ

بزغالہ بکری کا بچہ جو پورے سال کا نہ ہو۔ اور اس کا قصہ یہ ہے کہ آنحضرت نے فرمایا تھا کہ جو کوئی نماز قربانی سے پہلے ذبح کرے وہ پسند نہیں ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے پاس ایک بکری تھی۔ میں نے اس کے ذبح میں عجلت کی۔ اور کہا کہ سوچا کہ آج کھانے پینے کا دن ہے میں نے وہ اپنے اہل و عیال اور ہمسایوں کو کھلا دی۔ اب میرے پاس باقی کچھ نہیں سوائے ایک بزغالہ کے اور وہ ایک دنبہ سے بہتر گوشت رکھتا ہے کیا وہ قربانی کے لئے کافی ہو گا۔ آنحضرت نے فرمایا کہ تمہاری طرف سے کفایت کر جائے گا۔ لیکن تیرے بعد کسی غیر کے لئے کفایت نہ کرے گا۔

اور اپنی عورت کا نکاح ایک مرد سے کر دینا اور یہ جائز تھا۔ جیسے کہ قرآن مجید میں فرمایا ہے امراۃ وھبت نفسھا للنبی الایتہ ایک عورت نے اپنا نفس آنحضور کے لئے ہبہ کر دیا۔ آنحضرت نے قبول نہ فرمایا۔ ایک فقیر اس وقت پاس بیٹھا تھا۔ اس نے کہا یا رسول اللہ! اگر یہ عورت آپ کے قابل نہیں تو اسے میری زوجہ بنا دیں فرمایا کیا تو کوئی چیز رکھتا ہے جو مہر میں دے سکے۔ اس نے کہا میرے پاس کچھ نہیں سوائے تہبند کے جو میں نے پہنا ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا تلاش کرو خواہ ایک لوہے کی انگوٹھی ہی ہو۔ اس نے کہا وہ بھی میرے پاس نہیں ہے۔ قرآن پاک میں سے چند سورتیں مجھے یاد ہیں۔ آپ نے فرمایا جو کچھ قرآن میں سے یاد ہے اس کے عوض نکاح کر لو۔ اسے ان کی تعلیم دینا اور وہی مہر ہو جائے گا۔ لیکن تمہارے بعد کسی کے لئے قرآن مہر نہ ہو گا۔

منجملہ خصائص آنحضرت ؐیہ ہے کہ آنحضرت ؐکو دو مردوں کے برابر بخار ہو تا تھا تاکہ اجر و ثواب بھی زیادہ (دگنا) ہو۔

اور خصائص سے ہے کہ حضور علیہ السلام کے پاس دوران مرض جبرئیل علیہ السلام تین دن بھیجا گیا تاکہ وہ آپ کی عیادت اور پرسش احوال شریف کرے۔

اور خصائص میں سے ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم پر مسلمانوں نے گروہ در گروہ نماز جنازہ ادا کی اور بغیر امام کے۔ اور وفات شریف کے تین دن دفن کئے گئے اور آپ کی لحد شریف میں آپ کے لئے وہ قطیفہ بچھا دیا گیا جو آپ کے نیچے بچھا ہو تا تھا۔ اور یہ دونوں امور سوائے آنحضرت کے کسی غیر کے لئے جائز نہ ہیں۔ اور بعض نے کہا کہ آپ کے نیچے لحد میں قطیفہ یعنی ریشمی چادر شقران نے بچھائی تھی اور صحابہ کو اس کا علم نہ تھا۔ شقران آپ کا غلام تھا۔ تاکہ بعد میں کوئی اور شخص اپنے نیچے اس کو نہ بچھائے۔

اور خصائص میں سے ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی وفات شریف کے بعد زمین پر اندھیرا چھا گیا۔ جس طرح کہ اس کی تفصیل مناسب مقام پر آئے گی۔ اور خصائص میں سے ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے جسد اقدس کو زمین نہیں کھاتی۔ اور ایسے ہی جملہ انبیاء کے اجساد کو زمین کھاتی نہیں اس کو بھی علماء آنحضرت کے خصائص میں رکھتے ہیں۔ اور اولیاء امت میں سے بعض کے لئے بھی نقل میں آیا ہے۔ جیسے شیخ علی متقی کی قبر کو وفات سے چودہ برس بعد ایک تقریب کے موقع پر کھولا گیا بالکل اسی طرح کفن کے ساتھ موجود تھے۔ اور تقریب یہ تھی کہ ان کے برادر زادہ کا بیٹا جو صالح نوجوان تھا اس کو ان کی قبر کے ساتھ دفن کرنا چاہتے تھے۔ اور مکہ معظمہ میں عادت ہے کہ میتوں کو تبرک کے طور پر

بزرگوں کی قبروں میں دفن کرتے ہیں۔ اور جسم مقدس کو زمین کا نہ کھانا یہ اشارہ ہے حیات طیبہ کی طرف۔ اور یہ زندگی مخصوص ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور دوسرے تمام انبیاء علیہم السلام کے ساتھ۔

اور خصائص میں سے ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی زندگی و بقاء کے باعث آپ کی وراثت آپ کے ترکہ میں نہ پائی گئی۔ اور بعض کہتے ہیں کہ صدقہ ہو جاتی ہے۔ جیسے کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ ماترکناہ صدقة (جو کچھ ہم پیچھے چھوڑیں وہ صدقہ ہے) اور اسے انہیں مصارف میں لایا جاتا ہے۔ جن میں حضور خود خرچ کرتے تھے مطلب یہ کہ اہل و عیال، اولاد، فقراء و صلحاء اور اہل اسلام کی مصلحتوں میں خرچ کیا جائے گا۔ جس طرح کہ آپ خود اپنی زندگی کے دوران خرچ کرتے تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے لئے مباح ہے کہ وہ اپنے تمام مال کے متعلق وصیت فرمائیں۔ جو کہ ان کے سوا جائز نہیں ہے۔ کسی کو بھی سوائے مال کے ثلث کے لئے۔ اور اسی حکم میں جملہ انبیاء بھی ہیں۔ کہ ان کے ترکہ بھی وراثت میں تقسیم نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وورث سلیمان داؤد (سلیمان کو داؤد کا وارث بنایا) اور یہ بھی اللہ کا ارشاد ہے کہ رب ھبلی من اللنک ولیا یرثنی (اے میرے رب میرے لئے اپنی طرف سے ایک وارث بنادے) یہاں پر وراثت نبوت اور علم مراد ہے۔

منجملہ خصائص یہ ہے کہ پیغمبر خدا اپنی قبر میں زندہ ہیں۔ جس طرح کہ انبیاء علیہم السلام ہیں۔ اور آنحضرت اپنی قبر میں اذان اور اقامت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔ ابن زبالہ اور ابن نجار حکایت بیان کرتے ہیں کہ ایام حرہ کے دوران تین دن تک مسجد نبوی میں اذان بند رہی۔ اور لوگ باہر چلے گئے۔ سعید بن المسیب مسجد میں تھے۔ سعید بیان کرتے ہیں کہ جب وقت ظہر ہوا تو مجھے وحشت ہوئی۔ میں حضور کی قبر انور کے پاس گیا۔ میں نے اذان کی آواز سنی اور میں نے نماز گزاری۔ اس کے بعد بھی قبر شریف سے اذان و اقامت کی آواز نماز کے اوقات پر میں سنتا رہا۔ حتیٰ کہ تین راتیں گزر گئیں۔ اور لوگ واپس لوٹ آئے۔ اور جس طرح میں نے اذان کی آواز سنی تھی۔ انہوں نے بھی قبر شریف سے آواز سنی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی حیات و زندگی پر اتفاق کرنے کے بعد علماء نے اس میں اختلاف کیا ہے کہ آیا آپ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں یا دیگر کسی مقام پر، یا ہر اس مقام پر جہاں کہ خدا چاہتا ہے یا بہشت میں یا آسمان پر یا کسی اور جگہ پر جس طرح کہ آپ کسی معین مقام پر مقید نہ تھے۔ بعض تو یہ کہتے ہیں کہ ہم نے تو جسد اطہر کو قبر انور میں رکھ دیا تھا۔ اس جگہ سے باہر نکلنے پر ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ پس ظاہر تو یہ ہے کہ اسی بقعہ نور میں موجود ہیں۔ اگر یہ کہیں کہ وہ بقعہ انور تو تنگ ہے اس میں جسد اطہر کا محبوس رہنا مناسب نہیں ہے۔ اس کا جواب وہ ہے جو حدیث میں ہے۔ کہ مومن کی قبر کو ستر گنا زیادہ کشادہ کر دیا جاتا ہے۔ اور سید المرسلین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی قبر کے متعلق کیا پوچھتے ہو اس کی کشادگی تو قیاس کی حدوں سے باہر ہے اور اگر کہیں کہ بہشت بریں زیادہ مناسب اور اولیٰ ہے۔ آنحضرت کی تمکین و استقرار کے لئے بجائے اس تنگ بقعہ نور کے۔ تو اس کا جواب ہے کہ حضور کی قبر شریف سے بڑھ کر کونسا بہشت بہتر و شریف تر ہو گا۔ اگر آنحضرت اس قبر میں ہوں۔

امام تقی الدین سبکی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اگر اس بقعہ کو جو کہ آنحضرت کے اعضاء شریف کے ساتھ لگا ہوا ہے کہ ہر جگہ و مقام پر ترجیح دیں یہاں تک کہ کعبہ شریف اور عرش عظیم سے بھی افضل مانیں تو میرا خیال ہے کہ کوئی بھی مومن اس میں کوئی توقف نہ کرے گا۔

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حدیث کہ انہوں نے قبرانور سے اذان کی آواز کو سنا۔ اور شب معراج کی حدیث جو آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میں نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا جو اپنی قبرانور میں نماز ادا کر رہے تھے۔ یہ دونوں حدیثیں ظاہری طور پر اس قول کی تائید میں ہیں۔ اور معراج کی رات کو انبیاء علیہم السلام کو آسمانوں پر آنحضرت نے دیکھا۔ یہ حدیث اور دوسرے وہ حدیث جس میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام معہ ستر بنی اسرائیل حج کرتے اور تلبیہ پیش کرتے میں نے دیکھے ہیں دونوں ہی اطلاق مکان میں ناظر ہیں۔ اور اگر کہیں کہ قرآن مجید تو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی موت بتاتا ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:- انک میت وانہم میتون (بے شک آپ نے انتقال فرمانا ہے اور انہیں بھی مرنا ہے) اور حضور علیہ السلام نے فرمایا الی رجل مقبوض میں تو منتقل ہو جانے والا شخص ہوں اور صدیق اکبرؓ نے فرمایا فان محمد قدمات تحقیق محمد انتقال کر گئے ہیں۔ اور اس پر امت کا اجماع ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ آنحضرت نے موت کا درد چکھا اور وفات پائی۔ اس کے بعد حق تعالیٰ نے انہیں زندہ کیا۔ جیسے کہ حدیث میں آیا ہے۔ کہ آپؐ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ کرامت والا ہوں کہ مجھے وہ قبر کے اندر چالیس روز تک رہنے دے۔ نیز یہ بھی حدیث میں آیا ہے کہ حق تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کے اجساد حرام کر دیئے ہیں۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جسمانی' دنیاوی اور بدنی کے ساتھ زندہ ہیں۔ اسی بدن کے ساتھ جو آپ رکھتے تھے اور یہ زندگی شہداء کی حیات سے اکمل و افضل ہے جو کہ روحانی اور اخروی ہے۔ اور یہ روح کیلئے ثابت ہے اور حق تعالیٰ کو اس پر قدرت حاصل ہے۔ کہ وہ مشابعہ اجسام پیدا فرمادے۔ اس عالم میں سے یا ان اجسام میں رکھے جو ان کے لئے بحکم ظروف ہیں۔ اور ان کے ساتھ نسبت اس طرح آئی ہے کہ مسلمانوں کی ارواح سبز پرندوں کے جوف میں ہوتی ہیں جو عرش کی قندیلوں کے تحت چرتے اور رہتے ہیں۔ یا جنت کے اندر اس کے برعکس انبیاء علیہم السلام کی ارواح ان کے انہی بدنوں میں واپس لوٹادی جاتی ہیں جو پہلے دنیا میں رکھتے تھے۔ ان کے جسم بوسیدہ نہیں ہوتے اور نہ ہی مٹی ہو کر خاک بن جاتے ہیں' اور اللہ تعالیٰ کو تو قدرت اس پر بھی حاصل ہے کہ بلا ابدان ارواح کو محفوظ کرلے۔ لیکن انبیاء کے بارے میں بدنوں میں موجودگی روایت منقول ہے۔ جس طرح آیا کہ موسیٰ علیہ السلام قبر میں نماز پڑھتے تھے۔ نماز کی ادائیگی زندہ بدن کی متقاضی ہے۔ اور معراج کی رات میں جو صفات متعلقہ انبیاء علیہم السلام ذکر میں آئی ہیں۔ وہ اجسام کی صفات ہیں اور لازمی نہیں کہ وہ اسی دنیاوی حقیقی زندگی کے حامل ہیں اور کھانا پینا اور دیگر ضروریات زندگی کی احتیاج بھی رکھتے ہوں جس طرح کہ ہمارے مشاہدہ میں اس دنیا میں ہے۔ ممکن ہے کہ عالم برزخ میں ان کے لئے اور احکام ہوں۔ اکل و شرب اور دیگر ضروریات زندگی موجود ہونا عادی امر ہے۔ اور وہاں کا حال عادت کے خلاف ہے۔ یہ بھی امکان ہے کہ اس مقام پر بروائح اور نسائم وغیرہ روحانی ارزاق سے ہوں۔ جس طرح کی شہیدوں کی شان میں واقع ہوا

ہے۔ یرزقون فرحین۔ وہ رزق دیئے جاتے ہیں اور وہ فرحت میں ہیں۔ یہ بھی عجب نہیں ہے کہ ان کو جنت کے کھانے دیئے جاتے ہوں۔ جس طرح حدیث میں آیا ہے یطعمنی ویسقینی مجھے وہی کھلاتا اور پلاتا ہے۔

جہاں تک علم اور سمع یعنی جاننے اور سننے کا تعلق ہے تو اس کے ثبوت میں کوئی شک نہیں ہے۔ بلکہ علماء کی یہ تصریح ہے کہ یہ صفت سب مردوں کو حاصل ہوتی ہے۔ احادیث میں مذکور ہے کہ نماز پڑھتے ہیں تلبیہ کہتے ہیں اور ذکر و تسبیح بجا لاتے ہیں۔ اگر کوئی صاحب یہ کہیں کہ عالم برزخ دار العمل نہیں ہے اور نہ وہاں مکلف یہ احکام شرعیہ ہیں تو وہاں پر ان کے یہ اعمال کس لئے ہیں۔ جواب یہ ہے کہ عالم برزخ کی زندگی پر احکام دنیا مثلاً کثرت اعمال و زیادتی اجرت و ثواب جاری ہیں۔ اور کبھی تو اعمال حاصل ہو جاتے ہیں بغیر تکلیف کے تلذذ اور شوق و ذوق کے طریقے سے۔ جس طرح کہ نفلوں اور نیک اعمال کا حال ہے۔ وہاں بھی اسی طرح ہے۔ پس وہ جنت میں اللہ کی تسبیح بیان کریں گے۔ قرآن کی تلاوت کریں گے۔ چنانچہ قرآن پڑھنے والے کی خاطر تحریر ہے۔ رتل وارتق قرآن پڑھو اور آگے بڑھے چلو۔ اور اسی طرح ہے آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا سجدہ فرمانا برائے فتح باب شفاعت۔

کچھ علماء نے کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا حال ان کی ملک کے ساتھ باقی ہے۔ اور انہیں کے نفقہ پر قائم ہے۔ اور اسے آپ کے خصائص میں شمار کیا گیا ہے۔ امام الحرمین سے منقول ہے کہ جو کچھ آنحضرتؐ نے پیچھے ترکہ چھوڑا وہ آپ کی ملک کے ساتھ باقی ہے۔ اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نیابت و خلافت کے طریق پر آپ کے اہل و عیال اور خدام پر اور جملہ مصارف میں خرچ کیا اور ابو بکرؓ جانتے تھے کہ مال آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہی کی ملکیت میں باقی ہے اور یہ قول دنیاوی حکم میں زندگی کے اثبات پر تقاضہ کرتا ہے۔ اور یہ شہید کی زندگی پر اضافہ ہے۔ اور کچھ علماء ملکیت کے زوال پر قائم ہیں۔ گویا ارشاد نبوی کے مفہوم کے مطابق دونوں اقوال پر "ماترکناہ صدقۃ" ہمارا باقی چھوڑا ہوا مال صدقہ ہے صادق آتا ہے۔ واللہ اعلم۔ اس سے پہلے یہ بحث حیات انبیاء علیہم السلام کے سلسلے میں گزر چکی ہے۔ اور کتاب کے آخر میں حیات سید المرسلین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ضمن میں یہ بحث آئے گی۔ گو یہ تکرار ہو گا لیکن اس میں حرج نہیں۔ بات مزید موکدہ اور مستحکم ہو گی۔

منجملہ خصائص یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی قبر شریف پر فرشتے مقرر ہیں۔ یہ زیارت کرنے والے کا درود اور اسلام پیش خدمت کرتے ہیں۔ یہ حدیث احمد نسائی اور حاکم نے بیان کی ہے۔ اور حاکم نے یہ حدیث بایں الفاظ صحیح بتائی ہے۔

ان للہ ملائکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی عن امتی السلام

ترجمہ۔ تحقیق اللہ نے پھیلا دیئے ہیں فرشتے زمین میں وہ میری امت کا سلام میرے سامنے پیش کرتے ہیں۔

اور صحابہ کرام سے یہ روایت حضرت عمارہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث موجود ہے کہ اللہ نے ایک فرشتہ مقرر کیا ہوا

ہے۔ جسے اس قدر قوت سمع عطا کی ہے کہ کسی اور بندے میں ایسی نہیں ہے۔ میرا جو بھی امتی جس مقام پر بھی مجھ پر صلوٰۃ و سلام عرض کرتا ہے وہ فرشتہ اسے میری خدمت میں حاضر کر دیتا ہے۔ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم۔

آپ کے خصائص میں سے ہے کہ امت کے اعمال آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں۔ اور آپ ان کے لئے بخشش طلب کرتے ہیں۔ ابن مبارک نے سعید بن مسیب سے روایت کیا ہے کہ ایسا کوئی روز نہیں جس روز آنحضرتؐ کی خدمت میں صبح و شام اعمال امت پیش نہ کئے جاتے ہوں۔ آنحضرت ان کو ان کی پیشانیوں اور عملوں سے پہچانتے ہیں۔ اور بعض روایات میں آیا ہے کہ میرے سامنے امت کے اعمال پیش ہوتے ہیں جو برے ہوتے ہیں ان پر پردہ ڈالتا ہوں اور جو نیک ہوتے ہیں ان کو بارگاہ الٰہی میں پیش کرتا ہوں۔ پردہ میں رکھنے سے مراد پیش نہ کرنا ہوگا۔ کو سنت الٰہی جاری ہے۔ کہ پیش کئے جانے کے بعد اعمال ثبت ہو جاتے ہیں۔ اور جو اعمال پیش نہیں کئے جاتے وہ درجہ اعتبار سے محو و ساقط ہو جاتے ہیں۔ فافہم و باللہ التوفیق۔

اور حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے کہ ہر گاہ و بیگاہ یعنی صبح و شام حضور کی قبر انور پر ستر ہزار فرشتے نازل ہوتے ہیں۔ اور قبر شریف کا طواف کرتے ہیں اور اپنے بازو ہلاتے ہیں۔ اور جب آنحضرت اپنی قبر شریف سے باہر آئیں گے۔ تو ان فرشتوں کے درمیان ہوں گے۔ اور یہ فرشتے آپ کو زفاف کریں گے اور زفاف کا دراصل معنی ہے دلہن کو خاوند کے ہاں لے جانا۔ اور اس جگہ لازماً" یہ معانی ہوں گے کہ محبوب کو محب کے پاس لے جانا۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں لے جانا۔

اور خصائص میں ہے کہ جناب رسالت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ممبر شریف جو مسجد نبوی میں ہے وہ آنجناب کے حوض شریف کے اوپر ہے۔ جیسے کہ حدیث میں آیا ہے۔ اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ میرا منبر بہشت کے ترعہ میں سے ترعہ ہے اور ترعہ کی تفسیر کی گئی ہے باب یعنی دروازہ اور بعض تفسیر کرتے ہیں درجہ اور بعض نے تفسیر کی ہے ایسا باغ جو بلند جگہ پر ہو۔ اور ایک روایت میں آیا ہے کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنے ممبر پر کھڑے ہوئے تھے اور آپؐ نے فرمایا کہ اس وقت میرا قدم جنت کے ترعہ میں سے ایک ترعہ پر ہے اور دیگر ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا ممبر میرے حوض کے اوپر ہے اور دوسری حدیث میں ہے۔ کہ اب میں اپنے حوض کے عقر پر ا۔ستادہ ہوں۔ عقر وہ مقام ہوتا ہے جہاں سے پانی حوض کے اندر آتا ہے۔ اس کی تاویل کرتے ہوئے بعض علماء نے کہا ہے کہ حوض پر ممبر ہونے کا مطلب ہے کہ اشارہ ہے اس کی طرف کوشش کرنے اس سے برکت حاصل کرنے اور نیک اعمال ہمیشہ کرنے کی طرف۔ تاکہ اس طریقہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حوض پر آنے اور اس سے جا نفزاء پانی پینے کے قابل ہو جائیں۔ اور بعض کا یہ قول ہے کہ امکان یہ بھی ہے کہ سرور انبیاء صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ممبر شریف کو شرف بخشا ہے اور کل قیامت کے روز بھی تمام خلائق کے رنگ میں اس کا بھی اعادہ کریں۔ اور حوض کوثر کے کنارے پر اسے رکھا جائے۔ ترہ جنت اسی سے عبارت ہے۔ ممبر کا وہاں رکھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تعظیم اور بلندی شان کے لئے ہے۔ اور ایک گروہ اس طرف گیا

ہے کہ ممبر کے متعلق یہ خبر ہے جو کہ اس دن آنحضرت کے لئے بنائیں گے۔ نہ کہ یہ ممبر جو مسجد شریف میں ہے اور یہ قول تو بڑا ہی بعید ہے۔ حدیث کے الفاظ کے سیاق کے لحاظ سے۔ کیونکہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں میرے ممبر اور میرے حجرہ کے مابین جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ اور میرا ممبر میرے حوض پر ہے۔ بظاہر تو اس کلام سے یہی ممبر مراد ہے جس کا ذکر روضہ مقدس کی تحدید کے لئے کیا گیا ہے۔ جس طرح کہ تاریخ المدینہ میں مذکور ہوا ہے۔ اور صاحب مواہب لدینہ نے کہا ہے کہ اس بارے میں کسی عالم نے بھی اختلاف نہیں کیا ہے۔ کہ اس کے یہی معنی مراد ہیں جو ظاہر ہیں۔ اور یہی حق ہے اور محسوس اور موجود ہے۔ کیونکہ مخبر صادق نے امور غیب کی جو خبریں دی ہیں ان سب پر ایمان لانا فرض ہے۔ **فتدبروا۔**

خصائص میں سے ہے کہ حضور علیہ السلام کے ممبر شریف اور قبر شریف کے درمیان جنت کے باغوں سے ایک باغ ہے۔ اسے بخاری نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے۔ مابین بیتی و ممبری۔ اس مقام پر بھی علماء نے کلام کیا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ بقعہ شریف کو جنت کے باغ سے اس لئے تشبیہ دی گئی ہے کہ جو شخص وہاں پر ذکر و مجالست اختیار کرے اس کے لئے نزول رحمت اور سعادت کا حصول ہے۔ جس طرح کہ مسجدوں کو ریاض جنت نام دینے میں مراد ہے۔ پس فرمایا اذامررتم برياض الجنة فارتعوا یعنی جب تم ریاض جنت سے گزرو تو ان کا ادب ملحوظ رکھو۔ اس اشارے کا پرتو بھی ادھر ہی ہے۔ بالخصوص آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے زمانہ مقدس میں کہ اس وقت مسجدوں سے ثمرات علوم انوار و اذکار اور جنت آثار مجالس سب لوگ حاصل کرتے تھے۔ بعض کا قول ہے کہ اس مقام پر طاعت و عبادت جنت واصل ہونے کا موجب ہے۔ جس طرح یہ فرمایا گیا ہے۔ الجنة تحت ظلال السيوف جنت تلواروں کے سایہ میں ہے۔ نیز فرمایا گیا ہے۔ الجنة تحت اقدام الامهات یعنی جنت ماؤں کے قدموں کے تحت ہے۔ یہ مذکورہ بالا دونوں اقوال ضعیف اور بعید ہیں۔ کیونکہ جنت کے باغات سے تشبیہ رحمت کے نزول۔ جنت کے باغوں میں وصول اور اب مترتب ہونا یہ امور جملہ مساجد اور نیکی کی جگہوں سے حاصل ہوتے ہیں۔ یہ بشارات صرف مسجد نبوی اور وہاں کے ممبر مبارک سے مخصوص نہیں ہیں اور اسے مخصوص رحمت اور مخصوص باغ جنت پر محمول کریں تو پھر بھی یہ بعد اور تکلیف سے خالی نہیں ہے۔ حق یہ ہے کہ یہ کلام حقیقت پر اور اپنے ظاہری معانی پر ہی محمول ہے۔ اور آنحضرت کے ممبر شریف اور حجرہ مقدس کے مابین جنت کے باغوں سے ایک باغ ہے۔ یہ اس معنی میں ہے کہ قیامت کے روز یہ مقام جنت میں منتقل کر دیا جائے گا۔ اور زمین کے تمام دوسرے مقامات کی مانند اسے فنا اور ہلاک نہیں کیا جائے گا۔ جس طرح کہ ابن فرحون اور ابن جوزی نے امام مالک سے نقل کیا ہے۔ اور علماء کی ایک جماعت کی طرف سے بھی اس کے ساتھ اتفاق شامل ہے۔ اور شیخ ابن حجر عسقلانی اور اکثر علماء حدیث نے اس قول کو ترجیح دی ہے۔ اور علماء مالکیہ میں سے ابن ابی حمیدہ بڑے عالم ہیں انہوں نے فرمایا ہے کہ یہ احتمال موجود ہے کہ یہ بقعہ ہی جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہو۔ جس کو اس جگہ سے اس دنیوی مقام پر اتارا گیا ہو۔ جس طرح کہ حجر اسود اور مقام ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں واقع ہوا ہے اور ہو سکتا ہے اس کو قیامت کے انعقاد کے بعد اس کے اصلی مقام پر وہاں ہی

لے جائیں۔ اور رحمت کا نزول اور جنت کا استحقاق اس مقام کی فضیلت اور بلندی مرتبت کے ساتھ لازم اور مترتب ہے یا جس طرح کہ ابراہیم علیہ السلام کے رتبہ جلیلہ کو جنت کے ایک پتھر سے امتیاز ہوا۔ اسی طرح حبیب خدا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جنت کے باغوں میں سے ایک باغ سے مخصوص کیا۔ اگر وہ ظاہری نظر میں دنیا کی زمین کے تمام اجزاء کی طرح دکھائی دے۔ تو یہ تعجب خیز امر نہیں ہے۔ وجہ یہ کہ جس وقت تک اس دنیا میں انسان اپنی طبیعت کے دبیز پردوں اور بشریت کی علامات و خصائل حجاب مستور ہے تب تک حقائق اشیاء اس پر کھل نہیں سکتے اور آخرت سے متعلقہ امور کا ادراک ناممکنات میں ہو گا۔ اور تم بھی اس وہم میں پڑو کہ چونکہ اس بقعہ پاک کی حقیقت جنت کے باغوں سے ایک باغ ہے۔ تو یہاں پر تشنگی اور برہنہ پن دور ہو جانا لوازمات و خصائص جنت سے ہیں وہ یہاں پر بھی نہ ہوں گے جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وان لک ان لا تجوع فیھا ولا تعری بلاشبہ جنت میں تمہارے لئے بھوک و برہنگی نہ ہوں گے۔ یہ امکان ہے کہ جنت کے لوازم نے بقعہ کے اخراج کے بعد انتقال و انفکاک اور علیحدگی قبول کر لی ہو۔ لہٰذا آپ کیا کہیں گے۔ مقام ابراہیم علیہ السلام اور حجر اسود کے بارے میں۔ وہاں پر بھی اس قسم کے آثار کا ظہور مفقود ہے۔ اگر آپ یہ کہیں گے کہ اس قسم کے امور سماع و خبر یعنی حدیث کے بغیر ثابت نہیں ہوتے رکن (حجر اسود) اور مقام (مقام ابراہیم علیہ السلام) کے حق میں دلائل و شواہد بطریق تعبد اور تسلیم واقع اور موجود ہیں۔ پس ان پر ایمان لانا واجب ہو گیا۔ ان کے علاوہ دوسری چیزوں کے ساتھ ایسا نہیں ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ دلیل اور خبر شہادت سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اور نہیں۔ جیسے حجر اسود اور مقام ابراہیم علیہ السلام کی حقیقت اس صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی احادیث سے معلوم ہوئی ہے۔ اس کی مانند ممبر مبارک اور روضہ شریف کے حال کا بھی پتہ چلا ہے۔ اور تاویل کی طرف آئیں تو ہر دو جگہ پر ممکن ہے اور اگر حقیقت کی طرف جائیں تو بھی دونوں جگہوں پر ثابت ہے۔ (واللہ اعلم)

جملہ خصائص سے یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم وہ ہستی ہیں جن کی قبر سب سے پہلے کھولی جائے گی اور آپ باہر تشریف لائیں گے اور مبعوث ہوں گے یعنی قیامت کے دن موقف میں حاضر ہوں گے۔ آپ سب سے پہلے پل صراط پر سے گزریں گے۔ اور سب سے پہلے بہشت کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے۔ حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔ کہ میں قیامت کے دن جنت کے دروازہ پر آؤں گا اور اسے کھلواؤں گا۔ اس کے بعد خازن جنت کہے گا کہ مجھے آپ کی خاطر حکم دیا گیا ہے کہ میں آپ سے پہلے کسی دوسرے کے لئے جنت کا دروازہ نہ کھولوں گا۔ امرت لا افتح لاحد قبلک۔ اور یہ امکان بھی ہے کہ بکا میں باقسمیہ ہو۔ تو معنی یہ ہو گا۔ قسم ہے مجھے آپ کی۔ یہ معنی احسن تر ہیں اور محبت کے ذائقہ کے لحاظ سے زیادہ لذیذ ہیں۔ اور سب سے پہلے آپ ہی ہیں جو جنت میں داخل ہوں گے۔ اور شفاعت کا دروازہ بھی سب سے پہلے آپ ہی کھولیں گے۔

اور ان خصائص میں سے ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میدان محشر میں براق پر سوار آئیں گے اور جنت کے عظیم، اعلیٰ اور نفیس ترین خلعت میں ملبوس ہوں گے۔ اور دوسری حدیث میں آیا ہے کہ فرمایا آپ صلی اللہ علیہ و آلہ

(13) سب سے پہلے قبر سے

(14) سبز کپڑے

وسلم نے روز قیامت لوگ میدان محشر میں حاضر ہوں گے۔ تو میں اور میری امت رتل پر یعنی بلند مقام پر ہوں گے۔ اور مجھے میرا پروردگار سبز حلہ پہنائے گا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عرش کی بلندی پر کھڑے کئے جائیں گے کہ جس مقام پر کوئی کھڑا نہیں ہو تا۔ یہ وہ مقام ہے جس پر تمام اولین و آخرین رشک کریں گے۔

اور ازاں جملہ خصائص یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مقام محمود عطا کیا جائے گا۔ اور مجاہد جو آئمہ تفسیر میں سے ہیں انہوں نے کہا ہے کہ اس سے مراد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عرش پر جلوس فرمائیں گے اور عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے آیا ہے کہ کرسی پر جلوس فرمائیں گے۔ اور تفسیر بیضاوی میں کہا گیا ہے کہ وہ ایسا مقام ہے جس کی وہاں پر موجود ہر شخص تعریف کرے گا اور وہ بھی جو اسے پہچانتا ہو گا اور یہ ہر مقام میں مطلق ہے۔ یعنی جس مقام پر بھی آپ کھڑے ہوں گے وہ کرامت اور بزرگی والا ہو گا۔ اور مشہور یہ ہے کہ وہ مقام شفاعت ہو گا۔ اور اس مقام پر بحث فضائل آنحضرت میں آئے گی جو آخرت میں ظاہر ہوں گے۔

اور خصائص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے ہے۔ کہ آپ کو شفاعت عظمیٰ عام عطا کی جائے گی۔ اہل موقف کے درمیان۔ جب کہ وہ سب انبیاء اور رسولوں کے بعد تشریف لائیں گے۔ کسی جماعت کو بلا حساب جنت میں داخل کرائیں گے دوسری جماعت کے درجات کو رفعت دلائیں گے اس کی تفصیل مناسب مقام پر آئے گی۔

اور خصائص میں سے ہے کہ قیامت کے روز آپ کے ہاتھ میں لواء الحمد ہو گا۔ اور آدم علیہ السلام اور ہر شخص آپ کے سوا جو وہاں موجود ہو گا وہ لواء الحمد کے نیچے ہوں گے۔ اور وسیلہ جو کہ جنت کے اولیٰ درجے میں سے ہے وہ آپ ہی کے لئے ہو گا۔ اور بالجملہ یہ کہ آنحضرت جملہ اخلاق میں سے افضل و اکرم ہیں۔ نزدیک اللہ تعالیٰ کے اور آپ تمام مخلوق کے روز قیامت پیشوا ہوں گے۔ جیسے کہ آپ نے فرمایا:- انا سید ولد آدم یوم القیامۃ وانا اکرم الاولین والاخرین و بیدی لواء الحمد ولا فخر ومامن نبی یومئذ آدم فمن سواہ الا رھو تحت لوائی۔ قیامت کے روز میں نبی آدم کا سردار ہوں گا۔ میں تمام اولین و آخرین میں مکرم ترین ہوں گا۔ میرے ہاتھ میں لواء الحمد ہو گا۔ یہ فخر نہیں ہے۔ اس روز کوئی بھی نبی آدم اور ان کے ماسوا کوئی بھی ایسا نہ ہو گا۔ سوائے اس کے کہ وہ میرے جھنڈے کے نیچے ہو گا۔

اور انہی خصائص میں سے ہے کہ جب آنحضرت بہشت کھلوانے کے لئے جائیں گے تو آپ کے لئے خازن جنت برائے استقبال پہلے ہی کھڑا ہو گا۔ اور وہ دروازہ بہشت کھولے گا اور کہے گا کہ آپ سے قبل میں کسی دوسرے دروازہ نہ کھولوں گا اور آپ کے بعد میں کسی دوسرے کے استقبال کے لئے کھڑا نہ ہوں گا۔ اس میں آنحضرت کے مرتبت میں زیادتی کا اظہار ہے۔ اور تمام خازن متعلقہ جنت آپ کے خادمان ہیں۔ اور آپ بحکم پروردگار جل و علیٰ ان میں بادشاہ کے مانند ہیں۔

اور آپ کے خصائص میں سے ہے کہ آپ کو حق تعالیٰ نے کوثر کے ساتھ مخصوص کیا ہوا ہے کہ اس میں موتی اور یاقوت بہتے ہیں اور اس کا پانی شہد سے زیادہ میٹھا اور دودھ سے زیادہ سفید ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ برف سے زیادہ سفید ہے اور اس کے کوزے تعداد میں ستاروں سے زیادہ ہیں۔ اور بعض نے کہا ہے کہ ہر پیغمبر کے لئے اس کی فضیلت و

مرتبت کے لحاظ سے آخرت میں ایک حوض ہو گا۔ لیکن آنحضرت کا حوض کوثر سب سے عظیم تر اور زیادہ شرف والا ہے۔

ازاں جملہ خصائص یہ بھی ہے کہ حق تعالیٰ نے جب اپنی کتاب میں انبیاء کی توجہ زعفران کا ذکر فرمایا تو ساتھ ہی خطا ان سے واقع ہوئی اس کا بھی ذکر فرمایا لیکن آنحضرت کی شان میں فرمایا:۔

انافتحنالکفتحامبینا○لیغفرلکاللہماتقدممنذنبکوماتاخر○

ترجمہ۔ فتح کی خبر کو مقدم رکھا۔ اور اس کے بعد گناہوں کی بخشش کا ذکر کیا گیا جو گزشتہ و آئندہ کے تھے۔ اور ذنوب کو مستور رکھا۔ اور اس کی تحقیق باب دوم میں گزر چکی ہے۔

ازاں جملہ خصائص یہ ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے سابقہ انبیاء کو ان کے سوال کرنے کے بعد عطا فرمایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو بلا سوال ہی عطا فرمایا۔ ابراہیم خلیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ لا تخزنی فی یوم یبعثون یا اللہ! لوگوں کے اٹھائے جانے کے بعد مجھے رسوا نہ کرنا۔ اور اللہ تعالیٰ نے آنحضرت اور ان کی امت کے بارے میں فرمایا:۔

یوملایخزیاللہالنبیوالذینامنوامعہ

ترجمہ۔ اس دن اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور ان کے ساتھی مومنین کو رسوا نہ کرے گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا۔ رب شرح لی صدری اور پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی شان میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ الم نشرح لک صدرک کیا ہم نے تجھے شرح صدر عطا نہ کیا؟

ازاں جملہ خصائص یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو اپنی محبت سے برگزیدہ فرمایا اور ابراہیم علیہ السلام کو خلت سے۔ اور مقام محبت مقام سنت سے بالاتر ہے۔ اور باب اول میں اس کا ذکر گزر چکا ہے۔ اور باب ہشتم کے آخر میں بھی اس کا ذکر آئے گا۔ اور بعض علماء عارفین نے خلیل و حبیب کے درمیان فرق کے بارے میں بڑا لطیف کلام فرمایا ہے کہ خلیل خلت سے ہے اور اس کے معنی حاجت کے ہیں۔ اور ابراہیم علیہ السلام محتاج اور مفتقر تھے خدا تعالیٰ کی طرف۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں خلیل بنایا۔ اور حبیب بروزن فعیل ہے فاعل کے معنی میں یا مفعول کے۔ پس آنحضرت محب بھی تھے اور محبوب بھی بغیر کسی غرض کی وساطت کے۔ علماء نے کہا ہے کہ خلیل وہ ہوتا ہے کہ جس کا فعل خدا کی رضا کے لئے ہو۔ اور حبیب وہ ہوتا ہے جس کی خاطر خدا تعالیٰ کا فعل ہو۔ اور اس خدا تعالیٰ کے اقوال فلنولینک قبلۃ ترضاھا اور ولسوف یعطیک ربک فترضی شاہد ہیں۔ اور خلیل لقائے محبوب کے لئے کبھی جلدی نہیں کرتا۔ جیسے کہ آیا ہے کہ جب ملک الموت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے قبض روح کی خاطر تو ابراہیم علیہ السلام نے توقف کیا اور کہا کہ پروردگار سے پوچھو کہ کچھ توقف ہے یا کہ جلدی رب کے پاس جانا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا اخترت الرفیق العلیٰ میں نے اس رفیق اعلیٰ کو اختیار فرمایا اور اپنی دعا میں کہا کرتے تھے۔

اللھمانیاسئلکالنظرالیجلالوجھکوالشوقالیلقائک

ترجمہ۔ اے اللہ! میں تجھ سے تیرے چہرہ جلال کی طرف نظر مانگتا ہوں اور تیرے دیدار کی طرف

شوق۔

اور خلیل وہ ہوتا ہے جس کی مغفرت حد طمع میں ہوتی ہے۔ جس طرح کہ ابراہیم علیہ السلام نے کہا والذی اطمع ان یغفرلی خطیئتی یوم الدین وہ جو طمع رکھتا ہے کہ میری خطائیں یوم آخرت کو بخشی جائیں۔ حبیب وہ ہے جس کی بخشش یقین کی حد میں ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر ویتم نعمتہ علیک

ترجمہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے اگلے پچھلے گناہ بخش دے اور آپ اپنی نعمت تمام کرے۔

اور خلیل کی دعا ہے لا تخزنی یوم یبعثون۔ لوگوں کے اٹھائے جانے کے دن مجھے رسوانہ کرنا اور حبیب سے یہ کہا ہوا ہے۔ یوم لا یخزی اللہ النبی جس روز کہ اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رسوانہ کرے گا بندہ مسکین (شیخ عبدالحق) کہتا ہے کہ اس پر زیادہ کہا گیا ہے والذین امنو معہ (اور ان کے ساتھ مومنین بھی) اور خلیل نے کہا انی ذاھب الی ربی سیھدین۔ میں تو اپنے رب کے پاس جانے والا ہوں وہ جلدی رہنمائی فرمائے گا۔ حبیب وہ ہے جس کی خاطر فرمایا گیا ہے ووجدک ضالا فھدی آپ کو جب وارفتہ پایا تو آپ کی رہنمائی فرمادی گئی۔ خلیل وہ ہے جس نے کہا واجعل لی لسان صدق فی الاخرین اور میرے لئے پچھلوں میں سچی زبان بنادے۔ لیکن حبیب کے لئے فرمایا گیا ہے ورفعنا لک ذکرک اور ہم نے تمہارا ذکر بلند کردیا۔ وجعلنی من ورثۃ جنۃ النعیم اور مجھے جنت نعیم کے وارثوں میں بنا۔ حبیب کے لئے فرمایا گیا ہے انا اعطینک الکوثر آپ کو حوض کوثر عطا فرمایا ہے۔ خلیل نے کہا واجنبنی وبنی ان نعبد الاصنام اور مجھے اور میری اولاد کو بتوں کی پوجا کرنے سے بچا۔ اور حبیب وہ ہوتا ہے جس کے لئے فرمایا گیا ہے۔

انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا

ترجمہ اے نبی کے اہل بیت! اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم سے سب ناپاکی دور کرے اور تم کو پاک کرے بالکل صاف و ستھرا و پاکیزہ کردے۔

لہٰذا خلیل کی خلت اور حبیب کی محبت میں یہ فرق ہے۔ نیز حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو خلیل پر اور جمیع انبیاء و مرسلین پر فضیلت ہے۔

اور ازاں جملہ خصائص یہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو نفل بیٹھ کر ادا کرتے ان کا ثواب کھڑے ہو کر پڑھے گئے نفلوں کے ثواب کے برابر ہے۔ بخلاف دوسروں کے جن کے لئے فرمایا گیا ہے۔ من صلی قاعدا فلہ نصف اجر القائم بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کا اجر کھڑے ہو کر پڑھنے والے کے اجر کا آدھا ہے۔ گو ظاہرا" یہ حدیث عام ہے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس عموم سے مستثنیٰ ہیں اور آپ کو خصوصیت حاصل ہے۔ مسلم شریف میں عبداللہ بن عمر بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ میں نے آپ کو بیٹھ کر نماز پڑھتے دیکھا۔ میں نے آپ سے عرض کیا یا رسول اللہ! سنا ہے کہ آپ نے فرمایا ہے صلوٰۃ الرجل

قاعدا علی نصف الصلوٰۃ قائما جو بیٹھ کر نماز پڑھے اس کی نماز کھڑے ہو کر پڑھنے والے کی نماز سے آدھی ہے۔ اس وقت آپ بیٹھ کر نماز پڑھ رہے تھے آپؐ نے فرمایا ہاں۔ میں نے یہی فرمایا ہے لیکن لست کاحد منکم تم میں سے کوئی شخص بھی میرے برابر نہ ہے۔

آپؐ کے خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ آدم علیہ السلام کے زمانہ سے لے کر نفخہ اولیٰ تک یعنی قیامت کے دن تک دنیا میں ہے وہ سب کچھ آپؐ پر ظاہر کر دیا گیا۔ حتیٰ کہ آپؐ کو سب پہلوں اور پچھلوں کے حالات کا علم دے دیا گیا۔ ان میں سے کچھ لوگوں کے حالات آپؐ نے اپنے صحابہ کرام سے بیان فرمائے اور کچھ اہل فضیلت و شرف صلحا سے سننے میں آیا ہے کہ کچھ عارف لوگوں نے ایک کتاب تحریر کی ہے۔ اس میں یہ بات ثابت کردی گئی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جملہ علوم الٰہی بتا دیئے گئے تھے۔ ظاہراً تو یہ قول دلائل کثیرہ کے خلاف ہے۔ لیکن اس قول سے قائل کا کیا مقصد ہے۔ یہ اللہ ہی رب العزت ہی بہتر جانتا ہے۔ (واللہ اعلم)

فضائل و خصائص امت محمدیہ۔ وصل:۔ امت مرحوم محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوۃ والسلام) کے فضائل و خصائص بے شمار ہیں۔ اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل کی طرف ہی راجع ہے۔ کیونکہ آپ کی امت اس طرح کی ہے اور وہ فرمانبردار بھی کمال قسم کے ہیں۔ اور آنحضرت کے فضائل امت کے فضائل میں شمار ہیں۔ پیغمبر ہیں آپ تو اس طرح کے اور آپ کے متبع اور مقتدی ہیں تو اس قسم کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کامل الصفات ذات ہیں۔

جاننا چاہیے کہ جب رب تعالیٰ نے پیدا فرمایا اور عنصر نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اظہار عالم میں کیا تو یہ عنایت السیہ غایت اتقان واحکام میں امت انسانیہ میں ہوئی۔ گو جن اور انسان سب آپ کی امت میں شامل ہیں لیکن جو خصوصیت اور قابلیت انسان میں ہے اس کی وجہ سے یہ عنایت انسان پر ہوئی۔ اور آپؐ کا ظہور انسانوں میں ہوا کنتم خیر امۃ اخرجت للناس یہ خطاب بلاواسطہ صحابہ کرام سے ہے جو اسلام میں سابق اور حضور کے مقرب ہیں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا

تامرون بالمعروف و تنھون عن المنکر

ترجمہ:۔ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے منع کرتے ہیں۔

فی الحقیقت یہ ہی وجہ ہے فضیلت کی اور یہی شرط ہے بہتری کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کی وجہ سے صحابہ کرام کی یہ خوبی اور خصوصیت بڑی اتم و اکمل ہے اور سب سے بڑھ کر ہے۔ وجہ یہ کہ آپؐ کے جمال جہاں آرا اور آپؐ کے انوار و آثار کا بلاواسطہ اقتباس و استفاضہ صحابہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور اس جگہ معلوم ہو گیا کہ اسامت کا اول اس کے آخر سے افضل ہے۔ اس باب میں اس کی ایک ترتیب شارع علیہ السلام سے واقع ہوئی ہے۔ کہ آپ نے فرمایا:۔

خیر القرون قرنی الذین انا فیھم ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم

ترجمہ:۔ زمانوں میں سے بہتر زمانہ وہ ہے جس میں میں ہوں۔ پھر ان سے متصل جو ہیں پھر ان سے جس کا

اتصال ہے۔

یہ تینوں مراتب مشہور ہیں پہلے نمبر پر صحابہ کرام۔ دوسرے نمبر پر تابعین اور تیسرے نمبر پر تبع تابعین۔ اور ایک چوتھا مرتبہ بھی بخاری کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ جن کا اتباع تبع کہتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا ثم لفشوالکذب اس کے بعد جھوٹ پھیل جائے گا۔ یعنی دین میں وہ ربط و ضبط اور وہ صدق و تقویٰ اور یقین جو شروع میں تھا اب نہ رہے گا۔ اور صحابہ میں سے ایک جماعت یا گروہ ہے۔ جنہوں نے صرف ایک لحظہ کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ الہ وسلم کا دیدار کیا۔ ایمان لائے اور اپنے اپنے کاروبار کی طرف چلے گئے اور مشغول ہو گئے۔ اور زیادہ دیر تک صحبت نبوی سے استفاضہ نہ کر سکے اور وہ علماء جو مطلق طور پر صحابہ کرامؓ کی فضیلت کے قائل ہیں انہوں نے کہا ہے کہ ان صحابہ کو بھی ان سے بعد میں آنے والوں پر فضیلت حاصل ہے۔ معلوم نہیں کہ اس طائفہ کا مقصد کیا ہے۔ اگر وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ الہ وسلم کے دیدار سے ان زائرین کو وہ سب کمالات میسر آجاتے ہیں۔ جو طویل صحبت یافتہ صحابہ کے پاس ہوتے ہیں تو یہ مقام محل توقف ہے۔ اور اس سے صحابہ کرام کے درمیان فضیلت و تفاوت نہ ہونا لازم آتا ہے۔ اور یہ اصل واقع کے خلاف ہے۔ باوجود اس امر کے یہ حقیقت ہے کہ رویت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جملہ فضائل و کمالات سے زیادہ اتم اور اکمل فضیلت و شرف ہے۔ اور دیگر کوئی فضیلت اس کی برابری نہیں کر سکی۔ بہر کیف صحابہ کرام خواہ ان کی مدت رویت و صحبت تھوڑی ہی تھی اپنے سے بعد والوں سے افضل ہیں۔ جو محروم صحبت ہیں۔ اہل عدل و انصاف کی ایک جماعت اسم صحبت کے اطلاق کو جماعت اولیٰ کے ساتھ مخصوص گردانتے ہیں۔ اور یہ چیز محدثین کے مذہب کے خلاف ہے۔ کیونکہ صحبت و رویت خواہ ایک ہی بار ہوئی ہو اس پر وہ کفایت کرتے ہیں۔ اور اس بارے میں سابقاً بھی کچھ ذکر گزر چکا ہے۔ اور شاید اس کے بعد بھی کچھ ہو جائے۔ اور علی الاطلاق اس امت کے فضائل و خصائص بے شمار ہیں اور اس سلسلے میں کثرت سے اخبار و آثار آئے ہیں۔ سب سے افضل اور اکمل فضیلت یہ ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت میں ہیں۔ جس طرح کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم النبیین اور تمام انبیاء علیہم السلام کے جملہ فضائل و کمالات کے جامع ہیں۔ اور آپ پر مکارم اخلاق اور محامد صفات مکمل ہو گئے۔ آپ کی امت خاتم الامم ہے اور دین کی تکمیل اور اتمام نعمت اس امت پر ہوئی ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی اور ان کی صفات سابقہ کتب میں مذکور ہیں جیسے کہ ان کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر شریف آیا ہے۔ اور باب چہارم میں آنحضرتؐ کے سابقہ کتب میں ذکر شریف کے متعلق تذکرہ گزر چکا ہے۔

اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا۔ یا رب! کیا دیگر امتوں میں کوئی شخص تیرے نزدیک میری امت سے گرامی تر ہے؟ میری امت تو وہ ہے جس پر تو نے بادلوں کا سایہ فرمایا اور ان کے لئے من و سلویٰ بھیجا۔ پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ! کیا تو نہیں جانتا کہ امت محمدیہ کی فضیلت دوسری تمام امتوں پر اس طرح ہے جس طرح مجھے تمام مخلوق پر فضیلت ہے۔ پس موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا یا اللہ تعالیٰ! مجھے وہ امت دکھا دے۔ پس حق

تعالیٰ نے فرمایا: تم ان کو دیکھ نہیں سکتے۔ لیکن ان کا کلام تم کو سنوا دیتا ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کو آواز دی تو سب لبیک کی آواز سے اس طرح جواب دیا۔ لبیک اللھم لبیک۔ جب کہ وہ اپنے باپوں کی صلبوں اور اپنی ماؤں کے رحموں میں تھے۔ پس اللہ سبحانہ نے فرمایا:- صلوٰتی علیکم ورحمتی سبقت غضبی وعفوی سبق عذابی۔ (میری رحمت تم پر ہو اور میری رحمت میرے غضب پر اور میرا عفو میرے عذاب پر سبقت لے گئے ہیں)

تمہارے دعا کرنے سے قبل ہی میں نے تمہاری دعا کو منظور کیا۔ اور جو شخص مجھے اس طرح پائے کہ وہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت دے اس کے جملہ گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ مجھ پر اس نعمت کا احسان جتائے حق سبحانہ نے فرمایا ماکنت بجانب الطور اذنادیناہ یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! جب ہم نے نشاء عنصری میں تمہارے نور کو پکارا اور تمہاری امت کو ندا کی۔ تاکہ ان کا کلام موسیٰ علیہ السلام کو سنایا جائے۔ اس وقت کوہ طور پر آپ موجود نہ تھے۔ یہ حدیث حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی۔ اور اس قدر مزید اس میں کہا گیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا یا رب! حیرانگی ہے کہ اس قدر اچھی اور پیاری آواز ہے۔ امت محمد صلی اللہ علیہ الہ وسلم۔ لہٰذا اے پروردگار تعالیٰ! مجھے وہ آواز دوبارہ سنوا دے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے ابو نعیم حلیہ میں بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ جو کوئی بھی مجھ پر اس طرح ایمان لائے کہ احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان نہ لایا ہو۔ اسے آتش دوزخ میں ڈالوں گا۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا یا اللہ! وہ احمد کون ہے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا احمد وہ ہے کہ میں نے اپنے نزدیک اس سے گرامی تر کسی کو پیدا نہیں کیا۔ اور آسمان و زمین کی پیدائش سے پہلے اس کا نام میں نے اپنے نام کے ساتھ عرش پر لکھا ہے۔ اور جب تک وہ اور اس کی امت جنت میں داخل نہ ہوں۔ میں نے تو تمام مخلوق پر جنت حرام کی ہوئی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی امت آپ کی متابعت میں دیگر انبیاء علیہم السلام سے پہلے جنت میں داخل ہوگی جب مہمان عزیز ہو تو اس کا طفیلی بھی عزیز ہوتا ہے۔ لیکن خلق سے غیر انبیاء مراد ہیں۔ حالانکہ کہا جمیع خلق کیا ہے لیکن اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ امت محمدیہ دیگر انبیاء سے زیادہ فضیلت والی ہے یا ان کے برابر ہے۔ فحاشا وکلا۔ کیونکہ کوئی ولی نبی کے مرتبہ کو نہیں پہنچتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ امت محمدیہ کس قسم کے لوگ ہیں۔ وہ کن صفات کے حامل ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کی صفات بیان فرمائیں۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا یا اللہ! مجھے اس امت کا نبی بنا دے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ اس امت کا نبی ان ہی کی قوم سے ہوگا۔ اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے خداوند! مجھے اس امت میں سے کر دے۔

حضرت وہب بن منبہ سے روایت آئی ہے کہ انہوں نے کہا کہ حق تعالیٰ نے شعیا پیغمبر علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ میں ایک نبی امی کو بھیجوں گا۔ جو کھول دے گا۔ بہرے کانوں اندھی آنکھوں اور نابینا دلوں کو جو غفلت کے پردہ میں مستور ہیں۔ ان کی پیدائش کی جگہ مکہ شریف ہے۔ مقام ہجرت مدینہ شریف اور اس کا ملک شام ہے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ

و آلہ وسلم کی صفات کا تذکرہ فرمایا۔ حتیٰ کہ رب تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تمام امتوں میں بہترین ان کی امت بناؤں گا۔ اس کے امتی نیکی کا حکم کریں گے اور بدی سے ممانعت کریں گے۔ وہ میری توحید پر اور مجھ پر ایمان لائیں گے۔ میرے ساتھ خلوص رکھیں گے اور وہ امت ان سب چیزوں کی تصدیق کرے گی۔ جو انبیاء پر میں نے نازل کی ہیں۔ وہ امت سورج اور چاند کی بھی حفاظت کرے گی۔ یعنی اپنی عبادات ان کے لحاظ سے کرے گی۔ ایسے دل اور چہرے اور ارواح بڑے خوش بخت ہیں جو میرے ساتھ مخلص ہیں۔ میں ان کی مجالس اور آرام گاہوں میں ان کے سفر و حضر اور آرام و سکون میں ان کو اپنی تسبیح و تکبیر اور اپنی حمد و توحید کا الہام کروں گا۔ مساجد میں ان کی صفیں اس طرح ہوں گی جیسے ملائکہ کی صفیں ہوتی ہیں عرش کے گردا گرد۔ وہ میرے دوست ہیں۔ مددگار و یار ہیں۔ میرے وہ دشمن جو بت پرست ہیں ان سے میں اپنا غصہ ان کے ذریعہ نکالوں گا۔ وہ کھڑے بیٹھے اور رکوع و سجود کے ساتھ اپنی نمازیں ادا کریں گے۔ اور میری رضا کی طلب میں وہ اپنے مال و جان کے ساتھ اپنے ملک سے نکلیں گے اور جہاد و قتال کریں گے میری راہ میں۔ اور میں تمام کتب الہیہ کو ان کی کتاب کو اور تمام شریعتوں کو ان کی شریعت کے ساتھ ختم کردوں گا۔ اور ان کے دین کے ساتھ دوسرے دین منسوخ ہو جائیں گے۔ اور جو کوئی اس وقت موجود ہو گا۔ اگر وہ ان کی کتاب پر ایمان نہ لائے گا اور ان کی شریعت اور ان کے دین کو اپنائے گا۔ وہ مجھ سے بے تعلق ہو گا۔ اور میں ایسے شخص سے بیزار ہوں گا۔ میں انہیں تمام امتوں سے زیادہ فضیلت والے اور امت وسط بناتا ہوں۔ جو کہ سب لوگوں پر گواہ ٹھہرائے گئے ہیں۔ وہ غضب و غصہ میں بھی آئیں گے تو میری ہی تہلیل کریں گے۔ اور جھگڑہ کریں گے۔ تو میری ہی تسبیح بیان کریں گے۔ اور وہ میری پاکی بیان کریں گے۔ اور اپنے جسموں پر اپنے تہبند اپنی پنڈلیوں کے نصف تک باندھیں گے۔ اور بلندی پر چڑھتے وقت اور پستی میں اترتے وقت میرا نام بلند کریں گے۔ اور اپنی قربانی خون بہانے سے کریں گے۔ ان کی کتاب ان کے سینوں میں محفوظ ہے۔ وہ رات کے دوران تو راہب صفت ہوں گے۔ اور دن کے دوران شیر بہادر ہیں۔ خوش نصیب ہے جو ان میں سے ہے اور ان کا ہم مسلک ہے اور ان کی راہ و روش پر ہے۔ یہ میرا فضل ہے دیتا ہوں جسے میں چاہوں۔ اور میں فضل عظیم والا خداوند ہوں۔ (رواہ ابو نعیم)

اس امت کے عباداتی خصائص:۔ اس امت مرحومہ کے فضائل سابقہ کتب میں مذکور ہیں۔ پس امت چاہیے کہ ان صفات پر قائم رہے۔ یہی ان کی خیریت کا ذریعہ ہے اور اس میں شک نہیں کہ اس امت کے شروع کے لوگ ان صفات میں اتم اور اکمل ہیں۔ وہ صحابہ کرام ہیں۔ اور ان کے ساتھ والے لوگ۔ یعنی ان سے جو متصل ہیں۔

اور اس کے خصائص میں سے ہے کہ ان پر اموال غنیمت حلال کر دیئے گئے جب کہ کسی دوسری امت پر غنائم حلال نہ ہوئے تھے۔ اور تمام زمین کو ان کے لئے مسجد بنا دی گئی۔ اور مٹی کو ان کے لئے پاک کنندہ بنایا۔ جس طرح کہ آنحضرت کے خصائص میں ذکر گزر چکا ہے۔ یعنی کہ ان امور میں امت بھی آپ کے ساتھ ہے صفات و احکام میں۔ اور بعض نے کہا ہے کہ وضو بھی اس امت کے خصائص میں سے ہے۔ وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔

ان امتی یدعون یوم القیامۃ غرالمحجلین من آثار الوضوء۔

عباداتی خصائص

ترجمہ۔ بلاشبہ یوم قیامت کو میری امت کے اعضاء بوجہ وضو چمکتے ہوں گے۔

یہ امکان ہے کہ یہ اعضا کی چمک و تابانی بوجہ وضوان ہی کے ساتھ مخصوص ہو۔ کیونکہ حضرت سارہ کے قصہ میں کتاب فتح الباری میں ذکر ہے کہ جس وقت کافر اور جابر بادشاہ نے انہیں اپنے قابو میں لانا چاہا۔ اور جب اس نے سارہ کے قریب آنا چاہا۔ تو حضرت سارہ اٹھیں انھوں نے وضو کیا اور نماز میں لگ گئیں۔ اور جریج نامی راہب کے قصہ میں بھی بیان ہوا ہے کہ اس نے وضو کیا نماز پڑھی اور غلام کے ساتھ کلام کیا۔ پس ظاہر یہی ہوتا ہے کہ جو کچھ اس امت سے مخصوص ہے وہ ہے وہ غرہ اور تحجیل ہے نہ کہ اصل وضو۔

اور مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے آیا ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ یہ پیشانی کی چمک دمک تمہارے سوا اور کسی کے پاس نہیں ہے۔ اور مشکوۃ شریف میں کتاب طہارت میں حدیث احمد سے بھی یہی مفہوم ظاہر ہوتا ہے۔

اور اس امت کے خصائص سے پانچ وقت کی نماز بھی ہے۔ اور امت سابقہ میں صرف چار نمازیں ہوتی تھیں۔ عشاء کی نماز نہ تھی۔ سب سے پہلے عشاء کی نماز جس نے ادا کی وہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہیں۔ اور حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ نماز عشاء کے لئے تاخیر کرو کیونکہ تمہیں اسی نماز کے ساتھ فضیلت ملی ہوئی ہے تمام امتوں پر اور کسی امت نے آپ سے پیشتر یہ نماز نہیں پڑھی۔

اذان و اقامت بھی۔ اس امت کے خصائص سے ہیں۔ اور بسم اللہ شریف بھی اس امت سے قبل کسی دوسری امت پر نازل نہ ہوئی تھی سوائے سلیمان علیہ السلام پیغمبر کے۔ پس بسم اللہ شریف دوسری امتوں کے مقابلہ میں اس امت کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور آمین بھی اس امت کے ہی ساتھ مخصوص ہے۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں آیا ہے۔ کہ آنحضرت نے فرمایا کہ یہود ہمارے ساتھ کسی چیز کے باعث اتنا حسد نہیں کرتے جتنا کہ جمعہ کے باعث کرتے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو ہدایت فرمائی ہے۔ اور امام کے پیچھے ہمارا آمین کہنا بھی ان کے لئے باعث حسد ہے۔ اور ایک روایت میں آیا ہے۔ جس طرح کہ ہم پر وہ سلام اور آمین کے باعث حسد کرتے تھے۔

اور نماز میں رکوع کرنا بھی اس امت کے خصائص سے ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ سب سے پہلی نماز جس میں ہم نے رکوع کیا وہ نماز عصر ہے۔ پس ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ رکوع کیا ہے جسے آج پہلی دفعہ آپ نے کیا ہے۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی طرف سے اس کا حکم کیا گیا ہے۔ اور اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ شروع شروع میں ہمارے دین میں بھی رکوع نہیں ہوتا تھا۔ جس طرح کہ یہود و نصاریٰ کی نمازوں میں نہیں ہے۔ اس کے بعد اس کا حکم ہوا۔ لیکن علماء نے اس جگہ ایک اشکال پیدا کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ یامریم اقنتی لربک واسجدی وارکعی (اے مریم! اطاعت کرو اپنے رب کی اور سجدہ کرو اور رکوع بھی کرو۔ یہ آیت رکوع پر دلالت ہے امم سابقہ میں۔ وہ کہتے ہیں کہ قنوت سے دائمی طاقت مراد ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ

امن هو قانت آناء الیل ساجداو قائما اور قنوت طاعت' قیام اور خشوع کے معانی میں آتا ہے اور سجود سے مراد نماز ہے یہ اللہ تعالیٰ کے قول کے مطابق ہے۔ وادبار اللہ جود۔ اور رکوع سے مراد عاجزی اور خشوع ہے۔ اور رکوع پر سجدہ کی تقدیم ایک قرینہ ہے جو دلالت ہے ان معانی پر۔ ورنہ ظاہر یہ ہے کہ رکوع مقدم ہے اور یہ اس تقدیر پر ہے کہ ثبوت منصوص ہو۔ ورنہ پہلی امتوں میں رکوع کا وجود نہ ہونے کے بارے میں علماء کرام نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے دلیل لی ہے۔ گویا یہ استدلال تمام و مکمل نہیں ہے۔ فافہم۔

اور اس امت کے خصائص سے ہے کہ نماز اور جنگ میں ان کی صفیں ملائکہ کی صفوں کی مانند ہیں۔ قدر و منزلت اور بارگاہ الہیہ میں قرب کے لحاظ سے۔ اور بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تشبیہ اس لئے ہے کہ اول صف کو مکمل کرنے کے بعد دوسری صف باندھتے ہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ نماز میں جماعت کی طرف کنایت ہو۔ اور اگر جماعت کہتے ہیں تو یہ بھی اس امت کے خصائص ہی سے ہے۔ واللہ اعلم۔

اور خصائص امت سے تحیتہ سلام بھی ہے۔ جس طرح کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں گزر چکا ہے۔ یہ پوشیدہ نہ رہے کہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا سے نماز کے آخر میں سلام ہے۔ اور تحیتہ سلام کی عبادت سے ظاہر یہ ہے کہ ملاقات کے وقت ایک دوسرے کو سلام کہتے ہیں۔ مگر وہ جو کہتے ہیں کہ دونوں ایک ہی ہیں۔ اور سلام بھی ان میں سے ایک ہے جو فرشتوں پر اور قوم پر کہتے ہیں۔ فتدبرو۔

اور اس امت کے خصائص میں سے جمعہ بھی ہے۔ جو دوسروں کو حاصل نہیں ہے۔ جس طرح کہ حدیث میں آیا ہے۔

هذا یومهم الذی فرض الله علیهم فهدانا الله له والناس فیه لنا تبع الیهود غدا و النصارٰی بعد غد۔

(رواہ البخاری)

ترجمہ۔ یہ وہ دن ہے جو اللہ نے ان پر فرض کیا تو یہ اللہ کا دن ہے۔ دوسرے لوگ اس میں ہم سے بعد میں ہیں۔ یہود کے لئے سینچر ہے۔ اور نصاریٰ کے لئے اتوار۔

اور اس حدیث کے متعلق بھی ایک بیان ہے جو اپنے مناسب مقام پر کیا گیا ہے۔ اور اس امت کے خصائص میں جمعہ مبارک کی وہ ساعت ہے جس میں جو کچھ اللہ سے درخواست کی جائے عطا کیا جاتا ہے اور اس مقام پر تقریباً چالیس اقوال ہیں۔ اور سفر السعادت میں ہم نے تطبیق کے ساتھ انہیں نقل کیا ہے۔ اور ان میں صحیح ترین دو قول ہیں۔ پہلا قول یہ ہے کہ وہ ساعت امام کے خطبہ کے لئے باہر نکلنے اور نماز سے فراغت تک ہے۔ اور دوسرا قول ہے کہ وہ ساعت جمعہ کے دن کے آخر میں ہے اور فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہ اس جانب ہیں علماء کہتے ہیں کہ انہوں نے ایک خادم کو مقرر کیا جو ان کو اس گھڑی کی خبر دے۔ واللہ اعلم۔

اور امت کے خصائص سے ہے کہ رمضان شریف کی پہلی رات کو اللہ تعالیٰ ان کی طرف نظر عنایت سے دیکھتا ہے۔ اور جس کسی طرف اللہ تعالیٰ نظر عنایت سے نظر کرتا ہے تو اس کو ہمیشہ کے لئے عذاب سے نجات دے دیتا ہے۔ اور اس کے لئے بہشت کو مزین فرماتا ہے اور روزہ دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک و عنبر کی خوشبو سے بہتر ہوتی ہے۔ اور ان کے لئے ہر رات کو فرشتے استغفار کہتے ہیں۔ جس وقت کہ یہ روزہ افطار کرتا ہے۔ اور جب رمضان شریف کی آخری رات ہوتی ہے تو اس سب کو بخش دیتا ہے اور اس امت کو رمضان شریف میں پانچ خصوصیات اور خوبیاں عطا کی ہوئی ہیں۔ جو کسی دوسرے پیغمبر کی امت کو نہیں دی گئی ہیں۔ اور روایت میں آیا ہے کہ روزہ کے افطار کے وقت فرشتے ان کے لئے استغفار پڑھتے ہیں اور شیطان کو قید کر دیا جاتا ہے۔

اور اس امت کے خصائص میں سے ہے۔ سحری کا کھانا اور افطاری میں جلدی کرنا مستحب ہے۔ اور رات کو تا فجر کھانا پینا اور جماع کرنا مباح قرار دیا گیا۔ لیکن جو ہم سے پہلے تھے ان پر یہ سب کچھ حرام تھا اور اسلام کے آغاز پر ہم پر بھی حرام تھا بعد میں یہ منسوخ ہو گیا تھا۔

امت کے خصائص میں سے شب قدر بھی ہے جیسے کہ امام نوویؒ نے شرح مہذب میں کہا ہے۔ اور روایت میں ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک آدمی تھا کہ اس نے اللہ کی راہ میں ایک ہزار ماہ جنگ کیا اور اپنے جسم سے اسلحہ نہ اتارا۔ صحابہ نے عرض کیا کہ ہم میں سے کسی کو طاقت ہے کہ اس طرح کر سکے۔ پس سورۃ قدر کا نزول ہوا کہ شب قدر ہزار ماہ سے بہتر ہے۔ اور اس ایک رات کے دوران قیام کرنا ہزار ماہ جنگ و قتل فی سبیل اللہ سے فاضل تر ہے۔ اور اس مقام میں باقی گفتگو اپنے مناسب مقام پر آئے گی۔ اور اس بات پر اختلاف ہے کہ آیا رمضان شریف کے روزے صرف اس امت کے لئے مخصوص ہیں یا کہ سابق امتوں کے لئے بھی تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کے قول كتب عليكم الصيام كما كتب على الذين من قبلكم سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ روزے پہلے لوگوں کے لئے بھی تھے۔ اور ابن ابی حاتم نے عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً حدیث بیان کی ہے۔ کہ صیام رمضان سابقہ امتوں پر بھی فرض تھے۔ جیسے کہ ہم پر ہیں اس حدیث کی اسناد میں ایک مجہول شخص ہے۔ اگر ہم کہیں کہ اس سے مطلق روزہ مراد ہے نہ کہ ان کی مقدار اور وقت تو مطلق طور پر یہ تشبیہ بھی روزوں پر ہی ہو گی اور یہی قول جمہور علماء کا ہے۔

اعمال کے لحاظ سے خصائص امت۔ اس امت کے خصائص میں سے ہے کہ یہ مصیبت میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں (اور کہتے ہیں (انا للہ وانا الیہ راجعون) اور یہ بات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر صلوات و رحمت کا سبب بنتی ہے اور ان کے لئے موجب ہدایت بھی ہے سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا اس امت کو مصیبت کے وقت ایسی چیز دی گئی ہوئی ہے جو کسی دوسری امت کو نہیں دی گئی۔ اور وہ ہے مصیبت کے وقت انا للہ وانا الیہ راجعون کہنا ہے اور اگر دیگر انبیاء کو یہ چیز عطا کی گئی ہوتی تو یعقوب علیہ السلام کو بھی ضرور دی گئی ہوتی۔ جب کہ وہ کہتے ہیں یا اسفی علی یوسف (آہ مجھے یوسف کے بارے میں بڑا دکھ اور افسوس ہے)۔

بندہ مسکین (شیخ عبدالحق) ثبتہ اللہ علیہ الطریق الحق والیقین یہ کہتا ہے کہ یہ قول دیگر انبیاء پر اس امت کی ترجیح کا سبب ہے اور تحقیق یعقوب علیہ السلام نے فرمایا فصبر جمیل واللہ المستعان (اب تو صرف صبر جمیل ہی ہو سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ مددگار ہے) یہ قول بھی استرجاع کے ہم معنی ہے اور ان کا قول یااسفی علیٰ یوسف بھی استرجاع کے منافی نہ ہے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ استرجاع میں اس امت کو ایک ایسی چیز دی گئی ہے جو کسی سابقہ امت کو نہیں دی گئی تو یہ بہتر ہے۔ اور ظاہر یہ ہے کہ امت کی تخصیص بہ نسبت سابقہ امم ہو گی نہ کہ بہ نسبت سابقہ انبیاء صلوٰت اللہ وسلامہ علیہم اجمعین۔

اور خصائص امت میں سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت سے اصرار اور اغلال کو اٹھالیا جو کہ دوسری امتوں پر موجود تھا۔ اس سے مراد تکالیف شاقہ کا اٹھالینا ہے جو پہلی امتوں پر تھیں۔ مثال کے طور پر خطا اور عمد قتل کے درمیان قصاص کا تعین ہونا۔ خطا کرنے والے کے عضو کاٹ دینا۔ مقام نجاست کو کاٹنا اور توبہ کے سلسلہ میں اپنی جانیں مارنا وغیرہ۔ بنی اسرائیل میں کوئی شخص رات کے وقت گناہ کرتا تھا تو اگلی صبح اس کے گھر کے دروازہ پر اس گناہ کا کفارہ تحریر شدہ ہوتا تھا۔ کہ اپنی دونوں آنکھیں نکال دو۔ پس دونوں آنکھیں نکال دیتا تھا۔

یہ بھی امت کے خصائص سے ہے کہ جو امور دوسرے لوگوں پر بہت مشکل تھے وہ اس امت پر آسان کر دیئے گئے اور ان کے دین میں کوئی بھی مشکل یا سختی نہ رکھی گئی۔ مثلاً اگر کوئی مجبوراً کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھ سکے تو بیٹھ کر پڑھ لے۔ اور سفر کے دوران روزہ کے افطار اور نماز فرض میں کمی کو مباح کر دیا۔ اور توبہ کا دروازہ بھی ان پر دائمی طور پر کھلا رکھا۔ اللہ تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی پر کفارہ مشروع کیا۔ اسی طرح حقوق العباد میں دیت اور ضمان کو بھی مشروع بنایا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ فرمایا کہ جتنی بھی مشکلات اور شدائد بنی اسرائیل پر تھے وہ سب اللہ تعالیٰ نے اس امت پر سے رفع کر دیئے۔

اور خصائص امت سے ہے کہ حق تعالیٰ نے خطا و نسیان پر اور جبر و اکراہ سے سرزد شدہ عمل پر مواخذہ نہ رکھا بنی اسرائیل میں اگر کسی حکم کردہ چیز میں ان سے نسیان ہوتا یا خطا کرتے تو ان پر عقوبت و عذاب جلدی آجاتا اور اس گناہ کے اندازہ کے مطابق ان پر ان کی کھانے پینے کی کوئی چیز حرام کر دی جاتی تھی۔ تحقیق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

ان اللہ تعالیٰ رفع عن امتی الخطاء والنسیان وما الشکر ھوا علیہ۔

ترجمہ: بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے میری امت پر سے خطا و نسیان وہ جس پر مجبور کیا جائے۔ اٹھالیا۔

(رواہ احمد، ابن حبان، والحاکم وابن ماجہ)

فرق میان خطا و نسیان یہ ہے کہ نسیان یہ ہے کہ آدمی بالکل ہی بھول جاتا ہے۔ جس طرح روزہ رکھنے والے اپنے روزے کو بھول کر کھا پی لیتا ہے۔ اور خطا یہ ہے کہ یاد تو ہوتا ہے مگر عمل غلط کرتا ہے۔ جیسے کہ روزہ رکھنے والے کو اپنا روزہ تو

یاد ہوتا ہے لیکن کلی کرتے وقت حلق میں پانی چلا جاتا ہے۔ اور اکراہ یہ ہے کہ کسی کو زبردستی کسی کام کرنے پر مجبور کرنا۔ جس طرح کہ ظالم زبردستی کرے اور کہے تو منہ سے کلمہ کفر ادا کرو۔ اگر تو نہ کرے گا تو میں تجھے مار دوں گا۔ اس مقام پر اگر وہ کفریہ کلام کرے اور دل اپنی جگہ پر ثابت و برقرار رہے تو کوئی نقصان نہیں ہے۔ اس پر مواخذہ نہیں ہے۔ لیکن حدیث نفس جسے خیال اور وسوسہ کہا جاتا ہے اس کی مختلف کئی صورتیں ہیں۔ ایک یہ صورت ہے کہ کسی چیز کا خیال یکایک بے اختیار دل میں آ جاتا ہے۔ اور اس کو ہاجس کہتے ہیں۔ اس میں اصلاً مواخذہ نہیں ہے خواہ کوئی بھی ہو۔ بعد ازاں وہ دل میں جولانی کرے۔ جاگزین ہو۔ اس کو خاطر کہتے ہیں۔ بعد ازاں یہ کہ وہ چاہے کہ اس کو کرے لیکن نہیں کرتا۔ یہ مرفوع ہے اس امت سے۔ بلکہ اگر نہیں کرتا تو اس کے لئے ایک نیکی لکھی جاتی ہے۔ اس کے تہیہ اور عزم ہے کہ ارادہ کرتا ہے ضرور کرنے کا۔ لیکن ظاہراً کوئی امر مانع ہوتا ہے۔ جس کے سبب وہ نہیں کر سکتا۔ البتہ کوئی چیز مانع نہ ہوتی تو ضرور کرتا۔ تو اس صورت میں مواخذہ ہوتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ یہ فعل قلب کا ہے اور اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

ان تبدوا مافی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللّٰہ

ترجمہ: خواہ تم ظاہر کرو جو تمہارے دلوں میں ہے یا چھپاؤ اس بارے اللہ تمہارا محاسبہ کرے گا۔

لیکن زنا کا عزم زنا نہیں ہوتا۔ اس پر زنا کا مواخذہ نہیں ہے۔ بلکہ ایک سر خود گناہ ہے۔ جس کا مواخذہ ہو گا اس امت کے کامل خصائص میں سے ہے کہ یہ خیر الامم ہے اور جملہ پہلی شریعتوں کے مقابلہ میں اس کی شریعت کامل تر ہے اور یہ عیاں ہے بیان کی حاجت نہیں ہے۔ اور واضح ہے اس میں اخفاء بالکل نہیں ہے۔ اور جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مکارم اخلاق اور محامد افعال کی تکمیل کے لئے مبعوث ہوئے تھے۔ تو لازمی طور پر آپ کی شریعت اور دین بھی دوسری شریعتوں اور ادیان سے زیادہ اتم و اکمل ہے اور یہ شریعت جلال و جمال اور قہر و لطف کے درمیان کمال مرتبہ توسط اور اعتدال کے ساتھ جامع ہے۔ ذرا موسیٰ علیہ السلام کی شریعت پر تو نظر کرو۔ معلوم ہو جائے گا کہ اس میں کس قسم کی تکالیف شاقہ پائی جاتی ہیں۔ جیسے کہ قتل نفوس طیبات کی تحریم۔ تعجیل عقوبات' عہد و میثاق اور بوجھ اٹھانا جو ناقابل برداشت ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کے قہر اور جلال کا اظہار وغیرہ وغیرہ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بذات خود بڑے اعظم اور شدید تھے۔ ہیبت و غضب اور مواخذہ کے سلسلہ میں لوگوں کے ساتھ۔ حتیٰ کہ لوگوں کو تاب نہ تھی ان کی طرف نظر کریں۔ بیان کیا گیا ہے کہ جب سے موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ساتھ کلام کرنے اور تجلی ربانی سے امتیاز یافتہ ہوئے تو آپ نے اپنے چہرہ اقدس پر پردہ ڈال لیا تھا۔ تاکہ اس کے متواتر قہر اور جلالیت سے لوگ بیتاب نہ ہو جائیں۔ اور ان کی امت کے لوگ بھی شدید اور سخت اور معوج تھے کہ بغیر تکالیف شاقہ اور شدید احکام کے وہ اصلاح قبول نہ کرتے تھے۔ اور نہ استقامت پذیر ہوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

ثم قست قلوبکم من بعد ذلک فھی کالحجارۃ او اشد قسوۃ۔

ترجمہ: پھر تمہارے دل اس کے بعد سخت ہو گئے جیسے کہ پتھر ہوں یا اس سے بھی سخت تر۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت فضل و احسان اور لطف و کرم والی تھی۔ کیونکہ اس میں قتل و لڑائی نہ تھی۔ اور

نصاریٰ کے دین میں قتل حرام ہے۔ اگر وہ اس کے مرتکب ہوں تو گنہگار ہو جاتے ہیں۔ اور ان کی امت کے لوگ بھی نرم خو تھے۔ اور ان پر اصار و اغلال اور احکام شدیدہ نہ تھے۔ انجیل میں آیا ہے کہ جو کوئی تمہارے دائیں گال پر طمانچہ مارے تو تو اپنا بایاں رخسار بھی اس کی طرف پھیر دے۔ اور جو کوئی کپڑے کے بارے میں تمہارے ساتھ جھگڑا کرے اور وہ تمہارے کپڑے اتار لینا چاہتا ہو تو اپنے کپڑے معہ چادر کے اسے دے دے اور جو آدمی تم کو اپنے ساتھ ایک میل تک لے جاتا ہے تم اس کے ساتھ دو میل جاؤ۔ اور نصاریٰ کی پیدا کردہ رہبانیت بدعت ہے۔ یہ انہوں نے خود گھڑلی ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انجیل میں یہ نہ لکھی تھی نہ واجب کی تھی۔ قرآن پاک میں آیا ہے۔ ورھبانیۃ ن ابتدعوھا ما کتبنا ھا علیھم۔ جو رہبانیت انہوں نے شروع کی ہم نے ان پر نہ لکھی تھی۔

اور حضرت علیہ السلام حسن، مہربانی اور احسان و لطف کے مظہر تھے۔ جیسے کہ موسیٰ علیہ السلام قہر و جلال اور رعب و دبدبہ کے مظہر تھے۔ اس کے برعکس ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مظہر کمال اور جامع جلال و جمال تھے۔ آپ قوت اور عدل والے تھے آپ میں شدت اور نرمی اور رحمت و رافت پائی جاتی تھیں۔ شریعتوں میں اکمل شریعت آپ کی ہے اور امتوں میں اکمل امت آپ کی ہے آپ کے احوال اور مقامات بھی اکمل ہیں۔ پس آپ کی شریعت نہایت متوسط اور معتدل ہے اور نہایت جامع ہے اور کمال والی ہے۔ کسی جگہ تو آپ کی شریعت میں فرائض و ایجاب پائے جاتے ہیں اور کسی جگہ ندب اور استحباب ہیں۔ مقام شدت پر شدت پائی جاتی ہے اور نرمی کے مقام پر نرمی۔ اگر ایک مقام پر شمشیر چلاتے تھے تو دوسرے مقام پر عطا و بخشش کرتے تھے۔ کہیں عدل و انصاف فرماتے ہیں تو کہیں فضل و کرم سے نوازتے ہیں۔ ایک وقت پر فرمایا جا رہا ہے کہ بدی کے بدلے میں اس کے برابر بدی کی جائے اور یہ تقاضہ عدل ہے۔ اور دوسرے وقت پر آپ ارشاد فرماتے ہیں فمن عفی واصلح فاجرہ علی اللہ۔ جو معاف کر دے اور اصلاح کرے اس کا اجر بذمہ رب تعالیٰ ہے اور یہ آپ کا فضل اور مہربانی ہے۔ انہ لا یحب الظالمین اس سے ظلم کو حرام کر دیا۔ وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم بہ اس سے عدل و انصاف ضروری قرار دیا جاتا ہے اور ظلم کو حرام۔ ولئن صبرتم لھو خیر للصابرین۔ اس میں فضل پر تنبیہہ فرمائی ہے۔ اور ہر خبیث اور نقصان دہ چیز کو اس امت پر حرام کر دیا گیا۔ اور ہر پاک اور فائدہ مند چیز کو مباح کر دیا۔ اس امت کے لئے یہاں تحریم باعث رحمت ہے اور سابقہ امتوں کے لئے باعث عقوبت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا۔

ھو اجتباکم وما جعل علیکم فی الدین من حرج

ترجمہ۔ یہ تو تم کو بچاتا ہے اور تمہارے لئے دین میں کوئی مشکل نہیں رکھی گئی۔

اور اس امت کے لوگوں کو دوسرے لوگوں پر شاہد بنایا اور انہیں رسولوں کے مقام پر کھڑا کیا گیا۔ کیونکہ وہ اپنی اپنی امتوں پر گواہ بنائے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کنتم خیر امۃ اخرجت للناس سب میں سے اس امت کو بہتر امت بنایا گیا۔ اور اس امت کو مخصوص کر دیا گیا فضائل و کرامات سے اور مراتب و درجات سے خصوصیت عطا کی اللہ یختص برحمتہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت سے اختصاص عطا فرماتا ہے اور بہت بڑے

فضل والا ہے۔

اس امت کے خصائص میں سے یہ ہے کہ اس امت کا کبھی بھی گمراہی پر اجتماع نہ ہو گا۔ اور یہ مشہور حدیث بہت سی سندوں کے ساتھ آئی ہے۔ اور اس پر بہت سے شواہد میں اور حدیث پاک میں آیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنے پروردگار سے سوال کیا کہ یااللہ میری امت ضلالت پر مجتمع نہ ہو۔ پس حق تعالیٰ نے میرا سوال قبول کر لیا۔ یہ اجماع کی حجت پر دلیل ہے۔ اور ان کا اجتماع حجت ہے۔ اور ان کے اختلاف رحمت ہے اور سابقہ امتوں کا اختلاف عذاب تھا۔ اور حدیث میں آیا ہے۔ اختلاف اصحابی لکم رحمة اور مشہور اس لفظ کے ساتھ ہے۔ اختلاف امتی رحمة اور علماء امت میں ہمیشہ اہل فتویٰ و اجتہاد ہوئے ہیں۔ ایک تو حلت میں فتویٰ دیتا ہے تو دوسرا حرمت میں۔ اور کسی نے دوسرے پر عیب نہ لگایا۔ بعض علماء نے اس حدیث سے مراد اختلاف لیا ہے۔ صنعت اور حرفت کے درمیان جو آسانی کا موجب ہے امور دنیا میں اور کارخانہ معیشت کے انتظام میں۔ فقہ کے مسائل میں اختلاف علماء سے ترخیص (رخصت) اور وسعت حاصل ہوتی ہے۔

اس امت کے خصائص سے ہے کہ طاعون اس کے لئے شہادت اور رحمت ہوتا ہے۔ جب کہ دیگر امتوں پر یہ عذاب تھا۔ جیسا کہ وارد ہوا ہے۔ الطاعون رجز انزل علی بنی اسرائیل طاعون بنی اسرائیل پر عذاب نازل ہوا۔ اور دوسری روایت میں ہے علی من قبلکم یعنی تم سے پہلوں پر۔

اور صحیح حدیث میں آیا ہے کہ الطاعون شهادة لکل مسلم اور ایک روایت میں ہے الطاعون شهادة لامتی و رحمة لهم و رجز علی الکافرین اور اس سے فرار اختیار کرنا اس طرح ہے۔ جیسے لشکر سے فرار۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ بے شک فرار از طاعون معصیت اور کبیرہ گناہ ہے دوسری جگہ ہم اس سے واضح تر بیان لائیں گے۔

یہ بھی اس امت کے خصائص سے ہے کہ کسی آدمی کی نیکی و بھلائی پر دو گواہ ہو جائیں تو اس کے لئے جنت واجب ہے۔ اور گزشتہ امتوں میں سو آدمی کی گواہی کے بعد جنت واجب ہوتی تھی۔ حدیث میں ہے کہ من اثنیتم علیه بخیر وجبت الجنة من اثنیتم بشر وجبت له النار۔ (جس پر تم دو نے بھلائی کی گواہی دی اس پر جنت واجب ہو گئی اور جس پر تم دو نے برائی کی گواہی دی اس پر دوزخ واجب ہو گئی) اور علماء نے کہا ہے کہ معتبر شہادت اہل عدالت و صدق کی ہوتی ہے کہ اس میں لالچ اور جھوٹ کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔

اور اس امت کے خصائص سے ہے۔ کہ ان کی عمریں بھی تھوڑی اور اعمال بھی تھوڑے ہوتے ہیں۔ بمقابلہ گزشتہ کے۔ اور ان کا اجر زیادہ اور وافر ہوتا ہے۔ جیسے کہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ تمہاری اور تم سے پہلے لوگوں یعنی یہود و نصاریٰ کی داستان اس شخص کی داستان کی طرح ہے۔ جس نے تین مزدور حاصل کئے ایک نے صبح سے ظہر تک کام کیا دوسرے نے ظہر سے عصر تک اور تیسرے نے عصر سے شام تک کام کیا۔ ہر ایک کی مزدوری ایک درہم مقرر کی۔

جب اجرت ادا کرنے کا وقت ہوا تو مزدور کھڑے ہو گئے۔ اور کہنے لگے کہ کس طرح یہ جائز ہو سکتا ہے کہ ہمارے کام متفاوت ہیں اور اجرت برابر ہے اس شخص نے کہا کہ میں نے تمہارے ساتھ شرط کیا تھا اور وہ کچھ دے دیا ہے۔ بقایا میرا فضل ہے جسے چاہوں میں دوں۔ پہلا مزدور مثل یہود ہے۔ دوسرا مثل نصاریٰ اور تیسرا مثل ہے اس امت مرحومہ کے۔

اور امت هذا کے خصائص میں سے ہے کہ انہیں اسناد دی گئی ہیں جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی احادیث کا سلسلہ باقی ہے اور روز قیامت تک اسی طرح رہے گا۔ یہ ان کی مخصوص خصوصیت ہے اور سنت ستہ ہے۔ جس سے حق تعالیٰ اس امت کو اکرام بخشا ہے اور اسے شرف و فضیلت بخشی ہے۔ اور یہ خاصہ کسی سابقہ امت کو نہیں دیا گیا تھا۔ ان کے انبیاء کے صحائف ان کے ہاتھوں میں تھے انہوں نے اپنی خبروں کو ان میں خلط ملط کر دیا جو ان کی غیر ثقہ حضرات سے ملیں۔ تورات و انجیل اور ان میں ملائی گئی خبروں میں امتیاز کا کوئی طریقہ ان کے پاس نہیں تھا۔ اور یہ امت شریف اللہ اس کا فضل و شرف زیادہ کرے اس امت نے ان ثقہ حضرات سے جو اپنے زمانہ میں صدق و امانت کے ساتھ مشہور تھے سے احادیث لیں اور انہوں نے دوسروں سے لیں۔ یہاں تک کہ سلسلہ نبی پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر ختم ہوتا ہے۔

انہوں نے احفظ اور اضبط کے مرتبہ کی پہچان کے لئے بحث اور تفتیش کی۔ اور اپنے شیخ کے ساتھ لمبی اور طویل مصاحبت والوں اور کم اور تھوڑی مصاحبت والوں میں تمیز کرتے رہے۔ اور متعدد طرق سے احادیث لکھتے رہے اور احادیث کے الفاظ کو غلط و خطاء اور زلل و خلل سے ضبط کئے۔ اور تہذیب اور تنقیح کرتے تھے۔ بالخصوص اصحاب صحاح۔ ان میں بخاری اور مسلم عمدہ ترین ہیں۔ اور وہ جلالت و عدالت کے آفتاب ہیں۔ جزاهم الله عن المسلمین خیرا۔ اور اس امت پر یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے۔ نشکر الله علی هذه النعمة و سائر نعمه و نسأله المزید من فضله و کرمه

ابو حاتم رازی نے کہا ہے کہ گزشتہ امتوں میں آدم علیہ السلام کی پیدائش سے لے کر ایسے علماء و امناء نہیں ہوئے جو اپنے نبیوں اور رسولوں کے آثار کو محفوظ کر لیں سوائے اس امت مرحومہ کے۔

اور تواریخ و انساب کی معرفت بھی اس امت کے خصائص میں سے ہے۔ کہتے ہیں کہ علم انساب میں سے سب سے زیادہ معرفت والے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہفتہ کا ایک دن علم و اشعار، تواریخ و انساب اور ایام عرب کے بیان کرنے میں گزارتے تھے۔ اور نقل ہے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے کہ وہ وصیت کرتے تھے کہ عرب کے شاعروں کے دیوان اور عرب کی لغت یاد کرو اور ان کا التزام رکھو۔ تاکہ قرآن پاک کی تفسیر کے اسباب اور اعراب کی پہچان میں مدد ملے۔

اور امت کے خصائص سے ہے کہ یہ امت کو اپنے دین کے متعلق تصنیف و تحریر کتب کی توفیق اور خصوصیت اللہ سے ملی ہوئی ہے۔ اور یہ اس حدیث کے مطابق ہے۔

لا یزال طائفة منهم ظاہرین علی الحق حتی یاتی امر الله و مجاهدین فی سبیل الله و متمسکین بسنة رسول الله

ترجمہ۔ اس امت میں ہمیشہ ایک گروہ رہے گا۔ جو حق کو ظاہر کرتا رہے گا۔ جب کہ قیامت آجائے گی اور جہاد کرنے والے اللہ کی راہ میں اور سنت رسول کو مضبوط تھامنے والے۔

قرن اول سے دوسری قرن کے آغاز تک تصنیف اور تالیف کا آغاز نہ ہوا تھا۔ گو علمی امور کی کتابت اور احادیث کو جمع کرنے کا اہتمام تھا لیکن یہ تصنیف و ترتیب کے طریقہ پر نہ تھا۔ اور منہاج نبوت' تفصیل و جمع و وضع و اصلاح اور تدوین علوم' تعیین موضوع اور مسائل سلوک کا طریقہ بھی نہ تھا اور بعد میں اس قدر ہوا کہ حد و حصر اور شمار و حساب سے باہر ہے۔ کہ سوائے اس علام الغیوب کے کوئی ان کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ بارک اللہ فیہم کثر سوادھم

مردان غیب۔ اور خصائص امت سے ہے کہ اس میں اقطاب اوتاد نجباء اور ابدال ہیں۔ اس بارے میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث آئی ہے۔ کہ ابدال چالیس مرد اور عورتیں ہوتی ہیں کہ جب ان عورتوں یا مردوں میں سے ایک فوت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی بجائے دوسرا پیدا کر دیتا ہے۔ اور اس کو ابن خلال نے کرامات اولیاء میں روایت کیا ہے۔ اور طبرانی نے اوسط میں ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے کہ زمین چالیس مردوں سے جو خلیل الرحمٰن علیہ السلام کی طرح ہوتے ہیں خالی نہیں رہتی۔ یہ زمین ان سے ہی قائم ہے۔ ان کی برکت سے لوگوں کو پانی مہیا ہوتا ہے۔ ان میں سے کوئی ایسا مرد نہیں مرتا جس کا بدل دوسرا اللہ تعالیٰ عطا نہ کرے۔ اسی بنا پر ان کا نام ابدال رکھا گیا ہے اور کچھ مشائخ عظام نے کہا ہے کہ ابدال نام اس لئے ہے کہ ان کی صفات ذمیمہ کو صفات حمیدہ سے تبدیل کر دیا جاتا ہے اور صفات بشریہ سے بالاتر ہوتے ہیں۔ اور خلیل الرحمٰن کی مثل اس وجہ سے ہے کہ ان کی عمدہ صفات میں ایک خاص صفت کمال ہے جو تمام ان کی صفات سے مخصوص ہے اور اس صفت میں یہ حضرت خلیل الرحمٰن علیہ السلام کے ساتھ شریک ہوتے ہیں اور وہ قول جو ایک جماعت کا ہے اس سے مراد بھی یہ ہی ہے کہ ہر ولی ایک نبی کے قدم پر ہوتا ہے اور جمیع صفات میں اس کے مثل نہیں ہوتا۔ اور کامل میں ابن عدی سے نقل ہے کہ چالیس ابدالوں میں بائیس تو صرف ملک شام سے ہوتے ہیں۔ اور اٹھارہ ابدال عراق کے ملک سے۔ اور اللہ تعالیٰ کا جب حکم ہو جائے گا تو یہ سب کے سب فوت ہو جائیں گے۔ اور قیامت قائم ہو جائے گی۔ اور اسی طرح مسند میں احمد کے نزدیک مروی ہے۔ حلیہ میں ابو نعیم حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوع طریق سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ الہ وسلم نے فرمایا۔ پانچ صد اشخاص خیار امت ہیں۔ اور ابدال کی تعداد پانچ صد نہیں چالیس ہیں۔ چالیس سے تھوڑے بھی نہیں ہوتے اور زیادہ بھی نہیں۔ ان میں سے کوئی مر جائے تو دوسرا انکی جگہ پر موجود ہو جاتا ہے۔ یہ ابدال تمام روئے زمین پر ہوتے ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی حلیہ میں روایت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔ میری امت کے چالیس مرد اس قسم کے ہیں کہ ان کے دل ابراہیم علیہ السلام کے دل پر پیدا کئے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی برکت سے مخلوق سے بلائیں دور کرتا ہے۔ ان کو ابدال کہا جاتا ہے۔ انہیں یہ مرتبہ روزے رکھنے اور نماز اور صداقت سے نہیں ملا۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے پوچھا تو پھر کیسے یہ مرتبہ انہیں حاصل ہوا۔ تو فرمایا سخاوت سے اور مسلمانوں کی خیر خواہی کے باعث۔ یعنی نماز و روزہ میں وہ مسلمانوں کے شامل ہیں۔ لیکن وہ

صفت جس سے انہوں نے یہ درجہ پایا وہ یہ دو صفات ہیں۔

اور حضرت معروف کرخی رحمتہ اللہ علیہ سے نقل ہے کہ جو کوئی ہر روز یہ کہے اللھم ارحم امۃ محمد تو اللہ تعالیٰ اس کو ابدالوں میں لکھ دیتا ہے۔ اور حلیہ میں ہے کہ جو آدمی ہر روز دس بار اس طرح کہے اللھم اصلح امۃ محمد اللھم فرج عن امۃ محمد اللھم ارحم امۃ محمد

اور نقل میں آیا ہے کہ ابدال کی علامت ہوتی ہے کہ ان کی اولاد پیدا نہیں ہوتی۔ کسی چیز پر وہ لعنت بھی نہیں کرتے۔ ہیں اور زید بن ہارون سے منقول ہے کہ ابدال اہل علم ہوتے ہیں۔ اور امام احمد نے کہا ہے کہ اگر ابدال اصحابہ حدیث نہ ہوں گے تو پھر اور کون ہو گا۔

تاریخ بغداد میں خطیب نے ایک کتاب سے نقل کیا ہے کہ نقیب تعداد میں تین صد ہوتے ہیں۔ اور نجباء ستر ہوتے ہیں۔ ابدال چالیس ہوتے ہیں۔ سات اخیار اور عمد چار (شاید اوتاد) اور ایک غوث ہوتا ہے۔ نقیبوں کا مسکن مغرب میں ہے۔ نجباء کا مصر میں ابدال کا مسکن شام میں اور خیار زمین پر سیاح ہوتے ہیں۔ عمد زمین کے کونوں میں ہوتے ہیں۔ اور غوث کا ہیڈ کوارٹر مکہ شریف ہوتا ہے۔ جب کوئی امر عامہ عارض ہو جائے تو نقیب دعا کرتے ہیں۔ اور وہ عاجزی وانکساری کرتے ہیں اس حاجت کے پورا ہونے کے لئے۔ ان کے بعد نجیب ان کے بعد ابدال ان کے بعد اخیار ان کے بعد عمد اگر مستجاب ہو جائے ان کی دعا تو بہتر ورنہ غوث عاجزی اور دعا کرتا ہے اور مسئلہ کے پورا ہونے سے قبل غوث کی دعا ہو جاتی ہے۔

خصائص امت بعد از وفات۔ خصائص امت سے ہے کہ وہ گنہگاروں کی حیثیت میں قبر میں آتے ہیں اور قبر سے باہر وہ بے گناہ آئیں گے۔ وہ گناہوں سے مومنوں کی استغفار کے باعث پاک کئے ہوئے ہوں گے۔ اسے طبرانی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے اوسط میں نقل کیا ہے۔ بعض علماء کا قول ہے کہ یہ قول شاذ ہے۔ کہ یہ امت مرحومہ عذاب قبر سے مخصوص ہے تاکہ ان کو پاک کر کے یوم آخرت میں لے جایا جائے۔ اور دیگر کوئی عذاب ان پر واقع نہ ہو۔

خصائص امت میں ہے کہ اس امت کے لئے سب سے پہلے زمین کھولی جائے گی۔ مراد یہ ہے کہ یہ سب سے قبل قبروں سے نکلیں گے۔ حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ میں پہلا ہوں گا کہ میری خاطر اور میری امت کی خاطر سب سے قبل زمین شق ہو گی۔

یہ بھی خصائص میں سے ہے کہ امت محمدیہ کو بلایا جائے گا تو ان کے ہاتھ پاؤں اعضاء وغیرہ بوجہ شرف وضو چمکتے ہوں گے۔ غرہ گھوڑے کے چہرہ پر موجود سفیدی کو کہتے ہیں۔ اور محجل گھوڑے کی وہ سفیدی ہے جو اس کے پاؤں پر ہوتی ہے۔ محجل کہنے کی وجہ یہ ہے کہ کہنیوں تک ہاتھ اور ٹخنوں کے اوپر تک کو اچھی طرح دھویا جاتا ہے۔ غرہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وضو میں سر کا اگلا حصہ۔ گردن کو اوپر سے اور چہرے دھوئے جاتے ہیں۔

یہ بھی امت کے خصائص سے ہے کہ قیامت کے دن موقف میں یہ امت بلند اور اونچے مقام پر ہو گی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ میں اور میری امت اس قسم کے بلند مقام پر

ہوں گے۔ خلائق میں سے کسی کو یہ شرف نہ ہو گا سوائے اس کے کہ وہ ہم میں سے ہو نا پسند کرے۔ اور کوئی ایسا پیغمبر نہیں جس کی قوم اس کی تکذیب نہ کرے۔ مگر ہم اس پر گواہی دیں گے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کا پیغام ان تک پہنچا دیا تھا۔ دوسری ایک حدیث میں بھی آیا ہے آپ نے فرمایا کہ میں اور میری امت رتل (بلند مقام) پر ہوں گے۔

یہ بھی خصائص امت سے ہے کہ ان کے ماتھے پر سجدوں کے باعث نشان ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود۔ آیا یہ نشان دنیوی زندگی میں ہے یا آخرت میں ہو گا۔ اس ضمن میں دو اقوال ہیں۔ ایک قول تو یہ ہے کہ یہ نشان دنیا میں ہو گا۔ اور اس سے مراد حسن سیمائے اسلام اور خشوع ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ راتوں کو جاگنے کے باعث ان کے چہروں کی زردی مراد ہے۔ اور لوگ خیال کرتے ہیں کہ شاید یہ بیمار ہیں۔ جب کہ حقیقتاً وہ بیمار نہیں ہوتے دوسرا قول یہ ہے کہ ماتھے کا یہ نشان آخرت میں ہو گا کیونکہ ماتھوں پر سجدوں کا مقام تاباں اور روشن ہو گا۔ اس سے ان کی پہچان ہو گی کہ یہ لوگ دنیا میں سجدے کرنے والے ہیں۔ شہر بن جوشب سے روایت ہے کہ امت محمدیہ کے ماتھوں کے نشانات چودھویں رات کی طرح جگمگاتے ہوں گے۔ اور عطا خراسانی نے کہا ہے کہ اس آیت کے ضمن میں ہر وہ شخص آتا ہے جو پانچ اوقات کی مفروضہ نمازیں ادا کرتا ہے۔

اور خصائص امت سے ہے کہ انہیں ان کے اعمال نامے دائیں ہاتھوں میں دیئے جائیں گے۔ یہ روایت کی ہے امام احمد اور بزاز نے (کذا فی المواہب) اس جگہ معلوم ہوتا ہے کہ دائیں ہاتھ میں اعمال ہونا دیا جانا اس امت کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور مشکوۃ شریف میں بھی امام احمد کی روایت حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ الہ وسلم نے فرمایا۔ کہ میں قیامت کو اپنی امت کو ان کے چمکتے ہوئے اعضاء وضو سے پہچانوں گا۔ جب کہ ان کے اعمال نامے ان کے دائیں ہاتھوں میں ہوں گے۔ اور میں پہچان لوں گا کہ ان کی اولاد ان کے آگے سعی کرتی ہے۔ شیخ ابن حجر نے شرح میں تحریر کیا ہے کہ اس کا مطلب یہ لینا چاہیے کہ دوسرے لوگوں سے پہلے ہی ان کو ان کے نامہ اعمال داہنے ہاتھوں میں دیئے جائیں گے۔ باقی اولاد کی سعی کرنا تو یہ بھی اس امت کے خصائص میں سے ہو سکتا ہے۔

اور منجملہ خصائص امت میں سے ہے کہ اس امت کے لوگوں کے آگے اور ان کے داہنی طرف ان کا نور چل رہا ہو گا۔ جیسے کہ قرآن میں آیا ہے۔ نیز ان کے خصائص سے ہے کہ جس چیز کے لئے انہوں نے سعی و کوشش کی۔ اعمال کئے وہ چیز ان کے لئے ہی مخصوص ہے۔ اور وہ بھی ان کے لئے مخصوص ہے جو ان کے بعد لوگوں نے ان کے حق میں اعمال سرانجام دیئے۔ جب کہ گزشتہ امتوں کے لئے صرف وہ ہی اعمال ہیں جو انہوں نے خود کئے تھے اس مقام پر اللہ تعالیٰ کے فرمان سے ابن عکرمہ ایک اشکال لاتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ لیس للانسان الا ما سعی یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ آدمی کے حق میں اس کے اپنے کئے ہوئے اعمال کے سوا کوئی دوسری چیز فائدہ دینے والی نہ ہے۔ علماء کرام نے اس کے بہت سے جوابات دیئے ہیں۔ ایک جواب تو یہ ہے کہ یہ آیت منسوخ ہو چکی ہوئی ہے۔ اس آیت سے واتبعتھم ذریتھم بایمان الحقنا بھم ذریتھم لہٰذا والدین کے میزان اعمال کے وقت اولاد ان کے لئے باعث مسرت ہو گی اور حق تعالیٰ بیٹوں کے

حق میں باپوں کی شفاعت قبول فرمائے گا اور باپوں کے حق میں بیٹوں کی شفاعت بھی۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد دلیل ہے۔ اباء کم وابناء کم لا تدرون ایھم اقرب لکم نفعا (آپ کے والدین اور تمہاری اولاد ان میں کون تمہارے زیادہ قریب ہے نفع کے لحاظ سے) قرطبی نے کہا ہے کہ اس قول پر بہت سی احادیث دلیل ہیں کہ مومن کو اس کے غیر سے نیک عمل کا ثواب پہنچتا ہے۔ اور صحیح حدیث میں آیا ہے کہ اگر کوئی آدمی اس حال میں مرے کہ اس کے ذمہ روزہ ہو۔ تو اس کا ولی اس کی خاطر وہ روزہ رکھے اور حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کے لئے حج ادا کرے اسے چاہیے کہ پہلے اپنا حج ادا کرے اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت آئی ہے کہ انہوں نے اپنے برادر عبدالرحمٰن کے لئے اعتکاف کیا۔ اور غلام بھی آزاد کیا۔ اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میری ماں فوت ہو چکی ہے کیا میں اس کی طرف سے صدقہ کروں۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ انہوں نے پوچھا کہ کون سا صدقہ افضل تر ہے۔ آپؐ نے فرمایا لوگوں کو پانی مہیا کرنا۔ پس اس نے ایک کنواں بنایا اور کہا کہ یہ ام سعد کی خاطر ہے حضرت عبداللہ بن بکر رضی اللہ عنہ کی دادی اماں نے یہ نذر مانی تھی کہ وہ پاپیادہ مسجد قبا میں جائیں گی۔ بعد میں ان کا انتقال ہو گیا۔ وہ اپنی نذر نہ پوری کر سکیں۔ تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فتویٰ ارشاد فرمایا۔ کہ اس کا بیٹا اس کی طرف سے یہ نذر پوری کرے۔ اور مفسرین میں سے بعض نے کہا۔ کہ یہاں پر (یعنی لیس للانسان الا ماسعیٰ میں) انسان سے مراد ابو جہل ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ عقبہ بن ابی معیط ہے۔ اور بعض ولید بن مغیرہ مراد لیتے ہیں۔ اور بعض نے کہا ہے کہ یہاں پر زندگی انسان مراد ہے نہ کہ مرد۔ اور بعض کہتے ہیں کہ ہم سے قبل موجود شریعتوں کے متعلق یہ خبر ہے۔ اور دلالت ہماری شریعت سے کی ہے کہ اس میں انسان کی اپنی سعی اور اس کے لئے غیر کی سعی دونوں ہی ہیں۔ اور صاحب کشاف نے کہا ہے کہ غیر کا عمل کوئی فائدہ نہیں دیتا۔ مگر خود جو اپنے نفس پر مبنی ہو۔ (صاحب کشاف کا نام زمخشری ہے اور وہ فرقہ معتزلہ سے تعلق رکھتا تھا) اور وہ مومن مصدق ہے۔ پس اس لحاظ سے غیر کے عمل بالخصوص اس کے ذاتی عمل کے تابع ہونے کے باعث اپنے عمل اور اس کے قائم مقام ہونے کے حکم میں ہوں گے۔ نیز غیر کا عمل فائدہ نہیں دیتا جب کہ اس نے وہ عمل اپنی ذات کے لئے کیا ہو۔ لیکن جب وہ دوسرے کے لئے نیت کرے تو حکم شرح میں وہ اس کا نائب اور وکیل ہو گیا۔ اور اس کا قائم مقام ہو گیا (انتہی) اور تحقیق علماء نے قرات قرآن کے ثواب کا اختلاف کیا ہے۔ آیا کہ وہ میت کو پہنچتا ہے کہ نہیں۔ اکثریت اس پر ہے کہ نہیں پہنچتا علماء شافعیہ مالکیہ اور ایک جماعت حنفیہ کے مطابق۔ لیکن احناف اور شوافع کی کثرت اس پر ہے کہ ثواب پہنچ جاتا ہے اور اسی کے قائل ہیں۔ امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہم اجمعین۔ بلکہ امام احمد سے منقول ہے کہ میت کو ہر چیز از قسم صدقہ۔ صلوٰۃ حج' اعتکاف اور قرات و ذکر وغیرہ پہنچتے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی کہا ہے کہ قرات کرنا قبر پر بدعت ہے۔ شیخ شمس الدین قسطلانی نے کہا ہے کہ قرآت کا ثواب میت کو پہنچنا صحیح ہے خواہ قریب سے ہو یا اجنبی سے ہو وارث یا غیر وارث سے ہو۔ جیسا کہ باجماع صدقہ' دعا استغفار فائدہ دیتے ہیں۔

اور امام عبداللہ یافعی رحمتہ اللہ علیہ نے روض الریاحین کے تکملہ میں ذکر کیا ہے۔ کہ لوگوں نے شیخ عزالدین بن

عبدالسلام کو خواب میں دیکھا۔ کہ کہتے ہیں کہ ہم دنیا میں حکم دیا کرتے تھے کہ میت کو قرات کا ثواب نہیں پہنچتا ہے۔ اب پتہ چلا ہے کہ پہنچتا ہے۔ لوگوں سے کہہ دیں کہ پڑھیں اور ثواب بھیجا کریں۔

اور قاضی حسین نے فتویٰ دیا ہے کہ قبر پر قرآن کی قرات کی اجرت وصول کرنا جائز ہے۔ جس طرح کہ جائز ہے اجرت لینا اذان کی اور تعلیم قرآن کی۔ چاہیے کہ قرات کے بعد میت کے لئے دعا کی جائے۔ اس لئے کہ دعا اس کے ساتھ مل جاتی ہے۔ اور قرات کے بعد دعا قبولیت سے اقرب ہے۔ اور از روئے برکت زیادہ ہے۔

شیخ عبدالکریم سالوسی نے ذکر کیا ہے کہ اگر قاری یہ نیت کرے کہ اس کا ثواب میت کو پہنچے تو یہ ثواب میت کو نہیں پہنچتا۔ کیونکہ یہ نیت قبل از حصول تلاوت بدنی عبادت ہے پس یہ غیر سے واقع نہیں ہوتی۔ لیکن اگر قرات کی اور اس کے بعد جو اجر میں حاصل ہوا اسے میت کے لئے کردے تو یہ پہنچتا ہے۔ اور یہ دعا ہے اور اس کے اجر کے حصول سے میت کو فائدہ ہوتا ہے۔

اور کہتے ہیں کہ موضع قرآن نزول رحمت اور برکت کا مقام ہوتا ہے۔ اور مردہ زندہ کے حکم میں موجود ہے پس جب قاری ثواب بھیجے تو نزول رحمت اور حصول برکت کی امید ہوتی ہے۔

اور صاحب غدہ نے ذکر کیا ہے کہ اگر کوئی شخص چشمہ جاری کرے۔ کنواں کھودے یا درخت لگائے یا اپنی زندگانی میں قرآن وقف کرتا ہے یا دوسرے کے فوت ہو جانے کے بعد یہ کام سرانجام دے تو ثواب میت کو پہنچ جاتا ہے جس طرح حدیث میں آیا ہے اور یہ حکم وقف مصحف سے ہی مخصوص نہ ہے بلکہ اس کے ساتھ ہر قسم کا وقف ملحق ہے۔ اور یہ قیاس تقاضہ کرتا ہے کہ میت کی طرف سے قربانی جائز ہو۔ کیونکہ یہ ایک قسم کا صدقہ ہے۔ لیکن تہذیب میں مذکور ہے کہ غیر کے لئے قربانی کرنا بغیر اس کے حکم کے جائز نہ ہے۔ اور اسی طرح میت کی طرف سے سوائے اس کے جو میت کی طرف سے وصیت کی گئی ہو۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد ان کی طرف سے قربانی کرتے تھے۔

اور ابی العباس محمد بن اسحاق سراج سے روایت آئی ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ میں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ستر جانور قربان کئے ہیں۔ جہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ثواب ہدیہ کرنا ہے۔ اس کے متعلق میرے علم میں کوئی حدیث و آثار نہیں ہے۔ اور ایک جماعت نے اس کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ صحابہ نے ایسا نہیں کہا ہے اور متاخرین فقہا میں سے بعض نے اسے مستحب قرار دیا ہے۔ اور بعض اس کو بدعت جانتے ہیں۔ ان کا قول ہے کہ آنحضرتؐ اس سے غنی ہیں۔ یعنی محتاج نہیں۔ کیوں کہ آپؐ سے ثابت ہے کہ من سن سنة حسنة (الی آخر حدیث) مطلب یہ کہ امت میں سے جس نے کوئی اچھا کام کیا تو سب کے اجر کے برابر اسے اجر ملے گا بغیر اس کے کہ کام کرنے والے کے اجر میں کوئی کمی واقع ہو۔ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ ایسی چیز نہیں کہ کوئی امتی وہ عمل کرے سوائے اس کے کہ اس عمل میں اصل بنیاد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں' اور نصرت کی تحقیق میں کہا گیا ہے۔ کہ اہل اسلام کے تمام

نیک کام اور تمام صالح اعمال آنحضور کے صحائف (اعمال نامہ) میں اس سے زیادہ ہے۔ جو یہ کام کرنے والے کے ثواب میں ہے۔ اس زیادتی سے سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی واقف نہیں ہے۔ کیونکہ ہدایت پانے والے اور عمل کرنے والے قیامت تک ہوں گے۔ اور اس کا اجر شیخ اور استاد کے لئے برابر ہے۔ استاد کے استاد کے لئے دگنا اجر تیسرے استاد کو چار گنا اور چوتھے کو آٹھ گنا اس کی مانند ہر مرتبہ کے لحاظ سے اجر ملتا رہتا ہے حتیٰ کہ یہ سلسلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تک پہنچ جاتا ہے۔ اس بنا پر پہلے لوگوں کو بعد والوں پر فضیلت معلوم ہوتی ہے پس اگر رسالت مآب صلی اللہ علیہ الہ وسلم سے بعد دسویں مرتبے تک فرض کریں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حق میں ایک ہزار چوبیس گنا ثواب و اجر ہوگا۔ اس کے بعد گیارہواں شخص ہدایت یافتہ ہوگا۔ تو آنحضرت کا اجر دو ہزار اڑتالیس گنا ہو جاتا ہے۔ اس طرح مراتب میں جتنی زیادتی ہوتی ہے۔ اور ہمیشہ یہ اسی طرح ہوتا رہے گا۔ جس طرح کہ محقق حضرات کا جواب ہے آنحضرت جملہ اقسام فضل و شرف میں اکمل ہیں۔ اور قاری کی قرات قرآن کا ثواب اس کے استاد کو بھی ملتا ہے پھر استاد کے استاد کو اسی طرح سلسلہ اوپر چلتا ہے۔ حتیٰ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو جو سب سے پہلے استاد ہیں سب کے برابر ثواب ہوگا۔ جس طرح کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے اور بیت اللہ شریف کی رویت کے وقت جو مشروع ہے۔ وہ اسی قبیل سے ہے۔ اللھم زد ھذا البیت تشریفاً و تعظیماً یہ سب کچھ مواہب لدنیہ میں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت علیہ الصلوۃ والتسلیم نے اپنے ارشاد میں اسی طرح اشارہ فرمایا ہے من سن سنۃ فلہ مثل اجر فاعلہ اس میں امت کے لئے ترغیب اور تحریص ہے سنت حسنہ پر عمل پیرا ہونے کی۔ اور اس میں آنحضرت کے لئے بے حد و حساب اجر کا ثبوت اور ان کے کمال کی طرف اشارہ ملتا ہے۔

اور یہ بھی خصائص امت سے ہے کہ تمام سابقہ امتوں سے پہلے یہ امت بہشت میں جائے گی۔ "اوسط" میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے روایت سے منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب تک جنت میں میں نہ داخل ہوں گا انبیاء پر جنت حرام کی گئی ہے۔ اور جب تک میری امت جنت میں داخل نہ ہو گی دوسری امتوں پر جنت حرام کر دی گئی ہے۔

یہ بھی خصائص امت میں سے ہے کہ اس امت سے ستر ہزار لوگ بلا حساب بہشت میں داخل ہوں گے۔ اسے بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے اور بیہقی اور طبرانی میں ہے کہ حضور رسالت صلی اللہ علیہ الہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے میرے ساتھ وعدہ کیا ہے کہ میرے ستر ہزار امتی حساب اعمال جنت میں داخل کرے گا۔ میں نے اس سے زیادہ کے لئے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا۔ تو وہ بھی اللہ تعالیٰ نے مجھے دے دیا مراد یہ ہے کہ ان ستر ہزار لوگوں میں سے ہر شخص اور ستر ہزار آدمیوں کو جنت میں لے جائے گا۔

بالجملہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو اتنا کچھ عطا فرمایا ہے کہ دوسری امتوں کو نہیں دیا گیا۔ جس طرح کہ جو کچھ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو عطا فرمایا ہے وہ دوسرے نبیوں کو نہیں دیا گیا۔

لما دعا اللہ و اعینا اطاعتہ

باکرم الرسل کنا اکرم الامم

ہمارے حضور صلی اللہ علیہ الہ وسلم نے جس وقت بھی اطاعت کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی تو اللہ نے انہیں سب رسولوں میں مکرم کردیا۔ اور ہماری امت کو سب امتوں میں مکرم کردیا۔

صلی اللہ علی خیر خلقہ محمد والہ واصحابہ وامتہ اجمعین۔

اسراء اور معراج شریف۔ وصل:۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف و تخصیص یا اسراء اور معراج اخص خصائص۔ اشرف فضائل و کمالات اور ابہر معجزات و کرامات ہے۔ کیونکہ انبیاء و رسل میں سے کوئی بھی اس شرف و کرامت کا حامل نہ ہوا اور جہاں تک آپ پہنچے اور جو کچھ آپ کو دکھایا گیا کوئی دوسرا وہاں تک نہ پہنچا۔ اور نہ کسی نے دیکھا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

سبحان الذی اسری بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی لمسجد الاقصی الذی بارکنا حولہ لنریہ من آیاتنا انہ ھو السمیع البصیر O

ترجمہ۔ پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندہ کو رات کے دوران تھوڑے سے وقت کے اندر اندر مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا۔ جس کے گرد چاروں طرف ہم نے برکتیں رکھی ہیں۔ تاکہ ان کو اپنی نشانیاں دکھائیں۔ بے شک وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک۔ اسراء یعنی لے جانا قرآن کریم سے ثابت ہے۔ اس کا منکر کافر ہے اور وہاں سے آسمان پر لے جانا احادیث مشہورہ سے ثابت ہے۔ اور اس کا نام معراج ہے۔ اور اس کا منکر مبتدع' فاسق اور ذلیل ہے۔ اور اس کے دیگر جزئیات اور عجائب و غرائب احوال کا منکر اور اخیار کا منکر جاہل اور محروم ہے۔

صحیح یہ ہے کہ اسراء اور معراج تمام تر بیداری کے دوران جسم اقدس کے ساتھ تھا۔ اور جمہور علماء' صحابہ' تابعین' تبع تابعین اور بعد ازاں محدثین فقہا اور متکلمین سب اس پر متفق ہیں۔ اس میں صحیح احادیث و اخبار متواتر ہیں۔ اور بعض اس پر ہیں کہ معراج خواب کے دوران ہوئی روح کے ساتھ۔ اور ایک گروہ اس پر ہے کہ یہ واقعہ کئی دفعہ ہوا۔ ایک دفعہ بیداری میں اور دیگر اوقات میں خواب و نیند کے دوران ان میں سے کئی دفعہ مکہ میں ہوا اور کئی دفعہ مدینہ میں۔ اس کے باوجود سب متفق ہیں کہ انبیاء کے خواب بھی وحی ہوتے ہیں اور اس میں شک و شبہ روا نہیں ہے۔ اور ان کا دل بھی نیند کے دوران بیدار ہوتا ہے۔ اور آنکھیں پوشیدہ ہوتی ہیں۔ جس طرح حضور مراقبہ میں آنکھیں بند ہوتی ہیں تاکہ محسوسات میں سے کوئی چیز حائل نہ ہو۔

اور قاضی ابوبکر العربی نے کہا ہے کہ نیند میں اس کا وقوع توالیہ و تمیز کی خاطر تھا۔ جیسے کہ نبوت کے شروع میں سچے خواب دیکھتے ہیں۔ تاکہ آپ پر وحی کے ثقل اور بوجھ کو برداشت کرنا آسان اور سہل ہو جائے جو کہ امر عظیم ہے۔ اور اس کی برداشت سے قوائے بشریہ ضعیف اور ماندہ ہیں۔ جس طرح معراج پہلے خواب میں واقع ہوئی تاکہ اس کے وصول کی قوت اور

استعداد و بیداری میں حاصل ہو جائے۔ بلکہ ان قائلین میں سے بعض کہتے ہیں۔ کہ خواب میں اس کا وقوع بعثت سے پہلے تھا۔ (واللہ اعلم)

اور بعض عارفوں نے کہا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ الہ وسلم کی اسرات اور معاریج بہت سے تھے۔ اور بعض نے چونتیس تک بیان کی ہیں۔ ان میں سے ایک آنکھوں کے ساتھ اور بیداری کے عالم میں تھی۔ اور باقی روح کے ساتھ خواب کے دوران۔

ایک گروہ کہتا ہے کہ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک آپ کی سیر بیداری میں اور جسم کے ساتھ تھی اور وہاں سے آسمانوں تک معراج خواب میں روح کے ساتھ تھی۔ وہ علماء اس آیت کریمہ پر دلیل قائم کرتے ہیں۔ اور اس اسراء کی انتہی مسجد اقصیٰ بتائی گئی ہے اگر اس سے زیادہ بھی جسد شریف کے ساتھ ہوتی تو اس کا بھی اس میں تذکرہ ہوتا۔ اور اس طرح یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ الہ وسلم کے فضل و شرف اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کے تعجب و تعظیم میں بلیغ تر ہوتی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مسجد اقصیٰ تک آپ کی سیر کا تذکرہ آیت کریمہ میں مخالف و نزاع اور قریش کے استفسار کے باعث انہوں نے آنحضرت سے علامات و نشانات برائے امتحان پوچھیں۔ بایں وجہ آیہ کریمہ میں ذکر ہے۔ جس طرح ذکر آگے آئے گا۔ اس ضمن میں مشہور احادیث اور صحیح اخبار بہت سی ہیں۔ نیز قرآن کی آیات بھی ہیں۔ جیسے کہ سورہ والنجم میں وارد ہوئی ہیں۔ بعض اس معراج کی رویت جبریل اور اس کے قرب پر محمول کرتے ہیں۔ لیکن تحقیق یہ ہے کہ یہ قصہ معراج ہے۔

بندہ مسکین (شیخ عبدالحق) ثبتہ اللہ فی مقام الصدق والیقین کہتا ہے کہ آیت میں لفظ من آیاتنا میں معراج کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی مسجد اقصیٰ لے گئے وہاں سے آسمانوں پر لے جا کر نشانیاں دکھائیں کیونکہ آیات اور کرامات و معجزات کا غایت درجہ آسمانوں پر ہے اور اتنا کچھ ہی صرف نہ تھا کہ جو کہ مسجد اقصیٰ میں واقع ہوا۔ مسجد اقصیٰ اس کا مبداء ہے۔ اس واسطے اس کا ذکر کیا گیا اور اگر نیند کے دوران واقع ہوتا تو اس کو کفار بعید از حقیقت تصور نہ کرتے۔ اور ضعیف مومنین آزمائش و فتنہ میں نہ پڑتے۔ علاوہ ازیں خواب کے دوران واقعات و قضایا کا وقوع خارج میں حصر و احصاء غیر متعارف ہے۔ علاوہ اسراء صیغہ کا اطلاق نیند پر نہیں ہوتا۔ چونکہ اسراء عالم بیداری میں ہے تو بعد ازاں معراج بھی بیداری میں ہو گا۔ اسراء کے بعد معراج کے نیند کے دوران ہونے پر کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ خواب میں وقوع معراج کے قائلین کے شبہات کا باعث چند چیزیں ہیں۔ ایک ارشاد الہیہ ہے وما جعلنا الرویا التی اریناک الا فتنۃ للناس ہم نے خواب کو جو آپ کو دکھایا نہ بنایا سوائے لوگوں کی آزمائش کے لئے۔ بعض لوگ اس آیت کو معراج کے قصہ پر محمول کرتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ نیند کے دوران خواب دیکھنا رؤیا کہلاتا ہے۔ جواب اس کا یہ ہے کہ یہ رؤیا حدیبیہ کے قضیہ کے رؤیا یا جنگ بدر کے واقعہ کے رویا کے متعلق ہے۔ اور علماء رؤیا کے لفظ کو آنکھوں سے دیکھنے کے معانی میں بھی استعمال کر لیتے۔ ان کی سند متنبی شاعر کا یہ قول ہے۔ و رؤیاک احلا فی العیون من الغمص کچھ اہل علم نے کہا ہے کہ معراج چونکہ رات کے وقت ہوئی لہٰذا سے رؤیا کا نام دیا گیا۔ اور حدیث میں آیا ہے فرمایا فاستیقظت یعنی میں بیدار ہو گیا۔ اس میں دلیل ہے کہ اسراء اور معراج نیند نہ تھے۔

کیونکہ احتمال ہے کہ اس نیند سے وہ بیداری مراد ہے۔ جو فرشتہ کی آمد سے قبل تھی۔ یعنی آپ اس وقت نیند میں تھے۔ جب فرشتہ نے آکر جگایا پھر براق پر آپ کو سوار کرایا اور اپنے ساتھ لے گئے اگر اس بیداری سے مراد وہ ہے جو معراج کے قصہ کی تکمیل کے بعد ہے جیساکہ ثم استیقظت وانا فی المسجد الحرام (پھر میں جاگا تو اس وقت میں مسجد حرام میں تھا) یہاں یہ بھی امکان ہے کہ استیقظت کا معنی اصبحت ہو۔ مراد یہ کہ میں نے صبح کی یا یہ جاگنا وہ ہو جو مسجد الحرام میں آجانے کے بعد ہوئی۔ اور اسراء ساری رات کی نہیں تھی بلکہ رات کے تھوڑے سے حصہ میں ہوئی تھی۔

بعض محققین کا قول ہے کہ استیقاظ سے مطلب ہے افاقہ اور ہوشیاری۔ اور اس حال سے اپنے دوسرے حال میں آنا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زمینوں آسمانوں کے ملکوت میں عجائب و غرائب ملاحظہ فرمائے۔ ملاء اعلیٰ کا مشاہدہ فرمایا اور اللہ تعالیٰ کی بڑی آیات اور اسراء لامتناہی کا آپ نے مطالعہ فرمایا اس سے آنجناب کی طبیعت سخت گرفتہ ہوگئی تھی۔ اور آنجناب کا باطن مبارک حالت نیند سے مشابہت میں تھا علماء کہتے ہیں اگرچہ ملکوت کا مشاہدہ فرمانا بیداری میں تھا۔ لیکن محسوسات سے غیوبیت سی تھی۔ اس کو وہ بین النوم والیقظۃ یعنی نیند اور بیداری کی درمیانی حالت کو کہتے ہیں۔ اصل میں وہ حالت بیداری ہے۔ لیکن غیبت کے حائل ہونے سے اور پھر اس کے زائل ہو جانے سے کبھی اسے نیند بھی کہہ لیتے ہیں۔ اور ایک روایت میں ہے وانا بین النائم والیقظان یعنی سونے اور جاگنے کے درمیان تھا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ نائم سے مراد سونے کی حالت میں کروٹ لینا ہے۔ ایک روایت میں اس طرح بھی ہے کہ بین نائم فی الحجر وربما قال مضطجع میں حجر اسود کے پاس سونے کے قریب ہی تھا۔ اور بعض سے روایت ہے کہ میں کروٹ پر لیٹا ہوا تھا۔ اس کے باوجود حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اس حال کو نہیں دیکھا اور آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے سنا۔ کیونکہ معراج کا واقعہ ہجرت سے پہلے کا ہے۔ اور حضرت انس تو ہجرت کے بعد آپ کی بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے تھے۔ جب کہ وہ ابھی سات آٹھ سال کے بچے ہی تھے۔ جس طرح علماء نے تصریح کی ہے۔ اور اسی کی مانند عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے۔ انہوں نے کہا فقد جسد محمد یعنی آپ جسم پاک بستر سے غائب نہ ہوا۔ یہ دلائل وہ لوگ دیتے ہیں جو معراج کے خواب میں ہونے کے قائل ہیں۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں نہ تھیں۔ نہ ہی آپ کی عمر ضبط و حفظ کی تھی۔ یہ بھی امکان ہے کہ وہ ابھی پیدا ہی نہ ہوئی ہوں۔ کیونکہ کہتے ہیں کہ معراج کا واقعہ آغاز اسلام میں کوئی ڈیڑھ سال بعد وقوع میں آیا۔ واللہ اعلم۔

مقصد یہ ہے کہ دوسری حدیثوں پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کی حدیث راجح نہیں ہے۔ جو مشاہدہ کے طریق پر روایت کی گئی ہیں۔ اور عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں آیا ہے۔ فقد جسد محمد آپ کا جسم گم نہ ہوا تھا اس میں شک نہیں کہ اس سے استدلال کرنا خطا ہے اور جو آیا ہے کہ ماکذب الفواد مارای جو کچھ آنکھوں نے دیکھا اسے دل نے جھٹلایا نہیں یہ خواب پر دلالت نہیں (بلکہ بیداری پر ہے) وجہ یہ کہ اس کا مطلب ہے دل نے آنکھ کو اس وہم میں نہیں ڈالا کہ یہ حقیقت نہیں ہے۔ بلکہ تصدیق کردی حقیقی رویت کی۔ جو چیز آنکھوں نے دیکھی تھی دل نے اس کا انکار نہ کیا دلیل یہ ہے

مازاغ البصر وماطغی نہ آنکھ جھپکی نہ آنکھ بے راہ ہوئی۔ جہاں تک فلاسفہ کے اباطیل اور خرافات ہیں کہ دلیل لیتے ہیں کہ طبعی طور بھاری جسم بلندی اور اونچائی کی طرف نہیں جاسکتا۔ اور آسمان کا پھٹ جانا اور پھر مل جانا یہ بھی جواز نہیں رکھتا وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح کی باتیں اسلام کی رو سے باطل ہیں اور لغویات سے ہیں۔

دوسری ایک جماعت ہے وہ اشارتوں اور تاویلوں کو حقیقت معانی پر حاصل گردانتی ہے۔ اور وہ معراج کو روحانی سمجھتی ہے۔ وہ یہ قیاس رکھتے ہیں کہ حشر کو روحانی کہا جاتا ہے۔ اور اس معنی میں معراج صرف روح کو تھی خواب میں۔ بلکہ اس معنی میں کہ معراج احوال و مقامات ترقی کی طرف اشارت ہے اور کمال عروج کی طرف جس طرح کہ جبریل سے مراد روح محمدی ہے۔ اور براق سے مراد آپ کا نفس شریف ہے جو روح کی سواری ہے۔ اور اس کی سرکشی ہے۔ اور وہ رام نہیں ہوتا سوائے روحانیت کی قوت سے۔ اور آسمان سے مراد قبر کا مقام ہے۔ اور سدرۃ المنتہیٰ سے مراد مقامات کی انتہاء ہے اس قیاس کی بنا پر وہ موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں بھی فرعون' عصاء' نعلین اور وادی مقدس کی تاویلات کرتے ہیں۔ یہ فرقہ اگر صورتوں اور ظاہری الفاظ کا اثبات کریں۔ بعد ازاں ان کے معانی کی طرف اشارہ کریں۔ تو یہ ایک ایسی چیز ہے۔ جس کا علم و معرفت میں کوئی مقام نہیں۔ اس قیاس پر کہ روحانی اور جسمانی حشر کو جمع کرتے ہیں۔ امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ بھی اسی خیال میں پھنسے ہوئے ہیں۔ اور اگر صرف معانی پر ہی اعتقاد رکھیں۔ اور ظاہری صورتوں کے قائل نہ ہوں تو وہ بذات خود کفر اور الحاد ہے۔ تو یہ مذہب باطنیہ ہے اور اس مسکین (عبدالحق) کے ذائقہ ایمان کے مطلق طریق اولیٰ بھی استبعاد اور انکار کی طرف موہوم اور مشیر ہے۔ گویا کہ جب ظاہری صورتوں کو امکان عادی سے دور سمجھیں تو تاویل کی طرف راجع ہو جاتے ہیں۔ جب کہ ایمان اس کے سننے اور ماننے کا نام ہے۔ جس طرح کہ اسی قصہ میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کیا۔ اور اسی روز سے ان کا نام صدیق ہو گیا اور کچھ ضعیف الایمان مسلمان دائرہ ایمان سے خارج ہو گئے۔ اور اگر باوجود نبوت پر ایمان و تصدیق کے اس مقام کے کشف و معرفت کو پہچانیں اور سمجھ جائیں تو علم الیقین سے عین الیقین کے مرتبہ کو پہنچ جائیں۔ لیکن تکلم کرنا زبان تاویل کھولنا اس کے امکان میں دلائل کلامیہ دینا اور عقل اور اس کے حیلے بہانوں میں گرفتار ہو جانا مقام عبدیت اور ایمان سے بعید ہے۔ اور ہم ایمانداروں کے لئے سوائے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے اقوال کے سوا کوئی دلیل نہیں ہے۔ جو کچھ ان سے ہم نے سنا بس اسے مان گئے اور بغیر شک و شبہ وہ بات دل میں بیٹھ جاتی ہے۔ یہ فرقہ اسے تقلید کہتا ہے۔ انہیں یہ شعور و ادراک نہیں کہ یہ تقلید کس کی ہے۔ جس کی تحقیق معجزات باہرہ سے ہو چکی ہے۔ اور محقق کی تقلید عین تحقیق ہوتی ہے۔ اور حقیقت میں یہ تقلید نہیں ہے۔ یہ تو صراط مستقیم کی اتباع ہے۔ تقلید کرنے والے تو تم ہو۔ جو عقل کی تقلید کرتے ہو۔ اور عقل کی کہی ہوئی ہر بات مانتے ہو۔ حالانکہ وہ تحقیق میں ثابت شدہ نہیں ہوتی۔ اور اس کی راہ میں تمام تر شکوک و شبہات ہی ہوتے ہیں۔ فلاسفر بھی دراصل انبیاء کے منکر ہیں۔ ہمیں ان سے کیا سروکار ہے۔ اور ان کا پیغمبر تو ان کی عقل ہے۔ اور ان متکلمین خانہ خراب کو کیا ہو گیا ہے۔ کہ باوجود راہ راست کے وہ گم گشتہ راہ ہیں۔ اور وہ راہ میں گفتگو اور شبہ اور جھگڑا پیدا کرتے ہیں اگرچہ ان کی نیت فلاسفہ کی مخالفت اور رد تھا۔ لیکن سلوک راہ میں عقل اور اس کے پیروکاروں

کے موافق ہو گئے ہیں۔ اور گمراہ ہو چکے ہیں اور دوسروں کو بھی انہوں نے گمراہ کیا۔ فضلوا و اضلوا واللہ الہادی۔

معراج شریف کا ثبوت۔ وصل:۔ جان لو کہ معراج مبارک کی حدیث کو صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی جماعت نے روایت کیا ہے مرتبہ تواتر معنوی تک اگرچہ بعض خصوصیات میں مختلف روایات آئی ہیں۔ ان میں سے مشہور وہ طویل حدیث ہے جو بخاری اور مسلم اپنی صحاح میں حضرت قتادہ حضرت انس سے وہ مالک بن صعصعہ سے لائے ہیں رضی اللہ عنہم۔ اور حدیث میں قلب نبوی کا شق کرنا اسے آب زم زم سے سونے کے طشت میں دھونا اور اسے حکمت سے پر کرنا اور ایمان سے اور اسے سینہ شریف میں رکھنا اور اس کا برابر کر دینے کا بیان ہے۔ اور شق صدر چار دفعہ ہوا تھا۔ پہلی دفعہ عہد طفولیت میں جبکہ آپ حلیمہ سعدیہ کے پاس تھے دوسرا دس سال کی عمر میں جبکہ آپ بلوغ کے قریب تھے اور تیسرا بعثت شریف کے نزدیک اور چوتھا عہد نبوت کے دوران جبکہ اسراء و معراج کا وقت تھا۔ تاکہ کمل طہارت اور صفائی سے مستعد اور منتہی ہو جائیں اور عالم ملکوت کو پہنچ سکیں۔ نماز سے قبل وضو کرنا بھی اسی قیاس پر ہے کیونکہ نماز معراج کا ہی نمونہ ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کو اس استعداد کا اتفاق نہ ہوا تھا۔ پس وہ رویت حق سے بھی مشرف نہ ہوئے تھے۔ اور یہ اس مقام پر نیرنگی اور خوبی ہے۔ جس کو طبیعان (یعنی نیچری لوگ) انکار کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ شق صدر و قلب تو موت کا باعث ہے۔ اور یہ چیز حیات •زندگی) کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتے۔ اور ارباب عقل تاویل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ شق صدر سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے باطن کی حدوث و امکان کی کثافت سے پاکیزگی و صفائی ہے۔ اور اہل ایمان تصدیق کرتے ہیں بغیر تاویل اور ظاہر سے انحراف کے۔ کہتے ہیں کہ سب اسباب سماوی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز محال نہیں ہے۔ لیکن سونے کا طشت لا کر اس میں دھونا یہ تکریم و تعظیم کی قسم سے ہے عرف اور عادت کے لحاظ سے اور اس میں اشارہ ہے کہ آنحضرت بڑے مکرم اور معظم ہیں تمام خلائق میں۔ باقی رہی یہ بات کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ الہ وسلم کی شریعت میں سونے کا استعمال حرام ہے علماء نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ سونے کے استعمال کی ممانعت اس دنیا میں ہے اور دار آخرت میں مومنوں کے لئے سونا ہی ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کے قول کے اشارہ سے قل ھی للذین امنو فی الحیوۃ الدنیا خالصۃ یوم القیامۃ (کہہ دو یہ دنیا میں مومنوں کے لئے حرام ہے اور یہ قیامت کے دن کے لئے ہے۔) اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا فرمان ہے۔ ھو لھم فی الدنیا ولنا فی الاخرۃ معراج کا قصہ اصل آخرت کی قسم کا ہے۔ نیز سونے کے استعمال کی اجازت آنحضرت سے نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو ملائکہ سے ہوا جو کہ غیر مکلف ہیں بلکہ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ واقعہ تحریم سے قبل کا ہو گا۔ اور واقعہ بھی اسی طرح کا ہے۔ کہ سونے کی تحریم تو مدینہ میں ہوئی تھی۔ قضیہ اسراء کے بعد اور کچھ ارباب معانی قلب نبوی اور سونے کے درمیان مناسبتیں قائم کی ہیں۔ کہ سونا جنت کے برتنوں میں سے ہے۔ اور معدنی بو جھل جواہرات سے ہے۔ اس کو مٹی نہیں کھاتی اور زنگ نہیں لگتا۔ اسی طرح قلب نبوی صلی اللہ علیہ الہ وسلم۔ دوسرے ہر دل سے زیادہ زریں تر اور مزین تر ہے اور بوجھل تر ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی وحی کا بوجھ ہے۔ اس کو مغلیات کی مٹی نہیں کھاتی

کدورت کونیہ کا زنگ بھی نہیں لگتا اور ذہب (سونا) ذہاب الی اللہ (خدا کی طرف جانا) اور تطہیر (ناپاکی دور کرنا۔ اور اذہاب رجس (پاک صاف کرنا) کی جانب مشعر ہے۔ اور یہ چمک صفا اور بقا اور رزانت کے معانی کا حامل ہے۔ طشت کو حکمت اور ایمان سے بھرنے سے مراد اس کو بھرنا ہے جواہر نورانیہ سے جو کہ خلاصہ ہے ایمان اور حکمت کے کمال کا یہاں یہ بھی احتمال ہے کہ معنوی اجسام کے قسم سے یہ اشیاء ہوں۔ جس طرح کہ سورہ بقر میں آیا ہے کہ قیامت کے دن ظلہ یعنی سایہ دار درخت اور موت بکری کی شکل میں بنائی گئی ہوگی۔ اور نیک اعمال بھی اچھی صورتوں میں متشکل کئے جائیں گے۔ پھر یہ میزان عدل میں رکھے جائیں گے۔ عارفین نے فرمایا کہ اس میں یہ دلیل ہے کہ ایمان اور حکمت جواہر محسوسہ ہیں نہ کہ معانی معقولہ اور نہ از قسم اعراض۔ جس طرح کہ مذہب ہے متکلمین کا۔ اور حقائق اشیاء میں شارع علیہ السلام سب سے زیادہ وقف اور جاننے والے ہیں۔ اہل عقل ظاہر کو دیکھتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب وہ دیکھتے ہیں کہ ان کا صدور جواہر سے ہوا ہے۔ تو ان پر عرضیت (قائم بالغیر) ہونے کا حکم لگاتے ہیں۔ اور حضور علیہ السلام کا اس واقعہ معراج کا مشاہدہ فرمانا ایمان و یقین کے مکمل ہونے اس میں زیادتی ہونے اور ملکہ علاوات سے بے خوف ہونے کا سبب ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہر حالت میں اور ہر مقام پر تمام خلائق سے زیادہ شجاع' ثابت قدم اور طاقتور تھے۔ لیکن آپ کے قلب پاک کو زم زم کے پانی سے دھونے کی حکمت میں علماء کہتے ہیں۔ کہ زم زم کا پانی دل کو تقویت دیتا ہے۔ لہٰذا قلب پاک کو غسل دیا گیا کہ عالم ملکوت کو دیکھنے کے لئے طاقتور ہو جائے۔ اس بنیاد پر علماء دلیل لیتے ہیں کہ آب زم زم کوثر کے پانی سے زیادہ فضیلت والا' کیونکہ قلب مبارک کو افضل پانی سے ہی غسل دیا گیا تھا۔ یہ جو کہتے ہیں کہ نزدیک آب زم زم تھا اور آب کوثر دور تھا۔ یہ قول تو بڑا کمزور ہے۔ کیونکہ نزدیکی اور دوری کا تو تصور ہی نہیں ہے یہاں تو دونوں ہی برابر ہیں۔ (واللہ اعلم)

سفید رنگ کا براق برائے سواری۔ اس کے بعد حضرت جبرئیل سفید رنگ کا جانور لائے جو براق نام رکھتا تھا۔ وہ خچر سے پست تر تھا اور گدھے سے اونچا تھا۔ اور اپنا قدم منتہائے نظر پر رکھتا تھا۔ اور حدیث میں آیا ہے کہ مجھے سوار کیا گیا۔ اور جبرئیل مجھے اوپر بلند آسمان پر لے گئے اس حدیث سے ظاہر تو یہ ہی ہے کہ آسمان تک آپ سوار ہی گئے تھے براق پر' اور ہوا میں جا رہے تھے جس طرح کہ زمین پر چلتے ہیں۔ اور یہ بھی عادت سے خارج ہے کیونکہ بشر ہوا پر نہیں چلتا۔ خصوصاً'' جب وہ سوار ہو چوپائے پر۔ اور سب کچھ اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں ہے۔ اور اس کی قدرت علاوت کے اجراء میں مقید نہیں ہے اور بعض روایات میں آیا ہے کہ اس کے دو بازو تھے اور بعض کہتے ہیں کہ براق پر سواری صرف مسجد اقصیٰ تک تھی بعد میں ایک سیڑھی رکھی گئی۔ جس سے آپ اوپر آئے۔ اور یہ بھی روایت میں آیا ہے۔ دونوں روایتوں میں تطبیق اس طرح ہے۔ کہ بعض راویوں نے اس چیز کا تذکرہ نہ کیا۔ جس کا دوسرے راوی نے ذکر کیا۔ پہلے نے سواری براق کا ذکر اقصیٰ تک کیا اور یہ تصریح نہ کی کہ اسی براق پر سوار آسمان پر گئے اور دوسرے راوی نے آسمان کی طرف عروج کا ذکر کیا شاید کہ بغیر سواری ہوا ہو گا۔ (واللہ اعلم)

اور براق کے بھیجنے میں محبوب رب العالمین کی تکریم اور تعظیم تھی۔ جس طرح کہ محب اپنے محبوبوں کو گھوڑے بھیجتے

ہیں۔ اور اخص خواص جو محرم اور انیس مجلس ہو اس کو بلانے کے لئے پیادوں کو بھیجا جاتا ہے۔ اور رات کے وقت جب خلوت و تنہائی ہوتی ہے اغیار کی نظروں سے پوشیدہ بلاتے ہیں۔ وللہ المثل الاعلیٰ تعالیٰ و تقدس۔ اور خچر سے چھوٹا گدھے سے اونچانہ برشکل فرس براق کا بھیجنا یہ حکمت رکھتا ہے کہ اس میں اشارت پائی جاتی ہے کہ سلامتی اور امان میں بلایا جارہا ہے نہ کہ خوف و حرب میں اور براق کی برق رفتاری جو کہ عرف و علوت میں نہیں ہوتی معجزہ کے اظہار کے لئے تھی اور حضرت شیخ نے فرمایا کہ اس کا نام براق ہے نہ کہ گھوڑا یا خچر۔ اور براق بریق سے مشتق ہے۔ جس کے معنی ہیں روشنی کی شعاعیں۔ اسی لحاظ سے اس کی رفتاری کی تیزی ہے۔ قاضی عیاض رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ براق اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کے دو رنگ تھے۔ جس کو شاہ برقا کہتے ہیں۔ جس کے بال ہر دو سفید و سیاہ رنگ کے ہوتے ہیں۔ صاحب مواہب کہتے ہیں کہ ممکن ہے براق کا لفظ کہیں مشتق ہی نہ ہو۔ کچھ روایات میں آیا ہے کہ جب آنحضرت نے رکاب میں قدم رکھا۔ براق نے سرکشی کی۔ جبرئیل علیہ السلام نے براق سے کہا کہ کیا ہوا ہے کہ تم شوخی کرتے ہو تجھ پر محمد صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم سے گرامی تر کوئی آج تک سوار نہیں ہوا۔ براق نے سنا تو پسینہ پسینہ ہو گیا۔ اور زمین پر بیٹھ گیا اور رام ہو گیا۔ پس آنحضرت اس کی پشت پر بیٹھ گئے۔ اس بات سے دلالت ہوتی ہے۔ کہ یہ براق انبیاء علیہم السلام کی سواری کے لئے تیار کیا ہوا تھا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ ہر نبی کے لئے اس کی قدر و منزلت کے مطابق سواری کے لئے براق تھا۔ جس طرح کہ روایت میں آیا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام براق پر سوار ہو کر مکہ شریف تشریف لائے بیت المقدس سے برائے زیارت حضرت اسماعیل علیہ السلام۔ تو گویا جبرئیل کا اشارہ براق کی جنس سے ہے۔ واللہ اعلم۔ اور براق کی شوخی کی یہ وجہ تھی کہ اس پر کوئی سوار نہیں ہوا تھا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یہ شوخی ناز و طرب اور افتخار کے باعث تھی۔ استعصاب اور سرکشی کے باعث نہ تھی۔ جس طرح جنبش کوہ کے ضمن میں آپ صلی اللہ علیہ والہ و سلم نے فرمایا یاشبیر علیک نبی و صدیق و شہیدان اور کہتے ہیں کہ رکاب جبرئیل کے ہاتھ میں تھی۔ اور لگام میکائیل علیہ السلام کے ہاتھ میں تھی۔ اور بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے۔ جبرئیل علیہ السلام آپ کے پیچھے سوار تھے۔ اور شاید کہ پہلے رکاب ہی پکڑے ہوئے ہو۔ بعد میں آنحضرت علیہ السلام نے محبت و عنایت کے طریق پر اسے اپنے پیچھے بٹھا لیا ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ پہلے جبرئیل پیچھے سوار ہو بعد میں ادب و تکریم کے باعث نیچے اتر گئے ہوں۔ واللہ اعلم۔ پس آپ نخلستان والی زمین پر پہنچے۔ پس جبرئیل نے آنحضرت سے عرض کیا کہ نیچے اتریئے اور نماز دوگانہ پڑھ لیں کیونکہ یہ یثرب کی زمین ہے (اس کے بعد مدینہ اس کا نام ہو گیا۔ بعد ازاں آپ مدین پہنچے اور اس زمین سے گزرے جہاں ولادت عیسیٰ علیہ السلام کا مقام ہے۔ ان جگہوں پر بھی جبرئیل نے کہا اتر کر دوگانہ ادا کریں۔ بعد ازاں آنحضرت نے ایک جانب ایک بوڑھی عورت کو کھڑے دیکھا۔ آنحضرت نے پوچھا جبرئیل یہ کون ہے۔ جبرئیل نے عرض کیا حضور آپ بڑھے چلئے۔ اس کے بعد آپ ایک جماعت سے گزرے جو سلام عرض کر رہی تھی۔ وہ کہتے تھے السلام علیک یا اول۔ السلام علیک یا اخر۔ السلام علیک یا حاشر پس جبرئیل نے عرض کیا یا محمدؐ (صلی اللہ علیہ الہ و سلم) اسے سلام کا جواب دیں پس آپ نے سلام کا جواب دیا (الحدیث) پس جبرئیل نے کہا کہ وہ بوڑھی عورت دنیا تھی اور دنیا اسی قدر باقی رہ

گئی ہے جتنی کہ عمر اس بوڑھی عورت کی باقی ہے۔ اور جس نے آپ کو آواز دی اور آپ کو بلاتا تھا وہ ابلیس تھا۔ اگر آپ اسے جواب دیتے تو آپ کی امت دنیا کو اختیار کر لیتی آخرت کو چھوڑ کر اور ابلیس ان کو گمراہ کر دیتا۔ وہ جماعت جو آپ کو سلام کہتی تھی وہ ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام تھے۔ اور روایات میں آیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام پر سے آپ کا گزر ہوا جب کہ آپ نماز پڑھ رہے تھے۔ اپنی قبر شریف میں۔ پس انہوں نے کہا میں شہادت دیتا ہوں۔ کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اور چونکہ انبیاء اپنے خدا کے نزدیک زندہ ہوتے ہیں اس لئے نماز ادا کرتے ہیں۔ جس طرح اہل بہشت کے بارے میں ذکر کرتے ہیں کہ وہ بہشت میں عبادت کرتے ہیں گو وہ مکلف نہیں ہوتے۔

بعد ازاں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم برے اور نیک لوگوں کے گروہوں اور قوموں سے گزرے۔ وہ عالم برزخ اور عالم مثال میں اپنے اپنے اچھے یا برے اعمال کے نتائج و ثمرات میں گرفتار تھے اور ان کا ذکر طویل ہے۔ پھر آپ بیت المقدس میں پہنچے اور مسجد کے دروازہ کے حلقہ کے ساتھ براق کو باندھ دیا اسے اب باب محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کہتے ہیں۔ بعد ازاں آپ مسجد میں داخل ہوئے دوگانہ ادا کیا۔ یہ دوگانہ تحیتہ المسجد ہی معلوم ہوتا ہے۔ اس مقام پر فرشتے بھی حاضر آئے۔ جملہ انبیاء یعنی آدم علیہ السلام سے عیسیٰ علیہ السلام تک کی ارواح متمثل شدہ حاضر ہوئے انہوں نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ الہ وسلم پر بھی صلوٰۃ و سلام پیش کیا تمام نے فضیلت آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو اپنا امام بنایا۔ آپ نے امامت فرمائی اور جملہ انبیاء اور ملائکہ علیہم السلام آپ کے مقتدی ہوئے۔ علماء اس میں اختلاف کرتے ہیں کہ یہ نماز فرض تھی یا نفلی نماز۔ اگر فرضی نماز تھی تو عشاء کی تھی یا کہ فجر کی مہ حدیث شریف کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ بیت المقدس میں آنجناب کا ورود آسمانی سے قبل تھا۔ اس طرح یہ نماز عشاء ہو گی۔ اور اس قول کے مطابق جس میں ہے کہ یہ واقعہ معراج سے نزول کے بعد کا ہے یہ فجر کی نماز ہو گی۔ اور کچھ نے تو اسی کو ہی ترجیح دی ہے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ الہ وسلم اپنے جملہ کمالات و برکات کے ساتھ نیچے آئے تو دوسرے انبیاء علیہم السلام پر اپنی فضیلت و تشریف کی نمود کے لئے یہ نماز ادا کی۔

اور اس مسکین (عبد الحق) کے دل میں یہ بات گزری تھی۔ کہ یہ بات دونوں حالتوں میں کیوں نہ تھی قبل از عروج اور بعد از نزول بھی۔ لیکن اسے لکھنے میں نہ لایا جب تک کہ اس بارے میں علماء حدیث کی طرف سے ذکر اور ان کی روایات میسر نہ ہوں۔ اس کے بعد نظر آیا کہ شیخ کبیر عماد الدین بن کثیر جو اکابر علماء حدیث و تفسیر میں سے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ آنحضور کا انبیاء کے ساتھ نماز پڑھنا عروج سے پہلے اور نزول کے بعد دونوں حالتوں میں ہے۔ انہوں نے کہا کہ حدیث میں ایسی چیز موجود ہے جو اس بات پر دلیل ہے۔ اور کچھ بھی مانع نہیں ہے والحمد للہ۔ لیکن تعجب ہے شیخ ابن کثیر رحمتہ اللہ علیہ پر۔ کہ انہوں نے کہا ہے کہ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے آسمانوں میں قیام فرمایا۔ اور جو کچھ روایات سے ظاہر اور متواتر ہے وہ یہ ہے کہ بیت المقدس میں قیام کیا۔ اور ظاہر یہ ہے کہ واپس کے بعد کیا۔ کیوں نہ پھر شیخ کبیر کے اور دونوں مقامات پر تھی اور دونوں حالتوں میں تھی اور نیز وہ کیوں نہ قطع نظر فرمالیں کثیر روایات و درایات ظاہری سے۔

واللہ اعلم۔

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام مسجد سے باہر آئے تو جبریل ایک دودھ کا پیالہ اور ایک شراب کا سامنے لایا۔ اور آپ کو عرض کیا کہ آپ مختار ہیں ان میں جو آپ چاہتے ہیں اسے اختیار فرمالیجئے۔ اور پی لیں۔ پس آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے دودھ کو اختیار فرمایا۔ تو جبریل نے عرض کیا کہ آپ نے فطرت کو اختیار فرمایا ہے اور فطرت سے مراد دین اسلام اور اس پر استقامت ہے۔ یعنی آپ نے علامت اسلام اور استقامت اختیار فرمائی۔ یہ علامت اس لئے ہے کہ اس کے پینے والے کے لئے آسان، طیب و طاہر اور ظاہر ہے۔ اور اس عالم دودھ کو دین و علم کی مثال سمجھا جاتا ہے۔ جو کوئی خواب میں دیکھے کہ وہ دودھ پیتا ہے تو تعبیر یہ ہے کہ وہ علم اور دین سے بہرہ ور ہو گا۔ الحمد اللہ کہ کاتب حروف (عبدالحق) نے اپنے بعض خوابوں میں پاکیزہ کوزے میں صاف شیریں اور ٹھنڈا دودھ بھرا ہوا دیکھا اور سارے کا سارا ہی پی لیا۔ بخلاف شراب کے کہ وہ ام الخبائث ہے اور حال میں اور پینے کے نتیجہ میں مختلف قسم کی برائیاں پیدا کرنے والی ہے۔

اور بعض نے کہا ہے کہ فطرت سے مراد خلقت ہے اور خلقت کی بنا پر دودھ ہے۔ اور لحم و عظم یعنی گوشت اور ہڈیوں کی بڑھوتری اس سے ہوتی ہے۔ اور سب سے پہلے دودھ ہی وہ چیز ہے جو نومولود بچے کو پیٹ میں جاکر اس کی انتڑیوں کو کھولتا ہے۔ نیز یہ دودھ آنحضرت کو محبوب اور پسند بھی تھا۔ اور اگرچہ شراب اس وقت مباح تھا کیونکہ اسراء کا قصہ مکہ میں ہوا تھا اور تحریم شراب مدینہ میں ہوئی تھی۔ لیکن اس کی آخر تو حرمت ہی تھی۔ یا یہ ہے کہ آنحضرت نے اس سے اجتناب تقویٰ اور تعریض کے باعث فرمایا کیونکہ آخر کار اسے حرام ہی ہونا تھا نیز علم الٰہی میں یہ ہی صواب و مصلحت تھی۔ اور جبریل علیہ السلام نے فرمایا اصبت الفطرۃ (آپ نے فطرۃ کو پالیا ہے) اور ایک روایت میں ہے اصبت مابالله بک آپؐ نے اللہ کا راستہ اختیار کرلیا۔ آپ کی وجہ سے اللہ صواب کا راستہ دکھائے اگر ہم کہیں کہ وہ شراب جنت کی تھی۔ تو اس کے باوجود بھی آپ نے مشابہت اور مثلیت کی وجہ سے اس سے اجتناب کیا۔ اور جبریل نے کہا اگر آپ شراب کو اختیار کرتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی۔ اور شراب نوشی میں پڑ جاتی۔ اور آپ کی امت اسی دنیا کی شراب نوشی میں پڑ جاتی۔ جو خیانت اور فساد کا باعث ہے۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں دو پیالے آئے ہیں۔ ایک دودھ کا دوسرا شہد کا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ تین پیالے آئے ایک دودھ والا دوسرا پانی والا اور تیسرا شراب کا۔ اس میں شہد مذکور نہیں۔ بہرحال آنحضرت کی پسند دودھ ہی ہے۔ یہ پیالے اس وقت کے قریب ہی آئے جب آپ سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچے۔ حافظ عماد الدین کثیر نے اس کی صراحت کی ہے۔ کہ انبیاء علیہم السلام نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی۔ حضرت ابراہیم، موسیٰ، داؤد، سلیمان اور عیسیٰ علیہم السلام بھی ان میں تھے۔ انہوں نے حمد و ثنا کے ساتھ بلیغ خطبات دیئے ان میں اپنے اپنے فضائل و کرامات اور معجزات بیان کئے۔ جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ مخصوص تھے۔ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ الہ وسلم نے بھی خطبہ ارشاد فرمایا۔ آپ نے فرمایا کہ آپ حضرات نے پروردگار جل و علیٰ کی ثنا بیان کی ہے میں بھی اس کی حمد و ثنا کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا۔

الحمد للّٰہ الذی ارسلنی رحمۃ للعالمین بشیرا ونذیر اللناس اجمعین وانزل علی الفرقان فیہ

تبیان کل شی و جعل امتی وسطا و جعل امتی ھم الاولون و ھم الاخرون و شرح لی صدری ووضع عنی وزری ورفع لی ذکری وجعلنی فاتحا و خاتما۔

ترجمہ۔ تمام حمدیں خدا کے لئے ہیں۔ جس نے مجھے سب جہانوں کے لئے رحمت بنا کے بھیجا۔ جملہ بنی نوع انسان کے خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنایا۔ مجھ پر فرقان نازل فرمایا جس میں سب چیزوں کا واضح بیان ہے۔ میری امت کو وسطیٰ امت بنایا میری امت اول بھی ہے اور آخری بھی۔ میرا سینہ کھولا۔ اور میرا بوجھ مجھ پر سے دور کر دیا۔ میرے لئے میرا ذکر بلند کیا ہے۔ مجھے فتح مدن اور آخری نبی بنایا۔

یہ خطبہ سن کر ابراہیم علیہ السلام نے کہا اسی بنا پر آپ سب سے افضل ہیں۔ (بھذا فضلکم محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) بعد ازاں جنت الفردوس سے ایک سیڑھی لائی گئی۔ اس کے دائیں بائیں فرشتے تھے۔ آپ اس پر چڑھے اور آسمان پر پہنچ گئے اور آسمانوں میں بعض انبیاء کو دیکھا جو آنحضرت کی ملاقات کے لئے متعین تھے۔ اور آسمانوں میں متمثل ہو کر آئے تھے بیت المقدس میں تمثیل کے بعد آپ نے اس طرح سلام کیا جس طرح احادیث میں ذکر ہے۔ جو عجیب و غریب حالات اور حکایات روایات میں ذکر کی گئی ہیں وہ یہ ہیں کہ جب آپ چھٹے آسمان پر گئے آپ نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا۔ آپ وہاں سے روانہ ہوئے تو موسیٰ علیہ السلام رو پڑے۔ اور انہوں نے کہا کہ ایک شخص جو مجھ سے بعد میں بھیجا گیا اس کو اس قدر برگزیدہ کیا گیا۔ کہ اس کی امت میری امت سے بہتر جنت میں داخل ہو گی۔ علماء بیان کرتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام حسد کی وجہ سے نہ روئے تھے کیونکہ اس جہان میں مومنین کے دل سے حسد کا مادہ نکال دیا جائے گا۔ تو کیسے ہو سکتا ہے کہ یہ حسد اس شخصیت سے رونما ہو جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام سے مشرف فرمایا اور اپنا رسول بنا کر اسے اولوالعزمی سے سرفراز فرمایا۔ بلکہ حسرت اور افسوس کی وجہ سے تھا کہ وہ چیز ان سے فوت ہو گئی جو بلندی مرتبت پر مترتب ہوتی ہے اس وجہ سے کہ ان کی امت نے کثرت سے مخالفت کی۔ اور یہ مخالفت ان کے اجر میں کمی کا تقاضہ کرتی ہے۔ اور بایں وجہ وہ اجر میں کمی کو مستلزم ہے۔ کیونکہ ہر نبی کو اتنا اجر حاصل ہوتا ہے جتنا اس کے متبعین کے لئے ہوتا ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متبعین ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اتباع کرنے والوں سے بہت ہی تھوڑے ہیں۔ شیخ ابن حجر نے بھی فتح الباری میں اس طرح فرمایا ہے۔

حضرت ابن ابو جمرہ عارفین مالکیہ میں سے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر پیغمبر کے قلب میں ان کی امت کی خاطر رحمت اور مہر وفا رکھے ہیں۔ یہ خصوصیات اس میں طبعاً پیدا شدہ ہوتی ہیں۔ بنا بر ایں کچھ امور میں ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی گریہ کیا ہے لہٰذا آپ کو پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ! آپ کس چیز کے باعث روتے ہیں۔ آپ فرماتے تھے کہ رونا رحمت ہوتا ہے اور رحمت کرنے والوں پر ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت ہوتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ انبیاء علیہم السلام کو رحمت کا بہت بڑا حصہ عطا ہوا ہے لہٰذا ان کے دلوں میں لوگوں کی نسبت زیادہ رحمت ہوتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ

موسیٰ علیہ السلام اپنی امت پر مہربانی اور شفقت کے باعث رو پڑے۔ کیونکہ فضل و کرم اور جود و مہربانی اور اللہ تعالیٰ کے حبیب کریم کی تشریف آوری کا وقت تھا۔ تاکہ ان پر بہت زیادہ فضل و کرم ہو اور انہیں نہایت قرب عطا ہو۔ پس اس قبول و ایصال کے وقت موسیٰ علیہ السلام امید رکھتے تھے۔ کہ اس مبارک وقت پر اللہ تعالیٰ ان کی امت پر بھی رحمت فرمائے۔ اور موسیٰ علیہ السلام نے جو غلام لفظ استعمال کیا اس کے معانی ہیں کم عمر جوان کسی دوسرے معانی میں نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دوسرے پیغمبروں کے مقابلہ میں آپ کی چھوٹی عمر کے تھے۔ اور عرب کے لوگ مستجمع السن کو جب تک کہ وہ طاقت و توانائی رکھتا ہے۔ غلام کہتے ہیں۔

فتح الباری میں اسطرح کہا گیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے غلام کا لفظ کہہ کر اشارہ کیا ہے کہ رب العزت جل جلالہ کا فضل و انعام جب تک قوت رہے ساتھ ساتھ رہتا ہے حتیٰ کہ سن کہولت سے سن شیوخت آجاتا ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ الہ وسلم کے بدن شریف میں بڑھاپے کی کمزوری موثر نہ ہوگی۔ اور آپ صلی اللہ علیہ الہ وسلم کی قوت و توانائی کم نہ ہوگی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مکہ شریف سے ہجرت فرما کر مدینہ شریف آئے تو لوگوں نے آپ کو شاب کے لفظ سے یاد کیا۔ یعنی مرد جوان اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو شیخ کے لفظ سے پکارا یعنی بوڑھا مرد حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عمر کے لحاظ سے حضرت ابوبکر سے بڑے تھے۔ بندہ مسکین (عبدالحق) کہتا ہے کہ یہی وجہ تھی کہ آپ پر بڑھاپے کے آثار ظاہر نہ تھے۔ سوائے ان چند بالوں کے جو آنجناب کے سراقدس اور ریش مبارک میں موجود تھے۔ اس لئے کہ عوام کی نظر میں بوڑھے کمزور دکھائی نہ دیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شفقت و مہربانی اس امت پر اس وقت ظاہر ہوئی۔ جب نمازوں میں کمی ہوئی اور اس میں ہرگز کوئی شک نہیں۔ پچاس نمازوں میں سے پانچ نمازیں باقی رہیں۔ اور کہا گیا ہے کہ یہ سب توجہ اور شفقت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے اس امت مرحومہ پر اس وجہ سے تھی کہ انہوں نے توارت شریف میں امت کی صفات پڑھی تھیں۔ اور یہ آرزو کی تھی کہ یہ امت ان کی امت بنادی جائے۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ امت احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہے۔ تو اس آرزو کو قطع کردے۔ پس موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ مجھے اس امت میں سے کردے۔

سدرۃ المنتہیٰ۔ اس کے بعد آپ کو سدرۃ المنتہیٰ پر لے جایا گیا۔ اس مقام پر مخلوق کے اعمال اور ان کے علوم ختم ہو جاتے ہیں۔ یہاں پر امر الٰہی نازل ہوتا ہے اور احکام ملتے ہیں۔ اس کے قریب فرشتے ٹھہرتے ہیں۔ اس مقام سے آگے بڑھنا کسی کی طاقت و بس میں نہیں ہے۔ تمام یہاں پر رک جاتے ہیں۔ جو کچھ بھی عالم سفلی سے اوپر بلند ہوتا ہے اور عالم علوی سے امر و احکام کا نزول ہوتا ہے۔ ان سب کی انتہا یہ مقام ہے اس سے آگے کوئی نہیں بڑھا سوائے حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے۔ جبریل علیہ السلام بھی اس مقام پر آکر ٹھہر گئے۔ اور علیحدہ ہو گئے۔ آپ نے جبریل سے اس مقام کے متعلق پوچھا اور یہ کیا مقام ہے۔ کہ آپ جدا ہوتے ہیں۔ دوست سے دوست کے علیحدہ و جدا ہونے کی یہ جگہ نہیں ہے حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا کہ اگر انگلی کے ایک پوٹے کے برابر بھی میں آگے نزدیک ہو جاؤں تو جل

جاؤں گا۔

بدو گفت سالار بیت الحرام
کہ اے حامل وحی برتر خرام

بگفتا فراتر مجالم نماند
بماندم کہ نیروئے بالم نماند

اگر یک سر موئے برتر پرم
فروغ تجلی بسوزد پرم

اور بعض روایات میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ الہ وسلم نے اس جگہ جبریل علیہ السلام سے فرمایا کہ اگر تجھے کچھ حاجت ہو تو عرض کرو۔ تاکہ میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کروں جبریل نے عرض کیا کہ میری حاجت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے درخواست کریں۔ کہ میں پل صراط پر قیامت کے روز اپنے پر پھیلاؤں تاکہ ان پر سے آپ کی امت گزرے۔ اور اس روایت سے معلوم ہوا کہ سدرۃ المنتہی ساتویں آسمان پر ہے۔ اور دوسری روایت میں آیا ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ ساتویں آسمان پر ہے۔ اور دونوں روایتوں میں تطبیق کرتے ہیں کہ اس کی جڑیں چھٹے آسمان پر ہیں اور ساتویں پر شاخیں اور اس کا نام سدرہ اس لئے ہے کہ یہ کنار (بیری) کے درخت کو کہتے ہیں اس کے ساتھ اس مقام کو موسوم کرنے کا علم آنحضرت صلی اللہ علیہ الہ وسلم پر ہی مفوض و موقوف ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ اس درخت کی تین صفات ہیں۔ ایک اس کا لمبا سایہ دوسرے لذیذ و مزیدار تیسرے لطف و بو اور یہ بمنزلہ ایمان ہے جس میں کہ قول عمل اور نیت تینوں شامل ہوتے ہیں اور ظل (سایہ) بمنزل عمل ہے اور طعم بمنزلہ نیت سے مشابہ ہے۔ اور رائحہ (بو) بمنزلہ قول کے ہے۔ جیسے کہ علماء کہتے ہیں ممکن ہے یہ درخت آسمان میں اسی طرح گڑھا ہوا ہو۔ جس طرح زمین میں درخت گڑھے ہوتے ہیں اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے کہ جس طرح درخت زمین میں پیوستہ نشوونما پاتے ہیں اسی طرح یہ ہوا میں نشوونما پائے۔ جس طرح کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہوا میں سیر کی۔ اور اس طرح بھی امکان ہے کہ جنت کی مٹی میں جمایا گیا ہو جیسے کہ حالت ہے جنت کے درختوں کی۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ جنت کے درخت بھی نہ جمائے گئے ہوں۔ واللہ اعلم لحقیقۃ الحال۔

سدرۃ المنتہیٰ سے چار نہریں جاری ہوتی ہیں دو ظاہر میں دو باطن ہیں۔ جو باطن میں ہیں وہ بہشت میں جاتی ہیں۔ اور جو ظاہر ہیں وہ نیل اور فرات ہیں۔ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ چار نہریں جنت سے ہیں۔ نیل اور فرات اور سیحان اور جیحان۔ پس بعض کہتے ہیں ان کے جنت سے ہونے کے یہ معنی ہیں کہ ان کے فائدے اور ثمرات دائمی اور ہمیشہ ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ بہشت کی جنس سے ہیں۔ واللہ اعلم۔ اور نیل کے احوال میں عجیب و غریب باتیں لکھی ہیں کہ ان میں عقل حیران ہے۔ اور پانی دودھ شہد اور شراب کی نہریں علیحدہ ہیں۔ جو کہ جنت میں چلتی ہیں۔ جس طرح کہ قرآن عظیم سے منطوق ہے۔ اور ابن ابی حاتم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے

کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آسمان ہفتم پر آئے تو وہاں ایک نہر دیکھی جو یاقوت اور زمرد کے سنگریزوں پر بہتی ہیں۔ اور اس کے پیالے سونے چاندی یاقوت موتی اور زبرجد کے بنے ہوئے ہیں اور اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ شیریں تھا۔ آپ نے فرمایا اے جبریل! یہ کیا ہے جبریل نے کہا یہ حوض کوثر ہے جو خدا تعالیٰ نے آپ کو دیا ہے۔ اور ابی سعید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ بہشت میں ایک چشمہ جاری ہوتا ہے جس کو سلسبیل کہتے ہیں۔ اس سے دو نہریں نکلتی ہیں۔ کہ ایک کو کوثر کہتے ہیں۔ اور دوسری کو نہر رحمت۔ اور یہ وہ نہر ہے کہ جب دوزخ کے عاصی لوگ جل کر سیاہ شدہ باہر آتے ہیں۔ اس میں کودتے ہیں تو ایک ساعت میں ترو تازہ ہو جاتے ہیں۔ اور سدرۃ المنتہیٰ کو انوار نے ڈھانپا ہوا ہے سونے کے پرندوں اور پروانوں کی طرح ہر پتے پر ایک فرشتہ ہے۔ اس مقام کے اوصاف قیاس و عمل کی حدود سے باہر ہیں۔ اس مقام پر بھی روایت آئی ہے۔ کہ یہاں بھی آنحضرت کی خدمت میں پیالے دودھ شہد اور شراب کے پیش کئے گئے پس آپ نے دودھ کو اختیار فرمایا۔ بعد ازاں بیت المعمور ظاہر ہوا اور اس پر سے حجاب اٹھا دیا گیا۔ اسی طرح ہی حدیث کے الفاظ آئے ہیں۔ ثم رفع الی البیت المعمور۔ اس کی تفسیر یوں بیان ہوئی ہے کہ اس کے اور بیت المعمور کے درمیان کئی عالم تھے۔ اور اس لوراک پر قدرت نہ تھی۔ پس اسے بلند کیا گیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ الہ وسلم کی بصیرت اور بصارت میں لایا گیا۔ حتیٰ کہ آپ نے اسے دیکھا اور بیت المعمور ایک مسجد ہے وہ خانہ کعبہ کے مقابل پر اوپر ہے اگر اس کا گرنا ہم فرض کریں تو وہ کعبہ **معظمہ** کے عین اوپر آکر گرے۔ یہ وہ گھر ہے جو آدم علیہ السلام کے زمین پر اترنے سے بعد اس کو بھیجا گیا تھا اور پھر بعد از آدم علیہ السلام اس کو اوپر اٹھالیا گیا آسمان پر۔ اور اس کی قدر و منزلت آسمان میں اس طرح ہے جیسے کہ کعبہ کی زمین میں ہے۔ ملا ئکہ اس کا طواف کرتے اور نماز پڑھتے ہیں۔ جس طرح آدمی کعبہ کا طواف کرتے ہیں اور بیت المعمور میں ہر روز ستر ہزار فرشتے آتے ہیں۔ اور جب باہر واپس چلے جاتے ہیں تو دوبارہ ان میں سے کوئی بھی نہیں آتا۔ اسی طرح روزانہ آتے اور جاتے ہیں۔ اور یہ پروردگار تعالیٰ اور تقدس کی قدرت پر دلیل ہے۔ اور کوئی بھی مخلوق فرشتوں سے زیادہ اور بڑی نہیں ہے۔ حدیث میں ہے کہ زمین و آسمان میں چپہ بھی جگہ کہیں خالی نہیں جہاں فرشتے نے سر سجدہ میں نہ رکھا ہوا ہو۔ اور دریاؤں کے اندر پانی کوئی ایک قطرہ بھی اس قسم کا نہیں جس پر کوئی فرشتہ موکل موجود نہ ہو۔ اور روایت ہے کہ آسمان پر ایک نہر ہے اسے نہر الحیوۃ کہا جاتا ہے۔ جبریل علیہ السلام اس میں ہر روز غسل کرتے ہیں باہر آکر اپنے پروں کو جھاڑتے ہیں۔ اس وقت ستر ہزار قطرے جھڑتے ہیں۔ رب تعالیٰ ہر اس قطرے سے ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے اور یہی فرشتے ہیں جو بیت المعمور میں حاضر ہوتے ہیں۔ اور نماز بھی پڑھتے ہیں۔ دوبارہ وہاں حاضر ہونے کے لئے ان کی باری ہی نہیں آتی۔ اسی طرح نقل کیا گیا ہے مواہب لدنیہ میں۔

اور امام فخر الدین رازی رحمتہ اللہ علیہ نے اللہ تعالیٰ کے فرمان ویخلق مالا تعلمون کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ عطاء، مقاتل اور ضحاک جو آئمہ تفسیر میں سے ہیں۔ انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ فرمایا آنحضرت نے عرش کے دائیں طرف ایک نہر چلتی ہے وہ نہر ساتوں زمینوں آسمانوں اور دریاؤں کے برابر ہے۔ جبریل علیہ السلام ہر روز

آکراس میں غسل کرتے ہیں۔ اپنے نور پر مزید اضافہ وہ اس طرح کرتے ہیں۔ اور اپنے حسن و جمال کو زیادہ کرتے ہیں۔ اور اپنے پروں کو جھاڑتے ہیں تو یہ قطرہ پانی سے اللہ تعالیٰ و تقدس کئی ہزار فرشتے پیدا کرتا ہے اور اسی طرح تاقیامت یہ سلسلہ رہے گا۔ ایک اور روایت میں اس طرح ہے کہ جتنے بھی فرشتے وہاں پر اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی ہر تسبیح سے فرشتہ پیدا کر دیتا ہے۔

یہ بندہ مسکین (عبدالحق) ثبتہ اللہ علی الطریق الحق والیقین کہتا ہے کہ اگر آسمانوں پر تسبیحات سے ملائکہ بنتے ہیں تو یہ تعجب خیز نہیں ہے اگر اس زمین پر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اس قدسی بارگاہ کے خواص اور صالحین امت کی تسبیحات اور تہلیلات سے بھی فرشتے پیدا ہوتے ہوں۔ واللہ علی قل شی قدیر صاحب مواہب لدنیہ کہتے ہیں کہ یہ ملائکہ ان فرشتوں سے علیحدہ ہیں جو ہمیشہ عبادت میں لگے رہتے ہیں اور پھر ان فرشتوں کے علاوہ بھی فرشتے موجود ہیں جو نباتات اور ارزاق و نگہداشت پر مقرر ہیں اور بنی نوع انسان کی صورت بنانے پر موکل ہیں اور ملائکہ جو بادلوں کے ساتھ نازل ہوتے ہیں اور جمعہ کے موقعہ پر لوگوں کا اندراج کرنے والے اور جنت کے خازن اور محافظ فرشتے بھی ہیں وہ فرشتے بھی ہیں جو گردش لیل و نہار میں آتے ہیں برائے تحریر اعمال بندگان۔ اور وہ فرشتے بھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ الہ وسلم کے روضہ شریف پر حاضری روزانہ دیتے ہیں اور مرعوب بھی کرتے ہیں اور وہ بھی ہیں جو نمازیوں کی نماز میں آمین پکارتے ہیں قرات قرآن کے وقت۔ کچھ فرشتے ہیں جو کہتے ہیں ربنا لک الحمد اور وہ بھی ہیں جو نماز کا انتظار کرنے والوں کے حق میں دعائیں مانگتے ہیں اور فرشتے ہیں جو مقرر ہیں کہ لعنت کریں ان عورتوں پر جو بستر خواب میں اپنے خاوندوں سے علیحدہ رہتی ہیں۔ اور ہر علیحدہ آسمان پر مقرر فرشتوں کو علیحدہ علیحدہ تسبیح ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ ملائکہ حاملان عرش کے چہرے اور جسم جدا جدا ہیں ایک دوسرے سے ان کی کوئی مشابہت نہیں ہے۔ ان میں سے کوئی ایک فرشتہ اپنے بازو پھیلا دے تو بازوں کے پروں میں سے صرف ایک پر کے نیچے ساری دنیا آجاتی ہے۔ عرش کو اٹھانے والے ملائکہ تعداد میں آٹھ ہیں۔ وہ قامت اور جسم میں اتنے بڑے ہیں کہ ایک کان کی لو دوسرے کان کی لو سے دو سو سال کی مسافت کا فاصلہ ہے۔ دوسری ایک روایت کے مطابق یہ فاصلہ سات سو سال کی مسافت ہے۔ ابوالشیخ کی کتاب العظمت میں نہایت حیران کن باتیں تحریر کی گئی ہیں۔ اس مقام سے اللہ تعالیٰ خالق و مالک کی عظمت اور کبریائی پر غور کرنا چاہیے کہ اس کی شان کتنی بڑی اور قدرت کتنی وسیع ہے۔ حدیث میں ہے کہ حضور علیہ السلام الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ میں آسمان ہفتم میں گیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیت المعمور کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے دیکھا۔ آپ کے قریب ایک جماعت بہت خوبصورت تھی میں نے ان سے سلام کہا انہوں نے بھی جواب میں سلام کیا۔ اور میں نے اپنی امت کو دو جماعتوں میں پایا ایک جماعت سفید کپڑوں میں ملبوس تھی مانند قراطیس کے۔ اور دوسری جماعت چرکیں رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے تھی۔ پس سفید لباس والی جماعت میرے ساتھ بیت المعمور میں آئی۔ اور جامہ چرکیں پہننے والی جماعت محجوب تھی۔ پس میں نے سفید لباس والوں کے ساتھ بیت المعمور میں نماز ادا کی۔ اور ان کے سفید کپڑوں سے اشارہ ہے اچھے اعمال کی طرف۔ جیسے کہ آیہ کریمہ میں فثیابک فطھر

کی تاویل میں کہا گیا ہے۔ اور روایت میں آیا ہے کہ آپ نے فرمایا میں نے ابراہیم علیہ السلام کے پاس ہی ایک قوم دیکھی خوش رنگ سفید چہروں والی قراطیس کے مانند۔ اور ایک قوم دیکھی جن کے رنگ میں سیاہی اور تیرگی تھی پس یہ قوم ایک نہر پر آئی۔ غسل کیا اور ان کے رنگ صاف ستھرے اور خالص ہو گئے اس قوم کی مانند جو خوش رنگ سفید تھی۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے پوچھا کہ یہ سفید رنگوں والے کون ہیں۔ اور یہ کالے رنگوں والے لوگ کون ہیں۔ اور یہ مرد کون ہے جو بیٹھا ہوا ہے۔ اور یہ انہار کیا ہے جن میں انہوں نے غسل کیا ہے۔ جبریل علیہ السلام نے کہا کہ یہ مرد آپ کا باپ ابراہیم علیہ السلام ہیں اور یہ سفید لباس والی قوم وہ ہے جنہوں نے اپنے ایمان کو ظلم سے ملوث نہ کیا۔ اور یہ سیاہ رنگ والی قوم وہ ہے جس نے اپنے نیک اعمال کو برے اعمال کے ساتھ خلط ملط کیا۔ اس کے بعد انہوں نے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ نے ان پر رحمت کردی۔ اور یہ نہریں پہلی نہر رحمت ہے دوسری نہر نعمت ہے اور تیسری نہر ہے وسقاھم ربھم مشرابا طھورا۔ ان کے رب نے انہیں پاک پانی پلایا۔

اس کے بعد آپ زیادہ بلندی پر گئے۔ جہاں قلموں کے چلنے کی آواز سنائی دیتی تھیں جو کہ اللہ کے فرشتے ان کے ساتھ اقدار الٰہی کو تحریر کرتے تھے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی قضا اور تقدیر قدیم ہے۔ لیکن ان کی کتابت حادث ہے۔ اور کتاب لوح محفوظ ہے کہ کائنات اس میں ثبت شدہ ہے۔ آسمان و زمین کی پیدائش سے پہلے وجف القلم بما ھو کائن (اور آئندہ ہونے والا سب کچھ تحریر کر کے قلم خشک ہو گیا) یہ اسی طرح اشارہ ہے۔ لیکن یہ کتابت فرشتوں کے صحائف میں اصل سے نقل کرنے کی ہے۔ جس طرح کہ نصف شعبان کی رات (یعنی شب برات) کو اور دیگر راتوں میں لکھتے ہیں اس میں محو اور اثبات ہوتا رہتا ہے۔ یمحو اللہ مایشاء ویثبت (اللہ تعالیٰ جو چاہے مٹا دیتا ہے اور جو چاہے باقی رکھتا ہے) سے یہی کچھ عبارت ہے جس طرح کہ آثار میں آیا ہے۔ اور مواہب لدنیہ میں ابن قیم سے نقل کیا گیا ہے۔ کہ انہوں نے بتایا کہ اقلام بارہ بارہ ہیں اور ہر ایک کا مرتبہ علیحدہ علیحدہ ہے۔ اور سب سے اعلیٰ مرتبے کی قلم قدرت ہے۔ جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی تقدیریں لکھی ہیں۔ اس ضمن میں سنن ابوداؤد میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے کہ میں نے جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے سنا اول ما خلق اللہ القلم سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جو چیز پیدا کی وہ قلم ہے۔ اللہ نے قلم کو حکم دیا۔ لکھ، قلم نے عرض کیا کیا لکھوں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قیامت تک ہونے والی سب مخلوق کی تقدیریں لکھو۔ یہ قلم سب سے پہلا قلم اور اجل قلم ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اکثر علماء تفسیر نے اسی قلم کے بارے میں لکھا ہے کہ یہی پہلا قلم ہے۔ جس کی قسم اللہ تعالیٰ نے کھائی ہے دوسرا قلم وحی ہے۔ تیسرا قلم توقیع ہے۔ وہ علامت ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی۔ چوتھے قلم کا نام طب ابدان ہے اس کے ساتھ صحت ابدان کو محفوظ کیا جاتا ہے۔ پانچواں قلم توقیع ہے اس سے نشان لگایا جاتا ہے بادشاہوں پر اور نوابوں کی نشان دہی ہوتی ہے اس سے ممالک کے امور کی سیاست اور اصلاح کی جاتی ہے۔ چھٹا قلم حساب ہے اس سے ان اموال کا حساب منضبط کیا جاتا ہے جو نکالے جاتے ہیں اور خرچ میں صرف ہوتے ہیں اور ان کا اندازہ درج ہوتا ہے۔ اور یہ قلم ارزاق بھی ہے ساتواں قلم حکم ہے۔ اس سے حقوق ثابت ہوتے ہیں اور احکام کا نفاذ ہوتا

ہے۔ آٹھواں قلم شہادت ہے یہ حفاظت حقوق کے لئے ہے۔ اور نواں قلم تعبیر ہے۔ یہ قلم خواب میں ہونے والی وحی کی تعبیر اور تفسیر لکھتا ہے دسواں قلم ہے قلم تواریخ ووقائع عالم اور قلم نعت گیارہواں قلم ہے۔ یہ نعت کی تفصیلات کا اندراج کرتا ہے۔ اور بارہویں قلم کا نام قلم جامع ہے۔ یہ قلم مبطلین کے رد کے لئے ہے اور محرفین کے شبہوں کو دور کرنے کے لئے ہے۔ ان سب اقلام کے ساتھ عالم کی مصلحتوں کا انتظام کیا جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی کتاب لکھنے والے قلم کی جلالت اور فضیلت اس قسم سے خوب ثابت ہے جو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کھائی ہے۔ انتہی۔ وضاحت کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قلم سب سے اعلیٰ اور اجل ہے سوائے خدا اور اس کے رسول کے اس کی حقیقت سے کوئی واقف نہیں ہے اس کے بعد قلم دنیا ہے اس کے ساتھ علوم تحریر ہوتے ہیں۔ جو اشیاء اس قائل نے بیان کی ہیں یہ علوم کے متعلق معلومات ہیں۔ اگر تمام باتیں قائل کی بیان کردہ کے اندر ہی منحصر ہیں تو بہتر ورنہ یہ سب ان اقلام کی مثالیں ہیں۔

بعد ازاں آنحضرت صلی اللہ علیہ الہ وسلم نے جنت و دوزخ ملاحظہ فرمائیں۔ کتاب و سنت میں ذکر کردہ صفات کے ساتھ۔ آپ نے دیکھا کہ جنت اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مظہر ہے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب اور غضب کی خاطر دوزخ ہے۔ اس وقت جنت کھلی تھی اور دوزخ بند تھی۔ آپؐ نے سلسبیل نامی چشمہ میں غسل کیا تو کون وحدوث کی تمام آلائشات آپ کے ظاہر و باطن سے دور ہو گئیں آپ کو ماتقدم من ذنبک وما تاخر سے سرفراز کیا گیا۔ اور بعض روایات میں آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جنت کے درختوں میں سے ایک درخت پر کھڑا کیا گیا۔ جس سے زیادہ طیب اور اطہر درخت اور کوئی نہ تھا۔ پس آپؐ نے اس درخت کا پھل کھایا اور آپ کی صلب شریف میں نطفہ بن گیا۔ اور جب آپ نیچے آئے تو خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن میں وہ نطفہ منتقل ہو گیا۔ پس فاطمہ رضی اللہ عنہا سے حاملہ ہوئیں۔ اور اس جگہ صریح اشکال پایا جاتا ہے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ولادت تو نبوت سے سات سال قبل ہوئی تھی۔ اور اسراء کا واقعہ اظہار نبوت سے بعد ہوا اور وہ جو التزام کرتے ہیں کہ آنحضرت کو قبل از اظہار نبوت اسراء ہوئی خواب کے دوران۔ تو یہ حکایت منام ہے آنحضرت قبل از ظہور نبوت بہشت میں لائے گئے ہوں گے بغیر اسراء کے۔ یہ واقعہ اس جگہ کا ہے اس جگہ پر اس کا تذکرہ مناسب نہیں ہے۔ **واللہ اعلم بحقیقتہ الحال۔**

وصل۔ جب رویت آیات الٰہی ہو چکی۔ اب قرب اور حضوری کی نوبت آپہنچی۔ آپ آخر پر پہنچے ہر چیز سے انقطاع ہو گیا۔ آپ اکیلے رہ گئے۔ آپ کے ساتھ کوئی فرشتہ یا دوست وانیس نہ رہا۔ ابھی ستر حجابات رہتے ہیں۔ ہر حجاب پہلے سے مختلف تھا۔ روایت میں ہے ہر حجاب کی تہہ پانچ صد سال کی مسافت تھی۔ ابھی یہ حجابات طے کرنے تھے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کی نصرت و امداد سے ان سب کو عبور کیا۔ اب مخصوص وحشت و دہشت اور جلال و عظمت الٰہیہ پیش آئی۔ ندا دینے والے نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی آواز میں ندا دی۔ قف یا محمد ان ربک یصلی اے محمدؐ ٹھہریئے آپ کا رب صلوٰۃ بھیج رہا ہے۔ آپ سوچنے لگے کہ آواز ابوبکر اس مقام پر کیسے آئی۔ آپ نے اس آواز سے انس محسوس فرمایا اور اپنے درپیش وحشت سے نکلے۔ پھر اللہ تعالیٰ جل مجدہ کی طرف سے آواز آئی ادن یا خیر البریۃ ادن یا احمد ادن یا محمد۔ اس کے بعد

میرے رب تعالیٰ نے مجھے اتنا قریب کیا اور میں اس قدر نزدیک ہوا جس طرح کہ خود اللہ نے فرمایا ہے ثم دنی فتدلی فکان قاب قوسین او ادنی پھر وہ تجلی نزدیک ہوئی اور خوب نزدیک ہوئی۔ تجلی الٰہی اور میرے درمیان دو قوسین کا فاصلہ تھا یا اس سے بھی کم۔ پھر میرے رب تعالیٰ نے مجھ سے کچھ پوچھا۔ مجھ میں طاقت نہ تھی کہ جواب دے سکوں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنا دست قدرت جو بے کیف و حدود تھا میرے دونوں کندھوں کے درمیان رکھا۔ میں نے اس کی ٹھنڈک اپنے سینے میں محسوس کی مجھے اولین و آخرین سب کا علم عطا ہوا مختلف اقسام کے علوم بھی سکھائے گئے۔ ان میں ایک وہ علم تھا۔ جس کے متعلق مجھ سے عہد لیا گیا کہ اسے ظاہر نہ کروں۔ ہر آدمی کو اس کی برداشت کی تاب نہیں ہے سوائے میرے۔ ایک وہ علم تھا جس کے متعلق مجھے مختار بنا دیا۔ ظاہر کروں یا چھپاؤں۔ ایک وہ علم دیا گیا جس کے بارے میں حکم ہوا کہ اپنی امت کے سب خواص و عام سے اس کی تبلیغ کی جائے۔ اس کے بعد آنحضرت حبیب خدا صلی اللہ علیہ الہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا۔ اے پروردگار! تیری بارگاہ میں پہنچنے سے پہلے اثناء راہ میں مجھے وحشت ہوئی۔ ناگاہ ابوبکر کی آواز و لغت سے مشابہ آواز میں سنا قف یامحمد فان ربک یصلی اس سے مجھے تعجب ہے کہ ابوبکرؓ اس مقام پر کہاں سے آ گئے۔ اور پروردگار تو نماز پڑھنے سے بے نیاز ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ میں دوسروں کے لئے نماز گزارنے سے بے نیاز ہوں۔ اور میں تو کہتا ہیں سبحانی سبقت رحمتی علی غضبی (میں پاک ہوں میری رحمت میرے غضب پر سبقت لئے ہوئے ہو)

اے محمد! اس آیت کو پڑھو۔ ھوالذی یصلی علیکم و ملئکتہ لیخرجکم من الظلمات الی النور و کان بالمومنین رحیما۔ میری صلوٰۃ پر اور تمہاری امت پر رحمت ہے۔ ابوبکر آپ کے ساتھی اور رفیق کا سنانا انسیت کے لئے تھا۔ تاکہ تم انس حاصل کرو اور اس سے ہیبت ناک مقام پر اپنے حال پر قائم ہو سکو۔ اے محمد! جس وقت ہم نے تمہارے بھائی موسیٰ علیہ السلام سے ہمکلام ہونا چاہا۔ اس وقت ان پر بڑی ہیبت غالب آ گئی تھی۔ میں نے اس وقت ان سے پوچھا ماتلک بیمینک یاموسیٰ اے موسیٰ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کو ذکر عصاء سے انسیت ملی۔ اور وہ اپنے حال پر آ گئے تھے۔ اس طرح اے محمد! تمہارے لئے بھی میری خواہش تھی کہ تم انس کو پا سکو۔ لہٰذا آپ کے لئے تمہارے دوست اور رفیق ابوبکر صدیق کی آواز کو پیدا فرمایا۔ کیونکہ تم دونوں یعنی تم اور ابوبکر ایک ہی طینت پر پیدا کئے گئے ہو وہ دنیا میں اور آخرت میں تمہارا انیس ہے۔ پس میں نے ان کی صورت پر ایک فرشتہ پیدا کیا۔ تاکہ وہ ابوبکر کی آواز کی مشابہت میں نداء کرے۔ تاکہ تمہاری وحشت جاتی رہے۔ اور ہیبت قسم کی کوئی چیز ایسی نہ ہو جو تمہارے فہم کو اس چیز سے ہٹائے رکھے جو میں نے تمہارے لئے چاہی ہے۔ بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ جبریل کی کیا خواہش تھی جو تم سے اس نے عرض کی تھی۔ میں نے جواب دیا۔ کہ اے خداوند بخوبی واقف ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم جاری ہوا کہ میں نے ان کی حاجت کو قبول فرمایا لیکن ان کے حق میں جو تمہیں چاہتے ہیں تم کو محبوب رکھتے ہیں اور تمہاری صحبت میں ہیں۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ الہ وسلم نے فرمایا کہ بعد ازاں میری خاطر سبز رنگ کی ایک رفرف بچھا دی گئی۔ اس کا نور آفتاب کے نور پر غالب تھا میری آنکھیں اس سے روشن ہو گئیں اور مجھے اس رفرف پر بٹھلایا گیا۔ پھر رفرف سمیت اوپر اٹھایا گیا حتیٰ کہ عرش پر پہنچ گیا۔ پس

میں نے امر عظیم دیکھا۔ جس کی صفت زبان سے بیان نہیں ہو سکتی۔ عرش پر سے ایک قطرہ میرے نزدیک ہوا۔ اور میری زبان پر گرا۔ پس میں نے اسے اس طرح کا چکھا کہ اس سے شیریں تر کبھی کوئی چیز کسی نے نہیں چکھی۔ اور مجھے اولین و آخرین کی خبر (علم) حاصل ہو گئی اور میرا دل روشن ہو گیا عرش کے نور نے مجھے ڈھانپ لیا پس ہر چیز کو میں نے اپنے دل سے دیکھا اور پیچھے سے بھی اسی طرح نظر آنے لگا جس طرح کہ سامنے سے دکھائی دیتا ہے۔ اور رفرف ایک بچھائی کو کہتے ہیں جو دیبا سے بھی نرم ہوتی ہے۔

تنبیہہ۔ جاننا چاہیے کہ وہ جو ذکر ہوا ہے اس مقام پر رفع حجابات کے متعلق تو یہ حجابات مخلوق کے لئے ہیں نہ کہ خالق کے لئے۔ حق سبحانہ و تعالیٰ اس سے پاک ہے کہ اس کے لئے حجابات ہوں۔ یا اس کے اوپر کوئی چیز اسے ڈھانپے۔ کیونکہ حجاب اس چیز پر ہوتا ہے جو محسوسات سے ہو۔ اور مخلوق اللہ تعالیٰ سے اسماء و صفات اور ان کے افعال کے معانی سے حجاب میں ہے۔ اور مخلوق میں سے ہر فرد کے لئے انوار و ظلمات میں سے ایک معروف مقام ہوتا ہے۔ اور ہر ایک کا ادراک اور معرفت میں حصہ مقرر ہے۔ اور وہ مقرب فرشتے جو عرش کے گرد ہیں۔ اور وہ کروبیاں جو مقرب ہیں وہ محجوب ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی مہابت 'عظمت' کبریائی' جلال' قدوسیت اور قیومیت سے۔ اور حجاب کی صفات ہیں۔ اور فرشتے محجوب ہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک کا طبقہ علیحدہ ہے۔ ہر ایک کا درجہ معین ہے اور مقام مقرر ہے۔ اور سب مخلوق اللہ تعالیٰ سے محجوب اور پردے میں ہے کوئی تو اس منعم کی نعمتوں کی رویت سے اور احوال محول کی رویت سے اور مسبب کے اسباب کی رویت سے محجوب ہیں اور کوئی علم کے اندر علم سے سمجھ کے اندر سمجھ میں اور عقل کے اندر عقل سے محجوب ہیں۔ یہ سب مخلوق منعم کی نعمتوں سے اور عطا کرنے والی ذات کی عطا کے معانی کے لحاظ سے حجاب میں ہیں۔ کوئی تو مباح شہوتوں اور کچھ ان شہوتوں سے جو حرام ہوتی ہیں اور کچھ مخلوق گناہوں اور برائیں سے حجاب میں ہوتی ہے اور کچھ مخلوق وہ ہوتی ہے جو مال اولاد اور دنیا کی زینتوں سے حجاب میں ہوتی ہے اللھم لا یحجبنا فی الدنیا والاخرۃ یہ کلام بعض عارف لوگوں نے یہ بیان یا ہے۔

جاننا چاہیے کہ یہ جو ذکر ہوا ہے۔ ثم دنی فتدلی اس کی تعبیر بیان ہوئی ہے۔ قاب قوسین او ادنی اس کا ذکر معراج شریف کی احادیث میں ہے اور یہ اس کے علاوہ ہے۔ جو کچھ سورۃ والنجم میں ذکر آیا ہے۔ کیونکہ قول مختار کے مطابق جبریل علیہ السلام سے قرابت اور اس کی رویت سے یہ ذکر منسوب ہے اور ظاہری سیاق و سباق بھی اس آیت کا اسی طرح ہے۔ اور کچھ مفسرین نے اللہ تعالیٰ کی رویت اور اس سے نزدیکی کی طرف اس کو محمول کیا ہے۔ جس طرح کہ تفاسیر میں ذکر ہے۔ رب العالمین کی بارگاہ میں نہایت درجہ کا کامل اور ادب اجلال عبودیت کی حد کی نگہداشت ہے۔ دل کا سکون' باطن کا اطمینان اور نہایت درجہ عالی ہمتی یہ بصر اور بصیرت کی موافقت میں ہے۔ بے حد و حساب علامات اور کرامات ظاہر ہوئیں۔ مگر آپ نے کسی ایک کی طرف بھی توجہ نہ فرمائی اور نہ آپ نے کوئی رغبت یا میلان طبع ظاہر کیا۔ پس حق تعالیٰ نے فرمایا مازاغ البصر وماطغی جس طریقے سے بادشاہوں کے سامنے خاص بندے حاضری دیتے ہیں۔ اور یہ کمال اکمل البشر اور رسولوں کے سردار صلی اللہ علیہ الہ وسلم کے علاوہ اور کسی کا حاصل نہیں ہوا۔ عام لوگ اس عادت کے ہیں کہ جب کسی اونچے مقام پر وہ

ٹھہرتے ہیں۔ تو ان کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اس مقام عالی کے بارے میں عام معلومات حاصل کریں اور شرف پائیں۔ جس وقت مناجات کے مقام پر اور کلام کرنے کے رتبہ پر آپ پہنچے تو انہوں نے بھی اللہ تعالیٰ کے دیدار کی خواہش کا اظہار کیا یہ محبت اور خوشی ہوتی ہے۔ وجہ یہ کہ قرب کے مقام پر رعایت ادب رفع ہو جاتی ہے لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جب اللہ تعالیٰ سے قرب پر ہوئے تو اس مقام کے تمام حقوق آپ نے پورے کئے اور کسی دوسری جانب اپنی بصریا بصیرت کے ساتھ توجہ مبذول نہ فرمائی سوائے اس مقام کے جہاں کہ آپ خود موجود تھے۔ آپ نے کوئی آرزو یا خواہش بھی نہ فرمائی لہٰذا مرتبوں اور درجوں سے متعلقہ جملہ منازل آپ طے کر گئے۔ سب سے بلند اور اعلیٰ مرتبہ رویت الیہ ہے۔ اس مقام پر آنخضرت کی اقامت اور مقالات اہل صحو و تمکین میں سے بلند ترین مقام یہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ماکذب الفؤاد دمارای دل نے نہ جھٹلایا جو کچھ آنکھ نے دیکھا۔ بصر اور بصیرت ایک دوسرے کے تائید و تصدیق میں تھیں۔ بصیرت سے جو کچھ دریافت ہوا۔ آنکھ بھی اس ہی کا ادراک کر رہی تھی۔ اور آنکھ سے دیکھی جانے والی ذات دل سے تصدیق کی گئی۔ اور یہ سب کچھ حق اور درست ہے آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے وہ کمال حاصل کیا کہ جملہ اولین و آخرین سے سبقت حاصل کر لی۔ یہاں تک کہ جملہ انبیاء و رسل غبطہ کرنے لگ گئے۔ اور آنخضرت صلی اللہ علیہ الہ وسلم صراط مستقیم پر قائم ہو گئے اللہ تعالیٰ نے آنجناب کی اس استقامت کی قسم کھائی۔ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

یٰس۔ والقرآن الحکیم انک لمن المرسلین علی صراط مستقیم○

ترجمہ۔ یٰسین قسم ہے قرآن حکیم کی تحقیق آپ رسولوں میں سے اور صراط مستقیم پر فائز ہیں۔

یہ تو فضل اور کرم بخشی ہے رب تعالیٰ کی۔ جسے چاہے عطا فرمائے۔ اور وہی بڑے فضل والی ذات ہے ازاں بعد ارشاد فرمایا فاوحی الی عبدہ مالوحی اپنے بندے کو وحی فرمائی جو بھی وحی فرمائی۔ اس میں تمام علوم۔ معارف، حقیقتیں۔ خوشخبریاں، اشارات اور خبریں۔ آثار اور کرامتیں اور تمام و کملات جو اس ابہام میں شامل ہیں۔ اور ہر کثرت اور عظمت و فضل میں شامل ہیں۔ کیونکہ استعمال کردہ صیغہ مبہم آیا ہے۔ اور یہ اشارہ بیان نہیں کیا گیا۔ کیونکہ سوائے علام الغیوب کے اور رسول محبوب صلی اللہ علیہ الہ وسلم کے اور کوئی اس پر حاوی نہیں ہو سکتا۔ بجز اس کے جو آپ نے بیان کر دیا۔ یا جتنا آپ کی روح اقدس کے مقابلہ و محاذات سے باطنوں پر ظاہر ہوا۔ کچھ اولیا اللہ جن کو آنخضرت کی متابعت سے استعداد اور شرافت حاصل ہوئی وہ ان بھیدوں سے کسی حد تک واقف ہوئے۔ واللہ اعلم۔

علماء نے بیان کیا ہے کہ جب آنخضرت عرش پر پہنچے تو عرش نے دامن جلال کو تھام لیا اور ندا کی زبان حال سے۔ اور کہا کہ یا محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) صرف آپ ہی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے جلال سے اپنی احدیث کا مشاہدہ کرایا اور اپنی صمدیت کے جمال سے مطلع کیا۔ اور اس سے ابھی تک تشنہ ہوں اور حیران ہوں کہ کس راہ سے داخل ہوؤں اور اپنے کام کی گرہ کھولوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے بہت بڑی مخلوق بنایا۔ اور میں بڑی مخلوق ہوتے ہوئے ہیبت تحیر اور خوف میں ہوں۔ یا محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مجھے اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا۔ پس میں لرزنے لگا اس کے جلال کی ہیبت سے۔ پس میرے پایہ پر لا الہ

الا اللہ لکھا تو میں مزید ہیبت سے کانپنے لگا۔ پس محمد رسول اللہ لکھا گیا۔ پس میرا قلق ساکن ہو گیا اور میرا اضطراب رفع ہو گیا۔ آپ کا اسم شریف میرے دل کا آرام اور میرے سر کا اطمینان ہو گیا۔ یہ آپ کے نام مبارک کی مجھ پر برکت ہے پس اب کس قدر برکتیں ہوں گی اب تو میں آپ کی مبارک نظروں میں ہوں۔ آپ رسول ہیں تمام جہانوں کے رحمت۔ اس رحمت میں اب میرا بھی لازمی حصہ ہو گا۔ اور میرا حصہ یہ ہے کہ آپ میری برات پر گواہی دیں ان چیزوں سے جن کی نسبت میری طرف اہل زور کی ہے اور مجھ پر افتراء کیا ہے اہل غرور نے کہ میں اپنی گنجائش رکھتا ہوں کہ وہ بے مثل ذات مجھ میں سما سکتی ہے۔ اور اس لامحدود اور بے کیف ذات پر محیط ہو سکتا ہوں۔ اس ذات کی صفات تو ناقابل شمار اور بے حساب میں وہ ذات میری احتیاج کیوں کر رکھ سکتی ہے۔ اور میرے اوپر کس طرح سوار ہو سکتی ہے جب کہ اس کا اسم گرامی رحمٰن اور اس کا وصف استوئی ہے۔ اور صفت اس کی ذات سے اتصال میں ہے۔ پس وہ کیسے میرے ساتھ متصل یا منفعل ہو سکتی ہے یا محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) مجھے اللہ تعالیٰ کے عزت و جلال کی قسم۔ نہ میں وصل سے اس کے قریب ہوں اور نہ میں فصل سے اس سے بعید ہوں۔ میں اس کو اوپر اٹھانے والا بھی نہیں اور نہ میں اسے اپنے میں سما سکتا ہوں۔ رب تعالیٰ نے اپنے فضل سے مجھے پیدا فرمایا۔ اگر وہ چاہے تو مجھے اپنے عدل سے نابود کر سکتا ہے۔ میں اس کی قدرت کا محمول ہوں۔ آنحضرتؐ نے اپنی زبان حال سے عرش کو جواب دیا۔ تو مجھ سے ایک طرف ہو جا۔ مجھے تیری پرواہ نہیں ہے۔ تو میرے وفائے وقت کو مجھ پر غم سے مکدر نہ کر۔ نہ میری تنہائی کو تشویشناک بنا۔ پس آنحضرت نے توجہ اور التفات سے عرش پر نظر ڈالی۔ لیکن اس کی طرف میلان نہ کیا اور اس پر تحریر شدہ کو پڑھا۔ وما اوحی الیہ (جو ان پر وحی کیا گیا) اس بھید سے ایک حرف یہ بھی ہے مازاغ البصر وماطغی

اور بیان کرتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم قاب قوسین کے مرتبہ پر پہنچے تو آپ نے احوال امت عرض کئے۔ اور کہا کہ اے خداوند! تو نے بہت سی امتوں پر عذاب کیا۔ کسی کو پتھروں کے ساتھ اور کسی کو زمین میں دھنسنے کے ساتھ۔ اور بعض کی صورتیں مسخ کرنے کے سے۔ پس میری امت کے ساتھ کیا کرے گا؟ پس حق سبحانہ نے فرمایا ان پر میں اپنی رحمت بھیجتا ہوں اور ان کی بدیوں کو نیکیوں سے بدلوں گا۔ اور جو کوئی دعا مانگے گا میں اس کو لبیک کہوں گا۔ اور جو کوئی مجھ سے سوال کرے گا میں اس کو دوں گا۔ اور جو کوئی مجھ پر توکل کرے گا اس کی کفالت کروں گا۔ دنیا میں ان کے گناہوں کو پوشیدہ رکھوں گا۔ آخرت میں ان پر تجھے شفاعت کرنے والا بناؤں گا۔ اور اگر حبیب اپنے حبیب کے معائنہ کے تحت نہ ہوتا تو میں ان سے حساب بھی نہ لیتا۔

معراج شریف سے واپسی۔ وصل:۔ اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے چاہا کہ اس عالم کی طرف واپس لوٹیں۔ تو اللہ تعالیٰ سے عرض کیا۔ خداوند! ہر خادم کے لئے سفر سے واپسی پر کوئی تحفہ ہوتا ہے۔ اس سفر سے میرا تحفہ کیا ہے۔ اس پر تبارک و تعالیٰ نے فرمایا جب تمہارے امتی مریں گے تو میں ان کا ہوں گا۔ جب وہ قبروں میں ہوں گے تو میں ان کے لئے ہوں گا۔ اور یوم نشور میں بھی ان کے لئے ہوں گا اور ہر حال میں میں انہی کا ہوں گا۔

فطوبی لکم یاامۃ محمد و بشری لکم

اے امت محمد تمہارے لئے خوشی ہے اور خوشخبری ہے۔

جس وقت آپ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم واپس آ گئے اور صبح ہوئی اور آپ نے اس کا ذکر لوگوں سے کیا تو ایک جماعت ضعیف الایمان مرتد ہو گئی۔ اور بعض مشرک لوگ ابو بکر کی طرف بھاگے۔ کیا تجھے اپنے یار کی کچھ خبر ہے کہ وہ کیا کہتا ہے۔ انہوں نے پوچھا کہ کیا فرماتے ہیں وہ انہوں نے کہا کہ وہ کہتا ہے کہ مجھے آج رات بیت المقدس لے گئے تھے۔ ابو بکرؓ نے پوچھا کہ کیا واقعی وہ اس طرح فرماتے ہیں۔ انہوں نے کہا ہاں واقعی وہ اس طرح فرماتے ہیں تو حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا پس جو کچھ وہ فرماتے ہیں میں ان کی بات پر ایمان لاتا ہوں۔ انہوں نے کہا کیا تو یہ تصدیق کرتا ہے کہ وہ راتوں رات بیت المقدس گئے اور صبح سے قبل ہی یہاں واپس آ گئے۔ تو ابو بکر کہنے لگے ہاں میں تصدیق کرتا ہوں۔ بلکہ اس سے دور تر کی بھی تصدیق کرتا ہوں۔ اور اگر وہ کہیں کہ میں آسمان پر گیا اور واپس آیا تو میں اس کی بھی تصدیق کروں گا چہ جائے کہ صرف بیت المقدس کی بات ہے پس اس دن سے ان کا لقب صدیق ہو گیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ اس کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے پاس آئے اور پوچھا کہ یا رسول اللہ! کیا آپؐ نے ان کے ساتھ بیت المقدس میں اس اس طرح جانے کا ذکر کیا ہے۔ تو فرمایا آپ نے فرمایا ہاں میں اس طرح ہی کہتا ہوں۔ تو ابو بکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے سامنے اپنے وہاں جانے اور آنا کا حال بیان فرمائیں۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے حال بیان فرمایا۔ تو ابو بکرؓ کہنے لگے۔ اشھد انک رسول اللہ اور ابو بکرؓ کا آپ سے دریافت کرنا شک و شبہ کی بنا پر نہ تھا۔ وہ رضی اللہ عنہ تو صرف لوگوں سے ہی سن کر اس کی تصدیق کر چکے تھے۔ بغیر اس کے کہ اس کا مفصل حال کوئی بیان کرتا۔ بلکہ آپ کا پوچھنا آنحضرت کے سچ کو قوم پر ظاہر کرنے لئے تھا۔ کیونکہ وہ ابو بکرؓ کی دانائی پر اعتبار کرتے تھے۔ اور ان کی طرف سے تصدیق حجت تھی۔ اس کے باوجود استعلام (نشانیاں پوچھنا) اور استکشاف (وضاحت حالات) کے لئے آ گئے۔ آنحضرتؐ سے بیت المقدس کے حالات و صفات دریافت فرمائے۔ آنحضرت نے سب کچھ بیان فرمایا مسلم کی حدیث میں ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا بعض چیزوں کے متعلق مجھے جواب حاضر نہ تھا۔ پس میں غمناک ہوا اور شدید اندوہ ہوا۔ اس طرح میں کبھی اندوہگین نہ ہوا تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس میری نظروں کے سامنے کر دیا۔ حتیٰ کہ جو کچھ وہ مجھ سے پوچھتے تھے میں جواب دیتا تھا۔

علماء اس میں دو احتمال بیان کرتے ہیں۔ یا تو مسجد اقصیٰ کو اٹھا کر آپ کے سامنے کر دیا۔ جیسے کہ تخت بلقیس کو آنکھ جھپکنے میں سلیمان علیہ السلام کے سامنے لے آئے یا پھر اس کی تمثیل آنحضرتؐ کے سامنے پیش کی گئی جیسے کہ نماز میں بہشت و دوزخ کو متمثل کیا گیا تھا۔ جیسے کہ علماء نے بیان کیا ہے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ درمیان میں سے پردہ اٹھا دیا گیا ہو گا۔ اور بیت المقدس کو جہاں وہ ہے وہیں سے دکھا دیا گیا ہو گا۔ اور ایک روایت میں آیا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے مسجد اقصیٰ کو اٹھا کر لے آئے اور عقیل کے گھر کے نزدیک مجھے دکھایا گیا۔ اس میں میں دیکھتا تھا اور جو کچھ وہ پوچھتے تھے میں بتاتا جاتا تھا۔ اور ام ہانی کی حدیث میں ہے کہ لوگوں نے پوچھا کہ بیت المقدس کے کتنے دروازے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں نے دروازے گنے

نہ تھے۔ اب جو میرے سامنے اسے ظاہر کیا گیا۔ میں نے دروازے گنے اور بتا دیئے۔ بیان کیا گیا ہے کہ جب آنحضرتؐ سفر سے واپس آئے تو راستہ میں قریش کے ایک قافلہ سے گزرے۔ وہ غلہ اٹھائے ہوئے تھے۔ ان میں دو غرارے تھے ایک سیاہ تھا دوسرا سفید۔ جب سامنے والے اونٹ کے سامنے لائے تو وہ بھاگ نکلا۔ ان میں سے دوسرا اسے گھیر کر لے آیا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میں نے انہیں سلام کہا۔ کہنے لگے کہ آواز تو محمدؐ کی آواز ہے جو آرہی ہے۔ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ صلی اللہ علیہ الہ وسلم صبح سے قبل ہی آ گئے اور لوگوں کو جو کچھ دیکھا تھا اس کی خبر دی۔ اور فرمایا کہ اس کی علامت یہ ہے کہ تمہارے اونٹوں پر سے میں گزرا فلاں مقام پر وہ آرہے تھے۔ ایک اونٹ ان کا گم ہو گیا تھا۔ پس اس کو فلاں آدمی واپس لے آیا اور قافلہ کے آگے آگے سیاہ و سفید رنگ کا اونٹ ہے اس کے اوپر سیاہ رنگ کا پلان ہے۔ اور دو غرارے فلاں دن کو یہاں پہنچ جائیں گے۔ جب وہ دن آ گیا اور قافلہ نہ واپس پہنچا تو لوگ انتظار کرنے لگ گئے۔ آدھا دن گزرنے تک مختلف قسم کی باتیں۔ (چہ میگوئیاں) کرنے لگے۔ نصف النہار کے وقت قافلہ پہنچ گیا اس حال میں کہ رسول اللہ نے فرمایا تھا۔ اور منکروں اور دشمنوں کے منہ میں خاک پڑ گئی ایک روایت میں آیا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا تھا کہ بدھ کا دن (چہار شنبہ) کا دن ہو گا کہ قافلہ آئے گا۔ آفتاب غروب کے قریب پہنچ چکا تھا۔ اور ابھی تک قافلہ نہ آیا۔ آنحضرت نے دعا فرمائی اور سورج غروب ہونے سے روک دیا گیا حتیٰ کہ قافلہ آ گیا۔

رویت الٰہی میں پہلے لوگوں کا اختلاف۔ قدیم و جدید علماء اگر صحابہ اور تابعین اور بعد والوں نے معراج شریف کے موقعہ پر حضور صلی اللہ علیہ الہ وسلم کے خدا تعالیٰ کو دیکھنے میں اختلاف کیا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور صحابہ کرام اور سلف ایک جماعت رویت الٰہی نہ ہونے کی طرف ہیں۔ امام بخاری مسروق سے ایک حدیث بیان کرتے ہیں۔ کہ انہوں عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ اے میری ماں! کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا تھا؟ حضرت عائشہ نے فرمایا بے شک تمہارا سوال سن کر میرے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو گئے ہیں اور فرمایا کہ جو کوئی یہ تم سے کہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پروردگار کو دیکھا تھا۔ پس تحقیق اس نے جھوٹ کہا۔ بعد ازاں عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس آیت کی تلاوت کی۔ لا تدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار وھو اللطیف الخبیر مسلم شریف کی حدیث میں آیا ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا من حدثک ان محمدا رأی ربہ فقد اعظم الفریۃ تم سے جو کہے کہ محمدؐ نے اپنے رب کو دیکھا اس نے بڑی بری بات کہی۔ امام نووی اور ابن خزیمہ نے کہا ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے روایت الٰہی کی نفی کسی مرفوع حدیث سے نہیں کی۔ اگر کوئی حدیث مرفوع ہوتی تو ضرور بیان کرتیں انہوں نے صرف اس آیت سے اعتماد اور استنباط کیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کچھ صحابہ نے ان کے اجتہاد کی مخالفت کی ہے اور کوئی صحابی اگر کوئی بات کہتا ہے اور دوسرا اس کی مخالف کرتا ہے تو اتفاق اس پر ہے کہ ایسا قول حجت نہیں ہوتا ہے۔ اس آیت کریمہ کی متعدد توجیہات ہیں۔ اور ادراک اخص ہے۔ رویت سے۔ تو اس کی نفی سے رویت کی نفی نہیں ہوتی ہے۔ ادراک حقیقت کی معرفت ہوتی ہے اور یہ منفی ہے۔ جس طرح کہ کوئی چاند کو دیکھتا ہے لیکن اس کی حقیقت اور کنہ ماہیت کو ادراک نہیں کرتا۔ اور کچھ یوں کہتے

ہیں کہ ادراک احاطہ ہے اور احاطت کے نہ ہونے سے رویت کی نفی نہیں ہوتی۔ جیسے کہ علم کی عدم احاطت کے باعث عدم علم لازم نہیں آتا۔ اور صحیح حدیث میں آیا ہے کہ لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک اے اللہ! جس طرح تونے اپنی حمد و ثنا فرمائی ہے۔ اس طرح مجھ سے تیری ثنا نہیں ہو سکتی۔ اس سے تو یہ لازم ہرگز نہیں آتا کہ بالکل ثنا کی ہی نہیں ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہا اور تابعین رویت الٰہی کو ثابت کرتے ہیں۔ ابن عمر رضی اللہ عنہا سے نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے کسی مرد کو ابن عباس رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا یہ پوچھنے کے لئے کہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ہاں اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو مخصوص فرمایا ہے خلت سے اور موسیٰ علیہ السلام کو اپنے کلام۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو رویت الٰہی سے مخصوص فرمایا ہے۔ اور حضرت بصریٰ رحمتہ اللہ علیہ سے نقل شدہ ہے کہ وہ قسم کھا کر کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا تھا۔ اور روایت ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کہ انہوں نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا تھا۔ اور ابن خزیمہ رضی اللہ عنہ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رویت الٰہی پر زہری، معمر اور بہت سے دیگر صحابہ نے اثبات اور جزم کیا ہے اور اشعری نے بھی یہ ہی کہا ہے اور مسلم نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے پوچھا کہ آیا انہوں نے پروردگار کو دیکھا تھا۔ تو آپ نے فرمایا ھو نور انی کیف اراہ یہ حدیث اس کے خلاف ہے۔ جس میں آیا ہے کہ رایت نورا امام احمد سے بھی رویت کا اثبات نقل کیا گیا ہے۔ امام احمد سے لوگوں نے سوال کیا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول کس طرح اٹھایا جا سکتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ رایت ربی اور نبی کا قول عائشہؓ کے قول سے افضل ہے اور اکبر ہے۔ اور نقاش نے بھی امام احمد سے نقل کیا ہے۔ کہ انہوں نے کہا کہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہا کی حدیث سے جواب دوں گا کہ فرمایا راٰہ راٰہ یعنی اس کو دیکھا اس کو دیکھا۔ اور آپ کہتے ہی گئے۔ حتیٰ کہ ان کی سانس منقطع ہو گئی۔ چند لوگوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا آیا کہ آنحضرتؐ نے اپنے رب کو دیکھا۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ اور سلف میں سے ایک جماعت توقف اختیار کرتی ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم اثبات اور نفی میں سے کسی طرف بھی جزم نہیں کرتے ہیں۔ اور قرطبی نے اس بات کو ترجیح دی ہے انہوں نے کہا کہ کسی طرف بھی قطعی دلیل کوئی موجود نہیں۔ زیادہ سے زیادہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جس چیز سے دونوں فریقوں نے دلیل لی ہے ان کی ظاہری عبارتیں ایک دوسری کے خلاف ہیں اور ان کی تاویل نہیں ہو سکتی اور یہ مسئلہ عملیات میں سے نہیں کہ دلائل ظنیہ سے ثابت کر سکیں۔ بلکہ یہ تو عقائد میں سے ہے اس میں قطعیات ہی کفایت کر سکتی ہیں۔ واللہ اعلم۔

ایک گروہ اس نظریہ پر ہے کہ دل کے ساتھ رویت الٰہی ہوتی ہے نہ کہ سر کی آنکھوں سے۔ دل کی آنکھ سے علم یا دانستہ " مراد نہیں۔ کیونکہ یہ تو ہمیشہ ہی میسر ہے بلکہ اس سے یہ مراد ہے اللہ تعالیٰ نے دل کے اندر رویت کو پیدا کر دیا۔ جس

طرح آنکھ میں نظر پیدا شدہ ہے۔ لہٰذا دل کے جاننے اور دل سے دیکھنے میں فرق ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ابن عباس رضی اللہ عنہ ان دونوں کے اقوال کی تطبیق کرتے ہیں۔ ان میں ظاہری طور پر اختلاف آنکھوں سے دیکھنے میں ہے۔ دل سے دیکھنے میں اختلاف نہیں۔ اس میں سب کا اتفاق ہے۔ (واللہ اعلم)

بندہ مسکین (عبدالحق) بن سیف الدین خصہ اللہ . مزید الصدق والیقین کہتا ہے کہ علماء کا کلام دلائل و آثار اور اخبار کی روشنی میں اس طرح ہے جیسے ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن پھر بھی اس قدر خلجان باقی ہے۔ کہ معراج شریف تو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اتم اور اقصیٰ مقامات و کمالات سے ہے۔ آپؐ کی اس خصوصیت میں کوئی دوسرا نبی آپ کے برابر نہیں نہ ہی کسی انس و ملک کی اس مقام پر گنجائش ہی ہے۔ تو حیرانی اس امر کی ہے کہ اس مقام پر لے جاتے ہیں۔ خلوت خاص میں رسائی ہوئی ہے۔ لیکن اعلیٰ و اقصیٰ چیز جو چاہی گئی۔ یعنی دیدار الٰہی وہ نہ کرایا جائے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اس پر راضی ہو جائیں۔ گو کمال بندگی اور کبریائی خدا تعالیٰ کی سطوت کا ادب یہ تقاضہ کرتا ہے کہ سوال نہ کریں اور کلام کے ذوق سے ہی مست ہو کر خوشی کا اظہار کریں۔ اور دیدار کی طلب نہ کریں جس طرح موسیٰ علیہ السلام نے کیا۔ لیکن وہ کمال محبت اور محبوبیت جو آپ کو اللہ تعالیٰ سے ہے۔ وہ کہا اجازت دیتی ہے کہ ابھی حجاب باقی رہے۔ یہ دولت خواہش کرنے سے ہاتھ نہیں لگتی۔ کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کو دیدار سے مانع ان کی طرف سے سوال طلب اور انبساط تھے کبھی بغیر چاہنے کے دے دیتے ہیں اور گاہے طلب کرنے پر بھی عطا نہیں کرتے۔ غریب و نادر بات تو وہ ہے جو کہ ایک گروہ کہتا ہے۔ کہ جب موسیٰ علیہ السلام طلب کرنے پر بھی محروم رہے تو بے ہوش گر پڑے۔ تو دیکھنے میں آیا جو ہرگز نہ دیکھ سکتے تھے۔ یہ آپ کی شتابی اور بے تابی کی جزا تھی۔ تحقیق یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی ناکامی اس لئے تھی کہ ابھی تک سید المرسلین سید المحبوبین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے نہ دیکھا تھا۔ اور اس دولت تک رسائی نہ ہوئی تھی تو دوسرے کو کیا مجال کہ وہ طلب کرے اور دیکھے اور تمام علماء اس امر پر متفق ہیں کہ دنیا میں روبت الٰہی کا امکان ہے پھر امکان کے بعد کیا چیز مانع ہو سکتی ہے۔ اور مقام معراج دراصل آخرت سے ہے۔ جو کچھ بھی دیکھنے یا پانے کی چیز آخرت میں ہوتی ہے وہ آپ نے دیکھی اور پالی تاکہ مخلوق کو عین الیقین کے ساتھ دعوت دیں۔ جیسے کہ کہا گیا ہے۔

؎ از دیدہ بے فرق بود تابشنید۔

(واللہ اعلم)

xx

باب ششم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالتِ کبریٰ کی صحت ثبوت اور سچائی کے بیان میں معجزات

ایک خارق عادت بات کو معجزہ کہتے ہیں جو رسالت کے مدعی کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہے اس سے تحدی مطلوب ہوتی ہے۔ تحدی برابری کرنے کو کہا جاتا ہے۔ کسی کام میں اور دشمن کو سامنے بلا کر اس پر غالب آنے کو بھی کہتے ہیں اور تحقیق یہ ہے کہ معجزہ میں تحدی شرط نہیں ہوتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے کچھ معجزات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان میں تحدی نہ تھی۔ لیکن وہ جو کہتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ اس کی شان سے تحدی ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے رسالت کے مدعی سے معجزہ واقعہ ہونے کی قید ہی کافی ہوتی ہے۔ اور مشہور امر یہ ہے کہ رسالت کے دعویدار سے جو واقع ہو وہ معجزہ کہلاتا ہے اور غیر نبی سے واقع ہو۔ اگر ایمان کا کمل' تقویٰ و معرفت اور استقامت بھی ہو جو ولایت کہلاتی ہے تو اسے کرامت کہا جاتا ہے۔ اگر کسی عام مومن اور صالح آدمی سے واقعہ ہو تو یہ معونت ہوتی ہے اور کافروں فاجروں سے صادر ہونے والی چیز استدراج کہلاتی ہے۔ سوائے اس کے کہ توبہ اور اسلام کا باعث ہو۔ اور علم کلام میں معجزہ کے بارے میں بہت کلام ہوا ہے۔ اگر اسی پر اکتفا کریں۔ اور یہاں صرف اپنی غرض کے مطابق ہی بحث کریں تو یہ بہتر ہے۔

اور جملہ انبیاء و رسل علیہم صلوٰۃ اللہ و سلامہ کے لئے معجزات ہیں۔ اور کوئی پیغمبر بغیر معجزہ نہیں ہے اور ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے معجزات سب سے زیادہ' وافر' قوی تر' ابہر' اطہر اور اشہر معجزات میں ہیں۔ اور علم کلام کے اندر دلائل و آیات پر مشتمل عبارتیں بہت ہیں۔ اور بے حساب خبریں تورات۔ انجیل اور دوسری آسمانی کتب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نبوت کے دلائل میں آئی ہیں۔ ان میں سے آپ کی ذات کا تذکرہ اور مکہ سے ہجرت کا کچھ ذکر پہلے گزر چکا ہے اور آپ کی پیدائش مبارک کے موقعہ پر اور بعثت پر جو عجائب و غرائب ظاہر ہوئے۔ مثال کے طور پر کفر کے نشانات کا مٹنا مشرکانہ معقلات کی ذلت' شان عرب کی تائیدیں۔ اور ان کے ذکر کی نمود وغیرہ کا ذکر اپنے مناسب مقام پر تفصیلاً ہو گا۔ اصحاب فیل کا قصہ۔ فارس کی آگ کا بجھنا ایوان کسریٰ کنگرے گرنا۔ دریائے ساوہ کا خشک ہونا۔ پجاریوں کے خواب۔ غیب سے آوازیں سننا یہ تمام نشانیاں ہیں آنحضرتؐ کی نبوت اور آپ کی صفات کی۔ آپ کی ولادت مبارک کے بارے میں جو عجائب و غرائب واقعہ ہوئے وہ سب منقول ہوئے۔ جب کہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اتنا مال نہ رکھتے تھے کہ اس سے لوگوں کے دلوں کو گرویدہ کیا جائے۔ آپ کے پاس وہ طاقت اور توانائی بھی نہ تھی کہ لوگوں پر اس سے غلبہ ہوتا۔ وہ دین جو آپ نے ظاہر کیا اور جس کی طرف آپ نے لوگوں کو بلایا اس کے غلبہ کے لئے آپ کے پاس نہ لشکر موجود تھا نہ مال ہی تھا نہ دولت تھی۔ جب کہ لوگ تمام تر بت پرستی پر متفق تھے اور جہالت کی رسمیں اور عادات رکھتے تھے۔ اور جہالت میں بے حد تعصب' بغض فسق و فجور تھے۔ اور انتہائی درجہ تک وہ قتل و غارت میں منہمک تھے کسی نیک کام میں ہرگز اتفاق و اتحاد نہ تھا۔ وہ لوگ اپنے اعمال میں عاقبت سے منہ پھیرے ہوئے تھے۔ وہ کسی عذاب اور سزا کا تو خوف نہ رکھتے تھے نہ ہی کوئی ملامت

ان کے تصور میں تھی۔ ان کے احوال میں اور افعال و اعمال میں آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان کی اصلاح کی۔ ان کے دلوں میں محبت و الفت ڈال دی۔ آپ نے وہ تمام لوگ ایک ہی کلمہ پر اکھٹے کئے۔ حتیٰ کہ وہ متفق الرائے اور مجتمع القلب ہو گئے۔ اور وہ سب کے سب اطاعت گزار اور فرمانبردار ہو گئے ایک دوسرے کے ناصر و مددگار ہو گئے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طلعت و ظہور پر عاشق ہو گئے۔ رسول اللہ کی محبت میں انہوں نے اپنے شہر، وطن اور گھربار قربان کر دیئے۔ آپ کی محبت میں انہوں نے اپنی قوم اور خاندانوں کو چھوڑ دیا۔ اور آپ کی نصرت میں اپنا جان و مال قربان کیا اور تلواروں کے مقابلے میں اپنی جانیں پیش کر دیں کلمتہ اللہ کے اعزاز میں۔ جب کہ کوئی فوج یا لشکر پاس نہ تھا جو ان پر مسلط کر دیا جاتا۔ نہ مال و منال تھے کہ ان کو دے دیا جاتا اور وہ اس کا لالچ کرتے۔ جن ملکوں اور شہروں کو حاصل کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا۔ ان کا انہیں مالک بنایا گیا بلکہ ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بذات خود تصرف کرتے تھے۔ غنی کو فقیر بناتے تھے۔ شریف کو برابر اور متواضع بناتے تھے۔ کیا جو شخص صرف تدبیر عقل اور غور و فکر سے کام کرے اس میں یہ سب احوال اور یہ سب امور جمع ہو سکتے ہیں؟ اور کیا وہ شخص عقلی اختیار اور فکری تدبیر سے اپنے کام سرانجام دے سکتا ہے۔ جب کہ خود حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم یتیم تھے۔ بغیر مال و منال کے تھے۔ بے زور تھے۔ دولت ان کے پاس نہ تھی اور تنہا بھی تھے دنیا میں آپ کا کوئی مددگار اور ساتھی نہ تھا۔ پھر بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو عزت قدرت اور وقار عطاء کیا۔ مدد و نصرت عطاء فرمائی اور قوت و شوکت عطاء فرمائی۔ حتیٰ کہ آپ سب لوگوں پر غالب ہو گئے اور سب پر گرفت آپ کے اختیار میں کر دی۔ اور اللہ تعالیٰ کی قسم کہ یہ سب امور آپ کے مسخر کر دیئے۔ ان باتوں میں کوئی عقل والا شک نہیں کرتا۔ یہ بات پورے یقین سے معلوم ہو جاتی ہے۔ یہ اللہ کا امر اور اس کا فیض ہی تھا۔ بشری طاقت کے ساتھ اس قدر رسائی حاصل کرنا محال عادی ہے اور اس پر کوئی قادر نہیں سوائے خالق قوی کے۔

امی ہونا دلیل نبوت ہے۔ یہ معجزات و دلائل نبوت میں سے ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم امی ناخواندہ تھے۔ کہ وہ اصلاً خط و کتابت نہ جانتے تھے۔ اور کتاب نہ پڑھتے تھے۔ اور آپ بغیر علم اور ناخواندہ پیدا ہوئے تھے اس قوم میں جو سب کی سب امی جاہل اور ناخواندہ تھی۔ الا ماشاء اللہ۔ اور آپ نے ان لوگوں اور اس شہر میں پرورش پائی جس میں کوئی بھی ماضی کی اخبار اور علوم سے واقف نہ تھا۔ نہ ہی آپ نے کسی اس قسم کے شہر کی جانب سفر کیا تھا جس میں کوئی موجود ہوتا اور آپ اس سے علم حاصل کرتے۔ اور آپ کو توارت انجیل اور سابقہ امتوں کی خبروں اور احوال سے واقفیت ہو جاتی۔ اور اس میں شک نہیں ان کتب کے بہت بڑے علماء ہو گزرے تھے جو اپنے متعلق مقالات پر ان کتب مذکور کے ماہرین اور ان پر عبور رکھتے تھے۔ ان میں سے نہایت قلیل اور نادر ہی باقی رہ گئے تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ہر فریق کے ساتھ ایسی حجت قائم کی کہ اگر تمام روئے زمین کے جہاندیدہ اور نقاد لوگ جمع ہو جائیں۔ تو اس کے برابر دلیل نہ لا سکتے۔ اور پہلی دلیل (معجزہ) ہے کہ وہ سب کچھ آپ اللہ تعالیٰ سے ہی لائے تھے جو آپ کے پاس تھا۔ تصور میں لانا چاہیے اور معلوم کرنا چاہیے کہ آپ بغیر کوشش اور تعلیم کے علم و معرفت کے کس قدر بلند مرتبہ پر پہنچے کہ وہاں تک اولین و آخرین علوم

بھی نہیں پہنچ سکتے۔ شیخ سعدی رحمتہ اللہ علیہ نے خوب کہا ہے۔

یتیمے کہ ناکردہ قرآن درست کتبہ خانہ چند ملت بشست

اور دیکھنا چاہیے کہ جو لوگ جہالت اور نادانی اور ناپارسائی کے باعث اسفل السافلین میں تھے وہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی صحبت و خدمتگزاری اور آپ کی تعلیم تربیت کے باعث علم اور عمل کے لحاظ سے اعلیٰ عالی شان تک پہنچے اور سوائے اللہ تعالیٰ کے فضل کے یہ نہیں تھا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم واصحابہ حسب قدر و کمالہ۔ اگر آنحضرتؐ کے اخلاق و صفات کملات و لوضاع اور آداب کو دیکھیں تو پہلی دلیل ملتی ہے کہ آپ کی مانند کوئی دوسرا پیدا ہی نہیں ہوا جس نے دعویٰ نبوت کیا ہو اور معجزات دکھائے ہوں۔ پس کس چیز میں شک و شبہ رہ گیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا سب سے قوی تر، روشن اور باقی رہنے والا اور مشہور معجزہ قرآن مجید ہے۔ جو باقی ہے ہمیشہ کے لئے اور روز قیامت تک پائندہ ہے اور یہ بہت سے معجزات پر مشتمل ہے اس حساب سے کہ سب سے چھوٹی سورت ہے انااعطینک الکوثر اس صورت میں پائے جانے والے معجزات ناقابل شمار ہیں اس طرح اس سورت سے ہی اندازہ کرلیں کہ سارے قرآن میں کتنے معجزات ہیں۔

اعجاز قرآن کی وجوہات۔ قرآن کے اعجاز کی وجوہات بہت زیادہ ہیں۔ قرآن کے معجزہ ہونے کی مفصل پہچان وجوہ اعجاز کی پہچان پر منحصر ہے۔ اجمالی طور پر معرفت اعجاز اس طریقہ پر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے تحدی فرمائی اور ان کو اس جیسی ایک سورۃ ہی لانے کا چیلنج دیا۔ فرمایا۔

لن کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہ

(الایت)

ترجمہ۔ پس وہ اس جیسی کوئی چیز پیش کرنے میں درماندہ ہو گئے اور اپنے جان و اموال کو ورطہ ہلاک و تلف میں ڈال دیا۔

پہلی بحث یہی تھی اگر اس کی مثل فراہم کرلیتے تو ہلاکت میں گرتے۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ آنحضرت نے عرب کے رہنے والوں کے سامنے جو کلام پیش کیا اور وہ اس کی مانند کوئی کلام لانے میں عاجز آگئے۔ یہ دلالت میں واضح تر اور عجیب تر ہے بمقابلہ احیاء موتی کے اور اندھوں بہروں کی تندرستی کے کیونکہ آپ اہل فصاحت 'ارباب بلاغت و خطابت اور یہ پیشہ رکھنے والوں کے سامنے اس جنس کا کلام لائے جو انہی کی زبان میں کہ اس کلام الفاظ و معانی کو وہ جانتے تھے اور سمجھتے تھے۔ باوجود اس کے وہ اس کی مثل لانے سے عاجز آگئے۔ یہ عاجزی و درماندگی اس شخص کی نسبت زیادہ جس نے عیسیٰ علیہ السلام کو کوڑھوں اور اندھوں کو تندرست کرتے اور مردوں کو زندہ کرتے دیکھا ہے۔ وجہ یہ کہ جنہوں نے دیکھا ان کو چیلنج نہ دیا گیا تھا۔ نہ وہ وہاں تک رسائی کا کوئی علم رکھتے تھے۔ لیکن فصاحت کلام اور خطابت و بلاغت تو ان کا خاصہ اور پیشہ تھا اس میں وہ عاجز رہ گئے۔ یہ آپ کی صحت رسالت پر حجت قاطع اور واضح دلیل ہے۔ اور اس میں ہرگز کوئی شک و شبہ بھی نہیں ہے۔

اعاظم علماء حدیث اور شراح حدیث میں سے ابو سلیمان خطابی ہوئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے عہد کے سب لوگوں سے زیادہ دانشمند اور عقلمند ہیں۔ بلکہ وہ قطعی طور پر اور حتماً" رب تعالیٰ کی سب مخلوق میں سے زیادہ عقل والے ہیں۔ وہ اس کی مثل و نظیر لا سکتے تھے۔ اگر اس طرح کا علم آپ نہ رکھتے یعنی خدا تعالیٰ کی طرف سے پھر بھی آپ کی خبریں ہرگز تخالف نہ ہوتا۔ پھر بھی یہ لوگ آنجناب کی عقل تک رسائی سے محروم ہوتے۔ اور یہ تحدی حتمی اور قطعی رہتی۔ جس طرح فرمایا گیا ہے ولن تفعلوا (اور تم ہرگز ایسا نہیں کر سکتے) المختصر یہ کہ آپ نے ان کو چیلنج دیا۔ اور وہ لوگ مقابلہ میں آنے سے عاجز رہ گئے۔ یہاں تک کہ ان کے سب جماعتوں دوستوں کے ساتھ ان کو جمع ہونے کی مہلت بھی دی گئی۔ لیکن ایک بھی تو ان میں نہ تھا۔ جو معارضہ و مقابلہ میں سامنے آسکتا اور اس مقام پر وہ کھڑا ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

لئن اجتمعت الانس والجن علی ان یا توا بمثل ھذا القرآن لا یاتون بمثلہ ولو کان بعضھم لبعض ظھیراo

ترجمہ۔ اگر سب جن وانس بھی اس قرآن کی نظیر لانے کے لئے مجتمع ہو جائیں تو نہیں لا سکیں گے خواہ وہ ایک دوسرے کی مدد ہی کریں۔

حدیث میں وارد ہوا ہے کہ ایک روز بیت اللہ شریف کے ایک کونے میں آنحضرت اکیلے ہی بیٹھے تھے۔ قریش کی مجلس میں ابن ربیعہ بیٹھا ہوا تھا۔ اور وہ اشقیاء قریش میں سے تھا۔ اس نے کہا اے گروہ قریش میں اس شخص (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کے قریب جاتا ہوں اور کچھ باتیں کرتا ہوں۔ ممکن ہے وہ ان میں سے چند کو قبول کرے اور اپنے اس کام سے رک جائیں۔ اور ہمارا پیچھا چھوٹ جائے۔ قریش نے اس سے کہا اے ابو الولید! تم نے درست کہا ہے۔ جاؤ عقبہ وہاں سے اٹھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آ بیٹھا اور باتیں کرنے لگا اور مال و منال اور جو کچھ آپ چاہیں اس کا لالچ اور ترغیب دینے لگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کچھ سنا۔ اس بعد آپ نے فرمایا اے ابو الولید! کیا تو اپنی بات سے فارغ ہو چکا ہے۔ اس نے کہا ہاں۔ تو آپ فرمانے لگے کہ مجھ سے بھی ایک چیز سنو۔ اس نے کہا کہو جو کچھ تم کہنا چاہتے ہو۔ پس آپ نے فرمایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ حم تنزیل من الرحمٰن الرحیمo کتب فصلت ایاتہ قرانا عربیا لقوم یعقلونo بشیرا و نذیراo

ترجمہ۔ حم یہ نازل شدہ ہے۔ بڑے رحمٰن و رحیم کی طرف سے۔ اس کتاب کی آیات مفصل ہیں۔ عربی زبان میں قرآن عقلمندوں کے لئے خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا۔

پس جب عقبہ نے سنا تو کان دھرے۔ خاموشی اختیار کئے رہا اور دونوں ہاتھوں کو پیچھے کی طرف کر کے ان پر ٹیک لگائے ہوئے تھا۔ پس آنحضرت پڑھتے گئے حتیٰ کہ سجدہ کی آیت تک پہنچے تو آپ نے سجدہ کیا بعد ازاں آپ نے فرمایا۔ اے

ابو الولید! تو نے سنا اس نے کہا ہاں میں نے سنا ہے یہ تمہارا کلام تو اپنے کام میں لگا رہ اور کسی سے مت ڈر۔ پس عتبہ اپنی قوم کے پاس آیا۔ جب انہوں نے اسے دیکھا تو ان میں سے بعض کہنے لگے۔ اللہ کی قسم' عتبہ اس چہرے کے ساتھ نہیں آیا جس کے ساتھ وہ گیا تھا۔ پس عتبہ جب ان میں جا کر بیٹھا تو کہنے لگا۔ واللہ میں نے اس سے ایسی چیز یا بات سنی ہے کہ اس سے قبل کبھی نہ سنی تھی اس کی مثل کوئی بات۔ واللہ یہ شعر بھی نہیں ہے اور نہ جادو نہ کہانت۔ اے گروہ قریش! اسے اس کام میں لگا رہنے دو۔ کیونکہ وہ درست ہے۔ پس میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس کے کلام کی شان بہت بڑی ہے اور وہ عجیب ہی کلام ہے۔ اور خدا کی قسم تم جانتے ہو کہ جب وہ کوئی بات کرتا ہے وہ کبھی دروغ نہیں ہوا۔ اور جو دعاوہ زمین پر کرتا ہے کبھی رائیگاں نہیں گئی۔ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں عذاب نہ نازل ہو جائے (رواہ البیہقی وغیرہ) اور ابوذر رضی اللہ عنہ کے اسلام والی حدیث ہے کہ جب انہوں نے اپنے سے پہلے اپنے بھائی کو جس کا نام انیس تھا۔ معلوم کرنے کے لئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے احوال شریف کی خبر لانے کے لئے بھیجا وہ واپس آئے تو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے بتایا۔ کہ خدا تعالیٰ کی قسم۔ میں نے اپنے بھائی سے بڑھ کر کسی دوسرے کو شاعر نہیں دیکھا۔ اور نہ ہی کوئی سنا۔ اس نے جاہلیت کے دور میں بارہ شاعروں کو ہرایا تھا جن میں سے خود میں بھی ایک ہوں۔ جب وہ مکہ میں گئے اور واپس آ کر مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حالات آ کر بتائے۔ میں نے سوال کیا کہ لوگ ان کے متعلق کیا باتیں کرتے ہیں۔ اس نے کہا کہ کوئی تو ان کو شاعر کہتا ہے۔ اور کوئی کاہن بتاتا ہے قسم ہے خدا کی کہ میں خود بھی شاعر ہوں۔ اور کاہن لوگوں کی باتوں کو بھی میں نے سنا ہوا ہے۔ وہ نہ شاعر ہے اور نہ کاہنوں کی طرح کی کوئی بات ان میں ہے۔ وہ بالکل سچے ہیں اور لوگ بالکل جھوٹے ہیں۔

قریش میں سب سے زیادہ فصاحت و بلاغت کا ہنر رکھنے والا ولید بن مغیرہ تھا۔ اس نے کئی دفعہ قرآن پاک کو سنا اور کہتا تھا۔ واللہ ان لہ حلاوۃ وان علیہ الطلاوۃ اللہ کی قسم اس میں بہت مٹھاس ہے اور عجب قسم کی لذت اس میں پائی جاتی ہے۔ اور خدا کی قسم قرآن پاک میں ایسی شیرینی' تازگی اور رونق پائی جاتی ہے کہ کسی دوسرے کلام میں نہیں۔ وان اعلاہ لمثمر و اسفلہ لمعزق اور بے شک اس کا اوپر والا حصہ پھل والا ہے۔ اور اس کا نیچے والا حصہ سیراب ہے۔ وماھو قول البشر اور وہ کسی بشر کا کلام نہ ہے انہ لیعلو ولا یعلی بے شک وہ بلندی پر پہنچے گا اور کوئی دوسرا اس پر غالب نہ آئے گا۔ نیز ابن ولید اپنی قوم سے یہ کہتا تھا کہ خدا کی قسم تمہارے اشعار کو جاننے والا تم میں مجھ سے بڑھ کر کوئی نہیں۔ اور نہ کوئی جنوں کی شعروں سے واقف ہے۔ خدا کی قسم جو کچھ وہ کہتے ہیں۔ اس سے بہتر کسی دوسرے کا کلام نہیں ہے۔ ایک اور روایت میں بھی آیا ہے کہ حج کے ایک سال سب قریشی قبائل آئے ہوئے تھے تو ولید بن مغیرہ نے کہا کہ عرب کے تمام وفود آ چکے ہیں۔ امید کی جاتی ہے کہ وہ سب ایک رائے پر اتفاق اور اجتماع کر لیں گے۔ نہ ایک دوسرے کو جھوٹا کہیں گے۔ اور ایک دوسرے کے خلاف رائے نہ رکھیں تو لوگ کہنے لگے ہم سب اکٹھے ہو کر اس کو کاہن بتائیں گے۔ ولید کہنے لگا خدا کی قسم وہ کاہن نہیں ہے نہ ہی کاہنوں کی طرح اس کے قول میں گنگناہٹ اور سجع ہے پس انہوں نے کہا کہ ہم کہیں گے وہ مجنون ہے۔ ولید نے کہا۔ واللہ وہ مجنون بھی نہیں ہے وہ تمام لوگوں سے زیادہ اعقل ہے۔ انہوں نے کہا پس ہم کہتے ہیں کہ وہ شاعر ہے۔ اس نے کہا کہ

نہیں وہ شاعر بھی نہیں۔ ہم شعر کو جانتے ہیں اور اس کی تمام اقسام کو پہچانتے ہیں۔ رجز اور ہزج اور قرض اور مبسوط اور مقبوض، لیکن وہ تو شاعر ہے نہیں۔ انہوں نے کہا پس ہم کہتے ہیں کہ وہ جادوگر ہے اس نے کہا واللہ وہ جادوگر بھی نہیں اور نقش و تعویز گنڈا بھی نہیں ہے۔ اور اس نے کہا کہ تم جو کچھ بھی کہتے ہو اس قسم کی باتیں میں جانتا ہوں کہ سب غلط اور باطل ہیں (رواہ ابن اسحاق و بیہقی) اور علماء نے کہا ہے کہ اگر قرآن پاک ایک کتاب کی صورت میں تحریر شدہ کسی بیابان میں لوگوں کو پڑا ہوا ملتا۔ اور پتہ نہ ہو تا کہ وہاں کس نے رکھا ہے اور کون اس کو لایا ہے تو عقل سلیم اور فہم مستقیم کے تمام لوگ گواہی دیتے کہ یہ خدائے عزوجل کی طرف سے نازل شدہ ہے اور کہ بشر کی قوت میں نہیں کہ اس طرح کی تالیف کر سکے اور جب راست گو اور پرہیزگار آدمیوں کے ہاتھ آتا تو وہ ضرور کہتے کہ یہ کلام خدا ہے اور خلائق کو اس میں تحدی کی گئی ہے۔ کہ اس کی مانند ایک سورت ہی بنا لائیں۔ لیکن سب عاجز آگئے تو پھر اور کیا شک شبہ باقی رہتا ہے۔ اعجاز قرآن کے عرفان کے لئے یہ اجمالی وجوہات ہیں۔ یہ طریقہ آسان ہے اور اس میں عالم و جاہل سب شامل ہیں اور مناسب انداز یہی ہے کہ کیس قرآن کی قرانیت کا ثبوت پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے قول سے ہے اور پیغمبر کی نبوت کا ثبوت ان کے معجزات ہیں۔ لیکن وہ تفصیلی طریقے جن میں فصاحت و بلاغت۔ عجیب و غریب انداز بیان اور غیب کی خبریں دینے کے لحاظ سے اعجاز قرآن کا ثبوت ہے۔ یہ مناسب ہے دوسرے نظریہ والوں کے جو یہ کہتے ہیں کہ اعجاز قرآن کا ثبوت ان وجوہ کی بناء پر ہے۔ قرآن سے غیوب کا ثبوت ان علماء سے مخصوص ہے جو فصاحت و بلاغت کے معانی کا ادراک کرتے ہیں۔ لیکن اعجاز قرآن کی معرفت کی وجوہ متعدد ہیں۔ پہلی ہے ایجاز و بلاغت قرآن۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ لکم فی القصاص حیوۃ (تمہارے لئے قصاص میں زندگی ہے) ان دو کلموں میں جن کے عدد صرف دس ہیں کثیر معانی جمع کر دیئے گئے ہیں۔ اور حضرت ابوعبیدہ سے مروی ہے کہ ایک بدوی نے ایک مرد کو کہتے ہوئے سنا کہ اس نے یہ پڑھا۔ فاصدع بما تومر تو اس نے سجدہ کیا یعنی بدوی نے پڑھنے والے نے پوچھا یہ سجدہ کیسا ہے تو بدوی نے کہا میں نے اس کی فصاحت کو سجدہ کیا ہے۔ دیگر ایک مرد کو اعرابی بدوی نے سنا کہ وہ پڑھتا ہے۔ فلما استیاسوا منہ خلصو نجیا جب اس سے مایوس ہو گئے تو انہوں نے اس سے علیحدگی کر لی تو بدوی کہنے لگا کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ کوئی بھی مخلوق میں سے اس کی مثل و مانند لانے پر قدرت نہیں رکھتا۔ اور بیان کیا گیا کہ ایک روز عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ مسجد میں سوئے ہوتے تھے۔ ناگاہ امرائے روم میں سے ایک آدمی آیا۔ اور آپ کے سر کے پاس کھڑا ہو گیا۔ اور اس نے حق کی گواہی دی۔ وہ عربی زبان کو بخوبی جانتا تھا۔ اس نے کہا کہ مسلمان قیدیوں میں سے ایک قیدی کو میں نے تمہاری کتاب میں سے پڑھتے سنا ہے میں نے اس پر سوچا تو دیکھا کہ اس آیت میں وہ تمام کچھ جمع کر دیا گیا ہے جو عیسیٰ علیہ السلام پر احوال دنیا و آخرت کے بارے میں بھیجا گیا تھا۔ باوجود بڑے اختصار کے۔ وہ آیت یہ ہے۔

من یطع اللہ و رسولہ و یخش اللہ و یتقہ فاولئک ھم الفائزون ○

اور اصمعی سے ایک حکایت بیان کی گئی ہے۔ انہوں نے نہایت فصاحت کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے ایک لڑکی کو سنا۔ اس کی فصاحت پر وہ بڑے حیران ہوئے۔ لڑکی نے کہا کہ اس کلام الٰہی کے باعث کیا تم مجھے فصیح سمجھتے ہو اللہ تعالیٰ نے فرمایا

ہے کہ۔

ولو حینا الی ام موسیٰ ان ارضعیہ فاذا خفت علیہ فالقیہ فی الیم ولا تخافی ولا تحزنی انا رادوہ الیک وجاعلوہ من المرسلین○

ترجمہ۔ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو وحی فرمائی کہ اس کو جنو۔ اور جب خطرہ ہو تو اسے دریا میں ڈال دو اور خوف و حزن نہ کرنا ہم اسے واپس تمہارے پاس لے آئیں گے اور اسے رسولوں میں سے کریں گے۔

اس ایک ہی آیت میں دو حکم' دو نہی' دو خبریں' اور دو ہی بشارتیں اکٹھی کی گئی ہیں اور ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ

ادفع بالتی ھی احسن فاذا الذین بینکو بینہ عداوۃ کانہ ولی حمیم○

ترجمہ۔ اس کو اچھی طرح سے دور کر دو اور جب اس کے اور تمہارے درمیان عداوت ہو جائے جیسے کہ وہ ولی حمیم ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ ارشاد یہ بھی ہے۔

یاارض ابلعی مائکو یاسماء اقلعی

ترجمہ۔ یا زمین! تو اپنا پانی جذب کر لے اور اے آسمان تو پھٹ جا

اس کی مانند اور بھی متعدد آیات ہیں۔ جو نہایت مختصر ہیں اور ایجاز لفظ کے ساتھ ساتھ معانی کثیرہ' عظیم مفاہیم' الفاظ کی حسین ترکیب اور اتصال کلمات کی حامل ہیں اور حسن عبارت و لطف تالیف حروف ان میں مثالی و بے نظیر ہیں۔ اسی طرح لمبے قصوں میں اور سابقہ لوگوں کی خبروں میں فصحائے کلام کی علامتیں ست پڑ جاتی ہیں۔ قرآن پاک میں قصہ یوسف علیہ السلام میں وہ رونق اور آب و تاب ہے۔ باوجود طوالت کے الفاظ میں بڑا ربط ہے اور التیام ہے عبارت میں شستگی اور روانی یہ سب چیزیں غور و فکر کرنے والوں کے لئے بہت بڑے دلائل و براہین ہیں۔ اور ان کے لئے اور ارباب فہم کے لئے باعث عبرت اور ندامت ہیں۔ اس قسم کے اعجاز قرآن کو پالینا یہ عربوں کے سلیقہ اور ان کے ذوق و شوق پر موقوف ہے۔ جب کہ وہ ماہر کلام و زبان ہوں۔ گو عربی زبان کے ماہرین نے اس فن میں بہت علوم منضبط کئے ہیں اور انہوں نے کئی کتابیں تدوین کی ہیں۔ باوجود ان سب کے جاہلان عرب' عربی عورتوں اور غلاموں میں بھی ان کا مخصوص ذوق' وجدان اور سلیقہ ہے۔ جو غیر عرب عالموں' مردان روزگار اور بزرگوں میں بھی نہیں پایا جاتا ہے۔ اور نہ اس کا امکان ہے۔

اعجاز قرآن کی دوسری وجہ حیران کن نظم کی صورت اور غریب و نادر انداز ہے جو کہ فواصل قواطع مخالف اور سب کلام عرب کے مباین ہیں۔ ان کے طریقے اور مناہج بہ سلسلہ نظم و نثر' خطبات و اشعار اور ارجاز و اسجاع جو ان کے معمولات ہیں۔ اور یہ ایک مزید صنف کلام ہے جس میں کلام قرآن پاک ان کے کلام سے ممتاز ہے۔ اور عربوں کے کلام میں یہ کلام

خدا نہ خلط ملط ہوتا ہے نہ مشتبہ ہوتا ہے جب کہ عربوں کے کلام کی جنس سے ہی قرآن کے کلمات اور حروف ہیں۔ جو عربی لوگ اپنی نظم اور نثر میں عام استعمال کرتے ہیں۔ اس ہی امر میں تو عربوں کے بڑے بڑے عقلمند بھی متحیر ہیں اور عربی خطیب اور کلام کے بلیغ لوگ حیرت زدہ اور سرگردان ہیں۔ ان کو اپنے کلام میں اس طرح کے خصائص پیدا کرنے کا طریقہ نہیں آتا اور قرآن پاک سے مقابلہ کی طاقت ان میں نہیں ہے۔ بوجہ قاہر و باہر دلائل کے اور براہین ساطعہ کے۔ پس جب ولید بن مغیرہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے قرآن پاک کی آیات سنیں۔ اس کا قلب پسیج گیا اور اسے اس کا اعتراف بزبان خود کرنا پڑا بعد ازاں ابو جہل وہاں آیا اور وہ اس کو زجر کیا یعنی سخت سست کہا اور اس کا انکار کیا۔ جس طرح کہ تمام اشقیاء قریش کرتے تھے۔ جب کہ وہ بلاغت و فصاحت کے حاذق و ماہر اور عارف لوگ تھے۔ وہ تمام کے تمام قرآن کے طریقہ بیان اور طریقہ کلام سے حیرت زدہ تھے اور وہ اعتراف کرتے تھے۔

چند بے وقوف اور نادان لوگوں کے بارے میں نقل کیا گیا ہے کہ وہ چاہتے تھے کہ اس کا مقابلہ کریں۔ لیکن ذلیل ہو گئے۔ جس طرح یحیٰی بن غزالی تھا وہ اپنے دور کا بے مثل فصاحت و بلاغت کا حامل تھا۔ اس نے خواہش کی کہ قرآن کا مقابلہ کرے۔ اس نے سورت اخلاص دیکھی۔ اور کوشش بھی کی اس طرح عبارت منضبط کرے۔ اس میں اس نے بڑی محنت کی۔ مگر اسے طاقت نہ ہوتی حتیٰ کہ اس پر اللہ تعالیٰ کی ہیبت اور خشیت طاری ہو گئی۔ تو اس نے اس نیت سے توبہ کی۔ کہ جب کہ وہ اپنے زمانہ میں بڑا مقفیٰ، مسجع اور فصیح کلام مرتب کر چکا تھا۔ اور قرآن کی سورتوں کی مانند اس نے بھی اس کا نام "مفصل" رکھا تھا۔ ایک دن وہ چھوٹے بچوں کے مدرسہ کی طرف سے گزرا۔ بچے یہ آیت تلاوت کر رہے تھے۔ قیل یا ارض ابلعی ماء ک (اے زمین اپنا پانی نگل جا) یہ سن کر وہ واپس اپنے گھر میں آیا اور اپنی تحریر کو تلف کر دیا۔ اور اس نے کہا اللہ کی قسم میں شہادت دیتا ہوں کہ ہرگز کوئی شخص کلام قرآن کا مقابلہ کرنے کی تاب نہیں رکھتا۔ اور کہ یہ کلام بشر نہیں ہے۔

تیسری وجہ اعجاز قرآنی کی یہ ہے کہ اس میں غیبی خبریں دی گئی ہیں۔ جن کا نہ وقوع ہوا نہ وہ ظاہر ہوئی تھیں۔ اور جب ان کا وقوع ہوا تو اس طریقہ سے ہوا جس طرح خبروں میں دیا جا چکا تھا۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ لتدخلن المسجد الحرام ان شاء اللہ آمنین تم ضرور انشاء اللہ امن سے بیت اللہ شریف میں داخل ہو گے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا وھم من بعد غلبھم سیغلبون تاکہ تمام ادیان پر دین اسلام کو غالب کریں۔

نیز اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا۔ لیظھرہ علی الدین کلہ نیز اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا۔ وعد اللہ الذین امنو منکم و عملو الصالحات یستخلفنھم (اللہ تعالیٰ کا ایمان داروں نیک اعمال والوں سے وعدہ ہے کہ انہیں زمین میں خلیفہ بنائے گا۔) نیز یہ بھی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اذا جاء نصر اللہ والفتح۔ انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون۔

لہٰذا اسی طرح ہوا کہ مکر و فریب، حیلہ و بہانہ اور طاقت سے لاتعداد دشمنوں، ملحدوں اور معطلہ و قرامطہ نے مل کر کوشش کی۔ کہ قرآن کے نور کو بجھا دیا جائے۔ لیکن انہیں کامیابی نہ ہو سکی۔ اور اس کی ایک آیت یا کلمہ میں بھی کوئی تبدیلی

نہ کرپائے۔ نہ ہی وہ قرآن کے کسی ایک حرف کے بارے میں بھی اہل اسلام کے سامنے کوئی شک و شبہہ پیدا کر سکے اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا سیھزم الجمع و یولون الدبر یہ لوگ جلدی پیٹھ پھیرلیں گے اور ہزیمت اختیار کریں گے۔ نیز اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے۔ قاتلوھم یعذبھم اللہ بایدیکم تم ان کو قتل کرو۔ تمہارے ہاتھوں سے اللہ تعالیٰ انہیں عذاب کرے گا۔

اللہ تعالیٰ کا یہ بھی ارشاد ہے۔

ولا یتمنونہ ابدا — وہ اس کی کبھی بھی تمنا نہ کریں گے

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

ولن تفعلوا — وہ ہرگز ایسا نہیں کر سکیں گے۔

اعجاز قرآن کی چوتھی وجوہ کے سلسلہ میں سابقہ اقوال کے حالات و واقعات اور حوادث ہیں جو چند لوگوں کے علم میں ہیں اور اکثر لوگ وہ نہیں جانتے تھے۔ مثلاً قصہ اصحاب کہف اور شان حضرت موسیٰ علیہ السلام و خضر علیہ السلام اور احوال ذوالقرنین نیز قصہ حضرت یوسف علیہ السلام و برادران حضرت لقمان اور ان کے بیٹوں کی حکایت اور دوسرے نبیوں کی امتوں کے ساتھ ان کے احوال و کوائف علاوہ ازیں لاتعداد خبریں جو تعلق رکھتی ہیں سابقہ امتوں' شرائع اور اگلے پچھلے علوم کے ساتھ اہل کتاب میں سے صرف وہ لوگ ان امور سے واقف تھے۔ جنہوں نے ان سے متعلق علوم کے حصول میں اپنی زندگیاں صرف کر دی تھیں۔ یہ واقعات اس طرح اور اس انداز میں قرآن میں لائے گئے۔ کہ ان کی درستی اور سچائی ان لوگوں کو تسلیم کرتے ہی بنی جب کہ وہ اچھی طرح جانتے تھے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم امی تھے۔ نہ انہوں نے لکھنا پڑھنا سیکھا تھا اور نہ آپ نے کسی دارالعلوم میں درس و تدریس کی تھی۔ آپ ان کی مجالس میں بھی رونق افروز نہ ہوئے تھے۔ ان کی موجودگی میں وہ کبھی وہاں سے باہر نہ گئے تھے۔ تاہم وہ ایسی خبریں بیان کرتے تھے۔ جو تورات انجیل' ابراہیم' موسیٰ کے صحائف اور دیگر انبیاء کی کتابوں میں موجود ہیں۔ اعجاز قرآن کی وجوہات میں یہ چار امور بالکل عیاں ہیں ان میں کسی قسم کا اخفاء اور شک و شبہ یا جھگڑہ ہرگز نہیں ہے۔ علاوہ ازیں وجوہات اعجاز قرآن صفات قرآن کی مانند ہیں۔ جو اہل علم بیان کرتے ہیں۔ وجہ یہ کہ قرآن کو خاص امتیاز اور انفرادیت حاصل ہے۔ کسی دوسرے کلام کو اس کے ساتھ مشارکت نہیں ہے۔ ان میں ایک صفت یہ ہے کہ سننے اور سناتے وقت قرآن سے خوف اور ہیبت ظاہر ہوتے ہیں۔ جب قاری اس کی تلاوت کرتے ہیں۔ تو ان پر رعب پڑ جاتا ہے۔ کفار اور مکذبین پر اس سے بھی زیادہ ہے۔ ان پر اللہ تعالیٰ کا قہر اور جلالیت ہوتی ہے۔ اس فرق کا باعث یہ ہے کہ منکرین اور جھٹلانے والوں پر قرآن کا سننا بڑا بوجھل ہوتا ہے۔ ان میں مزید نفرت ہوتی ہے۔ سینے ان کے مزید تنگ ہو جاتے ہیں۔ وہ قرآن سے دور رہنا چاہتے ہیں اور اس کو سننا ان کی ناپسند ہوتا ہے۔ قرآن کی ہیبت اور رعب مومنین مصدقین پر بھی پڑتا ہے۔ ان کا ذوق اور شوق اور زیادہ ہوتا ہے۔ اور ان کا باطن میں انجذاب' خفت' ارتباع اور انشراح حاصل ہوتے ہیں۔ یہ انجذاب اس کے دل کے میلان و محبت اور تصدیق کے باعث ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تقشعر منہ جلود الذین یخشون ربھم جو لوگ اللہ سے ڈرتے ہیں ان کے رونگٹے قرآن کے باعث کھڑے

نیز اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے کہ ثم تلین جلودھم و قلوبھم الی ذکر اللّٰہ ان کے جسم اور قلوب اللہ کے ذکر کی جانب جھکتے ہیں۔ نیز اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے کہ لو انزلنا ھذا القران علی جبل لرایتہ خاشعا متصدعا من خشیۃ اللّٰہ

اگر پہاڑ پر ہم قرآن کا نزول فرماتے تو پہاڑ کو آپ خوف و خشیت الٰہی سے جھکتا لرزتا ہوا دیکھتے۔ اس آیت میں اس امر کی دلالت پائی جاتی ہے کہ قرآن کی یہ خصیت و مبیعت بہت بڑی ہے۔ گو سننے والا اہل علم و فہم نہیں ہوتا۔ نہ وہ اس کے معانی و تفسیر ہی جانتا ہے۔ اور یہ حال عورتوں' جاہل مردوں اور عوام الناس کے حال سے اس چیز کا مشاہدہ ہو سکتا ہے کہ وہ اس کے سننے سے متاثر اور متنبہ ہوتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ دیگر کلاموں کی طرح یہ کلام نہیں ہے۔ ایک نصرانی کی حکایت بیان کرتے ہیں۔ کہ ایک قرآن پڑھنے والے کے پاس سے ایک نصرانی گزرا۔ وہ قرآن کی آواز سن کر کھڑا ہو گیا اور رونے لگا۔ اسے کہا گیا کہ کس وجہ سے روتا ہے جب کہ تو قرآن کو سمجھتا نہیں ہے۔ اس نے کہا کہ اس نظم کی لطافت سے اور اس ذوق طرب سے روتا ہوں جو اس قرآن عظیم سے حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ رعب اور ہیبت قرآن کے سننے سے ایک اور جماعت پر بھی طاری ہوا تھا۔ جب کہ ایمان ابھی تک نہ لائے تھے۔ جس کے باعث وہ بلا توقف ایمان لے آئے تھے۔ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کو مغرب کی نماز کے دوران سورت طٰہٰ کی تلاوت کرتے ہوئے میں نے سنا۔ جب آپ اس آیت پر پہنچے۔ ام خلقوا من غیر شئی ام ھم الخالقون ام ھم المصیطرون۔ کیا ان کی پیدائش کی کوئی بنیادی اصل نہیں ہے۔ یا وہی بنانے والے ہیں۔ میں نے اسے سنا تو قریب تھا کہ میرا دل نکل جائے یا جان نکل جائے اور یہ پہلا موقع تھا کہ میرے دل میں ایمان ڈالا گیا۔ اور عتبہ بن ربیعہ نے آنحضرت سے سورت حم سجدہ سنی وہ مدہوش و متاثر ہوا۔ پس وہ اپنی قوم کے پاس گیا اور کہا واللہ! محمد علیہ السلام نے میرے ساتھ اس طرح کا کلام کیا ہے کہ میرے کانوں نے کبھی ایسا کلام نہیں سنا اور مجھے سمجھ نہ آتی تھی۔ کہ کیا کہوں اس کو لیکن وہ اپنے کفر پر ثابت قدم رہا۔ اور ایمان نہ لایا خدا پر اور اس کا عناد اس جگہ پر معلوم ہو گیا۔ اور ایمان اللہ تعالٰی کی عطا ہوتی ہے۔ اور اس بارے میں علم اور دانش کام نہیں آتے۔ یعرفونہ کما یعرفون ابناءھم و جحدوا بھا۔

یہ بھی وجہ اعجاز قرآن ہے کہ نہ قاری ہی قرآن سے اکتاتا ہے اور نہ ہی سننے والا ناپسند کرتا ہے۔ بلکہ اس سے تو حلاوت سرور محبت و تازگی اور لذت مزید بڑھتی ہے۔ اور جب اکیلے ہوں۔ خلوت ہو تو اس کی لذت اور تلاوت سے انس پیدا ہوتا ہے۔ یہ کیفیت بہر حال ہوتی ہے۔ بہ نسبت دیگر انسانی کلاموں کے خواہ وہ بلاغت و فصاحت کے لحاظ سے بلند مرتبہ رکھتے ہوں۔ ان کی تکرار بالکل اچھی نہیں لگتی۔ جس طرح کہ تجربہ میں آیا ہے یہ سب احوال بہ شرط ایمان و محبت ہیں۔ لیکن کفار و منافقین کے لئے تو سوائے کسارہ کے کچھ نہیں ہے۔

قرآن کی ایک وجہ اعجاز یہ بھی ہے کہ اس میں وہ علوم معارف جمع شدہ ہیں جو عربوں کے اس عہد میں نہ تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بھی نبوت سے پہلے ان کو نہ جانتے تھے۔ اور گذشتہ امتوں سے بھی کسی عالم نے نہ ان کا احاطہ کیا تھا۔ اور نہ ان کے ساتھ قیام کیا تھا۔ اور ان کی کسی کتاب میں بھی وہ علوم موجود نہ تھا۔ عالم شرائع محاسن آداب و شیم'

مواعظ، حکمتیں، انبیاء، کی سیرتیں اور امتوں کی اور عالم آخرت کی خبریں اور آثار کو اکمل اور اتم طریق اس میں جمع کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جل وعز کی توحید اس کی کمل اوصاف پر عقلی حج یقینی دلائل اور ظاہر براہین کے طریقہ سے متنبہ فرمایا گیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ مافرطنا فی الکتب من کل شئی کوئی چیز قرآن میں بیان کرنے سے ہم نے نہ چھوڑی ونزلنا علیک القرآن تبیانا لکل شئی ہر شے کا واضح بیان والا قرآن ہم نے تم پر اتار اور ولقد ضربنا للناس فی ھذا القرآن من کل مثل تحقیق اس قرآن میں عوم الناس کے لئے ہم نے ہر مثل بیان کی ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ

ان ھذا القرآن یقص علی بنی اسرائیل اکثر الذی ھم فیہ یختلفون تحقیق یہ قرآن بنی اسرائیل پر اکثر ان کے ایسے واقعات بیان کرتا ہے جن کے متعلق ان کے اکثر لوگوں میں اختلاف ہے وھذا بیان للناس وھدی لوگوں کے لئے یہ بیان اور ہدایت ہے۔ قرآن میں جمع کردہ امور میں سے عجیب چیز ایک یہ ہے کہ اس میں دلیل اور مدلول دونوں پائے گئے ہیں کیونکہ قرآن کے نظم اور حسن وصف اور بلاغت سے احتجاج واستدلال کیا جاتا ہے۔ اس کے درمیان اوامر ونواہی اور وعدو وعید ہیں۔ پس سوچنے والا سمجھ جاتا ہے اور اخذ کرتا ہے فوری طور پر حجت اور حکم کو ایک ہی کلام سے اور یہ بھی جملہ وجوہات اعجاز سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے منظوم انداز میں بنا دیا ہے نہ کہ نثر کے طریقہ میں کیونکہ لوگوں پر منظوم انداز آسان ہوتا ہے۔ دلوں کو دعوت دینے والا کانوں کے لئے سننے میں ہلکا اور سمجھ میں آجانے والا ہے۔ اور طبیعتوں کا اس کی طرف میلان ہے اور خواہش اس کی طرف تیز ہوتی ہے۔

یہ بھی وجہ اعجاز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے حفظ کرنا آسان فرمایا ہے ولقد یسرنا القرآن للذکر دوسرے لوگ اپنی کتابوں کو یاد نہیں کرتے مگر شاذونادر اور قلیل۔ چہ جائے کہ بڑی جماعت اسے یاد کرے۔ باوجود مرور سنین کے اور طویل عمری کے اور قرآن کریم حفظ کرنا بچوں کے لئے اور علماء کے لئے بالکل سہل ہے۔

اور یہ وجوہ اعجاز قرآن سے ہے کہ قرآن کریم کے مختلف اجزاء ایک دوسرے سے ہم شکل ہوتے ہیں اور قسم قسم کے مضمون اس میں ہیں اور احسن انداز میں ایک قصہ سے دوسرے کی طرف اور ایک فقرے سے دوسرے فقرے کی طرف بدلتے جاتے ہیں۔ جب کہ ان میں معانی کا اختلاف ہوتا ہے۔ ایک سورۃ فصلوں میں تقسیم بھی نہیں ہوتی پھر بھی اس میں اوامر ونواہی۔ اخبار واستخبار۔ وعدے، وعیدیں، نبوت وتوحید کا ثبوت اور ترتیب وترہیب وغیرہ قسم کے سب مضامین پائے جاتے ہیں۔ اگر اس طرح کے مختلف مضامین کسی دیگر فصیح کلام میں پائے جائیں تو وہ فصاحت کے لحاظ سے اپنے میں ضعف کا حامل ہوتا ہے۔ اور اس سے اس کلام میں روانی نہیں ہوتی۔ تسلسل الفاظ بھی نادارد۔ اس طرح عبارات متزلزل بن جاتی ہیں۔ لیکن قرآن ہے کہ اس میں یہ بطور قسم کا انداز بیان ہے۔ جو اس کے حسن وخوبی کو اور اس کی شان ومنزلت کو اور بڑھاتا ہے۔

نیز یہ بھی وجہ اعجاز ہے کہ آیات قرآنی ہمیشہ رہنے والی ہیں۔ اس کی حفاظت کا ذمہ دار خود خدا تعالیٰ ہے نحن نزلنا

الذکر و انا لہ لحافظون سابقہ کتب آسمانی کی حفاظت (پچھلی امتوں کے) راہبوں اور احبار کے ذمہ تھی۔ انہوں نے ان کتابوں میں بہت سا تغیر و تبدل کیا اور ان میں تصرف کیا لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ (اس میں کوئی باطل آگے یا پیچھے نہ گھس سکے گا) یہ اللہ کا فرمان ہے انبیاء علیہم السلام کے معجزات ان کے اوقات کے خاتمے کے ساتھ ہی منقصی اور ختم ہو گئے۔ اور ان میں سے صرف قرآن پاک باقی رہ گیا ہے۔ اس کی آیات ظاہر ہیں اور اس کے معجزات باقی ہیں آج تک جبکہ ایک ہزار پینتیس سال گزر چکے ہیں۔ ہر زمانہ میں اہل زبان و لسان اور آئمہ بلاغت موجود رہے ہیں۔ ملاحدہ اور اعدائے دین بھی موجود رہے ہیں لیکن کبھی بھی کوئی چیز قرآن کے مقابلہ میں نہیں لا سکے۔ اور اس مناقضہ میں کچھ تالیف بھی نہ کر سکے۔ اور طعن صحیح اور قدح صریح پر قادر نہ ہو سکے۔ بلکہ جس کسی نے اس کا قصد کیا عاجزی درماندگی اور ذلت کے دائرہ میں مبتلا ہو گیا اور کسی ایک وجہ اعجاز پر بھی قادر نہ ہو سکا۔ جب کہ اعجاز قرآن کی وجوہات تو کثرت سے ہیں۔ اور ان میں کثرت بلاغت و فصاحت کی طرف ہی راجع ہیں۔ اور واجب نہیں ہے کہ ہر کوئی منفرد وجہ اور علیحدہ باب اختیار کرے سوائے فنون بلاغت کے ذکر کے اور اعجاز کی حقیقت کے پیش نظر وہی چار وجوہ ہیں۔ جو اوپر مذکور ہوئی ہیں۔ ان کے علاوہ جو بھی ہیں وہ قرآن کے خواص اور اس کی صفات کے عجائب ہیں۔

شق قمر۔ وصل:۔ معلوم ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا اعظم اور اعلیٰ اور باقی رہنے والا معجزہ قرآن مجید ہے۔ اور دوسرے معجزات مثلاً چاند کا توڑنا۔ پانی کے چشمے جاری کرنا۔ کھانے میں زیادتی ہو جانا یا جمادات کا کلام کرنا بہت بڑے معجزات ہیں۔ ان میں سے کچھ تو تواتر و شہرت کی حد تک پہنچے ہوئے ہیں۔ اور گو کچھ معجزات خبر واحد سے ہیں۔ لیکن وہ متعدد طریقوں اور سندوں سے ہونے کے باعث حد تواتر کو پہنچے ہوئے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے کچھ معجزات تو قبل از بعثت ظاہر ہوئے انہیں ارہاصات کہا جاتا ہے۔ اور ارہاص کے معنی ہیں بنیاد رکھنا وہ معجزات گویا نبوت و رسالت کی تاسیس ہیں۔ اور بعض زمانہ نبوت میں ظاہر ہوئے۔ اور بعض آپ کی رحلت کے بعد ہوئے اور ہوتے ہیں مثلاً کرامات اولیاء یہ سب کی سب آنحضرت کے معجزات ہیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نبوت و رسالت کی صحت و صدق پر دلالت ہیں۔ لیکن شق قمر معجزات میں سے ابہر اور روشن تر معجزہ ہے۔ کیونکہ یہ دنیا میں واقع ہوا بصورت تصرف بر آسماں اور یہ کسی اور نبی سے واقع میں نہیں آیا۔ اس کے وقوع پر قرآن بھی ناطق ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اقتربت الساعتہ وانشق القمر اس سے اس کا وقوع دنیا میں ہی مراد ہے۔ یہی تفسیر مفسرین نے کی ہے۔ جہاں تک اس کے وقوع کو روز قیامت پر معمول کرنے کا تعلق ہے اسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد رد کرتا فرماتا ہے۔ وان یروا اینہ یعرضوا و یقوا سحر مسلمر وہ کسی نشانی کو جب دیکھتے ہیں تو اپنا منہ پھیر لیتے ہیں۔ کہتے ہیں یہ تو وہی قدیم جادو ہے کیونکہ سحر مستمر کافر لوگ قیامت کے دن کو نہیں کہتے۔

اور تحقیق میں آیا ہے یہ حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ میں کہ انہوں نے کہا کہ دو ٹکڑے ہو گیا تھا۔ چاند رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے عہد میں۔ ایک ٹکڑا پہاڑ کے اوپر رہ گیا اور دوسرا پہاڑ کے دامن میں آگیا۔ اور صحابہ میں سے کثیر

جماعت نے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ کفار قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے نشانی طلب کی۔ انہوں نے کہا اگر تم سچے ہو تو چاند کو دو ٹکڑے کر دکھاؤ۔ پس آنحضرت نے چاند کی طرف اشارہ کیا اور وہ دو ٹکڑے ہو گیا اور انہوں نے کوہ حراء کو دونوں کے درمیان دیکھا۔ اور آنحضرت علیہ السلام نے فرمایا کہ گواہ رہو۔ پس کفار نے کہا تحقیق تم پر ابن ابی کبشہ نے جادو کر رکھا ہے۔ اور ان میں سے ایک نے کہا اگر انہوں نے تم پر جادو کر دیا ہے تو سارے اہل زمین پر تو جادو نہیں کر سکتے۔ بعد ازاں دور دراز علاقوں (آفاق) سے مسافر آئے اور انہوں نے شق قمر کی گواہی دی۔ تو ابو جہل علیہ لعنت نے کہا۔ یہ تو سحر مستمر ہے اور ابن عبداللہ جو کہ اکابر علماء حدیث میں سے ہیں انہوں نے کہا ہے کہ یہ حدیث یعنی حدیث شق قمر اس کی روایت صحابہ میں کثیر جماعت نے کی ہے۔ اور اسی طرح تابعین میں سے بڑے گروہ نے روایت کی ہے۔ اور اسی طرح ایک جم غفیر نے روایت کی ہے۔ یہاں تک کہ بات ہم تک پہنچ گئی ہے۔ اور اس کی تائید آیہ کریمہ سے ہوئی ہے۔ (انتہی) اور اسی طرح متقدمین اور متاخرین کی کتب حدیث بھی اس کے ذکر سے بھری پڑی ہیں۔ متعدد طریقوں سے اور متعدد سندوں سے۔

اور مواہب لدنیہ میں آیا ہے کہ علامہ سبکی مختصر ابن حاجب کی شرح میں لکھتے ہیں کہ میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ انشاق قمر کا معجزہ تواتر سے ثابت ہے اور نص سے ثابت ہے قران میں اور صحیحین وغیرہ میں بطریق کثیرہ صحیحہ سے ثابت ہے کہ ان کے تواتر میں شک نہیں کیا جا سکتا۔ نہ اس کی صحت میں ہاں کچھ مبتدعہ نے اس کا انکار کیا ہے۔ یہ مخالفان ملت کے موافق ہیں۔ جو اجرام علویہ میں خرق والتیام کو قبول کرنے سے منکر ہیں۔ علماء دین اور متابعان ملت کہتے ہیں۔ کہ اس میں عقل انکار نہیں کر سکتی اور شمس و قمر خدا کی مخلوق ہیں۔ وہ ان میں جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ جس طرح کہ روز قیامت کے بارے میں نصوص میں ہے لیکن بعض ملاحدہ کا قول کہ اگر یہ حدیث تواتر سے ثابت ہوتی تو اس کی معرفت میں تمام روئے زمین کے لوگ شامل ہوتے۔ اور اس کے ساتھ صرف اہل مکہ ہی مخصوص نہ ہوتے۔ کیونکہ یہ حس ظاہر سے متعلق امر ہے۔ اور مشاہدہ میں آنے والی چیز ہے اور ایسی تعجب خیز امر کو دیکھنے کا عام لوگوں کو شوق ہوتا ہے۔ اگر یہ واقعہ درست اور اصلی ہوتا تو کتب سیرت میں ہمیشہ تحریر ہوتا اور اس کا اثبات ہوتا۔ اور نجوم کی کتب میں بھی ہوتا۔ اور اس کے ترک پر وہ اتفاق نہ کرتے۔ اور اس سے غفلت کرتے جب کہ یہ امر علامت شان والا ہے۔ اور واضح ہے۔

اہل علم اس کا جواب دیتے ہیں کہ جن باتوں کا انہوں نے ذکر کیا ہے یہ قضیہ ان سے باہر ہے۔ یہ بات وہ ہے جس کا مطالبہ لوگوں میں سے خاص گروہ نے کیا تھا۔ نیز یہ واقعہ رات کے دوران ہوا۔ رات کے دوران اکثر لوگ سوئے ہوئے ہوتے ہیں۔ کچھ لوگ جو بیدار ہوتے ہیں وہ بھی گھروں کے گوشوں میں آرام کرتے ہیں۔ وہ جو صحرا میں ہوتے ہیں اور بیدار ہوتے ہیں وہ نادر ہیں۔ اور یہ امر کیسا ہے جو ایک لحظہ میں واقع ہوا تھا۔ اور شاید اس وقت میں تمام لوگوں کو مشاہدہ سے مانع ہو۔ مثلاً بادل یا پہاڑ حائل ہوں یا وہ ایسی چیز میں مشغول ہوں جس نے ان کو غافل کر دیا ہو مثلاً کہانیاں سننا سنانا وغیرہ اور یہ محال ہے کہ سب لوگ قمر پر نظر جمائے ہوئے ہوں۔ اور اس سے اصلاً غافل نہ ہوں۔ یہ تو اس وقت ہو سکتا ہے کہ جب

پہلے ہی اس جماعت کو دیکھنے کو تیار کیا گیا ہو۔ اور یہ بھی ہوتا ہے کہ چاند کبھی کچھ علاقوں میں دکھائی دیتا ہے۔ اور دوسرے علاقوں میں ظاہر نہیں ہوتا۔ اور کبھی کسی قوم پر ظاہر ہوتا ہے اور کبھی چھپا ہوا ہوتا ہے۔ جس طرح کہ چاند گرہن اور سورج گرہن کے وقت ہوتا ہے ایک شہر میں نظر آتا ہے دوسرے میں نہیں کچھ شہروں میں مکمل نظر آتا ہے۔ اور کچھ میں جزوی طور پر دکھائی دیتا ہے۔ اور بعض شہروں میں لوگ اس کو نہیں جانتے سوائے ان لوگوں کے جو حسابی طور پر اس کا علم رکھتے ہیں۔ اور اہل حق کے نزدیک اس کا دیکھنا اور دکھانا قدرت الٰہی کے قبضہ میں ہوتا ہے۔ جس کسی کو وہ چاہے تو دکھاتا ہے جس کو چاہے نہیں دکھاتا۔ اور یہاں اس کا ایک خاص جماعت کو دکھانا مقصود تھا۔ جنہوں نے تحدی کی تھی۔ اور اس نشانی کو طلب کیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے۔ ان کو دکھایا گیا دوسروں کو نہ دکھایا گیا۔ اور جب گردو پیش کے علاقوں سے مسافر آئے تو انہوں نے اس بارے میں خبریں دیں۔ اب سارے عالم کو دکھانے کی کیا ضرورت تھی۔

تنبیہہ۔ مواہب لدنیہ میں کہا گیا ہے کہ وہ جو بعض قصہ خواں بیان کرتے ہیں۔ کہ چاند آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دامن مبارک میں آ گیا اور آستین کی راہ نکل گیا۔ اس کی کوئی اصل نہ ہے۔ جس طرح کہ شیخ بدر دین سرکشی نے اپنے شیخ عماد بن کثیر سے نقل کیا ہے (واللہ اعلم)

سورج کا لوٹانا۔ اور سورج کے غروب ہو جانے کے بعد اسے واپس لوٹانا بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ ہے۔ اسماء بنت عمیس سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف وحی کی گئی تھی۔ اس وقت آپ کا سر مبارک حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گود میں تھا۔ پس انہوں نے عصر کی نماز نہ گزاری۔ حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا۔ آنحضرت نے فرمایا آیا کہ تم نے نماز عصر پڑھی تھی اے علی! انہوں نے عرض کیا کہ نہیں۔ پس آنحضرت نے رب تعالیٰ سے دعا کی اے اللہ یہ تیرا بندہ تیری اور تیرے رسول کی اطاعت میں تھا۔ پس اس پر سورج کو لوٹا دے۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے دیکھا کہ سورج غروب ہو چکا تھا۔ اس کے بعد دیکھا وہ طلوع ہوا ہے بعد غروب کے۔ اور اس کی شعائیں جبال پر پڑھ رہی تھیں۔ اور زمین پر بھی۔ یہ واقعہ مقام صہبا پر رونما ہوا تھا اور اس حدیث کے بارے میں تمام بحث غزوہ خیبر کے بیان میں آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

انگلیوں سے پانی کا چشمہ جاری ہونا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشہور معجزات میں سے ایک معجزہ انگلیوں سے اجرائے آب بھی ہے جو کہ بار بار کئی مقامات پر بڑے اجتماع کے روبرو ظاہر ہوا۔ یہ بڑی کثیر سندوں کے ساتھ روایت ہوا ہے جس سے تواتر معنوی کا قطعی علم حاصل ہوتا ہے اور دوسرے کسی پیغمبر سے ایسا واقعہ سننے میں نہیں آیا۔ اگر موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر پتھر سے پانی برآمد ہوا تو اس میں شک نہیں کہ انگلیوں سے پانی بہنا پتھر کی نسبت زیادہ بلیغ ہے۔ پتھر سے پانی نکلنا تو معمول ہے برعکس اس کے کہ گوشت پوست اور ہڈیوں سے پانی نکلے۔

تحقیق اس حدیث کو صحابہ کی بڑی جماعت نے روایت کیا ہے ان سب میں مشہور حضرت انس، جابر، ابن مسعود رضی

اللہ عنہم کی حدیث ہے۔ لیکن حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث تو بخاری اور مسلم میں آئی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا جب کہ نماز عصر کا وقت آگیا تھا۔ اور ہر طرف لوگ پانی کی تلاش میں تھے۔ لیکن ان کو نہ ملتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کچھ پانی لایا گیا۔ آپ نے اپنا ہاتھ اس پانی کے برتن میں رکھا۔ اور حکم دیا کہ اس پانی سے وضو کریں۔ میں نے خود دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک انگلیوں کے درمیان میں سے پانی ابل رہا تھا۔ دوسری ایک روایت میں آیا ہے کہ انگلیوں اور پوروں میں سے پانی نکلتا تھا۔ پس تمام جماعت نے وضو کر لئے۔ تو لوگوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا۔ کہ آپ کتنے آدمی تھے۔ تو انہوں نے بتایا کہ ہم سب تین سو آدمی تھے۔ اور ابن شاہین کی حدیث میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہم رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ غزوہ تبوک میں تھے۔ پس لوگوں نے کہا کہ یا رسول اللہ! اونٹ اور چارپائے سب پیاسے ہیں آپ نے فرمایا کیا کچھ تھوڑا پانی موجود ہے؟ پس ایک شخص آپ کے نزدیک آیا اس کے پاس ایک پرانے مشکیزہ میں تھوڑا سا پانی تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اپنے برتن لے آؤ۔ پس پانی برتنوں میں گرنے لگا۔ اور آپ نے اپنی ہتھیلی پانی میں رکھ دی۔ حضرت انس کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ پانی آپ کی انگلیوں کے درمیان میں سے نکل رہا ہے۔ پس ہم نے اپنے اونٹوں اور دوسرے جانوروں کو پانی پلایا۔ اور باقی پانی ہم نے اپنے برتنوں میں بھر لیا۔ نیز امام بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قباء کی طرف باہر آئے پس ایک شخص بعض گھروں میں سے ایک چھوٹا سا پیالہ لے آیا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا ہاتھ پیالے میں ڈال دیا۔ آپ کا ہاتھ پورا پیالے میں نہ آ سکا۔ پس آپ نے انگوٹھے کے سوا باقی چار انگلیاں پیالے میں ڈال دیں۔ پس آپ کی انگلیاں مبارک سے پانی نکلنا شروع ہو گیا۔ (آخر حدیث تک)

اور بخاری اور مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت آئی ہے۔ کہ انہوں نے کہا کہ ہم روز حدیبیہ پیاسے ہو گئے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے سامنے ایک چھاگل سے وضو فرما رہے تھے اور ان کے گرداگرد لوگ ہجوم کئے ہوئے تھے۔ آپ نے پوچھا کہ تمہارا کیا حال ہے کیوں آ کھڑے ہوئے ہو۔ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہمارے پاس وضو کرنے کے لئے پانی نہیں ہے۔ اور نہ پینے کے لئے۔ سوائے اس پانی کے جو آپ کے پاس ہے۔ پس آنحضرت نے اپنا دست مبارک چھاگل میں رکھ دیا۔ پس پانی نے چشموں کی مانند جوش مارنا شروع کر دیا۔ پس ہم سب نے پانی پیا اور وضو کیا۔ لوگوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ کتنے آدمی تھے۔ انہوں کہا کہ اگر سو ہزار آدمی بھی ہوتے تو پانی ان کے لئے کافی ہوتا۔ لیکن ہم صرف پندرہ سو آدمی ہی تھے۔

اور مسلم شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے حدیث آئی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم غزوہ بواطہ میں تھے اور ہمارے پاس سوائے ایک مشکیزہ میں چند قطروں پانی کے کچھ نہ تھا۔ پس اس پانی کو پیالے میں جھاڑا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی انگلیاں اس میں ڈال دیں۔ پس آپ کی انگلیوں مبارک کے درمیان میں سے پانی جوش مارنے لگا۔

پس آپ نے لوگوں کو حکم دیا کہ پانی پی لیں۔ پس سب نے پانی پیا یہاں تک کہ سیراب ہو گئے۔ آپ نے اپنا ہاتھ پیالے سے نکال لیا۔ اور پیالہ ابھی پانی سے بھرا ہوا تھا۔ یہ روایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے امام احمد بیہقی اور ابن شاہین نے بھی نقل کی ہے۔

لیکن وہ حدیث جو صحیح بخاری میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ والی آئی ہے۔ حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ تھے۔ اور ہمارے پاس پانی نہ تھا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ہم سے فرمایا۔ تلاش کرو اگر کسی کے پاس تھوڑا سا پانی ہو تو۔ پس آپ کے پاس لائے۔ آنحضرت نے وہ پانی ایک برتن میں رکھ دیا۔ اور اپنا دست مبارک پانی میں رکھ دیا۔ (الی آخر الحدیث) گو یہ احادیث ایک ایک صحابی سے مروی ہیں مثلاً حضرت انس سے یا حضرت جابر وغیرہ سے نقل کی گئی ہیں۔ لیکن ان مختلف مواقع پر تمام موجودہ لوگ راوی اور حکایت بیان کرنے والے ہیں۔ اگر اس بارے میں انہیں کوئی انکار ہوتا تو ہرگز سکوت اختیار نہ کرتے۔ جیسے کہ جبلت انسانی ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی عادت شریف ہے۔ نکتہ یہ ہے کہ اگر خبر واحد کو صحابہ کی جماعت کے سامنے بیان کیا جائے اور اس روایت کے سامنے وہ سکوت اختیار کریں۔ تو وہ سب لوگ راویوں کے حکم میں ہوتے ہیں۔ **فقد بروا**

پانی کے اجراء کے بارے میں متعدد طریقوں سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے احادیث مروی ہیں اس حدیث میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس میں کیا حکمت ہے کہ پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پیالے میں تھوڑا سا پانی لیتے تھے۔ اس کے بعد ہاتھ رکھتے تھے تو پانی کے چشمے بہہ نکلتے تھے۔ وہ چشمے پہلے ہی کیوں نہ ظاہر ہو جاتے تھے۔ علماء اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ حضرت خداوند جل جلالہ' کے آداب کی وجہ سے تھا۔ کیونکہ وہ ذات ایجاد و ابداع اور معدومات میں منفرد ہے۔ اور اس کی کوئی دیگر اصل اور مادہ نہیں ہے۔ یہاں اصلاً" پانی موجود ہوتا تھا۔ اور آنحضرت کا معجزہ اور دعاء کی اس میں برکت ہوتی تھی۔ کذا قالو واللہ اعلم۔

اس کی مانند ہے اور اسی زمرہ سے ہے کہ کم پانی میں زیادتی کر دینا اور پانی اجراء کا معجزہ۔ یہ سب کچھ نتیجہ تھا حضور علیہ السلام کی دعاء کی برکت سے۔ مسلم اپنی صحیح میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے غزوہ تبوک کے قصہ میں روایت لائے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ نے چاہا تو صبح کے طلوع کے ساتھ چشمہ تبوک پر پہنچ جاؤ گے۔ پس جو کوئی بھی وہاں پہنچے وہ پانی میں ہاتھ نہ ڈالے نہ اس کو چھوئے جب تک میں نہ آجاؤں۔ حضرت معاذ کہتے ہیں پس ہم اس چشمہ پر آئے۔ تو ہم میں سے دو آدمی پہلے وہاں پہنچے ہوئے تھے۔ اور چشمہ سے تھوڑا تھوڑا پانی (مانند دوال یعنی قطرہ قطرہ) بہتا تھا۔ پس آنحضرت نے ان دو آدمیوں سے پوچھا کہ کیا تم نے پانی کو چھوا تھا اور اس میں ہاتھ ڈالا تھا۔ انہوں نے کہا ہاں۔ پس آپ نے ان کو جھڑکا۔ اور فرمایا کہ جو کچھ خدا کو منظور ہوتا ہے وہی کچھ ہوتا ہے۔ پس صحابہ نے اپنے ہاتھوں سے چشمہ کو کھودا تاکہ پانی اکٹھا کریں۔ پس اس سے ایک چیز مانند ہوا کے چمکتی بجلی کی مانند جدا ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنا چہرہ مبارک اور اپنے دونوں ہاتھ پانی میں دھوئے۔ اور دھوون کو چشمہ میں

ڈالا۔ پس پانی زیادہ ہو گیا۔ پس لوگوں نے پانی پیا اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ اے معاذ! نزدیک ہے کہ تم اس جگہ عمارتیں اور باغ دیکھو اگر تمہاری زندگی دراز ہوئی تو۔ پس اسی طرح ہی ہوا۔ یہ خبر دینا بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کا معجزہ ہے۔ اور اس قسم کی غیب کی خبریں دینے کے معجزات تو آپ کے بے حد و شمار ہیں۔

اور قصہ حدیبیہ میں آیا ہے کہ ایک ہزار چار سو آدمی تھے۔ اور حدیبیہ کا کنواں پچاس بکریوں کو پانی پلانے کے قابل نہ تھا۔ پس لوگوں نے اس میں سے پانی کھینچ لیا اور اس میں ایک قطرہ بھی پانی نہ چھوڑا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کنویں کی ایک جانب بیٹھ گئے۔ پانی کا ایک ڈول نکالا گیا۔ آپ نے اس سے وضو کیا اور اس میں آپ نے اپنا لعاب دہن ڈالا اور دعا فرمائی۔ پس پانی جوش مار مار کر اوپر کو اٹھنے لگا۔ پس سب لوگوں نے اپنے اونٹوں کو پانی پلایا۔ اور ایک روایت میں آیا ہے کہ آپ نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکالا اور اسے کنویں میں پھینکا۔ پس پانی جوش مارنے لگا حتیٰ کہ سب سیراب ہو گئے۔

علاوہ ازیں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بھی اس طرح گزرا ہے۔ اور حدیبیہ میں آپ کی برکت والی انگلیوں کے درمیان سے پانی کے چشمہ کے جاری ہونے کی روایت آئی ہے یہ دونوں قصے مغائرت کے حامل ہیں۔ علماء ان دونوں کو ایک ہی وقت کے متعلق جمع کرتے ہیں۔ پس حضرت جابر کی حدیث کا وقت نماز کا وقت تھا جب آپ نے وضو فرمایا اور سب لوگ سیراب بھی ہوئے اور باقی ماندہ پانی جو ڈول میں تھا۔ وہ کنویں میں پھینک دیا گیا اور اس کے ساتھ اس کا پانی بڑھ گیا۔ اس طریقے سے ان دونوں حدیثوں کی تطبیق کرتے ہیں۔

روایت کیا ہے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے وہ کہتے ہیں کہ ایک سفر کے دوران آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے ہمیں اطلاع دی کہ انشاء اللہ تم رات بھر سفر کرنے کے بعد صبح کو پانی پر پہنچ جاؤ گے۔ لوگ پانی کی تلاش میں ادھر ادھر پھرتے رہے۔ اور لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی مصاحبت کی طرف توجہ نہ رکھی۔ اور پانی تلاش کرتے کرتے آگے چلے گئے۔ رات کا پچھلا حصہ ہوا تو آپؐ نے اپنا سر مبارک رکھا اور سو گئے۔ اور آپؐ نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ نماز فجر کا خیال رکھیں۔ مراد یہ کہ جاگتے رہنا اور انتظار فجر کرنا۔ تاکہ نماز قضاء نہ ہو جائے۔ لیکن تمام صحابہ سو گئے اور جو سب سے پہلے بیدار ہوئے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم ہی تھے۔ اس وقت آفتاب کی روشنی آپ کی پشت مبارک پر پڑی تھی۔ آپ نے حکم کیا کہ سوار ہو جائیں کیونکہ یہ شیطان کی جگہ ہے۔ سب لوگ سوار ہو گئے۔ حتیٰ کہ آفتاب کافی بلند ہو گیا بعد ازاں پھر قیام کیا۔ آپؐ نے پانی کا چھاگل منگوایا۔ یہ میرے پاس تھا۔ اور تھوڑا سا پانی اس کے اندر تھا۔ آپؐ نے اس کے ساتھ وضو فرمایا۔ چھاگل معہ باقی ماندہ پانی مجھے دے دیا اور فرمایا کہ اسے حفاظت سے رکھو۔ اس سے بہت بڑا معجزہ ظاہر ہو گا۔ بعد ازاں حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے نماز کی خاطر اذان بلند کی۔ اس کے بعد نماز فجر ادا کی گئی۔ اور سوار ہو کر سب روانہ ہو پڑے۔ جب دھوپ تیز ہو گئی اور ہر چیز گرم ہو گئی۔ تو ہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم تو بوجہ پیاس مر رہے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا نہیں تم پیاس کی وجہ سے ہرگز نہ مرو گے۔ آپؐ نے مجھ سے چھاگل منگوائی اس کے منہ پر اپنا منہ مبارک رکھا۔ ہم نہیں جانتے کہ اس میں اپنا لعاب دہن آپؐ نے پھینکا یا کہ آپؐ نے پھونک ماری۔ اللہ ہی جانتا ہے تو چھاگل سے پانی بہہ نکلا

آپ نے مجھے پانی پلانے کا حکم فرمایا جب کہ لوگ ہجوم کر کے آگئے آپ نے فرمایا ہجوم بالکل نہ کرو اور تسلی رکھو کہ سب لوگوں کو پانی مل جائے گا۔ یہاں تک کہ سب ہی سیراب ہو گئے ہماری تعداد اس وقت تین سو تھی۔ بعد ازاں صرف میں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پانی پینے والے باقی تھے۔ آپ نے میری جانب پانی کیا اور فرمایا کہ پیو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! جب تک آپ پانی نہ پئیں گے۔ میں نہ پیوں گا۔ تو آپ نے فرمایا کہ پانی پیو کہ قوم کو پانی پلانے والا آخر میں ہی پیتا ہے اشرب ساقی القوم اخرھم شربا پس میں نے پانی پی لیا اور آخر میں آپ نے نوش فرمایا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جیش عسرت سے متعلقہ حدیث میں آیا ہے کہ لوگوں کو اس قدر پیاس لگی ہوئی تھی کہ وہ اونٹوں کو ذبح کر کے ان کی اوجھوں سے پانی انڈیل کر پینے لگے۔ پس آنحضرت کی ابو بکر رضی اللہ عنہ سے رغبت کی تاکہ آپ دعا فرمائیں۔ پس آپ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور ہاتھ ابھی واپس نیچے نہ کئے تھے کہ بارش ہونے لگی اور لوگوں کے جو برتن تھے وہ بھر گئے۔ اور اس بارش نے حدود لشکر سے تجاوز نہ کیا تھا۔

اور بیان کیا ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ابو طالب سوار تھے ذوالمجاز میں۔ پس ابو طالب نے کہا کہ اے بھتیجے! مجھے پیاس لگی ہے۔ اور پانی بھی پاس نہیں۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سواری سے نیچے اترے اور اپنا قدم مبارک زمین پر مارا۔ پس پانی نکل آیا تو آپ نے فرمایا کہ پی لوا ے چچا جان۔

اور مسلم شریف اور بخاری شریف میں مروی ہے عمران بن الحصین رضی اللہ عنہ سے کہ انہوں نے کہا کہ ہم ایک سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے۔ پس ساتھی لوگوں نے آنحضرت سے پیاس کی شکایت کی۔ آپ سواری سے نیچے اترے اور دو آدمیوں کو طلب کیا صحابہ کرام میں سے۔ ان میں سے ایک حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب تھے۔ آپ نے ان کو فرمایا کہ جاؤ پانی تلاش کرو۔ اور آپ نے ان کو بتا دیا تھا کہ تمہیں ایک عورت ملے گی ایک اونٹ پر کہ اسکے پاس دو مشکیں پانی کی ہیں پس وہ دونوں آدمی روانہ ہو گئے جس کے پاس دو مشکیں تھیں پانی سے بھری ہوئی۔ اس عورت کو یہ آنحضرت کے سامنے لے آئے۔ اور اسے اس کے اونٹ سے نیچے اتارا۔ آنحضرت نے برتن طلب کیا۔ پس برتن میں پانی بھر لیا اور وہ پانی آپ نے لوگوں کو نہ دیا بلکہ انہیں نداء دی کہ آئیں اور پانی پئیں۔ اور سب کو پانی پلایا۔ وہ عورت کھڑی دیکھتی رہی کہ مزید کیا ہوتا ہے۔ راوی خدا کی قسم کھا کر کہتا ہے کہ اس عورت کا پانی واپس اسے دے دیا گیا اس حال میں کہ میرا خیال ہے کہ پانی مقدار میں اس سے زیادہ تھا جتنا کہ شروع میں تھا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم فرمایا کہ اس عورت کے لئے ہر جنس کا کھانا جو موجود ہے جمع کرو۔ لوگوں نے اس کے لئے کھجوریں آٹا اور ستو وغیرہ جمع کئے اور کپڑے میں باندھا اور اس کے ساتھ اس عورت کو اس کے اونٹ پر سوار کرا دیا۔ اور کھانا اس کے آگے رکھ دیا۔ آنحضرت نے فرمایا کہ اب جاؤ تم جانتی ہو کہ ہم نے تمہارا پانی کم نہیں کیا۔ لیکن قدرت خداوندی سے اللہ نے ہمیں پانی عطا فرمایا۔ وہ عورت اپنے قبیلہ میں پہنچی تو اس نے انہیں بتایا کہ عجیب واقع میرے ساتھ ہوا ہے۔ دو مرد مجھے اس مراد کے پاس لے گئے جسے صابی کہا جاتا ہے۔ اور اس طرح اس نے تمام قصہ بیان کیا اس نے کہا خدا کی قسم! یہ مرد یا سب سے بڑا جادوگر ہے اور یا وہ اللہ کا سچا

رسول ہے۔ پھر اس نے اپنی قوم کو کہا کہ کیا تمہیں اسلام کی طرف رغبت ہے۔ (رالیٰ اخر الحدیث) کذافی مواہب لدینہ' اور بعض روایات میں آیا ہے کہ ان لوگوں نے عورت کی بات مان لی اور وہ تمام لوگ اسلام لے آئے۔ واللہ اعلم۔ اور اس باب میں بہت سی احادیث ہیں۔ اور اس باب میں حدیث استقاء بھی آئی ہے کہ جو کہ اپنے مناسب مقام پر مذکور ہوگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

طعام کے متعلق معجزات۔ وصل:۔ جس طرح تھوڑے پانی کو زیادہ کرنے میں بہت سی احادیث آئی ہیں' سی طرح طعام کی تکثیر میں بھی بہت سی احادیث آئی ہیں۔ اور دونوں ہی رسول اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تربیت اور مالک نعمت کا نتیجہ ہیں۔ جیسے کہ وہ روحانیت کے مطابق دلوں کے مربی اور تکمیل کنندہ ہیں۔ اور عالم جسمانیت میں پرورش کرنے والے۔ خوراک دینے والے بدنوں کو ہیں بیت۔

شکر فیض تو چمن چوں کند اے ابر بہار   کہ اگر خسار دگر گل ہمہ پروردہ تست

اس باب میں مشہور حدیث جابر رضی اللہ عنہ ہے۔ اسے بخاری اور مسلم نے غزوہ خندق کے سلسلہ میں روایت کیا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں اپنی بیوی کے پاس آیا اور پوچھا کہ کیا کوئی کھانے کی چیز ہے؟ کیوں کہ میں نے رسول خدا کے چہرہ مبارک پر بھوک کے آثار دیکھے ہیں۔ وہ ایک تھیلا نکال لائی جس میں ایک صاع جو تھے۔ اور گھر میں ایک بکری کا بچہ بھی تھا۔ میں نے وہ ذبح کیا اور میری بیوی نے آٹا پیس لیا۔ اور گوشت میں نے دیگ میں ڈالا۔ اور خود آنحضرت کے پاس آیا اور عرض کیا کہ حضور میں نے بکری کا بچہ ذبح کیا ہے۔ اور میری بیوی نے جو کا آٹا پیسا ہے آپ میرے گھر میں کچھ آدمی صحابہ سے ساتھ لے کر تشریف لائیں۔ آنحضرت نے آواز دی کہ اے اہل خندق! آجاؤ کہ جابر نے تمہارے لئے کھانا تیار کیا ہے۔ (یاد رہے یہاں پر سور کا لفظ فارسی زبان کا آپ نے استعمال فرمایا اور اس کا معنی ہے طعام جو لوگوں کو کھلایا جاتا ہے۔) اور آپ نے فرمایا کہ میرے پہنچنے تک دیگ کو چولھے پر رکھیں اور خمیر کو بھی اسی طرح رکھیں۔ اس کے بعد آپ ایک ہزار صحابہ کو ساتھ لے کر آگئے۔ پس ہم نے دیگ اور آٹا حضور علیہ السلام کے سامنے دکھایا۔ پس آپ نے اس میں لعاب دہن ڈالا اور برکت کی دعا دی۔ اور میری بیوی کو حکم دیا کہ اپنے ساتھ ایک عورت لے لو اور روٹیاں پکاؤ اور دیگ سے گوشت نکالتی رہو۔ لیکن اس کے اندر نہ جھانکنا۔ پس خدا کی قسم' ایک ہزار آدمی نے کھانا کھایا اور سیر ہو گئے لیکن دیگ ابھی تک جوش مار رہی تھی۔ اور خمیر بھی اسی طرح باقی تھا۔

اور بخاری اور مسلم نے حضرت رضی اللہ عنہ سے بھی حدیث روایت کی ہے کہ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے ام سلیم رضی اللہ عنہا سے کہا کہ خدا کی قسم میں نے رسول خدا کی آواز سستی کی حالت میں سنی ہے۔ اور اس میں بھوک کی علامت کو پہچانتا ہوں۔ کیا تمہارے پاس کوئی چیز ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ام سلیم چند روٹیاں باہر لائی جو کی۔ کپڑے میں لپیٹیں اور مجھے دے دیں میں وہ آنحضرت کے پاس لے گیا اور آنحضرت مسجد میں تھے۔ ان کے ساتھ آدمی بھی تھے آپ نے فرمایا کیا تمہیں ابو طلحہ نے بھیجا ہے۔ میں نے کہا ہاں یا رسول اللہ۔ پس آنحضرت نے آدمیوں کی اس جماعت کو جو آپ کے ساتھ تھی کہا کہ

سب اٹھو۔ پس آنحضرت ان کے ساتھ روانہ ہوئے اور میں ان سے قبل ہی روانہ ہو گیا تھا۔ میں ابو طلحہ کے پاس آیا اور اسے خبر دی کہ رسول خدا تشریف لا رہے ہیں۔ پس ابو طلحہ نے ام سلیم کو کہا کہ اے ام سلیم! رسول خدا مردوں کی ایک جماعت ساتھ تشریف لا رہے ہیں اور ہمارے پاس انہیں کھلانے کے لئے کچھ نہیں سوائے ان چند روٹیوں کے جو ہم نے آپ کی خدمت اقدس میں بھیجی تھیں۔ میں نے کہا کہ خدا اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے تھے یعنی جو کچھ کہ واقع ہونے والا ہے۔ گویا کہ ام سلیم جان گئی کہ باوجود ہمارے حال سے باخبر ہونے کے رسول خدا مردوں کی جماعت کے ساتھ آ رہے ہیں۔ یہ بغیر حکمت کے نہیں ہے۔ البتہ معجزہ ظاہر ہو گا۔ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے جا کر آنحضرت کا استقبال کیا۔ پس رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا کہ اے ام سلیم! جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ لاؤ۔ ام سلیم نے وہی تھوڑی سی روٹیاں پیش کیں۔ آپ نے حکم دیا کہ ان کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کرو۔ انہیں مل کر میدہ بنالو تھوڑا سا گھی بھی ان میں ڈالو۔ اور برتن میں رکھ کر لاؤ۔ آنحضرتؐ نے کچھ پڑھا اور ان پر دم کر دیا دعائے برکت کے ساتھ۔ پھر آپ نے فرمایا کہ دس آدمیوں کو بلاؤ۔ اس طرح آتے گئے اور کھاتے گئے تقریباً ستر یا اسی ٹولیاں یہاں پر راوی کو شک ہے۔ اور مسلم شریف کی روایت کے مطابق بلاشک اسی ٹولیاں تھیں۔ بعد ازاں آنحضرت نے ابو طلحہ کے اہل خانہ نے باقی ماندہ کھانا کھایا ظاہر یہ ہے کہ یہ کسی دیگر قضیہ میں ہوا ہو گا۔ کیونکہ صحیحین میں اکثر روایات دس دس کے ضمن میں ہیں۔

اور گروہ در گروہ بلانے میں یہ حکمت بتائی جاتی ہے کہ اگر یکبارگی بلائے جاتے تو ان کی نظر میں کھانا قلیل اور کافی نظر نہ آتا یہ سوء ظن برکت کے اٹھ جانے کا موجب ہوتا۔ یا جگہ تنگ ہوگی سب کے لئے گنجائش نہ ہوگی یا ایک ہی برتن ہو گا کثیر جماعت کا اس میں کھانا اژدحام کا موجب ہوتا۔ (واللہ اعلم)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ غزوہ تبوک میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا آخری غزوہ تھا۔ جب لوگوں پر بھوک غالب آ گئی۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ حکم فرمائیں کہ لوگ اپنا بچا کھچا کھانا لا کر جمع کریں اور آپ اس پر برکت کی دعا فرمادیں۔ آپ نے فرمایا ہاں میں کروں گا۔ چنانچہ لوگ اپنا باقی ماندہ کھانا جمع کرنے لگے۔ کوئی مٹھی بھر ستو لایا۔ کوئی روٹی کا ٹکڑا ایک آدمی ایک صاع کھجور لایا۔ جب دسترخوان پر کچھ اشیاء جمع ہو گئیں تو آنحضرت نے برکت کی دعا فرمائی۔ پھر آپ نے حکم فرمایا کہ اپنے ظرفوں (توشہ دانوں) کو پر کر لو۔ پس لشکر میں کوئی برتن نہ رہا جو پر نہ ہوا ہو۔ اور سب نے کھانا کھایا یہاں تک کہ سب سیر ہو گئے اور ابھی اس میں سے باقی تھا۔ اور غزوہ تبوک میں سے ایک روایت کے مطابق لشکر کی تعداد ستر ہزار تھی اور جب آنحضرت نے اس معجزہ کا مشاہدہ کیا تو آپؐ نے فرمایا اشہد ان لا الٰہ الا اللہ و انی رسول اللہ آپؐ نے فرمایا کہ اس شہادت کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرنے والا ہر بندہ بہشت میں داخل ہو گا۔

بندہ مسکین ثبتہ اللہ فی مقام الصدق و الیقین کہتا ہے کہ جو امت مشاہدہ معجزہ کے وقت شہادت دیتی ہے نبی کے دعویٰ نبوت کی تصدیق اور یقین کے لئے دیتی ہے۔ لیکن آنحضرت علیہ السلام کی شہادت اس مقام میں کس عالم سے ہے۔ مگر حضور

اور غیب میں فرق ہوتا ہے یا تو یہ ایمان اور یقین کی زیادتی ہوتی ہے یا امت کی تلقین اور تنبیہہ کے لئے ہے۔ واللہ اعلم بحقیقت الحال

حضرت انس کی حدیث۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی خدمت میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی شادی کے موقع پر ام سلیم رضی اللہ عنہا نے میرے ہاتھ ایک پیالہ حیس سے بھرا ہوا بھیجا۔ اور حیس ایک طعام ہے جو کھجور گھی اور ستو کو ملا کر بناتے ہیں اور کبھی ستو کی بجائے سویق بھی ڈال لیتے ہیں۔ اور کہا کہ اے انس! اسے حضور علیہ السلام کی خدمت میں لے جاؤ۔ اور کہو کہ یا رسول اللہ! یہ آپ کی خدمت میں میری ماں نے بھیجا ہے۔ وہ آپ پر سلام عرض کرتی ہے اور اس کے کم مقدار میں ہونے پر معذرت کرتی ہے۔ پس وہ آنحضرت کی خدمت میں لے آئے۔ آپ نے فرمایا کہ اسے رکھ دو اور فلاں فلاں آدمیوں کی جماعت کو بلاؤ۔ آپ نے ایک ایک آدمی کا نام لیا۔ نیز جو بھی راستہ میں ملے اسے بھی بلا لاؤ۔ لہٰذا میں راستے میں ملنے والے ہر آدمی کو بلا لیا اور ہر اس شخص کو بھی جس کا نام آپ نے فرمایا تھا۔ جب میں واپس آیا تو دیکھا کہ لوگوں سے گھر پر ہے۔ لوگوں نے انس سے پوچھا کہ کتنے آدمی تھے۔ انہوں نے کہا تقریباً تین ہزار آدمی تھے پس میں نے دیکھا کہ آنحضرت نے اپنا دست مبارک اس طعام پر رکھا اور کچھ کلام کیا (یعنی پڑھا) اس کے بعد دس آدمیوں کو اپنے پاس بلایا۔ اور فرمایا کہ بسم اللہ شریف پڑھ کر کھائیے۔ اور چاہیے کہ ہر آدمی اپنے سامنے سے کھائے۔ پس انہوں نے کھایا اور سیر ہو گئے۔ اسی طرح طائفہ طائفہ آتے گئے اور کھاتے گئے۔ حتیٰ کہ سب کھا چکے۔ تو آپ نے فرمایا اے انس! اسے اٹھا لو۔ میں نے اٹھا لیا اور مجھے یاد نہیں رہا کہ جس مقدار میں میں نے رکھا تھا اب اتنا ہی تھا کہ اس سے زیادہ تھا۔ (رواہ البخاری و مسلم)

حدیث ابو ایوب۔ حضرت ابی ایوب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لئے اتنا کھانا تیار کیا جتنا ان کے لئے کافی ہو۔ پس آپ نے فرمایا کہ تیس آدمی اشراف انصار سے بلا لاؤ۔ پس ابو ایوب رضی اللہ عنہ بلا لائے۔ پس انہوں نے کھایا اور باقی چھوڑ دیا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ ساٹھ آدمیوں کو بلاؤ۔ انہوں نے بھی کھایا۔ اور باقی چھوڑ دیا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ ستر آدمیوں کو بلاؤ انہوں نے بھی کھایا اور باقی چھوڑ دیا۔ اور ان میں سے کوئی بھی شخص نہ تھا جو بغیر اسلام لانے کے وہاں سے باہر آیا ہو اور بیعت نہ کی ہو ابو ایوب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرا کھانا ایک سو اسی آدمیوں نے کھایا۔

سمرہ بن جندب کی حدیث۔ سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے۔ خدا کی قسم ہم باری باری صبح سے شام تک کھانا کھاتے رہے دس آدمی کھا کر اٹھتے تھے تو دس آدمی بیٹھ جاتے تھے۔ اور کھاتے تھے۔ ایک شخص نے کہا کہ یہ برکت کس کی تھی۔ پس حضرت سمرہ نے آسمان کی طرف اشارہ کیا اور کہا کہ اس جگہ سے تھی۔ رواہ داری وابن ابی شیبہ و ترمذی و حاکم و بیہقی و ابو نعیم۔

حدیث عبدالرحمٰن بن ابی بکر صدیقؓ۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک سو تیس آدمی تھے اور کہتے ہیں کہ ایک صاع (ساڑھے چار سیر) آٹا گوندھا گیا۔ اور ایک بھیڑ ذبح کی گئی۔ اور اس کا جگر گردہ اور دل بھونے گئے۔ خدا کی قسم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم ایک سو تیس آدمیوں میں سے ہر ایک کے لئے اس میں سے ایک ٹکڑا کاٹا اور بعد ازاں سالن سے دو بڑے برتن بھر لئے پس ہم سب نے وہ کھالیا اور جو باقی بچا دونوں برتنوں میں اسے ہم نے اونٹ پر لادھ لیا۔

روایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ اہل صفہ کو بلاؤ۔ پس میں نے انہیں تلاش کیا اور انہیں آپؐ کی خدمت میں لے آیا۔ پس ہمارے سامنے ایک پیالہ طعام کر رکھا گیا۔ پس ہم نے جس قدر ہر ایک چاہتا تھا کھالیا۔ اور فارغ ہو گئے۔ اور پیالہ اسی طرح بھرا ہوا تھا۔ جس طرح کہ بھرا ہوا رکھا تھا۔ صرف اتنا تھا کہ اس میں انگلیوں کے نشان تھے۔

نیز ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں بہت بھوکا تھا۔ ایک پیالہ دودھ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ اصحاب صفہ کو بلاؤ۔ پس میں نے اپنے آپ سے کہا کہ یہ دودھ کی کیا تھوڑی سی مقدار ہے کاش کہ مجھے ہی دے دیں کہ کھالیتا اور آسودہ حال ہو جاتا۔ لیکن شارع علیہ السلام کی اطاعت کے سوا تو چارہ نہ تھا۔ پس میں آپ کے حکم کے مطابق باہر آیا۔ اور ساتھیوں کو بلایا۔ پس سب آگئے اور سب نے پیا اور میرے سوا کوئی باقی نہ رہا۔ اور آنحضرت علیہ السلام نے وہ دودھ بھرا پیالہ مجھے دے دیا۔ بعد ازاں انہوں نے خود پیا۔ اور فرمایا کہ ساقی القوم آخرہم۔

حضرت علیؓ کی حدیث۔ اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے بنو عبدالمطلب کو اکٹھا کیا۔ سب چالیس آدمی تھے۔ اور ان میں ایک گروہ تھا کہ وہ ہر ایک سالم بکرا کھا جاتے تھے اور شوربا پی جاتے تھے۔ پس آنحضرت علیہ السلام نے ایک پیالہ طعام کا بنایا پس وہ سب نے کھایا اور سیر ہو گئے اور کھانا اتنا ہی باقی بچا رہا جیسا کہ تھا۔ پھر آپؐ نے ایک پیالہ پانی منگوایا۔ وہ سب نے پیا اور سیر ہو گئے اور پیالہ اسی طرح بھرا رہا۔ (رواہ فی الشفاء)

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت آئی ہے کہ ام مالک انصاریہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو گھی کا ایک کپا بھیجا کرتی تھیں۔ اور وہ کپا اسی طرح بھرا رہتا تھا۔ ایک دن ام مالک رضی اللہ عنہا کے بیٹوں نے سالن مانگا گھر سالن قسم کی کوئی چیز نہ تھی۔ پس ام مالک رضی اللہ عنہا نے اس کپی کا قصد کیا جس میں وہ حضور علیہ السلام کو گھی بھیجتی تھی۔ اس میں گھی ہمیشہ رہتا تھا۔ اس کپی سے گھی نکال لیا (اور بعد ازاں گھی اس کے اندر رہا) ام مالک رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گئی اور حقیقت حال عرض کی۔ آپؐ نے فرمایا اگر تو کپی سے گھی نہ نچوڑ لیتی تو ہمیشہ تجھے اس سے گھی حاصل ہوتا رہتا۔

یہ بندہ مسکین کہتا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جو کوئی سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت

کرتا ہے اور کوئی چیز ان کی خاطر خرچ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے رزق میں برکت دیتا ہے اور اس کے مال میں اور اس کی چیز میں۔ رزقنا اللہ۔

اور جابر رضی اللہ عنہ سے روایت آئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس ایک آدمی آیا اور اس نے کھانا طلب کیا۔ آپ ؐ نے اسے ساٹھ صاع راشن عطاء فرمایا۔ پس وہ اپنی بیوی اور مہمانوں سمیت ہمیشہ ہی اس سے کھاتے رہے۔ ایک دن اس نے اس کو ناپا تولا۔ (پس وہ ختم ہو گیا) تو وہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا۔ اور حقیقت عرض کی۔ آپ ؐ نے فرمایا کہ اگر تم اسے نہ تولتے تو وہ ہمیشہ ہی باقی رہتا اور تم اس میں سے کھاتے رہتے۔

علماء کہتے ہیں کہ گھی نچوڑ لینے کے وقت اور جو تولنے کے بعد برکت کا نہ رہنا اس لئے تھا کہ گھی نچوڑ لینا اور جو کا وزن کرنا تسلیم و توکل کے خلاف ہے خدا تعالیٰ پر تدبیر اور حول و قوت کے اخذ پر متضمن ہے۔ اس لئے ایسا کرنے والے کو نعمت کے زوال کی سزا دی گئی ہے۔ امام نووی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا ہے۔ کہ اسی کی طرح وہ نکتہ ہے جس میں دیگ اور آٹے میں دیکھنے سے منع کیا گیا تھا۔ یہ تکثیر طعام کے بارے میں مذکور ہے (واللہ اعلم بالاسرار والحکم)

اسی بارے میں حدیث مشہور بھی ہے کہ جس کو امام بخاری نے جابر رضی اللہ عنہ کے والد عبداللہ انصاری کے قرضہ کو ادا کرنے کے بارے میں روایت کیا ہے۔ قرض لینے والوں نے اصل رقم ادا کرنے کا مطالبہ کیا۔ اور کوئی بھی عذر وہ نہ مانتے تھے۔ وجہ یہ کہ ان کے کھجوروں کے باغ میں اس قدر کھجوریں نہ تھیں جن سے رقم کی ادائیگی ممکن ہوتی۔ تو جابر رضی اللہ عنہ آنحضرت کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ میرا والد احد کی جنگ میں شہید ہو گیا ہے۔ اور وہ بہت قرضہ پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ کھجوریں آپ کے ملاحظہ میں آئیں۔ آپ نے فرمایا کہ جا کر کھجوروں کے ڈھیروں کو ایک گوشہ میں رکھو۔ پس میں نے ایسا ہی کیا جیسا آپ ؐ نے فرمایا تھا۔ اور آنحضرت سے تشریف لانے کو عرض کیا۔ انہوں نے آنحضرت کو دیکھا تو میرے پیچھے ہو لئے۔ جب آنحضرت نے کھجوروں کو دیکھا آنحضرت نے سب سے بڑی ڈھیری کے گرد چکر لگایا اور اس پر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ اپنے قرض خواہوں کو بلاؤ۔ اس کے بعد آپ نے تول تول ان کو دینا شروع کر دیا۔ حتیٰ کہ میرے والد کا قرضہ ادا ہو گیا۔ مجھے خوشی تھی کہ والد کی امانت یعنی قرضہ اتر جائے خواہ میری ہمشیرگان کی خاطر کچھ نہ بچے ' حضرت جابر رضی اللہ عنہ ' نو بہنیں رکھتے تھے۔ جو ان کے والد چھوڑ گئے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس بڑے ڈھیر سے ہی تمام کے مطالبات پورے کر دیئے۔ دوسری ڈھیریاں اسی طرح باقی بچ گئیں۔ اور جب میں نے اس بڑے ڈھیر کو دیکھا۔ جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے تو وہ اسی طرح موجود تھا وہاں سے ایک بھی کھجور کم نظر نہ آتی تھی۔ قرض لینے والے لوگ بھی سب حیران تھے۔

دیگر حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک حدیث کی روایت کی ہے۔ کہ لوگوں کو سخت بھوک تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مجھ سے پوچھا ابو ہریرہ! کیا تمہارے پاس کوئی چیز ہے۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرے توشہ دان میں کچھ تھوڑی سی کھجوریں ہیں۔ آپ ؐ نے فرمایا وہ میرے پاس لے آؤ۔ آپ ؐ نے

اس میں ہاتھ ڈال کر ایک مٹھی کھجوروں کی نکالی اور ان پر برکت کے لئے آپؐ نے دعا فرمائی۔ پھر آپ نے لوگوں کو دس دس کے حساب سے بلایا حتیٰ کہ تمام لشکر سیر ہو گیا۔ پھر آپؐ نے مجھے حکم دیا کہ جو کچھ آپ میرے پاس لائے تھے وہ لے جاؤ۔ اور اسے محفوظ رکھو۔ جب بھی تم ضرورت محسوس کرو۔ توشہ دان میں ہاتھ ڈالا کرو۔ اور نکال لیا کرو۔ اس کا کبھی حساب نہ کرنا اور نہ ہی توشہ دان کو الٹنا جھاڑنا۔ پس جتنا کچھ میں لے کر آیا تھا۔ میں نے اس سے زیادہ اس میں دیکھا۔ بعد ازاں جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حیات رہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور تک ہمیشہ ہی اس سے کھاتا رہا اور کھلاتا بھی رہا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے موقع پر میرا گھر لوٹ لیا گیا اور توشہ دان سے میں محروم ہو گیا۔ دیگر ایک روایت میں ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ توشہ دان میں سے میں نے کئی وسق کھجوریں نکالی ہیں اور فی سبیل اللہ دی ہیں یا اونٹ پر بھی لاد کر دی ہیں۔ ایک وسق وزن ساٹھ صاع کے برابر ہوتا ہے۔ اور ایک صاع ساڑھے چار سیر کے برابر علماء کا بیان ہے کہ دس عدد کھجوروں سے توشہ دان میں زیادہ بالکل نہ تھیں اور کچھ کہتے تھے کہ اکیس سے زیادہ نہ تھیں۔ (واللہ اعلم)

اس بارے میں کتاب رونتہ الاحباب میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک بیت بھی منقول ہے۔

؎ الناس ہم ولی فی الیوم ہمل ہم الجزاب وہم الشیخ عثمن

(واللہ اعلم)

روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ اونٹوں پر کھجوریں لادیں۔ حتیٰ کہ تھوڑے وقت میں چار صد اونٹ لادھ دیئے گئے۔ لیکن وہ کھجوریں اسی طرح تھیں یعنی ان میں سے ایک کھجور بھی کم دکھائی نہ دیتی تھی۔

المختصر یہ کہ تکثیر طعام کے بارے میں بہت سی احادیث آئی ہیں اور سب سے بڑھ کر غزوہ تبوک والی حکایت آئی ہے کہ باقی ماندہ تھوڑے سے زادِ راہ کو اتنی برکت عطاء کی گئی کہ اس کے ساتھ ستر ہزار فوجی سیر بھی ہو گئے۔ اور انہوں نے اپنے اپنے برتن بھی بھر لئے جس طرح کہ وہ مذکور ہو چکی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں سید کائنات علیہ افضل الصلوۃ واکمل التحیات کی برکات سے محروم نہ رکھے اور ہمارے فقر و فاقہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعمتوں سے بدل دے۔ (آمین)

اور ایک حکایت مجھے یاد ہے کہ مکہ مکرمہ زادھا اللہ تعظیما و تکریما کے بازار کے اندر ایک ترہ فروش اپنے ترہ (ککڑیوں) پر پانی چھڑک رہا تھا اور کہتا تھا۔ یا برکتہ النبی تعالیٰ و انزلی ثم لا تر تحلی اللھم صل علی محمد و علی آل محمد و بارک و سلم

کلام حیوانات۔ وصل:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام اور آپ کے دین اور شریعت کی اطاعت گزاری اور امتثال امر ضروری ہے اور انسان پر فرض ہے اسی طرح جانور بھی آنحضرت کے مطیع و فرمانبردار بنائے گئے ہیں۔

کیونکہ سعادت مندی کا طغرہ اور امتیاز انسانوں میں سے ایمان والوں کو میسر ہوا ہے۔ اور اسی طرح ہی اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے جملہ حیوانات کو بطور معجزہ اور خرق عادات آنحضرت کا اطاعت گزار اور مطیع بنایا ہے۔ اسی بنا پر اصحاب تحقیق اور اہل باطن کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حلقہ رسالت میں سب حیوانات 'نباتات' جمادات اور اللہ کی تمام مخلوق شامل ہے۔ اور چونکہ وہ چیزیں امر و نہی اور عقل کے دائرہ سے باہر ہیں۔ اس لئے ان کی طرف سے اطاعت و ایمان اور رسالت کی سچائی پر تصدیق و شہادت کے سواء اور کچھ مقصود و متصور نہ تھے۔ اور وہ سب چیزیں بھی گناہ سے معصوم نہیں ہیں۔ جس طرح کہ انسان ہوتے ہیں۔

کلام حیوانات میں ایک تو اونٹوں کا آپ کو سجدہ بجالانا اور شکایتیں پیش کرنا ہے اس ضمن میں حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ سب اہل بیت انصار اونٹ پالا کرتے تھے۔ ان میں سے ایک سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم اپنے ایک اونٹ پر پانی لاد کر لایا کرتے ہیں اب وہ اونٹ سرکش ہو چکا ہے اور اپنے اوپر بوجھ لادنے نہیں دیتا۔ ہمارے سب باغات اور نخلستان خشک ہو گئے ہیں۔ یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ سمیت اٹھ کر اس طرف چل پڑے۔ جس وقت آپ باغ میں پہنچے اور کھڑے ہوئے اس وقت اونٹ بھی ایک کونہ میں بیٹھا ہوا تھا۔ انصار نے گزارش کی کہ حضور یہ ہے وہ اونٹ۔ یہ کتوں کی مانند کاٹنے کو آتا ہے۔ ہم ڈرتے ہیں کہ آپؐ کی ذات شریف کو نہ کاٹے۔ آپؐ نے فرمایا کہ میرے متعلق نہ ڈرو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اونٹ کے سامنے آگئے۔ اونٹ نے سر اٹھایا اور آپ کو دیکھا تو اپنا سر سجدہ میں رکھ دیا۔ اس کے بعد آپؐ نے اونٹ کو پیشانی کے بالوں سے پکڑلیا۔ اور اس کو کام میں لگا دیا۔ صحابہ کرام عرض کرنے لگے۔ یا رسول اللہ! یہ حیوان تو لا۔عقل ہے یہ آپ کو سجدہ بجالاتا ہے تو پھر ہم انسان ہوتے ہوئے آپ کو سجدہ کرنے کا زیادہ حق رکھتے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ بشر کے لئے لائق نہیں ہے کہ وہ دوسرے بشر کو سجدہ کرے۔ اگر ایک بشر کا دوسرے بشر کو سجدہ کرنے کا جواز ہوتا تو میں عورت کو فرماتا کہ وہ شوہر کے عظیم حق کی وجہ سے اس کو سجدہ کرے۔ (رواہ امام احمد و نسائی) کچھ روایات میں اس طرح آیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے اس مقام پر فرمایا۔ کہ کوئی مخلوق اس قسم کی زمین و آسمان میں نہیں جسے یہ پتہ نہ ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ سوائے ان جنوں اور انسانوں کے جو نافرمان ہیں۔ دیگر ایک حدیث میں ہے کہ وہ انصار اس اونٹ کو ذبح کرلینا چاہتے تھے۔ تو اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں شکایت پیش کی۔ دیگر ایک حدیث میں ہے کہ ایک شتر آیا اور اس نے آنحضرت کے سامنے اپنی گردن زمین پر رکھ دی اور اونٹوں کی آواز میں فریاد کی۔ پس آنحضرت اس کے سر کے پاس کھڑے ہو گئے اور اس کے مالک کو کہا کہ اسے میرے ہاتھ بیچ دو۔ اس نے کہا حضور آپ کی خدمت میں حاضر ہے لیکن یہ اونٹ گھر والوں کے لئے ہے۔ کہ اس کے سوا ان کے لئے کوئی ذریعہ معاش نہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ اونٹ کثرت عمل اور قلت خوراک کا گلہ کرتا ہے۔ اس کے ساتھ تم نرمی سے سلوک کرو۔ اور اس کے حق کا خیال رکھو۔ اور یہ حدیث مختلف الفاظ کے ساتھ آئی ہے۔ اور صحیح ہے۔

روایت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے وہ کہتے ہیں کہ جناب رسول خدا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک انصاری شخص کے باغ میں تشریف لے گئے اس جگہ ایک بکری تھی۔ بکری نے آنحضرت کو سجدہ کیا۔ تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ یا رسول اللہ! ہم اس کی نسبت آپ کو سجدہ کرنے کے زیادہ سزاوار ہیں۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کسی بشر کو سزاوار نہیں کہ دوسرے کسی بشر کو سجدہ کرے۔ (الی آخر حدیث)

ایک بار ایک اونٹ آنحضرت کی بارگاہ میں آیا۔ اس نے شکایت کی کہ اس کی قوم کے لوگ عشاء کی نماز پڑھنے سے پہلے ہی محو خواب ہو جاتے ہیں میں ڈرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان پر عذاب نازل نہ کردے۔ آنحضرت نے انہیں بلا کر عشاء کی نماز سے پہلے سونے سے منع فرمادیا۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ ہمارے گھر میں ایک بکری تھی۔ جس وقت آنحضرتؐ ہمارے گھر میں ہوتے۔ تو یہ بکری بالکل سکون سے آرام میں ہوتی۔ جب آپؐ باہر چلے جاتے تو یہ بے چین و بے قرار ہوتی اور ادھر ادھر بقرار پھرتی۔

ایک روایت میں اس طرح بھی آیا ہے کہ جس وقت آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اونٹ قربان کرتے تھے تو اونٹ ایک دوسرے کو پرے دھکیل کر خود حضور کے پاس آنے کی کوشش کرتے کہ پہلے ان کو ذبح کریں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم۔

روایت ہے کہ ام معبد کی بکری کے تھنوں پر آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنا ہاتھ پھیرا جس کا دودھ خشک ہو چکا ہوا تھا۔ اس وقت اس کے تھن دودھ سے بھر گئے۔ آپؐ نے وہ دودھ دوہنے کے بعد خود بھی نوش فرمایا اور ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی پلایا۔ ام معبد کی اس بکری کا تذکرہ انشاء اللہ ہجرت کے باب میں تفصیلاً آئے گا۔ اور تکثیر طعام کے سلسلہ میں بھی اسی طرح کی احادیث بیان کی گئی ہیں اور حیوانات کی اطاعت گزاری کے سلسلہ میں بھی بیان کی گئی ہیں۔

بھیڑیئے کا کلام کرنا۔ بھیڑے کا کلام کرنا اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی رسالت پر گواہی دینے کا بھی ایک واقعہ ہے۔ صحابہ کرام نے کلام گرگ والی حدیث کو متعدد طرق سے روایت کیا ہے امام احمد نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک بھیڑیا نے ایک بکری پر حملہ کیا اور بکری کو قابو کر لیا۔ چرواہا دوڑا اور اس نے اس سے بکری کو چھوڑا لیا۔ بعد ازاں درندوں کے معمول کے مطابق بھیڑیا اپنی دم پر بیٹھ گیا اور کہنے لگا۔ اے چرواہے تو ڈرتا نہیں خدا سے کہ تو نے میرا رزق مجھ سے چھین لیا ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے میرے قابو میں کر دیا تھا۔ چرواہے نے پکارا۔ سبحان اللہ۔ حیرانگی کی بات ہے کہ بھیڑیا بھی آدمی کی طرح باتیں کرتا ہے۔ بھیڑیا کہنے لگا کہ اس سے زیادہ حیران کن بات میں تجھ کو بتاتا ہوں۔ کہ محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مدینہ شریف کے اندر پرانی باتیں اور خبریں لوگوں کو بتاتے ہیں۔ پھر بھی لوگ ان پر ایمان نہیں لاتے بعد ازاں چرواہے نے بکریاں ایک گوشے میں اکٹھی کیں اور انہیں وہاں چھوڑ کر چلا گیا۔ اور مدینہ منورہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس آیا۔ پس اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو خبر دی۔ آپؐ نے حکم دیا کہ

اذان دیں۔ جب لوگ اکٹھے ہو گئے تو آپ ؐ نے چرواہے کو کہا کہ ان کو خبردو۔ جو کچھ تم نے سنا ہے اور دیکھا ہے اسی طرح بیہقی نے حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اور ابو نعیم نے حدیث انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں صحیح سند کے ساتھ آیا ہے کہ بھیڑیے نے کہا کہ اس سے عجیب تر تو یہ ہے کہ حرتین میں ایک شخص جو کچھ ہو گزرا ہے اور جو ہونے والا ہے اس کی خبر دیتا ہے اور یہ چرواہا یہودی تھا۔ پس وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور اس ماجرے کی خبردی اور ایمان لے آیا۔ اور بعض طریقوں سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت آئی ہے کہ بھیڑے نے چرواہے سے کہا کہ تیرا حال مجھ سے بھی عجیب تر ہے کہ تو اپنی بکریوں کے پاس کھڑا ہے اور ایسے پیغمبر کو ترک کئے بیٹھا ہے کہ جس سے عظیم تر قدر والا کوئی آج تک پیدا نہیں ہوا۔ تحقیق اس پر ابواب جنت کھولے گئے ہیں۔ اور اہل جنت اور اس کے صحابہ کرام مشرف ہو گئے ہیں۔ اور وہ ان کے مقتولین (شہداء) کے انتظار میں ہیں۔ مراد یہ ہے کہ جنت کے فرشتے اور حور و غلمان آنحضرت کے صحابہ کرام کا استقبال کریں گے۔ اور مشتاق ہیں کہ وہ جنت میں آئیں گے۔ اور ان کے شہیدوں کے انتظار میں ہیں۔ کہ وہ بہشت میں آئیں گے۔ اور چرواہے سے بھیڑیے نے یہ بھی کہا کہ تمہارے اور ان کے درمیان صرف یہ درہ کوہ حائل ہے۔ پہاڑ سے ان کے حضور میں چلے جاؤ اور چرواہے نے کہا کہ میری بکریاں کون چرائے گا۔ بھیڑیے نے کہا کہ میں چراتا ہوں۔ پس چرواہا آنحضرت کی خدمت میں آیا اور ایمان لے آیا۔ اور اس نے ان بکریوں میں سے ایک بکری بھیڑیے کے لئے خود ذبح کردی۔

اور حکایت کی مانند ابو سفیان بن حرب اور صفوان بن امیہ سے بھی حکایت آئی ہے کہ انہوں نے ایک گرگ کو دیکھا کہ ایک ہرن کو پکڑنے کی کوشش میں ہے جب ہرن حدود حرم میں آگیا تو بھیڑیا واپس ہو گیا۔ لوگ یہ دیکھ کر حیران ہو گئے۔ تو بھیڑیا کہنے لگا کہ اس سے زیادہ حیرانگی کی بات یہ ہے کہ محمد بن عبداللہ فی المدینۃ یدعوکم الی الجنۃ و تدعونہ الی النار پس ابو سفیان نے صفوان سے کہا کہ لات اور عزیٰ کی قسم۔ اگر تم یہ حکایت مکہ میں بیان کرو گے تو مکہ کی عورتیں بغیر مردوں کے زندگیاں گزار دیں گی۔

اور ابو جہل اور اس کے ساتھیوں سے بھی اس طرح کی ایک حکایت بیان ہوئی ہے۔ اور اسی قبیل سے ضب یعنی سوسمار (گوہ) اور اس کا کلام کرنا۔ اور یہ حدیث مشہور ہے کہ اس کو بیہقی نے بہت سی حدیثوں میں اس کی روایت کی ہے۔ اور قاضی عیاض نے شفاء میں عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک محفل میں تھے۔ اچانک بنی سلیم سے ایک اعرابی آیا جس نے گوہ کو شکار کیا تھا۔ اور اپنی آستین میں ڈالا ہوا تھا کہ اسے اپنے گھر لے جائے اور بھون کر کھائے۔ جب اعرابی نے ایک جماعت کو دیکھا تو پوچھا کہ یہ شخص کون ہے جو کپڑوں سمیت بیٹھا ہوا ہے۔ صحابہ کرام نے کہا کہ یہ رسول خدا ہیں۔ اعرابی نے سمار (گوہ) کو اپنی آستین سے نکالا اور کہا کہ لات و عزیٰ کی قسم میں اس وقت تک ایمان نہ لاؤں گا جب تک یہ گوہ آپ پر ایمان نہ لائے گی۔ پس آنحضرت ؐ نے ضب (گوہ) کو آواز دی اے ضب! پس ضب نے بڑی سنجیدہ زبان میں جواب دیا جو ساری قوم نے سنا ہے لبیک و سعدیک آپ ؐ نے پوچھا اے گوہ! قیامت میں کون آئے

گا؟ تو گوہ نے کہا کہ سب مخلوق آئے گی۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ تم کس کی عبادت کرتی ہو؟ اس خدا پاک کی عبادت کرتی ہوں جس کا عرش آسمان پر ہے۔ اس کی سلطنت زمین پر ہے۔ وہ دریاؤں پر غالب ہے۔ جنت میں اس کی رحمت ہے۔ اور دوزخ میں آتش عذاب ہے۔ تو آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میں کون ہوں۔ اس نے کہا آپ رسول خدا ہیں۔ رسول رب العالمین خاتم النبیین۔ قد افلح من صدقک وخاب من کذبک یہ بدوی نے سنا تو وہ حضور پر ایمان لے آیا۔

ہرن کا کلام کرنا۔ اور حدیث غزالہ بھی اسی باب سے ہے جس کو آئمہ حدیث متعدد سندوں سے اور کئی طریقوں سے روایت کرتے ہیں۔ اور بیکدیگر قوی بتاتے ہیں۔ قاضی عیاض نے اپنی شفاء شریف میں اور ابو نعیم نے اپنی دلائل میں حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم صحراء میں گشت کرتے تھے کہ ہاتف کی آواز سنی یا رسول اللہ! یا رسول اللہ! یا رسول! یا رسول! حضور اس آواز کی طرف متوجہ ہوئے تو دیکھا ایک ہرنی بندھی پھنسی ہوئی ہے۔ اور اعرابی نے اپنے آپ کو کپڑے میں لپیٹا ہوا ہے۔ پس آنحضرت نے ہرنی سے کہا تمہاری کیا حاجت ہے؟ اس نے کہا کہ مجھے اس اعرابی نے قید کر رکھا ہے اور میرے دو چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ جو اس پہاڑ کی کھوہ میں ہیں۔ آپ مجھے رہا کر دیں تاکہ میں جاؤں ان کو دودھ پلاؤں اور پھر واپس آجاؤں۔ آپؐ نے پوچھا کہ کیا تو اسی طرح کرے گی اور واپس آجائے گی؟ ہرنی کہنے لگی حضور اگر میں واپس نہ آؤں تو اللہ تعالیٰ مجھے بے شمار اور بے حد سخت عذاب کرے۔ پس آنحضرت نے اسے رہا کر دیا۔ وہ چلی گئی اور واپس بھی آگئی۔ آنحضرت نے اسے باندھ دیا۔ پس اعرابی بیدار ہوا۔ اور عرض کرنے لگا۔ یا رسول اللہ! کیا کوئی حاجت ہے۔ آپؐ نے فرمایا حاجت یہ ہے کہ اس ہرنی کو رہا کر دو۔ اعرابی نے اس کو چھوڑ دیا۔ وہ صحرا میں خوشی کی وجہ سے دوڑتی اور چھلانگیں لگاتی ہوئی بڑھتی جاتی تھی۔ اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وان محمد رسول اللہ۔

نیز ایک روایت آئی ہے کہ آنحضرت اپنے لشکر میں تھے۔ تمام لوگ پیاسے ہو گئے۔ آپ ایک پانی والی جگہ پر اترے اور ایک ہرنی آنحضرت کی بارگاہ میں حاضر ہوئی۔ حضور علیہ السلام نے اس کا دودھ دوہا۔ اور اس سے سارے لشکر کو سیر کر کے پلایا لشکر کی تعداد تقریباً تین صد تھی۔ حضور علیہ السلام کے ایک غلام رافع تھے۔ آپؐ نے اسے فرمایا کہ ہرنی کی نگرانی کرو۔ رافع رضی اللہ عنہ نے اس کو باندھا۔ کچھ دیر بعد جو دیکھا تو وہ ہرنی جا چکی ہے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا ان الذی جاء بہا ھو الذی ذھب بہا (جو اس ہرنی کو اپنے ساتھ لایا تھا وہی اسے اپنے ساتھ لے گیا ہے۔)

گدھے کا کلام۔ اور اس نوعیت کا واقعہ گدھے کا کلام ہے۔ ابن عساکر نے روایت کیا ہے کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے خیبر فتح کیا۔ ایک گدھے نے آنحضرت سے گفتگو کی۔ آپ نے فرمایا کہ تمہارا نام کیا ہے اس نے کہا کہ میرا نام یزید بن شہاب ہے۔ اور اس نے کہا کہ میری جد کی نسل میں اللہ تعالیٰ نے ساٹھ گدھے پیدا فرمائے ہیں اور ان میں سے کسی ایک پر بھی سوائے پیغمبر کے سوار نہیں ہوا۔ اور مجھے امید ہے کہ آپ مجھ پر سواری فرمائیں گے۔ کیونکہ میری جد کی نسل سے کوئی گدھا اب باقی نہیں اور انبیاء میں سے بھی سوائے آپ کے کوئی باقی آنے والا نہیں اور کہا آپ سے پہلے میں

ایک یہودی کے ہاتھ میں تھا۔ وہ مجھ پر سواری کا ارادہ کرتا تھا تو میں عمداً اسے گرا دیتا تھا۔ پھسلا دیتا تھا۔ اور وہ یہودی مجھے بھوکا رکھتا تھا۔ پس اسے آنحضرت نے فرمایا کہ آج سے تمہارا نام یعفور ہو گا۔ یعفور حضور علیہ السلام کے خدمت میں حاضر رہتا تھا۔ جب کسی آدمی کو بلانے کے لئے بھیجا جاتا۔ اپنے سر سے اس کا دروازہ ہلاتا تھا۔ صاحب خانہ باہر آتا تھا تو یعفور اس کو اشارہ کرتا تھا کہ تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بلا رہے ہیں۔ اور اس کو اپنے ساتھ لے آتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ الہ وسلم نے دنیا سے رحلت فرمائی تو یعفور نے ایک کنویں میں فراق اور رنج و غم میں چھلانگ لگائی اور اس طرح وہ بھی مرگیا۔ وہ کنواں ابو السم بن السہان کا تھا۔

تسخیر شیر۔ جنگلی شیر کا مطیع و منقاد ہونا اور حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ سے اس کا فرمانبردارانہ سلوک کرنا بھی اسی باب سے ہے۔ حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ ایک بیابان میں ایک لشکر سے علیحدہ دور رہ گئے۔ اور راہ گم کر بیٹھے تھے اور انہوں نے کہا ہی تھا۔ کہ میں رسول اللہ کا غلام ہوں تو شیر نے ان کی رہنمائی فرمائی اور ان کو لشکر تک پہنچا دیا۔ اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا معجزہ تھا۔ اور خود اولیاء اللہ کی کرامات آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے معجزات ہوتے ہیں۔

اور ابن وہب نے روایت کیا ہے کہ فتح مکہ والے دن مکہ معظمہ کے کبوتروں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر سایہ کیا تھا۔ آپ نے ان کے حق میں برکت کی دعا مانگی۔ غار ثور پر مکڑی کا جالا بننے اور کبوتروں کے انڈے دینے کا واقعہ مشہور ہے۔ علماء کا کہنا ہے غار ثور کے منہ پر انڈے دینے والے کبوتروں کی نسل سے ہی وہ کبوتر ہیں۔ جو بیت اللہ شریف میں ہیں۔

روایت کی گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ایک چھوٹے درخت کو حکم فرمایا کہ آدمی کے قد کے برابر ہو جائے اور غار کو چھپا لے۔ قاضی عیاض نے اس کو اپنی کتاب شفاء میں یہ بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں حیوانوں کے کلام کرنے اور آپ کی اطاعت گزاری کے بارے میں بہت سی حدیثیں وارد ہوئی ہیں۔ جو مشہور حدیثیں علماء نے اپنی کتب میں لکھی ہیں ان کا ذکر ہم نے کر دیا ہے۔

نباتات کی اطاعت گزاری۔ وصل:۔ جملہ حیوانات جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے مطیع تھے۔ ان کی مانند تمام نباتات بھی آپ کے فرمانبردار تھے اس ضمن میں آپ کے ساتھ درختوں نے کلام کیا۔ آپ کو سلام عرض کیا رسالت پر گواہی دی اور آپ کی حکم برداری بھی کی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب سے میری طرف وحی ہونا شروع ہوا ہے تمام پتھر اور درخت مجھ پر کہتے ہیں کہ السلام علیک یا رسول اللہ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے آیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ تھا مکہ میں پس ہم باہر آئے کچھ نواحی علاقہ میں۔ راستہ میں آنے والا ہر درخت اور پہاڑ کہتا تھا السلام علیک یا رسول اللہ (رواہ الترمذی) یہ

روایات آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے آغاز عہد سے متعلق ہیں۔ جس طرح کہ سابقہ حدیث میں گزر چکا ہے۔ یا کسی دیگر زمانہ سے متعلق ہیں (واللہ اعلم)

اور حاکم اپنی مستدرک میں جید اسناد کے ساتھ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ ایک سفر کے دوران ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ آپؐ کے روبرو ایک دیہاتی آیا تو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس سے کہا کہ کہاں جارہے ہو۔ اس نے کہا کہ اہل و عیال کی طرف جارہا ہوں۔ آپؐ نے اس سے فرمایا کہ کیا تجھے بہتری کی طرف میلان ہے۔ یعنی کیا تو چاہتا ہے۔ کہ تجھے نیکی اور سعادتمندی حاصل ہو۔ اس نے پوچھا کہ بھلائی کیا ہوتی ہے آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ بھلائی یہ ہے کہ گواہی دے کہ لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ وان محمدا عبدہ ورسولہ دیہاتی نے پوچھا آپ کوئی شہادت اس امر پر رکھتے ہیں مراد یہ تھی اپنے قول پر کوئی آپ گواہ رکھتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ یہ درخت گواہ ہے۔ آنحضرت نے درخت کو طلب کیا۔ درخت وادی کے کنارے پر تھا۔ زمین کو چیرتا آیا اور حاضر ہو گیا۔ اس نے تین بار شہادت دی۔ اور اس کے بعد درخت اپنے مقام پر واپس چلا گیا (الی آخر الحدیث) اس کی طرح دارمی نے بھی روایت درج کی ہے۔

غزوہ احد کے دوران آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو آپ کے رخسار مبارک پر بد فطرت کفار نے کچھ گزند پہنچایا۔ آپؐ کے دانتوں کو نقصان پہنچا۔ حضور کا جسم پاک خون آلودہ ہو گیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ایک گوشہ میں ہو گئے۔ جبریل علیہ السلام آئے اور حال پوچھا۔ اس نے آپ کو اندوہگین دیکھا تو عرض کیا کہ آپ کو پسند ہے کہ آپ کو ایک علامت دکھاؤں۔ جس سے آپ کو اطمینان قلب حاصل ہو گا۔ جبریل نے وادی کے کنارے پر واقع درخت کی طرف دیکھا۔ اور عرض کیا کہ آپ اس درخت کو طلب فرمائیں۔ پس آپؐ نے درخت کو بلایا تو وہ آپؐ کے روبرو آکر قائم ہو گیا۔ اس کے بعد جبریل نے عرض کیا اسے حکم دیں کہ یہ اپنی جگہ پر واپس چلا جائے۔ آپؐ نے ایسا ہی کیا۔ تو وہ درخت واپس چلا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا حسبی حسبی یعنی میرے لئے کافی ہے میرے لئے کافی ہے (رواہ دارمی اور انس رضی اللہ عنہ)

روایت ہے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے کہ کسی اعرابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے معجزہ طلب کیا، آپؐ نے اس دیہاتی سے کہا اس درخت سے کہہ دو کہ تجھے رسول اللہ بلا رہے ہیں۔ درخت نے دائیں بائیں اور آگے پیچھے حرکت کر کے زمین میں بچھی ہوئی اپنی جڑوں کو نکالا۔ پھر زمین کو پھاڑتا ہوا اور اپنی جڑوں کو کھینچتا گھسیٹتا ہوا آنحضرت کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔ اور کہا السلام علیک یا رسول اللہ بدوی نے کہا کہ اسے اب واپس جانے کا حکم فرمائیں۔ تو حکم ہونے پر درخت واپس اپنی جگہ پر جا کر قائم ہو گیا۔ اس کی تمام جڑیں وغیرہ زمین میں پیوستہ ہو گئیں اور زمین بالکل ہموار ہو گئی۔ بدوی کہنے لگا کہ مجھے اجازت ہو تو میں آپ کو سجدہ بجالاؤں۔ لیکن آپؐ نے اسے سجدہ کی اجازت نہ دی۔ پھر وہ کہنے لگا کہ اجازت دیں کہ مبارک ہاتھ پاؤں چوموں۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اسے اجازت دے دی۔

علماء نے نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ ایک سفر میں اندھیری رات تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اونٹ پر سوار نیند کی حالت میں جارہے تھے کہ ایک بیری کا درخت سامنے آگیا۔ درخت دونیم ہو گیا۔ اور آنحضرت کو راہ دے دی کہ حضور گزر جائیں۔ اس واقعہ سے اس بیری کا نام سدرۃ النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مشہور ہو گیا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک بدوی آنحضور کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا کہ مجھے کیسے علم ہو کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ آپؐ نے فرمایا میں کھجور کی شاخ کو اپنے پاس طلب کرتا ہوں۔ اس کی شہادت ہو گی کہ میں واقعی اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں پس درخت سے وہ شاخ ٹوٹی زمین پر گری۔ پھر آنحضور نے حکم دیا کہ جاؤ اور واپس اپنے مقام پر ہو جاؤ۔ وہ ٹہنی اٹھی اور اپنی پہلی والی جگہ پر جاکر اسی طرح قائم ہو گئی۔ وہ بدوی آپؐ پر ایمان لے آیا۔ ترمذی نے اسے روایت کر کے اسے صحیح حدیث بتایا ہے۔ اس بارے میں کثرت سے احادیث وارد ہوئی ہیں۔ کہ درخت آتے تھے آنحضور کو سلام عرض کرتے تھے۔ اور اپنے پہلے ہی مقام پر واپس چلے جاتے تھے۔

قصیدہ

جاءت لدعوته الاشجار ساجدة تمشی الیه علی ساق بلا قدم

کانما سطرت سطرا لما کتب فروعها من بدیع الخط فی اللقم

ایک لمبی حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے روایت فرمائی ہے کہتے ہیں کہ کھلے اور وسیع صحراء میں ہم نے پڑاؤ ڈالا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم قضائے حاجت کے لئے گئے۔ تو میں ایک آفتابہ پانی کا اٹھائے آپؐ کے پیچھے ہو لیا۔ کوئی پردہ نظر نہ آیا وادی کے کنارے پر درخت تھے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ الہ وسلم ان میں سے ایک درخت کی طرف گئے۔ اس کی شاخوں میں سے ایک شاخ کو پکڑا اور فرمایا کہ خدا کے حکم سے میری اطاعت کرو۔ وہ درخت آپؐ کی متابعت اس طرح کرنے لگا جس طرح نکیل والا اونٹ متابعت کرتا ہے۔ وہ دوسرے درخت کے نزدیک چلا گیا۔ اسے بھی کھینچ لیا گیا اور کہا گیا کہ مجھ پر پردہ کرو۔ پس دونوں نے مل کر آنحضرت کو پوشیدہ کر لیا دیگر ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت نے ارشاد فرمایا کہ اے جابر! اس درخت سے کہو کہ رسول اللہ حکم دیتے ہیں کہ اس دوسرے درخت سے مل جاؤ۔ تاکہ تم دونوں کے پیچھے میں بیٹھ جاؤں۔ میں نے جاکر حضور کے حکم کے مطابق کہہ دیا۔ تو وہ درخت دوسرے درخت کے ساتھ مل گیا۔ اور آنحضرت ان دونوں کے پیچھے بیٹھ گئے۔ میں باہر نکل آیا۔ دور جاکر بیٹھ گیا اور دیکھنے لگا۔ اور اپنے آپ سے باتیں کرنے لگا۔ ناگاہ میں نے نظر کی تو دیکھا آنحضرت آرہے ہیں اور وہ ہر دو درخت اپنے اپنے مقام پر کھڑے ہیں۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے بھی اسی کی مانند حدیث آئی ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک غزوہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مجھے ارشاد فرمایا کہ کیا رسول اللہ کی قضائے حاجت کی خاطر کوئی جگہ تم نے دیکھی ہے۔ تو میں نے گزارش کی کہ وادی میں آدمیوں سے خالی تو کوئی جگہ نہ ہے۔ پھر آپؐ نے پوچھا کہ تم نے کوئی پتھر یا کوئی کھجور کا درخت دیکھا

ہے تو میں نے عرض کیا کہ ہاں میں نے درخت دیکھے ہیں جو متقارب ہیں (نزدیک نزدیک) آپ ؐ نے فرمایا کہ جاؤ اور ان درختوں سے کہو کہ رسول خدا کی حاجت کے لئے آؤ۔ اور اسی طرح پتھروں سے بھی کہہ دو میں چلا گیا اور اسی طرح کہا مجھے اس خدا کی قسم جس نے رسول خدا کو بھیجا ہے۔ کہ میں نے دیکھا کہ درخت ایک دوسرے کے قریب آ گئے ہیں۔ اور پتھروں کو ایک دوسرے کے ساتھ اکٹھے دیکھا۔ جب آنحضرت قضائے حاجت سے فارغ ہوئے تو فرمایا انہیں کہہ دو کہ ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جائیں۔ اور اس قسم کے معجزات بہت سے آئے ہیں۔

اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے حدیث آئی ہے کہ مشرکوں نے آنحضرت سے کہا کہ کونسی چیز تمہاری گواہی دیتی ہے۔ آپ ؐ نے فرمایا کہ یہ درخت گواہی دیتا ہے۔ پس آپ ؐ نے فرمایا کہ اے درخت آؤ پس وہ درخت آیا اور اس نے آپ ؐ کی شہادت دی۔

اور قاضی عیاض رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اکابر و اعظم صحابہ کرام کی بڑی جماعت اس پر متفق ہے۔ اس قصہ پر اور مزید برآں تابعین بھی رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

اطاعت جمادات۔ وصل:۔ جیسے کہ نباتات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطیع و منقاد کئے گئے تھے۔ اسی طرح جمادات بھی اسی حکم میں ہیں۔ پتھروں کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام عرض کرنا اور کلام کرنا۔ جیسے کہ ذکر گزر چکا ہے کہ کوئی پتھر یا درخت ایسا نہ تھا جو مجھے سلام نہ کرتا تھا۔ اور کہتا تھا السلام علیک یا رسول اللہ۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی اس باب میں ایک حدیث گزر چکی ہے اور جابر رضی اللہ عنہ سے بھی روایت آئی ہے۔ کہ اسی طرح راہب والی حدیث ہے جس وقت کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابو طالب کے ہمراہ اپنے دور کے آغاز میں بعثت سے پہلے باہر گئے تھے۔ کوئی درخت یا پتھر ایسا نہ تھا۔ جس نے آنحضرت کو سجدہ نہ کیا ہو۔ یہ قصہ انشاء اللہ اپنے مقام پر آئے گا۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مسلم شریف میں روایت ہے کہ فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے کہ بے شک میں اس پتھر کو اب بھی پہچانتا ہوں جو قبل از بعثت مکہ شریف میں مجھے سلام عرض کیا کرتا تھا۔ میں اس کو اچھی طرح جانتا ہوں وہ پتھر کونسا تھا اس میں لوگوں کی رائے مختلف ہے۔ کچھ تو کہتے ہیں کہ وہ پتھر حجر اسود ہے اور کچھ کہتے ہیں اس کے علاوہ کوئی پتھر ہے اس گلی میں جس کا نام زقاق الحجر ہے۔ جو حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے گھر کی طرف راستہ میں ایک دیوار میں نصب ہے۔ اور لوگ اس سے مس کر کے برکت حاصل کرتے ہیں۔ اور کہا جاتا ہے کہ یہ وہی پتھر ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام عرض کرتا تھا۔ جب وہ گزرتے تھے۔

شیخ ابن حجر مکی ہاشمی نے کہا ہے کہ یہ مکہ والوں سے متواتر ثابت ہے کہ یہ پتھر جو زقاق الحجر میں ہے وہی پتھر ہے۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام عرض کیا کرتا تھا۔ اس کے سامنے دوسری دیوار میں آنحضرت کی کہنیوں کے نشان ہیں جن کا نشان ایک پتھر میں ہے اور کہتے ہیں کہ پتھر اور لوہا انبیاء علیہم السلام پر نرم کئے گئے ہیں اور مکہ شریف میں ایک پہاڑ

پر آنحضرت کے قدموں کے نشانات ہیں۔ جہاں وہ بکریاں چرایا کرتے تھے۔ واللہ اعلم۔

اور صاحب مواہب لدینہ نے ابو حفص میانجی سے نقل کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ مکہ کے باشندوں میں سے جس سے بھی ملاقات ہوئی ہے۔ وہ یہی بتاتا ہے کہ جو پتھر آنحضرت کو سلام عرض کیا کرتا تھا وہی ہے۔ جو کوچہ زقاق الحجر میں ہے۔

اور رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی دعا کرنے کے وقت گھر کے درودیوار اور گھر کے ستونوں کا آمین کہنا بھی اسی باب سے تعلق رکھتا ہے۔ آنحضرت نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ان کے فرزندوں کے متعلق دعا کی۔ اس کو بیہقی نے اپنی دلائل میں اور ابن ماجہ میں مختصرین میں درج کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت عباس بن عبدالمطلب سے فرمایا کہ تم اور تمہارے بیٹے کل تک اپنے گھر سے باہر نہ نکلیں۔ جب تک کہ میں نہ آجاؤں۔ کیونکہ مجھے تمہارے ساتھ کام ہے۔ تم سب میرا انتظار کرو۔ آپ نماز چاشت کے وقت ان کے گھر تشریف لائے۔ اور فرمایا السلام علیکم و رحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپؐ نے پوچھا کہ تم نے کس طرح صبح کی ہے۔ وہ کہنے لگے الحمداللہ۔ صبح خیریت سے ہوئی۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ سب مل کر بیٹھ جاؤ۔ پھر آپؐ نے اپنی چادر مبارک ان کے اوپر ڈال دی۔ اور آپ نے دعا فرمائی۔ اے اللہ تعالیٰ یہ میرے چچا ہیں اور میرے والد کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں اور یہ سب لوگ میرے اہل بیت ہیں۔ اے رب ان کو دوزخ کی آگ سے اس طرح پوشیدہ کر جس طرح میں نے ان کو اپنی چادر میں چھپالیا ہے۔ گھر کے تمام درودیوار اور ستونوں نے اس پر آمین کہا۔ ان تمام نے بھی آمین آمین کہا۔

ایک دفعہ ایک سفر کے دوران آنحضرتؐ کے ہمراہ حضرت عقیل رضی اللہ عنہ بن ابوطالب کو پیاس لگ گئی۔ آنحضرت نے ان کو اس پہاڑ پر بھیجا۔ جس پر آپؐ خود تشریف فرما تھے۔ اور ارشاد فرمایا کہ اس پہاڑ کو کہو کہ پانی دیوے تو پہاڑ کہنے لگا۔ کہ پیغمبر خدا سے عرض کریں کہ جس روز یہ آیت واتقوا النار التی وقودھا الناس والحجارۃ نازل ہوئی ہے میں اتنا رویا ہوں کہ میرے اجزاء سے پانی خشک ہو چکا ہے۔

اور اس باب میں حنین جذع ہے۔ صراح میں لکھا ہے کہ حنین کے معنی ہیں آرزومندی اور نالہ اس اونٹنی کا جو اپنے بچہ سے جدا ہو گئی ہو۔ اور جذع کے معنی ہیں درخت کاٹنا۔ اور حنین جذع کی حدیث صحابہ میں سے کثیر جماعت نے روایت کی ہے۔ اور مفید قطع ویقین ہے۔ مواہب لدینہ میں شیخ تاج الدین سبکی نے نقل کیا ہے کہ شرح مختصر ابن حاجب میں کہا گیا ہے کہ میرے نزدیک صحیح اس طرح ہے کہ حنین جذع کی حدیث متواتر ہے۔ علماء حدیث میں سے بخاری اور مسلم وغیرہ نے روایت کی ہے۔ متعدد اور کثیر طریق سے حد و حساب سے باہر روایت کیا ہے کہ یہ حدیث تواتر رکھتی ہے ایک جماعت کے نزدیک اور ممکن ہے کسی جماعت کے نزدیک غیر متواتر ہو۔ اور فرمایا ہے شیخ ابن حجر نے فتح الباری میں حنین جذع اور اشقاق قمر منقول ہے۔ اس کی ہر نقل بہت زیادہ شائع ہوئی ہے۔ اور یہ مفید قطع ہے ہر اس آدمی کے لئے جو جانتا ہے طریق حدیث کو۔ اور اس کے لئے نہیں ہے۔ جو حدیث کے فن سے میلان نہیں رکھتا۔ واللہ اعلم۔

بیہقی نے کہا ہے کہ حنین جذع امور ظاہر میں سے ہے۔ جس کو اکبر آیات اور ابہر معجزات پر خلف نے سلف سے

محمول کیا ہے۔ جو کہ دلالت کرتے ہیں ہمارے محبوب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نبوت پر۔

امام شافعی نے کہا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے احیائے موتی کا معجزہ دیا ہے۔ تو انصاریٌ امام شافعی سے کہنے لگے کہ کیا جو کچھ ہمارے پیغمبر کو اللہ تعالیٰ نے دیا ہے وہ کسی اور پیغمبر کو بھی عطاء کیا ہے تو امام شافعی نے کہا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے جسین جذع عطاء کیا ہے۔ حتیٰ کہ اس کی آواز سنی گئی۔ اور یہ معجزہ احیائے موتی سے اعظم اور اکبر ہے۔ اور انہوں نے صحابہ کے علماء حدیث کو شمار کیا۔ جنہوں نے یہ حدیث روایت کی ہے۔ اور اس کی اسانید اور طریقوں اور روایات کا بھی تذکرہ فرمایا جو بہت لمبا ہے۔

استن حنانہ کا بیان۔ روایت کی گئی ہے کہ مسجد نبوی درختوں کے تنوں پر مستوف تھی پیشتر اس کے کہ ممبر بنایا گیا آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم خطبہ دینے کھڑے ہوتے تھے تو ایک تنے سے ٹیک لگاتے تھے جب ممبر بنایا گیا تو آپؐ اس ستون سے علیحدہ ہو گئے۔ پس اس ستون سے رونے کی آواز سنی گئی اس کی آواز اونٹنی کی آواز کی مانند تھی۔ روایت کیا ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہ ستون کے رونے سے تمام مسجد ہلنے اور کانپنے لگی۔ لوگوں نے اس کی بے چینی و بے قراری کو دیکھا تو وہ بھی چیخ اٹھے۔ دیگر ایک روایت میں ہے کہ وہ تنا پھٹ گیا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ اس کے بعد آنحضرت نے اس کے اوپر اپنا ہاتھ مبارک رکھا۔ اور اس کو اپنے ساتھ لگا لیا۔ ستون چپ ہو گیا آپؐ نے فرمایا کہ ستون کے رونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے دور ہو چکا ہے۔ اگر اس کو میں اپنے ساتھ نہ لپیٹا تا تو اللہ تعالیٰ کے رسول کی جدائی میں وہ قیامت تک غم میں روتا رہتا۔ اس کے بعد آپؐ نے حکم دیا کہ اسے ممبر شریف کے نیچے دفن کر دیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے نماز پڑھتے وقت وہ سامنے ہوتا تھا۔ دیگر ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت نے اسے اپنے پاس بلایا تو وہ زمین کو پھاڑتا ہوا حاضر ہو گیا۔ آنحضرت نے اسے اپنے ساتھ لگا لیا حتیٰ کہ اسے اس کے مقام پر پہنچا دیا۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت نے اس تنے کو فرمایا کہ اگر تو چاہتا ہے تو تجھے اسی باغ میں بو دیں جہاں سے تو آیا ہوا ہے۔ اور تیری جڑیں وغیرہ مکمل کر دی جائیں۔ اور تیری تر و تازہ شاخیں بھی بنا دی جائیں اور تمہارے اوپر پھل بھی ظاہر ہو جائیں اور اگر تمہاری خواہش ہو تو تجھ کو جنت میں لگا دیا جائے تاکہ اللہ تعالیٰ پیارے لوگ تمہارے پھل سے لطف اندوز ہوں پھر آنحضرت نے اپنے کانوں کا رخ اس کی طرف کیا کہ سنیں وہ کیا کہتا ہے۔ پھر آپؐ فرمانے لگے کہ ستون کہہ رہا ہے کہ اس کو جنت میں لگا دیا جائے تاکہ وہ اللہ کے محبوبوں کو اپنے پھل کھلائے۔ اس جگہ پر میں پرانا و قدیم ہوں گا۔ اور میرے لئے فنا بھی نہ ہو گی۔ یہ باتیں ہر قریب آنے والے سنیں۔ آپؐ نے اس کے بعد فرمایا کہ میں یہی کچھ کروں گا۔ آپؐ نے فرمایا کہ اے ستون تو نے دار بقاء کو دار فنا پر پسند کیا ہے۔ جب حضرت حسن بصریؒ اس حدیث کا تذکرہ کیا کرتے تھے تو کہتے تھے کہ اللہ کے بندو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے فراق میں ایک لکڑی اس قدر روتی ہے تو آپ اس سے کہیں زیادہ اس کے سزاوار ہیں کہ دیدار مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا شوق رکھیں۔ بیت

سنگے وگیا ہے کہ درو منفعے ہست ۔۔۔ بہ زادمی داں کہ درو معرفتے نیست

کلام کوہ۔ اور اسی باب سے ہے آپؐ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا پہاڑ سے کلام فرمانا اور پہاڑ کا آپؐ سے گفتگو کرنا۔ روایت آئی ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے ساتھ احد پہاڑ پر گئے۔ احد پہاڑ مدینہ منورہ کا ایک پہاڑ ہے۔ اور اس کی شان میں وارد ہوا ہے۔ احد جبل یحبنا و نحبہ احد پہاڑ ہے جو ہم سے محبت رکھتا ہے۔ اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔ یہ تین حضرات پہاڑ پر چڑھے پہاڑ لرزنے لگا۔ آنحضرت نے اپنا پاؤں مبارک پہاڑ پر مارا اور فرمایا کہ اپنی جگہ پر قائم رہو تمہارے اوپر ایک نبی ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔ (رواہ احمد' بخاری' ترمذی و ابو حاتم)

حضرت عثمان بن عفان ذوالنورین رضی اللہ عنہ سے بھی ایک حدیث کی روایت ہوئی ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کوہ ثبیر (بروزن کبیر) پر تھے۔ یہ مکہ کا پہاڑ ہے۔ آپ کے ہمراہ اس وقت ابوبکر صدیق اور عمر رضی اللہ عنہم اور میں تھے۔ پہاڑ نے لرزنا شروع کر دیا۔ اس کے روڑے شیبوں میں لڑکنے لگے۔ آنحضرت نے اس پر اپنا پاؤں مبارک مارا اور فرمایا کہ اے ثبیر اپنے مقام پر قائم رہو۔ تمہارے اوپر ایک نبی ایک صدیق اور دو شہیدوں کے علاوہ اور نہیں ہے۔ (رواہ بخاری' احمد' ترمذی و ابو حاتم)

اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہوا ہے کہ کوہ حرا مکہ مکرمہ کا پہاڑ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اس پہاڑ پر تھے۔ قبل از وحی آپؐ اس پر عبادت کیا کرتے تھے۔ اور اسی جگہ سب سے اولین وحی کا نزول ہوا تھا۔ وہاں اس پہاڑ کے اوپر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ حضرت ابوبکر' عمر' عثمان' علی' طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم تھے۔ کوہ حرا ہلنے لگا۔ تو آنحضرت نے ارشاد فرمایا اے حرا! آرام سے رہو۔ تمہارے اوپر نبی' صدیق اور شہید کے علاوہ اور کوئی نہیں۔ جو حدیث حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت شدہ ہے۔ اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ دیگر ایک روایت میں حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے سوا سب عشرہ مبشرہ کا تذکرہ موجود ہے۔

دیگر ایک روایت میں ہے کہ قریش نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بارے میں مطالبہ کیا۔ کوہ ثبیر نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپؐ نیچے تشریف لے جائیں کیونکہ میں ڈرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے عذاب کرے گا۔ اگر جناب کو آپؐ کے دشمنوں میں میرے اوپر شہید کر دیا۔ کوہ حرا نے اس وقت آپؐ سے گزارش کی کہ آپ میرے اوپر آجائیں ثبیر اور حرا دونوں ہی مکہ کے پہاڑ ہیں اور ایک دوسرے کے مقابل ہیں۔

علماء نے فرمایا ہے ان پہاڑوں کا لرزنا اس قسم سے متعلق نہیں ہے۔ جس طرح اس وقت ہوا تھا۔ جب موسیٰ علیہ السلام کی قول کلمہ میں تحریف کرنے میں لگے ہوئے تھے۔ ان پر جب پہاڑ کانپا تھا۔ تو یہ اس قوم پر غضب ظاہر کرنے کے لئے انہیں جھنجھوڑنا ہلانا تھا۔ لیکن اس جگہ تو پہاڑ خوشی و مسرت کے باعث لرزتے تھے۔ یہ وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اس چیز کو نبوت صدیقیت اور شہادت کے تذکرہ سے واضح فرمایا کیونکہ یہ امور خوشی کا باعث ہیں اور استقرار و اثبات جبال کا سبب ہیں۔

کنکریوں نے تسبیح بیان کی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ہاتھ مبارک میں کنکریوں کا تسبیح بیان کرنا اسی باب سے تعلق رکھتا ہے۔ جس طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ آنحضرت نے ایک مٹھی کنکریوں کی بھری تو کنکریوں نے آپؐ کے دست شریف صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں تسبیح بیان کی۔ ہم نے ان کی تسبیح سنی۔ پھر آپؐ نے وہ کنکریاں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں رکھ دیں تو انہوں نے پھر تسبیح پڑھی۔ پھر ہمارے ہاتھ میں وہ کنکریاں دے دیں تو انہوں نے تسبیح نہ پڑھی۔ قاضی عیاض نے شفاء میں کہا ہے کہ اسی طرح ابوذر رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے اور ذکر کیا ہے کہ کنکریوں نے حضرت عمر اور عثمان رضی اللہ عنہما کے ہاتھوں میں بھی تسبیح بیان کی۔ اور اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ مواہب لدنیہ میں ذکر کیا گیا ہے کہ ولید بن سوید نے کہا ہے کہ بنو سلیم میں سے ایک بوڑھا آدمی حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ جب کہ ابوذر ربذہ میں ایک مکان میں رہتے تھے۔ وہ ابوذر سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا میں ایک دن دوپہر کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس حاضر ہوا۔ میں نے دیکھا کہ آپؐ بیٹھے ہوئے ہیں اور کوئی آدمی اس وقت آپؐ کے پاس موجود نہ تھا۔ گویا میں نے اس وقت آپؐ کو اس طرح دیکھا تھا۔ جیسے کہ آپؐ وحی کی حالت میں ہیں۔ پس میں نے سلام عرض کیا انہوں نے جواب دیا اور فرمایا کہ تمہاری یہاں آنے کی کیا غرض ہے اے اباذر! میں نے عرض کیا کہ خدا اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں۔ پس آپؐ نے مجھ کو حکم دیا کہ بیٹھ جاؤ پس میں آپ کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ اور میں نے آپؐ سے کوئی چیز نہ پوچھی نہ ہی آپؐ نے مجھ سے کوئی بات کی۔ میں نے تھوڑی دیر خاموشی اختیار کی۔ ناگاہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے جب کہ آنحضرت چہل قدمی فرما رہے تھے۔ انہوں نے سلام عرض کیا اور آنحضرت نے سلام کا جواب دیا۔ اور پوچھا کہ کس غرض سے آئے ہو۔ انہوں نے عرض کیا کہ مجھے خدا اور اسکے رسول یہاں لائے ہیں پس آپؐ نے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ یہاں بیٹھ جائیں۔ پس ابوبکر آنحضرت کے مقابل میں بیٹھ گئے اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے انہوں نے بھی ایسے ہی کیا۔ اور وہ حضرت ابوبکر کے پہلو میں بیٹھ گئے بعد ازاں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تشریف لائے یا اس سے کم و بیش اپنے ہاتھ میں پکڑیں تو وہ اس قدر آواز کے ساتھ آنحضرت کے ہاتھ مبارک میں تسبیح بیان کرنے لگیں کہ ہم سب نے وہ تسبیح سنی جیسے کہ شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ ہوتی ہے۔ آپؐ نے پھر وہ کنکریاں ابوبکر کے ہاتھ میں رکھ اور مجھ کو چھوڑ دیا۔ تو کنکریاں ان کے ہاتھ میں بھی تسبیح پڑھ رہی تھیں۔ اس کے بعد آپؐ نے ابوبکر کے ہاتھ سے لے کر ان کو زمین کے اوپر رکھ دیا تو کنکریاں چپ ہو گئیں۔ پھر آپؐ نے کنکریاں حضرت عمر کے ہاتھ میں رکھیں۔ تو انہوں نے پھر تسبیح بیان کی۔ جس طرح کہ ابوبکر کے ہاتھ میں کرتی تھیں۔ اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دیں تو کنکریوں نے اسی طرح تسبیح بیان کی جس طرح کہ ابوبکر صدیق اور عمر رضی اللہ عنہما کے ہاتھ میں بیان کرتی تھیں۔ پھر وہ زمین پر آپؐ نے رکھ دیں۔ اور وہ چپ ہو گئیں۔ یہ حدیث حضرت بزار سے روایت ہوئی ہے۔ طبرانی اوسط میں اور بیہقی نے زہری سے روایت کیا ہے اور طبرانی کی حدیث میں آیا ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد وہ کنکریاں ہمارے ہاتھوں میں بھی رکھی گئیں لیکن انہوں نے تسبیح نہ کی اور اسی طرح یہ حدیث مواہب لدنیہ میں لائی گئی ہے اور روضۃ

الاحباب میں ابو شکور سلمی کی تمہید سے منقول ہے کہ کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اس مجلس میں موجود تھے۔ انکے ہاتھ میں بھی کنکریاں تسبیح کرتی تھیں۔

اسی باب سے طعام کا تسبیح پڑھنا۔ بخاری شریف میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے حدیث لائی گئی ہے کہ ہم رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ کھانا کھاتے تھے اور ہم کھانے میں سے تسبیح سنتے تھے۔

اور جعفر بن محمد باقر بن علی زین العابدین سلام اللہ علیہم اجمعین سے روایت آئی ہے کہ انہوں نے کہا آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بیمار ہو گئے۔ پس آپؐ کے پاس جبرئیل علیہ السلام حاضر ہوئے ان کے ہاتھ میں ایک طبق تھا۔ اس میں انگور اور انار تھے۔ پس آنحضرت نے وہ کھائے اور وہ آپؐ کے ہاتھ شریف پر تسبیح بیان کرتے تھے۔ اور ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ممبر پر یہ آیت پڑھی۔ ماقدر واللہ حق قدرہ اس کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ذات جبار اپنی ثناء بیان کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ انا الجبار انا الجبار انا الکبیر المتعال پس ممبر لرزنے لگا حتیٰ کہ ہم نے کہا کہ ایسا نہ ہو کہ آنحضرت ممبر سے نیچے نہ آ رہیں۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آیا ہے کہ کہتے ہیں کہ خانہ کعبہ کے گرد تین سو ساٹھ بت رکھے تھے جو کہ سیسہ کے ساتھ پتھر میں جمائے ہوئے تھے۔ پس جب آنحضرت فتح کے سال میں مسجد حرام میں داخل ہوئے تو ایک لکڑی سے جو آپؐ کے ہاتھ میں ان کی طرف اشارہ کرتے تھے۔ لیکن ان کو چھوتے نہ تھے اور آپؐ فرما رہے تھے جاء وزھق الباطل اس کے بعد ان کی طرف اشارہ نہ کیا۔ لیکن وہ اپنے سر کے بل گر رہے تھے۔ وہ تمام آپؐ کے ہاتھ شریف کی سلطنت میں خوار و نزار تھے۔

شیر خوار بچوں کا کلام اور شہادت۔ اور شیر خوار بچوں کا کلام کرنا اور آپؐ کے رسول ہونے کی شہادت دینا بھی اسی حکم میں ہے۔ معیقب یمامی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں حجۃ الوداع میں موجود تھا جب میں اپنے گھر میں گیا تو وہاں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو موجود پایا اور تعجب خیز امر دیکھنے میں آیا۔ ایک یمامی آدمی ایک چھوٹے سے نو مولود بچے کو لایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس بچے سے فرمایا کہ میں کون ہوں؟ بچے نے کہا انت محمد رسول اللہ تو حضور فرمانے لگے صدقت بارک اللہ فیک پھر اس بچے نے کلام نہ کیا۔ حتیٰ کہ وہ جوان ہو گیا ہم نے اس بچے کا نام رکھا مبارک الیمامہ اور فہد بن عطیہ سے روایت ہے کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں ایک غلام لایا گیا وہ ہرگز کلام نہ کر سکتا تھا۔ مراد یہ ہے کہ وہ گونگا تھا۔ اس کو آنحضرت نے پوچھا کہ میں کون ہوں وہ بولا انت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم (رواہ البیہقی)

مریضوں کی تندرستی اور مردوں کو زندگی عطاء کرنا۔ وصل:۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت میں آئی اور اپنا بچہ بھی ہمراہ لائی اور کہنے لگی یا رسول اللہ! میرے اس بچے کو جنون ہے۔ اور شام کے کھانے کے وقت اسے جنون کا دورہ پڑتا ہے۔ اور یہ میرا وقت خراب کرتا ہے۔

پس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس کے سینہ پر ہاتھ پھیرا۔ تو اس نے قے کی اس کے اندر سے ایک سیاہ رنگ کی چھوٹی سی چیز نکلی جس طرح کہ کتے کا بچہ ہوتا ہے۔ اور وہ دوڑتا تھا۔ (رواہ الدارمی) اور امام بو صیری نے خوب کہا۔

؎ کما برات و حیا باللمس راحتہ وطلفت لزیا من ریقہ اللحم

اور بنو جشم سے ایک عورت بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئی وہ بچہ کلام نہیں کر سکتا تھا۔ آنحضرت نے پانی منگوایا۔ آپؐ نے اس میں کلی فرمائی۔ دونوں ہاتھ مبارک اس میں دھوئے بعد ازاں وہ پانی بچے کو پلایا۔ تو بچہ اسی وقت تندرست ہو گیا۔ اور وہ عاقل و صاحب شعور ہو گیا۔ وہ تمام لوگوں سے زیادہ عقلمند تھا۔

اور قتادہ رضی اللہ عنہ بن نعمان کو روز احد آنکھ پر زخم ہو گیا۔ حتیٰ کہ آنکھ سے ڈھیلہ نکل کر رخسار پر لٹکنے لگا قتادہ رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! میری ایک زوجہ ہے وہ مجھ سے بڑا پیار رکھتی ہے۔ اب میں اس کے سامنے زخمی اور مکروہ آنکھ کے ساتھ جانے سے ڈرتا ہوں۔ آنحضرت نے وہ آنکھ کا ڈھیلا اپنے مبارک ہاتھ سے پکڑ کر اس کے مقام پر رکھ دیا۔ اور اللہ تعالیٰ سے کہا یا اللہ اس آنکھ کو اچھی طرح سے درست فرما دے۔ حضرت قتادہ کی یہ آنکھ دوسری تندرست آنکھ کی نسبت زیادہ خوبصورت اور زیادہ بینائی والی بن گئی۔ اگر کسی وقت دوسری آنکھ میں کوئی تکلیف یعنی درد ہوتا تو یہ آنکھ اس سے محفوظ ہوتی تھی۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کے ایک فرزند سے نقل کیا گیا ہے کہ جب وہ عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ انہوں نے دریافت کیا کہ تم کون ہو۔ تو اس نے جواب دیا۔

شعر

؎ ابونا الذی سالت علی الحلق عینہ فردت بکف المصطفی ایماردِ
فعادت کما کانت لاول امرھا فیاحسن عین و یاحسن ماخذ

یہ سن کر حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے اس کو انعام عطا فرمایا۔ نیز اچھی طرح ان کی خاطر تواضع فرمائی۔

اور طبرانی اور ابو نعیم نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے چہرہ انور کی حفاظت میں اپنے چہرے سے کرتا تھا۔ جب کہ تیروں کی بارش ہو رہی تھی۔ مراد یہ ہے کہ رسول اکرم کے لئے میں ڈھال بنا ہوا تھا۔ آخر کار ایک تیر دشمن کی طرف سے میری آنکھ پر لگا اور میری آنکھ باہر نکل آئی میں نے اپنی آنکھ ہاتھ سے پکڑ لی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طرف دیکھنے لگا۔ آپؐ نے میری آنکھ میرے ہاتھ میں دیکھی تو حضور کی آنکھوں سے آنسو بہ نکلے اور آپؐ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے پروردگار! اس نے تیرے پیغمبر کے چہرہ انور کی حفاظت اپنے چہرہ کے ذریعے کی ہے اور اس کو زخم پہنچا ہے۔ اے خدا تو اس کی اس آنکھ کو دوسری آنکھ کی نسبت بہتر بنا دے۔

دیگر ایک روایت میں آیا ہے کہ مرض استسقاء میں مبتلا ایک آدمی نے کسی شخص کو اپنے مرض سے شفاء کی خاطر

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بارگاہ میں بھیجا۔ پس آنحضرت نے اپنے ہاتھ سے خاک کی ایک مٹھی بھری اور اس میں اپنا لعاب دہن ڈالا۔ اور اس آئے ہوئے آدمی کو دے دیا۔ اس نے وہ پکڑلی اور حیران تھا گمان کرتا تھا کہ اس سے مذاق کیا گیا ہے۔ پس وہ آدمی وہ خاک شفا مریض کے پاس لایا۔ اس وقت وہ مریض موت کی حد تک پہنچ چکا تھا۔ وہ خاک اس کو چٹائی گئی یا پلائی گئی پس اسے شفاء حاصل ہوئی۔

دیگر ایک شخص تھا جس کی دونوں آنکھیں سفید ہو چکی تھیں۔ اور وہ کوئی چیز نہ دیکھ سکتا تھا۔ پس آنحضرت نے اس کی دونوں آنکھوں کو دم کردیا اور وہ بینا ہو گیا۔ وہ اسی سال کی عمر میں بھی سوئی کے ناکہ میں دھاگہ ڈال سکتا تھا۔ اور اس طرح کے معجزات بہت ہیں۔

غزوہ خیبر میں آپ نے پوچھا کہ علی کرم اللہ وجہہ کہاں ہیں۔ لوگوں نے کہا وہ تو حاضر نہیں ہیں۔ ان کی آنکھوں میں درد ہوتا ہے۔ پس کسی کو بھیج کر انہیں بلایا۔ اور ان کا سر مبارک اپنی گود میں رکھا اور اپنا لعاب دہن ان کی دونوں آنکھوں میں ڈالا۔ اور دعا کی۔ پس وہ دونوں آنکھیں اسی وقت درست ہو گئیں۔ گویا کہ انہیں درد تھا ہی نہیں اور ان کی آنکھیں درد کرنے سے ہٹ گئیں ہمیشہ کے لئے۔ رضی اللہ عنہ دوسرے یہ کہ آپ نے حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ کی ٹوٹی ہوئی مضروب پنڈلی پر تین بار دم فرمایا خیبر کے روز پس وہ اسی وقت درست ہو گئی۔ اور بخاری شریف میں آیا ہے کہ زید بن معاذ رضی اللہ عنہ کو پاؤں پر زخم آیا تھا۔ جس وقت انہوں نے کعب بن اشرف کو مارا تھا۔ آنحضرتؐ نے اس پر بھی لعاب دہن لگایا تھا اور وہ اسی حال میں بالکل درست ہو گیا۔ اور بخاری شریف میں ہے کہ جب عبداللہ بن عتیق رضی اللہ عنہ نے ابو رافع یہودی کو قتل کر دیا۔ چاند روشن رات تھی۔ جب پاؤں اس نے زینہ پر رکھا اس نے سوچا کہ پاؤں زمین پر پہنچ گیا ہے۔ پس وہ گرے اور پنڈلی ٹوٹ گئی۔ پس وہ آنحضرت کے پاس آئے آنحضرت نے اپنا ہاتھ مبارک اس کی پنڈلی پر پھیرا۔ تو وہ اسی وقت درست ہو گئی۔ اور اس قسم کی حکایات بڑی کثرت میں ہیں۔ اور وہ مشہور ہیں۔ اور کتب حدیث میں مذکور و مسطور ہیں۔

احیائے موتی۔ اور احیائے موتی کے سلسلہ میں بیہقی نے دلائل میں روایت کیا ہے کہ آنحضرت نے ایک مرد کو اسلام کی دعوت دی۔ پس اس مرد نے کہا کہ میں اسلام نہیں لاؤں گا۔ آپ پر جب تک آپ میری لڑکی کو زندہ نہ کردیں گے جو مر چکی ہے۔ آنحضرت نے فرمایا کہ مجھے اس کی قبر دکھاؤ۔ پس اس کی قبر اس نے دکھائی۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اس نے کہا میں نے لڑکی کو وادی میں پھینک دیا ہے۔ پس آنحضرت نے فرمایا کہ دکھاؤ مجھے وہ وادی۔ پس آپ اس وادی پر آئے اور آنحضرت نے اس چھوٹی لڑکی کو آواز دی۔ پس اس لڑکی نے جواب دیا۔ لبیک وسعدیک آنحضرت نے فرمایا کیا تو پسند کرتی ہے کہ واپس دنیا میں آجائے۔ اس نے کہا نہیں۔ اللہ کی قسم' یا رسول اللہ میں نے آخرت کو دنیا سے بہتر پایا۔ اور ایک روایت میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے ماں باپ ایمان لے آئے ہیں۔ اگر تم چاہو تو تمہیں ان کے پاس واپس لے آتے ہیں اس حدیث کی روایت میں دلالت ہے کہ مشرکوں کی اولاد کو عذاب نہیں ہے۔ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے بیٹوں کو زندہ کرنے کا قصہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ان کے گھر میں مہمان آئے۔

اور اس نے بکری کا بچہ ذبح کیا۔ اس کے بڑے بیٹے نے بکری کے بچہ کا ذبح کرنے کا حال دیکھ کر اس کے چھوٹے بیٹے کو ذبح کر دیا۔ جب ان کی ماں نے جو صحن میں تھی دیکھا تو وہ دوڑ کر چھت پر آئی تو بڑے لڑکے نے چھت سے نیچے اپنے آپ کو گرا دیا زمین پر۔ اور وہ مر گیا۔ پس یہ دونوں بیٹے آنحضرت کی دعا سے زندہ ہو گئے اور اس کا ذکر شواہد النبوت میں مفصل درج ہے۔

ابو بن شریقین کو زندہ کرنا بھی اس طرح ہی ہے۔ اور وہ ایمان لائے جس طرح کہ حدیث میں ہے۔ لیکن محدثین کو ان احادیث کی صحت میں کلام ہے۔ اور متاخرین میں سے بعض نے ان کو ثابت کیا ہے۔ اور درجہ اعتبار پر پہنچایا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت آئی ہے کہ انصار میں سے ایک جوان تھا جو فوت ہو گیا اس کی ماں تھی جو بوڑھی تھی اور نابینا تھی لوگوں نے اس جوان پر کپڑا ڈال دیا۔ اور اس کی ماں کے ساتھ انہوں نے افسوس کرنا شروع کیا۔ وہ پوچھنے لگی کہ کیا میرا فرزند مر چکا ہے؟ تو لوگ کہنے لگے ہاں مر گیا ہے۔ وہ کہنے لگی اے خداوند! تو اچھی طرح جانتا ہے میں نے اس امید پر تیری اور تیرے نبی کی جانب ہجرت کی تھی کہ تو میری مدد فرمائے گا۔ اور ہر سخت وقت پر میرا فریادرس ہو گا۔ اے خداوند! اب مجھے اس مصیبت میں نہ ڈال۔ ہم اس جگہ سے ابھی دور نہ ہٹے تھے کہ ہم نے مردہ نوجوان کے منہ سے کپڑا ہٹایا۔ دیکھا وہ نوجوان زندہ تھا۔ اس کے بعد اس نے ہمارے ساتھ مل کر کھانا کھایا (رواہ ابن عدی' ابن ابی الدنیاء' بیہقی' ابو نعیم) یہ برکت تھی اس استغاثہ کی جو اس عورت نے رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی بارگاہ میں کیا تھا۔

اس کی مانند وہ روایت بھی ہے جو ابی بکر بن ضحاک نے سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے انصار میں سے ایک آدمی کا انتقال ہو گیا۔ لوگوں نے اسکی تجہیز و تکفین کی اسے اٹھایا اور لے جانے لگے اس نے پکارا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم۔

اسی کی مانند ایک روایت ہے کہ زید رضی اللہ عنہ بن خارجہ انصاری خزرجی اور ان کے والد نے اکٹھی حاضری دی تھی۔ اور یہ بیعت رضوان میں بھی شامل تھے یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دور میں فوت ہوئے تھے انہوں نے وفات پانے کے بعد کلام کیا تھا۔ جو محفوظ کر لیا گیا تھا۔ انہوں نے کہا تھا۔

احمد احمد فی الکتاب الاول صدق ابوبکر الصدیق الضیف فی نفسه القوی فی امره فی الکتاب الاول صدق' صدق عمر بن الخطاب القوی الامین فی الکتاب الاول صدق صدق عثمان بن عفان' علی منهاجهم مضت لربع سنین و بقیت سنتان۔ انت الفتن واکل الشدید الضعیف وقامت الساعته کذافی جامع الامرل

مواہب لدنیہ میں نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت آئی ہے وہ کہتے ہیں کہ زید بن خارجہ رضی اللہ عنہ انصاری کے ایک سردار تھے۔ مدینہ شریف کے کسی راستے پر چلتے ہوئے وہ اپنے منہ کے بل زمین پر گر پڑے۔ ظہر اور عصر کے درمیان اور فوت ہو گئے۔ انصاری مرد اور عورتیں آئیں اور رونے لگیں۔ اور وہ اس حالت میں رہے حتیٰ کہ انہوں نے مغرب اور عشاء کے درمیان ایک آواز سنی۔ وہ کہہ رہی تھی کہ خاموش ہو جاؤ۔ ذرا غور سے جو دیکھا تو وہ آواز کپڑے کے

نیچے سے آرہی تھی لوگوں نے ان کے چہرہ اور سینہ پر سے کپڑا ہٹادیا۔ اور دیکھا کہ وہ کہہ رہے تھے۔

محمد رسول اللہ النبی الامی خاتم النبیین لا نبی بعدہ وکان ذالک فی الکتاب الاول وصدق

صدق ھذا رسول اللہ السلام علیک یا رسول اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

(رواہ ابوبکر بن ابی الدنیا فی من عاشق بعد الموت)

نقل کیا گیا ہے عبید اللہ انصاری سے کہتے ہیں کہ اس جماعت میں میں بھی شریک تھا جس نے حضرت ثابت رضی اللہ عنہ بن قیس بن شماس کو دفن کیا تھا۔ اور وہ پوری طرح وفات یافتہ تھے۔

اور حضرت عبداللہ انصاری سے روایت کی گئی ہے کہ انہوں نے کہا میں اس جماعت میں تھا۔ جنہوں نے ثابت بن قیس شماس کو دفن کیا۔ وہ یمامہ میں شہید ہوئے تھے۔ جب ان کو قبر میں اتار اگیا تھا تو وہ کہہ رہے تھے "محمد رسول اللہ ابوبکر الصدیق عمر الشہید عثمان بن عفان ابرالرحیم" پس ہم نے اس کی طرف دیکھا تو وہ وفات یافتہ تھے۔ (کذافی الشفاء) اگر شک کریں اور کہیں کہ وہ شاید زندہ ہوں اور کوئی حجاب ہو گیا ہو گا۔ نیز یہ امر آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے دست مبارک پر واقع نہ ہوا تاکہ اسے معجزہ کہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مرنا ایسی بات نہیں جو پنہاں رہے اور حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ذکر و مدح اس میں یہ ہے کہ سب یہ انہیں کی برکت و عزت کے باعث ہے اور اگر کرامت ہو تو پھر بھی یہ ان ہی کا معجزہ ہے۔

اور ابو نعیم نے روایت کیا ہے کہ جابر رضی اللہ عنہ تعالیٰ عنہ نے اور اسے سالم ہی بھون لیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں پیش کی۔ پس ساری جماعت نے کھایا۔ آنحضرت نے فرمایا کھاؤ لیکن ہڈی کوئی نہ توڑے۔ بعد ازاں آنحضرت نے ہڈیوں کو جمع کیا اور ان پر اپنا دست مبارک رکھا۔ اور کچھ پڑھا ناگاہ وہ بکری اٹھی اور اپنے کان جھاڑنے لگی۔

اور کچھ کامل اولیاء کرام ہیں جو اللہ تعالیٰ کی نشان و قدرت کے مظہر ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی متابعت کے شرف سے آپ کے پرتو میں اس قسم کے خوارق سرزد ہوئے ہیں۔ کہ آدمیوں نے ایک مرغ کھایا۔ ہڈیوں پر اپنا ہاتھ مبارک رکھ کر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا نام لیا۔ مرغ اٹھ کھڑا ہوا اور چلنے پھرنے لگا اور یہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے معجزات سے ہے۔

نیز جاننا چاہیے کہ خیبر میں زہر آلود بکری کا کلام کرنا بعض علماء نے اسے بھی احیاء موتی کے زمرہ میں شمار کیا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ کلام اللہ تعالیٰ نے مردہ بکری میں پیدا فرمایا۔ جس طرح کہ پروردگار تعالیٰ شجر و حجر میں حروف اور آواز پیدا فرما دیتا ہے۔ اور ان کی شکل و صورت کے تغیر کے بغیر ہی سنواتا ہے۔ اور قاضی ابوبکر باقلانی اور الشیخ ابوالحسن کا مذہب بھی یہی ہے۔ اور بعض کا قول ہے کہ پہلے ان میں حیات کو پیدا فرماتا ہے اور پھر قوت کلام دیتا ہے۔ اور ظاہر قول یہی ہے۔ واللہ اعلم۔

وصل:۔ اجابت دعائے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بطور معجزہ 'شفاء شریف میں کہا گیا ہے کہ یہ باب بڑا وسیع ہے

اور آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی قبولیت دعا خواہ کسی کے فائدے میں ہو یا نقصان میں متواتراً معنی ثابت ہے۔

اور حضرت خدیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے کہ جب آنحضرت کسی کے لئے دعا فرماتے تھے تو اس کا اثر بیٹوں اور پوتوں تک دیکھا جاتا تھا۔ اس ضمن میں مشہور ترین حدیث انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے حق میں اپ کا دعا فرمانا ہے۔ کہ وہ انواع و اقسام کی نعمتوں اور ظاہر و باطن کرامت سے مخصوص ہوئے۔ انہیں ان کی والدہ آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت اقدس میں لائیں۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ! یہ (انس) آپ نے ان کے لئے دعا فرمائی کہ اسے اللہ اس کے مال اور اولاد میں زیادتی کردے۔ اور جو نعمتیں اسے عطا ہوئی ہیں اسے ان میں برکت عطا فرما۔

روایت ہے حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے کہ حضرت انس نے کہا خدا کی قسم۔ میرا مال بہت ہے اور میری اولاد ایک صد نفوس سے زیادہ ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ کہا میں نہیں جانتا کہ مجھ سے زیادہ عیش و خوشی کی زندگی کسی اور کی ہو۔ جس طرح کہ مجھے ملی ہے۔ اور کہا کہ بلاشبہ میں نے اپنے ان دو ہاتھوں سے اپنی اولاد میں ایک سو نفوس کو وفات پر دفن کیا ہے اور اسقاط حمل اور اولاد کا تو معلوم ہی نہیں اور روایت میں آیا ہے کہ ان کے باغات سال میں دوبار پھل دیتے تھے۔

اور اسی طرح میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے حق میں دعا فرمانا ہے برکت کی۔ عبدالرحمٰن فرماتے ہیں اگر نیت کرتا تھا کسی پتھر کو اٹھانے کی تو مجھے امید ہوتی تھی کہ اس کے نیچے سونا ضرور ہو گا۔ ان کے لئے رزق کے دروازے کشادہ تھے۔ جبکہ ہجرت کے وقت وہ مفلس تھے۔ وہ کچھ نہیں رکھتے تھے۔ اور ان کا ترکہ کا سونا چھینیوں سے کاٹا گیا تھا۔ چار بیویوں میں تقسیم پر ہر ایک کو اسی ہزار اشرفیاں ملیں۔ دیگر ایک روایت کے مطابق ایک لاکھ ہے دیگر ایک روایت میں ہے کہ ان کی مطلقہ بیوی سے اسی ہزار اشرفیوں سے کچھ زیادہ پر صلح ہوئی۔ اور پچاس ہزار اشرفیوں کے متعلق وصیت کی گئی۔ یہ سب ان بڑی مقدار کے صدقات و خیرات کے علاوہ تھا جو وہ زندگی میں کرتے رہے تھے۔ اور ایک روز میں تیس غلام آزاد کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ اپنا پورا کارواں صدقہ کر دیا۔ اس میں سات سو اونٹ تھے۔ اس میں ہر قسم کی جنس تھی۔ وہ اونٹ مرصہ ساز و سامان اور لدے ہوئے مال کے ساتھ صدقہ کر دیئے گئے تھے۔ اس صدقہ کرنے کی وجہ یہ خبر تھی کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے انہیں بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے عبدالرحمٰن بن عوف کو جنت میں ایک محل خریدتے دیکھا ہے اس کے شکرنہ میں انہوں نے سارا کارواں ہی صدقہ کر دیا۔ رضی اللہ عنہ۔

آنحضور علیہ الصلوۃ والسلام نے معاویہ بن سفیان رضی اللہ عنہ کے حق میں ملکوں پر حکومت کی دعا فرمائی پس ان کو حکومت و امارت حاصل ہوئی۔ ایک حدیث ہے کہ یا معاویہ! اذا ملکت فاسنحج اے معاویہ جب تمہیں حکومت ملے تو نرمی رکھنا۔ حضرت معاویہ کا قول ہے کہ اس روز سے مجھے حکومت کی امید ہو گئی تھی۔

آپ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی خاطر دعا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے وہ قبول فرمائی۔ آنحضور نے جس کسی کے لئے بھی دعا فرمائی وہ ضرور قبول ہوئی۔ آپ کی دعا کو تیر سے تشبیہ دی گئی ہے۔ آنحضورؐ نے اسلام کی عزت کی خاطر عمر رضی اللہ عنہ یا ابو جہل کے لئے دعا فرمائی تھی۔ یہ حضرت عمر کے حق میں مستجاب ہوئی ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول

ہے۔ جب حضرت عمرؓ اسلام لائے اسلام کو مسلسل عزت اور غلبہ حاصل ہو تا گیا۔

ایک مرتبہ ایک غزوہ کے دوران لوگ پیاس سے بے تاب ہو گئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں دعا کے لئے عرض کیا۔ آپ نے دعا فرمائی۔ بادل آئے اور سب کو پانی مل گیا۔ استسقاء میں آنحضرت کی دعا اور بارش کا ہونا بڑا مشہور ہے۔ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم)

آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے نابغہ جعدی کے حق میں دعا فرمائی۔ لا یفضیض اللہ فاک اللہ تعالیٰ تیرے منہ دانت نہ توڑے ان کا ایک دانت بھی کبھی نہ اکھڑا۔ ایک روایت کے مطابق وہ دانتوں کے بارے میں سب سے زیادہ خوش نصیب تھے۔ اگر کوئی دانت گر تا تو فوراً اس کی جگہ نیا دانت اگ آتا۔ ان کی عمر ایک سو بیس سال ہوئی۔ بعض نے اس سے زیادہ لکھی ہے۔ نابغہ پرانے شاعروں میں سے ایک تھے۔ جنہوں نے دعوت اسلام قبول کی کتاب کے آخر میں آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے شاعروں میں ان کا ذکر بھی آئے گا۔

آپ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے لئے دعا کی اللھم فقہ فی الدین و علمہ التاویل اے اللہ تعالیٰ ان کو دین میں تفہیم عطا فرما اور تاویل کا علم عطا فرما۔ وہ ترجمان قرآن اور مفسر مشہور و معروف ہیں عبداللہ بن جعفر کے لئے تجارت میں برکت کے لئے دعا فرمائی۔ جو کچھ وہ خریدتے تھے انہیں اس میں فائدہ ہو تا تھا۔ حضرت مقدار رضی اللہ عنہ کے لئے مال میں برکت کی دعا فرمائی۔ ان کے پاس ہمیشہ مال کی زیادتی رہتی تھی۔ عروہ بن ابی الجعد کے حق میں دعا فرمائی۔ عروہ کا قول ہے کہ ایک ایک روز چالیس چالیس ہزار منافع حاصل ہو تا تھا جبکہ میں بازار کے گوشہ میں کھڑا ہو تا تھا۔ بخاری شریف میں انہی کی حدیث میں آیا ہے کہ اگر میں مٹی بھی خرید لیتا تو اس میں بھی مجھے منافع حاصل ہو تا تھا۔ ایک مرتبہ جب آنحضرت کی اونٹنی بھاگ گئی تو آپ نے اسے بلایا۔ اور آواز دی۔ تو میں نے اسے پکڑ کر خدمت میں پیش کر دی اس وقت آپ نے یہ دعا فرمائی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی والدہ کے حق میں اسلام کی دعا فرمائی وہ اسی وقت مسلمان ہو گئی تھی۔ حالانکہ قبل ازاں وہ حضور کی بدگو تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں دعا فرمائی کہ اللہ انہیں گرمی و سردی سے محفوظ رکھے۔ ان کا حال یہ تھا گرمی کے دوران سردیوں والے اور سردی کے دوران گرمیوں والے کپڑے پہن لیتے تھے۔ لیکن گرمی یا سردی انہیں کوئی نقصان نہ دیتی تھی۔ اسی طرح سیدہ فاطمتہ الزہرہ رضی اللہ عنہا کے لئے دعا فرمائی کہ وہ کبھی بھوکی نہ ہوئیں تھیں۔

آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے طفیل بن عمرو نے اپنی قوم کی خاطر کوئی نشانی اور کرامت طلب کی۔ حضورؐ نے ان کے حقوق میں دعا فرمائی اے خداوند ان کو نور عطا فرما۔ ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان ایک نور چمکنے لگا۔ عرض کیا مجھے خدشہ ہے کہ لوگ اس کو برص تصور نہ کریں۔ لہٰذا اسے تبدیل کر دیا گیا۔ اور ان کے عصاء کے دستہ میں وہ نور آگیا۔ رات کے اندھیرے میں ان کا کوڑا روشنی دیتا تھا۔ اس کے باعث ان کا نام ذوالنور (روشنی والا) مشہور ہو گیا تھا۔ آپ نے قبیلہ مضر کے لئے بھی دعا فرمائی۔ لہٰذا وہ قحط میں مبتلا ہوئے اس کے لئے قریش نے نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے لطف و کرم کی درخواست کی تو آپ نے دعا فرمائی اور قحط رفع ہو گیا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کسریٰ کے لئے دعا فرمائی کہ اس کا ملک ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے لہٰذا اسکا کوئی ملک نہ رہا۔ دنیا میں فارس کی سلطنت ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئی۔

جس آدمی نے آپ کی نماز قطع کی تھی اس کے لئے آپ نے دعا فرمائی اللہ تعالیٰ اس کی ٹانگیں توڑ دے۔ تو وہ بیٹھا ہی رہ گیا۔

آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ایک آدمی کو اپنے بائیں ہاتھ سے کھاتے ملاحظہ فرمایا اور فرمایا کہ دائیں ہاتھ سے کھاؤ اس نے جواب دیا کہ میں داہنے ہاتھ سے کھا نہیں سکتا یہ اس نے جھوٹ بولا تھا۔ فرمایا تو کبھی بھی دائیں ہاتھ سے نہ کھا سکے گا۔ اس کے بعد وہ کبھی بھی اپنا دایاں ہاتھ نہ اٹھا سکا۔

آپ نے عتبہ بن ابولہب کے حق میں فرمایا اے خداوند! اپنے کتوں میں سے ایک کتا اس پر مسلط کر دے۔ اسے ایک شیر نے پھاڑ کھایا۔

آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے قریش کے ان لوگوں کے حق میں دعا فرمائی جنہوں نے نماز کے دوران آپ کی گردن اقدس پر اونٹ کی اوجھ ڈالی تھی۔ یہ مشہور ہے کہ وہ سب جنگ بدر میں قتل ہو گئے۔

(ایک شخص) حکم بن العاص نے غرور تکبر اور استہزاء سے آپ کا منہ چڑایا۔ اور اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ آپ نے فرمایا تو ایسا ہی ہو جا۔ وہ ویسا ہی ہو گیا حتیٰ کہ وہ مر گیا۔

آپ نے محکم بن جثامہ کے حق میں بددعا فرمائی۔ کہ زمین اس کو قبول نہ کرے اسے جب قبر میں ڈالا گیا۔ زمین نے اس کو نکال کر باہر الٹ دیا۔ ایسا کئی بار ہوا۔ پس اس کی نعش کو دو گڑھوں کے وسط میں رکھ کر دیواریں استوار کی گئیں۔ لیکن اس کو وہاں سے بھی نکال کر باہر پھینک دیا۔

وصل:۔ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی کرامات و برکات جن اشیاء کو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے مس کرنے یا قرب عطا کرنے کے باعث کرامات و برکات میسر ہوئیں ان کے ضمن میں صحیح حدیث کی روایت ہے کہ حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہا نے ایک جبہ اطلس کا بنا ہوا نکالا اور بتایا کہ یہ جبہ شریف حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے پہنا تھا۔ اور اب ہم مریضوں کو اس کے پلو کا دھوون پلاتے ہیں تو فوراً شفا ہو جاتی ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ایک پیالہ بھی تھا اس میں بھی مریضوں کو پانی ڈال کر پلانے سے شفا مل جاتی تھی۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اپنی ٹوپی میں آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے چند موئے مقدس رکھے ہوئے تھے۔ جس جنگ میں وہ اسے پہن کر شامل ہوتے انہیں فتح حاصل ہوتی تھی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے گھر والے کنویں میں آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے لعاب دہن ڈالا۔ اس کے بعد مدینہ شریف کے کسی کنویں کا پانی بھی اس سے شیریں تر نہ تھا۔ ایک ڈول آب زم زم آنحضور کی خدمت میں حاضر کیا گیا۔ آپ نے اس میں اپنا لعاب دہن مبارک ڈالا تو مشک سے زیادہ خوشبو اس سے آنے لگی۔

سید المرسلین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنی زبان مبارک امام حسن و امام حسین رضی اللہ عنہما کو چوسائی تو (سیراب

آب ہو کر) خاموش ہو گئے جبکہ قبل ازاں وہ پیاس کے باعث رو رہے تھے۔ جن شیر خوار بچوں کے منہ میں آنحضور لعاب دہن ڈال دیتے ان کے لئے وہ رات تک کافی ہوتا تھا۔ وہ بوجہ گرسنگی نہ روتے۔ حلیہ مبارک کے بیان میں یہ تذکرہ ہو چکا ہے۔ امام مالک رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ ان کے پاس ایک کپی تھی۔ اس میں آنحضرت کی بارگاہ میں وہ گھی بھیجا کرتی تھیں۔ اس میں سے وہ متواتر گھی نکالتی رہی تھیں۔ جب تک کہ اسے نچوڑا نہیں تھا۔ اس میں گھی کم نہ ہوتا تھا آپ کے دست اقدس کے مس کرنے کی یہ بھی کرامت و برکت ہے کہ ایک یہودی کی خاطر آپ نے ایک پودا کاشت کیا جو اسی سال پھل دینے لگا۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا اسلام لانے کا واقعہ مذکور ہے۔ کہ چالیس اوقیہ سونا اور تین صد درخت کھجور کے اگانے اور پھلدار ہونے پر ان کی کتابت ہوئی (یعنی آزادی کی شرط طے ہوئی۔ یہ تین سو درخت پھل لائے سوائے ایک کے جو آنحضور ؐ کی بجائے کسی اور نے کاشت کیا تھا۔ ابن عبد البر کا بیان ہے کہ شاید وہ ایک درخت عمر رضی اللہ عنہ کا کاشت کردہ تھا۔ امام بخاری کا قول ہے کہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے خود وہ بویا تھا۔ یہ بھی امکان ہے کہ ان دونوں نے کاشت کیا ہو۔ آنحضرت نے اسے اکھیڑا اور پھر بویا تو اسی سال میں وہ پھل لیا۔ آنحضرت نے مرغی کے انڈے کے برابر سونا اپنی زبان مبارک سے چھوا اور یہودی کو چالیس اوقیہ دیا۔ پھر بھی چالیس اوقیہ سونا اس ڈلی سے باقی تھا۔ بایں طور سلمان فارسی آزاد ہو گئے۔

حنش بن عقیل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے آنحضور ؐ نے جو ستو کا شربت پلایا تھا اسے پہلے آنحضرت نے خود نوش فرمایا اور پھر میں نے بعد ازاں ہمیشہ بھوک کے وقت اپنے اندر میں سیری محسوس کرتا تھا۔ اور جب پیاسا ہوتا تو سیرابی اپنے اندر پاتا تھا۔ اور جب گرمی ہوتی اس کے باعث میں ٹھنڈک پاتا تھا۔

بکریوں کے دودھ میں برکت ہونا بھی اسی زمرہ میں شمار ہے۔ مثال کے طور پر وہ واقعات ام معبد اور حضرت انس کی بکریوں کے حلیمہ سعدیہ آپ کی دائی کی بکری اور انکے اونٹ کا قصہ۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود کی بکری کا قصہ بھی جسے ہنوز کسی نر نے نہ چھوا تھا۔ مقداد رضی اللہ عنہ کی بکری کا واقعہ وغیرہ وغیرہ یہ بھی آپ کی برکلت سے ہے کہ آپ نے ایک مشکیزہ کا منہ کھولا۔ کیا دیکھتے ہیں کہ نہایت میٹھا دودھ اس میں ہے جس کی جھاگ دہانہ پر لگی ہوئی تھی۔ آپ نے عمر بن سعد رضی اللہ عنہ کے سر پر اپنا دست اقدس پھیرا نیز برکت کی دعا فرمائی۔ اسی سال کی عمر ہو گئی پھر بھی وہ ابھی جوان تھے۔ وہ جوانی کی حالت میں ہی فوت ہوئے قاضی عیاس صاحب شفاء شریف میں فرمایا ہے۔ کہ اس طرح کے بہت سے قصے اور حکایات روایت میں آئی ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے قیس بن زید جذامی کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ اور دعا فرمائی۔ ان کی عمر سو سال ہو گئی۔ سر سفید ہو گیا لیکن جس جگہ پر ہاتھ پھیرا تھا وہ سیاہ بال تھے جنگ حنین میں عابد بن عمر زخمی ہو گئے۔ آپ نے ان کے چہرہ کو صاف فرمایا اور دعا فرمائی۔ ان کا چہرہ ہمیشہ چمکتا رہتا تھا۔ ان کا نام "غر" مشہور ہو گیا۔ دیگر ایک آدمی کے چہرے پر بھی آپ نے دست اقدس پھیرا تھا۔ اس کا چہرہ ہمیشہ نورانی رہا۔

عبدالرحمن بن زید بن خطاب کے سر پر دست اقدس پھیرا۔ ان کا قد چھوٹا تھا۔ جبکہ ان کے باپ دراز قد تھے۔ آپ نے ان کے لئے دعا فرمائی تو ان کا سر طویل و حسین اور خوبصورت دکھائی دیتا تھا۔ لوگوں کے درمیان آنحضور نے حضرت زینت بنت ام سلمہ کے چہرہ پر پانی کے چھینٹے مارے ان کا چہرہ اتنا حسین و جمیل ہوا کہ حسن و جمال میں ان کی ثانی کوئی دیگر عورت نہ دیکھی گئی۔ علماء کہتے ہیں۔ کہ پانی کے یہ چھینٹے بطور مذاق آپ نے مارے تھے۔ تعالیٰ اللہ سبحان اللہ۔ جب مذاح اور ہزل کی یہ حالت ہے تو آپ کی کوشش و عزم اور ارادہ و قصد کی کس قدر تاثیر ہوگی۔ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم۔

آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنا ہاتھ مبارک حنظلہ بن جذیم کے سر پر رکھا اور برکت کے لئے دعا فرمائی تو یہ کیفیت ہوئی کہ متورم چہروں والے لوگ آتے یا بکریاں لائی جاتیں جن کے تھن متورم ہوتے تو حنظلہ اس مقام سے مس کرا دیتے جہاں آپ نے اپنا ہاتھ مبارک رکھا تھا ان کا ورم اسی وقت دفع ہو جاتا تھا۔ آپ نے دیگر ایک بچہ کے سر پر ہاتھ پھیرا تو اس کے سر کا گنج فوراً درست ہو گیا۔ اس کے بال برابر ہو گئے اور جو بچے دیوانے یا مریض لائے جاتے تھے۔ یا کوئی آسیب زدہ یا دیوانہ بچہ ہوتا تو اس کے سینہ پر آپ اپنا ہاتھ مبارک پھیر دیتے تھے۔

جنگ حنین کے دن آپ نے جو ایک مٹھی خاک کفار کے چہروں پر پھینکی جو ان کو آنکھوں میں پڑی۔ یہ بھی آپ کے بہت بڑے معجزات میں شمار ہوتا ہے۔ بلاوجود پہلے کفار کے غالب آ جانے کے کفار کو شکست کھا کر بھاگنا پڑا اس میں اسلام کی کامیابی ہوئی حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت طلحہ کے گھوڑے پر سواری فرمائی۔ اس کی برکت سے اس میں تیز رفتاری آ گئی۔ جبکہ قبل ازاں وہ گھوڑا بڑا ست رفتار اور کوتاہ قدم تھا۔ بعد ازاں وہ گھوڑا ایسا تھا کہ اس کی مثل کوئی اور گھوڑا نہ تھا۔ حضرت جابر کے اونٹ میں سستی اور کمزوری کے بعد تیزی پیدا ہو گئی اس کی وجہ یہ تھی۔ کہ آنحضور نے اپنے دست اقدس سے اسے سبز ٹہنی کھلائی تھی۔ ازاں بعد یہ کیفیت تھی۔ کہ لگام سے اسے روکنا دشوار ہو گیا تھا۔ اس قسم سے ہے۔ آپ کا سعد بن عبادہ کے ست گام گدھے پر سوال فرمانا اور اس کے بعد واپسی پر ترکی گھوڑوں کی طرح اس میں تیز رفتاری پیدا ہو جانا۔ اور کوئی جانور اس کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔

جریر بن عبداللہ بجلی کی یہ کیفیت تھی کہ وہ گھوڑے کی پشت نہ بیٹھ سکتے تھے۔ آنسرور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے انکے سینے پر اپنا دست اقدس مارا۔ وہ ملک عرب میں سب سے بہتر سوار اور گھوڑے پر جم کر بیٹھنے والے ہو گئے تھے۔

یہ بھی ان برکات سے ہے آپ نے جنگ بدر کے دوران عکاشہ کو تلوار ٹوٹنے پر درخت کی ٹہنی دے دی۔ وہی ٹہنی چمکدار تلوار ہو گئی اس کے بعد اسی سے عکاشہ جنگ قتل کرتے رہے حتیٰ کہ مرتدین سے جہاد کے دوران وہ شہید ہو گئے۔ وہ اس تلوار کا نام "عون" لیا کرتے تھے۔ احد کی جنگ کے دوران عبداللہ بن جحش کو بھی کھجور کی ایک ٹہنی دی۔ تو وہ اس کے ساتھ ان لوگوں کو قتل کرتے تھے جو خود اپنے ہاتھوں میں تلواریں لئے ہوتے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کو ایک شب تاریک کھجور کی ٹہنی عطا فرمائی۔ جو راستہ میں روشن ہو جاتی اور آپ نے اسے خبر دی کہ جب گھر پہنچو اس میں جو سیاہی نظر آئے اسے جھاڑ دینا وہ

شیطان ہے۔ پس جب وہ گھر پہنچے تو آپ نے سیاہی کو جھاڑ کر پھینک دیا۔ حضرت ابوہریرہ نے حدیث بھول جانے کی شکایت کی۔ آپ نے انہیں چادر پھیلانے کا حکم ارشاد فرمایا۔ آپ کا اس چادر کے اوپر اپنا ہاتھ مبارک کا رکھنا اور اکٹھا کر کے چادر کو سینہ سے لگا لینے کا حکم صادر فرمانا اور اس کی برکت سے ان کو علوم کے حفظ کرنے کی قوت حاصل ہونا ایک مشہور واقعہ ہے۔

علم غیب

وصل۔ علوم غیبیہ سے اطلاع' قرآن کریم میں جو کچھ بتایا گیا ہے اس میں سے ایک یہ ہے معارضہ قرآن کے موقع پر مطلع کر دینا کہ اس کی مانند کوئی شخص ایک سورۃ بھی لا سکے۔ جیسے کہ قرآن میں ارشاد ہے۔ وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہ پھر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے ولن تفعلوا ولا یاتوا بمثلہ اس طرح کفار پر اس خبر کی تصدیق ہو گئی۔ جیسے کہ اعجاز قرآن کے بارے میں تذکرہ گزر چکا ہے۔ اور جنگ بدر کے قصہ میں بیان بھی ان ہی غیبی اخبار میں سے ہے۔

ولذ یعدکم اللہ احدی الطائفتین انہا لکم وتودون ان غیر ذات الشوکۃ تکون لکم	اور جب اللہ تعالیٰ نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ دونوں گروہوں سے ایک تمہارے لئے ہے۔ اور تم یہ چاہتے تھے کہ تمہیں وہ ملے جس میں کسی قسم کا کھٹکا نہ ہو۔

قریش کے دو مختلف گروہ تھے۔ ایک مال و متاع و غنیمت زیادہ تھا اور خطرات تھوڑے تھا۔ اس کے برعکس دوسرا گروہ تھا۔ اسلام اس کے ساتھ چاہتے تھے۔ بھڑ جائیں۔ جس میں غنیمت زیادہ تھی۔ اور خطرات بھی کم تھے۔ جو کچھ ان کے دلوں میں تھا اللہ تعالیٰ نے اس سے مطلع فرمایا اور ان سے فتح و نصرت کا وعدہ فرمایا یہ تمام باتیں دشمن سے سامنا ہونے سے قبل کی ہیں۔ اور یہ تمام از قسم مغیبات ہیں۔ جنگ بدر کے قصہ میں پورا واقعہ مذکور ہو گا۔ قرآن میں یہ بھی غیبت کی خبروں میں سے ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا سیھزم الجمع ویولون الدبر جلدی ہی کفار کا گروہ منتشر ہو جائے گا اور پیٹھ پھیر کر بھاگ جائے گا۔ یہ آیت پاک بھی قریش کے حال کو ظاہر کرتی ہے۔ جنگ بدر کے دن اس کا ظہور بھی ہو گیا۔ جبکہ ان کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ' ہر طرح کا ساز و سامان بھی رکھتی تھی اور مسلمان تین سو تیرہ سے زیادہ نہ تھے اور وہ صرف دو گھوڑے رکھتے تھے جو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور مقداد رضی اللہ عنہ کے پاس تھے۔ باوجود اس کے اللہ نے مسلمانوں کو نصرت عطا فرمائی اور انہیں قدرت دی کہ بڑے بڑے کافر سرداروں کو قتل کریں اور ان کے مال کو غنیمت بنالیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ قول بھی اخبار غیب سے ہے۔ سنلقی فی قلوب الذین الرعب یعنی عنقریب کفار کے دلوں میں ہم رعب ڈالیں گے۔ جنگ احد میں کافروں کی حالت یہ اظہار کیا گیا ہے اگرچہ اس دن ان کو ایک قسم کا غلبہ بھی تھا۔ پھر بھی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر اس قسم کا رعب ڈالا کہ وہ مکہ کو واپس ہو گئے واپسی کے وقت پر مشرکین مکہ کے سردار ابو سفیان نے بلند آواز سے کہا محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اگر تم چاہو گے تو آئندہ سال پھر بدر کے میدان میں مقابلہ ہو گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا اگر خدا نے چاہا تو کفار واپس جاتے ہوئے دوران راہ پچھتاتے تھے۔ اور پھر ارادہ کیا کہ پلٹ کر حملہ کریں اور مسلمانوں کو ختم کر دیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈالا اور وہ نہ پلٹے اور مکہ کی طرف چلے گئے۔

رب تعالیٰ کا ارشاد قرآنی اخبار بالغیب سے ہے کہ وھم من بعد غلبھم سیغلبون فی بضع سنین (الی قولہ) لا یخلف اللہ وعدہ غلبہ حاصل کرلینے کے بعد جلدی ہی کچھ سالوں میں یہ لوگ مغلوب ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ یہ آیت پاک قیصرو کسریٰ کی جنگ کے بارے میں نازل ہوئی۔ جب کسریٰ کو قیصر پر غلبہ ہوا تو کسریٰ کی محبت میں مشرکین مکہ نے کہا ہمارے بھائی (مجوسی) تمہارے بھائیوں (اہل کتاب) پر غالب آگئے ہیں اور اسی طرح تم پر بھی ہمارا غلبہ ہو گا۔ لیکن سات سال کے عرصہ کے بعد غزوہ حدیبیہ کے وقت قیصر کو کسریٰ پر غلبہ حاصل ہوا۔ اور اس نے مجوسی کو اور فارسیوں کو باہر نکال دیا۔

اللہ تعالیٰ کا یہ قول بھی اخبار عن الغیب سے ہے۔ ولا یتمنونہ ابدا بما قدمت ایدیھم یہودی کبھی بھی تمنا نہ کریں گے اس کی (یعنی موت کی) ان اعمال کے باعث جو ان کے ہاتھوں آگے بھیجے گئے۔ اس آیت پاک میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ یہودی کبھی موت نہ چاہیں گے۔ نہ اپنے دل سے اور نہ زبان سے۔ حالانکہ وہ اس پر قدرت کے حامل ہیں۔ یہ تمام خبریں غیب کے بارے میں ہیں جو اسی طرح ہوا جیسے کہ فرمایا گیا۔ اگر ان لوگوں نے کبھی ایسی آرزو کی ہوتی تو یہ بھی نقل میں آتا۔ اور وہ مشہور ہوتا۔

ایک مرفوع حدیث آئی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر وہ یہودی تمنا کرتے تو اسی وقت وہ مر جاتے اور کوئی یہودی روئے زمین پر موجود نہ رہتا۔ اور آئندہ بھی انہوں نے کبھی ایسی تمنا کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکذیب کی سزاء میں وہ فوراً مرجائیں گے۔ یعنی وہ اعتراف کرتے ہیں کہ اگر آرزو کریں گے تو فوراً مرجائیں گے۔

اسی طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے متعلق فرمایا۔

وعد اللہ لذین امنو منکم و عملوا الصلحت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم

تم میں سے ایمانداروں کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا جنہوں نے نیک عمل کئے کہ زمین میں خلافت عطا کروں گا۔ جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا۔

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ یہ حق تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ان کی امت سے زمین میں خلفاء لوگوں کے امام اور صاحبان امر و صلاح بنائے جائیں گے۔ اور ملکوں میں ان کے ذریعہ سے اصلاح ہوگی۔ اور اللہ تعالیٰ کے سامنے اس کے بندے عاجزی و انکساری بجالائیں گے۔ اور خوف کے بعد اللہ تعالیٰ ان کو بے خوف کریں گے اور انہیں قوت عطا ہوگی عاجزی اور کمزوری کے بعد انہیں حاکم بنایا جائے گا۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ رب تعالیٰ کا وعدہ پورا ہوا۔ ومن اوفی بعھدہ من اللہ اور کون ہے اللہ سے زیادہ وعدہ کو پورا کرنے والا (واللہ الحمد ومنہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس وقت تک اس دنیا سے، پردہ پوشی اختیار نہ فرمائی جب تک مکہ' خیبر' بحرین' باقی ماندہ عرب کا علاقہ اور یمن کی زمین پر اللہ تعالیٰ نے فتح نہ دی۔ شام کے بعض حصوں سے مجوسیوں سے جزیہ حاصل کیا۔ روم کے بادشاہ ہرقل اسکندریہ کے حاکم مقوقس نے تحائف آنحضور کی خدمت اقدس میں بھیجے۔ عمان کے حاکم اور نجاشی حاکم حبشہ آپ پر ایمان لائے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس جہان سے رخصت ہوئے۔ اور رب تعالیٰ نے وہ کچھ پسند فرمایا جو اس کے نزدیک آنحضور کی عزت کے لائق تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ذریعے قیام امر ہوا۔ آنحضور کے بعد جو لوگ پریشانی میں منتشر ہو گئے تھے ان کو جمع کر کے طاقتور بنایا اور اس قسم کی شجاعت کا اظہار کیا کہ کوئی بھی دوسرا بڑا صحابی اس کے مقابلہ سے قاصر تھا۔ اور فتنوں سے نپٹ نہ سکتا تھا۔ سب رائے دیتے تھے کہ خاموشی اختیار کریں۔ لیکن صدیق اکبر نے کہرہمت باندھی اور جزیرہ عرب کو مغلوب کیا۔ فارس کی طرف حضرت خالد بن ولید کو بھیجا اور اسلامی لشکر ساتھ بھیجا انہوں نے شاندار فتوحات حاصل کیں۔ حضرت ابوعبیدہ بن جراح کی قیادت میں دوسرا لشکر علاقہ شام کی طرف بھیجا اور مصر کی جانب عمرو بن العاص کی سرکردگی میں تیسری فوج روانہ کی۔ شام کی طرف بصریٰ دمشق اور قریبی علاقے خوران وغیرہ میں فتوحات حاصل کیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی اپنے پاس طلب فرمالیا۔ اور پسند فرمایا ان کے لئے جو بہتر تھا اللہ کی رحمت سے اللہ تعالیٰ نے الہام کے ساتھ اسلام اور اہل اسلام پر احسان فرمایا کہ صدیق اکبر نے اپنے بعد قیام امر کی خاطر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو جانشین و خلیفہ نامزد فرمادیا۔ خلیفہ اول کے بعد قوت سیرت اور کمال عدل میں پوری طرح سے قیام امر ہوا شام کے تمام شہر پورے کے پورے اور دیار مصر آخری حدوں تک اور فارس کے اکثر شہر فتح ہو گئے۔ شوکت کسریٰ ختم کردی گئی وہ نہایت ذلیل ہوا۔ اس کے جملہ ممالک مسلمانوں کے قبضہ میں آ گئے۔ قیصر روم ملک شام سے نکال دیا گیا۔ اور قسطنطنیہ تک فتح کے جھنڈے لہرائے۔ ان ممالک کے متعلقہ سب اموال فی سبیل اللہ مسلمانوں پر تقسیم کردیئے اور اسی طرح ہی رونما ہوا جس طرح رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو پہلے خبر دی گئی تھی اور وعدہ فرمایا گیا تھا۔ ازاں بعد خلافت عثمانیہ کے دوران اسلامی ممالک کی حدود کا سلسلہ مشرق و مغرب کے کناروں تک وسعت پذیر ہو گیا۔ اور اس دور خلافت کے دوران اندلس' قیروان' بستہ اور اس کے قریب بحر محیط کی فتح کے بعد مشرقی کناروں میں چین کے شہروں تک اسلامی سرحدیں وسیع ہو گئیں۔ کسریٰ مار دیا گیا اور اس کی حکومت کا نام و نشان ختم ہو گیا۔ مدائن عراق خراسان اور اھواز فتح کئے گئے اور ترکوں کے ساتھ اہل اسلام کی شدید جنگ ہوئی۔ اور خراج کی ترسیل مشرق و مغرب سے آنے لگی۔ یہ سب کچھ تلاوت قرآن کریم اور اس کی برکت سے ہو گیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن پاک کی بے نظیر و عدیم المثال خدمت سرانجام دی ہے۔ اور ان کے دور میں بیشتر اسلامی شہر مفتوح ہوئے۔ ازان بعد امام برحق سیدنا علی کرم اللہ وجہہ' الکریم خلیفہ ہوئے۔ لیکن لوگ ان کی قدر و منزلت نہ جان سکے اور مخالفت اور جھگڑے کی روش اختیار کی۔ ان کی مخالفت پر کمربستہ ہوئے۔

حنفی المذہب علماء فقہ و حدیث میں سے تورپشتی انہی عقائد میں تحریر کرتے ہیں۔ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے

مخالفین کے تین گروہ تھے' ایک گروہ ان لوگوں کا جو انہیں پہچان نہ سکا۔ دوسرا دنیا کی ہوس میں مبتلا لوگوں کا گروہ۔ تیسرا اجتہادی خطا کرنے والا گروہ لکھتے ہیں کہ سیدہ عائشہ صدیقہ اور طلحہ و زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے متعلق اس قسم کا خیال و عقیدہ نہ ہونا چاہیے۔

اخبار عن الغیب سے متعلق ہی قرآن پاک میں رب تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ	وہ اللہ تعالیٰ جس نے اپنا رسول ہدایت کے ساتھ بھیجا اور دین حق کے ساتھ۔ تاکہ تمام ادیان پر اسے غالب کرے۔

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بین اور عیاں ہے۔ کہ جس طرح خبر دی گئی ہے اس طرح دین اسلام تمام دیگر ادیان پر غالب ہے۔

اور اخبار غیب سے متعلق ہی اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے۔

اذا جاء نصر اللّٰہ و الفتح و رایت الناس یدخلون فی دین اللّٰہ افواجا۔	اللہ تعالیٰ کی نصرت و فتح جب آئے اور تم دیکھو کہ لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہوتے ہیں

آنسرور صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم جب دنیا سے روپوش ہوئے اس وقت تمام بلاد عربیہ میں کوئی مقام نہ تھا جہاں اسلام کا نفاذ نہ ہو چکا ہو (وللہ الحمد)۔

غیب سے متعلق خبروں کی دوسری قسم جو احادیث میں وارد ہوئی ہے ان میں سے ہی وہ روایت ہے جو حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے بیان کی۔ وہ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز خطبہ ارشاد فرمایا اس کے دوران کوئی ایسی چیز بیان کرنے سے نہ چھوڑی جو قیامت تک ہونے والی ہو۔ اس میں سے کسی نے کچھ یاد رکھا اور کسی نے کچھ بھلا دیا بعض دفعہ ایسے ہوتا ہے کہ کوئی چیز ہم بھول جاتے ہیں لیکن جب وہ سامنے آئے اور ہم اسے دیکھیں تو وہ یاد آ جاتی ہے جس طرح وہ آدمی ہوتا ہے جو عرصہ سے غائب رہا ہو۔ لیکن جب وہ روبرو آتا ہے تو پہچانا جاتا ہے۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میرا یہ خیال نہیں کہ میرے ساتھ والوں نے ان باتوں کو عمداً بھلا دیا۔ بلکہ قسم خدا تعالیٰ کی ان کو بھلا دیا گیا ہے۔ یقینی امر ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے ہر ہر فتنہ کو فصاحت سے بیان فرما دیا تھا حتیٰ کہ فتنہ پردازوں کے اسماء اور قبائل کے نام تک آپ نے بیان فرما دیئے۔ ابتدا میں فتنہ گر تین سو کی تعداد تک ہوں گے۔ لیکن ان کی پیروی کرنے والوں کی تو حد کوئی نہیں۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ کوئی چیز بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے نہ چھوڑی جو بیان نہ کی یہاں تک کہ آسمان میں پر پھیلانے والے پرندہ کا بھی علم ہمیں بیان فرمایا گیا۔

مسلم شریف میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں فرماتے ہیں کہ اہل اسلام کے پاس دس سواروں کا دستہ پہنچے

گا۔ میں ان کو اور ان کے باپوں کے نام جانتا ہوں ان کے گھوڑوں کے رنگ تک پہچانتا ہوں۔ سطح زمین پر وہ بہترین سوار ہوں گے۔

اس میں شک نہیں ائمہ حدیث نے صحیح حدیثوں میں بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے امت کو خبر دے دی۔ دشمنوں پر غالب آنے۔ مکہ شریف بیت المقدس یمن اور عراق مفتوح ہونے اور راستوں میں امن و امان کا وعدہ فرمایا گیا ہے کہ اگر کوئی عورت اکیلی حرہ سے مکہ کی طرف سفر کرے گی اس کو سوائے خدا تعالیٰ کے کسی کا کوئی خوف نہ ہو گا۔ جس طرح حدیث میں وارد ہوا ہے۔ مدینہ شریف میں قیام کرنا' اور امت محمدیہ کو دنیا پر رب تعالیٰ کا فتح عطا کرنا۔ اور قیصرو کسریٰ کے خزائن مسلمانوں میں تقسیم ہونا۔ قیصرو کسریٰ کا موجود نہ رہنا نیز خبر دینا کہ کسریٰ اور اس کا ملک ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ جس طرح اس نے آنحضور کے خط مبارک کو چاک چاک کیا تھا۔ قیصر شام سے بھاگ گیا اس کے ممالک اسلامی حکومت میں شامل ہوئے۔ اس کے دوسرے ملکوں کو مسلمانوں نے فتح کرلیا۔ یہ دوران خلافت عمر فاروق بن خطاب رضی اللہ عنہ ہوا۔ اور اس کا آئندہ بھی تذکرہ آئے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فتنوں کے برپا ہونے۔ خواہشات کی پیروی اختیار کرنے یہود و نصاریٰ کی روش اختیار کرنے اور امت کا تہتر فرقوں میں بٹ جانا ان میں سے ایک کا ناجی ہونا۔ عیش پرست ہو جانا' صبح و شام لباس بدلنا' زرق برق چمکیلی پوشاکیں زیب تن کرنا گھروں کے اندر بہترین فرش وغالیچے بچھانا۔ دیواروں کو پردہ پوش کرنا جس طرح خانہ کعبہ میں ہے۔ اکڑ اکڑ کر چلنا۔ مختلف اقسام کے کھانے پکانا اور فارس اور روم کے لوگوں کی طرح عورت سے خدمت حاصل کرنا سب کی خبر دے دی ہے۔ اور آپ نے ارشاد فرمایا۔ جب لوگ اس طرح کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان پر عذاب کرے گا لڑائیاں اور جنگ برپا ہوں گے نیکوں کے مقام پر برے لوگ فائز ہوں گے۔ ان کے درمیان سے اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کو اٹھالے گا۔ اور آپ نے خبر دی کہ یہ وقت اور زمانہ تیز رفتاری سے گزر جائے گا اور قیامت کے نزدیک علم اٹھالیا جائے گا اہل علم دنیا سے رخصت ہو جائیں گے۔ فتنے برپا ہو جائیں گے۔ ہرج مرج ظاہر ہو گی جس کی ابتدا عثمان رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے واقعہ حرہ تک ہے حرہ کا واقعہ بدترین شنیع واقعہ ہے جو دور یزید میں ظاہر ہوا۔ تاریخ مدینہ میں ہم نے اسے بیان کر دیا ہے

مسلیمہ کذاب کا فتنہ و فساد بھی بتایا گیا۔ اس کے ظہور سے ڈرایا گیا۔ فرمایا کہ تاسف ہے عرب پر کہ اس کا ظہور اب قریب ہی ہے۔ آنحضور نے ارشاد فرمایا کہ میری خاطر زمین لپیٹ دی گئی اور مجھے مشارق مغارب دکھادیئے گئے۔ اور وقت قریب ہے کہ جہاں تک زمین لپیٹ کر مجھے دکھائی گئی وہاں تک وہ میری امت کی مقبوضہ ہو جائے گی۔ بایں طور مشرق و مغرب میں ارض ہند میں حکومت دراز تر ہو گی یہ مشرق کے دور ترین کنارے سے لے کر بحر طنجہ تک ہو گی' جس کے ورے کوئی عمارت یا آبادی موجود نہ ہے سابقہ امتوں سے کوئی امت اتنی طویل حکومت کی حامل نہیں گذری۔ نہ جنوبی سمت میں نہ شمال کی طرف آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہمیشہ عرب والے حق پر رہیں گے۔ حتیٰ کہ قیامت رونما ہو گی۔ اہل عرب سے مطلب ہے۔ بعض عرب ہیں اور عرب کے معانی "دلو" یعنی ڈول ہیں۔ یعنی ڈول کے ساتھ پانی دینا عربوں کی خصوصیت ہے بعض کے

نزدیک اہل عرب سے مراد بلاد مغرب ہیں۔ وجہ یہ کہ ان سے اکثر حق پر قائم ہیں۔ کچھ روایات میں اہل مغرب آیا ہے معنوی لحاظ سے یہ روایت خیر و بھلائی کا مفہوم دیتی ہے۔ ابی امامہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ایک اور حدیث بھی ہے۔ حضور کا فرمان ہے کہ میری امت سے ایک جماعت ہمیشہ حق پر رہے گی اور دینی دشمنوں پر وہ غالب رہے گی جب تک اللہ کا حکم یعنی قیامت آئے۔ وہ ہمیشہ حق پر رہے گی اور دینی دشمنوں پر وہ غالب رہے گی جب تک اللہ کا حکم یعنی قیامت آئے۔ وہ ہمیشہ حق پر ہوں گے۔ صحابہ عرض کرنے لگے یا رسول اللہ! یہ لوگ کس جگہ ہوں گے؟ آپ نے فرمایا بیت المقدس میں ہوں گے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بنو امیہ کی حکومت اور معاویہ رضی اللہ عنہ کی ولایت کی بھی خبر دی تھی۔ اور آپ نے ارشاد فرمایا کہ آخر عمر میں تم میری امت کے حکمران ہو گے۔ جب تمہیں حکومت ملے تو نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنا۔ برے لوگوں سے دور رہنا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اسی روز سے میں حکومت کا امیدوار تھا۔ مواہب لدنیہ میں نقل کیا گیا ہے کہ ابن عساکر کا بیان ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ معاویہ مغلوب کبھی نہ ہوں گے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جنگ صفین کے دن فرمایا کہ مجھے اگر اس حدیث کا پہلے پتہ ہوتا تو ہرگز معاویہ سے جنگ نہ کرتا۔ واللہ اعلم۔

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کی والدہ کو خبر دی کہ تمہارے بطن میں لڑکا ہے۔ پیدا ہونے پر اسے میرے پاس لانا پس وہ بچہ پیدا ہوا تو والدہ اسے حضور کے پاس لائیں۔ آپ نے اس کے دائیں کان میں اذان کہی اور بائیں میں اقامت' اپنا لعاب دہن بھی اس کے منہ میں ڈالا۔ ان کا نام عبداللہ رکھ دیا۔ اور آپ نے خبر دی کہ یہ ابو الخلفاء ہو گا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب پر ترکوں کے غلبے کی خبر دی۔ آپ نے یہ بھی خبر دی کہ بنو عباس سیاہ جھنڈے کے ساتھ نکلیں گے ملک میں پہنچیں گے۔ اور زیادہ علاقہ پر قبضہ کر لیں گے۔ یہ بھی خبر دی کہ اہل بیت کو دیکھتے ہی قتل کریں گے اور بڑی سختی اور شدت کریں گے۔

حضور علیہ السلام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شہید ہونے کی بھی خبر دی تھی۔ اور آپ نے فرمایا کہ بدبخت اور براوہ آدمی ہے جو علی کے سر اور چہرے کو خون آلود کرے گا۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ علی جنت و دوزخ کو تقسیم کریں گے۔ دوستوں کو جنت میں داخل کریں گے دشمنوں کو جہنم واصل کریں گے۔ یہ خبریں دیگر احادیث میں علی کرم اللہ وجہہ' کے فضائل میں مروی شدہ ہیں۔ قاضی عیاض نے شفا شریف میں لکھا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دشمنوں کے دو گروہ ہیں۔ خارجی اور ناصبی۔ رافضیوں کی جماعت جو اپنے آپ کو ان سے منسوب کرتے ہیں۔ علماء ان کو کافر شمار کرتے ہیں (کذا کرہ فی الشفاء)۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خصوصیت میں دیگر حدیث بھی ہے کہ ان کو ایک طرح کی حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام سے مشابہت حاصل ہے کیونکہ یہودی لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنا دشمن جانتے ہیں اور ان کی والدہ (حضرت

مریم) پر بہتان طرازی کرتے ہیں۔ نصاریٰ عیسیٰ علیہ السلام سے محبت کا دعویٰ کر کے انہیں وہ مرتبہ دیتے ہیں جو ان کے مناسب نہ ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ میری نسبت سے دو گروہ ہلاکت میں پڑیں گے۔ ایک گروہ وہ ہے جو محب مفرط ہیں میری تعریف اس حد تک کرے گا۔ جو میں اس کا حامل نہیں ہوں۔ دوسرا گروہ مجھ سے بغض رکھنے والا ہے یعنی جو میرے ساتھ دشمنی رکھے گا اور مجھ پر بہتان لگائے گا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کی بھی خبردی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ شہادت کے وقت ان کی یہ حالت ہو گی وہ تلاوت قرآن کر رہے ہوں گے۔ اور کہا جاتا ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کا خون شہادت کے وقت اس آیہ کریمہ پر گرا تھا۔ فسیکفیکھم اللہ آپ نے فرمایا کہ ظالم ان کو شہید کریں گے۔ آپ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ عثمان رضی اللہ عنہ کو ایک قمیض پہنائے گا لوگ چاہیں گے اس قمیض کو اتار لیں (قمیض کا مطلب خلافت ہے)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا۔ کہ جب اللہ تعالیٰ تمہیں وہ قمیض پہنائے گا تو تم ہرگز وہ قمیض نہ اتارنا۔ آنحضورؐ نے حضرت عثمان کو جنت کی خوشخبری دی۔ اور اس امتحان کی خبر بھی دی جو ان کو پہنچنے والا تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تک حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ زندہ رہیں گے۔ فتنوں کا ظہور نہ ہو گا۔ آپ نے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر بھی دی۔ اور فرمایا کہ یہ شہید ہو جائیں گے۔ آپ نے یہ بھی خبر دی کہ حضرت علی کی حضرت زبیر کے ساتھ جنگ ہو گی۔ جس کے بعد زبیر پریشان ہوں گے آپ نے یہ بھی خبردی کہ ازواج مطہرات میں سے کسی ایک پر جواب کے مقام پر کتے بھونکیں گے اور وہاں مقتولین کے ڈھیر لگ جائیں گے جواب' ایک موضع ہے مکہ شریف اور بصرہ کے مابین اور یہ واقعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر گزرا جبکہ وہ بصرہ کی طرف جارہی تھیں اسے واقعہ جمل کہا جاتا ہے۔ آنحضور نے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو خبردی کہ ان کو بغاوت کرنے والے لوگ شہید کریں گے۔ انہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لوگوں نے قتل کیا تھا۔ یہ خبر تواتر کی حد تک ہے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تمہیں لوگوں سے افسوس ہے اور لوگوں کو تم سے۔ پس اسی طرح بحکم حجاج بن یوسف واقعہ ہوا۔

سرور کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ تمہاری آنکھ کی بصارت جاتی رہے گی۔ اس کے بعد قیامت کے روز پھر اللہ تعالیٰ تمہاری بصارت کو لوٹا دے گا۔

اسی طرح زید بن حارثہ اور جعفر بن ابی طالب اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم کی شہادت کی خبر آنحضرت نے دی اور موتہ کی جنگ میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے فتح حاصل کرنے کی خبر بھی دی جبکہ موتہ کا مقام مدینہ سے ایک ماہ کی مسافت پر واقع ہے۔

آنحضور کی بارگاہ عالیہ میں جب ایک شخص قزمان نامی حاضر ہوا تو آپ نے اس کے جہنمی ہونے کی خبردی۔ اس کا قصہ

یوں ہے کہ وہ ایک جنگ میں بڑی ثابت قدمی اور بہادری سے لڑا۔ یہاں تک کہ لوگ اسے دیکھ کر حیران ہوئے۔ اور شاید چند صحابہ کو اس کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے جہنمی ہونے کی خبر پر شک بھی گزرا۔ حتی کہ وہ زخموں سے نڈھال ہو گیا۔ پس اس نے اپنی تلوار سے ہی خود کو مار ڈالا۔ جب آنحضور کو لوگوں نے اس کے متعلق بتایا تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ اشھدان لا الہ الا اللہ وانی رسول اللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک جماعت سے جن میں کہ ابو ہریرہ سمرہ بن جندب اور حذیفہ رضی اللہ عنہم بھی تھے فرمایا کہ اس جماعت کا آخر میں ہونے والا آدمی اس دنیا کی آگ میں جل کر مرے گا۔ پس ان میں سے سب سے آخر میں مرنے والے سمرہ رضی اللہ عنہ بن جندب تھے۔ وہ نہایت بوڑھے اور کمزور تھے۔ اور اپنے جسم کو گرم رکھنے کے لئے آگ تاپا کرتے تھے۔ آخر کار اسی آگ نے ان کو ختم کر دیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ احد کے دوران حضرت حنظلہ کے متعلق ارشاد فرمایا کہ ان کو فرشتے غسل دے رہے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا حنظلہ کی زوجہ سے حقیقت حال کا پتہ کرو تو ان کی زوجہ نے بتایا کہ وہ جنبی تھے اور غسل کی حالت دیکھتے تھے۔ جس وقت حضرت حنظلہ کو معلوم ہوا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ وآلہ وسلم شدید معرکہ سے دو چار ہیں انہیں غسل کے لئے موقع ہی نہ ملا۔ لہٰذا وہ جنابت کی حالت میں ہی اٹھے اور جنگ کو روانہ ہو گئے اور وہ شہید ہو گئے۔ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حنظلہ کے سر سے پانی کے قطرے ٹپکتے ہوئے دیکھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ بنو ثقیف میں کذاب اور مبیر ہوں گے۔ لہٰذا ان دو خصوصیات کے حامل شخص پائے گئے۔ مختار بن عبید کو کذاب کہتے ہیں اور حجاج بن یوسف کو مبیر (مہلک وقاتل) کہتے ہیں۔ مختار کا قصہ اسماء الرجال کی کتب میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امام حسن رضی اللہ عنہ کے متعلق ارشاد فرمایا کہ یہ میرا بیٹا سید ہے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے دو گروہوں میں ان کی وساطت سے صلح کرائے گا۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ آپ کی مصالحت اس قصہ کی تصدیق میں ہے۔ جیسے کہ عام مشہور ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے بارے میں فرمایا۔ کہ یہ سب سے پہلے مجھ سے ملنے والی میرے اہل بیت میں سے ہیں اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو رحلت فرمائے صرف آٹھ یا چھ ماہ ہی ہوئے تھے کہ سیدہ وصل پا گئیں (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

آنحضرت نے ارشاد فرمایا کہ میری ازواج مطہرات سے سب سے پہلے میرے ساتھ وہ زوجہ ملے گی جس کے ہاتھ لمبے ہیں۔ مراد ہیں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کیونکہ صدقہ دینے میں اور کاروبار میں وہ دراز دست تھیں (الی آخر الحدیث)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے طف کے مقام پر شہید ہونے کے بارے میں بھی خبر دی۔ اور علامت بھی بتائی کہ ان کو شہید کرنے والا کلب رافضی ہو گا۔ اس کا نام تھا شمر ذی الجوشن۔ آنحضور نے اپنے ہاتھ میں تھوڑی سی

خاک بھی نکالی اور ارشاد فرمایا۔ یہ مٹی اس مقام مقتل کی ہے آنحضور نے خبردی کہ میرے بعد تیس سال خلافت (متواتر) ہو گی۔ بعد ازاں بادشاہت ہو گی۔ دیگر ایک روایت میں ملک عضوض فرمایا اس کا آغاز نبوت و رحمت ہے اور ازاں بعد خلافت پر رحمت ہو گی۔ بعد ازاں عبود جبروت اور فساد برپا ہو گا۔ ازاں بعد آپ نے خبردی کہ ایک سینگ نکلے گا۔ اور علامت بتائی کہ امیر لوگ نماز میں تاخیر کریں گے۔ آپ نے نیز فرمایا کہ آخر زمانہ میں امت میں تیس دجال جھوٹے پیدا ہوں گے ان میں چار عورتیں بھی شامل ہوں گی۔ ان میں سے ہر کوئی اللہ اور اس کے رسول پر افترا باندھے گا۔ ان میں سے آخری دجال کذاب ہو گا۔ دیگر ایک مقام پر روایت ہے کہ وہ سب کے سب نبوت کا دعویٰ کریں گے اور اس وقت تک قیامت برپا نہ ہو گی۔ جب قحطان کا ایک آدمی لوگوں کو اپنی لاٹھی سے نہ مارے گا یہ آدمی تم پر حکمران ہو گا۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا۔

خیر کم قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم ثم الذین یلوم

تم میں سب سے بہتر زمانہ میرا پھر صحابہ پھر تابعین پھر تبع تابعین کا ہے۔ رضوان اللہ علیہم اجمعین

بخاری شریف میں چار مرتبہ وارد ہوا ہے لیکن راوی کو اس میں شک ہے۔ ازاں بعد جھوٹ پھیلے گا۔

ایک روایت میں وارد ہوا ہے کہ لوگ خود بخود آکر گواہی دیں گے حالانکہ انہیں گواہی دینے کو کہا نہ جائے گا لوگ خیانت کریں گے۔ امانت ادا نہ کریں گے۔ وعدہ کر کے اسے پورا نہ کریں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی زمانہ اس کیفیت کا نہیں مگر یہ کہ دست درازی ظلم اور تشدد کے بعد اس سے بدتر زمانہ آئے گا۔ یہاں پر علماء عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے اس کی نقیض پیش کرتے ہیں وجہ یہ کہ ان کا زمانہ اس ظلم اور سختی کے بعد آیا تھا جو مروان سے سرزد ہوئے۔ اور وہ جواب دیتے ہیں یہ حکم باعتبار اغلب ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبردی کہ میری امت قریش کے بچوں کے ہاتھوں ہلاک کی جائے گی۔ یعنی یزید وغیرہ اس حدیث کے روایت کرنے والے حضرت ابوہریرہ فرمایا کرتے تھے کہ میں ان کے نام بیان کر سکتا ہوں اگر چاہوں تو مگر میں یہ نہیں چاہتا۔ ابوہریرہ یہ بھی فرماتے تھے کہ اعوذ باللہ من امارت السنین میں ۶۰ھ کی حکومت سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں۔ (یہ یزیدی دور ہے) ابوہریرہ ۶۰ھ سے قبل ہی وصال پا گئے تھے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خبردی کہ مرجیہ' رافضیہ اور خوارج (فرقے) پیدا ہوں گے۔ خوارج کے متعلق ارشاد فرمایا کہ بہترین لوگوں میں سے ظہور کریں گے۔ بہترین سے مراد ہیں۔ حضرت علی اور ان کے ساتھی رضی اللہ عنہم۔ ان کی علامت آپ نے بتائی کہ ان میں ایک سیاہ رنگ کا شخص بھی ہو گا جسے ذوالثدیہ کہیں گے ایک بازو اس کا اس طرح ہے جیسے کسی عورت کا پستان ہوتا ہے۔ وہ اس کو ہلائے گا اور گھمائے گا۔ سر ان کے منڈے ہوئے ہوں گے علی رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ جنگ کریں گے۔ آپ نے فرمایا ایک اور حدیث میں ہے کہ اگر میں ان کو پاتا تو عاد و ثمود کی طرح انہیں قتل کرتا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبردی کہ بعد میں آنے والے لوگ پہلے لوگوں کو برائی سے یاد کریں گے اور گالیاں دیں گے جس طرح رافضیوں کا عمل ہے نیز فرمایا کہ دین کی مدد کرنے والے تھوڑے ہوں گے حتیٰ کہ وہ اس طرح ہو

جائیں گے جیسے آٹے میں نمک۔ ان کے درمیان ہمہ وقت انتشار و افتراق رہے گا اور کوئی بھی جماعت اس افتراق سے محفوظ نہ ہوگی۔ ان پر امشرہ واقع ہوگا مراد یہ ہے کہ امراء اور حکام لوگوں پر سختی جبر اور دست درازی کریں گے اور حکومت و ولایت کو بالجبر حاصل کریں گے اپنوں کے ساتھ وہ رعایات نہ برتیں گے جو بیگانوں سے کریں گے اور شمنی نے شرح شفاء میں ۔عمری سے نقل کیا ہے کہ امرۃ معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہوچکا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبردی تھی کہ زمانے کے آخر پر بہت ذلیل اور کمینے لوگ پیدا ہوں گے۔ وہ بکریاں چرائیں گے ننگے بدن ہوں گے اور پاؤں پھرتے ہوں گے۔ وہ اپنی عمارات بلند بنالیں گے ان میں کھڑکیاں اور دریچے رکھیں گے یہ اشارہ ہے کثرت مال اور عیش پرستی کی طرف۔

آپ نے بتایا کہ قریش مکہ اور دیگر احزاب آنحضرت کے ساتھ غزوہ نہ کریں گے کیونکہ آنحضرت ان کے ساتھ غزوہ فرماتے تھے۔ آپ کا یہ ارشاد غزوہ خندق کے دوران ہوا۔ لہٰذا اس کے بعد قریش اور دیگر کفار کے گروہ جنگ کے لئے کبھی نہ آئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبردی کہ بیت المقدس کی فتح کے بعد موتان کا اطلاق ہوتا ہے لیکن ظاہر طور پر اس سے مراد وہ طاعون ہے جو سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں چھوٹا تھا۔ کہا گیا ہے کہ صرف تین دن کے دوران ستر ہزار آدمی مر گئے تھے (واللہ اعلم)۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وعدہ فرمایا کہ بصرہ آباد ہوگا۔ آپ نے اپنے ایک صحابی کو خوشخبری دی کہ وہ سمندر میں جنگ کریں گے جیسے کہ بادشاہ اپنے تختوں پر بیٹھے ہوتے ہیں۔ علماء کہتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ایسا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے واقع ہوا۔

آپ نے یہ خبردی کہ اگر دین ثریا پر بھی معلق ہو جائے تو فارس کے لوگ اسے حاصل کرلیں گے بعض حضرات اس سے مراد سلمان فارسی وغیرہ کو لیتے ہیں۔ اور بعض اس کو حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور ان کے شاگردوں پر محمول کرتے ہیں کیونکہ وہ اپنی اصل ابنائے فارس سے رکھتے ہیں۔ اور ایک روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں۔ رجل من فارس و اللہ اعلم

سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ میں ایک عالم کی بھی خبردی۔ جس کی اتباع میں علماء کی ایک جماعت ہو گی۔ علماء کہتے ہیں کہ اس سے امام مالک رضی اللہ عنہ مراد ہیں دیگر ایک گروہ کا قول ہے کہ اس سے مراد ہے مدینہ منورہ میں ایک عالم کے پاس جانا اور یہ خبر آپ کے اپنے ہی زمانہ کے بارے میں ہے ہمیشہ کے لئے نہیں ہے جس طرح کہ حدیث کے سیاق سے ظاہر ہے حالانکہ یہ خبر تو بعد میں آنے والو کے لئے ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے ایک عالم کے متعلق خبردی۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ لا تسبوا قریشا فان عالمہا یملا طباق الارض علما قریش کو برامت

کہ ان کا ایک عالم سارے جہان کو علم سے بھر دے گا۔ امام احمد وغیرہم اس سے مراد امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کو لیتے ہیں اور زرقانی حضرت انس سے حدیث لائے ہیں کہ لیکون فی امتی رجل یقال لہ ابو حنیفۃ ھو سراج امتی میری امت میں ایک ایسا شخص ہو گا جسے ابو حنیفہ کہا جائے گا۔ وہ میری امت کا آفتاب ہے تنزیہ الشریعہ میں ہے کہ امام احمد کی حدیث کی سند جو بیاری ہے اس کی روایت مامون سلمیٰ کی ہے ان دو میں سے کوئی ایک اس حدیث کو وضع کرنے والا ہے۔ اور مؤلف سفر السعادۃ نے فرمایا ہے کہ امام شافعی اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے فضائل و ذم کے بارے میں کوئی حدیث درجہ صحت پر پہنچی ہوئی نہیں ہے۔ جو کچھ بھی روایت کیا گیا ہے۔ وہ موضوع ہے (واللہ اعلم)

پ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ میری امت ہمیشہ حق پر رہے گی۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم یعنی قیامت قائم ہو۔

آپ نے خبر ارشاد فرمائی کہ ہر صدی کے آغاز پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک مجدد پیدا ہو گا۔ وہ دین کی تجدید کرے گا۔ اور آپ نے الامثل فالامثل کی بھی خبر دی۔ حاکم نے اس کو الخیر فالخیر کہہ کر اسے صحیح کہا ہے۔ آپ نے کچھ غزوات کے دوران تند و تیز ہوا چلنے کی خبر دی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ مدینہ شریف میں ایک منافق کی موت کے باعث یہ ہوا چلی ہے۔ غزوہ سے واپس آئے تو اسی طرح پایا۔

آپ نے ایک آدمی کے متعلق خبر دی کہ اس نے غنیمت کے مال و متاع میں سے ایک یہودی کے ایک منکہ کی خیانت کا ارتکاب کیا ہے۔ وہ منکہ اس کی رہائش گاہ سے ملا۔ ایک آدمی کے متعلق خبر دی کہ اس نے چادر چرائی ہے اور وہ چادر اس کے سامان سے برآمد ہوئی۔

ایک بار آپ نے اپنی گم شدہ اونٹنی کے بارے میں خبر دی کہ فلاں درخت کے ساتھ اس کی مہار فلاں وادی میں اٹکی ہوئی ہے۔

آپ نے خبر دی کہ اہل مکہ کو تحریر کردہ خط لے جایا جا رہا ہے۔ آپ نے علامت بھی بتا دی کہ فلاں وادی میں ایک عورت جا رہی ہے۔ اس سے یہ خط چھین لو۔ لہٰذا حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک دو ساتھیوں کے ہمراہ اس عورت کو تلاش کرنے نکلے۔ اور جس جگہ کا نشان و پتہ آپ نے ارشاد فرمایا تھا وہاں پر ہی وہ عورت ملی اس قصہ کا تذکرہ کتب حدیث میں موجود ہے۔ اور یہی قصہ ممتحنہ (سورہ قرآنی) کی شان نزول ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چچا عباس رضی اللہ عنہ کو اس مال کی خبر دی جو اپنی زوجہ ام فضل کے حوالے کر کے یہ وہاں سے روانہ ہوئے تھے۔ اس مال کی خبر سوائے ان کی بیوی کے اور ان کی اپنی ذات کے کسی کو نہ تھی۔ اس کے بعد وہ اسلام لے آئے اس کا ذکر غزوہ بدر کے حال میں کیا جائے گا۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ پر موت کی سی حالت تھی تو آپ نے انہیں فرمایا کہ ممکن ہے تم اس سے بچ جاؤ اور زندہ رہو۔ جب تک کہ ایک قوم تم سے مستفید ہو یعنی مسلمان قوم اور دوسری قوم (یعنی کافر لوگ) نقصان اٹھائیں۔

گویا یہ آپ کی طویل العمری کی خبر تھی۔ پس عشرہ مبشرہ میں سے سب سے آخر میں وصال پانے والے شخص یہ تھے آپ نے ۵۵ھ یا ۵۷ھ میں رحلت فرمائی بعض کا قول ہے کہ آپ نے ۵۸ھ میں وصال پایا۔

آنحضور نے خبردی کہ ابی بن خلف کی موت میرے ہاتھ سے ہو گی۔ آپ نے فرمایا کہ عتبہ بن ابولہب کو اللہ تعالیٰ کا کوئی کتا پھاڑ کھائے گا۔ چنانچہ اسے شیر نے پھاڑ کھایا۔

غزوہ بدر کے دن کافروں کے مقتول ہو کر گرنے کی جگہوں پر نشانات لگائے اور وہ بالکل انہیں جگہوں پر قتل ہو کر گرے جہاں آنحضور نے نشانات لگا دیئے تھے۔

آپ نے اسی دن نجاشی کے وصال کی خبر دے دی جس دن وہ حبشہ میں فوت ہوئے تھے۔ اور آپ جنازگاہ میں تشریف لے گئے اور چار تکبیر کے ساتھ جنازہ کی نماز ادا فرمائی۔ فیروز دیلمی کسریٰ ایران کا قاصد بن کر حاضر ہوا تو آپ نے اسی دن کسریٰ کی موت کی خبردی فیروز نے اس خبر کی تحقیق کی اور اس کے نتیجہ میں وہ اسلام لے آیا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو خبردی کہ تم کو لوگ مدینہ سے نکال باہر کریں گے جب وہ مسجد نبوی کے اندر ایک روز سو رہے تھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا اے ابوذر! اس وقت تمہارا کیا حال ہو گا۔ جب لوگ تمہیں اس مسجد سے نکال دیں گے۔ انہوں نے عرض کیا میں مسجد حرام میں قیام کرلوں گا۔ حضور نے فرمایا جب وہاں سے بھی نکال دیں گے تو پھر (الی آخر الحدیث) آپ نے اسے خبردی کہ تم اکیلے تنہائی کی زندگی گزارو گے اور اسی حال میں وفات ہو گی۔ اور یہ قصہ مشہور ہے کہ ابوذر ربذہ چلے گئے اور وہیں پر وفات پائی یہ قصہ سیرت کی کتابوں میں درج ہے۔ اس کتاب کے آخر میں اس قصہ کا تذکرہ کیا جائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا پہاڑ کو حکم فرمانا کہ ساکن رہ۔ نہیں ہے تجھ پر سوائے ایک نبی ایک صدیق اور دو شہیدوں کے 'اور آنجناب کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر و عثمان رضی اللہ عنہم تھے۔ یہ بھی مشہور واقعہ ہے۔

اور سراقہ کو فرمانا کہ اس وقت کیا حالت ہو گی تمہاری جب تم کسریٰ کے کنگن اپنے ہاتھوں میں پہنو گے خلافت فاروقی کے دوران جب کسریٰ کے اموال مدینہ میں آئے۔ اس میں کسریٰ کے کنگن بھی تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت سراقہ کے ہاتھوں میں دونوں کنگن پہنا دیئے برائے تصدیق خبر آنحضرت کے۔ فاروق اعظم نے کہا اس خدا کے لئے حمد ہے جس نے کسریٰ کے ہاتھوں سے کنگن چھین کر سراقہ کے ہاتھوں میں پہنا دیئے۔

اپنے ایک شہر دجلہ دوجیل کے درمیان آباد ہونے کے بارے میں خبردی۔ جس سے بغداد مراد ہے۔ اور آپ نے خبر دی کہ امت میں ایک شخص ہو گا۔ جسے ولید کہا جائے گا وہ اس امت میں بدترین آدمی ہو گا۔ اور اپنی قوم کا فرعون ہو گا۔

آپ نے فرمایا کہ قیامت نہ آئے گی جب تک دو گروہ آپس میں نہ لڑیں گے دونوں کا ایک ہی دعوہ ہو گا۔ مراد یہ کہ دونوں مسلمان ہوں گے علماء کا قول ہے کہ یہ واقعہ جنگ صفین ہے۔ قاضی ابوبکر بن العربی فرماتے ہیں کہ یہ سب سے پہلا پیش آنے والا حادثہ حضرت محمد رضی اللہ عنہ کی شہادت ہے آنحضرت کے وصال شریف کے بعد سلسلہ وحی بند ہو گیا اور عرب

وغیرہ میں فتنہ رویت کا ظہور ہوا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت سے فتنہ کی شمشیر نیام سے باہر آگئی۔ اور عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔ ازاں بعد اللہ تعالیٰ کی قضاقدر کے مطابق جو کچھ واقع ہوا وہ ظاہر ہے۔

اہل قریش کے سرداروں میں سے ایک شخص سہیل بن عمرو تھا۔ یہ ان کا خطیب تھا۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور آپ کے صحابہ ذی وقار رضی اللہ عنہم کے خلاف سب و شتم کیا کرتا تھا۔ جنگ بدر کے دن وہ گرفتار ہو کر سامنے پیش کیا گیا تو جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے یا رسول اللہ اجازت ہو تو میں اس کے دانت توڑ دوں۔ آنحضرت نے فرمایا عنقریب یہ ایسے مقام پر کھڑا ہونے والا ہے کہ عمر تم اس سے راضی ہو جاؤ گے۔ پس اسی طرح واقع ہوا۔ وہ اسلام لایا اور مکہ میں رہائش اختیار کی۔ جس وقت اسے وصال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور خلافت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا پتہ چلا تو اس نے ایک خطبہ دیا۔ اور اس سے اہل اسلام کے دلوں کو ثابت اور طاقتور بنایا اور ان کی بصیرتوں کو روشن کیا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ثابت بن قیس بن شماس کو فرمایا کہ تم نے کیسی اچھی زندگی گزاری اب تمہیں موت بھی شہادت کی ملے گی۔ وہ مسلیمہ کذاب کی لڑائی میں یمامہ میں شہید ہوئے۔

آنحضور نے جب خالد بن ولید کو اکیدر ایک نصرانی حکمران کی طرف بھیجا تو فرمایا تم اس کو نیل گاؤ کا شکار کرتے ہوئے پاؤ گے مراد یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے غیب کے اسرار و رموز کی خبریں ہر لحاظ سے دیں۔

آنحضور پر منافقوں کے سب اسرار اور مسلمانوں کے سب واقعات جو آنحضرت کی زندگی مبارک میں اور آپ کے وصال شریف کے بعد پیش آئے منکشف اور ظاہر تھے۔ حتیٰ کہ لوگ کہتے تھے خدا کی قسم! اگر کوئی آدمی آپ کو خبر دینے میں جلدی نہ کرتا تو بطحا کے سنگریزے آپ کو خبر دیتے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس جادو کی بھی خبر دی جو لبید بن اعصم یہودی نے آنحضور کے کنگھی کرتے ہوئے گرنے والے بالوں پر کیا تھا۔

اور آنحضرت نے خبر دی کہ معاہدہ کی تحریر کو دیمک کھا چکی ہے جو قریش نے بنو ہاشم کے خلاف قلمبند کیا تھا مگر وہ جگہ جہاں اللہ تعالیٰ کا نام رقم تھا محفوظ تھی۔ آنحضور نے اس وقت بیت المقدس کی کیفیات کو بیان فرمایا جب قریش شب معراج کے بارے میں آپ کی تکذیب کرتے تھے۔

آپ نے خبر دی کہ آخر زمانہ میں اس امت میں برائیاں رونما ہوں گی یعنی کہ امانت جاتی رہے گی شیطان کا سکہ ظاہر ہو گا۔ خیانت پھیلے گی ہم عصروں سے حسد کرنے لگیں گے۔ مرد کم ہو جائیں گے عورتیں زیادہ ہو جائیں گی مال کے کم ہو جانے، فتنے واقعہ ہونے، صلہ رحمی کے اٹھ جانے، زلزلے واقع ہونے اور حجاز سے آگ نمودار ہونے کی خبریں دیں ان تمام تر تفصیلات کا ذکر تاریخ مدینہ میں ہے۔ قیامت کی نشانیاں، حشر و نشر اور آخرت اور قیامت کے احوال یہ وسیع باب ہے ان کے بیان کے لئے ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے جو کچھ بیان میں لایا گیا ہے۔ وہ آنسرور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نبوت کی صداقت میں اور آپ کے معجزات کے ظہور کے لئے کافی ہے۔

(صلی اللہ علیہ و آلہ واصحابہ وبارک وسلم)

حفظ و عصمت سید عالم ﷺ:۔ وصل سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات عظیمہ کے ظہور کے ابواب میں ایک باب رب تعالیٰ کی جانب سے آنحضرت کی ذات کو شر اور اعدائے دین کے مکر و فریب سے حفاظت اور عصمت قائم رکھنا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا۔ واللہ یعصمک من الناس اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں کی شر سے محفوظ رکھے گا۔ واصبر لحکم ربک فانک باعیننا آپ اپنے رب کے حکم کے لئے ثابت قدم رہیں۔ کیونکہ آپ ہماری نظروں کے سامنے ہیں اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کفینک الذین یجعلون مع اللہ الھا اخر ہم ہی ان لوگوں کے مقابلہ میں آپ کے لئے کافی ہیں۔ جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرا الہ بھی بنا رکھا ہے۔ اور فرمایا واذ یمکر بک الذین کفرو۔ اور یاد کیجئے جب کافر آپ کے ساتھ خفیہ تدبیر بنا رہے تھے۔

آنحضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنے آپ کی نگہداشت خود بھی فرماتے تھے۔ اور آپ کے (جانفروش) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی آنحضور کی نگہداشت کرتے تھے۔ جب واللہ یعصمک من الناس آیہ کریمہ کا نزول ہوا تو حبیب خدا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنے خیمہ سے باہر تشریف لائے اور آپکی نگہبانی کرنے والے صحابہ سے مخاطب ہوئے۔ اے لوگو! اب میری نگہداشت رب تعالیٰ فرما رہا ہے۔ اب تمہاری پاسبانی کی ضرورت نہیں ہے۔ روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ایک مرتبہ سفر کے دوران ایک درخت تلے آرام فرما رہے تھے۔ اور آپ کا معمول یہ تھا کہ جب پہلی منزل آتی تو ساتھی صحابہ کرام کوئی درخت تلاش کرتے کہ آنحضور اس کے سایہ تلے دوپہر کو قیولہ فرمائیں۔ ایک اعرابی نے آکر تلوار کھینچی اور کہنے لگا کہ اب کون تجھے مجھ سے بچائے گا۔ آپ نے فرمایا اللہ۔ اعرابی کانپنے لگا۔ اور اس کے ہاتھ سے تلوار نیچے گر پڑی۔ اور یہ تلوار اس کے سر پر لگی جس سے اس کا بھیجا نکل گیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ حدیث صحیح میں قصہ روایت ہو چکا ہے کہ حضور (رؤف الرحیم) نے اس اعرابی کو معاف کر دیا تھا۔ وہ اعرابی اپنی قوم میں چلا گیا اور کہنے لگا میں بہترین قوم سے ہو کر تمہارے پاس آیا ہوں دیگر ایک حدیث میں اس طرح بھی وارد ہوا ہے کہ آنحضور نے اس کے ہاتھ سے تلوار پکڑلی اور فرمایا کہ اب تم کو میرے ہاتھ سے کون بچائے گا وہ اعرابی آپ کے قدموں پر گر پڑا۔

غزوہ بدر کے سلسلہ میں بھی اسی طرح کی حکایت آئی ہے حضور علیہ الصلوۃ والسلام قضائے حاجت کی خاطر صحابہ سے دور چلے گئے۔ ایک منافق آپ کے تعاقب میں گیا اس سے آگے حکایت مذکورہ بالا بیان کے مطابق ہے۔ اس روایت کی مانند غزوہ غطفان کے وقت بھی مروی ہوا ہے۔ اس میں یہ مشہور ہے کہ حملہ آور ہونے والا جوان مسلمان ہو گیا۔ پھر وہ اپنی قوم کے پاس گیا وہ سردار قوم اور بہادر نوجوان تھا۔ قوم کے آدمیوں نے اس سے پوچھا کہ تجھ کو کیا ہو گیا ہے۔ تم تو کہتے تھے کہ اس کو میں ہلاک کر دوں گا۔ اور تو ایسا کر بھی سکتا تھا۔ پھر تو نے کیوں نہ کیا؟ وہ کہنے لگا کہ مجھے ایک سفید رو بلند قامت شخص دکھائی دیا اس نے مجھے پر مارا۔ میں پشت کے بل نیچے گر پڑا۔ تلوار بھی زمین پر آگری مجھے علم ہو گیا کہ یہ فرشتہ ہے۔ ازاں بعد

میں اسلام میں داخل ہو گیا۔ ایک حدیث میں اس طرح آیا ہے کہ اس نے آنحضور کے سر مبارک پر اپنی تلوار سونت لی۔ تو آنحضرت نے دعا فرمائی کہ اے خداوند! مجھے اس کی شر سے بچا جس طرح تو چاہے۔ وہ شخص کمر کے درد کے باعث منہ کے بل گرا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

اور اللہ تبارک و تعالیٰ کا یہ خطاب مومنین سے ہے۔

یاایہا الذین امنوا اذکرو انعمت اللہ علیکم	اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا ذکر کرو۔
اذھم قوم ان یبسطوا الیکم ایدیھم	جو اس وقت تم پر نازل ہوئی جب ایک قوم نے تم پر دراز دستی کرنے کا ارادہ کیا تھا۔

کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نفع یا نقصان اصل میں مومنین کی طرف ہی لوٹتا ہے۔

نقل کیا گیا ہے کہ جب تبت ید ابی لہب سورۃ کا نزول ہوا۔ ابولہب کی زوجہ لعنت اللہ تعالیٰ علیہا ام جمیل نامی بنت حرب ابو سفیان کی بہن بھی تھی۔ اسے (قرآن میں) حمالۃ الحطب کہا گیا ہے اس نے نیت کر لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو تکلیف دوں اور گالیاں وغیرہ دوں۔ اس وقت حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی بارگاہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حاضر تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ ام جمیل آ رہی ہے۔ عرض کی یا رسول اللہ! یہ عورت نہایت بے حیا و بے ادب اور بڑی بد زبان ہے۔ آپ حضور یہاں سے تشریف لے جائیں تو بہتر ہو گا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے وہ نہ دیکھ پائے گی۔ ام جمیل آئی اور کہنے لگی۔ اے ابوبکر! تمہارے آقا نے میری ہجو کی ہے۔ حضرت صدیق نے فرمایا کہ میرا آقا شعر گو نہیں ہے اور نہ ہی وہ کسی کی برائی کرتے ہیں۔ پس وہ ملعون عورت خائب و خاسر واپس گئی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اسی مقام پر تشریف فرما رہے اور وہ آپ کو دیکھ نہ سکی۔ آنحضرت نے ارشاد فرمایا کہ رب تعالیٰ نے ایک فرشتہ کو بھیجا۔ تاکہ مجھے وہ اس عورت سے اپنے پروں میں چھپائے۔ محمد بن اسحاق ذکر کرتے ہیں کہ وہ عورت ہاتھ میں ایک پتھر اٹھائے ہوئے تھی۔ اس نے کہا کہ اگر میں محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو دیکھتی تو ان کا منہ اس پتھر سے...... (العیاذ باللہ)

کتاب الشفاء میں یہ ذکر آیا ہے کہ ایک آدمی بنو مغیرہ سے آیا کہ آنحضرت کو (معاذ اللہ) قتل کرے اس کی آنکھیں اندھی ہو گئیں۔ اور وہ آپ کو دیکھ نہ سکا۔ جبکہ وہ آنحضرت کی گفتگو بھی سن رہا تھا۔ پس وہ اپنی قوم کے پاس واپس گیا وہ ان کو بھی نہ دیکھ سکا حتی کہ لوگوں نے اس کو آواز دے کر پکارا۔

ہجرت کی ابتداء میں بھی آنحضور کو نہ دیکھنے اور نہ پہچاننے کا قصہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنے گھر مبارک سے باہر تشریف لائے۔ ان کے ساتھ گفتگو فرمائی اور ان کے سامنے سے گزر گئے۔ انہوں نے یا تو آپ کو دیکھا ہی نہ تھا اور یا وہ آپ کو پہچان نہ سکے۔ اس بارے میں ان کے سروں پر خاک بھی ڈالنا آیا ہے۔ جس طرح کہ انشاء اللہ مناسب مقام پر مذکور ہو گا۔ اور ہجرت کے وقت پر آپ کو ثور پہاڑ کی غار میں نہ دیکھنا اور نہ پہچاننا بھی اسی حال کے قریب ہے۔

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ابو جہم بن حذیفہ کے ساتھ ایک رات کو میں نے وعدہ کر لیا اور

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کے لئے اس سے اتفاق کر لیا۔ اس کے بعد ہم گھر آئے تو آنحضور کو ان آیات کی تلاوت کرتے ہوئے پایا۔

الحاقة ما الحاقة وما ادرلک ما الحاقة (الٰی	وہ حق ہونے والی۔ اور کیا ہے وہ حق ہونے والی
قولہ تعالٰی) فھل ترے لھم من باقیة	(یہاں تک) تو کیا ان میں سے باقی بچا ہوا تم کسی کو دیکھتے ہو۔

یہ سن کر ابو جہم نے عمر کے بازو پر ہاتھ مارا اور کہا ہمیں بچ جانا چاہیے۔ یہ دونوں وہاں سے بھاگ نکلے۔ اور اپنے ارادے ترک کر دیئے۔ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے کی مقدم باتوں میں سے تھی۔ اور حضرت عمر کے اسلام میں داخل ہونے کا قصہ بھی بڑا عجیب ہے اور احسن قصص سے ایک ہے۔ یہ اپنے مناسب مقام پر انشاء اللہ تعالٰی ذکر کیا جائے گا۔

ہجرت کے موقع پر سراقہ بن مالک جعشم کا قصہ ہے اہل مکہ نے ان کو مقرر کیا کہ وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کریں اور پکڑیں۔ ان کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جانا ان کے گھوڑے کا زمین میں دھنس جانا اور آنحضرت کی دعا سے پھر اس کے پاؤں زمین سے نکل جانا ذکر کیا گیا ہے دیگر ایک روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ہجرت کے وقت ایک شخص نے پہچان لیا تھا۔ وہ بھاگتا ہوا۔ قریش کی طرف گیا تاکہ ان کو بتائے۔ مکہ مکرمہ پہنچا تو اس کے دل سے وہ بات ہی نکل گئی۔ اسے یاد ہی نہ رہا کہ کیا کام تھا۔ اور اس کے آنے کا مقصد کیا تھا۔ وہ مکمل طور پر بھول گیا کہ وہ کیوں گھر سے نکل کر آیا تھا۔ حتی کہ وہ واپس گھر چلا گیا۔

ابن اسحاق وغیرہ کا قول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک روز سجدہ میں تھے کہ لعین ابوجہل ایک پتھر اٹھا کر آیا دیگر لعین دیکھ رہے تھے۔ ابوجہل نے آپ کو پتھر مارنا چاہا۔ پتھر اس کے ہاتھ کے ساتھ چپک گیا۔ اس کے دونوں ہاتھ خشک ہو گئے۔ وہ کچھ نہ کر سکا۔ پس وہ پشت کی جانب الٹے پاؤں چلا گیا۔ آنحضرت نے عفو و درگزر کی دعا فرمائی تو اس کے دونوں ہاتھ آزاد ہو گئے۔ ایک دفعہ اس نے (ابوجہل) ایک عظیم اونٹ دیکھا اتنا بڑا اونٹ اس نے قبل ازیں کبھی نہ دیکھا تھا۔ اس نے اسے کھانے کا قصد کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ جبریل علیہ السلام تھے وہ اس شکل میں ظاہر ہوئے تھے اگر کوئی ان کے نزدیک ہوتا تو وہ اسے جان سے مار ڈالتے۔

ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دیوار تلے تشریف فرما تھے۔ ایک بدبخت نے چکی کا پاٹ اٹھایا اور نیت کی کہ آنحضرت کے سر اقدس پر گرا دے۔ آپ کھڑے ہو گئے اور مدینہ شریف کی طرف چلے گئے۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ ابوجہل لعین نے قریش کے ساتھ عہد کیا کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نماز ادا کرتے دیکھوں گا تو ان کی گردن پامال کروں گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز کی خاطر نکلے لوگوں نے اس بدبخت کو اطلاع دی۔ پس وہ آنحضرت کے نزدیک آیا تو فوراً ہی اپنے آپ کو ان سے بچاتا ہوا پیچھے کو دوڑا۔ دوسرے ساتھیوں

نے پوچھا تو اس نے کہا کہ میں جب آنحضرت کے قریب ہوا۔ تو مجھے آگ کی خندق دکھائی دی اس طرح سے جیسے کہ میں اس میں ابھی گرا جاتا ہوں۔ میں نے خوفناک آوازیں سنیں اور پروں کی پھڑپھڑاہٹ سنائی دی جو زمین کو پر کئے ہے۔ آنحضرت نے بتایا کہ وہ فرشتے تھے۔ اگر مزید وہ قریب آتا تو ابو جہل کا جسم جوڑ جوڑ سے توڑ دیا جاتا۔ انسے وہ پارہ پارہ کردیتے۔ اس موقع پر یہ سورہ نازل ہوئی کلاان الانسان لیطغی ہرگز نہیں بے شک انسان ہی سرکش ہے (الی آخر سورۃ)

روایت ہوا ہے کہ شیبہ بن عثمان جحی کی قوم بیت الحرام کی دربانی پر مقرر تھی اور کلید کعبہ ان کے پاس ہوتی تھی وہ ابھی اسلام میں داخل نہ ہوئے تھے جب کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ آور ہوا اس نے کہا کہ میرے والد اور چچا کو ان کے چچا حمزہ بن عبدالمطلب نے مارا ہے لہٰذا میں محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) سے اس کا بدلہ لیتا ہوں بجائے حمزہ بن عبدالمطلب کے اس نے تلوار کھینچ لی اور آپ پر حملہ کرنا چاہا۔ ناگاہ وہ چلاتا ہوا پیچھے کو دوڑا۔ اس نے بتایا کہ جونہی میں آنحضرت کے نزدیک ہوا کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بڑا آتشین شعلہ میری طرف لپکا ہے۔ میں دیکھتے ہی گھبرا اٹھا اور واپس بھاگ کر آگیا۔ آنحضرت نے مجھے دیکھ کر اپنے پاس بلایا اور اپنا ہاتھ مبارک میرے سینہ پر رکھ دیا۔ جبکہ میں انہیں سب سے زیادہ دشمن سمجھتا تھا ابھی آپ نے ہاتھ اوپر نہ اٹھایا تھا کہ آپ میرے لئے محبوب ترین ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ نزدیک آجاؤ اور اللہ تعالیٰ کے رسول کے دشمنوں سے نبرد آزما ہو جاؤ تو میں اسی تلوار کشاں حالت میں آپ کے نزدیک گیا۔ اس وقت میرے روبرو میرا والد بھی اگر ہوتا تو آنحضرت کے لئے میں اس کو بھی قتل کر دیتا۔

فضالہ رضی اللہ عنہ بن عمر روایت کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے سال کے دوران آنحضرت طواف کعبہ میں مصروف تھے میں نے چاہا کہ آنحضور کو شہید کر دوں۔ آپ کے نزدیک ہوا تو آپ فرمانے لگے اے فضالہ! تم اپنے دل میں کیا بات کر رہے تھے۔ تمہارا دل چاہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے رسول کو شہید کر دے۔ میں نے کہا نہیں یا رسول اللہ' حضور یہ سن کر مسکرائے میرے لئے مغفرت طلب فرمائی اور آپ نے اپنا ہاتھ مبارک میرے سینہ پر رکھ دیا۔ میرے دل کو سکون حاصل ہوا۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! ابھی آپ اپنا دست مبارک سینہ پر ہی رکھے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے میری کیفیت تبدیل کر دی کہ آنحضرت سے زیادہ کوئی اور چیز مجھے محبوب نہیں تھی۔

عامر بن طفیل اور اربد بن قیس رضی اللہ عنہما کا واقعہ اس بارے میں سب سے زیادہ مشہور ہے۔ یہ دونوں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے عامر اربد سے کہنے لگا میں آنحضرت کو اپنے ساتھ باتوں میں لگا کر تمہاری طرف سے ان کی توجہ ہٹا دوں گا۔ تم اس دوران آپ پر تلوار سے وار کر دینا (لہٰذا عامر نے ایسے کیا لیکن اربد کچھ نہ کر پایا وہاں سے علیحدہ ہوئے تو عامر نے اربد سے پوچھا کہ تجھے کیا ہو گیا تھا۔ تو کیوں حملہ آور نہ ہوا۔ وہ کہنے لگا۔ خدا کی قسم جب بھی میں حملہ کی سوچتا تھا اپنے اور حضور کے درمیان تجھے دیکھتا تھا تو کیا میں تم کو قتل کر دیتا۔

اللہ سبحانہ کی طرف سے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت اور عصمت کا اہتمام اس حد تک محکم تھا کہ اہل یہود میں سے اکثر کاہنوں نے قریش کو بتا دیا تھا۔ آنحضرت کی طرف سے انہیں مختلف طریقوں سے خوف دلایا تھا اور انہیں

تکلید کعبہ

صحیح / سر / کہ اللہ

ڈرایا کہ آنحضرت ان پر غالب آجائیں گے اس طرح سے ان کو آنحضرت کے قتل کے قصد پر ہر طریقے سے آمادہ کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کی شرارت وعداوت سے ہمیشہ ہی محفوظ رکھا۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:۔

یریدون لن یطفؤا نور اللّٰہ بافواھم واللّٰہ یتم نورہ ولو کرہ الکافرون	لوگوں کی خواہش ہے کہ اپنے منہ کی پھونکیں اللہ تعالیٰ کے نور کو بجھادیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنے نور کو مکمل فرمائے گا خواہ کفار برا ہی مانتے رہیں۔

سید الانبیاء کے علوم اور خصائص:۔ **وصل:۔** جامع الکمالات سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں اللہ سبحانہ تعالیٰ نے معجزات باہرہ بین آیات وعلامات اور مختلف علوم و معارف کے خزائن مجتمع فرمائے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے خصائص اور فضائل سے مخصوص فرمادیا ہوا ہے کہ دنیاودین کے جملہ مصالح اور اللہ تعالیٰ کی معرفت پر مشتمل ہیں۔ جو شریعت کے احکام دین کے اصول' سیاست مدن اور مصالح عبادیہ کہلاتے ہیں تمام سابقہ امتیں اور قران گزشتہ آدم علیہ السلام لے کر اب تک تمام احوال تمام خبریں ان کے شرائع اور کتب و سیر' انفرادی صنعتیں ان کے مختلف مذاہب ان کے اختلاف آراء ان کی عرفان و معرفت ان کی دراز عمروں اور دانشمندوں کی مبنی بر حکمت گفتگوؤں تمام امتوں کے کافروں پر حجتوں' اہل کتاب کے ہر ہر فرقہ و گروہ کے معارضات جو ان کی کتب میں موجود ہیں ان کے سب علوم' اسرار اور خفیات اور وہ اخبار جو وہ پوشیدہ رکھتے ہیں اور تبدیل کر دیتے ہیں اور عرب کی تمام لغتیں' نادر قسم کے الفاظ اور اقسام وضاحت اور ایام' امثال اور احکام کا تحفظ صحیح ضرب المثل اور ان کے معانی پر عمیق سمجھ رکھنے والوں کے طریق و انداز اور ان کی مشکلات کی وضاحت وغیرہ وغیرہ کے علوم آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرمائے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت مطہرہ میں وہ تمام محاسن اور اخلاق اور محامد و آداب' تحفظ نفس کے اصول اور قاعدے اور ان کے سب اعراض و احوال موجود ہیں جن کو صاحبان عقل و دانش احسن گردانتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ کافروں' جاہلوں اور ملحدوں کے نزدیک بھی خوب مستحسن سمجھے جاتے ہیں جو عقل سلیم اور ضمیر عدل کے مالک ہیں اور معاند مخذول اور مخالف معقول کے برعکس ہیں۔

آپ حضور کا کلام جوامع الکلم ہے۔ مراد یہ کہ الفاظ میں مختصر اور معانی کثیر کے حامل اور معروف علوم و فنون کی جملہ اقسام کا احاطہ کئے ہوئے ہیں۔ مثل کے طور پر طب' تعبیر' فرائض و حساب وغیرہم' ان علوم سے معاملات علمیہ میں شغف کا حامل ہر شخص واقف ہے جو کتب بنی کا مشغلہ رکھتا ہے اور اہل کتاب کی مجالس میں شریک ہوتا ہے اور ریاضت و مشقت برداشت کرتا ہے باوجود اس امر کے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پڑھے لکھے بھی نہ تھے اور ایسی مجالس میں شریک ہوتے تھے جن میں یہ اوصاف پائے جاتے تھے۔ نہ ہی آپ اپنی قوم کے حلقہ سے باہر کبھی نکلے اور نہ ہی آپ نے ان علوم و فنون کے حصول کی خاطر کبھی کوئی سفر اختیار کیا تھا۔ عرب کے لوگوں کے علم و عرفان زیادہ علم انساب اور گزشتہ لوگوں کی حکایات اور اشعار پر مبنی ہیں یہ باتیں بھی اچھے طریقہ سے سیکھنے اس کوشش میں مصروف رہنے اور اہل فن کے ساتھ بحث و بحیث کے بعد ہی حاصل ہوتی ہیں۔ جبکہ یہ فن آپ کے فضل و کمال کے سمندر سے ایک قطرہ ہے۔ شعر

کفاک بالعلم بالائے معجزہ
فی الجاھلیۃ والتادیب فی الیتیم

آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت اور رسالت پر دلائل و علامات میں سے وہ مترادف اور متواتر خبریں بھی ہیں جو راہبوں اور پادریوں نے دیں۔ اور اہل کتاب کے عالموں کا آنحضرت کی صفات و اوصاف امت اور ان کی علامتیں بتانا۔ جیسے کہ حلیہ شریف کے بیان میں ذکر ہو چکا ہے اور آپ کی مہر نبوت اور اس قسم کی دیگر علامات ہیں۔ ایسی نشانیاں گزشتہ زمانے کے توحید پرست شاعروں کے اشعار میں بھی پائی جاتی ہیں۔ مثلاً یہ شعراء، تبع، قیس بن ساعدہ اور سیف بن برین وغیرہم۔ زید بن عمرو بن نفیل نے نے آنحضرت کی نبوت کی تعریف میں شعر کہے۔ یہ لوگ موحدہ جاہلیت ہیں۔ ایک ورقہ بن نوفل تھے جو دینداری اور تنہائی کو اختیار کئے ہوئے تھے اور آنحضور کا سابقہ کتابوں میں تذکرہ اور یہودی علماء کا اس تذکرہ کو بلاوجود اپنے حسد و عناد پر گامزن ہونے کے تسلیم کرنا۔ یہ تمام باتیں پچھلے ابواب میں مفصل گذر چکی ہیں۔ اور جناب سے سنی جانے والی باتیں اور وہ بھی جو بتوں کی زبانوں پر جاری ہوئیں۔ علاوہ ازیں آنحضور کا اسم پاک ذبح شدہ جانداروں اور پرندوں کے شکموں میں دیکھنے میں آیا۔ قبروں اور پتھروں کے اوپر پرانے رسم الخطوں میں آپ کی رسالت کی گواہی پائی گئی۔ پھر ان کو دیکھ کر بعض کا اسلام قبول کرلینا یہ سب چیزیں آنحضور کی نبوت و رسالت کے دلائل میں مندرج اور مذکور ہیں۔

علاوہ ازیں وہ علامات بھی اپنے اپنے مناسب مقام پر انشاء اللہ ذکر کی جائیں گی جو آپ کی ولادت شریفہ، وصال شریف اور سفروں میں اور غزوات کے موقع پر ظاہر ہوئیں۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائل و کرامات اور آیات اور خبروں کے بارے میں رب تعالیٰ کا فرشتوں اور جنات سے مدد فرمانا جنات کا اطاعت گزار ہونا اور اکثر صحابہ کا ان کو دیکھنا وغیرہ تمام باتیں عیاں ہیں جس طرح جنگ بدر میں ہوا تھا۔ ایک مرتبہ حضرت جبرائیل علیہ السلام آنحضرت کی امت کو اسلام ایمان احسان کی تعلیم دینے کے لئے اپنی شکل بدل کر آئے اور صحابہ کرام نے ان کو دیکھا۔ علاوہ ازیں ابن عباس اور اسامہ رضی اللہ عنہم نے حضرت جبرائیل کو حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی شکل و صورت میں دیکھا وہ سفید رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ فرشتوں کو گھوڑا ہنکاتے بھی صحابہ کرام نے ملاحظہ کیا بعض صحابہ نے یہ بھی دیکھا کہ جنگ میں کافروں کر سر اڑ رہے ہیں لیکن مارنے والا کوئی دکھائی نہ دیتا تھا حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ بن حارث نے ابلق گھوڑوں پر سوار اشخاص دیکھے جو زمین و آسمان کے درمیان تھے اور سفید کپڑوں میں ملبوس تھے۔ اور فرشتوں نے عمران بن الحصین رضی اللہ عنہ کے ساتھ مصافحہ بھی کیا جو کہ اکابر صحابہ سے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کے اندر جبرائیل علیہ السلام کو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ دیکھا اس کے بعد حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بے ہوش ہو گئے اور گر پڑے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے لیلتہ الجن کے دوران ایک جن کو دیکھا اور جنوں کی گفتگو بھی سنی۔ یہ تمام واقعات آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں شمار ہیں۔

نقل کیا گیا ہے کہ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے جنگ احد کے دن شہادت پائی۔ ایک فرشتہ نے ان کی شکل و

صورت اختیار کر کے جھنڈے کو بلند کیا۔ اس کے بعد آنحضرت نے آواز دے کر بلایا' اے معصب آگے آؤ۔ اس پر فرشتے نے کہا کہ معصب نہیں ہوں۔ تو معلوم ہوا کہ یہ صاحب کوئی فرشتہ تھے' عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں موجود تھے کہ ایک بوڑھا شخص آیا۔ ہاتھ میں لکڑی لئے ہوئے تھا۔ اس آدمی نے آنحضرت کو سلام پیش کیا آنحضرت نے بھی اس کے سلام کا جواب دیا۔ اور آپ نے فرمایا کہ یہ ایک جن کی آواز ہے۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ تو کون ہے تو اس نے جواب دیا کہ ہامہ ابن الیم بن القیس بن ابلیس' میں جناب نوح علیہ السلام سے بھی مل چکا ہوں۔ ان کے بعد آنے والے ہر نبی سے میری ملاقات ہوئی ہے۔ آپ نے اس کو قرآن کریم کی سورۃ سکھائی۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے تین دن تک مسلسل صدقہ فطر کے مال پر آتے ہوئے ملاحظہ کیا جو مال کہ ابو ہریرہ کے سپرد کیا ہوا تھا۔ اور شیطان اس مال میں سے چوری کرتا رہا۔ اور اس شیطان نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو آیت الکرسی کی تعلیم دی۔ واقدی کا قول ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے عزیٰ بت کو گرایا تو اس میں سے ایک عورت کالے رنگ کی برآمد ہوئی وہ بالکل برہنہ (ننگی) تھی۔ بال بکھرے ہوئے تھے حضرت خالد نے اپنی تلوار کے ساتھ اس کو دو ٹکڑے کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ عورت عزیٰ تھی۔

ایک اور حدیث میں وارد ہوا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نماز قطع کرنے کی خاطر شیطان اچھلتا اور کودتا پھرتا تھا۔ اور حضور نے چاہا کہ اسے پکڑ کر ایک ستون کے ساتھ مسجد میں باندھ دیا جائے اور دعائے سلیمان یاد کرتا اور پھر اس شیطان کو رہا کر دینا مشہور واقعہ ہے یہ دعا تسخیر جن کے بارے میں ہے۔

تتمہ بیان وصل :۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ولادت باسعادت کے وقت اور بعد ازاں ایام رضاعت اور بچپن نیز آپ کی بعثت شریف اور ظہور نبوت و تمام عمر شریف کے دوران جن علامات و معجزات کا ظہور ہوتا رہا تھا انمیں سے بعض تو بیان کر دیئے گئے ہیں۔ لیکن جناب والا کے وصل شریف تک کے جملہ معجزات و آیات حصر و حصار کی حدود سے وراء ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ مناسب مقام پر کچھ مزید تذکرہ ہو گا۔

قاضی ابو الفضل عیاض مالکی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ ہم بعض واضح قسم کے معجزات بیان کرتے ہیں۔ اور یہ بیان آنحضرت کے معجزات باہرہ سے ایک شمہ کے برابر ہے۔ اس قدر ہمارا بیان زیادہ کی خواہش سے بے نیاز کر دے گا۔ درحقیقت ہمارے آقا سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات بمقابلہ معجزات دیگر انبیاء مرسلین خوب ظاہر و واضح اور تعداد میں بہت زیادہ اور وافر ہیں آنحضور کے اکثر معجزات وہ ہیں جو دیگر کسی نبی کو عطا نہ کئے گئے دوسرے تمام انبیاء کو جس قدر معجزات عطا کئے گئے تھے ان کے مانند یا ان سے بھی بلیغ تر معجزات سید عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے ظہور میں آئے۔ اور اس کثرت میں سے ایک معجزہ قرآن کریم ہے جو سارے کا سارا معجزہ ہی ہے کچھ محققین قرآن کریم کی وجوہ اعجاز میں سے سب سے چھوٹی سورت انا اعطیناک الکوثر ہے۔ یا کوئی آیت جو اسی مقدار کی ہو قبل ازیں ذکر ہو چکا ہے کہ

اعجاز قرآن کی دو وجوہات ہیں۔ اول فصاحت و بلاغت اور دوم اس کی ترتیب و نظم۔ اس اعتبار سے ہر جز میں دو دو معجزات ہیں۔ اسی انداز شمار میں دوسری اعجازی وجوہات کا اضافہ کرتے چلے جایئے جو علوم غیبیہ کی خبروں کی قسم سے ہیں اور یہ بھی امکان موجود ہے کہ ایک سورۃ متعدد اشیاء کے اجزاء کی مؤلف ہو۔ اور ہر چیز ہی آپ کا معجزہ ہو اس طرح گنتی میں زیادتی کا باعث دیگر ایک صورت کثرت بھی ہوتی ہے۔ اور بہ اعتبار دیگر وجوہات اعجاز کا سابقاً "مذکور ہوئے اضافہ و کثرت لا محدود ہو جائے۔ یہ تو صرف ایک قرآن کریم کے متعلق ہے۔ اس کے علاوہ احادیث ہیں جو روایت کی گئی ہیں اور وہ اخبار بھی ہیں جن کا آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے صدور ہوا۔ وہ علیٰ حالہ موجود ہیں۔

اب ذرا وضاحت سے ہم بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات دوسرے انبیاء و مرسلین سے ظاہر شدہ معجزات سے زیادہ ہیں۔ زمانہ میں جو علم و ہنر کمال پر ہوتا ہے اس کی مطابقت سے معجزات عطا کئے جاتے تھے۔ مثلاً موسیٰ علیہ السلام کے دور رسالت میں اہل زمانہ کا علم و ہنر جادوگری پر منتہی تھا موسیٰ علیہ السلام کو اسی کی مشابہت میں معجزہ عطا ہوا ان کے عہد کے لوگوں کو اسی طرح قادر ہونے کا دعویٰ تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے ایسی چیز پیش کر دی جو دوسرے لوگوں کی قدرت سے باہر تھی۔ اس طرح موسیٰ علیہ السلام نے ان کے جادو کو باطل ثابت کر دیا۔

عیسیٰ علیہ السلام کے دور میں فن طب اپنے عروج پر تھا۔ اہل فن اس پر بڑا فخر ظاہر کرتے تھے۔ پس عیسیٰ علیہ السلام وہ معجزہ لے کر تشریف لائے۔ جو تمام اہل فن کی قدرت سے وراء تھا۔ عیسیٰ علیہ السلام کی پیش کردہ چیز ان لوگوں کے گمان و تصور میں نہ تھی۔ مثال کے طور پر مردے زندہ اندھوں کو بینا کرنا کوڑھوں کو تندرستی ملنا یہ سب باتیں طب میں لاعلاج تھیں۔ یہی کیفیت سب انبیاء کے معجزات کی ہے آنحضور سید المرسلین سب سے آخر پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث فرمائے گئے آنحضور کے زمانہ مبارک میں اہل عرب میں چار علوم معروف تھے۔ فصاحت و بلاغت' شعر' خبر' کہانت رب سبحانہ تعالیٰ نے آپ پر قرآن نازل فرمادیا ان چاروں علوم میں وہ خارق ہے۔ اور اس قسم کی فصاحت' بلاغت ایجاز اور عجیب و غریب نظم اور اسلوب کا حامل ہے جو کہ اہل عرب کے کلام میں موجود نہیں۔ اور وہ قرآن کے نظم اور کلام تک کسی طریقہ سے بھی پہنچ نہیں پاتے۔ اور اسالیب اوزان میں اس کے نہج ان کی عقل و شعور سے باہر ہے اور ان اہل عرب کو مستقبل میں وقوع ہونے والے حوادث سے متعلقہ اخبار' اسرار و خفایا اور عربوں کے دلی اسرار تک نہیں پہنچ سکتے جو بتائے گئے ویسے ہی وقوع میں آئے۔ قرآن کی صداقت اور صحت کا اعتراف ہر ایک کو کرتے ہی بنی۔ کہانت باطل قرار دی گئی۔ اس وجہ سے کہ اس کی ایک آدھ بات کبھی کسی وقت سچی نکلتی ہے جبکہ دس جھوٹی ثابت ہوتی ہیں۔ شیاطین کو شہاب ثاقب کے ذریعہ مار بھگایا اور ان کی جڑیں اکھاڑ دیں۔ جو کہ کانوں میں باتیں پھونکتے تھے۔ یہ شیاطین شہاب کی مار سے اور ستارے پھینکنے سے آسمان کی طرف آنے سے روک دیئے گئے۔

قرآن پاک میں ازمنہ ماضیہ انبیاء و امم سابقہ اور حوادثات گزشتہ اور سابق امتوں کی ہلاکت اس انداز سے بیان ہوئیں کہ اس بیان کو چھوڑ کر کوئی آدمی بھی انہیں اپنی طرف سے بیان کرنے میں عاجز و درماندہ ہے۔ گویا کہ ان قصوں کا آپس

میں اس طریقہ کا رابطہ ہے کہ انہیں علیحدہ کرنا ناممکن ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ قرآن کریم اپنے جملہ معجزات و وجوہ اعجاز لئے ہوئے تاقیامت باقی ہے اور برقرار ہے۔ اس لئے کہ ہر بعد میں آنے والا شخص بھی اسے دیکھے اور اس کی وجوہ اعجاز غور میں لائے۔ لہٰذا ایسا کوئی وقت یا زمانہ نہیں گزرا سوائے اس کے کہ ہر زمانہ میں قرآن کی بیان کردہ اخبار کی صداقت ظاہر ہوتی رہی اس سے ایمان تازہ ہوتا رہا اور قرآن پاک کے دلائل اور براہین ہی غالب آتے رہے۔ ولیس الخبر کالمعائنۃ (خبر معائنہ کی مثل نہیں ہوتی) اور یقین و ایقان کی زیادتی میں مشاہدہ خاص تاثیر کا حامل ہوتا ہے۔ عین الیقین سے بہ نسبت علم الیقین کے زیادہ اطمینان ہوتا ہے۔ گو ہر دو صورت میں حقانیت اور ایقان کا حصول ہوتا ہے۔ سابقہ انبیاء کے معجزات اور ان کے دور اور زمانہ گزر جانے کے بعد ختم ہو گئے۔ لیکن سیدنا و سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ نہ فنا ہوا اور نہ اس کا انقطاع ہی ہوا۔ نہ وہ معجزہ مضمحل ہوا۔ آنحضرت کے معجزات و علامات ہر دم متجدد اور تازہ ہیں امام بوصیری نے خوب شعر بیان کیا ہے۔ ؎

؎ و امت لد نیا فقالت کل معجزت من النبیین اذ جاء ت ولم تد ام

سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزہ کے ظاہر ہونے اور اس کے وضوح کا ایک سبب اور بھی ہے۔ آپ کے معجزات آنحضرت پر وحی و کلام ہونے کے باعث ہیں۔ اس میں کسی قسم کے تخیل، حیلہ یا تشبیہ کا ہونا ناممکن ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جملہ انبیاء و مرسلین سے ان کے دشمنوں، معاندوں اور مکابرین نے معجزات طلب کئے تھے۔ ان کی طلب ان کے تخیل کے مطابق اور ضعیفوں اور بے وقوفوں کی مانند ہوس و ہوا میں ان اشیاء کی خواہش تھی۔ مثلاً فرعونی جادوگروں کا رسیاں اور لاٹھیاں پھینکنا اور ان کی حیلہ گری اور جادوگری کرنا اس کے توڑ میں اژدہالایا گیا جو بھاگتا بھی تھا۔ یہ امکان ہے کہ کوئی بے وقوف کہہ دے کہ یہ بھی انہی کی جنس سے تھا اس کے برعکس قرآن وہ کلام ہے جس میں حیلہ گری یا جادوگری ہرگز نہیں ہے۔ اس میں تخیل و تشبیہ کی بھی ہرگز کوئی گنجائش موجود نہیں جیسے غیر شاعر و خطیب کے لئے تکلف سے بھی ممکن نہیں بنتا کہ وہ شعر و خطابت کر پائے۔ یہ واضح رہے کہ سب علماء اہل سنت کا مذہب ہے کہ قرآن کی مثل لانا کسی کے بھی مقدور میں نہیں۔ اگر ہوتا تو ضرور مثل لے آتے اور فرقہ معتزلہ اور بعض ہمارے علماء کا یہ مذہب ہے کہ مثل سے آنا مقدور تھا لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کی ہمتوں اور قوتوں کو بدل دیا تھا جب انہوں نے ایسا ارادہ کیا۔ اور وہ آزاد نہ چھوڑے گئے کہ مثل لائیں گے گو اس مسلک پر بھی اعجاز و وضوح حاصل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا اس کی مثل لانے سے ان کو روک دینا جبکہ مثل لے آنا مقدور میں تھا اس کے صدق اور اعجاز پر بین دلیل اور روشن علامت ہے یہ چیز بمنزلہ اس بات کے ہے کہ کوئی نبی یہ فرمائے کہ میری یہ علامت ہے جس پر قدرت رکھنے کے باوجود لوگوں کو اس کی مثل لانے سے منع کر دیا گیا ہے۔ اور یہ تو محض وہم و گمان ہے کہ جب قرآن ان ہی کے کلام کی جنس سے ہے پھر کیوں نہ ان کو قدرت حاصل ہو گی اس بنا پر پہلا قول قوی اور استحکام کا حامل ہے۔ **(واللہ اعلم بحقیقۃ حال)**

عیادت مریض اور معالجہ:۔ **وصل:۔** جان لیں کہ صاحب مواہب لدنیہ نے اپنی کتاب میں ساتویں مقصد

کے بعد آٹھواں مقصد وضع کیا ہے۔ ساتواں مقصد محبت و اتباع سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے وجوب اور آل اصحاب اور قربیٰ اور عشیرات نبوی کے ساتھ محبت اور آپ پر درود و سلام بھیجنے کے حکم میں ہے اور آٹھویں مقصد میں طب۔ تعبیر رؤیا اور غیب کی خبریں ہیں۔ کاتب الحروف (شیخ عبدالحق دہلوی) کی نظر میں ترتیب وضع اور موقع محل کے اسقدر مناسب نہ ہے اور غیب کی اخبار اس سے پہلے ہی باب معجزات میں مذکور ہو چکی ہیں۔ چونکہ طب اور تعبیر کو ترتیت کے لحاظ سے کوئی مقام نہ ملا لہٰذا ان کو بھی اسی باب معجزات میں لایا گیا۔ جیسے کہ وہ نہ صرف روحانی بلکہ جسمانی نظر والے انہیں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے سمجھتے ہیں۔ ویسے ہی تعبیرات درویا بھی معجزات کی قسم سے ہیں اور حیطۂ عادت سے باہر ہیں۔ اصل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے جملہ افعال مستقیمہ' اعمال قویمہ' آپ کے تمام علوم و معارف اور محاسن و آداب و فضائل اور سب بدائع حکم' جوامع کلم اور تدبیر انام کے قاعدے اور ضابطے اور احکام سب کے سب طاقت اور حیطہ عادت سے باہر ہیں۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

مقدمہ:۔ آنحضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مریضوں کی مزاج پرسی اور عیادت کی خاطر تشریف لے جایا کرتے تھے۔ آپ بیمار کے پاس اس کے سرہانے کے قریب بیٹھتے تھے اپنا ہاتھ مبارک اس کے ماتھے پر رکھتے تھے۔ اور بعض دفعہ درد یا تکلیف کے مقام پر دست اقدس رکھ لیتے اور پوچھتے تھے کہ کیسا حال ہے اور فرمایا کرتے بسم اللہ یہ بھی ایک طرح کی طبابت اور علاج ہے۔ یہ مریض کے دل میں مسرت و انبساط ڈال دینے اور اس کے باطن پر اثر ڈالنے کا طریقہ ہے۔

بیت۔ گر قدم رنجہ کند باز پرسیدن ما
باز دارد سر پر سیدن بیمار غمش

مصرع: خوش طبیب است بیا تاہمہ بیمار شویم

مریض کے حق میں شفاء اور تخفیف مرض کی خاطر تفریح نفس' تطییب قلب اور خوشی و انبساط کا عجیب ہی اثر ہوتا ہے کیونکہ قویٰ جسمانی اس سے قوی ہوتے ہیں اور طبیعت کو دفعیہ ایذاء میں مدد حاصل ہو جاتی ہے بالخصوص عزیزوں اور بزرگوں دوستوں کی ملاقات زیادہ موثر ہوتی ہے اس قسم کے موقعہ پر کہا گیا ہے کہ لقاء الخلیل شفاء العلیل دوست کی ملاقات دوست کے لئے شفاء ہوتی ہے۔ ایک یہودی کا بیٹا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گزاری کیا کرتا تھا۔ اچانک وہ بیمار پڑا آنحضرت عیادت کی خاطر تشریف لائے۔ اس کے نزدیک بیٹھ گئے اور سلام کہا۔ تو وہ مسلمان ہو گیا آقا و مولا حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ الحمد اللہ الذی انقذہ من النار حمد ہے اسی اللہ تعالیٰ کے لئے جس نے اسے آگ سے نجات دی۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ میں بیمار ہو گیا اور بے ہوشی طاری ہو گئی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ نے وضو فرمایا۔ اور اس وضو کے پانی سے مجھ پر چھینٹے مارے مجھے ہوش آگیا۔ دیگر ایک روایت میں ہے کہ میرے منہ پر دم فرمایا تو فوراً ہی مجھے صحت ہو گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا عودوا المرضیٰ اس حکم کو

یہودی کا (بیٹا)

استحباب حاصل ہے اور ہر مرض کے لئے عام ہے۔ کچھ علماء اس عمومیت سے آشوب چشم پھنسیوں اور دانتوں کے درد کو مستثنیٰ رکھتے ہیں۔ یہ بسبب روایت امام بیہقی اور صحیح روایت اس سے برعکس آئی ہے۔

بایں طور روز شنبہ یعنی ہفتہ کے دن مریض کی بیمار پرسی روایت میں منع کی گئی ہے۔ یہ سنت نبوی کے برعکس ہے اس کی بناء ایک یہودی طبیب کے واقعہ سے ہے ایک بادشاہ بیمار ہو گیا۔ طبیب کو حکم ہوا کہ وہ شب و روز بادشاہ کی خدمت میں حاضر رہے۔ اس یہودی طبیب کی خواہش تھی کہ کچھ فرصت مل جائے تا کہ آسانی میسر ہو جائے۔ لہٰذا اس نے یہ افتراء کیا کہ سینچر کے روز مریض کے نزدیک نہ آنا چاہیے۔ یہاں تک کہ یہ بات عوام میں اشاعت پذیر ہو گئی۔

کچھ یوں بھی کہتے ہیں کہ سردیوں کے موسم میں رات کے دوران اور گرمیوں کے موسم میں دن کو بیمار پرسی کرنا مستحب ہے اس وجہ سے کہ بیمار کو تکلف نہ ہو۔ کیونکہ سردیوں کی راتیں اور گرمیوں کے دن طویل ہوتے ہیں۔ بدمذہب لوگوں اور دین کے دشمنوں کی عیادت مکروہ ہے سوائے اس وقت کے جبکہ شدید حاجت ہو۔ بیمار پرسی کے استحباب میں بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں اور کتب میں عیادت مریض کے آداب اور مسائل دیئے گئے ہیں۔

معلوم ہونا چاہیے کہ بیماری دو قسم کی ہوتی ہے۔ دلوں کی بیماری اور جسم کی بیماری علاج قلوب تو خاصہ رسول اللہ ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔ کوئی دیگر شخص قلبی بیماری کو دور نہیں کر سکتا۔ جسم کی امراض کا علاج وہ دوسرا شخص بھی کر سکتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے علاج قلوب کی خاصیت حاصل کرنا آپ کی اتباع سے ہی ممکن ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری درحقیقت امراض قلوب کے علاج اور ان کی اصلاح کے لئے ہی ہے قلوب کے اندر گناہوں کے نقصانات اور بیماریاں ہوتی ہیں ان کا دفعیہ اسی طریق سے ہوتا ہے جس طریق سے اجسام میں زہر کی مختلف کیفیات کا معالجہ کیا جاتا ہے انسان کو دنیا اور آخرت کی متعدد حالتوں کے دوران جو نقصان ہوتا ہے ان کی حقیقی وجہ یہ گناہ ہوتے ہیں اعاذنا اللہ منہما گناہوں کے اثرات دل پر بھی مرتب ہوتے ہیں اور جسم پر بھی اس کا ایک سبب علم سے محرومی ہوتی ہے۔ علم نور ہوتا ہے اور معصیت ظلمت ہوتی ہے۔ ظلمت اور نور اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے۔ شعر

؎ شکوت الی وکیع سوء حفظی
فارشدنی الی ترک المعاصی
وقال بان العلم نور
ونور اللہ لا یؤتی لعاصی

میں نے استاد وکیع سے حافظہ کی کمی کے متعلق شکایت کی۔ پس اس نے مجھ کو گناہوں کے چھوڑنے کی ہدایت کی۔ اور کہا کہ تم جان لو کہ علم ایک نور ہے اور اللہ تعالیٰ کا نور عاصیوں کو عطا نہیں ہوتا۔ دوسرا سبب رزق سے محرومی ہوتا ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ آدمی کو اس کے گناہوں کے باعث رزق سے محروم کر دیا جاتا ہے رزق وہ جو تقویٰ کے سبب ملتا ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے۔

ولو ان اہل القری امنوا واتقوا لفتحنا علیہم برکت من السماء والارض — اگر اہل بستی ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو زمین و آسمان کی برکتوں کے دروازے ہم ان کے اوپر کھول دیتے۔

جس طرح کہ قوم الصیحۃ (چنگھاڑ والی قوم) کے بارے میں ارتفاع رزق بیان ہوا ہے اس مقام پر ایک خلجان یہ ہے کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ہم نے صبح کے وقت بہت سے گنہگار مانگنے والوں کو دیکھا ہے کہ وہ دوسروں سے زیادہ رکھتے ہیں اور زیادہ نعمتوں کو لئے ہوئے ہیں تو یہ جواب ہے کہ یہ عید مومنوں اور تصدیق کرنے والوں کے حق میں ہے۔ پس اس مقام پر خوف یہ ہے کہ ان کے حال کی زمین سے ایمان کی جڑ کو اکھاڑ دیا گیا ہو۔ یا یہ مکر اور استدراج ہے اور ارتکاب کردہ گناہ دل میں بھی محسوس ہوتا ہے۔ اور بعض اوقات اس گناہ کی ظلمت و سیاہی چہرے پر سرایت کر جاتی ہے اور یہ بھی ایمان کی فرع ہے اور گناہوں کی علامتوں میں سے ایک علامت بدن اور قلب کی سستی ہے نیز معصیت عمر میں کمی بھی کر دیتی ہے۔ جیسے کہ اطاعت شعاری عمر میں زیادتی کا باعث ہوتی ہے اور بعض کے نزدیک یہ خیر اور برکت کے اٹھ جانے پر محمول ہے کیونکہ یہ باعث ذالت و فساد عقل اور زوال نعمت ہے۔ جیسے کہ تحفظ قوت' پرہیز اور فاسدہ مواد اور اخلاط ردی کے استفراغ صحت بدن کا باعث ہیں۔ اسی طرح قلب کا حال ہے۔ اس کا استفراغ بھی توبہ اور گناہوں سے بچنے میں ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں تمہارا درد اور اس کی دوا بتادوں؟ تمہاری بیماری تمہارے گناہ ہیں اور اس کا علاج (دوا) استغفار ہے۔ پس ظاہر ہو گیا کہ طب قلوب کی پہچان اور معالجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ہے اور طب قلوب بذریعہ وحی ہے۔ اور جسموں کی طب غالباً تجربہ سے ہے اور کبھی بذریعہ وحی بھی ہوتا ہے۔ جس طرح کہ سفر و مرض میں روزہ کا افطار اور خوف مرض سے تیمم کا جواز اور اس طرح کے مسائل واضح ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں وہ معالجات جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کئے ہیں ظاہر یہ کہ وہ مطابق وحی ہوں گے۔ اور اگر تجربہ اور قیاس سے بھی ہو تو بعید نہیں ہے کیونکہ علاج کے تجویز کرنے میں اسباب کا اثبات ہوتا ہے اور وہ توکل کے منافی نہیں ہے۔ جیسے کہ بھوک اور پیاس کے دفعیہ کھانے پینے میں ہے۔ اور تداوی یعنی علاج معالجہ کے جواز پر سید المتوکلین صلی اللہ علیہ وسلم کا حال مبارک دلیل ہے۔ کیونکہ باوجود متوکل ہونے کے وہ علاج معالجہ بھی فرماتے تھے۔ اور اسباب کا لحاظ رکھتے تھے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری ایسی پیدا نہیں فرمائی جس کی دوا نہ پیدا فرمائی ہو ایک روایت میں آیا ہے کہ ہر بیماری کے لئے شفا ہے سوائے موت کے یعنی اس مرض کے کہ جس میں موت مقدر ہو چکی ہو اور بعض احادیث میں مداوات یعنی علاج معالجے کا حکم آیا ہے لیکن یہ بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ مداوات میں حکم الٰہی اور اس کی تقدیر پر نظر رکھنی چاہیے۔ اور دواء کو ہی شفا کا موجب نہ گردانا جائے۔ اور اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ وجوب کا حکم نہیں ہے۔ (یعنی اسے مسنون اور مستحب تصور کیا جائے) تقدیر الٰہی پر قائم رہنا توکل کے خلاف نہیں ہے۔ ہاں کبھی کبھی تحقیق حال اور حصول مقام توکل کی خاطر اسباب کو ترک کر دیا جاتا ہے۔ اس میں آنحضرت

صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ارشاد مبارک کی طرف اشارہ ہے۔

یدخل الجنة من امتی سبعون الفا من غیر حساب هم الذین لا یسترقون ولا یتطیرون علی ربهم یتوکلون	میری امت سے ستر ہزار لوگ بلا حساب جنت میں داخل ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو علاج نہیں کراتے ہیں اور نہ ہی بدفالی کرتے ہیں۔ اپنے رب پر متوکل ہوتے ہیں

اور دوسری طرف روایت میں ہے ولا تکون

علماء نے کہا ہے کہ ان افعال پر بطور علت اعتماد و اعتقاد نہیں رکھنا چاہیے۔

اور مواہب لدینہ میں باب فصل ۔تداوی میں حارث محاسی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا کہ علاج معالجہ توکل کے منافی نہ ہے۔ کیونکہ اس کا اثبات رسول اللہ صلی اللہ و آلہ وسلم سے ہے۔ پس حارث سے کہا گیا کہ حدیث میں آیا ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے من لسترقی واکتوی بری من التوکل جس نے علاج کرایا یا داغ لگوایا وہ توکل سے نکل گیا۔ تو جواب میں حارث نے کہا کہ اس سے مراد اس توکل سے اخراج ہے جس کا ذکر حدیث میں کیا گیا ہے یدخل الجنۃ من امتی جو کہ اوپر مذکور ہوئی۔ اور فرمایا کہ بعض قسم کا توکل بعض سے افضل ہے (انتہی) اور صاحب تمہید نے نقل کیا ہے کہ مراد توکل سے نکلنا اس وقت کا ہے جبکہ شریعت کے لحاظ سے مکروہ طریق میں علاج کرایا جائے اور شریعت کے خلاف کیا جائے اور داغ لگوائے اس رغبت سے کہ اسی میں شفاء ہے۔ اور اسی پر پورا یقین رکھے۔ اور فضل الٰہی سے اعراض کرے کیونکہ شفا (اصل میں) اللہ کی طرف سے ہے۔ اور اس کی دلیل قرآن پاک اور **فاتحته الکتاب** سے علاج کا جواز ہے جیسے کہ آئندہ آئے گا۔ اور اس بارے تحقیق یہ ہے کہ اسباب کی تین اقسام ہیں ایک قسم اسباب **یقینیہ** کی ہے اور ان کی رعایت اللہ تعالیٰ کے حکم اور تقدیر سے واجب ہے۔ جیسے کہ لقمہ کو کھاتے وقت خوب چبانا اور اس کو نگلنا اور پیالے کو منہ سے لگا کر ایک ایک گھونٹ پینا اور اس کا ترک توکل میں داخل نہیں ہے بلکہ یہ تو گناہ کا باعث ہے۔ دوسری قسم اسباب کی اسباب ظنیہ ہے جو تجربہ کے اعتبار سے صحیح اور توکل میں داخل ثابت ہے۔ جیسے کہ سرد و گرم ادویہ کا استعمال اور استعمال ادویہ کے نظریہ پر قائم رہنا بھی توکل کے منافی نہ ہے سوائے حال نفس کی تحقیق اور مقام توکل کے حصول کی خاطر کیونکہ بعض متوکلین نے اس طرح کیا ہے اس کے باوجود فتویٰ شریعت کے مطابق وہ زیر عتاب آئے ہیں۔ تیسری قسم اسباب وھمیہ کی ہے یہ وہ اسباب ہیں جو نہ یقینی ہوتے ہیں اور نہ ظنی۔ محض وہم و گمان ہوتے ہیں۔ ان اسباب کا ارتکاب اور ان کا استعمال منافی توکل ہونے پر اتفاق ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجسام کا علاج تین قسم کا کیا ہے۔ ایک قسم وہ ہے جو طبعی ادویہ سے کیا جن کے اجزا جماداتی' نباتاتی اور حیوانی تھے۔ دوسری قسم کا علاج ادویہ الٰہی سے کیا۔ (روحانی علاج) جو ادعیہ' اذکار اور قرآن کی آیات ہیں۔ تیسری علاج کی قسم وہ ہے جو ان پر دو مذکورہ اقسام کے مرکب سے ہوا۔ اور معلوم ہونا چاہیے کہ قرآن سے زیادہ اہم۔ انفع اور اعظم شفاء نازل نہیں ہوئی۔ جیسے کہ فرمایا ہے۔

وننزل من القرآن ما هو شفاء ورحمة للمومنین	اور ہم نے وہ چیز قرآن سے نازل فرمائی جو مومنوں کے لئے شفااور رحمت ہے۔

اور روحانی امراض کے لئے قرآن مکمل شفا ہے۔ کیونکہ روحانی امراض فاسد اعتقادات' رذیل اخلاق اور اعمال قبیحہ ہوتے ہیں۔ اور قرآن پاک عقائد حقہ کے اثبات' اخلاق فاضلہ کے بیان و ارشاد اور اعمال محمودہ پر واضح اور قطعی دلائل پر مشتمل ہے۔ لیکن اس کا جسمانی امراض کے لئے شفا ہونا اس وجہ سے ہے کہ اس کی قرائت اور تلاوت سے برکت و تیمن کا حصول بہت سی بیماریوں اور علل میں نفع مند ہے ان کو دفعہ کرنے والا ہے جبکہ مجہول قسم کے افسوں اور دم منتر پڑھنے اور پھونکنے سے جن کے معانی تک سمجھ میں نہیں آتے ہم عجیب و غریب اثر دیکھتے ہیں حالانکہ وہ اہل فسق و فجور کے بتائے ہوئے ہیں اور وہ نجاست و کثافت میں ہوتے ہیں۔ ان سے جلب منفعت اور دفع مفاسد ہوتا ہے۔ اس کے برعکس قرآن کریم جو اللہ تعالیٰ کے جلال اور اس کی ذات و صفات کے تذکرہ پر مشتمل ہے۔ یہ ان اشخاص سے صادر و ثابت ہوتا ہے جن کی طہارت و پاکیزگی' نزہت اور عظمت و کمال ثابت شدہ ہے۔ اور قرآن خود سراسر معجزہ ہے اس سے شفاء کیوں نہیں ہو سکتی؟ اور سید المرسلین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص قرآن کو چھوڑ کر شفاء تلاش کرے اسے اللہ تعالیٰ ہرگز شفا عطا نہیں کرتا۔ اور حدیث میں آیا ہے کہ فاتحتہ الکتاب ہر بیماری کی دوا ہے اور زہریلے جانوروں کے کاٹے ہوئے کا دم اور مجنون و معتوہ کا علاج سورۃ سے احادیث میں ثابت ہے اور تسلیم شدہ ہے۔

اور ابن ماجہ کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث میں آیا ہے کہ خیر الدواء القران بہترین دوا قرآن ہے۔ اور بیضاوی نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد وننزل من القرآن ما ھو شفاء کی تفسیر میں آیات شفاء کا ذکر کیا ہے۔ اور چلپی نے اپنے حاشیہ میں ان آیات کی تعیین کی ہے۔ اور معتبر کتابوں میں جیسے کہ مواہب لدنیہ وغیرہ ہیں آیات شفاء کے سلسلے میں وہ حکایت بیان ہوئی ہے جو امام طریقت ابو القاسم قسیری سے متعلق ہے کہ امام صاحب کا بچہ بیمار ہو گیا تھا۔ بیماری سخت تھی۔ اس کی موت قریب ہو گئی اور حالت شدید ہو گئی۔ امام صاحب کا بیان ہے کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خواب میں زیارت کی اور بچے کی حالت آنحضرت سے عرض کی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ کیوں تم آیت شفاء سے دور ہو۔ اس سے تمسک کیوں نہیں کرتے اور کیوں شفاء طلب نہیں کرتے ہو میں بیدار ہوا اور اس بارے میں غور کیا۔ تاآنکہ میں نے ان آیات شفاء کو اللہ عزوجل کی کتاب میں چھ مقامات پر پایا۔

آیاتِ شفاء یہ ہیں

1. ویشف صدور قوم مومنین
2. وشفاء لما فی الصدور
3. یخرج من بطونہا شراب مختلف الوانہ فیہ شفاء للناس

4 وننزل من القرآن ماھو شفاء ورحمة للمومنین

5 واذا مرضت فھو یشفین

6 قل ھو للذین امنوا ھدی و شفاء

میں نے ان آیات کو تحریر اور پانی میں حل کیا اور بچے کو پلا دیا۔ بچہ فوراً شفایاب ہو گیا۔ گویا کہ اس کے پاؤں سے بند (گرہ) کھول دیا گیا ہو۔

شیخ تاج الدین سبکی رحمتہ اللہ علیہ شافعی اکابر علماء سے ہیں ان سے منقول ہے کہ میں نے اکثر مشائخ عظام کو مریضوں کی عافیت کی خاطر یہ آیات شفا تحریر کرتے خود دیکھا ہے۔ اور کاتب الحروف (شیخ عبدالحق دہلوی) نے بھی شیخ عبدالوہاب متقی کو مریضوں کی خاطر یہ عمل کرتے دیکھا ہے۔ لیکن اس مقام پر ایک بات ہے جو جان لینی چاہیے۔ کہ یہ آیات' اذکار اور ادعیہ جنہیں علاج کے لئے پڑھتے اور ان سے شفا حاصل کرتے ہیں۔ ان میں بذاتہ شفا موجود ہے لیکن موقع و محل کی صلاحیت اس کی قبولیت اور فاعل کی قوت و ہمت اور اس کے اثر و تاثیر بھی شرط ہے۔ جس جگہ شفاء میں اختلاف آئے۔ وہ فاعل کی ہمت و تاثیر کے ضعف کی وجہ سے ہو گا۔ یا عدم قبول کے باعث ہو گا یا ایسے قوی مانع ہو گا کہ فاعل کی قوت اور صلاحیت محل کے باوجود وصول اثر اور ظہور تاثیر سے حاجب و عاجز ہو گا۔ یہ چیز حسیہ دواؤں میں بھی موجود ہے اور ظاہر ہے کہ اس کی عدم تاثیر کبھی عدم قبول طبیعت کے باعث ہوتی ہے اور کبھی دوائی کے وصول اثر میں کوئی مانع ہوتا ہے کیونکہ جب دوا کو طبیعت قبول کر لیتی ہے تو بحسب قبول انتفاع کرتی ہے اس کی مانند جب دل بھی شفا کی دعا اور تعویذوں کو مکمل طور پر قبول کر لیتا ہے۔ اور فاعل کی ہمت بھی قوی ہوتی ہے تو بیماری کے ازالہ کے لئے تاثیر کرتی ہے لہٰذا دفعیہ مرض۔ دفعیہ بلا اور مطلوب کو حاصل کرنے کے لئے دعا طاقتور اسباب میں سے ہے (ایک سبب ہے۔ گاہے اس کا اثر الٹ ہوتا ہے۔ یہ کبھی اس کے فی نفسہ کمزوری کے باعث ہوتا ہے۔ مثلاً کوئی آدمی دعا مانگتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس دعا کو فاعل کے حق میں بہتر نہیں سمجھتا اس لئے کہ اس کی قبولیت میں حق و انصاف کے حدود سے تجاوز ہوتا ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے نہایت بعید ہے۔ یا پھر اس ضعف و کمزوری کی وجہ سے ہے جو دعا مانگنے والے کے دل میں پائی جاتی ہے۔ کیونکہ دعا کے دوران وہ مکمل دلجمعی اور دلسوزی سے اللہ کی بارگاہ میں حضور نہیں رکھتا اور یا اس وجہ سے بھی ہوتا ہے کہ مدعا کے حاصل ہونے میں کوئی شدید امر مانع ہے مثال کے طور پر حرام روزی۔ یا دل پر دین کی ظلمت عارض ہو۔ اور یا اس کے دل پر غلبہ ہو گا غفلت و سہو کا یا کھیل کود کا حدیث پاک میں ہے کہ اللہ تعالیٰ قلب لاہی ساہی کی دعا قبول نہیں کرتا اور غافل دل کی دعا قبول نہیں کرتا۔ (مراد کھیل کود اور لغویات میں مبتلا دل ہے۔ اور دعا تو بلاء کی دشمن ہے۔ وہ بلاؤں سے مدافعت اور معالجت کرتی ہے اور بلاؤں کا نزول منع کرتی ہے۔ اور نزول شدہ بلاؤں کو دفع کرتی ہے۔ یا ان میں تخفیف کر دیتی ہے۔ اور دعا مومن کا ہتھیار ہے۔ اور اگر حضور قلب اور مطلوبہ چیز پر مکمل جمعیت کے ساتھ دعا مانگی جائے قبولیت کے اوقات میں بڑے ہی خضوع اور خشوع و انکساری اور تذلل و تضرع اور طہارت و پاکیزگی کی حالت میں ہر دو ہاتھ بلند کر کے حمد و صلوٰۃ کے ساتھ اور توبہ و استغفار کے بعد بڑے صدق و

الحاح اور اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کے ساتھ توسل سے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف توجہ صادق کے ساتھ اور دعا کی جملہ شرائط کو ملحوظ نظر رکھتے ہوئے دعا کی جائے تو اس قسم کی دعا اس رمی یعنی تیراندازی کی طرح ہوتی ہے۔ جس میں تیر اور کمان دونوں درست ہوں دن بھی ٹھیک ہو بازو میں طاقت بھی پوری ہو۔ اور ہدف یعنی نشانہ بھی سامنے ہو۔ اور وہ تاثیر اور صلاحیت کے قبول کرنے کے لائق ہو۔ اور نشانہ تک راستہ میں کوئی مانع بھی موجود نہ ہو اور تیراندازی کے علم سے واقف ہو۔ اور اس کے تمام آداب اور شرائط اس کے علم میں ہوں۔

اور وہ معوذات وغیرہ جو اسماء الٰہی سے ہیں ان سے شفا طلبی بھی روحانی طب کی ایک قسم ہے۔ بشرطیکہ وہ معوذات نیک وصالح اور متقی پرہیزگار اشخاص کی زبان پر کامل ہمت اور توجہ کے ساتھ جاری ہوں۔ اس قسم کے اشخاص کا وجود شاذ و نادر ہونے کے باعث لوگ طب جسمانی کی طرف لپکتے ہیں اور اس سے لاپرواہی کرتے اور غفلت میں پڑے رہتے ہیں۔ معوذات کا مطلب وہی ہے جو حدیث پاک میں ارشاد ہوا ہے۔ کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھ کر اپنے جسم اطہر پر دم فرمایا کرتے تھے۔ بعض لوگ معوذات قل ھو اللہ احد اور قل یایھا الکافرون کو بھی سمجھتے ہیں۔ یا ہر وہ مقام جہاں قرآن پاک میں استعاذہ کے ضمن میں آیات ہیں۔ مثال کے طور پر رب اعوذ بک من ھمزات الشیاطین ہے اور اعوذ بک رب ان یحضرون وغیرہ۔ یہ باب جس میں ہماری بحث جاری ہے اس سے بہت عام مراد ہے اور استعاذہ کے سلسلے میں بھی کثرت کے ساتھ اوراد و وظائف آئے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ تین شرائط کے اجتماع پر علماء نے دعائے شفا کے جواز پر اجماع کیا ہے ان میں سے پہلی شرط یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام اور اس کے اسماء وصفات کے ساتھ دعا کی جائے۔ خواہ وہ دعا عربی زبان میں ہو یا کسی غیر زبان میں لیکن اس کے معانی کا پتہ ہو اور یہ ایمان و اعتقاد ہو کہ حقیقی موثر وہی اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات ہے اور کہ دعا کی تاثیر اللہ تعالیٰ کی مشیت و تقدیر پر مبنی ہے۔ جس طرح کہ حدیث میں وارد ہوا ہے۔ کہ کسی آدمی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا ہماری دعائیں اور اوراد و وظائف یا دیگر وہ اسباب جو ہم عمل میں لاتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو تبدیل کر دیتے ہیں آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے ہی ہے۔ صحیح مسلم شریف میں عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث آئی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم جاہلیت کے وقت منتر جنتر پڑھتے تھے۔ ہم نے آنحضرت سے عرض کیا کہ اس بارے میں جناب کیا فرماتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میرے حضور اپنا منتر پیش کرو۔ اگر اس میں منترکی باتیں موجود نہ ہوئیں۔ تو پڑھ سکتے ہو۔ اس میں کوئی حرج نہ ہے۔

منتر زہر عقرب روایت ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! ہمارے پاس بچھو کے کاٹے کا ایک منتر موجود ہے۔ جو ہم کرتے ہیں۔ ہم نے وہ منتر سنایا آنحضور نے ارشاد فرمایا میں اس میں کوئی مضائقہ نہیں دیکھتا۔ تم کرو اور آپ نے فرمایا کہ جس سے جتنا بھی ممکن ہو سکے اپنے بھائی کو فائدہ پہنچائے۔ اسی عموم سے علماء کے ایک گروہ نے استدلال کیا ہے اور ہر وہ منتر جائز رکھا ہے جو مجرب اور نفع بخش

ہو۔ خواہ اس کے معانی معلوم نہ بھی ہوں لیکن احتیاط اس میں ہے کہ جس منتر کے معانی معلوم نہ ہوں وہ نہ کیا جائے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ شرک کے معانی کا حامل ہو۔ یہ حکم غیر ماثور کے بارے میں ہے اور جو ماثور ہیں مثلاً بچھو کے کاٹے میں اس طرح آیا ہے۔ بسم اللّٰہ شجیۃ قرنیہ ملحہ بحر قفقطا یہ بلا شک جائز ہے۔ اور عوف بن مالک کی حدیث سے یقینی ہو چکا ہے کہ ہر دعا یا منتر جو شرک کی متضمن ہو وہ جائز نہیں ہے۔ اسی کی مانند وہ دعائیں اور اسماء جو سریانی یا عبرانی زبانوں میں ہیں اور ان کے معانی کا علم نہیں ہے وہ بھی نہیں پڑھنے چاہئیں۔

مشائخ کی حکایات میں نقل کیا گیا ہے کہ ایک آدمی کوئی دعا پڑھ رہا تھا وہاں پر ایک اور شخص بھی تھا وہ کہنے لگا کہ اس آدمی کو کیا ہوا ہے۔ کہ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو گالیاں دیتا ہے۔ اتفاقاً وہ کلمات اس مضمون کے حامل تھے اور پڑھنے والا آدمی نہیں جانتا تھا۔ (خدا کی پناہ)۔

بعض کلمات ایسے ہیں کہ جن کا پڑھنا ثقہ حضرات سے تو منقول نہیں لیکن وہ مشائخ سے تواتر کے ساتھ پڑھنا منقول ہے۔ مثلاً حرز یمانی جس کو سیفی بھی کہا جاتا ہے علاوہ ازیں اور دعائیں بھی ہیں جن کو وہ پڑھتے ہیں۔ (واللہ اعلم)

ابن ماجہ اور ابوداؤد کی حدیث میں ہے اور حاکم نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کے ساتھ اس کی تصحیح کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ رقا، تمایم اور تولہ شرک ہیں۔ (رقاء جمع رقیہ کی ہے) رقیہ کا لفظ جاہلانہ منتروں پر بھی بولتے ہیں۔ اور تمیمہ وہ سفید رنگ کے یا سیاہ رنگ کے دانے وغیرہ ہوتے ہیں جو بچوں کے گلے میں جاہلیت کے زمانہ میں دفع بلیات کے لئے آویزاں کرتے تھے۔ اور ٹوٹکے ٹونے وغیرہ تولہ کہلاتے ہیں یہ عموماً مردوں کو اپنا گرویدہ کرنے کے لئے عورتیں کرتی ہیں۔ یہ بھی ایک قسم کا جادو ہوتا ہے۔ کاغذ پر جو دعا حزب یا رقیہ تحریر کیا جاتا ہے اس کو تعویذ کہا جاتا ہے۔ یہ گردن یا بازو پر باندھا جاتا ہے۔ کچھ علماء نے تو یہ منع کئے ہیں مگر وہ علماء جو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے سند لیتے ہیں وہ اسے جائز قرار دیتے ہیں وہ یہ ہے کہ عبداللہ بن عمر کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ڈر پریشانی اور بے خوابی کے دفعیہ کے لئے ان کلمات کی تلقین فرمائی تھی اعوذ بکلمات اللہ التامۃ من غضبہ و عقابہ و شر عبادہ و من ھمزات الشیاطین و ان یحضرون اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ عقلمند بچوں کو یہ سکھاتے تھے اور عقل و سمجھ سے محروم بچے کاغذ پر لکھ کر اپنی گردن میں آویزاں کرتے تھے۔

احادیث میں بھی تعویذ کا لفظ آیا ہے۔ جیسے کہ تعویذ الطفل بکلمات اللہ التامۃ الحدیث اور تعویذات النبی جیسے کہ ان کا ذکر آئندہ آئے گا۔ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنا ہے شر سے۔ اور عبداللہ بن مسعود کی زوجہ سے نقل ہے کہ عبداللہ نے میری گردن میں ایک ڈوری (دھاگہ) دیکھی۔ اور پوچھا کہ یہ کیا ہے اے زینب! میں نے کہا کہ یہ دھاگہ ہے جو میرے لئے دم کیا گیا ہے۔ پس اس نے اسے پکڑا اور ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اور کہا اے آل عبداللہ! تم لوگ شرک سے بے نیاز ہو اور تمہیں اس کی حاجت نہیں ہے میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ رقا، تمائم اور تولہ سب شرک ہیں (زینب کہتی ہے کہ) میں نے کہا تم نے ایسا کیوں کیا ہے میری آنکھ درد کے باعث نکلی جاتی تھی۔ اور آنسو اور آلودگی

نکلتے تھے۔ پس میں فلاں یہودی کے پاس گئی تھی پس اس نے افسوں پڑھا اور تمام درد وغیرہ رفع ہو گئے۔ اور مجھے آرام مل گیا۔ عبداللہ نے کہا کہ یہ درد جو تمہاری آنکھ میں تھا یہ شیطان کا عمل تھا جس نے تمہاری آنکھ میں تصرف کیا تھا اور جب منتر پڑھا گیا تو وہ باز آگیا یعنی رک گیا۔ جبکہ تمہارے لئے ضروری تھا کہ جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہوا ہے وہ پڑھتیں۔ جو یہ ہے۔

اذھب لباس رب الناس واشف انت الشافی لا شفاء الا شفاء ک شفاء لا یغادر سقما

(رواہ ابو داؤد)

اور کہتے ہیں کہ اسے شرک کی مانند اس لئے کہا جاتا ہے کہ دور جہالت کے لوگ اس میں بذاتہ حقیقی اثر سمجھتے تھے اور غیر اللہ کے نام پر کرتے تھے۔ لہٰذا جو خدا کے نام پر خدا تعالیٰ کے کلام سے ہو وہ اس حکم میں داخل نہیں۔ اس ضمن میں صحیح احادیث اور اخبار واضح آئی ہیں۔ لہٰذا یہ شرک کس طرح ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا کرنا اور خشوع کرنا مشروع ہے اس میں بالکل اختلاف نہیں۔ خواہ یہ کسی طریقہ سے اور کسی بھی مقام و موقع پر ہو۔

کچھ علماء کا قول ہے کہ جو منتر اہل عزائم اور تسخیر جنات کے دعویدار پڑھا کرتے ہیں۔ وہ ممنوع ہیں کیونکہ وہ ان میں حق و باطل سے مرکب کلمات اور مشکوک کلمات استعمال کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کے ذکر و اسماء کے ساتھ ساتھ وہ شیاطین کے نام اور ذکر بھی ملا دیتے ہیں اور پھر ان سے استعاذہ کرتے اور پناہ مانگتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ جنات طبعاً" انسان سے عداوت رکھتے ہیں۔ اور شیاطین سے ان کی دوستی ہوتی ہے اور شیاطین کے اسماء کے ساتھ جب منتر پڑھے جائیں تو شیاطین پسند کرتے ہیں اور اپنی جگہ سے خارج ہو جاتے ہیں۔ جانور کے کاٹے کا حال بھی اسی طرح ہی ہے۔ کیونکہ اس میں بھی جنات کا اثر ہوتا ہے۔ اور سانپ بچھو وغیرہ کی شکلیں جنات اختیار کر لیتے ہیں لہٰذا جس وقت بھی شیاطین کے اسماء کے ساتھ منتر پڑھا جائے اس کا زہر ان کے ابدان میں سرایت ہو جاتا ہے پس وہ منتروں سے دور بھاگتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ علماء امت اس پر اجماع کئے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اسماء و صفات رب تعالیٰ کے بغیر منتر ہوتے ہیں۔

یہ معلوم ہونا چاہیے کہ ماحصل یہ ہے کہ فقہ و حدیث کے بہت بڑے علماء میں سے قرطبی نے فرمایا کہ رقیہ تین قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ ہے جس سے زمانہ جاہلیت میں رقیہ کیا کرتے تھے اور اس کے معانی معلوم نہیں ہوتے تھے۔ ایسے رقیہ اور منتروں سے بچے رہنا ضروری ہے۔ یہ بھی امکان ہے کہ اس میں شرک ہو یا مؤدی بشرک ہو۔

دوسرا وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے اسماء و صفات کے ساتھ ہو۔ وہ جائز ہے اگر وہ چیز ماثور ہے وہ مستحب ہے۔

تیسرا رقیہ وہ ہے جو غیر اللہ کے ناموں پر ہو' مثال کے طور پر کوئی فرشتہ یا نیک بندہ یا کوئی دیگر عظمت والی مخلوق خدا جیسے کہ عرش اور کرسی ہیں وغیرہ وغیرہ تو اس قسم سے اجتناب کرنا ضروری نہیں ہے اس کا ترک کر دینا اولیٰ ہے کیونکہ اس میں غیر اللہ سے التجا و آرزو کا وجود پایا جاتا ہے۔ اور اگر یہ تعظیم مرقی بہ پر متضمن ہو تو اس سے اجتناب واجب ہے جیسے غیر خدا کی

قسم کھانا وغیرہ وغیرہ۔

بندہ مسکین شیخ عبدالحق کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے محبوبوں اور اللہ تعالیٰ کے اسماء سے تمسک اور توسل بایں وجہ جائز ہے کہ انکو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اور بارگاہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں قرب اور منزلت میسر ہوتی ہے اور ان کی تعظیم بھی صرف اس وجہ سے ہی کرتے ہیں کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی بندگی اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اتباع خوب کرتے ہیں۔ اور یہ بطور استقلال اور استبداء نہیں ہے اور یہ غیر اللہ کی قسم اٹھانے پر بھی قیاس نہیں کر سکتے۔ بلکہ توسل اور تشفع کے طور پر ہے اور اشتراک کے طریق پر بھی نہیں جس طرح کہ جاہلوں اور عوام الناس کا شیوہ ہے۔ اللھم صل اعلی سیدنا محمد و علیٰ آل محمدو بارک وسلم

جناب ربیع رحمتہ اللہ علیہ سے نقل ہے کہ میں نے امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ سے رقیہ یعنی دعائے شفاء کے متعلق سوال کیا۔ انہوں نے فرمایا کوئی حرج نہیں ہے۔ اگر کتاب اللہ اور معروف ذکر الٰہی کے ساتھ ہو۔ میں نے پوچھا کیا یہ درست ہے کہ رقیہ جائز ہے؟ انہوں نے فرمایا رقیہ کی تین قسمیں ہیں۔ ایک قسم وہ رقیہ ہے جو جاہلیت میں کیا جاتا ہے اور اس کے معانی معلوم نہ ہوتے تھے۔ واجب ہے کہ اس سے اجتناب کیا جائے۔ اور دوسرا وہ جس میں معلوم ہو کہ اس میں شرک ہے۔ اس کا ترک کرنا واجب ہے اور تیسری قسم رقیہ کی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اسم و آیات سے ہو۔ اور جس کے معانی معلوم ہوں اور اس میں شرک نہ ہو۔ پس یہ رقیہ جائز ہے میں نے کہا آیا جائز ہے کہ اہل کتاب مسلمانوں کے لئے رقیہ کریں۔ فرمایا ہاں جبکہ وہ کتاب خدا اور ذکر اللہ کے ساتھ معروف ہو۔ (انتہی) اور ظاہر ہے کتاب اللہ سے قرآن ہی مراد ہو گا۔ اور چونکہ تورات وغیرہ میں تحریف اور تبدیلی ہو چکی ہوئی ہے۔ لہٰذا اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ سوائے اس کے کہ جس کا حق کے موافق اور قرآن کے مطابق ہونا معلوم ہو۔

امام مالک اپنی موطا میں تحریر کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک یہودی عورت سے فرمایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لئے کتاب خدا سے رقیہ کر۔ اور نووی نے کہا ہے کہ امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کے یہود و نصاریٰ سے مسلم کے لئے رقیہ میں علماء کو اختلاف ہے۔ امام شافعی جواز کے قائل ہیں۔ اور ابن وہب نے امام مالک سے روایت کیا ہے کہ لوہے کی کسی چیز سے یا نمک دھاگہ میں گرہ لگانے سے رقیہ کرنا مکروہ ہے۔ اور جو کچھ سلیمان علیہ السلام کی انگشتری کے متعلق لکھتے ہیں۔ وہ قدیم زمانہ کے عوام میں معمول نہ تھا۔ یعنی وہ بدعت اور مکروہ ہے۔

تنبیہہ عوام الناس کی غلط فہمی کی بنیاد ہے کہ وہ دیکھتے ہیں کہ ان باطل افسوں اور جاہلیت کے شگونوں میں وہ عجیب و غریب تاثیر دیکھتے ہیں۔ اور وہ حیران ہوتے ہیں کہ تاثیر بعض اوقات مشروع رقیوں سے بھی ظاہر نہیں ہوتی۔ اور ایسے موقع پر وہ انکار اور حیرانی میں پڑ جاتے ہیں۔ جیسے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی زینب کے قول سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس نے کہا کہ میں کیا کروں جب میری آنکھ درد سے نکلی جاتی تھی تو فلاں یہودی سے افسوں کرا لیا اور درد فوراً ہی جاتا رہا۔ اور لوگ جانتے نہیں ہیں کہ فساد و بطلان کے معانی یہ ہیں کہ شارع علیہ السلام نے ان کو ممنوع قرار دیا ہے۔ اور شارع کے

نزدیک اس کی حکمت ظاہری فائدہ اور اس کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو شرک اور کفر کے گڑھے سے نکالا جائے۔ پس وہ لوگ کہ جن کے قدم مقام صدق و ایمان پر پکے ہیں۔ وہ اس کا ارتکاب نہیں کرتے خواہ یہ حیات فانی کے زوال اور ہلاکت کا سبب ہی کیوں نہ ہو جائے۔ اور وہ جانتے ہیں کہ ابدی زندگی اور سعادت شارع کے حکم کی بجا آوری میں ہے۔ اور جن کا مطمع نظر دنیوی زندگی ہے۔ وہ استقامت کے مقام سے پھسل جاتے ہیں۔ اور کفر و معاصی کے گڑھے میں گر جاتے ہیں (اعاذنا اللہ من ذالک) اور ہمارے ملک میں ایک افسوں ہے جس کی نسبت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری قدس سرہ سے کرتے ہیں۔ لوگ اس کے ساتھ شغف رکھتے ہیں۔ اور جب حضرت شیخ سے اس کی نسبت لکھی پاتے ہیں۔ تو اور بھی گرویدہ ہو جاتے ہیں۔ اور اس میں وہ اسماء ہیں جو ہندوؤں کی زبان میں متعارف ہیں۔ لہٰذا اس سے اجتناب لازم نظر آتا ہے۔ (واللہ اعلم بصحتہا)

رقایہ ماثورہ:۔ وصل:۔ ہر باب میں آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے رقیہ ہائے (دعائے شفاء) مروی ہیں خصوصاً آنکھ کے بارے میں اور زہریلے جانور کے کاٹنے میں۔ یہاں تک کہ یہ حدیث میں آ چکا ہے آنحضرت نظربد اور زہریلے جانور کے کاٹنے اور پہلو میں نکلنے والے پھوڑے پر افسوں کرتے تھے اور دیگر ایک حدیث میں آیا ہے کہ لا رقیۃ الا فی نفس لوحمۃ افسوں جائز نہ ہے سوائے نظربد اور جانور کے کاٹنے پر۔ حمۃ کا مطلب ہے زہریلے جانور کا کاٹنا اور نفس سے مراد نظربد ہے۔ دیگر ایک روایت میں لفظ "لدغ" زائد ہے۔ لدغ کا مطلب ہے زہریلے جانور کا کاٹنا جو دانتوں والا ہو۔ مثلاً سانپ وغیرہ' اور حصر سے مراد مبالغہ ہے نہ کہ ان اشیاء کے ساتھ تخصیص رقیہ' وجہ یہ ہے کہ رقیہ صرف انہیں چیزوں کے ساتھ مخصوص نہیں۔ بلکہ وہ تو سب بیماریوں اور الام میں مشروع اور مسنون ہے جیسے کہ بخار' درد سر اور درد دندان وغیرہ میں۔

بری نظر:۔ آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ العین حق یعنی بد نظری اور اس کا عمل ہونا موجود اور ثابت ہے فی نفس الامر' اور حق تعالیٰ نے یہ خصوصیت بعض افراد میں رکھی ہوئی ہے۔ کہ جب وہ کسی چیز کی طرف استحسان کی نظر ڈالتے ہیں تو اس چیز کو نقصان پہنچتا ہے۔ جیسے کہ جلد میں ہوتا ہے اور آپ نے فرمایا ہے لو کان شئی سابق القدر سبقت العین اگر کوئی چیز ہوتی جو قضا و قدر پر سبقت اور غلبہ کرنے والی ہوتی تو وہ آنکھ ہے۔ اور یہ تاثیر عین میں مبالغہ ہے اور دوسری حدیث میں آیا ہے کہ آدمیوں کی موت اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر کے بعد زیادہ تر بد نظری سے ہوتی ہے اور اکثر علماء دین اس مذہب پر ہیں کہ عین (بد نظری) حق ہے اور مبتدعین کا ایک گروہ مثلاً فرقہ معتزلہ اور ان کی روش پر چلنے والا ہر آدمی اس میں انکار کرتا ہے۔ اور (حقیقت یہ ہے کہ) جب مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خبر دی ہے تو یہ واجب ہو گئی اور اس کا انکار باطل ہے۔ اور وہ جو کہتے ہیں کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے ہی ہوتا ہے۔ بد نظری کا کیا اعتبار ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بد نظری بھی تقدیر الٰہی سے ہے۔ آنکھ میں کوئی ذاتی تاثیر نہیں ہوتی۔ اور جو کوئی بھی اہل سنت کے طریقہ پر ہے وہ یہی کہتا ہے کہ یہ تو اسباب عادی سے ہے۔ اس معنی میں کہ عادت اللہ جاری ہے کہ جب ایک شخص دوسرے شخص

کے روبرو آئے اور استحسان کی نظر سے اس کی جانب نظر ڈالے تو اللہ تعالیٰ اس چیز میں ضرر پیدا کر دیتا ہے لیکن دیکھنے والے کی آنکھ سے نکلتی ہے اور دیکھی جانے والی چیز پر پہنچتی ہے اسے نفی اور اثبات میں سے کسی جانب بھی جزم نہیں کیا جا سکتا۔ اس کا احتمال دونوں طرف ہی ہے۔ اور اصحاب طبائع میں سے بعض نے کہا ہے کہ دیکھنے والے کی آنکھ سے ایک غیر مرئی جوہر نکلتا ہے اور دیکھے جانے والے کے قریب آتا ہے اور آنکھ کے مساموں کی راہ اندر داخل ہوتا ہے۔ بس اللہ تعالیٰ اس سے ہلاکت و فساد پیدا کر دیتا ہے۔ جس طرح کہ وہ زہر کو پیتے وقت ہلاکت پیدا فرما دیتا ہے۔ اور اس بات کا احتمال بھی ہے کیونکہ کسی بات کے قطعی اور یقینی ہونے کا دعویٰ کرنا غلط ہوتا ہے۔ کچھ بد نظر لوگوں سے نقل کیا گیا ہے ان کا قول ہے کہ کسی کو ہم دیکھتے ہیں۔ اگر وہ چیز ہمیں اچھی لگے تو ہماری آنکھوں سے ایک خصوص قسم کی حرارت کسی نکلتی ہوئی معلوم ہوتی ہے اور بعض یہ کہتے ہیں کہ دیکھنے والے کی آنکھوں سے زہریلی قوت نکلتی ہے اور دیکھی جانے والی چیز کو پہنچتی ہے اور ہلاکت و فساد کا باعث بنتی ہے اس کا اثر بھی زہر کے مانند ہوتا ہے جو سانپ کے ڈسنے سے ہوتا ہے کچھ سانپ اپنی تیز نظر کے ذریعہ سے زہر پہنچاتے ہیں۔ بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ دیکھنے والی آنکھوں سے دیکھی جانے والی چیز پر کوئی تیز چیز جاتی ہے۔ اگر راستے میں کوئی مانع موجود نہ ہو تو وہ ہدف پر پہنچ کر اپنا اثر کرتی ہے اور اگر کوئی مانع درمیان ہو مثلاً کلمات 'حرز' تعویذ اور دعا وغیرہ تو وہ سپر بن کر بد نظری کے وصول و نفوذ سے حفاظت کرتا ہے۔ یہ سپر (مانع) اگر زیادہ شدید اور طاقتور ہو تو ممکن ہوتا ہے کہ آنے والی چیز (بد نظری) کو واپس دیکھنے والے کی طرف ہی پلٹا بھیجے۔

اس علت (بد نظری) کا علاج نبوی آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طرف سے معوذات تھے یعنی وہ آیتیں یا کلمات جن میں مختلف قسم کی شر سے استعاذہ کیا گیا ہے مثلاً معوذتین۔ سورۃ فاتحہ آیۃ الکرسی وغیرہ وغیرہ۔ علماء کا قول ہے کہ سب سے زیادہ اہمیت کا حامل اور سب سے بڑا رقیہ سورۃ فاتحہ' آیۃ الکرسی اور معوذتین کا پڑھنا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے تعویذات جن کا ثبوت حدیثوں میں ہے ان میں سے ایک یہ ہے۔ اعوذ بکلمات اللّٰہ التامات التی لا یجاو زمن بر ولا فاجر و باسماء اللّٰہ الحسنی ما علمت منها و مالم اعلم من شر ما خلق وما برا و من شر ما ینزل من السماء ومن شر فتن اللیل و النهار ومن شر طوارق اللیل والنهار الا طارق یطرق بخیر یا رحمٰن۔

اور بد نظری کے دفعیہ کے لئے یہ کہنا چاہیے۔ ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللّٰہ اور اگر دیکھنے والے کو خدشہ ہو کہ اسے اپنی ہی نظر سے واپسی ضرر نہ پہنچ جائے تو اسے یہ پڑھنا چاہیے۔ اللّٰھم بارک علیہ یہ بد نظری کو دفعہ کر دے گا۔

حدیث میں آیا ہے کہ عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ نے سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کو غسل کرتے ہوئے دیکھا کہ وہ خوبصورت اور خوب رو ہیں عامر ان کے بدن کی خوبصورتی کو دیکھ کر حیران رہ گئے اور کہا کہ خدا کی قسم میں نے اس قدر خوبصورت جسم نہیں دیکھا نہ کسی پردہ نشین عورت کا اور نہ مرد کا سہل بن حنیف اسی وقت سرور میں آئے اور زمین پر گر پڑے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حضور اس کی خبر پہنچی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ 'کسی پر تہمت کرتے ہو' لوگوں

نے بتایا کہ عامر نے ان کے بدن کو دیکھا اور تحسین کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عامر کو طلب فرمایا۔ اور ناراضگی کا اظہار فرماتے ہوئے کہا جس وقت اپنے بھائی کی کوئی چیز تم کو خوبصورت تم نے اس کو دیکھا اور وہ تمہیں اچھی معلوم ہوئی تو تم نے کیوں نہ پڑھا۔ اللّٰھم بارک علیہ بعد ازاں آپ نے سہل بن حنیف کو فرمایا کہ اپنے بدن کا غسالہ لاؤ پس اس نے اپنا چہرہ' کہنیوں تک دونوں ہاتھ' دونوں ٹانگیں ران اور شرم گاہ تک دھو کر پانی ایک پیالہ میں دیا۔ پھر وہ پانی سہل کے سر پر پشت کی جانب ڈالا گیا۔ سہل اسی وقت اچھے ہو گئے اور لوگوں کے ساتھ ہی روانہ ہو گئے اس طرح جیسے ان کو کوئی ضرر پہنچا نہ تھا۔

مواہب لدنیہ میں ابن کثیر کی روایت کے مطابق نہایہ سے نقل کیا گیا ہے۔ اور اعضاء کو دھونے اور اس کی مخصوص کیفیت کو بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ قوم میں یہ معمول تھا کہ جب بھی کوئی بد نظری کا شکار ہو تا تھا۔ تو دیکھنے والے کو پانی کا ایک برتن دیا جاتا اور اپنے دائیں ہاتھ سے پانی جسم پر ڈالتا تھا کلی کرتا اور پانی برتن میں ڈال دیتا۔ پھر وہ اپنا چہرہ برتن میں دھوتا پھر وہ اپنا بایاں ہاتھ برتن میں ڈالتا اور پانی اپنے جسم پر ڈالتا اور اپنے دائیں ہاتھ پر پانی بہاتا پھر وہ اپنا دایاں ہاتھ پانی میں ڈالتا اور بائیں ہاتھ پر پانی بہاتا اور بائیں کہنی پر بھی۔ پھر بایاں ہاتھ ڈالتا اور دائیں قدم پر پانی ڈالتا پھر دایاں ہاتھ ڈال کر بائیں زانو پر پانی ڈالتا۔ اس کے بعد تہبند میں شرمگاہ کو دھوتا اور پاؤں زمین پر نہ رکھتا۔ اس کے بعد یہ غسالہ کا پانی بد نظری میں جتلا شخص کے سر کی پچھلی طرف سر پر ڈالا جاتا تھا۔ تو اللہ کے حکم سے وہ تندرست ہو جاتا تھا۔ (انتہی) پر پوشیدہ نہ رہے کہ ابن کثیر نے قوم کی عادت بیان کی ہے اس سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے روبرو بھی اس طرح ہی کیا گیا تھا (واللہ اعلم) بہر حال اس کا راز عقل سمجھنے سے قاصر ہے۔

قاضی ابو بکر بن العربی کا قول ہے کہ کوئی متشرع آدمی اگر اس میں توقف کرنے کی سوچے تو اس سے کہہ دینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول زیادہ علم رکھتے ہیں۔ اس کی تائید تجربہ سے ہے اور اس کے مشاہدہ سے تصدیق ہوئی ہے۔ اس بارے میں اگر کسی فلسفی کو توقف ہو تو اس کی تردید بڑی آسان ہے فلاسفہ کے نزدیک یہ امر مقرر اور ثابت شدہ ہے کہ کچھ دواء میں اپنی قوت کے ساتھ موثر ہیں۔ وہ دوائیں اپنی خاصیت سے عامل ہوتی ہیں۔ لہٰذا یہ بھی اس قسم سے ہے۔ کہربا اور آہن ربا (مقناطیسی) اس قسم کی چیزیں ہیں۔ یہاں پر داخلہ آزاد شرمگاہ کا کیا مطلب ہے۔ بعض کا قول ہے کہ اس سے مراد فرج ہے۔ جو جانب آزاد ہے۔ اور جو دائیں جانب سے اس کے بدن میں ڈالا گیا ہے۔ قاضی عیاض رحمتہ اللہ علیہ کے مطابق اس سے مراد اس کا جسم ہے جو ازار سے متصل ہے۔ یا ازار کے مقام کا جسم ہی مراد ہے بعض کے نزدیک ایک سے مراد "سرہ" ہے مقعد آزار ہے۔

سلف صالحین کی جماعت کے نزدیک یہ جائز ہے کہ جس کو نظر بد لگی ہو اس کو قرآن پاک کی آیات تحریر کر کے پلائی جائیں۔ مجاہد کا قول ہے کہ آیات قرآنی لکھ کر دھو کر پلانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ خواہ مطلق قرآن لکھا جائے یا کوئی مناسب آیات شفاء ہو۔ یا اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات پر مشتمل ہو۔ وھو الانسب

ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت کو درد زہ تھا۔ آپ نے ایک یا دو قرآنی آیات بتائیں۔ فرمایا

ان کو لکھ لو۔ اور دھو کر اس کو پلاؤ۔ اس سے قبل آیات شفاء کے بیان میں شیخ امام ابوالقاسم قشیری کی حکایت بیان ہو چکی ہے وہ بھی اس امر کی تائید میں ہے۔

حکایت :۔ ابو عبداللہ نباجی ایک حکایت کی روایت کرتے ہیں کہ میں ایک سفر میں اونٹ پر سوار جا رہا تھا۔ میرے ساتھیوں میں ایک شخص تھا جو نظر بد لگانے میں مشہور تھا۔ وہ جس چیز کو اچھی نظر سے دیکھتا تھا۔ وہ گر پڑتی اور تلف ہو جاتی تھی۔ لوگوں نے عبداللہ نباجی سے کہا کہ اس آدمی کی نظر سے اپنا اونٹ بچاؤ۔ نباجی نے کہا میرے اونٹ پر اسے کوئی قدرت نہیں۔ اس بات کا اس آدمی کو پتہ چلا تو گھات لگائے رہا کہ نباجی کے ادھر ادھر ہٹنے پر وہ اس کے اونٹ پر نظر ڈالے۔ نباجی وہاں سے پرے ہوا تو وہ شخص اس کے رہائش گاہ میں آیا اور اونٹ کو اس نے اپنی مخصوص نظر سے دیکھا۔ اونٹ تڑپا اور گرا جیسے کوئی درخت اپنی جڑ سے گر جاتا ہے۔ نباجی کو مطلع کیا گیا کہ تمہارے اونٹ کو بد نظر لگ گئی ہے۔ وہ آئے۔ بد نظر شخص کو دیکھا اور یہ رقیہ پڑھنے لگے۔

بسم اللہ حبس حالبس و شجر یابس و سھاب قابس ردت عین العائن و علی احب الناس الیہ فارجع البصر ھل تریٰ من فطور ثم ارجع البصر کرتین ینقلب الیک البصر خاسئا و ھو حسیرہ

جونہی یہ دعا نباجی نے پڑھی۔ بد نظر آدمی کی آنکھ حلقہ چشم سے نکل گئی اور گر پڑی۔ اونٹ تندرست ہو گیا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ یہ دعا بھی بد نظری کے لئے ہے۔

ابن قیم سے مواہب لدنیہ میں نقل کیا گیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ بد نظری سے احتراز و اجتناب جائز ہے اور خوبصورت چیز کو بد نظری کی نظر سے محفوظ رکھنے کے لئے اس پر کوئی ایسی چیز لگا دینا بھی جائز ہے جس سے اس کی نظر پلٹ جائے۔ جس طرح کہ بغوی سے شرح السنہ میں منقول ہے کہ ایک خوبصورت بچہ کو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے دیکھا۔ آپ نے فرمایا کہ اس کی ٹھوڑی پر کالے رنگ کا نقطہ لگا دو۔ تاکہ اس کو بد نظر نہ لگ جائے۔ (کذافی المواہب) یہ بات مخفی نہیں رہنی چاہیے کہ ٹھوڑی پر سیاہ نقطہ لگا دینے سے خوبصورتی کو پوشیدہ کرنا مراد نہیں ہے' بلکہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بھی کوئی بھید کی بات ہے جس سے بد نظری سے حفاظت ہوتی ہے اور یہ رقیہ کا حکم رکھتی ہے (واللہ اعلم)

ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ایک لڑکی دیکھی اس پر کسی جن کی نظر کا اثر ہوا تھا۔ صحیحین میں اس طرح ہی الفاظ ہیں۔ کہ لڑکی کو دیکھا کہ اس کے چہرے پر زردی ہے۔ حضور نے حکم فرمایا کہ اس کے لئے افسوں پڑھیں۔ کیونکہ اس پر جن کی نظر کا اثر ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آدمی کی بد نظری کی مانند جن کی بد نظری بھی لگ جاتی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جن کی نظر تیر سے بھی زیادہ تیزی رکھتی ہے۔

دیگر ایک حدیث میں بھی اس طرح آیا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لے گئے۔ وہاں ایک لڑکی دیکھی اس کے چہرے پر زردی تھی۔ لوگوں نے آپ سے عرض کیا کہ اس کو بد نظر لگ

گئی ہے۔ آپ نے فرمایا تم نظربد کا افسوں کیوں نہیں پڑھتے کہا جاتا ہے کہ بد نظر لگ جانا عجب اور استحسان ہوتا ہے خواہ دشمنی یا حسد نہ ہی ہو اور نیک مرد کی جانب سے یہ بطور محبت بھی ہوتا ہے۔ جس طرح سہل بن حنیف کو عامر بن ربیعہ کی نظر لگ گئی تھی یہ تو دیکھنے والے کو چاہیے کہ کوئی چیز اس کی نظر میں اگر اچھی اور خوبصورت لگے تو وہ دعا اور برکت میں عجلت کرے یہ بھی بمنزلہ رقیہ ہی ہو گی۔ اور حاکم کے لئے یہ ضروری ہے کہ بد نظر مشہور شخص کو عام لوگوں کے ساتھ ملنے جلنے سے باز رکھے۔ بلکہ اس کو گھر سے باہر نہ جانے دے اگر بد نظر آدمی محتاج ہو تو اس کے لئے اسقدر روزی کا انتظام کرے کہ وہ اپنی زندگی گزار سکے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بد نظر کا ضرر کوڑھی کے ضرر سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔ اور سخت ہوتا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بد نظر آدمی کو لوگوں کے ساتھ ملنے جلنے سے روک دیا۔ اور آپنے اس کو لوگوں کے ساتھ کھانے پینے اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے سے ممانعت فرمادی۔ بد نظری سے ہلاک ہونے والے شخص کی دیت اور قصاص کے واجب ہونے میں علماء کو اختلاف ہے۔ قرطبی علماء فقہ و حدیث میں سے ہیں وہ کہتے ہیں اگر عائن کسی کو مار ڈالے تو اس پر قصاص اور دیت ہے۔ اگر دوبارہ اس سے ایسا ہی سرزد ہو تو وہ عادی کی مانند ہے۔ اس کا حکم جادوگر کی مانند ہے۔ اور نودی نے روضہ میں فرمایا ہے کہ اس میں نہ دیت ہے نہ کفارہ۔ کیونکہ یہ کام منضبط اور عام نہیں ہے بلکہ مخصوص ہے کچھ آدمیوں کے ساتھ۔ اور بعض وہ حالتیں ہوتی ہیں جن میں یہ کام ان سے سرزد نہیں ہوتا یہ تو ازقبیل خاصیت ہے۔ اور جو برا عمل اس سے واقع ہوتا ہے وہ قتل و اہلاک اور زوال حیات میں متعین نہیں ہوتا۔ اور بعض اوقات بغیر اس کو ہلاک کرنے کے قصد کے وہ برا عمل واقع ہو جاتا ہے۔ (انتہی)

اس مقام پر اکابرین احناف کے اقوال علم میں نہیں آئے۔ اگر ناظرین کو میسر ہوں تو وہ اس جگہ تحریر کر دیں۔ (واللہ اعلم)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جملہ امراض جسمانی کیلئے دعائے شفا کیا کرتے تھے۔ مثال کے طور پر ان بیماریوں اور مصائب و آلام کی رقایا اور تعویذ کتب احادیث میں مذکور ہوئی ہیں۔ بخار' تپ لرزہ' مرگی' صداع' خوف' خشیت' بے خوابی' سموم' ہموم' الم' مصائب غم و اندوہ' شدت و سختی' درد' بدن میں تکلیف' فقر و فاقہ قرض' جل جانا' دانتوں کا درد' پیشاب کی بندش' خراج' نکسیر' عسر ولادت' اور جملہ امراض و آلام اور تمام مصائب و بلا وغیرہ۔ جسمانی علاج سے متعلق ادویہ حسیہ سے علاج معالجہ بھی کرنا روایات میں آیا ہے۔ اس مقام پر صرف اپنے مقصد و طلب کا لحاظ رکھتے ہوئے ہم صرف جادو اور اس کے حکم کے ذکر پر ہی کفایت کریں گے وجہ یہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر ایک یہودی کا جادو کرنے کا قصہ طویل کلام میں مذکور ہوا ہے۔

جادو:۔ وصل:۔ (لغت کی کتاب) صراح میں سحر کے معانی ہیں افسوں کرنا۔ جادو کرنا۔ اور جادو کرنا حرام ہے اور اس کے گناہ کبیرہ ہونے پر اجماع امت ہے اور کسی وقت یہ کفر ہوتا ہے بوجہ اس میں کسی باعث کفر قول و فعل کے جادو سیکھنا سکھانا دونوں ہی حرام ہیں۔ بعض علماء کا قول ہے کہ اپنے سے جادو دفعہ کرنے کی نیت کے ساتھ جادو سیکھنا حرام نہیں ہے۔

جادوگر کے جادو میں اگر کفر موجود نہ ہو تو اس کی تعزیر لگائی جائے گی اور اس میں کفر ہو تو وہ قتل کیا جائے گا جادوگر کے توبہ کے سلسلے میں علماء کا اختلاف آیا ہے۔ جس طرح زندیق کے بارے میں ہے۔ اور (یاد رہے) کہ نبوت دین حشرو نشر اور روز آخرت کے منکر کو زندیق کہتے ہیں۔

علماء کا جادو کی حقیقت کے متعلق بھی اختلاف ہے۔ بعض کا قول ہے جادو صرف ایک وہم و تخیل ہے۔ اس کی کوئی حقیقت نہ ہے۔ اس سے مراد ہے کہ جادو میں مبتلا شخص پر واقع ہونے والے احوال و افعال صرف وہم اور تخیل سے پیدا ہوتے ہیں۔ ورنہ اصلاً وہ کچھ بھی نہیں ہوتے شافعین سے ابوبکر استر آبادی احناف میں سے ابوبکر رازی اور چند دیگر لوگوں کا یہی مسلک ہے۔ اور نووی کا قول ہے کہ صحیح مسلک یہ ہے کہ جادو کی حقیقت ہے۔ جمہور علماء اس مسلک پر ہیں۔ اور کتاب اور سنت مشہور اس پر دلیل ہیں۔ کذافی مواہب شیخ ابن حجر۔ عسقلانی نے فرمایا ہے۔ کہ نزاع اس مقام پر ہے کہ جادو سے انقلاب ذات اور قلب حقیقت کی وضاحت ہوتی ہے یا کہ نہیں۔ اہل تخیل حضرات ان اثرات کی ممانعت کرتے ہیں اور وہ علماء جو جادو کی حقیقت ہونے کے قائل ہیں۔ انہیں اس میں اختلاف ہے کہ یہ صرف تاثیر ہی ہے جیسے کہ کسی خاص بیماری میں مزاج کی تبدیلی ہو جاتی ہے یا کہ وہ کسی حالت پر منتہی ہوتے ہیں۔ جس طرح یہ کہ کوئی پتھر حیوان بن جائے۔ یا حیوان پتھر بن جائے۔ علماء جمہور پہلی نوع کو مانتے ہیں۔ بعض کا یہ بھی قول ہے کہ جادو کی نہ کوئی حقیقت ہے اور نہ کوئی ثبوت ہے۔ نہ اس کا کوئی وجود ہے۔ یہ مکابرہ اور باطل ہے۔ اس بات کے خلاف کتاب و سنت سے واضح ہوتا ہے بعض کے نزدیک یہ ہے کہ قرآن کریم میں جسقدر تاثیر جادو کی بیان شدہ ہے اس سے زیادہ ہرگز نہیں ہے وہ یہ کہ یفرقون بین المرء وزوجہ عورت و شوہر کے مابین جدائی ڈالتے ہیں اس سے بڑھ کر کوئی اس کا ہوتا تو وہ بھی مذکور ہوتا۔ اور عقل و شعور اور نقل کرنا بھی یہی درست ہے کہ اگر جادو کا اثر واقعی ہے اور ہاروت و ماروت کی داستان میں قرآن پاک میں جو کچھ مذکور ہو چکا ہے اس قدر یا اس سے بڑھ کر بھی اس کا اثر ہو تو زیادہ کی مخالفت میں کوئی دلیل موجود نہیں ہے لہٰذا یہ ذکر میں نہیں لایا گیا۔

سحر حیل عامیہ سے ہے۔ مراد یہ کہ از قسم بھلائی رسی ہے۔ جو کہ اعمال اور اسباب سے اکتساب کے طریقے سے میسر ہوتا ہے۔ ظاہراً علوت مسامعہ کے توڑنے والی اشیاء کی اقسام میں سے ہے۔ اس کا زیادہ تر فساد و فجور سے وقوع ہوتا ہے۔ اس میں یہ شرط ہے کہ وہ جنابت میں اور ناپاک ہے اور اگر وطی حرام بلکہ محارم سے وطی کے باعث جنبی اور ناپاک ہوا ہو تو اور زیادہ دخل انداز ہوتا ہے۔ (کذا فیں)۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو رسیاں فرعون کے جادوگروں نے لپیٹی تھیں جبکہ موسیٰ علیہ السلام نے انہیں دوڑتی بھاگتیں تصور کر لیا تھا وہ جادو نہیں تھا بلکہ وہ لکڑیاں ہی تھیں جو اندر سے کھوکھلی تھیں۔ اور ان کی رسیاں چمڑے کی بنی خالی تھیلیاں تھیں جن میں پارہ ڈالا ہوا تھا۔ ان کی تہ میں آگ رکھی ہوئی تھی۔ اور زیادہ وہ سورج کے سامنے ڈالی گئی تھیں۔ لہٰذا پارہ نے گرم ہو کر حرکت کرنا شروع کر دیا۔ ان کا یہ قول عجیب و غریب ہے۔ وجہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے کئی مقامات پر سحرو جادو کا تذکرہ فرمایا۔ بعض مقامات پر سحر عظیم کہا گیا۔ اور جادو کرنے والوں کو سحرو کہا گیا ہے۔ لہٰذا اب انہیں وہمی یا خیالی کہیں تو بعید از

حقیقت معلوم ہوتا ہے اور قرآن پاک میں سحر سے لغوی معانی مراد لینااور زیادہ عجیب تر ہے جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اعجاز میں سحر پر ہی معمول کرنا زیادہ موزوں ہے۔ شرط یہ ہے کہ یہ لغوی معانی نقل صحیح سے ثابت کئے جائیں (واللہ اعلم بحقیقت الحال)۔

اور یہ تو صحیح طور پر منقول ہے کہ یہودی نے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جادو کیا تھااور آنحضرت کی ذات اقدس میں اس کی تاثیر کاظہور بھی ہوا تھا۔ جس کے باعث آپ کی ذات اقدس میں نسیان۔ تخیل اور قوت جماع کی کمزوری وغیرہ واقع ہوئے۔ حدیبیہ سے واپسی کے بعد ۶ھ ماہ ذوالحجہ میں یہ واقع ہوا تھا۔ اور ایک قول سے یہ تاثیر چالیس دن تک رہی۔ دیگر ایک روایت چھ ماہ اور ایک روایت کے مطابق ایک سال رہی۔ حافظ ابن حجر رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ روایت صحیح ہے اور قابل اعتماد ہے۔ شاید جادو کازور اور قوت چالیس دن ہی تھی۔ لیکن اول سے آخر تک اس کی علامات اور اس کی بقاء طویل عرصہ تک رہی۔ حتیٰ کہ ایک شب جبکہ آنحضور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تھے تو آپ نے دعا فرمائی۔ اور خوب دعا فرمائی۔ بعد ازاں آپ سیدہ سے مخاطب ہوئے اور فرمایا عائشہ! تم کو علم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جواب بھی عطا فرمایا ہے اور جس بارے میں میں نے سوال عرض کیا تھاوہ قبول کر لیا گیا ہے۔ فرمایا کہ میرے نزدیک دو شخص آئے۔ ایک میرے نزدیک بیٹھ گیااور دوسرامیرے پاؤں کی طرف رہا۔ ایک نے دوسرے ساتھی سے کہاکہ کیاکیفیت ہے اس شخص کی اور اس کو کس قسم کادرد ہے۔ اس نے جواب دیاکہ یہ سحرزدہ ہے اس نے پھر پوچھاکہ اس پر کس نے سحر کیا ہے تو دوسرے نے جواب میں کہالبید بن اعصم یہودی نے کیا ہے۔ پھر اس نے پوچھاکہ کس چیز میں جادو کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کنگھی اور ان بالوں پر جادو کیا ہے جو کنگھی کرتے ہوئے نیچے گرتے تھے۔ دعائے شگوفہ نخل میں درج ہے کہ پھر پوچھاوہ کہاں پر رکھے ہیں۔ تواس نے جواب دیاکہ وزدان کے کنویں میں رکھے ہوئے ہیں اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا کہ وہ کنواں مجھے دکھایا بھی گیا ہے اس کنویں کے پانی کارنگ سرخ تھا۔ جیسے پانی میں مہندی گھولی ہوئی ہوتی ہے۔ اور اس کنویں کے ساتھ جو کھجور کے درخت ہیں ان کے سر شیاطین کے سروں کی طرح ہیں۔ بعد ازاں اس کنویں سے جادو والی اشیاء کو باہر نکلا گیا۔ اس طرح صحیحین میں روایت کیا گیا ہے۔ بخاری شریف میں ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیایا رسول اللہ! جس آدمی نے یہ عمل کیا ہے اس کو آپ ظاہر کیوں نہیں فرمادیتے اور اس کو آپ ذلیل کیوں نہیں کرتے۔ آپ نے فرمایا مجھے بھلا معلوم نہیں ہوتا کہ میں کسی کی برائی عوام میں نشر کروں۔ اللہ رب العزت نے مجھے تندرستی عطا فرمائی۔ اب مجھے کسی سے کیا غرض ہے کہ اسے ظاہر کرکے اس کے بد عمل کی تشہیر کروں۔

بیہقی اور دلائل نبوت میں ضعف سند کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث بیان کی گئی ہے کہ لوگوں کو اس کنویں میں وتر (کمان کاچلہ) ملا۔ اس میں گیارہ گرہ تھیں۔ اور سورۃ الفلق اور سورۃ الناس کانزول ہوا۔ ان کی ایک آیت کی تلاوت کے ساتھ ایک ایک گرہ کھلتی جاتی تھی۔ دیگر ایک روایت میں آیا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی اور حضرت عمار رضی اللہ عنہما کواس کنویں کی طرف بھیجاوہاں ان کی کھجور کی ایک کونپل ملی۔ جسے گیارہ گرہیں دی ہوئی

تھیں۔ فتح الباری میں روایت ہے کہ ایک آدمی کو کنویں میں اتار اگیا اس نے وہاں کھجور کی کونپل فرمائی۔ اس میں آنحضور کی تشبیہ بنائی گئی تھی۔ اس میں سوئیاں چبھوئی گئی تھیں اور گیارہ گرہیں بھی دی گئی تھیں اور ایک ڈورے کے ساتھ باندھی ہوئی تھی اس وقت جبرئیل علیہ السلام معوذتین لے کر آئے جن میں ہر گرہ کے لئے ایک آیت تھی اس کو پڑھتے جاتے تھے اور گرہ کھولتے اور سوئی نکالتے جاتے تھے۔ جب سب سوئیاں نکال لی گئیں تو درد سے سکون ہوا آرام اور راحت حاصل ہو گئی۔ ان دونوں میں کل گیارہ آیات ہیں۔ ہر آیت کے پڑھنے پر ایک گرہ کھل جاتی تھی۔

اس بارے میں صوفیائے کرام کا قول ہے کہ اس جادو کے واقعہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے تسلیم و تفویض کی راہ پر عمل فرمایا تھا۔ اور اس مصیبت پر آپ صبر فرما کر اللہ تعالیٰ سے اجر کے جویاں ہوئے تھے۔ اس کو طول ہوا اور اس طوالت سے یہ خدشہ لاحق ہوا کہ کہیں دعوت و تبلیغ اور توجہ الی اللہ میں سستی نہ غالب آجائے تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی اس کے نتیجہ میں آپ کو حسی اور روحانی علاج کے ذریعے دوا اور علاج کرنے کی اشارت ہوئی روحانی معالجہ کی خاطر معوذتین کا نزول ہوا اور حسی علاج آپ نے اپنے سر اقدس پر پچھنے لگوانے سے کیا۔

صاحب سفر السعادۃ کا قول یہ ہے کہ دین و ایمان سے محروم شخص بالیقین ایسے علاج سے انکار ہی کرے گا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ تو کہے گا کہ پچھنے تو از قبیل استفراغ ہے اسے جادو سے کیا تعلق ہو سکتا ہے اور یہ جادو کا دفعیہ کیسے کر سکتے ہیں۔ ان کا یہ جواب ہے کہ کافر طبیبوں میں سے مثال کے طور پر اگر جالینوس یا ارسطو وغیرہ یہ علاج نقل کرتے اور اس کی تجویز کرتے تو یقین ہے کہ وہ اس سے انکار نہ کرتے۔ یعنی وہ اس طرح کہتے کہ ان طبیبوں نے جب اس کا حکم کیا ہے تو لازماً" اس میں بھی کوئی حکمت ہو گی۔ جبکہ ان کی یہ ہی بات جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں کتنا انسب واولیٰ ہے حالانکہ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پچھلے لگوانے کا فائدہ اور جادو کے ازالہ میں عقلی حکمت کا بھی اشارہ فرما دیا تھا۔ جواب میں انہوں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جادو کا اثر سر مبارک میں بھی پہنچ چکا تھا۔ مراد یہ کہ اس کا اثر قوائے دماغ میں بھی ہو چکا تھا۔ کیونکہ آپ نہ کئے ہوئے کام خیال فرمانے لگ گئے تھے۔ جیسے کہ وہ کر لیا ہوا ہے۔ جادوگر کی جانب سے آپ کی طبیعت اور دموی مادہ پر تصرف تھا۔ حتیٰ کہ اس مادہ نے دماغ کے مقدم حصہ پر غلبہ پا لیا تھا اور طبیعت اصلیہ سے اس کا مزاج بدل گیا۔ کیونکہ جادو مرکب ہوتا ہے ارواح خبیثہ مثلاً جن و شیاطین اور خبیث نفوس بشریہ انفعال قوائے طبیعہ بدنیہ کی تاثیر وغیرہ سے چونکہ جادو کا اثر بدن اور روح حیوانی میں ہوتا ہے اور یہی اس کا مقام ہے۔ اس کی تاثیرات کے انضمام کے بعد جوف قلب سے ایک رضیف قسم کا بخار بطون دماغ کی طرف اٹھتا ہے اور دماغی قوتوں میں حائل ہو جاتا ہے اور اس جگہ کو جادو سے سحر زدہ کر دیتا ہے اور طبیعت اصلیہ سے خارج کر دیتا ہے اور فرمایا گیا ہے کہ جادو سے ضرر رسیدہ مقام پر پچھنے لگوانا غایت حکمت پر مبنی ہے اور بڑا بہتر علاج ہے۔

چند متبدعین آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر جادو کی تاثیر کے اس واقعہ سے انکار کرتے ہیں انکا یہ خیال ہے کہ یہ بات آنحضرت کے علو مرتبہ جلیلہ رفیعہ کے تنزل کا باعث اور آپ کی نبوت میں شک کا موجب ہے۔ اور اس طرف

لے جانے والی ہربات باطل ہے اور شریعت مطہرہ پر عدم اعتبار کا باعث ہے کیونکہ اس تقدیر پر یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ آنحضرت نے سوچا ہو کہ جبریل علیہ السلام کو دیکھا ہے لیکن وہ جبریل نہ ہوں۔ آپ نے خیال کیا ہو کہ وحی نازل ہوئی ہے جبکہ اصلاً اس طرح واقع نہ ہوا ہو۔ نیز یہ کہ ناقص اشخاص پر جادو کا اثر ہو سکتا ہے اور ارباب کمال اس کے اثر سے وراء ہیں۔ یہ سب باتیں ان مبتدعین کی مردود ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے نبوت کے دعویٰ کی تصدیق و حقانیت پر برہان قائم ہو چکا ہوا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے بذریعہ تبلیغ جو کچھ بھی آنحضور نے لوگوں تک پہنچائے ہیں اس پر معجزات باہرہ گواہ ہیں۔ اور جن باتوں کا تعلق امور دنیا سے ہے اور جن کی جانب آپ کی بعثت نہیں ہے وہ باتیں احاطہ رسالت آنجناب سے باہر ہیں۔ جیسے کہ کوئی بیماری وغیرہ۔ تو یہ بعید از امکان نہیں ہے کہ ان دنیاوی چیزوں کی طرف آپ نے خیال فرمایا ہو کیونکہ درحقیقت یہ امور عصمت آنجناب اور امور دنیہ میں شمار نہیں ہیں اور اس پر یہ لازم بھی نہیں آتا کہ آپ نے جس کام کے کر لئے ہوئے ہونے کا گمان کیا ہو جبکہ اسے نہ کیا ہو پھر بھی اس کے کیا ہوا ہونے پر یقین کر لیا۔ ہو۔ بلکہ یہ تو جنس خاطر سے ہے کہ متعدد کا لہو ہوتا ہے اور وہ برقرار اور قائم نہیں رہتے لہٰذا ملحد لوگوں کو اب اس پر مزید کوئی دلیل یا حجت باقی نہیں۔ بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اخبار میں کوئی خبر اس قسم کی نقل میں نہیں آئی کہ آپ نے حقیقت کے خلاف کبھی بھی کچھ ارشاد فرمایا ہو جو خلاف واقع ہو۔

جہاں تک مبتدعین کی اس بات کا تعلق ہے کہ یہ انحطاط اور منقصت کا باعث ہے یہ حقیقت نہیں ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ذات اقدس میں صحت کی تاثیر کا اظہار آپ کے دلائل نبوت اور صدق رسالت کا حصہ ہے۔ وجہ یہ کہ کافر آپ کو ساحر کہتے تھے۔ اور یہ مسلمہ امر ہے کہ ساحر کی ذات پر جادو کا اثر نہیں ہوتا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر سحر کا اثر اور اس کے ظہور میں یہی حکمت اور مصلحت ہے۔

نیز انہوں نے جو کہا ہے کہ جادو کا اثر ناقصوں پر ہوتا ہے۔ یہ قاعدہ یا کلیہ تو نہیں ہے یہ بھی تو ممکن ہے کہ کسی حکمت و مصلحت کے باعث کاملین میں بھی جادو کا اثر ظہور کرے۔ اس ضمن میں احادیث صحیح آچکی ہیں ان سے انکار ناممکن ہے۔ (واللہ اعلم)

جان لیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رقیہ اور تعویذات بہت سے ہیں اس کتاب کی قوت اور راقم الحروف (شیخ عبدالحق) کے حصر و احاطہ سے باہر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے آغاز میں ہی امراض کو شمار کرنے پر اجمالی طور اکتفا کیا ہے۔ پھر بھی وہ طبیعت جسے برکت کی خواہش ہوتی ہے وہ اس سے مطمئن نہیں ہوتی۔ لہٰذا یہ قرار پایا ہے کہ جملہ ابتلاء اور مصائب میں سے صرف کثیر الوقوع کے بارے میں چند اقتباس برائے برکت و تیمن ذکر میں لائیں۔ (وباللہ التوفیق)

تمام امراض و ابتلاء اور نظربد کے متعلقہ رقیات:۔ سب سے زیادہ مشہور رقیہ نظربد کے متعلق ہے اس کے رقیہ ہائے بہت ہیں اس کے لئے اور تمام امراض و ابتلاء اور آفات کے لئے افضل ترین رقیہ سورۃ فاتحہ' معوذتین آیۃ الکرسی کی قرائت اور یہ دعا ہے۔ اذھب الباس رب الناس واشف انت الشافی لا شفاء الا شفاءک شفاء لا یغادر

سقما حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی یہی دعا کلیتہ جملہ بیماریوں' خدشات اور دردوں وغیرہ میں ہوتی تھی۔

انہی میں سے ایک دعا یہ بھی ہے۔ اعوذ بکلمات اللہ التآمات من غضبہ و عقابہ و شر عبادہ و من ھمزات الشیاطین و لن یحضرون اس کے علاوہ ایک دعا یہ ہے اللھم انی اعوذبک بوجھک الکریم و بکلماتک التامات من شر ماانت اللھم انت تکشف الاثم والعزم اللھم لا یھزم جندک ولا یخلف وعدک سبحانک و بحمدک

ایک دعا یہ ہے۔ اعوذ برجہ اللہ العظیم الذی لیس شئی اعظم منہ و بکلمات اللہ التامات التی لا یجاوزھن بر ولا فاجر و باسماء اللہ الحسنی ما علمت منھا و مالم اعلم من شر ما خلق و ذرا و ما براو من شر کل ذی شر لا اطیق شرہ و من کل ذی شر بی اخذ بناصیتھا ان ربی علی صراط مستقیم

اس کے علاوہ ایک دعا یہ ہے اللھم انت ربی لا الہ الا انت علیک توکلت و انت رب العرش العظیم ماشاء اللہ کان و مالم یشا لم یکن ولا حول ولا قوۃ الا باللہ اعلم ان اللہ علی کل شئی قدیر و ان اللہ قد احاط بکل شئی علما و احصیٰ کل شئی عددا اللھم انی اعوذبک من شر نفسی و من شر الشیطان و شرکہ و من شر کل دابۃ انت اخذ بنا صیتھا ان ربی علی صراط مستقیم

ایک دعا یہ بھی ہے تحصنت بالذی لا الہ الا ھو الٰہی والہ کل شئی و بہ ھو ربی و رب کل شئی و توکلت علی الحیی الذی لا یموت واستدفعت الشر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ حسبی اللہ و نعم الوکیل حسبی الرب من العباد حسبی الخالق من المخلوق حسبی الرزاق من المرزوق حسبی الذی ھو حسیبی حسبی الذی بیدہ ملکوت کل شئی و ھو یجیر ولا یجار علیہ حسبی اللہ و کفی سمع اللہ ملن دعی لیس وراء اللہ مرصی۔ حسبی اللہ و کفی سمع اللہ لمن دعی لیس وراء اللہ مرصی حسبی اللہ لا الہ الا ھو علیہ توکلت و ھو رب العرش العظیم۔

جملہ دعاؤں میں ایک دعائے جبرئیل ہے۔ اس کو انہوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے لئے پڑھا تھا۔ یہ دعا صحیح مسلم میں ثابت ہے۔ بسم اللہ ارقیک من کل شئی یؤذیک و من شر کل نفس او عین حاسد اللہ یشفیک بسم اللہ ارقیک رقبۃ و جع جسد

مسلم شریف میں عثمان بن العاص رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔ ان کو جو بدن میں درد تھا اس کی شکایت انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کی۔ اور بعد ازاں مسلمان ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ بدن کے جس مقام پر درد ہے اسے پکڑ لو اور تین مرتبہ بسم اللہ اور سات مرتبہ اعوذ بعزۃ اللہ و قدرتہ من شر اجد و احاذ پڑھ کر دم کرو۔

ڈر خوف اور نیند نہ آنے کی دعا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے رات کو بے خوابی اور ڈر لگنے کی شکایت آنحضرت سے عرض کی۔ کہ یا رسول اللہ! ساری رات مجھے نیند نہیں آتی آپ نے ارشاد فرمایا سونے کے لئے ارادہ کرتے وقت یہ دعا پڑھ لیا کرو اللھم رب السموت السبع و ما اظلت و رب الارضین و فما اقلت و رب الشیاطین و ما اضلت

کن لی جارا من شر خلقک کلھم جمیعا ان یفرط علی احد منھم او ینبغی عز جارک و جل ثناء ک و لا الہ غیرک

دعا برائے کرب و غم:۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ دعا کرب اور بے چینی و بے قراری کے وقت پڑھی جائے لا الہ الا اللہ العظیم الحلیم لا الہ الا اللہ رب السموت والارض ورب العرش الکریم (رواہ شیخان)

ابوداؤد میں روایت ہے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت الکروب میں ارشاد فرمایا ہے۔ اللھم رحمتک ارجوا فلا تکلنی الی نفسی طرفۃ عین واصلح لی شانی کلہ لا الہ الا انت اور مسند امام احمد میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے۔ کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی آدمی یہ دعا پڑھے گا اس کو ہرگز حزن و غم نہ ہو گا وہ دعا یہ ہے۔ اللھم انی عبدک وابن عبدک وابن امتک ماضیق بیدک ماض فی حکمک عدل فی قضاء ک اسئلک بکل اسم ھو لک سمیت بہ نفسک او انزلتہ فی کتابک او علمتہ احد امن خلقک او استاثرت بہ فی علم الغیب عندک ان تجعل القران العظیم ربیع قلبی و نور صدری نحزنی وزاب حمی رب تعالیٰ اس کے حزن و غم کو دفع کرے گا اور اس کی بجائے فرحت اور کشادگی عطا کرے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہمیشہ توبہ اور استغفار کرنے والے شخص کے رنج و غم کو اللہ تعالیٰ خوشی سے بدل دے گا اور ہر قسم کی تکلیف سے اس کو چھٹکارا عطا کر دے گا اور اس کو اس جگہ سے رزق عطا فرمائے گا جس کا اسے گمان تک نہ ہو گا۔

لاحول ولا قوۃ:۔ یہ بھی ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی کی روایت ہے کہ غم اور تفکرات میں مبتلا شخص کو لا حول ولا قوۃ الا باللہ کے ہمراہ ہر دفعہ ایک فرشتہ نازل ہوتا ہے اور وہ صحتمندی لے کر آتا ہے۔ اور بقول مشائخ عظام کوئی چیز اس عمل سے زیادہ مددگار نہیں ہے۔

سورۃ بقرکی آخری آیات اور آیتہ الکرسی:۔ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ جو شخص مصیبت یا سخت حالات میں آیتہ الکرسی اور سورۃ بقر کی آخری آیات پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کا فریادرس گا۔

ایک مکمل اور جامع دعا:۔ حدیث سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس میں ہرگز شک نہیں ہے اور مجھے بالیقین اس کلمہ کا علم ہے کہ جو ہر مصیبت زدہ شخص کے لئے مفید ہے وہ کلمہ میرے برادر یونس علیہ السلام کا لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین ترمذی شریف میں وارد ہوا ہے کہ آنحضرت کا ارشاد ہے کہ ایسا مسلمان شخص کوئی نہیں جو اپنے مصیبت کے وقت یہ دعا پڑھے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کو لازماً قبول فرماتا ہے لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین۔

علاوہ ازیں یہ دعا بھی مروی ہے۔ اسئلک تمام العافیۃ واسئلک دام العافیۃ و اسئلک الشکر علی العافیۃ و اسئلک الغنی عن الناس ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

رقیہ فقر:۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں دعائے فقر آئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! دنیا نے مجھ سے منہ موڑ لیا ہے آپ نے فرمایا کہ ملائکہ کی دعا تجھ سے کہاں چلی گئی اور تسبیح کہاں گئی جس کے باعث فرشتوں کو رزق دیا جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا اسے طلوع فجر کے موقع پر ایک سو دفعہ پڑھا کرو۔ سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم وبحمدہ استغفر تمہارے پاس ذلیل اور پست ہو کر دنیا حاضر ہو گی۔ وہ شخص چلا گیا۔ اور مدت تک پھر نہ آیا اس کے بعد جب وہ آیا تو اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! دنیا اس قدر میرے پاس آچکی ہے کہ میں نہیں جانتا ہوں کہ کہاں اس کو رکھا جائے۔

سلسلہ کبرویہ میں آیا ہے کہ فجر کی نماز کی سنتوں اور فرائض کے درمیان یہ دعا پڑھی جاتی ہے۔ اور اگر اس کے ساتھ لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم کی تسبیح بھی پڑھ لی جائے تو یہ سب گناہوں کی بخشش کا سبب ہو گا۔ نیز وسعت رزق کا باعث ہے بوجہ استغفار۔ کیونکہ تنگی رزق اور حزن و غم کی وجہ معاصی ہوتے ہیں۔ جیسا کہ مذکور ہو چکا ہے۔

کیمیائے مشائخ:۔ ایک وظیفہ اس بارے میں ہے جو کیمیائے مشائخ کہلاتا ہے اور بڑا مجرب ہے نماز جمعہ میں سلام پھیرنے کے بعد اور تشہد کی حالت میں رکھے پاؤں بدلنے سے پہلے پہلے ساتھ دفعہ سورۃ فاتحہ سات بار قل ہو اللہ احد سات مرتبہ سورۃ فلق اور سات دفعہ سورۃ الناس پڑھی جائے۔ تمام اگلے پچھلے گناہوں کی بخشش کے لئے یہ دعا مذکور ہوئی ہے اور اس کے بعد مشائخ کرام سات مرتبہ یہ دعا بھی پڑھتے ہیں جو حدیث میں آچکی ہے۔ اللھم یا غنی یا حمید یا مبدی یا معید یا رحیم یا ودود اغننی بحلالک عن حرامک وبطاعتک عن معصیتک وبفضلک

آگ بجھانے کے لئے دعا:۔ طبرانی اور ابن عساکر میں روایت آئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اذا رایتم الحریق فکبروا جب تم دیکھو کہ آگ لگتی ہے تو تکبیریں بلند کرو۔ (مراد یہ ہے کہ اذانیں کہو) فان التکبیر تطفیہ پس تحقیق تکبیر اس کو بجھا دے گی۔ اور بذریعہ تکبیر آگ بجھانا تجربہ میں آچکا ہے۔ علماء کا قول ہے کہ آگ شیطانی مادہ ہے۔ اس کی پیدائش آگ سے ہوئی ہے۔ اور آگ میں فساد عام پایا جاتا ہے۔ اور یہ شیطانی فعل کے مناسب ہے اور آگ بھی بمطابق طبع خود علو فساد چاہتی ہے اور دعویٰ شیطانی بھی یہی ہے شیطان نے بنی آدم کو ہلاک کرنا چاہا۔ پس آگ و شیطان زمین میں دونوں ہی فساد کے طلبگار ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ کی کبریائی کے مقابل کوئی چیز قرار نہیں پا سکتی۔ لہٰذا مسلمان کے تکبیر کہنے کے وقت اللہ تعالیٰ آگ کو بذات خود بجھا دیتا ہے۔ اور تجربہ نیز اس عمل کے ساتھ شامل ہے۔

دعائے مرگی:۔ کہا گیا ہے کہ مرگی ارواح خبیثہ کے تصرف سے ہوتی ہے اور دوسری اخلاط ردیہ سے ہوتی ہے جیسوں

کی بحث اس دوسری قسم سے ہوتی ہے لیکن جو مرگی ارواح خبیثہ کے تصرف سے ہے اس کا علاج صرف دعاؤں سے ممکن ہے۔ یہ تو دشمن کے خلاف جنگ کرنے کے مانند ہوتا ہے لہٰذا جنگ کرنے والے کے ہتھیار درست ہوں اور اس کے بازو طاقتور ہونے چاہئیں۔ حتیٰ کہ کچھ علاج کرنے والے یہ کہہ دینے پر ہی بس کردیتے ہیں کہ اخرج منه ما یقول بسم اللّٰہ وما یقول لا حول ولا قوة الا باللّٰہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اس طرح فرمایا کرتے تھے۔ اخرج علو اللّٰہ انا رسول اللّٰہ بعض معالج آیۃ الکرسی پڑھتے ہیں اور مرگی والے شخص کو آیۃ الکرسی اور معوذتین کثرت کے ساتھ پڑھنے کی تاکید کرتے ہیں۔ اور کچھ معالج پڑھتے ہیں محمد رسول اللّٰہ والذین معه اشداء علی الکفار اور یا پھر حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی قسم کھلانا اس کے ازالہ کے لئے مجرب ہے۔

رقیہ درد سر:۔ طب میں یونس بن یعقوب از عبداللہ سے حمیری نے روایت کیا۔ اس نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم درد سر کے دفعیہ کے لئے یہ پڑھتے تھے۔ بسم اللّٰہ الکبیر واعوذ باللّٰہ العظیم من کل عرق نخار ومن شر حر النار

دعائے درد دندان:۔ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ سے بیہقی نے نقل کیا ہے کہ انہوں نے بارگاہ رسالت میں درد دندان کی شکایت پیش کی۔ حضور علیہ السلام اس کے اس جانب کے رخسار پر اپنا ہاتھ رکھا جس جانب کے دانت میں درد تھا اور سات مرتبہ پڑھا اللھم اذھب عنه مایجدو فحشه بدعوة نبیک المکین المبارک عندک تو رب تعالیٰ نے ہاتھ اٹھا لینے سے قبل ہی ان کا درد ختم کردیا۔ اور حمیدی سے ہی مروی ہے کہ جناب فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس آکر درد دندان کی شکایت عرض کی۔ آنحضور نے ان کے درد کرنے والے دانت پر اپنی انگشت شہادت رکھی۔ اور آپ پڑھنے لگے۔ بسم اللّٰہ وباللّٰہ اسئلک بعزک وجلالک وقدر تک علی کل شیئی فان مریم لم تلد بخیر عیسٰی من روحک وکلمتک ان تکشف ما تلقی فاطمة بنت خدیجة من الضر کله پس حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو درد سے بالکل آرام آگیا۔

مواہب لدنیہ میں نقل کیا گیا ہے کہ امام مقام خلیل کی محب طبری کے متعلق بڑی عجیب و غریب بات مشہور ہے۔ کہ جس کے دانت میں درد ہوتا ہے وہ اس کے سر پر اپنا ہاتھ رکھ کر پوچھتے تھے کہ بتاؤ کتنے عرصہ کے لئے درد بند ہونی چاہتے ہو۔ اس کا نام اور اس کی والدہ کا نام پوچھتے۔ وہ آدمی پانچ یا سات یا نو سال کے لئے یعنی طاق عدد کے لئے کہتا۔ تو ان کے ہاتھ اٹھانے سے پہلے ہی درد بند ہوجاتا تھا۔ اور مذکورہ مدت میں درد نہ ہوتا تھا۔ انتہی۔ اس میں کسی مخصوص دعا کا ذکر نہیں کیا گیا۔ ظاہر تو یہ ہی ہے کہ یہی دعائے ماثورہ ہی ہوگی۔ اور یا ان کی اپنی خاص توجہ اور دعا ہوسکتی ہے۔ (واللہ اعلم)

صاحب مواہب لدنیہ کا قول ہے کہ جو دعا تجربہ میں آچکی ہے وہ یہ ہے کہ اس کو درد کی جانب آدمی کے رخسار پر ہاتھ سے تحریر کرے۔ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم۔ قل ھو الذی انشاکم وجعل لکم السمع والابصار والافئدة

قلیلا ما تشکرون اور اگر چاہتا ہو تو یہ لکھ لے وله ما سکن فی الیل والنہار وھو السمیع العلیم

حبس بول اور پتھری کی دعا:۔ ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے نسائی نے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی نے ان کے پاس آکر کہا کہ اس کے والد کا پیشاب بند ہو چکا ہے اور وہ پتھری کے مرض میں مبتلا ہے پس اس کو ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے وہ دعا بتائی جو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی تھی۔ ربنا اللہ الذی فی السماء تقدس اسمک امرک فی السماء والارض واغفرلنا ذنوبنا و خطایانا انت رب المنطیبین انزل شفاء من شفاءک ورحمة من رحمتک علی ھذا الوجع فیبری اور اس کو حکم دیا کہ وہ اس دعا کو پڑھے۔ جب اس نے یہ دعا پڑھی تو وہ تندرست ہو گیا۔ ابو داؤد کی حدیث میں یہی دعا ہر بیماری اور تکلیف کے بارے میں بھی آئی ہے۔

بخار کی دعا:۔ روایت ہے انس رضی اللہ عنہ سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہ کے گھر تشریف لائے تو وہ اس وقت بخار میں تھیں اور بخار کو کوس رہی تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بخار کو برا بھلا مت کہو۔ وہ تو اللہ تعالیٰ کے حکم کے ماتحت ہے۔ اگر تمہاری خواہش ہو تو میں تمہیں وہ کلمات سکھا دیتا ہوں۔ کہ ان کے پڑھنے سے رب تعالیٰ تم سے بخار رفع فرمائے گا انہوں نے عرض کیا کہ ہاں مجھ کو سکھا دیں آنحضرت نے فرمایا پڑھو۔

اللھم لرحم جلدی الرقیق واعظمی الرقیق من شدة الحریق یا ام ملدم ان کنت امنت باللہ العظیم ولا تصدعی الرلس ولا تمنتنی الغم ولا تاکلی اللحم ولا تشربی الدم وتحولی عنی الی من اتخذ مع اللہ الہا اخر سیدہ عائشہ صدیقہ نے فرمایا ہے کہ جب ان کلمات کو میں نے پڑھا تو میرا بخار اتر گیا۔

صاحب مواہب لدنیہ کا قول ہے کہ یہ مجرب دعا ہے۔ اپنے پیرو مرشد کے ہاتھ سے میں نے اسے لکھا ہوا خود دیکھا تھا۔ یہ ان الفاظ میں ہے۔ اللھم لرحم عظم الدقیق یا ام ملدم لن کنت امنت باللہ والیوم الآخر فلا تاکلی اللحم ولا تشربی الدم وتفوری علم الغم التقلی الی من زعم لن مع اللہ الہا آخر۔ فانی اشھد لن لا الہ الا اللہ ولن محمد اعبدہ ورسولہ

اور صاحب الہدیٰ کا بیان ہے کہ اگر باری کا بخار ہو تو تین پتلے کاغذ پر لکھا جائے۔ بسم اللہ فرت بسم اللہ مرت بسم اللہ قلت اور ہر روز ایک ایک کاغذ پانی کے ساتھ نگل لیا کرے۔ اور قرآن نامی کتاب میں بھی مندرج ہے کہ شفاء کے حصول کے لئے اسے پینا سلف سے معمول چلا آتا ہے۔ اور ابن الحاج نے "مدخل" میں ذکر کیا ہے کہ شیخ ابو محمد جانی بخار کے لئے ہمیشہ کاغذ کے ٹکڑوں پر یہ دعا لکھتے تھے اور دروازے کی نچلی دہلیز پر رکھتے تھے۔ بخار کا مریض جو بھی آتا۔ ان ٹکڑوں میں سے ایک کاغذی ٹکڑا آپ اسے دے دیتے تھے۔ وہ اسے کھا لیتا تھا اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے تندرست ہو جاتا تھا۔ یہ ہے وہ دعا جو وہ تحریر کیا کرتے تھے۔ لقلی لم یزل ولا یزل یزید الزول وھو لا یزل ولا حول ولا قوۃ الا باللہ وھو العلی العظیم

ننزل من القران ماهو شفاء ورحمة للمؤمنين

خارش اور خراج کی دعا:۔ صاحب زاد المعانی کا قول ہے۔ خارش وغیرہ کے لئے یہ دعا بدن پر لکھے۔ ویسئلونک عن الجبال فقل ینسفها ربی نسفا فیذرها قاعا صفصفا لا تری فیها عوجا ولا امتا۔ یہ تجربہ میں ثابت شدہ ہے۔

ولادت کی تنگی کی دعا:۔ یوں تو کافی دعائیں عسر ولادت کے بارے میں ہیں لیکن مجرب یہ ہے اس کی روایت عبد اللہ بن امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ سے کی گئی ہے۔ ان کا قول ہے کہ اپنے والد کو میں نے دیکھا تھا۔ جب کسی عورت کو بچہ کی پیدائش پر تنگی ہوتی تو وہ کسی سفید رنگ کے پیالہ یا کسی اور پاکیزہ چیز پر ابن عباس رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث تحریر کر دیتے تھے۔ لا الہ الا اللہ الحکیم الکریم۔ سبحان اللہ ورب العرش العظیم۔ الحمد للہ رب العلمین کانهم یوم یرون ما یوعدون لم یلبثوا الا ساعة من نهار کانهم یوم یرونها لم یلبثو الا عشیة او ضحها۔

خلال نے کہا ہے کہ ابو بکر مروزی نے ہمیں بتایا تھا کہ ایک آدمی امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ کے پاس حاضر ہوا۔ اور کہنے لگا۔ اے عبد اللہ! ایک عورت کی خاطر کچھ تحریر کر دیں۔ اس پر دو دن ہو گئے ہیں دشواری ہے۔ آپ نے فرمایا اس سے کہہ دیں ایک کشادہ پیالہ اور زعفران لے آئے خلال نے کہا ہے کہ انہیں متعدد کے لئے لکھتے ہوئے دیکھا ہے مدخل میں کہا گیا ہے کہ انہوں نے نئے پیالہ پر یہ لکھا تھا اخرج ایها الولد من بطن ضیق الی سعة هذه الدنیا اخرج بقدرت الذی جعلک فی قرار مکین الی قدر معلوم لو انزلنا هذا القران علی جبل لرایته الخ و ننزل من القرآن ما هو شفاء و رحمة للمؤمنین آپ نے اس کو دھو کر پلانے اور عورت کے منہ پر چھینٹے مارنے کا حکم دیا۔ شیخ مرجانی نے کہا ہے کہ میں نے یہ دعا کئی بزرگوں سے لی ہے اور جسے بھی میں نے یہ دعا لکھ دی وہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے نجات یافتہ ہوئی۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام ایک دفعہ ایک عورت سے گزرے۔ اس کا بچہ رحم میں الٹ چکا تھا۔ عورت نے عرض کی اے کلمتہ اللہ! میرے لئے دعا فرمائیں اللہ مجھے اس مشکل سے رہا کرے۔ عیسیٰ علیہ السلام نے یہ دعا فرمائی۔ یا خالق النفس خلصها اس عورت کے ہاں اسی وقت بچہ پیدا ہوا۔ اور کھڑی ہو گئی۔ شیخ مرجانی کا قول ہے کہ عورت ولادت کی تنگی میں ہو تو اسے یہ دعا لکھ کر دے۔

دعائے نکسیر:۔ ویسے تو بہت سی دعائیں نکسیر کے لئے ہیں۔ لیکن یہ مجرب دعا ہے۔ نکسیر والے کی پیشانی پر یہ لکھ دیں وقیل یارض ابلعی ماءک ویا سماء اقلعی وغیض الماء وقضی الامر نکسیر کے خون سے یہ لکھنا جائز نہیں ہے جس طرح بعض جاہل لوگ کرتے ہیں۔ کیونکہ خون نجس ہوتا ہے۔ لہٰذا اس سے خدا کا کلام لکھنا جائز نہیں ہے۔

ہر درد اور بلاء کی دعا:۔ ابان بن عثمان رضی اللہ عنہما نے اپنے والد سے روایت کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے سنا ہے کہ شام کے وقت تین بار جو آدمی پڑھے بسم اللہ الذی لا یضر مع اسمه

شیئی فی الارض ولا فی السماء وھو السمیع العلیم اسے صبح تک کوئی ناگہانی معیبت یا بلاء نہ آئے گی۔ اور صبح کے وقت پڑھے تو شام تک ناگہانی مصائب یا بلانہ آئے گی۔ اور صبح کے وقت پڑھے تو شام تک ناگہانی مصائب و بلاء سے محفوظ رہے گا راوی نے کہا کہ ابان بن عثمان رضی اللہ عنہ کو فالج ہوا۔ تو جس شخص نے ان سے یہ حدیث سنی ہوئی تھی۔ وہ تعجب اور انکار کے ساتھ ان کے بارے میں سوچنے لگا۔ تو ابان نے فرمایا میرے متعلق کیا سوچ رہے ہو میں نے اپنے والد پر جھوٹ نہ باندھا ہے اور نہ ہی والد ماجد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق جھوٹ کہا ہے۔ جس دن مجھ پر فالج گرا اس دن مجھ سے معصیت اور نافرمانی ہو گئی تھی مراد یہ ہے کہ اس کو پڑھنا بھول گیا تھا۔ ابوداؤد اور ترمذی نے اس کو روایت کیا۔ یہ بھی کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

لاحول ولا قوۃ الا باللہ کا ذکر:۔ جو دعا پڑھنے سے ستر بلاؤں سے نجات ملتی ہے اس کے متعلق حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص دس بار پڑھے۔ بسم اللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم اور وہ اس طرح گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے جس طرح کہ وہ آج ہی اپنی ماں کے بطن سے پیدا ہوا ہو۔ اور دنیا کی ستر بلاؤں سے اس کی عافیت عطا کی جاتی ہے مثلاً جنون' جذام' برص اور ریح وغیرہ وغیرہ ترمذی میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم کو زیادہ سے زیادہ پڑھا کرو کیونکہ یہ جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔ اور حضرت مکحول کا قول ہے کہ جو شخص یہ پڑھے لا حول ولا قوۃ الا باللہ ولا ملجا من اللہ الا الیہ اللہ تعالیٰ اس سے ضرر کے ستر دروازے دور کر دیتا ہے جن میں سے ایک دروازہ محتاجی اور فقیری کا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت طبرانی میں آئی ہے کہ جو شخص لا حول ولا قوۃ الا باللہ پڑھے۔ اس کے لئے یہ 99 ننانوے بیماریوں کی دوا ہے۔ اور تھوڑے سے تھوڑا مرض غم والم ہے۔ دیگر ایک حدیث میں حضرت ابو موسیٰ سے روایت آئی ہے کہ جو کوئی بھی روزانہ ایک سو مرتبہ لا حول ولا قوۃ الا باللہ پڑھے اس کو کبھی محتاجی نہ آئے گی۔ علاوہ ازیں یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ جس شخص کی روزی تنگ ہو۔ اس کو لا حول ولا قوۃ الا باللہ کا ورد زیادہ سے زیادہ کرنا چاہیے۔

امام جعفر صادق بن امام محمد باقر رضی اللہ عنہما سے بروایت حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص روزانہ دن رات لا الہ الا اللہ الملک الحق المبین پڑھے وہ فقر اور نسیان اور قبر کی وحشت سے حفاظت میں رہے گا۔ اور اس پر تونگری کا دروازہ کھل جائے گا۔ اور جنت کا دروازہ بھی کھل جائے گا کچھ راوی اس کے متعلق کہتے ہیں کہ اس دعا کو حاصل کرنے کے لئے اگر چین و ختن تک سفر کرنا پڑے پھر بھی یہ زیادہ نہیں۔ عبدالحق نے کتاب "الطب النبوی" میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔

کھانا کھاتے وقت دعا:۔ تاریخ امام بخاری میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ کہ کھانا سامنے

آنے کے بعد جو آدمی یہ دعا پڑھے بسم اللہ خیر الاسماء فی الارض والسماء لا یضر مع اسمہ داء اللهم اجعل فیہ رحمۃ وشفاء اس شخص کو بالکل کوئی چیز نقصان نہ دے گی۔

دعاام صبیان:۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کے گھر بچہ پیدا ہو اس کے دائیں کان میں اذان کہے اور بائیں کان میں اقامت۔ اس بچہ کو ام صبیان کا مرض نہ ہو گا۔ یہ اندلسی کی روایت ہے اور طب النبوی میں مذکور ہے۔ یہ ایک ریحی بیماری ہے اور بچوں کو ہو جاتی ہے۔ ریح اوپر چڑھتی ہے اور دل و دماغ پر غلبہ پا لیتی ہے اور بچہ اینٹھنے لگ جاتا ہے۔ کانوں میں اذان و اقامت پکارنے میں یہ حکمت ہے کہ بچہ کے کان میں سب سے پہلی آواز کلمہ شہادت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کی پڑتی ہے۔ یعنی دنیا میں آتے وقت اس شعار اسلام کی تلقین کی جاتی ہے جیسے دنیا سے جاتے وقت کلمہ توحید پڑھنے کی ترغیب دی جاتی ہے اور اذان کے کلمات سے شیطان بھی دور بھاگ جاتا ہے۔

حفیظ رمضان:۔ دعاء حفیظ رمضان یہ دعا ہے۔ لا الہ الا ذک الا باللہ انک سمیع علیم باللہ محیط بہ علمک لیعلمون وبالحق انزلناہ وبالحق نزل

مواہب لدینہ میں مولف کا قول ہے کہ ہمارے شیخ کا قول ہے کہ یہ دعا بلاد یمن اور مکہ، مصر و مغرب اور سب شہروں میں بڑی مشہور ہے۔ وہ لوگ اس کو حفیظ رمضان کے نام سے پکارتے ہیں۔ اور یہ تاثیر بتاتے ہیں۔ کہ یہ غرق، حرق، سرق اور جملہ آفات سے محفوظ رکھتی ہے۔ ماہ رمضان کے آخری جمعہ کو اس کو تحریر کرتے ہیں۔ عام لوگ اس وقت اسے تحریر کرتے ہیں جبکہ خطیب منبر پر خطبہ دے رہا ہوتا ہے اور کچھ لوگ اسے عصر کی نماز کے بعد بھی لکھتے ہیں انہوں نے کہا ہے کہ یہ بدعت بلا اصل ہے۔ گو یہ متعدد اکابرین کے کلام میں آیا ہے بعض لوگ اس کا رد کرنے کو کہتے ہیں۔ یہ حدیث ضعیف سے ہے۔ حافظ ابن حجر نے اس کو بہت زیادہ منکر کہا ہے۔ بالخصوص جب منبر پر خطبہ دیا جا رہا ہو اس وقت آپ کسی کو لکھتے ہوئے دیکھتے تو یوں کہتے تبحک اللہ ما ھذہ البدعۃ یہ کیسی بدعت ہے اللہ تجھے روسیاہ کر دے۔

طب نبوی:۔ وصل:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی بہت سی بیماریوں کا علاج طبی ادویہ کے ذریعے کیا کرتے تھے اور معلوم ایسے ہوتا ہے کہ آنحضرت کو وحی کے ذریعے طب حاصل ہوئی تھی۔ بعض وقتوں پر اجتہاد اور تفکر بھی ہو سکتا ہے لیکن روحانی دواؤں پر آپ اس لئے انحصار فرماتے تھے کہ وہ اتم و اعلیٰ اور اخص و اکمل ہیں۔ ایک حدیث میں اسہال کا علاج شہد سے آیا ہے۔ اس میں بہت تھوڑی بحث ہے۔ میں اسے یہاں نقل کرتا ہوں۔

بخاری اور مسلم میں ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا۔ اور عرض کیا کہ میرے بھائی کو پیٹ میں شکایت ہے۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ اس کا پیٹ جاری ہے۔ یعنی اس کو دست لگے ہوئے ہیں۔ آپ نے حکم دیا کہ اس کو شہد پلاؤ شہد پلایا گیا تو دست اور زیادہ آنے

لگے۔ تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے کہ تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹ بولتا ہے۔ مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ اس کو تیسری مرتبہ بھی شہد پلانے کا آنحضرت نے حکم فرمایا وہ چوتھی بار آیا تو پھر بھی آپ نے شہد ہی پلانے کا حکم فرمایا۔ پس اسے شہد پلایا گیا تو اس کو آرام آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے چوتھی بار کے وقت فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سچا ہے۔ اور تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے۔ حجازی لوگ خطا پر کذب کا اطلاق کرتے ہیں۔ مثلاً کذب سمعک کے معانی ہیں تمہارے کان نے جھوٹ سنا۔ مراد یہ ہے کہ تم سے غلطی ہوئی ہے۔ اور تجھے اصل میں کہی گئی بات کی حقیقت تک رسائی نہیں ہوئی۔ پس پیٹ کا جھوٹا ہونا یہ مطلب نہیں ہے کہ پیٹ میں صلاحیت شفا نہیں ہے۔ بلکہ وہ اس میں غلطی کا ارتکاب کر رہا ہے۔ (کذا قیل) امام فخرالدین رازی کا قول ہے کہ یہ ممکن ہے کہ بذریعہ آنحضرت کو پتہ چل گیا ہو مریض کو فائدہ شہد سے ہی ہوگا۔ اور فوراً فائدہ نہ ہوا اور جاری رہا۔ یہ جھوٹ کے قائم مقام تھا۔ بنابریں اس پر جھوٹ کا اطلاق ہوا۔

کچھ ملحد قسم کے لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ شہد تو ایک مسہل ہے۔ یہ دستوں کا علاج کس طرح بتایا جا سکتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ قائل کی جہالت کے باعث یہ بات صادر ہوئی ہے۔ جو اس آیت کے حکم کے مطابق ہے۔ بل کذبوا بما لم یحیطوا بعلمہ بلکہ وہ تو اس چیز پر جھوٹ باندھتے ہیں جس کا وہ اپنے علم سے احاطہ نہیں کر سکے۔ کیونکہ سب طبیبوں کا اتفاق ہے کہ کسی مرض کا علاج عمر، عادت، غذا و تدبیر اور قوت طبع کے مختلف ہونے کے ساتھ ساتھ مختلف ہوتا ہے۔ اور بعض اوقات کسی غیر مرغوب خوراک سے بھی مرض اسہال ہو جاتا ہے اس سے ہاضمہ خراب ہو جاتا ہے۔ اور اطباء اس امر پر متفق ہیں کہ اس کا علاج بدہضمی دور کرنے سے ہی ہوتا ہے۔ پس اس بارے میں اگر اسہال لانے کی ضرورت ہو تو اس کے ذریعہ سے اس کی اعانت کی جاتی ہے تاوقتیکہ مریض قوت رکھتا ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسہال میں مبتلا شخص کا سبب مرض بدہضمی تھا۔ پس معدہ میں جو فضلات مجتمع ہو چکے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان کو خارج کرنے کے لئے شہد پلانے کے لئے فرمایا تھا۔ اس طرح سے مریض کے معدہ سے لیس دار مواد کو خارج کیا۔ یہ مواد خوراک کے قبول و ہضم میں رکاوٹ تھا۔ معدے۔ معدے کے اندر ریشے اور علیحدہ علیحدہ خانے بنے ہوئے ہوتے ہیں۔ ان کو چپک جانے والا لیس دار مواد فاسد بنا دیتا ہے اور معدہ کے اندر موجود خوراک اس سے خراب ہو جاتی ہے۔ پس اس مرض میں وہ دوائی استعمال کرنا لازم ہو جاتا ہے۔ جو معدہ کو اس سے پاک و صاف کر دے۔ لہٰذا کوئی دوسری دوا اس سے زیادہ فائدہ بخش نہیں ہے۔ بالخصوص جبکہ گرم پانی ملایا ہوا شہد متعدد بار پلایا جائے شہد پلانے میں تکرار ایک اور لطیف راز کا حامل ہے یعنی دوائی کیت و مقدار کے لحاظ سے مریض کی حالت کے مطابق ہو۔ اگر مقدار دوائی تھوڑی ہوگی تو مرض کا دفعیہ نہ کرے گی۔ اور مقدار سے زیادہ ہونا بھی قوائے جسمانی کو ضائع کر دے گی۔ مرض زیادہ کر دے گی اور مزید ضرر پہنچے گا۔ چونکہ ہر مرتبہ شہد اس قدر نہ دیا گیا جو بیماری کا مقابلہ کرتا لہٰذا اسہال زیادہ آتے گئے۔ اور دوبارہ سہ بارہ شہد پلانے کا حکم ارشاد ہوتا رہا۔ حتیٰ کہ شہد اپنی مطلوبہ مقدار و حد کو پہنچا تو آنحضرت نے پورے وثوق و یقین سے ارشاد فرمایا صدق اللہ و کذب بطن اخیک اللہ تعالیٰ تو سچا ہی ہے تمہارے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے یہاں پر فائدہ دینے والے مادہ کی زیادتی مفہوم ہے۔ آخری بار شہد کی مقدار

اس قدر پی لی گئی جو مادہ کو خارج کرنے اور بیماری کے ازالہ کے لئے کافی تھی تو فائدہ ظاہر ہوا۔ پس نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی کذب بطن اخیک میں اس طرف ہی اشارہ فرمایا گیا تھا کہ دوائی تو فائدہ مند ہے۔ بیماری کا ابھی باقی رہنا اور شفاء نہ ہونا دوائی میں نقص کے باعث نہیں بلکہ فاسد مادہ کی زیادتی کے باعث ہے لہٰذا اخراج مادہ کے لئے بار بار شہد پلانے کا حکم ہوتا رہا۔ کچھ لوگ یوں بھی کہتے ہیں شہد جسم کی رگوں میں تیزی سے رواں ہو جاتا ہے اور غذا زیادہ دیتا ہے۔ اس سے پیشاب کھل جاتا ہے۔ اور قبض لاحق ہو جاتی ہے۔ اور جب کبھی یہ معدہ میں باقی رہ جائے تو معدہ کے اندر حرکت و ہیجان شروع ہو جاتا ہے اور معدہ طعام (فضلہ) کو باہر پھینک دینے پر تیار ہو جاتا ہے۔ اور اس طریقہ سے شہد دست لاتا ہے۔ پس شہد کو مطلق طور پر کہنا کہ یہ دست آور ہوتا ہے اس میں منکر کی عقل قصور وار ہوتی ہے۔ کچھ لوگوں کا قول ہے کہ مریض کو شہد پلانے کا حکم آنحضورؐ نے چار وجوہات کی بنا پر دیا تھا۔ پہلی یہ کہ آنحضرت نے آیت پاک کو شفاء میں عموم پر محمول فرمادیا یہ آپ کے اس ارشاد میں اشارہ پایا جاتا ہے۔ صدق اللہ اللہ نے سچ فرمایا اس سے مراد یہ ہے کہ آیہ کریمہ فیہ شفاء للناس (شہد میں لوگوں کے واسطے شفاء ہے) اس میں آنحضور نے فرمادیا کہ ہر بیماری کے ضمن میں شہد میں شفاء ہے لہٰذا آنحضرت نے ان لوگوں کو متنبہ فرمادیا اور آنحضرت نے اپنے فرمان سے اس کی حکمت سمجھادی۔ پھر وہ مریض صحت یاب ہو گیا اللہ تعالیٰ کے حکم سے دوسری بنا یہ تھی کہ وہ لوگ بدوی تھے ہر بیماری کا شہد کے ساتھ علاج کرنے کے لہٰذا آنحضور نے ان کے معمول کے مطابق ہی ان کو شہد سے علاج تجویز فرمایا۔ تیسری وجہ یہ تھی کہ مریض کو دست ہیضہ کی وجہ سے آرہے تھے۔ جیسے کہ اوپر مذکور ہو چکا ہے۔ چوتھی وجہ یہ بھی ہے کہ یہ بھی امکان ہے۔ کہ شہد کو پکا کر پلانے کا حکم دیا گیا ہو۔ کیونکہ پکائے شہد سے بلغم جم جاتی ہے اور قبض ہو جاتا ہے یہ امکان ہے کہ انہوں نے بغیر پکانے کے ہی شہد پلادیا ہو۔ دوسرا اور چوتھا قول ضعف کے حامل ہیں۔ اور پہلے قول کی تائید ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کرتی ہے۔

یعنی شہد اور قرآن سے شفاء ضروری (واجب) جانو۔ اس کی روایت ابن ماجہ اور حاکم نے مرفوعاً کی ہے اور ابن ابی شیبہ نے موقوفاً کی ہے۔ اور اس حدیث کے سب راوی صحیح ہیں۔

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جس وقت ظاہر ہو جائے اور دیگر ایک روایت میں ہے کہ تم میں سے جب کوئی شخص شفا کا طلبگار ہو تو چاہیے کہ وہ اپنی بیوی کے حق مہر کی رقم میں سے کچھ مانگے۔ اس سے وہ شہد خریدے۔ پھر قرآن پاک سے کوئی آیت شفاء پیالہ میں لکھے۔ اس کو بارش کے پانی کے ساتھ دھوئے۔ اس میں شہد ملائے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کو شفاء عطا فرمائے گا۔ اس حدیث میں بعض علماء (اس طرح سے وضاحت) فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وننزل من القران ما هو شفاء (ہم نے قرآن میں وہ نازل فرمایا جو کہ شفاء ہے) اور فرمایا وانزلنا من السماء ماء مبارکا ہم نے آسمان سے پانی اتارا جو برکت والا ہے۔ ایک اور جگہ پر فرمایا ماء طهورا وہ پانی جو پاک کرتا ہے۔ نیز فرمایا فان طبن لکم عن شییء منه نفسا فکلوه هنیئا مریئا تمہاری بیوی خوشدلی سے اپنے مہر میں سے کچھ تم کو دے دے تو اس کو کھاؤ۔ اور شہد کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ فیه شفاء للناس شہد میں لوگوں کے واسطے شفاء ہے۔ پس شفاء

کی یہ سب باتیں اور سب اسباب مجتمع ہو جائیں تو رب تعالیٰ کے فضل و کرم سے شفاء کا حصول لازما" ہو گا۔ اور شفاء دینے والا وہی اللہ تعالیٰ ہے۔ اللھم اشفنا شفآء عاجلا بحق القران العظیم وببرکۃ نبیک الکریم۔ اللھم صل وسلم علیہ دائما ابدا فی العالمین

خواب کی تعبیر وصل:۔ تعبیر کے معانی تفسیر ہوتے ہیں "عبرت الرؤیا" (خواب کی تعبیر دی) تخفیف اور تشدید دونوں سے روایت ہوئی ہے۔ تشدید کے ساتھ اس لئے ہے کہ مبالغہ پایا جائے اور رؤیا وہ ہے جو کوئی شخص اپنے خواب میں دیکھے۔ متکلمین اور حکماء کے طریقے پر ہم نے رؤیا کی حقیقت کا بیان شرح مشکوۃ میں کیا ہے۔ یہاں پر جو کچھ بر طریق محدثین مواہب لدنیہ میں بیان ہوا ہے اس کا ذکر کرتے ہیں۔

اعاظم علماء مالکیہ میں سے قاضی ابوبکر بن العربی کا قول ہے کہ رؤیا (خواب) وہ ادراک ہوتا ہے جو حق تعالیٰ بندے کے دل میں بذریعہ فرشتہ یا شیطان اس کی حقیقتوں یا تعبیرات کے ساتھ ظاہر فرمادیتا ہے۔ حکم اور عقیلی سے مروی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی۔ اور کہنے لگے کہ اے ابوالحسن! ایک شخص خواب دیکھتا ہے اس کا کچھ حصہ تو سچا ہوتا ہے اور کچھ حصہ جھوٹا ظاہر ہوتا ہے؟ انہوں نے فرمایا ہاں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے۔ ہر آدمی یا عورت جس وقت گہری نیند سو جاتا ہے۔ اس وقت اس کی روح عرش کی طرف پرواز کر جاتی ہے۔ تو پھر عرش سے وہ رؤیا ظاہر ہو جاتا ہے اور جو روح عرش سے نیچے رہ جاتی ہے وہ جھوٹی ہوتی ہے۔ ذہبی نے اس حدیث کو صحیح نہیں جانا۔

ایک حدیث ابن قیم لائے ہیں کہ مسلمان کی رؤیا وہ کلام ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ اس سے کرتا ہے۔ اور حکیم ترمذی کا قول ہے کہ اس آیت پاک ما کان لبشر ان یکلمہ اللہ الا وحیا او من وراء احجاب کی تفسیر میں بعض مفسرین کہتے ہیں کہ من وراء احجاب سے خواب یا رؤیا ہی مراد ہے اور دوسروں کے مقابلے میں انبیاء کا خواب وحی ہوتا ہے۔ اور وحی ہمیشہ بلاخلل و حجاب ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی عصمت اور نگہبانی میں ہوتی ہے۔ جبکہ بعض اوقات غیر نبی کے لئے شیطان بھی بنادیتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بخاری شریف میں آیا ہے کہ نیک آدمی کا خواب حسن نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہوتا ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ اس سے مراد صالحین کے خواب کی اکثریت ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ بعض اوقات نیک آدمی پریشان (اضغاث) بھی دیکھتا ہے۔ لیکن یہ نادر کے حکم میں ہے۔ کیونکہ شیطان کا تسلط صلحاء پر تھوڑا ہوتا ہے بخلاف غیر صلحاء لوگوں کے۔ کیونکہ اس کے اندر صدق شاذ و نادر ہے۔ کیونکہ ان پر شیطان کا غلبہ بہت ہوتا ہے۔

یہاں پر کہتے ہیں کہ یہ ایک مشکل ہے کہ رؤیا نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے اس سے کیا مراد ہے جبکہ نبوت تو حضور سرور کائنات پر ختم ہو چکی ہے پھر اس کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ اگر خواب آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دیکھا ہوا ہے تو وہ دراصل نبوت کا جزو ہے اور غیر نبی کا خواب مجازا" تشبیھا" افادہ میں اجزائے نبوت کا جزو ہے کیونکہ نبوت کے مقطوع ہونے

کے بعد بھی علم نبوت باقی ہے۔

لوگوں نے امام مالک رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا کہ آیا ہر آدمی خواب کی تعبیر دے سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا کیا نبوت سے کھیلا جاتا ہے؟ ازاں بعد فرمانے لگے کہ خواب نبوت کا حصہ ہے اس کا مطلب وہی تشبیہ و مشابہت ہے جو خواب نبوی کے ساتھ بعض غیوب پر اطلاع کی بنا پر ہے۔ بعض کا یہ قول ہے کہ جزو شئی وصف کل (نبوت) کو مستلزم نہیں ہے۔ مثال کے طور پر اگر کوئی آدمی بلند آواز سے کہتا ہے اشہد ان لا الہ الا اللہ تو ہم اس کے مؤذن نہیں کہیں گے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسم نے ارشاد فرمایا کہ میرے بعد بشارات کا سلسلہ باقی نہ رہے گا سوائے رؤیا یعنی خواب کے۔

ایک حدیث مسلم اور ابوداؤد میں ہے کہ جس مرض میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس جہان سے رحلت فرمائی۔ اس کے دوران آنحضرت نے کاشانہ نبوی کا پردہ اٹھا کر اپنا سر اقدس نکالا آپ کے سر مبارک پر اس وقت پٹی بندھی تھی۔ لوگ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت میں صف باندھے نماز ادا کر رہے تھے۔ تو آنحضور نے ارشاد فرمایا کہ لوگو! مبشرات باقی نہ رہیں گے سوائے رؤیا کے۔ جس کو مسلمان دیکھے گا یا اس کو دکھایا جائے گا۔ اور مبشرات کی تعبیر یا اعتبار غالب ہے ورنہ بعض خواب ڈراونے بھی ہوتے ہیں اور سچے بھی ہوتے ہیں جو اللہ تبارک و تعالیٰ رفاقت و مہربانی کے طور پر مسلمان کو دکھاتا ہے اور اس کو آئندہ ہونے والے وقت کے لئے اس مسلمان کو تیار کرتا ہے۔

قاضی ابوبکر العربی کا قول ہے کہ کوئی آدمی اس کو فی الحقیقت جزو نبوت نہیں سمجھتا جو فرشتہ یا نبی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جو کچھ اس کا مطلب لیا ہے وہ اس قدر ہی ہے کہ رؤیا رفی الجملہ اجزائے نبوت سے ایک جزو ہے۔ کیونکہ اس کے اندر یک گونہ غیوبات میں سے کسی ایک غیب پر اطلاع ہوتی ہے۔ لیکن تفصیلی نسبت مرتبہ تبوت اور اس کی معرفت کے ساتھ مخصوص ہے۔

امام فخر الدین رازی رحمتہ اللہ نے فرمایا ہے۔ کہ عالم کو ہر چیز کو مکمل اور تفصیل کے ساتھ جاننا ضروری ہوتا ہے۔ اور یقینی بات ہے کہ ہر عالم کی واقفیت کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک مقرر شدہ حد ہے۔ لہٰذا ان میں سے کچھ تو وہ عالم مکمل طور پر تفصیلاً نہیں جانتا۔ خواب بھی اسی قسم سے ایک ہے۔ حدیث میں اس بارے میں مختلف روایات ہیں کچھ میں پینتالیسواں حصہ ہے اور بعض میں سترواں۔ کچھ میں چھترواں اور کچھ میں چھبیسواں اور بعض میں چوبیسواں آیا ہے۔ لہٰذا ان کی صحت پر وثوق باقی نہ رہا۔ عام مشہور چھیالیسواں حصہ ہے (چھیالیسواں) حصہ کے لئے بعض عدد کے مشہور روایت زیادہ مناسبت کی حامل ہے۔

کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں وحی فرمائی جاتی رہی۔ پورا دور نبوت تیس سال کا عرصہ ہے۔ اور اس ابتدائی چھ ماہ کا عرصہ پورے دور نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہی ہے یہ توجیہہ بڑی مناسب اور معقول ہے اگر یہ ثبوت مل جائے کہ ابتداء میں بذریعہ خواب وحی کا عرصہ چھ ماہ کا ہے۔

خطابی کا قول ہے کہ اس عدد کی تاویل میں علماء کے چند اقوال ہیں۔ جن میں سے کوئی بھی ثبوت کو نہ پہنچانہ ہی ہم نے اس بارے میں کوئی حدیث و آثار پایا۔ نہ ہی اس باب میں مدعی نے کچھ بیان کیا جو کچھ کہا ہے محض گمان پر مبنی ہے۔ والظن لا یغنی من الحق شیئا اور گمان حق سے کسی قدر بھی بے نیاز نہیں کر سکتا اور یہ توہم پر بھی ضروری نہیں ہے کہ جس چیز کا علم ہم سے مخفی رکھا گیا ہے اس کو ہم اس طرح جانیں جیسے کہ تعداد' رکعات' ایام صیام اور رمی جمار وغیرہ اور نیز تعداد بتانے کے لئے وہ مناسبت جو دوسری روایات میں آچکی ہے جاری نہیں ہے۔ پس اولیٰ بلکہ واجب یہی ہے کہ علم کو حضرت شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ہی تفویض کریں (واللہ اعلم)

سچے خواب کا وقت :۔ دیگر ایک امر بھی علم میں ہونا چاہیے کہ حدیث میں آچکا ہے۔ اصدق الرءیا بالاسحار سب سے سچا خواب صبح صادق کے وقت کا ہے۔ یہ روایت دارمی کی ہے۔ (اور مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب زمانہ متقارب ہو جاتا ہے تو مسلم کا خواب جھوٹ نہیں ہو سکتا۔ اور تم میں سے راست گو شخص کا خواب سب سے زیادہ سچا ہے۔ "اقتراب زمان" میں دو قول آئے ہیں۔ ایک کے معنی یہ ہیں کہ جب زمانہ شب اور زمانہ نہار آپس میں متقارب ہو جائیں۔ ایام ربیع میں یہ وقت برابر ہوتا ہے کیونکہ ان دونوں دن رات برابر ہوتے ہیں۔ اور طبع اربعہ کے اعتدال کا وقت یہی ہے یہی ان لوگوں کا مفہوم ہے۔ نیز ظاہر یہ ہے اقتراب زماں سے مراد ایام ربیع بھی ہیں کیونکہ یہ وقت تحویل میزان کا ہے اور دن رات میں برابری کا وقت ہے۔ اور یہی مسلک تعبیر بتانے والوں کا ہے کہ سب سے زیادہ سچا خواب دن رات کے اعتدال کے وقت کا ہوتا ہے۔ اس مقام پر یہ بحث بھی آئی ہے کہ اس مقام پر مسلمان ہونے کی قید لگانے سے کیا فائدہ ہے۔ کیونکہ اس اعتدال کے وقت پر اعتدال طبائع کسی مسلمان کے ساتھ مخصوص نہیں ہوتا۔ اس کا یہ جواب ہے کہ کافر کا حال اعتبار کے دائرے سے باہر ہے۔ اور کافر کے خواب پر اطلاق صدق منع کیا گیا ہے دوسرا قول اس بارے میں یہ ہے کہ اقتراب زماں سے یہ مراد ہے کہ قیامت کے قیام کا قرب ہو جانا اس کی مدت کا آخر ہے۔ اس نظریہ کی تائید ترمذی کی حدیث سے بھی ہے۔ یلفظ فی آخر الزمان لا تکذب رؤیا مؤمن۔ آخر زمان میں مسلم کا خواب جھوٹا نہ ہوگا۔

اس مسکین (شیخ عبدالحق) نے اپنے کچھ مشائخ سے یہ سنا ہے کہ اقتراب زمان سے مطلب ہے امام مہدی علیہ السلام کا زمانہ وجہ یہ ہے کہ ان کے دور میں عدل و انصاف' امن و امان اور رزق میں علم برکت ہوگی کیونکہ وہ زمانہ لذت خوشی اور مسرت کے لحاظ سے تھوڑا ہوگا۔ بعض کا قول ہے کہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو دجال کی ہلاکت کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہمراہ ہوں گے۔ اور اس وقت یہ لوگ اس امت کے تمام لوگوں سے زیادہ اپنے احوال میں بجز امام مہدی علیہ السلام سب سے زیادہ سچے اور بہتر ہوں گے یہی وجہ ہے کہ آخر حدیث میں ہے اصدقکم رؤیا اصدقکم حدیثا تم میں سے زیادہ سچے آدمی کا خواب سچا ہے خواب کے سچا ہونے میں صدق گفتار کی شرط عیاں ہے۔ کیونکہ راست گو آدمی کا دل روشن و منور ہوتا ہے اس کی قوت ادراک بھی طاقتور ہوتی ہے اور اس کے خیالات اور ان کے معانی درست طریق پر منقش ہوتے

ہیں۔ اور عالم بیداری میں صحیح اور سالم شخص کا خواب بھی اسی طرح کا ہوتا ہے برعکس اس شخص کے جو جھوٹا ہو اور سچ جھوٹ ملا کر باتیں کرنے والا ہو۔ اس کا قلب تاریک ہوتا ہے اور فاسد۔ لہٰذا اس کا خواب بھی ہمیشہ جھوٹا اور پریشان سا ہی ہوتا ہو گا بعض اوقات سچا آدمی غلط خواب بھی دیکھ لیتا ہے اور جھوٹا شخص صحیح خواب مشاہدہ کر لیتا ہے لیکن غالب امکان باکثرت اسی کا ہے جو کہا جا چکا ہے۔

علاوہ ازیں حدیث میں آیا ہے کہ تم میں سے کوئی آدمی جب خواب میں ایسی چیز ملاحظہ کرے جو اس کو پسند اور پیاری ہوتی ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حمد و شکر بجالائے اور تحدیث نعمت کرے یعنی لوگوں سے اس کا ذکر کرے۔ اور خواب کے دوران نامحبوب و ناگوار چیز دیکھی ہو تو وہ عند الشیطان ہو گی۔ پس لازم ہے اس کی شر اور اس کے فساد سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے۔ اور کسی دوسرے سے اس کا ذکر نہ کرے۔ اور نہ ہی کسی کو نقصان دے۔ (رواہ بخاری)۔

اور مسلم شریف کی روایت میں یوں آیا ہے کہ برا خواب شیطان کی طرف سے ہوتا ہے وہ کسی کو نہ بتایا جائے اور بائیں طرف تین مرتبہ تھوکے اور استعاذہ بھی کرے۔ دیگر ایک روایت میں کہ پہلو بدل لے۔ ایک اور روایت میں اس طرح ہے کہ نماز پڑھے اور دوسرے کسی کو نہ بتائے سوائے اپنے حبیب لبیب کے۔ دیگر روایت میں ہے کہ وہ کسی نصیحت کرنے والے عالم سے یہ خواب کہے اور آیۃ الکرسی کی تلاوت کرے۔ دیگر ایک روایت میں اس طرح بھی آیا ہے کہ خواب پریشان خیالی ہوتی ہے۔ جس سے مراد یہ ہے کہ وہ ناقابل اعتبار ہوتا ہے۔ اور واقعۃ وہ اس طرح نہیں ہوتا۔ جب تک اس کی تعبیر نہ لے لی جائے۔ جب تعبیر لے لی جاتی ہے تو وہ واقع ہو جاتا ہے نیز روایت میں یوں بھی آیا ہے۔ کہ جو کچھ سب سے پہلے تعبیر میں بتایا جائے وہی کچھ پھر آتا ہے لیکن یہ ضعیف حدیث ہے۔ اس کے باوجود عوام کا معمول یہ ہے کہ معتبر سے تعبیر پوچھتے ہیں اگر تعبیر درست مل جاتی ہے تو بہتر ورنہ کسی دوسرے سے پوچھنے لگتے ہیں۔ کذا قالوا۔ تعبیر دینے والے کو بہتر اور بھلائی کی تعبیر دینی چاہیے اور جس حد تک ممکن ہو خواب خیر پر ہی معمول کرے۔

آنحضرت کی نصیحت معبروں کے لئے:۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ روایت کرتی ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک عورت حاضر ہوئی۔ اور عرض کیا کہ میرا خاوند غائب ہے۔ میں حمل سے ہوں اور خواب میں میں نے دیکھا ہے کہ گھر کا ستون شکستہ ہے اور بھینگی آنکھ والا ایک بچہ میں نے جنا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعبیر میں فرمایا کہ تیرا خاوند انشاء اللہ تعالیٰ صحیح و سلامت لوٹے گا۔ اور ایک خوبصورت نیک خصلت بچہ تو جنے گی عورت دوسری بار پھر حاضر ہوئی آنحضرت اس وقت گھر پر نہ تھے میں نے خواب کا قصہ اس عورت سے دریافت کیا۔ عورت نے اپنا خواب بتایا۔ میں نے اس کو یہ تعبیر بتائی۔ کہ اگر خواب صحیح ہے تو تیرا شوہر فوت ہو جائے گا۔ اور تو ایک بدکار بچہ دے گی وہ عورت بیٹھ گئی اور رونا شروع کر دیا۔ اسی اثنا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی تشریف لے آئے اور آپ نے ارشاد فرمایا کہ عائشہ! ایسے مت کرو۔ جب بھی کسی مسلمان کو تم خواب کی تعبیر بتاؤ تو خیر پر محمول کیا کرو۔ اور تعبیر اچھی دیا کرو۔ کیونکہ جس طرح کی تعبیر دی جاتی ہے اسی طرح خواب واقع ہوتا ہے۔

روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ معبروں کو تعبیر بتانے سے پہلے اس طرح کے خیر لنا و شر لا علدءنا بہتری ہمارے لئے ہو اور برائی ہمارے دشمنوں کے لئے ہو۔ اور بعد میں وہ تعبیر دیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا بھی یہی معمول تھا۔

معبرین کے آداب:۔ علماء کا قول ہے کہ معبرین کے آداب میں سے یہ ہے کہ سورج طلوع اور غروب کے وقت اور زوال کے وقت تعبیر نہیں دیتے اور رات کے دوران بھی نہیں۔ صاحب مواہب نے بھی اسی طرح بیان فرمایا ہے اس کی وجہ بھی بیان نہیں کی اور نہ اس ضمن میں کوئی حدیث نقل کی ہے۔ اگر ہم یہ کہیں کہ یہ اوقات وہی ہیں جن پر نماز ادا کرنا مکروہ ہوتا ہے۔ اس میں استواء یعنی وقت نصف النہار کا بھی شمول ہونا چاہیے لیکن زوال سے اس جانب اشارہ ہو چکا ہے۔ لیکن بوقت طلوع ممانعت کی وجہ کیا ہو سکتی ہے؟ جبکہ صحیح حدیث میں ثابت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فجر کی نماز ادا کر چکنے کے بعد اپنا چہرہ مبارک صحابہ کی جانب پھیر لیتے اور دریافت فرماتے تھے کہ کیا کوئی آدمی تم سے ہے جس نے آج رات کوئی خواب دیکھا ہو۔ جن لوگوں نے خواب دیکھا ہوتا وہ آنحضرت کے سامنے اپنا خواب بیان کرتے۔ اور آنحضرت ان کو تعبیر بتایا کرتے تھے۔ بخاری نے اپنی کتاب ایک مستقل باب باندھا ہے جس کا عنوان ہے۔ تعبیر رؤیا بعد صلوٰۃ الصبح۔ لیکن یہ قبل از طلوع آفتاب ہے اور سورج کے طلوع کے وقت پر تعبیر بتانے سے ممانعت اس دلیل پر ہے کہ اس وقت نماز مکروہ ہے جو ظاہر نہیں ہے۔ اور مواہب لدینہ میں اس جانب اشارہ ہے۔ اور جو بعض کا قول ہے کہ آفتاب کے اچھی طرح بلند ہو جانے کے بعد اور عصر کے بعد سورج غروب ہونے تک خواب کی تعبیر بتانا مستحب ہے۔ یہ حدیث مذکورہ سے مردود ہے۔ اور آنحضرت جو اپنا چہرہ مبارک پھیر کر صحابہ سے خواب پوچھا کرتے تھے اس بارے میں علماء کا قول ہے کہ آنحضرت مکہ کی فتح کی خوشخبری کے منتظر رہتے تھے۔ اور آپ کی خواہش تھی کہ کسی طرف سے اس کا ظہور ہو۔ اس بارے میں ہم نہیں جانتے کہ یہ مفہوم کہاں سے اخذ کیا گیا ہے۔ جبکہ بظاہر ایسا سوال کرنے سے یہی مقصد تھا کہ آپ صحابہ کرام کے حال سے واقف ہو جائیں کہ ہر صحابی کا سلوک کہاں تک ہے اور اس کے مناسب کیا تدبیر مزید ہونی چاہیے جو معمول مشائخ کا ہے کہ وہ اپنے مریدوں کے واقعات اور ان کے معاملات ان سے دریافت فرماتے ہیں۔ اور پھر ان کا علاج بھی کرتے ہیں وہ اسی سنت کا اتباع ہے۔ (واللہ اعلم)

کچھ اہل علم یوں کہتے ہیں کہ صبح کی نماز کے وقت خواب کی تعبیر بتانا اولیٰ اور اقرب ہے بمقابلہ دوسرے اوقات کے خواب کے یاد رہنے کے لحاظ سے یا اس لئے کہ خواب دیکھنے کے وقت سے قریب ترین یہ وقت ہے کیونکہ کبھی خواب میں نسیان واقع ہو جاتا ہے نیز اس کی یہ بھی ایک وجہ ہے کہ تعبیر دینے والے کا ذہن اس وقت خوب حاضر ہوتا ہے۔ اس وقت قلب کی پاکیزگی اور نورانیت ہوتی ہے۔ اور وہ معاشی امور میں بہت کم مشغول ہوتا ہے۔

خواب دیکھنے والے کے آداب:۔ یہ خواب دیکھنے والے کے اداب میں شامل ہے کہ وہ سچ بولنے والا ہو۔ وہ اپنے

دائیں پہلو پر وضو کر کے سوئے۔ جس طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت ہے۔ وہ سونے سے قبل سورۃ الشمس' والیل' والتین' اخلاص اور سورۃ فلق اور سورۃ الناس پڑھے اور اس کے بعد وہ دعا مانگے اللھم انی اعوذبک من شیئی الاحلام الاحلام و استخیر و بک من فلاتک الشیطان فی الیقظه والمنام اللھم انی اسئلک رؤیا صالحۃ صادقۃ نافعۃ غیر سمیته اللھم اذنی فی منامی مااحب اور خواب اپنے دشمن کو نیز کسی جاہل سے بیان نہ کرنا چاہیے۔ اس لئے کہ بوجہ جہالت یا دشمنی وہ خواب کو بھلائی کی بجائے دوسری طرف محمول نہ کرے۔

خواب سب کے سب دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک اضغاث احلام ہوتے ہیں یعنی وہ خواب جھوٹے اور پراگند قسم کے ہوتے ہیں لغوی طور پر ضغث کے معنی ہیں خس و خشاک اور پراگندگی' صراح میں ضغث کا معنی گھاس کا ایک مٹھا ہوتا ہے جس میں خشک اور تر گھاس جمع ہو اور احلام شورید خواب ہوتے ہیں اسی طرح ضغث الحدیث وہ بات ہوتی ہے جس میں آمیزش کی گئی ہو۔ حلم کی جمع احلام ہوتی ہے وہ خواب جو بالغ شخص دیکھے۔ یہ غیر معتبر قسم کا خواب ہوتا ہے۔ ایسے خواب کی تعبیر نہیں ہوتی۔ کبھی کبھی ایسے خواب شیطان کی جانب سے دکھائے جاتے ہیں اس لئے شیطان مسلمان آمی کو غمناک خواب دکھا کر مضطرب کرتے۔ مثلاً کوئی شخص دیکھتا ہے کہ اس کا سر کٹا ہوا ہے یا کوئی اور چیز اس کو آزار دینا چاہتی ہے۔ یا وہ مردہ ہے یا وہ کسی خوفناک مقام پر پڑا ھے۔ جہاں سے رہائی ناممکن ہے وغیرہ وغیرہ۔ مسلم شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ایک اعرابی آیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ! میں نے خواب میں اپنا سر کٹا ہوا دیکھا ہے۔ اور میں اس کے تعاقب میں جا رہا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ممانعت کردی کہ جو کچھ شیطان نے تمہارے ساتھ خواب کے دوران مذاق کیا ہے۔ وہ کسی کو نہ بتانا۔ یہ خواب اسی قسم کا ہے۔ جیسے کسی کو خواب میں فرشتہ کسی حرام کام کے کرنے کا حکم دے۔ یا اسی طرح کی کوئی بات کہہ رہا ہو جو کہ اس کی قوت سے باہر ہو۔ یا وہ شخص وہ چیز خواب میں دیکھ رہا ہو جو وہ بیداری میں سوچ رہا ہو یا وہ چیز ہو جا اس کی خلاط اربعہ میں غالب تر ہو مثال کے طور پر بلغم یا صفرا یا خون یا سوداء۔ اس غالب ترین خلط کو وہ خواب میں دیکھے مثلاً بلغمی مزاج والا پانی کو دیکھے۔ صفراوی مزاج والا آتش دیکھے یا کوئی زرد رنگ نظر آئے۔ یا دموی مزاج والا سرخ رنگ کو دیکھے۔ سوداوی مزاج کا آدمی سیاہ رنگ دیکھے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اس قسم کے سب خواب ناقابل اعتبار ہوتے۔

دوسری قسم سچے خوابوں کی ہوتی ہے جیسے کہ انبیاء کے خواب یا صلحائے امت کے خواب ہوتے ہیں۔ کبھی نادر طور پر غیر نبی کو بھی ایسا اتفاق ہو جاتا ہے۔ اس مقام پر دو عبارات ہیں۔ ایک رویائے صادقہ۔ دوسری رویائے صالحہ اور حسنہ خواب وہ ہے جو دل کی خواہش کے مطابق اپنے مقصد کے مطابق ہو۔ یہ امور آخرت کے متعلق انبیاء اور صلحا کے خوابوں میں سے ہوگا۔ اس کے برعکس امور دنیا کی نسبتوں میں عجیب ظاہر دل کی خواہش کے مطابق نہ پڑے گی۔ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ احد کے دن خواب میں دیکھا کہ گائیں ذبح کر رہے ہیں۔ اور اپنی تلوار جو دیکھی تو وہ شکستہ پڑی تھی۔ آنحضرت گائیں ذبح کرنے کی تعبیر وہ کی جو روز احد کو صحابہ کو پہنچی اور تلوار ٹوٹنے کی تعبیر فرمائی کہ آنحضور کے اہل بیت سے ایک فرد یعنی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے اس کے بعد عاقبت متقیوں کے واسطے اور فتح اور نصرت سب مخلوق پر۔

لوگوں کی تین قسمیں ہیں۔ مستور حال جن پر صدق و کذب دونوں ہی برابر ہیں۔ دوسرے فاسق اور فاجر لوگ ان پر منتشر خیالات اور جھوٹے خوابوں کا غلبہ ہوتا ہے۔ ان کے لئے صدق وسیع نادر چیز ہوتی ہے اور تیسری قسم کفار کی ہے جن پر صدق نہایت ہی نادر۔ کچھ کافروں پر سچا خواب بھی ظاہر ہو جاتا ہے۔ جس طرح جیل خانہ میں حضرت یوسف علیہ السلام کے دو کافر ساتھیوں کے خواب تھے۔ نیز ایک بادشاہ کا خواب۔

حدیث پاک میں وارد ہوا ہے۔ الصدق الرؤیا بالاسحار سب سے پہلے بڑھ کر سچا خواب صبح کے وقت کا ہوتا ہے۔ کچھ اہل علم لوگوں کا قول ہے کہ رات کے پہلے پہر کے خواب کی تعبیر دیر سے رونما ہوتی ہے اور رات کے نصف ثانی کا خواب کے اجزاء متفاوت ہوتے ہیں۔ سب سے زیادہ عجلت سے اور سرعت کے ساتھ ظاہر ہونے والا خواب صبح کے وقت کا ہوتا ہے۔ بالخصوص جو طلوع فجر کے وقت کا ہو۔ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ وہ خواب جس کی تاویل جلدی رونما ہوتی ہے وہ قیلولہ کا خواب ہوتا ہے محمد بن سیدین سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا ہے دن کا خواب بھی شب کے خواب کی طرح ہوتا ہے اور عورتوں کے خواب بھی مردوں کے خواب کی طرح ہوتے ہیں۔ بعض کے نزدیک اس طرح ہے کہ عورت اگر خواب کوئی میں چیز دیکھے جو اس کے اہل سے نہیں تو یہ اس کے شوہر کا خواب ہوتا ہے۔ اور غلام کے خواب کی حالت بھی اسی طرح ہوتی ہے۔ یعنی اس کے آقا و مالک کے لئے۔ اور بچوں کے خواب والدین کے لئے ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم

رویائے نبوی اور تعبیرات نبوی وصل:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خوابوں اور ان کی تعبیرات بڑی کثرت سے مروی ہیں۔ ایک خواب تو دودھ دیکھنا اور اس کی تعبیر علم سے کرنا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بخاری شریف میں مروی ہے کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے۔ کہ میں نیند کی حالت میں تھا میرے پاس ایک پیالہ دودھ لایا گیا۔ اور میں نے اس قدر دودھ اس سے نوش فرمایا کہ اس کی سیرابی میرے ناخنوں سے ظاہر ہو رہی تھی۔ اور دوسری ایک روایت میں یوں ہے کہ میں نے اس قدر پیا کہ اپنے تمام جسم کر رگ و ریشے میں دودھ کو گردش کرتے دیکھتا تھا۔ پیالے میں باقی ماندہ دودھ میں نے عمر کو عطا کر دیا۔ صحابہ نے آپ سے عرض کی یا رسول اللہ! آپ کی تعبیر اور تاویل کیا لیتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا اس سے میں علم مراد لیتا ہوں۔

شیخ ابن ابی حمزہ نے کہا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس لئے اس کی تعبیر علم سے فرمائی کیونکہ معراج کی رات جو چیز اول امر پر رونما ہوئی۔ جب کہ آپ کے روبرو شراب کا پیالہ اور ایک دودھ کا پیالہ لایا گیا تھا۔ تاکہ ان میں سے آپ اپنی خواہش کے مطابق پسند فرمالیں۔ آپ نے دودھ کو پسند فرمایا تھا۔ تو حضرت جبرئیل نے آپ سے عرض کیا کہ آپ نے فطرت کو یعنی دین کو پسند فرمایا ہے۔ کچھ مرفوع احادیث آئی جن میں دودھ کی تعبیر فطرت وارد ہوئی ہے۔ اور بعض روایات میں علم۔ دودھ کو علم سے اس لئے تعبیر دی گئی کہ کثیرالنفع ہے۔ اور یہ بدن کی اصلاح کرتا ہے۔ لہٰذا روح کی غذا میں علم اس طرح ہے جیسے بدن کی اصلاح کے لئے اور بدن کی غذا دودھ ہوتا ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس جہان میں علم کی مثال دودھ

ہے۔ الحمدللہ مسکین (راقم الحروف شیخ صاحب) بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے صدقہ سے اپنے بعض خوابوں میں اس سعادت و بشارت سے بہرہ ور ہوا ہے میں نے خواب میں دیکھا کہ دودھ سے بھی بڑھ کر لطیف اور شیریں دودھ تازہ اور لذیز پیا ہے۔ اور وہ سارا ہی میں نے پی لیا ہے اور بندہ امیدوار ہے کہ علم دین کی تحصیل کے شرف سے بہرہ ور ہو گا۔ دوسری دفعہ دیکھا ایک بڑے کانسی کے برتن میں بہت سفید 'میٹھا' لطیف و نظیف دودھ ہے اور میں نے وہ پی لیا ہے۔ والحمدللہ علی ذالک۔

ایک خواب آپ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا خواب میں قمیض دیکھنا ہے۔ اس کی تعبیر بھی آپ نے دین سے دی۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے بخار میں مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں سویا ہوا تھا کہ میں نے دیکھا۔ میرے سامنے لوگوں کو پیش کیا گیا۔ ان کے بدنوں پر اس طرح کی قمیضیں تھیں بعض کی چھاتیوں تک تھیں اور بعض اس سے دون تھیں میرے سامنے عمر گزرے۔ ان کی قمیض اتنی دراز تھی کہ زمین پر بچھتی تھی۔

دون کا لفظ دو احتمال رکھتا ہے۔ ایک یہ ہے کہ وہ اس قدر چھوٹے تھے کہ حلق کے ساتھ چپکے ہوئے تھے دوسرا احتمال یہ ہے کہ وہ اس کے نیچے ہوں گے۔ یعنی ناف تک پہنچتے ہوں گے۔ اور پہلے والے سے زیادہ لمبے ہوں گے۔ اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے۔ جو حکیم ترمذی نے نوادر الاصول میں بیان کی ہے۔ اس میں ہے کہ کچھ لوگوں کی قمیضیں ناف تک تھیں۔ اور کچھ کی نصف پنڈلی تک۔ اور قمیض سے دین کی تعبیر دینا اس وجہ سے ہے کہ دنیا میں قمیض ستر پوش ہے اور آخرت کی پردہ پوشی دین سے ہوتی ہے اور دین ہر مکروہ چیز سے باز رکھتا ہے۔ اس باب میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بنیاد ہے۔ لباس التقوٰی ذالک خیر لباس تقویٰ ہی بہتر لباس ہے۔ بعض کے نزدیک یہ وجہ ہے کہ جہالت کی شرمگاہ کو دین ڈھانپتا ہے جس طرح قمیض بدن کے ستر کو چھپاتی ہے۔ جس آدمی کی قمیض سینہ تک ہے وہ اپنے دل کو کفر سے ڈھنپتا ہے۔ گو وہ معاصی کا مرتکب ہوتا ہے۔ جن لوگوں کی قمیض اس سے نیچے ہے۔ لیکن شرمگاہ ننگی ہے اور پاؤں کھلے ہیں۔ وہ گناہ کی طرف جا رہے ہوتے ہیں۔ جن کی قمیض پاؤں تک ہوتی ہے وہ تقویٰ سے ہر لحاظ میں پوشیدہ ہیں۔ اور گھسٹتی قمیضوں اور جسموں سے زیادہ لمبی قمیضوں والوں سے مراد ہیں۔ صالح عمل میں کامل لوگ۔ نیز لوگوں سے مراد یا تو سب مسلمان ہیں یا صرف امت مرحومہ بلکہ اس میں سے بھی بعض۔ دین سے مراد نے عمل اور اس کے مقتضیات۔ کہ امر کو بجالائیں اور منہیات سے پرہیز کریں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس بارے میں بلند مقام پر فائز ہیں۔ حدیث سے یہ بھی عیاں ہو جاتا ہے کہ اہل دین فضیلت کے لحاظ سے تھوڑے یا زیادہ اور دین کے لحاظ سے قوی یا کمزور ہوتے ہیں یہ باتیں وہ ہیں جو خواب میں ملاحظہ کرنا اچھا ہوتا ہے۔ بیداری کے عالم میں بھی یہ امور ظاہر ہوتے ہیں اور خبر میں کہا گیا ہے کہ (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی) قمیض زمین پر گھسٹتی تھی۔ شریعت میں یہ بات مذموم ہے کیونکہ تطویل کے بارے میں وعید آئی ہے۔ لیکن خواب کا حال شرعی تکلیف سے وراء ہے یہ اس بات سے مشابہت رکھتا ہے جو معراج شریف کے بارے میں ہے یعنی قلب مبارک کو سونے کے بنے

ہوئے طشت میں رکھ کر دھویا گیا ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب میں اپنے ہاتھوں میں سونے کے کنگن پہنے دیکھے اور دو جھوٹے اشخاص سے اس کی تعبیر بھی کی پس حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں خواب کی حالت میں تھا اچانک مجھے زمین کے خزائن دے دیئے گئے۔ یہ اشارہ قیصرو کسریٰ کے خزانوں کی جانب ہے جو آپ کی امت پر فتح کئے گئے۔ اس میں یہ احتمال بھی موجود ہے کہ سونے اور چاندی کے معلون ہوں آپ نے فرمایا کہ بعد ازاں میرے ہاتھوں میں سونے کے کنگن پہنائے گئے میں نے اس کو گراں اور ناپسند محسوس کیا۔ اور اس سے مجھے غمگینی ہوئی۔ اس کے بعد میری طرف وحی کیا گیا کہ کنگنوں پر پھونک ماروں لہٰذا جب پھونک ماری تو وہ غائب ہو گئے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ وہ کنگن اڑ گئے میں نے ان کی تعبیر اور تاویل اس طرح کی کہ میں دو کذابوں کے مابین ہوں ان میں سے ایک صفا پہاڑی کے درمیان ہے اور دوسرا یمامہ کے قریب میں۔ اور نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والا ایک اسود عسی تھا اس نے یمن کے علاقہ میں دعویٰ نبوت کیا تھا اور یہ شخص آنحضور کے وصال شریف سے قبل ہی ایک شخص فیروز دیلمی کے ہاتھ سے مارا گیا تھا اور حضور علیہ السلام کی طرف آپ کی مرض وفات میں اس کی وحی فرمائی گئی تھی۔ پس آپ نے اس کے مارے میں جانے کی خبر دے دی تھی آپ نے فرمایا قتلہ العبد الصالح فیروز ویلمی اس کو نیک مرد فیروز دیلمی نے قتل کر دیا۔ پھر فرمایا ناذ فیروز فیروز کامیاب رہا۔ دوسرا کذاب تھا۔ میلمہ کذاب اس نے یمامہ میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا یمامہ صوبہ حجاز کے ایک شہر کا نام تھا۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں یہ شخص (میلمہ کذاب) مارا گیا تھا۔

یہ جو تاویل دو کنگنوں اور کذابوں کی ہے اس میں اہل عصم کا قول ہے کہ کذب یہ مراد ہے کسی چیز کو اس کے مقام کے خلاف جگہ پر رکھنا اور رسول اللہ صلی الحہ علیہ وسلم نے دو کنگن سونے کے اپنی دونوں کلائیوں میں پہنے ہوئے دیکھے۔ یہ بات آنحضور کے لباس عاریہ میں نہ تھی۔ کیونکہ کنگن تو نسوانی زیور ہے۔ اور جو کچھ ان لوگوں سے رونما ہوا یعنی انہوں نے ایک ایسے امر کا دعویٰ کیا جس کے وہ اہل نہ تھے نیز یہ بھی ہے کہ مردوں کے لئے سونا پہننے کی ممانعت ہے۔ لہٰذا اس کا مرد کو پہننا کذب پر ہے لفظ ذہب ذہاب سے بنا ہے اس کے معانی ہیں۔ جانا تو اس سے معلوم ہو گیا کہ یہ جانے والی چیز تھی۔ زائل ہو جانے والی۔ یہ بات اللہ تعالیٰ کے حکم سے مزید متاکد اور مضبوط ہوئی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا تھا کہ ان پر پھونک مارو لہٰذا وہ چلے گئے یا اڑ گئے پس معلوم ہوا کہ آپ کے حق میں وہ باقی رہنے والی چیز نہیں ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسم کا وحی کے متعلق کلام فرمانا کہ آئی ہے انہیں اپنے مقام سے دور کر دیتا ہے۔

قرطبی کا قول ہے کہ اس خواب کی مناسب تاویل اس طرح ہے کہ اہل صفاء اور اہل یمامہ مسلمان ہو چکے تھے۔ اور دین کے مددگار ہو گئے تھے۔ پس جب ان کے اندر دو کذاب نمودار ہوئے۔ اور دونوں ہی مزین و باطل و عادی سے ان شہروں کے باشندوں پر اثر انداز ہوئے۔ تو اکثریت اس فریب میں آ گئی۔ گویا وہ دین میں دو شہروں کے مانند ہو گئے اور دونوں کنگن کذابوں کی طرح ہو گئے۔ اور ان کا سونے کا بنا ہونا اس طرف اشارہ ہے کہ انہوں نے اپنے اپنے کلام کو مزین کیا۔ زخرف

سونے کا ہی نام ہے۔ انتہی۔

کچھ اہل علم دو کنگنوں اور کذابوں کی تاویل میں اس طرح کہتے ہیں کہ ہاتھوں میں کنگنوں کا ہونا ہاتھ بندھ جانے سے مشابہت رکھتا ہے جس طرح کہ پاؤں میں ہوتا ہے۔ ہاتھوں کی بندش ہاتھوں کے عمل و تصرف میں مانع ہے۔ تو گویا آنحضور کے دونوں ہاتھوں کو ان دو کنگنوں نے اپنے قابو میں کر لیا لہٰذا دونوں ہاتھ عمل و تصرف میں آزاد نہ چھوڑے گئے کذا ذکو الطیبی۔

انہی خوابون میں سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک سیاہ رنگ عورت کو ژولیدہ بالوں کی حالت میں مدینہ سے باہر نکلتے دیکھنا ہے۔ اس کی تعبیر دی گئی کہ دباء مدینہ منورہ سے جحفہ کی طرف چلی گئی ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بخاری میں مروی ہے کہ جناب رسالت ماب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں نے ژولیدہ بالوں والی سیاہ رنگ کی عورت کو مدینہ سے نکلتے اور مہیعہ میں قیام کرتے دیکھا ہے مہیعہ بھی جحفہ کا بھی نام ہے۔ یہ مکہ شریف اور مدینہ شریف کے درمیان ایک موضع ہے۔ اس میں یہودیوں کی رہائش ہوتی تھی۔ میں نے اس کی یوں تاویل کی کہ وباء مدینہ سے جحفہ کی جانب منتقل ہو چکی ہے۔ مطلب یہ ہے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تشریف آوری سے قبل مدینہ میں بخار اور وباء عام تھی۔ آنحضور نے اس کو وہاں سے نکال دیا اور کافروں کی بستیوں کی طرف بھیج دیا۔ وباء کو سیاہ رنگ عورت سے تشبیہ دینا اس بارے میں اہل علم کا قول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے لفظ سوء ・ بمعنی برائی لفظ سوداء ・ بمعنی سیاہی سے نکالا اور داء ・ بمعنی بیماری اور درد پھر آپ نے تاویل یہ دی کہ میں نے اس چیز کو جس کے نام میں یہ دونوں الفاظ جمع تھے باہر نکال دیا ہے۔ یعنی "سوداء" کے لفظ سے مرکب لفظ سوء دار بنا جس کے معانی ہیں۔ بری بیماری اور ثوران نے سوداء کے سر لفظ (سو) سے تاویل کی ہے۔ اس کے معانی "بدی" ہوتے ہیں یعنی برائی اور شر کو ابھارنے والی۔ آنحضور نے اسے باہر نکال دیا۔ قیروانی کا قول ہے کہ ہر سیاہ منہ والی چیز کو وہ مکروہ اور مذموم کو دیتا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ثوران نے سوء کی تاویل بخار سے کی ہے۔ کیونکہ اس سے اجسام میں جوش آتا ہے اور لرزہ پیدا ہو جاتا ہے۔ بالخصوص وہ بخار جو سوداوی ہوتا ہے وہ بہت ہی وحشت لاتا ہے۔

ان خوابوں میں سے ایک خواب ہے تلوار کا دیکھنا۔ آپ تلوار کو گھماتے ہیں کبھی وہ کند ہو جاتی ہے اس کے بعد پھر اپنے اصل حال پر آتی ہے ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا میں خواب میں دیکھ رہا ہوں کہ ایک تلوار کو گھما رہا ہوں وہ کند ہو جاتی ہے پھر گھماتا ہوں تو وہ پہلے کی نسبت بہتر حالت پر آجاتی ہے آنحضور نے اس کی تعبیر یہ بتائی کہ اللہ تعالیٰ فتح اور اجتماع مسلمین لایا ہے۔ اس بارے میں اہل علم کا قول ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے تلوار کو صحابہ کرام سے تعبیر فرمایا۔ وجہ یہ کہ آپ کا سب غلبہ اور زور آوری انہی سے تھی اور تلوار کو گھمانے کا مطلب ہے آپ صحابہ کو حرب و جہاد کا حکم دیتے ہیں تلوار کے کند ہونے کا مطلب ہے کہ صحابہ پر ہزیمت کا واقع ہونا۔ دوبارہ تلوار گھمانے اور اس کے اصل حال سے بہتر حال پر آنے کا مطلب ہے کہ صحابہ کا اجتماع ہونا ان کو فتح کا حصول ہونا

اور ان کی قوت اور جمعیت کا وجود میں آنا۔ یہ خواب غزوہ احد کے موقع پر آیا تھا۔

مواہب لدینہ میں مزید ایک صاف ستھرا مضمون حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔ جس کے راوی حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ ہی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نے خواب دیکھا کہ مکہ سے ایک ایسی زمین (علاقہ) کی طرف ہجرت کر رہا ہوں جس میں کھجور کے باغات ہیں۔ میں نے خیال کیا یہ یمامہ کی زمین ہو گی اور یا خیبر ہو گی۔ کیونکہ ان بستیوں میں (کھجور کے) نخلستان بہت ہیں۔ ازاں بعد بتایا گیا کہ وہ یثرب (مدینہ) ہے اور امام احمد کی روایت ہے جس کی روایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کی ہے اس میں بھی اسی طرح آیا ہے کہ آنحضرت نے فرمایا میں نے (خواب میں) دیکھا کہ میں درع حصنیہ سے نکلا ہوں اور گائیں ذبح کئے جانے کی تعبیر بتائی وہ صحابہ جو جنگ احد میں شہید ہوئے۔ اور اللہ تعالیٰ کی فتح اور ثواب و صدق لانے کی تعبیر کی جنگ بدر سے مکہ کی فتح تک جہاد و قتال پر صبر کرنا۔

مشکوۃ میں ایک حدیث شریف میں تذکرہ ہجرت ہجرت کا مقام مخفی رکھنا' یثرب کا شہر مقرر ہونا' تلوار کو گھمانا' اس کا کند ہونا اور پھر اصل حالت پر آجانا یہ تمام امور جمع کئے گئے ہیں۔ لیکن اس میں گائیں ذبح کرنے کا تذکرہ نہیں ہے۔

ایک خواب آنحضور کا خواب میں کنویں کو دیکھنا اور اس سے پانی نکالنا ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔ میں نے خواب دیکھا۔ میں ایک کنویں کے سر پر کھڑا ہوں۔ اس کنویں پر ایک ڈول ہے میں نے اس سے اس قدر پانی نکالا جتنا کہ خدا تعالیٰ نے چاہا ازاں بعد ابن ابی قحافہ رضی اللہ عنہ آگئے۔ اس نے بھی اس کنویں سے ایک دو ڈول پانی کھینچا ایک اور روایت میں ہے کہ ابو بکر آئے۔ انہوں نے میرے ہاتھ سے ڈول لے لیا۔ تاکہ میں آرام کرلوں۔ اس کے بعد میں نے ان سے عجیب تر شخص نہ دیکھا جو ان کی طرح پانی کھینچے۔ اور بہت بڑا ڈول پانی کا نکالے پانی کھینچنے میں ان کو ایک قسم کا ضعف تھا۔ اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرمائے۔ ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے۔ ان جیسا بہادر طاقتور مرد میں نے نہ دیکھا جو ان کی طرح (کنویں سے) پانی نکال سکتا ہو۔ ابن خطاب نے اس قدر پانی کھینچا کہ سب لوگ سیراب ہو گئے۔

حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس حدیث کے اندر عمر رضی اللہ عنہ کی تعریف عبقری کے لفظ سے کی ہے۔ عبقری اس کو کہتے ہیں جو اپنی قوم میں سردار بزرگ اور طاقتور ہو در حقیقت پریوں کی زمین کو عبقر کہتے ہیں خواہ وہ کوئی آدمی ہو یا کپڑا ہو یا فرش وغیرہ کوئی بھی چیز ہو۔ (کذافی الصراح)۔ قاموس میں اس طرح ہے العبقر موضع کثیرا الجن العبقری الکامل من کل شیئی و السید والذی لیس قوقه سیئی والشدید عبقر اس مقام کو کہا جاتا ہے جہاں پر کثرت سے جن ہوں۔ عبقری اسے کہا جاتا ہے۔ جو ہر شے میں کامل ہو۔ اور سردار کو بھی کہتے ہیں اور اس آدمی کو بھی جس سے زیادہ طاقتور اور کوئی نہ ہو۔ شدت کو بھی عبقری کہا جاتا ہے۔

ایک روایت میں وارد ہوا کہ انہوں نے ڈول کھینچا حتی کہ سب لوگ سیراب ہو گئے۔ حوض پانی سے پر ہو گئے اور پانی بہنے لگا۔

صاحب مواہب کا قول ہے کہ نوری نے کہا ہے کہ یہ اس کی مثال دی گئی ہے۔ جو کچھ دینی امر میں دونوں خلفاء سے ظہور میں آیا۔ اور جو صالحہ آثار ظاہر ہوئے اور جو نفع خلقت کو ان سے حاصل ہوا۔ اصل میں تو یہ سب کچھ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی ماخوذ ہے کیونکہ آپ ہی تو صاحب امر ہیں۔ پس سب سے زیادہ اکمل اور اتم امردین کا قیام عمل میں آیا۔ آپ نے دین کے قواعد کو قائم کیا۔ ملت کی بنیادیں مستحکم استوار کیں۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ آنحضرت کے بعد آپ کے خلیفہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بنے۔ انہوں نے مرتدین کے خلاف جہاد کیا۔ آپ نے ان کی جڑیں کاٹ پھینکیں اور کوئی ایک بھی ان سے باقی نہ چھوڑا ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب مسند خلافت پر بیٹھے۔ ان کے برکت والے بزرگ تر دور خلافت کے دوران دائرہ اسلام کو مزید کشادگی ملی۔ یہی وجہ ہے دین اسلام کے امر کو کنویں کے ساتھ تشبیہ دی گئی۔ جس میں پانی تھا۔ کیونکہ ان کی حیات اور ان کے اعمال کی درستی اسی کے ساتھ وابستہ تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد کہ ابوبکر نے مجھ سے ڈول پکڑ لیا تاکہ میں آرام کرلوں۔ اس میں ارشاد کیا گیا ہے خلافت ابوبکر کی طرف یہ آنحضرت کی رحلت شریف کے بعد ظہور میں آئی۔ کیونکہ دنیا میں جدوجہد کے برعکس موت راحت ہوتی ہے۔ تدبیر امت اور ان کے کاموں کی اصلاح کے ذریعے قیام عمل میں آیا۔ آپ نے جو فرمایا کہ ان کے پانی کھینچنے میں ضعف تھا۔ اس میں اشارہ ہے کہ ان کا دور خلافت لمبا تھا لہٰذا لوگوں نے ان کی خلافت وولایت سے بہت فائدہ اٹھایا۔ اسلام کی سرحدیں خوب وسیع ہو گئیں اور بڑی کثرت سے ملک اور شہر فتح ہوتے گئے۔ آپ نے دفتر کا انتظام قائم کیا۔ آنحضرت کے فرمان اقدس میں ان کے بارے میں ضعف مذکور نہیں ہوا بلکہ ان کی تعریف کی گئی ہے۔

انہی میں سے ایک یہ ہے جو کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مسلم شریف میں منقول ہے۔ انہوں نے فرمایا میں نے اس رات کو خواب دیکھا ہے عقبہ بن رافع رضی اللہ عنہ کے گھر سے ابن طاب کی کھجوریں طشت میں لائی گئیں اور صحابہ کے سامنے رکھی گئیں۔ عقبہ بن رافع رضی اللہ عنہ صحابی ہیں اور حضرت عمر بن العاص رضی اللہ عنہ کی خالہ کے بیٹے تھے۔ اور ابن طاب کی کھجوریں تازیں کھجوروں کی ایک قسم ہے اور ابن طاب کے نام سے منسوب تھیں ابن طاب ایک آدمی کا نام تھا۔ شاید یہ ابن طاب کی بوئی ہوئی ہوں گی یا اس نے انہیں پسند کیا ہو گا لہٰذا ان کو تمر ابن طاب پکارا گیا۔ صبح کے وقت آنحضرت نے اس خواب کی تعبیر بتائی کہ دنیا اور آخرت میں وہ عافیت میں ہو گا یہ معانی ان کے نام عقبہ سے اخذ کیے گئے۔ مسلم شریف کی حدیث سے جامع الاصول میں نقل کیا گیا ہے کہ ان کی رفعت اور عافیت ٹھیک ہے۔ رفعت رافع سے ماخوذ ہے۔ اور ان کا اختیار کردہ دین اللہ تعالیٰ کی جانب سے بڑا شیریں اور بہتر آیا۔ یہ مفہوم بھی رطب ابن طاب (ابن طاب کی تروتازہ کھجوریں) سے ماخوذ فرمایا۔

یہ سب خواب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیکھے ہوئے ہیں۔ اور تعبیرات بھی ان ہی کی دی ہوئی ہیں پھر بھی مخفی نہ رہے کہ آپ کی سب تعبیریں استنباط اور مناسبت کی بنا پر نہیں ہیں نہ ہی اہل تعبیر کی عادت و اصول سے انہیں کوئی مناسبت ہے۔ جس طرح کہ مذکور ہو چکا ہے بلکہ یہ تمام وحی اور الہام سے ہے پھر بھی کسی قسم کی مناسبت ان میں پائی جانا بعید نہ

ہے۔ جس طرح کہ حدیث شریف میں رطب ابن طاب کو دیکھا تو ان ناموں سے معانی اخذ کر کے تعبیر دی۔ اہل علم کے نزدیک آپ کا یہ معمول بتایا جاتا ہے کہ اسماء سے مفہوم ماخوذ فرما کر تفاؤل کا اظہار فرماتے تھے جس طرح کہ حدیث بریدہ بن اسلمی رضی اللہ عنہ میں آیا ہے۔ ہجرت کے دوران سفروہ آپ کے سامنے آئے۔ میں نے اسے پوچھا کہ تمہارا کیا نام ہے۔ اس نے جواب دیا۔ بریدہ تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ برد امرنا۔ ہمارا معاملہ ٹھنڈا ہے پھر آپ نے پوچھا کس سے منسوب ہو۔ اس نے جواب دیا۔ اسلمی۔ تو آپ نے فرمایا سلم امرنا یعنی ہمارا معاملہ درست اور سلامت ہے۔ آپ نے ان کے بعد کون اسلمی ہو؟ تو اس نے جواب دیا کہ از نبی سہم۔ آنحضور نے فرمایا۔ اصبت سہمک ہم اپنے تیر ٹھیک پہنچ گئے۔ سہم کا معنی تیر ہوتا ہے۔ وغیرہ ذالک۔

اسی طور پر آنحضرت نے تلوار کی تعبیر مومنوں سے فرمائی جبکہ تعبیر بتانے والے لوگ تلوار کی اور بھی تعبیریں کرتے ہیں۔ جیسے کہ اولاد۔ بھائی' زوجہ' زبان اور پیدائش وغیرہ وغیرہ جس طرح قرطبی کے بیان میں ہے (واللہ اعلم)۔

صحابہ کرام کے خوابوں کی حضور ﷺ سے تعبیرات:۔ وصل:۔ سابقہ مضمون میں تمام خواب آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیکھے ہوئے مذکور ہوئے ہیں ان میں وہ خواب شامل نہیں ہیں۔ جو صحابہ نے دیکھے تھے۔ اور تعبیر آنحضرت نے فرمائی۔ ایسے خواب کثرت سے آئے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ آپ فجر کی نماز ادا کر لینے کے بعد اپنا رخ انور صحابہ کی طرف پھیر لیتے تھے اور پوچھتے تھے کہ تم سے کسی نے آج رات خواب دیکھا ہے تو بیان کرے میں اس کی تعبیر بیان کروں۔ کوئی صحابی اگر خواب بیان نہ کرتا تو آنحضور خود اپنا خواب بیان فرماتے تھے اسی طرح ایک فجر کو دریافت فرمایا۔ کیا کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے دو شخص میرے پاس آئے۔ میرے دونوں ہاتھ پکڑے اور ارض مقدس کی جانب لے کر چل دیئے۔ اچانک ایک شخص پر میری نظر پڑی۔ وہ بیٹھا ہوا تھا۔ دوسرا ایک شخص کھڑا ہے اس کے ہاتھ میں لوہے کی گرز ہے۔ اپنی گرز کو وہ اپنی بغل سے نکل کر بیٹھے ہوئے آدمی کو مارتا ہے اس کے رخسار پر۔ وہ گرز اس کی گدی تک چلا جاتا ہے۔ لیکن گرز اٹھانے پر رخسار دوبارہ صحیح وسالم ہوتا ہے۔ وہ پھر گرز مارتا ہے تو ہر دفعہ ویسے ہی واقع ہوتا ہے۔ پس میں نے اپنے دو ساتھیوں سے دریافت کیا۔ کہ یہ کیا معاملہ ہے تو وہ کہنے لگے۔ چلئے یعنی ان کے بارے میں نہ پوچھیں۔ ابھی اور چیزیں بھی دیکھنا ہیں' پس ہم روانہ ہو گئے ہم ایک ایسے شخص کے پاس سے گزرے۔ جو اپنے پہلو کے بل سو رہا تھا ایک اور شخص اپنے ہاتھ سے پتھر لئے۔ اس کے پاس کھڑا ہے۔ اس سے وہ اس کے سر پر مارتا ہے۔ جب پتھر مارتا ہے تو وہ اس کے سر کے اندر گھس جاتا ہے لیکن جب پتھر اٹھالیتا ہے تو اس کا سر پھر پہلے کی طرح ہی صحیح وسالم ہو جاتا ہے۔ لہٰذا وہ دوبارہ سر کو کچل دیتا ہے۔ میں نے پوچھا یہ معاملہ کیا ہے۔ تو انہوں نے کہا آگے چلیں۔ ہم آگے چل پڑے حتیٰ کہ ہم ایک سوراخ پر پہنچ گئے وہ سوراخ تنور کی طرح تھا اس کا منہ تنگ تھا لیکن پیٹ بڑا تھا۔ اس میں برہنہ مرد اور عورتیں تھیں ان کے نیچے آگ جلتی ہے۔ آگ بھڑک اٹھنے پر وہ مرد اور عورتیں اس کے اوپر چلتی تھیں۔ حتیٰ کہ قریب ہوتا ہے کہ وہ نکل جائیں۔ اگر آگ ٹھنڈی ہونے لگے تو پھر اس کو بھڑکا دیا جاتا ہے۔ میں نے پوچھا یہ کیا ہے تو ہمراہیوں نے کہا کہ آگے چلیں ہم آگے روانہ

ہوئے۔ پھر ہم ایک نہر پر پہنچے جس میں خون تھا۔ نہر کے درمیان ہی آدمی کھڑے تھے اور نہر کے کناروں پر چند لوگ تھے جن کے سامنے پتھر پڑے ہوئے تھے۔ اگر کوئی آدمی نہر سے کنارے کی طرف آکر وہاں سے باہر نکلنے کی خواہش کرتا ہے تو باہر کنارے پر ایستادہ لوگ پتھر اس کے منہ پر مارتے تھے تو وہ آدمی اسی مقام کی طرف پلٹ جاتا تھا جہاں وہ پہلے تھا۔ اس طریقے سے باہر نکلنے کی کوشش کرنے والے شخص کے منہ پر پتھر مارا جاتا تھا اور وہ اپنے سابقہ مقام پر پلٹ جاتا۔ میں نے پوچھا یہ معاملہ کیسا ہے تو وہ کہنے لگے آگے چلئے۔ ہم آگے روانہ ہو گئے۔ حتیٰ کہ ہم ایک سبزہ زار میں پہنچ گئے۔ سبزہ زار میں ایک بہت بڑا درخت تھا اس کی جڑوں کے ساتھ ایک مرد ضعیف بیٹھا ہوا تھا۔ بہت سے بچے اس کے پاس ہیں۔ اور ایک مرد درخت کے پاس تھا وہ اپنے سامنے آگ جلاتا تھا۔ میرے دونوں ہمراہی مجھ کو اس درخت کے اوپر لے گئے۔ اور ایک مکان کے اندر داخل کردیا وہ مکان اس درخت میں ہی تھا۔ اس سے بہتر گھر میں نے کبھی نہیں دیکھا ہے۔ اس گھر میں بوڑھے آدمی جوان مرد اور عورتیں اور بچے تھے اس کے بعد مجھے اس سے اوپر والے مکان میں لے گئے۔ وہ گھر نچلے گھر سے زیادہ بڑا اور خوبصورت تھا اس کے اندر بھی بوڑھے اور جوان لوگ موجود تھے پھر دونوں ہمراہیوں سے میں نے کہا آج رات تم نے مجھے بہت پھرایا گھمایا ہے۔ اب جو کچھ میں نے ملاحظہ کیا اس کے متعلق بتاؤ۔ تو کہنے لگے ہاں بتادیتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ جس شخص کے رخسار پارہ پارہ کئے جاتے تھے۔ وہ جھوٹا شخص تھا جھوٹی باتیں بناتا تھا اور اس کی جھوٹی باتیں سارے جہان میں پھیلتی تھیں۔ آپ نے جو سلوک اس سے ہوتا ملاحظہ فرمایا ہے وہ تاقیامت جاری رہے گا۔ اور جس آدمی کا سر کچلا جاتے آپ نے ملاحظہ فرمایا ہے۔ اس آدمی کو اللہ تعالیٰ نے قرآن سکھایا اور وہ رات کو قرآن سے غافل سوجاتا تھا۔ اس نے قرآن بھی نہ پڑھا اور نہ ہی رات کو نماز کے لئے اٹھتا تھا اور دن کے دوران تلاوت قرآن کرتا تھا لیکن اس پر عمل پیرا نہ تھا اس کے ساتھ بھی جو کچھ ہوتا دیکھا ہے وہ قیامت تک ہوتا رہے گا۔ اور جو لوگ آپ کے ملاحظہ شریف میں تنور کے اندر پڑے ہوئے آئے تھے وہ زانی تھے اور خون کے نہر میں غوطہ زن دیکھنے والے لوگ سود خور تھے اور جو بوڑھا شخص آپ نے درخت تلے بیٹھے ہوئے دیکھا تھا وہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ ہیں۔ اور ان کے اردگرد بچے ان کی اولاد تھے۔ آگ بھڑکانے والا شخص جو آپ نے دیکھا تھا وہ مالک نامی داروغہ جہنم ہے۔ آپ نے جو گھر پہلے ملاحظہ فرمایا تھا عامتہ المسلمین کا گھر تھا اور اس کے اوپر جو دیکھا وہ شہداء کا مقام ہے اور ہم (دونوں) جبرائیل اور میکائیل ہیں پھر انہوں نے کہا کہ اپنا سر اٹھاؤ میں نے اپنا سر اوپر اٹھایا اور دیکھا کہ بادل کی طرح کی کوئی چیز ہے۔ دیگر ایک روایت میں آیا ہے کہ بادل کی طرح سفید ہے۔ اور اس سے ترشح ہوتا ہے وہ کہنے لگے یہ آپ کا مقام ہے میں نے کہا پھر مجھے چھوڑدیں کہ میں اپنے مکان میں چلا جاؤں۔ تو کہنے لگے ابھی دنیوی عمر آپ کی بقایا ہے وہ ابھی ختم نہیں ہوئی جب پوری ہوگی تو پھر آپ اپنی اس منزل پر جلوہ افروز ہوں گے یہ بخاری کی روایت ہے اس بخاری میں ایک اور روایت میں کچھ مزید ہے اور یہ دونوں روایات مشکوٰۃ میں ہیں۔

ان عجیب و غریب تعبیرات میں سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت زرارہ بن عمر ابن نخعی رضی اللہ عنہ نخع کے وفد میں شامل ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ یا رسول اللہ! میں نے آتے

ہوئے دوران راہ ایک خواب دیکھا۔ اس میں میں نے دیکھا ہے کہ اپنی جو گدھی میں اپنے قبیلہ میں چھوڑ کر آیا ہوں اس نے بکری کا ایک بچہ جنا ہے۔ اس کے سیاہ اور سفید دو رنگ ہیں آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کیا تیری کوئی باندی جس کو تم اپنے گھر میں چھوڑ آئے ہو۔ اور وہ حاملہ ہو چکی ہے۔ اس نے عرض کیا کہ ہاں ایک باندی گھر چھوڑ آیا ہوں اور میرا خیال ہے کہ وہ حاملہ ہو چکی ہے۔ آنحضرت نے فرمایا کہ وہ باندی یقیناً" بچہ جنے گی جو تیرا ہی ہے تو زرارہ پوچھنے لگے۔ سفید و سیاہ رنگ کا بچہ جننے کا کیا مفہوم ہے آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا تمہارے جسم پر کیا برص کا کوئی داغ موجود ہے۔ جس کو تم لوگوں سے پوشیدہ رکھتے ہو۔ میں نے جواب دیا ہاں مجھے اس ذات کی قسم جس نے آپ جناب کو حق کے ساتھ بھیجا۔ سوائے میرے کسی نے وہ برص کا نشان نہیں دیکھا۔ نہ ہی وہ کسی کے علم میں ہے۔ آپ نے فرمایا تیرے برص کے باعث اس بچہ میں بھی سیاہ و سفید رنگ ہیں جو اس میں ظاہر ہوئے ہیں۔

پھر زرارہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ میں نے نعمان بن المنذر کو خواب میں دیکھا ہے۔ نعمان بن المنذر کسریٰ ایران کے زمانہ میں عرب کے بادشاہوں میں سے ایک تھا۔ مجھے نظر آیا کہ اس کے کانوں میں دو بالیاں پڑی ہوئی ہیں۔ اور ہر دو بازو پر کنگن اور بازو بند پہنے ہیں۔ جبکہ یہ زیورات عورتوں کے ہوتے ہیں حضور نے ارشاد فرمایا کہ یہ عرب کا ملک ہے جو زیب و زینت اور آرائش پوشش کے اعتبار سے اپنی پرانی حالت پر آ جائے گا پھر زرارہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے ایک اور خواب میں نے دیکھا ہے۔ ایک بوڑھا شخص ہے جس کے سیاہ اور سیفد رنگ کے ملے جلے بال ہیں اور وہ شخص زمین سے باہر نکل رہا ہے تو آنحضرت نے فرمایا یہ مشابہت ہے اس دنیا سے پھر زرارہ نے ایک اور خواب عرض کیا۔ میں نے آگ دیکھی۔ وہ زمین کے اندر سے نکلی ہے اور میرے اور میرے بچے کے درمیان حائل ہو چکی ہے۔ (میرے) بچے کا نام عمرو ہے اور میں نے اس آگ کو یہ کہتے ہوئے دیکھا لظی۔ لظی۔ لظی۔ لظی آگ کی لپٹ کو کہا جاتا ہے اور جہنم کو بھی لظی کہتے ہیں۔ وہ آگ کہہ رہی ہے کہ میں تو کھا جاتی ہوں خواہ کوئی بینا ہو یا نابینا۔ میں تمہیں تمہاری ماں اور تمہارے متعلقین کو کھا جاؤں گی۔ آنحضرت نے ارشاد فرمایا وہ آگ ایک فتنہ ہے اور آخر زمانہ میں پیدا ہو گی۔ زرارہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ وہ فتنہ کیا ہو گا۔ اور یا رسول اللہ! وہ کون لوگ ہوں گے۔ حضور نے فرمایا وہ لوگ اپنے مالک کو اچانک مار ڈالیں گے اور پھر شک و شبہ میں پڑ جائیں گے ان میں اختلاف نمودار ہو جائے گا۔ وہ سر کی ہڈیوں کی مانند اشتباک شدہ ظاہر ہوں گے یہ ارشاد ہے ہرج و مرج سے۔ کیونکہ وہ آپس میں الجھ کر فساد برپا کر دیں گے۔ اس کے بعد آنحضرت اپنے ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسری میں پیوستہ کر کے اشتباک کیا اور دکھایا۔ اور ارشاد فرمایا کہ فتنہ اٹھانے والا اس وقت یہی سمجھتا ہو گا کہ وہ نیک کام کر رہا ہے مراد اس سے یہ ہے کہ برے کام اس وقت مشتبہ ہو جائیں گے وہ سمجھیں گے کہ وہ نیکیاں ہیں۔ یہ وہ وقت ہے جب مسلمان کا خون دوسرے مسلمان کے لئے میٹھے مشروب سے بھی زیادہ مزیدار ہو گا۔ اس سے یہ مطلب ہے کہ قتل و غارت عام ہو گا۔

مواہب لدینہ کے مؤلف کہتے ہیں کہ حضرت زرارہ رضی اللہ عنہ کے خوابوں کی جو تعبیرات مشکوۃ نبوت سے عطا ہوئیں ان میں تفکر کرنا چاہیے کہ کیسے شیرنی حق سے مملو شدہ اور سچائی کے کپڑے میں ملفوف اور روحی کے انوار سے آراستہ و

پیراستہ ہیں۔ اس سے بالکل عیاں ہے کہ نبی کریم کی دی ہوئی تعبیرات صرف مناسبت اور اندازہ و ظن سے نہیں ہیں اور (بالفرض) اگر ایسی بھی ہوں پھر بھی خلاف واقع ہونے کا ہرگز احتمال نہیں رکھتیں۔

آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کنگنوں کی تعبیر یہ فرمائی کہ عرب کا ملک پھر اپنی زینت اور آرائش کی طرف لوٹ کر آئے گا۔ اس سے قبل یہ مذکور ہو چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنے ہاتھوں میں کنگن دیکھے تھے۔ اس وقت آپ نے انہیں مکروہ اور ناگوار محسوس کیا اس کا یہ جواب ہے کہ کسریٰ کی طرف سے نعمان بن المنذر عرب کا ماتحت بادشاہ تھا۔ اور شاہان کسریٰ کا معمول تھا کہ وہ ملک کے تحت حکمرانوں کو کنگن پہناتے تھے اور زیورات آراستہ کرتے تھے۔ اور یہ کنگن نعمان نے پہنے ہوئے تھے جس کے لئے مکروہ و منکر نہ تھے اور عرضی طور پر غیر محل نہ تھا لیکن آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنے ہر امتی پر سونے کے ملبوسات کی ممانعت فرمائی ہے اس مقام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مضطرب ہو گئے تھے کیونکہ کنگن آپ کے لباس کا حصہ نہ تھے اسی وجہ سے آپ نے ان کے غیر محل پر ہونے سے استدلال فرمایا۔ پھر بھی آخر کار ان کے غائب ہو جانے یا اڑ جانے کو پسندیدہ گردانا۔

حضرت قیس بن عباد رضی اللہ عنہ سے صحیحین میں روایت ہے کہ مدینہ شریف میں مسجد نبوی کے اندر ایک حلقہ میں بیٹھا تھا اس حلقہ میں سعد بن ابی وقاص اور عبداللہ بن عمر بھی تھے۔ رضی اللہ عنہم۔ حضرت عبد اللہ بن سلام گزرے دیگر ایک روایت میں اس طرح ہے کہ ایک آدمی داخل ہوا اس کے چہرہ پر خشوع کے نشانات تھے۔ لوگوں کی بیٹھی ہوئی جماعت نے کہا کہ وہ شخص جنتیوں میں سے ہے۔ بعد ازاں عبداللہ بن سلام نے دو رکعت نماز پڑھی اور عجلت سے باہر نکل گئے۔ میں نے ان کے تعاقب میں جا کر کہا کہ آپ کے مسجد میں داخل ہوتے وقت اس جماعت نے کہا تھا کہ آپ اہل جنت سے ہیں۔ عبداللہ بن سلام کہنے لگے کہ کسی شخص کے لئے زیبا نہیں کہ وہ ایسی بات کہے جس کا اس کو علم نہ ہو ایک اور روایت میں ہے کہ انہوں نے کہا کسی کو بھی ایسی بات نہ کہنی چاہیے جس کا وہ علم نہ رکھتا ہو۔ انہوں نے یہ بات تواضع کی بنا پر عجب و غرور کے ڈر سے کہی تھی۔ نیز ڈرتے ہوئے کہ ان کی طرف انگلیوں سے اشارے نہ کرنے لگیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ میرے علم میں نہیں ہے کہ انہوں نے اس بات کو کہاں سے جانا۔

اسی مفہوم و معانی میں ایک چیز یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے زمانہ میں میں نے خواب دیکھا تھا کہ سبز مرغزار جو کشادہ و وسیع ہے اس میں لوہے کا ایک ستون ہے اس کا نچلہ حصہ زمین کے اندر ہے اور اوپر والا حصہ آسمان میں ہے اس کے اوپر ایک عروہ ہے۔ عروہ وہ مضبوط رسی ہوتی ہے جس سے بڑے ڈول کے ساتھ پانی کھینچتے ہیں۔ یہ اشارہ ہے کسی چیز کے مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہونے پر مجھے کہا گیا کہ اس پر چڑھ آؤ۔ میں نے کہا کہ میں اس قدر قوت نہیں رکھتا کہ اوپر چڑھوں اس کے بعد ایک خادم میرے لئے نمودار ہوا۔ اس نے پچھلی جانب سے میرے کپڑے پکڑے اور میں اس ستون کے اوپر کے حصہ پر پہنچ گیا اور عروہ کو گرفت میں لے لیا۔ پھر مجھے یہ کہا گیا عروہ کو مضبوطی سے پکڑے رہو۔ تب میں جاگ اٹھا۔ حالانکہ اس وقت عروہ میرے ہاتھ میں تھا۔ اپنا خواب میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں پیش

کیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ وہ اسلام کا مرغزار ہے اور ستون اسلامی ارکان ہیں اور عروہ جو ہے وہ عروہ وثقیٰ ہے اور تمہارا وصال اس حالت میں ہو گا کہ تم عروہ کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہو گے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول مبارک رب تعالیٰ کے اس ارشاد پاک سے تلمیح ہے فمن یکفر بالطاغوت ویؤمن باللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقی جس نے شیطان سے انکار کیا اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا اسی نے ہی عروۃ الوثقیٰ کو مضبوطی سے تھام لیا۔

دوسری روایت میں ذکر کیا گیا ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا ایک آدمی میرے پاس آیا اور کہنے لگا اٹھ اور میرے ہاتھ کو پکڑ لو اس کے بعد میں اس کے ہمراہ چل پڑا۔ ایک راہ شمال کی طرف کو آئی میں چاہتا تھا کہ اس راہ پر چل پڑوں اس نے مجھے کہا ادھر مت چلو۔ یہ اصحاب شمال کا راستہ ہے اور تم ان سے نہیں ہو۔ اس سے آگے جا کر دائیں جانب کو ایک راستہ آیا۔ تو وہ کہنے لگا کہ یہ راہ پکڑ لو۔ اس کے بعد ایک پہاڑ کی میرے ساتھ ملاقات ہوئی۔ اس شخص نے کہا کہ اس پہاڑ پر چڑھ جاؤ۔ میں نے چڑھنا چاہا۔ لیکن ارادہ کرتے ہی گر جاتا تھا پس میں اس پر نہ چڑھ سکا جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں یہ خواب پیش کیا گیا تو آپ نے فرمایا یہ عرصات محشر ہیں۔ وہ پہاڑ منزل شہادت ہے۔ تمہیں شہادت کی منزل حاصل نہ ہو گی۔

علماء کا قول ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی علامات اور اخبار عن الغیب سے ہے کیونکہ عبداللہ بن سلام نے شہادت سے انتقال نہ کیا تھا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور امارت کے آغاز میں مدینہ شریف میں اپنے بستر پر رحلت فرمائی۔

صاحب مواہب کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بتائی ہوئی تعبیرات سے نمونے کے طور پر یہ ایک جزو ہے۔ ورنہ وہ لطیف تعبیرات اور عجیب و غریب تاویلات نقل میں آئی ہیں کہ کئی جلدوں میں نہ سما سکیں اور غور و عمق سے تمہیں پتہ چل جائے گا آنحضرت کے کسی بھی امتی کو عطا شدہ ہر کرامت خواہ علمی ہو یا عملی وہ تمام تر آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات کے اثرات سے ہیں اور ان کی تصدیق کی برکات سے ہیں یہ آپ کے طریق ہدایت سے ہدایت یافتہ ہونے کا ثمر ہے۔ اور صدق و صواب اور عجب عجائب اور بحر حباب جیسی کرامات سے یہ زمین بھری پڑی ہے اگر آپ صرف امام محمد بن سیرین کے واقعات جمع کریں۔ جو کچھ ان کو عطا ہوا ہے اور جو لطیف قسم کی تعبیرات انہوں نے فرمائی ہیں۔ جو کہ بہت مشہور و معروف ہیں۔ لوگوں کے کان ان سے بھرے پڑے ہیں ان کو اپنے روبرو کرو۔ (اور دیکھو) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علوم و معارف عطا ہوئے ہیں جو عبارتوں میں محیط نہیں ہو سکتے اور نہ ہی اشارات کی کنہ اور حقیقت تک رسائی ہو سکتی ہے۔ ان پر ان کے ذریعہ سے حکم کر سکتے ہو۔ جبکہ ابن سیرین تو ایک امتی ہے جو کچھ بھی تعبیر کے فن میں ان سے نقل ہوا ہے۔ وہ حد و شمار میں نہیں آ سکتا۔ (اب دیکھو) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کس بلند وارفع مقام پر ہوں کسی کو کیا اندازہ ہو سکتا ہے۔

استفسار رؤیا کا سبب ترک:۔ وصل:۔ جناب سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے بخاری شریف اور ترمذی

شریف میں مروی ہے ان کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ سے اکثر پوچھا کرتے تھے کہ تم میں سے کسی نے خواب دیکھا ہے۔ جس صحابی نے خواب دیکھا ہوتا تھا وہ عرض کر دیتا تھا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تعبیر بیان فرما دیتے تھے بعد ازاں آنحضرت نے خواب دریافت فرمانا چھوڑ دیا۔ کوئی صحابی اپنے طور پر اگر خواب کی تعبیر پوچھتا تھا تو آپ بتا دیا کرتے تھے۔ خواب صحابہ سے دریافت فرمانے میں جو حکمت ہے وہ پہلے ہم بتا چکے ہیں۔ معمول استفسار کے ترک کرنے کی حکمت پر ارباب نقل کو اختلاف ہے۔ بعض کا استدلال حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث پر ہے جو ترمذی اور ابوداؤد میں مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک روز پوچھا کیا تم میں سے کسی نے خواب دیکھا ہے۔ ایک آدمی عرض کرنے لگا۔ حضور دیکھا ہے۔ کہ ایک ترازو آسمان کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ اس میں آپ حضور کو اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس میں وزن کیا گیا آپ وزن میں راجح رہے۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہ کو تولا گیا تو راجح ابوبکر تھے۔ ازاں بعد عمر رضی اللہ و عثمان رضی اللہ عنہما کا وزن ہوا تو حضرت عمر راجح تھے۔ بعد ازاں اس ترازو کو اوپر اٹھالیا گیا۔ تو خواب (سن کر) آنحضور غمناک ہو گئے اس کے آثار آنحضور کے رخ انور پر ہم نے مشاہدہ کئے۔ انتہی۔ (اس واقعہ) کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی کسی صحابی سے خواب کے متعلق نہ پوچھا۔ اس خواب کو سن کر آنحضرت نے جو ناگواری کا اظہار فرمایا اس کے متعلق اہل نقل کا یہ قول ہے کہ ستر عواقب اور مراتب کو اخفاء میں رکھنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ایثار اور اختیار تھا اس خواب میں بعض کی فضیلت بعض پر ہونے کا اظہار اور منازل اور مراتب کا ظہور ہوتا تھا۔ آپ کو خدشہ محسوس ہوا کہ بار بار اور متواتر اس کا ظہور نہ ہونے لگے۔ جبکہ اس امر کا ظہور عام ممنوع ہے۔ اور رب تعالیٰ کی طرف سے مخلوق کے احوال کے اخفاء میں بڑی حکمت اور مشیت نافذ ہے (کذا فی المواہب)۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جو کچھ تم نے مراتب کا فرق دیکھا ہے وہ اگرچہ درست ہے پھر بھی اس کا عام انکشاف مناسب نہیں ہے۔ کشف و اظہار اشاعت عام کا موجب ہے۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کو فضیلت اور ترجیح دیتے تھے۔ ظاہراً" اس خواب سے ان حضرات کی خلافت میں دخل اندازی اور ان کی ترجیح و تنقیص تھی یہی وجہ ہے کہ مشکوٰۃ شریف میں آخر حدیث میں ہے۔ کہ آپ نے ارشاد فرمایا۔ خلافة نبوة ثم یؤتی احد الملک من یشاء نبوت کی خلافت ہے اور پھر کوئی بادشاہ ہو گا۔ جس کو اللہ تعالیٰ چاہے گا شرح السنتہ میں تحریر ہے کہ آنحضرت نے ترازو اوپر اٹھ جانے سے یہ مراد لی کہ خلافت اس طرف چلی گئی جہاں ملک کی خواہش مشاب نہیں جس کی حد خلاف و نزاع ہے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر منتفی ہوتی ہے اور عثمان رضی اللہ عنہ کا سب سے زیادہ مرجوح ہونا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ خلافت عثمانیہ میں نزاع واقع ہو گی۔ حتیٰ کہ یہی نزاع حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں پہنچ جاتا ہے۔ باوجود اس کے خلافت ان کے دور تک ہے۔ لیکن حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد ملک عضوض ہے خلافت ان کے بعد نہیں رہی۔ کذا قال فی مجمع البحار واللہ اعلم

بعض لوگ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناگواری کا سبب یہ بیان کرتے ہیں کہ میزان کے اٹھ جانے میں دلیل

ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور کے بعد دین کے امر کا رتبہ کم ہو جائے گا۔ کیونکہ اشیاء متقاربہ میں ہی رعایت وزن ہوتی ہے لیکن جس وقت درمیان میں بعد آ جائے۔ پھر تول میں موازنہ نہیں ہو تا حدیث کی شرح میں بھی اسی طرح کہا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔ ابن قتیبہ نے نقل کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا استفسار رؤیا کا ترک بوجہ حدیث ابن رمل ہے۔ ابن رمل نے بیان کیا ہے کہ یہ حضور علیہ السلام کا معمول تھا کہ آپ نماز فجر کے بعد حالت دوزانو میں ہی رہتے اور ستر بار سبحان اللہ وبحمدہ و استغفر اللہ ان اللہ کان توابا پڑھا کرتے تھے۔ اور آپ فرماتے تھے کہ اس کا ستر مرتبہ پڑھنا اس خوشخبری کے برابر ہے جس کو سات سو دفعہ پڑھنے کا کہا گیا ہے یہ کوئی نہیں جانتا کہ ایک آدمی سے ایک دن میں سات سو سے زائد گناہوں کا ارتکاب ہوتا ہے پھر اس کے بعد آپ لوگوں کی جانب اپنا منہ پھیر لیتے تھے اور پوچھتے تھے کیا تم میں سے کسی صاحب نے کوئی خواب دیکھا ہے حضرت ابن رمل نے بیان کیا ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے ایک روز خواب دیکھا تھا۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ خیر تلقاہ وشر توفاہ وخیر لنا وشر لعوائنا والحمد للہ رب العالمین اب اپنا خواب بیان کرو میں نے عرض کیا کہ تمام لوگ نرم اور کھلے چوڑے شاہرہ پر چلتے جاتے ہیں اور چلتے چلتے ایک بڑی چراگاہ تھی کہ تر و تازگی اس سے ٹپک ٹپک پڑتی تھی۔ جس طرح کہ پانی ٹپکا کرتا ہے اس میں مختلف قسم کے پودے اور پھول ہیں۔ میں دیکھ کر خوش ہوتا ہوں اور مجھ سے پہلے یہاں آنے والے لوگ بھی دیکھ کر خوش ہو رہے ہیں سب لوگ خوشی کی وجہ سے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرتے ہیں۔ اور چراگاہ کی خوبصورتی پر متحیر و متعجب ہیں پھر پہلے آنے والے لوگوں نے اپنی منزل کی راہ لی۔ اور وہ دائیں بائیں (جانے والے) راستوں میں گم نہ ہو گئے۔ وہ سیدھی راہ پر چلتے گئے۔ بعد ازاں دوسرا قافلہ آ گیا۔ ان کی تعداد پہلے قافلہ کی تعداد سے زیادہ تھی۔ وہ بھی چراگاہ کی خوبصورتی سے متحیر و متعجب ہوئے۔ انہوں نے بھی تکبیر بلند کی اور اپنی منزل کی طرف روانہ ہوئے لیکن ان میں سے بعض لوگوں نے وہاں اپنے گھوڑوں کو چرایا اور جب وہاں سے چلے تو چارہ کے گٹھڑے اپنے ساتھ باندھ لئے۔ اور چراگاہ کو ویران اور خستہ حال کر گئے۔ اس کے بعد ایک قافلہ اس سے بھی بڑا آ گیا۔ اس میں پہلے کی نسبت زیادہ لوگ تھے۔ انہوں نے چراگاہ کا حسن اور خوبصورتی دیکھی تو حیران ہونے لگے اور تکبیر بلند کی اور کہا یہ تو بہترین منزل ہے مراد یہ کہ یہاں پر قیام کرنا اور اس کو اپنی منزل (ٹھکانہ) بنا لینا ہی بہتر ہے۔ لہٰذا وہ مائل ہو گئے۔ اور ہر جانب چراگاہ میں گھومنے لگے۔ میں نے یہ دیکھا تو اپنی راہ پر چل دیا۔ وہاں پر میں نہ ٹھہرا۔ حتیٰ کہ میں چراگاہ کی انتہی پر آ گیا تو اچانک آپ کو دیکھا اس طرح کہ ایک منبر ہے جس کی سات عدد سیڑھیاں ہیں۔ آپ بلند ترین سیڑھی پر تشریف رکھتے ہیں۔ آپ کی دائیں طرف ایک گندمی رنگ کا آدمی ہے جس کی ناک اونچی ہے۔ وہ بات کرتا ہے تو اونچا ہو جاتا ہے اور قریب ہوتا ہے کہ وہ درازی کے لحاظ سے لوگوں سے بلند تر ہو جائے آپ کی بائیں جانب ایک ایسا شخص ہے جو فربہ اور میانہ جسم رکھتا ہے اور چہرے پر سرخ رنگ کے خال ہیں۔ جب وہ بات کرے تو آپ جناب اس کی بات کو بڑی عزت و احترام سے سنتے ہیں۔ آپ اس کا احترام فرماتے ہیں۔ جناب والا کے منبر شریف کے اگلی جانب ایک ضعیف بزرگ ہے۔ جیسے کہ آپ اس کی اقتداء

اور پیروی میں ہیں۔ اس بوڑھے بزرگ کے آگے ایک بڑی عمر کی کمزور سی اونٹنی ہے۔ جیسے کہ آپ اس کو ہانکتے چلاتے ہیں۔ یہ خواب بیان کنندہ ابن رمل ہیں۔ آنحضور نے خواب سناتو کچھ دیر تک آنحضرت کا رنگ مبارک قدرے متغیر رہا۔ پھر آپ اس حالت سے باہر ہو گئے یعنی اس وقت آپ پر وحی نازل ہوئی لہٰذا آپ کا رنگ بدل گیا تھا۔ آپ جس وقت کشادہ رو ہو گئے تو آپ نے خواب کی تعبیر بیان کرنا شروع کیا۔ آپ فرمانے لگے۔ نرم اور کشادہ شاہراہ تم نے دیکھی وہ دنیا ہے۔ چراگاہ کی خوبصورتی اور تروتازگی دنیا کی عیش و عشرت ہے جو ہمیں دنیا کے ساتھ بخشی گئی ہے حالانکہ ہم بھی اس کو چاہنے والے نہیں اور وہ بھی ہمیں نہیں چاہتی لیکن دوسرا اور تیسرا قافلہ۔ یہ کہہ کر آپ نے پڑھا انا للّٰہ وانا الیہ راجعون یہ وہ کلمہ ہے جو مصیبت کے وقت پڑھا جاتا ہے مطلب یہ ہے کہ قافلے دنیا کی شہوات میں مبتلا ہو گئے۔ انہوں نے دنیا کی زندگی کی متاع سے فائدہ حاصل کیا اور لذت حاصل کی پس وہ افراط و تفریط میں پڑ گئے۔ جیسے کہ بادشاہ اور امیروں کا حال ہوتا ہے لیکن اے ابن رمل! تم صراط مستقیم پر ہو اور خیر وفلاح پر قائم ہو۔ اور رہو گے حتیٰ کہ تم مجھے ملو گے جس طرح تو نے بیان کیا ہے کہ یا رسول اللہ! میں آپ کے ساتھ ہوں۔ وہ جو منبر سات سیڑھیوں والا تم نے دیکھا وہ دنیا ہے۔ دنیا کی عمر سات ہزار سال ہے اور میں آخری ہزار سال پر ہوں۔ اسی کی سیڑھی بلند ترین ہے۔ جو شخص تم نے گندمی رنگ کا اور دراز تم نے دیکھا۔ وہ موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ میں اس سبب سے انکا احترام بجالاتا ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے بلاواسطہ کلام کی فضیلت سے مشرف ہیں۔ اور درمیانے قد والا فربہ جسم آدمی جس کے چہرے پر سرخ خال ہیں۔ وہ عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ جو زیادہ عمر والی کمزور اونٹنی تم نے دیکھی کہ میں اس کو ہانک رہا ہوں وہ قیامت ہے وہ مجھ پر اور میری امت پر قائم ہوگی۔ میرے بعد کوئی نبی یا امت نہیں ہے ابن رمل کا قول ہے کہ اس خواب کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی کسی صحابی سے خواب دریافت نہ فرمایا۔ سوائے اس آدمی کے جو خود بخود اپنا خواب آنحضور کے روبرو پیش کرے۔ اس کی تعبیر آپ بتادیا کرتے تھے الدلائل میں یہ ابن قتیبہ' طبرانی اور بیہقی سے مروی ہے۔ سند اس حدیث کی ضعیف ہے۔ (واللہ اعلم)

xx

باب ہفتم

اسماء نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اسماء گرامی آپ کی اعظم کرامات اور جامع ترین فضائل و کرامات میں شامل ہیں وہ محامد اخلاق، محاسن افعال اور جامع جمال و جلال ہیں۔ واضح رہے کہ حبیب خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اسماء گرامی رب تعالیٰ نے قرآن پاک اور دیگر کتب سماوی میں اور انبیاء و رسل علیہ السلام کی زبانوں پر بڑی کثرت کے ساتھ فرمائے ہیں۔ ان اسماء کی زیادتی اپنے مسمی کی فضیلت اور عظمت پر دلیل ہیں کیونکہ یہ اسماء صفات اور افعال سے اخذ شدہ ہوتے ہیں اور ہر اسم سے متعلقہ کوئی صفت و فعل ہوتا ہے۔ آپ کے اسماء مبارکہ میں سب سے زیادہ مشہور اور سب سے زیادہ اسم شریف محمد ہے۔ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) اسم اللہ جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا ذاتی اسم مبارک ہے باقی سب صفاتی اسماء ہیں۔ اور صفات پر محمول ہوتے ہیں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا نام مبارک اللہ تعالیٰ نے آپ کے دادا عبدالمطلب کی زبان پر رکھا جن کو شیبۃ الحمد بھی کہا جاتا ہے۔ لوگوں نے عبدالمطلب سے پوچھا کہ تم نے اپنے بیٹے کا نام محمد کیوں رکھا؟ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جبکہ آپ کے آباؤ اجداد میں اور آپ کے خاندان میں کسی کا کبھی بھی یہ نام نہ تھا۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ مجھے امید ہے۔ کہ سب جہاں اس کی تعریف و ستائش کرے۔ یہ بھی نقل کیا کہ خواب میں عبدالمطلب نے دیکھ لیا تھا۔ جیسے کہ ان کی پشت سے چاندی کی بنی ہوئی ایک زنجیر نکلی ہے اس کا ایک سرا آسمان پر ہے دوسرا سرا مشرق و مغرب میں ہے پھر انہوں نے دیکھا کہ زنجیر ایک درخت بن گئی ہے۔ اس کے پتے پتے پر نور افشاں ہے۔ مشرق و مغرب کے سب لوگ اس کے ساتھ معلق ہیں۔ اس زمانہ میں تعبیر دینے والوں نے اس خواب کی یہ تعبیر بیان کی۔ کہ ان کی صلب سے ایسا مولود ہو گا جس کی پیروی مشرق و مغرب والے کریں گے۔ اور زمین و آسمان والے اس کی مدح و تعریف کریں گے اس وجہ سے انکا نام محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم رکھا۔ یا عبدالمطلب کی وہ گفتگو ہے جو انہوں نے آنحضرت کی والدہ آمنہ رضی اللہ عنہا سے کی تھی۔ آپ نے کہا اے آمنہ! مجھے خواب میں بتا دیا گیا ہے کہ تم حاملہ ہو گی اور وہ بچہ اس امت کا سردار ہو گا۔ جب وہ تمہارے بطن سے پیدا ہو تو اس کا نام محمد رکھنا (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم)

اور کہتے ہیں کہ آنحضرت سے قبل کسی کا نام محمد نہ ہونا بھی حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نبوت کی علامات سے ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس نام کی حفاظت اور صیانت کو اپنے ذمہ لیا ہوا تھا۔ اس لئے کسی کے ساتھ اس نام مبارک میں کوئی شراکت یا کوئی اشتباہ نہ ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ظہور کا وقت جب قریب آگیا آپ سے قرب زمانہ رکھنے والے اہل کتاب کو بشارتیں دی گئیں اور ان کو آپ کا اسم معظم بتا دیا گیا۔ کچھ لوگوں نے اسی وجہ سے اپنے بچوں کا یہ نام تجویز کیا کہ ممکن ہے یہی بچہ وہ ہو۔

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے بخاری و مسلم میں روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔
ان لی خمسة اسماء انا محمد و انا احمد و انا الماحی الذی یمحو اللہ بی الکفر و انا الحاشر و الذی یحشر و الناس علی قدمی و انا العاقب بے شک میرے پانچ نام ہیں۔ میں محمد ہوں میں احمد ہوں۔ میں ماحی ہوں۔ اللہ تعالیٰ میرے ذریعے سے کفر کو محو کردے گا۔ مراد یہ کہ بلاد عرب روئے زمین کے مرکز مکہ مکرمہ سے کفر کو محو کردے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے وعدہ کیا گیا کہ یہ آپ کی امت کے قبضہ و اختیار میں کردیا جائے گا۔ جس طرح حدیث میں وارد ہو چکا ہے۔ کچھ اس طرح کہتے ہیں کہ ظہور اور غلبہ کے معانی عام پایا جاتا ہے۔ جس طرح رب تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ لیظھرہ علی الدین کلہ اس لئے کہ آپ کو تمام ادیان پر غالب کیا جائے اور یہ ہے بھی حقیقت کہ جس قدر کفر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ذریعہ سے مٹایا گیا۔ اس سے قبل کبھی بھی دیگر انبیاء میں سے کسی نبی کے زمانہ میں نہ مٹایا گیا۔ جبکہ حال یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارک اس حال میں ہوئی تھی جبکہ سب اہل زمین کافر تھے۔ کوئی بت پرست تھے کوئی ستارہ پرست تھے۔ کوئی آگ کی پوجا کرتے تھے اور کچھ یہودی تھے اور بعض نصاریٰ تھے۔ اور ایسے دہریے بھی موجود تھے جو رب تعالیٰ کی ذات کے قائل ہی نہ تھے۔ اور وہ مبدا و معاد کو مانتے ہی نہ تھے۔ فلسفی لوگ انبیاء کے قائل نہ تھے۔ وہ ان باتوں کو نہ مانتے تھے اور نہ ان کے قائل تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ذریعہ ان سب کو مٹا دیا۔ حتیٰ کہ آپ کا دین دیگر سب ادیان باطلہ پر غالب کر دیا گیا۔ اور اس کو دنیا میں اس مقام تک پہنچا دیا جہاں طلوع و غروب ہوتا ہے۔ اور دنیا میں گردش لیل و نہار ہوتی ہے برصغیر ہند (ہندو پاک) اور ترکستان جہاں کبھی اسلام نہ پہنچا تھا۔ گو آنحضور کی حیات مبارک میں باوجود گنجائش اوقات ہونے کے طیاب رسول اکرم کی جائے ولادت مکہ مکرمہ اور مقام بعثت کے قریب ترین شہر تھے۔ ان کے اندر اظہار اسلام نہ ہوا۔ دین کی تکمیل کے سب قاعدے اور قانون اور شریعت اسلامیہ کے احکام اور اوامر کی تمہید و تاسیس نہ ہوئی تھی۔ پھر بھی آنحضور کے صحابہ نے اور آپ کے متبعین نے دین اسلام کو اکناف عالم تک پھیلا دیا اور ہنوز دین ترقی اور زیادتی میں جاری ہے۔ اگر اہل اصنام کے سینوں اور دلوں سے کفر ختم ہو جائے اور وہاں اطاعت و فرمانبرداری کی رمق پیدا ہو جائے تو ارشاد مبارک کی مراد جب بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ اور اس اسم (مذکورہ) کا اطلاق ہو جاتا ہے۔ یہ تقریر قاضی عیاض رحمتہ اللہ علیہ کی اس حدیث کی تفسیر میں منقول تقریر کے مطابق ہے کیونکہ ماحی وہ ہوتا ہے جس کے باعث برائیاں مٹ جائیں۔ اور اس کی پیروی کی جائے۔ اس اسم مبارک کا اطلاق آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر آپ کے اتمام و اکمال اور آپ کے غلبہ کے لحاظ سے ہے۔ (واللہ اعلم)

آنحضرت کا یہ بھی ارشاد ہے۔ وانا الحاشر الذی یحشر الناس علی قدمی میں حاشر ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں کو میرے قدم پر اٹھایا جائے گا۔ اور وہ گھیر کر لائے جائیں گے۔ ظاہراً یہی معانی اس عبارت کے ہیں کہ سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم محشور ہوں گے۔ باقی سب لوگ آپ کے بعد آپ کی نظروں کے سامنے محشور کئے جائیں گے۔ جس طرح حدیث میں آیا ہے کہ ھو اول من تنشق الارض وہ اولین آپ ہی ہیں جن کی خاطر زمین پھٹے گی یعنی لوگ

آپ کے بعد ساتھ ہی اٹھائے جائیں گے اور لوگ عرصات محشر میں حضور علیہ السلام کی طرف پناہ ڈھونڈیں گے۔ اس ضمن میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کے مفہوم و معانی یوں ہیں کہ لوگوں کو میری زبان (عربی) پر اور میرے عہد اور رسالت پر محشور کیا جائے گا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ آنحضور کے بعد کوئی نبی نہیں۔ حتیٰ کہ آپ ہی کے زمانہ اور عہد میں لوگوں کو قبروں سے اٹھایا جائے گا پس اس مضمون میں ختم نبوت پائی جاتی ہے۔ کذا قال القاضی مواہب میں اس طرح کہا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سب لوگوں سے پہلے ہوگی اس کے بعد آپ کے روبرو دوسرے لوگ آپ کے ارد گرد جمع ہوں گے بروز قیامت اس مفہوم میں یہ معانی ہیں کہ حشر اور بعثت ان دونوں میں مغائرت ہے۔ بعثت سے مراد ہے قبر سے اٹھایا جانا اور حشر کا مطلب ہے عرصات محشر میں سرگردانی کے بعد حضور کے گرد اجتماع خلائق۔

آپ نے فرمایا ہے۔ انا العاقب۔ میں عاقب ہوں۔ عاقب اس کو کہتے ہیں جو بعد میں آئے اس سے مراد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم آخری نبی ہیں۔ گو کچھ لوگوں نے بوجوہ حاشر سے بھی خاتم الانبیاء ہی مفہوم اخذ کیا ہے لیکن عاقب کے معانی یہی ہیں۔ اور خاتم بھی اسی معانی میں آتا ہے آنحضرت نے فرمایا ہے۔ لی خمسة اسماء میرے پانچ نام ہیں اس سے یہ مراد ہے کہ گزشتہ کتب اور گزشتہ امتوں کے علماء میں یہ اسماء موجود و مذکور ہیں۔ بعض کا قول ہے کہ لفظ خمسہ راوی حدیث کے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے کہے ہوئے لفظ نہیں لیکن صحیح یہ ہی ہے کہ یہ لفظ حدیث نبوی میں ہیں یہاں پر یہ بھی امکان ہے کہ اسماء سے خبر دینا اور وحی کا اس ضمن میں نزول بتدریج ہوا ہو۔ کچھ حدیثیں ہیں جن میں چھ نام مذکور ہیں پانچ نام یہی ہیں اور چھٹا ہے خاتم۔ نقاش کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔ کہ میرے اسماء قرآن میں سات ہیں۔ محمد' احمد' یٰسین' طٰہٰ' المدثر' اور المزمل۔ اور طٰہٰ کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ اس سے یا طاہر اور یا ہادی مراد ہے اور یٰسین کی تفسیر میں یا سید کہتے ہیں اسے اسلمی نے واسطی سے اور جعفر بن محمد سے روایت کیا ہے چند احادیث میں دس تک نام مبارک ہیں۔ ان میں سے پانچ وہی ہیں پہلی حدیث والے اور باقی اسماء کے بارے میں فرمایا۔ انا رسول الرحمة و رسول الراحة و رسول الملاحم ملاحم جمع ہے ملحمہ سے۔ اس کے معانی ہیں۔ حرب یا شدت حرب۔ اور وہ جہاد جو آنحضرت نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں فرمایا۔ جبکہ اس طرح کا جہاد کسی اور سے نہ ہوا۔ اور آنحضرت نے ارشاد فرمایا۔ وانا المقفی اس کے معانی ہیں عاقب کے۔ یعنی آخری نبی۔ بعض اس کے معانی فتح فا سے لیتے ہیں یعنی کفاوت سے اس کے معنی ہوتے ہیں کرم اور لطف۔ تقفی کے معنی کریم و لطیف کے کرتے ہیں۔ آپ کا یہی نام مقفی بھی آیا ہے اور آپ نے فرمایا انا القیثم میں جامع اور کامل (قیثم) ہوں۔ صاحب شفاء کا قول ہے کہ اس مقام پر یہ گمان ہوتا ہے کہ یہ نام قیثم ہے۔ کیونکہ حربی کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فرشتہ آیا اور عرض کیا انت قثم آپ جمع فرمانے والے ہیں۔ اور کہا کہ القثوم الرجل الجامع الجزو۔ قثوم اسے کہتے ہیں۔ جو جزو کو جمع کرنے والا ہو۔ اس نام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت بھی جانتے ہیں۔ لیکن قیثم کے بھی قریب قریب یہی معنی ہوتے ہیں پچھلے انبیاء علیہم السلام کی کتب میں یوں ذکر ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے عرض کیا۔ اے میرے خدا! ہم پر اس کو مبعوث فرمادے

جو محمد ہے اور مقیم سنت ہے لہٰذا قیم کے معانی قائم کرنے والا ہو سکتے ہیں۔ اور آپ کے اسماء نبی الملحمۃ نبی المرحمۃ والراحۃ و الرحمۃ بھی لائے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وما ارسلنک الا رحمۃ للعالمین ہم نے آپ کو تمام جہانوں کی رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ بالمؤمنین رءوف رحیم مومنوں کے حق میں رءوف و رحیم ہے یہ آنحضرت کی امت مرحومہ کی صفت میں ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا و تواصوا بالصبر و تواصوا بالمرحمۃ یرحم بعضھم بعضا آپ کی امت صبر کی تلقین کرتی ہے ایک دوسرے پر مہربان ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مسلمانوں کی توصیف اس طرح فرمائی ان اللہ یحب من عبادہ الرحماء بلاشبہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے رحم کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔ اور فرمایا الراحمون رحمھم الرحمٰن ولرحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء رحم کرنے والوں پر رحمٰن بھی رحم فرماتا ہے اور تم اہل زمین پر رحم کرو تم پر وہ رحم فرمائے گا جو آسمانوں میں ہے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کی خاص صفت رحمت ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک نام نبی التوبہ بھی وارد ہوا ہے۔ وجہ یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر کثیر لوگوں نے توبہ کی۔ اور اللہ تبارک نے آنحضرت کی برکت سے آپ کی امت کی توبہ اور آدم علیہ السلام کی توبہ قبول فرمائی کہتے ہیں کہ ان کلمات سے جو اللہ نے آدم صفی اللہ علیہ السلام کو تلقین فرمائے یہ مراد ہے کہ الٰہی بحرمت محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم)۔

نیز اس میں ہرگز کوئی شک نہیں ہے کہ قرآن میں آپ کے یہ اسماء و القاب آئے ہیں۔ نور۔ سراج منیر۔ العزیز۔ الحریص۔ الرؤف۔ الرحیم۔ قدم صدق۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وبشر الذین امنوا ان لھم قدم صدق عند ربھم و رحمۃ للعالمین العروۃ الوثقیٰ' الصراط المستقیم' طٰہٰ' یٰسٓ' النجم الثاقب' الکریم' النبی الامی الحق اور البرھان۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے کثیر اوصاف اور آپ کے جلیلہ خصائص پچھلی کتابوں میں مذکور ہوئے ہیں اور احادیث میں بھی۔ آپ کے یہ اوصاف اور اسماء احادیث میں مذکور ہوئے ہیں۔ مصطفیٰ' مجتبیٰ' ابوالقاسم' شفیع' متقی' مصلح' طاہر' مہیمن' صادق' مصدوق ہادی' سید ولد آدم' سید المرسلین' امام المتقین' رسول رب العالمین' قائد الغرا المحجلین' حبیب اللہ خلیل الرحمٰن' صاحب الحوض المورود' صاحب الشفاعت' صاحب المقام المحمود' صاحب الوسیلہ و الفضیلہ' الدرجۃ الرفیعۃ' صاحب التاج و المعراج صاحب اللواء صاحب القضب' الراکب البراق' الناقۃ' النجیب' صاحب الحجۃ السلطان' الخاتم' العلامہ' صاحب الہراوہ' صاحب النعلین' وغیرہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم)۔

سابقہ کتابوں میں یہ آئے ہیں۔ **المتوکل المختار مقیم السنتہ القدس روح القدس** اور انہی معانی میں انجیل میں فار قلیط آیا ہے اور کہا گیا ہے کہ فار قلیط وہ ہوتا ہے جو حق اور باطل میں فرق کر دے پچھلی کتابوں میں اسماء گرامی آیا ہے ماذ ماذ۔ اس کے معانی طیب ہوتے ہیں۔ اور حمطایا۔ اس کے معانی ہیں حامی الحرام اور سریانی زبان میں آپ کا اسم گرامی مشفح اور المنحمنا ہے۔ تورات میں آپ کا نام مبارک احید ہے۔ اس کے معانی ہیں صاحب القضیب اور صاحب السیف'

اور انجیل کی تفسیر کے اندر ریا جوبی آیا ہے۔ اس لئے کہ آنحضرت کے ہاتھ مبارک میں یا تلوار رہتی تھی یا عصاء اس کو عباسی خاندان کے خلفاء بھی اپنے ہاتھ رکھتے رہے تھے۔ اور آیا ہے ہراوت یعنی عصاء۔ صاحب شفاء نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ لیکن میرا گمان ہے یہ وہ عصاء ہے جو حدیث حوض میں آیا ہے کہ فرمایا یمن والوں کے لئے لوگوں کو اپنے عصاء سے روکوں گا تاکہ آگے نہ بڑھنے پائیں۔ تاج سے مراد آنحضرت کا عمامہ شریف ہے۔ کیونکہ یہ آپ سے پہلے اہل عرب کے سوا کوئی نہ رکھتا تھا۔ حدیث شریف میں ہے العمائم تیجان العرب عمامے عربوں کے تاج ہیں۔ یہ اسماء شفا شریف میں ذکر کئے گئے ہیں۔ قاضی عیاض کا قول ہے کہ گزشتہ کتابوں میں القاب و خصائص کثرت سے ہیں۔ لیکن جس قدر یہاں منافع بخش تھے وہ ہم نے ذکر کر دیئے ہیں آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی کنیت ابوالقاسم مشہور و معروف ہے انس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی الله علیہ و آلہ وسلم کے ہاں آپ کے فرزند ابراہیم تولد ہوئے۔ حضرت جبرئیل حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا اے ابوالقاسم! السلام علیکم انتہی۔ کچھ حضرات آپ کی کنیت ابوالارامل اور ابوالمؤمنین بھی کہتے ہیں اور ابوالیتامیٰ بھی کہہ دیا جائے تو اس کی گنجائش ہے۔ جس طرح شعر ابوطالب میں ہے للیتامی عصمة الارامل اور صاحب مواہب لدینہ نے کہا ہے کہ قرآن پاک میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اسماء اور صفات کثرت سے مذکور ہوئے ہیں ان کو بعض لوگوں نے گنا ہے' اور بعض مخصوص عدد تک پہنچتے ہیں پس وہ اسماء اور صفات الٰہی کے برابر ہی حضور کے اسماء و صفات ننانوے تک کہتے ہیں کتاب "مستوفی" میں یہ تصریح کی گئی ہے کہ گزشتہ کتابوں میں اور قرآن و حدیث میں اگر تلاش و جستجو کریں تو اسماء تین صد تک پہنچ جاتے ہیں۔ قاضی ابوبکر بن العربی کی کتاب احکام القرآن میں بذات خود میں نے ملاحظہ کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ صوفیاء کا قول ہے کہ رب تعالیٰ کے ایک ہزار اسماء ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی ایک ہزار نام ہیں۔ آنحضور کی صفات علیحدہ علیحدہ ہیں اور وصف پر ایک نام بنتا ہے۔ آپ کے کچھ اوصاف کا اختصاص آپ کی ذات سے ہے اور وہ آپ پر غالب ہیں اور بعض اوصاف آنحضور کے مشترک ہیں۔ جس وقت آپ کی ہر صفت پر آپ کو ایک نام دیا جائے تو اوصاف اس عدد تک پہنچ جائیں گے بلکہ اس سے بھی زیادہ ہو جائیں گے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عظیم تر و مشہور اسم گرامی:۔ وصل:۔ صاحب مواہب لدینہ آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اسماء گرامی چار صد سے زیادہ شمار کراتے ہیں۔ حروف تہجی کے مطابق انہوں نے بیان کئے ہیں۔ جیسا کہ آئندہ ذکر آئے گا۔ اور آنجناب کے مشہور تر اور عظیم تر اسم گرامی احمد و محمد ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ بمنزلہ ذاتی اسم کے ہیں۔ دوسرے نام آپ کے صفاتی اسماء ہیں۔ اور یہ دونوں نام بھی دراصل ایک اسم ہیں جو حمد سے مشتق ہیں اور مبالغہ کے معانی میں ہیں پہلا اسم گرامی کیفیت کے لحاظ سے ہے اور دوسرا نام کمیت کے اعتبار سے۔ آپ اللہ تعالیٰ کی حمد افضل محامد کے ساتھ بجالاتے ہیں اور اس جہان دنیا کے اندر اور آخرت میں کثرت محامد سے آنحضرت کی حمد و ستائش ہوئی اور آنحضرت احمد الحامدین ہیں یعنی حمد کرنے والوں میں سب سے زیادہ حمد کرنے والے۔ اور آپ احمد المحمودین ہیں۔ یعنی سب تعریف کئے ہوؤں میں جس کی سب سے زیادہ تعریف کی گئی ہے۔ اور قیامت کے دن آپ کے ساتھ ہی لواء الحمد ہوگا۔ اس لئے کہ آپ

کی ذات پر کمال حمد تمام و مکمل ہو جائے اور آپ کو حامدیت اور محمودیت کی صفت کے ساتھ عرصات محشر میں مشہور کیا جائے گا۔ رب تعالیٰ آنحضرت کو مقام محمود پر سرفراز فرمائے گا۔ جس طرح کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے کلام میں وعدہ ہے۔ عسیٰ ان یبعثک ربک مقاما محمودا

جب باب شفاعت وا ہو گا سب اگلے پچھلے لوگ آنحضور کی حمد کریں گے۔ اس اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو ایسی حمد کی تعلیم دی جائے گی۔ جو کسی اور نہ دی گئی ہو گی اور اللہ تعالیٰ نے آنحضور کی امت کا نام حمادون رکھا یعنی بڑی زیادہ حمد کرنے والے۔ پس یہ موزوں ہے کہ آنحضرت کا نام مبارک احمد اور محمد رکھا جائے۔ مذکورہ تقریر سے بالکل عیاں ہے کہ احمد کے معانی حامد تر ہے۔ اس میں تفصیل برائے فاعل' اور یہ معانی استعمال میں کثرت سے آئے ہیں۔ اور امکان یہ بھی ہے کہ معانی محمود تر ہوں۔ جو کہ مفعول کے لئے مشتق ہیں۔ لہٰذا اس مقام پر محمودیت کا بیان ہی مقصود ہو گا۔ خواہ وہ کمال کے اعتبار سے ہو اور خواہ کثرت کے لحاظ سے۔

بعض کا قول ہے کہ سابقہ امتوں میں مشہور نام احمد ہے اس لئے کہ موسیٰ علیہ اسلام اسی نام کا ذکر کیا کرتے تھے۔ سابقہ کتابوں میں بھی اسی کا ذکر ہے۔ اور قرآن پاک میں آپ کا نام پاک محمد (ﷺ) بیان ہوا ہے۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ دونوں اسماء قدیم ہیں اور حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام نے عظمت کثرہ کے لئے آپ کو احمد کے نام سے یاد کیا۔ کیونکہ اس میں تفصیل کا صیغہ ہے۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ حضور کی مدح اس طرح کرتے ہیں۔ اشعار۔

اعز علیہ للنبوۃ خاتم — من اللہ من نور یلوح و یشھد
وضم الالہ اسم النبی الی اسمہ — لذ قال فی الخمس المؤذ ن اشھد
و شق لہ من اسمہ لیجلہ — فذ والعرش محمود و ھذا محمد

امام بخاری نے اپنی تاریخ صغیر میں آخری شعر کو علی بن زید کی سند کے ساتھ ابوطالب سے منسوب کیا ہے۔ اور کچھ روایات میں ذکر آیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تخلیق سے ایک ہزار کا عرصہ قبل آنحضرت کو اس نام سے موسوم فرمایا تھا۔ اور ابن عساکر نے کعب الاحبار سے روایت کیا ہے کہ آدم علیہ السلام نے حضرت شیث علیہ السلام سے فرمایا۔ اے بیٹے! میرے بعد تم میرے خلیفہ اور جانشین ہو۔ تمہیں چاہیے کہ تقویٰ کے عماد اور عروہ وثقیٰ کو تھامے رہو۔ اور جس وقت بھی تم اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو تو اسم محمد ﷺ کا ذکر بھی ساتھ ہی کرو۔ کیونکہ ساق عرش پر تحریر شدہ یہ اسم گرامی میں نے خود دیکھا ہے۔ حالانکہ اس وقت میں ابھی روح اور مٹی (کی منزل) میں تھا۔ بعد ازاں میں نے سب آسمانوں کی سیر کی۔ تو کوئی جگہ وہاں مجھے نظر نہ آئی تھی جس پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک نہ تحریر شدہ ہو۔ بے شک میرے اللہ تعالیٰ نے میرا ٹھکانا جنت میں بنایا۔ اور مجھے جنت میں کوئی دریچہ یا محل ایسا نظر نہ آیا تھا جس پر اسم محمد (ﷺ) نہ لکھا گیا ہو اور حور العین کے ماتھوں پر طوبیٰ کے درخت کے پتوں پر اور سدرۃ المنتہیٰ کے ہر پتہ اور حجابات کی اطراف پر اور ملائکہ کی آنکھوں پر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام لکھا گیا دیکھا ہے۔ اس لئے اے فرزند! محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر کثرت سے کرنا۔

حدیث پاک میں آیا ہے کہ آدم علیہ السلام مصیبت کے وقت پر یہ پڑھتے تھے اللھم بحق محمد اغفرلی خطیئتی ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ تقبل توبتی اے خدا محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے واسطہ سے میری خطائیں معاف فرما۔ میری حفاظت فرما اور میری توبہ قبول فرما۔ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے فرمایا کہ تم نے محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو کس طرح پہچانا ہے۔ عرض کیا میں نے ہر مقام پر بہشت میں درج پایا ہے۔ **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** دیگر ایک روایت میں ہے کہ تحریر شدہ ہے وہ میرا بندہ ہے اور میرا رسول ہے۔ پس میں نے جان لیا کہ وہ تیرے نزدیک تمام مخلوق سے افضل و اکمل ترین ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور کچھ حضرات کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے فرمان فتلقی ادم من ربہ کلمات کی تفسیر و تاویل ہے۔

شفا شریف میں بڑی عجیب و غریب تحریر ہے کہ عالم سفلیات بھی اسم شریف کے ثبوت پر دلالت کرتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک قدیم پتھر پر لکھا ہوا ملا محمد تقی مصلح امین من ربک بلسان عربی مبین نیز نقل میں آیا ہے کہ ایک پتھر عبرانی زبان میں لکھا ہوا پایا گیا باسمک اللھم جاء الحق من ربک بلسان عربی مبین۔ لا الہ اللہ محمد رسول اللہ کتبہ موسیٰ ابن عمران۔ اسے ابن ظفر نے "الیسر" میں زہری سے ذکر کیا۔ نیز خراسان کے ایک شہر میں دیکھا گیا ہے کہ ایک نولود بچہ کے ایک پہلو پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا اور بلاد ہند میں پھول کی ایک پتی ہے جس کے اوپر سفید خط میں **لا الہ اللہ محمد رسول اللہ** تحریر شدہ ہے۔

عبداللہ بن صوحان سے علامہ ابن مرزوق نے نقل کیا ہے۔ انہوں نے بیان کیا کہ ہم بحر ہند میں سفر پر تھے۔ ہم پر تیز ہوائیں چلنے لگیں اور سمندر میں موجیں اٹھنے لگیں۔ پس ہم نے اپنی کشتی کو ایک جزیرہ پر لنگر انداز کر دیا۔ وہاں پر ہمیں گلاب کا ایک پھول نظر آیا جس کی خوشبو تیز تھی۔ اور خط سفید میں اس پر تحریر تھا۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ دیگر ایک سفید پھول پر بخط زرد لکھا ہوا تھا۔ براءۃ من الرحمٰن الرحیم الیٰ جنات النعیم لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور ابن العزیم کی تاریخ کے اندر علی بن عبداللہ ہاشمی شرقی سے نقل کیا گیا ہے۔ کہ ہند کے ایک گاؤں میں ایک بڑا سا پھول پایا گیا جس کی خوشبو تیز تھی۔ اور اس پر خط سفید میں تحریر شدہ تھا۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ابوبکر صدیق عمر الفاروق۔ پھر بیان کیا ہے کہ میرے دل میں یہ شک پیدا ہوا اور گمان کیا کہ یہ کسی ہنرمند کی ہنرمندی ہے۔ بعد ازاں دیگر ایک پھول کی طرف میں نے دیکھا۔ وہ نہ ابھی کھلا ہی تھا اور نہ پھیلا تھا۔ اس پر بھی اسی قسم کے خط میں مجھے نظر آیا کہ وہی کچھ لکھا ہوا ہے اس شہر میں اشیاء بڑی ارزاں تھیں۔ وہاں کے باشندے پتھروں کی پرستش کرتے تھے۔ اور وہ اللہ سے ہرگز واقف نہ تھے۔

ابو عبداللہ بن مالک کا بیان ہے کہ بلاد ہند میں میرا جانا ہوا۔ وہاں ایک شہر کی میں نے سیر کی۔ اس کو نیلاتبوں یا تیملابنا کہتے تھے۔ وہاں پر میرے دیکھنے میں ایک بڑا سا درخت آیا۔ اس کے پھل بادام کی طرح تھے۔ اور اس پر چھلکا تھا یعنی پھل کے اوپر پوست پھل کا توڑا۔ اس میں سے گری نکلی۔ اس کو چیرا۔ اندر سے ایک سبز رنگ کا پتہ برآمد ہوا۔ اس پر سرخ خط میں تحریر تھا۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہندوستان کے لوگ اس سے برکت حاصل کرتے ہیں۔ خشک سالی میں اس کے

ذریعہ سے بارش طلب کرتے ہیں۔ یہ بیان "منسک" میں ابو البقائن صافی کا ہے۔

اسی طرح کچھ علماء سے روضۃ الریاحین میں یافعی نے نقل کیا ہے کہ مجھے ابویعقوب صیاد نے بتایا کہ نہرابلا میں میں شکار میں مصروف تھا کہ میرے ہاتھ ایک ایسی مچھلی آئی۔ جس کی دائیں جانب پر لا الہ الا اللہ اور بائیں جانب محمد رسول اللہ رقم تھا میں نے یہ دیکھ کر برائے تعظیم و احترام اس کو پانی کے اندر دفن کر دیا۔

کچھ لوگ بردہ کی شرح میں ابن مرزوق سے نقل کرتے ہیں کہ ایک ایسی مچھلی لائی گئی جس کے کان پر لا الہ الا اللہ اور دوسرے کان پر محمد رسول اللہ تحریر شدہ تھا۔ اور ایک جماعت سے یوں بھی منقول ہے کہ انہیں ایک خربوزہ برنگ زرد ملا۔ اس پر سفید رنگ کی لکیریں تھیں ہر لکیر پر عربی میں اس کے ایک طرف اللہ اور دوسری طرف احمد واضح طور پر لکھا ہوا تھا اور اس میں کسی بھی دانشمند کو جو تحریر شناس ہو ہرگز شک نہ ہو سکتا تھا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ۸۰۹ھ میں ایک دانہ انگور کا پایا گیا۔ اس پر واضح سیاہ تحریر میں محمد لکھا تھا (صلی اللہ علیہ وسلم)

بطن مفہوم ایک کتاب ابن ظفر بن سیاف کی ہے اس میں منقول ہے کہ اس نے ایک بڑے بڑے پتوں والا درخت دیکھا۔ ان سے خوشبو آتی تھی۔ اس کے ہر ایک پتہ پر سرخی و سفیدی میں واضح طور پر اللہ تعالیٰ کی قدرت سے پیدائش وقت سے ہی تین سطور تحریر تھیں۔ پہلی سطر یہ تھی۔ لا الہ الا اللہ دوسری سطر محمد رسول اللہ تھی اور تیسری میں تحریر تھا ان الدین عنداللہ الاسلام۔

اسمائے ربانی سے حضور کی موسومیت:۔ وصل:۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسماء حسنیٰ اور اعلیٰ صفات سے موسوم و موصوف فرمایا ہے۔ قاضی رحمتہ اللہ کا قول ہے کہ حق تعالیٰ نے کافی انبیاء کو اپنے اسماء حسنیٰ میں سے بہت سے ناموں سے موسوم فرمایا ہے مثلاً حضرت اسحاق اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کو علیم اور حلیم فرمایا۔ ابراہیم علیہ السلام کو حلیم کہا گیا۔ نوح علیہ السلام کو شکور کہا گیا۔ اسی طرح عیسیٰ موسیٰ اور یحییٰ علیہم السلام کو کریم و قوی کہا گیا۔ یوسف علیہ السلام کو حفیظ و علیم کہہ کر یاد فرمایا اور ایوب علیہ السلام کو صابر یعنی صبور کے معنی میں کہا گیا۔ اسماعیل کو صادق الوعد فرمایا گیا۔ قرآن کریم میں ان کا ذکر ہے قرآنی شہادت موجود ہے۔ اور نبی کریم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سے اسماء ربانی سے مشرف فرمایا گیا۔ ہم تبطیم الٰہی قریباً تیس نام ذکر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے امید رکھتے ہیں کہ ہمیں اس سے بھی زائد پر شرح صدر عطا فرمائے۔ انتہیٰ۔

یہ بات واضح رہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے تمام اسماء صفات کے جامع اور اللہ تعالیٰ کے تمام اخلاق سے متخلق اور متصف ہیں۔ بعض عارفوں نے اسے تفصیلاً بیان فرمایا ہے۔ قاضی عیاض رحمتہ اللہ علیہ نے جو تعداد بیان کی ہے۔ ان کا مقصد ہے وہ اسماء و صفات جو قرآن پاک میں مذکور ہیں اور احادیث میں جس طرح کہ ان کے سیاق کلام سے عیاں ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ایک ہے "حمید"۔ اس کے معنی محمود ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حمد بذات خود

بیان فرمائی۔ قرآن کریم میں کثرت سے آیات آئی ہیں اور علی الاطلاق جانوں اور سب جہانوں میں اس کے کمال پر دلائل موجود ہیں۔ ساری کی ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتی ہے اور یہ امکان ہے کہ حمید کے معانی حامد کے ہوں کیونکہ رب تعالیٰ اپنی ذات اور اعمال طاعات کا خود عامد ہے۔ پس اللہ تعالیٰ حامد بھی اور محمود بھی ہے رب تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو محمد کے نام سے موسوم فرمایا۔ اس کے معنی بھی احمد اور محمود ہیں۔ اسی کے ہم معانی ہیں حامد اور محمود۔ اس میں ہرگز شک نہیں ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے کتاب زبور میں وارد ہوا ہے۔ وقد سبق بیان معانی ھذا الاسم الشریف اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے "الروف الرحیم" یہ دونوں اسماء ہم معانی ہیں۔ بعض اس طرح کہتے ہیں کہ غایت درجہ کی رحمت کو رافت کہا جاتا ہے اور کہتے ہیں کہ رءوف بالمطیعین رحیم بالمذنبین فرمانبرداروں کے ساتھ رءوف ہیں اور گنہگاروں کے ساتھ رحیم ہیں الحق المبین بھی اللہ تعالیٰ کے ناموں سے ہے اللہ کا نام حق موجود و ثابت ہے اور اس کا امر متحقق ہے۔ مبین کے معنی ہیں وہ شخصیت جو بندوں کے لئے امر دین ظاہر کرنے والی ہو۔ ان کے مبدا اور معاد کو ظاہر کرنے والا کہنا بھی جائز ہے اللہ تعالیٰ نے رسول پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو بھی اس نام سے موسوم فرمایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے یایھا الناس قد جاء کم الحق من ربکم اے لوگو! تمہاری طرف تمہارے رب کی جانب سے حق آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ فقد کذبوا بالحق لما جاءھم تحقیق کافروں نے حق کو جھٹلایا جب وہ ان میں تشریف لائے نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے حتی جاءھم الحق ورسول مبین حتیٰ کہ تمہارے پاس حق تشریف لایا اور یہ ہے رسول ظاہر فرمادینے والا نیز فرمایا ہے انا النذیر المبین سے مراد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہیں۔ ایک یہ بھی قول ہے کہ اس سے مراد قرآن پاک ہے اس مقام پر حق سے مراد ہے باطل کی ضد اس کا مطلب یہ ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی صداقت تحقیق شدہ مصدقہ ہے۔ اور آنحضرت کا امر رسالت بھی بالکل عیاں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اور اس کا نبی دونوں ہی مبین ہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر نازل فرمایا ہے۔ لتبین للناس مانزل الیھم اس لئے کہ لوگوں پر اچھی طرح ظاہر کردے جو کچھ ان کی طرف نازل ہوا۔ کچھ اہل اشارات نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد وماخلقنا السموٰت والارض ومابینھما کی تفسیر میں کہا ہے کہ جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ پیدا فرمایا گیا۔ اس تفسیر کی بنیاد حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس میں فرمایا گیا ہے۔ اول ما خلق اللہ روح محمد ثم خلق منه العرش والکرسی والسماء والارض و جمیع الموجودات (اللہ نے سب سے پہلے روح محمد کو پیدا فرمایا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پھر اس سے عرش کرسی آسمان و زمین اور سب موجودات پیدا فرمائیں) اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم نور ہے نور کے معانی ہیں۔ نور والا نور پیدا کرنے والا۔ زمین و آسمان کو منور فرمانے والا۔ عرفا کے قلوب کو ہدایت اور اسرار کے نور سے منور فرمانے والا اور اللہ تعالیٰ نے آنحضرت کو بھی نور ہی فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے قد جاء کم من اللہ نور و کتاب مبین بے شک تمہارے پاس اللہ کی جانب سے نور اور روشن کتاب آئے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی شان اقدس میں یہ بھی فرمایا وسراجا منیرا آپ منور کرنے والے آفتاب ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا نام پاک اس لئے نور رکھا گیا کہ جو دین حقہ

حضور لے کر تشریف لائے۔ اس سے اللہ تعالٰی کے احکام کی وضاحت فرمائی۔ اس سے نبوت کا ظہور ہوا اور اہل اسلام اور عارفوں کے قلوب کو نورانیت عطا ہوئی۔ نیز اللہ تعالٰی کے اسماء سے ایک اسم الشہید ہے۔ قاضی عیاض رحمتہ اللہ علیہ نے اس کے معانی "عالم" لکھے ہیں یعنی جاننے والا۔ دوسرے قول کے مطابق اس کے معانی ہیں لوگوں پر گواہ۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو شاہد اور شہید فرمایا اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے۔ وما ارسلنک الا شاھدا (اور آپ کو نہیں بھیجا مگر شاہد بناکر) مطلب ہے جاننے والا اور امت کی حالت ان کی تصدیق و تکذیب اور نجات و ہلاکت کو خود حاضر ہو کر ملاحظہ فرمانے والا۔ اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے۔ ویکون الرسول علیکم شھیدا اور تم پر رسول گواہ ہیں۔ جب سب امتیں اپنے انبیاء کا انکار کریں گی۔ اس وقت ان پر امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ان پر شہادت پیش کرے گی۔ (نبیوں کے حق میں) اور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی شہادت اور پاکیزگی اپنی امت کے لئے حدیث شریف میں مذکور ہوئی ہے۔

الکریم بھی اللہ تعالٰی کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ اس کے معنی ہیں کثیر الخیر۔ کثیر الفضل کثیر العفو قاضی عیاض رحمتہ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح بیان کیا ہے۔ حدیث میں اللہ تعالٰی کا ایک نام اکرم آیا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ کا نام بھی کریم رکھا گیا۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے۔ انہ لقول رسول کریم بے شک یہ رسول کریم کا قول ہے۔ اس سے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مراد ہیں۔ نہ کہ حضرت جبریل۔ کیونکہ اس کے بعد فرمایا ہے۔ وما ھو بقول شاعر۔ قلیلا ما تؤمنون ولا بقول کاھن قلیلا ما تذکرون یہ شاعر کا کہا ہوا نہیں۔ بہت تھوڑے لوگ ہیں جو ایمان لائے نہ یہ کسی کاھن کی باتیں ہیں۔ بہت تھوڑے لوگ غور کرتے ہیں۔ ماھو بقول شاعر اور لا بقول کاہن اس کا واضح قرینہ ہے۔ کیونکہ جبرائیل علیہ السلام کو اس طرح نہ کہتے تھے۔ پس یہ متعین ہو گیا ہے کہ رسول کریم سے مراد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آہ وسلم ہیں اور جبریل نہیں۔ یہ سورۃ الحاقہ میں آیا ہے جبکہ سورۃ تکویر میں اس آیت سے حضرت جبریل مراد ہیں۔ بعض کا قول ہے کہ وہاں بھی اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی مراد ہیں۔ اس لئے کہ یہ صفتیں آپ پر صادق ہیں۔ صواب یہ ہے کہ سورۃ تکویر کے آیت محمل ہے۔ (واللہ اعلم)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ انا اکرم ولاد ادم میں آدم کی اولاد میں سب سے زیادہ عزت و تکریم والا ہوں۔ اس اسم (اکرم) کے معانی حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر صحیح و صادق ہیں۔ اور اہل علم کا قول ہے کہ جس وقت کسی کی تعریف "کرم" سے کی جائے اس وقت اس کی سب اچھی صفات تعریف میں آجاتی ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ظاہرا" باطنا" اور ذاتی و صفاتی لحاظ سے صفات کرم سے متصف ہیں۔

رب تعالٰی کے اسماء سے ایک اسم العظیم ہے۔ اس کے معانی ہیں بہت بڑی شان والا۔ اور اس کے سوا ہر دوسری چیز اس سے کمتر مرتبہ رکھتی ہے۔ یہ اسم اللہ تعالٰی نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو بھی عطا فرمایا۔ اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے۔ وانک لعلٰی خلق عظیم یقیناً آپ کا اخلاق نہایت بلند ہے تورات میں اسماعیل علیہ السلام کے پہلے سفر کے مضمون میں وارد ہوا ہے۔ ستلد و عظیما الامہ عظیمہ (عنقریب اس کی عظمت والی ماں کے ہاں عظمت والا فرزند پیدا ہو گا۔) لہٰذا

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ذات عظیم ہے اور آپ کا اخلاق بھی عظیم ہے۔ جب کسی شخصیت کی صفت عظیم ہو۔ اس کی ذات بھی عظیم ہونا ضروری ہوتا ہے۔ اس معانی میں کسی قدر بحث حضور کے اخلاق شریفہ کے باب میں گذر چکی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ایک نام الجبار ہے۔ جبار کے معنی ہوتے ہیں مصلح' قاہر' برتر' عظیم الشان' متکبر' داؤد علیہ السلام کی کتاب زبور میں چالیسویں باب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اس نام سے یاد فرمایا ہے۔ وہاں پر فرمایا ہے۔ تقلدایھا الجبار سیفک فان ناموسک وشریعتک مقرونۃ بھیبتک اے جبار! اپنی شمشیر گردن میں آویزاں رکھئے۔ کیونکہ آپ کی ناموس اور شریعت ہیبت کے ساتھ ملحق ہے۔ اس کا ذکر کتب سابقہ کے تذکرہ میں پہلے بھی گزر چکا ہے۔ اور اس اسم کے معنی آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر خوب صادق آتے ہیں۔ کیونکہ آپ نے اپنی امت کی اصلاح ہدایت اور تعلیم کے ساتھ فرمائی ہے اور آپ نے دین کے دشمنوں کو اپنے قہر سے مغلوب کیا ہے۔ اور علو مرتبت اور عظیم منزلت کے ضمن میں آنحضور تمام عالم بشریت کے مقابلہ میں سب سے عظیم اور بڑے ہیں۔ حالانکہ قرآن پاک میں آپ کے متعلق جبرو کبر کی نفی کا اظہار فرمایا گیا ہے۔ اس لئے کہ یہ چیز آنحضرت کے حال اور مقام کے منافی ہے۔ فرمایا گیا ہے۔ وما انت علیھم بجبار

اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم الخبیر ہے۔ اس کے معانی ہیں شے کی کنہ اور حقیقت کے جاننے والے اس لحاظ سے یہ اسم علیم کے معنی میں ہے۔ بعض کا قول ہے کہ خبر کے معنی ہیں مخبر یعنی خبر دینے والے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر دو معانی میں خبیر ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کائنات اور اپنی معرفت کا عظیم علم جو آنحضرت کو عطا فرمایا ہے آپ ان سب علوم کو جاننے والے ہیں۔ اور اپنی امت کو بھی حضور نے ان جملہ اخبار سے باخبر فرما دیا جن کے متعلق بتانے کی اجازت اللہ تعالیٰ نے آپ کو مرحمت فرمائی۔ لہٰذا ایک تو آپ اطلاع دینے والے اور خبر دینے کے معانی میں خبیر ہوئے اور دوسرے بذات خود مطلع ہونے اور خبر رکھنے کے معانی میں خبیر ہیں۔ آپ کو اس آیت میں خبیر کے نام سے موسوم فرمایا گیا۔ فاسئل بہ خبیرا (اسے تم خبیر سے معلوم کر لو) اس مقام پر تفسیر قرآن میں ایک قول کے مطابق خبیر سے مراد ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم۔

ایک نام الفتاح بھی اللہ تعالیٰ کے اسماء سے ہے۔ اس کے معانی ہیں بندوں میں حاکم اور رزق اور رحمت کے دروازے کھولنے والے مخلوق کے کارہائے بستہ کو کھولنے والے بندے کے قلوب اور آنکھوں کو اللہ تعالیٰ کی معرفت میں کھولنے والے یہ اسم ناصر اور مددگار کے معنی میں بھی وارد ہوا ہے۔ جس طرح اس آیت پاک میں ہے۔ ان تستفتحوا فقد جاء کم الفتح ای تستنصروا فقد جاء کم النصر اگر تم نصرت کے طلبگار ہو تو بلاشبہ تمہارے پاس مدد آ گئی۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت کا نام فاتح رکھا ہے۔ معراج شریف کی حدیث میں ہے جس کو ابو عالیہ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما وغیرہما نے روایت کیا ہے۔ وجعلناک فاتحا و خاتما اور آپ کو فاتح اور خاتم ہم نے بنایا۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر ادا کرتے ہوئے فرمایا ہے۔ ورفع لی ذکری وجعلنی فاتحا و خاتما میرے ذکر کو بلندی عطا کی۔ اور مجھے فاتح اور

خاتم بنایا پس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنی امت کے حق میں ابواب رحمت کے فاتح ہیں اور اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس پر ایمان کے لئے امت کے دلوں اور آنکھوں کے فاتح ہیں اور آپ ناصر حق اور دین و ایمان کے نصرت دہندہ ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

ایک اسم الشکور بھی اللہ تعالیٰ کے اسماء سے ہے اس کے معنی ہیں قلیل عمل پر جزائے کثیر و وافر عطا کرنا۔ بعض کا قول ہے فرمانبرداری پر تعریف و توصیف فرمانا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے خود شکور سے اپنی توصیف فرمائی۔ اور آپ نے ارشاد فرمایا۔ افلا اکون عبدا شکورا کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ رب تعالیٰ کی جانب سے عطا شدہ نعمتوں کا اعتراف کرتا ہوں اور ان کی قدر و منزلت سے واقف ہوں۔ اور اس پر اس کا شکر بجالانے والا ہوں۔ اور یہ کھلی بات ہے کہ شکور کے لفظ سے اپنی توصیف فرمانا سوائے اللہ تعالیٰ کے حکم اور اذن کے نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اسماء سے ایک اسم العلیم علام اور عالم الغیب والشہادۃ ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی توصیف علم سے بھی فرمائی ہے اور فضیلت اور خیریت کے ساتھ آنحضرت کا اختصاص فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وعلمک مالم تکن تعلم و کان فضل اللہ علیک عظیما اے حبیب! جو کچھ تمہارے علم میں نہ تھا وہ سب کچھ تمہیں بتا دیا اور تم پر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ و یعلمکم الکتاب والحکمۃ اور وہ تم لوگوں کو کتاب اور حکمت سکھانے والا ہے۔ و یعلمکم مالم تکونوا تعلمون اور وہ تم کو سکھا دیا جو کچھ کہ تم نہ جانتے تھے۔

اسماء الٰہی سے الاول اور الآخر ہیں۔ الاول کے معنی ہیں سابق در وجود اور فنائے مخلوق کے بعد باقی رہنے والے۔ اللہ تعالیٰ کے لئے اول و آخر نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کائنات کی تخلیق میں سب انبیاء سے اول ہیں۔ اور بعثت کے لحاظ سے آپ آخر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت پاک میں اس جانب اشارہ فرمایا ہے۔ واذاخذنا من النبیین میثاقھم ومنک و من نوح و ابراھیم اور جس وقت ہم نے انبیاء سے ان کا عہد لیا۔ اور تم سے اور نوح سے اور ابراہیم سے (علیہم السلام) یہاں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت کے ذکر مبارک کو حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہم السلام سے قبل فرمایا ہے۔ نیز فرمایا ہے۔ نحن الاولون السابقون ہم پچھلوں میں سب سے اول ہیں۔ نیز آنحضور کی اولیت کثیر امور میں واضح اور ثابت ہے۔ آپ نے فرمایا ہے اول من تنشق عنہ الارض میں سب سے پہلا ہوں جس کے لئے زمین شق ہوگی۔ واول من یدخل و شافع و اول مشفع میں اول شافع اور اول مقبول الشفاعت ہوں۔

اللہ تعالیٰ کے اسماء سے القوی اور ذوالقوۃ المتین ہیں اس کے معنی ہیں قادر' اور اللہ تعالیٰ نے آنحضرت کی توصیف بھی ان اسماء سے فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ذی قوۃ عند ذی العرش مکین قوت والا صاحب عرش کے قریب قیام کرنے والا اہل تفسیر کہتے ہیں اس سے مراد ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔ لیکن کچھ کا قول ہے کہ اس سے مقصود جبرئیل ہیں۔ یا اس کو دونوں کے لئے ہی مشترک سمجھتے ہیں۔ اس لئے کہ آنحضور کے لئے یہ صفت مخصوص نہ ہے۔

ایک نام صادق بھی اللہ کے اسماء سے ہے۔ اور حدیث شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تعریف بھی

صادق و مصدوق کے اسماء سے آئی ہے۔

اسماء الٰہی میں سے ولی اور مولیٰ بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے انما ولیکم اللہ و رسولہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول تمہارا ولی ہے۔ آنحضرت کا ارشاد ہے۔ انا ولی کل مؤمن میں ہر مومن کا ولی ہوں۔ پھر آپ کا ارشاد ہے من کنت مولاہ فعلی مولاہ میں جس کا مولا ہوں اس کا مولا علی ہے۔ اس مقام پر مولا کے معنی محبت کرنے والا اور مدد کرنے والا ہے۔

اسماء الٰہی سے ایک اسم عفو ہے۔ اس کے معانی ہیں معاف کرنے والا اور گناہ و تقصیر سے درگزر کرنے والا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو تورات میں اور قرآن پاک میں عفو و درگزر فرمانے کا حکم فرمایا ہے۔ خذ العفو وامر بالعروف عفو کو لازم اختیار کرو اور نیک کاموں کا حکم دو۔ اور فرمایا فاعف عنھم واصفح انہیں معاف کرو اور درگزر فرماؤ۔ تورات و انجیل میں آپ کی توصیف اس طرح ہے۔ لیس بفظ ولا غلیظ ولکن یصفح وہ نہ تند خو ہیں اور نہ ہی بدمزاج ہیں بلکہ وہ تو معاف فرمانے والے اور درگزر فرمانے والے ہیں۔

الہادی بھی اللہ تعالیٰ کے اسماء سے ہے اس کے معانی ہیں جو کوئی بندوں میں سے مانگے اسے توفیق عطا فرمانے والا۔ اور ہدایت کا معنی ہے راہ دکھانا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ واللہ یدعوا الی دار السلام و یھدی من یشاء الی صراط مستقیم۔ اللہ تعالیٰ دعوت دیتا ہے سلامتی کے گھر کی جانب اور جس کو وہ چاہے سلامتی کی راہ مستقیم دکھاتا ہے۔ اور فرمایا وانک لتھدی الی صراط مستقیم بے شک آپ صراط مستقیم کی طرف رہنمائی فرماتے ہیں۔ اور فرمایا داعیا الی اللہ باذنہ اس کے حکم سے اللہ کی طرف بلانے والے پہلے معانی اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اور دوسرے معنی اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی میں مشترک ہیں۔

اللہ کے اسماء سے المؤمن المہیمن ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ دونوں اسماء ہم معنی ہیں پس مومن کے معانی اللہ تعالیٰ کے لئے اپنے وعدوں کو پورا کرنا ہے۔ جو اس نے اپنے بندگان سے کئے۔ اور اپنے قول کی تصدیق کرنا ہے کہ وہ حق اور مومن رسولوں کی تصدیق کرتا ہے۔ بعض کا قول ہے کہ اس کے معنی ہیں۔ اپنی ذات کی یکتائی اور اپنی الوہیت کے امین۔ یہ مومن کا صیغہ تصغیر ہے۔ یعنی ہمزہ کو ہا سے بدلا ہے بعض کے نزدیک مہیمن کے معنی ہیں شاہد و حافظ۔ نیز وہ جو دوسروں کو خوف سے حفاظت میں رکھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اظہار نبوت سے پہلے بھی اور بعد بھی امین کی صفت کے ساتھ مشہور تھے۔ آپ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ نے آپ کی تعریف کرتے ہوئے ایک شعر میں آپ کا نام مہیمن لیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ ویؤمن باللہ ویؤمن للمومنین مراد یہ کہ تصدیق فرماتا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا انا امنۃ لاصحابی میں اپنے صحابیوں کے لئے جائے پناہ ہوں۔

صاحب مواہب کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وانزلنا الیک الکتاب بالحق مصدقا لما بین یدیہ من الکتاب و مھیمنا علیہ اور ہم نے آپ کی طرف کتاب نازل فرمائی جو تصدیق کرتی ہے ان کی کتب کی۔ اور اس پر نگہبان ہیں۔ مجاہد سے نقل کیا گیا ہے کہ اس جگہ مہیمن سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ گویا کہ یوں فرمایا ہے جعلناک یا محمد

مھیمنا علیہ یعنی کہ اے محمد! آپ کو ہم نے نگہبان بنایا ہے اس پر۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

ایک نام "مقدس" اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ہے۔ اس کے معنی ہیں ہر نقص و عیب اور سمت اور جہالت حدوث سے پاک۔ گزشتہ انبیاء کی کتب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء میں مقدس نام آیا ہے۔ مقدس کے معنی ہیں گناہوں سے پاک و صاف۔ اسی طرح قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر یا یہ معنی ہیں کہ آپ ذمیمہ اور ادنیٰ صفات کے مطہر بن گئے۔ ویز کیھم یعنی لوگوں کو پاک فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ناموں میں ایک نام العزیز ہے۔ اس کے معنی یا تو یہ ہیں العزیز وہ ہوتا ہے جس پر کسی دوسرے کا غالب آنا ناممکن و محال ہو اور یا یہ معنی ہیں۔ کہ اس کا نظیر کوئی بھی نہیں۔ یا یہ معنی ہیں کہ وہ دوسروں کو عزت عطا فرماتا ہے۔ قاضی عیاض رحمتہ اللہ علیہ نے یہی معنی اللہ تعالیٰ کے ارشاد قدس سے اخذ کئے ہیں۔ وللہ العزۃ ولرسولہ اس سے یہ مراد ہے کہ چونکہ مسلمہ امر ہے کہ عزت اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہے۔ اور اللہ تعالیٰ عزیز ہے اور معز ہے تو اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی عزیز و معز ہے۔ صاحب مواہب نے کہا ہے کہ اہل اسلام کے لئے بھی عزت ثابت کر دی گئی ہے۔ اور اسی کے مابعد یہ ارشاد ہے۔ وللمؤمنین (اور مومنوں کے لئے بھی عزت ہے)۔ اس اعتبار سے یہ نام و صفت صرف آنحضرت کے ساتھ ہی مخصوص نہیں ہے۔ جبکہ قاضی عیاض رحمتہ اللہ علیہ کا مقصد آنحضرت سے اختصاص کا اثبات ہے۔ حیرانگی تو یہ ہے کہ ان کے انداز بیان سے یہ نکتہ کس طرح مخفی رہا۔ انتہی۔ میں مولف **مدارج النبوت** عرض کرتا ہوں تمام مسلمانوں کے حق میں عزت کا اثبات آنحضرت کی بعثت اور آنحضرت کی طفیل و وسیلہ سے ہے۔ اصالتاً" اور مستقل طور پر نہیں ہے۔ پس یہ منافی اختصاص نہ ہے۔ نیز یہ کہ قاضی عیاض کا مقصد بھی اثبات اختصاص نہیں۔ اس میں ہرگز شک نہیں ہے کہ وہ مثبت طور پر تسلیم کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات مشترک ہیں' اور بعض دیگر انبیاء بھی اس اشتراک کے حامل ہیں۔ جس طرح کہ نوح علیہ السلام کے لئے شکور' اسماعیل و ابراہیم علیہما السلام کے لئے علیم و حلیم اور حضرت یوسف اور موسیٰ علیہما السلام کے لئے حفیظ' علیم و کریم' جس طرح کہ اس سے پیشتر گزر چکا ہے۔ اگر ہم اس آیت کریمہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے عزیز اسم گرامی کا اثبات اخذ کریں۔ لقد جاء کم رسول من انفسکم عزیز اور عزیز پر وقف کریں جس طرح کہ ایک قرات کے لحاظ سے ہے۔ تو واضح اور بلا تکلف ثابت ہے اور قاضی عیاض رحمتہ اللہ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود کو بشارت و نذارت سے موصوف کیا ہے۔ فرمایا یبشرھم بیحیٰی کی خوشخبری دیتا ہے۔ نیز فرمایا یبشرک بکلمۃ منہ تم کو اپنے کلام کی بشارت دیتا ہے۔ اور آنحضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء پاک بھی مبشر۔ بشیر اور نذیر رکھے۔ اور یہ عیاں ہے۔ کچھ اہل تفسیر کے مطابق طٰہ اور یٰسین اللہ تعالیٰ کے ناموں سے ہیں۔ اور کچھ یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء میں یہ نام شمار ہونا ایک مشہور بات ہے اس لئے کہ قاضی رحمتہ اللہ علیہ نے بیان کرنے کے بعد استنباط کیا ہے اور یہ تحقیق شدہ امر ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اوصاف الہیہ کے ساتھ موصوف اور اخلاق الہیہ سے متخلق ہیں۔ اور بعض اولیاء کرام بھی آنحضرت کی اتباع میں اس کمال کے بقدر منزلت حاصل ہیں۔ قاضی عیاض نے

اثبات تسمیہ کی کوشش کی ہے اور آپ کا جو ذکر کتاب و سنت اور سابقہ کتب میں ہے مقصود تو ان کا بیان ہے وہ سابقاً" ہو چکا ہے اسماء حسنٰی کی شرح میں اس امر کا تتمہ جو درج ہے وہ وہاں ہی سے ملاحظہ فرمائیں۔ (واللہ اعلم)

تنبیہہ:۔ اس کلام کے بیان کے بعد قاضی عیاض رحمتہ اللہ علیہ تنبیہہ کرتے ہیں کہ اس کو ضمیمہ کلام خود بناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آگاہ ہو جاؤ اور یہ جان لو کہ جو کچھ میں نے بیان کیا ہے اور جس طریقے سے اس فصل کا بیان کیا ہے اور جس پر یہ باب میں نے قائم کیا ہے اس سے میں ضعیف الوہم سقیم الفہم کے اشکال و اشتباہ کو رفع کرتا ہوں اور وساوس تشبیہ سے انہیں نجات دلاتا ہوں۔ جس سے اس کو شبہ ہوتا ہے وہ یہ چیز ہے کہ ہر بندہ کا یہ اعتقاد ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی عظمت و کبریائی کے لحاظ سے مخلوقات میں سے کسی کو کوئی مشابہت نہیں ہے اور اس کے اسماء حسنٰی اور اعلیٰ صفات میں کسی چیز کو اس سے مشابہت نہ ہے اور از روئے شریعت خالق و مخلوق میں جن صفات کا اطلاق کیا گیا ہے۔ ان میں حقیقی معانی میں کوئی مشابہت و تماثل نہیں ہے۔ کیونکہ خالق کی صفات قدیم ہیں اور مخلوق کی صفات کے خلاف ہیں۔ اس لئے کہ مخلوق کی صفات حادث ہیں نیز صفات مخلوق اس کی اغراض و اعراض سے علیحدہ نہیں ہے جبکہ اللہ تعالیٰ اس سے پاک و منزہ ہے اس مقصود کے حق میں رب تعالیٰ کا فرمان کافی ہے۔ لیس کمثلہ شیئی اور اللہ تعالیٰ اہل معرفت علماء اور محققین توحید کو نیک جزاء عطا فرمائے۔ جو یہ کہتے ہیں کہ کسی ذات کو اللہ تعالیٰ کی ذات میں مشابہت نہیں ہے اور نہ ہی اس کی صفات میں کسی کی صفات کو اس میں کوئی مباشرت و معالجہ کا ہی ظہور ہے۔ جبکہ مخلوق کے افعال میں یہ سب وجوہ موجود ہوتی ہیں۔ بڑے بڑے مشائخ یہی فرماتے ہیں کہ تم لوگوں کے اوہام جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ کے بارے میں خیال قائم کریں اور جو کچھ تمہاری عقلوں میں تصور آئے وہ تمہاری ہی طرح حارث ہیں۔ امام ابو المعالی جوینی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔ کہ کسی آدمی کو جس تصوراتی وجود سے بھی اطمینان و سکون ہو اور جہاں تک بھی ان کی فکر کی پرواز ہو وہ سب کچھ مشبہ ہوتا ہے۔ اور جو شخص اس کی نفی محض سے مطمئن ہو جاتا ہے وہ معطلہ ہے اور موحد آدمی صرف وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کو ہر تصوری وجود سے وراء الوراء سمجھے اور ادراک حقیقت سے اپنے عجز و درماندگی کا اظہار کرے۔ ذوالنون مصری رحمتہ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے حقیقۃ التوحیدان تعلم ان قدرتہ معانی فی الاشیاء بلا علاج و صنعا بہا بلا مزاج یعنی حقیقت توحید یہ ہے کہ اللہ کی قدرت کو اس طرح جانے کہ بغیر کسی ذریعہ کے اشیاء میں معانی ہیں۔ اور بغیر آلات و اسباب اس نے ان کو ناپ لیا ہے۔ وعلۃ کل شئی صنعہ ولا علۃ بصنعہ ہر شے کی علت اور سبب اللہ تعالیٰ کا فعل اور اس کی کاریگری ہے اور حق تعالیٰ کو اپنی علت اور صنعت سے کوئی غرض وابستہ نہیں۔ جو کچھ تمہاری عقل تصور باندھتی ہے اللہ تعالیٰ اس کے خلاف ہے۔ اور وہ اس صورت کے بھی برخلاف ہے جو تمہارے گمان و خیال میں بندھے۔ یہ کلام بڑا اچھا اور محقق ہے۔ اور آخری قول کو فضیلت حاصل ہے۔ یعنی حضرت ذوالنون مصری رحمتہ اللہ علیہ نے جو کچھ فرمایا ہے کہ ما تصور فی وھمک فاللہ بخلافہ یعنی جو کچھ تمہارے وہم میں آئے اللہ تعالیٰ اس کے خلاف ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پاک کی تفسیر ہے لیس کمثلہ شئی وہ جو پہلے قول ہے کہ علۃ کل شیئی صنعہ ولا علۃ بصنعہ یعنی اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی تفسیر ہے۔ انما قولنا

لنالشئی اذااردناه ان نقول له کن فیکون کسی چیز کے بارے میں ہمارا قول یہ ہے کہ جب ہم اس چیز کا ارادہ کرتے ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ ہو جا۔ تو وہ ہو جاتی ہے۔

اللہ جل جلالہ ہمیں اپنے اور آپ سب کو توحید پر اور تنزیہ کے اثبات پر دائمی طور پر قائم رکھے اور اپنی رحمت اور مہربانی سے ہر گمراہی بیدینی اور تعطیل و تشبیہ سے بچائے رکھے۔ امین۔ اس فصل میں یہ قاضی عیاض رحمتہ اللہ علیہ کے کلام کا ترجمہ ہے۔ اور ان کا یہ کلام اصول دین کی حقیقت ہے۔ انتہی۔ اللہ تعالٰی کے اسماء کے سلسلے میں مشکوۃ شریف میں اس کلام سے زیادہ مشائخ عظام کا کلام منقول ہوا ہے۔ (واللہ اعلم)۔

سید المرسلین ﷺ کے چار سو سے زیادہ اسمائے گرامی:۔ وصل:۔ حروف تہجی کی ترتیب کے مطابق آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے چار سو سے زیادہ اسمائے گرامی صاحب مواہب لدینہ نے کتاب وسنت اور دیگر کتب سماویہ سے بیان فرمائے ہیں۔ اس جگہ بھی ہم حصول برکت کے لئے ذکر کرتے ہیں۔ وہ اسماء شریفہ طویل بھی ہیں اور کچھ مکرر بھی ہیں۔ لیکن ہم طویل و تکرار کو نہیں دیکھتے بلکہ (ہمارے پیش نظر) یہاں ذوق و حلاوت کا معاملہ ہے۔ آنجناب کے مشتاق و محب کو یہ اسماء مونس جاں اور ورد زبان بنالینا چاہیے۔

○---- بسم اللہ الرحمن الرحیم ----○

محمد رسول اللّٰہ۔ الامر باللّٰہ۔ الابطحی۔ اتقی الناس۔ الاجود۔ الجود الناس۔ الاحد۔ الاحسن۔ احسن الناس۔ احمد۔ احید۔ الآخذ بالحجرات۔ اخذ الصدقات۔ الآخر۔ الاخشیٰ۔ للّٰہ۔ اذن خیر۔ ارجح الناس عقلا۔ ارحم الناس بالعیال۔ الازہر۔ الاسلم۔ اسلم الناس۔ اشجع الناس۔ الاصدق فی اللّٰہ۔ اطیب الناس ریحا۔ الاغر الاعلم باللّٰہ اکثر الناس تبعا۔ الاکرم۔ اکرم الناس۔ اکرم ولد آدم۔ المص۔ امام الخیر۔ امام الناس۔ امام المتقین۔ امام النبین۔ الامام الآمر۔ الآمن۔ امنۃ صحابہ۔ الامین۔ الامی۔ انعم اللّٰہ۔ اول شافع۔ اول المسلمین۔ اول المشفع اولیٰ للمسلمین ۔اول من تنشق الارض۔

(ب) البار۔ الباسط۔ الباطن۔ البزالبرھان۔ البشیر۔ مبشر۔ البصیر۔ البصیر۔ البلیغ۔ بالغ البیان۔ البینته۔

(ت) التالی التذکرۃ۔ التقی۔ التنزیل۔ التھامی۔

(ث) اثنین۔

(ج) الجبار- الجد- الجواد- الجامع- جوامع الکلم-

(ح) حاتم- حزب اللّٰہ- الحاشر- الحافظ- الحاکم بما اراہ اللّٰہ- الحامد- حامل لواء الحمد- الحامد لامۃ عن النار- الحبیب- حزب اللّٰہ- الحق- الحفیظ- الحق- الحکیم الحلیم- حماد- حمطایا یا حمیاطا حمعسق- الحمید- الحنیف-

(خ) خاتم النبیین- خاتم المرسلین- الخاقم- الخازن لمال اللّٰہ الخاشع- الخاضع- الخالص خطیب الانبیاء والامم خطیب الوافدین علی اللّٰہ- الحلیل- خلیل الرحمٰن- الخلیفہ- خیر الانبیاء خیر البریۃ- خیر خلق اللّٰہ- خیر العالمین- خیر الناس- خیر ھذہ الامۃ وخیرۃ اللّٰہ-

(د) دارالحکمۃ- الداعی الی اللّٰہ- دعوۃ ابراھیم- دعوۃ النبیین- دلیل الخیرات-

(ذ) ذخیر اللّٰہ الذاکر الذکر- ذکر اللّٰہ- ذوالحوض المورد- ذوالخلق العظیم- ذوالصراط المستقیم- ذوالقوۃ- ذومکان ذوفضل- ذوالمعجزات- ذوالمقام المحمود- ذوالوسیلۃ-

(ر) الواضع- الرضی- الرافع- راکب البراق- الراہب- راکب البعیر- راکب الجمل- راکب الناقۃ- راکب النجیب- الرحمۃ- رحمۃ الامۃ- رحمۃ للعالمین- رحمۃ مہداۃ- الرحیم- الرسول الراحۃ- رسول الرحمۃ- رسول اللّٰہ- رسول الملاحم- الرشید- الرفیع- رافع المراتب- رفیع الدرجات- الرقیب- روح الحق- روح القدس- الرؤف- رکن المتواضعین-

(ز) الزاھد- زعیم الانبیاء- الزکی- زین العباد- الزمزمی- زین من وافی القیامۃ-

(س) السابق- السابق بالخیرات- سابق العرب- الساجد- سبیل اللّٰہ- السراج- المنیر- السعید سعد اللّٰہ- سعد الخلائق- السمیع- السلام- السید- سیدولد آدم- سید المرسلین- سید الناس سید الکونین- سید الثقلین- سیف اللّٰہ المسلول- سید الفریقین-

(ش) الشارع- الشافع- الشفیع- الشاکر- الشاھد- الشکور- الشکار- الشمس- الشھید-

(ص) الصابر - الصاحب - صاحب الآيات - صاحب المعجزات - صاحب البرهان - صاحب البيان - صاحب التاج - صاحب الجهاد - صاحب الحجة - صاحب الحطيم - صاحب الحوض المورد - صاحب الخاتم - صاحب الخير - صاحب الدرجة الرفيعة - صاحب الرداء - صاحب الازواج الطاہرات - صاحب السجود لرب المحمود - صاحب الرايا - صاحب السلطان - صاحب السيف صاحب الشرع صاحب الشفاعة الكبرى - صاحب العطايا - صاحب العلامات - الباهرات - صاحب العلوم والد رجات - صاحب الفضيلة - صاحب الفرح - صاحب النقيب - صاحب القضيب الاصفر - صاحب قول لا اله الا اللّٰه - صاحب القدم صاحب الكوثر - صاحب اللواء - صاحب المعشر - صاحب المقام المحمود - صاحب المنبر - صاحب المحراب - صاحب النعلين - صاحب المهراوة صاحب الوسيلة - صاحب المدينة - صاحب المظهر المشهود - صاحب المعراج - صاحب المغفر - صاحب النعيم - الصادع بما امر - الصادق - الصبور - الصدق - صراط اللّٰه - صرط الذين انعمت عليهم - الصراط المستقيم - الصفوح عن الزلات - الصفوة - الصفى الصالح -

(ض) الضارب بالحسام المشلوم - الضحاک - الضحوک -

(ط) طالب - الطاهر - الطيب - طس - طسم - طه - الطيب -

(ظ) الظاہر - الظفور

(ع) العابد - العائذ - العادل - العظيم - العافى - العاقب - العالم - علم الايمان - علم اليقين - العالم بالحق - العامل - عبد اللّٰه - العبد الكريم - عبد الجبار - عبد الحميد - عبد الوہاب - عبد الغفار - عبد الغياث - عبد الخالق - عبد الرحيم - عبد الرزاق - عبد السلام عبد القادر - عبدالقدوس - عبد القہار - عبد المہيمن - العدل - العربى العروة - الوثقیٰ - العزيز - العطوف - العفو - العليم - العلى

(غ) الغالب - الغفور - الغنى - الغنى باللّٰه - الغيث - الغوث - الغياث -

(ف) الفاتح - الفائح - الفار قليط - الفارق - الفاروق - الفتاح - الفخر - الفرط - الفصيح - فضل اللّٰه - فاتح النور -

(ق) القاسم۔ القانت۔ قائد الخیر۔ قائد الغر المحجلین۔ القائل القاضی۔ القتول۔ قثم۔ القثوم۔ قدم الصدق۔ القرسی۔ القریب۔ القمر۔ القیم و کنیته ۔ابو القاسم۔ لانه یقسما لجنة بین اهلها۔

(ک) کافة اللناس۔ الکفیل۔ الکامل فی جمیع اموره۔ الکریم۔ کهیعص۔

(ل) اللسان۔

(م) الماجد۔ ماذما۔ الماحی۔ المامول۔ المسانح۔ المبارک۔ المنهل۔ المبر ۔ المبشر۔ مبشر الیاسین۔ المبعوث۔ بالحق۔ المبلغ۔ المبین المتین۔ المبل۔ المتربض۔ المخصوص۔ المترحم۔ المتضرع۔ المتقی۔ المتلو علیه ۔ المتجهد۔ المتوکل۔ المتثبت مجاب۔ مجیب۔ المجتبیٰ المجیر۔ المحرص ۔ المحرم۔ المحفوظ۔ المحلل۔ محمد۔ المحمود المخیر المختار۔ المخصوص بالشرف المخصوص بالعز۔ المخصوص بالمجد المخلص۔ المدثر۔ المدنی۔ مدینة العلم۔ المذکر۔ المذکور۔ المرتضیٰ۔ المرتل۔ المرنجی۔ المرسوم۔ المترفع الدرجات المزکی المزمل المسیح المیص المریض۔ المخصوص المترجم۔ المتضرع۔ المسعود۔ المستغفر۔ المستغنی۔ المستقیم۔ المسلم۔ المتبادر۔ المشفع۔ المشفوع۔ المسفح۔ المشهود۔ المسیر۔ المصباح۔ المصارع۔ المصافح۔ مصحح الحسنات۔ المصدوق۔ المصطفیٰ۔ المصلح۔ المصلی علیه المطهر۔ المطلع المطیع۔ المظفر۔ المعزز۔ المعصوم۔ المعطی۔ المقسط۔ المقصوص علیه۔ المقضی۔ مفضل المشیرات۔ مقیم السنة بعد انقرة۔ المکرم۔ المکتفی۔ المکفی۔ المکین۔ الملکی۔ الملاحی۔ ملقی القرآن المنوح۔ لمنادی۔ المنصر۔ المنجی۔ المنذر۔ المنزل علیه۔ المنحها۔ المتصف۔ لمتصور۔ المنیب۔ المنبر المومن۔ المولیٰ۔ الموحی الیه۔ مربود۔ الموصل۔ المرقر۔ المرلی۔ المرید۔ المومن۔ الموسر۔ المهاجر۔ المهتدی۔ المهیمن۔ المبشر۔

(ن) النابذ۔ الناجز الناس۔ الناسه۔ الناشر۔ الناصح۔ الناطق۔ النابی۔ نبی الاحمر۔ نبی الاسود۔ نبی التوبة۔ نبی الحرمین۔ نبی الراحة۔ نبی الرحمة

النبی۔ المصالح۔ نبی اللہ۔ نبی المرحمہ۔ نبی الملتجہ۔ بنی الملاحم۔ البنی النجم۔ النجم الثاقب۔ نجی اللہ۔ النذیر۔ النسیب۔ نصح۔ ناصح۔ النعمۃ۔ نعمۃ اللہ۔ النقیب۔ النقی۔ النور۔ النورالذی لا یطفئا۔

(ہ) الھادی ہدی ھدیۃ اللہ۔ الہاشمی۔

(و) الوجیہہ۔ الواسطہ۔ الواسع الواصل۔ الواصنح۔ الواعد۔ الواعظ۔ الورع۔ الوسیلۃ الوافی۔ الوفی۔ الولی۔ ولی الفضل۔

(ی) یثربی۔ یٰسین۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و علی آلہ و صحابہ و اتباعہ اجمعین۔

منقول ہے کہ حضرت کعب احبار نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم شریف اہل جنت میں عبدالکریم ہے۔ اہل نار میں عبدالجبار۔ عرش والوں میں عبدالحمید۔ ملائکہ میں عبدالمجید۔ انبیاء میں عبدالوھاب۔ شیاطین میں عبدالقہار۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عبدالرحیم۔ پہاڑوں میں عبدالخالق۔ خشکی پر عبدالقادر۔ تری میں عبدالمہیمن مچھلیوں میں عبدالقدوس۔ حشرات الارض میں عبدالغیاث وحوش میں عبدالرزاق۔ درندوں میں عبدالسلام۔ چوپایوں میں عبدالمؤمن۔ پرندوں میں عبدالغفار۔ توریت میں موذ موذ۔ انجیل میں طاب طاب۔ صحائف میں عاقب۔ زبور میں فاروق۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک طٰہٰ اور یٰسین مسلمانوں میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اور انہوں نے کہا کہ کنیت ابوالقاسم ہے۔ اس لئے کہ اہل جنت میں آپ تقسیم فرماتے ہیں۔ اسی طرح ہی حسین بن محمد دامغانی سے کتاب سوق العروس وانس النفوس میں نقل کیا گیا ہے۔

واضح رہے کہ اس امر میں کسی کو کوئی اختلاف نہیں ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اجمل الخلائق ہیں اور اکرم البشر۔ سید ولد آدم اور افضل الانبیاء ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مخلوق کو اللہ تعالیٰ نے دو اقسام میں تقسیم فرمایا۔ ان دونوں میں سے جو بہتر ہے مجھے اس میں رکھا۔ یہ دونوں جماعتیں وہ ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اصحاب الیمین و اصحاب الشمال۔ اور میں اصحاب الیمین اور اصحاب الشمال میں سے بہترین میں ہوں۔ پھر یہ دونوں اقسام کو تین قسموں میں تقسیم فرمادیا۔ اصحاب المیمنۃ اصحاب المشئمۃ اور السابقون اور میں سابقون میں سے ہوں۔ پھر یہ اقسام قبائل میں تقسیم کردی گئیں۔ اور میں اس قبیلہ میں رکھا گیا جو بہترین تھا۔ یہ بات اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد مقدس میں ہے۔ و جعلناکم شعوبا و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عنداللہ اتقکم تو میں اولاد آدم میں اتقی میں سے ہوں میں رب تعالیٰ کے نزدیک اکرم ہوں ولا فخر پھر یہ قبائل مختلف خانوادوں میں تقسیم فرمائے گئے تو میں بہترین خاندان میں رکھا گیا۔ یہ بات اللہ تعالیٰ کے اس قول سے واضح ہے۔ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا

دیگر ایک حدیث میں اس طرح ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹوں سے اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ

السلام کی منتخب فرمالیا۔ اور اسماعیل علیہ السلام کو اولاد میں سے بنی کنانہ منتخب کیے گئے۔ بنی کنانہ میں سے قریش اور قریش سے بنوہاشم برگزیدہ فرمائے گئے پھر بنی ہاشم میں سے مجھے برگزیدہ فرمایا۔

حدیث انس رضی اللہ عنہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے فرمایا کہ میں اپنے رب تعالیٰ کے پاس اولاد آدم میں مکرم ہوں۔ اور میں فخر نہیں کرتا۔ حضرت سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں اس طرح آیا ہے کہ آنجناب نے ارشاد فرمایا کہ جبریل حاضر ہوئے اور کہا میں نے زمین کے مشارق و مغارب سب چھان مارے ہیں لیکن محمد صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم سے زیادہ افضل مجھے کوئی نظر نہیں آیا اور ہاشم کے بیٹوں سے بڑھ کر کسی دوسرے باپ کے فرزند فاضل تر نہیں دیکھے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے فرمایا۔ جب آدم علیہ السلام کو رب نے پیدا کیا مجھے آدم کی صلب میں میں رکھا گیا اور زمین پر اتار آگیا۔ مراد یہ ہے کہ جب آدم علیہ السلام زمین پر تشریف لائے تو ان کی صلب میں موجود تھا اور نوح علیہ السلام کے صلب میں مجھ کو کشتی میں رکھا گیا۔ اس کے بعد میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صلب میں پہنچایا گیا۔ پھر میں اصلاب کریمہ سے ہوتے ہوئے ارحام طاہرہ میں منتقل کیا جاتا رہا۔ حتیٰ کہ اپنے والدین کریمین سے پیدا فرمایا گیا۔ اور میرے اباو اجداد کسی وقت بھی زنا پر مجتمع نہ ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے قصیدہ (آنحضرت کی نعت و مدح) میں جو انتہائی فصاحت و بلاغت کا حامل ہے کہا گیا ہے کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی خدمت اقدس میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ نہایت غصہ کے عالم میں آئے یعنی کوئی بات سرور کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے بارے میں کفار کی طرف سے بطور طعن و تشنیع وہ سن چکے تھے آنحضرت نے عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔ عباس! کس بات سے غصہ میں ہو۔ حضرت عباس نے جو بات سنی تھی وہ سب کہہ دی پس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کھڑے ہو گئے۔ آپ منبر پر تشریف فرما ہو گئے۔ اور لوگوں سے فرمایا جو اس وقت اس جگہ حاضر تھے۔ میں کون ہوں۔ لوگوں نے عرض کیا آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ آنحضرت نے فرمایا میں محمد بن عبداللہ بن عبد المطلب ہوں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو میں بہترین خلق میں رکھا گیا۔ مخلوق کو دو گروہوں یعنی عرب و عجم میں تقسیم فرمایا تو مجھے بہترین گروہ یعنی عرب میں مشرف فرمایا۔ عرب کو قبائل میں تقسیم فرمایا تو مجھے بہترین مخلوق میں رکھا۔ اور نسب کے لحاظ سے میں ان تمام میں بہترین ہوں۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے قلوب پر نگاہ فرمائی۔ اور ان میں سے قلب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کو پسندیدگی بخشی پھر آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے منتخب فرمایا اور اپنی رسالت عطا فرمائی۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رب تعالیٰ نے سب آسمان والوں پر اور تمام انبیاء پر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کو فضیلت و عظمت عطا فرمائی لوگوں نے پوچھا کہ آسمان والوں پر اور تمام انبیاء پر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ

وسلم کو فضیلت و عظمت عطا فرمائی لوگوں نے پوچھا کہ آسمان والوں پر کیسے فضیلت ہے تو اس وقت اللہ نے آسمان والوں کو فرمایا من یقل منهم انی اله من دونه فذالک نجزیه جهنم ان میں سے جو بھی اس طرح کہے گا کہ سوائے میرے اور کوئی الہ بھی ہے ہم اس کو جنہم میں سزا دیں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کیلئے ارشاد ہے انا فتحنا لک فتحا مبینا لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک و ما تاخر مراد یہ ہے کہ سب آسمان والے خوف اور عقاب کے خدشہ میں ہیں۔ جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مغفور ہیں اور مامون فرمائے گئے ہیں۔ اس کے بعد ان لوگوں نے عرض کیا۔ آپ کو دیگر انبیاء پر کس طور سے فضیلت کا شرف حاصل ہے۔ آنجناب نے ارشاد فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کے حق میں اس طرح فرمایا ہے۔ وما ارسلنک من رسول الا بلسان قومه ہم نے رسول کو اس کی قوم کی زبان میں ارسال کیا جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے لئے اس طرح فرمایا وما ارسلنک الا کافة للناس آپ کو تمام لوگوں کے لئے رسول بنا کر بھیجا ہے۔

سید المرسلین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بعض کمالات و کرامات کے آثار و انوار اس دنیا میں ظاہر اور واضح ہیں اور بعض وہ ہیں جو قیامت کے روز آخرت میں ظاہر ہوں گے۔ اس کا اصل میں ظہور روز قیامت میں ہو گا کہ آنجناب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم محبوب الٰہی۔ سرور کائنات اور لامتناہی فیوض رب تعالیٰ کے مظہر ہیں۔ اور اس دن یہ بھی عیاں ہو جائے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے خلیفہ رب العالمین اور نائب مالک یوم الدین ہیں جس مقام پر اس روز آنحضرت برگزیدہ ہوں گے وہ کسی اور کو عطا نہ ہو گا۔ آنحضرت کی مانند عز و شرف اس روز کسی کا نہ ہو گا۔ اور اس روز رب العالمین کے حکم سے وہ آپ کا دن ہو گا۔

اس روز حکم آپ کا ہی حکم ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ وللاخرة خیر لک من الاولی ولسوف یعطیک ربک فترضی اور یہ یقینی امر ہے کہ آپ کی آخر پہلی سے بہتر ہے۔ آپ کو آپ کا رب عنقریب اتنا عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔

جو باتیں پچھلے ابواب میں مذکور ہوئی ہیں۔ وہ چونکہ اس جہان سے متعلقہ تھیں۔ اس لئے اب آنجناب کے ان فضائل اور کمالات کا تذکرہ کریں گے جو آخرت سے متعلق یعنی قسم ثانی سے ہیں۔ (وباللہ التوفیق)۔

XX

بَاب ہشتم

عالم آخرت میں آپ کے مخصوص مراتب اور فضائل و کمالات

اللہ تعالیٰ نے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو تخلیق خلائق کی ابتداء میں فضیلت عطا فرمائی تھی اور کائنات کی آفرینش کا آنحضرت کو مبدا اور منشا متعین فرمایا اور آپ کو عالم ارواح میں اول الانبیاء بنایا اور آپ نے روز الست میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کیا تھا۔ اسی طرح ہی اللہ تعالیٰ نے معاد اور آخر کار میں آپ ہی پر فضل و کمال کی مہر لگائی۔ آنحضرت وہ پہلی ہستی ہیں جن کے لئے اللہ تعالیٰ سب سے اول زمین کو شق فرمائے گا۔ اور آنحضرت اپنی قبر انور سے باہر تشریف لائیں گے۔ عرصات محشر میں سب سے پہلے آپ ہی اللہ تعالیٰ کے جمال سے مشرف ہوں گے اور اس وقت جملہ مخلوقات محجوب ہوگی۔ آپ ہی سب سے پہلے نبی ہیں۔ جن کی امت کے لئے حکم الٰہی ہو گا کہ آپ اپنی امت کے ہمراہ صراط سے گزر فرمائیں۔ سب سے پہلے بہشت میں آپ ہی قدم رنجہ فرمائیں گے۔ اور آپ کی امت بھی دیگر تمام امتوں سے قبل جنت میں داخل ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے آنحضرت کو تحائف لطیف اور نہایت خوبصورت ظروف عطا فرمائے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ عطا حد و شمار سے باہر ہوگی۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔ میں لوگوں میں سب سے اول ہوں جس وقت انہیں قبور سے اٹھایا جائے گا۔ اور جب لوگ اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہوں گے۔ میں ان کا خطیب ہوں گا۔ لوگوں کو مایوسی کے عالم میں بشارت دینے والا ہوں گا۔ میرے ہی ہاتھ میں لواء الحمد ہو گا۔ اور رب تعالیٰ کے نزدیک آدم کی اولاد میں سب سے زیادہ مکرم میں ہوں۔ اور میں فخر نہیں کرتا۔ دیگر ایک روایت میں آیا ہے کہ جب لوگ در در ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہوں گے میں ان کا قائد بنوں گا۔ اور جب لوگ خاموشی اختیار کرلیں گے تو میں ان کا خطیب ہوں گا اور لوگوں کو روک دیا جائے گا میں ان کی شفاعت کرنے والا ہوں گا۔ اور میرے ہی ہاتھ میں جھنڈا ہو گا (لواء کرم)۔ میرے اردگرد ایک ہزار خادموں کا حلقہ بندھا ہو گا خادم اس طرح کے ہوں گے جس طرح کہ مروارید ناسفتہ ہوتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا مجھ کو حلہ بہشتی میں ملبوس کیا جائے گا۔ پھر میں بہت کی دائیں جانب کھڑا ہو جاؤں گا۔ اور ایسا مقام ہے جہاں پر سوائے میرے کوئی اور مخلوق کھڑی نہیں ہو سکے گی۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یوں آیا ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن آدم کی اولاد میں بہترین میں ہوں گا۔ میرے ہی ہاتھ میں لواء حمد ہو گا۔ میں یہ فخریہ نہیں کہتا۔ اس دن سب میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے خواہ وہ بنی آدم ہوں یا ان کے سوا۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس طرح ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن میں اپنے ہاتھ میں لوائے حمد اٹھائے ہوئے ہوں گا اور جنت کی زنجیر کھٹکھٹانے والا سب سے پہلا شخص میں

ہوں گا۔ تب جنت میرے لئے کھول دی جائے گی۔ اور میں اپنی امت کے فقیروں اور مومنوں کے ساتھ اس میں داخل ہوں گا۔ میں اولین و آخرین میں سب سے اکرم ہوں۔ اور میں یہ فخریہ نہیں کہتا آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے فرمایا کہ میں بہترین آدم ہوں قیامت کے دن۔ تم لوگ مجھے اس طرح دیکھو گے کہ اللہ تعالیٰ تمام پہلوں اور پچھلوں کو یکجا جمع فرمائے گا اس کے بعد شفاعت والی حدیث بیان فرمائی جو ابھی آگے آئے گی۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ مجھے یہ امید ہے کہ میں ہی تمام انبیاء میں سے اجر کے اعتبار سے عظیم ترین نبی ہوں گا۔ دوسری حدیث میں اس طرح ہے کہ آپ نے فرمایا کیا تم کو خوشی نہیں اس بات کی کہ تمہارے درمیان ابراہیم علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام موجود ہوں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ قیامت کے دن وہ میری امت میں شامل ہوں گے۔ ابراہیم علیہ السلام کہیں گے کہ تم میری دعا ہو اور میری اولاد میں سے ہو۔ لہٰذا تم اب مجھے اپنی امت میں شامل کر لو۔ عیسیٰ علیہ السلام اس طرح کہیں گے کہ سب انبیاء علاتی بھائی ہیں۔ اس لئے کہ وہ ایک باپ کی اولاد ہیں۔ اور مائیں مختلف ہیں۔ پھر کہیں گے کہ تم میرے بھائی ہو میرے اور آپ کے درمیان کوئی دوسرا نبی مبعوث نہیں ہوا۔ دوسروں کی نسبت میں آپ سے زیادہ قریب ہوں۔ اور آنحضرت نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن میں اولاد آدم کا سردار ہوں گا۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم اس دنیا میں اور عالم آخرت میں ان سب کے سردار ہیں۔

قیامت کے دن کو اس لئے مخصوص فرمایا ہے کہ اس روز آپ کی سرداری کا ظہور بڑھ کر ہو گا۔ نیز اس واسطے کہ مخلوق کے نفع پہنچانے میں قیامت کے روز آنحضرت منفرد اور یگانہ ہوں گے۔ جب لوگ آنحضرت کے پاس آکر اکٹھے ہوں گے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم سے پناہ حاصل کریں گے اس وقت کوئی دوسرا ان کا سید نہ ہو گا سوائے آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے۔ سید اسے کہا جاتا ہے جس کے سامنے اپنی ضروریات و حاجات پیش کی جائیں۔ آپ اس وقت سارے عالم بشریت و انس میں منفرد مقام کے حامل ہوں گے۔ کیونکہ آپ کے سامنے ہرگز کوئی مزاحم نہ ہو سکے گا۔ نہ ہی کسی دوسرے کو ایسا دعویٰ ہو گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی انفرادیت اس طرح ہو گی جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ لمن الملک الیوم للہ الواحد القہار آج کے دن کسے شہنشاہی حاصل ہے صرف اللہ واحد و قہار ہی کی ہے۔ دراصل اللہ تعالیٰ کی بادشاہت ہے عالم دنیا میں اور آخرت میں بھی۔ لیکن روز آخر سب دعویداروں کے دعوے جو دنیا میں بظاہر تھے ان کے سب دعوے ختم ہو جائیں گے۔ اسی طرح تمام لوگ سرور انبیاء صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے دامن شفاعت میں پناہ گزیں ہوں گے۔ لہٰذا بغیر کسی دوسرے کی شرکت کے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم تمام لوگوں کے سید و سردار ہوں گے۔ یہ قاضی عیاض رحمتہ اللہ علیہ نے شفا شریف میں بیان کیا ہے۔

ایک حدیث مواہب لدنیہ میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے فرمایا زمین تمام لوگوں سے پہلے میرے لئے پھٹے گی۔ پھر اس کے بعد ابو بکر کے لئے اور پھر عمر کے لئے رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس کے بعد میں اہل بقیع (بقیع قبرستان والوں) کے پاس آؤں گا تو وہ اپنی قبروں سے نکلیں گے۔ پھر مکہ والوں کے لئے میں منتظر

ہوں گا۔ حتیٰ کہ مکہ اور مدینہ شریف والوں کے درمیان والے لوگ قبروں سے اٹھیں گے۔ ترمذی کے نزدیک یہ صحیح حدیث ہے۔ حکیم ترمذی کی کتاب نوادر الاصول میں ابو حاتم کی ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت منقول ہے ایک روز حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنے گھر سے اس انداز میں تشریف باہر لائے کہ آپ کے دائیں حضرت ابوبکر صدیق تھے۔ بائیں طرف حضرت عمر تھے۔ تو آنحضرت نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کو بھی اسی طرح میں اٹھایا جاؤں گا۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم براق پر سوار ہو کر میدان محشر میں تشریف فرما ہوں گے۔ دیگر تمام انبیاء دابہ پر سوار ہوں گے اور حضرت صالح علیہ السلام اپنی اونٹنی پر سوار محشر میں آئیں گے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دونوں فرزند امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما میری ناقہ عضباء اور ناقہ قصواء پر علی الترتیب سوار ہو کر حشر میں آئیں گے۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی جنت کی ناقہ پر حشر میں آئیں گے۔

آنحضرت کی قبر انور پر ملائکہ کا طواف:۔ حضرت کعب احبار کی حدیث ہے کہ ہر روز صبح سویرے طلوع آفتاب سے پہلے آسمان سے ستر ہزار ملائکہ نازل ہوتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے روضہ انور کا طواف کرتے ہیں اپنے بازوؤں کو حرکت دیتے ہوئے وہ آنحضرت کی خدمت اقدس میں صلوٰۃ وسلام پیش کرتے ہیں۔ اور شام کو آسمان پر واپس چلے جاتے ہیں۔ اس کے بعد دیگر ستر ہزار فرشتے نازل ہوتے ہیں۔ اسی طرح ہر روز ہوتا رہے گا۔ حتیٰ کہ جس روز زمین کو کھولا جائے گا۔ اور میں زمین سے باہر نکلوں گا۔ تو میں ستر ہزار ملائکہ کے جھرمٹ میں ہوں گا اور فرشتے اس شان و انداز سے مجھے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں لے جائیں گے جس طرح برات والے دلہن کو لے کر دولہا کے گھر جاتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے جامع الاصول میں روایت کیا گیا ہے کہ سب سے پہلا شخص میں ہی ہوں جس کے لئے زمین کھلے گی۔ اس کے بعد مجھے بہشتی حلہ پہنائیں گے۔ روایت سے ظاہر یہ ہی ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے لئے دونوں ہیں سب سے پہلے زمین کا شق ہونا جنتی حلہ پہننا ثابت ہے۔ اور دوسری روایت میں جو مذکور ہوا کہ جس شخص کو مخلوقات میں سب سے پہلے جنتی حلہ پہنائیں گے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ بیہقی نے اس سے زیادہ نقل کیا ہے کہ جس شخص کو خلقت میں سے سب سے پہلے جنتی حلہ پہنائیں گے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں ان کو جنتی حلہ پہنا دیا جائے گا۔ اس کے بعد ایک کرسی لائی جائے گی۔ اسے عرش کے دائیں طرف رکھیں گے اس کے بعد مجھ کو جنتی حلہ پہنائیں گے اس سے پہلے کہ دوسرے کسی بشر کو بہشتی حلہ عطا کیا جائے۔ عرش کے دائیں طرف کرسی پر مجھے بٹھایا جائے گا۔ اس کے جواب میں یہ کہا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم کو حلہ بہشتی پہلے پہنانے کی تخصیص اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ وہ آنحضرت سے زیادہ فضیلت رکھتے ہیں دوسرا احتمال یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنے ہی لباس میں اپنے روضہ مبارک سے باہر تشریف لائیں۔ اور جو لوگ اپنی قبور سے ننگے باہر آئیں گے ان کے برعکس ازروئے تعظیم و تکریم حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو بہشتی حلہ ان سے قبل پہنایا جائے۔ جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بوجہ ان کی برہنگی دوسروں سے پہلے جنتی حلہ پہنا دیا جائے گا اس طرح ماسوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے باقی مخلوق سے حلہ پہلے

پہننے کی اولیت ابراہیم علیہ السلام کو حاصل ہو۔ اور حلیمی کا جواب یہ ہے کہ جس طرح کہ حدیث پاک سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ پہلے حلہ ابراہیم علیہ السلام کو پہنایا جائے گا پھران کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو لیکن نبی پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا حلہ مبارک حلہ ابراہیمی سے زیادہ نفیس اعلیٰ اور مجلی ہو گا۔ اس کا نہایت نفیس و خوبصورت ہونا از روئے حدیث بتایا گیا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے لئے اس بارے میں اولیت کا نہ ہونا اس ضمن میں یہ بندہ مسکین (صاحب مدارج) اللہ اسے مقام تمکین پر قائم رکھے کہتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو حلہ پہلے پہنانا اس لئے ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے والد ہیں۔ کیونکہ ایسے امور میں والدین کو اولاد پر تقدیم حاصل ہوتی ہے۔ یہ تو جزوی فضیلت ہے حسی امور میں ورنہ سب دوسرے معنوی فضائل کے اعتبار سے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم افضل ہیں۔ پس کرسی پر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہی کی نشست ہوگی اور ابراہیم علیہ السلام کی نہیں۔

کچھ علماء کا قول یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو نمرود کی جانب سے برہنہ کرنے کی جزاء میں انہیں حلہ پہنانے میں تقدیم ہے۔ جس وقت کہ انہیں آتش میں ڈال دیا گیا تھا۔ (کذا قیل واللہ اعلم) یہ ایک مشہور بات ہے کہ عام لوگ ننگے پاؤں ننگے سر اور ننگے بدن کے ساتھ محشور ہوں گے جس طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں بخاری شریف میں آچکا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پاک میں بھی اسی جانب اشارہ ہے۔ کمابدانا اول خلق نعیدہ جس طرح ہم نے پہلی دفعہ پیدا کیا۔ اسی طرح دوبارہ اٹھائیں گے۔ اس کے برعکس ابن حبان اور ابوداؤد میں مروی ہے کہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے اپنے وصال کے وقت نئے کپڑے مانگے۔ اور ان کو پہنا۔ پھر فرمانے لگے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے سنا ہے آپ نے فرمایا کہ میت انہیں کپڑوں میں محشور ہو گی جن میں وہ مرتا ہے اور صاحب مواہب لدنیہ نے حارث بن ابی اسامہ اور احمد منیع سے روایت کیا ہے کہ مردوں کو ان کے کفنوں میں اٹھایا جائے گا۔ اور کفنوں میں ہی وہ ایک دوسرے سے ملیں گے۔

ان حدیثوں اور بخاری کی حدیث میں جمع و تطبیق کرتے ہوئے یہ کہا گیا ہے کہ کچھ مردے برہنہ قبروں سے نکلیں گے اور بعض کا لباس ان کے کفن ہوں گے اور بعض کا قول ہے کہ اس سے مراد بداعمالیاں ہیں۔ ان کو ان پر اٹھایا جائے گا۔ لیکن حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ حدیث کی تاویل نہ کرپائے اور ظاہر حدیث پر عامل ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے کچھ صحابہ کرام اہل ظواہر میں سے تھے۔ وہ فرمودات کی تاویلات نہ کرتے تھے۔ جس طرح حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ روزہ کے ضمن میں سفید اور سیاہ دھاگے کی تاویل نہ پا سکے۔ یہی قول تور یشتی کا ہے۔ شرح مشکوۃ میں ان احادیث پر زیادہ بحث کی ہے۔ (واللہ اعلم)

لواء الحمد تنبیہ:۔ الطیبی کے قول کے مطابق لواء الحمد سے مراد ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی فردیت اور شہرت بلحاظ حمد اور مقام محمود۔ جس طرح شفاعت کے بارے میں معلوم ہوتا ہے اور مواضع شہرت پر لواء کا وضع

کرنا عربوں کا معمول ہے۔ جس طرح کہ روایت میں آتا ہے۔ لکل غادر لواء (سب غداروں کے لئے جھنڈا ہے)۔ اور یہ بھی امکان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ہاتھ میں جھنڈا ہی موجود ہو۔ جس کا نام لواء الحمد ہو۔

صاحب مواہب بحوالہ طبرانی ریاض النصرۃ میں ایک حدیث نقل کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا اے علی! کیا تمہارے علم میں نہیں ہے کہ سب سے پہلا شخص جو قیامت کے دن خطبہ دے گا میں ہوں۔ میں عرش کے سایہ میں اس کے دائیں طرف کھڑا ہوں گا مجھ کو جنت کا لباس پہنایا جائے گا۔ تم آگاہ رہو کہ قیامت کے دن وہ میری امت ہوگی جس کا حساب سب سے پہلے ہوگا۔ اس کے بعد خوشخبری ہے تمہارے لئے کہ پہلے شخص جس کو بلایا جائے گا تم ہو۔ لوگوں کا جھنڈا تمہارے سپرد کردیا جائے گا۔ اس کا نام لواء الحمد ہے۔ اس لئے کہ اس وقت آدم اور سب مخلوق سایہ کی تلاش میں ہوگی۔ وہاں یہ سایہ صرف میرے جھنڈے کا ہوگا۔ اور وہ میرا جھنڈا ایک ہزار چھ صد سال کی مسافت کے برابر دراز ہوگا میرے لواء کا سنان یاقوت احمر کا' قبضہ سفید چاندی کا اور سبز رنگ کے مروارید سے ڈنڈا بنا ہوا ہوگا۔ اور اس کی تین نور کی بنی ہوئی زلفیں ہوں گی۔ ایک مشرق میں دوسری مغرب میں اور تیسری دنیا کے وسط میں۔ ان میں تین سطور تحریر شدہ ہوں گی ایک سطر میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم دوسری میں الحمد للہ رب العالمین اور تیسری پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہوگا۔ ہر سطر ہزار سال کے برابر لمبی ہوگی۔ اور اس کی چوڑائی بھی ہزار سال کے برابر ہوگی۔ اے علی! وہ لواء میں تیرے سپرد کروں گا۔ اس وقت تمہارے دائیں طرف امام حسن اور بائیں طرف امام حسین رضی اللہ عنہما کھڑے ہوں گے۔ حتیٰ کہ میرے اور ابراہیم علیہ السلام کے درمیان میں عرش کے سایہ تلے تم بھی ہوگے۔ تمہیں بہشتی لباس میں ملبوس کیا جائے گا۔ خصائص میں ابن سبع سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ لواء الحمد کیا ہے۔ اور وہ کس طرح کا ہوگا؟ آنحضرت نے فرمایا اس کی لمبائی ایک ہزار برس کے سفر کے برابر ہے۔ (الی آخر حدیث)

صاحب مواہب لدینہ کا قول ہے کہ حافظ قطب الدین حلبی نے کہا ہے کہ محب بن الہمام سے منقول ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ اور اس حدیث میں وضع کی علامات ہیں۔ لواء الحمد کی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ بندہ مسکین عفی عنہ (شیخ عبدالحق) کہتا ہے کہ ان کا یہ کہنا کہ واللہ اعلم بحقیقتہ لواء الحمد بالکل ٹھیک ہے۔ احادیث میں حقائق کی تعبیرات مثالوں میں بیان ہوئی ہیں۔ جس طرح لوح و قلم کے بارے میں ہے کہ وہ زبرجد کی ہے یاقوت کی اور عرش کے حاملوں کے متعلق ہے کہ ان کے ایک کان کی لو سے دوسرے کان کی لو تک فاصلہ دو صد سال کی مسافت کے برابر ہے۔ سات صد برس بھی ایک روایت میں آیا ہے۔ اس طرح کی اور متعدد مثالیں موجود ہیں اور ہمارا ان پر ایمان ہے۔ جو صحت اور ثبوت کے مرتبہ کو پہنچی ہوئی ہیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے نقل کی گئی ہیں۔ اور جو کچھ مفہوم ان سے اخذ کیا جاتا ہے۔ اگر ان کی تاویل صحیح مروی ہے تو پھر بھی ہم ان پر ایمان لاتے ہیں اور کوتاہ بین عقل و خرد کے حکم استحالہ و استبعاد کو ہم چھوڑ دیتے ہیں اور اس قسم کی باتوں کی حقیقت اللہ تعالیٰ پر بھی چھوڑتے ہیں۔ محدثین کو ان کی اسناد میں کسی قسم کا کلام ہو تو یہ اور بات ہے۔

اور اگر معانی استبعاد و استحالہ ظاہر کئے جائیں تو اللہ قادر مطلق کا کمال قدرت اسکا جواب خود دیتا ہے۔ (واللہ اعلم)

بقول صاحب مواہب عرف عرب میں جھنڈوں کی حفاظت ہوتی ہے۔ لیکن یہ جھنڈا رئیس اور سردار قوم یا فوج کے امیر لشکر کے پاس ہوتا ہے اس کے اذن سے دوسرے کے پاس بھی جھنڈے جانا ممکن ہوتا ہے۔ عربی لوگ جھنڈے کی اتباع میں ہوتے ہیں اور ان کی حرکت و جنبش جھنڈے کی حرکت کے موافق ہوتی ہے۔ اور اہل عرب جنگ میں اپنی نگاہیں جھنڈے کی طرف نہیں رکھتے اور علم بردار کو لڑائی کرنے سے بھی روکتے نہیں۔ بلکہ وہ تو علم بردار کے ساتھ شامل ہو کر شدت سے قتل و غارت کرتے ہیں۔ پس ہر ایک پر جھنڈے کی حفاظت کرنا واجب نہ ہوتا تھا۔ جیسے کہ جنگ خیبر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو علم عطا کیا گیا تھا۔ حضور نے ارشاد فرمایا تھا کہ کل اس شخص کو جھنڈا عطا کریں گے۔ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو محبوب رکھتا ہے اور خدا تعالیٰ اور اس کا رسول اس کو دوست رکھتے ہیں۔ صاحب مواہب بھی اسی طرح ہی کہتے ہیں غزوہ موتہ کے ضمن میں آیا ہے کہ حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے علم ہاتھ میں لے کر خوب قتل کیا۔ یہاں تک کہ وہ شہید ہو گئے۔ پھر عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے جھنڈا اپنے ہاتھ میں تھام لیا۔ انہوں نے حرب و ضرب اور قتل کیا۔ انہوں نے بھی شہادت پائی تو خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے علم اٹھالیا۔ اور لڑائی و قتل کیا اور فتحمند ہوئے (کما قال) پس یہ معلوم ہو گیا کہ امیر لشکر کے پاس ہی جھنڈا ہوتا ہے۔ (واللہ اعلم بحقیقتہ الحال)

حوض کوثر:۔ وصل:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے حوض کوثر کی نسبت سے بھی فضیلت عطا کی۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں وارد ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ کہ میرے حوض کی لمبائی ایک مہینے کی مسافت کے فاصلہ کے برابر ہے۔ اور اس کی پہنائی بھی اسی قدر ہے۔ میرے حوض کا پانی شہد سے بڑھ کر میٹھا ہے۔ اور موتیوں پر اور یاقوتوں پر بہتا ہے اور دودھ سے زیادہ سفید ہے دیگر ایک روایت میں ہے کہ حوض کا پانی چاندی سے بڑھ کر سفید ہے۔ کچھ روایات ہیں جن میں برف سے زیادہ سفیدی مذکور ہے۔ اور اس کی خوشبو مشک نافہ سے بھی کہیں بڑھ کر ہے۔ اور آسمانی ستاروں کی طرح کے اس کے پیالے ہیں۔ حوض کے اردگرد موتیوں کے قبے استادہ ہیں۔ اور حدیثوں میں کئی مقامات پر حوض کی مسافت کی حد و حساب مندرج ہے۔ ہر جماعت نے اپنے متعلقہ شہر کی معروف و متعارف مسافت سے حوض کی مسافت کی نشانیاں بیان کی ہیں۔ ظاہرا" معلوم ہوتا ہے کہ ان سب کی بیان کردہ مسافت برابر ہی ہے اور یا قریب قریب ضرور ہے۔ کسی مقام پر اگر کوئی فرق عیاں ہوتا ہے تو اس سے بھی ان کی مراد مسافت کی زیادتی کی طرف اشارہ ہے اور بیان تو قریبی اندازہ و تخمینہ ہی کرنا ہوتا ہے۔ بعض حضرات کا قول ہے کہ تھوڑی مسافت کا ذکر کیا جائے تو اس میں زیادہ مسافت سے منافات و مدافعت نہیں ہوتی۔ شارح کرمانی کا یہ اندازہ ہے۔ اکثر مقامات پر وہ اسی قسم کی توجیہات پیش کرتے ہیں۔ بعض علماء اس طرح کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے شروع شروع میں تھوڑی اور قلیل مسافت بتائی تھی۔ اور اس کے بعد پھر زیادہ مسافت بیان فرمائی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو بتدریج اور تھوڑی تھوڑی کر کے وسعت کی ساری تفصیل بتائی تھی۔ پس ہمارا اعتماد و ایمان لمبی مسافت پر ہونا چاہیے۔ کچھ

حضرات کا خیال اس طرح بھی ہے کہ یہ اختلاف راویوں کے اضطراب کے باعث ہے جو روایت میں پایا جاتا ہے حالانکہ حقیقتاً یہ بات نہیں ہے (واللہ اعلم)۔

حدیث شریف میں حوض کوثر کی چوڑائی اس کی لمبائی کے برابر ہی مذکور ہوئی ہے۔ اور گہرائی ستر ہزار فرسخ ہے۔ اور حدیث میں آیا ہے کہ اس کا پانی پینے والا شخص پھر کبھی پیاسا نہ ہو گا۔ بعض اس طرح کہتے ہیں کہ ظاہری طور پر تو اس کلام سے پتہ چلتا ہے کہ حساب و میزان کے بعد اور دوزخ سے بعد حوضِ کوثر سے پانی پیتا ہو گا۔ کیونکہ جو شخص پھر کبھی پیاسا نہ ہو گا اس سے ظاہر ہے کہ وہ آتش کے عذاب سے نجات یافتہ ہو گا کیونکہ پیاس اور حرارت و حرکت کا لازمی تعلق دخول نار کے ساتھ ہے۔ اور یہ احتمال بھی پایا جاتا ہے۔ کہ عذاب ہی اس قدر تھوڑا دیا جائے گا کہ پیاس نہ لگے کچھ حضرات یوں بھی فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حوض ہی دو ہیں۔ ایک حوض عرصات محشر میں ہو گا اور دوسرا جنت میں۔ دونوں حوض کوثر کے نام سے موسوم ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے ذریعے مدد کی گئی ہے۔ بعض اس طرح بھی کہتے ہیں کہ ہر نبی کا اس کے مرتبہ و مقام کے مطابق ایک حوض ہو گا۔ یہ روایت بھی اگر پایہ ثبوت کو پہنچ جائے تو پھر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہمارے پیغمبر کے حوض سے ان کے حوضوں میں پانی جاتا ہو گا کیونکہ کوئی دوسرا حوض آنحضرت کے حوض جیسا منقول نہیں ہوا۔ اور آنحضرت پر سورۃ الکوثر میں یہ احسان جتایا گیا ہے انا اعطینک الکوثر (بلاشبہ آپ کو ہم نے کوثر عطا کیا) عام طور پر مشہور بھی یہی بات ہے کہ حوض کی تخصیص آنحضرت کے ساتھ ہی ہے۔ قرطبی سے نقل کیا گیا ہے کہ ہر مکلف شخص پر اس تخصیص حوض کا علم رکھنا اور اس کی تصدیق کرنا لازم اور واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حوض سے ہمارے نبی کو خصوصیت عطا فرمائی ہے۔ اور یہ امر صحیح اور مشہور احادیث میں ثابت ہے۔ اس لئے ان سب روایتوں پر قطعی علم ہو جاتا ہے اور یہ بات تین سے بھی زیادہ تعداد صحابہ کرام سے روایت ہوئی ہے جن میں بیس تو صرف بخاری و مسلم میں ہی مذکور ہو چکے ہیں۔ باقی کے حضرات ان کے علاوہ دوسری احادیث میں آئے ہیں۔ اور اسی قدر تعداد میں تابعین نے بھی صحابہ سے یہ روایتیں لی ہیں پھر تابعین سے تبع تابعین حتیٰ کہ سلف و خلف کا اس پر اجماع ہو گیا۔

ایک مرفوع روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مسلم شریف میں ہے کہ میری امت میرے حوض پر مجتمع ہو کر آئے گی۔ میں دوسروں کو حوض سے روک رہا ہوں گا۔ علماء حضرات آنحضرت کے اپنے حوض سے دوسروں کو روکنے میں یہ حکمت بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت نے فرمایا ہے کہ ہر امت کے واسطے اس کے اپنے نبی کا ایک حوض مخصوص ہے۔ پس آنحضرت کا دوسروں کو روکنا از روئے عدل اور اپنے دوسرے انبیاء بھائیوں کی رعایت میں ہے۔ آپ کا روکنا ان کو جھڑکنا نہیں اور نہ ہی بوجہ بخل ہے۔ کیونکہ وہ تو امن کا مقام ہو گا اور آنحضرت بذات خود بھی اجود الاجودین اور رحمۃ للعالمین ہیں۔ ہاں ممکن ہے کہ آپ صرف ان لوگوں کو حوض سے روکتے ہوں جو پینے کا حق نہ رکھتے ہوں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرا حوض چار کناروں والا ہے۔ ایک کنارہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ذمہ داری اور سپردگی میں ہو گا دوسرے کنارے کے سپردار

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہوں گے تیسرے کے عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ اور چوتھے کے حضرت علی رضی اللہ عنہ۔ پس ابوبکر سے محبت رکھنے والے اور عمر رضی اللہ عنہ سے بغض والے شخص کو وہ پانی نہ پلائیں گے۔ اور اسی طرح جو لوگ حضرت علی سے محبت رکھنے والے ہوں گے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ وغیرہ سے بغض و کینہ رکھتے ہوں گے ان کو حضرت علی پانی نہ پلائیں گے۔ یہ ابوسعید سے مشرف النبوۃ میں اور الغیلانی سے مروی ہوا ہے۔ اور مواہب میں بھی اسی طرح نقل کیا گیا ہے اور یہ مشہور بات ہے کہ علی رضی اللہ عنہ ساقی کوثر ہیں۔ اور علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت ابوبکر سے دشمنی رکھنے والے شخص کو میں حوض کا پانی نہیں پلاؤں گا۔ (واللہ اعلم)

مقام محمود اور شفاعت کی فضیلت:۔ وصل:۔ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ اپنی جانب سے شفاعت اور مقام محمود پر کھڑا فرمائے گا عسی کا لفظ خواہش پیدا کرنے کے لئے وارد ہوا ہے۔ یہ لفظ کسی فرد کو کسی چیز کی طمع دلانے کی خاطر ہے۔ اور پھر اس شخص کو وہ چیز نہ دینا ایک نقص ہے اور ندامت کا جواب ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات تو کہیں زیادہ کریم ہے کہ وہ کسی کو پہلے خواہش دلا کر امید دلائے اور پھر عطا نہ کرے اور اس کو محرومی میں رکھے۔ کسی شخص نے مقام محمود کے متعلق حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے سوال کیا۔ تو انہوں نے فرمایا کہ مقام محمود مقام شفاعت ہے اور آنحضرت کا عرش کے دائیں طرف کھڑا ہونا ہے۔ اس مقام پر آنحضرت کے علاوہ کوئی دوسرا کھڑا نہیں ہو سکے گا۔ اور آنحضرت پر سب پہلے اور پچھلے لوگوں کو رشک و غبط ہو گا۔ کعب احبار اور حسن بصری نے بھی اسی طرح ہی روایت کیا ہے۔

دیگر ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ یہ ایسا مقام ہے جہاں پر میں اپنی امت کے حق میں اللہ سے شفاعت کروں گا۔ اور آنحضرت نے فرمایا کہ مجھ کو یہ اختیار عطا کیا گیا ہے کہ خواہ اپنی آدھی امت کو بغیر حساب و میزان جنت میں داخل کروالوں اور خواہ اختیار شفاعت لے لوں۔ پس میں نے دونوں میں شفاعت اختیار کرلی۔ کیونکہ یہ اعم اور اشمل ہے۔ اور آپ نے فرمایا کہ کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ شفاعت پرہیزگاروں کے لئے ہی ہوگی؟ ہرگز ایسا نہیں ہے بلکہ یہ تو گنہگاروں اور خطاکاروں کے لئے بھی ہوگی۔ اور شفاعت دفع عذاب کے واسطے ہے۔ پھر بھی یہ شفاعت متقی لوگوں کے حق میں بلندی درجات کی خاطر ہوگی۔

مواہب لدنیہ میں واحدی سے منقول ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ اہل تفسیر کا اس امر پر اجماع مفسرین ہے کہ مقام محمود مقام شفاعت ہے۔ جس طرح کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن کی اس آیت کی تفسیر فرمائی ہے۔ آپ نے فرمایا ھو المقام الذی اشفع فیہ لامتی یہ ایسا مقام ہے جہاں پر میں اپنی امت کے حق میں شفاعت کروں گا۔ ابن الخطیب امام فخر الدین رازی رحمتہ اللہ علیہ سے منقول ہوا ہے کہ محمود کا لفظ اپنے معانی کی جانب مشعر ہے کیونکہ انسان کی جب کوئی دوسرا تعریف کرے اس وقت وہ محمود ہوتا ہے اور تعریف نہیں ہو سکتی سوائے انعام پر۔ اور مقام شفاعت وہ مقام ہے جس سے بذریعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مخلوق عظیم ترین نعمتوں سے سرفراز ہوگی پس سب مخلوق آنحضرت کی حمد بجالائے گی اور صفت و ثنا کرے گی۔ گو آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم اس دنیا میں بھی بوجہ احکام الٰہی کی تبلیغ اور تعلیم شریعت محمود

ہیں پھر بھی اس بے نظیر مقام محمود پر آپ کو حمد کامل اور نفع عظیم میسر ہوگا۔ کیونکہ بہ نسبت اجر و ثواب میں زیادتی کے لئے کوشش کرنے کے عذاب و عقاب سے نجات دلانا اور کوشش فرمانا زیادہ بڑھ کر عظمت کا حامل ہے۔ اور منافع و فوائد کے حصول اور حاجات کی تکمیل کی بجائے دفع ضرر کی حاجات کو پورا فرمانا بزرگ تر ہے۔ انتہی۔ اور یہ پوشیدہ نہ رہے کہ حمد کی مشہور تعریف اس طرح ہے کہ یا تو حمد انعام و اکرام پر ہوتی ہے۔ اور یا بغیر اس کے۔ اور انعام و اکرام پر ہونے والی حمد شکر ہوتا ہے اس لئے کہ یہ واضح امر ہے کہ منعم کی تعظیم نعمتوں کے انعام کے مطابق ہوتی ہے جبکہ شکر حمد کا ایک فرد ہے۔ اور اس جگہ امام فخرالدین رازی کا مقصود یہی حمد ہے۔ اور یا پھر وہ حمد جو آپ کے آگے ہوگی اور وہ حمد انعام کے ساتھ مخصوص ہے اور زبان سے ہوگی۔ اور اگر حمد شکر کے مترادف یعنی ہم معنی ہو تو اس کی بھی صورت امام صاحب کے نزدیک یہی ہے کیونکہ وہ صاحب اصطلاح ہیں۔ انہیں حق حاصل ہے کہ جو اصطلاح قائم کریں۔ اور یہ جو کہا گیا ہے کہ حمد راس الشکر ہے (شکر کا سر)۔ یہ اس حمد پر دلالت ہے جس کا ایک فرد شکر ہے۔ دوسرے افراد سے یہ فرد (شکر) بالاتر ہے۔ پس یہاں یہ مفہوم اخذ ہوا کہ حمد و شکر کے درمیان بوجہ عام یا خاص نسبت ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فضل و کمال اور عظمت و جلال کے مقامات پر محمود ہیں اور مثنی علیہ ہیں۔ جنہیں اللہ تبارک تعالیٰ نے عطا فرمایا۔ اور اس دن یعنی روز قیامت آپ کے لئے تخصیص فرمادی۔ جس طرح کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو عرش کے دائیں طرف کھڑا فرمائے گا۔ ایک روایت عرش کے اوپر آیا ہے اور دوسری روایت میں کرسی پر آیا ہے اور اللہ آپ کو جنت کی چابی سپرد کردے گا۔ اور لواء حمد آنحضرت کے ہاتھ میں عطا فرمائے گا۔ ان کمالات میں سے شفاعت بھی ایک کمال ہے۔ جس سے سب مخلوق عظیم استفادہ کرے گی پس اگر ہم آنحضرت کی بلند منزلت منافع مخلوق اور مخلوق کو مستفید فرمانا مراد لیں جبکہ یہ سب امور شفاعت میں شامل ہیں تو بھی درست ہی ہے۔ اور ایک غریب روایت مجاہد سے آئی ہے کہ اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اپنے پاس عرش پر بٹھائے گا۔ اور یہ ہی مطلب ہے مقام محمود کا۔ لیکن وحدی کے قول کے مطابق یہ بات ردی، موحش اور تقطیع ہے الفاظ و معانی ہر دو طرح سے۔ لفظی بنا پر اس واسطے کہ بعث کا معنی اٹھانا یا بھیجنا ہوتے ہیں۔ اور یہ اجلاس (بٹھانا) کے الٹ ہے اور آیہ کریمہ میں آیا ہے۔ مقاما محمود۔ اور مقعدا محمودا نہیں آیا ہے۔ اور معنی کے لحاظ سے اس طرح کہ اللہ تعالیٰ پر اطلاق جلوس اور حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ جلوس فرمانے میں معیت، مکان وحدانیت اور جہت لازم آتے ہیں۔

یہ بندہ مسکین (شیخ عبدالحق) ثبتہ اللہ فی مقام صدق والیقین کہتا ہے کہ پوشیدہ نہ رہے کہ یہ حدیث اگر صحیح ہو تو متشابہات میں شمار ہوتی ہے اور اس تاویل سے ماول ہوگی جو استویٰ علی العرش میں تاویل کی جاتی ہے۔ یا جیسے کہ عندربک اور عندعلیک مقتدو وغیرہ آیات قرآن کے معانی بیان کرتے ہیں کہ یہ بیان درجہ اور مرتبہ کے لحاظ سے ہے مکان کے اعتبار سے نہیں ہے اور مجاہد کا جو قول ہے یجلسہ ربہ معہ علی العرش اس کے بارے میں علامہ شیخ ابن حجر عسقلانی نے فرمایا ہے کہ یہ نقل اور نظر دونوں لحاظ سے مرفوع نہیں ہے۔ ان کا بھی اشارہ ادھر ہی ہے جو ابھی مذکور ہوا ہے ابن عباس

رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کرسی پر بٹھائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ آنحضرت کے سامنے ہوں گے۔ گذشتہ روایت کی طرح اس روایت کے معانی بھی وہی ہوں گے۔ الغرض اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس مقام پر فائز فرمائے گا۔ جو کسی اور کو عطا نہیں ہوا اور یوم آخرت پر اللہ تعالیٰ ہی کا حکم ہو گا اور اللہ تعالیٰ کی نیابت و خلافت آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے لئے ہوگی۔ **لا الہ اللہ محمد رسول اللہ**

شفاعت کی حدیث:۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ 'ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ سے روایات اس ضمن میں مشہور ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم شفاعت فرمائیں گے۔ اور صحاح ستہ اور دیگر کتب میں ذکر آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں قیامت کے دن کو سب آدمیوں کا سردار ہوں۔ یہ تجسس ہو گا کہ وہ کیسے۔ تو اللہ تعالیٰ اولین و آخرین تمام لوگوں کو اکٹھا کرے گا۔ اس کے بعد انہیں اس قدر غم 'الم 'اور سختی ہوگی کہ انہیں برداشت کی تاب نہ ہوگی۔ پس کہیں گے کہ دیکھتے نہیں ہو کہ کس قدر سختی اور شدت میں پھنس گئے ہیں۔ کیا تم کسی ایسے کی تلاش و جستجو نہیں کرتے ہو جو اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہاری شفاعت کرے تو سب آپس میں کہیں گے کہ آدم علیہ السلام سب کے والد ہیں۔ ان کو ملو۔ تو سب لوگ اکٹھے ہو کر آدم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔ اور عرض کریں گے۔ اے آدم! آپ ہم سب کے باپ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بدست خود آپ کو پیدا فرمایا اور آپ میں اپنی طرف سے روح پھونکی۔ پھر سب فرشتگان سے آپ جناب کو سجدہ کرایا۔ اور اللہ تعالیٰ آپ کو بہشت میں جاگزین فرمایا۔ آپ کو تمام اشیاء کے اسماء سکھا دیئے آپ اب اللہ تعالیٰ کے دربار قدس میں ہماری شفاعت فرمایئے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ ہمارا حال کیا ہے اور کیسی شدت و مصیبت کے اندر ہم گرفتار ہیں۔ آپ ہم کو اس مصیبت سے نجات دلائیں تو آدم علیہ السلام کہیں گے کہ بے شک آج کے دن اللہ تعالیٰ نے جس غضب کا اظہار فرمایا ہے۔ اس سے قبل کبھی نہیں ہوا اور نہ ہی بعد میں کبھی ہو گا لیکن بات یہ ہے کہ اللہ نے مجھے درخت کے پھل سے منع فرمایا تھا لیکن مجھ سے بے فرمانی ہو گئی۔ نفسی نفسی (مجھے تو اپنی جان کی فکر ہے) تم لوگ میرے علاوہ کسی اور کے پاس جاؤ۔ تم نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ پس وہ نوح علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور عرض کریں گے اے نوح! آپ سب سے پہلے رسول ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے زمین پر بھیجا تھا۔ اور حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام عبد الشکور رکھا۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ہمارا کیا حال ہو گیا ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ کس قسم کی شدت و سختی ہمیں پہنچ رہی ہے کیا آپ اپنے پروردگار کے سامنے ہماری شفاعت نہیں کرتے۔ پس نوح علیہ السلام کہیں گے کہ اللہ پروردگار نے آج ایسا غضب فرمایا ہے جو اس سے قبل کبھی نہ فرمایا گیا۔ نہ آئندہ کبھی ایسا غضب فرمائے۔ نفسی نفسی اور نوح علیہ السلام اپنی خطا یاد کریں گے کیونکہ انہوں نے نادانستگی میں اللہ تعالیٰ سے اپنے بیٹے کی نجات کا سوال پیش کیا تھا۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ وہ اپنی مانگی وہ دعا یاد کریں گے جو غرقابی امت کے لئے کی تھی۔ اور لوگوں کو کہیں گے کہ تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ پس سب لوگ ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور کہیں گے کہ آپ زمین والوں کے درمیان اللہ تعالیٰ کے نبی اور خلیل ہیں اپنے پروردگار کی بارگاہ میں ہمارے لئے شفاعت فرمائیں کیا آپ دیکھتے نہیں

ہیں کہ ہم کس قدر سختی میں مبتلا ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کہیں گے کہ رب تعالیٰ نے آج ایسا غضب ظاہر فرمایا ہے۔ کہ اس طرح کا غضب نہ قبل ازیں کبھی ظاہر ہوا اور نہ ہی آئندہ کبھی ہو گا۔ لیکن مجھ سے تو تین دروغ ظاہرا" بولے گئے تھے۔ وہ ان کو یاد کریں گے اور کہیں گے۔ نفسی نفسی تم لوگ چلے جاؤ اور کسی دوسرے کو مجھ سے علاوہ تلاش کرو۔ یہ بہتر ہو گا۔ اگر تم موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ وہ اللہ تعالیٰ کے کلیم ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے بغیر کسی واسطہ کے کلام فرماتا تھا۔ ان کو اپنے نزدیک فرما کر ان سے لمبی گفتگو کی ہے۔ پس لوگ موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے کہ اے موسیٰ علیہ السلام! آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی رسالت اور اپنے کلام سے عزت بخشی ہے۔ آپ نہیں دیکھ رہے کہ کیسی شدت میں ہم گرفتار ہیں۔ آپ رب تعالیٰ کی بارگاہ میں ہماری شفاعت فرمائیں موسیٰ علیہ السلام کہیں گے آج کے دن میرے پروردگار نے ایسا غضب فرمایا ہے کہ نہ پہلے کبھی ہوا تھا اور نہ ہی بعد میں ایسا غضب ہو گا میں اس قابل نہیں ہوں کہ شفاعت کر سکوں میں نے ایک جان کو مار ڈالا تھا۔ جس کو مارنے کا مجھے حکم نہیں دیا گیا تھا۔ نفسی نفسی آپ مجھے چھوڑ کر کسی اور کے پاس جاؤ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس چلے جاؤ وہ اللہ تعالیٰ کی روح ہیں اور کلمتہ اللہ ہیں لہٰذا لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور کہیں گے یا حضرت! آپ اللہ تعالیٰ کی روح اور کلمتہ اللہ ہیں۔ آپ اپنی والدہ کی جانب القاء کئے گئے تھے۔ اور آپ نے جھولے میں ہوتے ہوئے لوگوں سے کلام کیا تھا۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ کیا مصیبت ہے جس میں ہم پڑے ہوئے ہیں۔ یہ سن کر عیسیٰ علیہ السلام کہیں گے کہ میرے رب کا غضب آج کے دن ایسا ہے جیسا نہ اس سے قبل ہوا تھا نہ بعد میں ہو گا۔ یہاں عیسیٰ علیہ السلام کا خطاب مذکور نہیں ہوا لیکن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے کہ فرمائیں گے مجھے اس پر (کہ مجھے لوگوں نے اللہ کے سوا اپنا معبود بنا لیا) گرفت کی جائے تو میں شفاعت کے قابل نہیں ہو سکتا۔ نفسی نفسی تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو جاؤ۔ ان کا دامن شفاعت مضبوطی کے ساتھ پکڑو۔ وہ ایسی ذات ہیں جو سب اولین و آخرین زلات سے مبرا ہیں۔ اور وہ مغفور ہیں تب سب لوگ حضور کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کریں گے کہ آپ ملاحظہ فرمائیے کہ ہمارا حال کیا ہو چکا ہے آپ اپنے رب کے پاس ہماری شفاعت فرما دیں۔ تو آنحضور کا ارشاد ہو گا۔ ہاں ہاں یہ میرا کام ہے اور میں ہی یہ کام کروں گا۔ اور پھر ان کو میں بہشت میں لے جاؤں گا۔ دیگر ایک روایت میں اس طرح ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں زیر عرش حاضر ہو جاؤں گا اپنے رب کو سجدہ کروں گا۔ تو رب تعالیٰ میری زبان پر وہ حمد جاری فرمائے گا جو قبل ازاں میں نے کبھی نہ کی ہو گی۔ پھر اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ فرمان ہو گا یا محمدلرفع رلسکسل تعطہ ولشفع تشفع اے محمد! آپ اپنا سر سجدہ سے اٹھالیں اور مانگیں جو آپ چاہتے ہیں وہ عطا کیا جائے گا۔ اور آپ شفاعت پیش کریں آپ کی شفاعت مقبول ہو گی پھر میں اپنا سر اٹھاؤں گا۔ اور عرض کروں گا۔ اے رب تعالیٰ لمتی لمتی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہو گا۔ اپنے ہر اس امتی کو جنت کے سیدھے راستے سے جنت میں داخل کر دو جن پر کوئی محاسبہ نہیں ہے۔ جنت کے دیگر دروازوں سے دیگر لوگ ہی داخل ہوں گے۔ ایک اور روایت میں اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ سے فرمائے گا کہ آپ کا ہر ایسا امتی جس کے دل میں گندم یا جو کے ایک دانہ کے برابر بھی ایمان

ہے اس کو آپ نکال لیں اور جنت میں لے جائیں میں جا کر اسی طرح کروں گا۔ پھر دوبارہ اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہوں گا۔ اس کی حمد بیان کروں گا۔ جس طرح کہ پہلے ذکر کی گئی ہے تو رب تعالیٰ کی جانب سے ارشاد ہوگا اپنے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان رکھنے والے شخص کو آپ لے جائیں۔ میں اسی طرح ہی عمل کروں گا۔ اور سہ بارہ پھر اللہ کے حضور حاضر ہو جاؤں گا۔ اس کی حمد و ثنا بیان کروں گا۔ جیسے کہ پہلے مذکور ہوئی۔ تو ارشاد فرمایا جائے گا۔ کہ رائی کے دانہ سے بھی تھوڑا یعنی ذرہ کے برابر بھی اگر کسی کے دل میں ایمان ہے تو آپ اس کو بھی لے جائیں۔ میں اسی طرح عمل بجالاؤں گا۔ اس کے بعد پھر (چوتھی مرتبہ) اللہ کے روبرو حاضر ہو جاؤں گا۔ اور اسی طرح پھر حمد و ثنا کروں گا جیسے کہ پہلے کی۔ اور عرض کروں گا یا اللہ مجھ کو اجازت فرمائی جائے کہ ہر اس آدمی کو نکال لے جاؤں جس نے لا الہ اللہ پڑھا ہے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا نہیں۔ یہ تو میرا اپنا کام ہے۔ میں ان کی جانب سے خود اپنے سے شفاعت کروں گا مجھے اپنی عزت و جلال اور عظمت و کبریائی ہے کہ میں ہر ایسے شخص کو جہنم سے نکالوں گا جس نے پڑھا ہے لا الہ اللہ ازاں بعد صرف وہ لوگ ہی دوزخ میں باقی رہ جائیں گے جو قرآن میں مذکور ہوئے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ جن کے لئے دوزخ کا دائمی عذاب واجب ہے۔ یہ حدیث کئی روایتوں سے الفاظ و عبارات کے اختلاف کے ساتھ اور طول و عرض کے اختلاف سے روایت ہوئی ہے اور اس ضمن میں کثرت سے احادیث آئی ہیں۔ اور وہ تمام یہی ظاہر کرتی ہیں کہ دوران محشر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت لوگوں کے اول وقوف سے دوزخ میں دخول کے وقت عذاب کے دفعیہ کے لئے اور جنت میں دخول کے بعد درجات کی رفعت کے لئے شامل اور واقع ہے۔

تنبیہہ:۔ بعض لوگوں کی طرف سے یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ قول نوح علیہ السلام کے مطابق آپ اہل زمین میں اولین رسول ہیں حالانکہ حقیقتاً ان سے قبل آدم علیہ السلام بھی نبی و رسول تھے اور شیث اور ادریس علیہ السلام بھی نوح علیہ السلام سے قبل ہی تھے۔ اس اعتراض کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ انبیاء تھے۔ اور رسول نہ تھے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ نوح علیہ السلام کی نبوت میں صرف زمین والوں سے اولیت مقید ہے اور دیگر انبیاء مذکور اہل زمین کی طرف مرسل نہ تھے۔ آدم علیہ السلام اپنی اولاد کی طرف نبی تھے۔ تاکہ وہ سب توحید پرست رہیں۔ اور ان کو اپنی شریعت کی تعلیم دی جائے۔ یہی کیفیت تھی شیث اور نوح علیہ السلام کی۔ لیکن نوح علیہ السلام کفار کی طرف رسول بنائے گئے تھے تاکہ ان کو توحید الٰہیہ کی تعلیم دیں۔

شفاعت کے مختلف مقامات:۔ فائدہ:۔ اہل علم نے پانچ مقامات شفاعت شمار کئے ہیں اور تمازت آفتاب سے اور پسینے سے اور حساب و کتاب کے جان لیوا انتظار سے نجات اور راحت دلانے کی خاطر شفاعت فرمائیں گے۔ دوسرا مقام شفاعت ہے جہاں سوال اور حساب سے معافی دلائی جائے گی۔ اور بے حساب جنت میں داخل کرانے کے لئے شفاعت کی جائے گی۔ تیسرا مقام شفاعت ان لوگوں سے متعلق ہے جو حساب و میزان کے بعد عذاب کے حقدار قرار دے دیئے جائیں گے ان کو نجات دلانے کے لئے شفاعت ہے۔ پھر چوتھی مرتبہ ان لوگوں کے لئے شفاعت ہوگی جو دوزخ میں پہنچ چکے ہوں

گے۔ ان کو وہاں سے نکالنے کے لئے۔ پانچواں مقام شفاعت ہے کہ جو لوگ جنت میں جا چکے ہوں گے ان کی بلندئی درجات کی خاطر۔ ان ابواب میں ہر ایسے گروہ کے بارے میں احادیث وارد ہوئی ہیں۔ (واللہ اعلم) بعض لوگ ایک چھٹے مقام شفاعت کو بھی بیان کرتے ہیں۔ وہ یہ کہ آنحضرت اپنے چچا ابوطالب کے حق میں عذاب میں تخفیف کرانے کے لئے شفاعت فرمائیں گے۔ بعض لوگوں کے نزدیک ساتواں مقام شفاعت بھی ہے اور وہ ہے اہل مدینہ کے حق میں۔ جس طرح کہ حدیث شریف میں مذکور ہے جو شخص مدینہ کی بلاؤں یعنی وہاں کی شدتیں اور سختیاں حوصلے کے ساتھ برداشت کرتا ہے۔ میں قیامت کے دن اس کی گواہی دوں گا اور اس کی شفاعت کروں گا۔ شیخ ابن حجر کا قول ہے کہ یہ سب لوگ پہلی مذکورہ پانچ اقسام سے باہر نہیں ہیں۔ اگر ان کو علیحدہ شمار میں لایا جائے تو اس طرح ان کے علاوہ دیگر مزید اقسام ہویدا ہو جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر ایک اور شفاعت ان لوگوں کے لئے ہوگی جو آنحضور کے روضہ انور کی زیارات کرتے ہیں۔ مزید ایک شفاعت ان کے حق میں ہو گی جو موذن کے کلمات کا جواب دیتے ہیں اور اس کے بعد آنحضرت پر درود سلام بھیجتے ہیں۔ پھر اور ایک شفاعت ہوگی تجاوز از تقصیر صلحاء کے ضمن میں پھر ایک اور شفاعت بھی ہوگی اس شخص کے لئے جس کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں گی۔ اس کی شفاعت کر کے جنت میں بھجوائیں گے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے۔ کہ سب سے پہلے بلا حساب لوگوں کو جنت میں داخل کیا جائے گا۔ اور سات سو اشخاص اللہ تعالیٰ کی رحمت سے داخل جنت ہوں گے۔ اور ظالم نفس لوگ اور اعراف سے متعلق لوگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کے ذریعے داخل بہشت ہوں گے۔ اور قول ارجح کے مطابق وہ لوگ اصحاب اعراف ہوں گے جن کی بدیاں اور نیک اعمال برابر ہوں گے (واللہ اعلم)

آخر میں تمام مقامات پر آنحضور موجود ہوں گے:۔ وصل:۔ روایت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ یوم جزا میری شفاعت فرما دیں۔ تو آپ نے فرمایا انشاء اللہ تعالیٰ کروں گا اس کے بعد میں نے پھر عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ میں آپ کو قیامت کے دن کس جگہ تلاش کروں۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ صراط کے پاس مجھے تلاش کرنا میں نے عرض کیا اگر جناب وہاں موجود نہ ہوئے تو۔ آپ نے فرمایا تو پھر تم مجھے میزان پر دیکھنا میں نے عرض کیا کہ حضور اگر وہاں بھی آپ کو نہ پاؤں۔ تو حضور نے فرمایا تو پھر حوض پر تلاش کرنا۔ میں ان تین مقامات کے سواء کسی اور جگہ نہ جاؤں گا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یوم آخرت پر تمام مقامات پر موجود ہوں گے اور اپنی امت کی مدد اور شفاعت فرماتے ہوں گے اور تمام خطرات و شدائد سے خلاصی اور نجات دلائیں گے۔

مسافت صراط:۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث متعلقہ صراط ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ دوزخ کی پشت پر صراط قائم کی جائے گی۔ اور اس پر سے اولین گزرنے والا میں ہوں گا اور میری امت رسول جب اس پر سے گزریں گے تو اس طرح دعا کریں گے۔ اللھم سلم سلم اے میرے اللہ! سلامت رکھیو۔ دیگر ایک حدیث میں اس طرح

آیا ہے کہ تمہارے نبی صراط پر کھڑے ہو کر رب سلم سلم پکارتے ہوں گے اور یہ دعا آپ اپنی امت کے لئے کر رہے ہوں گے۔ اور اس کی مانند دیگر رسولوں کی۔ اور یہ امکان بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقرب بھی اللہ تعالیٰ کی شان بے نیازی کے خوف و خدشہ کے باعث سلامتی کی دعائیں کرتے ہوں گے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ ملا ئکہ بھی صراط کے دونوں طرف کھڑے ہوں گے اور رب سلم سلم پکار رہے ہوں گے اور یہ ان کے حسب معمول ہو گا کیونکہ وہ اہل اسلام کے حق میں دعا و استغفار کرتے ہی رہتے ہیں۔ اور فیض بن عیاض کی حدیث میں آیا ہے کہ صراط پندرہ ہزار سال کی مسافت کے برابر ہو گی۔ چڑھائی پانچ ہزار سال کی مسافت اترائی پانچ ہزار سال اور پانچ ہزار سال کی مسافت ہموار ہے اور ہر گزرنے والا شخص اللہ تعالیٰ کے خوف سے کانپتا ہو گا۔

مشہور اس طرح ہے کہ صراط تلوار سے زیادہ تیز ہے اور بال سے زیادہ باریک ہے اور ایک حدیث میں یوں بھی ہے کہ کچھ اشخاص کے لئے تو تلوار سے تیز تر اور بال سے باریک تر ہو گی اور بعض لوگوں کے لئے ہموار اور کھلے میدان کی طرح ہو گی۔ جیسے کہ کہا جاتا ہے کہ کچھ لوگوں کے لئے وقوف محشر پچاس ہزار سال کے برابر لمبا ہو گا اور کچھ کے لئے نماز کی دو رکعتوں کے برابر ہو گی اور یہ فرق نور ایمان اور اعمال کے باعث ہے۔

حدیث میں آیا ہے کہ میرے امتی جس وقت صراط پر کانپنے لگیں گے اور تھک جائیں گے تو وہ فریاد کرنے لگیں گے "وامحمدا" یا رسول اللہ! ہماری مدد فرمائیں۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نہایت شفقت و مہربانی سے باآواز بلند پکاریں گے اور اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ رب امتی رب امتی اے رب تعالیٰ! میری امت کو بچالیا اللہ! میں آج نہ اپنی خاطر نہ اپنی بیٹی فاطمہ کی خاطر مانگتا ہوں۔ اس میں اپنی امت کے لئے آنحضرت کی طرف سے ان کی نجات کے لئے انتہائی درجہ اہتمام اور مبالغہ ہے۔ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم۔ نیز اس حدیث سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کو اپنے ساتھ انتہائی درجہ کا اتحاد ہے اور کمال درجہ کی محبت ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص صدقہ بہت کرے گا وہ صراط سے گزر جائے گا۔ دوسری حدیث میں ہے کہ جس آدمی کا گھر مسجد ہے۔ اس کا ضامن خود اللہ تعالیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی رحمت اور مہربانی سے صراط پر سے گزار دے گا۔

میزان:۔ محاسبہ و سوال کا سارا دار و مدار میزان پر ہے۔ حدیث میں ہے کہ عرش کے دائیں طرف جنت رکھی جائے گی اور بائیں طرف جہنم۔ پھر میزان قائم ہو گی۔ نیک اعمال کا پلڑا جنت کے سامنے ہو گا۔ برے اعمال کا پلڑا دوزخ کے سامنے ہو گا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے فرمایا کہ جس وقت (اللہ تعالیٰ) لوگوں میں فیصلہ کرنا چاہیں گے تو آواز دی جائے گی۔ محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم) اور ان کی امت کہاں ہیں۔ دوسری حدیث کے مطابق یوں ہے کہ امت امیہ اور ان کے نبی علیہ السلام کہاں ہیں تو میں کھڑا ہو جاؤں گا۔ میری امت بھی میری پیروی میں کھڑی ہو جائے گی۔ اس وقت ان کے اعضاء وضو چمک رہے ہوں گے۔ دوسری امتوں کے لوگوں کو ہمارے راستے سے پیچھے ہٹا دیا جائے گا۔ دوسرے لوگ اس امت کی فضیلت و مرتبت دیکھ کر حیران ہوں گے اور کہیں گے کہ قریب تھا کہ ساری

امت ہی بنی ہو جاتی۔

یہ امر درجہ صحت کو پہنچ چکا ہے۔ کہ سب سے پہلے فیصل ہونے والے معاملات متعلقہ خون اور اس کے مقدمات ہوں گے۔ رواہ بخاری اور یہ بھی ثابت ہو چکا ہے۔ کہ اولین سوال نماز کے بارے میں ہو گا دیگر معاملات میں سے اولین پرسش خون کے بارے میں ہو گی۔ نسائی شریف کی حدیث میں ہے کہ جس چیز کے بارے میں سب سے پہلے محاسبہ ہو گا وہ نماز ہے اور جس چیز کا سب سے پہلے لوگوں میں فیصلہ کیا جائے گا وہ خون ہے اس حدیث کے مضمون میں تطبیق اور توجیہہ کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔ کیونکہ نماز کے متعلق محاسبہ بندہ کی ذات کے ساتھ سوال و حساب ہے۔ اور خون کے بارے میں لوگوں میں فیصلہ کرنا ہے۔ نماز میں بھی فیصلہ ہو گا لیکن بندہ کی اپنی ذات سے متعلق ہو گا اس میں لوگوں کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ فافہم۔ اور یہ بھی آیا ہے کہ بندے کے پاؤں اپنی جگہ سے نہیں ہٹیں گے جب تک اس سے چار چیزوں کے متعلق سوال نہ کر لیا جائے گا۔ اس کی عمر کے بارے میں کہ کس معروفیت میں گزاری۔ اس کے علم کے بارے میں کہ اس پر کس حد تک عمل کیا۔ اس کے مال کے بارے میں کہ کہاں سے حاصل کیا اور کہاں کہاں خرچ کیا۔ اس کے جسم کے بارے میں کہ اس سے کیا کیا گناہ سرزد ہوئے۔ رواہ ترمذی اور کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ نیز یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ آدمی سے متعلق تین دیوان (نوشتے) قیامت کے دن سامنے آئیں گے ایک دیوان ہو گا جس میں آدمی کے اعمال مندرج ہوں گے۔ ایک دیوان میں اس کے کئے ہوئے گناہوں کا اندراج ہو گا۔ اور تیسرا دیوان ہو گا جس میں نعمتیں لکھی ہوئی ہوں گی جو اللہ تعالیٰ نے آدمی کو انعام کی ہوں گی اور قرطبی نے کہا ہے کہ کوئی شخص ان سات سوالات کے پوچھے جانے سے پہلے صراط پر سے گزرنے نہ پائے گا پہلا سوال ہو گا ایمان کے متعلق جو کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت ہے کہ آیا آدمی کی اس پر شہادت خلوص پر مبنی تھی تو نجات پا گیا پھر دوسرا سوال ہو گا نماز کے بارے میں کہ کیا پورے اہتمام کے ساتھ گزارتا رہا۔ پھر تیسرا سوال رمضان کے روزوں کے متعلق ہو گا۔ چوتھا سوال زکوۃ کے متعلق پانچواں سوال حج کے بارے میں اور عمرہ کے متعلق چھٹا سوال غسل و وضو کے سلسلہ میں اور ساتواں سوال لوگوں کے مظالم کے بارے میں ہو گا جو سخت ترین سوال ہو گا۔ اگر فرض کر لیں کہ ایک آدمی کے حق میں سات پیغمبروں کا اجر و ثواب ہے اور اس کے ساتھ صرف نیم وانگہ (   ) خصومت پائی جاتی ہے تو جب تک وہ اپنے خصم کو راضی نہ کرے گا بہشت میں داخل نہ ہو سکے گا نیز علماء نے کہا ہے کہ ایک وانگہ (   ) کے عوض میں سات سو نماز مقبولہ لی جائے گی اور قیامت کے روز اس کے خصم کو دے دی جائیں گی۔ اور قیامت کے دن بندہ کو اس قدر درماندگی اور پریشانی اور کسی چیز کے بارے میں درپیش نہ ہو گی جتنی کہ خصومت کے بارے میں ہو گی۔ اعاذنا اللہ من ذالک اور اس لئے کبھی اللہ تعالیٰ کی رحمت یہ تقاضا کرتی ہے کہ تو اپنے خصم کو راضی کرے تاکہ تجھے اس حیرانی پشیمانی سے نجات دی جائے۔ اور بہت بڑی نیکیوں میں سے یہ نیکی ہے کہ آدمی کا آخری کلام کلمہ طیبہ ہو۔ جیسے کہ حدیث معاذ رضی اللہ عنہ میں آیا ہے کہ جس کسی کا آخری کلام لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہو گا۔ وہ جنت میں داخل ہو گا۔ اور اس باب میں طاقہ کی حدیث مشہور ہے اور ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت آئی ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ

جو کوئی اپنے بھائی کی حاجت پوری کرے گا۔ تو میں اس کے محاسبہ کے میزان میں خود کھڑا ہوں گا۔ اگر راجح ہوا تو اس کی شفاعت کروں گا اور مشائخ کی اخبار میں آیا ہے کہ کسی شخص کو خواب میں لوگوں نے پوچھا کہ خدا تعالیٰ نے تیرے ساتھ کیا معاملہ کیا۔ اس نے کہا کہ میرے اعمال وزن کئے گئے پس میری نیکیوں کے مقابلہ میں برے عمل بھاری نکلے۔ ناگاہ نیکیوں کے پلڑے میں ایک صرہ (پوٹلی) گری اور اس پلڑے کو زیادہ بھاری کر دیا۔ پس میں نے وہ پوٹلی کھولی۔ تو دیکھا کہ اس میں خاک کی ایک مٹھی ہے جو میں نے مسلمان کی قبر میں ڈالی تھی اور عجیب و غریب حکایت میں سے ایک حکایت وہ ہے جو مواہب لدنیہ میں آئی ہے۔ کہ آدمی کے میزان کے دونوں پلڑے برابر ہو گئے۔ پس اس کو کہا گیا کہ تو نہ جنتیوں میں ہے اور نہ ہی اہل دوزخ میں پس ایک فرشتہ ایک صحیفہ لا کر اس کے میزان میں رکھ دیتا ہے۔ اور اس میں اف لکھا ہوا ہوتا ہے۔ تو اس کی برائیوں کا پلڑہ نیکیوں کے پلڑے پر بھاری ہو جاتا ہے۔ پس وہ آدمی خواہش کرتا ہے کہ اسے دوبارہ خدا تعالیٰ کے روبرو لایا جائے پس حکم ہوتا ہے کہ اس کو لایا جائے۔ پس اس محروم القسمت آدمی سے خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ کس سبب سے تو میرے پاس دوبارہ پیش ہونا چاہتا تھا۔ پس وہ شخص عرض کرتا ہے کہ اے خداوند! میں اپنے والد کا نافرمان تھا اور میں نے والد کو دیکھا ہے کہ وہ بھی دوزخ کی طرف جاتا تھا۔ میری طرح۔ اے خداوند! مجھ پر دوگنا عذاب کر دے اور میرے والد کو نجات عطا فرما۔ پس اللہ تعالیٰ مسکرا کر فرمائے گا کہ دنیا میں تو نافرمان تھا لیکن آخرت میں تو دوست اور یار بن گیا ہے تو اپنے والد کا ہاتھ پکڑ لے اور تو خود اور تیرا والد دونوں ہی بہشت میں چلے جاؤ۔ (سبحان اللہ وبحمدہ۔) اے اللہ تعالیٰ مجھ پر تقصیر راقم الحروف محمد اشرف کو بھی اپنی رحمت ناپیدا کنار کے صدقے اپنے والدین سمیت بہشت میں قرار عطا فرما اور اپنے حبیب کی غلامی خاص ہر دو جہاں میں نصیب فرما (اللھم صل اعلی محبوبنا محمد و علی آل محمد و بارک و سلم تسلیما کثیرا کثیرا)

نیز یہ بھی آیا ہے کہ ایک شخص کے میزان کے دونوں پلڑے برابر ہو گئے۔ پس خدا تعالیٰ اس کو فرماتا ہے کہ لوگوں میں جاؤ اور التماس کرو کہ کوئی تمہیں نیکیاں دے دے جن کے باعث میں تمہیں بہشت میں بھیج دوں پس جو کوئی اس سے ملتا ہے وہ یہی کہتا ہے کہ میں اس معاملہ میں تجھ سے عاجز تر اور زیادہ محتاج ہوں۔ پس یہ شخص مایوس ہو جاتا ہے پھر اسے ایک جوانمرد کہتا ہے کہ پروردگار سے میری ملاقات ہوئی تو میرے صحیفہ اعمال میں مجھے صرف ایک نیکی ملی۔ میرے گمان کے مطابق وہ نیکی میرے کسی فائدے کی نہ ہے۔ لہٰذا وہ میں تجھ کو ہبہ کرتا ہوں۔ لے لو اور جاؤ شاید تجھے فائدہ دے پس وہ شخص اس نیکی کو خوشی خوشی اور مسرت کے ساتھ لے جاتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تو نے کیا کیا ہے اور تیرا حال کیسا ہے حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ بذات خود اس کے حال کا زیادہ جاننے والا ہے۔ پس وہ عرض کرتا ہے کہ یا الٰہی میرا حال اس طرح سے ہے پس خدا تعالیٰ اس شخص کو پکارتا ہے جس نے اسے نیکی عطا فرمائی تھی۔ اور اس سے مخاطب ہو کر فرماتا ہے کہ تمہاری مہربانی سے میرا کرم بڑھ کر ہے۔ اپنے بھائی کا ہاتھ پکڑ لو اور دونوں ہی بہشت میں چلے جاؤ۔

اور بعض علماء نے کہا ہے کہ میزان دنیا کے برعکس میزان آخرت کا پلڑہ راجح ہے۔ کیونکہ دنیا میں بھاری پلڑہ نیچے کو جاتا ہے اور آخرت میں جو پلڑہ گراں تر ہو وہ اوپر کو اٹھتا ہے۔ اور یہ بات غرائب سے خالی نہیں اور حق تعالیٰ کے اس قول کی

مطابقت میں رفعت پر شاہد ہے۔ الیہ یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح اور مخفی نہیں ہے صرف آیت کی رو سے اسی دعوٰی کا اثبات اس باب میں بلا کسی چیز کے وقوع پذیر ہونے کے مشکل ہے ہاں اگر کوئی چیز ہو تو یہ آیت اس کی تائید میں ہو سکتی ہے اور وہ جو بعض علماء نے کہا ہے یہ بات اللہ تعالٰی کے اس قول کے منافی اور مصادم ہے۔ فاما من ثقلت موازینہ فھو فی عیشۃ راضیۃ نیز یہ بحث کا مقام ہے کیونکہ ممکن ہے ثقلت سے مراد رجعت ہو اور اس جگہ رجحان سے مراد صعود (بلندی) ہے ہاں۔ اس سے یہ مقصود ہے کہ بھاری چیز بوجھ کی طرف مائل ہوتی ہے لیکن ہو سکتا ہے کہ بھاری پن اور ہلکاپن اس جہان میں اس دنیا کے برعکس ہو۔ واللہ اعلم۔ اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے کہ قیامت کے دن صاحب میزان جبرائیل علیہ السلام ہوں گے۔ اور وہی ہیں جو اس دن اعمال کا وزن کریں گے اسے ابن جریر نے اپنی تفسیر میں روایت کیا ہے۔ اور یہ سب حساب و سوال آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے سامنے ہو گا اور اس سے خلاصی اور نجات سب کی آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے شفاعت فرمانے سے ہو گی۔

لیکن حوض شریف کے بارے میں بظاہر ایسے معلوم ہوتا ہے کہ وقوف اور حساب و سوال کی شدت اور صراط سے عبور اور خوف و خدشات اور آفات و مخافات سے نجات کے بعد ہی حوض پر ورود ہو گا جیسے کہ فرمایا ہے۔ من شرب منہ لا یظمؤ ابدا اور اس کے بعد دخول جنت ہو گا اور سب سے پہلی شخصیت جو جنت میں داخل ہو گی وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہوں گے جیسے کہ آپ نے فرمایا ہے **انا اول من باب الجنۃ** اور جب آنحضرت بہشت کے دروازہ پر جائیں گے اور خازن بہشت دروازہ کو کھولے گا۔ اور آنحضرت کی خدمت میں کھڑا ہو گا۔ جیسے کہ بادشاہوں کی خدمت میں خادم کھڑے ہوتے ہیں۔ اور وہ کہے گا کہ مجھے حکم ہے کہ بہشت کا دروازہ آنجناب سے پیشتر کسی اور کے لئے نہ کھولوں۔ اور نہ میں کسی اور کے لئے آپ کے بعد خدمت میں کھڑا ہوں۔ اور آیا ہے کہ جب مومن لوگ بہشت میں آئیں گے۔ وہ مشاورت کریں گے کہ اندر آنے کی کس سے اجازت لیں۔ پس وہ آدم کے پاس آئیں گے پھر نوح کے پاس پھر ابراہیم موسٰی اور عیسٰی علیہم السلام کے پاس اسی ترتیب سے جس سے کہ وہ برائے شفاعت میدان محشر میں آئے تھے۔ تاکہ حضرت سید السادات صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی عظمت و بزرگی ظاہر ہو باقی سب عالم انسانیت پر تمام مقامات پر۔

اور ابن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جب تک میں بہشت میں داخل نہ ہوں گا تمام انبیاء پر دخول بہشت حرام ہے اور یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ میری امت جب تک جنت میں داخل نہ ہو جائے دیگر تمام امتوں پر دخول جنت حرام ہے۔ اور روایت میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا میرے پاس حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے۔ اس نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے بہشت کا دروازہ دکھایا جس سے کہ میری امت بہشت میں داخل ہوتی تھی۔ پس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ کاش میں بھی آپ کے ساتھ ہوتا کہ اس دروازہ کو دیکھتا۔ پس آنحضرت نے فرمایا کہ آگاہ رہو اے ابوبکر کہ میری امت سے سب سے پہلے تم ہی بہشت میں داخل ہو گے۔ اور اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس امت کے لئے جنت کا دروازہ مخصوص ہے جس سے کہ ساری

امت جنت میں داخل ہو گی۔ لیکن حدیث میں آیا ہے اعمال کی ہر جنس کے لئے علیحدہ دروازہ مخصوص ہو گا جیسے کہ نمازیوں کے لئے باب الصلوۃ ہے اور مجاہد باب الجہاد سے داخل ہوں گے۔ اور روزہ داروں کے لئے باب الریان ہے۔ اور جس دروازہ سے آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم داخل ہوں گے اسے باب الرحمت اور باب التوبہ کہتے ہیں اور ایک عورت آئے گی جو مجھ سے مبادرت کرے گی پس میں اس سے کہوں گا کہ تو کیا کرتی ہے اور تو کیا چیز ہے۔ پس وہ کہے گی کہ میں ایک عورت ہوں۔ جس نے صبر کیا اور یتیموں کے حق میں بیٹھی رہی۔ یعنی میں بیوہ ہو گئی۔ اور دوسرا شوہر نہ کیا۔ اور اپنے فرزندوں کی پرورش کی جو یتیم رہ گئے تھے۔ رواہ ابو یعلی۔ اور منذری نے کہا ہے کہ اس کی اسناد حسن ہیں انشاء اللہ تعالیٰ۔ اور مبادرت کے یہ معنی ہیں کہ وہ میرے ساتھ داخل ہو گی یا میرے پیچھے پیچھے داخل ہو گی۔ اور اس حدیث پر گواہی آنحضرت کے اس ارشاد سے ملتی ہے۔ انا و کافل الیتیم فی الجنۃ ھکذا و اشار باصبعیہ السبابۃ والوسطی (رواہ البخاری من حدیث سہل بن سعد)۔ اور بعض علماء نے کہا ہے کہ ہر مسلمان پر یہ حق ہے کہ وہ اس حدیث کو سنے تا کہ اس پر عمل کرے تا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا بہشت میں ساتھی بنے۔

اور یہ کہ بہشت میں کون سا مقام اور منزل افضل ترین ہے۔ تشبیہی طور پر علماء نے کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی شان ہے کہ آپ نے ایسی قوم کو تربیت دی جو اپنے امور دین کو نہ سمجھتی تھی۔ اور اسے آپ نے تعلیم و تحسین دی اور ادب سکھایا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تفضیل بوسیلہ و فضیلہ ایک رفیع درجہ پر ہے۔ جیسے کہ اذان کی دعا میں واقع ہوا ہے۔ اللھم ات محمدن الوسیلۃ والفضیلۃ والدرجۃ الرفیعۃ

مسلم نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا جب تم سنو کہ موذن کہتا ہے۔ جو کچھ وہ کہتا ہے اس کے بعد تم مجھ پر درود بھیجو اور جو کوئی مجھ پر درود بھیجتا ہے۔ ایک بار اس پر خدا تعالیٰ دس بار درود بھیجتا ہے اس کے بعد تم خدا تعالیٰ سے میرے لئے وسیلہ کی دعا کرو۔ کیونکہ وہ ایسا مقام ہے بہشت میں جو کہ کسی کو عطا نہیں ہو گا اللہ کے بزرگ بندوں کے سوا ایک کے اور میں امید رکھتا ہوں کہ میں ہی وہ بندہ ہوں گا۔ پس جو کوئی اللہ تعالیٰ سے میرے لئے وسیلہ کا سوال کرے گا۔ تو اس کے لئے میری شفاعت ہو گی اور علماء نے کہا ہے کہ وسیلہ بہشت میں ایک اعلیٰ مرتبہ و منزلت کا نام ہے اور وہ منزل رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی سرائے ہے جنت میں اور وہ بہشت ہے عرش کے قریب ترین اور علماء نے کہا ہے کہ وسیلہ فعیلہ ہے۔ توسل الیہ اذا تقرب توسلت الی اللہ تقربت الیہ اور اس کا طلاق منزلت عالیہ پر کیا گیا ہے۔ جیسے کہ حدیث میں ہے اور یہ پہلے معانی کی طرف بھی راجع ہے۔ کیونکہ اس منزل پر واصل ہونے والی شخصیت اللہ جل جلالہ کے قریب ہو گی گویا کہ ایک عبارت ہے جس سے کہ جنت کو اس سے قرب حاصل ہوتا ہے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم تمام مخلوق میں اعظم ہیں۔ پروردگار کی بارگاہ میں عبودیت کی رو سے۔ اور حق سبحانہ کے سب سے زیادہ عارف اور جاننے والے ہیں اور لوگوں میں سے خشیت اور محبت کے لحاظ سے سخت ترین ہیں ان کی منزل بھی خدا تعالیٰ کے ساتھ اقرب ترین اور عظیم ترین ہو گی۔ اور بہشت میں آپ کا درجہ بھی نہایت اعلیٰ ہو گا۔

جیسے کہ علماء نے کہا ہے۔

بندہ مسکین (شیخ عبدالحق) خصہ اللہ۔ بمزید العلم والیقین کہتا ہے کہ لغت میں وسیلہ کے معنی ہیں دست آویزی کا سبب۔ اور وسل سے مراد ہے کسی چیز سے نزدیکی ڈھونڈنا۔ (یقال وسل الی اللّٰہ و توسل اذتقرب الیہ بعمل دکذافی الصراح) پس ظاہر یہی ہے اس سے مراد سبب دست آویز ہے۔ کیونکہ اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں توسل و تقرب تلاش کرتے ہیں اور باب شفاعت کے کھلنے کا باعث ہوتا ہے جیسے کہ حدیث کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے۔ اور حدیث شفاعت سے یہ معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم در بہشت پر آئیں گے اور ایک روایت میں ہے کہ زیر عرش اور ایک روایت میں ہے دار رب تعالیٰ میں۔ اور وسیلہ کے سوال سے امرامت یہ ہے تاکہ یہ سوال اور دعا کرنے والوں کو ثواب جزیل اور قرب رب جمیل حاصل ہو۔ اور رضائے حق میں زیادتی اور شفاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میسر آئے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ حق سبحانہ نے وہ منزلت آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے لئے ایسے اسباب کے ساتھ مقرر کر رکھی ہے جن میں سے ایک سبب دعائے امت ہے جو وہ آنحضرت کے لئے وسیلہ کی خاطر کرتے ہیں اس چیز کے مقابلہ میں جو ان کو آنحضرت کے دست اقدس پر حاصل ہوئی مثلاً ہدایت اور ایمان جیسے کہ صاحب مواہب نے کہا ہے۔ اور حق وہی سخن اول ہے۔ اور وہ کمالات جو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کے لئے رکھے ہیں اور جن کا اس نے وعدہ کر رکھا ہے وہ امت کے سوال اور دعا پر موقوف نہیں ہیں۔ بلکہ ان کی دعا اور سوال کا فائدہ بھی ان ہی کو حاصل ہوتا ہے۔ جیسے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر صلوٰۃ بھیجنے کے بارے میں ہے۔ یہ کلام وسیلہ کے بارے میں ہے۔ لیکن طلب فضیلت یہ مرتبہ زائدہ ہے تمام خلائق پر اور احتمال یہ بھی ہے کہ وہ بھی ایک منزلت ہو یا وہ وسیلہ کی تفسیر ہوگی جیسے کہ درجہ رفیع اسی کا بیان و تشریح ہے۔ اور ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ وسیلہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک درجہ ہے۔ جس سے بالاتر کوئی اور درجہ نہیں ہے۔ پس تم لوگ میرے لئے اللہ تعالیٰ سے اس کی دعا کرو۔ رواہ احمد فی المسند۔ اور مردویہ نے حضرت علی سے روایت کیا ہے اور انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے کہ انہوں نے فرمایا۔ کہ جب تم میرے لئے خدا سے سوال کرو تو میرے لئے وسیلہ کا سوال کرو۔ تو صحابہ نے کہا یا رسول اللہ وہاں آپ کے ساتھ اور کون رہے گا۔ تو آپ نے فرمایا کہ علی۔ فاطمہ۔ حسن اور حسین اور ابی حاتم سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث کے ضمن میں آیا ہے انہوں نے کوفہ کے منبر پر فرمایا۔ اے لوگو! بہشت میں دو موتی۔ ایک سفید اور دوسرا زرد رنگ کا ہے۔ اور مقام محمود سفید موتی سے ہے۔ اس کے ستر ہزار غرفہ (　) ہیں اس سے ہر گھر تین میل کے فاصلہ پر ہے اور اس کا نام وسیلہ ہے اور وہ محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے لئے ہے اور ان کے اہل بیت کے لئے۔ اور لولوء اصفر اس کی مانند ہے اور یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے اہل بیت کے لئے ہے۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر میں آیا ہے۔ ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ فرمایا کہ بہشت میں ہزار محل ہیں۔ اور ہر محل میں ایک چیز ہے۔ کہ اسے ازواج خدام میں سے کوئی حاصل کرے گا۔ اسے ابن جریر نے روایت کیا۔ اور ابن عباس سے آیا ہے کہ انہوں

نے فرمایا کہ صحابہ رسول کی جماعت آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تشریف آوری کے انتظار میں بیٹھی تھی۔

__________ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم باہر تشریف لائے اور جب ان کے نزدیک آپ آئے تو آپ نے سنا کہ صحابہ آپس میں مذاکرہ کر رہے ہیں۔ بعض کہہ رہے ہیں کہ تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خلق سے خلیل کو پیدا فرمایا اور ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا۔ دوسرے نے کہا کہ اس سے زیادہ عجیب بات بھی کوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنا کلیم بنایا۔ اور ان سے خود کلام فرمایا۔ دوسرا کہنے لگا کہ عیسیٰ علیہ السلام روح اللہ ہیں۔ اور ایک صاحب کہنے لگے کہ آدم علیہ السلام صفی اللہ ہیں۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان سے سلام علیکم فرمایا اور کہا تحقیق میں نے تمہاری گفتگو سنی ہے اور اس پر تمہارا تعجب بھی ملاحظہ فرمایا ہے کہ خدا نے ابراہیم کو خلیل بنایا اور حقیقتاً ایسا ہی ہے تم کہتے ہو کہ موسیٰ علیہ السلام کو کلیم بنایا۔ یہ بالکل اسی طرح ہی ہے۔ جیسے تم کہتے ہو۔ اور عیسیٰ علیہ السلام روح اللہ ہیں یہ بھی درست ہے اور آدم صفی اللہ میں جیسا تم کہتے ہو اور آگاہ رہو کہ میں حبیب اللہ ہوں اور میں فخر نہیں کرتا۔ میں روز قیامت لواء الحمد کو اٹھانے والا ہوں اور فخر نہیں کرتا۔ اور میں ہی اولین شافع اور مشفع ہوں اور فخر نہیں کرتا۔ اور میں ہی پہلا شخص ہوں جو بہشت کی کنڈیاں ہلاؤں گا پس اللہ تعالیٰ میرے لئے بہشت کا دروازہ کھولے گا اور مجھے بہشت میں داخل فرمائے گا۔ اور حال یہ ہوگا کہ میرے ساتھ مومنین فقراء ہوں گے۔ اور میں فخر نہیں کرتا۔ اور سب اولین و آخرین میں بزرگ تر اور گرامی تر ہوں اور فخر نہیں کرتا۔ (رواہ الترمذی)۔

جان لو کہ ظاہراً اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خلت ابراہیم علیہ السلام کی صفت ہے اور محبت ان کا خاصہ ہے صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم۔ لیکن دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خلت خلت ابراہیم علیہ السلام کی خلت سے اکمل و افضل ہے۔ پس محبت اس کے علاوہ اس سے زائد ہے۔ ایک تو یہ ہے کہ آپ نے فرمایا۔ لو کنت متخذا خلیلا غیر ربی لا تخذت ابابکر خلیلا اس جگہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کا خلیل ہے اور کوئی غیر خدا آپ کا خلیل نہ ہے۔ اور خلت دونوں جوانب کے درمیان ایک نسبت ہے۔ جب اللہ رب العزت ان کا خلیل ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بھی اللہ تعالیٰ کے خلیل ہیں۔ بلکہ دیگر ایک حدیث میں آیا ہے کہ ان صاحبکم خلیل اللہ اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے طریق سے آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا قد اتخذ اللہ صاحبکم خلیلا اور وہ جو پہلی حدیث میں فرمایا۔ انا حبیب اللہ اس میں مرتبہ اعلیٰ کی جانب اشارت ہے۔ جیسے کہ کہتے ہیں خلیل محب کے معنی میں ہے۔ اور حبیب وہ محب ہوتا ہے جو محبوبیت کے درجہ پر پہنچا ہوا ہے۔ اور جب آپ اعلیٰ مقام کے حامل ہوئے ہیں لہٰذا مقام اولیٰ سے بھی آپ متصف ہوں گے۔ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے کہ خدا تعالیٰ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے فرمایا تحقیق میں نے تجھے اپنا خلیل بنایا ہے اور تورات میں میں نے لکھ دیا ہے۔ محمد انت حبیب الرحمٰن۔ قاضی ابو الفضل عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ تفسیر خلت میں اختلاف وارد

ہوا ہے اصل میں وہ خلل سے مشتق ہے خلیل وہ ہے جو ہر طرف سے منقطع ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف لگ جائے اور اللہ تعالیٰ کی محبت اس کا ایک خلل اور اختلال ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ خلیل وہ ہے جس سے کوئی مختص ہو۔ اور اس قول کو بہت سے لوگوں نے اختیار کیا ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ خلت کی اصل استصفا اور اخلاص ہے اور ابراہیم علیہ السلام کا نام خلیل اللہ رکھا گیا اس لئے کہ وہ خدا تعالیٰ کے لئے خالص تھے اور خدا کے لئے دوست اور خدا ہی کے لئے دشمن رکھتے تھے۔ خلت خدا ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی نصرت و مدد تھی۔ اور ان کو ان کے بعد سب آنے والے کے لئے امام بنانا اور بعض نے کہا ہے کہ خلیل اصل میں فقیر محتاج منقطع ہے اور خلت سے ماخوذ ہے۔ خا پر زبر کے ساتھ۔ اس کے معنی ہیں حاجت۔ یہ نام ابراہیم علیہ السلام کا رکھا گیا۔ اس لئے کہ انہوں نے اپنی حاجت کو پروردگار اپنے پر قصر کر دیا (قربان کر دیا۔) اور اپنی دعا سے بھی اللہ کی طرف منقطع ہو گئے۔ اور اپنے آپ کو اس وقت بھی غیر اللہ کی طرف متوجہ نہ کیا جب کہ جبرائیل علیہ السلام ان کے پاس آئے جب کہ حال یہ تھا۔ وہ منجنیق میں تھے تا کہ آتش میں ڈالے جائیں۔ پس جبرائیل علیہ السلام نے کہا ھل لک حاجۃ فقال اما الیک فلا اور ابوبکر بن فورک نے کہا ہے کہ خلت صفائے مودت ہے جو کہ اختصاص کی موجب ہوتی ہے اور تخلیل اسرار کا باعث ہے اور بعض نے کہا ہے کہ خلت اصل محبت ہے اور اس کے معانی اشفاق۔ الطاف اور ترفیع وتشفیع ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس اپنے کلام مجید میں بیان فرمایا ہے۔ اس کا قول ہے۔ وقالت الیھود والنصاری نحن ابناء اللہ واحباؤہ قل فلم یعذبکم بذنوبکم پس اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کے لئے واجب کر دیا کہ اس کے گناہوں کا مواخذہ نہ کیا جائے اور محبت نبوت سے اقوی ہے۔ کیونکہ کبھی کبھی نبوت عداوت بھی ہوتی ہے جیسے کہ فرمایا ہے۔ ان من ازواجکم و اولادکم عدوا لکم اور یہ صحیح نہیں ہے کہ محبت کے ساتھ عداوت ہو۔ پس ابراہیم اور محمد علیہما السلام کا نام خلیل ہونا اس لئے ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف منقطع تھے۔ اور اپنی حوائج کو اس پر وقف کئے ہوئے تھے۔ اور ماسوی اللہ سے انقطاع تھا۔ اور وسائط اسباب سے بھی انحراف تھا۔ اور ان دونوں حضرات کو اللہ تعالیٰ سے زیادہ اختصاص ہے اور اللہ تعالیٰ کا مخفی الطاف ان پر ہے اور اسرار الٰہیہ کو پاتا ہے اور غیب میں پوشیدہ کو جانتا ہے۔ اور ان کے مقامات کے قلوب کا استصفاء اپنے ماسوئی سے تا کہ ان کے دل میں ماسوی حق کوئی چیز نہ آئے۔ اور ان کے نزدیک آنحضرت کا یہ قول ہے۔ ولکن اخوۃ الاسلام باقیۃ یہ سب قاضی عیاض نے ذکر کیا ہے۔ اور محمد اور ابراہیم علیہما السلام میں خلت کو مشترک گردانا ہے۔ اور جو صفات خلت کے معنی میں مذکور ہوئیں ان کو ضروری گردانا اور ان کے درمیان ان کے اشتراک کا اثبات کیا ہے۔ اور ہمارے سردار صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں ان کا اثبات قوی تر عظیم تر اور کامل تر ہو گا باوجود اشتراک کے بوجہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی فضیلت کے۔ جیسے کہ نبوت و رسالت کے معاملہ میں ہے کہ اس کے خواص و لوازم تمام انبیاء و رسل میں مشترک ہیں۔ لیکن پھر بھی فضلنا بعضھم علی بعض فرمایا گیا ہے۔ قاضی عیاض علیہ الرحمۃ نے کہا ہے کہ ارباب قلوب میں سے علماء نے اختلاف کیا ہے اس امر میں کہ درجہ خلت افضل ہے یا کہ درجہ محبت۔ پس بعض نے دونوں کو برابر ہی گردانا ہے۔ پس حبیب نہیں ہوتا مگر یہ کہ وہ خلیل بھی ہو۔ اور نہیں ہوتا خلیل مگر یہ کہ وہ حبیب بھی ہو۔ لیکن خلت سے ابراہیم

علیہ السلام مخصوص کئے گئے اور محبت سے محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم۔ یعنی ذکر اور تسمیہ میں تخصیص ہے نہ حقیقت میں اتفاق پایا جاتا ہے۔ اور حال یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر خلیل کا نام بھی آیا ہے۔ پس تخصیص نہیں ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ خلت ارفع اور اتم ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا قول ہے۔ لو کنت متخذا غیر ربی پس کسی غیر کو خلیل نہ بنایا۔ حالانکہ محبت کا اطلاق فاطمہ رضی اللہ عنہا۔ ان کے فرزندوں اور اسامہ وغیرہ پر بھی آیا ہے اور اکثر علماء نے محبت کو خلت پر ارفع گردانا ہے کیونکہ حبیب کا درجہ جو کہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہیں درجہ خلیل علیہ السلام پر ارفع ہے۔ اور محبت اصل میں کسی ایسی چیز کی طرف میلان کا نام ہے جو محب کے لئے موافق ہو اور یہ درجہ مخلوق ہے۔ لیکن خالق جل شانہ اغراض سے پاک اور منزہ ہے۔ پس کسی بندہ کے حق میں اس کی محبت بندہ کے لئے یہ ہوتی ہے کہ وہ اسے سعادت و عصمت سے بہرہ ور کردیتا ہے اور اسے توفیق و تہیہ 'اسباب قرب اور رحمت الیہ سے افاضہ میسر ہوتا ہے اور اس کی انتہا کشف حجب ہوتا ہے بندہ کے قلب سے حتیٰ کہ وہ اسے اپنے قلب سے دیکھتا ہے۔ اور اپنی بصیرت سے اللہ تعالیٰ کی طرف نظر کرتا ہے۔ پس اس طرح ہوتا ہے جیسے کہ حدیث میں آیا ہے۔ فاذا احبہ کنت سمعہ الذی یسمع بہ و بصرہ الذی یبصر بہ و لسانہ الذی ینطق بہ اور یہ سزاوار نہیں ہے۔ کہ اس سے مفہوم کچھ اور لیں سوائے تجرد برائے خدا' اس کی طرف انقطاع اس کے غیر سے اعراض' قلب کی صفائی و سلامتی اور اخلاص و حرکات و اعمال صرف اللہ رب العزت کے لئے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے خلق کے بارے میں۔ کان خلقہ القرآن آنحضرت کا خلق قرآن تھا۔ اس کی رضا پر راضی ہوتے تھے۔ اور اس کے عدم رضائی کے ساتھ ناراض ہوتے تھے اور اس جگہ بعض نے خود آنحضرت کے ارشاد سے تعبیر کیا ہے قد تخللت مسلک الروح منی و بذا اسمی الخلیل خلیلا فاذا نطقت کنت حدیثی واذا ما مسکت کنت خلیلا تمہارے ہی لئے بولتا ہوں۔ تمہارے لئے ہی وطن اختیار کرتا ہوں۔ تمہارے ہی لئے سفر کرتا ہوں۔ اور ہمارے سردار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو خلت کی مزیت اور محبت کی خصوصیت دونوں چیزیں حاصل ہیں۔ اس پر اخبار صحیحہ دلالت کرتی ہیں۔ اور مشہور صریح آثار موجود ہیں اور اس باب میں اللہ تعالیٰ کا قول قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی ہی کافی ہے۔

xx

باب نہم

اس بارے میں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق میں کیا کچھ واجب ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے حقوق میں واجب ہے کہ ان کی تصدیق کی جائے۔ ان پر ایمان لایا جائے اوامر و نواہی میں ان کی اطاعت کی جائے۔ اور اس امر کی اطاعت کی جائے جو وہ بارگاہ الٰہی سے لائے۔ اور ان کی اتباع و اقتداء کی جائے۔ بدعت سے اجتناب کیا جائے۔ ان کی سنت کو نہ بدلا جائے ان سے محبت کی جائے۔ ان کا ادب بجالائیں اور ان پر صلوٰۃ و سلام بھیجنے کا حکم ہے۔ اور یہ سابقہ ابواب کا ثمرہ و نتیجہ ہے۔ چونکہ سابقاً" آپ کی نبوت کا اثبات ہو چکا ہے اور صحت رسالت ثابت ہو چکی ہے لہٰذا ان پر ایمان لانا اور ان کی تصدیق کرنا واجب ہو گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ فامنوا باللہ و رسولہ والنور الذی انزلنا نیز ارشاد فرمایا انا ارسلنک شاھدا و مبشرا ونذیر التؤمنوا باللہ ورسولہ نیز فرمایا قل یاایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا ن الذی لہ ملک السموات والارض لا الہ الا ھو یحی ویمیت فامنوا باللہ ورسولہ النبی الامی۔ الایات۔ پس محمد صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم پر ایمان واجب اور متعین ہے۔ اور حقیقت ایمان پوری نہیں ہوتی اور اسلام صحیح نہیں ہوتا اور کچھ حاصل نہیں ہوتا جب تک محمد صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم پر ایمان نہ ہو اور ان کی رسالت پر شہادت نہ دیں۔ اور وہ جو بعض احادیث میں آیا ہے۔ حتی یقولوا لا الہ الا اللہ من قال لا الہ الا اللہ جزو اول و اعظم سے اکتفا کیا ہے۔ یا یہ لفظ علم ہو چکا ہے کلمہ اسلام میں جیسے کہ پوچھتے ہیں۔ تو کیا پڑھتا ہے؟ تو وہ کہتا ہے الحمد اللہ رب العالمین یا الم ذلک الکتاب پڑھتا ہوں۔ اس کی دلیل یہ ہے امرت ان اقاتل الناس حتی یشھدوا ان لا الہ الا اللہ و یومنوا بی و بما جئت بہ۔ اور یہ بات بالکل عیاں ہے۔ بیان کی حاجت نہیں رکھتی اور اب جاننا چاہیے کہ جمہور میں یہ مشہور ہے کہ ایمان کی حقیقت تصدیق ہے آنحضرت کی نبوت و رسالت کی ان تمام امور میں جو وہ خدا کے ہاں سے لائے۔ اور جو کچھ انہوں نے فرمایا اور اس کے مطابق زبان سے شہادت کی تصدیق دل کے ساتھ کہ وہ رسول خدا ہیں اور جب دل سے تصدیق اور زبان سے کلمہ شہادت کے ساتھ شامل ہو جاتی ہے تو ایمان مکمل ہو جاتا ہے۔ جیسے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت آئی ہے۔ امرت ان اقاتل الناس حتی یشھدو ان لا الہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ اور اس سے مراد یہ ہے کہ تصدیق کریں اور شہادت دیں لیکن ایمان کے ضمن میں وجود شہادت اور اس کے متعلق کفایتی بیان کے اہتمام کی خاطر ظاہر میں علماء نے شہادت کی تخصیص فرمادی۔ چنانچہ آخر حدیث میں فرمایا فاذا فعلوا ذالک عصموا منی وما بھم واموالھم الا بحقھا و حسابھم علی اللہ اور حدیث جبریل سے بھی ایمان کے دونوں جزو مقصود ہیں۔ یعنی شہادت اور تصدیق لیکن تصدیق کی تعبیر ایمان سے کی گئی کیونکہ لغوی معنوں میں دونوں ایک ہی چیز ہیں اور

شریعت کے لحاظ سے ایمان شہادت اور تصدیق کے مجموعے کا نام ہے۔ رہی یہ بات کہ لفظ شہادت کا بولنا بھی درکار ہے یا کہ نہیں؟ بلکہ زبان سے ہی قلبی مواطات کی خبر دینا جو معنوی شہادت ہوتی ہے کافی ہے۔ لہٰذا اجماع اس پر ہے کہ خلوص سے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہنے والا مومن ہے بغیر لفظ شہادت بولنے کے۔ اگرچہ یہ لفظ کہنا اولیٰ اور افضل ہے۔ اور اس مقام پر اس کی تفصیل چار حالتوں پر ہے۔ ایک یہ کہ تصدیق اقرار کے ساتھ شامل ہوتی ہے۔ اور یہ حالت قابل ستائش اور کامل و تام ہوتی ہے۔ دوسری یہ کہ زبان سے اقرار ہو مگر دل کی تصدیق شامل نہ ہو۔ یہ حالت مذموم ہے۔ مردود۔ کیونکہ اس حالت میں ایمان ہرگز نہیں ہوتا۔ اور اسے نفاق کہتے ہیں کہ نہایت قبیح و خبیث ہوتے ہوئے ایک قسم کا کفر بھی ہے ایسے نفاق کا حامل شخص دوزخ کے اسفل حصہ میں ہوگا۔ حالت سوم یہ ہے کہ تصدیق ہوتی ہے لیکن زبانی شہادت نہیں ہوتی۔ اس کی بھی دو اقسام ہیں ایک یہ کہ قلب سے تصدیق کرے اور شہادت دینے کے وقت سے پہلے ہی وفات پا جائے اس مقام پر اختلاف ہے بعض تو اپنی اس بات پر قائم ہیں کہ تمام ایمان تصدیق و اقرار سے ہوتا ہے۔ لیکن اقرار نہیں پایا گیا۔ اور بعض علماء اسے جنت کا مستحق سمجھتے ہیں۔ بوجہ ارشاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یخرج من النار من کان فی قلبہ مثقال ذرۃ من الایمان پس یہاں پر آنحضرت نے کچھ ذکر نہیں فرمایا۔ سوائے اس کے جو کچھ کہ قلب میں موجود ہے۔ اور دوسری جگہ آپ نے یوں فرمایا کہ ھلا شققت قلبہ اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا ولما یدخل الایمان فی قلوبکم پس آپ نے قلب کو محل ایمان ٹھہرایا اور اس حال کا شخص مومن ہے اپنے قلب میں بے گناہ اور بغیر کسی کمی کے۔ اور ترک شہادت اس کے اختیار میں نہیں ہے۔ اور انصاف کے لحاظ سے ایسا شخص محل اختلاف نہ ہے۔ اور اگر وہ طبعی لحاظ سے احادیث و اخبار پر قدرت نہیں رکھتا تو اس جگہ اس کے عذر کی قبولیت پر علماء کا اتفاق ہے۔ اور دونوں صورتوں میں جو فرق مفید ہے۔ وہ یہاں ظاہر نہ ہے۔ اور اگر یہ لوگ اسی مقام پر کھڑے ہو جائیں (اور اسی حالت پر قائم رہیں) تو اس سے چارہ نہیں۔ لیکن یہ اہل حق کے قول کے خلاف ہے۔

اور چوتھی حالت یہ ہے کہ قلب سے تصدیق کرے اور مہلت اور فرصت بھی ہو اور زبانی اقرار و شہادت کے لزوم سے بھی واقف ہو۔ لیکن کلام نہ کرے اور شہادت نہ دے اپنی ساری عمر میں حتیٰ کہ ایک بار بھی نہیں تو اس جگہ علماء کا اختلاف ہے۔ ایک جماعت تو کہتی ہے کہ وہ مومن ہے کیونکہ مصدق ضرور ہے اور شہادت تو ایک قسم کا عمل ہے پس وہ گنہگار و عاصی ہے۔ بوجہ ارتکاب ترک شہادت جیسے کہ مذہب حقہ کے مطابق تمام اعمال ہیں۔ اور وہ کہتے ہیں کہ حقیقت ایمان کے اجزاء کا شرط ہے نہ کہ جزو ایمان اور نہ ہی اس کی صحت کی شرط ہے۔ اور یہاں ہم عدم جزو تصدیق کے لحاظ سے حکم نہیں کرتے لیکن وہ واقع میں مومن ہے بوجہ تصدیق کے موجود ہونے کے۔ اور عمل ایمان میں داخل نہیں ہے خواہ اعمال لسان ہوں خواہ اعمال ارکان جسم۔ اور پوشیدہ نہ رہے کہ یہ اس تقدیر پر ہوگا کہ تصدیق کے منافی کوئی چیز سرزد نہ ہو۔ اور حکم ایمان کے منافی کوئی صورت ظاہر نہ ہو جیسے کہ تصدیق کی تحقیق نہ ہو اور بعض علماء کہتے ہیں کہ اس حال کا آدمی مومن نہیں ہوتا۔ جب تک کہ وہ زبانی شہادت کے ذریعے اپنے قلب کی تصدیق کو مقرون اور ثابت شدہ نہ کر دکھائے۔

کیونکہ عقد قلبی کا منشاء ہی شہادت ہے اور یہ ایمان کے لئے ضروری ہے اور اس کا تعلق عقد قلبی سے ہے۔ اور باوجود فرصت و مہلت کے تصدیق مکمل نہیں ہوتی۔ مگر شہادت سے اور زبان ترجمان قلب ہے۔ اور زبان کے فعل اور دوسرے افعال میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ ہاں شہادت پر قدرت نہ ہونا یہ ایک علیحدہ بات ہے۔

اور علماء نے کہا ہے کہ صحیح وہی قول ہے جیسے کہ شفاء شریف میں کہا گیا ہے۔

(واللہ اعلم)۔

اور اس جگہ ایک اور قسم ہے۔ یعنی تصدیق و اقرار دونوں ہی ہیں لیکن ایسی چیز واقع ہو جسے شارع علیہ السلام نے کفر کے حکم میں رکھا ہو جیسے کہ زنار پہننا (ہندوؤں کی مانند) یا بتوں کو سجدہ کرنا۔ اور اگر شارع علیہ السلام سے قطعی دلیل کے ساتھ حکم کفر ثابت ہو جائے تو اس کا ارتکاب بھی یقینی طور پر ثابت ہو تو ایسے شخص کو کافر ہونا چاہیے اس بارے میں حکم شرعی کے باعث۔

اور بعض مصنفین کے کلام میں ایسا واقع ہوا ہے کہ ظاہری حکم پر وہ کافر ہے۔ اور بعض اس کو شرعی کافر کہتے ہیں۔ اور بعض اس کو کافر حکمی گردانتے ہیں۔ اور اس سخن کا کوئی حاصل نہیں ہے کیونکہ جب شارع علیہ السلام نے اس کے کفر کا حکم فرما دیا۔ تو اس کا ایمان معتبر نہ ہو گا۔ وہ حقیقتاً کافر ہوتا ہے مگر یہ کہ شارع علیہ السلام نے ظاہری کفر کا حکم کیا ہو نہ کہ حقیقی کفر کا۔ تو یہاں تدبر لازم ہے۔

تنبیہہ:۔ فقہاء رحمتہ اللہ علیہم کی ایک جماعت خصوصاً حنفیہ نفعنا اللہ ببرکاتہم و برکات علومہم نے بعض اعمال و کلمات پر حکم کفر لگایا ہے جیسے کہ غیر خدا کی قسم کھانا جیسے باپ کی قسم وغیرہ وغیرہ یا یہ کہے کہ یہ ماتم سخت ہے یا کہے کہ خدا کے واسطے کوئی چیز دو وغیرہ۔ اور جو کچھ کہ ان کی کتب میں مسطور ہے اور اس باب میں بہتر نظر آتا ہے کہ کہہ دیں کہ ان پر کفر کا گمان ہوتا ہے اور ایسا خیال میں ان کے متعلق آتا ہے اور اگر اس جگہ وہی مظنون و متوہم معانی عاید ہوتے ہوں تو کافر ہو جاتا ہے قبلہ کے طریق کے مطابق کیونکہ ان کے مطابق کفر لازم آتا ہے اگر ان معانی کو لازم گردانیں اور تاویل نہ کریں تو کافر ہو جاتے ہیں۔ اور اگر تاویل کریں اور اسناد اور دلیل و اشتباہ سے جو کہ ان کے نزدیک ہے دعویٰ حقانیت کریں تو کافر نہیں ہوتے۔ پس اہل قبلہ کی تکفیر کی ممانعت اس احتمال پر مبنی ہے۔ ہاں اگر یہ ثابت ہو جائے کہ وہ اقوال و افعال امارات کفر کی قسم سے ہیں تو اس بنا پر حکم کفر ہو گا اس لئے کہ کفر کا لزوم پایا جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

ایمان کی کمی بیشی:۔ ایمان و اسلام اور ایمان کی زیادتی و کمی کے ابواب میں بہت سا کلام ہے اور قوم کا کلام ذکر میں آیا ہے اور اس باب میں تحقیق یہ ہے کہ ایمان کی زیادتی اور اس میں نقصان و کمی عمل میں زیادتی و نقصان کے ساتھ ہے اور جو کوئی ایمان میں عمل کے دخول کا قائل نہیں ہے تو اس سے ایمان میں زیادتی و نقصان کا قول بھی متصور اور معقول نہیں ہے۔ اور مجرد تصدیق اس کے سزاوار نہیں ہے ہاں تصدیق میں کمال یا نقصان بوجہ اختلاف صفات قوت یقین سے تباین

حالات اور بوجہ پختگی اعتقاد و وضوح معرفت اور بوجہ حضور قلب جاری و ساری ہے۔ لیکن ایمان میں بعض مردوں میں مشہور شدہ ہے کہ محدثین کے نزدیک ایمان جان سے تصدیق زبان سے اقرار اور ارکان سے عمل کے مجموعے سے عبارت ہے اور ہر اس مقام پر جہاں محدثین کے کلام کا پتہ نہیں وہ سمجھا جاتا ہے مراد یہ کہ ایمان کامل ہے۔ چنانچہ اس کی تصریح امام بخاری اور اس جیسوں نے کی ہے۔ اور ان کی کتب کے شارحوں نے تحقیق کی ہے اور اس جھوٹی شہرت نے قدیم زمانہ سے راہ پائی ہوئی ہے۔ جیسے کہ قاضی عضد نے مواقف میں کہا ہے کہ حقیقت ایمان میں علماء نے اختلاف کیا ہے اور علماء سلف اور محدثین کا مذہب یہ ہے کہ الایمان تصدیق بالجنان واقرار باللسان وعمل بالارکان اور سلف سے یہ قول معروف و مشہور ہے اور اس سے ان کی بھی مراد ایمان کامل ہے جیسے کہ اہل سنت کا مذہب ہے اور ایسا ہرگز نہیں ہے کہ اہل سنت و جماعت کا مذہب مذہب سلف کے خلاف ہو یا کہ محدثین کا مذہب اہل سنت و جماعت کے خلاف ہو۔ اور اس سے زیادہ بیان کرنے کی کوئی حاجت نہیں ہے جبکہ علماء نے تصریح و تحقیق کی ہے اور ایمان کامل کے حصول اور اس کے لئے تحریص و ترغیب کی خاطر اپنی تصریح و تحقیق پر علماء سلف کے قول کا اطلاق کیا ہے اور دیگر مقامات پر اس کلام کی تحقیق کو دلائل کے ساتھ ظاہر کیا گیا ہے۔ فتدبروا الحق۔

وصل:۔ وجوب اطاعت اتباع سنت اور سیرت آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی پیروی میں۔ جب ایمان واجب ہوا تو طاعت اور اتباع بھی لازم بھی ہو گئے۔ اور اکثر طاعت کا اطلاق فرائض و واجبات اور عبادات اور اوامر و نواہی کے بارے میں ہوتی ہے۔ اور اتباع اور اقتداء کا اطلاق سنن اور آداب و عادات نبوی کے سلسلے میں آتا ہے۔ لہٰذا صاحب شفاء نے دو فصلیں قائم کی ہیں ان دونوں کے تذکرہ کے لئے۔ اور اگر دونوں کا ذکر ایک ہی فصل میں کریں تو یہ بھی درست ٹھہرتا ہے۔ جیسے کہ صاحب مواہب نے کیا ہے۔

لیکن جہاں تک اطاعت رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا تعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے یایھا الذین امنوا اطیعوا اللہ ورسولہ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ واطیعوا اللہ والرسول لعلکم ترحمون نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ومالرسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ پس اللہ پاک نے اپنے رسول کی اطاعت کو خود اپنی اطاعت قرار دیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت قرار دے کر رسول کی اطاعت کو بڑا اہم مقام عطا فرمادیا۔ اور اس پر بڑے اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا اور ترک اطاعت اور پیغمبر کی مخالفت پر عذاب و عقاب کی وعید فرمائی۔ اور پیغمبر کے امر و نہی کو واجب العمل قرار دیا۔ یعنی کہ جس کسی نے رسول کی اطاعت کی اس کی رسالت کی حیثیت سے اور اس کی تبلیغ سے احکام الٰہی بجالایا اس نے درحقیقت خدا تعالیٰ کی اطاعت کی۔

اور اس مذکورہ بالا آیت میں وہی دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم معصوم عن الخطاء ہیں اپنے تمام اوامر و نواہی اور اقوال و افعال میں۔ کیونکہ آپ کسی چیز میں خطا کرتے اور آپ کا عمل موافق حق نہ ہوتا تو آپ کی اطاعت خدا کی اطاعت نہ ہوتی۔ حضرت سہل بن عبداللہ تستری کو شرائع اسلام کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا۔ وما اتکم

الرسول فخذوہ ومانھکم عنہ فانتھوا اور علماء نے کہا ہے کہ فرائض میں خدا تعالیٰ کی اطاعت کرو اور سنت میں رسول اللہ کی اطاعت کرو۔ اور نیز کہا گیا ہے کہ اطیعوا اللّٰہ فی ماشرع علیکم والرسول فیما بلغکم اور علماء نے کہا ہے کہ خدا تعالیٰ کی اطاعت اس کی ربوبیت کی شہادت دیتے ہوئے کرو اور رسول کی اطاعت اس کی نبوت کی شہادت کے ساتھ کرو۔ اور یہ اطاعت محبت کی دلیل ہے اور محبت مورث معیت ہوتی ہے۔ جیسے کہ معیت کی فصل میں آئے گا۔ اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ قل ان کنتم تحبون اللّٰہ فاتبعونی یحببکم اللّٰہ ویغفر لکم ذنوبکم اس آیہ کریمہ کو آیت محبت کہتے ہیں۔ علماء کہتے ہیں کہ ایک قوم نے محبت خدا کا دعویٰ کیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ اے محمد! اے میرے حبیب! آپ ان سے فرمادیں کہ اگر تم خدا سے محبت کرتے ہو۔ تو میری متابعت کرو اور میری اطاعت بجالاؤ کیونکہ وہی اطاعت خدا ہے۔ اور یہ ہی محبت کی دلیل ہوتی ہے پس اگر تم میری متابعت کروگے تو تم خدا تعالیٰ کے محب ہوگے بلکہ اس کے محبوب ہو جاؤ گے اور میری وراثت کو پانے والے ہوگے مقام حبیبی پر۔ اور ہو سکتا ہے کہ اس کے یہ معنی ہوں کہ اگر تم یہ پسند کرتے ہو کہ خدا تعالیٰ تمہیں دوست رکھے تو تم میری متابعت کرو تاکہ خدا تم کو دوست رکھے۔ اور بالجملہ محبت خدا اتباع رسول کے ساتھ مشروط ہے اور مشروط کا وجود بغیر شرط کے نہیں ہوتا۔ اور پھر اتباع مورث محبت ہوتی ہے اور یہ اس کی علت ہے۔ (یعنی اتباع اس پیروی کو کہتے ہیں جس میں جذبہ محبت کارگر ہو۔ مترجم)۔ پس اتباع بھی شرط محبت ہے کیونکہ انتفاء اتباع کو انتفاء محبت لازم ہے اور محبت کی علت بھی ہے۔ کیونکہ اتباع کا وجود اور محبت کا وجود لازم و ملزوم ہیں اور اس محبت کے لئے ضروری ہے کہ متابعت کی محلول ہو۔ اور اس کے بعد یہ غیر محت میں بھی موجود ہو جاتی ہے۔ کیونکہ یہ اس کی شرط ہے۔ اور اس پر مقدم ہے۔ پس مقام ثانی پہلے مقام سے عالی تر اور بزرگ تر ہے۔ کیونکہ اس کی طرف یحببکم اللّٰہ میں اشارت کی گئی ہے۔ فافہم۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ فامنوا باللّٰہ ورسولہ النبی الامی الذی یؤمن باللّٰہ وکلماتہ واتبعوہ لعلکم تھتدون اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول پر اور رسول کی متابعت کرو اس امید کے ساتھ کہ تم صراط مستقیم کی طرف ہدایت پا جاؤ گے جو کہ سب سے اقرب طریقہ اور راستہ ہے۔ پس معلوم ہوا کہ ہدایت کی امید دو چیزوں کے اثر سے ہے۔ رسول پر ایمان اور اس کی اتباع۔

تنبیہہ:۔ وہ شخص جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق کرتا ہے۔ لیکن ان کی شریعت کی اتباع نہیں کرتا وہ گمراہی میں پڑا ہے۔ اگرچہ وہ اصل ایمان رکھتا ہو پس آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے قول و فعل کی متابعت ضروری ہے ہمارے لئے۔ (ہم پر واجب ہے) اور اللہ سبحانہ نے ارشاد فرمایا۔ فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم اللہ تعالیٰ پروردگار قسم اٹھاتا ہے اپنی ذات کی اور فرماتا ہے کہ اے محمد تیرے رب کی قسم۔ وہ ایماندار نہیں ہوں گے جب تک کہ وہ آپ کو حکم نہ بنائیں اس چیز میں جس میں کہ ان کو آپس میں اختلاف ہے۔ (اور ان کے درمیان جھگڑا ہے) ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت اس کے بعد وہ آپ کے حکم و فیصلہ پر تنگی اور شک و شبہ محسوس نہ کریں۔ و

یسلموا تسلیما اور تمہارے لئے مطیع و منقاد ہو جائیں ظاہری اور باطنی ہر دو لحاظ سے۔ یہ اس مرتبہ اعلیٰ کی طرف اشارہ ہے جو بوجہ اطاعت و تبعیت اور انقیاد کے سبب ہوتا ہے مراد یہ کہ حکم رسول پر راضی رہے ظاہراً" اور باطناً" خواہ وہ حکم نفسانی خواہش کے موافق ہو یا نہ ہو یقین سے جانے کہ جو کچھ رسول نے حکم دیا ہے وہ حق ہے صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم۔ اور اس کے بعد باطن میں خدشہ و خلجان نہ رہے۔ اسے مقام رضا و تسلیم کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اس قول سے اس کی طرف اشارہ ہے۔ اذقال لہ ربہ اسلم قال اسلمت لرب العالمین اور مواعظ نبوی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں آیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ تمہارے لئے لازم ہے کہ اپنے لئے سنت کو لازم اور محکم جانو۔ سنت خلفاء راشدین مہدیین کو بھی۔ اور اپنے آپ کو محدثات سے دور رکھو۔ کیونکہ محدث بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اتنا زیادہ آیا ہے کہ ضلالت نار جہنم میں ہے اور حدیث سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کوئی عمل اختیار فرماتے تو اس میں رخصت پر عمل کرتے پس ایک جماعت نے اس سے بچنا اختیار کیا اور رخصت پر عمل کرنے سے دوری اختیار کی پس یہ خبر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کی اور فرمایا۔ اس قوم کا کیا حال ہو گا جو اس کام سے جو میں کرتا ہوں۔ بچتی ہے اور دوری اختیار کرتی ہے۔ خدا کی قسم۔ یہ حقیقت ہے کہ میں خدا تعالیٰ اور اس کی رضا کو ان لوگوں سے زیادہ جاننے والا ہوں اور خوف و خشیت کی رو سے ان سے زیادہ سخت ہوں۔ یعنی کہ میں باوجود اس قدر علم و خشیت کے رخصت پر عمل کرتا ہوں۔ پس آپ جان لیں کہ حق وہی ہے اور وہی تقاضہ حکمت ہے اور اس میں بہت سی مصلحتیں ہیں جو دین و دنیا کے امور کی بہتری اور درستی پر ضامن ہیں۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ پسند کرتا ہے کہ اس کی دی ہوئی رخصتوں پر عمل کیا جائے۔ جیسے وہ یہ پسند کرتا ہے کہ اس کی عزیمتوں پر عمل کیا جائے۔ گو عزیمت پر عمل کرنا ارفع اور افضل ہوتا ہے لیکن بعض اوقات رخصت پر عمل بھی پسند اور مرغوب ہے۔ اور ترقیہ و ترخیص اور تیسیر الٰہی کے ملاحظہ سے عزیمت کا حکم لیا جاتا ہے۔ اور دوسری حدیث میں آیا ہے۔ واللہ انی لا خشاکم باللہ واتقاکم لہ لکنی اصوم وافطر و اصلی وار قد وانزوج نساء فمن رغب عن سنتی فلیس منی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ سنت کے مطابق تھوڑا سا عمل اس بڑے عمل کے مقابلہ میں جو بدعت پر کیا جائے بہتر ہے۔ آپ نے فرمایا۔ ایسا شخص جو میری سنت کو زندہ کرے۔ وہ مجھے زندہ کرتا ہے اور وہ شخص جو مجھے زندہ کرتا ہے وہ میرے ساتھ ہوتا ہے۔ نیز یہ حدیث میں ہے کہ جو کوئی میری سنت سے تمسک کرتا ہے جب امت میں فساد ہو اسے سو شہیدوں کا ثواب ہے اور حدیث میں آیا ہے سنت نبوی سے تمسک بہتر ہے۔ بمقابلہ بدعات پر عمل کے۔ یعنی خواہ بدعت حسنہ ہی کیوں نہ ہو۔ جیسے کہ آداب بیت الخلاء کا احیاء اور قیلولہ وغیرہ۔ مثلاً جس طرح سنت میں واقع ہوا ہے بناء رباط اور مدرسہ کے متعلق۔ اور یہ کام کرنے والا اقامت سنت اور اصول رضائے حق کے سبب سے قرب و وصول کے اعلیٰ مقام پر پہنچتا ہے اور یہ پکی بات ہے کہ بدعت مردودہ و مذمومہ سنت کو بدلنے والی ہوتی ہے۔ اور جو بدعت اس طرح کی نہیں ہوتی بلکہ سنت کو اور طاقتور بنانے والی اور زیادہ رواج دینے والی ہو اسے بدعت حسنہ کہتے ہیں۔ اور

وہ بدعت حسنہ مصلحت و حکمت کی رعایت کے باعث جائز ہوتی ہے۔

بدعت کی قسمیں :۔ اور علماء نے کہا ہے کہ ایک بدعت وہ ہے جس پر عمل واجب ہوتا ہے۔ جیسے کہ علم صرف و نحو کی تعلیم اور علوم الٰہی جو زمانہ نبوی میں نہ تھے۔ بعض بدعتیں مستحب ہوتی ہیں جیسے کہ سرایا مدارس کا بنانا۔ اور مباح ہوتا ہے جیسے کہ پیٹ بھر کر کھانا وغیرہ۔ ان کے علاوہ باقی سب مکروہ یا حرام ہوتے ہیں اور اقامت سنت خواہ قلیل و صغیر ہی کیوں نہ ہی وہ بدعت سے اعلیٰ و ارفع ہے۔ خواہ وہ بدعت کتنی ہی کثیر و کبیر (زیادہ اور بڑی) کیوں نہ ہو بلحاظ منفعت و مصلحت و باللہ التوفیق

اتباع سنت کا ایک واقعہ :۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے چند گورنروں نے ان کی طرف اپنے علاقہ یا شہر کے حالات اور وہاں چوروں کی زیادتی کے متعلق لکھا اور پوچھا کہ کیا انہیں ظن اور گمان کے مطابق پکڑ لیا جائے یا کہ بین دلیل موجود ہو تو پھر پکڑیں۔ جیسے سنت ہے اس کے جواب میں عمر بن عبدالعزیز نے تحریر کیا کہ ان کو دلیل بینہ کی رو سے گرفت کیا جائے جیسے کہ سنت جاری ہے اگر وہ اصلاح کو قبول نہ کریں گے تو رب تعالیٰ ان کی اصلاح کر دے گا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حجر اسود کی طرف دیکھا اور فرمایا خدا کی قسم میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے اور نفع یا ضرر کی صلاحیت سے عاری ہے۔ اگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھ لیتا تو میں تجھے ہرگز بوسہ نہ دیتا۔ پھر آپ نے اس کو بوسہ دیا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا گیا کہ آپ ایک جانب اپنی اونٹنی کو پھراتے گھماتے ہیں لوگوں نے اس کی وجہ دریافت کی تو جواب دیا۔ کہ میں یہاں وہی عمل کرتا ہوں جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہاں کرتے ہوئے دیکھا تھا۔

علماء نے یہ نقل کیا ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مقام پر وضو کیا۔ وہاں پر ایک درخت تھا۔ یہ اس کے گرد گھومے۔ اور اس کی جڑوں میں پانی ڈالا ایک لوٹے کے ساتھ پھر کہا کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اسی طرح یہاں کرتے دیکھا تھا۔ پس میں نے بھی اسی طرح کیا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ والعمل الصالح یرفعہ اس کی تفسیر میں آیا ہے۔ کہ عمل صالح رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی پیروی میں ہے۔

حضرت سہیل سری رحمتہ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ تین چیزیں ہمارے مذہب کے اصول میں ہیں۔ پہلی چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اخلاق اور افعال کی اقتداء۔ دوسری چیز حلال روزی کھانا اور تیسری چیز ہے اپنے تمام اعمال میں خلوص نیت۔

احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ کے متعلق حکایت بیان کرتے ہیں۔ کہ انہوں نے کہا کہ ایک روز میں ایک جماعت کے ساتھ تھا۔ وہ تمام برہنہ ہوئے اور پانی میں داخل ہو گئے۔ اور میں نے حدیث شریف پر عمل کیا۔ آنحضرت نے فرمایا کہ جو

شخص اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے حمام میں برہنہ نہ ہونا چاہیے۔ وہ تہہ باندھ کر غسل کرے لہٰذا میں برہنہ نہ ہوا۔ میں نے اسی رات کے دوران خواب دیکھا کوئی یہ کہہ رہا تھا۔ اے احمد! تجھ کو خوشخبری ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو اسی سنت پر عمل پیرا ہونے کے باعث بخش دیا ہے اور تم کو امام بنادیا ہے۔ ایک جماعت تمہاری پیروی کرے گی۔ میں نے سوال کیا کہ تم کون ہو تو اس نے کہا میں جبریل ہوں۔

دربار رسالت کے آداب:۔ وصل:۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے آداب کے حقوق کی رعایت میں قرآن پاک میں بہت سی آیات آئی ہیں۔ جن میں حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے آداب کے حقوق کی رعایت کی جانب اشارات فرمائے گئے ہیں۔ اللہ رب العزت نے فرمایا ہے۔ لتؤمنو باللہ ورسولہ و تعزروہ و توقروہ تاکہ تم ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر اور رسول اللہ کی تعظیم اور توقیر بجالاؤ۔

نیز فرمایا۔ یایھا الذین امنوا لا تقدموا بین یدی اللہ ورسولہ اے ایماندارو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یایھا الذین امنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی اے ایمان والو اپنی آواز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی آواز سے بلند تر نہ کرو۔

نیز فرمایا لا تجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضا رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو اس طرح نہ پکارو۔ جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔

اللہ تعالیٰ نے یہ حکم فرمایا ہے و تعزروہ ای تبجلوہ و تبالغوہ فی تعظیمہ و تنصروہ مراد اس سے ہے کہ ان کی عزت کرو اور ان کی تعظیم میں مبالغہ کیا جائے۔ اور ان کی نصرت و مدد کرو۔ اور آپ کے سامنے بات کرنے میں سبقت کرنے سے منع فرمایا۔ سبقت فی الکلام گستاخی رسول قرار دی گئی۔ یعنی آپ سے پہلے مت بولو اور جب حضور کچھ ارشاد فرمائیں تو خوب کان لگا کر سنا جائے۔ اور دین کے معاملات میں آنحضرت کی کسی احتیاج کے مقابل اپنے کام میں جلدی کرنا منع فرمادیا۔ بعد ازاں اس طرح فرما کر مسلمانوں کو ڈرایا۔ واتقوا اللہ ان اللہ سمیع علیم اور ڈرو اللہ سے بلاشبہ اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔ (کذا قال القاضی) مواہب میں ذکر کیا گیا ہے کہ یہ بارگاہ رسالت کے آداب میں سے ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے روبرو اوامر و نواھی اور اجازت کے بارے میں اور دیگر کسی کام میں تقدم نہ کیا جائے۔ تا آنکہ آپ خود تمہیں حکم فرمائیں۔ یا ممانعت کریں یا حکم فرمایں۔ جیسے کہ اس آیہ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور یہ حکم قیامت تک کے لئے باقی ہے۔ یہ منسوخ نہیں ہے۔ پس حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے وصال شریف کے بعد بھی آپ کی سنتوں سے تجاوز کرنا یا آپ کے احکام سے تجاوز بھی اسی طرح ہے جس طرح کہ حضور کی حیات ظاہری میں تھا۔ دونوں حالتوں میں کوئی فرق نہیں۔ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے مجاہد نے کہا ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر کسی چیز میں بھی تفوق مت کریں تا آنکہ اللہ تعالیٰ کوئی حکم آپ کی زبان پر نہ فرمادے اور ضحاک کا قول یہ ہے کہ حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

سے کوئی اپنی طرف سے حکم نہ ملایا جائے۔ علماء نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ جس طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ادب روا رکھتے تھے اس پر غور کرو۔ وہ جب نماز میں امامت کے فرائض سرانجام دے رہے تھے تو آپ کس طرح پیچھے ہٹے گو امامت کا کام وہ بحکم رسالت صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور انہی کی اجازت سے کر رہے تھے حضرت صدیق کا قول ہے۔ کہ ابو قحافہ کے فرزند کو کیا حق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے آگے بڑھے۔ ملاحظہ کرو اس ادب کے باعث وہ کس مرتبہ پر فائز ہوئے۔ یعنی وہ آنحضرت کے بعد آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے خلیفہ اور امام بنائے گئے انہوں نے وہ مرتبہ پایا جس تک کسی دیگر امتی کو رسائی نہیں ہے۔

دربار نبوت کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ کسی شخص کی آواز آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی آواز مبارک سے بلند تر نہ ہو جس طرح کہ لوگ ایک دوسرے کے ساتھ چیختے چلاتے ہیں۔ یا جیسے کہ ایک دوسرے کو پکارتے اور بلاتے ہیں۔ یہاں اس دربار رسالت کی تعظیم و توقیر بجالاؤ۔ اور عرض کیا کرو یا رسول اللہ! یا نبی اللہ! بنو تمیم کے وفد کے بارے میں یا کسی دیگر کے متعلق اس آیت کا نزول ہوا تھا۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے دروازہ مبارک سے باہر کھڑے تھے اور پکارتے تھے۔ یا محمد اخرج علینا لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت فرمائی۔ اور ارشاد فرمایا اکثرھم لا یعقلون ان کی اکثریت عقلمند نہیں ہے۔ بعض کا قول ہے کہ اس آیت کا نزول اس وقت ہوا جب حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی آوازیں آپس میں کسی اختلاف کی بنا پر ان کی آوازیں بلند ہو گئی تھیں۔ اور بعض نے کہا ہے کہ یہ آیت ثابت بن قیس بن شماس کے متعلق نازل ہوئی تھی چونکہ وہ کانوں سے بہرے تھے اور بلند آواز سے کلام کرتے تھے یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ثابت رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں بیٹھ گئے۔ تاکہ ان کے اعمال ضائع نہ ہو جائیں۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے انہیں بلا بھیجا اور شہادت اور جنت میں دخول کی خوشخبری سنائی۔ وہ جنگ یمامہ کے دن شہید ہو گئے۔ ان کی شہادت کی یہ کہانی اپنے مناسب مقام پر انشاء اللہ مذکور ہو گی۔

نقل کیا گیا ہے کہ اس آیت کے نزول کے وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! خدا کی قسم آئندہ میں بات ہمیشہ اس انداز میں کیا کروں گا جیسے سرگوشی کی جاتی ہے عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی سرگوشی کی مانند ہی آنحضرت سے عرض کیا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ کبھی کبھی آنحضرت ان کی بات نہ سن پاتے تھے جب تک کہ دوبارہ نہ پوچھتے لہٰذا خدا تعالیٰ نے فرمایا۔ ان الذین یغضون اصواتھم عند رسول اللّٰہ اولٰئک الذین امتحن اللّٰہ قلوبھم للتقوی لھم مغفرۃ و اجر عظیم **ترجمہ:**۔ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس جو لوگ اپنی آوازیں پست کر لیتے ہیں وہ ہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں تقویٰ کا اللہ نے امتحان لیا۔ مغفرت ہے ان کے لئے اجر عظیم ہے۔

خلیفہ وقت اور امام مالک کی گفتگو:۔ نقل ہے کہ امیر المومنین خلیفہ ابو جعفر منصور نے مسجد نبوی کے اندر امام مالک رحمتہ اللہ علیہ سے گفتگو کی۔ امام مالک نے اسے فرمایا کہ مسجد کے اندر اپنی آواز نیچی رکھو کیونکہ ایک جماعت کو ادب کی تعلیم دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی اور دوسری جماعت کی تعریف فرماتے

ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ لا ترفعو اصواتکم فوق صوت النبی اور دوسری جماعت کی تعریف فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان الذین یغضون اصواتھم آخر آیت تک۔ اور اللہ تعالیٰ نے ایک گروہ کی مذمت میں فرمایا۔ ان الذین ینادونک من ور آء الحجرات بے شک جو لوگ حجروں کے باہر سے آپ کو آوازیں دیتے ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت و توقیر آپ کے وصال کے بعد بھی اسی طرح ہے جس طرح کہ آنجناب کی حیات طیبہ ظاہری میں موجود تھی۔ یہ سن کر خلیفہ چپ ہو گیا اور رونا شروع کیا۔ پھر ابو جعفر خلیفہ یوں کہنے لگا۔ اے ابو عبداللہ! میں اپنا منہ اپنی دعا کے وقت قبلہ سے پھیروں یا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پھیروں تو امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کہنے لگے تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیوں اپنا منہ پھیرتے ہو۔ جبکہ وہ تمہارے لئے وسیلہ ہیں اور قیامت کے دن تمہارے والد حضرت آدم صفی اللہ کے بھی وسیلہ ہیں۔ جاؤ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو جاؤ۔ اور شفاعت طلب کرو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاءوک اگر وہ اپنی جانوں پر ظلم کر لیں تو دربار رسالت میں حاضر ہوں اور مغفرت کی دعا کریں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز مبارک پر اپنی آواز (نعوذ باللہ) بلند ہو جائے تو تمام نیک اعمال کا ضیاع اور حبوط ہی نتیجہ ہے پھر تمہارا کیا خیال ہے کہ جو احکام و سنت اللہ تعالیٰ سے حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم لائے ان پر اگر اپنے خیالات کو سبقت دیں تو نتیجہ کیا نکلے گا۔ جس طرح کہ معمول ہے فلاسفہ کا اور عادت ہے ارباب عقل کی۔

یہ بھی آداب رسالت صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے ہے کہ آنحضور کے ارشادات میں اپنی ذاتی رائے سے اعتراض یا شک نہ کرو۔ اس کی بجائے اپنی رائے کے بارے میں آنحضرت کے اقوال کی روشنی میں شک کرو۔ نص کے مقابلے میں قیاس مت کرو۔ بلکہ نص کے مطابق اپنا قیاس کرو قیاس کی صحت اسی میں ہے کہ وہ نص کے خلاف نہ ہو۔ مخالف گمان کے ذریعے سے آنحضرت کے کلام میں تغیر و تبدل مت کرو جس طرح منطقیوں اور فلاسفہ کا طریق ہے اس کو وہ لوگ معقول کہتے ہیں نیز آنحضرت کے کلام مبارک میں شبہ مت کرو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ارشادات اور آپ کے آوردہ احکامات اس امر پر موقوف نہیں ہیں کہ وہ معقولیوں کی موافقت میں ہوں۔ ان کو تسلیم کرنے میں عدم موافقت کا دخل نہیں ہے کیونکہ یہ بے ادبی اور بے باکی کا باعث ہے۔ ہاں محکمات کے ساتھ متشابہات کی تاویل کی مطابقت ان کے مناسب مسلمہ شرائط سے ممکن ہے۔ لیکن استحالہ خالص استبعاد اور خلاف عادت کے مقام پر جائز نہیں۔ ان میں علماء سلف کا طریقہ تسلیم و تفویض ہے۔ اور تفسیر و حدیث میں یہ طریقہ و روش کثرت سے آئی ہے۔ جیسے کی بیضاوی وغیرہ۔ یہاں یہ محتاج ذکر نہیں ہیں۔

آداب رسالت سے یہ بھی ہے کہ توحید مرسل یعنی اللہ تعالیٰ کے سامنے جیسے تحکیم و تسلیم، خضوع و خشوع، تذلل اور توکل و اعتماد واجب ہیں اسی طرح یہ باتیں توحید رسول اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم و توقیر میں ضروری ہیں علماء کا بیان ہے کہ یہاں توحید دو ہیں۔ ان کے بغیر کسی آدمی کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے چھٹکارا نہیں مل سکتا اور نہ ہی رب تعالیٰ کی

رضامندی حاصل ہو سکتی ہے۔ ایک توحید مطلق ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت میں توحید ہے۔ اور دوسری کو توحید مرسل کہتے ہیں۔ یہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء اور متابعت میں ہے۔ پس یہ لازم ہے کہ کسی غیر سے فیصلہ نہ کرائے نہ ہی کسی غیر کے حکم پر رضامند ہو۔ اسی طرح مدارج السالکین سے مواہب لدنیہ میں نقل کیا گیا ہے۔

یہ ایک امر بھی آداب رسالت میں سے ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پکارنے کو یا آنحضرت کی دعا کو آپس میں ایک دوسرے کو پکارنے یا دعا کرنے کی طرح ہرگز نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ لا تجعلوادعاءالرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضا رسول کو پکارنے یا رسول کی دعا کو تم ایک دوسرے کی دعا کی طرح مت بنایا کرو۔ اس آیت کی تفسیر کے ضمن میں اہل تفسیر کے دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ کا نام لے کر آپ کو نہ پکارا جائے۔ جیسا کہ تم ایک دوسرے کو نام لے کر پکارتے ہو بلکہ بڑی عظمت اور عزت و توقیر سے آنحضرت کو یا رسول اللہ یا نبی اللہ کہہ لیا کرو دوسرا قول یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تم لوگوں کو پکارنے کو تم ایک دوسرے کی پکار کی مانند نہ بناؤ اور نہ سمجھو۔ مراد یہ ہے کہ آپ اگر پکار دیں تو جواب دو یا نہ دو جیسے کہ تم آپس میں کرتے ہو اس طرح نہیں بلکہ آنحضرت کی پکار کا تمہیں جواب دینا ہی ہو گا۔ یہ تمہارے لئے واجب ہے اس میں کسی اختلاف کی کوئی گنجائش نہ ہے۔ جس طرح اس آیت پاک میں ہے۔ یاایھا الذین امنوا استجیبوا للّٰہ وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم اے ایمان والو جب رسول آپ کو بلائیں تو ان کے بلانے کو قبول کر کے حاضر ہو جاؤ تاکہ وہ تمہیں زندگی عطا کریں۔ اس تقدیر پر مصدر مضاف یعنی دعا کا لفظ فاعل کے معنی میں ہے۔ یہ امکان ہے کہ یہ بات ابن معلی کے متعلق ہو۔ وہ نماز میں تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو بلایا۔ انہوں نے جواب نہ دیا اور بعد ازاں معذرت کی کہ میں نماز میں تھا لہٰذا میں نے جواب نہ دیا تھا۔ تو آنحضرت نے فرمایا کہ کیا اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد تم نے نہیں سنا۔ استجیبوا للّٰہ وللرسول آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص میں مذکور ہو چکا ہے کہ نبی کے بلانے پر اگر حاضر ہو جائیں تو نماز نہیں ٹوٹتی۔

ساری مخلوق سے آپ کو زیادہ محبوب ماننا:۔ وصل:۔ معلوم ہونا چاہیے کہ محبت ایمان والوں کے قلوب کی حیات اور ان کے ارواح کی غذا ہے۔ اور رضا کے مقامات میں اور محبت کے احوال میں یہ مقام بلند ترین اور افضل ترین ہے۔ جو وقت بغیر محبت کے گزر جاتا ہے وہ وقت اور وہ شخص بغیر روح کے رہ جاتا ہے۔ محبت والوں نے محبت کی حقیقت اور محبت کے معانی میں مختلف تعبیریں کی ہیں۔ اصل میں یہ تعبیرات میں اختلاف ان کے احوال محبت کے اختلاف کے باعث ہے اور ان کی یہ تعبیرات محبت کے نتائج ہیں۔ اور محبت کی حقیقت نہیں کچھ محققین سے مواہب لدنیہ میں نقل کیا گیا ہے۔ کہ اہل عرفان محبت کی حقیقت ایک قسم کی معلوماتی حالت سمجھتے ہیں جس کے الفاظ میں تعریف یا تحدید نہیں کی جا سکتی۔ اور ہر شخص اس کو نہیں جان سکتا جب تک کہ وہ خود بذریعہ وجدان اس پر قائم نہ ہو جائے۔ کیونکہ الفاظ میں اس کی تعبیر نہیں ہو سکتی۔ اور جس قدر اس کی وضاحت کریں اسی قدر یہ مزید پوشیدہ و مخفی ہو تا جاتا ہے۔ پس اس کی تعریف اور اس کی حد بندی ہی اس کا وجود ہے۔ انتہی یہ ذوق اور وجدان میں کلام ہے ورنہ اس کے اصل معنی تو جھک جانے اور کسی ایسی چیز کی جانب

مائل ہونا ہے جو مرغوب اور موافق ہو۔ محبت کے مختلف درجات علامات و آثار اور شواہد و ثمرات ہوتے ہیں۔ ان کے متعلق اشارات صاحبان علم کے کلام میں پائی جاتی ہیں۔

بعض کا قول ہے کہ محبت کہتے ہیں تمام تر احوال میں اپنے محبوب کی موافقت کرنے کو۔ اور موافقت ایثار بخشش اور محبوب کی اطاعت میں ہوتی ہے۔ یہ نفس کی خواہشات اور قلب کے ارادہ پر مبنی ہے۔ اور بعض کا قول ہی ہے کہ محبوب کی خوبیوں میں گم ہونا اور فنائی ذات محبوب کا نام محبت ہے۔ اور یہ محبت کے احکام میں فنا ہوتا ہے۔ جب تک اس میں اپنے آپ کو فنا نہ کردیں یہ بات حاصل نہیں ہوتی یعنی اس کے ساتھ مکمل طور پر محبت ہو جائے۔ خواجہ بایزید بسطامی نے فرمایا ہے کہ اپنی جانب سے خواہ کتنا زیادہ کیا جائے اس کو کم جاننا اور محبوب کی طرف سے خواہ کتنا ہی کم کیا جائے اسے زیادہ جاننا محبت ہوتی ہے جس آدمی کو محبوب سے سچی محبت ہوتی ہے وہ اپنا سب کچھ کہ جس پر اسے قدرت ہو محبوب پر قربان کردے پھر بھی وہ اسے بہت کم تصور کرتا ہے۔ اور خود میں شرمسار رہتا ہے اور محبوب کی جانب تھوڑی سی بھی چیز حاصل ہو تو اسے وہ بہت کچھ سمجھتا ہے اور یوں بھی اہل محبت نے کہا ہے کہ اپنا سب کچھ محبوب پر نچھاور کردینا محبت ہے اور اپنی ذات کی خاطر اپنی کوئی شے محفوظ نہ رکھے۔ نیز یہ بھی کہا گیا ہے کہ دل سے سوائے اپنے محبوب کے ہر چیز فنا کردی جائے تو یہ محبت ہے۔ اور محبت کے کمال کا تقاضہ بھی یہی ہے۔ تاکہ دل میں کسی غیر کی موجودگی اور اس کی محبت کے لئے کوئی جا باقی نہ ہو۔ کیونکہ دل وہ مقام ہے جہاں محبت داخل ہو کر اثر انداز ہوتی ہے۔ کچھ حضرات یوں کہتے ہیں کہ محبوب کے دیدار و زیارت کے شوق میں دل کے سفر کو محبت کہا جاتا ہے۔ اور اکثر محبوب ہی کا ذکر زبان پر ہوتا ہے۔

مذکورہ تمام معانی اصل میں محبت کے آثار اور علامتیں ہیں۔ ورنہ محبت کسی ایسی چیز کی طرف دل کے میلان کو کہتے ہیں۔ جو اس کے موافقت میں ہو یا ظاہری حواس سے لذت اور ذوق کے حصول کے لئے مرغوب ہو۔ جیسے کہ خوبصورت تصویریں دلپذیر آوازیں اور مزیدار کھانے اور خوشبودار اشیاء وغیرہ کے ساتھ محبت رکھنا۔ اور باطنی حواس یعنی عقل و دل کے ادراک سے برگزیدہ باطنی معانی سے محبت کرنا جس طرح کہ صالحین سے اور علماء سے اور ان اشیاء سے محبت کرنا جو جمیل سیرت اور نیک اعمال کے اعتبار سے معروف ہوں۔ وجہ یہ ہے کہ انسان کی طبیعت کا فطری طور پر ان چیزوں کی طرف میلان و رجحان ہوتا ہے۔ خواہ یہ محبت احسان اور انعام کے باعث ہو۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ پیدائشی طور پر ہی انسان میں خصوصیت ہے کہ وہ اس پر احسان کرنے والے سے محبت رکھتا ہے اور اس کو چاہتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ محبت کا باعث خواہ حسن و خوبی ہو یا احسان ہو یہ سب اسباب محبت آقائے نامدار ہمارے محبوب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ذات اقدس میں پائے جاتے ہیں۔ اور آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم محبت کے موجب بننے والے سب معانی کے جامع ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ظاہری حسن و جمال اور باطنی طور پر آپ کے اخلاق و سیرت اور فضل و کمال کا تھوڑا سا ذکر سابقہ ابواب میں ہو چکا ہے۔

جہاں تک آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اپنی امت پر احسان و انعام فرمانے کا تعلق ہے۔ تو معلوم ہونا چاہیے

کہ آپ کالطف و کرم اور رحمت و شفقت اور آپ کی دی ہوئی تعلیم کتاب و حکمت اور صراط مستقیم پر چلنے کے لئے آپ کی ہدایت و رہنمائی اور جہنم سے نجات وغیرہ ان میں سے ہر بات انعام و احسان اور مرتبہ و قدر کے اعتبار سے کتنی عظیم اور اجل ہے۔ اور جس قدر انعامات و احسانات اہل اسلام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طرف سے ہوئے ہیں۔ کوئی دوسرا شخص ایسا نہیں جو ایسے افضال و اکرام میں منفعت و افادات کے لحاظ سے اعم اور اشمل ہو سکے اور جملہ مسلمانوں پر آنحضور صاحب فضل عظیم کی طرف سے کس قدر بڑا انعام ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ان کے وسیلہ ہیں۔ ہدایت کی جانب اور آپ ان کی فلاح و بہبود اور عزت و کرامت کے داعی ہیں۔ اور آپ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے لئے گواہ اور ان کے شفاعت فرمانے والے ہیں۔ اور آپ بقائے دوام کا باعث ہیں اور نعیم سرمد یوم القرار ہیں پس یہ ثابت ہو چکا کہ آپ فی الحقیقت محبت کے مستوجب ہیں شرعی طور پر بھی اور فطری لحاظ سے بھی۔ کیونکہ انسان کی عادت یہ ہے کہ جو کوئی ایک دو بار اس پر کوئی احسان کرے اور کسی قسم کی کوئی فانی سی نعمت اس کو دے تو وہ اس سے گرویدہ و مائل ہو جاتا ہے اور محبت کرنے لگتا ہے۔ لیکن وہ ذات اقدس جو ان کو نجات عطا کرے اور ان سے ہلاکت اور مضرت کو دفع کرے تو اس کے ساتھ وہ کیوں نہ محبت کرے گا۔ کیونکہ آنحضرت کی ذات کریم نے وہ نعمت ہائے عطا کیں جو ہمیشہ کے لئے ہیں۔ اور دائمی طور پر بلاؤں سے حفاظت عطا فرمائی۔ انسان کی عادت ہے کہ حسین صورت اور پسندیدہ خصلت کو محبوب رکھتا ہے تو کیوں نہ آنحضرت کی ذات اقدس سے محبت کرے گا جن کی ذات تمام اقسام کے حسن کی جامع اور ہر قسم کے فضل و کمال کے حامل تھے۔

پس آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم مستحق محبت ہیں۔ اور آپ کے ساتھ محبت ہمیں اپنی جانوں مالوں اور اولاد اور قریبیوں سے بہت ہی زیادہ وافر اور اکثر ہے جو شخص آپ پر خلوص دل سے صحیح طور پر ایمان لایا ہے۔ وہ آنحضرت کی محبت کے وجدان سے خالی نہیں ہے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ کسی میں بہت زیادہ محبت ہے اور کسی میں کم۔ یہ شہوات کے ترک کرنے اور احتجاب غفلت کے نہ ہونے پر مبنی ہے۔ العاذنا اللہ منہ اور اس امر میں ہرگز کوئی شبہ نہیں کہ اس ضمن میں صحابہ رسول اتم اور اکمل حصہ پائے ہوئے ہیں۔ کیونکہ یہ ثمرہ معرفت کا ہے اور آنحضرت کے ساتھ ان کی معرفت ظاہر ہے۔ جس طرح کہ احادیث سے منقول ہے اور آثار سے معلوم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

قد ان کان اباء کم وابناء کم و اخوانکم و ازواجکم و عشیرتکم و اموال اقترفتموھا وابناءھم تجارۃ تخشون کسادھا و مساکن ترضو فھا احب الیکم من اللہ و رسولہ و جھاد فی سبیلہ

ترجمہ:۔ آپ فرما دیں کہ اگر تمہارے باپ و تمہارے بھائی اور تمہارے بیٹے اور تمہاری بیویاں اور تمہارا کنبہ اور تمہارے مال اور وہ سودا جس کے نقصان کا تم کو خدشہ ہے اور تمہارے مکان یہ سب چیزیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں لڑنے سے زیادہ پیاری ہوں۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ و

وللہ لخ کوئی تم سے اس وقت تک ایماندار نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کے لئے اس کے والد اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں ایک اور روایت میں من اھلہ و من مالہ کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ اور ایک روایت میں آیا ہے۔ من نفسہ اس سے یہ مراد ہے کہ اس کی زوجہ اس کے مال اور جان سے زیادہ میں محبوب بن جاؤں۔ یہ مرتبہ محبت اتم اور اکمل ہے حضرت عمرفاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہوا ہے کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے میری ہر چیز سے زیادہ آپ عزیز اور پیارے ہیں سوائے میری جان کے۔ آنحضرت نے ارشاد فرمایا کہ کوئی بھی تم میں سے ایماندار نہیں ہے جب تک میں اس کی جان سے بھی زیادہ اسے عزیز نہ ہوں۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اس ذات ربانی کی قسم جس نے آپ پر اپنی کتاب نازل فرمائی آپ مجھے میری جان سے محبوب تر ہیں۔ آنحضرت نے فرمایا اے عمر اب تم مومن اور مخلص بنے ہو۔ ایک روایت میں اس طرح آیا ہے کہ آنحضور نے اپنا ہاتھ مبارک حضرت عمر کے سینہ پر مارا اور تصرف فرمایا۔ پھر وہ ان معانی اور مفہوم کے حامل ہوئے۔ سہیل سری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو شخص اپنے سب احوال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ولایت کو نہیں دیکھتا اور اپنے آپ کو آنحضرت کی ملکیت تصور نہیں کرتا۔ اس نے سنت کی حلاوت کو نہ چکھا۔ کیونکہ آنحضور کا ارشاد گرامی ہے کہ تم میں سے اس وقت تک مومن بالکل ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ میں اس کی جان سے بھی زیادہ محبوب نہ ہوں۔ بعض کا قول ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی رضا پر اپنی سب خواہشات قربان نہ کرو گے خواہ تم موت کے منہ میں کیوں نہ پڑے ہوئے ہو تم مومن نہیں بن سکتے۔ اس سے یہ ثابت و معلوم ہوا کہ عظمت کے اعتقاد کے بغیر محبت ہوتی ہی نہیں کیونکہ حضرت عمرفاروق رضی اللہ عنہ کو تو پہلے سے ہی حاصل تھی۔

صاحب مواہب لدینہ نے کہا ہے کہ حضرت عمر نے پہلے مرتبہ پر ہی توقف کیا اور جان کو مستثنیٰ قرار دیا اس لئے کہ جان سے انسان کو فطری طور پر محبت ہوتی ہے اور جت اختیاری ہوتی ہے وہ بھی اسباب کو وسیلہ سے اور موجبات کے علم سے۔ اور منافع، مصالح اور فوائد کی رو سے۔ اور آنحضرت نے عمر کے متعلق اختیاری محبت سے مراد لیا تھا کیونکہ کسی طریقے سے طبائع میں اور جبلت میں تبدیلی نہیں آتی۔ لہٰذا عمر رضی اللہ عنہ کا پہلا قول طبعی تھا اور اس کے بعد تدبر و تفکر اور استدلال سے معرفت کے حصول کے بعد دوسرا جواب تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنی جان سے بھی محبوب تر ہونے چاہئیں۔ کیونکہ آپ ہی تو دنیا و آخرت کی ہلاکتوں سے موجب نجات ہیں۔ پس انہوں نے آنحضرت کو اپنے اس حال سے آگاہ کیا۔ جو تقاضہ اختیار تھا۔ لہٰذا آنحضرت کی طرف سے یہ ارشاد حاصل ہوا کہ اے عمر! اب تم ایماندار ہو گئے ہو اس سے یہ مراد ہے کہ اب تم نے حقیقت کو پہچان لیا ہے۔ اور تم نے جو واجب ہے اس کے مطابق جواب دیا ہے۔ اور اس مسکین (شیخ عبدالحق) کے نزدیک اس طرح ہے کہ حضرت عمر کا پہلا قول بحکم تخلیق تھا۔ اور آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ارشاد کے بعد جو ان کو حاصل ہوا۔ حتیٰ کہ کہا کہ میری جان سے بھی محبوب تر ہیں یہ طبعی محبت تھی۔ اور صاحب مواہب لدینہ والا قاعدہ کلیہ نہیں کہ طبائع تبدیل نہیں ہوتیں اور جبلتوں میں تغیر نہیں ہے۔ کبھی کبھی ریاضتوں اور مجاہدات کے ذریعے کے

طبعیتیں اور غرائز تبدیل ہو جاتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے تصرف و ہمت کے ذریعے نفوس صحابہ مہذب ہو گئے اور تاریکی نورانیت سے بدل گئی۔ بالخصوص جو مقام مستعد اور قابل تھا مثلاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نفس۔ اس کی تائید دوسری حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔ تمہارا حال کیسا ہے کہ کیا میرے سوا کسی اور سے تمہیں محبت ہے۔ حضرت عمر عرض کرنے لگے یا رسول اللہ! میری محبت تو میرے جان و مال اور اہل اولاد میں مشترک ہے اس کے بعد آنحضرت نے اپنا تصرف کا ہاتھ حضرت فاروق کے سینہ پر رکھا اور پھر پوچھا۔ اب کیسا حال ہے اے عمر! تو انہوں نے عرض کیا کہ اہل و مال اور اولاد کی محبت محو ہو گئی سوائے جان کی محبت کے۔ وہ ابھی تک ہے۔ آنحضرت نے دوبارہ ہاتھ مبارک ان کے سینہ پر رکھا۔ تو سب چیزوں کی محبت مٹ گئی سوائے محبت رسول کے۔ علاوہ ازیں یہ ظاہر ہے کہ اختیاری محبت عمر رضی اللہ عنہ کو استدلال سے حاصل ہو گی اسی کے ظاہر ہونے کی وجہ سے نیز انہیں اعلیٰ مرتبہ یعنی جبلی محبت آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے مطلوب ہو گی۔ معلوم ہو گیا کہ محبت کا غلبہ اس مقام تک رسائی کرتا ہے جہاں تک طبیعت سرایت کرے۔ چنانچہ حدیث پاک میں آیا ہے۔ اللھم اجعل حبک احب الی من اھلی و مالی و نفسی و من الماء البارد الی العطشان۔ اے اللہ تعالیٰ اپنی محبت کو میرے اندر اپنے مال و جان اور اہل سے بھی زیادہ محبوب بنا دے۔ جیسے پیاسے آدمی کو پانی محبوب ہوتا ہے اس سے محبوب تر کر دے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ گو جان کی محبت میں اختیار کا شائبہ موجود ہوتا ہے لیکن پیاسے آدمی کو سرد پانی کے ساتھ محبت ہونے میں کوئی اختیار حاصل نہ ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میرے اولاد و اموال، والدین ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ محبوب تھے۔

معیت اور محبوبیت:۔ وصل:۔ محبوبہ کے ساتھ معیت حاصل ہونا محبت کا سب سے بڑا ثواب و جزاء ہے یہ معنوی اور روحانی معیت ہے۔ خواہ درمیان میں جسمانی مفارقت اور علیحدگی موجود ہو۔ انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! قیامت کب آئے گی۔ آنحضور نے اس سے فرمایا کہ تم نے کس اعمال کے ساتھ قیامت کی تیاری کی ہے مراد یہ ہے کہ تم قیامت کے بارے نہ پوچھو بلکہ عمل کرو جو قیامت کے دن تمہارے کام آئیں وہ عرض کرنے لگا کہ حضور! قیامت کی خاطر میں نے نماز روزہ صدقہ وغیرہ کی تو کوئی کثرت نہیں کی۔ ہاں خدا تعالیٰ اور اس کے رسول کو محبوب رکھتا ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا انت مع من احببت تم اس کے ساتھ ہو گے جس سے تمہیں محبت ہے۔

حضرت صفوان بن قدامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی جانب ہجرت کی۔ اور آنحضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم! اپنا ہاتھ مبارک مجھے دیں کہ میں بیعت کروں۔ آنحضرت نے مجھے اپنا دست مبارک عطا کیا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! احبک قال المرء مع من احب یا رسول اللہ میں آپ سے محبت کرتا ہوں۔ فرمایا جس سے آدمی محبت رکھتا ہو اس کے ساتھ

ہو گا۔ یہ الفاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے عبداللہ بن مسعود' حضرت انس اور ابوذر غفاری رضی اللہ عنہم نے روایت کئے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما کے ہاتھوں کو پکڑا اور فرمایا جو شخص ان دونوں کو اور ان دونوں کے ماں باپ کو محبوب رکھتا ہے وہ شخص قیامت کے دن میری معیت میں میرے درجہ پر ہو گا۔ اس میں انتہادرجہ کا مبالغہ پایا جاتا ہے۔ یعنی آپ نے فرمایا کہ وہ میرے درجہ میں ہو گا۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ اس کا مطلب ہے انتہائی قرب اور معیت دوسروں کے مقابلے میں۔ کیونکہ اس جگہ مطلق معیت پر اکتفا کی جاتی ہے۔

ایک روایت ہے کہ ایک آدمی آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور کہا یا رسول اللہ آپ میرے مال و جان اور اہل و اولاد سے بڑھ کر مجھے محبوب ہیں۔ جب حضور کی یاد آتی ہے تو صبر نہیں ہو سکتا تا آنکہ حاضر آکر حضور کے جمال اقدس کی زیارت نہ کروں۔ اور جب میری موت اور آپ کے وصال شریف کی یاد آتی ہے۔ خیال کرتا ہوں۔ جس وقت حضور داخل بہشت ہوں گے۔ آپ انبیاء علیہم السلام کی معیت میں نہایت اعلیٰ مقام پر فائز کئے جائیں گے۔ اگر میں جنت میں بھیجا بھی گیا تو آپ جناب کی زیارت میسر کیسے آئے گی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنا انعام فرمایا۔ اس نزول آیت کے بعد آنحضرت نے اس شخص کو بلایا اور یہ آیت پڑھ کر اسے خوشخبری سنائی۔ کچھ مفسرین حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے غلام ثوبان سے اس کا تعلق بتاتے ہیں۔ انہیں حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نہایت محبوب تھے۔ ان سے صبر نہ ہو سکا تو اس حالت میں آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ کہ رنگ فق تھا اور شکستہ و پراگندہ تھے۔ ان کے چہرے سے غم واندوہ ظاہر ہوتا تھا۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے استفہام فرمایا کہ تو نے کیا صورت بنا رکھی ہے۔ تمہارا رنگ اڑا ہوا ہے۔ اس نے عرض کیا۔ حضور مجھے کوئی بیماری نہیں ہے نہ کوئی درد وغیرہ ہے سوائے اس کے کہ جب حضور کو نہیں دیکھتا تو مجھے وحشت اور پریشانی ہوتی ہے۔ اور وحشت بڑی شدت سے ہوتی ہے۔ جب تک حاضر خدمت ہو کر حضور کی زیارت نہیں کر لیتا۔ مجھے سکون نہیں آتا۔ قبل ازیں میں آخرت کے بارے میں متفکر تھا۔ اور ڈرتا تھا کہ وہاں کس جگہ حضور کی زیارت کر سکوں گا کیونکہ انبیاء کے ساتھ آپ مقام اعلیٰ پر فائز کئے جائیں گے اور اگر مجھے بہشت میں داخل کر بھی لیا گیا جب بھی حضور کے بلند مقام کے برعکس میری جگہ بہت نیچے ہو گی اور مجھے داخل جنت نہ کیا گیا تو ہمیشہ کے لئے حضور کی زیارت سے محروم رہوں گا۔ پس اس موقع پر اس آیت کا نزول ہوا۔ اور کچھ تفاسیر میں تو اجمالی طور پر جملہ صحابہ کرام کے بارے میں بھی ذکر کیا گیا ہے۔

دیگر ایک حدیث ہے اس میں کہ ایک شخص دربار رسالت میں آنحضور کے چہرہ مبارک پر نظریں جمائے بیٹھا ہوا تھا۔ ادھر ادھر اپنی نظروہ نہیں کرتا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا تمہارا کیا حال ہے؟ عرض کیا یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ میں حضور کے جمال جان آفرین سے فیض یاب ہو رہا ہوں۔ اور لذت ذوق حاصل کرتا ہوں۔ لیکن غمزدہ ہوں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ حضور کی زیارت مجھے نصیب فرمائے گا یا کہ نہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا من حبنی کان معی فی الجنۃ جو مجھ سے محبت رکھتا ہے وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔

معلوم ہونا چاہیے کہ معیت سے مراد یہ نہیں کہ درجہ برابر ہوگا گو کچھ احادیث میں کان فی درجتی بھی آیا ہے اس کا مطلب یہ ہے جنت میں ایسا مقام ہوگا جس پر آنحضرت کی زیارت ہو سکتی ہوگی۔ حجابات رفع ہوں گے۔ گو بلحاظ فاصلہ دوری ہوگی۔ اہل محبت مشاہدہ کریں گے۔ اور ان کے اندوہ و غم کا مطلب ہے مشاہدہ اور رویت کا فقدان۔ اس معنی میں معیت ہے اور معیت قلبی تو بغیر آنکھوں سے دیکھنے کے بھی ہے۔ جس طرح آنحضرت نے ارشاد فرمایا کہ کچھ لوگ مدینہ میں ایسے موجود ہیں جو سفر میں تمہارے ساتھ نہیں ہیں۔ نہ ہی کسی منزل پر اترے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت پاک نازل فرمائی۔ من یطع اللہ والرسول فاولئک مع الذین انعم اللہ علیھم من النبیین والصدیقین جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت بجالائے ہیں وہ نبیوں اور صدیقوں کے ساتھ ہوں گے جن پر کہ معیت معنوی روح سے ہوتی ہے دل اور جسم سے نہیں ہے۔ یہی سبب ہے کہ حبشہ کے بادشاہ نجاشی آنحضرت کے قریب ترین تھے۔ مدینہ میں ہوتے ہوئے بھی عبداللہ بن ابی جو راس المنافقین تھا سب لوگوں سے زیادہ دور تھا۔ گو اس کا گھر بھی حضور کی مسجد کے نزدیک ہی تھا۔ اور آنحضرت کے جمال جہاں آراء کے مشتاق لوگ باوجود معیت قلبی حاصل ہونے کے صحبت بصری کے خواہشمند اور آرزو مند رہتے تھے۔ تاکہ ان کے دل اور آنکھیں دونوں بہرہ مند ہوں۔ یہ مسکین بندہ (شیخ عبدالحق) نور اللہ قلبہ بنور الیقین کہتا ہے کہ یہ امکان ہے کہ جس وقت عشاق رسول اللہ نے قیامت کے دن آنحضرت کی رفعت درجہ کے باعث رویت بصری سے محرومی کے بارے میں شکایت پیش کی۔ اس وقت ان کو یہ خوشخبری دی گئی کہ جیسے اس دنیا میں باوجود مراتب درجات میں فرق ہونے کے قلبی اور بصری رویت میسر ہے اس جہاں میں بھی اسی طرح بصر اور بصیرت اکٹھے ہوں گے۔ اور میری معیت میسر ہوگی۔ کیونکہ درمیان میں کوئی پردہ حائل نہ ہوگا۔ واللہ اعلم۔

رویت کا بیان:۔ وصل:۔ اخبار و آثار میں اہل سلف اور ائمہ کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی محبت اور شوق دیدار کے بارے میں جو باتیں ہیں۔ کچھ ان سے اب بیان کیا جاتا ہے۔ روایت ہے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا۔ میری امت میں وہ لوگ مجھ سے زیادہ محبت کرنے والے ہیں۔ جو بعد میں آئیں گے۔ ان میں سے ہر آدمی مجھے محبوب رکھے گا۔ کاش کہ میں ایک نظر ہی حضور کی زیارت کر لیتا۔ اس کے عوض مجھ سے میرا سب مال قربان ہو جاتا اور خود بھی نثار ہو جاتا۔ یہ ہے تمنائے زیارت شریف اور محبت نبوی کا اظہار کہ اس صورت میں بھی اگر زیارت و رویت میسر ہوتی تو ضرور حاصل کرتے۔ اس معانی پر بطریق فرض و تقدیر آنحضرت کے دور اقدس میں آپ کی زیارت کی آرزو مفہوم ہے۔ لیکن اس بندہ مسکین صاحب مدارج کو خیال آتا ہے کہ مراد ہوگا آپ کی زیارت شریف خواب میں بعد از وصال شریف جیسے کہ صالحین امت کو حاصل ہوتا ہے عالم بیداری میں بھی۔ جس طرح کہ بڑے اولیاء کو ہوتا ہے۔ اور یہ بھی بعید نہ ہے کہ حضور کے مشتاق و طالب لوگ اس طرح کے ہوں گے کہ اگر سب مال و متاع خرچ

کرنے سے بھی رویت حاصل ہو تو ضرور کرلیں خواہ خواب میں ہی کیوں نہ ہو۔

روایت ہے ہے ابن اسحاق سے کہ جس انصاری عورت کے والد۔ بھائی اور خاوند آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی معیت میں شہید ہو چکے تھے۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے بارے میں پوچھا۔ کہ آپ کا کیا حال ہے۔ بتایا گیا وہ خیریت سے ہیں تو سن کروہ بولی الحمد للہ۔ مجھے وہی محبوب ہیں مجھے بتادو کہ وہ کسی مقام پر ہیں تاکہ زیارت کر سکوں۔ جب اس نے آپ کو دیکھا تو بولی۔ کل مصیبۃ بعدک جلل مراد یہ ہے کہ آنحضرت زندہ و سلامت ہیں تو ہر مصیبت آسان ہے۔

کچھ روایات میں یوں بھی وارد ہوا ہے کہ جنگ احد کے دن میں عام شور ہوا کہ آنحضورؐ شہید ہو گئے ہیں تو مدینہ شریف کی عورتیں آہ و نالہ اور فریاد کرنے لگیں اور مدینہ شریف سے باہر نکلیں۔ ایک عورت انصار سے بھی سامنے آگئی۔ جس کا باپ' بھائی' شوہر' بیٹے' سب شہید ہو چکے تھے۔ لوگ ان کی لاشیں عورت کے سامنے لائے۔ لیکن اس نے کچھ توجہ ان کی طرف نہ کی۔ گو لوگ اسے بتا رہے تھے کہ یہ لاش تیرے بھائی کی ہے۔ یہ باپ کی یہ خاوند کی اور یہ تیرے بیٹے کی۔ لیکن وہ یہی پوچھتی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کہاں ہیں لوگوں نے بتایا کہ وہ آگے ہیں وہ بلا تردد آگے کو بڑھ گئی آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے پاس پہنچ گئی۔ ان کا دامن تھام لیا اور کہنے لگی۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم! میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ مجھے ہرگز کوئی غم و فکر نہ ہے۔ آپ خیریت سے ہیں لہٰذا مجھے کسی کے مرنے کا غم نہیں ہے۔ (اسی طرح ہی) جس وقت اہل مکہ نکلے کہ زید بن دشنہ رضی اللہ عنہ کو شہید کریں۔ ابو سفیان بن حرب اس سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ کیا تم اپنے دل میں یہ چاہتے ہو کہ کاش اس وقت تمہاری جگہ پر محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم) ہوتے کہ ہم ان کو شہید کرتے۔ اور تم اپنے اہل و عیال کے ساتھ رہتے۔ زید رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ قسم ہے خدا کی میں اب بھی حضور کو محبوب رکھتا ہوں اور میں دل سے چاہتا ہوں کہ وہ اپنے مقام پر ہی (بخیریت) رہیں اور میں اتنا بھی خواہش نہیں کرتا کہ ان کے ہاتھ میں کوئی کانٹا ہی چبھے۔ جب کہ میں اپنے ہاں خوش رہوں۔ ابو سفیان کہنے لگا۔ میں نے کوئی شخص نہیں دیکھا جو اس قسم کی محبت رکھتا ہو۔ جس قدر کہ صحابہ محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم) محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے ساتھ رکھتے ہیں۔ رضوان اللہ علیہم۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ کی خدمت میں ایک عورت ہجرت کرنے کے بعد حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم میں اپنے خاوند کی عداوت یا نفرت کے باعث ہجرت کرکے آئی نہ ہی ایک علاقہ کو ترک کرکے دوسرا علاقہ اختیار کیا ہے بلکہ صرف اس لئے آئی ہوں کہ میں خدا اور اس کے رسول سے محبت رکھتی ہوں۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے وصال شریف کا وقت آپہنچا تو ان کی زوجہ آہ و زاری کرنے لگی۔ ایک روایت کے مطابق غم اور افسوس ظاہر کرنے لگی تو بلال رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا کہ بڑی ہی خوشی کا موقع ہے کہ کل صبح کے وقت اپنے محبوب سید المرسلین صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم اور آپ کے صحابہ اور دوسرے احباب سے ملوں گا۔ ایک شاعر نے بہت اچھا کہا ہے۔

در غربت برگ ہیم تنہائی نیست

یاران عزیزان طرب بیشتر اند

عبدہ بنت خالد سے نقل ہے کہ اس نے کہا کہ جب بھی خالد گھر میں لیٹتے تو ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام اور مہاجرین و انصار سے ملنے کا شوق ظاہر کرتے تھے۔ انہیں یاد کرتے تھے اور انکا نام لیتے تھے۔ کہا کرتے تھے ہمارے لئے اصل و نسل وہ ہیں۔ ان کی طرف دل کھینچا جاتا ہے۔ ملاقات کی آرزو لمبی ہو چکی ہے۔ یا اللہ تعالیٰ! جلدی میری روح قبض فرمالے۔ اس کے بعد وہ روتے تھے اور گریہ و زاری کرتے تھے وہ اپنی زبان سے یہی باتیں کہتے رہتے تھے حتیٰ کہ نیند ان پر غالب آجاتی تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بارگاہ میں کہا کرتے تھے۔ کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی قسم ہے جس نے آپ کو حق پر بھیجا بالیقین ابوطالب ایمان لاتے تو میری آنکھوں کے لئے ٹھنڈک اور روشنی ہوتا بجائے ان کے مسلمان ہونے کے (ابو قحافہ کے) کیونکہ ابوطالب کا اسلام لانا آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہوتی۔ حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ نے بھی اسی کی مانند حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو کہا کہ اپنے والد خطاب کے مسلمان ہونے کی بجائے تمہارا اسلام لانا میرے لئے زیادہ پسند ہے۔ کیونکہ تمہارے اسلام لانے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم زیادہ محبوب رکھتے ہیں۔ زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ کہتے تھے کہ ایک شب کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مخلوق کے پاسبان بن کے نکلے۔ انہوں نے دیکھا ایک گھر میں دیا جل رہا تھا۔ اور ایک عمر رسیدہ عورت اون سے کچھ بن رہی تھی۔ اور ساتھ یہ کہہ رہی تھی۔ علی محمد صلوٰۃ الابرالہ۔ صلی علیہ طیبون الاخیار قد کنت قوما بکاء بالاسحار۔ یالیت شعری و المنایا الحوار۔ ھل تجمعنی و حبیبی الدار۔ وہ عورت حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو یاد کر رہی تھی اور آپ کی زیارت کے شوق کا اظہار کر رہی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیٹھ گئے اور کہا اپنے الفاظ کو دوبارہ کہو اور عمر رضی اللہ عنہ زار و زار رونے لگے۔ یہ لمبی حکایت ہے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا پاؤں سن ہو گیا۔ کسی آدمی نے کہا اپنے سب سے زیادہ محبوب شخصیت کا نام لو۔ تو اس مصیبت سے نجات مل جائے گی۔ پس انہوں نے اس طرح پکارا۔ یا محمد!! تو ان کا پاؤں فوراً ہی درست ہو گیا۔

روایت ہے کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ایک عورت حاضر ہوئی۔ اس نے گزارش کی کہ قبر مبارک کا دروازہ میری خاطر کھول دیں۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے دروازے کو کھول دیا۔ اس عورت نے قبر رسول اللہ کو دیکھا اور اس قدر نالہ و فریاد کی کہ موقع پر ہی فوت ہو گئی۔ زید بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ جو صاحب الاذان تھے ان کے متعلق آیا ہے کہ اپنے باغ میں مصروف کار تھے۔ جب ان کے فرزند نے آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کے متعلق بتایا۔ وہ رونے لگے اور دعا کرنے لگے یا اللہ میری آنکھوں کی روشنی کو سلب کر لے۔ اس لئے کہ میں ان کے بعد کسی اور کو دیکھنا نہیں چاہتا۔ لہٰذا ان کی آنکھوں میں روشنی نہ رہی اسی کی مانند کچھ اور صحابہ کے متعلق بھی دعا ماثور اور منقول ہوئی ہے۔

محبت رسول کی نشانیاں:۔ وصل:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی نشانیاں اور علامات بہت ہیں۔ سب سے بڑی علامت محبت ان کی اتباع اور ان کی سنت پر عمل پذیر ہونا۔ آپ کی ہدایت کے مطابق سلوک آنحضرت کی سیرت کے مطابق سیرت اختیار کرنا۔ شریعت کی حدود کے اندر رہنا اور احکام نبوی پر تجاوز نہ کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ یعنی متابعت رسول اللہ کو اللہ تعالیٰ سے محبت کی علامت اور دلیل ظاہر کیا ہے۔ اور خدا کی محبت اور رسول کی محبت دونوں متحد ہیں۔ دونوں ضروری ہیں۔ رسالہ قیشری میں ابو سعید حراز سے نقل کیا گیا ہے ان کا بیان ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی خواب کے اندر تو میں نے آپ کی خدمت میں گزارش کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم آپ کی محبت میں میں رب تعالیٰ کی محبت سے معذور ہوں۔ معاف فرما دیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ مجھے آپ سے شدت کی محبت ہے اور میں آپ جناب کی محبت کے بغیر رہ نہیں سکتا نہ سوائے آپ کے کسی کی یاد میرے پاس ہے نہ ہی کسی اور کا ذکر ہے۔ لیکن جیسے کہ آپ کا فرمان بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت مقدم ہے۔ مجھے آپ کی محبت سے ہی فراغت و فرصت نہیں ہوتی اس لئے کسی دوسرے کی محبت کا امکان نہ ہے۔ میں یہ ایک ہی محبت پوری طرح نبھا نہیں سکتا لہٰذا کسی دوسرے کی محبت کی کیا گنجائش ہو سکتی ہے گویہ بات عدم تمیز ظاہر کرتا ہے۔ مرتبہ جمع اور اجمل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جواب بہت اچھا فرمایا۔ یا مبارک من احب اللہ فقد احبنی یا مبارک جو اللہ سے محبت کرتا ہے وہ ہی مجھ سے محبت کرتا ہے اس کا مطلب یہ ہے خدا کی محبت اور مجھ سے محبت دونوں ایک ہی ہیں اور ایک دوسرے سے لازم و ملزوم ہیں۔ لیکن سکر کے غالب ہونے کے باعث اور حقیقت حال کو نہ پہنچانے کی وجہ سے ظاہری طور پر نظر بصیرت پر رہتی ہے۔ یہ اشتباہ کی وجہ سے ہے۔ اور کچھ اس قسم کے کوتاہ اندیش لوگ بھی ہوتے ہیں جن کی نظر میں شہود حق اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی وساطت میں فرق ہے۔ اور اسے ہر زاویہ سے جانتے بھی نہیں۔ یہ مضمون ایک علیحدہ رسالہ میں بیان کر دیا گیا ہے کچھ دعویدار ایسے بھی ہیں جو اس سے بڑھ کر واضح طور کہتے ہیں اور یہ بھی امکان ہے کہ ابو سعید کو اس کلام نے متعجب کر دیا ہو یعنی کہ جو تم کہتے ہو یہ بے معنی ہے اور نقص و خطا سے پر کلام ہے۔ لہٰذا اس خیال کو ترک کر دو۔ چونکہ ابو سعید صاحب صادقان راہ۔ خاصان درگاہ اور محبان آگاہ میں سے ایک فرد ہیں۔ لہٰذا انہیں یا مبارک کے الفاظ سے مخاطب فرمایا۔ اور ان کو معذور جانا۔ اور بڑی نرمی اور ملائمت کے ساتھ ممانعت فرمادی اور وہ شدت جس کی فی الحال امید تھی نہ فرمائی گئی۔ اس طرح کا ایک واقعہ رابعہ بصری سے متعلق بھی بتاتے ہیں واللہ اعلم بحقیقت الحال۔ اس کو بھی مذکورہ بالا واقعہ کی مانند محمول کریں گے۔

اصل میں متابعت کی علت و سبب ہی محبت ہے۔ پس محبت کی علامت اور دلیل متابعت ہے اور علماء اس طرح کہتے ہیں کہ نعت کے مطالعہ سے محبت پیدا ہوتی ہے۔ جس قدر نعت کا علم حاصل ہو گا اسی قدر زیادہ قوت کے ساتھ محبت ابھرے گی۔ نیز محبت احسان اور حسن و قدر کو دیکھ لینے سے بھی پیدا ہوتی ہے۔ اور متابعت سے یہ حاصل ہوتی ہے کیونکہ محبت بالذات اتفاق اور اتحاد کا تقاضا کرتی ہے۔ اور چونکہ متابعت کے باعث محبت ابھرتی ہے۔ لہٰذا اطاعت و عبادت گراں محسوس

نہیں ہوتی۔ بلکہ گرانی کی بجائے وہ روح کی غذا نعیم روح' دل کا سرور اور آنکھوں کی ٹھنڈک محسوس ہوتی ہے۔ اور جسم کی لذات سے بڑھ کر لذت والی معلوم ہوتی ہے بالخصوص جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی معیت بھی تصور میں ہو۔ جیسے کہ حدیث میں ہے۔ من احیی سنتی فقد احیانی و من احیانی کان معی فی الجنۃ اصل میں محبت ایک نور ہے اور معصیت تاریکی ہوتی ہے اور نور سے تاریکی دفع ہوتی ہے۔

علماء کا قول یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی متابعت سے زیادہ افضل اور اشرف مقام کوئی اور نہیں ہے۔ اور آگاہ رہیں کہ محبت کی مختلف قسموں میں متابعت سب سے زیادہ طاقتور اور اکمل نوع ہے۔ پس متابعت کی صفت کا حامل شخص کامل المحبت اور اعلیٰ مرتبہ کا حامل ہوتا ہے۔ اور چند امور میں جو مخالف ہوتا ہے۔ یعنی متابعت نہیں کرتا وہ ناقص المحبت شخص ہوتا ہے۔ اس کا مقام و مرتبہ بھی ادنیٰ ہوتا ہے۔ پھر بھی وہ محبت اور صفات محبت سے خارج نہیں ہے۔ یہ واقعہ اس کی دلیل ہے۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ایک آدمی پر شراب نوشی کے باعث حد جاری فرمادی۔ وہ شخص دوبارہ شراب نوشی کا مرتکب ہوا۔ تو لوگ اس پر لعنت ملامت کرنے لگے۔ پس آنحضرت نے ارشاد فرمایا۔ لا تلعنوہ فانہ یحب اللہ و رسولہ یہ آدمی بدوؤں میں سے تھا اور نام زاہد تھا۔ اور آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بارگاہ میں ککڑیاں اور سبزی پیش کیا کرتا تھا۔ اور آنحضرت بھی اس کو شہر کی چیزیں یعنی کپڑا گھی وغیرہ دیا کرتے تھے اور آپ فرمایا کرتے تھے زاہد! یہ ہماری دوستی کی علامت ہے چونکہ ہم شہر میں رہتے ہیں۔ چند کتب سے شراب پینے والے کا نام عبد اللہ معلوم ہوتا ہے اور جس کا لقب تھا زاہد اور خمار۔ وہ دیگر مرد تھا۔ اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ محبت اصل میں اس میلان اور کشش کو کہتے ہیں خواہ متابعت میں خطا اور نقص ہی کیوں نہ ہو علاوہ ازیں یہ بھی پتہ چلتا ہے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرنے والا شخص کافر نہیں ہو جاتا۔ اسی طرح مذہب ہے اہل سنت و جماعت کا۔ اس کے باوجود معلوم رہنا چاہیے کہ حق تعالیٰ کی دائمی محبت کا ثبات اس شرط پر ہے کہ گناہ کے مرتکب شخص کو اس گناہ سے شرمساری محسوس ہوتی ہو اور اس پر شریعت کے مطابق حد بھی لگ چکی ہو۔ اس طرح وہ کفارہ گناہ ہو جاتا ہے اور اگر اس کے خلاف ہو۔ یعنی نہ شرمساری ہو نہ اس پر نفاذ حد ہی ہوئی ہو۔ تو خدشہ یہ ہے کہ گناہ کے تکرار کے باعث اور طبعی طور پر اس پر اصرار کے باعث اس کا ایمان ہی سلب نہ ہو جائے۔ اور دل پر مہر نہ لگ جائے نعوذ باللہ من ذالک

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی علامت میں سے ایک علامت ہے آپ کا ذکر کثرت سے کرنا کیونکہ لوازم محبت میں کثرت ذکر بھی ہے۔ من احب شیئا اکثر ذکرہ بعض کے نزدیک محبت کی تعریف ہے محبوب کا دائمی ذکر یہ چیز علم دین کی خدمت سے اور سیرت کی کتب پڑھنے سے حاصل ہوتی ہے۔ اور علم حدیث جاننے والے اشخاص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ ایک مخصوص تعلق ہوتا ہے جو دیگر کسی شخص کو نہیں حاصل ہوتا۔ وجہ یہ ہے کہ ان کی زبان پر آنحضرت کے احوال اور صفات کا تذکرہ دائمی طور پر ہوتا ہے۔ اور وہ اس کو متاع حیات اور حیات جان سمجھتے ہیں۔ اور آنحضرت کی ذات کی صفات کو جانتے پہچانتے ہیں اور آنجناب کے تعیینی احوال اور شخصی کیفیات کو بھی پہچانتے ہیں اور ان

کی نظر میں اور نصب العین میں ہمیشہ آنحضرت کے جمال کی تشبیہ اور تصویر ہوتی ہے جب آنجناب کے نام مبارک کا تذکرہ ہو تو اس کی لذت ان کے دل و جان میں سرایت کر جاتی ہے اور صاحب اسم کی عظمت دل میں مشہود و مستحضر ہوتی ہے۔ یہ لوگ دائمی طور پر حاضرین بارگاہ رسالت ہوتے ہیں۔ اس بارے میں یہ لوگ آنحضرت کے صحابہ سے مشابہ اور مشارک ہوتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ان کو آنحضرت کے احوال و اقوال اور آپ کے افعال کا پتہ ہوتا ہے۔ اور ان کو آنحضرت کے ساتھ مصاحبت' مکالمت اور مجالست کا خاصہ حاصل ہوتا ہے یہ امر جدا ہے کہ یہ صحبت معنوی ہے اور صحبت ظاہری و صوری نہ ہے اور بہت بڑے فوائد میں سے یہ بھی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نورانی قبر کی زیارت کرنے والے اور اس خطہ کی جمال یہ قبر ہے۔ حاضری دینے والے کو یہ حاصل ہوتی ہے جو اخلاق ایسے سے متصف ہیں اور دن رات اس کا تذکرہ کرتے ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے مطابق ہو جاتے ہیں فاذکرونی اذکرکم تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا۔ اور ان لوگوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنی یاد میں رکھتے ہیں درود اور سلام اقرب وسائل میں سے ہے۔ وہ بھی اس عالم کا حصہ ہے۔ ایک بزرگ شخصیت سے نقل کیا ہے کہ علم حدیث کے حصول اور اس کی خدمت پر سب سے زیادہ اکسانے اور ترغیب دینے والا۔ ارشاد نبوی یہ ہے۔ فاذکرونی اذکرکم

محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی علامت میں سے یہ بھی ہے کہ آنجناب کا ذکر شریف ہو تو خضوع و خشوع کا اظہار کیا جائے اور انکساری ظاہر کی جائے۔ جس سے کسی کو محبت ہو اس کے سامنے وہ عجز و انکساری ظاہر کرتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے وصال شریف کے بعد صحابہ کرام کی یہ کیفیت تھی کہ جس وقت آنحضور کا ذکر ہوتا تو یہ عاجزی کا اظہار کرتے تھے اور رونے لگتے تھے اور آنحضور کی نہایت درجہ تعظیم بجالاتے تھے اور آنحضرت کی ہیبت و جلال کے باعث صحابہ کے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔ اسی طرح کا حال تھا تابعین کا بھی اور تبع تابعین کا۔ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

ابو ابراہیم یحییٰ نے کہا ہے کہ مسلمان پر یہ فرض ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ذکر پاک سنے یا وہ خود آپ کا ذکر کرے۔ تو وہ خضوع و خشوع کے اظہار کے ساتھ ساتھ اپنا جسم ساکن و بے حرکت رکھے اور اپنے آپ پر ہیبت و جلال غالب کرے۔ جیسے کہ اگر وہ ظاہری طور پر آنجناب کے حضور میں ہوتا اور جس طرح کا ادب و احترام ہے وہ بجالاتا۔ ویسا ہی ادب و احترام اس وقت بھی بجالائے ابو ایوب سختیانی کے سامنے جب آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا تذکرہ ہوتا تھا تو وہ اس قدر روتے تھے کہ دوسرے لوگوں کو ان پر رحم آنے لگتا اور جعفر بن محمد کثیر المزاح و ہنس مکھ ہونے کے باوجود اپنے سامنے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ذکر سنتے تو ان کا رنگ اڑ جاتا اور عبد الرحمٰن بن قاسم رضی اللہ عنہما کے سامنے رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ذکر کیا جاتا تو ان کا بھی رنگ بدل جاتا تھا۔ کمر جھک جاتی تھی حتیٰ کہ ہم نشین دشواری محسوس کرتے تھے۔ ایک دفعہ جب لوگوں نے ان سے دریافت کیا کہ یہ کیسا حال ہو جاتا ہے تمہارا۔ تو جواب دیا کہ جو میں نے دیکھا ہے اگر تمہیں نظر آیا ہوتا تو اس کے تم منکر نہ ہوتے۔ بے شک میں نے محمد بن المنکدر رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے وہ قاریوں کے

سردار تھے۔ ہم ابھی ان کے نزدیک ہی ہوئے تھے۔ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پوچھنے کے لئے کہ وہ گریہ کرنے لگے یہاں تک کہ ان پر ہمیں رحم آنے لگا۔ اس میں شک نہیں کہ ان کے سامنے ذکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت ہم ان کے چہرہ کی طرف دیکھتے تھے وہ اس طرح ہو جاتا تھا جیسے کہ ان کے چہرے کا خون ہی نکال لیا گیا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ہیبت و جلال کے باعث ان کی زبان ان کے منہ میں بے حس و حرکت رہ جاتی۔ عامر بن عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا یوں حال ہوتا تھا کہ جب ان کے سامنے آنحضور کا تذکرہ شروع ہوتا تو رونے لگتے تھے۔ اس قدر روتے کہ آنکھیں آنسوؤں سے خالی رہ جاتی تھیں۔ اور زہری علیہ الرحمتہ بڑے خوش خلق تھے۔ مجلسی زندگی کے مالک تھے۔ ان کے روبرو بھی حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ذکر کیا جاتا تھا۔ تو ان کا حال یوں ہو جاتا تھا جیسے تم انہیں ہرگز نہیں جانتے اور نہ ہی وہ تم سے واقف ہیں۔ صفوان بن سلیم عابدوں زاہدوں میں سے تھے۔ ان کے روبرو بھی ذکر حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہوتا تھا ان پر بھی گریہ طاری ہو جاتا یہاں تک کہ لوگ وہاں سے چلے جاتے تھے اور وہ روتے رہتے تھے۔ اور قتادہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا اسم پاک سنتے ہی لرزنے لگتے تھے۔ اور روتے تھے عبدالرحمٰن بن مہدی کا حال یوں تھا کہ حدیث رسول پڑھی جاتی تھی تو یہ لوگوں کو چپ رہنے کا حکم دیتے تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی آنحضرت کی حدیث شریف جب پڑھی جائے تو اسی طرح خاموش رہنا فرض ہے جس طرح آنجناب کے کلام فرماتے وقت چپ رہنا فرض تھا اور سننا فرض تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا اسم گرامی جب سنیں تو اس وقت آنجناب پر درود و سلام پڑھنے کے متعلق تفصیلی بحث ہے۔ وہ بحث انشاء اللہ تعالیٰ مناسب باب میں آئے گی۔

محبت کی علامت یہ بھی ہے کہ زیارت حبیب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا شوق زیادہ ہو کیونکہ لقائے حبیب ہر محب کو پسند ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ علماء نے فرمایا ہے۔ بعض المحبۃ ھی شوق الی الحبیب محبت کا ایک جزو لقائے حبیب کا شوق ہے۔ صحابہ کرام اس طرح ہوتے تھے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا شوق بے قرار کرتا تھا اور سوز محبت سے غمگین ہو جاتے تھے تو حاضر بارگاہ ہونے کی کوشش کرتے اور جمال آنجناب سے تمنا شفاء رکھتے تھے وہ آنحضرت کی صحبت و ہم نشینی سے لذت و سرور پاتے تھے۔ آنجناب کے چہرہ اقدس پر ٹکٹکی باندھ کر دیکھتے رہتے تھے۔ اشعریوں کی حدیث میں وارد ہوا ہے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تو لوگ یہ رجز گاتے تھے غدا نلقی الاحبۃ محمدا و صحبہ کچھ آثار اور احادیث میں حضرت بلال، عمار خالد اور معدان رضی اللہ عنہم وغیرہ کے اقوال آئے ہیں۔ وہ اس باب سے تعلق رکھتے ہیں۔

یہ بھی علامات محبت سے ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے تعلق رکھنے والے ہر شخص سے محبت کی جائے۔ خواہ وہ اہل بیت سے ہو یا صحابی ہو اور خواہ وہ مہاجر یا انصار ہو۔ کوئی ہو۔ نیز ہر اس شخص سے عداوت رکھی جائے جو آنجناب سے عداوت رکھتا ہو۔ اور ان کو گالیاں دیتا ہو۔ مراد یہ ہے کہ جو ان کو دشمن سمجھے اس سے دشمنی رکھی جائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما کے متعلق ارشاد فرمایا ہے۔ اے

اللہ تعالیٰ!جو شخص ان سے محبت رکھے۔ اور آنحضرت نے ارشاد فرمایا ہے جو شخص ان سے محبت رکھتا ہے وہ مجھ سے محبت رکھتا ہے۔ اور مجھ سے محبت رکھنے والا بالیقین خدا تعالیٰ سے محبت رکھتا ہے۔ اور ان سے دشمنی رکھنے والا مجھ سے دشمنی رکھتا ہے۔ اور اس کو اللہ تعالیٰ دشمن رکھتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے متعلق ارشاد فرمایا کہ وہ میرے گوشت کا ٹکڑا ہے۔ ان کو غضب میں لانے والی چیز مجھے بھی غضب میں لاتی ہے۔

حضرت سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو آنحضور نے فرمایا کہ اے عائشہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے محبت رکھو کیونکہ میں اس سے محبت رکھتا ہوں۔

آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا اپنے صحابہ کرام سے متعلق ارشاد ہے کہ ان کو نشانہ نہ بنایا جائے۔ جو شخص ان کے ساتھ محبت کرتا ہے وہ مجھ سے محبت کرتا ہے ان سے محبت کے باعث اور جو مجھ سے دشمنی رکھے وہ اس کی بنا پر ان سے بھی دشمنی رکھتا ہے۔ جو ان کو تکلیف دیتا ہے۔ وہ خدا تعالیٰ کو ایذا دینے والا ہے۔ اور جو شخص خدا تعالیٰ کی ایذاء دیتا ہے۔ قریب ہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ اور اس کے عذاب میں گرفتار ہو۔

نیز آنحضور نے فرمایا ہے کہ محبت کی علامات سے ہے کہ انصار کے ساتھ محبت ہو اور ان کے ساتھ عداوت رکھنا علامت نفاق ہے اور آپ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ اگر کوئی شخص عرب کے باشندہ سے محبت رکھتا ہے تو اس کی وجہ مجھ سے محبت ہے بلاشبہ۔ اور جو آدمی عرب سے دشمنی رکھنے والا ہے وہ میرے ساتھ دشمن ہونے کے باعث ہی ان کا دشمن ہے۔

محبت کی علامتوں میں سے یہ بھی ہے کہ امت محمدیہ پر مہربانی اور شفقت رکھنا۔ الزام نصیحت کرنا۔ اقامت مصالح میں کوشاں ہونا۔ ان کو نفع پہنچانا اور نقصان سے بچانا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ کسی سے اگر کوئی شخص محبت رکھتا ہے تو وہ ہر چیز جو محبوب کو پیاری ہو اس سے بھی محبت کرتا ہے۔ یہ ارباب سلف کا معمول تھا اور ان کی سیرت تھی۔ یہاں تک کہ اپنی دعاؤں اور اپنی خواہشات میں بھی یہ خصوصیت پائی جاتی تھی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے دیکھ لیا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کدو کو بہت پسند فرماتے ہیں پس وہ ہمیشہ کدو کو پسند فرمانے لگے۔ اور جب وہ حسن بن علی' عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہم اور آنحضرت کی خادمہ سلمٰی رضی اللہ عنہا کے پاس آتے تھے تو اپنی خواہش کا اظہار کرتے تھے کہ وہی کھانا پکایا جائے جو آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پسند فرمایا کرتے تھے۔ (الیٰ آخر حدیث)

عالموں صالحین اور سنت کے متبعین سے محبت رکھنا اور جاہلوں فاسقوں اور بدعتیوں سے بغض و عناد ہونا بھی محبت رسول اللہ کی علامت ہے۔ اور شریعت کے مخالف عامل آدمی کو ناپسند کرنا بھی اسی ضمن میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ لا تجدقومایومنون باللہوالیوم الاخریوادون من حاداللہورسولہولو کانوا آباءھم۔ جن لوگوں کا اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان ہے ان کے قلوب میں ان لوگون کی محبت نہیں ہوتی جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے دشمنی رکھنے والے ہوں خواہ وہ ان کے باپ ہی کیوں نہ ہوں۔ اور یہ جماعت ہے صحابہ رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی۔ کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی رضاجوئی میں اپنے باپ بیٹوں بھائیوں اور دوستوں کو قتل کیا۔ عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین تھا۔ اس کا

فرزند مخلصین میں سے تھا حضرت عبداللہ۔ انہوں نے اپنے باپ کے متعلق آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا تھا کہ اگر حضور کی خواہش ہو تو میں اپنے والد کا سر اتار لاؤں۔ جب اس منافق نے اس طرح کہا تھا لئن رجعنا الی المدینة لیخرجن الاعز منها الاذل اگر ہم مدینہ واپس گئے تو ہم عزت والے ہیں ان ذلیلوں کو وہاں سے ہم نکال دیں گے (العیاذ باللہ) اس منافق نے اعز سے مراد اپنے آپ کو لیا ہے (عزت دار) اور اذل سے صحابہ کرام کو مراد لیا ہے۔ اور جب مدینہ واپس آگئے تو اسی منافق کا فرزند عبداللہ تلوار نے کھینچی اور شہر کے دروازہ پر کھڑے ہو گئے اور اپنی زبان سے اپنے والد کو کہا کہ تو اس وقت بزبان خود کہہ کہ سب سے زیادہ ذلیل شخص میں ہی ہوں اور لوگوں کے درمیان سب سے زیادہ عزت دار صحابہ رسول ہیں۔ ورنہ ابھی میں تمہارا سر قلم کر دوں گا۔ باپ نے کہا کیا جو کچھ تو کہتا ہے سچ کہتا ہے اور اسی طرح تو عمل بھی کرے گا۔ عبداللہ کہنے لگے کہ ہاں میں تمہاری گردن قلم کر دوں گا۔ پس اس منافق نے اپنی زبان سے یہ الفاظ کہے انا اذل الناس واصحاب محمد اعز الناس اور اس کا اقرار اپنی زبان سے کیا۔ تو عبداللہ نے اس کو چھوڑ دیا۔ اسی طرح حویصہ اور محیصہ رضی اللہ عنہما دونوں بھائی تھے۔ ان میں سے جو چھوٹا تھا وہ اسلام لے آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ایک یہودی کے قتل پر مقرر فرما دیا تھا جو فسادیوں میں سے تھا اس کا بڑا بھائی چھوٹے سے مخاطب ہوا اور کہا کہ کیا تم ایسے شخص کو قتل کر دو گے جس کی نعمتوں کے نشانات ہمارے پیٹوں کی چربیوں پر بھی قائم ہیں۔ چھوٹے بھائی نے جواب دیا کہ پھر کیا ہوا۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے حکم فرما دیں تو میں تم کو بھی مار ڈالوں گا اس کے بعد وہ بھائی اپنے گھر میں آ کر بلا تعصب سوچنے لگا اور وہ کہتا تھا کہ عجب قسم کا یہ دین ہے جس کو تم نے اپنایا ہے تو اس قدر اسے محبوب رکھتا ہے اس کے بعد وہ بڑا بھائی بھی اسلام کی دولت سے مالا مال ہو گیا۔

قرآن کریم کو محبوب جاننا بھی محبت کی علامتوں سے ہے کیونکہ یہ قرآن خدا کی جانب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لائے یہ کتاب مہدی ہے ہادی ہے اور اخلاق اور سیرت کو تعمیر کرتی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے۔ کان خلقه القران یعنی آنحضور خلق قرآن ہیں اس قرآن پاک کی تلاوت اور اس کے مطابق عمل کرنا اور اس کو سمجھنا۔ اس میں تدبر کرنا اور حدود قرآن کو قائم رکھنا محبت کی نشانیوں میں سے ہے۔ حضرت سہیل سری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ قرآن سے محبت رکھنا خدا تعالیٰ سے محبت رکھنے کی علامت ہے۔ اور قرآن سے محبت ہونا پیغمبر سے محبت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہونے کی علامت یہ ہے کہ آنجناب کی سنت کو محبوب رکھا جائے۔ اور سنت سے محبت کا ہونا آخرت سے محبت کی نشانی ہے۔ اور آخرت سے محبت یہ ہے کہ دنیا سے بغض رکھا جائے اور بغض دنیا کی نشانی ہے کہ کوئی ذخیرہ اندوزی نہ کرے سوائے آخرت میں فائدہ دینے والے توشہ کے۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔ کہ پاک و صاف دل جو ہوتے ہیں وہ کبھی بھی قرآن سے سیر نہیں ہوتے اور وہ قلوب قرآن سے کیسے سیر ہو سکتے ہیں جبکہ وہ کلام ان کے محبوب کا ہے اور یہی کچھ مقصود قرآن ہے۔ یہ حالت نور ایمان سے روشن اور پاکیزہ دلوں کی ہوتی ہے۔

؎ جمال شاہد قرآن نقاب آنگاہ بکشاید　　که دارالملک ایمان رابیادر خالی از غوغو

اصل میں قرآن اور حدیث رسول محبت کے معیار اور مصداق ہیں۔ وجہ یہ کہ محبوب کا کلام بھی محبوب ہوتا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کے کلام سے زیادہ کھیل کود اور گانے بجانے سے محبت ہو تو اس پر بے حد افسوس ہے۔ یہ بات فساد قلب اور باطن کی خرابی کی علامت ہوتی ہے۔

چند مشائخ نے اس طرح فرمایا ہے کہ ذوق قرآن کی یہ علامت ہوتی ہے کہ حسن صوت اور دل دونوں ہی برابر طور پر ہوں۔ جو لوگ آواز کے بغیر لطف اندوز نہیں ہوتے ہیں یا وہ آواز سے بہت لطف اندوز ہوتے ہیں۔ اصل میں وہ لطف انہیں قرآن سے حاصل نہ ہے بلکہ آواز سے ہے۔ یہ خالی از مبالغہ نہ ہے اچھی آواز قرآن کی زینت ہوتی ہے اور قرآن کا لہجہ ہوتی ہے۔

حدیث میں آیا ہے۔ زینوا القران باصواتکم ومن لم یزین بالقرآن فلیس منا قرآن کو اپنی آوازوں سے مزین کرو اور جو شخص اچھے لہجے میں قرآن کی تلاوت نہ کرتا ہو وہ ہم میں سے نہیں۔

جب صحابہ کرام قرآن پاک سنتے تھے تو ان کی حالت یہ ہوتی تھی کہ اذا سمعوا ما انزل الی الرسول تری اعینھم تفیض من الدمع مما عرفوا من الحق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ کو جب سنتے ہیں تو تم دیکھتے ہو کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے ہیں۔ جس کو اللہ کی طرف سے انہوں نے سمجھا اور صحابہ میں بہت سے صحابہ حسن صورت کے مالک تھے۔ یہاں تک کہ وہ اپنی آواز سے قرار قلبی چھین لیتے تھے اور سینہ سے روح کھینچ لیتے تھے اور وہ ایمان میں زیادتی کر دیتے تھے بالخصوص ابو موسیٰ اشعری عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما وغیرہ۔

ایمان میں زیادتی اور تقویت کے حصول کے لئے حسین آواز میں قرآن پاک سننے سے بڑھ کر کوئی دوسری چیز نہیں ہے بالخصوص عربیوں کا حسن صوت ایک شب کا واقعہ ہے کہ ابو موسیٰ اشعری تلاوت قرآن میں مصروف تھے جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ایک گوشہ میں پوشیدہ ان کی آواز تلاوت سے لطف اندوز ہو رہے تھے صبح ہوئی تو فرمایا تم رات کو قرآن کی تلاوت خوب کرتے تھے۔ میں تمہاری تلاوت سن رہا تھا۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہنے لگے۔ آہ اگر میرے علم میں ہوتا کہ حضور والا بھی سماعت فرما رہے ہیں تو میں اس سے بھی زیادہ اپنی آواز کو آراستہ کرتا۔

؎ رجائے یار گویا گوش بر آواز من دارد　　ولم راشای رو داوہ از نالیدنم امشب

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا کہ میرے روبرو کچھ حصہ قرآن کی تلاوت کرو۔ حضرت عبداللہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا میں حضور والا کی موجودگی میں تلاوت قرآن کروں جبکہ آپ جناب پر نزول قرآن ہوا ہے آنحضرت نے ارشاد فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ اپنے سے کسی غیر سے قرآن سماعت فرماؤں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تلاوت قرآن کرنے لگے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے اشک رواں ہو گئے۔ سینہ اقدس جوش کرنے لگا جیسے کہ کسی دیگ میں جوش آ رہا ہو ابن عمر رضی اللہ عنہما کو بعض اوقات درد ہوا کرتا تھا۔

اور درد اس قدر شدید ہوا کرتا تھا کہ آپ زمین پر لوٹنے لگتے تھے۔ اس کے بعد وہ ایک دو دن گھر پر آرام کیا کرتے تھے اور لوگ عیادت کی خاطر آیا کرتے تھے صحابہ رضوان اللہ علیہم کا اجتماع ہو جاتا اور اگر ان میں ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ تشریف فرما ہوتے تو ان سے کہا کرتے کہ اے ابو موسیٰ خدا تعالیٰ کے ذکر سے ہی ہمیں کچھ نوازیں۔ پھر ابو موسیٰ اشعری تلاوت قرآن کرتے تھے۔ اور سب صحابہ سماعت فرماتے۔ رضی اللہ عنہم۔

امام احمد رحمتہ اللہ علیہ اور دوسرے محدثین سے روایت ہے کہ روز قیامت داؤد علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کی جانب سے کہا جائے گا کہ دنیا میں جس آواز سے میری حمد کیا کرتے تھے اسی آواز سے میری حمد سناؤ۔ داؤد علیہ السلام جواب دیں گے یا اللہ تعالیٰ! میں اس آواز میں جناب باری تعالیٰ میں کیسے حمد بیان کروں تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ جس سوز و گداز سے اس وقت حمد کہتے تھے وہی سوز اب بھی میں تمہیں عطا کرتا ہوں پھر حضرت داؤد علیہ السلام ساق عرش پر کھڑے ہوں گے اور حمد بیان کریں گے۔ اہل جنت اس آواز کو سن کر نعمت ہائے جنت کو بھول جائیں گے اور لحن داؤدی کی طرف متوجہ ہوں گے۔ کیونکہ وہ وہی کلام خدا سماعت کریں گے جو داؤد علیہ السلام پر نازل ہوا تھا۔ اور زبور کے اندر ان سے رب تعالیٰ نے خطاب کیا تھا۔ مزید بر آں جب اللہ تعالیٰ سبحانہ کی رؤیت حق بھی شامل حال ہو گی تو اہل بہشت تمام کچھ بھول جائیں گے اور اس طرف ہمہ تن متوجہ ہوں گے شیخ شہاب الدین سہروردی اسی ضمن میں فرماتے ہیں۔ کہ سماع قرآن کے بارے میں مومنین میں کوئی اختلاف نہ ہے بلکہ اختلاف اگر ہے تو وہ اشعار کے پڑھنے میں ہے جن کو موسیقی کے طریقے سے گایا جاتا ہے ایک گروہ کے نزدیک یہ باعث وصال اور قرب حق ہے جبکہ دوسرا گروہ اس کو فسق میں شامل کرتا ہے۔ ہر دو جانب افراط اور تفریط موجود ہے۔ انتہی۔

قرآن کی محبت میں جو بیان ہوا ہے یہ محبت سے تلاوت قرآن اور اس کی تعظیم و توقیر کی رو سے بلند درجہ کا حامل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دین اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نبوت و رسالت کے ثبوت کی بنیاد ہی قرآن پاک ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ یاایھا الناس قد جاء کم برھان من ربکم وانزلنا الیکم نورا مبینا اے لوگو بلاشبہ تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے برھان کی تشریف آوری ہوئی ہے اور تم پر نور مبین نازل کیا ہے ہم نے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ کمال درجہ کی محبت کے یہ نشان ہیں کہ دنیا میں زہد اور ایثار اور فقر اور قرآن کے ساتھ متصف ہوا جائے۔ تحقیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس شخص کی جانب فقر اپنی دوستی کے ہاتھ بڑھائے وہ بلندی سے نیچے اترنے والے گھوڑے سے بھی تیز تر ہوتا ہے۔ دربار رسالت ماب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں ایک آدمی پیش خدمت ہوا اور کہنے لگا یا رسول اللہ! میں آپ کے ساتھ محبت رکھتا ہوں۔ آنحضور فرمانے لگے۔ اے شخص ہوش میں آؤ اور اچھی طرح سوچو سمجھو کہ تم کس چیز کا دعویٰ کر رہے ہو۔ وہ پھر بولا کہ حضور مجھے آپ سے محبت ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر واقعی تمہیں مجھ سے محبت ہے۔ تو پھر فقر کے لئے تیار ہو جاؤ۔ دیگر ایک شخص حاضر خدمت ہوا اور کہنے لگا یا رسول اللہ! مجھے خدا تعالیٰ سے محبت ہے تو پھر تو مصائب و بلا کے لئے آمادہ ہو جا شیخ اجل و اکرم

عبدالوہاب متقی قادری شاذلی رحمتہ اللہ علیہ کہا کرتے تھے کہ جس وقت ہمارے پیرو مرشد نے انابت اور ارادت کا ہاتھ پکڑ لیا۔ تو فرمانے لگے کہو کہ الفقر افضل من الغناء یعنی سب سے پہلے انہوں نے ہم سے اقرار لیا کہ فقر غناء سے افضل ہے پھر ہمیں مرید بنایا گیا۔ یہاں پر بعض ان دعویداروں اور زمانہ کے صوفیوں کا گمان باطل قرار دیا جاتا ہے۔ جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم تو کمال و تمام متابعت کے مراتب پر فائز ہو چکے ہیں۔ حالانکہ وہ دنیوی ہوس میں گرفتار رہے ہیں پس ایسے لوگوں کے ضمن میں اللہ تعالیٰ جو فرمایا ہے وہ ٹھیک ہے۔ فخلف من بعدھم خلف ورثوا الکتاب یاخذون عرض ھذا الادنی ویقولون سیغفر لنا بعد میں کچھ لوگ ایسے آئے کہ وہ کتاب کے وارث بن گئے۔ اور اس ادنیٰ کمینی دنیا کا مال حاصل کرتے رہے اور کہتے رہتے تھے کہ ہم کو اللہ تعالیٰ معاف فرمادے گا۔ تاب اللہ علیھم و علینا انشاء اللہ۔

آنحضور سے خیر خواہی واجب ہے:۔ وصل:۔ معلوم ہونا چاہیے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اخلاص و خیر خواہی۔ حقوق مخفی اور ظاہر کی بجا آوری دین اسلام میں واجب ہے صحیح حدیث میں آیا ہے کہ الدین نصیحۃ دین سرتاپا نصیحت اور خیر خواہی ہے۔ صحابہ کرام نے حضور سے پوچھا کہ کس کے ساتھ خیر خواہی اور نصیحت ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ اللہ اس کے رسول' قرآن پاک اور سب مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی ہے۔ دیگر ایک روایت میں ائمہ مسلمین اور عام مسلمان آیا ہے۔ یہ حدیث جوامع الکلم میں وارد ہوئی ہے۔ اور اس اجمال میں تمام علوم دین محیط ہیں جوامع الکلم وہ حدیث کہلاتی ہے جو الفاظ کی کمی کے لحاظ سے نہایت مختصر ہو لیکن معانی کی رو سے کثرت اور وسعت کی جامع ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں یہ خصوصیت اعظم اور اشرف ہے اور دلائل و شواہد کے لحاظ سے آپ کو کمال حاصل ہے۔ آپ کا ارشاد گرامی ہے۔ واتیت جوامع الکلم واختصر لی الکلام مجھے جوامع الکلم عطا کیا گیا اور میرا کلام مختصر کیا گیا۔ آنجناب کے کلام میں ایسے حسن اور خوبی کا اظہار اور حسن و جمال کے دقائق کی اقسام و اجناس کا بیان بے حد زیادہ ہے۔ یہ کلام بدیع المثال ہے۔ اور اس کلام کی جلالت اور اس میں موجود حقائق اور اسرار کی مختلف انواع اور قسمیں انسانی عقل و شعور کے احاطہ میں نہیں آسکتیں۔ لغوی طور پر نصیحت کے معانی ہیں۔ خالص اور صاف ہونا۔ اور عسل ناصح اس شہد کو کہا جاتا ہے جس کو موم کی آلائش سے صاف کر لیا گیا ہو۔ اس مقام پر اس سے مراد ہے خلوص دل اور صفائے قلب جو حقوق کی ادائیگی اور منصوح لہ کی خاطر نیک ارادہ میں ہو پس اللہ تعالیٰ کے ساتھ نصیحت سے مراد ہے۔ صحت اعتقاد اللہ تعالیٰ کی وحدانیت میں اور اس صفت میں جو اللہ تعالیٰ کے لائق ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کی تقدیس و تنزیہ میں ہر ایسی شے سے جو اس کے کمال کے منافی ہو۔ نیز شریعت کے اوامر و نواہی کے مطابق عمل کرنا اس کے احکام کو تسلیم کرنا اور فی سبیل اللہ جہاد سے دین اسلام کی مدد کرنا اور اس قسم کے اسباب و وسائل مہیا کرنا جن سے دین اور ملت کو تقویت حاصل ہو اور اس کی بقا کا سبب ہو۔ مثلاً علم و عمل اور عبادت میں خلوص ہونا۔ خدمت بجالانا۔ آپ کی سنت کو زندہ رکھنا۔ مخالفین کو اس سے دور رکھنا اور ان سے اس کی مدافعت کرنا۔ آنحضور کے اخلاق کے مطابق اپنے اخلاق بنانا اور آنحضرت کے آداب جمیلہ کی طرح اپنی عادات و خصائل پیدا کرنا اور اپنانا۔ اسحاق یحییٰ کا قول ہے کہ نصیحت رسول سے مراد ہے کہ جو کچھ بھی آپ

اللہ تعالیٰ کی طرف سے دین میں لائے ان تمام چیزوں کی تصدیق کی جائے۔ سنت رسول کو مستحکم طور پر تھامے اور اس کی اشاعت کرے۔ لوگوں کو ترغیب دے کہ اس پر عمل پذیر ہوں۔ لوگوں کو اللہ تعالیٰ اس کے رسول اور اس کی کتاب کی طرف مدعو کرے۔ اور اس کلام پر تیار رہے اور اس پر عمل بجالائے۔ ابوبکر آجری نے فرمایا ہے۔ آنحضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ظاہری حیات میں بھی آپ کے ساتھ نصح اور خیر خواہی ہو اور آنجناب کے وصال شریف کے بعد بھی۔ صحابہ کرام کی خیر خواہی آنجناب کی حیات میں بصورت آپ کی مدد' غزوات میں شمولیت آپ کے احباب سے محبت اور دشمنان رسالت سے عداوت تھی۔ نیز آپ کی فرمانبرداری اور آپ کی خدمت میں جان و مال قربان کرنے میں تھی اور آنحضور کے وصال شریف کے بعد نصیحت رسول اس میں تھی کہ آنجناب کی عظمت و بزرگی کالحاظ رکھا جاتا تھا۔ آپ کی محبت پر صحابہ شدید تھے سنت رسول کی تعلیم لینا اور دینا۔ تفقہ فی الدین پر قائم رہنا اہل بیت اور صحابہ رسول سے محبت کرنا۔ سنت سے اعراض کرنے والوں پر معترض رہنا اس کے ساتھ مجانبت اور بغض رکھنا۔ آنجناب کی امت پر شفیق ہونا اور آنحضور کے اخلاق و سیرت اور آداب جاننے کے لئے جستجو کرنا اور جدوجہد کرنا اور اس پر قائم و مستحکم رہنا نصیحت رسول ہے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نصیحت کے ضمن میں آنحضور کی محبت تعظیم و توقیر اور آداب نیز نبوت و رسالت کے لئے جو عیب اور گناہ مناسب نہیں ان سے حضور والا کو پاک جاننا ہے۔ آنحضرت کے آداب مدنظر رکھنے میں یہ قاعدہ اور اصول ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کے مقام الوہیت اور اس کی قدسی صفات و خصائص کو چھوڑ کر باقی جملہ کمالات اور خوبیاں آنحضور کے لئے ثابت شدہ ہیں۔ آنحضور سے محبت کا اندازیہ ہوتا ہے۔ کہ آنحضرت سے منسوب ہر چیز مثلاً علماء' صلحاء' شہر اور امصار اور بالخصوص آپ کے اہل بیت و قرابت رسول سب کے ساتھ مودت و اکرام روا رکھا جائے۔ خراسان کے شاہوں میں سے ایک بادشاہ عمرو بن لیث تھا۔ وہ پہلوان قسم کا فرد تھا۔ بڑا غریب پرور تھا اور دولت کی اس کے پاس کثرت تھی۔ وہ خواب میں دیکھا گیا۔ لوگوں نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیسا معاملہ کیا تو اس نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے بخش دیا۔ پوچھا گیا کہ بخشش کی وجوہ کیا ہیں۔ تو اس نے کہا کہ ایک روز بلند پہاڑ پر کھڑا ہو کر میں اپنے لشکر کو دیکھ کر خوشی محسوس کر رہا تھا۔ اور فوج کی کثرت میرے لئے باعث مسرت تھی۔ عین اسی وقت مجھے آرزو پیدا ہوئی کہ کاش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں مجھے بھی حاضری نصیب ہوتی۔ اور آپ کی نصرت و اعانت میں میں بھی مصروف ہوتا اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا شکر بجالایا۔ پس اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مجھے بخش دیا کچھ روایات ہیں جن میں آنحضرت کی نصرت کی بجائے کسی اور کی نصرت مذکور ہے۔ یعنی یہ کہ اس نے کہا کاش میں اس دن اس میدان جنگ میں ہوتا۔ جہاں امام حسین رضی اللہ عنہ اور دیگر اہل بیت موجود تھے۔ جبکہ یزید کی فوج سے مخذولی و مقہوری ہو رہی تھی۔ (واللہ اعلم) لیکن کتاب اللہ کی نصیحت یہ ہے کہ آدمی قرآن مجید پر ایمان لائے۔ قرآن میں مندرجات کے مطابق عمل کرے۔ آیات قرآنی میں تدبر و فکر کرے۔ معانی کو سمجھے۔ اس سے متعلقہ علوم حاصل کرے۔ ہمیشہ پاک و صاف ہو کر حسن صوت' حضور قلب اور اس کی عظمت کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اس کی تلاوت کیا کرے۔ اور اس میں غور و خوض کیا کرے۔ اہل زیغ و ضلالت کی تاویلوں اور ملحد لوگوں اور

زنادقہ کے مطاعن سے دور ہٹ کر رہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی حقوق کتاب اللہ سے ہے کہ اس میں ہرگز کوئی شک یا اعتراض نہ رکھے اپنی طرف سے کوئی ایسی تفسیر نہ کرے جو شریعت کے خلاف ہو اور سلف سے غیر منقول اور بلاسند ہو۔ جس طرح کہ اس وقت کے جہلا اور ابوالفضول کرتے ہیں۔ جبکہ وہ یہ بھی نہیں جانتے ہیں کہ من فسر القرآن برایہ فقد کفر جس نے اپنی رائے سے قرآن کی تفسیر کی وہ کافر ہو گیا۔

عامتہ المسلمین کے لئے نصیحت یہ ہے کہ ان کے حقوق کی طرف توجہ رہے۔ مصالح میں ان کی رہنمائی کی جائے۔ دین اور دنیا کے امور میں اپنے قول اور فعل سے ان کی مدد کی جائے۔ غفلت کے شکار مسلمانوں کو تنبیہہ جاہل لوگوں کی رہنمائی کی جائے۔ اہل احتیاج کی مدد کی جائے ان کے عیوب کو پوشیدہ رکھا جائے۔ ان کے حق میں مضرتوں کو دفع کرے اور ان کو نفع پہنچانے میں کوشاں رہے۔ ان کے جان و مال اور ان کی عزت کی حفاظت کی جائے۔ اہل اسلام کو بہ نظر حقارت و ذلت ہرگز نہ دیکھے۔ اپنے ہاتھوں اور زبان سے انہیں ہرگز کوئی نقصان نہ دے ان کو نیک کام کرنے کی ترغیب دی جائے۔ اور برائیوں سے بچنے کی نصیحت کرے۔ اور عوام الناس کی نصیحت یہ ہے کہ ان کی عقل و شعور کے مطابق ان سے کلام کی جائے۔ ان کے ساتھ حقائق اور ان کے اختلاف کو غیر علماء پر ظاہر نہ کرے۔

مسلمانوں میں سے خواص کے لئے نصیحت یہ ہے کہ روایت میں آیا ہے کہ مسلمان حکام کی نصرت و اعانت اس طرح کی جائے کہ ان کی اطاعت بجالائیں۔ انکو بڑی نرم زبان سے نیک کام کرنے کی تلقین کرے اللہ تعالٰی کا خوف انہیں دلایا جائے۔ ان کو مسلمانوں کے ان امور سے باخبر کیا جائے۔ جو ان سے پوشیدہ ہیں۔ اور وہ ان کی بابت غفلت میں ہیں۔ ان سے بغاوت و خروج نہ کیا جائے۔ نہ ہی انہیں عوام میں ذلیل کیا جائے۔ ان کے بارے میں عوام کو آمادہ بر فساد نہ کیا جائے۔ اور یہ حاکم لوگ اپنی رعایا کے لئے اصلاح اور مہمات میں جو کام وہ کریں اس میں ترغیب دینی چاہیے۔ اگر ان کی جانب سے کوئی سختی یا ظلم وغیرہ ہو تو اس پر بھی صبر و تحمل کیا جائے۔ اور ان کے حق میں دعائے خیر کرنی چاہیے۔

ان خواص کی علماء و صوفیاء اور عجمی مشائخ کے نزدیک تین قسمیں ہیں ایک قسم امراء اور اولی الامر کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہر شخص اپنے گھر میں اولو الامر ہے۔ اسی طرح شاگردوں پر ان کا استاد امیر ہوتا ہے۔ اولاد پر باپ امیر ہے۔ رعایا اور ماتحتان پر ان کے سردار' اس کی تردید میں شرعاً" کوئی بہتری نظر آئے یعنی کہ اس کے باعث کم علم و کوتاہ فہم لوگ گمراہ ہو کر دوسروں کے لئے گمراہی کا باعث نہ بنیں تو اسے رد کر دینے کا جواز ہے۔ یہ بالکل واضح اور عیاں ہے کہ عصمت خاصہ انبیاء ہے اور ان کے سوا دوسرے تمام لوگوں پر خطا کا جواز ہے۔ اکابر صحابہ رسول میں سے اعاظم علماء میں سے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ہیں انہوں نے اپنے وصال شریف کے موقع پر فرمایا تھا۔ کہ دین اور شریعت کے خلاف ہر چیز کا انکار کرو اور اس کی تردید کرو۔ وہ کہتے ہیں کائنا من کان یعنی جو کچھ بھی ہو اور جو کچھ بھی وہ کہے۔ (واللہ الموفق)

تنبیہہ: مناصحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ جو بات کہی گئی ہے کہ ثمرات و علامات محبت سے ایک علامت ہے اس کا سبب یہ ہے کہ قاضی عیاض رحمتہ اللہ علیہ نے مناصحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

واجب ہونے میں اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق ایک علیحدہ باب باندھا ہے۔ فرمایا اذانصحوا اللہ و رسولہ جب اللہ اور اس کے رسول کی وہ خیر خواہی کریں۔ اور آنحضرت نے فرمایا ہے۔ الدین النصیحۃ دین سراسر خیر خواہی ہے۔ تو ہم بھی ان کی متابعت کرتے ہیں اور یہ اندیشہ نہیں کیا کہ اس کی تکرار ہوگی بحکم اس کے ھوالمسک ماکررتہ یتضوع وہ تو مشک ہے جتنا زیادہ بار کھولو گے اسی قدر زیادہ خوشبو پھیلے گی۔ اور اجمال حدیث کی تشریح کا ذوق بھی یہی تقاضہ رکھتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نصیحت خدا تعالیٰ کتاب اللہ اور مسلمین خواص و عام کے بارے میں جتنا کچھ تذکرہ کیا گیا ہے۔ وہ تمام کچھ محبت و تعظیم اور نصیحت کا وضاحتی بیان ہے۔ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم۔

تعظیم و توقیر میں شیوہ صحابہ:۔ وصل:۔ یہ کہ صحابہ کرام آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تعظیم و توقیر کس انداز میں بجالاتے تھے۔ اس بارے میں ایک لمبی حدیث ہے جسے حضرت عمرو بن العاص نے بیان کیا ہے اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی صفات کا ذکر ہے۔ انہوں نے فرمایا ہے کہ کوئی ایک فرد بھی میرے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے بڑھ کر محبوب نہ تھا۔ نہ ہی میری نظر میں کوئی اور آنحضرت سے بڑھ کر بزرگ اور عظمت والا تھا۔ اور میری یہ کیفیت ہوتی تھی کہ آنحضور کو آنکھ بھر کر دیکھ لینے کی طاقت نہ رکھتا تھا۔ اور آپ کو دیکھ دیکھ کر آنکھیں سیر بھی نہ ہوتی تھیں۔ اگر کوئی شخص مجھے یہ کہے کہ میں آنحضرت کے اوصاف بیان کروں۔ تو میں اس قدر قوت نہیں رکھتا۔ کیونکہ آنحضرت کے روبرو میں تو آنکھیں اوپر اٹھانے کی بھی قوت نہ رکھتا تھا۔

ترمذی شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں ہماری یہ حالت ہوتی تھی کہ جس وقت آنحضرت باہر تشریف لاتے تھے تو آپ مہاجر و انصار کے حلقہ میں تشریف لاتے اور حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے درمیان میں بیٹھتے تھے۔ مگر ان میں سے کوئی بھی یہ قوت و طاقت نہ رکھتا تھی۔ کہ جناب کی طرف آنکھ بھر کر دیکھ سکے۔ یہ حالت آنحضرت کی عظمت و کبریائی اور جلال کے باعث تھا۔ ہاں حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما آپ کی طرف دیکھ کر تبسم کیا کرتے تھے اور آنحضرت بھی ان کی طرف توجہ فرما کر تبسم فرماتے تھے۔ یہ عالم ان حضرات کی آپس میں محبت و الفت کا تھا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم۔

حضرت اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ آپ کے صحابہ کرام آپ کے گرد بیٹھے تھے۔ اور وہ اس حالت میں تھے کہ ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں یعنی کہ نہایت سکون و قرار کی حالت میں تھے۔ حرکت نہ کرتے تھے نہ ہی اپنا سر اٹھاتے تھے۔ کیونکہ جس کے سر پر پرندہ بیٹھا ہوا ہو وہ حرکت کرے اور سر کو اٹھائے تو پرندہ اڑ جاتا ہے۔

وہ حدیث جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی توصیف بیان ہوئی ہے اس میں ذکر ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کلام فرماتے تھے تو آپ کے ساتھ بیٹھے ہوئے صحابہ کرام اپنے سر جھکا دیتے تھے۔ اور وہ خاموش ہو جاتے تھے جیسے کہ ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں۔

عروہ بن مسعود نے کہا ہے کہ قریش نے جب سال حدیبیہ میں ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تعظیم و توقیر کرتے دیکھا کہ جب آپ وضو فرماتے ہیں تو وضو کا پانی لینے میں جلدی کرتے ہیں ایک دوسرے سے سبقت لینے کی کوشش کرتے ہیں یہ قریب معلوم ہوتا کہ آپس میں خون خرابہ ہو جائے مگر وہ پانی کو زمین پر نہ گرنے دیتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا آب دہن یا آب بنی مبارک یا آب حلق ابھی جدا نہ ہوتا تھا کہ صحابہ بڑھ کر اپنی ہتھیلیوں پر لے لیتے تھے اور اپنے چہروں اور جسموں پر مل لیتے تھے۔ آنحضرت کا کوئی موئے مبارک اگر علیحدہ ہو جاتا تو فوراہی اسے لے لیتے تھے اور اسے بطور تبرک رکھتے تھے اور آپ اگر حکم صادر فرماتے تو امتثال حکم میں جلدی کرتے تھے۔ جب آپ کلام فرماتے تو صحابہ اپنی آوازوں کو پست کر لیتے تھے۔ اور کسی کو یہ تاب نہ ہوتی کہ اپنی نظر اوپر اٹھائے۔ اور آپ کی طرف دیکھے۔ یہ بوجہ غایت تعظیم و جلال تھا۔ عروہ جب واپس قریش کے پاس گئے تو انہیں دیکھتے ہی کہا کہ اے قریش کے گروہ! میں نے قیصر و کسریٰ اور نجاشی کو ان کی بادشاہی کے وقت دیکھا ہے۔ لیکن خدا کی قسم۔ جس طرح میں نے محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کو اپنے اصحاب میں دیکھا کسی بادشاہ کو نہیں دیکھا دیگر ایک روایت میں ہے کہ کہا کہ میں نے کسی شہنشاہ کے ہم نشینوں کو اس طرح تعظیم بجالاتے نہیں دیکھا جس طرح کہ محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کے صحابہ ان کی تعظیم کرتے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو دیکھا ہے کہ آپ کے سر مبارک سے جب قینچی کے ساتھ بال مبارک تراشے جاتے تھے تو آپ کے گرد آپ کے صحابہ جمع ہو جاتے تھے بالوں کو اپنے ہاتھوں پر لیتے تھے اور کوئی بال نیچے نہ گرنے دیتے تھے۔ اس کے بعد آنحضور وہ موئے مقدس اپنے صحابہ میں تقسیم فرما دیتے تھے اس کی تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ باب الحج کے موقع پر آئے گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے انتہائی آداب میں سے یہ ایک بھی ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو قریش مکہ کی طرف اسلام کی دعوت دینے اور صلح کی ابتدائی قواعد اور ضابطے طے کرنے کو بھیجا تو عثمان رضی اللہ عنہ کو قریش مکہ نے اجازت دے دی کہ کعبہ شریف کا طواف وہ خود کر لیں لیکن حضرت عثمان نے انکار کر دیا اور فرمایا کہ میں ہرگز طواف کعبہ نہ کروں گا تا آنکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مجھ سے پہلے اس کا طواف نہ فرمائیں۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ادب کو عثمان رضی اللہ عنہ نے طواف کعبہ سے بھی عظیم تر سمجھا اور یہی حق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ادب کی رعایت کے برابر کی کوئی دیگر عبادت یا عمل نہیں ہے۔ یہ حدیث پاک میں آیا ہے کہ صحابہ کرام یہ پسند کرتے تھے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بارگاہ میں کوئی بدوی آدمی حاضر ہو اور صحابہ کے دین میں فائدہ مند کوئی بات آنحضور سے پوچھے کیونکہ خود تو صحابہ کو آنحضرت کے ہیبت و جلال کے سامنے یہ طاقت نہ ہوتی تھی کہ وہ خود کچھ پوچھ سکیں۔ قیلہ کی حدیث میں ذکر آیا ہے انہوں نے کہا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو قرفصا کی وضع پر تشریف فرما دیکھا تو مجھ پر لرزہ طاری ہوا اور آنحضرت کی ہیبت و جلال میں گر پڑا۔ الیٰ آخر الحدیث حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے

کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے در اقدس کو صحابہ کرام اپنے ناخنوں سے کھٹکھٹاتے تھے تاکہ کھٹکھٹاہٹ شدید اور سخت نہ ہونے پائے اور آنحضرت کے وقت مبارک میں آپ کو کوئی تشویش نہ ہونے پائے۔ حضرت براء ابن عازب نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے میں ایک بات پوچھنا چاہتا تھا۔ حتی کہ کئی سال کا عرصہ گزر گیا۔ مگر مجھے پوچھنے کی جرات نہ ہو سکی۔ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عوام میں نہایت خوش اخلاق تھے اور صحابہ کے ساتھ تو نہایت مہربان اور مشفق ہوتے تھے بالخصوص فقراء اور مساکین کے ساتھ جس طرح کہ آپ کے اخلاق شریف کے بیان میں مذکور ہو چکا ہے۔

حدیث رسول کی روایت میں تعظیم :۔ وصل :۔ سنت و حدیث کی روایت کی تعظیم کے ضمن میں حضرت عمرو بن میمون نے فرمایا ہے کہ برابر ایک سال کا عرصہ میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ آتا جاتا رہا۔ لیکن کبھی بھی کسی وقت میں بغیر تعظیم کے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہتے نہیں سنا۔ ایک روز لاشعوری طور پر ان کی زبان پر یہ الفاظ آگئے تو اس قدر شرمندگی کا انہوں نے اظہار کیا کہ ان کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔ اور پسینہ پسینہ ہو گئے۔ دیگر ایک روایت میں آیا ہے کہ ان کا چہرہ اس طرح ہو گیا جیسے کہ گرد آلود ہو اور ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اور ان کو اس قسم کی ہچکی لگ گئی اور ان کی گردن کی رگیں پھول گئیں۔

ایک دن حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہ ابو حازم کے پاس تشریف لے گئے جبکہ وہ حدیث کے بیان میں مصروف تھے۔ حضرت مالک وہاں سے گزر گئے۔ اور کہنے لگے کہ مجھے وہاں بیٹھنے کو جگہ نہ ملی اور میرے نزدیک یہ مکروہ ہے کہ کھڑے ہو کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث حاصل کروں۔ حالانکہ میں کھڑا ہو سکتا تھا۔

جناب مالک رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ کوئی شخص ابن المسیب کے پاس آیا۔ اور ایک حدیث کے متعلق ان سے پوچھا اس وقت وہ ایک پہلو پر لیٹے ہوئے تھے۔ فوراً اٹھے اور بیٹھ گئے۔ اور پھر حدیث بیان فرمائی۔ وہ شخص کہنے لگا کہ مجھ کو بھلا معلوم نہیں دیتا کہ آپ اٹھ کر بیٹھنے کی تکلیف گوارہ کریں۔ تو یہ فرمانے لگے کہ لیٹے ہوئے ہی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیان کرنا میں مکروہ گردانتا ہوں۔

حضرت عمر بن سیرین سے روایت ہے کہ آپ مسکرا رہے تھے لیکن جس وقت ان کے روبرو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کی گئی تو آپ بلاتوقف متواضع ہو گئے اور اپنا سر جھکا لیا۔

حضرت ابو مصعب کا بیان ہے کہ امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کا معمول یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث بیان کرنے سے پہلے آپ وضو فرما لیا کرتے تھے۔

حضرت جعفر بن محمد سے امام مالک کی روایت سے نقل کیا گیا ہے کہ حضرت مصعب بن عبداللہ نے فرمایا ہے کہ جب مالک بن انس رضی اللہ عنہ۔ ارادہ فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث بیان کریں تو پہلے آپ وضو کرتے تھے۔ اس کے بعد وہ لباس زیب تن کرتے جو صرف بیان حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موقع کے لئے

مخصوص تھا۔ اس کے بعد وہ حدیث بیان فرماتے تھے ان سے اس قدر اہتمام کے متعلق جب پوچھا گیا تو فرمایا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی حدیث ہے۔ مراد یہ کہ اسے معمولی بات نہ تصور کریں بلکہ اس کی تعظیم بجالانی چاہیے۔

حضرت مطرب نے فرمایا ہے کہ لوگ جب حضرت مالک رحمتہ اللہ علیہ کی خیریت میں آتے تو پہلے ان کی باندی باہر نکلتی اور آنے والوں سے دریافت کیا کرتی تھی کہ تمہیں حدیث معلوم کرنا ہے یا کہ شرعی مسائل' اگر جواب ہو تاکہ مسائل پوچھنا ہیں تو حضرت مالک فوراً ہی باہر تشریف لے آتے تھے اور اگر وہ کہتے کہ ہمیں تو حدیث سننا ہے تو پہلے مالک رحمتہ اللہ علیہ غسل خانہ میں جاکر غسل فرماتے تھے بدن پر خوشبو لگا کر نئے کپڑے زیب تن فرماتے تھے۔ اپنا چغہ بھی پہنتے تھے جو سیاہ رنگ کا یا سبز ہوتا تھا۔ عمامہ سر پر باندھ لیتے۔ پھر ایک تخت آپ کے لئے بچھایا جاتا تھا۔ پھر آپ باہر تشریف لاتے تھے اور اس تخت پر بڑے خشوع و خضوع کے عالم میں تشریف فرما ہوتے۔ وہاں پر بخور جلایا جاتا تھا۔ اور بیان حدیث کے دوران اسی انداز میں بیٹھے رہتے تھے۔ یہ مخصوص انتظام تھا برائے بیان حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم۔ آپ راستہ چلتے ہوئے یا کھڑے ہو کر یا بڑی جلدی میں حدیث بیان کرنا مکروہ سمجھتے تھے۔ سلف صالحین بھی مکروہ سمجھتے تھے کہ بلا وضو حدیث بیان کی جائے اسی طرح حضرت اعمش سے بھی نقل کیا گیا ہے۔ کہ جب آپ کا وضو نہ ہوتا تھا تو تیمم فرما لیتے تھے حضرت قتادہ کا بیان ہے کہ ہمارے سامنے امام مالک حدیث بیان کرنے میں مصروف تھے۔ اس دوران بچھونے سولہ بار آپ کو ڈنگ کیا۔ امام صاحب کا رنگ متغیر ہو گیا آپ کا چہرہ زرد ہو گیا۔ پھر بھی حدیث کو دوران بیان منقطع نہ کیا جب بیان سے فراغت پائی اور تمام لوگ وہاں سے جا چکے تھے تو میں نے پوچھا اے ابو عبداللہ! آج تمہاری کیفیت عجیب ہی دیکھی ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی حدیث پاک کے اجلال اور تعظیم کے لئے میں نے صبر کیا ہے۔

حضرت ابن مہدی کے بیان ہے کہ ایک روز امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کے ہمراہ میں وادی عمیق تک چلا گیا۔ مدینہ طیبہ میں ایک وادی کو عمیق کے نام سے پکارتے تھے۔ اس کا ذکر اشعار میں بھی بہت ملتا ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ یہ وادی مقدس ہے۔ پس میں نے امام مالک سے اس وادی کے متعلق حدیث دریافت کی تو انہوں نے مجھے منع فرمایا اور کہا کہ میری نظر میں تم اس قسم کے سوالات کرنے سے زیادہ بزرگ ہو کہ تم مجھ سے حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ضمن میں سوالات کرتے جبکہ ہم راستہ میں چلتے جا رہے ہیں۔

شہر کے قاضی جزیر عبدالمجید نے امام مالک رحمتہ اللہ علیہ سے حدیث دریافت کی جبکہ امام صاحب کھڑے تھے۔ اس پر امام صاحب نے اس کو قید خانے میں بھیجے جانے کا حکم فرمایا۔ ساتھ یہ بھی فرمایا کہ قاضی شہر زیادہ حق رکھتا ہے کہ اس کو ادب کی تعلیم دی جائے۔

ہشام ابن عمار نے بھی امام مالک رحمتہ اللہ علیہ سے حدیث کے بارے میں پوچھا جبکہ آپ کھڑے تھے۔ آپ نے اسے بیس کوڑوں کی سزا دی اور اس کے بعد اس پر مہربانی فرمائی اور اس سے بیس احادیث بیان فرمائیں۔ تو ہشام کہنے لگے کہ مجھے یہ محبوب ہے کہ مجھ کو بیس سے زائد کوڑے لگوائے جاتے تاکہ اسی قدر زیادہ احادیث سن لیتا۔ عبداللہ بن صالح کا بیان ہے کہ

امام مالک اور حضرت لیث رحمتہ اللہ علیہما دونوں طہارت وضو کے ساتھ حدیث لکھا کرتے تھے۔ اور امام بخاری کے متعلق بھی یہ مشہور ہے کہ اپنی صحیح میں ہر حدیث کی کتابت سے پہلے آپ غسل فرماتے تھے پھر دوگانہ ادا کرتے تھے اور کتاب الٰہی کے تراجم کی کتابت کے وقت پر بھی آپ نے یہی انداز اختیار کیا تھا۔ بعض نے کہا ہے کہ آپ زم زم کے پانی سے غسل فرمایا کرتے تھے اور مقام ابراہیم علیہ السلام کے مقام پر آپ دوگانہ ادا کرتے تھے۔

اہل بیت اور ازواج کی تعظیم :۔ وصل :۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت آنجناب کے جگر گوشے ہیں اور آپ کی ازواج مطہرات ام المؤمنین ہیں۔ ان کی تعظیم و توقیر اور احترام و آداب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توقیر و تعظیم کے ضمن میں ہی ہے جس طرح کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان حضرات کے بارے میں ترغیب دی ہے۔ اور اسی پر سلف صالحین کا عمل تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سوائے اپنی ذات احد کے باقی تمام چیزوں پر فضیلت و شرف عطا فرمایا ہے۔ اور رب تعالیٰ نے آپ کو فضیلت عمومی سے مخصوص فرمایا ہے۔ لہٰذا یہ فضیلت آنحضرت کی برکت سے ہر اس آدمی کو بھی حاصل ہے جو نسب' نسبت' صحبت' قربت' قریب یا بعید سے آنجناب کے ساتھ منسوب ہے۔ دراصل ہمیں ہر اس فرد کے ساتھ لازماً" محبت رکھنا ہے۔ لہٰذا اہل بیت نبوی کے ساتھ محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ محبت کی وجہ سے ہے یہ اسی طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ سے محبت کے باعث ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرتے ہیں۔ اور یہی حال ہے۔ اہل بیت نبوی اور ازواج مطہرات سے بغض اور دشمنی رکھنے کا۔ (اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے بچائے) یہ کلیہ اور قاعدہ ہے کہ جس سے کوئی شخص محبت رکھتا ہے۔ اس سے منسوب و متعلق ہر چیز سے بھی محبت رکھتا ہے اور محبوب کی ہر مخالف اور بیگانہ چیز سے عداوت بیزاری ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

لا تجد قوما یؤمنون باللہ والیوم الاخر یوآدون من حاد اللہ ورسولہ

ترجمہ :۔ اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے والے ایسے نہیں پائے جاتے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں سے محبت رکھتے ہوں۔

اس لئے اہل بیت اطہار' صحابہ کرام آنحضرت کی اولاد اور ازواج مطہرات سے محبت ایسے واجبات سے ہے جو متعین ہے۔ اور ان برگزیدہ ہستیوں سے بغض کینہ ہلاکت خیز سوانح میں سے ایک ہے۔ کمال بغض اور کمال محبت میں ایک چیز ہوتی ہے جو ان کے متعلقات میں سرایت کر جاتی ہے اس کا مطلب ہے کہ وہ ایمان اور اسلام کے نور سے محروم ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا۔

ترجمہ :۔ اے نبی کے گھر والو! بلاشبہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم سے ناپاکی کو دور فرما دے اور پاک اور ستھرا کر دے جیسے کہ پاک کرنے کا حق ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ازواج مطہرات کے متعلق ارشاد فرمایا ہے۔

وازواجہ امہاتہم

ترجمہ:۔ اور اس کی ازواج مسلمانوں کی مائیں ہیں۔

اہل بیت کے الفاظ کی تفسیر میں کچھ اقوال اور اطلاق آئے ہیں۔ کبھی اہل بیت کا اطلاق ان لوگوں پر ہوتا ہے جن پر صدقہ حرام ہے۔ وہ ہیں آل علی اور آل جعفر رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ عنہم اور کبھی اس میں رسول کی اولاد اور ازواج بھی شامل ہوتے ہیں۔ اور کسی وقت صرف حضرت فاطمہ امام حسن امام حسین اور حضرت علی ہی اس سے مراد لئے جاتے ہیں۔ کیونکہ ان میں کثرت کے ساتھ فضیلت ہے۔ سلام اللہ علیہم اجمعین۔ اہل بیت کے متعلق ان اقوال میں اس طرح تطبیق ہے کہ بیت کی تین قسمیں ہوتی ہیں۔ اور بیت نسب دوسری بیت سکنی اور تیسری بیت ہے بیت ولادت۔ اس طرح سے عبدالمطلب کی سب اولاد اہل بیت نسب ہے۔ ازواج نبوی اہل بیت سکنی ہیں اور آنحضرت کی اولاد پاک بیت ولادت ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ گو اولاد سے نہیں ہیں لیکن وہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے باعث اہل بیت ولادت سے ملحق ہیں۔

حدیث میں ہے کہ تم میں میں دو چیزیں ایسی چھوڑتا ہوں اگر تم انہیں لازم پکڑو گے اور مضبوطی سے تھامو گے تو گمراہ نہ ہو گے ایک ہے کتاب اللہ۔ اور دوسری چیز ہے میری عترت۔ اب تدبر لازم ہے کہ ان دونوں سے کس طرح مخالفت کی جا سکتی ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ آل محمد کو پہچان لینا دوزخ کی آگ سے چھٹکارے کا باعث ہے۔ اور آل محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو محبوب رکھنا صراط سے گزرنا ہے اور آل محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے عقیدت رکھنا اللہ تعالیٰ کے عذاب سے امان پانا ہے۔ اور پہچاننے سے مراد ہے ان کا مرتبہ اور مقام سمجھنا یعنی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ ان کا تعلق کیسا ہے۔ اور جس وقت ان کی یہ نسبت پہچان لی جائے جو اللہ نے نازل فرمائی ہے تو پھر یہ بھی پتہ چل جائے گا کہ ان کی مخالفت سے گمراہی کس طرح لازم آتی ہے۔ اور ان کی پیروی اور احترام کیا جائے تو کس طرح گمراہی سے نجات اور عذاب سے چھٹکارا حاصل ہوتا ہے حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا ہے کہ جس وقت اس آیت قرآنی کا نزول ہوا۔ انما یرید اللہ لیذہب عنکم الرجس اہل البیت اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تشریف رکھتے تھے۔ اس وقت آنحضرت نے سیدہ فاطمہ' امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہم کو طلب فرمایا ان کو ایک چادر میں ڈھانپ لیا اور پھر اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ خدایا۔ یہ میرے اہل بیت ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ آنحضرت کی پچھلی جانب کھڑے تھے۔ دوسری ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت نے حسن و حسین دونوں کو اپنی گود میں بٹھالیا۔ ایک ہاتھ سے حضرت علی کو پکڑ کر اپنے ساتھ لگایا اور دوسرے ہاتھ سے فاطمۃ الزہرہ کو اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ خدایا یہ میرے اہل بیت ہیں۔ ان سے ناپاکی کو دور کردے اور ان کو خوب پاک ستھرا بنادے۔

اہل بیت کی تفسیر میں مفسرین کو اختلاف ہے۔ اکثریت اس پر ہے کہ اہل بیت سے مراد حضرت فاطمہ حسن و حسین اور حضرت علی رضی اللہ عنہما ہیں جس طرح کہ بہت سی روایات سے اس پر دلالت ہوتی ہے لیکن انصاف کا تقاضا ہے کہ اس میں ازواج مطہرات بھی شامل ہوں۔ کیونکہ اس آیت کا سیاق و سباق اور اس آیت کا نزول ازواج مطہرات کے ضمن میں ہی ہوا ہے۔ رحمتہ اللہ و برکاتہ علیکم اھل البیت۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا جس طرح ارشاد ہے کہ ہمارے اہل بیت میں سے کسی ایک کے ساتھ بھی مخالفت نہ رکھے گا۔ بجز وہ آدمی جس کو اللہ تعالیٰ نے دوزخ میں ڈالے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جوان چار مقدس نفوس کو طلب فرمایا اور آغوش پاک میں لے کر چادر اوڑھائی اور پھر دعا کی اللھم ان ھؤلاء اھل بیتی۔ اے اللہ! یہ ہیں میرے اہل بیت۔ آپ کے اس (فعل و قول) میں ازواج کے داخل ہونے ان سے ناپاکی دور کئے جانے کی فضیلت اور پاکیزگی اور طہارت میں ان کی شمولیت میں کسی قسم کی کوئی منافات یا تعارض بالکل نہ ہے۔ علاوہ ازیں، وہ روایت جو جریر نے ام سلمہ سے روایت کی ہے۔ اس میں وہ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں بھی تو آپ کے اہل بیت سے ہوں۔ تو حضور نے ارشاد فرمایا کہ تم بھی میرے اہل میں سے ہو اور ایک روایت میں آیا ہے تم بھلائی پر ہو۔ اس کی مانند یہ آیت ہے۔ قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ کہہ دو کہ تم سے میں اس پر کوئی اجر نہیں مانگتا ہوں مگر یہ کہ میرے قرابتداروں میں محبت اس کی تفسیر میں بھی مفسرین کا اختلاف ہے۔ روایت میں آیا ہے کہ جب اس آیت کا نزول ہوا صحابہ کرام نے پوچھا من اھل قرابتک آپ کے قرابتدار کون ہیں۔ تو حضور نے فرمایا۔ علی فاطمہ اور ان کے دونوں بیٹے رضی اللہ عنہم۔ لیکن ٹھیک حقیقت یہ ہے کہ اس میں آنحضرت کے سب قریبی شامل ہیں۔ اور ان قرابتداروں میں عمدہ ترین یہ چاروں افراد ہیں باقی سب افراد ان کے تحت ہیں۔ امام فخر الدین رازی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اس میں صحابہ کرام کا بھی مکمل حصہ موجود ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ان کو بھی آنحضرت کے ساتھ معنوی قرابت بدرجہ اتم حاصل ہے رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان پاک میں ارشاد فرمایا ہے۔ من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللھم وال من والاہ و عاد من عاداہ جس کا میں مولا ہوں۔ علی بھی اس کے مولا ہیں۔ اے اللہ تعالیٰ جو شخص علی کو محبوب رکھے تو بھی اسے محبوب رکھ اور جو ان سے دشمنی کرے تو بھی اس سے عداوت رکھ۔ اور حضرت علی کی شان میں علی سے ارشاد فرمایا۔ لا یحبک الا مؤمن ولا یبغضک الا منافق اے علی! تم سے مومن ہی محبت رکھے گا اور تم سے بغض رکھنے والا منافق ہی ہو گا آنحضرت نے نیز فرمایا انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ تم مجھے اس طرح ہو جیسے ہارون علیہ السلام موسیٰ کے نزدیک تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت نے فرمایا۔ اما ترضی ان تکون منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ کیا تم یہ پسند نہیں کرتے ہو کہ میرے نزدیک تم بمنزلہ ہارون کے ہو جیسے کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے نزدیک تھے اس تشبیہ میں ابہام پایا جاتا ہے۔ آنحضرت کے ارشاد ہے۔ الا انہ لا نبی بعدی خبردار تحقیق میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ اس میں آپ نے فرمایا ہے کہ حضرت علی کو نبوت میں شمولیت نہیں ہے۔ بلکہ ان کو نبوت کے بغیر آنحضور کے ساتھ قرابت اور

اختصاص ہے۔ اور وہ خلافت ہوتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیات ظاہری میں ہی ہارون علیہ السلام ان کے خلیفہ بنے تھے۔ وفات کے بعد نہیں۔ کیونکہ ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام سے پہلے وصال پا گئے تھے۔ آنحضرت کا ارشاد اس پر دلیل ہے۔ جب آپ غزوہ تبوک پر جارہے تھے حضرت علی کو اپنے اہل و عیال پر خلیفہ مقرر کر گئے تھے۔ جیسے کہ ہارون علیہ السلام کو موسیٰ علیہ السلام خلیفہ بنا گئے تھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ واذقال موسیٰ لاخیہ ھارون اخلفنی فی قومی اور اس میں شک نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابن ام مکتوم۔ اور علی رضی اللہ عنہما کو امام جماعت بنایا نیز آنحضرت کا یہ ارشاد من کنت مولاہ۔ اس میں مولا سے مطلب ہے ولاء اسلام (اسلام کی محبت) ولایت حکمی اس سے مراد نہیں ہے۔ علماء نے کہا ہے کہ لغت کے اعتبار سے مولی کا معنی کسی مقام کا حاکم نہیں ہے حضرت فاطمہ الزہرہ کے بارے میں سید الانبیاء نے فرمایا ہے۔ فاطمة بضعة منی یوذینی ما اذاھا و ینصبنی ما انصبھا فاطمہ میری لخت جگر ہے جس سے اس کو اذیت پہنچے اس سے مجھے اذیت ہوتی ہے۔ اور جس کے ساتھ وہ خوش ہو مجھے بھی اس سے خوشی ہوتی ہے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے۔ احب النساء الی الرسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فاطمة و احب الرجال زوجھا علی (رواہ ترمذی)۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہما نے یہاں اظہار میں کمال درجہ کا انصاف فرمایا ہے۔ فاطمہ رضی اللہ عنہما سے اس بارے میں دریافت کیا گیا۔ تو وہ یہ فرمایا کرتیں کہ کان احب الرجال ابو بکر و احب النساء عائشة اور یہ بھی درست ہے کیونکہ محبت کی وجوہات مختلف ہوتی ہیں۔ آنسرور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امام حسن و حسین رضی اللہ عنہ کے بارے فرمایا۔ اللھم انی احبھما فاحبھما و من یحبھما

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہے کہ آپ نے امام حسن کا دہن مبارک کھولا اور اس میں اپنی زبان مبارک ڈالی۔ اور آپ فرمایا کرتے تھے۔ اے اللہ تعالیٰ مجھے یہ محبوب ہیں تو بھی اس کو محبوب رکھ جو ان کو محبوب رکھتا ہے آپ نے یہ دعا تین مرتبہ فرمائی اور آپ نے فرمایا کہ جو مجھ سے محبت کرتا ہے وہ ان دونوں کے ساتھ بھی محبت رکھے گا۔ ان کی والدہ حضرت فاطمہ قیامت کے دن میرے ساتھ ہوگی میرے درجہ میں آنحضرت اپنی زبان مبارک امام حسن رضی اللہ عنہ کو چوسایا کرتے تھے اور ان پر بڑی مہربانی اور شفقت فرماتے تھے دونوں اماموں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بڑی مشابہت حاصل تھی گو ان کے علاوہ دوسرے حضرات میں بھی مشابہت کا ثبوت ہے مثلاً جعفر بن ابی طالب ان کے بیٹے عبداللہ بن جعفر اور قثم بن عباس۔ سفیان بن الحارث بن عبدالمطلب وغیرہ رضی اللہ عنہم یہ آنحضرت کے اقرباء تھے۔ ان کو بھی آپ سے مشابہت حاصل تھی۔ بصرہ کے رہائشی ایک شخص کابس بن ربیعہ بھی آنحضور سے مشابہت کا حامل تھا۔ یہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے محل میں آئے تو معاویہ اپنے تخت پر اٹھے اور کھڑے ہو گئے۔ ان کی تعظیم و توقیر بجالائے۔ دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اور ان کو مرغاب کا علاقہ دے دیا۔

مواہب لدنیہ میں نقل ہے کہ ایک شخص اہل بیت نبوی سے تھے ان کا نام یحییٰ بن القاسم بن محمد بن جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی رضی اللہ عنہم تھا۔ لوگوں میں یہ شبیہہ رسول کے لقب سے مشہور تھے۔ اس لئے کہ مقام مہر نبوت پر ان کو

کبوتر کے انڈے کے برابر نشان تھا۔ وہ مہر نبوت کے ساتھ مشابہت رکھتا تھا۔ جب وہ حمام میں غسل کے لئے داخل ہوتے تھے لوگ ان کو دیکھ کر آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر درود و سلام بھیجنا شروع کر دیتے تھے اور ان کے قریب لوگوں کی بھیڑ لگ جاتی تھی۔ لوگ اس کو برکت کے حصول کی خاطر بوسہ دیتے تھے۔ مشابہت کا طلب ہے کہ کچھ امور میں مشابہت ورنہ کوئی بھی فرد آنسرور حسیناں صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حسن و جمال میں شامل نہ ہے۔ ان کے علاوہ اور احادیث آئی ہیں۔ شعر۔

منزہ عن شریک فی محاسنہ فجوہر الحسن فیہ غیر منقسم

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی شان میں آنحضرت کا ارشاد ہے۔ مجھے اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری حیات ہے کہ کسی شخص کے قلب میں بھی ایمان داخل نہ ہو گا تا آنکہ خدا اور اس کے رسول کی محبت کے باعث وہ تمہارے ساتھ محبت نہ رکھے۔ نیز فرمایا کہ من اذی عمی فقد اذانی وانما عم الرجل صنو ابیہ جس نے میرے چچا کو اذیت دی بے شک اس نے مجھے اذیت دی اور بے شک چچا باپ کا قائم مقام ہوتا ہے۔ اور آنحضرت نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا۔ اے چچا! اولاد کے قریب آؤ۔ اس کے بعد انہیں جمع کیا۔ اور اپنی چادر جس پر سرخ اور سیاہ دھاریاں تھیں ان پر اڑھائی اور دعا فرمائی۔ اللھم اغفر لعباس و ولدہ مغفرۃ ظاھرۃ و باطنۃ لا تغادر ذنبا اللھم احفظہ فی ولدہ (رواہ الترمذی)۔ اے اللہ! عباس اور اس کی اولاد کی ظاہری و باطنی طور پر ڈھانپ لے۔ ان کے تمام گناہوں کو محو فرمادے اے خدا! ان کی اولاد کے اندر انہیں باقی رکھ۔ کہا گیا ہے کہ یہ چھ افراد تھے۔ فضل، عبداللہ، عبیداللہ، قثم، معبد، عبدالرحمٰن اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ھذا اعمی و صنوابی و ھؤلاء اھل بیتی و عترتی فاسترھم من النار کستری ایاھم یہ میرے چچا ہیں میرے محترم ہیں اور یہ تمام میری اہل بیت اور عترت ہیں۔ اے خدا ان کو آگ سے محفوظ کر کے اس طرح ڈھانپ لے۔ جیسے کہ میں نے انہیں ڈھانپ لیا ہے۔ اس کے جواب میں گھر کے تمام در و دیوار نے آمین آمین کہا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔ ارقبوا محمدا فی اہل بیتہ اور یہ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اقرباء صلہ رحمی کی خاطر میرے اپنے قریبیوں سے مجھے محبوب تر ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ارشاد فرمایا تھا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں مجھے ایذا مت دو۔ اس کی مانند آپ نے حضرت فاطمہ سے فرمایا کہ میری محبت کے ساتھ عائشہ کے ساتھ بھی محبت رکھا کرو۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ امام حسن رضی اللہ عنہ کو اپنے کندھے پر اٹھالیا کرتے تھے اور کہتے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے مشابہت رکھتے ہیں۔ یہ علی سے مشابہ نہیں ہیں۔ علی یہ سن کر ہنستے تھے۔ نقل کیا گیا ہے کہ عبداللہ بن علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما جنہیں عبداللہ بن محسن بھی کہا جاتا تھا، نے فرمایا کہ کسی ضرورت کے باعث میں عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے پاس گیا، تو وہ کہنے لگے کہ جب بھی کوئی ضرورت ہو آپ کسی کے ہاتھ اپنا رقعہ بھیج دیا کریں اس لئے کہ مجھے اللہ تعالیٰ سے شرم آتی ہے کہ آپ کسی ضرورت کی خاطر یہاں تشریف لائیں۔ شعبی سے روایت ہوا ہے۔ کہ

زید بن ثابت انصاری کاتب وحی رضی اللہ عنہ نے اپنے والدہ ماجدہ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ ازاں بعد سواری کی خاطر ان کی خدمت میں اونٹ لایا گیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اونٹ کی مہار پکڑی۔ تو زید کہنے لگے اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے چچا کے بیٹے آپ میری رقاب چھوڑ دیں۔ ابن عباس کہنے لگے کہ ہم کو یہ حکم فرمایا گیا ہے کہ علماء کی قدر کریں۔ حضرت زید نیچے اترے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ہاتھ کو چوم لیا۔ اور کہا کہ ہم کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم بجالائیں اوزاعی نے اپنے شرفا سے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی بیٹی اپنے غلاموں کے ہمراہ ہاتھ تھامے عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں۔ عمر بن عبدالعزیز فی الفور کھڑے ہوئے ان کی جانب قدم بڑھایا۔ انہیں اپنے ہاتھوں میں لیا اور اپنی مجلس کے نزدیک بٹھالیا۔ بذات خود مودبانہ حالت میں ان کے سامنے بیٹھ گئے اور ان کی حاجت روائی کی۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے عبداللہ بن عمر کے لئے جب تین ہزار درہم کی رقم بطور گزارا مقرر کی۔ اسی وقت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے لئے تین ہزار پانچ صد کی رقم مقرر کی عبداللہ بن عمر اپنے والد سے کہنے لگے کہ آپ نے انہیں مجھ پر کس وجہ کی بنا پر فضیلت عطا کی ہے جبکہ کسی جہاد میں بھی انہوں نے مجھ پر سبقت حاصل نہیں کی تو امیرالمومنین رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے سے کہا کہ اسامہ کے والد زید رضی اللہ عنہ تمہارے والد عمر کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو محبوب تر تھے۔ اور آنحضرت کے نزدیک تم سے زیادہ اسامہ محبوب تھے۔ لہٰذا میں نے محبوب رسول اللہ کو اپنے محبوب سے زیادہ فضیلت دی ہے اور ایثار کیا ہے۔

نقل کیا گیا ہے کہ امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کو جس وقت جعفر بن سلیمان نے زدو کوب کیا اور اس تکلیف کے باعث بے ہوشی ان پر طاری ہو گئی۔ لوگ ان کو بے ہوشی کے عالم میں اٹھا کر لے گئے۔ امام صاحب کو جب ہوش آیا تو کہا کہ تم کو گواہ ٹھہرا کر کہتا ہوں کہ زدو کوب سے مجھے جو تکلیف پہنچی ہے اس کو میں سب معاف کرتا ہوں۔ لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ میں اندیشہ کرتا ہوں کہ جب مروں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات ہو تو مجھے شرمسار نہ ہونا پڑے کہ تمہاری وجہ سے آنحضرت کے کچھ اقرباء عذاب و ابتلاء میں پڑے علماء نے بیان کیا ہے کہ جس وقت امام مالک پر اس زیادتی کا قصاص اس وقت کے خلیفہ منصور نے جعفر سے طلب کیا۔ تو امام کہنے لگے کہ میں تو اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی قسم میرے جسم سے ابھی کوڑا ہٹتا بھی نہ تھا کہ میں معاف کر دیتا تھا۔ کیونکہ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرابت حاصل ہے۔

علمائے اعلام امت سے ایک ابوبکر بن عیاش بھی ہیں وہ کہا کرتے تھے کہ اگر کسی ضرورت کے پیش نظر میرے ہاں حضرت ابوبکر، عمر اور علی رضی اللہ عنہم تشریف لائیں تو سب سے پہلے میں حضرت علی کی ضرورت پوری کروں گا اور پھر حضرت ابوبکر کی اور پھر حضرت عمر کی۔ وجہ یہ کہ علی رضی اللہ عنہ آنحضور کے قریبی ہیں۔ اور آسمان سے بھی میں زمین پر گروں تو علی رضی اللہ عنہ کو ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے بڑھ کر محبوب رکھنا مجھے پسند ہے۔ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ وہ ازواج مطہرات کی خدمت بجالاتے تھے اور ان کی خدمت میں تحائف اور عطایا بھیجتے۔ کیونکہ اس سے

ان کی رضا اور خوشنودی حاصل ہوتی تھی۔ اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا۔ عبدالرحمٰن بن عوف کے بیٹے سے فرمایا کرتی تھیں کہ اللہ تعالیٰ تیرے والد کو بہشت کے سلسبیل سے سیراب فرمائے۔ حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما ام ایمن رضی اللہ عنہا کی زیارت سے مشرف ہوا کرتے تھے۔ وجہ صرف یہ تھی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی باندی تھیں۔ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا جب آنحضرت کے پاس آیا کرتی تھیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ان کی خاطر اپنی چادر مبارک بچھا دیتے تھے۔ اور ان کی حاجت روائی فرمایا کرتے تھے جب آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے وصال پایا تو ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے پاس وہ آتی تھی۔ یہ دونوں حضرات بھی اس انداز میں پیش آیا کرتے تھے۔ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا طریقہ مبارک تھا۔

آنحضور کے صحابہ کی تعظیم:۔ یہ بھی سرور عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تعظیم و توقیر اور ادب و حقوق کے سلسلہ میں ہے کہ آنحضرت کے صحابہ کرام کی عظمت و توقیر کی جائے ان کے حقوق و احسان کی پہچان ہو ان کی ادائیگی کریں اور ان کی اتباع اور اقتداء اختیار کی جائے۔ صحابہ کرام کے افعال اعمال آداب و اخلاق کی سنتوں پر عمل پیرا ہوا جائے اس حد تک جہاں تک عقل و شعور کی تاب رسائی نہیں۔ اور ہر صحابی کو حق حاصل ہے کہ اس کی تعریف کی جائے اس کا ادب ملحوظ رکھیں اور دعا و استغفار سے اسے یاد کیا جائے۔ وجہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کی تعریف فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو چکا ہے۔ اور یہ حق ہے ہر صحابی کا کہ اس کی تعریف ہو اور اس کے لئے استغفار کیا جائے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے کہ اہل اسلام کو یہ حکم فرمایا گیا ہے کہ سب صحابہ رسول کے حق میں وہ استغفار کریں لیکن چند لوگ وہ ہیں جو گالیاں دیتے ہیں۔ (رواہ مسلم) چنانچہ گو صحابہ کو سب و طعن کرنا ادلہ قطعیہ کے خلاف ہے۔ جس طرح سیدہ صدیقہ پر بہتان باندھنا۔ یہ کفر ہے ورنہ بدعت اور فسق ہے۔ (کذا قال فی المواہب)۔ صحابہ رسول کے تنازعوں اور مناقشوں اور ان کے گزشتہ واقعات کو ظاہر کرنے اور بیان کرنے سے گریز کرنا چاہیے اور زبان کو روکنا لازم ہے۔ اور ان سب چیزوں سے اغماض و اعراض کرنا چاہیے۔ جو مورخ بے بنیاد خبریں دیتے ہیں اور جاہل لوگ روایت کر چکے ہیں۔ غالی شیعوں اور بے دین و گمراہ رافضیوں اور مبتدعین کی باتوں سے بھی اجتناب برتنا چاہیے۔ وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ ان کے جو نقائص اور برائیاں اور خطاکاریاں ذکر کرتے ہیں وہ زیادہ تر جھوٹ اور افتراء ہوتا ہے۔ اور کتب تاریخ میں مذکور صحابہ کے مشاجرات اور لڑائیاں ہم پاتے ہیں ہر مسلمان پر فرض ہے کہ اچھی اور بہتر کتب تاریخ سے ان کو ڈھونڈ کر انہیں بہتری پر محمول کریں۔ ان کی برائی یا عیب کبھی بھی اپنی زبان پر نہ لائیں۔ صحابہ کے نیک اعمال اچھی عادات اور ان کے فضائل و محامد کا تذکرہ کرنا چاہیے جو کچھ ان کے سوا پائیں اس سے اغماض اور خاموشی اختیار کریں۔ کیونکہ ان کی محبت جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ یقینی بات ہے اور جو کچھ بھی اس کے سواء ہے وہ سب ظن اور خیال پر مبنی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو محبت عطا فرمائی ان کے حق میں وہی کافی ہے۔ اہل بیت نبوی کے حق میں اگر صحابہ میں سے کسی سے کوئی کوتاہی ہو بھی گئی ہو تو امید ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی شفاعت کے ذریعے معاف کر دی جائے

گی۔ یہی طریقہ اور مسلک اس ضمن میں اہل سنت و جماعت کا ہے۔ عقائد کی کتابوں میں اس طرح لکھا ہے لا تذکر احد منہم الا بخیر ان میں سے کسی کا ذکر بھی خیر کے سوا نہ کرو۔ اس بارے میں صحابہ کرام کے وہ فضائل مخصوص و عام ہی کافی ہیں جو احادیث میں مذکور ہوئے ہیں۔ (لیکن تاریخ کی کتب میں بہت کچھ رطب و یابس ہوتا ہے اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کی شان میں فرمایا ہے۔

۱	محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم	محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو ان کے ساتھی ہیں وہ کافروں پر شدید ہیں اور آپس میں رحم دل ہیں۔
۲	السابقون الاولون من المھاجرین والانصار۔	سب سے پہلے ایمان میں سبقت کرنے والے مہاجرین اور انصار ہیں۔
۳	لقد رضی اللہ عن المومنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ	بے شک اللہ ان سے راضی ہوا جب وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے
۴	رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ	وہ آدمی سچے ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے عہد کو پورا کیا۔
۵	یوم لا یخزی اللہ النبی والذین امنوا معہ	جس روز کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی اور اس کے ساتھیوں کو رسوا نہ کرے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ مثل اصحابی کمثل الملح لا یصلح الطعام میرے صحابہ نمک کی طرح ہیں نمک کے بغیر طعام درست نہیں ہوتا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اللہ اللہ فی اصحابی لا تتخذوھم غرضا من بعدی فمن احبھم فحبی احبھم ومن ابغضھم فببغضی ابغضھم الحدیث۔ خبردار خبردار میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو۔ ان کو میرے بعد اپنی اغراض کا نشانہ مت بنائیں جو شخص ان کے ساتھ محبت رکھے گا وہ میرے ساتھ محبت کرنے کے باعث ان سے محبت رکھے گا۔ اور کوئی اگر ان سے عداوت و بغض رکھے گا تو وہ میرے ساتھ بغض رکھنے کی وجہ سے ان کے ساتھ بغض رکھے گا۔ الی آخر الحدیث جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ۔ لا تسبوا اصحابی فلو انفق احدکم مثل احد ذھبا الحدیث میرے صحابہ کو برا مت کہو اگر تم احد پہاڑ کے برابر بھی سونا خیرات کرو تو وہ ان کے ایک مد جو خرچ کرنے کے برابر نہیں ہو سکتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ من سب اصحابی نعلیہ لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین جو کوئی میرے صحابی کو گالی دے گا اس پر اللہ تعالیٰ اس کے فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اذا ذکر اصحابی فامسکوا جب میرے صحابہ کا ذکر کرو تو اپنی زبان کو قابو میں رکھو۔

حدیث جابر رضی اللہ عنہ میں ہے۔ ان اللہ اختار اصحابی علی جمیع العالمین سواء النبیین والمرسلین و اختار لی منہم اربعۃ ابابکر و عمر و عثمان و علیا فجعلھم خیر اصحابی و اصحابی کلھم خیر تحقیق اللہ تعالیٰ نے انبیاء اور رسولوں کے بعد میرے صحابہ کو تمام جہان والوں پر فضیلت عطا فرمائی ہے اور ان سے میرے لئے چار کو منتخب کیا گیا ابوبکر' عمر' عثمان اور علی رضی اللہ عنہم۔ پھر میرے صحابہ میں ان چاروں کو افضل کیا۔ اور میرے سب صحابہ فضیلت مآب اور اصحاب خیر ہیں۔ اس حدیث میں ان چاروں کا ترتیب وار ذکر ہے اور دیگر حدیثوں میں ان کے علاوہ دیگر دس صحابہ بھی ترتیب وار مذکور ہیں۔ یہ واضح اور بین دلیل ہے ان کے مدارج اور مراتب کی ترتیب میں اگر یہ خیال کریں کہ یہ راویوں نے اپنے اعتقاد کے لحاظ سے ذکر کیا اور احادیث میں تبدیلی کی ہے تو یہ فاسد ظن اور وہم ہے ایسا خیال و گمان محدثین کے شایان شان نہ ہے۔ ہاں البتہ کچھ احادیث میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے قبل آیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ من احب عمر فقد احبنی و من ابغض عمر فقد ابغضی جس نے عمر سے محبت کی بے شک اس نے میرے ساتھ محبت کی۔ جس عمر کے ساتھ بغض رکھا یقیناً اس نے میرے ساتھ بغض اور دشمنی رکھی۔ الغرض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مناقب و فضائل کی حامل احادیث بکثرت وارد ہوئی ہیں۔

امام مالک رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ جو شخص صحابہ سے بغض رکھتا ہے اور سب و شتم کرتا ہے۔ وہ مسلمانوں میں داخل نہیں اور نہ ہی وہ غنیمت کا حقدار ہے۔ امام صاحب نے سورت حشر کی اس آیت سے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے۔ والذین جاء وامن بعدھم اور امام صاحب فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی صحابی رسول سے غضب ناک ہو کر جوش میں آتا ہے تو وہ کافر ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ لیغیظ بھم الکفار یقیناً صحابہ سے کافر لوگ ہی غیظ و غضب اور جوش ظاہر کرتے ہیں۔ علماء کا قول ہے کہ سورۃ فتح کی آخری آیات میں تمام مسلمانوں کو تین جماعتوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ مہاجرین' انصار' اور بعد میں آنے والے مسلمان۔ اور ان تینوں گروہوں کی اس آیت میں توصیف فرمائی گئی ہے۔ کہ وہ دعا کرتے ہیں ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان و لا تجعل فی قلوبنا غلا للذین امنوا۔ اے ہمارے رب ہم کو بخش دے۔ اور ہمارے بھائیوں کو بھی جو ایمان میں ہم سے سابق ہیں اور ایمان لانے والے لوگوں کے متعلق ہمارے دلوں میں کدورت نہ ڈال۔ اور شیعہ اور رافضی ان تینوں میں سے کسی قسم میں بھی شامل نہ ہیں۔

امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شان میں منقول ہے کہ کچھ لوگ عراق سے ان کی خدمت میں آئے اور حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں برا کہنے لگے۔ اور چند برے کلمات کہے۔ پھر انہوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخانہ باتیں کیں۔ تو امام محمد باقر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ اے بد نصیبو! کیا تم مہاجرین سے ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے۔ للفقراء المہاجرین الذین اخرجوا من دیارھم یہاں تک یہ آیت پڑھی۔ اولئک ھم الصادقون ان فقراء مہاجرین کے لئے جنہیں ان کے گھروں سے نکالا گیا۔ یہی لوگ سچے ہیں۔ تو عراق کے لوگوں نے کہا کہ ہم یہ مانتے ہیں کہ ہم مہاجرین سے نہیں ہیں۔ پھر امام محمد باقر کہنے لگے کیا تم انصار کی جماعت سے ہو۔

اللہ تعالیٰ نے انصار کی فضیلت میں فرمایا ہے۔ والذین تبؤالدار و الایمان من قبلھم جن لوگوں نے مہاجرین کو اپنے گھروں میں ٹھہرایا اور وہ پہلے سے ہی ایمان دار ہیں۔ یہی ہیں لوگ جو فلاح یافتہ ہیں۔ تو عراق کے لوگ کہنے لگے کہ ہم انصار میں سے بھی نہیں ہیں۔ ازاں بعد امام محمد باقر نے کہا کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ تم اس جماعت سے متعلق بھی نہیں ہو جن کی شان میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ والذین جاء و من بعدھم یقولون ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان اور وہ لوگ جو ان سے بعد میں آئے وہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں بخش لے اور ان لوگوں کو بھی جو ہمارے بھائی ہیں۔ اور ایمان میں ہم سے سبقت لے چکے ہیں۔ اس کے بعد امام صاحب نے فرمایا اسلامی صورت اپنا رکھی ہے لیکن معنوی طور پر تم مسلمانوں میں سے نہیں ہو۔ انتہی۔

حضرت عبداللہ بن مبارک نے فرمایا ہے دو خوبیاں ایسی ہیں کہ جن میں یہ ہوں گی وہ نجات پا جائیں گے وہ ہیں صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ صدق اور محبت۔ (رضی اللہ عنھم)۔ اور ایوب سختیانی نے فرمایا ہے کہ جو شخص ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو محبوب رکھتا ہے وہ یقیناً اسلام پر ہے اور جو عمر رضی اللہ عنہ کو محبوب رکھتا ہے اس نے بالیقین راستہ روشن کر لیا۔ اور جو عثمان رضی اللہ عنہ سے محبت رکھتا ہے تو وہ یقیناً" اللہ تعالیٰ کے نور سے منور ہو گیا۔ اور جو علی رضی اللہ عنہ کو محبوب رکھے تو اس نے بلاشبہ عروہ و ثقیٰ کو تھام لیا ہے۔ اور جو صحابہ کرام کو بھلائی اور خیر کے ساتھ یاد کرے وہ بے شک نفاق سے محفوظ رہا۔ اور جو کوئی کسی ایک صحابی سے بھی بغض رکھے وہ مبتدع۔ منافق ہے اور سنت اور طریق سلف کے مخالف ہے۔ اور مجھے خدشہ ہے کہ اس کا کوئی نیک عمل بھی آسمان کی طرف اوپر نہ چڑھے گا۔ جب تک کہ وہ ان سب کو محبوب نہ رکھے۔ اور اپنا دل ان سے سالم و محفوظ نہ کرے۔

حضرت خالد بن سعید سے حدیث آئی ہے کہ جب حجۃ الوداع سے فارغ ہو کر آنحضرت مدینہ شریف میں آئے تو آپ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور خطبہ ارشاد فرمایا۔ یاایھا الناس انی راض عن ابی بکر فاعر فوالہ ذالک یاایھا الناس انی راض عن عمر و عن علی و عن عثمان و عن طلحۃ والزبیر والسعید و عبدالرحمٰن بن عوف فاعر فوالھم ذالک اے لوگو میں ابوبکر سے راضی ہوں یہ خوب جان لو۔ اے لوگو میں عمر سے علی سے عثمان سے اور طلحہ' زبیر' سعید' عبدالرحمٰن بن عوف سے راضی ہوں تم یہ اچھی طرح خوب جان لو۔ یہ حدیث عشرہ مبشرہ کی حدیث کی طرح کی ہے۔ اس لئے کہ اس میں ان سب حضرات کے لئے بڑی پکی خوشخبری دی گئی ہے۔ لیکن اس میں ابو عبیدہ بن جراح مذکور نہیں ہوئے اور امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنی مجلس شوریٰ میں فرمایا تھا کہ یہ لوگ وہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اس جہان سے رخصت ہو گئے تو یہ کیفیت تھی کہ آنحضرت ان تمام کے ساتھ راضی گئے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا ایھا الناس ان اللہ غفر لا ھل بدر الحدیبیہ ایھا الناس احفظونی فی اصحابی و اصھاری واحبائی لا یطالبنکم احدمنھم مظلمۃ لا توھب فی القیامۃ عزا اے لوگو اللہ تعالیٰ نے اہل بدر اور اہل حدیبیہ کو بخش دیا۔ اے لوگو میرے صحابہ' سسر' داماد اور محبوبوں کے بارے میں حفاظت رکھو۔ کیونکہ ان کے بارے میں جو میرے حقوق کو محفوظ رکھے گا۔ بلاشبہ

وہ دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے حقوق کو محفوظ رکھے گا۔ اور جو ان کے ضمن میں میری حفاظت کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس سے درگزر فرمائے گا اور صراط پر سے گزار دے گا۔ اور جو ان کو چھوڑ دے گا اور ان سے علیحدہ ہو جائے گا۔ قریب ہے کہ اللہ اس کو گرفت میں لے لے اور عذاب میں ڈال دے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا جو کوئی میرے صحابہ کے بارے میں میری حفاظت نہ کرے گا وہ میرے حوض پر میرے پاس نہ آئے گا اور نہ ہی وہ دیکھ سکے گا مگر بہت دور سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بوقت نصف شب جنت البقیع جایا کرتے اور صحابہ کے لئے دعا و استغفار کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت کو اس بارے میں ارشاد فرمایا تھا۔ اور آنحضرت نے ہم کو صحابہ کے ساتھ محبت کرنے اور ان کی سنت حسنہ کی پیروی کرنے کا حکم دیا ہے۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ایسا کوئی صحابی نہیں جس کو روز قیامت شفاعت کرنے کا حق عطا نہیں ہوا۔ اور حضرت کعب رضی اللہ عنہ مغیرہ بن نوفل رضی اللہ عنہ سے گزارش کیا کرتے تھے کہ وہ ان کی روز قیامت شفاعت کریں۔ سہیل بن عبداللہ تستری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ جو شخص صحابہ رسول کی تعظیم نہیں کرتا وہ آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر ایمان نہیں لایا۔ نہ ہی اس کو ارشاد رسول اللہ کی قدر و منزلت کا علم ہے۔

نقل میں آیا ہے کہ کسی شخص کا جنازہ آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے روبرو لائے۔ آپ نے اس کا جنازہ نہ پڑھایا۔ اور فرمایا کہ یہ آدمی عثمان رضی اللہ عنہ سے بغض رکھنے والا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس سے برائت کا اظہار فرماتا ہے۔

بڑی کثرت میں روایتیں اور حدیثیں آئی ہیں جو فضائل و مناقب صحابہ کی حامل ہیں اور طبی تفصیلات پر مشتمل ہیں۔ ہم نے شرح مشکوۃ میں بالخصوص فریقین کے تعصب سے بالاتر ہو کر احادیث نقل کی ہیں جو بعض وہاں سے اور بعض اہل سنت و جماعت کی دوسری کتب سے لی گئی ہیں۔ وباللہ التوفیق وھو اعلم۔

متعلقات نبوت کا احترام و تعظیم:۔ وصل:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تعظیم و توقیر میں یہ بھی شامل ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے متعلق ہر چیز مثلاً اماکن متبرکہ' مقدس مقامات یا آنحضور کے ہاتھ مبارک سے مس شدہ اشیاء یا آنحضرت کے ذریعے معرفت کرائی گئی چیز وغیرہ ان سب کی تعظیم و احترام کرنا ہر اہل اسلام پر ضروری ہے نقل میں آیا ہے کہ ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کے ماتھے کے بال اس قدر طویل تھے کہ بیٹھنے کے وقت وہ بال زمین تک پہنچتے۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ ان کی اس قدر طوالت میں کیا راز ہے۔ کیوں نہیں کٹواتے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا دست مبارک ان سے مس کیا تھا۔ اس وجہ سے ان کو کٹواتا نہیں ہوں۔ ان کی حفاظت میں تبرک کے طور پر کرتا ہوں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی ٹوپی میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے چند موئے مبارک تھے جو تبرکاً رکھے ہوئے تھی ایک دفعہ میدان جنگ میں، ان کی یہ ٹوپی سر پر سے گر پڑی تھی۔ انہوں نے یہ ٹوپی دوبارہ حاصل کرنے کے لئے پکا ارادہ کر لیا اور نہایت شدت سے جنگ کی اس جنگ میں بہت سے مسلمانوں نے شہادت پائی۔ پس بہت سے صحابہ خالد رضی اللہ عنہ پر معترض ہوئے۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ شدت جنگ صرف ٹوپی کے لئے

نہ تھی بلکہ جو بال مبارک رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ٹوپی میں سلے ہوئے تھے ان کی خاطر تھی۔ میں نے موئے ہائے مبارک کے حصول کے لئے شدت جنگ اختیار کی تاکہ مشرکین کے ہاتھوں ضائع نہ ہونے پائیں۔ اور میں اس تبرک سے محروم نہ ہو جاؤں۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ کو لوگوں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بیٹھنے کی جگہ پر ہاتھ پھیرتے تھے۔ امام مالک رحمتہ اللہ علیہ مدینہ شریف کی حدود میں اپنے سواری کے جانور پر سوار نہ ہوتے تھے۔ کہتے تھے کہ مجھے خدا تعالیٰ سے شرم محسوس ہوتی ہے کہ میں گھوڑوں کے سموں سے اس حصہ زمین کو پامال کروں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم آرام کر رہے ہیں اور اس پر آپ کے قدم لگے ہیں۔ امام مالک رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے سب گھوڑے امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کو دے دیئے تھے۔ امام شافعی نے ان سے کہا کہ آپ اپنی سواری کے لئے ایک گھوڑا تو پیچھے رکھ لیں تو ان کو بھی وہی مذکورہ جواب دیا گیا۔

احمد بن فضلویہ زاہد سے نقل کیا گیا ہے کہ یہ صاحب بڑے ماہر تیر اندوزوں اور بہادر غازیوں میں سے ایک تھے ان کا کہنا ہے کہ اپنی کمان کو میں نے کبھی بلاوضو ہاتھ نہیں لگایا خصوصاً" اس وقت سے لے کر جب سے سنا ہے کہ اس کمان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنے مبارک و مقدس ہاتھوں میں پکڑا تھا۔

جس آدمی نے یہ کہا تھا کہ مدینہ کی مٹی خراب ہے اسے تین درے مارے جانے اور قید میں ڈالا جانے کی سزا کا امام مالک رحمتہ اللہ علیہ نے فتویٰ صادر فرمایا تھا۔ حالانکہ وہ آدمی عوام میں بڑا مرتبہ اور عزت رکھنے والا تھا۔ اور اس میں کیا تعجب ہو سکتا ہے۔ اگر اس شخص کو قتل کئے جانے کا حکم دے دیا جائے جو یہ کہے کہ وہ مٹی خراب ہے اور خوشبو کے بغیر ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم آرام فرما ہیں۔ (العیاذ باللہ) جبکہ اس شہر مقدس کے ناموں میں طابہ اور طیبہ ہیں۔ اس بناء پر یہ مقدس شہر نجاست شرک سے بالکل پاک ہے۔ اور سلیم طبیعتوں کے موافق ہے یہ مقام مدینہ' اور اس بنا پر بھی اس کی خوشبو پاک ہے بلکہ سب امور میں طیب ہے۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس مقدس جگہ اور مطہر شہر کے مکین اور رہائشی یہاں کے در و دیوار اور یہاں کی پاکیزہ ہوا و فضا میں مخصوص خوشبو محسوس کرتے ہیں اس کو کسی اور خوشبو سے تشبیہ دینا ناممکن ہے۔ نہ ہی زبان کو اس کے بیان کا چارہ ہے اور امکان ہے کہ کسی بھی سونگھنے والی ناک نے اس طرح کی خوشبو کسی اور جگہ ہرگز نہ سونگھی ہو۔ کچھ صادقان راہ اور حبیب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی مشاقین نے اسے پایا بھی ہے۔ ابو عبداللہ عطار نے کہا ہے۔ بیت

بطیب رسول اللہ طاب نسیتھا فما المسک والکافور والسندل لرطب اشبلی نامی ایک عالم اہل وجدان علماء سے ہیں انہوں نے فرمایا ہے کہ مدینہ طیبہ کی مٹی میں ایک مخصوص خوشبو پائی جاتی ہے جو کسی مشک یا عنبر میں نہیں ملتی۔ ان کی یہ بات سن کر کسی شخص نے کہا کہ تمہاری یہ بات نہایت ہی تعجب خیز اور نادر ہے۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ یہ بات عجیب نہیں ہے۔

ے دراں زمین کہ نسیمے وزد طرہ دوست چہ جائے دم زدن نافہائے تاتار یست

منقول ہوا ہے کہ ایک شخص بجاہ غفاری تھا وہ چاہتا تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا عصاء مبارک لے اور اپنے گھٹنے پر رکھ کر توڑ دے۔ قریب کے لوگوں نے یہ دیکھا تو اسے اس فعل سے باز رکھنے کے لئے شور بلند کیا اس کے بعد اس کے زانو میں پھوڑا نکل آیا۔ اس کے باعث اس کا زانو کاٹ دیا گیا یہاں تک کہ اسی سال کے دوران وہ مرگیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میرے منبر پر جھوٹی قسم اٹھانے والا شخص اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بناتا ہے۔ اور آپ نے فرمایا ہے کہ میری قبر اور منبر کے درمیان بہشت کی کیاریوں میں سے کیاری ہے۔ مدینہ شریف کے مقدس شہر اس کے اماکن اور المواضع مقدسہ وہاں کے باشندوں کی تعظیم و احترام اور اس جگہ اقامت گزیں ہونے کے آداب، فضائل، کمالات، صفات اور مناقب ہماری کتاب جذب القلوب الی دیار المحبوب میں ذکر کئے گئے ہیں۔ وہاں سے دیکھیں۔

صلوٰۃ واسلام کا وجوب وفضیلت:۔ وصل:۔ یہ باب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ واسلام پیش کرنے کے بارے میں اور وجوب وفضیلت اور اس کی صفت وکیفیت کے بیان اور ذکر مقامات پر مشتمل ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود وسلام کے واجب ہونے کے بارے میں یہ آیت پاک ہے۔ ان اللہ و ملائکتہ یصلون علی النبی یایھا الذین امنوا صلوا علیہ وسلمو تسلیما۔ معلوم ہونا چاہیے کہ اس آیت پاک میں اپنی ذات کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ کی نسبت فرمائی ہے اور آپ پر صلوٰۃ واسلام بھیجنے کا مسلمانوں کو حکم فرمایا گیا ہے۔ علماء نے صلوٰۃ کے مختلف معانی بیان کئے ہیں۔

آنحضرت پر اللہ تعالیٰ کے صلوٰۃ بھیجنے کے معانی تابعین میں سے ابو العالیہ نے یہ بتائے ہیں۔ فرشتوں کے روبرو اللہ تعالیٰ کا اپنے نبی کی ثنا بیان کرنا اور بزرگی بتانا۔ اور آنحضرت پر فرشتوں کا صلوٰۃ بھیجنے کے معانی۔ فرشتوں کا دعا کرنا اور آپ کی فضیلت اور عظمت میں عروج واضافہ کی درخواست کرنا۔ مسلمانوں سے بھی صلوٰۃ اسی معانی میں مراد ہے۔ اس سے مراد ہے آنحضرت کے لئے زیادتی اور برکت چاہنا۔ اور مقاتل کا قول ہے کہ صلوٰۃ اللہ سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کی مغفرت۔ اور فرشتوں کی صلوٰۃ کے معنی ہیں۔ استغفار، ضحاک کے قول کے مطابق صلوٰۃ اللہ کے معنی اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے اور ان کی ایک روایت کے مطابق مغفرت ہے۔ اور ملائکہ کی صلوٰۃ کے معنی دعا ہے۔ یعنی مغفرت اور رحمت کی دعا۔ اور فرشتوں کا کام ہی مسلمانوں کے لئے استغفار کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ویستغفرون للذین امنوا اور جو لوگ ایک نماز کے بعد دوسری نماز کے لئے منتظر بیٹھتے ہیں ان کے بارے میں روایت ہے کہ ان کے لئے فرشتے دعا کرتے ہیں۔ اللھم اغفر لھم اللھم ارحمھم اور مبرد نے کہا ہے صلوٰۃ خدا اللہ کی رحمت ہے اور ملائکہ کی صلوٰۃ سے مراد وہ رقت ہے جو رحمت طلب کرنے کے سبب سے ہوتی ہے علماء نے کہا ہے کہ صلوٰۃ اللہ اس کی مخلوق پر خاص بھی ہوتی ہے۔ پس انبیاء کے حق میں اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ

ان کی ثنا اور تعظیم ہوتی ہے جو ہر ایک کے مناسب حال ہوتی ہے۔ خاص کر سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سب سے افضل تر اور اخص ہوتی ہے۔ اور عام لوگوں کے لئے عام رحمت ہوتی ہے۔ جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ رحمتی وسعت کل شیئی اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر اللہ کی رحمت ہے یہاں پر اس کا فرق عیاں ہوتا ہے بہ نسبت اس رحمت کے جو عام لوگوں پر ہوتی ہے۔ ھوالذی یصلی علیکم و ملٰئکتہ اور یہ تو واضح ہے کہ یہ صلوٰۃ آپ حضور پر کے مناسب حال اعلیٰ اتم اور اکمل ہی ہوگی۔

علماء فرماتے ہیں کہ اس آیت پاک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بڑی تعظیم و تکریم اور احترام فرمایا گیا ہے۔ کیونکہ رب تعالیٰ بذات خود اور دوسری تمام مخلوق آنحضرت کی تعظیم و ثنا اور آپ کے حق میں دعا کرتی ہے۔ اسی لئے مومنوں پر صلوٰۃ میں فرمایا گیا ہے کہ لیخرجکم من الظلمات الی النور حلیمی نے فرمایا ہے۔ کہ صلوٰۃ علی النبی سے مراد آنحضرت کی تعظیم ہے۔ اور ہم جو کہتے ہیں اللھم صل علی سیدنا اس کے معنی عظیم محمد" اہیں۔ اس سے مراد ہے۔ اس دنیا میں آنحضرت کی رفعت ذکر کے ساتھ' شریعت محمدی کے غلبہ اور اشاعت دین سے اور آخرت میں امت محمدیہ کو ثواب عطا کر کے یہ قبولیت شفاعت اور مقام محمود کے عزت والے مقام پر فائز کر کے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول مبارک۔ ادعوا ربکم بالصلوٰۃ علیہ کے مطابق اپنے رب تعالیٰ سے آپ پر صلوٰۃ بھیج کر دعا مانگیں۔ اور آل و ازواج اور اولاد پاک پر بطریق تبعیت درود بھیجا جاتا ہے۔ غیر نبی پر صلوٰۃ میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ لیکن تبعیت نبی میں جائز ہے علماء کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر امت کی طرف سے درود بھیجنے کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے قرب حاصل ہو۔ امر الٰہیہ بجالایا جائے اور جو حقوق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہم پر لازم آتے ہیں ان کی ادائیگی ہو۔

شیخ عزالدین عبدالسلام اپنی کتاب "شجرۃ المعارف" میں لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ہمارے صلوٰۃ وسلام سے اللہ کی بارگاہ میں شفاعت و سفارش نہیں کیونکہ ہماری طرح کی امتوں کی سفارش آنحضور جیسے انبیاء کے لئے نہیں ہوتی ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ہر اس شخص کی خاطر جو احسان کرتا ہے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ اس کے حقوق بجا لائیں اور شکر گزار ہوں۔ بالخصوص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عظیم احسان و عطا کی بنا پر جو انہوں نے ہم پر فرمایا۔ اس کا بدلہ ہم آنحضور کو ادا کرنے سے عاجز ہیں لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ ارشاد فرمایا کہ ہم اللہ کی بارگاہ میں دعا کریں کہ وہ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت و کبریائی کے مناسب حال اور آنحضور کی بارگاہ رب تعالیٰ میں عزت و کرامت کے مطابق برکت و رحمت اور تعظیم و تکریم نازل فرمائے۔ قاضی ابوبکر العربی نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام کا مفاد اصل میں صلوٰۃ وسلام بھیجنے والے کو ہی ملتا ہے کیونکہ صلوٰۃ وسلام پیش کرنا دلیل ہے عقیدت کے استحکام' نیت کے خلوص' اظہار محبت' طاعت پر دوام' معرفت حق' وساطت پر اور احترام واسطہ و تعلق پر جو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں دعا اور خیر و برکت کے استدعا اصل میں مخلوق کے واسطے دعا کرنا ہے۔ یہ اس پانی کی مانند ہے کہ پرنالہ سے گرایا جاتا ہے اور وہ زمین کے اندر چلا جاتا ہے۔

اس کے بعد وہ بصورت بخارات صعود کرتا ہے اور پھر بارش کی صورت میں سب کے لئے فیض دیتا ہے۔ پس یہ دعا بھی ساری مخلوق خدا کے حق میں ہوتی ہے۔

فائدہ:۔ علماء اس میں اختلاف رکھتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام عرض کرنا فرض ہے یا کہ واجب۔ مذہب مختار ہے کہ فرض ہے۔ کیونکہ ظاہراً" حکم وارشاد میں وجوب پایا جاتا ہے خواہ ساری عمر میں صرف ایک دفعہ بھی بھیجا جائے۔ جس طرح کہ آنحضور کی نبوت و رسالت کی گواہی دینا ہے۔ پس واجب ایسی چیز ہوتی ہے جو بلا کسی حرج کے خود ساقط ہو جائے۔ اور اس میں کوئی معین عدد مخصوص نہ ہو۔ کچھ علماء نے کہا کہ بغیر کسی تخصیص کے اور گنتی و شمار کے تعین کے بغیر صلوٰۃ و سلام کثرت سے پیش کرنا واجب ہے۔ کیونکہ ہر مسلمان پر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود سلام کا بھیجنا فرض قرار دیا ہے۔ اور اس کی خاطر کوئی خاص دعا متعین نہیں فرمائی گئی۔ پس واجب یہ ہے کہ صلوٰۃ بہت زیادہ بھیجی جائے اور اس سے کبھی بھی غفلت نہ کی جائے۔ تیسرا یہ مذہب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم گرامی جب بھی لیں اور آنحضور کا تذکرہ کریں تو ہر دفعہ صلوٰۃ والسلام پڑھنا واجب ہے علماء کے قول کے مطابق یہی مذہب مختار ہے اور مواہب لدنیہ میں لکھا ہے کہ امام طحاوی، حنفیہ جماعت، حلیمی اور جماعت شافعیہ اسی مذہب کو تسلیم کرتے ہیں۔ قاضی ابوبکر بن العربی نے فرمایا ہے کہ زیادہ محتاط طریقہ یہی ہے اور زمخشری بھی اسی طرح کہتے ہیں۔ ان سب حضرات اور جماعتوں کا استدلال اس حدیث سے ہے۔ من ذکرت عندہ فلم یصل علی فمات دخل النار اخرجہ ابن حبان عن حدیث ابی ھریرہ اور ترمذی شریف میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس قدر زیادہ ہے۔ رغم انف ذکرت عندہ فلم یصل علی اخرجہ الطبرانی و حدیث جاء شقی بے نصیب ہے وہ شخص کہ اس کے سامنے میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر صلوٰۃ و سلام نہ پڑھے۔ استدلال کی وجہ یہ ہے کہ ترک پر وعید سے وجوب کی دلالت ہوتی ہے۔

علاوہ ازیں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں صلوٰۃ وسلام عرض کرنے کے حکم کا جو فائدہ ہے وہ آنحضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے احسان کے بدلے میں ہے۔ اور جناب والا کا احسان دائمی اور استمراری ہے۔ پس جب بھی ذکر ہو تو یہ حکم موکد اور ضروری ہو جاتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ حضرات اس آیت پاک سے بھی دلیل لیتے ہیں۔ لا تجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضا رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پکارنے کو اس طرح نہ بناؤ جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو پس اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پکارا جائے یا ذکر کیا جائے اور آپ پر صلوٰۃ وسلام نہ بھیجیں تو عام لوگوں کے پکارنے سے برابری ہوتی ہے۔ جو لوگ ہر مرتبہ آپ کے ذکر پر صلوٰۃ وسلام بھیجنے کے وجوب کو تسلیم نہیں کرتے وہ مختلف طریقوں سے اس کا جواب دیتے ہیں۔ ایک جواب یہ ہے کہ کسی صحابی تابعی کا اس طرح کا قول نہیں آیا لہٰذا یہ قول اختراع شدہ ہے۔ اگر اپنے عموم پر اسے رکھیں تو موذن اور اذان سننے والے دونوں پر وجوب کا حکم رکھتا ہے۔ اسی طور سے قرآن کی تلاوت کرنے والے پر بھی واجب ہوتا ہے کہ دوران تلاوت جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر مبارک آئے تو فوراً صلوٰۃ و سلام عرض کرے۔ اور جب کسی کو اسلام میں داخل کریں تو بوقت شہادت صلوٰۃ و

سلام واجب ہو جاتا ہے حالانکہ اس طرح نہیں آیا اور نہ ہی اس طرح منقول ہوا ہے۔ علاوہ ازیں اس میں مشقت اور حرج پایا جاتا ہے۔ اور شریعت مطہرہ کے خلاف سختی و شدت پائی جاتی ہے۔ نیز یہ کہ جب بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر ہو تو اس کی حمد و ثنا واجب نہیں ہے۔ جبکہ اس کا وجوب زیادہ مستحق ہے اور اسے کوئی تسلیم بھی نہیں کرتا۔ مواہب لدنیہ کے مؤلف نے فرمایا ہے کہ فقہ حنفی کی کتاب قدوری میں علی الاطلاق صلوٰۃ و سلام مذکور ہوا ہے۔ مطلب یہ کہ جس وقت بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ذکر مبارک آئے تو صلوٰۃ و سلام واجب ہے۔ حالانکہ سابقہ اجماعی مسئلہ کے یہ مخالف ہے۔ کیونکہ اس طرح کسی صحابی سے منقول نہیں ہوا۔ کہ جس وقت بھی وہ آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو یارسول اللہ کے الفاظ سے مخاطب ہوں تو صلوٰۃ و سلام عرض کریں۔ اور ایسا ہو بھی تو پھر بھی دیگر عبارات پر اس کا اجراء نہیں کیا جاسکتا۔ مذکورہ احادیث کا ان کی طرف سے یہ جواب ہے کہ یہ احادیث بطریق مبالغہ اور تاکید صلوٰۃ و سلام نہ بھیجنے کے علاوہ لوگوں کے لئے وارد شدہ ہیں۔ ان کے تمام جوابات کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک مجلس میں ایک مرتبہ صلوٰۃ و سلام کے واجب ہونے کے قائل ہیں خواہ وہاں بار بار آنحضرت کا ذکر مبارک ہو یہ بیان زمخشری کا ہے اور بعض یوں کہتے ہیں کہ دعا میں واجب ہے۔ اور اکثر کے نزدیک مستحب ہے۔ اور حکم بھی استحبابی ہے وجوبی نہیں ہے۔ یہ بندہ مسکین (شیخ عبدالحق) ثبتہ اللہ علی طریق الحق والیقین کہتا ہے کہ اگر وہ یوں کہتے کہ صلوٰۃ و سلام ایک مرتبہ فرض ہے اور کثرت کے ساتھ واجب ہے اور ہر مرتبہ مستحب ہے۔ پھر بھی ایک صورت تو بنتی جو محبت کے تقاضوں کے مطابق ہوتی ہے۔ کیونکہ محبت کی زیادتی ہو تو مستحب بھی واجب کی مانند ہوتا ہے۔ اور محب اس میں اپنی طرف سے کوئی کوتاہی کرنے کو پسند نہیں کرتا۔ اور یہ تو عجیب (ناقابل تسلیم) امر ہے کہ طالب باوجود صلوٰۃ و سلام کے فوائد کو جانتے ہوئے بھی اس میں بلیغ کوشش نہ کرے۔

حالات نماز کے متعلق بعض یوں کہتے ہیں کہ بغیر تعین کے محل واجب ہے یہ بات امام ابو جعفر محمد باقر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ بعض کے نزدیک تشہد میں واجب ہے۔ یہ بیان شعبی اور اسحاق بن راہویہ کا ہے۔ اور یہ کہ صلوٰۃ و سلام آخر نماز میں تشہد کے بعد اور سلام سے پہلے واجب ہے امام شافعی کا قول ہے ان کی دلیل اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام بھیجنا فرض قرار دیا گیا ہے۔ اس کے لئے نماز سے بڑھ کر اولیٰ وقت نہیں ہے۔ احادیث کی رو سے تشہد میں صلوٰۃ و سلام عرض کرنا ہے۔ پس یہ جواز نہیں رکھتا کہ میں تشہد کو واجب کہہ دوں اور صلوٰۃ و سلام کو واجب نہ کہوں دوسرے لوگ امام شافعی کا یہ قول نہیں مانتے۔ وہ کہتے ہیں کہ ان کا یہ قول اہل سلف سے کسی کے مطابق بھی نہیں۔ نہ ہی کوئی سنت اس ضمن میں موجود ہے کہ اس کا اتباع کریں۔ اور ان سے قبل کے تمام علماء اس پر اجماع کئے ہوئے ہیں کہ نماز کے دوران صلوٰۃ و سلام پیش کرنا واجب ہے۔ بعض شافعی حضرات بھی اس بات کو نہیں مانتے۔ مثلاً خطابی وغیرہ۔ وہ اس بات کو ان کی طرف سے بعید بتاتے ہیں۔ تشہد کے متعلق اس طرح کہنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے تشہد اس طریقے سے سکھائی تھی جیسے کہ قرآن پاک کی سورتیں لکھواتے تھے اس میں صلوٰۃ و سلام کا تذکرہ نہیں ہے۔ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے مذہب و طریقہ کی توجیہہ و نظائر کے بارے میں صاحب مواہب لدنیہ کا کلام بڑا

مبسوط ہے اور ان کا بیان بڑا طویل ہے۔ اسے ہم نے دوسری جگہ پر نقل کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

تشہد کی حالت میں درود پاک :۔ تشہد کی حالت میں صلوٰۃ پڑھنے کی کیفیت کے بارے میں بہت کثرت کے ساتھ احادیث آچکی ہیں اور ان میں مختلف صیغہ جات منقول اور روایت ہوئے ہیں۔ اگر یہ صیغہ پڑھا جائے۔ اللھم صل علی سیدنا محمد و علی آل سیدنا محمد کما صلیت علی ابراھیم و علی ال ابراھیم انک حمید مجید۔ اللھم بارک علی سیدنا محمد و علی آل سیدنا محمد کما بارکت علی سیدنا ابراھیم و علی آل سیدنا ابراھیم انک حمید مجید۔ تو یہ کافی ہو گا۔ اور کچھ مشائخ سے میں نے یہ درود شریف سنا ہے۔ اور اگر پہلے درود شریف میں کہا جائے وصل علینا معھم اور دوسرے میں کہا جائے و بارک علینا معھم جس طرح کہ کچھ احادیث میں آیا ہے۔ تو بہتر ہے۔ کما صلیت اور کما بارکت کی تشبیہ میں جیسے کہ عربوں کا قاعدہ ہے وہ اتم اور اقویٰ کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں اس میں وہ اعتراض کرتے ہیں جس کا جواب کئی طریقوں سے دیا ہے۔ جن میں سے ایک یہ ہے کہ اگر مشبہ بہ خوب مشہور ہو تو یہ کافی ہوتا ہے اس سے بھی بڑھ کر قوی جواب یہ ہے کہ اتم اور اکمل صلوٰۃ جو ماسبق میں گذر چکا ہے اس کے ساتھ تشبیہ دینا ہے۔ علاوہ ازیں اور وجوہات بھی مذکور ہوئی ہیں۔ اکثر و بیشتر توجیہات تدبر اور سوچ سے متعلق ہیں۔ ہم نے وہ علیحدہ رسالہ میں ذکر کی ہیں۔ وہاں سے ملاحظہ کریں۔ اور یہ کہ افضل صلوٰۃ کونسی ہے اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ اکثر علماء اس مذہب پر ہیں کہ جو صیغہ درود نماز میں ہے وہ ہی سب سے افضل ہے۔ اس لئے کہ نماز کی حالت سب حالتوں سے افضل ہے۔ حتیٰ کہ اگر کوئی شخص یہ نذر مانے کہ میں افضل ترین درود شریف پڑھوں گا اور نماز والے درود شریف کے صیغہ میں پڑھے تو وہ عہدہ برآ ہو جاتا ہے۔ بعض کا یہ نظریہ ہے کہ افضل ترین صیغہ وہ ہے جو مقدار کے اعتبار سے زیادہ اور کیفیت کے لحاظ سے افضل ہو۔ اور بعض یہ صیغہ پڑھنے کے لئے کہتے ہیں۔ اللھم صلی علی سیدنا محمد کما ھو اھلہ و مستحقہ اس طرح کے بہت سے صیغہ جات درود جتنے معلوم ہو سکے رسالہ صلوٰتیہ میں ہم نے ذکر کر دیئے ہیں و باللہ التوفیق

درود شریف پڑھنے کے مقامات :۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر درود بھیجنے کے مقامات سے ایک مقام نماز میں آخری تشہد ہے جیسے پہلے گذر چکا ہے۔ اور یہ بھی پتہ چل گیا ہو گا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ فرض ہے۔ چند دوسرے ائمہ اور جمہور کے مطابق تشہد کے بعد اور دعا سے پہلے درود پڑھنا مستحب ہے۔ یہ کہ پہلے تشہد میں یہ واجب ہے اس پر دو قول ہیں۔ زیادہ ظاہر قول ممانعت پر ہے اس لئے کہ اس میں تخفیف ہونی چاہیے۔ اور یہ حدیث پاک میں آچکا ہے کہ پہلے تشہد سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اس قدر جلدی اٹھتے تھے جیسے کہ کسی گرم پتھر پر بیٹھ گئے ہوں۔ پہلے تشہد میں آل پر درود بھیجنا مستحب ہونے پر بھی دو اقوال ہیں اور آخری تشہد میں درود شریف واجب ہونے کے متعلق بھی دو روایات آئی ہیں۔ اور سب سے زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ سنت تابعہ ہے مراد یہ کہ نبی کی متابعت میں نبی کے بعد ان کی آل پر درود بھیجا جاتا ہے۔ یہ تمام اقوال شافعین کے ہیں۔ حنفیوں کے نزدیک نماز میں آخری تشہد کے اندر درود بھیجنا

ہے یہ سنت ہے۔ اگر پہلے تشہد میں بھول کر پڑھا گیا ہو تو سجدہ سہو واجب ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اس سے قیام میں دیر ہو گئی جو کہ فرض ہے۔ صحیح صورت یہ ہے کہ اگر صرف اتنا پڑھا گیا۔ اللھم صل علی سیدنا محمد تو سجد سہو لازم نہیں ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر تھوڑی سی تھوڑی مقدار درود یہ ہے۔ اللھم صل علی سیدنا محمد اور آل پر تھوڑی سی تھوڑی مقدار درود ہے و آلہ اور کفایہ میں علیٰ کے ساتھ اعادہ ہے۔ و علی آلہ حضرت فضالہ بن عبیدہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے۔ کہ ایک آدمی کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے سنا کہ نماز کے اندر اس نے دعا مانگی ہے لیکن آنحضور پر درود شریف نہیں بھیجا ہے۔ تو آنحضور نے فرمایا کہ اس نے جلد بازی کا عمل کیا۔ اس کے بعد آنحضرت نے اس کو طلب فرمایا اور اس کے سمیت دوسروں کو بتایا کہ جب تم نماز پڑھو تو تشہد لازما" کرو حمد باری تعالیٰ سے آغاز ہو۔ ایک اور روایت میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تمہید و ثنا کے ساتھ شروع کرے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر درود بھیجا جائے اس کے بعد اپنی خواہش کے مطابق دعا مانگے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت آئی ہے کہ نماز اور دعا زمین و آسمان کے درمیان میں معلق رہتی ہے اور کوئی چیز بھی ان میں سے صعود نہیں کرتی۔ جس وقت تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر درود نہ پڑھا جائے۔ اس حدیث کے مانند ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہوا ہے۔ یہ حدیث نماز میں دعا کے متعلق آئی ہے اور دعا مطلق خواہ وہ نماز کے دوران ہو یا نماز سے باہر۔ دعا میں درود بھی صلوٰۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک مقام ہے۔ اور صلوٰۃ دعا کے سب ارکان اور آداب میں سے قوی ترین ہے۔ روایت ہے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے۔ کہ تم میں سے کوئی جس وقت چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے کچھ طلب کرے اور دعا اور سوال کرتا ہے تو اسے چاہیے کہ اولا اللہ تعالیٰ کے شایان شان حمد و ثنا بیان کرے۔ ازاں بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر درود بھیجے۔ پھر سوال کرے کیونکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ طریقہ طلب حاجت اور مراد کے پانے میں احق اور بہترین ہے۔

فائدہ:۔ دعا کے آغاز میں' درمیان میں اور آخر میں صلوٰۃ و سلام بھیجنا چاہیے۔ جس طرح کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے۔ ابن عطا نے فرمایا ہے کہ دعا کے ارکان و بازو موافق ہوں تو دعا جلدی آسمان کی طرف صعود کرتی ہے۔ اور اوقات کی اگر موافقت ہو تو دعا کی مقبولیت جلدی ہو جاتی ہے۔ اور اسباب اگر موافق ہوں تو دعا کی رسائی مقصود تک جلد ہوتی ہے۔ قلب کی حضوری' خضوع و خشوع' عاجزی میں آنکھیں بند کر لینا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دل کا تعلق اور ربط اور ماسوی اللہ سے قطع تعلقی ارکان دعا ہیں۔ اور دعا کے بازو صدق ہے۔ دعا کے اوقات سحر کا وقت اور اس کے اسباب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر درود شریف بھیجنا ہے۔ حدیث میں آیا ہے۔ کہ جس دعا کے شروع میں اور آخر پر درود پاک ہو وہ دعا کبھی رد نہیں کی جاتی۔ دیگر ایک حدیث میں آیا ہے کہ ہر ایک دعا زیر فلک معلق رہتی ہے جس وقت مجھ پر صلوٰۃ پڑھی جائے اس وقت وہ آسمان پر چڑھتی ہے سب سے زیادہ تاکید دعائے قنوت کے بعد درود شریف پڑھنے کی ہے۔ اس حدیث کی سند میں وہ حدیث ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو قنوت کی تعلیم دی

ہے۔ اس کے شروع میں اللھم اھدنی فی من ھدیت اور اس کے آخر میں و صلی اللہ علی النبی محمد روایت ہے امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے مطابق یہ دعائے قنوت ہے اس کا ذکر باب الصلوۃ میں آئے گا۔

خطبہ جمعہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم پر مقامات صلوٰۃ سے ہے۔ خطیب کو درود شریف اپنے خطبہ کا جز بنانا چاہیے۔ کیونکہ خطبہ عبادت ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر شرط ہے۔ پس واجب ہے کہ اس کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کا بھی ذکر پاک ہو۔ جس طرح کہ اذان اور نماز میں آتا ہے اگر درود شریف نہ ہو تو جمعہ کا خطبہ صحیح نہیں ہوتا یہ امام شافعی اور امام احمد کا مسلک ہے۔ موذن اذان میں دعوت دیتا ہے تو اس کے جواب میں مقام صلوٰۃ ہے۔ جس طرح کہ امام احمد کی حدیث میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے ارشاد فرمایا۔ موذن کی طرف سے جب اعلان تم سنو۔ تو جو کچھ وہ کہتا ہے وہی کچھ تم کہہ کر اس کا جواب دو۔ ازاں بعد مجھ پر درود شریف پڑھو کیونکہ مجھ پر ایک درود بھیجنے والے پر رب تعالیٰ دس بار رحمت نازل فرماتا ہے۔ ازاں بعد میرے حق میں وسیلہ کی دعا کرو۔ الی آخر الحدیث۔ اس بارے میں مزید تذکرہ باب الاذان میں ہوگا۔ بعض کتب ہیں۔ جن میں مسجد سے باہر آتے وقت نیز اذان اور اقامت کا جواب دیتے ہوئے اور عیدین کی تکبیروں کے درمیان میں بھی آیا ہے۔ یہ ذکر مواہب لدنیہ میں ذکر کیا گیا ہے۔ اور یہ مسلک امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کا ہے۔ مسجد میں دخول اور مسجد سے باہر آنے کے وقت سے متعلق سیدہ فاطمتہ الزہرا رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ کہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم مسجد میں داخل ہوا کرتے تھے تو درود شریف پڑھتے تھے اپنے آپ پر۔ اس کے بعد کہا کرتے تھے۔ الھم اغفرلی ذنوبی وافتح لی ابواب رحمتک جب آپ مسجد سے باہر تشریف لاتے تھے تو خود پر درود پاک پڑھا کرتے تھے اور اس کے بعد کہتے تھے اللھم اغفرلی ذنوبی و افتح لی الواب فضلک اور اسی طرح سے ابوبکر بن عمرو بن حزم سے روایت ہوا ہے۔ اور ابو اسحاق شیبانی سے فرمایا ہے کہ جو شخص مسجد میں داخل ہو اس کو درود پڑھنا چاہیے اور ترحم کرنا چاہیے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم پر اور آپ کی آل پر برکات اور سلام بھیجے۔ اور عمر بن دینار رحمتہ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں فاذا دخلتم بیوتا فسلموا علی انفسکم فرمایا ہے کہ اگر گھر میں کوئی فرد موجود نہ ہو تو السلام علی النبی و رحمتہ اللہ و برکاتہ کہنا چاہیے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس آیت میں بیوت سے مساجد مراد ہیں اور حضرت نخعی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اگر مسجد میں کوئی آدمی حاضر نہ ہو تو داخل ہونے والے کو کہنا چاہیے السلام علی رسول اللہ۔ اور اگر گھر کے اندر کوئی موجود نہ ہو تو کہنا چاہیے السلام علینا و علی عباد اللہ الصالحین

حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرماتے ہیں کہ جس وقت میں مسجد میں داخل ہوتا ہوں تو کہتا ہوں السلام علیک یا یھا النبی و رحمۃ اللہ و برکاتہ و صلی اللہ و ملائکتہ علی محمد اس طرح سے ہی حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے مسجد میں داخل ہونے کے وقت اور باہر نکلنے کے وقت پر روایت ہوا ہے جنازہ کی نماز میں درود شریف پڑھنے کا کوئی ذکر نہیں آیا ہے۔ صاحب مواہب لدنیہ نے کہا ہے کہ نماز جنازہ میں پہلی تکبیر کہنے کے بعد سورۃ فاتحہ

(الحمد) پڑھا جائے۔ اور جب دوسری تکبیر کہہ لے تو درود شریف پڑھے تیسری تکبیر کے بعد میت کے حق میں دعا مانگے اور چوتھی تکبیر کہہ لینے کے بعد اس طرح کہے۔ اللهم لا تحرمنا اجره ولا تفتنا بعده یہ ذکر امام شافعی 'نسائی اور ابن ماجہ کی روایت کردہ حدیث میں ہے اور یہ مذہب امام شافعی کے مطابق ہو گا لیکن ہمارے مذہب میں سورۃ فاتحہ کی قرات نماز جنازہ میں نہیں ہے اور علماء نے کہا ہے کہ ایک روایت کے مطابق دعا کے طور پر سورۃ فاتحہ ہے نہ کہ قرات کے طریقہ میں بلاوجود اس فرق کے ہمارے مذہب میں بھی درود شریف نماز جنازہ میں ہے اور وہ ہے دوسری تکبیر کے بعد۔

صلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے مقامات میں سے وقت احرام حج و عمرہ تلبیہ میں اور صفا اور مروہ کے مقام پر ہے۔ جس طرح حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آچکا ہے۔ کہ فرمایا کہ جب تم مکہ میں داخل ہوتے ہو تو خانہ کعبہ کا طواف سات مرتبہ کرو۔ مقام ابراہیم پر دو رکعت نماز ادا کرو۔ پھر کوہ صفا کی طرف آؤ اس کے اوپر چڑھ کر منہ کعبہ شریف کی جانب کر کے تکبیر بلند کرو۔ اور درمیان میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرو۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام بھیجو۔ اپنی خاطر بھی دعائے خیر مانگو۔ اسی طریقہ سے مروہ پر آؤ اور اسی طرح کہو۔ جس طرح کہ رسالہ مناسک میں مذکور ہو چکا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر صلوٰۃ کے مقامات سے خوف اور کمزوری سے حفاظت میں رہنے کے لئے اجتماع اور تفرق کا وقت ہے۔ ترمذی شریف میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث میں روایت ہوا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ کہ اس طرح لوگوں کے اجتماع میں جہاں اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کے رسول پر صلوٰۃ و سلام نہ بھیجا جاتا ہو کوئی شخص نہ بیٹھے۔ اس لئے کہ یہ لوگ روز آخرت میں حسرت و افسوس کے مقام پر ہوں گے۔ خدا اگر چاہے تو ان کی مغفرت فرماوے اور اگر وہ چاہے تو ان پر عذاب مسلط کر دے۔

دیگر ایک حدیث میں آیا ہے کہ نہیں ہے کوئی اجتماع کہ وہ بیٹھیں اور پھر اٹھ کر چلے جائیں اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام نہ بھیجیں مگر یہ ہے کہ ان پر حسرت ہو گی اس وقت جب وہ بہشت میں اس درود شریف کا اجر و ثواب دیکھیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر درود شریف میں مرفوع روایت ہے کہ من صلى علی حين يصبح عشرا وحين يمسى عشرا ادركته شفاعتی يوم القيامة جس نے صبح کے وقت پر مجھ پر دس دفعہ درود بھیجا اور شام کے وقت دس دفعہ درود بھیجا قیامت کے روز وہ میری شفاعت پائے گا۔

اور وضو کرنے کا وقت بھی مقامات صلوٰۃ میں سے ہے۔ ابن ماجہ میں سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ لا وضوء من لم يصل على النبيى صلى الله عليه و آله وسلم اس کا وضوء (کامل) نہیں جس نے نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر درود شریف نہ پڑھا۔ ظاہرا" اس سے یہی مراد ہے کہ دوران وضوء درود پڑھے۔ اور کچھ کتابوں میں اس طرح کہا گیا ہے۔ عقيب الطهارة حتى التيمم و تكلم بشهادتين طہارت کے بعد درود بھیجے حتی کہ تیمم اور

دونوں شہادتوں کی ادائیگی کے وقت پر بھی۔ اور اعضاء وضوء کے دھونے کے وقت پر بھی درود کا ذکر آیا ہے۔ اور راقم الحروف (شیخ عبدالحق) صاحب مدارج النبوۃ کا عمل بھی اس طرح ہی ہے کہ دونوں شہادتیں ادا کرتا ہے اور درود شریف پڑھتا ہے اور اعضاء وضوء کے دھوتے وقت ماثورہ دعائیں پڑھ لینے کے بعد درود شریف بھیجتا ہے۔ مقامات صلوٰۃ میں سے ایک مقام کان کے بجنے کا وقت بھی ہے۔ ابو رافع رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے کہ آنحضور نے فرمایا کہ تم میں سے اگر کسی کا کان بجے تو وہ مجھ کو یاد کرے۔ اور مجھ پر درود بھیجے اور اس طرح کہے ذکرہ اللہ بخیر من ذکرنی بخیر مطلب یہ کہ جو شخص مجھے بھلائی کے ساتھ یاد کرتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ بھلائی سے یاد کرتا ہے یہی سبب ہے کہ علماء نے کہا ہے کہ کان کا بجنا اس پر دلیل ہوتی ہے اس امر کی کہ کسی نے اس کو بھلائی سے یاد کیا ہے۔

اور مقامات صلوٰۃ میں سے ایک مقام بھول جانے کا وقت بھی ہے مراد یہ ہے کہ آدمی جب کوئی بات بھول جاتا ہے یا کوئی چیز بھول جاتا ہے اگر وہ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر درود شریف بھیجے تو اس کو وہ چیز یا بات یاد آجائے گی۔ بات کے بھول جانے کے سلسلہ میں یہ عمل کثرت سے آزمایا ہوا اور مجرب ہے۔ اس حدیث کی سند میں ابو موسیٰ مدینی کی ضعیف حدیث وارد ہوئی ہے جو مرفوع طور پر حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اذا نسیتم شیئا فصلوا علی تذکراہ انشاء اللہ

اور پیاس لگنے کا وقت بھی مقامات صلوٰۃ میں سے ہے۔ ایک جماعت اس جانب بھی گئی ہے اور ایک جماعت نے اس سے اختلاف بھی کیا ہے۔ اختلاف و انکار کرنے والی جماعت کہتی ہے۔ کہ یہ مقام تو خاص ذکر خدا کا ہے۔ جیسے دیگر مواقع ہیں مثل کے طور پر کھانا پینا جماع کرنا۔ اور مشکوٰۃ میں ترمذی شریف سے حضرت نافع رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے قریب ایک شخص نے چھینک ماری۔ اور کہا و الحمد للہ والسلام علی رسول اللہ یہ سن کر ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں بھی الحمد للہ والسلام علی رسول اللہ کہا کرتا ہوں۔ لیکن یہ تعلیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے نہیں دی ہے۔ مراد یہ کہ ان الفاظ کے ساتھ سکھایا نہیں سوائے اس کے کہ ہم اس طرح کہیں۔ الحمد للہ علی کل حال اس سے یہ مطلب ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر درود بھیجنے میں ہرگز کسی کو کلام نہ ہے لیکن شارع علیہ السلام نے جس طرح ارشاد فرمایا ہے اسی طرح کرنا چاہیے۔ آنحضرت نے ہر چیز کے واسطے ایک موقع محل مقرر فرمایا ہے۔ اس لئے اس مقام پر اس طرح ہی کہنا چاہیے اور کرنا چاہیے جیسے کہ آپ نے رکوع کے دوران قرات قرآن ممنوع فرمائی ہے۔ کذافی المواہب۔

کتاب الشفاء میں ذکر کیا گیا ہے کہ ابن حبیب رحمت اللہ علیہ نے مکروہ کہا ہے وقت ذبح جانور درود پڑھنے کو اور حضرت سنوں مالکی نے تعجب کے وقت پر درود بھیجنا مکروہ جانا ہے۔

فائدہ:۔ یہ کہا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر سوائے اجتناب اور طلب ثواب کے طریقہ کے درود شریف نہ بھیجنا چاہیے۔ ابن القاسم سے اصبغ نے نقل کیا ہے۔ کہ اس طرح کہا گیا کہ دو مقامات ایسے ہیں جہاں سوائے اللہ

تعالیٰ کے ذکر کے کوئی اور ذکر نہ ہونا چاہیے۔ ایک ذبح کے وقت اور دوسرا بوقت چھینک لہٰذا ان مواقع پر اللہ تعالیٰ کے ذکر کے بعد ذکر رسول اللہ نہیں کرنا چاہیے۔ اور اشہب کا قول ہے کہ یہ سزاوار اور مناسب نہیں کہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر درود شریف کو سنت اور علامت بنایا جائے۔ اور راقم الحروف کہتا ہے کہ کچھ لوگ عادی ہیں کہ آذان کے آخر پر لا الہ اللہ کے بعد محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) کہتے ہیں۔ ظاہر طور پر اس کا حکم یہی ہے۔

صلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے مقامات میں سے ایک مقام مواجہ شریف ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی قبر انور کے سامنے صلوٰۃ و سلام عرض کرنا ہے اس لئے کہ صلوٰۃ و سلام میں یہ مقام اولیٰ اور اقرب ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ابوداؤد میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس وقت بھی مجھ پر کوئی صلوٰۃ و سلام بھیجے اللہ تعالیٰ میری روح کو مجھ پر لوٹا دیتا ہے اور میں اس شخص کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔ اس حدیث میں حیات النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی حیثیت میں کلام کیا گیا ہے۔ جس طرح کہ تاریخ مدینہ وغیرہ میں مذکور ہے۔ ابن عساکر سے روایت ہے کہ من صلی علی عند قبری سمعته اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ذات اقدس پر درود بھیجنے کا مشہور ترین مقام وہ وقت ہے جب آپ کا ذکر شریف ہو یا آنجناب کا اسم شریف سنایا تحریر کیا جائے۔ حدیث میں آیا ہے۔ رغم انف رجل ذکرت عنده فلم یصل علی وہ کل نجیلوں میں سب سے بڑا نجیل ہے جس طرح کہ پہلے مذکور ہو چکا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر صلوٰۃ بھیجنے کے مقامات کے بارے میں جو کچھ اس سے قبل مذکور ہو چکا ہے۔ اس پر تمام امت کا عمل کرنا ثابت شدہ امر ہے۔ اور کسی واحد رسالہ کے اندر بھی اس سے انحراف مذکور نہیں ہے۔ اور وہ کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے ہمراہ تحریر کرتے ہیں صدر اول میں وہ نہیں تھا۔ اس کی ایجاد حکومت بنو ہاشم کے دوران ہوئی تھی۔ اور پھر تمام دنیا میں یہ عمل اشاعت پذیر ہو گیا۔ اور کچھ لوگ تو ختم بھی آنحضور پر درود شریف پر کرتے ہیں جس میں منقول ہے کہ اول و آخر کے درمیان درود شریف ہو۔

ایک حدیث شریف میں اس طرح روایت ہے کہ جو کوئی شخص اپنی کتاب کے اندر مجھ پر صلوٰۃ و سلام تحریر کرے گا جب تک اس میں میرا نام برقرار اور باقی رہے گا فرشتے ہمیشہ اس کے حق میں استغفار کرتے رہیں گے۔ جس قدر مقامات صلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اوپر تحریر کئے گئے ہیں تمام کتاب الشفاء اور مواہب لدنیہ میں مندرج ہیں۔ اور رسالہ فاکہی میں موجود ہیں۔ یہ رسالہ زیارت نبوی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں لکھا گیا ہے۔ اس کے اندر اس سے زیادہ مقامات مذکور ہوئے ہیں۔ ہم اختصار کے ساتھ ان کو بھی تحریر کرتے ہیں۔ اس لئے اوقات میں ایک طرح کا استیعاب اور شمول میسر ہو۔ اور یہ فقیر تو اپنی ہر نماز ادا کرنے کے بعد درود شریف عرض کرتا ہے۔ اس لئے کہ مشائخ سلسلہ عالیہ قادریہ کی طرف سے مجھے اجازت حاصل ہے کہ میں ہر نماز کے بعد خواہ فرض ہو یا نفل تین بار درود شریف پڑھا کروں۔ وباللّٰہ التوفیق۔

فائدہ:۔ رات کی نماز کی خاطر سو کر اٹھنے کے بعد وضو کر کے تہجد کی نماز کے بعد اور جمعہ کے روز اور جمعہ کی رات کو

بالخصوص نماز جمعہ کے بعد۔ جمعرات' سینچر اور اتوار کے دن وغیرہ وقتوں میں درود شریف کا پڑھنا حدیثوں میں مذکور ہے۔ اور سحر کے وقت جب کعبہ معظمہ کو دیکھیں۔ حجر اسود کو بوسہ کے وقت پر طواف کعبہ و التزام کے وقت پر۔ حج کے دوران وقوف کے مقامات پر جب آثار نبویہ کی زیارت کی جائے آنحضور کے قیام اور ٹھہرنے کے مقامات مثال کے طور پر مسجد قبا وادی بدر کوہ احد اور مساجد نبویہ وغیرہ میں جب حاضر ہوں۔ خرید و فروخت کرتے وقت۔ وصیت تحریر کرنے کے وقت پر۔ ارادہ سفر کے وقت' سواری پر سوار ہونے کے وقت۔ منزل پر قیام کے وقت۔ بازار جانے کے وقت۔ بازار میں پہنچ جانے کے بعد۔ مشغولیت کے وقت غفلت طاری ہو جائے۔ تو اس وقت گھر سے باہر آتے وقت اور گھر میں داخل ہوتے وقت۔ جب کوئی حاجت پیش آئے اس وقت کسی خوف یا احتیاج کے وقت پر۔ جانور بھاگ جائے یا غلام بھاگ جائے بلکہ کوئی بھی چیز گم ہو جانے کے وقت پر۔ غم اور شدت کے وقت طاعون یا خوف یا غرق سے بچنے کے وقت۔ پاؤں سن ہو جانے کے وقت پر۔ جب مولی کھائیں اس وقت تاکہ ڈکار کے ساتھ بو نہ آوے۔

اس ضمن میں ایک حدیث شریف بھی نقل کی گئی ہے اور برتن سے پانی پینے کے وقت۔ گدھے کی آواز سننے کے وقت اس وقت درود شریف کے ساتھ ساتھ شیطان ملعون سے استعاذہ بھی روایت میں آیا ہے۔ تاکہ شر کا دفعیہ ہو اور خیر کا حصول ہو۔ اور کسی گناہ کے مرتکب ہونے کے بعد۔ تاکہ کفارہ گناہ ہو جائے۔ مسلمان بھائی کے ساتھ ملاقات اور مصافحہ کے وقت۔ اور ایسے اجتماع یا جلسہ میں شمولیت کے وقت جو خدا تعالیٰ اور شعائر اسلام کے واسطے ہو قرآن ختم کرنے کے وقت۔ حفظ قرآن کی دعا کرنے کے وقت۔ ایسا کلام شروع کرتے وقت جو غیر منہی عنہ ہو۔ علم دین کی تعلیم کے آغاز پر بالخصوص حدیث شریف کے درس کے وقت۔ نشر علم کے وقت۔ وعظ کے وقت حدیث شریف پڑھنے کے شروع میں اور آخر پر کوئی چیز اچھی لگے تو اس وقت درود شریف پڑھنا چاہیے۔ کچھ علماء نے حیرت اور تعجب کے مقامات پر درود شریف کو پڑھنے کو مکروہ جانا ہے۔ جیسے کہ کوئی محترم امر دیکھیں تو اس وقت تسبیح اور تہلیل مکروہ ہوتی ہے۔

فائدہ:۔ سلام بھیجنے یا لکھتے وقت یہ نہ صرف مناسب ہی ہے بلکہ افضل عمل ہے کہ ساتھ صلوٰۃ شامل کر لی جائے۔ امام نووی کہتے ہیں کہ صلوٰۃ بغیر سلام کے مکروہ ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دونوں کے لئے حکم فرمایا ہے۔ فتح الباری میں یوں کہا گیا ہے کہ صرف صلوٰۃ بھیجنا اور سلام نہ بھیجنا مکروہ ہے۔ لیکن اگر ایک بار سلام بھیجا جائے اور بغیر وقفہ یا خلل کے دوسری مرتبہ صلوٰۃ بھیجی جائے تو اس میں حرج نہیں ہے۔ کذا فی المواہب۔

امام محمد جوینی رحمتہ اللہ علیہ سے نقل ہے کہ اس مقام پر سلام بمعنی صلوٰۃ آیا ہے۔ اس لئے غائب میں استعمال نہیں کیا گیا (مراد یہ ہے کہ حاضر کے صیغہ میں فرمایا ہے سلموا) اور غیر انبیاء علیہم السلام کے لئے صرف غائب کے صیغہ میں استعمال نہ کریں۔ مراد یہ ہے کہ کسی بھی غیر نبی کے لئے علیہ السلام نہ کہیں لیکن حاضر اور مخاطب کے لئے استعمال کر لیں۔ اور یوں کہہ لیں۔ سلام علیک۔ یا السلام علیک۔ اور رمز میں یا کنایہ کے ساتھ یا تخفیف کے ساتھ جس طرح عام لوگ کرتے ہیں اس پر رضامند نہ ہونا چاہیے اس لئے کہ یہ فعل بڑا شنیع اور قبیح ہے۔ (جس طرح کہ صلعمؐ "یا" وغیرہ الفاظ)۔

تنبیہ:۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر سب وقتوں میں صلوٰۃ و سلام بھیجنا مستحن ہے اور مستحن ہے۔ خاص کر جمعہ کے دن کو جمعہ کی شب کو اس لئے کہ ہفتہ میں افضل دن اور رات یہ ہیں۔ اور حدیث میں بھی جمعہ کے روز کثرت درود کا حکم آیا ہے۔ کیونکہ اس دن خصوصاً آنحضرت کی خدمت میں درود شریف پیش کیا جاتا ہے۔ اور قبول فرمایا جاتا ہے۔ اس دن قبولیت کی خوشخبری دی گئی ہے۔ صحیح حدیث شریف میں ہے۔ اکثرو من الصلوٰۃ علی یوم الجمعۃ و لیلۃ الجمعۃ جمعہ کے دن کو اور جمعہ کی رات کو مجھ پر زیادہ درود شریف بھیجا کرو۔ اور کچھ طریقوں سے یوں بھی آیا ہے۔ اکثروا الصلوٰۃ علی فی لیلۃ الزھراء ویوم الازھر لیلۃ الجمعۃ ویوم الجمعۃ مجھ پر روشن رات میں زیادہ درود پڑھا کرو۔ اور روشن ترین دن کو اور روشن ترین رات جمعہ کی رات اور روشن ترین دن جمعہ کا دن ہے۔ اس بارے میں کثرت کے ساتھ احادیث وارد ہوئی ہیں اور اس دن کو اور اس رات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بارگاہ میں صلوٰۃ و سلام پیش کئے جاتے ہیں۔ گو ان کی امت کا صلوٰۃ و سلام ہمیشہ آپ کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے گشت کرنے والے فرشتے پیدا کر کے انہیں مقرر فرمایا ہوا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی امت کا صلوٰۃ و سلام آنحضرت کے حضور پیش کیا کریں۔ لیکن اس دن اور رات کو تو یقینی امر ہے کہ صلوٰۃ و سلام مقام وصول اور محل قبول پر پہنچتا ہے۔ حدیث شریف میں اس طرح ہے۔ من افضل ایامکم یوم الجمعۃ فیہ خلق آدم وفیہ قبض وفیہ نفخۃ وفیہ الصعقۃ فاکثروا علی من الصلوٰۃ تمہارے ایام میں بہترین دن جمعہ کا دن ہے اسی روز آدم علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اسی روز ان کی روح کو قبض کیا گیا۔ اسی روز صور پھونکا جائے گا۔ اور قیامت بھی اسی دن ہو گی۔ اس لئے اس روز کثرت سے درود شریف مجھ پر بھیجا کرو اس لئے کہ تمہارا اور درود شریف میرے سامنے حاضر کیا جاتا ہے۔ جمعہ کے دن کثرت درود میں حکمت یہی ہے کہ یہ دن وصول و قبول اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی رضا کے حصول کا دن ہے۔ اور دنیا و آخرت میں حصول سعادت کا موجب یہ دن ہے۔ ظاہراً یہی حدیث کا بیان ہے۔

صاحب مواہب نے ابن قیم سے نقل کیا ہے کہ ان میں مناسبت کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تمام بنی نوع انسان کے سردار ہیں اور جمعہ کا دن تمام دنوں کا سردار ہے۔ (سید الایام)۔ اس لئے اس دن کو درود شریف بھیجا جانے کے ساتھ ایک قسم کی مخصوص مناسبت اور اضافت ہے۔ جو کہ کسی اور دن کو حاصل نہ ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی ایک حکمت ہے کہ امت محمدیہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو دنیا و آخرت ہر دو جہان میں جو کچھ نعمتیں اور اچھائیاں میسر ہوئی ہیں۔ وہ تمام رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے دست اقدس سے حاصل ہوئی ہیں اور سب سے اعلیٰ کرامت اس امت کو حاصل ہونے والی بروز جمعہ ہی عطا ہوتی ہے۔ آخرت کے عالم میں اس امت کو جو حور و قصور، جنت اور کرامت اور اللہ تبارک و تعالیٰ کا دیدار بھی اسی جمعہ کے دن میسر آئے گا۔ اس جمعہ کے روز کا نام آخرت میں یوم المزید ہو گا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اس روز جنت والوں کو مزید نعمتیں عطا فرمائے گا اور اپنے مقدس دیدار سے بھی مشرف فرمائے گا۔ جیسے کہ ہم باب الجمعہ میں ذکر کریں گے انشاء اللہ دنیا میں جمعہ کا روز امت کی خاطر روز عید ہے اور آخرت میں یہ دن روز مزید ہے۔ اسی دن مخلوق عالم جمع

ہوئی ہے اور رب تعالیٰ نے اس روز تمام مخلوق کی ضروریات۔ حاجات اور خواہشات کو بڑی مہربانی و شفقت کے ساتھ پورا فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ جمعہ کے روز مانگنے والے کی دعارد نہیں فرماتا ہے اس کی ہر دعا قبول کرتا ہے اور امت کو یہ تمام کچھ حاصل نہ ہو سکتا اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی معرفت امت کو ہو سکے گی سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے واسطہ وسبب اور آنحضور کے دست اقدس کے وسیلہ سے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حقوق کی ادائیگی میں نعمتوں کی حق شناسی اور سپاس گذاری کا کم از کم اور چھوٹا سا ذریعہ یہ بھی ہے کہ جمعہ کے روز آنحضرت پر جتنا زیادہ ممکن ہو سکے درود و سلام بھیجیں۔ (واللہ اعلم)۔

صلوٰۃ وسلام کے فضائل:۔ وصل:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام کے فضائل اور اس کی برکات و ثمرات اور نتائج حد بیان سے باہر ہیں۔ یعنی کہ اس میں دنیا اور آخرت کی تمام خیر و برکات داخل ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کے امتثال امراس کے فعل اور فرشتوں کے عمل کے موافق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ ان اللہ و ملائکتہ یصلون علی النبیی یا ایھا الذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما بلاشبہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں اے ایمان والو تم بھی ان پر صلوٰۃ وسلام خوب بھیجو۔ اور حدیث میں آیا ہے کہ من صل علی واحدۃ صلی اللہ علیہ عشرا جو کوئی مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجے اللہ تعالیٰ اس پر دس بار رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ کس قدر خوش اور عظیم مرتبہ و منزل والا وہ شخص ہے جس پر اللہ تعالیٰ رحمتیں اور برکتیں نازل فرماتا ہے۔

یہاں پر ایک اعتراض بھی کرتے ہیں کہ کس طرح یہ جائز ہو سکتا ہے۔ کہ آنحضرت پر تو آپ کا کوئی غلام صرف ایک بار صلوٰۃ بھیجتا ہے۔ اور اس پر اللہ تعالیٰ دس مرتبہ بھیجے۔ جواب یہ ہے کہ حدیث میں ایک عدد جو مذکور ہوا وہ بندہ کا فعل ہے۔ اور یہ جو حکم ہے من جاء بالحسنۃ فلہ عشر امثالھا جو کوئی ایک نیکی لایا اس کا بدل دس گنا ہے اس حکم کے مطابق اللہ تعالیٰ ایک کے بدلے میں دس گنا عطا کرتا ہے۔ اس میں یہ تو لازم نہیں کہ وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر ایک ہی دفعہ صلوٰۃ بھیجے۔ وہ بذاتہ مالک ہے وہ جس قدر چاہے آنحضور پر صلوٰۃ بھیجے۔ بندہ تو صلوٰۃ وسلام اور دعا کرنے پر ہی مامور ہے۔ (بندہ خود تو قدرت نہیں رکھتا۔) وہ خدا تعالیٰ سے ہی گزارش کرتا ہے کہ اے اللہ تعالیٰ میں تیرے اس حکم کی بجا آوری محض عاجز و مجبور ہوتے ہوئے تجھ ہی سے عرض کرتا ہوں کہ تو اپنے حبیب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر اپنے جلال و آنحضرت کے جمال مبارک کے مناسب اور لائق صلوٰۃ نازل فرما۔ اس لئے اللہ تعالیٰ اپنی کمال رحمت اور نہایت شفقت سے وہ کچھ بھیجتا ہے جو لائق و مناسب ہے۔ وہ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے عزت و مرتبت اور درجہ کے لائق و مناسب بھیجتا ہے۔ یہ بالکل عیاں ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی امکان ہے کہ اس کی جانب سے ایک دفعہ ہی بھیجا ہوا اور وہ اس بندہ پر بھیجے ہوئے دس کے مقابلہ میں سو ہزار درجہ کامل تر ہو کیونکہ مقدار کا کم ہونا کیفیت میں زیادہ ہونے کے منافی و مخالف نہیں ہے۔ جس طرح کہ سو ہزار پیسوں کے مقابلہ میں ایک گوہر ہوتا ہے۔

ابو طلحہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اس حال میں باہر تشریف لائے

کہ جناب کی چشمان مبارک سے خوشی و مسرت ظاہر ہو رہی تھی۔ اور آپ کا رخ انور پر مسرت تھا۔ صحابہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! حضور کے رخ تاباں پر آج خوشی اور مسرت کی لہر روشن ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جرائیل علیہ السلام آئے تھے اور انہوں نے کہا یا محمد! صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کیا آپ اس سے خوش نہیں ہوتے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ آپ کی امت سے کوئی آدمی اگر آپ پر ایک مرتبہ درود شریف بھیجتا ہے۔ تو میں اس پر دس دفعہ صلوٰۃ و سلام بھیجتا ہوں دیگر ایک روایت میں مطلقاً اس طرح ہے کہ جو بندہ آپ پر صلوٰۃ و سلام بھیجے اللہ تعالیٰ اس پر صلوٰۃ و سلام بھیجتا ہے۔ اس بندہ پر اللہ تعالیٰ اس وقت تک صلوٰۃ و سلام بھیجتا رہتا ہے۔ جب تک وہ بندہ مجھ پر بھیجتا رہتا ہے۔ لہٰذا بندہ کو یہ اختیار حاصل ہے کہ تھوڑا بھیجے یا کثرت سے بھیجے۔ ایک اور روایت میں اس طرح آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اس پر ستر گنا زیادہ صلوٰۃ بھیجتے ہیں۔ پس بندہ کم بھیجے یا زیادہ بھیجے۔

اس مقام پر بندہ مسکین (شیخ عبدالحق) خصہ اللہ . بمزید الحق عرض کرتا ہے کہ ستر کے عدد میں بھی یہ منحصر نہیں ہو سکتا کیونکہ مراتب میں بہت اضافہ ہے۔ سات سو تک آیا ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر زیادہ آیا ہے۔ یہ اضافہ اور زیادتی بر بنائے مقدار تقویٰ محبت اور خلوص ہے اور کمی بیشی میں اختیار عطا کرنے میں بھی ایک گونہ تنبیہہ اور تہدید پائی جاتی ہے کیونکہ مخیر بہ میں وجود خیر بتا دینا اور پھر اس کے حصول کی کوشش میں کمی و بیشی پر اختیار دینا گویا کہ کوتاہی پر ڈرانے پر متضمن ہوتا ہے۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے ترمذی شریف میں روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میری خواہش ہے کہ میں آپ پر درود شریف بھیجوں۔ اپنے حق میں دعا کرنے کے مقابلہ میں جناب والا پر کتنی مقدار میں بھیجوں۔ فرمایا جتنا تم چاہو۔ میں نے عرض کیا کہ ایک چوتھائی فرمایا جتنا تم چاہو۔ اگر زیادہ کر لو تو تمہارے لئے مزید بہتر ہے عرض کیا نصف؟ فرمایا جتنا چاہو۔ اور اگر زیادہ کرو تو تمہارے لئے مزید بہتر ہے عرض کیا دو تہائی؟ فرمایا جتنا چاہو اور اگر زیادہ کرو تو تمہارے لئے اور بہتر ہے۔ عرض کیا تو پھر میں اپنی تمام دعا کے بدلے آپ پر درود ہی بھیجا کروں گا۔ فرمایا۔ اذا یکفی همتک و یعف ذنبک تب تو تم نے اپنی ہمت کو پورا کرا لیا اور گناہوں کو معاف کرا لیا۔

دیگر ایک حدیث میں روایت ہے کہ جو شخص ایک بار مجھ پر درود بھیجے گا اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا۔ اس کے دس گناہ مٹائے گا اور دس درجے اس کے بلند فرمائے گا یہ دس گناہوں کا محو کیا جانا اور دس درجات کا بلند کیا جانا درود شریف کے عمل کے اجر اور ثواب کے ساتھ ہی خصوصاً ہے۔ اس کے علاوہ دیگر اعمال میں یہ زیادتی اور اضافہ نہیں۔ اس لئے کہ ایک کا بدلہ اس سے دس گنا تو ہو گا ہی لیکن گناہوں کا مٹایا جانا اور درجات کا بلند کیا جانا نہیں ہے حدیث پاک میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص یہ کہے۔ اللھم صل علی سیدنا محمد و انزله منزل المقرب وفی روایة المقعد المقرب عندک یوم القیامة وجبت له شفاعتی اے اللہ تعالیٰ! صلوٰۃ نازل فرما ہمارے سردار محمد پر اور ان کو مقام قرب پر سرفراز فرما دے جو کہ تیرے نزدیک قیامت کے روز ہے۔ تو اس کے لئے

میری شفاعت واجب ہو گئی۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ روز قیامت میرے قریب تر وہ لوگ ہوں گے جو مجھ پر درود بھیجتے ہیں۔ دیگر حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن کو اس کی شدت و دہشت سے نجات پانے والے تم میں سے زیادہ وہی لوگ ہوں گے جو مجھ پر درود شریف بھیجتے ہیں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام بھیجنا گناہوں کے مٹائے جانے اور ان سے پاک کئے جانے میں آتش کو ٹھنڈے پانی سے بجھانے کے مقابلہ میں زیادہ موثر اور کار آمد ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر سلام عرض کرنا بہ نسبت غلاموں کو آزاد کرنے کے زیادہ فضیلت والا عمل ہے۔ اس مقام پر یہ نکتہ ہے کہ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام بھیجنے سے درود بھیجنے والے پر نزول رحمت واجبی حکم آتا ہے تو بالکل عیاں ہو جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام بھیجنے میں کمیت مقدار اور کیفیت میں جس قدر بھی اضافہ ہو گا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے اس پر اسی قدر فیضان اور نزول رحمت ہو گا لیکن ہو گا اس کے حال کے لائق اور مناسب۔ کما لا یخفی الغرض جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام بھیجنا منبع انوار و برکات اور تمام ابواب خیرات و سعادت کا مفتاح ہے اس باب میں چونکہ اہل سلوک لوگ بہت زیادہ شغف رکھتے ہیں اس لئے وہ فتح عظیم کے مستوجب ہوئے ہیں اور مواہب ربانیہ کے مستحق بھی ہوئے ہیں۔ کچھ مشائخ کرام رحمہم اللہ نے فرمایا ہے کہ جب تربیت کرنے کے لئے کوئی کامل شیخ اور اکمل مرشد نہ ہو تو اس شخص کو چاہیے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر درود و سلام بھیجنا اپنے اوپر لازم کرے یہ وہ طریقہ ہے کہ اس سے طالب واصل بحق ہو جاتا ہے یہی درود و سلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی جانب توجہ کرنے سے آداب نبوی باحسن طریق اور اخلاق جمیلہ محمدیہ سے اس شخص کی تربیت پوری کر دے گا۔

کچھ مشائخ وصیت فرماتے ہیں کہ سورۃ اخلاص یعنی قل ھو اللہ احد پڑھا کرے اور سید عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر کثرت کے ساتھ درود شریف بھیجا کرے۔ اور وہ فرماتے ہیں کہ قل ھو اللہ احد کی قرائت اللہ تعالیٰ کی معرفت کرا دیتی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام کی کثرت سے آنحضور کی صحبت و معیت سے سرفرازی ہوتی ہے اور جو شخص بھی کثرت کے ساتھ آنحضرت پر درود شریف بھیجے گا اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی زیارت ہو گی۔ جس طرح کہ شیخ امام علی متقی الحکم الکبیر میں شیخ احمد بن موسیٰ المشروع سے نقل کرتے ہیں۔

بعض متاخرین شاذلیہ مشائخ قدست اسرارھم نے فرمایا ہے کہ جس وقت پر اولیاء اللہ مفقود ہوں تو اس وقت برائے حصول طریق سلوک اور قرب الٰہی اور تحصیل معرفت کے لئے ظاہر شریعت پر التزام کے ساتھ عمل پیرا ہونا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ذکر اور ان پر درود کی کثرت کو باقاعدہ لازم کرنا مرشد متصرف کا کام کرتا ہے۔ درود شریف کی کثرت سے باطن کے اندر ایک ایسا نور پیدا ہوتا ہے جو سلوک کی منزلیں طے کروا دیتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بارگاہ مقدسہ سے بلا واسطہ فیض و اعانت اور مدد میسر ہو جاتی ہے۔

کچھ مشائخ توسل اور استمداد کے پیش نظر درود شریف کو ذکر پر ترجیح اور فضیلت کے قائل ہیں۔ گو ذکر بھی اپنے مقام پر شرف و فضل رکھتا ہے۔ اور شاذلیہ طریقہ کا خلاصہ جو طریقہ قادریہ کی شاخ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بارگاہ عالیہ سے استفاضہ ہے۔ اور اس کا حصول رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ہاں خود سپردگی کے لزوم اور حضوری دوام کے باعث و طفیل سے ہے۔

شیخ اجل قطب وقت عبدالوہاب متقی رحمتہ اللہ علیہ و نفعنا ببرکتہ و برکات علومہ کا قول ہے کہ جب صلوٰۃ و سلام پڑھیں تو جاننا چاہیے کہ فضل اور رحمت کے کس کس دریا میں تیر رہا ہے اور کس کس جگہ پر غوطے لگا رہا ہے۔ جب اللھم کہا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کے دریا میں داخلہ ہو جاتا ہے۔ نیز فرمایا ہے کہ حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ بندہ جس وقت اللھم پکارتا ہے گویا کہ وہ تمام اسمائے الٰہی کو یاد کر لیتا ہے۔ اور صل اعلی سیدنا محمد کہتے وقت وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سید عالم کے فضل و کرم کے دریا میں غوطے لگانا شروع کر دیتا ہے۔ اور اس کے بعد جب وہ علی الہ و اصحابہ کہتا ہے تو ان کے فضائل و کملات کے دریا میں مستغرق ہو جاتا ہے۔ ان نامتناہی سمندروں میں شناوری و غوطہ زنی کے بعد وہاں سے محروم و مایوس نکل کر آنا ناممکن ہے اس فقیر کو (شیخ عبدالحق کو) حضرت شیخ عبدالوہاب متقی رحمتہ اللہ علیہ نے جس وقت مدینہ منورہ شریف کی جانب سفر کے لئے روانہ فرمایا تو ساتھ ہی فرمایا کہ یاد رکھنا کہ اس سفر کے دوران فرائض کی ادائیگی کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں صلوٰۃ و سلام بھیجنے سے افضل تر کوئی دوسری عبادت نہیں ہے جب میں نے ان سے اس کی تعداد پوچھی تو انہوں نے ارشاد فرمایا کہ یہاں پر کوئی تعداد معین نہیں ہے۔ جتنا زیادہ بن پڑے اتنا ہی پڑھو۔ اس کے ساتھ رطب اللسان رہیں۔ اور اسی کے رنگ میں رنگ جاؤ۔ اس وقت کے علاوہ دوسرے اوقات میں وہ تلقین کیا کرتے تھے کہ ہر روز باقاعدہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر ہزار سے کم مرتبہ درود شریف متعین نہ کرنا چاہیے۔ اور اگر اس قدر نہ ہو سکے تو پانچ صد بار تو لازم ہونا چاہیے۔ یعنی کہ ہر نماز کے بعد ایک سو بار اور اپنے لئے تو وہ تین صد بار سے کم بالکل نہ تجویز کرتے تھے۔ اور شب کو سونے سے قبل بھی اپنا وقت صلوٰۃ و سلام سے خالی نہ رکھیں۔

صلوٰۃ و سلام کے عظیم فوائد اور جلیل مطالب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ امت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں رسائی حاصل ہو جاتی ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس وقت مجھ پر کوئی شخص سلام بھیجتا ہے۔ اللہ تعالیٰ میری روح کو میری طرف لوٹا دیتا ہے۔ اور میں اس شخص کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی دیگر ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا جو شخص میری قبر کے سامنے مجھ پر صلوٰۃ و سلام بھیجتا ہے اس کو میں بذات خود سنتا ہوں۔ اور دور سے جو مجھ پر درود شریف بھیجے وہ میرے حضور پہنچا دیا جاتا ہے۔ مراد یہ کہ اس کو لے کر فرشتے میری خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس میں ہرگز کوئی شک و شبہ نہیں کہ

اللہ تعالیٰ نے زمین پر گھومنے والے فرشتوں کو متعین فرمایا ہے وہ میرے حضور میں امت کا سلام لاتے ہیں اور پیش کرتے ہیں۔ کچھ روایات میں آیا ہے کہ وہ فرشتے اس کا اور اس کے باپ کا نام بھی بتاتے ہیں اور کہتے ہیں یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فلاں شخص ولد فلاں شخص مثال کے طور پر کمترین بندگان عبدالحق بن سیف الدین دہلی کا باشندہ جناب کے دربار شریف میں سلام عرض کرتا ہے۔ ازاں بعد ملائکہ سلام عرض کردیتے ہیں۔ بیت

۔ لک البشارة فاخلع ما علیک ذکرت ثمه علی ما فیک من عوج

بیت

۔ جاں میدہم در آرزوای قاصد آخر بازگو در مجلس آن نازنین حرفے کہ ازما میرود

درود سلام کے عظیم فائدوں سے ایک یہ ہے کہ درود خواں کے دل میں محاسن نبویہ مستحضر ہوتے ہیں اور درود خواں کی آنکھوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خیالی صورت مبارک متمثل ہوتی ہے اس لئے کہ کثرت درود شریف کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی توجہ سے یہ لازمی امر ہے۔ شعر

۔ لو شق عن قلبی ترامی فی وسطه ذکرک فی سطر والتوحید فی سطر

اگر آپ میرے قلب کو چیریں اور ملاحظہ فرمائیں تو اس کے اندر ایک سطر میں آپ کا ذکر مبارک ہوگا اور ایک سطر میں توحید الٰہی ہوگی۔

صلوٰۃ و سلام کے عظیم فائدوں میں سے یہ ہے کہ اس کا اجر و ثواب دس غلام آزاد کرنے یا کرانے اور دس فی سبیل اللہ جہادوں میں شامل ہونے کے برابر ہے اور یہ فائدہ ہے کہ اس کے ساتھ دعا قبول بدرگاہ الٰہی ہوتی ہے۔ سید الانبیا شافع محشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت اور آنحضرت کی شہادت مبارک اور آنحضور کا قرب میسر آجاتا ہے۔ جنت کا دروازہ کھلوانے کی خاطر اپنے ہاتھ مبارک کو تکلیف دینا۔ آنحضرت کے ساتھ دوسروں سے پہلے قیامت کے روز جنت میں داخل ہونا اس روز کی سب شدتوں اور سختیوں میں آنحضرت کا متکفل ہونا۔ سب مہموں اور قضایا میں رسالت مآب کی طرف سے کفالت حاصل ہونا۔ تمام حوائج میں اور گناہوں کی بخشش کے لئے آنحضرت کا کوشاں ہونا۔ سب کوتاہیوں اور غلط کاریوں کو مٹانا یہ تمام کچھ صلوٰۃ و سلام کی برکات سے ہے بعض یہ بھی صلوٰۃ و سلام کے فوائد ہی میں سے بتاتے ہیں کہ فرائض میں ہونے والی کوتاہیوں کا کفارہ ہو جاتا ہے اور قائم مقام صدقہ ہو جاتا ہے۔ بلکہ اس سے بھی افضل و اعلیٰ ہوتا ہے صلی اللہ علیہ والہ وسلم۔ تکالیف کا دفعیہ۔ امراض سے شفاء۔ خوف و خطرات اور بھوک و افلاس کا دور ہو جانا۔ تہمتوں سے برائت کا حصول اور پاک ہو جانا۔ فتح بر دشمناں۔ اللہ تعالیٰ کی رضا اور محبت کا حصول۔ بندہ کی صلوٰۃ اللہ رب العزت کی صلوٰۃ اور ملائکہ کی صلوٰۃ سے مل جانا۔ مال میں اضافہ اور پاکیزگی ہونا۔ ذاتی طہارت۔ قلب کی صفائی۔ فارغ البالی حاصل ہونا۔ جملہ امور میں برکات شامل ہو جانا یہاں تک کہ اموال و اسباب اولاد در اولاد تا چہار پشت برکات حاصل ہو جاتی ہے۔ یہ تمام فوائد درود شریف سے

حاصل ہوتے ہیں۔ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم۔

فائدہ:۔ قیامت کی ہولناکیوں سے چھٹکارا پانا۔ سکرات موت میں آسانی۔ دنیا کی ہلاکتوں سے نجات ملنا زمانہ کی تنگیوں اور تکلیفوں سے نجات جو اشیاء بھول جائیں ان کا یاد آنا۔ احتیاج و فقر سے چھٹکارا۔ ظلم و ستم اور جفا و بخل سے حفاظت حاصل ہو جانا۔ ناک گرد آلود ہونے کی بددعا سے حفاظت مجلس کا ماحول پاکیزہ و خوشبودار ہو جانا۔ رحمتوں کا چھانا صراط سے گزرنے کے دوران نور کا چمکنا اور ثابت قدم رہنا اور آنکھ جھپکنے کے اندر اندر صراط عبور کر جانا۔ دل میں مسلمان سے محبت پیدا ہو جانا۔ آنحضور رسول پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی محبت کا دل میں خوب مضبوط ہونا۔ ملائکہ کا محبت کرنا اور ان کا اسے مرحبا کہنا چاندی کے بنے ہوئے کاغذ پر سونے کے قلم سے اس کے صلوٰۃ و سلام کو تحریر کیا جانا۔ اس کے حق میں خیر کی زیادتی کے لئے ملائکہ کا دعا کرنا اور اس کے حق میں استغفار کرنا درود شریف کے یہ بڑے بڑے فائدے ہیں اور اہم ترین اعظم بات یہ ہے کہ سلام کا جواب آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طرف سے ملنے کا شرف حاصل ہوتا ہے۔ اس لئے کہ استمراری سنت ہے اور لازم شدہ فرض۔ ایک شخص کے لئے اس سے بڑھ کر سعادتمندی اور کونسی ممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طرف سے سلامتی اور خیر کی دعا نصیب ہوتی ہے۔ آدمی کی ساری عمر کے دوران ایک دفعہ یہ سعادت مل جائے تو ہزاروں کرامات اور ناقابل شمار برکات کا موجب ہے۔ بیت۔

؎ بہر سلام مکن رنجہ درجواب آں لب که صد سلام مرابس یکے جواب از تو

بہت سے ایسے اشخاص بھی پائے جاتے ہیں جنہوں نے اپنی طرف سے سلام عرض کرنے سے قبل ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا سلام پالیا ہے۔ اس لئے کہ یہ حضور کی عادت تھی کہ کان یبادر بالسلام جب سلام عرض کیا تو اس کے بعد انہیں سلام کا جواب حاصل ہوا۔ اور پھر آنحضرت نے خود بھی اپنی طرف سے سلام سے مشرف فرمایا۔ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم۔

فائدہ:۔ یہ بھی آنحضرت پر صلوٰۃ و سلام بھیجنے کے فائدوں میں سے ہے کہ تین دن تک کراماً کاتبین اس کے گناہ درج کرنے سے رکے رہتے ہیں (شاید کہ وہ توبہ ہی کرلے) اور دوسرے لوگوں کو وہ اس کی عیب چینی سے روکے رکھتے ہیں۔ قیامت کے دن وہ شخص جو صلوٰۃ و سلام پڑھتا ہے عرش الٰہی کے سایہ میں رہے گا۔ اور ترازو میں نیک اعمال کا پلڑا درود شریف کے باعث بھاری ہو جائے گا۔ وہ اس دن پیاس سے بھی حفاظت میں ہو گا۔ جنت کے اندر کثرت سے اس کو بیبیاں عطا ہوں گی اس دنیا کے معاملات میں اور آخرت کے امور میں ہدایت حاصل ہو گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر درود شریف پڑھیں تو اس میں ذکر الٰہی بھی ہوتا ہے درود شریف کی وجہ سے بے پایاں اور وافر نعمتیں عطا ہوتی ہیں۔ فاکہی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ کے اندر یہ تمام آداب زیارت میں شمار کی ہیں۔ اور جذب القلوب میں بھی اس رسالہ سے ہی نقل کی گئی ہیں۔ اور یہاں بھی اسی جگہ سے منقول ہیں۔ اس رسالہ میں ان کے علاوہ بھی حکائتیں اور فوائد ذکر کئے گئے ہیں

یہاں ان کے لئے تحریر کی گنجائش نہیں ہے ایک حکایت ان میں سے یہ بھی ہے جو کہ شیخ احمد بن ابی بکر محمد رواد صوفی اور محدث سے شیخ مجد الدین فیروز آبادی نے اپنی کتاب کے اندر ان سندوں کے ساتھ جو شیخ صاحب کو میسر ہوئی تھیں درج کی ہے۔ ہم وہ یہاں بیان کرتے ہیں تاکہ حق کا طالب اس کو ورد بنا سکے۔ ایک روز شبلی رحمتہ اللہ علیہ حضرت ابو بکر مجاہد کے ہاں تشریف لے گئے۔ یہ صاحب اپنے دور کے امام اور وقت کے علماء سے تھے ابو بکر کھڑے ہو گئے اور ان کا احترام و اکرام بجا لائے۔ ان سے معانقہ کیا اور دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا۔ جو لوگ اس وقت وہاں حاضر تھے کہنے لگے۔ یا سیدی! آپ اس قدر احترام و عزت شبلی کی کرتے ہیں جبکہ آپ بھی اور بغداد کے تمام لوگ بھی انہیں مجنون کہتے ہیں حضرت ابو بکر نے جواب دیا کہ میں اپنے طور پر ہی یہ نہیں کرتا ہوں بلکہ میں نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو جس طرح فرماتے ہوئے مشاہدہ کیا ہے اس طور میں نے یہ کہا ہے اسی لئے کہ جب شبلی بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں تشریف لائے تو آنحضرت کھڑے ہو گئے تھے۔ معانقہ فرمانے کے بعد دونوں آنکھوں کے درمیان میں آپ نے بوسہ بھی دیا تھا۔ تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ شبلی کے ساتھ اس قسم کا سلوک فرما رہے ہیں تو آنحضور نے ارشاد فرمایا کہ ہاں۔ یہ شبلی نماز ادا کرنے کے بعد یہ آیت پڑھا کرتے ہیں۔ لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم اور بعد ازاں مجھ پر وہ درود شریف پڑھتے ہیں۔

جو حضرات حرمین شریف میں محافل میلاد مبارک کا انعقاد کرتے اور میلاد شریف کا ذکر و بیان کرنے کا معمول رکھتے ہیں ان کا درود شریف سے قبل اس آیت کو پڑھنا معمول ہے۔ وہ حضرات اس آیت کے بعد ان اللہ و ملائکتہ یصلون علی النبی پڑھا کرتے ہیں۔ پھر وہ اس حکم کو بجا لانے کے لئے پڑھتے ہیں۔ اللھم صل علی سیدنا محمد و علی آلہ وسلم

درود شریف کے ترک پر وعید:۔ اس میں ہرگز شبہ نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر درود شریف پڑھنے کے فائدے اور فضیلتیں اور پڑھنے والے کی تعریف و توصیف حدیثوں میں بیان ہوئی ہے درود شریف کے تارک کو بھی اس کے مقابلہ میں اسی قدر مذمت۔ قباحت اور اس پر عقاب اور مضرت ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ کسی عمل کا جتنا زیادہ ثواب اور فضیلت بلند و کامل تر ہوتی ہے اسی قدر اس کا ترک بھی قباحت آمیز اور مذموم تر ہوتا ہے۔ اس پر شدید تر اور قوی تر عقاب ہوتا ہے۔ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔ ان البخیل کل البخیل بے شک تمام بخیلوں میں سے بدترین بخیل یہ ہے۔ ایک روایت میں اس طرح ہے البخیل من ذکرت عندہ فلم یصل علی عرف عام میں بخیل اس کو کہا جاتا ہے جو مال کو خرچ کرنے اور استعمال کرنے میں کنجوسی کرتا ہے۔ لیکن بدترین بخیل وہ ہے جس کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ذکر شریف کیا جائے اور وہ ان پر درود شریف نہ پڑھے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی محبت میں اور نعمتوں کے شکر میں اتنا سا وقت بھی خرچ نہ کرے۔ اپنی زبان استعمال میں

نہ لائے۔ اس لئے کہ اس کا اجر اور ثواب مال خرچ کرنے اور غلاموں کو آزاد کرنے سے عظیم تر اور وافر تر ہے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ اپنے والد صاحب امام محمد باقر سلام اللہ علیہما وصل آبائہما العظام ولولا دھما الکرام سے روایت کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے بے شک اور بالیقین وہ جنت کا راستہ بھول گیا۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ ابوالقاسم سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔ جس نے مجھ پر درود شریف پڑھنا بھلا دیا۔ اس نے جنت کا راستہ بھلا دیا۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ کہ جب میرا ذکر کسی کے سامنے کیا جاتا ہے اور وہ مجھ پر درود شریف نہیں پڑھتا۔ بے شک وہ مجھ پر ظلم اور جفا کرتا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایک مجلس بیٹھی اور پھر وہ اٹھ گئی اور اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود شریف نہ پڑھا۔ وہ مجلس اس طرح کی ہے۔ جس طرح کہ مردار سے زیادہ گندی کسی مجلس میں بیٹھے ہوں۔ اور پھر وہ منتشر ہو گئے ہوں۔ (نعوذ باللہ تعالیٰ من ذالک)

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔ ایک گروہ مجلس میں بیٹھا اور اس مجلس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود شریف نہ بھیجا۔ قیامت کے دن اس مجلس پر حسرت اور محرومی ہو گی۔ اگرچہ وہ جنت میں ہی داخل ہوں مراد یہ کہ خواہ اور نیک اعمال کے باعث جنت میں ہی داخل ہو جائیں اور اپنے ایمان اور عمل کا ثواب بھی ان کو مل جائے۔ پھر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود شریف پڑھنے کے بہت بڑے ثواب سے محرومی کے باعث وہ حسرت ویاس کے ہاتھ ملیں گے کہ انہوں نے یہ عظیم اجر وثواب کیوں نہ حاصل کر لیا۔

دیگر ایک حدیث میں یوں ہے کہ ذکر الٰہی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام دونوں کا حصول ہو جاتا ہے۔

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ ذلیل ہے وہ شخص جس کے آگے میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود شریف نہ بھیجے اور وہ شخص رسوا ہے جس کو رمضان المبارک کا مہینہ ملا اور اس شخص کو بخشوانے کے بغیر ہی گزر گیا۔ مراد یہ کہ رمضان شریف کا مہینہ پالے تو اس طرح کے کام کرے جن سے اس کی بخشش ہو جائے۔ کیوں کہ یہ دن غنیمت ہوتے ہیں اور بخشش کا موسم ہوتا ہے اور فرمایا کہ اس کو بھی رسوائی ہو جس نے اپنے دونوں ماں باپ کو پایا یا دونوں میں سے کسی ایک کو پایا اور اس کو وہ جنت میں داخل نہ کرا سکے۔ اس سے یہ مراد ہے کہ وہ ان کی حرمت کرنے ان کو ہر طرح سے راضی و خوش رکھے بالخصوص ان کے بڑھاپے میں اور اس طرح وہ جنت میں داخلے کا حقدار بن جائے۔

دیگر ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر تشریف آور ہوئے اور آپ منبر پر چڑھے۔ منبر پر قدم رکھتے ہوئے فرمایا آمین۔ پھر دوسرا قدم رکھا اور فرمایا آمین معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ الفاظ کہنے کا موجب کیا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جبریل آئے اور کہا یا رسول اللہ! جس کے آگے

جناب والا کا نام لیا جائے اور وہ آپ پر درود شریف نہ پڑھے اور وہ مرجائے تو اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ واصل کرے گا۔ اور اپنے قرب و رحمت سے اسے دور رکھے گا آپ اس پر آمین فرمائیں۔ لہٰذا میں نے آمین کہا۔ جبریل نے اسی طرح اس کے متعلق بھی کہا جس نے ماہ رمضان کو پالیا۔ اور اس شخص کے والدین کے باعث اس کا کوئی نیک عمل قبول نہ ہوا۔

حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ جو شخص کسی مجلس میں بیٹھے اور وہ صلوٰۃ و سلام آنحضرت پر بھیجے۔ اس مجلس کے دوران جو گناہ اس سے سرزد ہوگا وہ بخش دیا جائے گا۔

تنبیہہ:۔ یہ نہ خیال کریں کہ مجلس میں ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مطلب صرف آپ کا نام لینا ہی ہے آپ کے نام مبارک کے ذکر میں آنحضور کے تمام اوصاف و احوال شامل ہیں۔ گو آپ کا اسم گرامی پوری تصریح سے نہ بھی لیا جائے اور گو علماء نے آپ کے اسم شریف کے تذکرہ کا مسئلہ وضع کیا ہوا ہے۔ یہ بات توبین اور عیاں ہے۔ (وباللہ التوفیق)

آنحضور صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے علاوہ کسی اور پر صلوٰۃ کے بارے میں اختلاف

حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور جملہ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کسی اور پر صلوٰۃ کے لفظ کے استعمال و اطلاق پر علماء میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ علماء کی تمام بحثوں سے تین قول ثابت ہوتے ہیں۔ علماء کی ایک جماعت اس مذہب پر ہے کہ سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی دیگر شخصیت کے لئے صلوٰۃ کے لفظ کا اطلاق جائز نہیں کتاب الشفاء میں یوں ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صلوٰۃ سوائے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی اور پر جائز نہیں مواہب لدنیہ میں یوں ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ثابت ہو چکی ہے ابن شیبہ از طریق عثمان از عکرمہ از ابن عباس روایت کرتے ہیں کہ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میری دانست میں نہیں ہے کہ کوئی بھی صلوٰۃ کا مستحق یا لائق ہو سوائے سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے۔ اس کی سند صحیح ہے۔

امام مالک رحمتہ اللہ سے بھی نقل کیا گیا ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوائے کسی ایک نبی پر بھی صلوٰۃ بھیجنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ سے بھی اسی طرح ہی نقل ہے لیکن علماء کا قول ہے کہ مشہور اس طرح ہے کہ امام مالک رحمتہ اللہ علیہ یہ مذہب نہیں رکھتے۔ بلکہ مبسوط میں ان کا یہ قول ہے کہ غیر نبی پر میں صلوٰۃ کو مکروہ سمجھتا ہوں۔ اور کہتے ہیں کہ ہمیں ہرگز کوئی حق نہیں اور نہ ہی ہم اس کے لائق ہیں کہ ہم اس چیز سے تجاوز کریں جس کا ہم کو حکم ہوا ہے اس باب سے متعلق دوسرا قول اس طرح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ صلوٰۃ کے لفظ کو تخصیص نہیں ہے۔ کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ فرمایا۔ صلوا علی الانبیاء قبلی فان اللہ بعثھم کما بعثنی مجھ سے قبل کے انبیاء پر بھی صلوٰۃ بھیجو اس لئے کہ بے شک اللہ نے ان کو بھی مبعوث فرمایا جس طرح کہ میں مبعوث فرمایا گیا۔ پس صلوٰۃ کا لفظ مخصوص ہے انبیاء کے ساتھ۔ اور انبیاء کے علاوہ وہ کسی کے لئے جائز نہ ہے۔ اس طرح سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ سے نقل کیا گیا ہے دیگر ایک روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس طرح روایت ہوا ہے

کہ فرمایا۔ لا ینبغی الصلوٰۃ علی احد الا النبیین سوائے انبیاء کے کسی دوسرے پر صلوٰۃ بھیجنے کا حق کسی کو نہیں ہے۔

علماء کی دوسری جماعت کا یہ قول ہے کہ صلوٰۃ کے معانی ہیں ترحم۔ یعنی اللہ رب العزت سے اس کی رحمت طلب کرنا اور اس سے دعا کرنا کہ اپنے بندہ پر وہ رحمت نازل فرمائے۔ اور یہ مطلقاً ہے۔ اس کے اطلاق کی ممانعت کے بارے میں کسی صحیح حدیث یا قطعی اجماع کی صورت میں ثبوت موجود نہیں بے شک اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مخاطب فرمایا ہے کہ ھو الذی یصلی علیکم و ملئکتہ وہ اللہ تعالیٰ تم پر صلوٰۃ بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے بھی۔ اور اللہ تعالیٰ نے صابرین کے حق میں فرمایا ہے۔ لولئک علیہم صلوت من ربہم و رحمۃ یہ وہی لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے صلوٰۃ اور رحمت ہے اللہ تعالیٰ نے صدقہ دینے والے مسلمانوں کے بارے میں فرمایا ہے۔ خذ من اموالھم صدقۃ تطھرھم و تزکیھم بھا و صل علیھم مسلمانوں کے مال سے صدقہ قبول فرمائیں اور اس کے ذریعہ ان کو پاک اور ستھرا کریں۔ اور ان پر صلوٰۃ بھیجیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں جب مسلمان صدقہ کے مال کے ساتھ حاضر آتے تھے تو آپ وہ مال صدقہ لے لیتے تھے اور ان پر صلوٰۃ بھیجا کرتے تھے حدیث میں اس طرح ہے۔ اللھم صل علی آل ابی اوفی و صل علی فلان و علی فلان اے اللہ ابو اوفی کی آل پر صلوٰۃ بھیج۔ اور فلاں پر اور فلاں پر۔ دیگر ایک حدیث میں آیا ہے۔ اللھم صل علی عمرو ابن العاص اے اللہ تعالیٰ عمرو بن العاص پر صلوٰۃ بھیج اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ وہ صدقہ خوب لاتے ہیں۔ دیگر ایک حدیث ہے اس میں آنحضرت نے یہ تعلیم و تلقین فرمادی ہے کہ صلوٰۃ بھیجا کرو۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما پر صلوٰۃ بھیجتے تھے امام مالک نے اس کا ذکر موطا میں کیا ہے ابن وہب نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ کہ انہوں نے فرمایا کہ اپنے وہ ساتھی جو غائب تھے ان کے لئے ہم لوگ دعا اس طریقے سے کرتے تھے۔ الھم اجعل منک علی فلان و علی فلان صلوٰۃ قوم ابرار الذین یقیمون بالیل و یصومون بالنہار اے ہمارے اللہ تعالیٰ۔ اپنی طرف سے فلاں شخص پر ان نیک صالح لوگوں کی طرح صلوٰۃ بھیج جو رات کے وقت قیام میں ہوتے تھے اور دن کو روزہ سے۔

قاضی عیاض رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جو کچھ اہل تحقیق علماء نے کہا ہے اور جو کچھ مواہب لدینہ میں تحریر ہے اور جمہور علماء کرام کا مذہب مختار جو کچھ ہے اور فقہاء اور اہل کلام کی اکثریت جس بات پر متفق ہے وہ یہی ہے کہ غیر نبی پر اکیلے پر اور مستقل طور پر صلوٰۃ بھیجنا ناجائز ہے بلکہ یہ تو انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہے صلوٰۃ انبیاء کی تعظیم و توقیر کے اعتبار ان کی شعار اور نشانی مقرر شدہ ہے پس اس طرح نہ کہنا چاہیے۔ حضرت ابوبکر صلی اللہ علیہ و آلہ وسم یا علی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم۔ گویا یہ معانی کے اعتبار سے صحیح ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ تنزیہ و تقدیس کی تخصیص ہے اور اس طرح نہ کہا جائے قال محمد عزوجل گو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم معانی کے اعتبار سے عزیز اور جلیل ہیں۔ اسی طریق پر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور سب انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ہی صلوٰۃ و سلام کا مخصوص ہونا واجب ہے۔ کسی دیگر شخصیت کو ان کے ساتھ صلوٰۃ میں شریک نہ کرنا چاہیے۔ قرآن پاک میں اور حدیث شریف میں صلوٰۃ کے لفظ کا جو

استعمال ہوا ہے۔ وہ دعا کے معانی پر ہے اور اشعار اور علامت کے طور پر نہیں ہے۔ پس آل ابی اوفی یا کسی اور کے واسطے صلوٰۃ کا لفظ شعار بنانا جائز نہیں ہے اور نہ ہی ان پر ان کے ذکر کے موقع پر صلوٰۃ بھیجنا جائز ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ ائمہ کرام اور علمائے عظام کو رغفران اور رضوان کے الفاظ سے ذکر میں لایا جائے۔ جس طرح کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد میں بھی ہے۔ ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان اے ہمارے رب تعالیٰ ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ایمان میں ہم سے سبقت لے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہیں۔

علماء نے فرمایا ہے کہ شروع میں یہ روش معروف اور جاری نہ تھی۔ چند بدعتیوں نے بعد میں یہ ایجاد کی تھی۔ اور ان لوگوں نے اپنے کچھ اماموں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ برابر شریک اور مساوی گردانا۔ اس لئے ان لوگوں کے اس طریقہ سے پرہیز اور گریز واجب ہے۔ آل' ازواج کا ذکر تبعیت اور اضافت کے اعتبار سے ہے۔ نہ کہ استبداء اور اصالت کے طور پر۔ اگر تبعیت اور اضافت کے طور پر ذکر کریں تو اس میں کس کو کوئی اختلاف نہ ہے۔ اس میں شک نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ لا تجعلو دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضا رسول کی دعا کو آپس میں ایک دوسرے کی دعا کی طرح نہ بناؤ۔ پس یہ واجب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے لئے دعا عام لوگوں کی دعا سے ممتاز و منفرد ہو اور سلام کے بارے میں بھی یہ ہی بحث ہے۔

شیخ ابو محمد جوینی امام الحرمین کے والد ہیں وہ فرماتے ہیں سلام ۔ بمعنی صلوٰۃ ہے اس لئے اس کو غائب میں استعمال نہ کیا جائے۔ اور صرف غیر نبی کے واسطے استعمال نہ ہو گا سوائے بصیغہ حاضر کے۔ اور یوں کہا جا سکتا ہے۔ سلام علیکم۔ و علیکم السلام اور وہ فرماتے ہیں کہ یہ اجماعی مسئلہ ہے۔ نیز یہ فرماتے ہیں کہ یہی طریقہ احتیاط اور آداب نبوت کے لحاظ سے اسلم اور اقرب ہے۔ مواہب لدینہ میں فرمایا گیا ہے کہ جو علماء غیر نبی پر صلوٰۃ و سلام ممنوع قرار دیتے ہیں ان کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ حرام ہے یا کہ مکروہ تنزیہی یا کہ یہ خلاف اولیٰ سے ہے۔ یعنی کہ حکم میں تین قسم کے اقوال ہیں۔ یہ امام نووی نے کتاب اذکار میں نقل کئے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ صحیح تو یہ ہی ہے کہ یہ مکروہ ہے تنزیہی کراہت کے ساتھ۔ کیونکہ یہ طریقہ و شعار اہل بدعت کا ہے۔ واللہ اعلم۔

تنبیہہ :- یہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہ بحث صدر اول میں ہرگز موجود نہ تھی جملہ اہل اسلام صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر ہی صلوٰۃ و سلام کے ساتھ مامور تھے اور وہ مسلمان دوسرے انبیاء علیہم السلام پر صلوٰۃ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اس حکم کی مطابقت میں بھیجا کرتے تھے۔ صلوا علی الانبیاء قبلی فان اللہ بعثھم کما بعثنی مجھ سے قبل کے انبیاء پر صلوٰۃ و سلام بھیجو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی اسی طرح مبعوث فرمایا جس طرح کہ میں مبعوث فرمایا گیا۔ اس مسئلہ میں شیعہ لوگ خواہ رافضی ہوں یا تفضیلی ہوں مخالف راہ اختیار کئے ہوئے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے اہل بیت نبوت پر اصالتاً صلوٰۃ و سلام بھیجنا شروع کر دیا ہے۔ جبکہ جائز صرف تبعیت کے لحاظ سے ہے۔ اور کتب متقدمین میں اہل

بیت کے ساتھ سلام کی نسبت اس طریق پر دیکھی گئی ہے۔ کہ اہل بیت میں ازواج مطہرات بھی شامل ہوں۔ واللہ اعلم۔

متاخرین میں کچھ اور اصطلاحات بھی ظہور میں آچکی ہیں۔ عرب ممالک کے اندر تمام مشائخ کے لئے رضی اللہ عنہ اور رحمتہ اللہ علیہ کے الفاظ ادا کئے جاتے ہیں۔ صاحب ہدایہ تو بذات خود اپنے لئے اس طرح کہتے ہیں قال رضی اللہ اور صوفیاء کا طریقہ قدس سرہ العزیز یا قدس سرہ الفاظ کے اختلاف کے ساتھ لکھا جاتا ہے جو اس بارے میں ہے۔ اس کے لئے دو طرح کی عبارات ہیں ایک یہ ہے کہ بعض لکھتے ہیں۔ قدس اللہ روحہ۔ اور بعض دوسرے حضرات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے الفاظ تحریر کرتے ہیں۔ اور مشہور قاعدہ علم نحو کے سبب سے جو حرف جار کے اعادہ میں ہے اس کے موافق نہ ہے۔ کچھ لوگ دوسرے نبیوں پر درود شریف بھیجنے کی خاطر یہ اضافہ کرتے ہیں۔ علی نبینا علیہ وعلیہم۔ اس لئے کہ دوسرے انبیاء پر تبعیت کے اعتبار سے صلوٰۃ ہو۔ زیادہ تر ممالک عرب میں یہی طریقہ مروج اور متعارف ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود شریف بھیجنے کا جو حکم ہے۔ دیگر جملہ انبیاء کے لئے بھی وہی حکم ہے۔ اہل عجم کی اکثریت کے کلاموں کے ساتھ حضور کے ساتھ علیہم السلام بہت زیادہ آیا ہے۔ لیکن اولیٰ یہی ہے کہ علیہ الصلوٰۃ والسلام لکھا جائے۔ اور صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ نہایت اختصار کے حامل اور درست اور سلامت ہیں۔

XX

باب دھم

عبادات نبوی کی مختلف اقسام

پیدائش کا مقصد ہی اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے:۔ اس امر میں ہرگز کوئی شبہ نہیں ہے کہ اس جہان کی تخلیق و آفرینش کا مقصد صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت ہی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون ہم نے انسانوں اور جنات کو صرف اس واسطے پیدا فرمایا کہ ہماری عبادت کریں اور اللہ تعالیٰ سے قرب کے حصول کے واسطے صراط مستقیم عبادت ہی ہے۔ جیسے کہ فرمایا گیا ہے۔ ان اللہ ربی وربکم فاعبدوہ ھذا صراط مستقیم تحقیق اللہ تعالیٰ میرا اور تمہارا رب ہے اسی کی عبادت کرو یہی راستہ سیدھا ہے نیز فرمایا۔ ولقد نعلم انک یضیق صدرک بما یقولون فسبح بحمد ربک وکن من الساجدین واعبد ربک حتی یاتیک الیقین ہمیں معلوم ہے کہ جو کچھ وہ کہتے ہیں اس سے آپ سینہ میں تنگی محسوس کرتے ہیں۔ پس آپ اپنے رب کی تحمید کریں اور سجدہ کرنے والوں میں ہو جائیں اور اپنے رب کی عبادت کریں یہاں تک کہ آپ کے پاس یقینی امر آجائے اس آیت میں یقین کا مطلب ہے موت۔ کیونکہ سینہ کی تنگی' دل کی تنگی اور حزن و ملال کے زوال کے نتیجہ میں موت یقینی بات ہے۔ اور عبادت سے اس کا زوال اس وجہ سے ہوتا ہے کہ آدمی عبادت میں مشغول ہو جائے تو عالم ربوبیت سے اس پر شعائیں منکشف ہو جاتی ہے اور اس حصول انکشاف کے بعد اس کی نظر کے سامنے چیونٹی سے بھی حقیر تر اور ذلیل تر ہو جاتی ہے اس وقت اس کا وجود قلب پر سے مٹا دینا بہت آسان ہوتا ہے۔ بعد ازاں اس کے معدوم ہونے کی اسے پریشانی نہیں ہوتی۔ نہ اس کے خیالات ہی منتشر ہوتے ہیں۔ غم اور ملال ختم ہو جاتے ہیں۔ جس وقت بندہ کے اوپر مکروہات و شدائید کا نزول ہوتا ہے تو بندہ ان سے فرار اختیار کر کے اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری کی سمت اختیار کر لیتا ہے۔ یعنی وہ یوں دل کے اندر ہی کہتا ہے کہ تیری عبادت مجھ پر واجب ہے۔ بہر حال خواہ مجھے تو بھلائی اور خیر عطا فرمائے اور خواہ مکروہات میں مبتلا کر دے۔ پس وہ مکروں کو محو کر دیتا ہے۔ اور اس کی امیدوں کو کشادگی عطا کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ فاعبدہ واصطبر لعبادتہ اور تم اس کی عبادت میں قائم رہو۔

اس مقام پر اس گروہ کو یہ کہنے کا جواز ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی محبت و قرب جب پالیتا ہے تو ظاہری اعمال اس کے ساقط ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا وہ تمام ظاہری اعمال سے نجات پا جاتا ہے اور شرعی طور پر وہ مکلف نہیں رہتا۔ لیکن انہیں جاننا چاہیے کہ جب بندہ اللہ تعالیٰ کی جانب مسافر ہے اور اس کا سفر مسلسل جاری ہے۔ لہٰذا جب تک وہ حیات ہے راستہ کے لئے توشے کی اسے احتیاج ہوتی ہے۔ اور وہی (توشہ) عبادت کہلاتا ہے۔ خواہ کتنا ہی مقرب کیوں نہ ہو جائے وہ عبادت سے مستغنی

نہیں۔ خواہ کتنی ہی عظیم اور وافر اس کی عبادت ہو حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کی محفل میں ایک آدمی کہتا تھا اور عمل کے سقوط پر غور کرتا تھا۔ تو جنیدؒ نے فرمایا کہ ہمارے نزدیک اس طرح کی بات زنا کرنے اور شراب نوشی سے بھی بڑھ کر بری ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی قبل از بعثت عبادت کے بارے میں علماء میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ یعنی کہ کیا آپ کسی سابقہ شریعت کی مطابقت میں عبادت کیا کرتے تھے؟ اس بارے میں جمہور علماء یہ مذہب رکھتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کسی بھی سابقہ شریعت کے پیروکار نہ تھے بلکہ جس طرح حضور کے قلب شریف میں عبادت کا انداز و طریق آتا تھا اس کے مطابق آپ عبادت کرتے تھے اور عقل بھی اسی کے تابع کرتے تھے۔ کچھ علماء کو اس میں توقف ہے۔ علاوہ ازیں اس بارے میں بھی اختلاف ہے کہ آپ کی عبادت بالذکر تھی کہ بالفکر۔ اس ضمن میں مذہب مختار یہ ہے کہ عبادت ذکر کے ساتھ تھی۔ اور اگر ذکر اور فکر دونوں ہی ہوں تو امکان ہے کہ نورانیت ذکر سے فکر کی صفائی ہو جاتی ہو اور اعلیٰ حقیقتوں کا انکشاف ہو جاتا ہو۔ واللہ اعلم۔ مولانا روم نے مثنوی میں لکھا ہے۔

ے این ہمہ گفتیم و باقی فکر کن فکر گر جامد بود رو ذکر کن

اور مقام ذکر بلند ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے بلاواسطہ اتصال ہو جاتا ہے اور پھر فیوضات وارد ہوتے ہیں۔ فکر کا تعلق نفس سے ہوتا ہے اور ان معلومات سے بھی جو ذہن میں ہوتے ہیں۔ اور مخصوص طریقہ پر ترتیب دینے سے مجہول میسر ہوتا ہے۔

بعض علماء قائل ہیں کہ شرائع انبیاء خصوصاً" شریعت ابراہیمی کے مطابق عمل کرتے تھے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم از روئے قرآن بعثت کے بعد شریعت ابراہیمی کی اقتداء و اتباع پر مامور تھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اولئک الذین ھدی اللہ فبھدٰھم اقتدہ یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی تم ان کی ہدایت کی اقتداء کرو۔ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ثم اوحینا الیک ان اتبع ملة ابراھیم پھر ہم نے آپ کی طرف وحی کی کہ ابراہیمی ملت کی اتباع کرو پس اگر آنحضرت بعثت سے قبل اس کے مطابق عمل کرتے بھی ہوں تو تعجب کی بات نہ ہے۔ اس کا جواب اس طرح ہے کہ فبھداھم سے مطلب ہے ایمان باللہ۔ توحید اور باہم متفق علیہ اصول دین۔ فروع شرائع مراد نہیں اس لئے کہ یہ تو مختلف ہیں۔ اور اختلاف شرائع کے باعث ان کی اتباع ممکن نہیں ہے۔ ان میں منسوخ بھی ہیں اور نسخ کے بعد وہ ہدایت کی حامل نہیں ہوتی۔ پس یہ استدلال ٹھیک نہیں ہے کہ سابقہ انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم عمل پیرا تھے۔ اس لئے کہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ بعثت کے بعد اگر متعبد ہیں تو بعثت سے پہلے بھی لازما" ہوں گے ہاں یہ امکان ہو سکتا ہے کہ ان میں سے کسی ایک شریعت کے مطابق عمل کرتے ہوں۔ ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کے مطابق عمل کرنا تو ان سب سے اولیٰ ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ شریعت عیسیٰ علیہ السلام کے مطابق آپ عبادت کرتے تھے کیونکہ وہ ہی قریب ترین زمانہ میں تھی۔ واللہ اعلم۔

اس مقام پر ایک یہ نکتہ گمان میں آتا ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سابقہ انبیاء علیہم السلام کی اتباع کرنے والے ہوں تو ان کی فضیلت سابقہ انبیاء پر کس طرح ہو سکتی ہے۔ اس خیال اور وہم کا ازالہ یوں ہوتا ہے کہ سب کے مقتدی اور متبع ہونے سے کملات بھی ان سب کے آنحضور میں مجتمع ہوں گے۔ لہٰذا سب سے زیادہ کامل آپ ہوں گے۔ فافہم وباللہ التوفیق۔

مواہب لدینہ کے مولف نے سات قسم کے مقاصد عبادات ترتیب دیئے ہیں۔ ہم بھی اتنی انواع ہی ترتیب دیتے ہیں۔ اول نوع طہارت۔ دوسری نماز۔ تیسری زکوٰۃ۔ چوتھی روزہ۔ پانچویں حج اور چھٹی دعا اور ساتویں تلاوت۔

طہارت

نوع اوّل

یہ نوع چند وصلوں پر مشتمل ہے۔ پہلی وصل میں وضو' مسواک' وضو کے پانی کی مقدار اور ضیائت (حسن ونظافت) کا بیان ہے۔ لفظ وضو واؤ کے پیش کے ساتھ مصدر ہے۔ اور واؤ کے زبر سے وضو سے مراد وضو کا پانی ہوتا ہے اور یہ بمعنی مصدر بھی آتا ہے اور بعض کا قول ہے کہ یہ دونوں طریقوں سے مستعمل ہے۔ کبھی مصدر کے طور پر اور کبھی پانی کے لئے۔ کذافی القاموس۔ کچھ علماء کا وضو کے واجب ہونے میں اختلاف ہے۔ اور بعض کا قول ہے کہ وضو کا وجوب مدینہ شریف میں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے مطابق ہے۔ اذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا وجوھکم یہ آیت پاک سورۃ مائدہ میں ہے۔ اور مدنی ہے۔ لیکن احادیث میں وارد ہوا ہے کہ جبرائیل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو وحی کے ابتدائی مراحل میں ہی وضو اور نماز کا طریقہ تعلیم کر دیا تھا۔ نیز حدیث میں آیا ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا روتی ہوئیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ اور کہا قریش آپ کے قتل کے لئے عہد کر چکے ہیں۔ آنحضرت نے ارشاد فرمایا کہ وضو کے لئے پانی لاؤ اس کے بعد آپ نے وضو کیا' یہ واقعہ مکہ شریف کا ہے۔ ابن عبدالبر نے نقل کیا ہے کہ اہل تفسیر متفق ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے لئے مکہ شریف میں جنابت کا غسل فرض ہوا تھا۔ جیسے کہ نماز فرض کی گئی تھی۔ اور نماز بلاوضو کبھی ادا نہیں ہوئی۔ یہ بھی ابن عبداللہ کا قول ہے کہ کوئی بھی عالم اس سے بے خبر نہیں۔ شیخ ابن الہمام نے فرمایا ہے کہ ہجرت سے قبل وضو کے منکر شخص کا یہ رد فرمایا گیا ہے۔ اور اس شخص کا رد نہیں جو ہجرت سے پہلے وضو کا واجب ہونا مانتا ہے۔ انتہیٰ۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اس آیت پاک کی رو سے وضو واجب ہوا۔ ہاں صرف اس قدر کہہ سکتے ہیں کہ قبل از ہجرت وضو مستحب تھا اور واجب نہیں لیکن اس اعتبار سے یہ لازم ہو جاتا ہے۔ کہ بلاوضو نماز کا جواز ہے جبکہ یہ اجماع کے خلاف ہے۔ یہ بھی امکان ہے کہ یوں کہا گیا ہو کہ یہ آیت وضو کے واجب ہونے اور نماز کے قائم ہونے کے لئے نازل ہوئی۔ اور تم بے وضو اور ناپاک لوگ اس طرح نہ سوچیں جس طرح کچھ لوگ کہتے ہیں۔ اس لئے شروع میں ہی مطلق طور پر نماز کے قیام کے وقت وضو فرض تھا۔ اور آخر میں یہ منسوخ ہو گیا۔ اور حدیث کے ساتھ وضو کو مقید فرما

دیا۔ لیکن سورۃ مائدہ میں جو نسخ کے احکام ہیں ان میں علماء کو کلام ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تو ہر نماز کے لئے وضو فرماتے تھے۔ کبھی ایک ہی وضو سے چند فرض نمازیں ادا کی ہیں۔ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا سے مسلم شریف میں روایت آئی ہے کہ انہوں نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہر نماز کے لئے وضو کیا کرتے تھے اور فتح مکہ کے دن آپ نے ایک ہی وضو کے ساتھ چند نمازیں پڑھی تھیں۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آج جو عمل جناب نے کیا ہے وہ اس سے پہلے کبھی نہیں کیا۔ تو آنحضور نے فرمایا کہ اے عمر! اس طرح میں نے جان بوجھ کر کیا ہے۔ جواز کے بیان کے لئے۔ اس لئے کہ لوگوں کو علم ہو جائے کہ ہر نماز کے واسطے تازہ وضو کرنا فرض نہیں ہے۔ بخاری۔ ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہر نماز کے واسطے تازہ وضو فرماتے تھے۔ اس پر حضرت انس رضی اللہ عنہ کو کہا گیا کہ آپ کس طرح کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ میرے لئے ایک وضو اس وقت تک کافی ہوتا ہے جب تک مجھے حدث نہ ہو۔ علماء نے اس مقام پر فرمایا ہے کہ ہر نماز کی خاطر تازہ وضو کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے خصائص میں شمار نہیں ہے۔ امام احمد اور ابو داؤد اس ضمن میں روایت لائے ہیں کہ غسیل ملا نکہ عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہر نماز کے وقت تازہ وضو کرنے پر مامور تھے خواہ آپ طہارت کی حالت میں ہوتے یا عدم طہارت کی حالت میں۔ اور جس وقت آنجناب پر یہ شاق گزرا۔ تو تاحدث تازہ وضو کرنے کا حکم اٹھا دیا گیا اور ہر نماز کے واسطے مسواک کرنے کا حکم صادر فرما دیا گیا۔

مسواک:۔ لفظ مسواک سواک سے بنایا گیا ہے اس کے معنی ہیں ملنا اور منہ کا ملنا اور سین کے زیر کے ساتھ سواک کے معنی ہیں دانتوں کی لکڑی۔ اسی سے لفظ مسواک بنا ہے۔ کثرت سے حدیثیں ہیں جن میں مسواک کی فضیلت اور استحباب ہے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر امت پر یہ مشکل ہونے کا خدشہ نہ ہوتا تو ہر نماز پر میں ان کے لئے مسواک کرنا واجب کر دیتا اور آپ نے فرمایا کہ مسواک سے منہ کی پاکیزگی حاصل ہوتی ہے اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی رضا کے حصول کی موجب ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ جس وقت بھی جبریل آئے تو انہوں نے مجھے مسواک کرنے کے لئے حکم دیا۔ کوئی شبہ نہیں کہ مجھے ڈر ہوا کہ میں اپنے منہ کو گھسوں اور پست کروں دیگر ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ لثہ کو لثہ کے ساتھ رگڑوں۔ لثہ دانتوں کی جڑوں کے گوشت کو کہا جاتا ہے جن کو مسوڑھے کہتے ہیں۔ مذکورہ حدیث عبداللہ بن حنظلہ سے تو یہ عیاں ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے لئے مسواک کا کرنا وجوب رکھتا ہے۔ لیکن اس حدیث کے صحیح ہونے میں بھی کلام ہے۔ اور خصائص نبوت کا ثبوت صحیح دلیل سے ہی ہوتا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے طبرانی اور بیہقی روایت لائے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تین چیزیں ایسی ہیں کہ مجھ پر تو وہ فرض ہیں اور امتی کے لئے سنت ہیں۔ وتر مسواک اور رات کو قیام کرنا اور ایک حدیث میں اس طرح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا مجھ کو حکم مسواک کیا گیا ہے حتیٰ کہ میں ڈر گیا

کہ کہیں مجھ پر یہ فرض نہ کردی گئی ہو۔ واجب نہ ہونے پر یہ حدیث صراحت کرتی ہے لیکن جو حدیث اس سے قبل مذکور ہوئی اس میں اس کا وجوب پایا جاتا ہے لیکن اجماع امت اس طرح ہے کہ یہ واجب نہیں ہے سنت موکدہ ہے جب کہ وضو کیا جائے (بالاتفاق) اور امام شافعی کے مطابق نماز کے وقت پر اور سو کر اٹھنے کے وقت بھی۔ جس طرح کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت صحیحین میں آئی ہے۔ کہ رات کے وقت جب رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سونے کے بعد اٹھتے تھے تو مسواک ملتے تھے اور منہ مبارک کو زیادہ پاکیزہ بناتے تھے۔ اور یہ تو ظاہر ہے کہ لیل کے قیام سے مطلب ہے تہجد کی نماز کے لئے قیام کرنا اس لئے مسواک سے یہ مطلب ہے کہ تہجد کی نماز کے لئے مسواک۔ اور اس وضو کا تعلق سو کر اٹھنے کے وقت کے ساتھ ہے۔ اور رات کی نماز کے لئے نہیں ہے۔ یہ ایک علیحدہ سنت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تلاوت قرآن کے وقت اور جب سونے کا ارادہ فرماتے اس وقت بھی مسواک فرمایا کرتے تھے۔ اور تبدیلی فم کے وقت بھی۔ منہ کی بو کی تبدیلی ہوتی یا دانتوں کے رنگ میں تبدیلی آتی۔ آپ اپنے گھر میں داخل ہونے کے وقت بھی مسواک فرماتے تھے۔ اس ضمن میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم گھر میں داخل ہوتے تو جو پہلا کام آپ کرتے تھے وہ مسواک کرنا ہوتا تھا۔ اور یہ تو عیاں ہے کہ آپ اس طرح وضو اور نماز کے اوقات پر بھی کرتے تھے۔ کذا قیل۔ اور آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مسواک کرنے میں خوب مبالغہ فرماتے تھے۔ جس طرح کہ بخاری شریف میں وارد ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مسواک کیا کرتے تھے تو حضور کے منہ مبارک سے اع اع کی آواز نکلا کرتی تھی۔ جیسے کہ قے کرتے ہوں۔ دیگر ایک روایت میں غ کے ساتھ آیا ہے۔ یعنی اغ اغ کی آواز۔ نسائی کی روایت کے مطابق اعا اعا کی آواز آئی ہے۔ ابو داؤد کی روایت میں آہ آہ اور کچھ روایت میں اخ اخ بھی آیا ہے۔

مسواک لکڑی:۔ اراک کے درخت کی مسواک مستحب ہے۔ آنحضرت بھی اسی کے ساتھ فرماتے تھے۔ اور اسی کے ساتھ مسواک کا حکم فرمایا کرتے تھے۔ انگلی سے کافی ہوتا ہے۔ اپنی انگلی سے یا دوسرے کی انگلی کے ساتھ ہو۔ اور سخت اور درشت قسم کے کپڑے کے ساتھ بھی کفایت کر جاتا ہے۔ شافعین ہر نماز کے لئے مسواک کرتے ہیں تو وہ اکثر اوقات اس طرح کے کپڑے سے ہی کرتے ہیں۔

مسواک کرنے کا طریقہ:۔ ابو نعیم اور بیہقی کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم دانتوں کے عرض پر مسواک فرمایا کرتے مواہب لدینہ میں ہے کہ دائیں ہاتھ کے ساتھ مسواک کرنا چاہیے یا بائیں ہاتھ کے ساتھ۔ رہا یہ مسئلہ کہ کونسا ہاتھ اولٰی اور مستحب ہے۔ کچھ علماء کا قول ہے کہ حدیث میں ہے کہ سوار ہوتے جوتا پہنتے طہارت کرتے اور مسواک کرتے وقت دائیں جانب اختیار کرنا چاہیے۔ کیونکہ مسواک کرنا دائیں ہاتھ سے ہی مستحب ہے۔ اس لئے کہ مسواک کرنا تطہیر و تطییت کے لئے ہوگا یا اس لئے کہ الائش اور گندگی دور ہو جائے۔ اگر قسم اول سے گردانیں تو دائیں ہاتھ سے ہی

مستحب ہے۔ اور دوسری قسم سے جانیں تو بائیں ہاتھ کے ساتھ مستحب ہوگا۔ کیونکہ روایت ہے سیدہ صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا دایاں ہاتھ مبارک طہارت کے لئے۔ کھانے کے لئے اور بایاں ہاتھ مبارک بیت الخلاء کے اندر استنجا کے واسطے اور ناپاکی کو اپنے سے دور کرنے کے لئے تھا۔ یہ روایت صحیح اسناد کے ساتھ ابوداؤد میں موجود ہے۔

حدیث کے چند شارحین نے یوں بھی کہا ہے کہ مسواک کے بارے میں تیمن کا مطلب ہے دائیں طرف سے شروع کی جائے۔ جس طرح کہ چلنے میں اور جوتا پہننے میں ہے۔ پس اس سے یہ استدلال قائم کرنا کہ دائیں ہاتھ سے مسواک کی جائے درست نہ ہے۔ مزید یہ کہ دائیں ہاتھ سے مسواک کرنے کے بارے میں نقل کی ضرورت ہے۔ اور اس طرح کہتے ہیں کہ یہ ناپاکی کو دور کرنے کی قبیل سے ہے جس طرح کہ ناک کا صاف کرنا۔ اس لئے بائیں ہاتھ سے ہونا چاہیے۔

امام مالک رحمتہ اللہ علیہ سے نقل ہے کہ مساجد کے اندر مسواک نہ کرنا چاہیے کیونکہ یہ عمل ناپاکی کو دور کرنے کی قسم سے ہے۔ یہ تمام کلام مواہب لدینہ میں موجود ہے۔

یہ پوشیدہ نہ رہے کہ مشہور اور معروف دائیں ہاتھ سے مسواک کرنا ہے اور بایاں ہاتھ مقرر ہے ناپاکی کو دور کرنے کو۔ تو اب یوں ہو گا کہ بغیر لکڑی کے مسواک کرتے وقت یا بغیر کپڑے کے بائیں ہاتھ سے کیا جائے گا۔ جیسے کہ ناک وغیرہ کے صاف کرنے میں ہے اور مسجدوں میں مسواک کرنا اس لئے مکروہ قرار دیا ہے۔ کہ جس وقت منہ سے نکالکر کوئی چیز نیچے پھینکیں۔ ہاں البتہ ہاتھ سے مسواک کرنے کے ساتھ یہ کلام ہے۔ اگر مسواک لکڑی سے کی جائے تو ہر حال میں دائیں طرف سے شروع کرنے کا استحباب قائم ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس کلام سے بعض حضرات کا بائیں ہاتھ کے مسواک کرنے کا عمل اختیار کرنا ثابت ہوتا ہے۔

پانی کی مقدار:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے غسل اور وضو میں کتنی مقدار میں پانی ہوتا تھا اس ضمن میں علماء نے کہا ہے کہ آپ ایک صاع پانی سے غسل فرماتے تھے۔ ایک صاع پانچ مد کے برابر ہے۔ اور آپ ایک مد پانی کے ساتھ وضو فرماتے تھے۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے۔ کہ آنجناب دو رطل پانی کے ساتھ وضو فرماتے تھے اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ہمارے ملک کی زبان کے اعتبار سے صاع اور رطل کی تحقیق خالی از وضاحت نہیں ہے۔ شرح سفر السعادت کے متعلقہ باب میں اور صدقہ فطر کے باب کے اندر اس کے بیان وضاحت میں کوئی کمی نہیں چھوڑی گئی۔ اس کے باوجود علماء کا قول ہے کہ ان احادیث سے پانی کی تعین و تحدید کرنا مطلب نہیں ہے۔

فائدہ:۔ مذکور بالا مقدار سے تھوڑا یا اس سے زیادہ مقدار میں پانی ہو تو پھر بھی جائز ہے در حقیقت قاعدہ اور اصول یہ ہے کہ جس قدر پانی سے مقصد پورا ہو سکے اتنا ہی پانی استعمال کیا جائے۔ تا آنکہ پانی جسم پر ملنے یا اسراف کی حد کو نہ پہنچے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم وضو کا پانی کم بہانے میں مبالغہ فرماتے تھے اور امت کو بھی وضو کے لئے اسراف آب سے

ممانعت فرماتے تھے۔ اور تنبیہہ کرتے تھے کہ میری امت کے اندر اس طرح کے لوگ پیدا ہو جائیں گے جو وضو میں تعدی اور تجاوز از حد کے مرتکب ہوں گے اسراف سے پانی بہائیں گے اور آپ فرماتے تھے کہ ایک شیطان ولہان نامی ہے۔ جو کہ وضو کے بارے میں اور پانی کے اسراف میں آدمی کو وسوسہ میں ڈالتا ہے۔ اس لئے اس شیطان کے وساوس سے بچو۔ بچنے اور اس کو دفع کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو تغافل کے طریقہ سے مارا کرو اور کوشش کے ساتھ اس کو دلوں سے دور کیا کرو۔ اس کے وساوس پر مت لگو۔ علاوہ ازیں عمل بر رخصت کرو۔ پھر بھی اگر شیطان کی جانب سے شدید مزاحمت ہو۔ تو تم کہو کہ تیرا عمل ناقص ہے اور درست نہیں ہے۔ یہ عمل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبول نہیں ہے۔ اور اس کو کہہ دو کہ تو مجھ سے دفع ہو جا۔ اس سے زیادہ میں بالکل نہ کروں گا۔ میرا مولا یعنی اللہ تعالیٰ بڑے کرم والا ہے وہ اسی قدر قبول کرے گا۔ وہ وسیع فضل و کرم والا ہے۔ نماز اور عبادت کے دوسرے موقعوں پر بھی وساوس کی یہ ہی صورت ہوتی ہے۔ اصل وسوسہ یہ ہے کہ اس میں کمی اور نقص رہنے کا وہم پیدا کرنا۔ شیطان جب اس طرح مداخلت کرے تو استعاذہ اور لا حول ولا قوۃ الا باللہ پڑھنا چاہیے۔ شیطان کے دفع کرنے کے لئے یہ بڑا موثر ہے۔ اسی طرح حدیث میں آیا ہے۔ مسند امام احمد اور ابن ماجہ میں عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت آئی ہے کہ ایک مرتبہ سعد بن ابی وقاص کے قریب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گزرے تو دیکھا کہ وضو کرتے ہیں۔ تو فرمایا۔ لا تسرف بالماء پانی میں اسراف نہ کرو۔ ایک روایت میں آیا ہے۔ ما ھذا السرف یا سعد اے سعد یہ کیسا اسراف ہے۔ تو سعد رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے ھل فی الماء اسراف کیا پانی میں بھی اسراف ہوتا ہے۔ کیونکہ پانی کمیاب یا عزیز الوجود چیز نہ ہے۔ اسراف کس طرح ہے؟ آنحضرت نے ارشاد فرمایا۔ نعم وان کنت علی نھر جار ہاں پانی میں بھی اسراف ہوتا ہے خواہ تم نہر جاری پر ہی ہو۔ یہ مبالغہ ہے ممانعت۔ تعزیر اور تنبیہہ فرمانے میں تاکہ پانی میں کسی مقام پر بھی اسراف ہرگز نہ ہو۔ غالب گمان یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو دفع وسواس کے طریقہ پر یہ فرمایا ہے۔ کیونکہ آپ نے ایسا محسوس فرمایا ہوگا۔ حتیٰ کہ آپ نے اس کے دفعیہ کے لئے اس قدر مبالغہ فرمایا۔

اور فقہ کے مسائل میں ذکر ہے کہ وضو کرنے والا شخص اگر نہر کے کنارے پر بیٹھا ہو تو اس وقت وہاں پر پانی بہانے میں کوئی اسراف نہ ہے۔ کیونکہ جس قدر بھی وہ پانی بہاتا ہے سب کا سب واپس نہر میں چلا جاتا ہے۔ سوائے اس صورت حال کے کہ غسالہ کو نہر سے باہر پھینکے۔

نہر جاری اور نہر غیر جاری میں فرق ہے۔ وضو میں استعمال شدہ پانی بالاتفاق پاک کرنے والا نہیں ہوتا۔ اور اکثر علماء تو استعمال شدہ پانی کو ہی پاک نہیں سمجھتے۔ لہٰذا استعمال شدہ پانی کو کسی دوسری جگہ استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ پس اپنی ضرورت سے بڑھ کر پانی استعمال کرنا (بہانا) پانی کو ضائع کرنا ہے اور جاری نہر میں جب غسالہ ڈالا جائے تو پانی کا ضیاع نہ ہوگا۔ اور یہ بھی ہے کہ نہر جاری میں پانی مستعمل صورت میں نہیں رہتا پھر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہاں پر مبالغہ فرمایا ہے۔ کیونکہ حد سے تجاوز کرنا نامناسب ہے۔ علماء اس طرح کہتے ہیں کہ پانی زیادہ مقدار میں بہا دینے میں پانی کا اسراف نہ بھی

ہوتا ہو تو آدمی کی عمر میں اسراف ہونا اور ضیاع وقت تو ہوتا ہی ہے۔ بعض علماء کا وہ قول بھی قریباً اسی مفہوم کا حامل ہے کہ حدیث میں اسراف کا مطلب گناہ ہے یا نہیں۔ گو نہر جاریہ میں زیادہ پانی بہانا اور اسراف اور ضیاع آب نہیں ہے۔ لیکن شرعاً جو مقدار بتائی گئی ہے اس سے تجاوز کرنا تو گناہ ہے۔ واللہ اعلم۔

وصل:- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعض اوقات وضو کے اعضا ایک بار سے زیادہ مرتبہ نہیں دھوتے تھے۔ یہ آپ کا عمل برائے تعلیم امت تھا۔ اس لئے کہ یہ مقدار کفایت کر جاتی ہے اور فرض شدہ مقدار پر اس لئے انحصار فرماتے تھے کہ اس سے کم پر وضو ہی نہیں ہوتا۔ آپ کا ارشاد ہے۔ ھذا وضو لا یقبل الصلوٰۃ الا بہ یہ ہے وضو بغیر اس کے اللہ تعالیٰ نماز قبول نہیں فرماتا۔ ابو داؤد میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت آئی ہے کہ فرمایا کہ کیا میں تم کو یہ بتا دوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وضو کیا تھا۔ ازاں بعد انہوں نے اپنے اعضاء وضو ایک ایک بار دھوئے اور کسی عضو کو طہارت کے خاطر مبالغہ کرنے کے لئے دو بار دھویا اور فرمایا یہ نور علی نور ہے۔ اور اسے ثواب میں زیادتی اور اجر میں زیادتی کا باعث قرار دیا۔ جیسے کہ عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے زرین کے اندر روایت ہے جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وضو کے بارے میں روایت کرنے والے ہیں فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کرتے ہوئے اپنے اعضاء دو دو مرتبہ دھوئے اور نور علی نور فرمایا۔ کبھی تین بار بھی دھویا۔ اور طہارت کے لئے یہ آخری حد ہے اور احادیث میں جو اسباغ وضو آیا ہے۔ اکثریت علماء کے نزدیک یہ ہی ہے۔ اس بارے میں بے شک صحیح و حسن احادیث کی اکثریت ہے۔ چونکہ اس میں عزیمت اور فضیلت ہے لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آنجناب کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم زیادہ تر اسی طرح کیا کرتے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وضو کے اعضاء تین تین دفعہ دھویا کرتے تھے اور فرماتے تھے۔ ھذا وضونی ووضوء الانبیاء من قبلی ایک اور روایت میں یوں آیا ہے۔ ووضوء ابراھیم خلیل الرحمٰن اور آنحضرت کسی وقت کسی عضو کو تین بار دھوتے تھے اور کسی کو دو بار۔ جس طرح کہ بخاری اور مسلم میں عبداللہ بن زید بن عاصم انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت آئی ہے کہ انہیں کہا گیا کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح وضو کر کے دکھاؤ۔ پس انہوں نے پانی طلب کیا۔ پھر اپنے ہاتھوں پر پانی ڈالا۔ اور دونوں ہاتھ تین دفعہ دھوئے۔ اس کے بعد ہاتھ سے پانی نکالا اور ایک ہاتھ کے ساتھ کلی کی۔ اور ناک کے اندر تین تین بار پانی چڑھایا۔ پھر برتن میں ہاتھ ڈالا اور پانی نکالا اور اپنا چہرہ تین دفعہ دھویا پھر دونوں ہاتھ دو دو بار دھوئے۔ اور سر کا مسح آگے اور پیچھے سے کیا۔ اور دونوں پاؤں دھوئے۔ اسی طرح موطا، نسائی اور ترمذی میں روایت کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں اس طرح روایت کیا گیا ہے۔ کہ پاؤں دھونے کے متعلق کسی شمار کا ذکر نہیں ہے۔ نسائی کی ایک روایت میں آیا ہے کہ آنحضور نے دونوں پاؤں مبارک دو دو بار دھوئے۔ بعض احادیث ہیں جن میں اعضا کا دھونا مطلق طور پر آیا ہے۔ اس میں کوئی عدد مذکور نہیں ہے۔ لہٰذا ظاہر ہے کہ صرف ایک دفعہ ہی دھویا ہو گا یا ممکن ہے کہ اس مقام پر راوی کا اصل مقصود اعضاء دھونے کا بیان ہی ہو۔ اور وہ عدد کے بارے خاموش ہو رہا۔ اور کسی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم کی جانب سے وضو میں اعضاء کو تین بار سے زیادہ دفعہ دھونے کی ممانعت آئی ہے۔ اور فرمایا گیا کہ جو شخص تین مرتبہ سے زیادہ دھوئے یا اس سے کم کرے اس نے برا کیا۔ اور ظلم کیا۔ لیکن اس بارے میں یہ مشکل ہے کہ اس حدیث میں ظاہر طور پر تین سے کم پر مذمت ہے۔ اور اس کے جواب میں اس طرح کہتے ہیں کہ یہ حکم نسبتی ہے۔ اور گناہ کا تعلق کمی سے ہے۔ اور ظلم کا تعلق زیادتی سے ہے۔ اور نسائی کی جو روایت ہے اس میں کمی مذکور نہیں ہے۔ اس میں صرف اس قدر ہے کہ جس نے تین سے زائد مرتبہ دھویا اس نے برا کیا۔ تعدی کی اور ظلم کیا۔ اور صحیح تر یہ ہی ہے۔ اور ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں روایت کیا اور کمی کے ضمن میں کلام کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ یہ راوی کی غلطی ہے۔ کیونکہ حدیث میں ظاہراً" تین سے کم پر مذمت ہے۔ جبکہ حقیقتاً" ایسا نہیں ہے۔ اور بعض کا قول ہے کہ اس میں ایک کلمہ مقدر ہے جس سے مراد ہے من واحدۃ اور بعض روایت میں صریح طور پر آیا ہے۔ من نقص من واحدۃ اوزاد علی ثلاث فقد اخطاء۔

امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ سے نقل ہے کہ فرمایا مجھے یہ پسند نہیں کہ متوضی تین مرتبہ سے زیادہ دھوئے اور کسی نے اس سے زیادہ کیا بھی تو میں اس کو مکروہ بھی نہیں کہتا۔ علماء کہتے ہیں کہ اس سے ان کی مراد ہے کہ میں اس کو حرام نہیں جانتا۔ اور یہ اصح ہے کہ امام شافعی کے نزدیک کراہت تنزیہی کے ساتھ مکروہ ہے۔ شافعین کی ایک جماعت سے دارمی نے نقل کیا ہے کہ تین سے زیادہ مرتبہ دھونے سے وضو کو باطل گردانتے ہیں جیسے کہ نماز کے اندر رکعت کی تعداد زیادہ ہو جائے اور ایسا قیاس فاسد ہے۔

امام احمد رحمتہ اللہ علیہ سے نقل ہے کہ انہوں نے فرمایا۔ تین مرتبہ سے زیادہ کرنا جائز نہیں اور ابن مبارک نے فرمایا ہے کہ اس میں بغیر خوف کے نہیں کہ یہ گناہ ہو۔ اور فتویٰ ظہیریہ میں شمسی نے کہا ہے کہ ایک بار دھونے پر اکتفاء کرنے والا شخص گنہگار ہے۔ اور بعض کے مطابق وہ سنت مشہور کے ترک کے باعث گنہگار ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ گنہگار نہیں۔ اس لئے کہ جو مامور بہ ہے اسے تو وہ لا رہا ہے۔ اور اس ضمن میں صحیح حدیث آئی ہے۔ اور امام محمد رضی اللہ عنہ موطا میں لکھتے ہیں کہ وضو کے اعضاء تین بار دھونا افضل ہے دوبار دھونا کافی ہوتا ہے اور ایک مرتبہ بھی دھونا کافی ہوتا ہے اگر درست طریقہ سے مکمل طور پر دھویا جائے۔ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کا قول بھی یہ ہی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی ایک ہی چلو پانی سے کلی کرتے اور ناک میں بھی پانی ڈالتے۔ اور کبھی دو چلو کے ساتھ۔ اور کبھی تین چلو کے ساتھ جس طرح دوسرے اعضاء دھونے کے متعلق آیا ہے ایک چلو پانی میں سے آدھا آپ کلی کے واسطے لے لیتے تھے اور آدھے سے ناک میں پانی لے لیتے تھے اور تینوں دفعہ ہی ان دونوں کو ملاتے تھے۔ ایک چلو سے کلی اور ناک میں پانی لینا شافعی مذہب کے مطابق ہے۔ اور صحیح یہ ہے کہ ایک چلو سے کلی کی جائے۔ دوسرے سے ناک میں پانی ڈالا جائے۔ اس کے بعد پھر ایک چلو سے کلی کرے دوسرے سے ناک میں پانی چڑھائے اور اسی طریقے سے تین مرتبہ کرے۔

مولف سفر السعادۃ نے فرمایا ہے کہ کلی سے فراغت کے بعد ایک دو یا تین مرتبہ نیا پانی لے کر ناک میں چڑھانے کی

فضیلت کسی صحیح حدیث میں نہیں آئی۔ انتہیٰ۔ لیکن احادیث کی عبارات ہم نے مختلف دیکھی ہیں۔ زیادہ تر حدیثوں میں یوں ہی مذکور ہے کہ پہلے دونوں ہاتھوں کو پہنچوں تک دھویا جائے۔ پھر کلی کریں اور بعد ازاں ناک میں پانی ڈالا جائے۔ اس کے بعد چہرہ دھوئیں اس کے بعد دونوں ہاتھ کہنیوں تک دھوئے جائیں۔ احادیث میں ایسی عبارات کافی ہیں جن کے ظاہر سے کلی اور ناک میں پانی ملانے پر دلالت ہوتی ہے گویہ مسئلہ قطعی نہیں ہے۔

کچھ احادیث میں یوں آیا ہے کہ پھر مضمضہ ہو اس کے بعد ناک میں پانی ڈالا جائے۔ پھر چہرہ دھوئے اور یہ تفصیل کے ساتھ ظاہر ہے جس طرح کہ پہلی وصل میں ظاہر ہے بلکہ اس طرح ہے کہ وصل میں اس کے ظہور سے تفصیل میں اس کا ظہور ہے۔ مشکوۃ میں ایک متفق علیہ حدیث ہے کہ مضمضہ اور استنشاق تین بار کیا تین چلو سے کیا۔ اس کا احتمال بھی دو طریقے سے ہے۔ ازروئے فصل اور ازروئے وصل لیکن کچھ روایات میں صریحاً آچکا ہے کہ ایک چلو سے ہی استنشاق فرمایا۔ امام شافعی کے مذہب کی بنا یہی مذکور بالا ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کا مذہب وجہ مذکورہ پر یہ ہے کہ مضمضہ اور استنشاق میں فصل (فرق) ہے۔ کیونکہ منہ اور ناک یہ دونوں علیحدہ علیحدہ اعضاء ہیں۔ پس ان کا دھونے کا طریقہ بھی علیحدہ علیحدہ ہے۔ جیسے کہ دیگر اعضاء میں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اپنے قیاس کے مطابق فصل والی حدیث کو ترجیح دینے کے لئے یہ وجہ ہے۔ جس طرح کہ فقہ کے اصول کے مطابق یہ قاعدہ ہے۔ اور نص کے مقابل تعلیل نہیں۔ جس طرح کہ اختلاف کرنے والے سوچتے ہیں ہمارے احناف کی دلیل طبرانی میں ابوداؤد سے مروی شدہ حدیث ہے شمنی کی روایت ہے۔ کہ طلحہ بن مصرف ائمہ اعلام اور تابعین ثقات میں سے وہ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے وضو فرمایا۔ تین دفعہ مضمضہ کیا۔ تین دفعہ ناک کو پانی چڑھایا۔ اور ہر دفعہ پانی نیا لیا۔ شافعیہ کا قول ہے کہ اس حدیث میں سند کی وجہ سے ضعف ہے۔ کیونکہ طلحہ کی تعریف مجہولاً دی گئی ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ ان کی صحبت کے متصل ہونے کا کوئی ثبوت نہ ہے۔ انتہی جامع الاصول میں یوں کہا گیا ہے۔ طلحہ بن مصرف اعلام تابعین سے ہے اور ان میں سے ثقہ ترین میں سے ہے اور ان کے دادا کعب بن عمرو یا عمرو بن کعب ہیں۔ اور شمنی نے شرح نقایہ میں فرمایا ہے کہ بیہقی نے کتاب معرفت میں روایت کیا ہے کہ عبدالرحمٰن بن مہدی محدثین میں سے اکابر ائمہ سے ہیں۔ اور احمد بن حنبل مشائخ کے درجہ میں ہیں۔ انہوں نے فرمایا ہے کہ طلحہ کے دادا عمرو بن کعب کو صحبت رسول کا شرف حاصل تھا۔ اور وہ اپنی مسند کے اندر یحیٰی بن معین سے روایت لاتے ہیں کہ فرمایا محدثین کہتے ہیں کہ انہوں نے زیارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا شرف پایا ہے۔ اور طلحہ کے گھر والوں کا کہنا ہے کہ انہیں صحبت رسول حاصل نہیں ہوئی۔ انتہیٰ۔ محدثین نے صراحت فرمادی کہ ان کو صحبت حاصل ہوئی تو مدعا ثابت ہو چکا۔ اس میں ان کے گھر والوں کو ناواقفیت کوئی اثر و حرج نہیں رکھتی۔ ابن سعد نے طبقات کے اندر باب مسح میں ایک حدیث طلحہ کے دادا سے بایں الفاظ روایت کی ہے۔ کہ رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تمسح ھکذا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو دیکھا کہ وہ اس طرح مسح کرتے تھے۔ لہٰذا ان کی صحبت ثابت ہو گئی۔ شیخ ابن الہمام نے بھی اس طرح فرمایا ہے۔ اور فتویٰ ظہیریہ

میں شمنی نے نقل کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک مضمضہ اور استنشاق میں وصل جائز ہے امام شافعی کے نزدیک بھی نئے پانی کے ساتھ مضمضہ اور استنشاق جائز ہے۔ اس کو روایت کرنے والے ابوداؤد ہیں۔ اور جامع ترمذی میں فرمایا کہ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ مضمضہ اور استنشاق میں وصل اور جمع کو وہ مکروہ نہیں سمجھتے۔ اور وضو کے دوران مضمضہ اور استنشاق تین اماموں کے نزدیک سنت کا درجہ رکھتا ہے۔ امام احمد کے مطابق یہ فرض ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دائیں ہاتھ سے ناک کو پانی دیتے تھے اور بائیں ہاتھ سے ناک صاف کرتے تھے۔

سر کا مسح:- سر کے مسح کی مقدار کے متعلق علماء میں اختلاف ہے۔ امام شافعی اور ان کے متبعین کا مسح کے واجب ہونے میں یہ مسلک ہے کہ کم از کم چیز اس قدر واجب ہے کہ اس پر مسح کا اطلاق کیا جا سکے خواہ ایک ہی بال کیوں نہ ہو۔ دیگر ایک روایت میں تین بال آئے ہیں امام مالک اور مقلدین مالکی کا یہ مذہب ہے کہ سارے سر کا مسح واجب ہے۔ امام احمد ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک چوتھائی سر کا مسح کرنا فرض ہے۔ سارے سر کا مسح کرنا سنت ہے۔ ان مذہب کے علیحدہ علیحدہ دلائل اپنے مناسب مقام پر مذکور ہیں۔ اور کتاب سفر السعادت میں حتیٰ الوسع مسح کو گھیرنے میں غلطی واقع ہو گئی ہے کچھ علماء یوں کہتے ہیں کہ مسح کے مسئلہ میں انصاف امام مالک کے حق میں ہے۔ اور اسی طرح میں نے اپنے شیخ علی بن حاء اللہ رحمتہ اللہ علیہ جو حرم شریف کے مفتی ہیں ان سے سنا ہے واللہ اعلم۔ سارے سر کا مسح کرنا سنت ہے اور مسح اس طرح کرتے ہیں کہ دونوں ہاتھوں کو سر کے اگلے حصہ کے اوپر سے پچھلے حصہ تک لے جائیں پھر دونوں ہاتھ پچھلے سر سے اس جگہ تک واپس لائے جہاں سے مسح کا آغاز کیا تھا۔ امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک سارے سر کا مسح ایک مرتبہ کرنا چاہیے ایک ہی پانی سے ہدایہ میں لکھا ہے کہ امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ سے اسی طرح ہی مشروع اور مروی ہے۔ ہدایہ کی کچھ شروح میں یہ بھی آیا ہے کہ امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ کی حسن روایت میں آیا ہے کہ اگر ایک پانی سے تین دفعہ مسح کریں تو یہ مسنون ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے کہ آپ مسح بار بار نہ کرتے تھے۔ مسح کی زیادہ تر احادیث میں بغیر کسی عدد کی قید کے مطلق ذکر آیا ہے۔ اور مقید بھی آیا ہے۔ صرف ایک مرتبہ کے ساتھ۔ احادیث سے صحت کے ساتھ معلوم شدہ تو یہی بیان ہے۔ بعض احادیث ہیں جن میں دو بار آیا ہے۔ اس روایت سے مراد یہ ہے کہ اپنے سر کے اگلے حصہ سے دونوں ہاتھ سر کے پچھلے حصہ تک لے جائے پھر وہاں سے واپس اگلے حصہ تک لائے۔ نیز یہ ہے کہ ان احادیث کو ضعیف کہتے ہیں۔ اور تین بار مسح کرنے کے بارے میں صحیح حدیث کوئی نہیں آئی۔ سوائے اس کے کہ آپ نے وضو فرمایا ایک ایک دفعہ دو دو دفعہ اور تین تین دفعہ اور وضوء میں دھونا اور مسح کرنا دونوں عمل شامل ہوتے ہیں۔

امام شافعی کا جو قول تین مرتبہ مسح کرنے کا ہے اس کی وجہ مسح کو دھونے پر قیاس کرنا ہے اس کا یہ جواب ہے کہ تین تین مرتبہ دھونے کا احتمال ہے جس طرح حدیث میں وارد ہوا ہے۔ جن احادیث میں مسح کے عدم تکرار کا ذکر ہے۔ وہ صحیح روایات ہیں اور تین کا عدد دھوئے جانے والے اعضاء کے لئے خصوصاً" ہے اور مسح تخفیف پر مبنی ہے۔ پس دھونے پر مسح کا قیاس کرنا مع الفارق ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اسباغ مبالغے اور کامل تر ہونے پر ہے۔ یعنی یہ کہ پانی بہالیا جائے۔ شرح بخاری

میں شیخ ابن حجر رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے شیخین کے اصول کے مطابق کسی بھی سند میں مسح کی تعداد ذکر نہیں کی گئی ہے اور علماء کی اکثریت اس مذہب پر ہے سوائے شافعیوں کے وہ مسح میں تین مرتبہ کو مستحب سمجھتے ہیں۔

ابوداؤد میں ہے کہ صحاح ستہ میں موجود احادیث عثمان رضی اللہ عنہ تمام ہی مسح کے ایک بار کرنے پر دلالت کرتی ہیں۔ اور ابوعبیدہ مبالغہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں سلف میں کسی کو بھی نہیں جانتا جو تین دفعہ مسح کو منتخب جانے سوائے ابراہیم تیمی کے۔ لیکن اس قول میں بھی نظر و کلام ہے۔ کیونکہ ابن ابی شیبہ اور ابن المنذر حضرت انس اور عطاء رضی اللہ عنہم سے یہ نقل کر چکے ہیں۔ اور ابن خزیمہ نے بھی عثمان رضی اللہ عنہ کی حدیث میں تین مرتبہ مسح کو صحیح ظاہر کیا ہے۔ انتہیٰ۔ جامع الاصول میں ہے اور عثمان رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں بھی ہے کہ سر کا مسح تین مرتبہ کیا گیا۔ شیخ ابن الہمام بیہقی سے نقل فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بوجہ غریبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے تکرار مسح روایت ہوا ہے۔ لیکن یہ اہل علم اسے حجت نہیں سمجھتے کیونکہ احادیث صحیح کے خلاف ہے۔ ترمذی میں وائل بن حجر نے روایت کیا ہے کہ ثم مسح علی راسه ثلاثا و مسح علی اذنیه ثلثا پھر اپنے سر کو تین دفعہ کیا اور اپنے دونوں کانوں پر تین دفعہ مسح کیا۔ اس بارے میں جتنا کچھ ذکر کیا گیا ہے اگر اس کی صحت ثابت ہو جائے تو ایک پانی سے تکرار پر ہی محمول ہوگا۔ اور علیحدہ علیحدہ پانی کے ساتھ نہیں ہوگا۔ کما قال فی الهدایه

کانوں کا مسح:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنے کانوں کے اندر باہر مسح فرمایا کرتے تھے اور کان کے سوراخ میں انگلی ڈال کر مسح فرماتے تھے اور کان کا مسح تینوں اماموں کے نزدیک نئے پانی کے ساتھ ہے۔ اور امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ کے متعلق جیسے کہ امام احمد کی روایت ہے کہ سر سے بچے ہوئے باقی پانی سے ہے۔ اور کافی احادیث ہیں جن میں بغیر نیا پانی لینے کے سر اور کانوں کو مسح کرنا آیا ہے۔ ان کے ظاہری سیاق سے آب سر سے مسح کرنا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن روایت میں یہ جو آیا ہے کہ کانوں کے مسح کے لئے نیا پانی لیا۔ اس سے یہ مراد ہے کہ جب سارے سر کا مسح کیا گیا تو کانوں کے لئے ہاتھوں میں تری باقی نہ بچی ہوگی لہٰذا جدید پانی لیا۔ احادیث میں تطبیق کی صورت میں ایسا ہے۔ الغرض یہ تو بڑا مشہور ہے سر کے پانی سے کانوں کا مسح کرنا اور صحابہ کی اکثریت سے بہت طریق سے روایت شدہ ہے۔ جس طرح کہ شیخ ابن الہمام نے فرمایا ہے۔

پاؤں دھونا:۔ وضو کے دوران پاؤں کے دھونے کے متعلق اکثر روایات مطلق ہیں۔ یعنی ان میں تعداد کا ذکر نہیں ہے۔ باقی رہا پاؤں کو ملنا اور انھیں صرف ستھرا کرنا بعض حضرات اس ضمن میں تین مرتبہ دھونے کو نہیں مانتے ہیں جس طرح کہ ابن الہمام کی شرح میں ہے۔ نسائی شریف کی ایک روایت میں یوں ہے کہ دونوں پاؤں دوبار دھوئے کچھ روایات میں تین دفعہ دھونا بھی وارد ہوا ہے۔ اور بعض روایات میں آیا ہے کہ پہلے دایاں پاؤں تین دفعہ دھویا اور پھر بایاں پاؤں تین دفعہ۔ اس سے بالکل عیاں ہے کہ یہ کسی خاص وقت پر کسی مخصوص طریقہ سے ہوا ہوگا۔ واللہ اعلم۔

داڑھی کا خلال کرنا:۔ داڑھی کا خلال سے متعلق حدیث عثمان اور عمار رضی اللہ عنہما کی روایت شدہ ہے۔ اور

محدثین اس کی صحت و ثبوت میں اختلاف الرائے رکھتے ہیں۔ تاہم ثبوت کی جانب ترجیح ہے۔ اور امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ اور امام شافعی کے مطابق یہ سنت ہے اور معروف مذہب کی وجہ سے امام احمد کے نزدیک بھی سنت ہے۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کے باعث کچھ ائمہ مذہب کے نزدیک یہ واجب ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم وضو کیا کرتے تھے۔ تو ہاتھ میں پانی لے کر اسے انگلیوں کی گھائیوں میں ڈالا کرتے تھے اس کے بعد وہ داڑھی مبارک کا خلال کیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ رب نے مجھے اس عمل کا حکم فرمایا ہے۔

خلال اس طرح بھی ہوتا ہے کہ داڑھی کے نیچے والے حصہ سے انگلیاں اوپر کی طرف داخل فرماتے۔ شمنی نے اس طرح فرمایا اور حدیث سے ظاہرا" ایسے معلوم ہوتا ہے کہ جدید پانی کے ساتھ کیا جائے۔ بعض کا قول ہے کہ یہ چہرے کے پانی سے ہی ہوتا ہے جب چہرے کو دھوئیں اس وقت خلال کرنا چاہیے۔ اور اگر چاہے تو جب سر کا مسح کرے اس وقت خلال داڑھی بھی کرے۔ اور ابوداؤد کے مطابق ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم وضو کرتے تھے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو ملایا کرتے تھے۔ اس کے بعد اپنی انگلیاں داڑھی کی نچلی جانب سے (داڑھی میں) داخل کرتے تھے۔

ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں کا خلال:- رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں کا خلال کبھی کبھی کرتے تھے جس طرح کہ سفر السعادت میں مذکور ہے۔ امام اعظم اور شافعی رحمتہ اللہ علیہما کے نزدیک سنت ہے۔ اور امام احمد کے مطابق پاؤں کی انگلیوں کا خلال سنت ہے۔ ہاتھوں کی انگلیوں کے بارے میں کہ یہ سنت ہے دو مشہور روایات ہیں۔ اور ایک روایت کی رو سے سنت نہیں ہے۔ کیونکہ ان کا کافی کھلا ہونا خلال کا محتاج نہیں ہے۔ امام مالک رحمتہ اللہ علیہ بالخصوص پاؤں کی انگلیوں کے خلال کے حق میں تھے۔ اور یہ بھی فرماتے تھے۔ کہ اگر یہ خلال ترک کردیں تو پھر بھی کچھ حرج نہیں ہے۔ لیکن خلال کرنا تو پاکیزگی نفس کے لئے ہے۔ اور چھنگلیوں کے ساتھ پاؤں کی انگلیوں کا خلال کرنا چاہیے۔ اور علماء کہتے ہیں یہ اس واسطے یوں ہے کہ چھوٹوں کے ساتھ خدمت کرنا زیادہ موزوں ہے طریقہ اس کا یہ ہے کہ اپنے بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی یعنی چھنگلیا کے ساتھ دائیں جانب کے پاؤں کی چھنگلیا سے خلال شروع کرے۔ اور بائیں جانب کے پاؤں کی چھنگلیا پر جاکر ختم کردے اور ہاتھوں کی انگلیوں کا خلال کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہر انگلی دوسرے ہاتھ کی انگلی میں داخل کرے۔ اور شیخ ابن الہمام نے فرمایا کہ ہاتھوں پاؤں کی انگلیوں میں اس طرح سے عمل کرنے کی تعلیم کیوں دی گئی اس حقیقت کا پتہ نہیں۔

انگوٹھی پھیرنا یا حرکت دینا:- وضو کے دوران انگوٹھی کو حرکت دینا ایک ضعیف حدیث میں مذکور ہے۔ احناف کے مذہب کے مطابق اس عمل کو بھی وضو کے مستحبات اور سنن میں شمار کیا جاتا ہے۔ ابن الہمام نے زاد الفقہ میں فرمایا ہے کہ انگوٹھی اگر کھلی ہو تو اس کو حرکت دینا سنت ہے۔ اور تنگ انگوٹھی ہو۔ جس کے تلے پانی نہ پہنچ پائے تو اس کو پھیرنا گھمانا

اور حرکت دینا واجب ہے۔

گردن کا مسح کرنا:۔ گردن کے مسح کے بارے میں بھی ایک حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا جو آدمی سر کے مسح کے ساتھ ساتھ گردن پر بھی مسح کرے اللہ تعالیٰ اس کی گردن قیامت کے دن میں طوق سے محفوظ رکھے گا۔ یہ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مسند الفردوس میں مروی ہے۔ شمنی نے ایک اور روایت میں بھی بیان کی ہے لیکن ساتھ یہ بھی کہا ہے کہ سند ضعیف ہے۔ اور مذہب حنفیہ میں یہ مستحب ہے۔ کچھ شوافع بھی اسی جانب گئے ہیں۔ اور ابن الہمام رحمتہ اللہ علیہ اس کا استحباب ثابت کرنے کے لئے ترمذی میں وائل بن حجر کی حدیث ذکر کرتے ہیں۔ مسح علی راسه ثلثا ومسح اذنيه ثلثا و ظاهر رقبته کعب بن عمر یمامی سے ابوداؤد کی روایت کے ساتھ ایک حدیث ہے۔ انه صلی الله عليه وسلم مسح رقبته مع الراس آنحضرت نے سر کے ساتھ گردن کا بھی مسح فرمایا ابن الہمام کہتے ہیں کہ بعض علماء نزدیک یہ بدعت ہے۔ اور ہدایہ کے اندر سنن اور مستحبات میں یہ مذکور نہیں ہوئی حلقوم کا مسح بدعت ہونے پر سب کو اتفاق ہے۔ اور وضو میں پانی بہانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ہاتھ سے آنجناب کے سفرو حضر میں ثابت ہے۔ اور اس بارے میں صحیح احادیث مروی ہوئی ہیں۔ اس سے یہ دلیل ملتی ہے کہ وضوء کے دوران کسی دوسرے شخص کے ہاتھ سے اپنے ہاتھ پر پانی ڈلوانے میں مدد حاصل کرنا بغیر کراہت جائز ہے۔ اب دوسرے سے پانی منگوانا بطریق اولیٰ جائز ہوگا۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں قرار پاتا کہ ہمیشہ کسی سے مدد ہی لے جائے۔ اور کچھ لوگ جو اس طرح کرتے ہیں کہ پاؤں جب دھوتے ہیں تو دوسرے سے برتن ہاتھ میں پکڑ لیتے ہیں۔ یہ بے اصل ہے۔ مگر اس صورت کے کہ وہ یہ لحاظ رکھنا چاہتے ہوں کہ دوسرے کے ہاتھ سے زیادہ پانی نہ بہہ جائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کوئی رومال نہ رکھتے تھے۔ جس کے ساتھ وہ خشک ہوں۔ ہاں کپڑے کے کنارے سے چہرہ اقدس کا مسح کرنا بھی آیا ہے۔

فائدہ:۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنا جسم پاک خشک کرنے کے لئے رومال تھا۔ اس کے ساتھ آپ وضو کر لینے کے بعد پانی خشک کر لیا کرتے تھے۔ لیکن یہ حدیث ضعیف ہے اور بعض تو اس کو بھی اور اس حدیث کو بھی جس میں کپڑے کے کنارے سے چہرہ مبارک خشک کرنے کا ذکر ہے دونوں کو ضعیف بتاتے ہیں اور بعض کا قول ہے کہ دونوں یہ احادیث جامع ترمذی میں ذکر کی گئی ہیں اور انہوں نے بھی ان کو ضعیف کہا ہے اور فرمایا ہے کہ اس بارے کوئی چیز صحت درجہ تک نہ پہنچی ہے۔ ایک جماعت جس میں صحابہ کرام، تابعین اور علماء ہیں اس طرح فرماتی ہے کہ اس بارے میں رخصت دی گئی ہے۔ کچھ اسے مکروہ سمجھتے ہیں اور اعضاء وضو کو خشک کرنے کے لئے اپنے حال پر چھوڑ دیتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ نورانیت کا سبب اور میزان عمل کو وزنی کرنے کا باعث ہے۔ یہ قول سعید بن المسیب اور زیدی سے مروی ہے۔ کتب احناف میں ہے کہ تنزہ و تکبر کا جذبہ شامل نہ ہو تو اس میں کراہت نہیں ہے اور مشکوٰۃ شریف کی کچھ شروح میں ازہار سے نقل کیا گیا ہے کہ مستحب یہ ہے کہ کپڑے وغیرہ سے خشک نہ کیا جائے۔ کیونکہ

اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں کیا ہے اور کوئی اگر خشک کرے بھی تو تواضع قول کے مطابق یہ مکروہ نہیں ہے۔ بعض اسے مکروہ خیال کرتے ہیں۔

وضوء کے دوران اذکار:۔ جو احادیث اذکار وضو کے ضمن میں آئی ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی صحت کے درجہ کی حامل نہیں ہے۔ بلکہ محدثین حضرات ان کو موضوع کہتے ہیں۔ جتنا حصہ صحیح ہے وہ یہ ہے کہ وضو کے شروع میں بسم اللہ شریف پڑھنی چاہیے۔ اور اسلاف سے یہ قول چلا آتا ہے۔ بسم اللہ العظیم والحمد للہ علی دین الاسلام اور شیخ ابن الہام ہر عضو کو دھوتے ہوئے دونوں کلمات شہادت پڑھنا مستحبات میں رکھتے ہیں۔ کچھ علماء ہیں جو ہر عضو کو دھوتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود شریف پڑھنا مستحب فرماتے ہیں۔ امام احمد رحمتہ اللہ علیہ کے مذہب کے مطابق وضو کے شروع میں تسمیہ (بسم اللہ شریف پڑھنا) واجب ہے اور یہ وضو کی صحت کی شرط ہے۔ کیونکہ ارشاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ لا صلوٰۃ لمن لا وضوء لہ ولا وضوء لمن لمن لا یسم رواہ احمد و ابوداؤد (والحاکم عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ۔ اور وضوء کے آخر پر کہنا چاہیے۔ اشہد لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشہد ان محمد عبدہ رسولہ یہ بات صحیح حدیث میں وارد ہوئی کہ وضوء کر لینے کے بعد جو شخص یہ کلمہ پڑھتا ہے۔ اس کے لئے بہشت کے آٹھوں دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ اور اس کو کہا جائے گا کہ جس دروازہ سے وہ چاہتا ہو اسی سے جنت میں داخل ہو جائے۔ اور کچھ احادیث میں یہ کلمہ شہادتین پڑھنے کے بعد یہ بھی آیا ہے۔ اللھم وبحمدک اشہد ان لا الہ الا انت استغفر واتوب الیک آیا ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ اس کو کاغذ کے ایک ٹکڑا پر لکھا جائے گا اور اس پر مہر لگا دی جائے گی۔ اور یہ کاغذ قبل از یوم قیامت نہیں کھولا جائے گا۔ لوگوں میں مشہور ہے کہ سورۃ انا انزلناہ پڑھنی چاہیے۔ سنن الھدیٰ میں کہا گیا ہے کہ یہ بات ضعیف ہے۔ اور اس کو ثابت شدہ بات نہیں کہا گیا۔ واللہ اعلم۔

فائدہ:۔ شیخ ابن الہام نے شرح ہدایہ میں مستحبات وضو جمع کئے ہیں۔ اور لکھا ہے کہ پانی کے بارے میں اسراف کا ترک کرنا اس میں کمی کرنا۔ کلام ناس کا ترک کرنا دوسرے سے مدد حاصل کرنا کپڑے کے ساتھ استنجاء کے مقام کو صاف کرنا۔ وضو کے پانی میں پھونک نہ مارنا۔ استنجے کے بعد ستر کو پوشیدہ کرنے میں جلدی کرنا۔ جس انگشتری میں اللہ تعالیٰ کا نام لکھا ہو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام ہو اس کو ہاتھ سے اتار لینا۔ لوٹا بائیں طرف رکھنا۔ اگر برتن ڈھکا ہوا ہو تو دائیں طرف رکھنا۔ دھونے کے وقت ہاتھ لوٹے کے دستہ پر رکھیں منہ پر نہیں۔ قبل از وقت وضوء کرنا۔ ہر عضوء کے دھوتے ہوئے شہادتین پڑھنا۔ قبلہ کی طرف منہ کر کے بیٹھ کر وضو کرنا۔ سب افعال میں بے فکر نہ ہونا۔ آنکھ کے سلوٹو کو جاننا۔ گردن کا مسح کرنا۔ ان کو دھونا ان سے غفلت نہ کرنا انگشتری کے نچلی جگہ کو اپنے خیال میں رکھنا۔ ہر عضوء کو دھوتے وقت دعا مانگنا۔ زور کے ساتھ پانی چہرہ پر نہ مارنا۔ دھلے ہوئے پر اپنا ہاتھ پھیرنا۔ اعضاء اطمینان وسکون کے ساتھ دھونا۔ ہاتھ سے اعضاء کو ملنا بالخصوص جب سردی کی بہار ہو۔ دونوں ہاتھوں اور پاؤں کی حدود سے چہرے کے حدود تجاوز کرنا ان کو دھونے میں اچھی

طرح یقین کرنا۔ غرارہ لمبا کرنا۔ یہ دعا پڑھنا۔ سبحانک اللھم وبحمدک اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ اللھم اجعلنی من المتطھرین قبلہ کی طرف منہ کرکے کھڑے ہونا اور وضوء کا بچا ہوا پانی پینا۔ اور بیٹھ کر پینا بھی جائز ہے۔ بعد از وضوء دو رکعت نماز ادا کرنا۔ آئندہ نماز کی تیاری کے لئے برتن میں پانی بھر کر رکھ لینا۔ پانی کے قطروں سے اپنے کپڑے بچانا۔ جب ناک میں پانی ڈالیں تو بائیں ہاتھ سے ناک صاف کرنا۔ دائیں ہاتھ سے ناک کی صفائی مکروہ ہے۔ اور تین مرتبہ سے زیادہ اعضاء دھونے اور دھوپ میں گرم پانی کے ساتھ اعضاء کا دھونا مکروہ ہے۔ اگر کسی عضو میں شک ہو تو فراغت سے پہلے ہی اس شک کو رفع کرے۔ وضوء کے بعد اگر شک پیدا ہوا ہے تو اعادہ بالکل نہ کرے۔

موزوں پر مسح:۔ وصل:۔ معلوم ہونا چاہیے کہ ائمہ حدیث کی کتب کے اندر اور خصوصا صحاح ستہ میں متعدد راویوں سے اور مختلف طریقوں سے روایت ہوئی ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفر و حضر میں اپنے موزوں پر مسح فرمایا کرتے تھے۔ اور حدیث کے حافظوں کی ایک جماعت نے صراحت سے بیان کیا ہے کہ موزوں پر مسح کرنے کے بارے میں وارد شدہ حدیث تواتر کے ساتھ ثابت شدہ ہے۔ اور اس کے اندر ہرگز کسی شک و شبہ کی گنجائش نہ ہے۔ کچھ علماء نے اس حدیث کے راویوں کو ایک جگہ جمع کیا ہے جو پچاس سے زیادہ ہیں ان میں عشرہ مبشرہ بھی ہیں۔ تمام اہل سلف اسے مانتے ہیں لیکن امام مالک رحمتہ اللہ علیہ مقیم کے لئے اس کے قائل نہ ہیں جیسے کہ ان سے منقول ایک روایت ہے۔ حالانکہ اس بارے میں صحیح روایت مطلق طور پر اس کے جواز پر تصریح کرتی ہے۔ مذہب مالکی کے پیرو کاروں کے نزدیک مشہور و معروف قول دو ہیں۔ ایک قول مطلقاً" جواز میں ہے اور دوسرا قول صرف مسافر کے لئے جواز میں اور مقیم کے لئے نہیں۔ جس قدر مدون شدہ ہے وہ تو اسی کا مقتضی ہے اور ابن حاجب بھی اس پر جزم و یقین رکھتے ہیں۔ کچھ علماء کا قول ہے کہ اقامت کی حالت میں موزہ پر مسح کرنے کے متعلق امام مالک کا توقف صرف وہ اپنی ذات کے لئے کرتے ہیں۔ جبکہ امام صاحب کا فتویٰ مسح کے جواز میں تھا۔ حضرت ابو ایوب انصاری صحابی سے بھی اس طرح ہی نقل کیا گیا ہے۔ ظاہرا" یہی ان کا مطلب ہے کہ اقامت کی حالت میں وہ مسح نہ کرتے تھے۔ اور عدم مشقت کی بناء پر دریں حال عزیمت اختیار کرتے تھے۔ اور اس طرح نہیں کہ وہ اس کے سرے سے قائل ہی نہ ہوں۔ واللہ اعلم۔

علماء کرام نے امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ موزوں پر مسح کا حکم میں نے نہ کیا تھا تا آنکہ روشن دن کی طرح آثار و اخبار ملاحظہ نہ کئے۔

امام احمد رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے موزوں پر مسح کرنے کی روایت سینتیس صحابہ نے کی ہے دیگر ایک حدیث میں کہتے ہیں کہ مرفوعا" اور موقوفا" احادیث مروی ہیں۔ لیکن آیت پاک ارجلکم کو لام کے زیر کے ساتھ قرات ہو تو اس سے مراد دھونا لیتے ہیں۔ یہ تاویل خالی از ضعف نہیں ہے۔ کیونکہ باتفاق موزوں پر ٹخنوں کے مسح نہ ہے۔

امام حسن بصری نے فرمایا کہ ستر صحابہ کرام نے میرے سامنے موزوں پر مسح کرنے کی روایت کی ہے۔ اور ہدایہ میں

لکھا ہے کہ مسح خفین کے ضمن میں حدیثیں اور اخبار مشہور ہیں۔ اور مستفیض ہیں۔ اور اس پر اپنا عقیدہ نہ رکھنے والا بدعتی ہے۔ امام کرخی کا قول ہے کہ جو شخص خفین پر مسح کا قائل نہیں مجھے اس کے کفر کا خدشہ ہے۔ اس طرح امام رحمتہ اللہ علیہ سے روایت ہوا ہے۔ اہل سنت و جماعت کے عقائد میں اس طرح ہے وتری المسح علی الخفین (موزوں پر مسح کرنے کا عقیدہ رکھو)۔ خفین پر مسح کو اہل سنت و جماعت کی علامت سمجھا جاتا ہے۔

موزوں پر مسح کی مدت:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا موزوں پر مسح فرمانا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ مقیم ہونے کی صورت میں (حضر) شبانہ روز مدت تھی اور سفر پر ہوتے ہوئے مسح خفین کی مدت تین شبانہ روز تھی۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مسلم شریف میں ان الفاظ میں حدیث روایت ہوئی ہے۔ جعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم المسح علی الخفین ثلثۃ ایام ولیا لیھن للمسافر ویوما ولیلۃ للمقیم اور موزہ کے ظاہر پر مسح فرمایا ہے۔ یعنی کہ پاؤں کی پشت کے رو پر جس طرح صحیح احادیث میں وارد ہوا ہے۔ سنن ابوداؤد میں کئی طریقوں سے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر عقل پر دین کا کاروبار مبنی ہوتا تو بجائے اوپر والے حصہ پاؤں کے نچلے حصہ پر مسح ہوتا لیکن اس میں ہرگز کوئی شک نہیں کہ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے موزہ کے ظاہر حصہ (اوپر والا) پر مسح فرمایا۔ مصنف کتاب سفر السعادت نے کہا ہے کہ موزہ کے نچلے والے حصے پر مسح کرنا ایک روایت آیا ہے جو کہ ضعیف ہے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے ابوداؤد میں۔ ترمذی میں اور ابن ماجہ میں بھی روایت ہے وہ بتاتے ہیں کہ غزوہ تبوک کے موقع پر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو وضو کرانے میں لگے ہوئے تھے۔ آنحضور نے موزہ کے اوپر اور نیچے (دونوں حصوں پر) مسح فرمایا۔ یہ صحیح حدیث نہیں۔ اور بہت سے طریق میں حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے مطلقاً" واقع ہوا ہے۔ مراد یہ کہ اوپر اور نیچے موزہ کے دونوں حصوں پر بغیر کسی ذکر کے مسح فرمانا۔ ترمذی شریف کی بعض اسناد میں اور ابوداؤد میں اور مسند احمد میں دونوں کے ظاہر پر بھی مذکور ہوا ہے۔ امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ کے مطابق مسح موزہ کے ظاہر پر ہے۔ مذہب امام احمد میں بھی اسی طرح ہی ہے۔ لیکن امام شافعی اور امام مالک دونوں حضرات کے مذہب میں موزہ کے ظاہر حصہ پر مسح فرض ہے اور نچلے حصہ پر مسح کرنا سنت ہے۔

اب یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ مسح کرنا افضل ہوتا ہے یا کہ پاؤں کو دھونا۔ ایک جماعت کے مذہب کے مطابق دھونے کو فضیلت حاصل ہے۔ کیونکہ دھونا عزیمت ہے مسح رخصت ہے اور عزیمت پر عمل بمقام عمل بر رخصت افضل تر ہے۔ پس پاؤں سے موزہ نکال کر پاؤں دھویا جانا افضل ہے اور اس کا اجر اور ثواب ملتا ہے۔ یہی مذہب مختار ہے صاحب ہدایہ کے نزدیک۔ ایک دوسری جماعت یوں کہتی ہے۔ کہ بدعتیوں کے رد میں سنت کے اظہار کی خاطر جیسے کہ روافض اور خوارج اس کے منکر ہیں۔ مسح افضل ہے بمطابق اس جماعت کے کھلے پاؤں ہوں تو ان پر موزہ پہن کر مسح کرنا چاہیے۔ اور ثواب اس طرح ہے کہ دھونا اور مسح کرنا دونوں برابر ہیں۔ اور دونوں مشروع ہیں دونوں میں سے کوئی ایک بھی دوسرے پر افضل نہیں صاحب سفر السعادۃ کا قول ہے کہ پائے اقدس کو دھونے یا ان پر مسح کرنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

کے لئے کوئی زحمت نہ ہوتی تھی۔ ہاں اگر وضو کے وقت آپ کے پاؤں مبارک کھلے ہوتے تھے تو آپ ان کو دھوتے تھے اور مسح کرنے کے مقصد کے لئے موزہ کو آپ نہیں پہنتے تھے۔ اگر پہلے ہی آپ موزہ پہنے ہوتے تھے تو پھر آپ مسح فرماتے تھے اور پاؤں سے موزہ کو اتارتے نہیں تھے۔ اور کہا ہے کہ یہ اقوال احسن ہیں اس لئے کہ یہ اقوال عادت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے مطابق ہیں۔

تیمم:۔ تیمم کتاب وسنت سے ثابت ہے اور امت کے اجماع سے بھی ثابت شدہ ہے۔ اور تیمم اس امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے خصائص میں سے ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جہاں چاہتے تھے زمین پر نماز ادا فرماتے تھے خواہ وہ پتھر ہوتی یا مٹی ہوتی یا ریت ہوتی آپ تیمم فرمالیتے تھے اور مٹی یا ریت وغیرہ کے درمیان کسی کا کوئی فرق روانہ رکھتے تھے جبکہ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ مٹی کے ساتھ تیمم کو مخصوص فرماتے ہیں۔ علاوہ ازیں کسی طور تیمم کو ٹھیک تصور نہیں کرتے۔ امام ابو یوسف کا قول ہے کہ سوائے مٹی اور ریت کے تیمم درست نہیں اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کا طریق اس طرح ہے کہ مٹی، ریت، پتھر وغیرہ کوئی چیز جو زمین کی جنس سے ہو اس پر تیمم کرلینا جائز ہے۔ زمین کی جنس سے ان کا مطلب ہے کہ وہ چیز آگ پر پکائی گئی نہ ہو۔ اس کو خاکستر نہ کیا گیا ہو اور پتھروہ ہو جس پر کوئی گرد وغبار موجود نہ ہو۔ تیمم درست ہے۔ اور حدیث ابو امامہ رضی اللہ عنہ میں ارض وارد ہوا ہے۔ اور حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں تربت' تراب یعنی کہ مٹی مذکور ہوا۔ اور ہمارے نزدیک تیمم کا حکم بھی وضو کی طرح ہی ہے۔ جس طرح ایک وضو سے چند نمازیں ادا ہو سکتی ہیں۔ اس طرح ایک ضروری طہارت دفع حرج کے لئے ہیں جیسے کہ معذور کے لئے طہارت ہوتی ہے۔ صاحب سفر السعادت کا قول ہے کہ میں نے کسی صحیح حدیث میں نہیں پایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہر فریضہ کو ادا کرنے کے لئے نیا تیمم کرتے ہوں۔

تیمم کی مشروعیت اس طرح سے شروع ہوئی تھی کہ ایک غزوہ کے موقع پر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہار گم ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے آدمیوں کو ہار تلاش کرنے کے لئے مقرر فرمادیا اور خود اسی مقام پر قیام فرمایا۔ اتنے میں نماز کا وقت ہو گیا جبکہ صحابہ کرام اپنے پاس پانی نہیں رکھتے تھے۔ جس سے وضو کیا جاسکتا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنی بیٹی عائشہ رضی اللہ عنہا کو ناراض ہوئے۔ کہ تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو روکا ہوا ہے۔ مسلمانوں کے پاس پانی نہیں ہے تیمم سے متعلقہ آیت پاک کا نزول اس وقت ہوا۔ ایک صحابی حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ اس وقت کہنے لگے اے ابو بکر! تمہاری وساطت سے مسلمانوں پر بہت سی مختلف برکات نازل ہوئی ہیں اللہ تعالیٰ تم پر بھی اپنی طرف سے برکات کا نزول فرمائے۔ اے عائشہ! میں نے نہیں دیکھا کہ تمہاری جانب سے کوئی ایسا معاملہ پیش آیا ہو جو ظاہر طور پر خواہ کتنا ناپسندیدہ اور مکروہ نظر آتا ہو مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس میں بھی اہل اسلام کے حق میں کشائش اور فراخی پیدا کردیتا ہے تھوڑی دیر کے بعد کجاوے کے نیچے سے ہار بھی مل گیا۔ اور اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت تھی کہ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے بھی پوشیدہ رکھا۔

علماء میں تیمم کی کیفیت سے متعلق اختلاف پایا جاتا ہے۔ تیمم میں ضربہ دو ہوتی ہیں۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ زمین پر دو دفعہ ہاتھ مارنا۔ ایک مرتبہ صرف چہرے کے واسطے اور دوسری دفعہ کہنیوں تک دونوں ہاتھوں کے لئے امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ' امام مالک' امام شافعی اور امام احمد کے بعض اصحاب ان سب کا مسلک یہی ہے۔ اور یہی قول ہے حضرت علی' عبداللہ بن عمر' حسن بصری شعبی سالم بن عبداللہ بن عمر اور ابوسفیان ثوری کا۔ بعض یہ مذہب رکھتے ہیں کہ ایک ہی بار زمین پر ہاتھ مارا جائے اور چہرے اور ہاتھوں پر ملا جائے یہ امام شافعی کا قول ہے اور امام احمد کا مشہور مذہب ہے۔ مگر ان کے مذہب میں پہلا ہی مذہب مختار ہے اس کو مکحول' اوزاعی' اسحاق' ابن جریر' ابن المنذر اور ابن خزیمہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے۔ امام مالک سے بھی اور محدثین سے بھی نقل کیا گیا ہے۔ مذہب ثانی کو ترجیح دینے میں اصرار پایا جاتا ہے۔ شیخ ابن حجر بخاری شریف میں اس مذہب سے متعلقہ احادیث کو ترجیح دیتے ہیں اور مذہب اول کی کچھ حدیثوں میں ضعف پایا جانا دکھاتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہی ہے کہ تیمم کی دو ضربہ والی حدیث ہی صحیح ہے۔ ایک چہرے کے واسطے اور دوسرا ضربہ دو ہاتھوں کے لئے کہنیوں تک اس مقام سے متعلق علماء کا بہت کلام ہے جو شرح سفرا لسعادت میں قلمبند کیا گیا ہے۔ الغرض مذہب اول میں ہی احتیاط پائی جاتی ہے۔

غسل شریف:۔ وصل:۔ یہ وصل غسل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق ہے غین کے زبر سے غسل کا معانی ہے۔ دھونا۔ اور غین کے پیش اور سکون سین کے ساتھ یہ غسل کا نام ہے۔ (Novn) غین کے زیر کے ساتھ غسل کے معانی ہیں وہ چیز جس کے ساتھ سر کو دھویا جائے جس طرح گل خطمی وغیرہ اغسال کا معانی ہے نہلانا۔ غسول غین کے فتح کے ساتھ کے معانی ہیں نہانے والے کے غسل کا پانی اسی طرح غسل کی جگہ کو مغسل بکسر سین۔ جہاں مردہ نہلایا جاتا ہے۔ اور جس پانی سے ہاتھ منہ دھویا جاتا ہو اس کو غسالہ کہتے ہیں۔ یعنی وہ پانی جو استعمال شدہ ہے بدن دھونے میں اس لفظ کو لغوا یہ معانی ہیں اور شریعت کے اعتبار سے تمام اعضاء کو دھونا اور ان پر پانی کا بہانا ہی حقیقت اغسال ہے اس میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ ہاتھ سے بدن کو ملنا واجب ہے۔ یا کہ نہیں۔ ہمارے مذہب میں بھی اس طرح ہے۔ امام مالک سے اور شافعین سے مزنی سے اس کا وجوب منقول ہوا ہے۔ دو جماع کے درمیان میں غسل واجب نہ ہونے پر اجماع ہے لیکن وضو کرنا مستحب ہے امام ابو یوسف رحمتہ اللہ علیہ کے مطابق مستحب نہیں ہے۔ اصحاب ظاہر اسے واجب گردانتے ہیں ان کی بنا یہ حدیث ہے۔ اذا اتی احدکم اھله ثم لراد لن یعود فلیتوضا بینھما وضوعا رواہ مسلم تم میں سے جس وقت کوئی شخص اپنی زوجہ کے پاس آئے اور پھر دوبارہ آنا چاہے تو درمیان میں وضوء کرلے۔ کچھ حضرات اس وضوء کے لفظ کو لغوا محمول کرتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد ہے شرمگاہوں کو دھونا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی کسی وقت اپنی ازواج مطہرات پر ایک ہی غسل سے دورہ فرمالیتے تھے کبھی علیحدہ علیحدہ ھذا لزکی واطیب واطہر

روایت ہے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے۔ کہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنب سے ہوتے تھے اور آپ کا ارادہ خواب استراحت فرمانے کا ہوتا تو آپ نماز کے وضو کی طرح سے وضوء کرلیتے تھے اور سو جاتے تھے۔ یہ

روایت بخاری میں شیخ صاحب کا کہنا ہے کہ یہ جنبی شخص کے لئے نیند کی طہارت ہے جو سونے کا ارادہ رکھتے ہوں۔ وہ وضو کرے اور طہارت کے ساتھ سوئے۔ انتہیٰ۔ بعض لوگ تیمم کو وضو کا قائم مقام گردانتے ہیں۔ وہ لوگ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس بارے میں ایک حدیث بھی بیان کرتے ہیں واللہ اعلم۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم غسل سے قبل آغاز میں ہی وضو فرماتے تھے۔ اس میں سر کے مسح کرنے سے متعلق روایات دو ہیں۔ لیکن افضل یہ ہے کہ مکمل وضو کرلے جس طرح کہ حالت غسل کے بغیر کرتے ہیں۔ امام مالک کے نزدیک یہ ہے کہ غسل کے وضو میں مسح نہیں کرنا چاہیے۔ اس کے لئے سر کا غسل کافی ہوتا ہے اور دونوں پاؤں کو پہلے دھوئے اور دو روایات اس کی تاخیر کے ساتھ وارد ہوئی ہیں اکثریت اس جانب ہے کہ تاخیر کرے۔ کچھ روایتوں میں تقدیم کرنے کے لئے آیا ہے۔ علماء کہتے ہیں کہ جب غسل کا مقام پاک و صاف نہیں ہوتا اس وقت پاؤں دھونے میں تاخیر کرے۔ اور اس میں تقدیم کرنا برائے لطافت کے اور حضور کی عادت مبارک کے لحاظ سے تھے کہ وضو کے بعد اپنی انگلیاں پانی میں ڈالتے تھے اور پھر ان سے بالوں کی جڑوں میں خلال فرماتے تھے۔ ازاں بعد دونوں ہاتھوں پر تین چلو پانی کے ڈالتے تھے۔ ازاں بعد آپ سارے بدن پر پانی بہایا کرتے تھے۔ بالوں کی جڑوں میں خلال کا مطلب ہوتا ہے سر کے بال جس طرح کہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے بعض اس سے مراد داڑھی شریف کے بال لیتے ہیں۔ یا اس واسطے کہ بالوں کی جڑیں مطلقاً مذکور ہوئی ہیں۔ اس سے قیاس کرتے ہیں کہ سر اور داڑھی دونوں کے بال مراد ہیں۔ کچھ حضرات کہتے ہیں کہ داڑھی میں خلال واجب نہ ہے۔ سوائے اس کے کہ بالوں پر کوئی چیز لگائی ہوئی ہو۔ اور وہ بالوں کی جڑوں میں پانی کے پہنچنے میں رکاوٹ بنتی ہو۔

غسل کے بعد وضو کرنا۔ اس کی کوئی بنیاد نہیں بلکہ یہ تو سنت کے خلاف ہوتا ہے۔ اور کاتب الحروف (شیخ عبدالحق محدث) کبھی اگر شرمگاہ کو ہاتھ لگ جائیں اعضاء دھونے کے وقت تو شافعیہ کے مذہب کی رعایت پر احتیاط کے طور پر غسل کے بعد وضوء کرلیتا ہے۔ اور اگر اس طرح کا احتمال نہ ہو تو وضوء کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

غسل کے بعد رومال یا تولیہ سے بدن کو خشک کرنے کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔ حدیث میمونہ میں اس طرح روایت ہے کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا جب حضور غسل فرما لیتے تھے تو ان کو رومال پیش کرتی تھیں تاکہ آپ اس کے ساتھ اپنا بدن مبارک خشک فرمالیں۔ یعنی پونچھ لیں۔ لیکن آپ رومال نہیں لیتے تھے۔ اس سے خشک کرنے کی کراہت لازم نہیں ہو جاتی اس لئے کہ امکان ہے کہ کسی اور وجہ سے شاید آپ رومال نہ لیتے ہوں گے۔ جو کہ کپڑے سے متعلق ہو۔ مثال کے طور پر وہ ریشمی ہو۔ یا شاید میلا ہو یا تواضع فرمانے کے طور پر ہو بعض کا قول ہے کہ گرمیوں میں مکروہ ہے۔ سردیوں میں مباح ہے۔ ہاتھ کے ساتھ پانی پونچھ کر نچوڑنا مکروہ نہیں ہے۔ وضوء کے ضمن میں بھی اس کے متعلق پوری بحث مذکور ہو چکی ہے۔

دوسری نوع۔ دوران نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم:۔ یہ معلوم ہونا چاہیے کہ سب عبادات میں سے نماز افضل و اشرف اور اکمل و اتم عبادت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فرماتے ہیں۔ جعلت قرۃ

عینی فی الصلوٰۃ نماز میں میری آنکھوں کی ٹھنڈک رکھ دی گئی ہے۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کے دوران جو دلی خوشی و مسرت آنکھوں کا نور اور دل کا سرور اور ذوق و مشاہدہ پاتے تھے وہ کسی بھی وقت اور کسی بھی دوسری عبادت میں میسر نہ آتے تھے۔ قرۃ العین کنایہ ہے مقصود اور غیب سے نور حاصل ہونے میں فرحت اور سرور میسر آنا۔ قرۃ میں قرۃ قاف کی فتح سے ہے۔ اس کے معانی ہیں۔ قرار اور ثبات۔ کیونکہ محبوب کے دیکھنے سے جس قدر قرار اور ثبات میسر آتا ہے۔ وہ کسی بھی دوسری چیز سے حاصل نہیں ہوتا۔ اور غیر محبوب پر نظر ڈالیں تو نظر پراگندہ ہوتی ہے اور اپنے ہی محبوب کی متلاشی ہے ہوتی ہے۔ حزن اور خوف کے دوران نظر سرگردان اور لرزتی ہے تدور اعینھم کالذی یغشی علیہ من الموت ان کی آنکھیں بھٹکتی پھرتی ہیں جیسے کہ ان پر موت غالب ہوتی ہے۔ اس مفہوم کی دلیل ہے۔ یا قرۃ یہ قاف کے ضم سے ہے۔ اس کے معنی ہیں۔ ٹھنڈک۔ اور محب کی آنکھوں کی ٹھنڈک محبوب کو دیکھنے سے ہوتی ہے۔ اعداد کو دیکھے تو اس سے گرمی اور سوزش ملتی ہے یہی وجہ ہے کہ بیٹے کو قرۃ العین کہا جاتا ہے۔

علماء تو کہتے ہیں کہ الصلوۃ معراج المومنین۔ یہاں پر مومن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور دیگر ہر ایک مومن رسول اللہ کی تبعیت میں اپنے ایمان و یقین کے انداز کے موافق اس سے حصہ پاتا ہے۔ التحیات کی مشروعیت میں اس مقام کے حاصل ہونے کی طرف ایک اشارہ پایا جاتا ہے۔ اور دلالت بھی ہے۔ اور دوران نماز فرد کے قلب و جوارح ظاہری اور باطنی طور پر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ قرب و عزت میں متوجہ ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے نماز کی ایک رکعت میں سب عبادات اکٹھی کر دی ہیں۔ جو علیحدہ علیحدہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے ادا کرتے ہیں۔ روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعض اس طرح کے فرشتے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ جو ہر وقت رکوع میں رہتے ہیں۔ اور جس وقت سے یہ پیدا کئے گئے ہیں اپنے سر رکوع سے اٹھاتے نہیں ہیں۔ اور قیامت تک بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے یہی حال ہے سجود' قیام' اور قرات کا اور قعود کا۔ اور یہ سب چیزیں نماز کی ایک رکعت میں مجتمع ہیں۔ اس طرح کا مجموعہ عبادات کسی بھی دوسری عبادت میں جمع نہ ہے۔ طہارت' صحت' استقبال قبلہ' استفتاح (تکبیر تحریمہ) تکبیریں۔ قرات' قیام۔ رکوع۔ سجود۔ تسبیح۔ دعا۔ توجہ۔ حضور قلب۔ خضوع اور خشوع وغیرہ وغیرہ یہ سب اپنے اپنے مقام پر جدا جدا مستقل عبادات ہیں۔ اور کیا خوب طریقہ سے ایک ہی عبادت میں یہ تمام امور مجتمع کر دیئے ہیں۔ بڑی تعجب خیز خوبی ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز سے مشابہت رکھتی ہے جو حقیقت میں جملہ شیونات اور برکات و کملات کی حامل ہے یہی مناسبت اور تعلق ہے جس کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز کو قرۃ العین کہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے فرمایا۔ اتل ما اوحی الیک من الکتب واقم الصلوٰۃ جو کچھ آپ پر وحی کیا گیا ہے اس کو پڑھیں اور نماز قائم کریں۔ نیز فرمایا۔ وامر اھلک بالصلوٰۃ واصطبر علیھا میں ایک اشارہ پایا جاتا ہے کہ نماز میں ایک ایسی چیز موجود ہے جو نفس بشری پر شاق و گراں ہوتی ہے۔ کیونکہ بندوں کی لذات و شہوات اور مصروفیات کے اوقات میں آتی ہے۔ بندہ ان سب سے قطع تعلق ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف آتا ہے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قیام پذیر ہوتا ہے۔ ہر چیز ماسوئی اللہ تعالیٰ سے فارغ ہو جاتا ہے۔ حق تعالیٰ

کا یہ ارشاد اسی وجہ سے ہے۔ استعینوا بالصبر والصلوۃ صبر اور نماز کے ساتھ استعانت کرو۔ یہاں پر صبر و نماز کے ملائے جانے میں یہ اشارہ پایا جاتا ہے۔ کہ نماز کے دوران مختلف اقسام کا صبر کرنا پڑتا ہے۔ نماز کے اوقات کو نگاہ میں رکھنا حفاظت اوقات کرنے پر صبر۔ واجبات مسنونات و مستحبات پر صبر۔ دوران نماز غفلتوں سے باز رہنا اور دل کو دوسری طرف توجہات سے موڑے رکھنے پر صبر۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وانہا لکبیرۃ الا علی الخشعین بے شک نماز بھاری ہوتی ہے لیکن خشوع کرنے والوں پر نہیں۔

نماز معراج کی شب فرض کی گئی تھی۔ پہلے پچاس نمازوں کا حکم ہوا۔ بعد ازاں پچاس سے پانچ نمازیں رکھی گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ یہ پانچ نمازیں پچاس کے ثواب کی حامل ہوں گی۔ اس لئے کہ میرے حکم میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معراج شریف سے واپسی کے بعد اوقات نماز کا تعین ہوا تھا محمد بن اسحاق سے مواہب لدینہ میں نقل کیا گیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معراج سے مراجعت کے بعد صبح ہوئی تو جبریل علیہ السلام آئے اور انہوں نے حضور کو نماز پنجگانہ کے اوقات سے آگاہ کیا۔ کچھ کے خیال کے مطابق ہجرت کے بعد ہوا۔ بعض نے کہا ہے کہ ہجرت سے پہلے جبریل کے بیان سے بھی پہلے ہے۔ اس کے بعد جبریل نے بیان کیا تھا۔ بہرحال جبریل علیہ السلام دو دن مسلسل ظہر کے وقت تشریف لاتے تھے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم فرمایا۔ کہ پکارو الصلوٰۃ جامعۃ جب صحابہ اکٹھے ہو گئے تو جبریل علیہ السلام نے ظہر کے اول وقت پر امامت کی اور ظہر کی نماز ادا کرائی۔ یہ زوال کے وقت سے جلدی بعد کا وقت ہے۔ اس کے بعد امامت کرائی اور عصر کی نماز ادا کی گئی۔ یہ وقت مثل سایہ ہونے کے بعد کا وقت ہے اس کے بعد نماز مغرب ادا کی۔ یہ غروب آفتاب سے جلد بعد کا وقت ہے اور غروب شفق ہونے کے فوراً بعد عشاء کی نماز ادا کی گئی بعد فجر کی نماز ادا ہوئی۔ یہ وقت تھا جب صبح صادق طلوع ہو چکتی ہے۔ اگلے دن جبرائیل علیہ السلام پھر نازل ہوئے۔ امامت کرائی۔ ظہر کی نماز پڑھی گئی۔ یہ وقت تھا جب سایہ ایک مثل کے قریب ہو گیا تھا۔ اور دو مثل سایہ ہونے سے تجاوز ہوا تو عصر کی نماز ادا کی گئی۔ اور نماز عشاء تیسرا حصہ رات گزرنے پر یا نصف شب کے وقت پر پڑھی گئی۔ اس میں راوی کو کچھ شک ہے اور فجر کی نماز ادا کی جب وقت دراز ہو گیا تھا۔ اور ایک روایت ہے کہ فجر کی نماز روشنی پھیل جانے کے بعد پڑھی۔ بعد ازاں جبریل علیہ السلام نے کہا۔ اے اللہ تعالیٰ کے حبیب! جو آپ سے قبل انبیاء ہو چکے ہیں یہ ان کے اوقات نماز ہیں۔ اور نماز کے اصل اوقات ان دونوں اوقات کے درمیان ہیں۔

پوشیدہ نہ رہے کہ جب نماز کا وقت ہو جائے تو اس میں عجلت کرنے کو فضیلت حاصل ہے اور اس کام میں کاہلی نہ ہونی چاہیے۔ اور اخیر وقت تک تاخیر کرنے میں ہرگز کوئی اعتراض نہ ہے۔ لیکن یہ ان نمازوں کے علاوہ نمازوں کے لئے ہوگا اس لئے کہ نمازوں میں تاخیر کرنا مستحب ہے جیسے کہ فجر کی نماز اسفار فجر یعنی اچھی طرح روشنی پھیلنے کے بعد۔ اور ظہر کے وقت کو ٹھنڈا کر کے۔ اور نماز عشاء میں دیر کرنا اس میں بہتر تکمیل نماز ہے اور زیادہ ثواب ہے۔ شوافع حضرات بالکل ہی اول وقت پر نماز پڑھنے کے قائل ہیں۔ ان کے اندر سب نمازوں کے اول اوقات ہی ملحوظ نظر رکھے جاتے ہیں۔ وہ اس میں فضیلت سمجھتے

ہیں۔ اور جن اوقات کی رعایت واجب ہے ان کو بغیر کسی فرق امتیاز کے سنت نبوی گمان کرتے ہیں۔ مثل کے طور پر موسم گرما میں ظہر ٹھنڈی کر کے ادا کرنا اس لئے کہ ایسا حکم احادیث میں وارد ہوا ہے۔ اور اس میں تاکید اور مبالغہ بھی آئے ہیں۔ لیکن شافعین کے نزدیک اس میں رخصت ملی ہے۔ اور کچھ شوافع تو ٹھنڈا کرنا سورج کا زوال تصور کرتے ہیں۔ اور یہ تاویل بہت دور کی ہے۔ اس لئے کہ زوال تو اولین وقت ہے۔ ہاں ظہر کو ایک مثل پہنچنے تک فوقیت احوط ہے یہی امامین کا مذہب ہے اور بعض لوگ امام اعظم ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کا فتویٰ بھی اس طرح ہی بتاتے ہیں اور جب چوتھائی دن باقی رہتا ہو تو شوافع نماز عصر نہیں پڑھتے اور اسی طرح وہ اسفار فجر سے مراد طلوع فجر لیتے ہیں۔ اور اس میں بھی کوئی معقولیت ندارد جیسے کہ ظہر کو ٹھنڈا کرنے کے بارے میں ہے۔ اور نماز عشاء میں تاخیر کرنے میں کسی حد تک مبالغہ آیا ہے۔ اس لئے کہ تعجیل کو وہ قطعاً" تسلیم نہیں کرتے۔ لیکن مغرب کی نماز کے بارے میں اول وقت کے سب قائل اور متفق ہیں۔ کسی کو اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اور عصر کی نماز سورج بلند تاباں اور روشن ہوتے ہوئے پڑھنی چاہیے۔ اور چوتھائی دن میں نہیں جبکہ سایہ تین گنا ہو جاتا ہے وہ احادیث جن سے وہ تمسک کرتے ہوئے اپنے مذہب کے حق میں استدلال کرتے ہیں وہ بالکل اس امر پر دلیل نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے نماز عصر ادا کی اور ایک آدمی مدینہ سے بعد از نماز عصر چل کر مدینہ کی آبادی کے آخری کنارے پر اپنی منزل مقصود تک پہنچ جائے اور سورج ابھی اپنی تیزی تمازت پر برقرار ہو۔ گویا کہ اس میں اشارہ ہے سورج کی حرارت، رنگت کی صفائی اور تغیر درازی کی طرف کہا جاتا ہے کہ تین گنا سایہ ہو جانے پر یہ وقت نہیں ہوتا۔ یہ بحث طلب امر ہے۔ دیگر ایک حدیث میں بھی اسی طرح کا مضمون وارد ہوا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ایسے وقت پر عصر کی نماز ادا فرمائی جبکہ سورج ابھی بلند تھا اور روشن تھا۔ اس کے بعد ایک جانے والا شخص مدینہ منورہ کی آخر آبادی تک گیا۔ آفتاب ہنوز بلند تھا یعنی افق سے بلند تر تھا۔ اور ڈوبا نہیں تھا۔ فافہم۔ بعض حضرات کے نزدیک مدینہ شریف کی آبادی کے آخر کنارے تک سفر چار میل تقریباً ہے پہلی حدیث کی نسبت اس حدیث میں کچھ مبالغہ وارد ہوا ہے۔ لیکن یہ تو معلوم ہی نہیں کہ وہ مدینہ شریف کے کس سمت کے کنارے تک چار میل گیا یا اس سے کم مسافت تھی۔ سوار ہو کر گیا یا کہ وہ پیدا گیا تھا۔ سست رفتار گیا یا کہ دوڑتا بھاگتا ہوا گیا تھا۔ آیا وہ آدمی طاقتور تھا یا کہ کمزور تین چار گھڑیوں کے اندر تین چار میل مسافت جا سکتا ہے یا نہیں۔ جس طرح ان کے مذہب میں ہے کہ نماز ادا کی اور تین گنا مثل سایہ ہوتا تھا۔ ایک اور بھی حدیث ہے ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ہمراہ نماز گزاری۔ پھر اونٹ ذبح کیا۔ اسکے ٹکڑے کئے۔ پکایا۔ اور ہم نے وہ پکا ہوا گوشت سورج ڈوبنے سے پہلے ہی کھایا۔ اس حدیث سے عجلت کرنے کا گمان ہوتا ہے اور یہ بھی امکان ہے کہ کسی وقت تعلیم کے لئے اور وقت کے تعین کے لئے اس طرح کیا ہو۔ اس کی دلالت دوام پر نہیں کیونکہ بعض اوقات پر اس کا وقوع دوامی صورت میں نہیں ہوتا۔

شیخ کمال الدین ابن الہمام جو کہ احناف کے محقق ہیں انہوں نے فرمایا ہے کہ سورج کے تغیر سے پہلے ہی اگر نماز عصر ادا کریں تو باقی ماندہ وقت میں اس قسم کا کوئی کام کرنے کا امکان ہو سکتا ہے۔ جس طرح کھانا پکانے کے باہر باورچیوں سے دیکھا

گیا ہے۔ کہ اپنے سرداروں کے سفروں کے دوران وہ پکانے میں تیزی و ہوشیاری دکھاتے ہیں۔ اگر ان معانی میں اسے لیں تو بعید بھی نہیں۔ یعنی اس طرح سے ہے کہ ایک بڑی جماعت لوگوں کی ہے ان میں سے چند اشخاص نے اونٹ ذبح کیا چند لوگوں نے پکانے کا سامان تیار کر لیا۔ اور آگ وغیرہ جلائی گئی۔ اگر ہر آدمی اپنا اپنا کام سرانجام دے تو اونٹ پکا لینا مشکل نہیں ہے۔ ہاں یہ سب کام ایک آدمی نہیں کر سکتا۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں وسارعوا الی مغفرۃ من ربکم اپنے رب کی مغفرت کی جانب جلدی کرو۔ یہ جلدی کرنا حق کے موافق انداز میں ہونا چاہیے۔ اور اس مقام و محل پر ہو جہاں پر تاخیر کرنا استحباب میں داخل نہ ہو۔ جس طرح کہ موسم گرما کے دوران ظہر ٹھنڈا کرنا۔ فجر کو روشن کرنا اور عشاء میں تاخیر کرنا یہ سب امور مستحب ہیں اور ان امور میں صحیح حدیثوں میں مبالغہ آیا ہے۔ ہمارے مذہب کے علماء کا کہنا ہے کہ عصر میں دیر کرنا نوافل میں زیادتی کی وجہ سے ہے۔ اس لئے نماز عصر کے بعد نفل پڑھنا مکروہ ہوتا ہے۔ اور بجائے عصر کی نماز اول وقت میں پڑھنے کے بہت سے نوافل پڑھنا زیادہ فضیلت کا حامل ہے۔ کما قال السغناقی فی المبسوطین مراد یہ ہے کہ ہمارے مذہب کے مطابق عصر کی نماز میں سورج بلند رہنے اور روشن و تاباں رہنے سورج متغیر نہ ہونے تک تاخیر کر لینا مستحب ہے اور اس مفہوم پر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث سے دلالت ہوتی ہے ان کا کہنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اس وقت نماز عصر گزارتے تھے جبکہ سورج سفید اور صاف ہوتا تھا۔ مقصد اس کا یہ ہے کہ آفتاب کی رنگت میں ابھی تغیر نہ آتا تھا۔ اس وقت تک تاخیر کر لینا جائز ہے۔ جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث شریف میں یوں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ایسے وقت پر عصر کی نماز ادا کیا کرتے تھے جبکہ سورج ابھی زندہ ہوتا تھا۔ کسی شخص کے اپنے گھر کو واپسی کا اس میں کوئی تذکرہ نہیں ہے اس سے یہ ثابت ہوا کہ یہ تعجیل اگر واقع ہوئی ہے تو چند مواقع پر ایسا ہوا ہے۔ شیخ ابن الہمام رحمتہ اللہ علیہ عصر کی نماز کی تاخیر کے سلسلہ میں احادیث بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ ان احادیث اور ان تعجیل کے مفہوم کی حامل احادیث میں میں کوئی تعارض و منافات نہیں پاتا ہوں۔ انہوں نے فرمایا ہے کہ عصر کو اس لئے ہی عصر کہا جاتا ہے کہ اس میں اعتصار وقت کیا ہے یعنی کہ وقت کو نچوڑ لیا جاتا ہے۔ امام احمد بن حنبل سے نقل ہے کہ عصر میں تعجیل پر فضیلت ہے عصر میں دیر کرنے کے دلائل میں ایک حدیث ہے جو بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام سے فرمایا کہ تم سے پہلے جو یہود و نصاریٰ لوگ گزر چکے ہیں تمہاری مثال ان میں سے اس مرد کی طرح ہے جس نے تین مزدور مقرر کئے۔ ہر ایک کی اجرت ایک درہم مقرر کی گئی۔ ایک مزدور نے صبح سے دوپہر تک کام کیا۔ اسے بھی ایک ہی درہم ملے گا۔ دوسرے نے دوپہر سے لے کر عصر کے وقت تک کام کیا۔ ایک ہی درہم اس کو دیا جائے گا۔ تیسرے نے عصر سے مغرب تک کام کیا۔ ایک ہی درہم اس مزدور کو دیا جائے گا۔ تینوں مزدوروں کو جب اجرت ادا کرنے کا وقت آگیا۔ اور صبح سے دوپہر تک کام کرنے والا مزدور اور دوپہر سے عصر تک کام کرنے مزدور کو ایک ایک درہم اور عصر سے شام تک کام کرنے والے مزدور کو دو درہم دیئے گئے والے دونوں مزدوروں نے کہا کہ اس کا سبب کیا ہے کہ کام ہمارا زیادہ ہے اور اس کی اجرت تیسرے مزدور سے بہت کم ہے۔ اور ہم سے کم کام ہے۔ اس کی اجرت ہم سے

زیادہ ہے۔ آقا نے کہا کہ جو کچھ تم سے میں نے معین کیا تھا وہ میں نے ادا کر دیا ہے۔ باقی تو میری طرف سے فضل ہے جس کو چاہوں دوں اس سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ کہ پہلے مزدور کی مثال یہودیوں جیسی ہے۔ کہ ان کی عمریں سب سے زیادہ ہیں۔ ان کے عمل بھی ان تمام سے بڑھ کر ہیں۔ دوسرا مزدور نصاریٰ کی طرح ہے۔ کہ تیسرے مزدور کی مثال تمہاری مانند ہے۔ اس لئے کہ عمریں بھی تمہاری بہت کم اور عمل بھی بہت تھوڑے ہیں۔ اس روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ صبح سے دوپہر تک درمیانی فاصلہ و زمانہ اور دوپہر سے عصر تک کا درمیانہ فاصلہ و زمانہ عصر و مغرب کے درمیانی وقت کے مقابلہ میں کافی زیادہ ہے۔ اور ان آیات قرآن میں فجر و عصر کی نمازوں کی جانب ہی اشارہ مراد لیا جاتا ہے۔ وسبح بحمد ربک قبل طلوع الشمس وقبل الغروب اور فرمایا۔ واذکر اسم ربک بکرۃ واصیلا اور صبح وشام اپنے رب کا نام ذکر کیا کرو۔ اور مقصود کو ہی لینا چاہیے نماز کے اوقات کے مقام کے بارے میں مزید بحث اور نماز میں عجلت یا تاخیر کی تفاصیل شرح مشکوۃ میں یہاں سے زیادہ ذکر کی گئی ہیں۔ اس کتاب کے اندر اتنے پر ہی اکتفاء کرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

اذان مبارک کا آغاز

تنبیہہ :۔ اس سے قبل یہ ذکر ہو چکا ہے کہ جب جبرائیل علیہ السلام نے امامت کرائی۔ اس وقت لوگوں کو الصلوٰۃ جامعۃ کے الفاظ سے آواز دی گئی۔ یہ تذکرہ قبل از مشروعیت اذان کا ہے۔ اس لئے کہ اذان شریف تو 1ھ میں مدینہ منورہ میں شروع ہوئی تھی۔ بعض کے نزدیک 2ھ میں ہوئی تھی۔ اور عام مشہور اس طرح سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے وقت تعین کرنے کی خاطر تاکہ تمام مسلمان نماز ادا کرنے کے لئے اکٹھے ہو جایا کریں مسلمانوں سے مشورہ طلب فرمایا۔ کہ اس کی کیا صورت ہونی چاہیے۔ کسی نے مشورہ دیا کہ نصاریٰ کی مانند ناقوس بجایا جائے۔ کوئی کہتا تھا سینگ پھونکا جائے جیسے کہ اہل یہود کرتے ہیں۔ اور کسی کا یہ مشورہ تھا کہ نماز کے وقت پر بلند جگہ پر آگ روشن کر دی جایا کرے۔ لیکن یہ تدابیر بالاتفاق ناپسند کی گئیں۔ عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ صاحب الاذان کہلاتے ہیں انہوں نے خواب دیکھا کہ آسمان سے ایک مرد اپنے ہاتھ میں ناقوس لئے نازل ہوا ہے۔ عبداللہ بن زید نے پوچھا کہ اے خدا کے بندے! کیا تم یہ ناقوس فروخت کرتے ہو۔ اس مرد نے کہا کہ تم اسے خرید کر کیا کرنا چاہتے ہو۔ تو انہوں نے جواباً" کہا کہ لوگوں کو اس سے نماز کے لئے بلایا کروں گا۔ تو وہ کہنے لگا۔ کہ اس سے بہتر طریقہ میں تمہیں سکھا دیتا ہوں۔ اور اس نے اللہ اکبر (اذان) آخر تک ایک خاص انداز میں سکھائی اور اقامت بھی اس کی طرح سکھائی۔ صبح ہوئی تو عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں اپنا خواب بیان کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ لرؤ یا حق انشاءاللہ جاؤ بلال رضی اللہ عنہ کو یہ طریقہ بتا دو۔ ان کی آواز زیادہ بلند زیادہ نرم اور زیادہ شیریں ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے جس وقت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اذان سنی تو بارگاہ رسالت عرض میں کیا کہ میں نے بھی اس طرح ہی خواب میں دیکھا

ہے جس طرح سے عبداللہ بن زید سن چکے ہیں پس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ فللہ الحمد اگر اس طرح ہے تو دونوں کے خوابوں یا صرف تمہارے ہی خواب کے موافق اللہ تعالیٰ کی حمد ہے۔ اس نے اپنی جانب سے یہ الہام فرمادیا ہے۔ اور صدق و صواب کی راہ دکھادی ہے۔ کچھ نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی انہی کی مانند خواب دیکھ چکے تھے۔ امام غزالی فرماتے ہیں کہ دس صحابہ نے خواب دیکھا تھا۔ اور بعض کے نزدیک چودہ صحابہ کا خواب دیکھنا مذکور ہے۔ اور ان میں سات صحابہ کرام مدینہ کے انصار میں سے تھے۔ بعض یوں بھی کہتے ہیں کہ بارگاہ رسالت میں عمر رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے لیکن رسالت ماب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جواب دینے میں دیر کردی اس لئے کہ جواب دینے سے پہلے وحی ہو رہی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یوں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم معراج پر تشریف لے گئے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ عزت میں حاضر ہوئے۔ اس مقام پر جو کہ کبریائے حق کا مخصوص مقام ہے۔ تو ایک فرشتہ دکھائی دیا۔ آنحضرت نے حضرت جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون فرشتہ ہے۔ جبریل عرض گزار ہوئے کہ مجھے خدائے ذوالجلال کی قسم ہے جس نے حضور کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں میں مقرب ترین بندہ ہوں۔ اور اپنی پیدائش سے لے کر اب تک اس فرشتہ کو اس سے قبل کبھی نہیں دیکھا۔ اس کے بعد اس فرشتے نے پکارا اللہ اکبر۔ اللہ اکبر۔ تو پردہ جلال سے آواز آئی کہ اے میرے بندے! تم نے ٹھیک کہا ہے۔ میں اکبر ہوں اس کے بعد ازان کے دوسرے کلمات بھی کہے گئے۔ اس بارے میں تحقیق اس طرح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے معراج کی رات ازان کے کلمات سنے تھے۔ لیکن یہ حکم نہ دیا گیا تھا کہ ازان کے یہ کلمات نماز کے واسطے پکارے جائیں۔ مکہ شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ازان کے بغیر ہی نماز ادا کیا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ آپ مدینہ شریف میں تشریف لے آئے۔ اور اس بارے میں اپنے صحابہ سے مشورہ کیا۔ کچھ صحابہ نے کلمات ازان خواب کے اندر سنے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر وحی نازل ہوئی کہ جو کلمات آپ نے آسمان پر سنے تھے۔ انہی کو زمین پر بطور ازان اختیار کرلیا جائے۔ واللہ اعلم۔

کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بذات خود ازان دی ہے یا کہ نہیں علماء میں اس بارے میں اختلاف ہے۔ ایک حدیث میں یوں ہے کہ ایک دفعہ دوران سفر آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور صحابہ کرام تمام سوار تھے۔ اوپر سے بارش تھی۔ اور زمین پر نیچے کیچڑ تھا۔ اور اس کیچڑ کے باعث سواری سے اترنا مشکل تھا۔ اس وقت آنحضرت نے ازان بلند فرمائی۔ اور اپنی اپنی سواریوں پر سب نے نماز ادا کی۔ اس ضمن میں بعض کا قول ہے۔ یہاں ازان کہنے سے مراد بطور مجاز ازان کہنے کا حکم فرمانا ہے۔ مسند امام احمد اور دار قطنی میں اس کی صراحت مذکور ہے یعنی کہ آنحضرت نے ازان دینے کا حکم فرمایا۔ ہدایہ کے اندر امام ابو یوسف رحمتہ اللہ علیہ سے نقل ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کو دیکھا کہ انہوں نے مغرب کے وقت ازان دی اور بیٹھ گئے۔ شمس الائمہ سرخسی کی نہایہ میں نقل کیا گیا ہے۔ کہ انہوں نے امام ابو یوسف کے قول کو نقل کیا اور فرمایا اس میں یہ اشارہ ہے کہ امام ابو حنیفہ بذات خود ازان کہتے تھے۔ اور مقتائی کے کلمات سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ امامت بھی آپ خود ہی کراتے تھے اور فرماتے ہیں احسن صورت یہ ہے کہ ازان دینے والا اور امامت

کرانے والا عالم ہو یہ اس کے خلاف ہے جو متاخرین نے کہا ہے۔ کہ احسن اس طرح ہے کہ امام ازان اور اقامت اپنے سوا کسی اور کے سپرد کرے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم امامت کراتے تھے اور ازان اور اقامت کو اس کے ساتھ جمع نہ فرماتے تھے۔ شمس الائمہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے حق میں اس طرح ہونا مخصوص صورت ہے اور ہمارے حق میں یہ اولیٰ ہے کہ امام خود ہی ازان بھی دے۔ کیونکہ موذن لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہے۔ لہٰذا بلند مرتبہ اور اعلیٰ درجہ کے حامل ہی ازان کے واسطے اولیٰ ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بذات خود بھی ازان کہی ہے۔ عقبہ بن عامر سے روایت ہیں کہ ایک سفر میں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ہمراہ تھا سورج ڈھل جانے کے بعد آنحضرت نے ازان دی۔ اقامت کہی اور ظہر کی نماز پڑھی۔ یہ کلام نہایہ میں ہے۔

یہ پوشیدہ نہ رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی سنت جاریہ وہ ہے جو کہ معلوم ہی ہے اور علماء کہتے ہیں کہ سفر کے دوران آنحضرت کا ازان و اقامت کہنا یہ مئول ہے۔ اور یہ بھی بالکل عیاں ہے کہ ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کا ازان و اقامت کہنا دوامی نہ تھا۔ اور ان کے متعلق جو مذکور ہوا ہے۔ وہ صرف مغرب کی نماز کے وقت ایک ہی مرتبہ کا ذکر ہے۔ ایک روایت میں اس طرح بھی آیا ہے کہ جناب ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ اکثر اوقات میں ابو یوسف رحمتہ اللہ علیہ کو امامت سپرد کرتے تھے۔ مگر اس جگہ پر وہ خود امام بنے ہوں گے۔ اور یہ امکان کیسے ہو سکتا ہے کہ ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ جیسا بلند مرتبہ امام ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی مستمرہ سنت کے خلاف عمل ہو۔ پس صاحب نہایہ کا قول ضعیف ہے۔ کیونکہ اس سے یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی عادت پاک ہمیشہ اس طرح ہو اور اس کے مطابق ہی آپ ہمیشہ عمل پذیر ہوں۔ البتہ ان سب کو یعنی ازان اقامت امامت کو جمع کر لینے کے جواز کے لئے اس میں کوئی کلام نہیں ہے۔ گو کچھ اور سنن میں مذکور ہے کہ امام اور قوم دونوں ہی اس وقت کھڑے ہوں جب کہا جائے حی علی الصلوٰۃ اور جب قد قامت الصلوٰۃ کہا جائے اور امام نیت باندھے۔ ان کی وجہ سے دوسری حدیث پر عمل نہیں ہوتا۔ اس لئے علماء میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض اسے مکروہ تصور کرتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ یہ خلاف اولیٰ ہے۔ اور کچھ کے نزدیک یہ مستحب ہے امام نووی سے شافعین اور حنفی المذہب شمس الائمہ سے اس بات کی تصحیح کرتے ہیں جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بمرتبہ صحت روایت ہے کہ فرمایا کہ اگر خلافت کے ساتھ ازان کا اجتماع ہوتا تو ازان میں ہی کہا کرتا۔ کذا فی فتح الباری۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے متعلق جو آیا ہے کہ آپ نے ازان کہی۔ اگر یہ صحیح ثابت ہو جائے تو ازان اور اقامت کو جمع کرنا مکروہ نہ ہو گا اگر انکو بھی جواز کے بیان پر محمول نہ رکھا جائے۔ اور علماء نے کہا ہے کہ اصل جواز کے بیان کی خاطر شارع علیہ السلام سے مکروہ فعل واقع ہونا بھی جائز ہے۔ واللہ اعلم۔

نماز کا افتتاح تکبیر تحریمہ کے ساتھ:۔ وصل:۔ حدیثوں میں روایت ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نماز میں کھڑے ہو جاتے تھے اور اللہ اکبر کہتے تھے۔ یہ تکبیر کہنے سے قبل زبان اور لفظ کے ساتھ نیت نہ ہے محدثین کا قول ہے کہ زبان سے نیت کہنا بدعت ہے۔ اور آنحضرت نے اس کو مکروہ جانا ہے۔ زبان سے نیت کا کہنا آنحضرت

کے کسی صحابی سے منقول نہیں ہوا ہے۔

مواہب لدنیہ میں علامہ ابن قیم سے منقول ہے کہ زبان اور لفظ کے ساتھ نیت کا کہنا بدعت ہے۔ اس لئے کہ کوئی بھی روایت اس بارے میں صحیح سند کے ساتھ یا ضعیف یا مسند یا مرسل سے اور نہ ہی صحابی کے عمل کے متعلق آئی۔ کسی تابعی نے بھی اس کو مستحب نہیں کہا نہ ہی چاروں اماموں نے۔ انتہیٰ الفاظ کے ساتھ نیت کرنے میں فقہاء میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض کے مطابق یہ فعل منقول نہ ہونے کے باعث بدعت ہے۔ کچھ اسے مستحب سمجھتے ہیں کیونکہ دل کی نیت کے استحضار پر ناصر ہے اور لسانی اور قلبی عبادت کی اجتماعت کا باعث ہے شریعت کے قواعد اور عقل کی ضرورت کے ذریعے سے معلوم ہو چکا ہے کہ دل زبان کے ساتھ ہو تو اتم اور اکمل ہوتا ہے۔ یہ بات نیت و تلبیہ کے بارے میں اور رکوع و سجود کی تسبیحات کے متعلق قیاس میں فاسد ہے۔ قیاس بمقابلہ نص ہے۔ کما لا یخفی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جب تکبیر تحریمہ کہتے تھے تو دونوں ہاتھ تکبیر کے ساتھ اٹھاتے تھے۔ یہ زیادہ تر احادیث میں آیا ہے۔ امام ابو یوسف کے مذہب میں اور فقہاء حنفیہ کی جماعت میں مختار بھی جیسے کہ طحاوی اور قاضی خاں وغیرہ۔ اور کہا جاتا ہے کہ تکبیر کے ساتھ ہی ہاتھ اٹھانا سنت ہے اس لئے اس کے ساتھ متصل ہے۔ بعض احادیث میں ہاتھ اٹھانا تکبیر میں تاخیر کا موجب بھی وارد ہوا ہے اسی طرح ہے مذہب امام ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ میں۔ اور بالعموم عام مشائخ عظام بھی اسی نظریہ پر ہیں ہدایہ میں کہا گیا ہے کہ اصح ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ ہاتھ اٹھانے سے غیر حق کی کبریائی کی نفی ہو جاتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سبحانہ کی کبریائی کا تکبیر کہنے میں اثبات ہے۔ اور اثبات سے نفی مقدم ہوتی ہے۔ مثلاً لا الہ الا اللہ اور شرع میں امام ابن ہمام نے تیسرا قول نقل کیا ہے وہ یہ کہ رفع یدین پر تکبیر کی تقدیم ہے۔ وہ اس کے موافق ایک حدیث لائے ہیں جو سنن کبریٰ میں بیہقی کے حوالہ سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ پس یہ تین اقوال ہو گئے۔

اور یہ جائز ہے کہ مختلف اوقات پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے ان تمام افعال کا صدور ہوا ہو۔ واللہ اعلم۔ اور جب آپ ہاتھ اٹھاتے تھے تو اکثر اوقات کانوں کے برابر اٹھاتے اور کندھوں کے برابر۔ پہلا طریقہ امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔ اور احمد بن حنبل رحمتہ اللہ سے روایت شدہ ہے۔ ان حضرات کی دلیل حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے۔ وہ مسلم شریف اور ابوداؤد شریف میں روایت ہوئی ہے۔ اور دوسرا طریقہ جو ہے اس کے مطابق مذہب ہے امام شافعی اور امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کا۔ اور امام احمد سے بھی روایت ہوا۔ یہ احادیث میں بھی آیا ہے۔ یہ ابو حمید ساعدی کی حدیث میں بھی مذکور ہے اور انہوں نے یہ صحابہ کرام کی جماعت میں کہا ہے۔ کہ تم سب سے بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نماز کا حافظ میں ہوں یہ امکان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا عمل بعض اوقات اسی طرح ہو۔

تکبیر تحریمہ کے بعد شوافع کا مذہب یہ ہے کہ بائیں ہاتھ پر دایاں ہاتھ سینہ سے تلے اور ناف سے اوپر رکھے جائیں۔ اور مذہب ابو حنیفہ یہ ہے کہ ناف سے نیچے ہاتھ رکھیں۔ اور کچھ شافعین حضرات بھی اسی پر ہیں (کذافی المواہب) ہدایہ میں ذکر

کیا ہے کہ امام شافعی کا مذہب ہے کہ ہاتھ سینہ سے اوپر ہوں۔ اور بتایا گیا ہے۔ ○ امام احمد کا مذہب بھی امام ابو حنیفہ کے مذہب کے مطابق ہے۔ اور انہوں نے ایک روایت میں یہ اختیار دیا ہے۔ کہ خواہ سینہ پر ہاتھ رکھے خواہ ناف سے نیچے رکھے۔ امام ترمذی کا قول ہے کہ اس بارے میں علماء کے نزدیک وسیع حکم ہے یعنی کہ جیسے بھی کرلے جائز ہے۔

جب ہاتھ باندھ لیں تو اس کے بعد استفتاح کرے یعنی کہ ثناء پڑھی جائے۔ سبحانک اللھم وبحمدک (آخر تک) اور استفتاحی ادعیہ بکثرت ہیں۔ مثلاً انی وجھت وجھی للذی فطر السموت والارض وغیرہ وغیرہ۔ اور شافعی مذہب کے پیروکار یہ تمام ادعیہ یا ان میں سے کچھ سب فرائض و نوافل میں پڑھا کرتے ہیں اور مذہب احناف یہ ہے کہ یہ سب دعائیں نوافل کے لئے اور رات کے دوران پڑھنے والی نمازوں کے لئے مخصوص ہیں۔ فرض نماز میں صرف سبحانک اللھم ہے ابو یوسف رحمتہ اللہ علیہ کے مطابق ثنا اور توجہ دونوں کی روایت ہوئی ہے۔ ثناء سے مراد ہے۔ سبحانک اللھم ہے اور توجہ سے مراد ہے انی وجھت وجھی الخ۔ امام طحاوی کے مطابق بھی یہ ہی مختار ہے۔ لیکن یہ بھی کہا گیا ہے کہ خود نمازی مختار ہے۔ خواہ وہ ثناء سے قبل توجہ پڑھ لے یا بعد میں۔ اور اس طرح بھی امام ابو یوسف ہی سے روایت ہوا ہے۔ اور عام طور پر مشہور اس طرح ہے کہ توجہ بعد از ثناء ہے اور نماز شروع کرنے سے قبل انی وجھت وجھی الخ۔ پڑھنے والے لوگوں کا عمل سنت کے مطابق نہ ہے۔

اور سبحانک اللھم کی روایت کی اسناد پر بھی کلام ہے۔ رطبی نے کہا ہے کہ حدیث حسن مشہور ہے اور مسلم شریف میں اس کی روایت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے ہوئی ہے۔ اور مجتہدین صحابہ رضوان اللہ علیہم نے اس کو اختیار کیا ہے۔ جیسے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔ اور اس کو علماء تابعین کی اکثریت تسلیم کرتی ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرح علماء نے اسے اختیار کیا ہے۔ یہ حدیث کس طرح طعن اور ضعف کا نشانہ بن سکتی ہے۔ جبکہ علماء اجل اس پر عامل اور قائل ہیں۔ مثلاً حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ۔ امام احمد۔ اسحاق وغیرہم رضی اللہ عنہم۔ اور طعن کی حقیقت ایجاد کرنے والے امام ترمذی ہیں۔ وہ اسے اپنی سند میں لاتے ہیں۔ اور اس حدیث کی سب سندوں میں نہیں لاتے۔ اور یہ ناممکن ہے اس لئے کہ ائمہ اعاظم اور کبار اس حدیث کو اختیار کئے ہوئے ہیں اور اس کے مطابق وہ اپنا مذہب رکھتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعائے استفتاح کے بعد استعاذہ کرتے تھے اور فرماتے تھے اعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم قرآن کی قرات سے قبل استعاذہ سنت ہے۔ خواہ نماز کے اندر ہو یا نماز کے باہر ہو۔ اور سلف کے علماء سے اس کا وجوب بھی روایت ہوا ہے مثلاً سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ اور عطا وغیرہ اور اس کی بنا ظاہری حکم ہے کہ فرمایا ہے کہ اذا قرات القرآن فاستعذ باللّٰہ اور شاطبیہ کی ایک شرح میں یوں آیا ہے۔ اس کو جبیر بن مطعم سے روایت کیا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی طرح سے پڑھتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ جبرئیل نے مجھ کو اس طرح ہی بتایا ہے اور حضرت ابو سعید کی حدیث کے اندر بھی اعوذ باللہ کا لفظ کہنا اولیٰ ہے اس لئے کہ قرآن کے ساتھ موافقت ہو جاتی ہے۔

اور فقہاء اس پر اختلاف رکھتے ہیں کہ اعوذ باللہ کہنے کی زیادہ فضیلت ہے یا کہ استعیذ باللّٰہ کی۔

استعاذہ کے بعد پڑھا کرتے تھے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور نماز کے اول میں تسمیہ پڑھنے پر اجماع ہے۔ گو امام ابو حنیفہ کے مطابق تسمیہ نہ ہی سورۃ فاتحہ میں شامل ہے اور نہ ہی کسی اور سورۃ کا جزو ہے۔ لیکن صلوٰۃ کے شروع میں پڑھتے تھے۔ ان کے نزدیک تعوذ کی طرح یہ بھی مفتاح صلوٰۃ ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ہر رکعت کے پہلے تسمیہ ہے۔ یہ صاحبین رحمہا اللہ تعالیٰ کا قول ہے کیونکہ تلاوت قرآن کا آغاز کرنے کے واسطے تسمیہ ہے اور قرات تو ہر رکعت میں مستقل طور پر ہے یہ اس طرح سے بوجہ احتیاط اور علماء میں اختلاف ہونے کی بنا پر ہے اس لئے کہ بعض علماء کے مطابق تسمیہ جزو خاتمہ ہے سورۃ فاتحہ اور کسی بھی دوسری سورۃ کے درمیان تسمیہ ضروری نہیں سوائے امام محمد کے نزدیک اور وہ بھی بصورت مخاف۔

واضح رہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا متفق علیہ ہے۔ ہاں اس میں اختلاف ہے کہ جہر میں پڑھی جائے یا کہ اخفاء میں۔ امام ابو حنیفہ۔ سفیان ثوری۔ اور امام احمد رحمہم اللہ اس میں اخفاء کے قائل ہیں۔ اور حضرت عمرؓ علیؓ۔ ابن مسعودؓ عمار بن یاسر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم سے یہی روایت ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور ابوبکر صدیقؓ عمرؓ عثمان رضی اللہ عنہم کے پیچھے نمازیں پڑھی ہیں۔ ان میں سے کسی کو میں نے نہ دیکھا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم جہری آواز سے پڑھی ہو۔ امام احمد نسائیؒ ابن خزیمہ اور دار قطنی نے روایت کیا اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کو تسمیہ کے متعلق عدم جہر میں جامع الاصول میں کتب ستہ سے روایت کیا گیا ہے۔ دار قطنی کا قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے صحیح سند کے ساتھ کوئی روایت نہیں آئی۔ کچھ صحابہ سے جو روایتیں آئی ہیں ان میں سے چند صحیح ہیں اور کچھ ضعیف ہیں۔ امام احمد کی تصریح کے مطابق مدینہ شریف کے کچھ ائمہ سنت کے بیان کی بنا پر تسمیہ کو بلند آواز سے پڑھتے ہیں۔ حدیث کے بعض شارحین نے کہا ہے۔ جو کچھ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طرف سے جہر کے بارے میں روایت ہوا ہے۔ یہ تمام برائے تعلیم امت ہے۔ بعض اوقات آپ ظہر نماز کے دوران بعض سورتیں جہراً پڑھتے تھے تاکہ معلوم ہو جائے کہ فلاں سورت پڑھی ہے۔ یہ امت کی تعلیم کے لئے ہیں۔ صاحب سفر السعادت نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بعض اوقات بسم اللہ شریف کو جہراً پڑھتے تھے اور بعض اوقات آپ خفائی طور پر پڑھتے تھے۔ ترمذی شریف میں دو باب بندھے ہیں ایک بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے متعلق جہر کے ترک میں ہے۔ اور فرماتے ہیں کہ اکثر اہل علم صحابہ کا اس پر عمل ہے۔ مثلاً ابو بکرؓ عمرؓ عثمانؓ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما۔ تابعین سے بھی اس کے قائل ہیں۔ سفیان ثوری عبداللہ بن مبارکؒ احمدؒ اسحاق وغیرہ وغیرہ رضی اللہ عنہم۔ یہ فرماتے ہیں کہ قاری کو جہراً بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہ پڑھنی چاہیے۔ بلکہ زیر لب آہستگی سے پڑھنی چاہیے۔ دوسرا باب بسم اللہ شریف کو جہراً پڑھنے میں آیا ہے۔ اس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کی حدیث لائے ہیں انہوں نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بلند آواز سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھا کرتے تھے۔ ترمذی نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند قوی نہیں اور کچھ صحابہ اس کے قائل ہیں۔ ابو ہریرہؓ ابن عمرؓ ابن عباس وغیرہ رضی اللہ عنہم۔ کچھ تابعین بھی اسے تسلیم کرتے ہیں۔ مذہب امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ بھی یہی ہے انتہیٰ۔ حاکم کہتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث بھی

صحیح ہے۔ اور انہوں نے کہا ہے کہ دونوں حدیثیں جہر کے متعلق امثل ہیں شیخ ابن الہمام عبداللہ سے نقل کرتے ہیں۔ اور فرمایا ہے کہ شعبی۔ نخعی۔ اوزاعی۔ قتادہ عمر بن عبدالعزیز' اعمش' زہری' مجاہد' حماد' ابوعبید رحمھم اللہ ان سب کا مذہب ترک جہر ہے۔ بعض حافظ حدیث کا کہنا ہے کہ کوئی حدیث صراحت کے ساتھ جہر میں وارد نہ ہوئی ہے۔ سب کی سندوں کے بارے میں محدثین کو کلام ہے اسی سبب سے ارباب مسانید مشہورہ نے ان احادیث سے اعراض کیا ہے۔ اور کوئی احادیث اس امر میں انہوں نے روایت نہیں کیں۔ گو ان کی کتب ضعیف احادیث کی حامل ہیں۔ اور ابن تمنہ نے کہا ہے کہ دار قطنی سے ہم کو پتہ چلا ہے کہ وہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی حدیث جہری تسمیہ کے سلسلہ میں بمرتبہ صحت روایت نہیں ہوئی۔ مراد یہ کہ جتنی حدیثیں اس ضمن میں روایت ہوئی ہیں۔ ان میں زیادہ تر اور زیادہ واضح اور ارجح وہ احادیث ہی ہیں جن کے مطابق امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے۔ اور عام لوگوں میں جو بات مشہور ہے کہ جہراً" تسمیہ ارجح ہے اور کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی جہر کے قائل ہیں یہ درست اور صحیح نہیں ہے۔ اور یہ واضح اور معلوم ہے کہ حضرت علی سمیت چاروں خلفاء رضی اللہ عنھم کا مذہب جہر کے ترک پر ہے۔

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سورۃ فاتحہ کی تلاوت کرتے تھے اور اس کے آخر پر آپ آمین کہتے تھے۔ صحابہ جہری نماز میں جہراً" آمین کہتے تھے اور اخفاء میں آہستہ سے آپ کی موافقت میں کہتے تھے۔ نماز میں جہراً" آمین کہنے کے بارے میں حدیثیں آئی ہیں۔ امام شافعی اور احمد کا مذہب اسی طرح ہے امام مالک کے مذہب میں تھوڑا سا اختلاف آیا ہے۔ اور امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے مطلق طور پر اخفاء ترمذی شریف میں اخفائی طور پر اور جہری طور پر دونوں طرح میں احادیث روایت ہوئی ہیں لیکن ترجیح جہری آمین کی حدیث کو ہے۔ اسی کی مانند بخاری سے بھی نقل کیا گیا ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ صحابہ اور تابعین میں اکثر علماء کرام اسی طرح عمل کرتے تھے۔ انتہٰی۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ چار چیزوں میں امام کو اخفاء اختیار کرنا چاہیے۔ تعوذ' تسمیہ' آمین اور سبحانک اللّھم وبحمدک الخ اور اسی طرح ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہوا ہے۔ جمع الجوامع کے اندر امام سیوطی رحمتہ اللہ علیہ ابووائل سے روایت کرتے ہیں۔ کہ حضرت عمر اور علی رضی اللہ عنھما بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور تعوذ اور آمین جہراً" نہ کہتے تھے۔ شیخ ابن الہمام نے جہر اور خفا دونوں کے حق میں روایات نقل کرتے ہیں اور پھر فرماتے ہیں کہ ہر دو قسم کی احادیث معلولی ہیں اور مجروح ہیں۔ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث پر مدار ہے۔

واضح ہو کہ کچھ احادیث میں آیا ہے۔ مد صوتہ اس میں آمین کے ہمزہ کے مد کا احتمال بھی ہے۔ لیکن صحیح اس طرح ہے کہ روایت کے قرینہ کے باعث رفع صوت ہے مراد یہ کہ آواز کے ساتھ کہنا۔ اس لئے کہ دوسری روایت رفع صوت مذکور ہے۔ اور بعض میں آیا ہے۔ یرتج بہا المسجد (اس سے مسجد گونج اٹھتی تھی)۔ رج دو جیموں کے ساتھ ہے۔ یعنی کہ بمعنی جنبیدن اور لرزیدن۔

آمین الف کے مد سے ہے اور میم کی تخفیف سے ہے۔ نیز الف کی قصر کے ساتھ بھی جواز ہے بعض کے مطابق الف

کی مد کو تشدید سے پڑھنا غلطی ہے۔ لیکن اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی کیونکہ یہ کلمہ قرآن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ آمین البیت الحرام۔ گویہ اس معانی میں نہیں آیا بعض اسے خطا نہیں سمجھتے۔ اگر خطا ہو بھی تو اس کے معانی ہیں قاصدین الاجابتہ۔ قبولیت کی آرزو رکھنے والے۔ شیخ ابن الہمام نے حلوائی سے اسی طرح ہی نقل کیا ہے اور اس معانی سے شیخ عبدالرحمٰن صوفی کا کلام ہے۔ کچھ فقہاء اس کو خطا کہنے میں مبالغہ کرتے ہیں یہ تو بالکل عیاں ہے کہ خطا کہنے والا ہی خطاکار ہوتا ہے۔

آپ سورۃ فاتحہ کے بعد کوئی سورۃ ملا کر پڑھتے تھے نماز صبح کے دوران آپ ساٹھ سے سو آیات تک کی طویل قرات فرماتے تھے کبھی سورۃ کہف اور کسی وقت سورۃ روم تلاوت فرماتے۔ کسی وقت قرات میں کمی بھی کر لیتے دوران سفر معوذتین پڑھتے تھے۔ بروز جمعتہ المبارک فجر کی نماز پر سورۃ الم تنزیل السجدہ رکعت اول میں تلاوت کرتے اور دوسری رکعت میں ھل اتی علی الانسان حین پڑھتے۔ شوافع اس کے مطابق مواظبت اور مداومت کرتے ہیں۔ اس کے خلاف ہرگز نہیں کرتے۔ لیکن احناف کے مطابق کسی وقت کے ساتھ کوئی سورت معین کر دینا مکروہ ہوتا ہے۔ شیخ ابن الہمام، طحاوی اور اسیجابی میں منقول ہے کہ یہ کراہت اس کو لازم تصور کرنے میں اور ان کے سوا کو مکروہ جاننے کے باعث ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کے اس حکم فاقرء و ما تیسر من القرآن (جو کچھ قرآن سے آسان پاؤ وہ پڑھو) کے مطابق پڑھے۔ یا برائے تبرک از قرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پڑھے تو اس میں کراہت نہ ہے۔ شرط یہ بھی ہے کہ ان کے علاوہ بھی بعض اوقات پڑھا کرے۔ اس لئے کہ کوئی جاہل یہ نہ سمجھے کہ ان کے علاوہ دوسری سورۃ پڑھنا جائز نہیں۔

صاحب محیط بھی اسے نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں بروز جمعہ بوقت فجر ان کی قرات کرنا مستحب ہے۔ اس شرط کے ساتھ کہ بعض اوقات ان کے سواء دوسری سورتیں بھی پڑھے۔ اس واسطے کہ کوئی جاہل آدمی ان کے سواء کو پڑھنے کو ناجائز نہ سمجھنے لگے۔ شیخ ابن الہمام نے فرمایا ہے کہ اس عبارت میں علم ہو جانے کے بعد جائز ہونے میں کسی کو کوئی کلام نہ ہے۔ اس لئے کہ کلام تو اس کی ہمیشگی پر ہے۔ انتہیٰ۔ ظاہراً" یہ معلوم ہوتا ہے کہ عندالاحناف رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے ان کی مداومت غیر ثابت شدہ ہے گو طبرانی میں حدیث ابن عباس میں کل جمعۃ کے الفاظ زائد لائے گئے ہیں۔ اور کچھ روایات میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرماتے ہیں کہ میں نے اسی طرح ہی دیکھا ہے۔ واللہ اعلم۔

جمعہ کی نماز پر سورۃ جمعہ اور سورۃ منافقون پڑھتے تھے اور کسی وقت سبح اسم ربک الاعلی اور غاشیہ پڑھتے تھے اور جمعہ کی رات کے وقت سورۃ جمعہ بھی پڑھنے کی روایت ہے۔ علامہ سیوطی سورۃ منافقون کا تذکرہ بھی فرماتے ہیں۔ المختصر یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مصلحت اور حکمت کے لحاظ سے تقاضہ وقت کے مطابق لمبی یا چھوٹی سورتوں میں سے جس کو چاہتے تھے پڑھ لیتے تھے۔ جس طرح کہ حدیث ابن عمر میں وارد ہوا ہے۔ اور جو مشہور اور معمول آیا ہے اور جس پر زیادہ تر فقہاء عمل پذیر ہیں یعنی کہ فجر اور ظہر کے دوران طوال مفصل پڑھا کرتے تھے۔ عصر اور عشاء کی

نمازوں میں اوسط درجہ کی سورتیں اور مغرب میں قصار۔ اس کے متعلق یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا عمل زیادہ تر اسی نہج پر ہوتا تھا۔ کثرت کے ساتھ اخبار اور آثار اس بارے میں آئے ہیں۔

ہدایہ میں کہا گیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک خط جو انہوں نے ابو اشعری کے نام لکھا تھا وہ اصل بنا ہے اس بارے میں۔ یہ یقینی بات ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہی کچھ تحریر فرمایا ہو گا جو سنت کے مطابق اور موافقت میں ہو گا۔ اور اس کے برخلاف وارد شدہ احادیث بھی صحیح ہیں۔ تو لا محالہ یہ آنحضرت کے اکثر احوال کے حکم میں آتا ہے۔ واللہ اعلم۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نماز میں قرات سے فارغ ہو کر تکبیر اللہ اکبر کہہ کر رکوع میں جاتے تھے یہ تکبیر قیام کی حالت میں ہے یا جھکنے کی حالت میں۔ اکثریت اس پر ہے کہ جھکنے کی حالت میں تکبیر پکارتے تھے۔ ہدایہ میں جامع صغیر سے نقل کیا گیا ہے کہ جھکنے کے ساتھ ہی تکبیر ہے۔ اور رکوع سے سر کو اٹھانے کے وقت بھی اس طرح تکبیر کہتے۔ حدیث شریف میں ہے کہ کان یکبر فی کل خفض و رفع جب بھی آپ سر کو جھکاتے یا اوپر اٹھاتے تو تکبیر کہتے تھے امام شافعی اور امام احمد اس تکبیر کو رفع یدین کے ساتھ تکبیر سمجھتے ہیں لیکن ہمارے نزدیک بغیر رفع یدین کے ہے۔ احناف اور ان کے سواء دوسروں کے درمیان یہ تعجب خیز اختلاف ہے۔ اور شوافع حضرات رفع کی حدیث کی صحت کے بارے میں بڑا مبالغہ کرتے ہیں۔ صاحب سفر السعادت نے کہا ہے کہ روایات کی کثرت کے سبب سے یہ حدیث تواتر کی طرح ہے اور اس ضمن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور صحابہ سے چار صد احادیث روایت ہوئی ہیں۔ جو عشرہ مبشرہ سے بھی مروی ہیں احادیث کے اختلاف اور علماء کے اعمال کے بارے میں اپنی عادت کے مطابق ترمذی نے اس مقام پر بھی دو باب باندھے ہیں باب اول رفع یدین میں ہے اور اس باب میں حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو دیکھا ہے۔ آپ جس وقت نماز کا آغاز فرماتے تھے تو دونوں ہاتھ اوپر اٹھاتے اور کندھوں کے برابر لاتے۔ اور رکوع کرنے کے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت بھی۔ کچھ روایتوں میں اس طرح ہے۔ کان لا یرفع بین السجدتین انہوں نے صحابہ سے کئی اسناد کی سمت اشارہ کیا ہے۔ اور صحابہ اور تابعین کے مجتہدین وغیرہ کا انداز عمل کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ جس طرح کہ اوزاعی' عبداللہ' شافعی' احمد اور اسحاق وغیرہ ہیں۔ اس حدیث کی صحت بیان کرتے ہیں اور اس کو ترجیح دیتے ہیں دوسرا باب ترمذی نے اس نام سے باندھا ہے۔ من لم یر الرفع الا عند الا فتتاح اس کے اندر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت شدہ علقمہ کی حدیث درج کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا میں نے تمہارے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اقتداء میں نماز پڑھی ہے۔ اس کے بعد ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بھی نماز ادا کی انہوں نے سوائے تکبیر تحریمہ کے ہاتھ نہ اٹھائے۔ ترمذی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اس ضمن میں براء بن عازب سے بھی روایت آئی ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کا درجہ حسن ہے اور صحابہ و تابعین میں سے اہل علم کی اکثریت اس کو تسلیم کرتے ہیں۔ اور یہ ہی قول ہے سفیان ثوری کا اور اہل کوفہ کا۔ امام

محمد اپنی موطا میں روایت درج کرتے ہیں۔ زہری از سالم بن عبداللہ بن عمر اور وہ اپنے والد سے۔ اور فرمایا کہ سنت اس طرح ہے کہ ہر جھکنے اور اٹھنے کے وقت تکبیر بلند کرے۔ لیکن سوائے بوقت تکبیر تحریمہ ہاتھ اوپر نہ اٹھائے اور یہ امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے اور اس بارے میں کثرت سے روایات آئی ہیں۔ بعد ازاں عاصم بن کلیب جرمی اپنے باپ سے جو کہ تابعین سے ہیں اور علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو ملنے والے ہیں روایت کرتے ہیں اور اس بارے میں کئی روایات نقل کرتے ہیں۔ کہ علی رضی اللہ عنہ سوائے تکبیر تحریمہ کے ہاتھ نہ اٹھاتے تھے اور ابراہیم نخعی رحمتہ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ فرمایا ہے کہ سوائے تکبیر تحریمہ کے نماز میں کسی مقام پر بھی ہاتھ اوپر نہ اٹھائے اور عبدالعزیز بن حکم سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا ہے وہ پہلی افتتاحی تکبیر پر ہاتھ بلند کرتے تھے اس کے سواء میں ہاتھ نہ اٹھاتے تھے۔ ابوسفیان ثوری ابن مسعود کی حدیث کو بھی نقل کرتے ہیں۔ انتہیٰ۔ طحاوی نے مشکوۃ لاثار سے نقل کیا ہے کہ فرمایا ہے کہ مجاہد نے روایت کرنے کے بعد کہا کہ میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں نماز ادا کی ہے۔ وہ سوائے تکبیر اول کے وقت کے اپنے ہاتھوں کو نہ اٹھاتے تھے۔ اسود سے نقل کیا گیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو سوائے تکبیر اولیٰ کے ہاتھ اوپر اٹھاتے ہوئے نہیں دیکھا ہے۔ اور حضرت عمر، علی، ابن مسعود رضی اللہ عنہم آنحضرت صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم سے نہایت قریبی وقت میں تھے۔ ان کے بعد ابن عمر کو بھی لوگوں نے دیکھا کہ وہ بھی اسی طرح کرتے تھے۔ اس کے خلاف جو کچھ بھی منقول ہے وہ اولیٰ واحق یہ ہی ہے قبول نہ ہو گا۔

ابراہیم علقمہ اور عبداللہ رضی اللہ عنہما سے شیخ ابن الہمام نے نقل فرمایا ہے کہ فرمایا کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی معیت میں نماز ادا کی ہے وہ اپنے ہاتھ نہ اٹھاتے تھے سوائے بوقت افتتاح نماز، ھدایہ کی شرح نہایہ میں آیا ہے کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی کو دیکھا کہ بیت الحرام میں نماز ادا کر رہا ہے۔ اور رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھانے کے وقت وہ اپنے ہاتھ اوپر اٹھا رہا ہے۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے اس کو فرمایا کہ اس طرح مت کرو۔ یہ عمل ترک کر دیا۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ صحابہ عشرہ مبشرہ سوائے نماز کے افتتاح کے اپنے ہاتھ اوپر نہ اٹھاتے تھے۔ اب تو یہ علم ہو چکا ہو گا کہ رفع یدین اور عدم رفع یدین دونوں جانب اخبار و آثار بڑی کثرت سے آئے ہیں پس اس کے سوا اب کوئی راہ نہیں کہ ہم یوں کہیں کہ اوقات کے اختلاف کے ساتھ رفع اور عدم رفع دونوں ہی تھے یا شروع میں رفع تھا اور بعد میں یہ منسوخ ہو گیا۔ شیخ کمال الدین ابن الہمام نے فرمایا ہے کہ نماز میں شروع کے دور میں ایسے اقوال و افعال تھے جن میں رفع مباح تھا۔ اور بعد میں وہ منسوخ ہو گیا۔ اس لئے یہ بعید نہیں ہے کہ یہ بھی اس قسم سے ہو جس میں کہ خشوع ہے۔ سکون ہے اور یہ چیزیں باجماع نماز میں درکار ہیں۔ ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ نے حماد سے اور انہوں نے ابراہیم سے نقل کیا ہے کہ ان کے روبرو وائل بن حجر کی روایت کا تذکرہ ہوا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو انہوں نے رکوع اور سجدہ کے اوقات پر رفع یدین کرتے ملاحظہ کیا۔ اس پر ابراہیم فرماتے ہیں کہ امکان یہ ہے کہ انہوں نے صرف اس دن ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ

نماز ادا کی ہو۔ کیا وہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ سے زیادہ علم رکھتے ہیں اور یا یہ کہ انہوں نے یاد رکھا اور دوسرے صحابہ نے یاد نہ رکھا۔ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ایک بڑی جماعت نے روایت کیا ہے کہ سوائے ابتدائے نماز کے وہ رفع یدین نہ فرماتے تھے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے نقل کیا ہے اور عبداللہ رضی اللہ عنہ شرائع اسلام اور ان کی حدود کا علم رکھتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے احوال میں سب ان پر اتفاق کرتے ہیں آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ساتھ ان کی صحبت سفر و حضر میں رہی ہے انہوں نے جتنی نمازیں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پڑھی ہیں وہ ناقابل شمار حد تک ہیں پس تعارف کے موقع پر کسی تنہا شخص کے مقابلہ میں ان کا قول اولیٰ ہے۔ آخر پر دونوں افعال کے مسنون کے سواء کوئی چارہ نہیں۔ واللہ اعلم۔ شرح سفر السعادت میں اس سے بھی زیادہ بحث ہے آپ وہاں سے دیکھ لیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم رکوع کے دوران اپنی دونوں ہتھیلیاں اچھی طرح سے گھٹنوں پر رکھتے تھے۔ انگلیاں کھلی ہوتی تھیں۔ علماء نے کہا ہے کہ نماز کے دوران انگلیوں کی تین حالتیں ہیں۔ ایک حالت یہ ہے کہ رکوع کے وقت انگلیاں کھلی رکھنا۔ دوسرا بحالت سجدہ انگلیاں ملائے رکھنا۔ تیسری حالت یہ کہ تمام حالتوں میں انگلیاں اپنے قدرتی حال پر چھوڑنا۔ خواہ قیام ہو تشہد ہو۔ بازو پہلوؤں سے دور رکھتے تھے۔ پشت سیدھی رکھتے تھے اور سر کو اس کے برابر رکھتے تھے نہ نیچا کرتے تھے اور نہ ہی اٹھاتے تھے۔ آپ سبحان ربی العظیم تین مرتبہ کہتے تھے یہ تھوڑی سی تھوڑی تعداد ہے۔ علماء نے کہا ہے کہ کمال نماز کے لئے تین مرتبہ ہے۔ اور اس سے زیادہ مرتبہ کہنا افضل ہے۔ تین مرتبہ کے بعد وتر تعداد میں پڑھے یعنی پانچ سات یا نو دفعہ۔ اور کہا ہے کہ غایت کمال میں کوئی عدد نہیں۔ بعض علماء نے دس مرتبہ تک بھی کہا ہے۔ اور بعض کا قول ہے کہ اتنا بھی نہ ہو کہ بعض کو سہو کا خیال آنے لگے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ بقدر قیام کے قریب ہو۔ یہ سب اقوال نمازی کے لئے ہیں جب وہ اکیلا ہو۔ امام کے لئے لازم ہے کہ مقتدیوں کا خیال رکھے اس لئے کہ جماعت کے اندر بوڑھے اور کمزور لوگ بھی ہوتے ہیں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بہت سے حضرات کی اقتداء میں میں نے نمازیں ادا کی ہیں۔ ان میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نماز کی مشابہت میں سب سے زیادہ اس جوان کی نماز ہے (یعنی کہ عمر بن عبدالعزیز کی نماز) اور یہ اندازہ کیا کہ ان کی تسبیحات دس کے برابر ہے۔ خواہ وہ اس سے کم ہی کیوں نہ پڑھتے ہوں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اس اندازہ سے سجدہ کرتے تھے آپ جب سجدہ کرتے تو گھٹنوں کو ہاتھوں سے قبل زمین پر لگاتے۔ اس کے بعد ہاتھوں کو زمین پر رکھتے تھے۔ پھر پیشانی اور ناک مبارک رکھتے۔ بعض کے نزدیک یہ ہے کہ پہلے بنی مبارک اس کے بعد ماتھا مبارک رکھتے اس لئے کہ اقرب یہ ہی ہے۔ ابو حنیفہ شافعی اور احمد رحمتہ اللہ علیہم کا یہ ہی مذہب ہے۔ کہ پہلے گھٹنے رکھتے تھے۔ اور امام مالک اور اوزاعی کا مذہب یہ ہے کہ پہلے ہاتھ زمین پر رکھتے تھے۔ اور اس طرح کی ایک روایت امام احمد کی ہے۔ حضور سات اعضاء کے ساتھ سجدہ فرماتے تھے۔ چہرہ مبارک۔ دونوں ہاتھ مبارک دونوں گھٹنے دونوں قدم مبارک پیشانی مبارک اور بنی مبارک۔ اور صرف ماتھا شریف اور بنی مبارک پر اکتفاء کر لینے پر بھی چند

اقوال ہیں۔ احناف کہتے ہیں کہ دونوں کے ساتھ ہے۔ دونوں قدم اٹھ جائیں تو نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ ایک قدم سے مکروہ ہے۔ (کذا فی الشرح ابن الھام) اور سجدے کے دوران آنحضرت کی دونوں بغلوں مبارک کی سفیدی نمودار ہو جاتی تھی۔ (یعنی وہ بازوؤں کو پہلوؤں سے الگ رکھتے تھے) بازوؤں اور پیٹ مبارک کو اپنی رانوں سے علیحدہ رکھتے تھے۔ اتنا فرق کہ اس میں بکری کا بچہ نکل جائے۔ سجدے کے دوران آپ دونوں ہتھیلیوں کے درمیان میں اپنا سر مبارک رکھتے تھے۔ اور آپ کا قومہ اور جلسہ بھی آپ کے رکوع اور سجود کی مقدار میں ہوتا تھا۔ بعض اوقات اس کو لمبا کر دیتے تھے یہاں تک کہ لوگ گمان کرنے لگتے تھے کہ نماز بھول گئے ہیں اور صحیحین میں اس طرح آیا ہے کہ آنجناب کے قیام' رکوع' اعتدال سجدہ اور جلسہ یہ تقریباً یکساں ہوتے تھے۔ اور یہ اس طرح ہے کہ جب لمبا قیام فرماتے تو رکوع و سجود اور قومہ بھی طویل ہوتا۔ اور خفیف قیام کے ساتھ یہ بھی خفیف ہی ہوتے تھے۔ اور اس طرح نہیں کہ یہ تمام قیام کی مقدار کے برابر ہوتے۔ اس حدیث کی تاویل کی گئی ہے جو اولین ہے۔ اور حضور علیہ السلام کی عادت مبارک اکثر احوال کے مطابق ہے۔ ورنہ کبھی کبھی تو آپ کے سجدے رکوع اور جلسے قومے سب قیام کے برابر ہوتے جیسے کہ نماز خسوف و کسوف۔ اور کبھی نماز تہجد میں بھی۔ اور بہت سی حدیثیں رکوع و سجود اور جلسہ و قومہ کے اعتدال و اطمینان کے بارے میں وارد ہوئی ہیں۔ کم سے کم یہ ہے کہ ریڑھ کی ہڈیاں سیدھی ہو جائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے فرمایا ہے کہ چوری میں بدترین چوری نماز میں ہے۔ صحابہ عرض گزار ہوئے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نماز میں کس طرح چوری ہوگی۔ تو آپ نے فرمایا کہ اس طرح ہوگی کہ رکوع اور سجود کو مکمل نہ کرے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا۔ وہ نماز پڑھتا ہے اور رکوع اور سجود پوری طرح نہیں کرتا تھا۔ وہ جب فارغ ہوا تو حذیفہ نے اس کو اپنے پاس بلا لیا۔ اور فرمایا کہ تو نے یہ نماز پڑھی ہے۔ حقیقت نماز کو ادا نہیں کیا ہے اگر اس حال پر تیری موت ہو جائے تو غیر فطرت پر مرجائے گا۔ مراد یہ ہے کہ اس دین اسلام کے سواء پر مرے گا۔ جس پر کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کو مبعوث فرمایا ہے۔

امام شافعی۔ امام احمد اور امام ابو یوسف رحمتہ اللہ علیہم کا مذہب ہے کہ رکوع و سجود اور رکوع اور سجدے کے درمیان قیام۔ اور دو سجدوں کے درمیان جلسہ ان تمام میں اطمینان و تعدیل فرض ہے۔ اور مشہور قول یہ ہے کہ امام احمد ایک تسبیح کے برابر رکوع و سجود کو واجب گردانتے ہیں اور ایک روایت کے مطابق فرض ہے۔ اور ایک روایت میں سنت ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہ۔ امام محمد رحمہما اللہ کے مطابق رکوع اور سجود میں اطمینان کا جو قول کرخی نے روایت کیا ہے۔ اس کے مطابق واجب ہے دو سجدوں کے درمیان میں بھی یہ وجوب شامل ہے۔ بمطابق قول مروی شدہ از جرجانی سنت ہے لیکن قومہ اور جلسہ میں اطمینان کر لینا ہر لحاظ سے سنت ہے۔ اسے علماء مالکی بھی تسلیم کرتے ہیں ان کا قول ہے کہ حقیقت رکوع جھکنا ہے اور حقیقت سجود زمین پر ماتھا رکھ دینا ہے۔ دونوں کے مفہوموں میں کوئی محتاج وضاحت اجمال نہیں ہے۔ اس لئے کم سے کم کے ساتھ فرضیت ہے اور زیادتی تکمیل اور تتمیم کے لئے ہوتی ہے اس لئے کہ اگر اسے ترک کیا جائے تو نماز ناقص ہے اور

فاعل گنہگار ہوتا ہے۔ بعض ائمہ مذاہب سے شمنی نے نقل کیا ہے۔ کہ رکوع و سجود میں تارک اعتدال پر نماز کا دہرانا لازم ہے۔ شرح ابن الہمام میں نقل کیا گیا ہے۔ کہ جب ترک طمانیت کے بارے میں امام محمد سے سوال کیا گیا تو کہنے لگے کہ مجھے ڈر ہے کہ جائز نہ ہو۔ سرخسی سے روایت کیا گیا ہے کہ جو شخص اعتدال کو ترک کرتا ہے اس پر لازم ہے کہ نماز کا اعادہ کرے۔ اور بعض مشائخ کا بھی قول ہے کہ اعادہ ضروری ہے۔ اور فرض ثانی سے واقع ہے۔ اور عدم سقوط کے اول سے لازم ہونے کا متقاضی ہے۔ اور یہ رکن لازم ہے نہ کہ واجب انتہیٰ۔ رکوع اور سجود میں تعدیل و اطمینان کے بارے میں یہ سب گفتگو ہے۔ اور قومہ اور جلسہ کے متعلق علماء کا قول ہے کہ مقصود بذاتہ یہ نہ تھا کہ ایک رکن سے دوسرے رکن کی جانب منتقل ہو۔ پس واجب نہیں رکوع سے سر اٹھایا جائے کیونکہ بغیر سر اٹھانے کے سجدہ میں جایا جا سکتا ہے بخلاف سر اٹھا کر دوسرے سجدے میں جانا کیونکہ سر اٹھانے کے بغیر دوسرا سجدہ کرنا ممکن نہیں ہے۔ ایک روایت کے مطابق امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک رکوع سے سر اٹھانا فرض ہے لیکن یہ فرض نہیں کہ سیدھا کھڑا بھی ہو۔ ائمہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اس فعل سے تمسک کرتے ہیں جو کہ اس بارے میں ایک ہی طرح اور ایک ہی نہج پر دائمی ہے اور اس حدیث کے راوی بخاری و مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں کہ ایک اعرابی مسجد میں داخل ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مسجد شریف میں ہی ایک گوشے میں موجود تھے۔ اعرابی نے دو رکعت نماز پڑھی لیکن رکوع و سجود کو پوری طرح ادا نہ کیا۔ پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے سلام عرض کیا۔ آپ نے سلام کا جواب دیا اور ارشاد فرمایا کہ تم نماز دوبارہ ادا کرو کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی۔ وہ شخص چلا گیا دوبارہ نماز پڑھی اور پھر خدمت میں حاضر ہوا۔ سلام عرض کیا۔ آپ نے اسے پھر فرمایا کہ جا کر نماز پھر ادا کرو۔ کیونکہ تم نے نماز ادا نہیں کی۔ جب تیسری مرتبہ بھی اس طرح ہی ہوا تو اس آدمی نے عرض کیا۔ مجھے اس خدائے ذوالجلال کی قسم جس نے حق کے ساتھ آپ کو بھیجا ہے۔ میں اس سے بہتر نماز پڑھ نہیں سکتا۔ یا رسول اللہ! آپ مجھے سکھا دیں کہ کیسے نماز ادا کروں۔ اس کے بعد آنحضرت نے اس کے سامنے وضو استقبال قبلہ قیام اور قرات کے متعلق بیان فرمایا۔ پھر فرمایا رکوع ایسے کیا کرو کہ تمہیں اطمینان ہو جائے پھر سر اٹھاؤ اور سیدھا کھڑے ہو جاؤ۔ اور ایسے ہی آپ نے سجدے کے بارے میں فرمایا۔ امام ابو حنیفہ اور امام محمد نے فرمایا ہے کہ اسے نماز دھرانے کا حکم اس کراہت اور نقصان کے باعث دیا گیا تھا جو اس سے ہوا تھا۔ اور بطلان و فساد کے وجہ سے نہیں۔ تعدیل فرض ہوتی تو ہر مرتبہ وہ نہ چھوڑا جاتا کہ نماز پڑھو۔ اور آنحضور اسے آخر تک قائم رکھ کر اسے تعلیم نہ دیتے ابو داؤد۔ نسائی اور ترمذی کی حدیث کے آخر پر آیا ہے۔ فاذا فعلت هذا فقدمت صلوٰتک وما انقصت من هذا فانما انقصت من صلوٰتک جب تم نے اس طرح کر لیا تو تم نے پوری نماز پالی۔ لیکن اگر تم نے اس سے تھوڑا کیا تو اپنی نماز ناقص بنائی۔ اس لئے اس کو نماز کا نام دینا اور نقصان سے اس کی تعریف فرمانا اس صورت میں تھا کہ اس میں تعدیل و اطمینان مقصود تھا اور یہ دلیل ہے عدم فرضیت پر ورنہ آنحضرت فرماتے کہ لذهب وبطل مثلاً واللہ اعلم۔

سجدہ میں دعائے ماثورہ:۔ معلوم ہونا چاہیے کہ نماز کے افتتاح کے متعلق جس طرح کہ گزر چکا ہے اور جیسے کہ

رکوع سجدہ قومہ اور جلسہ کے بارے میں بیان ہو چکا ہے۔ سجدے کے بارے میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے ماثورہ دعائیں مروی ہیں۔ آنحضرت نے فرمایا ہے سجدے کی حالت کے دوران دعا میں اچھی طرح کوشش کرو۔ اس لئے کہ یہ مستحق ہے کہ سجدہ کرنے والوں کی دعائیں قبول ہوں نیز روایت کیا گیا ہے کہ دوران سجدہ بندہ اللہ تعالٰی سے بہت قرب میں ہوتا ہے۔

دو قسموں کی دعائیں ہیں۔ ایک ثناو تمجید کی دعا۔ دوسری طلب اور سوال کی دعا ہے علماء نے فرمایا کہ اللہ تعالٰی کی بارگاہ میں مدح و ثنا کرنا یہ طلب اور سوال پر متضمن ہے۔ علماء نے اس ارشاد سے دلیل لی ہے۔ من شغلہ ذکری عن مسئلتی اعطیتہ افضل ما اعطی السائلین جو آدمی بجائے اپنے لئے مانگنے کے میرے ذکر میں ہی لگا رہے۔ اسے مانگنے والوں سے زیادہ کثرت میں اور افضل عطا کرتا ہوں۔ یہ ہی دعا کا مقصود ہوتا ہے۔ اس بارے میں دعائے ماثورہ میں دونوں اقسام شامل ہیں۔ یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز میں ذکر و اذکار پر احناف کا انحصار اور بصراحت دعا کرنے سے ممانعت کرنے کی یہ ہی بنا ہے۔ علاوہ ازیں وہ بھی دعا کرنے کا حکم بجالانے سے فارغ و خارج نہ ہیں یہ حقیقت ہے اور جامعیت اس میں ہے کہ نوافل میں صریحاً دعا کرنے سے بھی حکم کی تکمیل ہو جاتی ہے اور فرائض میں تسبیحات اور ذکر و اذکار پر انحصار سے بھی ہو جاتی ہے۔ شب کی نمازوں اور نوافل کے ساتھ بالخصوص کچھ احادیث سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ بعض احناف کے نزدیک زیادہ دعائیں حرام اور غیر مفید ہیں۔ حیرانگی آتی ہے کہ باوجود اس امر کے کہ صحیح احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا یہ عمل وارد ہوا ہے۔ پھر حرام کہتے ہیں۔ اور یہ پتہ نہیں چلتا کہ وہ اسے مطلق نماز میں حرام قرار دیتے ہیں۔ خواہ فرائض ہوں یا نوافل ہی ہوں اور یہ نہایت بعید ہے تا آنکہ مخصوص فرائض کے ساتھ نہ رکھیں۔ اور یہ اس اعتبار سے ہے کہ نوافل کے ساتھ حرمت روایت میں آچکی ہو۔ اور فرائض میں قطعی طور پر کچھ روایت میں نہیں آیا۔ الغرض یہ تردد کی جگہ ہے۔ واللہ اعلم۔

اور سجدے سر اٹھانے اور دوسری رکعت کے لئے کھڑا ہونے کے درمیان کے بارے میں دو اقوال آئے ہیں۔ ایک یہ ہے کہ زمین پر بیٹھ جائے دونوں ہاتھوں کو زمین پر رکھے ہووے۔ یہ جلسہ استراحت کہلاتا ہے۔ اس کے حکم میں بھی علماء میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ کچھ علماء اسکو سنت کہتے ہیں جس طرح مذہب ہے امام شافعی ان کا قول ہے کہ سنت یہ ہے کہ دوسرا سجدہ کر لینے کے بعد زمین پر ہلکی سی نشست اختیار کرے۔ اس کے بعد فوراً کھڑا ہو جائے۔ بعض کہتے ہیں کہ ایسا کسی ضرورت و حاجت کے وقت ہو سکتا ہے وہ کہتے ہیں۔ یہ بیٹھنا بوجہ عذر و حاجت ہے۔ بوجہ کبر سنی وغیرہ وغیرہ امام ابو حنیفہ اور امام مالک اسی مذہب پر ہیں۔ امام احمد کے مذہب میں یہ مختار ہے۔ اور ان سب کا یہی کہنا ہے کہ یہ سنت نہ ہے۔ امام شافعی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ جو کہ بخاری۔ ترمذی اور نسائی میں مالک بن حویرث سے روایت ہوئی ہے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو دیکھا پہلی اور تیسری رکعت میں زمین پر بیٹھنے کے بغیر آپ اوپر کھڑے نہیں ہوئے۔ نیز شمنی کی روایت ہے کہ ابن ابی نعمان بن ابی عباس روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا ہے میں نے کثرت سے صحابہ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ و آلہ وسلم کو دیکھا ہے کہ پہلی اور تیسری رکعت میں دوسرے سجدے سے جب وہ سر اٹھاتے ہیں تو اس کے بغیر ہی کہ وہ بیٹھیں اور سیدھا کھڑے ہو جاتے ہیں اس طرح سے ابن مسعود علی، عمر، ابن عمر، ابن عباس اور ابن زبیر رضی اللہ عنہم سے روایت ہے۔ یہ سب افراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اکابر صحابہ تھے اور مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کے برعکس یہ آنحضرت کی اتباع زیادہ سختی سے کرتے تھے اور زیادہ عمل کرتے تھے۔ اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی صحبت کے اعتبار سے مالک بن جویرث رضی اللہ عنہ مذکورہ صحابہ کے برابر نہیں ہیں۔ پس ان صحابہ کی تقدیم واجب ہے ابوداؤد نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے منع فرمایا کہ کھڑے ہوتے وقت ہاتھوں سے ٹیک لگائیں۔ اور وائل کی حدیث میں وارد ہوا ہے کہ کھڑے ہوتے وقت رانوں پر ٹیک لگا کر اوپر کھڑے ہوتے تھے۔ ان احادیث میں اس صورت میں جمع اور توفیق ہو سکتی ہے۔ مالک بن حویرث کی حدیث کو کمزوری کبر سنی پر محمول کریں۔ جمہور ائمہ بھی اس پر ہی ہیں۔ اور واضح رہے کہ اس جگہ پر جو کچھ مذکور ہوا ہے۔ وہ خلاف جلسہ استراحت تھا۔ پھر بھی یہ سنت ہے کہ جلسہ استراحت کے بغیر زمین پر یا رانوں پر کھڑے ہوتے وقت ٹیک لگائیں امام ابو حنیفہ اور امام احمد کے مطابق سنت اس انداز میں ہے کہ دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھے جائیں۔ اور ان ہی سے ٹیک لگاتے ہوئے اوپر کھڑے ہو جائیں۔ اس کی بنیاد پر یہ حدیث ہے جو کہ ابوداؤد میں وائل بن حجر سے مروی ہے۔ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ رانوں اور گھٹنوں پر ٹیک لگا کر اٹھتے تھے۔ علاوہ ازیں ابوداؤد ہی کے اندر ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ممانعت فرمائی ہے کہ جب کھڑے ہوں تو زمین پر ہاتھوں سے ٹیک لگائیں اور مالکی مذہب میں جلسہ استراحت نہیں ہے۔ لیکن جب وہ کھڑے ہوتے ہیں تو زمین پر ٹیک لگاتے ہیں۔ اور ہم بھی عند الضرورت مشقت کی زیادتی کے باعث یا کمزوری کے باعث یا کبر سنی کی وجہ سے اس سے ٹیک لگانا جائز سمجھتے ہیں۔

تشہد کے دوران زمین پر بیٹھنا:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تشہد میں بایاں پاؤں مبارک بچھا کر اس کے اوپر بیٹھتے تھے۔ دایاں پاؤں کھڑا رہتا تھا۔ یہی مذہب ہے امام اعظم ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کا۔ اور قعدہ اولیٰ میں یہی امام شافعی کے نزدیک ہے۔ اس کو انہوں نے افتراش کہا ہے۔ دوسرے قعدہ کو انہوں نے تورک کہا۔ شافعی مذہب کے مطابق یوں ہے کہ ہر تشہد جس کے بعد دوسرا تشہد نہیں ہوتا اور خواہ ایک تشہد کیوں نہ ہو جس طرح فجر کی نماز میں ہے۔ اور خواہ دو تشہد کیوں نہ ہوں۔ جس طرح ماسوائے نماز فجر ہیں۔ ایسے تشہد کو تورک کہا جاتا ہے۔ وہ اس طرح سے ہے جیسے کہ حاوی میں جو کہ فقہ شافعی کی مشہور و معروف کتاب ہے مذکور ہے دونوں پاؤں دائیں طرف حسب عادت باہر نکالے اور سیدین کے ذریعہ سے زمین پر نشست اختیار کرے۔ یہ ابو حمید ساعدی اس حدیث سے استدلال فرماتے ہیں جس کے اندر انہوں نے صحابہ کی ایک جماعت کو کہا ہے کہ تم سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نماز کو جاننے والا میں ہوں۔ اور امام مالک کے مطابق دونوں تشہد میں تورک ہوتا ہے۔ امام احمد کے نزدیک اس طرح ہے کہ جس نماز میں دوبار تشہد آتا ہے۔ اس میں آخری تشہد کے دوران تورک کیا جاتا ہے کیونکہ پہلے تشہد کے دوران حرکت کے لئے نمازی مستعد آمادہ ہوتا ہے۔ اور

افتراش کی حالت میں حرکت یا قیام کرنا آسان تر ہوتا ہے۔ اور آخری جلسہ کے بعد کوئی عمل نہ ہے۔ تورک وہ ہیئت ہوتی ہے جو سکون اور قرار کے لئے مناسب تر ہوتی ہے اس مسئلہ کے بارے میں ہر چار ائمہ کے علیحدہ علیحدہ چار اقوال ہیں۔

امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ یوں فرماتے ہیں جیسے کہ علماء نے فرمایا کہ مسلم شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حدیث روایت ہوئی ہے اس میں اور دوسری احادیث کے اندر بھی مطلق طور پر افتراش کا انداز وارد ہوا ہے۔ اس لئے کہ یہی دوران تشہد سنت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بغیر کسی قید کے کہ پہلا تشہد ہو یا آخری ہو اس طور سے بیٹھا کرتے تھے۔ کچھ احادیث میں آخری تشہد میں تورک جو مذکور ہوا ہے۔ یہ عذر کی حالت۔ کبر سنی یا لمبی دعاؤں پر محمول ہے۔ کیونکہ تورک میں بہت کم مشقت ہے۔ یہ بھی امکان ہے کہ مختلف اوقات پر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے دونوں طریقے تورک و افتراش واقع ہوئے ہوں۔ جس طرح کہ سنن و نوافل میں ایسی امثال وارد ہوئی ہیں۔ ایک صحابی کا کہنا ہے کہ الحمد للہ الذی جعل فی کل امر سعۃ سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں۔ جس نے کل احکام میں وسعت و گنجائش رکھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جس وقت تشہد پڑھتے تھے۔ اپنے دونوں ہاتھ دونوں رانوں پر رکھتے تھے۔ دائیں ہاتھ سے عقد و اشارہ فرماتے تھے۔ شافعین کے مطابق ترپن کے طور پر عقد ہے وہ یوں ہے کہ سوائے مسبحہ کے تمام انگلیاں قبض کی جائیں اور مسبحہ کھلا چھوڑا جائے۔ انگوٹھے کے کنارے کو مسبحہ تلے بجانب ہتھیلی رکھا جائے۔ اس طرح شوافع علماء نے عدد ترپن کی شرح کی ہے۔ وہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث بطور سند لیتے ہیں جو کہ مسلم شریف میں روایت ہوئی ہے۔ حنفیوں کے مطابق عدد نوے ہے وہ اس طرح ہے کہ خنصر اور بنصر دونوں کو قبض کر لیا جائے۔ مسبحہ کھلا چھوڑا جائے۔ انگوٹھا کو وسطی سے حلقہ بنایا جائے۔ یہ بھی مسلم شریف میں ہی عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت ہوئی ہے۔ اور احمد و شافعی کے قدیم قول کے لحاظ سے مختار ہے۔ امام مالک کے نزدیک اس طرح ہے۔ کہ دائیں ہاتھ کی سب انگلیاں قبض کی جائیں۔ اور مسبحہ چھوڑا جائے۔ اور اس سے حرکت کی جائے۔

شوافع کے مطابق ایک اور طریقہ بھی ہے حلقہ بنانے کا۔ وہ یوں ہے کہ وسطی انملہ کو ابہام کے دونوں گرہوں کے درمیان میں رکھے۔ اور انگشت مسبحہ کو کلمہ شہادت میں اوپر اٹھائے اور جب اثبات کرے۔ یعنی الا اللہ کہے تو انگلی رکھ دے اور اشارہ اوپر کی طرف کرنا چاہیے۔

تا کہ جہت کا توہم نہ ہونے پائے۔ اور معلوم رہے کہ مذکورہ طریقہ سے دائیں ہاتھ انگلیوں کو باندھنا اور مسبحہ کے ساتھ اشارہ کرنا صحیح احادیث میں آ چکا ہے۔ اور صحاح ستہ سے اس باب میں جامع الاصول میں کثرت سے احادیث روایت کی گئی ہیں۔ کچھ احادیث میں اشارہ کرنے کے ساتھ عقد کا بھی تذکرہ ہے۔ اور بعض میں صرف اشارہ کرنے کا ذکر ہے محدثین، فقہاء مجتہدین اور صحابہ و تابعین کی اکثریت کا یہ ہی مذہب ہے۔ علماء کہتے ہیں کہ حق تو یہ ہے ابو حنیفہ اور صاحبین رحمتہ اللہ علیہم کا بھی یہ ہی مذہب ہے۔ متقدمین علماء و احناف نے اس کی تصریح کی ہے لیکن متاخرین احناف میں اختلاف نموودار ہو گیا

ہے۔ اگر یہاں ہم سب احادیث بیان کریں تو بڑی طوالت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد کے ساتھ ان کے مناسب مقامات پر علماء مذہب کے کلام پیش کریں گے تاکہ مفید ہوں۔

شمنی نے کہا ہے کہ امام ابو یوسف اپنی امالی میں فرماتے ہیں کہ خنصر اور اس کے ساتھ والی انگل باندھے اور وسطی انگلی اور ابہام کے ساتھ حلقہ بنائے اور مسبحہ سے اشارہ کیا جائے۔ امام محمد رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اشارہ فرمایا کرتے تھے۔ اور آپ نے جو کیا ہے وہ ہم بھی کرتے ہیں یہی کچھ ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ علاوہ ازیں شمنی نے ظہیریہ سے نقل کیا ہے کہ جس وقت نمازی تشہد کا آغاز کرتا ہے۔ اور اشہد ان لا الہ الا اللہ پر آتا ہے تو آیا وہ اس وقت اپنے دائیں ہاتھ سے اشارہ کرے یا کہ نہ کرے۔ علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے۔ لہٰذا کسی طور سے بوقت اشارہ حکایت کرے فقیہ ابو جعفر کہتے ہیں کہ خنصر اور بنصر کو باندھے وسطی اور ابہام سے حلقہ بنایا جائے اور اشارہ مسبحہ سے کیا جائے۔ اور کتاب منتہی المفتی میں کہا گیا ہے کہ اشارہ کرنا مکروہ ہے۔ انتہیٰ۔

ہدایہ کے حاشیہ پر کفایہ سے منقول ہے کہ محیط میں ذکر کیا گیا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک تشہد کے دوران دائیں ہاتھ کے مسبحہ کو اٹھانا سنت ہے۔ امام ابو یوسف سے بھی ایسے ہی روایت ہوا ہے۔ علامہ نجم الدین ظاہر نے کہا ہے کہ جملہ اصحاب سے جب اشارہ کرنا سنت ہونے کے متعلق روایات کا اتفاق ہے اور اسی طرح کوفہ اور مدینہ کے باشندوں نے روایت کیا ہے اور اس ضمن میں اخبار و آثار بھی کثرت سے وارد ہوئے ہیں۔ لہٰذا یقینی امر ہے کہ اس پر عمل کرنا اولیٰ ہے انتہیٰ۔ شرح وقایہ میں اس طرح مذکور ہے کہ عقد اور اشارہ ہمارے اصحاب سے ہے۔ انتہیٰ۔ اور یہ ندرت سے خالی بات نہیں ہے۔ جو کہ ہدایہ میں بسط اصابع اور عقد کی نفی میں کہی گئی ہے۔ یعنی کہ یہ وائل بن حجر کی حدیث میں روایت ہے جبکہ حدیث کی کتابوں میں وائل بن حجر نے روایت کیا ہے کہ ابہام اور وسطیٰ سے حلقہ بنا کر اشارہ کریں۔ جیسے کہ ابوداؤد نسائی۔ دارمی۔ ابویعلی۔ عبدالرزاق۔ اور حضرت شیخ علی متقی رحمتہ اللہ علیہ امام اجل نے اس بارے میں ایک رسالہ مرتب کیا ہے۔ جس میں حنفی مذہب کی فقہی روایات اور ان کے اختلاف کا ذکر کیا ہے اور صحیح احادیث بیان کی ہیں۔ اور عقد و اشارہ راجح قرار دیا ہے۔ ہم نے شرح مشکوٰۃ اور شرح سفر السعادت میں اس رسالہ کا ترجمہ درج کیا ہے وباللہ التوفیق۔

السلام علیک ایہا النبی کا جو خطاب ہے اس کے متعلق دو سوال ہوئے ہیں۔ ایک یہ کہ نماز میں کسی بشر کو خطاب کرنا منع ہے اور اس سے نماز فاسد ہوتی ہے۔ اس کا جواب یہ دیتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص میں سے یہ خطاب ہے۔ اور اصل میں یہ خطاب کے صیغہ میں دعا ہے۔ اور در حقیقت یہ قصہ معراج ہے۔ جس طرح وہاں پر واقع ہوا تھا۔ اسی طرح ہی یہاں پر برقرار رکھا۔ اور دوسرے سوال کا جواب بھی اس جواب کے اندر آگیا دوسرا سوال یہ کیا جاتا ہے کہ غیب (Third Person) سے خطاب (IIrd Person) کی طرف آنے میں کونسی حکمت ہے کیونکہ سیاق کا تقاضہ ہے غیب کا لفظ۔ چنانچہ یوں کہنا تھا التحیات للہ والصلوٰت والطیبات والسلام علی

النبی والسلام علینا و علی عباد اللہ الصالحین مراد یہ ہے کہ جیسے رسول اللہ صلی علیہ و آلہ وسلم سے نقل میں آیا ہے اور جیسے آپ نے اپنے صحابہ کو سکھایا اس کو ہی محفوظ اور قائم رکھا گیا ہے۔

مولف مواہب لدینہ بر طریق اہل عرفان فرماتے ہیں کہ التحیات کے ذریعے سے جب نمازی سکوت کے دروازے کھلواتا ہے تو اسے حریم حرم الہیہ میں داخل ہونے کی اجازت اسے دی جاتی ہے۔ اس کے بعد جس وقت اس کی بصیرت کی آنکھ روشن ہوتی ہے اور اسے آگاہی ہوتی ہے اور نبی رحمت کے واسطہ سے اور آنحضور کی اتباع سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ قدسی میں داخل ہو جاتا ہے تو وہ بندہ اس وقت اللہ تعالیٰ کے حبیب کو حرم حبیب کے اندر موجود دیکھتے ہیں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے مواجہ میں عرض کرتا ہے۔ السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ انتہیٰ۔

کچھ اہل تحقیق حضرات اس طرح کہتے ہیں کہ سب ذرات و موادات میں حقیقت محمدیہ سرایت شدہ ہونے کی وجہ سے یہ خطاب ہے۔ اور آپ بندہ کے باطن میں حاضر و موجود ہیں بندہ کی اس حالت کا انکشاف اس پر دوران نماز ہوتا ہے۔ اس لئے کہ حالت نماز کے دوران ہونا افضل حالات میں اور افضل مقامات میں ہوتا ہے۔

کرمانی نے بخاری کی شرح میں کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے زمانہ حیات اور آپ کی موجودگی میں یہ خطاب تھا اور آنحضور کے وصال شریف کے بعد صحابہ اس طرح سلام پیش کرتے تھے۔ السلام علی النبی و رحمتہ اللہ و برکاتہ

بعض روایات میں وارد ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنے تشہد میں بذات خود بھی یوں پڑھا کرتے تھے۔ اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد انی رسول اللہ ائمہ شافعین میں سے رافعی نے اس روایت کو بیان کیا ہے۔ لیکن وہ مصرح نہیں ہے۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ حضور اپنے کسی معجزہ کے ظہور پر فرماتے تھے اشہد انی رسول اللہ بخاری شریف۔ باب المعجزات النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں روایت ہے کہ ایک سفر کے دوران صحابہ کرام کا زاد راہ کم رہ گیا۔ آنحضرت نے وہ سب کچھ جمع کروایا اور ایک طشت میں رکھ کر برکت کے لئے دعا فرمائی۔ پھر سارے لشکر نے اس کے ایک کونہ سے اپنے اپنے برتنوں کو بھر لیا۔ اس طرح کا معجزہ غزوہ تبوک پر بھی واقع ہوا تھا۔ اس موقع پر ستر ہزار آدمی تھے۔ پھر حضور نے ارشاد فرمایا۔ اشہد ان لا الہ الا اللہ وانی رسول اللہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا جو ارشاد ہے۔ السلام علینا و علی عباد اللہ الصالحین اس امت کے لئے تنبیہہ کی گئی ہے کہ وہ اپنی اصلاح کریں تاکہ آنحضرت کے سلام سے شرف حاصل ہو۔ اور صلوٰت میں ساری مخلوق مشرف و محفوظ ہو۔ اور کوئی بھی فضل عظیم سے خالی نہ رہ جائے۔ یہاں پر لازم ہو جاتا ہے کہ دوران نماز جیسے اللہ تعالیٰ کا حق ہے اس طرح سب مسلمانوں کا حق ہے اور نماز کو ترک کرنے والا اللہ تعالیٰ کا حق ادا نہ کرتے ہوئے ساتھ ساتھ سارے مسلمانوں کا حق بھی ادا نہیں کرتا۔ جو مسلمان اس سے پہلے ہو گزرے ہیں اور قیامت تک جو ہوں گے اس وجہ سے السلام علینا و علی عباد اللہ الصالحین کہنا واجب ہے۔

امام شافعی کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر آخری تشہد کے دوران درود شریف پڑھنا واجب ہے۔

امام ابو حنیفہ اسے سنت کہتے ہیں۔ جیسے کہ اس سے قبل یہ بیان گزر چکا ہے۔

طبرانی ابن ماجہ اور دار قطنی نے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جو شخص اپنے نبی پر درود نہیں بھیجتا اس کی کوئی نماز نہیں۔

ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے دار قطنی میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص نماز ادا کرے اور دوران نماز وہ مجھ پر اور میرے اہل بیت پر درود نہ پڑھے اس کی نماز قبول نہ ہوئی درود شریف کے کلمات اور صیغوں کے بارے میں بہت سی روایات ہیں لیکن اتنا ہی کہنا کفائت کرتا ہے۔ اللھم صل علی سیدنا محمد وعلی آل سیدنا محمد کما صلیت علی سیدنا ابراھیم وعلی ال سیدنا ابراھیم انک حمید مجید۔ اللھم بارک علی سیدنا محمد وعلی سیدنا آل سیدنا محمد کما بارکت علی سیدنا ابراھیم وعلی آل سیدنا ابراھیم انک حمید مجید۔ کچھ مشائخ سے اس طرح ہی میرے سننے میں آیا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کے آخر پر یہ الفاظ آئے ہیں فی العالمین انک حمید مجید لرحم و ترحم کما رحمت و ترحمت آیا ہے قاضی ابوبکر بن العربی مالکی اور صید الالی شافعی اس کی صحت سے انکار کرتے ہیں۔ اور اس کو ایک قسم کی بدعت کہتے ہیں۔ نیز یہ کہتے ہیں۔ کہ صحابہ کرام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے وحی کے مطابق درود شریف کی کیفیت سکھائی تھی۔ پس اس پر کسی قسم کا کوئی اضافہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر استدراک ہو گا۔ (العیاذ باللہ)۔

احناف کی کتاب ذخیرہ سے مواہب لدینہ میں نقل کیا گیا ہے۔ کہ یہ مکروہ ہے۔ کیونکہ اس نقص کا توہم ہوتا ہے۔ کیونکہ رحمت اور ترحم اس چیز کے غلبے کی خاطر بولتے ہیں جس پر ملامت و سرزنش ہوتی ہے۔ ابن عبدالبر اعاظم محدثین سے ہیں وہ اس پر جزم کے ساتھ فرماتے ہیں کہ کسی کے متعلق یہ روایت ہے کہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ذکر کیا جاتا تو وہ شخص رحمتہ اللہ علیہ کہا کرتا تھا۔ کیونکہ آنحضرت نے فرمایا ہے کہ من صلی علی آپ نے من ترحم علی نہیں فرمایا اور کسی دعا میں بھی ترحم کا صیغہ نہیں آیا۔ گو صلوٰۃ کا معنی رحمت ہے یہ لفظ آنحضور کی عظمت و فضیلت کے پیش نظر آپ کے لئے مخصوص ہے۔ پس کسی دیگر لفظ کی جانب اس سے عدول نہ ہو گا قاضی عیاض سے اس کا جواز جمہور علماء کی طرف منقول ہے۔ اور قرطبی کا کہنا ہے کہ یہ ہی صحیح ہے اس لئے کہ اس ضمن میں احادیث آئی ہیں۔ اور تشہد کے اندر بھی ہے۔ السلام علیک ایھا النبیی ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ اور حق یہ ہے اس مخصوص لفظ کا انکار صحیح ہے کہ بولے اللھم لرحم ترحم۔ الی آخرہ اور یہ نہیں کہ رحمت کی نسبت اور اس کا اطلاق رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر ہو۔ (واللہ اعلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم درود شریف کے بعد دعا فرماتے تھے۔ یہ مشہور دعا ہے جس کو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا ہے۔ اللھم انی اعوذبک من عذاب القبر و اعوذ بک من فتنة المسیح

الدجال اعوذبک من فتنة المحیاو فتنة الممات اللھم انی اعوذبک من الماثم والمغرم حضرت ابوہریرہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں یہ بھی وارد ہوا ہے۔ اللھم انی اعوذبک من عذاب جھنم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ یہ دعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یوں سکھاتے تھے جیسے کہ آپ قرآن کی سورۃ سکھایا کرتے تھے۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ میں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گزارش کی یا رسول اللہ! کوئی دعا مجھ کو بتادیں جو میں نماز میں پڑھا کروں۔ آنحضرت نے فرمایا یہ پڑھو اللھم انی ظلمت نفسی ظلما کثیرا ولا یغفر الذنوب الا انت فاغفرلی مغفرة من عندک وارحمنی انک انت الغفور الرحیم

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوران نماز تشہد اور اسلام پھیرنے کے بیچ میں یہ دعا پڑھتے تھے۔ اللھم اغفرلی ما قدمت وما اخرت وما اسررت وما اعلنت وما اسرفت وما انت اعلم بہ منی انت المقدم انت المؤخر لا الہ الا انت دیگر ایک حدیث میں سلام پھیر لینے کے بعد یہ دعا مروی ہے۔ اور یہ بھی امکان ہے کہ سلام سے قبل اور بعد دونوں وقت پڑھتے ہوں۔ یہ دعائیں اور ایسی ہی دوسری دعائیں جن میں طلب بخشش۔ قبر، جہنم اور دجال کے فتنہ سے استعاذہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایسی دعاؤں پر اعتراض کیا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو معصوم ہیں اور مغفور ہیں۔ ان کی طرف سے استعاذہ اور مغفرت طلب کرنا چہ معنی دارد۔ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ امت کو سکھانا اصل مقصد ہے۔ اور یا امت کی خاطر سوال کرنا ہے۔ اور دراصل اس کے معنی اس طرح پر ہیں۔ اللھم انی اعوذبک لامتی اور یا یہ تواضع اور عبودیت کے اظہار کے طریق پر اور التزام خوف الٰہی اور عظمت شان باری تعالیٰ اور اس کی جانب افتقار اور احتیاج ہے اور سب مقربان بارگاہ الٰہیہ اس طرح کرتے ہیں وہ دائمی طور پر خوف خشیت اور تضرع اور زاری میں لگے رہتے ہیں دوسرے معصومین عظام بھی اس طرح ہی ہوتے ہیں۔ وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی عظمت۔ اور اس عزوجل کی درگاہ لاابالی کی ہیبت وخوف کا تصور کرتے ہوئے توبہ واستغفار کرتے رہتے ہیں۔ جس وقت وہ عظمت اور ہیبت کا مشاہدہ کرتے ہیں یا کوئی چیز اپنے حال کے مطابق دیکھتے ہیں جس کو وہ تقصیرات سے سمجھتے ہوں تو اس کو وہ گناہ کہتے ہیں اور اس سے بدرگاہ الٰہی استعاذہ اور استغفار کرتے ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب معصوموں سے بڑھ کر معصوم اور پاک تر ہیں۔ نیز جو کچھ بھی اس کائنات میں ہے اور جو کچھ ہو گزرا ہے۔ یہ تمام آنحضرت کے وجود کی طفیل ہے اور آپ ہی کے صدقہ میں کل مخلوق کی بخشش ہوگی۔ اور آنحضرت بذات خود مغفور بھی ہیں۔ آپ بذات خود اس انداز میں اللہ سے دعا کرتے ہیں۔ تو دوسرے لوگ اپنی دعا میں کیا کچھ مانگیں گے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بذات خود استغفار پر اللہ کی طرف سے مامور ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ واستغفر لذنبک وللمومنین وللمؤمنات نیز حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک سب

عارفوں، نبیوں، اولیاء اور صالحین کا عمل پیہم ہے۔ مجازی رنگ میں شاعر نے ایک حرف بولا ہے۔ اس قیاس کے مطابق ہم اس کو حقیقت پر بھی چسپاں کر سکتے ہیں۔ بیت۔

؎ دیدم کہ خاطرش زمن آزاری کشد کردم ازو قبول گناہ نبودہ را

شعر کے اندر آزار خاطر دعویٰ ہستی کے گمان سے کنایا ہے مراد یہ کہ اس سے اپنے آپ کو پاک رکھنا چاہیے۔ اور ذنبک بھی کنایہ اس سے ہے غفر کہتے ہیں ڈھانپ لینے کو یہ کیا خوب کہا ہے کسی صاحب عرفان نے

؎ از خدا خواہند سزات خو درذات او این بود ساعت بساعت سراستغفار شان

یہاں پر کنایہ ہے منزل فنافی اللہ سے۔ اس جگہ علم و زبان کی اصطلاح اور وقت سے بات وراء چلی گئی ہے جس کا تعلق اس کتاب کی تالیف و ترتیب سے ہے اور اس ڈگر پر چلنے والے کی بات لمبی ہو ہی جاتی ہے۔

تشہد پڑھنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم دائیں بائیں دونوں جانب سلام پھیرتے تھے آنحضور کے رخساروں کی سفید نظر آنے لگتی تھی۔ آپ فرمایا کرتے تھے۔ السلام علیکم و رحمة اللہ اس میں آپ قوم کو اور ملائکہ کو مخاطب فرماتے تھے۔

جماعت کے اندر دائیں طرف کھڑے ہونے کو فضیلت حاصل ہے۔ اس کی وجوہات سے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ معارج قرب سے نزول کے بعد اور مشہد انوار و نور سے رجوع کر لینے کے بعد جو کہ نماز ہے پہلی نظر اس طرف کے لوگوں پر پڑتی ہے۔ اور سلام دو کرنا آنحضرت کی ہمیشہ عادت تھی۔ اس کی روایت مشاہیر اور عظما پندرہ صحابہ نے کی ہے۔ امام ابو حنیفہ امام شافعی اور دوسرے اماموں کا بھی یہی مذہب ہے۔ لیکن امام مالک کے مطابق ایک سلام مقابل وجہ بھی ہے۔ اور اس باب میں روایت شدہ حدیث صحیح نہیں۔ اور اگر بعض اوقات پر ہے تو شب کی نمازیں ہو گی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے کہ ہم کو جگانے کی خاطر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ایک سلام کرتے تھے۔ اس حدیث کے متعلق محدثین کا قول ہے کہ یہ معلل ہے اور اگر یہ معلل نہ ہو تو اس میں عبارت صریح نہیں یعنی کہ دوسرا سلام آپ نہیں کرتے تھے اس اعتبار سے یہ حدیث خاموش ہے یہ امکان ہے کہ دوسرا سلام ہو۔ لیکن اس میں آواز اس قدر بلند ہوتی ہو جس سے مقصود اہل بیت کو جگانا ہو اس مقام پر اس وجہ کا اظہار بھی ہو گیا ہے جسے امام احمد سے نقل کیا گیا ہے یعنی کہ وہ ایک سلام کی تاویل کرتے ہیں کہ بلند آواز کے ساتھ اعلام اور خبردار کرنے کی خاطر ایک سلام کہتے تھے دوسرا سلام آہستگی سے کہتے تھے۔ بعض کا قول ہے کہ مقابل وجہ کا مطلب ہے کہ قبلہ کی جانب سے سلام شروع کرتے تھے۔ پھر دائیں بائیں التفات فرماتے اور توجہ۔ اس لئے کہ اس میں آواز اونچی نہ ہوتی تھی۔ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے بھی ایک سلام کے متعلق ایک حدیث روایت ہوئی ہے کہ محدثین کے نزدیک وہ حدیث مطعون ہے۔ اور اہل علم نے امام شافعی سے نقل کیا ہے کہ نمازی باختیار ہے۔ خواہ وہ ایک سلام کہے اور خواہ دو سلام کہہ لے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم دوران نماز التفات نہ فرماتے تھے۔ اور آپ اس سے صحابہ کو بھی ممانعت فرماتے

تھے۔ بالخصوص فرائض میں التفات کے معانی ہیں گردن پھیر کر دائیں یا بائیں طرف دیکھنا۔ پس گوشہ چشم سے دیکھ لینا التفات نہ ہو گا۔ اور نہ ہی یہ مکروہ ہے۔ کذا فی النہایہ۔ اور شرح میں شیخ ابن الھمام نے فرمایا ہے کہ گردن کو اس قدر گھمانا کہ مواجہ قبلہ سے نکل جائے اتنی التفات کرنا مکروہ ہے۔ اور اس کے ساتھ اگر اپنا سارا بدن پھیرے تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ پس التفات کی یہ قسم مفسد ہے۔ دوسری قسم مکروہ ہے۔ جس طرح کہ عمل کثیر مفسد ہوتا ہے۔ اور قلیل عمل مکروہ ہوتا ہے۔ انتہیٰ۔ شمنی نے فرمایا ہے کہ سینہ نہ گھمایا جائے اور گردن گھمائی جائے یہ التفات مکروہ ہے اور سینہ گھمانے سے ابطال نماز ہو جاتا ہے۔ اور گوشہ چشم سے دیکھنا مکروہ نہیں ہے۔ ترمذی میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم دوران نماز گوشہ چشم سے دیکھنا اپنے مقتدیوں کے احوال سے آگاہ ہونے کی کوشش میں ہوتا تھا۔ اور یا یہ امت کی تعلیم کے لئے تھا کہ اس سے نماز باطل نہیں ہوتی۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ نماز میں جس وقت بندہ کھڑا ہو جاتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اپنے وجہ کریم کے ساتھ اس بندہ کی طرف توجہ فرماتا ہے۔ اور نمازی جس وقت بندی التفات کرتا ہے اور غیر اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اے آدم کے بیٹے! جس طرف تیرا دھیان ہے مجھ سے وہ بہتر نہیں۔ تو اپنا رخ میری جانب پھیر۔ نمازی جب دوسری بار التفات کرتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس طرح پھر فرماتا ہے۔ اور جب تیسری دفعہ بندہ غیر کی جانب التفات کرے۔ تو اللہ تعالیٰ بھی اپنا وجہ کریم اس کی طرف سے پھیر لیتا ہے۔

دیگر ایک حدیث میں یوں ہے۔ لا صلوٰۃ لملتفت التفات کرنے والے کی نماز نہیں ہے لیکن یہ ثابت شدہ امر ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ایک آدمی کو دشمن کی جانب ایک راستہ پر متعین فرمایا۔ وہ آدمی ساری رات گھوڑے پر سوار نگہبانی کرتا رہا۔ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نماز میں لگ گئے تو دوران نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اس راستے کی طرف نظر فرمائی جس پر وہ آدمی متعین تھا۔ اور گھاٹی کی جانب التفات فرمایا اور یہ قضیہ بر سبیل ندارت تھا اور نفلی نماز کے دوران ہوا خواہ شاید وہ فجر کی سنتیں ہوں۔ جیسے کہ بعض نے کہا ہے اور اگر فجر کی نماز کے فرض بھی ہوں جس طرح کہ جامع الاصول سے فہم میں آتا ہے۔ تو یہ مہم کی خاطر اور اسلام کی بہتری کی خاطر تھا۔ اس لئے کہ پاسبانی۔ سلامتی اور ان کی جمعیت کے واسطے یہ محافظت ہو رہی تھی۔ پس یہ تداخل بھی عبادت کی قسم سے ہی ہے۔ نماز عبادت ہے اور مذکورہ مصلحت کے پیش نظر اس آدمی کی طرف التفات بھی ایک قسم کی عبادت تھی۔ اور وہ ہے جہاد اور اس کی تدبیر کرنا۔ اور نماز خوف بھی اس قسم سے ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ہے۔ انی لا جھز وجیشی وانا فی الصلوٰۃ بے شک میں اپنے لشکر کی تیاری کرتا ہوں جبکہ میں نماز میں ہوتا ہوں۔ امام بخاری نے اس کے واسطے اپنی صحیح کے اندر ایک علیحدہ باب باندھا ہے۔ اس کا عنوان ہے۔ تفکر والرجل فی الصلوٰۃ وہ اس عنون کے نیچے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وہ قول لاتے ہیں اور اس بارے میں وہ حدیث بھی درج کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نماز میں تھے۔ سلام پھیر کر بڑی تیزی سے اٹھے اور اپنے بیت نبوی میں تشریف لے گئے۔ پھر آپ باہر آئے اور فرمانے لگے کہ گھر کے اندر تھوڑا سونا موجود تھا۔ وہ نماز میں یاد آگیا۔ پس مجھے مکروہ لگا

کہ وہ رات بھر میرے گھر میں پڑا رہے۔ میں نے اس کو تقسیم کرنے کے لئے کہہ دیا۔ اس طرح کے تمام امور تداخل عبادات کی قسم ہے۔ اور علماء کا کہنا ہے کہ انسانی خیالات جبلت اور انسانی خصلت ہے یہاں سے پتہ چلا کہ جو خیالات عبادت و طاعات کی قسم کے نہ ہوں وہ روی خیال مذموم ہیں۔ بعض اوقات آنحضرت بچے کے رونے کی آواز سنتے تو نماز خفیف کر دیتے تھے۔ اس لئے کہ اس کی والدہ نماز توڑ کر یا خشوع ضائع کر کے کسی آزمائش میں نہ پڑے اور کسی وقت دوران نماز آنحضرت کسی بچہ کے ساتھ لگ جاتے تھے اور اس کو اٹھا بھی لیتے تھے۔ اور اپنے کندھوں پر اٹھا لیتے تھے۔ اور کبھی کسی وقت امام حسن و حسین رضی اللہ عنہما آجاتے تھے اور سجدے کے دوران آنحضرت کی پشت مبارک پر وہ سوار ہو جاتے تھے۔ آنحضرت ان کے واسطے سجدہ لمبا کر دیتے تھے۔ اور ان کی طرف ان کے حال پر مناسب توجہ فرماتے کبھی آپ نماز میں مشغول ہوتے اور عائشہ رضی اللہ عنہا آجاتیں اور دروازہ بند ہوتا۔ آپ ان کے لئے چند قدم لے کر دروازہ کو کھول دیتے تھے۔ حضور کا کاشانہ اقدس بطرف قبلہ تھا۔ حدیثوں میں اس طرح کی بہت سی مثالیں روایت ہوئی ہیں۔

عمل کثیر کیا ہوتا ہے:۔ عمل کثیر کی تعریف میں علماء میں اختلاف پایا جاتا ہے مختار اس طرح ہے کہ عمل کثیر وہ ہوتا ہے جس میں دونوں ہاتھ محتاج ہوں۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ کام دونوں ہاتھوں کے بغیر نہ کیا جا سکتا ہو۔ اس تعریف کے مطابق اگر فرض کریں کہ ایک ہاتھ سے وہ کام کرے پھر بھی مفسد ہے مثال کے طور پر سر پر عمامہ باندھنا۔ قمیض زیب تن کرنا' اور ازار باندھنا وغیرہ وغیرہ اور ایسا کام جس کے لئے ایک ہی ہاتھ کی ضرورت ہو۔ اتفاق سے اگر وہ کام دونوں ہاتھوں سے کر لیا جائے تو عمل قلیل ہی ہو گا۔ مفسد نہ ہو گا بعض یوں کہتے ہیں کہ وہ کام جسے کرتے ہوئے نمازی دیکھنے والے کو غیر نمازی معلوم ہو وہ فعل کثیر کہلاتا ہے۔ اور بعض کا کہنا ہے کہ فعل کثیر وہ ہوتا ہے جس کو نمازی خود فعل کثیر جانے۔ بعض کے نزدیک یہ مختار ہے کہ تین مرتبہ بار بار فعل کثیر ہے۔ اور اس سے کم فعل قلیل ہے۔ کوئی شخص دوران نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں اگر سلام عرض کرتا تھا۔ تو آنحضرت اپنے ہاتھ مبارک سے اشارہ فرما کر سلام کا جواب دیتے تھے۔ وہ ایسے کہ آنجناب اپنا ہاتھ مبارک یوں اٹھاتے تھے کہ ہاتھ کی پشت اوپر کی طرف ہی رہتی تھی۔ بعض اوقات حضور صرف انگلی سے اشارہ کرنے پر ہی اکتفا فرما لیتے تھے۔ حدیث شریف میں آنجناب کے یہ دونوں طریقے صراحتاً" مذکور ہوئے ہیں کبھی آپ اپنے سر مبارک سے بھی اشارہ فرما دیتے تھے۔

علاوہ ازیں دو سلام کے بارے میں اور اس کے سوا کے متعلق اور سلام کے جواب میں سر سے اشارہ کرنے کے متعلق ہمیں کوئی صریح حدیث میسر نہیں ہوئی سوائے اس روایت کے جو کہ ترمذی شریف میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے وارد ہوئی ہے۔ کہ کان یرد اشارۃ اسے بھی سر کے ساتھ اشارہ یا مطلق اشارہ پر محمول کرتے ہیں لیکن جو روایات جامع الاصول میں ہیں۔ ان کا سیاق کلام یہی ظاہر کرتا ہے۔ کہ آپ اپنے ہاتھ سے اشارہ فرماتے تھے۔ کچھ شارحین حدیث سر سے اشارہ کا تذکرہ بھی کرتے ہیں۔ لیکن انہوں نے کوئی حدیث بیان نہیں کی۔ خصوصاً" اس بارے میں شاید انہیں کوئی حدیث نہ ملتی ہو گی۔ واللہ اعلم۔

جہاں تک سلام کے علاوہ نماز کے دوران کوئی اشارہ کرنے کا سوال ہے اس کے جواب میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نماز میں تھے۔ لوگ آپ کے اردگرد ایستادہ تھے ان میں سے ایک شخص نے پوچھا کہ یہ کیسا حال ہے۔ اس کے جواب میں آنحضرت نے آسمان کی جانب سر سے اشارہ فرمایا۔ رواہ مسلم۔ دیگر احادیث میں سلام کے سواء امور میں جواب کے طور پر ہاتھ سے اشارہ کرنا آیا ہے۔ آپ نے زمین کی جانب اشارہ فرمایا اس معانی میں کہ بیٹھ جائیں اور صبر کریں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ آنحضرت نے کسی کام کی خاطر مجھے بھیجا۔ میں جس وقت واپس پہنچا تو آنحضرت نماز میں مشغول تھے۔ آپ نے اپنے ہاتھ سے زمین کی طرف اشارہ کیا۔ اس سے مراد تھا کہ بیٹھ جاؤ۔ ایک دفعہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اپنی باندی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جو دو رکعت نماز بعد از عصر ادا کرتے تھے ان کے بارے میں دریافت کرے۔ باندی واپس آئی اس وقت آنحضرت نماز میں تھے۔ آپ نے اسے اشارہ کیا تاکہ وہ صبر کرے۔ لہٰذا اس نے صبر کیا۔ حتیٰ کہ آپ نے اپنی نماز پوری کرلی۔ اور جواباً" فرمایا۔ یہ دو رکعت نماز ظہر کی سنتیں تھیں۔ وفود کی آمد کی وجہ سے میں یہ ادا نہ کر سکا۔ میں نے وہ قضا کی تھیں۔ اسلام کے شروع شروع میں آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم دوران نماز ہی سلام کا جواب دیتے تھے۔ پھر وہ منسوخ ہوا۔ حضرت زید بن ارقم نے بخاری مسلم۔ ابوداؤد نسائی میں روایت کیا ہے آپ کہتے ہیں کہ ہم حالت نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر سلام پیش کرتے تھے۔ تو آنحضور ہمارے سلام کا جواب دیا کرتے تھے۔ اور جس وقت ہجرت کے بعد ہم شاہ حبشہ نجاشی کے ہاں سے واپس مدینہ شریف آئے۔ تو آنحضرت کو حالت نماز میں ہم نے سلام عرض کیا۔ آپ نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ ہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ پہلے تو ہم سلام کرتے تھے تو آپ جواب دیا کرتے تھے۔ آنحضرت نے فرمایا ان فی الصلوٰۃ لشغلا کچھ روایات میں آیا ہے کہ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے اپنے حکم میں کرتا ہے۔ اب اللہ کا حکم ہے کہ دوران نماز سوائے اللہ تعالیٰ کے ذکر کے کچھ نہ ہو۔ آنحضور نماز سے فارغ ہو جانے کے بعد سلام کا جواب دیتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نماز میں اتنی تضرع وزاری کرتے گویا کہ آپ کے سینہ مبارک سے ایسی آواز آتی تھی۔ جیسے دیگ میں جوش کی آواز ہوتی مراد یہ ہے کہ آپ اندر ہی اندر اس قدر گریہ کرتے تھے دیگر ایک روایت میں یوں ہے کہ آنجناب کے سینہ مبارک سے اس طرح کی آواز ہوتی ہے یہ بوجہ آپ کے روزے کے تھا۔

فقہ حنفیہ میں ہے کہ اگر آہ و بکا بغیر آواز کے ہو تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی اور اگر آواز ہو اور وہ کسی دنیاوی وجہ سے ہو تو مفسد نماز ہے اور آخرت کے خوف سے ہو' اس کی امید میں رغبت میں یا اس کی ہیبت میں ہے تو نماز فاسد نہیں ہوتی بلکہ یہ تو دلیل ہوتی ہے حضوری و خشوع کی زیادتی کی۔ جس طرح مطرف کے والد ماجد نے مطرف کی حدیث میں روایت کیا ہے۔ امام ابو یوسف رحمتہ اللہ سے منقول ہوا ہے کہ آخرت کے امر میں بھی آواز کے رونے میں فساد نماز ہے اگر اسے ضبط کیا جا سکتا ہو تو۔ اور اگر قوت ضبط مفقود ہے تو مفسد نہیں۔ غشی کا بیان بھی اس کی مانند ہے۔ اور کسی وقت ضرورت کے

سبب کھنکارتے تھے بغیر ضرورت کے نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بغیر ضرورت کے کھنکار نافقہا کے نزدیک مفسد نماز ہے اگر معذوری سے ہے تو مفسد نہیں ہے۔ عذر اور مجبوری یہ ہو سکتی ہے۔ کہ پریشان اور بے قرار ہو۔ اور وہ اپنے میں اجتناب اور احتراز کی طاقت نہ رکھتا ہو۔ اور طبیعت کے ابھارنے سے ہو یا بیماری کی وجہ سے۔ لہٰذا ایسا ہی چھینک اور ڈکار کے ضمن میں ہو گا۔ ہاں اگر اپنی حالت بہتر بنانے کے واسطے ہو پھر بھی یہ مفسد نماز نہیں۔ اگر مقتدی نمازی امام کو تنبیہہ کرنے کے لئے یا ہدایت کرنے کے لئے کھنکارتا ہے تو کیا امام اس کو قبول کرے یا نہ اور اس کی مانند نماز میں ہوتا ہے یا کہ نہیں؟ اس کا جواب یوں ہے کہ اس بات سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ اس طرح شمنی بیان کرتے ہیں۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ کھنکارنے سے یہ مراد ہے کہ اس سے حروف پیدا ہوں اور اسی طرح ہدایہ میں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم دوران نماز اپنی آنکھیں کھلی رکھتے تھے بخاری شریف میں انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔ کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک رنگدار اور منقش پردہ تیار کر کے قبلہ کی طرف ایک کھڑکی پر لٹکا دیا تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان کو فرمایا۔ اسے اتار دو۔ اس لئے کہ اس کے نقوش اور تصویریں نماز کے اندر خلل ڈالتی ہیں۔ تصاویر کا مطلب بھی یا تو نقوش ہی ہے اور یا پھر واقعہ تصاویر کی حرمت سے پہلے کا ہو گا۔ علماء یوں کہتے ہیں کہ دریچہ پر پردہ لٹکایا تھا کیونکہ طاقچہ میں انہوں نے اپنی گڈیاں رکھی ہوئی تھیں۔ اور پردہ سے ان کو پوشیدہ کیا گیا تھا۔ ورنہ دیوار پر پردہ لٹکانے کی ممانعت آئی ہے۔ شرح مشکوۃ میں ابہری نے بھی ایسے ہی کہا ہے۔ اور مجمع ابحار میں اس طرح ہے کہ دلہن کے گوشہ کی طرح اسے مزین کر کے اور منقش کر کے رکھا ہوا تھا۔ واللہ اعلم۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بخاری شریف میں اور مسلم شریف میں بھی روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے زیب تن کامدار کپڑے تھے۔ دوران نماز اس پر جب نظر پڑ جاتی تو نماز میں خلل ہوتا تھا آنحضور جب نماز سے فارغ ہوئے تو وہ لباس اتار دیا اور فرمایا اس کو ابو جہم رضی اللہ عنہ کو دے دو۔ اس لئے کہ یہ لباس انہوں نے ہی پیش کیا تھا۔ اور اس کی جو کملی ہے وہ مجھے لا دو۔ سبب یہ ہے کہ اس لباس پر جو نقوش اور کام ہے انہوں نے دوران نماز مجھے اپنی طرف ملتفت کر لیا تھا۔ اور خضوع و خشوع کے مقام اور حضوری دل کی بلندی سے مجھ کو نیچے لے آئے۔ اصل میں حضور کا یہ فرمان برائے تعلیم امت تھا۔ واللہ اعلم۔

اس کے علاوہ بھی ایک حدیث میں وارد ہوا ہے۔ کہ آنحضرت ہاتھ کے اشارہ سے سلام کا جواب دیتے تھے یہ بھی اس امر کی دلیل ہے کہ آپ نماز میں اپنی آنکھیں کھلی رکھا کرتے تھے۔ بند نہ رکھتے تھے۔ (کذا قالو)۔ یہ بات پوشیدہ نہ رہے کہ یہ احادیث دلالت نہیں کرتی ہیں سوائے اس کے کہ آپ اپنی آنکھیں مبارک ہر وقت اور ہمیشہ بند نہ رکھتے تھے۔ نیز اس سے لازم نہیں ٹھہرتا کہ آپ اپنی آنکھیں ہمیشہ اور مسلسل کھلی رکھتے ہوں پس اگر مقصود یہ بتانا ہے کہ ساری نماز میں آپ آنکھیں بند نہ فرماتے تھے یہ دلائل پورے ہیں۔ لیکن ظاہراً معلوم اس طرح ہوتا ہے کہ مقصود ہمیشہ آنکھیں کھلی رکھنا ثابت کرنا ہے یعنی کہ آنجناب کبھی بھی بند نہ فرماتے تھے۔ واللہ اعلم

نماز کی حالت میں آنکھیں بند رکھنا مکروہ ہونے میں فقہاء میں اختلاف ہے۔ لیکن ہم مکروہ سمجھتے ہیں۔ کچھ تو یوں کہتے

ہیں کہ حق یہ ہے کہ آنکھیں کشادہ رکھنے سے اگر کسی شخص کو تفرقہ یا پریشانی ہوتی ہو۔ مثال کے طور پر قبلہ کی جانب واقع کوئی چیز حضور قلب میں خلل ڈالتی ہو تو آنکھوں کو بند کرلینا مکروہ نہیں ہوتا۔ بلکہ زیادہ تر استحباب کے قریب ہے۔ دلائل کے عموم پر نظر کے ساتھ ایسا حکم ہے۔ اس لئے کہ حضور برقرار رکھنے کے لئے ترغیب میں احادیث وارد ہوئی ہیں۔ اور کوئی حدیث اس قسم کی نہیں آئی جس میں تصریح پائی جائے کہ آنکھیں بند رکھنے کی ممانعت ہے۔ واللہ اعلم۔

ذِکر اور دُعا جو نماز کے بعد ہیں

وصل:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نماز سے فراغت کے بعد دعائیں اور اذکار کیا کرتے تھے۔ ثوبان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت نماز سے فارغ ہو جاتے تھے یعنی سلام پھیر لیتے تھے تو تین دفعہ آپ استغفار پڑھتے تھے اور دعا مانگا کرتے تھے۔ اللھم انت السلام منک السلام تبارکت یا ذالجلال والاکرام۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہانے فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اتنی دیر ہمیشہ بیٹھے رہتے تھے جب تک آپ دعا پڑھا کرتے تھے۔ اللھم انت السلام و منک السلام و تبارکت یاذوالجلال والاکرام یہ دونوں احادیث مسلم شریف میں مروی ہیں بخاری شریف میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب آپ سلام پھیرتے تھے تو تھوڑی دیر کے لئے اپنے مقام پر آپ ٹھہرے رہتے تھے۔ ہمارا خیال ہے کہ آپ کا یہ ٹھہرنا اس واسطے تھا کہ مسجد میں سے عورتیں پہلے باہر نکل جائیں اس لئے کہ مردوں کے ساتھ انکا اختلاط نہ ہونے پائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سلام پھیرنے سے قبل کی ہیئت پر زیادہ دیر تک بیٹھے نہیں رہتے تھے۔ اس کے بعد آپ کبھی بائیں طرف یا دائیں طرف اور کبھی صحابہ کی طرف منہ کر کے بیٹھتے تھے اور دعا اور ذکر کیا کرتے تھے۔ علماء نے کہا ہے کہ صحابہ کی طرف اس وقت رخ انور کرتے تھے۔ جب آپ قرآن کی کوئی آیت بیان کرتے تھے یا کوئی نازل شدہ حکم بیان کرتے تھے۔ اور بعد از نماز دعاؤں اور اذکار کے متعلق حدیث کی کتابوں میں کثرت مذکور ہے۔ جو کتب کہ اس خاطر مرتب کی گئی ہیں۔ مثال کے طور پر جزری کی کتاب حصن حصین۔ امام نووی کی کتاب الاذکار نامی وغیرہ وغیرہ کتب۔ یہ ضروری بھی نہیں کہ آنحضرت ہمیشہ ہی لازما" یہ دعائیں پڑھا کرتے ہوں سوائے اس کے کہ ان میں سے جو کچھ آپ چاہتے تھے پڑھ لیتے تھے کبھی کل کو پڑھتے اور کبھی بعض کو پڑھتے جس قدر کہ اجر اور فضیلت اور سنت کی پیروی کے لئے لازما" ہوتا تھا۔ امام محی الدین نووی نے دعاؤں کے آغاز پر اور اس کے علاوہ دوسرے مقامات پر اس مفہوم کی صراحت فرمائی ہے اور یہ تو بالکل عیاں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا عمل شریف بھی اس طریقہ پر تھا۔ یہ نہیں کہ تمام اوقات پر آپ تمام دعائیں پڑھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض کتب میں کچھ دعائیں آئی ہیں جو دوسری کتب میں نہیں ملتی ہیں۔ صحابہ نے ان دعاؤں میں سے جو بھی سنی اسپر عمل کرنا شروع کر دیا۔ اور اس کو روایت کیا۔ یہی صورت ہے سب اعمال' نوافل' اور مستحبات کے بارے میں اور یہی صورت حال ان میں اختلاف کی موجب ہے۔ اس کے علاوہ یہ کہ علماء نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم مستحبات کی یاد دلاتے تھے ان کو پڑھنے سے رغبت اور شوق پیدا کرتے تھے۔ اور اذکار اور ادعیہ میں ترغیب دیتے تھے۔ آپ کے اس عمل سے ان کا وجوب لازم نہیں ہو جاتا۔

اس مقام پر ہم اب کچھ اذکار اور دعائیں بیان کر دیتے ہیں جن میں کوئی نکتہ ہے یا کوئی بات مذکور ہے پہلی دعا ہے دعائے استغفار۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم یہ دعا ان الفاظ میں تین بار پڑھتے تھے۔ استغفر اللہ الذی لا الہ الا هو الحی القیوم واتوب الیہ مسلم شریف میں اور ترمذی شریف میں یہ مطلق طور پر وارد ہوا ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد تین دفعہ استغفار کرتے تھے اہل شام کے اوزاعی امام مانے جاتے ہیں۔ ان سے لوگوں نے پوچھا کہ استغفار کی کیفیت کیا ہے۔ تو فرمایا کہ آنحضرت پڑھتے تھے۔ استغفر اللہ۔ استغفر اللہ۔ استغفر اللہ اور کچھ بے علم لوگ اس میں استحالہ کرتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ نماز کے بعد استغفار سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ گناہوں کے زمرے میں نماز بھی شامل ہے۔ جس طرح کہ گمراہ فرقہ مہدویہ نامی سے نقل کیا گیا ہے ان کا کہنا ہے کہ نماز کے بعد اگر کوئی کلمہ توحید پڑھے تو وہ کافر ہو جاتا ہے اور نماز میں سرزد ہونے والی غلطیوں کے لئے خود نماز ہی استحباب استغفار کے لئے کافی ہوتی ہے۔ حالانکہ جب صحیح سنت وارد ہو جاتی ہے تو اس قسم کی باتوں پر اعتبار ساقط ہو جاتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد پڑھتے تھے اللھم انت سلام و منک سلام تبارکت یا ذوالجلال والاکرام یہ مسلم شریف میں روایت ہوئی ہے۔ اور کسی روایت میں منک السلام کے بعد والیک یرجع السلام بھی آیا ہے۔ اور مشائخ کے جو اوراد ہیں ان میں اس سے زیادہ وارد ہوا ہے۔ فحینا بالسلام وادخلنا دار السلام لیکن روایات صحیحہ میں شیخ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں۔ نیز آپ یہ پڑھتے تھے لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شئی قدیر الھم لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت لاینفع ذالجدمنک الجد دونوں مقامات پر زیر کے ساتھ جیم ہے اس کے معنی بخت کے اور غنی کے ہیں یا اس کے معنی ہیں آباؤ اجداد مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے غناء یا نسب بیکار ہیں وہاں پر عمل کار آمد ہے۔ اور بعض جیم کے زبر سے پڑھتے ہیں اس کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اور رحمت سے کام ہو گا کوشش اور محنت سے نہیں علت اور سب سے بھی نہیں علماء کا یہ بھی قول ہے کہ زیر سے پڑھنا ضعیف ہے۔ مختار زبر کے ساتھ ہی ہے۔

نیز آپ یہ پڑھتے تھے۔ لا الہ الا اللہ ولا نعبد الا ایاہ ولہ نعمۃ ولہ الفضل ولہ الثناء والحسن لا الہ الا اللہ مخلصین لہ الدین ولو کرہ الکافرون۔

امام نووی نے کہا ہے کہ ذکر کی جس قدر اقسام روایت ہوئی ہیں ان سب سے مقدم استغفار کو رکھنا چاہیے بعد ازاں اللھم انت السلام و منک السلام ازاں بعد لا الہ الا اللہ وحدہ قدیر۔ تک پڑھیں۔ جس طرح شیخ الشیوخ شیخ ابن حجر مکی شرح مشکوۃ میں بیان کر گئے ہیں حدیث کے اندر اور مسلم شریف میں حدیث آئی ہے کہ آپ یہ ذکر بآواز بلند کرتے تھے۔ کچھ علماء نے کہا ہے اذکار و دعا کی سب قسموں میں اخفاء افضل ہے۔ خواہ امام ہو خواہ فرد ہو۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم امت کو تعلیم دینے کے لئے جہر سے ذکر فرماتے تھے۔ اور اگر کسی مقام پر امام کو جہر میں مصلحت نظر آئے اور تعلیم و اعلام مطلوب ہو تو جہر درست ہے اور مستحسن ہے۔

نیز ہر نماز کے بعد معوذتین کا پڑھنا بھی وارد ہوا ہے۔ اور یہ حد درجہ کی صحیح حدیث ہے۔ اور واؤ کے زیر سے معوذات سے مراد ہے معوذتین یعنی سورۃ فلق و سورۃ الناس۔ مذہب اقل قلیل کے مطابق یہ دونوں کو اکٹھا کرتا ہے۔ اس لئے کہ کچھ لوگ سورۃ اخلاص اور سورۃ کافرون بھی اس میں شامل کرتے ہیں۔ کیونکہ اس میں شرک سے برات ہے اور استعاذہ کے معانی میں ہے۔ یا مراد وہ آیات ہوں گی جن میں استعاذہ توکل اور تفویض کے معانی شامل ہیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ قل اعوذبک من همزات الشياطين یا جس طرح ہے انی توکلت علی اللہ ربی وربکم یا جس طرح ہے۔ ولن یکاد الذین کفروا یا اس سے مراد کلمات معوذہ ہیں۔ ایک اور حدیث میں معوذتین بھی وارد ہے۔

یہ بھی آیا ہے کہ آنحضرت ہر نماز کے بعد دس مرتبہ سورۃ اخلاص پڑھتے تھے اس میں بہت بڑا فضل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی نصیحت فرمائی تھی کہ تم ہر نماز کے بعد اللھم اعنی علی ذکرک وشکرک وحسن عبادتک پڑھا کرو۔ نیز آپ نے فرمایا کہ اے معاذ! خدا کی قسم تمہارے لئے میں یہ پسند کرتا ہوں۔ پس تم ہر نماز کے بعد اس کو پڑھنا ترک مت کرنا۔ علماء میں یہ حدیث معروف اور جانی پہچانی ہے۔ اور واللہ انی لاحبک سے مسلسل ہے۔ اور علماء کے طریق کے مطابق یہ فقیر (شیخ عبدالحق) بھی اس کی برکت حاصل کرتا ہے۔

نماز فجر اور نماز مغرب کے بعد اوراد مشہور سے ایک ورد یہ روایت ہوا ہے کہ کلام کرنے سے قبل اور دوسری ایک روایت کے مطابق بعد والے دوگانہ کی خاطر اٹھنے سے قبل بلا تبدیل نشست دس بار یہ پڑھے لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شئی قدیر۔ بداعمالیوں کو مٹانے کے لئے نیکیوں کو قائم رکھنے کی خاطر اور بلندی درجات کے لئے یہ دعا بہت بڑی تاثیر کی حامل ہے۔

فرائض کی ادائیگی کے بعد سب سے زیادہ مشہور ذکر معقبات کا ذکر ہے۔ یہ کلمات یکے بعد دیگرے سلسلہ وار آتے ہیں۔ سبحان اللہ والحمد للہ واللہ اکبر سبحان اللہ 33 بار الحمد للہ 33 مرتبہ اللہ اکبر 33 مرتبہ اور لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیئی قدیر۔ ایک دفعہ اسے پڑھیں 100 کی تسبیح پوری کریں۔ یہ بمطابق روایت مسلم شریف ہے۔ مسلم ہی کی دوسری روایت میں آیا ہے کہ اللہ اکبر 34 مرتبہ پڑھو اور سو کی تسبیح مکمل کر دو۔ دیگر روایات میں آیا ہے سبحان اللہ 25 دفعہ الحمد للہ 25 دفعہ اور لا الہ الا اللہ 25 مرتبہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت جامع الاصول میں نسائی میں اور مشکوٰۃ، مسند احمد اور دارمی میں آئی ہے کہ صحابہ کرام یہ حکم کیا گیا تھا کہ ہر نماز کے بعد 33 مرتبہ تسبیح 33 مرتبہ تحمید اور 33 مرتبہ تکبیر پڑھا کریں۔

انصار میں سے ایک آدمی نے خواب میں دیکھا کہ اس کو دوسرا ایک شخص کہتا ہے کہ آیا تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم ہر نماز کے بعد 33 بار تسبیح 33 بار تحمید اور 33 بار تکبیر پڑھو۔ اس نے کہا کہ ہاں۔ اس نے کہا کہ ہر ایک اگر 25 مرتبہ پڑھا جائے اور 25 مرتبہ تہلیل شامل کر لیں تو بہتر ہو جاتا ہے۔ جب صبح ہوئی تو یہ انصاری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور خواب بیان کیا۔ تو آنسرور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس طرح خواب میں اس شخص نے کہا ہے تم اسی طرح کرو۔ اس میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم بھی شامل ہو چکا ہے لہٰذا یہ سنت ہو گیا ہے بخاری شریف کی ایک روایت میں اس طرح آیا ہے۔ کہ سبحان اللہ دس مرتبہ اور اللہ اکبر دس مرتبہ پڑھا جائے اور ایک روایت اس طرح ہے کہ سبحان اللہ گیارہ دفعہ الحمد للہ گیارہ دفعہ اور اللہ اکبر گیارہ مرتبہ پڑھا جائے یہ مجموعاً 33 مرتبہ ہو جاتا ہے۔ علماء نے اس بارے میں کہا ہے کہ جو تفسیر بعض روایات میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کی وارد ہوئی ہے۔ اور یہ وہی ہے کہ تسبحون و تحملون و تكبرون اور ہر نماز میں یہ 33 مرتبہ پڑھا جائے۔ یہ تفسیر وہم پر مبنی ہے۔ کیونکہ اس کا مطلب ہے کہ ہر کلمہ 33 مرتبہ کہا جائے۔ جبکہ دوسری احادیث میں منصوص علیہ ہے۔

ان معقبات کے اجر و ثواب کے بارے میں بخاری شریف اور مسلم شریف میں احادیث وارد ہوئی ہیں کہ نماز کے بعد جو شخص یہ پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف کر دے گا۔ خواہ پہاڑ کی مانند کیوں نہ ہوں۔ اس کے ساتھ یہ بھی روایت ہوا ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ بارگاہ رسالت میں فقراء مہاجرین حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ جو مسلمان اہل ثروت و غنا ہیں درجات کی بلندی کے اعتبار سے اور اقامت جنت کے اعتبار سے وہ ہم پر سبقت لے گئے ہیں۔ آپ پوچھنے لگے کہ وہ کیسے۔ تو جواب دیا کہ وہ نمازیں ادا کرتے ہیں جیسے کہ ہم کرتے ہیں اور وہ روزے رکھتے ہیں۔ وہ صدقہ کرتے ہیں خیرات کرتے ہیں غلاموں کو آزاد کرتے ہیں لیکن یہ ہم نہیں کر سکتے۔ آپ نے فرمایا میں تم کو ایک ایسی چیز بتاتا ہوں۔ کہ تم اگر اس کو کرو گے تو تمہارے نصیب تک کوئی نہ پہنچ گا۔ تسبحون و تحملون و تكبرون۔ دبر كل صلٰوة ثلاثا و ثلثين مرة یعنی کہ ہر نماز کے بعد تسبیح تحمید اور تکبیر 33 مرتبہ ہر ایک جب اہل ثروت و غنا نے یہ حدیث سنی تو انہوں نے بھی اس پر عمل شروع کر دیا۔ فقراء مہاجرین دوبارہ حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا کہ ہمارے تونگر ساتھیوں نے بھی یہ آپ کا ارشاد سن کر اس پر عمل شروع کر دیا ہے اور ان کے عمل ہمارے برابر ہو چکے ہیں۔ اب ہم کیسے کریں آپ نے فرمایا کیا کیا جا سکتا ہے۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء اس حدیث سے شکر گزار تونگر مسلمان کی فضیلت عبادت گزار فقیر پر لازم آتی ہے۔ اپنے مناسب مقام پر ہم اس بحث کو تحقیقی طور پر بیان کریں گے۔

بعض احادیث میں آیا ہے کہ فقراء جس وقت شکستہ دلی سے اور غمگینی میں حاضر خدمت ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ تم غم مت کرو اس لئے غنیوں تونگروں سے پانچ صد سال پیشتر تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے یہ حدیث اس حدیث کا ایک جزو ہے جو کہ مشکوٰۃ شریف میں بحوالہ ابوداؤد ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہوئی ہے۔ اور یہ اجر و ثواب ہے فقر اور سبک باری کا۔ یہ صرف فقراء کو میسر ہے اس لئے کہ موقف پر ان کو حساب و کتاب کی خاطر اور دنیا کی نعمتوں سے متعلق سوال و جواب کرنے کے لئے روکا نہیں جائے گا۔ اور فقیروں کو جنت میں پہلے داخل ہونا تونگروں کو جو ان کے اعمال پر کثرت ثواب

ہے۔ اور درجات کی بلندی ہے اس کے خلاف نہیں ہے بعض اس طرح کہتے ہیں کہ سابقیت فقراء کے ساتھ مخصوص ہو چکی ہے۔ جس طرح کہ حدیث میں آچکا ہے۔ اور کچھ احادیث میں تو فقراء کے حق میں مطلق طور پر آیا ہے۔ واللہ اعلم۔

رات کو سونے سے قبل پڑھنے کے لئے یہ وظیفہ بھی آیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا دختر خود اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ وظیفہ تعلیم کیا تھا۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے ساتھ مسند امام احمد میں یہ بات ثابت شدہ ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کاشانہ رسالت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر حاضر ہوئیں تاکہ آنحضور سے ایک باندی مل جائے خدمت کی خاطر۔ حضرت فاطمہ کے ہاتھ مبارک چکی پیسنے اور پانی نکالنے سے جیسے کہ نقل میں آیا ہے سرخ ہو چکے تھے۔ نیز جاروب کشی کے غبار اور کھانا وغیرہ پکاتے وقت دھوئیں کے باعث سیدہ کا رخ مقدس کا رنگ متغیر ہو چکا تھا۔ آپ جب تشریف لائیں تو آنحضرت خانہ اقدس پر موجود نہ تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم گھر پر آئے تو آپ نے پوچھا کہ میری صاحبزادی کے میرے گھر آنے کا سبب کیا تھا۔ تو آپ کو بتایا گیا کہ باندی کے حصول کے لئے آئی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بذات خود سیدہ کے گھر پر تشریف لائے۔ آپ کے سرہانے کی جانب تشریف رکھی اور فرمایا کہ اے فاطمہ! تمہیں باندی مطلوب ہے۔ جب کہ اس وقت باندی موجود نہیں ہے۔ جس وقت کوئی باندی آئے گی تو مجھے اطلاع دینا میں تمہیں باندی دے دوں گا۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے فاطمہ! دنیا کی محنت اور مشقت تو بڑی آسان ہے۔ جیسے بھی وہ گزرے گزر جاتی ہے۔ فاطمہ! اللہ تعالیٰ کی بندگی اور تقویٰ اختیار کرو۔ شوہر کی خدمت بجالاؤ۔ تمہیں ایک ایسی چیز بتا دیتا ہوں جو باندی سے بھی بہتر ہے۔ وہ چیز یہ ہے کہ رات کو سونے سے قبل 33 دفعہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھا کرو۔ 33 دفعہ حمد بجالاؤ۔ اور 34 دفعہ پڑھا کرو۔ اللہ اکبر۔ اس کو بخاری شریف۔ مسلم شریف۔ ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور کچھ روایات اس طرح ہیں کہ ان گنت مرتبہ پڑھیں دوسری روایت صحیحین میں وارد ہوئی ہے۔ جس میں حضرت علی اور فاطمۃ الزہرا روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت نے یہ وظیفہ ان دونوں کو مخاطب کیا اور بتایا۔ لہٰذا اس کے بعد حضرت علی اور فاطمہ دونوں نے یہ وظیفہ کبھی نہ چھوڑا تھا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے کہ جب سے میں نے یہ وظیفہ آنحضرت سے سنا ہے۔ کبھی مجھ سے فوت نہیں ہوا۔ حتیٰ کہ واقعہ صفین پر بھی نہ فوت ہوا۔ رات کے پچھلے حصہ میں مجھے یہ یاد آگیا تو اس وقت یہ پڑھ لیا۔ آنحضرت نے دوسرا یہ ورد عطا فرمایا۔ کہ فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد دس بار یہ پڑھا کرو۔ لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شئی قدیر اور مغرب کی نماز کے بعد بھی یہی دس دفعہ پڑھا کرو۔

بڑے مشہور اوراد میں سے ایک ورد یہ ہے کہ فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھا کریں۔ جس طرح کہ یہ نسائی شریف میں روایت ہوا ہے۔ اور طبرانی میں قل ھو اللہ احد کا اضافہ ہے۔ دوسرے حافظان حدیث کی ایک جماعت جو کہ بغیر تحقیق کرنے کے حدیث کے ورد کو روایت کیا ہے۔ اور اسے صحیح کہا ہے۔ ابن الجوزی اپنی عادت کے مطابق جو کہ بغیر تحقیق کرنے کے حدیث کو موضوع کہہ دیتے ہیں اسے بھی موضوعات میں شمار کرتے ہیں۔ بایں سبب حافظان حدیث نے

ان کی مذمت کی ہے۔

معجم طبرانی میں یوں آیا ہے کہ جو شخص فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھا کرے گا۔ وہ آئندہ نماز تک اللہ کی پناہ میں رہے گا اور اس کے عہد امان میں ہو گا۔ یہ ایک جماعت صحابہ کرام سے روایت ہوئی ہے جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں۔ اس طرح حضرت علی سے مشکوۃ میں روایت ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ اس لکڑی کے بنے ہوئے منبر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص فرض نماز پڑھ لینے کے بعد آیۃ الکرسی پڑھا کرے گا اس کے جنت میں داخلہ سے کوئی رکاوٹ نہ ہو گی سوائے موت کے' مراد یہ ہے کہ اس سے کہ جنت میں داخل ہونے کے لئے موت کا آنا لازم ہے اس لئے کہ موت کے بغیر جنت میں داخل ہونے کا امکان نہیں ہے۔ اور جو شخص سونے سے قبل پڑھا کرے گا اللہ تعالیٰ اس کا گھر اس کے پڑوسیوں کے گھر اور اردگرد کے گھروں میں بسنے والوں سب کو اپنے امان میں رکھے گا۔ امام بیہقی نے یہ حدیث شعب الایمان میں روایت کی ہے اور سند کو ضعیف کہا ہے علاوہ ازیں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ یہ آیت قرآن کی سب آیتوں کی سردار ہے لا الہ الا ھو الحیی القیوم بخاری شریف کے اندر آیۃ الکرسی کی فضیلت کے بیان میں بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یہ معروف ہے۔

تنبیہہ :- معلوم رہے کہ نماز ادا کرنے کے بعد پڑھنے والی اشیاء کے بارے میں حدیثیں آئی ہیں۔ جیسے کہ مذکورہ بالا دعائیں۔ آیۃ الکرسی اور معقبات وغیرہ۔ اس سے مراد یہ نہیں کہ ان کا اتصال نماز کے ساتھ بلافصل محال ہے۔ بلکہ اس سے عدم فصل مراد ہے ان چیزوں سے جن سے عرف عام کے مطابق مشغولیت سے اعراض نسیان ذکر کے علاوہ مشغولیت اور دعا کے علاوہ کوئی اور شغل۔ اگر کثرت کی حد تک خاموش نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ پس نماز سے فراغت کے بعد جو کچھ بھی پڑھا جائے گا وہ بعد از نماز ہی کہا جائے گا۔ اور اس مقام پر یہ بھی محل نظر ہے کہ فرض کے بعد اگر سنت موکدہ پڑھی جائیں تو کیا اس سے فرائض اور ادعیہ و اذکار کے درمیان فصل ہو گا۔ بظاہر یہ فصل نہیں ہے۔ بالخصوص اس قول کے سبب سے کہ جن میں سنتیں ہیں کہ فرض سے ملا کر جلدی اٹھ کر سنتوں کے ساتھ پڑھنا ہے وہ فرض نماز کے بعد پڑھی جاتی ہیں۔ اور ابن الھام نے شرح میں صراحت کر دی ہے۔ کہ احادیث میں آیا ہے کہ جو دعائیں اور اذکار فرض کے بعد فوراً پڑھیں۔ انکا یہ تقاضا نہیں کہ انہیں فرض سے ملایا جائے۔ بلکہ فرض کے تابع جو سنتیں ہیں ان کے بعد بغیر کسی دیگر مشغولیت کے ان کا اصل مقام ہے۔ اور فرض کے تابع جو سنتیں نہیں ہیں اور جن کے اندر فرض کے بعد سنت ملانے میں علماء کی مختلف آرا ہیں۔ وہاں پر فرض سے ملا کر پڑھ لینا ہی کافی ہوتا ہے بعض نے یہ کہا ہے کہ فرض کے متصل سنتوں کے لئے کھڑا ہونا بھی سنت ہے۔ ان کے درمیان سنن و نوافل کے ساتھ مشغول نہیں ہونا چاہیے۔ یہ قول مخالف ہے اس حدیث کے جو وصل کی مخالفت کے بارے میں روایت کی گئی ہے۔ یہ حدیث ابوداؤد شریف میں حضرت ابورمثہ رضی اللہ عنہ سے نقل کی گئی ہے۔ ان کا بیان ہے کہ ایک شخص کھڑا ہو گیا۔ یہ شخص وہ تھا جو نبی کریم کے ساتھ تکبیر اولیٰ میں تھا۔ تاکہ وہ سنت ادا کرے اس کے کندھے کو پکڑ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جھنجھوڑ کر کہا۔ بیٹھ جاؤ کیونکہ اس وجہ سے اہل کتاب کو ہلاکت

ہوئی کہ انہوں نے اپنی نمازوں کے درمیان فصل قائم نہ رکھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بات کو پسند فرمایا۔ لہٰذا کچھ ادعیہ اور اذکار کے ساتھ فصل مختار ہے۔ لیکن بمرتبہ اولیٰ یہ ہے کہ مختصر سی دعا و ذکر کے ذریعہ سے فصل کر لے۔ اور لمبے ذکر اور دعائیں سنتوں کو ادا کرنے کے بعد پڑھ لئے جائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے ثابت نہیں کہ کسی اس قسم کے ذکر سے فصل کرتے ہوں جو مسبحوں میں ہمیشہ کرتے ہوں مثال کے طور پر آیۃ الکرسی اور تسبیحات وغیرہ۔ حلوانی نے کہا ہے کہ فرائض اور سنن پڑھ لینے کے بعد ان کو پڑھ لینے میں مضائقہ نہیں ہے۔ یہ مذکور بالا اولیت میں یہ منافی نہیں ہیں۔ خلاصہ کے طور پر کہا گیا ہے کہ ظہر' مغرب یا عشاء کے نماز میں امام جس وقت سلام پھیرتا ہے تو ان فرائض کے بعد سنتیں پڑھنی ہیں۔ لہٰذا بیٹھ کر دیر کرنا مکروہ ہوتا ہے۔ ضروری ہے کہ نمازی سنتیں پڑھنے کے واسطے کھڑا ہو جائے۔ اور جس جگہ پر فرائض پڑھے ہیں اس جگہ پر سنتیں نہ پڑھے۔ بلکہ اس سے دائیں بائیں یا آگے پیچھے ہو کر کھڑا ہو جائے۔ چاہے تو وہ سنتیں پڑھنے کے لئے اپنے گھر واپس بھی آ سکتا ہے۔ اس میں فضیلت پائی جاتی ہے۔ اور جن نمازوں کے بعد سنتیں نہیں ہیں۔ اپنی جگہ پر قبلہ کا رخ کر کے بیٹھ رہیں تو اس میں کراہت نہیں ہے۔ یا وہاں سے اٹھ کر چلا جائے اور یا اپنی قوم کی جانب منہ کر لے اور بیٹھے اگر اس میں کوئی دیگر شے مانع نہ ہو اور سنت میں یہ مساوی ہیں۔ سنتوں کو پڑھنے کے لئے اپنے گھر لوٹ آنا افضل ہے۔ یہ تمام مطابق شرح شیخ ابن الہمام ہے۔ اور مغرب کی سنتوں میں عجلت کرنے کے بارے میں جو وارد ہوا ہے۔ وہ حکم یہ ذکر دس مرتبہ پڑھ لینے کے منافی نہیں ہے۔ لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک له له الملک وله الحمد وهو علی کل شیئی قدیر۔ اگر تعجیل کی بہت زیادہ رعایت کرنا مقصود ہو تو سنتوں کے بعد اس کو پڑھ لیا جائے اس لئے کہ فرض سے اس قدر بعدیت منافی نہیں۔ جیسے کہ پہلے گزر چکا ہے اور مغرب کی سنتوں میں جو لوگ آیۃ الکرسی پڑھتے ہیں۔ سنت نبوی کے خلاف ہے۔ کیونکہ سنت یہ ہے کہ قل یا یها الکافرون اور قل هو اللہ احد پڑھا جائے۔

بیان سجدہ سہو:۔ احکام اور تبلیغ سے متعلقہ اقوال کے بارے میں سہو و نسیان باتفاق علماء رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر جائز نہ ہے۔ ہاں افعال کے متعلق اختلاف رائے ہے۔ خواہ نماز کے دوران ہو یا بیرون از نماز۔ اہل حق کے نزدیک مختار یہ ہے کہ یہ جائز ہے۔ اصل میں یہ سہو اور نسیان اللہ تعالیٰ کی بلیغ حکمت سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کے ذریعے سے امت کو مختلف قسم کے تشریعی احکام میسر ہوتے ہیں۔ اور سید کائنات کی اقتداء کی سعادت کا شرف ملتا ہے۔ اور اس میں حکمت صرف تشریعی نہیں کیونکہ اگر یہ نہ ہو تو پھر بھی احکام کی تشریح کا امکان موجود ہے۔ مثال کے طور پر حضور حکم فرما دیتے کہ جو شخص نماز میں سہو کرے اس پر سجدہ سہو لازم ہے۔ جیسے کہ آئندہ شک کی صورت سے متعلق بیان آئے گا۔ لیکن اس نکتہ کی تکمیل سعادت اقتداء میسر ہونے کے ساتھ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ مجھے بھلا دیا گیا اس لئے کہ بھول جانے میں سنت بنوں۔ اور اس کا ثواب اور اجر بھی مشروع قرار پائے۔

پانچ مقامات پر آنحضرت کا سہو:۔ صاحب سفر السعادت کا قول ہے کہ پانچ مقامات ہیں کہ ان پر ساری عمر رسول اللہ

صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو دوران نماز سہو سے متصف فرمایا گیا ہے۔ ان کے علاوہ کسی مقام پر سہو نبوی کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ پہلی دفعہ سہو ظہر کی نماز کے دوران ہوا کہ پہلے تشہد میں آنحضرت بیٹھے پھر آپ کھڑے ہوئے اور جب نماز مکمل ہو گئی تو دو سجدے کئے اس کے بعد سلام پھیرا۔ اور گفتگو فرمائی۔ پھر یاد آگیا تو نماز کو پورا کر لیا۔ اور سلام پھیرا پھر دو سجدے ادا کئے اور پھر سلام پھیرا۔ اس حدیث میں آیا ہے کہ سجدہ سہو سلام پھیرنے کے بعد ہے۔ یہ روایت حدیث ذوالیدین کہلاتی ہے۔ کیونکہ یہ ایک صحابی کا نام ہے۔ اس صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے سوال کیا۔ یا رسول اللہ! نماز میں کیا آپ نے بذات خود کمی فرمائی تھی یا کہ بھول گئے تھے۔ آنحضور نے فرمایا ان دونوں میں سے کچھ نہ تھا۔ اس حدیث پر دو اعتراض کئے گئے ہیں۔ ایک یہ ہے کہ یہ اخبار خلاف واقعہ ہے۔ جبکہ اخبار اور اقوال میں سہو کے جائز نہ ہونے پر سب متفق ہیں۔ ہاں افعال کے بارے میں اختلاف ہے۔ دوسرا یہ اعتراض ہے کہ بات (گفتگو) کرنا اور دوسرے کام کرنا یہ سب نماز میں منافات کے حامل ہیں۔ اور حدیث میں آیا ہے کہ نماز کو پورا کیا یہ نہیں آیا کہ نئے سرے سے پھر نماز پڑھی۔ پہلے اعتراض کا یہ جواب ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ارشاد سے یہ مراد ہے کہ میرے اعتقاد کے مطابق اس طرح ہی ہے نہ کہ نفس الامر میں۔ اور اس میں شک نہیں کہ یہ خبر صادق ہے۔ یا یہ عدم شعور کی طرف کنایہ ہے۔ یعنی کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں شعور نہیں رکھتا۔ یہ بھی سچی خبر ہے۔

دوسرے اعتراض کا جواب یوں ہے کہ سہواً گفتگو کرنا یا نماز کے منافی کوئی عمل کرنا اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ اور بنا کے جواز کی ممانعت اور استیناف نہیں ہوتا۔ اور یہ بھی پوشیدہ نہ رہنا چاہیے کہ احناف کے مذہب کے مطابق نسیان عذر نہیں ہوتا۔ نماز میں یہ جاری نہیں ہوتا۔ ان کا جواب یہ ہے کہ قضیہ نماز میں فسخ کلام سے یہ قبل کا ہے۔ تحقیق یوں ہے کہ اصل میں اس کے بعد کا واقعہ ہے۔ کچھ علماء نے کہا ہے کہ یہ سب گفتگو بذریعہ اشارہ تھی اور زبان سے نہ تھی۔ اور یہ بات بڑی بعید ہے۔ علاوہ ازیں وہ کہتے ہیں کہ چونکہ یہ قضیہ خلاف قیاس ہے اس لئے اسے اپنے مورد کے ساتھ تخصیص ہے۔ بحر الرائق شرح کنز الدقائق میں آیا ہے کہ اس اعتراض کے جواب سے متعلق ہمیں امام شافعی کا کوئی قول نہیں ملا۔ امام احمد رحمتہ اللہ علیہ کا مذہب اس طرح ہے کہ گفتگو بالقصد اور بھول کر گفتگو کرنا دونوں صورتوں میں ابطال نماز ہے۔ سوائے اس کے کہ امام نماز کی درستگی کی خاطر کسی قسم کی گفتگو کرے جس طرح کہ راوی کا گمان ہے کہ آنحضرت نے نماز پوری کرلی ہے۔ لیکن بعد ازاں پتہ چلا کہ نماز مکمل نہیں ہوئی تھی تو پھر آپ نے نماز کو پورا فرمایا۔ یہ بھی حدیث کے راوی ذوالیدین کا بات کرنا ہے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا نہیں۔ اس حدیث کے متعلق کلام طویل ہے۔ اور شرح بخاری میں شیخ ابن الحجر رحمتہ اللہ علیہ نے اس کا استقصاء فرمایا ہے۔

نسیان کا تیسرا موقع وہ تھا جبکہ ایک دن آنحضور نے نماز ادا کی۔ اس کے بعد آپ باہر چلے گئے۔ ایک رکعت ابھی باقی تھی۔ آنحضرت مسجد سے باہر آگئے تو حضرت طلحہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ آنحضرت کے پیچھے باہر آئے اور آپ سے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے ایک رکعت نماز باقی چھوڑ دی ہے۔ بعد ازاں آنحضرت مسجد میں واپس تشریف فرما ہوئے۔ اور حضرت

بلال رضی اللہ عنہ سے اقامت کہنے کے لئے فرمایا۔ اور فراموش شدہ ایک رکعت ادا کی۔ سلام پھرا اور باہر تشریف لے آئے اس حدیث میں سجدہ سہو کی صورت مسکوت عنہ ہے۔ یہ بھی امکان ہے کہ یہاں سجدہ سہو کا اقتضاء ہی نہ ہو۔ امام شافعی سجدہ سہو کو واجب نہیں سمجھتے۔ بلکہ وہ سنت کہتے ہیں اور شمنی کا قول ہے کہ کچھ احناف کے نزدیک بھی سجدہ سہو سنت ہے اور شیخ ابن الہمام شرح میں چند احناف سے نقل کرتے ہیں کہ یوں کہا گیا ہے کہ عام اصحاب احناف کے نزدیک سنت ہے۔ (واللہ اعلم)

چوتھا مقام نسیان کا وہ تھا کہ آپ نے ظہر کی نماز ادا کی۔ اس میں ایک رکعت کا اضافہ فرمادیا۔ صحابہ نے عرض کیا کہ نماز میں ایک رکعت زیادہ پڑھی گئی ہے۔ آپ نے فرمایا وہ کیسے ہوا۔ عرض کیا گیا کہ پانچ رکعت پڑھی گئی ہیں آپ نے اس وقت دو سجدے سہو ادا کئے اور پھر سلام پھیرا۔ اس پر ہی آپ نے اختصار فرمادیا۔ اس حدیث کے آخر پر الفاظ آئے ہیں۔ انما انا بشر مثلکم انسی کما تنسون اس صورت میں مذہب احناف کے مطابق فقہ میں تفصیل دی گئی ہے۔

پانچویں موقع پر نسیان یوں ہوا کہ نماز عصر کی تین رکعت پڑھی گئیں اور آپ اپنے کاشانہ اقدس میں چلے گئے۔ صحابہ کرام نے بعد میں آنحضور کو بتایا تو آنحضرت مسجد میں تشریف لائے۔ آپ نے ایک رکعت ادا کی اور سلام پھیرا۔ سلام کے بعد آپ نے دو سجدے ادا کئے اور پھر سلام پھیرا۔ یہ وہ پانچ موقع ہیں جن پر آنحضرت نے سہو فرمایا۔ ان پانچ مقامات سے ہی مجتہدین نے مسائل استنباط کئے ہیں۔

اور اہل ظواہر کے امام داؤد ظاہری ہیں۔ اصحاب ظاہر ان لوگوں کی جماعت ہے جو ظاہری نصوص کے مطابق عامل ہیں۔ قیاس اور اجتہاد کے وہ انکاری ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ان پانچ مقامات کے علاوہ کسی اور مقام پر سجدہ سہو نہ کیا جائے اگر ان مواقع کے علاوہ کہیں سہو ہو گا تو سجدہ سہو نہ ہو گا اور بعض مواقع پر سلام سے قبل سجدہ سہو ادا کیا ہے۔ اور بعض موقعوں پر سلام کے بعد جس طرح کہ حدیث کے سیاق سے پتہ چلتا ہے۔ امام شافعی تو سب جگہ سلام سے پہلے سجدہ سہو کرتے ہیں اور ان احادیث کو ترجیح دیتے ہیں جو اس بارے میں وارد ہوئی ہیں اور یا ان کی ناسخیت کے وہ دعویدار ہیں۔ اور امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ نے ہر جگہ پر سلام کے بعد سجدہ کا حکم دیا ہے۔ اور مذکورہ احادیث کے ماسوا جو احادیث ہیں انہیں ترجیح دیتے ہیں کتب ستہ میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت آئی ہے کہ آنحضرت نے سلام کے بعد سجدہ سہو ادا کیا۔ ایک وہ حدیث ہے جو ابو داؤد ابن ماجہ ' مسند امام احمد اور مسند عبدالرزاق سے ثوبان سے روایت ہوئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لکل سھو سجد تان بعد مایسلم ہر سہو کے سلام پھیرنے کے بعد دو سجدے ہیں۔ اور قول بہ نسبت فعل قوی تر ہوتا ہے اصول فقہ میں یہ قاعدہ مسلمہ ہے۔ بالخصوص جب دو فعلوں میں تعارض ہو۔ یا قیاس سے ہو جس طرح فقہا کا مذہب ہے۔ کہ جب دو احادیث میں تعارض ہو تو قیاس کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ کیونکہ سہو کے سجدے مقرر نہیں ہو پاتے اس لئے پہلے سلام کیا جائے۔ اور پھر سجدہ سہو تا کہ اگر سلام سے بھی سہو واقع ہو جائے تو خبردار کیا جاسکے۔ (کذا قال الشمنی)

علاوہ ازیں یہ بھی منقول ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص عبداللہ بن مسعود عمار بن یاسر ابن عباس اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم سب نے یہی کہا ہے۔ لیکن آنسرور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو کبھی بھی نماز میں شک نہیں گزرا جس سے ادائیگی میں کسی قسم کا کوئی تردد واقع ہو۔ یعنی کہ کتنی رکعتیں پڑھی گئی ہیں۔ کیونکہ جب شک ہو تو جزم و یقین کسی جانب ممکن نہیں ہوتا۔ لیکن جب سہو اور نسیان ہو تو ایک طرف جزم و یقین ہوتا ہے گو اختلاف واقع ہے لیکن اسے ضروری قرار نہیں دیا جاتا۔ ہاں واقعہ اور نفس الامر یاد دلایا جاتا ہے۔ اور جب شک کی صورت ہو تو تردد اور پراگندگی ہوتی ہے اور کچھ اوقات پر یہ بھی استغراق کے غالب ہوئے اور توجہ کی بنا پر رسول اللہ علیہ و آلہ وسلم سے ظاہر ہوا ہے۔ لیکن شک تو ہرگز کبھی نہیں ہوا۔ اس لئے کہ آنحضور کا ارشاد ہوتا تھا کہ شک شیطان کی طرف سے ہوتا ہے وہ بندے پر تلبیس اور تخلیق کر دیتا ہے اور اس کو التباس اور اشتباہ میں ڈال دیتا ہے۔ حتیٰ کہ بندہ شک کرنے لگتا ہے کہ کتنی پڑھ لی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو نماز میں کبھی شک و شبہ نہیں گزرا۔ لیکن آپ نے اپنی امت کو سکھانے کے لئے ارشاد فرمایا کہ کسی کو اگر شک و تردد ہو جائے اور اس کو یہ یاد نہ آئے کہ تین رکعتیں پڑھی ہیں یا کہ چار پڑھی ہیں تو یقین پر بنا کرے۔ اور شک کا اعتبار نہ کرے اور شک و تردد کی صورت میں اسے تین رکعتیں شمار کرلے۔ اور اس لئے کہ تین پر تو اسے یقین ہے خواہ اس نے چار ہی کیوں نہ ادا کی ہوں اور وہ سجدہ سہو کرلے۔

امام ابو حنیفہ نے فرمایا ہے کہ بصورت شک تحری کرے۔ اور ظن غالب کی طرف بنا کرے اقل پر ہو یا اکثر پر اور اگر کسی طرف بھی غالب گمان نہ ہو تو پھر بنا یقین پر کرنا چاہیے کچھ لوگوں نے اس حکم کے باعث امام اجل کے بارے میں زبان طعن دراز کی ہے کہ انہوں نے خلاف حدیث حکم دیا ہے۔ کہ بنا بر عقل کے حاکم ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں کو یہ بھی معلوم نہیں کہ شریعت بنا بر ظن غالب کا ایک مقررہ اصول ہے جسے حدیث میں طے کیا گیا ہے۔ جس طرح کہ قبلہ وغیرہ کے بارے میں اشتباہ کے بارے میں آیا ہے۔ نیز بخاری شریف اور مسلم شریف میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت آئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔ اذا شک احدکم فلیتحر الصواب ولیتم علیہ جس طرح شمنی نے بیان کیا ہے اور جامع الاصول میں بحوالہ نسائی شریف حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے۔ وھو فی صلٰوتہ فلینجر الصواب ثم یسجد سجدتین بعد یفرغ وھو جالس اور ترمذی نے فرمایا ہے کہ بعض اہل علم نے شک کی صورت میں کہا ہے کہ نئے سرے سے نماز کو پڑھے (انتہیٰ۔ واللہ اعلم)۔

امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کا مذہب اس طرح ہے کہ اگر اس کو شک پہلی مرتبہ (عادت نہ ہو) ہوا ہے تو نماز کا اعادہ کرے ورنہ تحری کرے۔ اور تحری سے بھی اگر کسی ایک طرف غالب ظن نہ ہو تو عقل پر بنا کرنا چاہیے۔ امام محمد رحمتہ اللہ علیہ نے مؤطا میں فرمایا ہے کہ تحری کے ضمن میں ظن غالب کی روایات کثرت سے آئی ہیں اور فرمایا ہے کہ اگر نمازی اس طرح نہ کرے تو دیگر شک سے اور سہو سے چھٹکارا مشکل ہو گا اور شک کی کثرت کی صورت ہو تو نماز دہرانا اور اس کا اعتبار کر لینا بہت بڑا حرج ہے۔ امام شافعی امام مالک اور امام رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ یہ حکم بطریق مطلق آیا ہے۔ ظن غالب

ایک طرف ہو یا دونوں طرف برابر ہو۔ بنا یقین پر کرنی چاہیے۔ اس کی مزید تحقیق شرح مشکوۃ میں درج کی ہے۔ فتدبر۔

بیان سجدہ تلاوت:- علماء میں سجدہ تلاوت کے متعلق اختلاف ہے۔ ہمارے ائمہ کے مطابق یہ واجب ہے۔ شافعی کے مطابق سنت ہے ان کا کہنا ہے سجدہ نہ کرنے سے افضل یہ ہے کہ سجدہ کرے امام احمد کے نزدیک اگر نماز میں ہے تو واجب ہے اور بیرون نماز واجب نہ ہے۔ اس ضمن میں دلائل و آیات اور حدیثیں وارد ہیں جو سجدہ نہ کرنے کی مذمت میں آئی ہیں۔ اور سجدہ ادا کرنے کے لئے ان میں تاکید اور مبالغہ مذکور ہے علاوہ ازیں یہ کہتے ہیں کہ سجدہ نماز کا حصہ ہے۔ اور تخفیف کے واسطے صرف اس پر بنا کیا ہے لہٰذا اسی طرح یہ سجدہ تلاوت فرض ہے۔ جس طرح کہ نماز جنازہ کے قیام میں ہے۔ لیکن اس کے دلائل قطعی نہیں تھے۔ لہٰذا ہم وجوب کے قائل ہو گئے۔ دیگر ائمہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جسے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔ کہ فرمایا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم والنجم سورۃ کی تلاوت کیا کرتے تھے تو آپ سجدہ نہیں کیا کرتے تھے۔ اس کے جواب میں عرض ہے کہ سجدہ تلاوت فوراً ادا کرنا واجب نہیں لہٰذا یہ امکان ہے کہ آنحضرت دوسرے وقت میں کر لیتے ہوں گے اور ممکن یوں بھی ہے کہ قرات وقت مقرر پر ہوئی ہو یا یہ ہو کہ تاخیر کے جواز کے بیان کی خاطر آپ نے سجدہ نہ کیا ہو یا یوں ہو کہ اس طرح صرف سورۃ والنجم کے سجدہ کے ساتھ مخصوص ہو کیونکہ اس میں اختلاف واقع ہے۔ واللہ اعلم۔

سجدہ تلاوت کے دوران طہارت:- تلاوت کے سجدے کے وقت طہارت شرط ہے۔ کسی سے بھی اس ضمن میں کوئی اختلاف نقل نہیں ہوا۔ وہ روایت جو ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہے۔ کہ وضوء کے بغیر ہی سجدہ کرتے تھے کوئی عالم اس کے حق میں سوائے شعبی کے نہیں۔ اور بیہقی نے نقل کیا ہے بروایت ابن عمر رضی اللہ عنہ۔ کہ فرمایا کوئی بھی شخص طہارت کے بغیر سجدہ نہ کرے دونوں روایات کی جمع اور تطبیق یوں ہے۔ کہ پہلی روایت سے مراد ہے طہارت کبریٰ۔ اور دوسری سے حالت اختیار کی مدلول ہے پہلی بصورت ضرورت ہے۔ نیز کہا گیا ہے کہ شعبی کسی وقت راستہ میں جا رہے ہوتے تھے تو بلا وضو اور بلا استقبال قبلہ سجدہ کرنے کا اشارہ کرتے تھے۔ اور گزر جایا کرتے تھے کچھ اہل سلف اس جانب بھی ہیں کہ تلاوت کا سجدہ واجب نہ ہے سوائے اس کے جو قصد کے ساتھ قرات سنتا ہے۔ راہ چلنے والوں پر واجب نہ ہے بعض اس طرح بھی کہتے ہیں کہ قاری اگر خود سجدہ نہیں کرتا تو سننے والے پر بھی سجدہ واجب نہیں ہوتا یوں کہیں کہ تلاوت کرنے والے کی صورت امام کی سی ہوتی ہے۔ یہ سننے والے کے لئے ہے۔ یہ امام مالک سے بھی مروی ہے۔ اور بعض کا قول ہے کہ یہ اس لحاظ سے واجب ہے جبکہ تلاوت کرنے والا قرات کا خود قصد کرتا ہے اور قصہ اور حکایت کا قصد ہو تو سجدہ تلاوت واجب نہیں ہے۔ جس طرح قصہ خواں لوگ کہتے ہیں جمہور ائمہ کے ساتھ ہمارا بھی مذہب اس طرح ہے کہ بشرائط صلوٰۃ قاری اور سامع ہر دو پر سجدہ تلاوت واجب ہے۔ یہی مذہب مختار ہے۔ ہمارے نزدیک یہ ہے کہ سجدہ سے پہلے اور بعد تکبیر کہی جائے۔ یہ دونوں تکبیریں مستحب ہیں نہ کہ واجب اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے اس طرح نقل کیا ہے بعض کے

نزدیک سلام بھی ساتھ ہے۔ لیکن تشہد کو کوئی بھی نہیں کہتا۔ اور کھڑا ہو کر پھر سجدہ میں جائے تو یہ اولیٰ ہے اور افضل ہے۔
اس سجدہ تلاوت میں تسبیح سجدہ نماز والی ہی ہوتی ہے۔ یعنی سبحان ربی الاعلی کیونکہ نماز رفع افعال اور افضل محل ہے
لہٰذا اس کے سجدہ والی تسبیح بھی افضل اور ارفع ہے۔ اگر نماز کے دوران سجدہ تلاوت آئے تو تسبیح بے شک یہ ہی ہے۔ اس
لئے بمطابق احناف سجدہ نماز میں کوئی مخصوص دعا نہیں کی جاتی۔ یہی اولیٰ ہو گا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پڑھتے تھے۔
سجد وجھی للذی خلقه وصوره وشق سمعه وبصره بحواله وقوته اس ذات کو سجدہ ہے ہے۔ جس نے
بندے کو پیدا کیا۔ صورت بنائی سماعت' بصارت عطا کی اس کی قوت اور طاقت کے ساتھ۔ ترمذی شریف نسائی شریف اور
ابوداؤد شریف کی روایت میں یوں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اس کو رات کے وقت قرآن کے سجود میں
پڑھتے تھے۔ اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ بعض یوں بھی کہتے ہیں کہ سجدہ تلاوت میں یہ دعا پڑھے۔ رب انی
ظلمت نفسی فاغفرلی بعض یہ دعا کہتے ہیں۔ سبحان ربنا ان کان وعد ربنا لمفعولا سجدہ قرآن کے بارے
میں سجدہ کرنے والوں سے یہ مروی ہے۔ کہ وہ تلاوت کے سجدہ کے وقت پڑھا کرتے تھے اور اکثر اوقات سجدہ میں یہ دعا
پڑھتے تھے۔ اللھم اخطط عنی بھا وزرا واکتسب بھا اجرا واجعلھالی عندک ذخرا وتقبلھا منی کما
تقبلت من عندک ابوداؤد اور ترمذی شریف میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
و آلہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک شخص حاضر ہوا۔ اس نے عرض کیا کہ آنے کی شب دوران خواب میں نے مشاہدہ کیا کہ
ایک درخت تلے نماز پڑھتا ہوں۔ اور جس وقت میں نے سجدہ کیا تو درخت نے بھی سجدہ ادا کیا اور یہ دعا پڑھی۔ ابن عباس
رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آنحضرت نے پھر سجدہ کی آیت تلاوت فرمائی۔ اور سجدہ بجالائے۔ اور سجدے میں یہ دعا پڑھی جو
دعا کہ اس شخص نے پڑھی تھی۔ ترمذی اس حدیث کی نقل کے بعد فرماتے ہیں۔ کہ حدیث غریب ہے۔

بخاری شریف کے اندر ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت مندرج ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
والہ وسلم نے سورۃ النجم تلاوت فرمائی اور سجدہ تلاوت کیا۔ اس لئے کہ اس سورۃ کی آخری آیت میں سجدہ ہے اس کے بعد
آنحضرت کے ساتھ سب جن و انس کافروں اور مسلمانوں نے سجدہ کیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی مجلس میں موجودہ
جن اور انسان ہی اس سے مراد ہوں گے۔ یہ تکرار اور تاکید کے طریق سے ہے۔ اس سے تمام روئے زمین کے انسان اور
جنات مراد نہیں ہیں (واللہ اعلم) اہل علم کا قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم امتثال حکم الٰہی کی بنا پر سجدہ کرتے
تھے۔ آپ کے اس سجدہ کا مقصد اللہ کی بڑی عظیم نعمتوں کا شکریہ ادا کرنا تھا جو کہ سورۃ کے شروع میں شمار کی گئی ہیں۔ اور
مسلمانوں کا سجدہ آنحضرت کی اتباع۔ امتثال امر اور شکر گزاری کے واسطے تھا۔ مشرکوں کا ان اسمائے الٰہیہ کو سن کر سجدہ تھا جو
لات اور عزیٰ کی مذمت میں اس سورۃ میں آئے ہیں۔ یا ان کا سجدہ ظہور سطوت کے باعث' قہر کبریائی اور جبروت الٰہیہ اور
عظمت و عزت اور صدق و سچائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بنا پر تھا۔ لہٰذا ان کے اختیارات کی سب تاب و طاقت
کا بطلان ہو گیا۔ اور سجدوں کے نشانات اور انکار و استکبار محو اور مضمحل ہو گئے۔ ان کی قوم میں سے اشقی اور طغی اپنی مٹھی

میں خاک لئے اپنے سروں اور چہروں پر مارتے تھے اور کہتے تھے۔ یہ کلاً ہے۔ اور اس بارے میں جو آیا ہے کہ اشقیائے قریش میں سے ایک شخص دوزخ میں ڈالا گیا۔ وہ زندیقوں اور ان کے مفتریوں نے وضع کیا ہے۔ جس کو اصحاب سیرو تاریخ نے نقل کیا ہے کیونکہ من گھڑت اور تعجب خیز قصے گھڑنا ان کی علادت ہے۔ اور علماء محدثین ان کے موضوع ہونے کا حکم لگاتے ہیں۔ اور ان کو مردود اور باطل قرار دیتے ہیں۔ وہ قصہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اسماء لات وعزیٰ کے تذکرہ کے موقع پر ان کی تعریف میں کچھ فرمایا۔ اور فرمایا تلک الغرانیق العلیٰ وان شفاعتھن لترتجی یہ الفاظ یا تو آپ کی زبان مبارک سے سہو سے نکل گئے اور یا آپ کی آواز سے مشابہ آواز بنا کر شیطان نے اونچی آواز کے ساتھ اپنی جانب سے گھڑے اور کہہ دیئے۔ مشرک لوگوں نے یہ الفاظ سنے تو اس وجہ پر ان کو وہ سجدہ کرتے تھے' انہوں نے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) ہمارے معبودوں کی تعریف کرتے ہیں لہٰذا اب ہمارے درمیان ان کا کوئی جھگڑا نہیں۔ باقی ہم اس سے پہلے ہی واقف ہیں کہ زندہ کرنے والا مارنے والا' علم رکھنے والا اور ہمیشہ سے موجود ازلی ابدی رہنے والی ذات اور رزق دینے والا صرف ایک ہی ہے۔ یہ بت ہماری شفاعت کرنے والے ہیں ان کے شفاعت کرنے کو محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) نے خود تسلیم کیا ہے۔ ازاں بعد جبریل علیہ السلام نے آکر شیطان کے القاء کے متعلق حضور کو پتہ دیا۔ آنحضرت اس وقت بڑے مضطرب اور غمزدہ ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے آنسرور کی تسلی و اطمینان کی خاطر آپ پر یہ آیت نازل فرمائی۔ وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی الا اذا تمنی القی الشیطان فی امنیته فینسخ اللہ ما یلقی الشیطان ثم یحکم اللہ آیاته واللہ علیم حکیم یہ سارا قصہ عقلی طور پر اور نقلاً" بھی بالکل باطل اور وضع کردہ ہے اور من گھڑت کہانی ہے نیز یہ کہ اس آیت کی تفسیر اور ہے۔ اس میں اس قصے والی کوئی بات علامت نام ونشان نہیں ہے۔ (واللہ اعلم)

بیان سجدہ شکر:۔ وصل:۔ نماز کے علاوہ جو سجود ہیں ان کے بارے میں اختلاف الرائے ہے کہ وہ جائز و مسنون ہے یا نہیں وہ عبادت ہے اور اللہ تعالیٰ سے قرب کا سبب ہے یا کہ نہیں بعض اس کو بدعت اور حرام اور بلا اصل سمجھتے اور کہتے ہیں شریعت میں اس کی کوئی بنا نہ ہے بعض اسے جائز اور مسنون گردانتے ہیں۔ اور کچھ علماء احناف کے نزدیک بھی یہ جائز ہے لیکن کراہت کے ساتھ۔ تفصیلاً" یہ ہے کہ نماز سے خارج میں مختلف سجدے ہیں۔ مثلاً سجدہ سہو بھی ان میں سے ہے اور یہ سجدہ نماز کے حکم میں شامل ہے۔ سجدہ تلاوت بھی ہے اس کے متعلق بھی کوئی اختلاف نہیں۔ تیسرا مناجات کا سجدہ ہے۔ وہ نماز کے بعد ہوتا ہے۔ ظاہراً" یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس سجدہ کے متعلق یہ ساری بحث ہو گی۔ اس لئے کہ یہ مکروہ ہے چوتھا شکر کا سجدہ ہے یہ سجدہ نعمت حاصل ہونے پر اور بلائیں دور ہو جائیں تو کیا جاتا ہے۔ اس کے متعلق اختلاف الرائے ہے۔ امام شافعی اسے سنت کہتے ہیں۔ امام احمد اور امام ابو یوسف کا یہ ہی فرمانا ہے۔ اور بڑی کثرت سے حدیثیں اور آثار اس بارے میں وارد ہیں جیسے کہ قبل ازیں ذکر ہو چکا ہے امام اعظم امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ اور امام مالک رحمتہ اللہ علیہ اس کو سنت نہیں کہتے بلکہ وہ اسے مکروہ کہتے ہیں۔ وہ یوں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں غیر متناہی اور غیر محدود و بے حد و شمار ہیں۔

بندہ ان کی شکر گزاری سے عاجز و درماندہ ہے۔ اس لئے بندہ کا اس کے لئے مکلف بنانا تکلیف بالایطاق ہے خواہ وہ سنت و استحباب کے طریق پر ہی کیوں نہ ہو۔ ان کا قول ہے حدیثوں میں نعمت کے شکرانے میں سجود کا جو تذکرہ ہے اس سے مراد نماز ہی ہے یا یہ منسوخ ہے اور سجدہ شکر کے قائل حضرات اس سے نعمت عظیمہ مطلب گردانتے ہیں جو بعض اوقات ظاہر ہوتی ہے اور اس طرح سنت میں بھی وقوع میں آیا ہے۔ اور ہر نعمت پر نہیں۔ نیز ان کا کہنا سجدہ کا مطلب نماز سمجھنا یہ ظاہرا" خلاف ہے۔ اور چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے بعد خلفائے راشدین سے اس فعل سجدہ کے آثار ملتے ہیں۔ پس یہ نسخ کا قول درست نہیں ہے دیگر ایک سجدہ بھی ہے۔ سجدہ تحیتہ۔ بعض فقہی روایات میں اس میں رخصت وارد ہے۔ اس بارے میں مذہب مختار کراہت و حرمت ہی ہے۔ اس کی روایت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مسند امام احمد۔ ترمذی۔ سنن ابی داؤد میں ہے۔ کہ جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کسی چیز کو پسند فرماتے تھے وہ آپ کو بھی معلوم ہوتی تو آپ زمین پر چہرہ مبارک رکھ کر سجدہ کیا کرتے تھے۔ یہ سجدہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لئے ہوتا تھا اس طرح کی روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ سے آئی ہے۔ اور بیہقی نے صحیح اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے کہ جس وقت ملک یمن سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خط موصول ہوا۔ اس میں ذکر تھا کہ قبیلہ ہمدان اسلام قبول کر چکا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے اسی وقت اللہ کی بارگاہ میں سجدہ شکر کیا۔ اس قبیلہ کے حق میں آپ نے دعا بھی کی۔ اور آپ نے فرمایا السلام علی ہمدان السلام علی ہمدان عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی جانب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کو یہ خوشخبری دی گئی۔ کہ آپ ایک بار درود بھیجنے والے شخص پر اللہ تعالیٰ دس مرتبہ صلوٰۃ نازل کرے گا۔ اور جو شخص آپ پر ایک دفعہ سلام عرض کرے گا اللہ تعالیٰ اس پر دس دفعہ سلام بھیجے گا تو فوراً ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے دو سجدے شکرانے کے ادا کئے۔ یہ سجدے بہت لمبے تھے۔ گویا دیکھنے والوں کو خیال ہونے لگا کہ روح مبارک بجانب آسمان پرواز کر چکی ہے۔ اور آپ کا جسم مبارک چھوڑ چکی ہے۔

ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے ایک شخص دیکھا۔ جو کہ چھوٹے قد کا تھا حقیر تھا۔ کمزور اور الحرکت تھا۔ اس کی خلقت ناقص تھی۔ آنحضرت نے اس وقت بھی شکر گزاری میں سجدہ کیا۔ اس طرح کی احادیث کثرت سے روایت ہوئی ہیں بخاری شریف میں بھی آیا ہے۔ کہ جنگ بدر کے دن ابو جہل لعین کا سر جب لایا گیا۔ تو آنحضرت نے سجدہ شکر ادا کیا۔ اور آپ نے ارشاد فرمایا۔ مات فرعون ھذا الامۃ۔ اس امت کا فرعون مارا گیا ہے۔ دیگر ایک روایت ہے کہ آپ نے دو رکعت پڑھیں سجدے سے نماز کی تاویل کی صحت پر یہ حدیث مشکل ہے جس طرح امام اعظم ابو حنیفہ اور امام مالک تاویل کرتے ہیں۔

آثار صحابہ میں نقل ہے کہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جب توبہ کی خوشخبری ملی۔ تو انہوں نے سجدہ شکر ادا کیا۔ ان کا شمار اکابر صحابہ اور اسلام کے شعراء میں ہے۔ ان تین میں سے یہ ایک ہیں۔ جو غزوہ تبوک کے بارے میں تخلف کر بیٹھے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کے جانب سے ان پر رحمت و کرم اور مہربانی سے رجوع اور توبہ کی قبولیت کا

نزول ہوا تھا جس طرح قرآن پاک سے معلوم ہوتا ہے۔ وعلی الثلاثة الذین خلوا حتی اذا ضاقت علیہم الارض بما رحبت وضاقت علیہم انفسہم یہ ایک لمبا قصہ ہے اور احسن القصص میں سے ایک یہ بھی ہے۔ ہم نے یہ قصہ شرح سفرِ السعادت میں بیان کر دیا ہے وہاں دیکھ لیں۔

جس وقت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو مسیلمہ کذاب کے قتل کی خبر ملی تو آپ نے سجدہ شکر ادا کیا۔ یہ مشہور قصہ ہے۔ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خارجی رئیسوں میں سے ذوالثدیہ کو مقتولوں میں پڑا ہوا مردہ ملاحظہ فرمایا تو آپ نے سجدہ شکر ادا کیا یہ قصہ اور خارجیوں کا حال کتب احادیث و سیر میں موجود ہے۔ وہاں سے اختصار کے ساتھ شرح سفر اسعادت اور شرح مشکوۃ میں ذکر کر دیا ہے۔

جمتہ المبارک کی نماز:۔ وصل:۔ جمعہ کا لفظ جیم کی پیش سے میم کے سکون اور پیش سے ہے۔ سیوطی میم کے زبر سے بھی اس کا ذکر کرتے ہیں اور زجاج سے زیر کے ساتھ منقول ہوا ہے اور قرات سبعہ کے باعث قرآن میں میم کے پیش کے ساتھ ہے اور سکون از شواز ہے۔ جہالت کے زمانہ کے دوران اس روز کو عروبہ کہا کرتے تھے۔ اور اس کا اسلامی نام جمعہ ہے۔ کیونکہ اس روز نماز جمعہ کے لئے اجتماع ہوا کرتا ہے۔ کذا قیل۔ اور تحقیق یوں ہے۔ جاہلیت کے دور میں اس کا پرانا نام عروبہ ہے۔ اور جمعہ کے ساتھ بھی جہالت میں ہی بدلا گیا۔ اس لئے مخلوق کا اجتماع ہے۔ اور یا اس واسطے کہ آدم علیہ السلام کی پیدائش اس روز مکمل ہو گئی تھی۔ ان کا جسم اور روح کا اجتماع ہوا اور ایسے ہفتے کے باقی دنوں کے نام تبدیل کر دیئے گئے۔

فائدہ:۔ پرانے زمانہ میں ہفتہ کے دنوں کے نام اس طرح تھے۔ اول' اہون' جبار' مار' لوتس' عروبہ' شبار' زمانہ جاہلیت کے دوران بھی جمعہ کے دن کو شرف و بزرگی تھی اور دور اسلامی میں یہ دن دوسرے فضائل اور خصائص کا حامل ہوا۔ حدیث میں آیا ہے کہ ہم سے قبل کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے جمعہ کے روز سے گمراہ ہی رکھا۔ یہ یہود و انصاریٰ ہیں۔ اس لئے کہ اہل یہود کے لئے سبت یعنی شنبہ کا دن اور نصاریٰ کے واسطے ایک شنبہ کا دن یعنی اتوار تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ ہمیں زمین پر لے آیا اور مسلمان پیدا کئے گئے ہمیں جمعہ کی طرف راستہ دکھایا۔ اور جمعہ کے دن سے یہودیوں اور عیسائیوں کی گمراہی کی وجہ یہ ہے کہ اس دن عبادت کرنے اور اس دن بذریعہ عبادت نعمت کا شکر بجالانے کی خاطر اور ان کو حکم کیا گیا۔ انہوں نے اس کی مکالفت کی اور تمرد اور سرکشی ظاہر کی۔ زبان انکار وا کی۔ اور بجائے اس کے یہود نے شنبہ کی خواہش کی۔ اس کی وجہ یہ ظاہر کی کہ آفرینش کی انتہا کا یہ دن ہے۔ اس دن صانع مطلق آفرینش میں مشغولیت سے فارغ ہو گیا لہٰذا مخلوق کو لازم ہے کہ سب مشاغل ترک کر دے اور یکسوئی سے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں لگ جائے اس طرح عیسائی لوگوں نے بھی کچھ باتیں بنائیں۔ کہ اتوار کے دن آفرینش کا آغاز کیا گیا تھا۔ پس یہ روز تعظیم کے لئے۔ شکر و نعمت کے لئے اور عبادت کے قبول ہونے کے لئے مناسب تر ہے۔ اور اکثریت اس پر ہے کہ ان پر جمعہ کا دن متعین کر کے ان پر فرض نہ کیا گیا تھا بلکہ ان کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ کوئی سا ایک دن عبادت کے لئے مخصوص کر کے اسے اختیار کر لیں۔ وہ خود ہی سوچ و بچار اور اجتہاد کے ذریعے تلاش کریں

کہ کونسا دن خاص ہونا چاہیے۔ پس مذکورہ بالا وجوہات و علل کی بنا پر یہودیوں نے شنبہ کا دن اور انصاریٰ نے اتوار کا دن مناسب پایا۔ اور اس قیاس کے سبب سے اہل اسلام کو جمعہ کے دن کی راہ دکھائے اور اس کی ہی ہدایت دینے کے سلسلہ میں دو اقوال وارد ہیں ایک قول یہ ہے کہ مسلمانوں پر جمعہ کے دن کو فرض کیا گیا ہے۔ اس کے بارے میں ان کو حکم صادر فرمایا گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ یایها الذین امنوا اذا نودی للصلوٰة من یوم الجمعة فاسعوا الی ذکر اللہ اس طرح اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جمعہ کی راہ دکھا دی اور اس سے ان کا گمراہ نہ رکھا گیا مسلمانوں نے تمرد اور سرکشی میں اپنی زبان نہ کھولی اسباب اور علل کے اعتبار سے غور و فکر اور اجتہاد کے ضمن میں مسلمانوں کی رہنمائی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اصابت فکر عطا فرمائی اہل علم کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو عبادت کی خاطر پیدا فرمایا ہے۔ چونکہ ان کی تخلیق کا دن جمعہ ہے لہٰذا یہی اولیٰ و انسب ہوگا کہ عبادت کے لئے یہ ہی دن مقرر ہو علاوہ ازیں یہ کہ ہفتہ کے باقی ایام میں اللہ تعالیٰ نے وہ چیزیں پیدا فرمائی تھیں جن سے انسانوں کو نفع پہنچتا ہے۔ بروز جمعہ خود انسانوں کی ذات پیدا فرمائی گئی۔ لہٰذا وجود کی نعمت کا شکر اپنی ذات کے علاوہ چیزوں کے شکر اولیٰ اور افضل ہے اور اس مقام پر پہلے ہی معانی کا ظہور ہے۔ یہود و نصاریٰ کے بارے میں بھی۔ لیکن شیخ ابن احجر نے شرح صحیح بخاری میں کہا ہے کہ مدینہ شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ہجرت فرمانے کا حکم آپ کو آنے سے قبل ہی مسلمان مدینہ میں اکٹھے ہوئے اور باہم مشورہ کیا۔ یہودیوں اور نصاریٰ کے علیحدہ علیحدہ دن متعین شدہ ہیں۔ اس دن وہ ہر ہفتہ میں اجتماع کرتے ہیں۔ کیوں نہ ہم بھی ہفتہ میں ایک یوم اپنے لئے مخصوص کریں تا کہ اس روز ہم جمع ہوں اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کریں نماز پڑھیں گے۔ شکر و عبادت کریں۔ پس انہوں نے عروبہ کا روز متعین کرلیا جس کا قدیم نام جمعہ ہی ہے۔ گو اس کے ساتھ وہ خصائص نہ تھے جو قرآن پاک میں نماز کے متعلق خصوصیات نازل ہوئی تھیں مقصود کے اعتبار سے اس قدر کافی ہے۔

حدیث اوس میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ تمہارے تمام ایام میں افضل ترین دن جمعہ کا دن ہے۔ اور اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ افضل ایام تو متعدد ہیں مثال کے طور پر یوم عرفہ۔ یوم عیدین وغیرہ اور انہی ایام میں سے روز جمعہ بھی ہے۔

اس ضمن میں کہ روز جمعہ اور روز عرفہ ان دونوں میں سے افضل کونسا دن ہے۔ بعض کا یہ کہنا یہ ہے کہ ہفتہ کے دنوں میں سب سے افضل دن جمعہ کا دن ہے۔ اور سارے سال کے دنوں میں سب سے افضل دن یوم عرفہ ہے۔ بلا تدبر و تفکر اس بات کا حصول نہیں ہوتا۔

اس کی مانند شب جمعہ اور شب قدر کی فضیلت میں علماء کے رائے مختلف ہے۔ امام احمد شب جمعہ کو افضل کہتے ہیں۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم شب جمعہ کو اپنے والد عبداللہ کی صلب سے رحم آمنہ میں داخل ہوئے۔ اور ایام منی میں تھے۔ یہ تذکرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ولادت پاک کے باب میں انشاء اللہ آئے گا۔

ایک اور بھی حدیث کہ سب دنوں کا سردار دن جمعہ کا دن ہے۔ عالم کی مخلوق اس روز جمع ہوئی تھی۔ اس روز آدم علیہ

السلام کی پیدائش ہوئی۔ ان کو جمعہ کے دن کو ہی جنت میں داخل فرمایا۔ وہ زمین پر جنت سے اس جمعہ کے دن لائے گئے تھے۔ آدم علیہ السلام کا وصال شریف بھی جمعہ کے دن ہی تھا۔ جمعہ کے دن ہی قیامت ہوگی صور اس دن پر پھونک دیا جائے گا۔ اس روز کو مخلوق بے ہوش جائے گی۔ یہ امور اس مقصود کے پیش نظر بیان کئے ہیں کہ اس دن پر امور عظیمہ کے وقوع کا تذکرہ ہے یا اس کی بنا یہ ہے آدم علیہ السلام کے جنت سے باہر تشریف لانے اور اس عالم میں آجانے میں بحد و شمار حکمتیں ہیں۔ ان کا احاطہ کرنا ہرگز ہرگز ممکن نہ ہے۔

روز جمعہ کی خصوصیات:۔ یوم جمعہ کے خصائص اور فضائل بڑی کثرت میں آئے ہیں۔ ایک یہ ہے کہ دن کے دوران ایک گھڑی ایسی ہے اس کے دوران اللہ تعالیٰ سے جو کچھ بندہ مانگے۔ اُسے ملے گا صحابہ کرام تابعین اور زمانہ مابعد کے اہل علم حضرات میں اس گھڑی کے متعلق دو اقوال ہیں۔ بعض کا قول یہ گھڑی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے زمانہ مبارک کی خصوصیات میں سے تھی۔ اور آنحضرت کے بعد یہ گھڑی مرفوع ہو چکی ہے۔ اور یہ قول مردودہ ہے۔ لوگ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھنے لگے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یوم جمعہ کی مخصوص برکت والی گھڑی جس میں دعا قبول ہو جاتی ہے اٹھائی جا چکی ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا جو اس طرح کہتا ہے وہ جھوٹ بولتا ہے۔ اب بھی جمعہ کے دن میں وہ گھڑی بدستور موجود ہے۔ یہی دوسرا قول ہے اور درست قول بھی یہ ہی ہے۔ اس قول سے متعلق دو قسم کی آراء ہیں۔ ایک جماعت یوں بتاتی ہے کہ جمعہ کے دن کے دوران اس گھڑی کو پوشیدہ رکھا ہے۔ جس طرح شب قدر کو رمضان شریف کے آخری عشرہ میں رکھا گیا ہے اور اکثریت کے نزدیک یہ ایک متعین گھڑی ہے۔ اس ضمن میں تیس سے بھی زیادہ اقوال ہیں۔ شیخ ابن حجر عسقلانی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی شرح صحیح بخاری میں ہر قائل کا نام اور اس کا قول نقل کئے ہیں۔ اس کے دلائل بھی بتائے ہیں۔ ان کی صحت، ضعف، رفعت اور توقف بیان کیا ہے پھر ایک دوسرے سے تطبیق بتائی ہے۔ شرح سفر السعادت میں ہم نے بھی وہ تمام نقل کئے ہیں ان میں سے راجح ترین اقوال دو ہیں۔ پہلا یہ کہ امام کے ممبر پر بیٹھنے سے لے کر نماز کی تکمیل کے وقت تک وہ گھڑی ہوتی ہے۔ دوسرا قول اس طرح ہے کہ وہ گھڑی اس دن کی آخری گھڑی ہے۔ مراد یہ کہ عصر کی نماز سے غروب آفتاب تک۔ پھر ہر دو جماعتوں میں ترجیح کے بارے میں بھی علماء کے دو اقوال ہیں۔ اکثریت قول ثانی کو ترجیح دیتے ہیں۔ اور حدیثوں میں جتنی دلائل سے اس قول کو قوت اور تاکید بہم پہنچاتے ہیں صاحب سفر السعادت نے فرمایا ہے کہ سنن سعید بن منصور میں صحیح سندوں سے ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت آئی ہے۔ کہ صحابہ کی جماعت ایک جگہ پر اکٹھی ہوئی اور اس گھڑی کے متعلق بحث کرنے لگے جب یہ جماعت برخاست ہو گئی۔ تو کسی ایک صحابی کو بھی اختلاف نہ تھا کہ وہ گھڑی یوم جمعہ میں دن کی آخری گھڑی ہے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے اپنے غلام کو مقرر فرمایا کہ وہ جمعہ کے دن کی آخری گھڑی کا خیال رکھے۔ اور ان کو اس کی خبر دے۔ جب ان کو خبر دی گئی۔ وہ دعا مانگنے لگیں۔ دوسری ایک روایت میں آفتاب کے غروب ہونے کا وقت بتایا ہے۔ واللہ اعلم۔

جمعہ کے دن کے خصائص میں ایک یہ بھی ہے کہ اس روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اس دن درود بھیجیں تو وہ قبول کیا جاتا ہے۔ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس دن میں ایک نماز وہ ہے جو اعاظم فرائض اسلامیہ میں سے ہے۔ اگر اس میں سستی کی جائے یا کاہلی برتی جائے۔ تو دلوں پر مہر اور منافقین میں نام لکھے جانے کا باعث ہوتا ہے۔ اس دن غسل کرنا موکدہ سنت نبوی ہے۔ دوسری جماعت غسل کو واجب سمجھتی ہے۔ دوسرے دنوں کی نسبت اس دن میں خوشبو ملنا مسواک کرنا اور عمدہ لباس زیب تن کرنا زیادہ استحباب میں داخل ہے۔ اس دن مسجد خوشبو سے معطر بنانا بھی مستحب ہے۔ علماء کی ایک جماعت کہتی ہے کہ جمع کے دن کو نصف النہار کے وقت نماز فاضلہ ادا کرنے میں کوئی کراہت نہ ہے۔ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصف النہار کے وقت پر نماز ادا کرنے سے ممانعت فرمائی ہے سوائے روز جمعہ کے اور آپ نے فرمایا کہ اس وقت جہنم کو دھکاتے ہیں لیکن روز جمعہ کو نہیں۔ اس بنا پر فاسق اور فاجر لوگ جمعہ کے اور جمعہ کی رات کے دوران گناہوں کے مرتکب ہونے سے مجتنب رہتے ہیں کیونکہ اس دن رحمت کے آثار کا ظہور ہوتا ہے دوسرے دنوں کے مقابلے میں یہ دن عبادت زیادہ کرنے کے لئے اور زاری تضرع کے لئے زیادہ پسند کیا گیا ہے۔ جیسے رمضان شریف کو دیگر سب مہینوں پر فضیلت حاصل ہے۔ اس روز قبولیت کی گھڑی اس طرح ہے جیسے رمضان مبارک قدر کی رات ہوتی ہے۔ جمعہ کے دن اہل اسلام کی عید کا روز ہے۔ جو ہر ہفتے میں بار بار آیا کرتا ہے۔ ایک مرفوع حدیث میں اس طرح وارد ہوا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ

ذکر یوم الجمعته سید الایام و اعظمھما عند اللہ من یوم الاضحی و یوم الفطر۔	جمعہ کا روز تمام دیگر دنوں کا سردار ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ دن عید قربان اور عید الفطر سے اعظم اور افضل ہے۔

جمعہ کے دن نماز کے لئے اگر کوئی شخص پیدل چل کر جاتا ہے تو اسے سال بھر کے روزوں اور نمازوں کے برابر ثواب عطا ہوتا ہے۔ بدیوں کے کفارہ کا یہ دن ہے۔ زمین و آسمان پہاڑ اور دریا اور تمام مخلوق روز جمعہ کو بوجہ اس علم کے ڈرتے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا فرمایا ہے۔ کیونکہ اس روز قیامت قائم ہونی ہے۔ لیکن انسانوں اور جنوں کے قلوب پر قیام تکلف اور ایمان بالغیب کے باعث پردے ڈالے ہیں مومنین کی ارواح اس روز اپنی قبور کے نزدیک ہوتی ہیں۔ اور اس دن وہ اپنی قبروں پر آنیوالوں کو دوسرے دنوں کے مقابلہ میں زیادہ پہچانتے ہیں۔ کچھ روایات میں یوں آیا ہے کہ دن کے آخری حصہ کے مقابلہ میں حصہ کے دوران کی پہچان زیادہ ہوتی ہے۔ پس اس روز قبروں کی زیارت کو بڑھ کرا ستحباب حاصل ہے۔ حرمین شریفین کے باشندوں کا معمول یہ ہے اور علماء کی اکثریت کے نزدیک جمعہ کے روز روزہ رکھنا مکروہ ہے۔ اس لئے کہ یہ تو ہمارے لئے عید کا دن ہے۔ اور عید کے دن پر روزہ مکروہ ہوتا ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہ اور امام مالک کے مذاہب میں یہ مکروہ نہیں ہے۔ یہ دن وعظ اور تذکیر کے واسطے واجب کی مانند ہے اور خطبہ کی تخصیص مسلمانوں کے اجتماع کے ساتھ ہے۔ عید کے روز خطبہ دینا سنت ہے (خطبہ جمعہ تو واجب ہے) نقل ہوا ہے کہ جمعہ کی رات کے دوران مومنوں کی روحیں جمع ہوتی

ہیں۔ ابن قیم نے یہ کتاب الہدیٰ میں بیان کیا ہے۔ خاص جمعہ کے روز جیسے روزہ رکھنا اکثر علماء مکروہ سمجھتے ہیں اس طرح جمعہ کی رات کو قیام کرنا بھی مکروہ ہے۔ اس بارے میں علماء کی جانب سے بیان کردہ وجوہات مکمل نہیں ہیں نزدیک اس مسکین کے (یعنی شیخ محقق عبدالحق صاحب)۔ ظاہری طور پر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ اشارہ کیا گیا ہے کہ طالب دائمی طور پر طاعت و عبادت میں لگا رہنا چاہیے۔ کوئی اوقات مخصوص کر لینا خواہ وہ مبارک ہی کیوں نہ ہوں کوئی چیز نہ ہے۔

روز جمعہ یا جمعہ کی رات کو موت آنا افضل ہے۔ اس بارے میں احادیث و آثار روایت ہوئے ہیں۔ مرنے والا قبر کے عذاب سے محفوظ رہتا ہے۔ امام سیوطی رحمتہ اللہ علیہ اپنی جامع الجوامع میں مسند احمد اور بیہقی سے حدیث نقل فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ما من مسلم بموت یوم الجمعة لولیلة الجمعة الا وقاه الله فتنة القبر۔ کوئی مسلمان مرنے والا اس طرح کا نہیں ہوتا۔ جو روز جمعہ یا شب جمعہ میں مرے۔ مگر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو قبر کے عذاب سے محفوظ فرماتا ہے۔ شہزادی القاب میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے اور ابو نعیم حلیہ میں جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ جو کوئی آدمی جمعہ کے دن یا اس کی رات کو مرے گا۔ اس کو قبر کے عذاب سے چھٹکارا مل جائے گا۔ قیامت کے دن کو وہ اس حال میں وہاں آئے گا کہ اس کے ہاتھ پر شہداء کی مہر لگی ہوگی علاوہ ازیں یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ جمعہ کے دن کو چھ ہزار مسلمان اور جمعہ کی رات کو تین ہزار مسلمان بخش دیئے جاتے ہیں۔ ایک روایت میں یوں بھی آیا ہے کہ سب لوگوں کو بخش دیتے ہیں۔ جمعہ کے روز مسجد کے دروازہ پر فرشتے دفتر لے کر یعنی رجسٹر لے کر بیٹھ جاتے ہیں۔ مسجد میں آنے والوں کو ترتیب کے مطابق درج کرتے جاتے ہیں۔ یعنی پہلے آنے والے کو پہلے اور بعد میں آنے والے کا نام بعد میں درج کیا جاتا ہے۔ امام صاحب خطبہ دینے کے لئے جس وقت ممبر پر آ جاتے ہیں تو فرشتے بھی اپنا دفتر لپیٹ لیتے ہیں اور مسجد کے اندر داخل ہو جاتے ہیں اور وہی فرشتے مسجد میں دو رکعت نماز کا ثواب دوسرے دنوں میں پڑھی گئی ہزار رکعت سے زیادہ بڑھا کر اور ایک تسبیح کا ثواب ہزار تسبیح سے زیادہ درج کرتے ہیں۔ روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ قیامت کے روز جب سب دنوں کو اللہ تعالیٰ ایک خاص شکل و صورت میں اٹھائے گا۔ جمعہ کے دن جمعہ والوں کے لئے روشن و چمکدار اٹھایا جائے گا۔ ان کے لئے جمعہ کا دن روشنی بنے گا اور ان کو مشعل راہ کا کام دے گا۔ اہل جمعہ اس دن کی تابانی کے نور میں چلیں گے۔ ان کا رنگ برف کی طرح صاف و سفید ہوگا اور ان سے کستوری کی مانند خوشبو آئے گی۔ ان کی بیٹھنے کی جگہ بھی کافور کے پہاڑوں میں ہوگی۔ جن اور انسان سب ان کی جانب دیکھ رہے ہوں گے جبکہ ان کی آنکھیں تعجب کے باعث نہ جھپک رہے ہوں گے حتیٰ کہ اہل جمعہ جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ ان کے ساتھ کسی کو ملاقات نہ ہوگی۔ بجز اس شخص کے جس نے اللہ کے واسطے اذان کہی ہوگی یعنی موذن۔

جمعہ کے خصائص میں سے یہ ہے کہ بوقت جمعہ ہر قسم کی خرید و فروخت کی حرمت و کراہت ہے اور نماز جمعہ ادا کرنے کے بعد بیع اور شراء مستحب ہیں۔ جمعہ کے روز سنت ہے کہ فجر کی نماز میں سورۃ الم السجدہ اور سورۃ الم السجدہ اور سورۃ ہل اتی علی الانسان جمعہ کی نماز میں سورۃ جمعہ اور سورۃ منافقوں یا سبح اسم ربک الاعلی اور سورۃ غاشیہ اور نماز مغرب میں

سورۃ قل یا ایہا الکافرون اور سورۃ اخلاص اور عشاء کے وقت سورۃ جمعہ اور سورۃ منافقون پڑھیں۔ شوافع حضرات بڑے التزام سے یہ پڑھتے ہیں اور اس کے خلاف ہرگز عمل نہیں کرتے۔ لیکن احناف کے نزدیک سورتوں کا تعین مکروہ ہے۔ وہ بالکل تعین کے رنگ میں نہیں پڑھتے۔ احناف کے شیخ محقق ابن الہمام نے فرمایا ہے کہ اس طرح نہیں کرنا چاہیے۔ ہاں بعض اوقات ان کو ان احادیث کی صحت کی بناپر پڑھنا چاہیے جو کہ اس بارے میں وارد ہوئی ہیں۔ اور انہوں نے فرمایا ہے کہ ابہام تفصیل ہجران باقی اور ان کا جواز نہ ہوناوغیرہ اور عدم مداومت کراہت کی دلیل کی مقتضی ہیں نہ کہ مداوت عدم۔

یہ مسکین بندہ عبدالحق بن سیف الدین کہتا ہے کہ یہ بالکل عیاں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بھی دائمی طور پر اس پر عمل نہ کرتے ہوں گے۔ اس طرح سے کہ کبھی اس کے خلاف آپ نے کیا ہی نہ ہو جس طرح کہ حضور کی عادت شریف نوافل کے بارے میں تھی۔ اور اگر ہو بھی تو اکثری قسم کی ہو گی۔ پس طریق احناف یوں ہے کہ اگر یہ سورتیں پڑھی بھی جائیں تو جمعا" بین الحدیث والمذہب بعض اوقات ترک بھی کر دیا جائے۔ (واللہ اعلم)۔

جمعہ کی رات کو اور جمعہ کے دن کے دوران سورۃ کہف کی تلاوف کرنے سے متعلق کئی طریقوں اور اسناد سے فضائل روایت ہوئے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا جو شخص جمعہ کے دن سورۃ کہف کی تلاوت کرتا ہے قیامت کے دن اس کے لئے اس کے قدموں کے نیچے سے آسمان تک ایک نور روشن ہو گا۔ دیگر ایک حدیث ہے اس میں ہے کہ اس کے واسطے بیت العتیق سے نور پیدا ہو گا اور اس کے جملہ صغیرہ گناہوں کی بخشش کر دی جائے گی۔ گو ظاہری طور پر گناہوں کی بخشش میں بہت سی احادیث آئی ہیں یعنی ان میں صغیرہ و کبیرہ سب گناہ شامل ہیں۔ لیکن علماء نے صغائر کے ساتھ تخصیص کی ہے۔ واللہ اعلم۔

قیامت کے روز جمعہ کے دن کی فضیلت:۔ اس سارے کلام کا یہ خلاصہ ہے کہ دنیا میں اور روز آخرت بھی جمعہ کے دن کو بڑی عظمت اور شرف حاصل ہے۔ اس دنیاء میں اس کی عظمت اور شرافت ظاہر اور معلوم شدہ ہے۔ اور اس کی اخروی شرافت اور عظمت و فضیلت کے بارے میں ایک حدیث ہے وہ بزرگ فوائد اور عظیم حقائق پر مشتمل ہے اس لئے کہ اس حدیث میں ان لوگوں کی کیفیت و حالت پر دلالت ہے جو روز جمعہ کو نماز کے لئے حاضر آتے ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ سبحانہ کے عظمت و جلال اور انوار سے ایک پرتو میسر ہوتا ہے یہ اس چیز کا ایک نمونہ حاصل ہے جو قیامت کے دن ان کو اللہ تعالیٰ کا قرب اور دیدار ہو گا۔ یہ حدیث امام شافعی اور دوسرے ائمہ سے مروی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جبرئل علیہ السلام اس حالت میں میرے پاس آئے۔ کہ ان کے پاس ایک آئینہ ہے۔ اس میں ایک سیاہ رنگ کا نقطہ ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ جبرئل! یہ سفید آئینہ کیا ہے اور اس میں سیاہ نقطہ کیا چیز ہے۔ جبرئل نے کہا کہ اس آئینہ کی مثل ایسے ہے جیسے دوسرے دنوں کے مقابلہ میں جمعہ کا دن ہے۔ جس کو صفا اور نورانیت کے ساتھ اختصاص حاصل ہے۔ اس میں نقطہ وہ گھڑی ہے جمعہ دن کے دوران اور یہ سب اجزا میں اپنے امتیاز کے اعتبار سے مطابقت میں ہے اس لئے کہ سفیدی پر سیاہی اچھی طرح روشن ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ تحریر کے واسطے تمام رنگوں میں سے سیاہی کو اپنایا گیا ہے۔ نیز

جبریل نے بتایا کہ جمع کے دن کا نام یوم المزید ہے۔ میں نے پوچھا یوم المزید کے معانی کیا ہیں۔ اور اس روز کا نام یوم المزید کس سبب سے ہے جبریل نے جواب دیا کہ جنت کا ایک اعلیٰ درجہ فردوس ہے اس میں ایک وسیع میدان پیدا کر دیا گیا ہے۔ اس کی لمبائی اور چوڑائی کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ تعالیٰ کے اس میدان میں مشک کے ٹیلے ہیں وہ آسمانوں تک بلندیوں والے ہیں۔ جمعہ کا دن ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں میں سے جتنے فرشتوں کو وہ چاہتا ہے۔ وہاں بھیج دیتا ہے۔ اس کھلے میدان کے گرد نور کے منبر بنے ہوئے ہیں ان پر انبیاء جلوہ فرما ہیں۔ ان منبروں کے گرد اور بھی منبر ہیں جو یاقوت اور زبرجد سے بنے ہیں اور سونے سے مرصع ہیں۔ ان پر شہداء اور صدیقین تشریف فرما ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان خوشبوؤں کو ان کے ملبوسات اور چاروں جسم کے بالوں میں بسا دیتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوتا ہے۔ میں تمہارا رب ہوں تمہارے ساتھ میرا کیا ہوا وعدہ میں نے پورا کر دیا ہے اور تم لوگوں کو بہشت میں لایا ہوں۔ اب جو کچھ تم مانگنا چاہتے ہو مانگ لو۔ میں عطا کر دوں گا۔ تو وہ سب غرض کریں گے کہ رب ہم تیری رضا کے ہی خواہشمند ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہو گا۔ کہ اگر میں تم پر راضی نہ ہوتا تو تم کو جنت میں کیوں ٹھہرایا جاتا۔ اب اس سے زیادہ اور بڑھ کر تم مجھ سے طلب کرو۔ میرے پاس ہر چیز سے بڑھ کر چیز موجود ہے۔ اس لئے کہ میری نعمتوں اور فضیلت کے درجوں کی نہایت نہیں ہے اور اندازہ و شمار نہیں۔ آج کا روز یوم المزید ہے۔ اس پر سب لوگ بیک زبان بولیں گے۔ اے رب تعالیٰ! ہم کو اب تو اپنے وجہ الکریم کا دیدار کرا دے۔ تا کہ ہم دیکھ لیں اور سر کی آنکھوں سے دیکھیں۔ اس لئے کہ سب مقاصد اور مطالب اسی پر منتہا ہیں اس سے زیادہ ہم کو نہیں چاہتے۔ ازاں بعد کوئی سوال کرنے کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ موسیٰ علیہ السلام کا بھی مقصد یہ ہی تھا جس وقت انہوں نے سوال کیا تھا رب ادنی انظر الیک اے رب تعالیٰ مجھے اپنا جلوہ دکھا دیجئے کہ میں تیری طرف نظر کروں اور جس وقت اس سوال کا مناسب موقع آ گیا تو بڑے لطف و کرم اور مہربانی سے خود ہی یہ سوال پورا فرما دیا۔ اس لئے کہ یہ پتہ چل جائے۔ کہ سوال کو حاصل کرنے میں وقت کو اصل اصول کا درجہ حاصل ہے۔ اور پیش از وقت سوال کرنے والا محروم اور بے قرار رہتا ہے۔ شعر۔

سحاب الخیر له مطرا . فاذا جاء الایمان یحیی

اس کے بعد اللہ سبحانہ تعالیٰ ان لوگوں پر اپنی تجلی فرمائے گا۔ اپنے آپ کو بے حجاب انہیں دکھائے گا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنی نظر جمال و جلال سے کسی چیز کے ساتھ ان لوگوں کو ڈھانپ لے گا اس لئے کہ اس طرح اگر اللہ کی جانب سے نہ ہوتا کہ انہیں نہ جلایا جائے اور وہ جنت میں باقی رہیں جہاں کہ فنا و زوال نہیں ہے تو وہ ضرور سب جل جاتے۔ اللہ تعالیٰ کے دیدار اور نور جمال سے مشرف و منور ہونے کے بعد ان کو اللہ کی جانب سے فرمایا جائے گا۔ کہ تم سب اپنی اپنی منازل پر چلے جاؤ۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا بھی بندوں پر اس کی مہربانی و لطف ہو گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دائمی حاضری اور اس کی ذات میں دائمی استغراق کے یہ لوگ متحمل ہونے کی طاقت نہیں رکھتے۔ وہ تمام اپنی منزلوں پر روانہ ہو جائیں گے اور ہر کوئی اپنے حال پر لوٹ آئے گا۔ اور صفات کے پردوں میں جو اللہ تعالیٰ کی روایت کا مقام اور محل ہے وہ جنت کی نعمتیں دیکھیں گے۔ اور دوسری تجلی الٰہی کی خاطر استعداد و استحقاق حاصل ہو گا۔ ہر دو صورت میں مشہود ایک ہی ہے۔ یعنی کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہاں۔

شہود کی کیفیت مختلف و متفاوت ہوگی۔ پھر وہ اپنی منازل پر آجائیں گے۔ جبکہ ان میں سے ہر ایک کو اس مقام سے بلند تر مقام عطا کیا گیا ہوگا۔ جو کہ تجلی سے قبل ان کو حاصل تھا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ان کے حسن و جمال اور نورانیت کو جنت میں اضافہ عطا کر دیا جائے گا۔ اس لئے وہ جمال صفات ہے اور یہ جمال نور ذات کا ہے۔ اس کے بعد پھر اپنے حال پر آجاتے ہیں جبکہ یہ مرد عورتوں اور عورتیں مردوں سے مخفی ہوں گی۔ گو ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہوں گے پھر بھی نہ دیکھ سکیں گے۔ اس سبب سے کہ اللہ تعالیٰ کے نور ذات نے جو ان پر روشن تھا ان کو ان کے نوروں سمیت ڈھانپ لیا ہوگا۔ لہٰذا اپنے حال پر واپس آتے آتے انہیں ایک عرصہ گزر جائے گا۔ اس کے بعد وہ اس غلبہ سے رجوع ہوں گے اور اپنی صورتوں پر واپس آئیں گے جو قبل ازاں ان کی صورتیں تھیں۔ پھر وہ ایک دوسرے کو دیکھیں گے بھی اور پہچانیں گے بھی ان کی عورتیں ان لوگوں سے مخاطب ہوں گی کہ تمہاری صورتیں تبدیل ہو چکی تھیں ہمارے روبرو۔ پہلے والی ہیئت یا صورت باقی نہ تھی۔ اور اب صورت بالکل ہی مختلف ہے۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ تم اس قسم کے حسن و جمال کے حامل قبل ازیں نہ تھے اب کہاں سے حاصل کیا ہے۔ وہ مرد کہیں گے۔ ہمارا یہ حسن و جمال بنابریں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے جمال کی تجلی ہم پر فرمائی۔ اور جس طرح حق تعالیٰ نے چاہا ہم نے ذات باری تعالیٰ کا مشاہدہ کیا۔

اس مقام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی قسم بے شک کسی نے اس ذات باری تعالیٰ کا احاطہ کیا ہے نہ ادراک کیا ہے اور نہ ہی کوئی مخلوق اللہ تعالیٰ کی ذات کی کنہ تک رسائی حاصل کر سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جیسے اس کی اپنی رضا تھی انہیں اپنا عظمت و جلال دکھایا۔ نیز ارشاد فرمایا اور اللہ کی ذات پر نظر کرنے سے یہی مراد ہے۔ یہاں سے یہ ظاہر ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات تقدس سے جو کچھ ظاہر ہوا وہ نور عظمت و جلال ہی منظور تھا۔ نہ کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کی ذات اور عظمت و جلال اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں۔ اس دنیاء میں اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال کا مشاہدہ دل کے ساتھ ہوتا تھا۔ اور سر کی آنکھوں سے نہیں۔ الغرض جو کچھ بندہ کے مشاہدہ میں آئے گا۔ حقیقت و عرفان کہیں گے کہ وہ حق ہے اور جو چیز دیکھی ہوئی ہو اس کا احاطہ اور ادراک اور ہوتا ہے اور کسی کو دنیا میں بھی ان ہی معانی میں میسر تھا تو فرق یہ ہے کہ وہ بذریعہ دل تھا نہ بذریعہ چشم مثل ہے کہ ارباب عقل کا کہنا ہے کہ جسم رنگ صورت اور چمک اور تابانی جو مشاہدہ کی گئی ہے وہ جسم کی حقیقت کی کنہ نہیں ہے یہ تمام صفات جسم ہوتے ہیں۔ عرف میں باوجود اس طرح ہونے کے کہا جاتا اس طرح ہے کہ ہم نے جسم دیکھا۔ بہر حال اعتقاد اسی طرح ہونے چاہیے کہ اہل اسلام اللہ تعالیٰ کو یوم آخرت دیکھے گا۔ اور یہ دیدار ان کی آنکھوں میں ظاہر کیا جائے گا جس طرح دنیاء میں ہوتے ہوئے دل میں ظاہر تھا۔ اس معانی کا اعتقاد کر لیا جائے اور خاموشی اختیار کی جائے۔ اسی قدر کافی ہے۔ (واللہ اعلم۔)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے ارشاد فرمایا۔ مسلمانوں کو ہر جمعہ کے روز یہ کیفیت میسر ہوا کرے گی۔ اور پہلے جمعہ سے دوسرے جمعہ تک دو حصے بڑھ جائے گی۔ اور مسلمان کو جمعہ اس سبب سے محبوب ہے کہ مسلمانوں کا رب انہیں خیر و برکت کے ساتھ اور اپنے فضل و کرامت کے ساتھ مخصوص فرماتا ہے۔ چونکہ مسلمان خود خواہش نہیں کرتے۔ اور اللہ

سے مانگتے بھی نہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ بذات خود ان سے کہے گا۔ تم جو چاہتے ہو مجھ سے مانگو میں تمہیں عطا کروں گا۔ یقینی بات ہے کہ ان کا حال اسی طرح ہمیشہ رہے گا۔ یہ ہیں معانی یوم المزید کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے پڑھا۔

فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین جزآء بما کانو یعملون — کوئی نہیں جانتا کہ آنکھوں کی ٹھنڈک سے ان کے لئے کیا چھپا رکھا ہے۔ یہ بدلہ ہے ان کے عملوں کا۔

جمعۃ المبارک کا خطبہ مبارک:۔ وصل:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جس وقت منبر پر تشریف فرما ہوتے تھے۔ تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ آپ کے سامنے اذان شروع کر دیتے تھے۔ زمانہ نبوت کے دوران صرف یہ ہی اذان ہوتی تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ادوار میں بھی یونہی رہا۔ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کا زمانہ خلافت آیا اور لوگوں کی کثرت ہوئی اژدہام بڑھ گیا تو خطیب کے روبرو ہونے والی اذان سے پہلے ایک اذان کا حکم دیا گیا۔ یہ اذان مقام زورا" پر دی جاتی تھی۔ جو مسجد سے باہر مدینہ شریف کے بازار میں ایک مقام ہے۔ کچھ روایات میں آیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ اذان ظاہر فرمائی۔ اور بدستور عثمان رضی اللہ عنہ کے دور تک جاری ہی۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اس کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ہی ظاہر فرمایا تھا۔ حضرت عمر فاروق کے زمانہ میں جو کچھ ہوتا تھا۔ وہ اعلام تھا۔ اذان کے لفظ کے بغیر اور اس اذان کو بھی اذان ثانی کہا جاتا ہے حدوث کے لحاظ سے اور پہلی اذان کو اذان اول اس کے وجود کے لحاظ سے کہتے ہیں۔ اور تسمیہ اقامت باذان کے اعتبار سے اسے تیسری بھی کہا جاتا ہے۔ حدیث میں آیا ہے بین کل اذانین صلٰوۃ یہ اس لحاظ سے ہی ہے۔ حدیث شریف ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے زمانہ اقدس کے دوران اذانیں دو ہوتی تھیں۔

کچھ کے نزدیک اسی اذان سے وجوب سعی اور خرید و فروخت حرام ہو جاتے ہیں۔ جو کہ خطیب منبر پر بیٹھے تو دی جاتی ہے۔ یہ اذان اصالتاً" اور وجوداً" رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے زمانہ میں تھی۔ پس قرآن میں اللہ تعالیٰ اس ارشاد اذا نودی للصلٰوۃ من یوم الجمعۃ سے یہی اذان مراد ہے۔ لیکن علماء حضرات نے اس کو اصح قرار دیا ہے کہ اذان اول ہی معتبر ہے جس کا رواج بعد میں ہوا۔ شرط یہ ہے کہ زوال کے بعد وہ اذان کہی گئی ہو۔ جو اس کا مناسب وقت ہے کیونکہ اس سے لوگوں کو خبردار کرنے کا مقصد وابستہ ہے۔ اور یہ زوال کے بعد ہی حاصل ہوتا ہے۔ اور جو اذان خطبہ کے وقت دی جاتی ہے۔ اس کا مقصد قوم کو تنبیہہ کرنا ہے کہ امام خطبہ کے لئے نکل چکے ہیں۔ لہٰذا خاموش ہو جائیں۔ نماز ترک کر دیں۔

دوسری اذان جس کو کچھ ممالک میں سنت جمعہ کی خاطر کہا جاتا ہے وہ حضور کے زمانہ میں نہیں تھی نہ ہی صحابہ کرام کے زمانہ میں تھی۔ اور ان سے بعد کے زمانہ میں بھی نہ تھی اور اسلامی شہروں میں اکثریت بلاد میں اس پر عمل نہیں کیا جاتا۔ اس کے بارے میں یہ پتہ نہیں چل سکا کہ کس نے اسے ایجاد کیا تھا اور کب سے رائج ہوئی ہے۔ پس ہونا اس طرح چاہیے کہ پہلی ہو تو سنتیں پڑھنی چاہئیں۔ اور آپ کو خواہش ہو تو اعلام کے طور پر کہیں۔ الصلوۃ۔ الصلوۃ۔ اس طرح کچھ عالموں سے

دیکھا گیا ہے۔

کچھ کتب میں ہے کہ اذان اول بنو امیہ کی ایجاد کردہ ہے۔ غالباً" یہ اس لحاظ سے ہے کہ کچھ اہل تحقیق نے کہا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حکم دیا تھا کہ یہ اذان مقام زورا" پر دیں اور اس کو ہشام بن عبدالمالک نے مسجد میں منتقل کر دیا۔ (واللہ اعلم) بہر لحاظ یہ خلفاء راشدین کی ایجاد کردہ ہے۔ اس بدعت نہ کہیں اور اگر بعض اسلاف نے اس کو بدعت کہا ہے تو اس سے مراد ہے کہ یہ زمانہ نبوت میں نہ تھی۔ یہ کہنے سے ان کا مقصد اس کی مذمت کرنا نہیں ہے۔ جیسے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے تراویح کی جماعت کے متعلق روایت ہوا ہے۔ کہ آپ نے کہا نعمت البدعۃ ھذہ یہ کتنی اچھی بدعت ہے۔ اور تمام بدعات حسنہ کی یہ ہی حکم ہے اور فعل عثمان پر اجماع سکوتی ہے۔ اس لئے کسی ایک فرد سے بھی اس پر انکار نقل میں نہیں آیا ہے۔ (فتدبر)۔

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جب خطبہ ارشاد فرماتے تھے تو لوگوں کے زیادہ اشتیاق اور مبالغہ کے باعث آپ کی آواز مبارک اس قدر بلند ہو جاتی تھی کہ بہ نسبت شروع کے آنحضور کی آنکھیں مبارک ہو جاتی تھیں۔ اور عظمت اور جلال کے انوار تاباں سے روشن ہوتی تھیں۔ تبلیغ کی تابانی کے ظہور، اور اقرار میں حضور اس حد تک پر جوش ہو جاتے تھے گویا کہ آنحضور کسی لشکر کو ڈرا رہے ہیں دھمکا رہے ہیں اور ارشاد فرما رہے ہیں۔ کہ صبحکم و مساکم تمہاری صبح اور تمہاری شام ہونے کو ہے۔ اور لشکر کو ڈرانا اس وقت کہتے ہیں۔ جب اس کو کسی قوم سے تعلق دے کر ڈرایا جائے یعنی کہ ان پر فلاں فلاں قوم کی فوج حملہ آور ہونے والی ہے۔ اور اپنے لشکر کو خبردار کیا جاتا ہے کہ صبح کو تم پر تاخت و تاراج کرنے والے ہیں۔ یا شام کے وقت حملہ کرتا ہے اور شبخون مارتا ہے۔ بعد ازاں یہ فرماتے تھے۔ اما بعد فان خیر الحدیث کتاب اللہ وخیر الھدی ھدی محمد وشر الامور محدثاتھا وکل محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ (رواہ مسلم)۔ کچھ احادیث میں اس قدر زائد آیا ہے کہ وکل ضلالہ فی النار اور خطبہ میں الفاظ اما بعد حمد و ثنا کے بعد کہنا سنت ہے بخاری شریف میں اس ضمن میں علیحدہ ایک باب باندھا گیا ہے اور فتح الباری میں آیا ہے کہ اس میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ سب سے پہلے کس نے یہ کلمات استعمال کئے تھے ایک مرفوع حدیث حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی طبرانی شریف میں ہے۔ کہ داؤد علیہ السلام نے یہ کلمہ کہا اور شعبی سے بھی مرفوع حدیث میں یوں ہے کہ جو خطبہ داؤد علیہ السلام نے دیا وہ بہترین خطبہ۔ (ان کے متعلق کتاب اللہ میں) فرمایا ہے۔ و اتیناہ الحکمۃ ہم نے انہیں حکمت عطا فرمائی۔ اور بہترین خطاب یہ کلمہ ہے اور بعض نے کہا ہے کہ سب سے اول خطبہ دینے والا شخص یعرب بن قحطان تھا ایک قول کے مطابق کعب بن لوئی تھا۔ ایک اور قول کے مطابق سحبان بن وائل اور ایک قول کے مطابق قس بن ساعدہ ہے۔ اول قول جو ہے وہ اشبہ اور اثبت ہے ان اقوال کی جمع اور تطبیق کے بارے میں یوں ہے کہ پہلا قول حقیقی اولیت میں آیا ہے۔ باقی کے اقوال لوگوں میں اضافی ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جب خطبہ ارشاد فرماتے تھے تو کمان یا عصاء پر ٹیک لگایا کرتے تھے۔ ہاتھ میں تلوار یا

نیزہ وغیرہ نہیں پکڑا کرتے تھے۔ بعض نے کہا ہے کہ جب آپ جنگ کے میدان میں خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔ تو کمان اور تلوار پر ٹیک ہوتی تھی۔ اور جمعہ کے خطبہ کے دوران عصاء پر ٹیک ہوتی تھی۔ فقہ حنفی کی کچھ روایات میں ہے کہ تلوار یا عصاء پر ٹیک مکروہ ہے۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ مکروہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ سنت میں ہے۔ بعض اس طرح کہتے ہیں کہ جس شہر کو غلبہ سے یا جنگ کے ذریعے فتح کیا ہے مثلاً مکہ شریف وغیرہ۔ وہاں پر ٹیک ہتھیاروں پر لگائی جاتی ہے اور جہاں صلح کے ساتھ ہوا تھا۔ مثلاً مدینہ طیبہ۔ ایسے مقامات پر عصاء پر ٹیک ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حرم مکہ میں شوافع حضرات کی ٹیک تلوار پر ہوتی ہے۔ اس لئے کہ ان کے قول کے مطابق ان کی فتح غلبہ کے طریقے سے ہے۔ لیکن وہاں احناف عصاء پر ٹیک لگاتے ہیں۔ اس لئے احناف کے نزدیک صلح سے فتح ہوئی تھی ہم اس کو اپنی جگہ پر انشاء اللہ بیان کریں گے۔

مولف سفر السعادت نے فرمایا ہے کہ کمان یا عصاء پر ٹیک منبر شریف بنایا جانے سے قبل لگاتے تھے۔ منبر بن جانے کے بعد یہ امر محفوظ نہیں کہ ٹیک کس چیز پر آپ لگاتے تھے۔ نہ کمان سے اور نہ ہی عصاء وغیرہ کے ساتھ۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا خطبہ شریف مختصر ہوتا تھا۔ مراد یہ ہے کہ نماز کی نسبت سے خطبہ مختصر فرمایا کرتے تھے اور خطبہ کی نسبت نماز طویل ہوتی تھی ورنہ بمطابق مسلم اور ترمذی آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نماز معتدل قدم کی ہوتی تھی۔ نہ لمبی اور نہ ہی مختصر۔ ابوداؤد شریف کی حدیث میں اس طرح آیا ہے کہ آنحضور کا خطبہ اور آپ کی نماز درمیانہ درجے کے ہوتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ نماز لمبی کرنا اور خطبہ کو مختصر کرنا یہ آدمی کی دانشمندی اور فراست کی علامت ہے۔ ہم تسلیم کرتے ہیں۔ کہ اس کا یہ سبب تھا کہ وعظ و پند کے لئے ایک ہی حرف کافی ہے۔ بالخصوص رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طرف سے کیونکہ آپ مصدر جوامع الکلم اور غرائب حکم کے مظہر ہیں مرد کو طاعت اور عبادت الٰہیہ میں کوشاں رہنا چاہیے اور اپنی ذات کو آراستہ پیراستہ کرنے میں مصروف رہے۔ اس لئے کہ لما تقلون ما لا تفعلون مصداق نہ ہو جائے اور فرماتے ہیں کہ کردار کی ضرورت ہے۔ گفتار کی نہیں۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے افعال مبارکہ تعلیم امت کے ضمن میں تھے۔ اور آنحضور قول کے ساتھ تعلیم کو موکد کرتے تھے۔

امام اعظم ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے مطابق خطبہ فرض کی ادائیگی کے لئے الحمد للّٰہ یا لا الہ الا اللّٰہ یا سبحان اللہ کی مقدار کافی ہے اس سے زائد مسنون ہے اور مستحب ہے کیونکہ قرآن کریم میں آیا ہے **فاسعو الی ذکر اللّٰہ** اس سے خطبہ جمعہ ہی مفہوم ہے۔ اور اس مقدار کے مطابق ذکر الٰہیہ صادق ہے حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ تعالیٰ عنہ کا فعل تھا کہ آپ الحمد للّٰہ اور خطبہ ختم کر دیتے تھے۔ اس پر یہ دلیل کافی ہے۔ جس طرح کہ ہدایہ میں آچکا ہے۔

شیخ ابن الہمام نے اپنی شرح میں فرمایا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ قصہ احادیث میں ذکر نہیں ہوا۔ ہاں کچھ فقہ کی کتب میں ملتا ہے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم جس وقت مسجد میں داخل ہوتے تھے تو حاضرین کو سلام فرمایا کرتے تھے اور جب آپ منبر شریف پر ہوتے تھے تو اپنا چہرہ مبارک لوگوں کی طرف کرتے تھے اور دوبارہ اسلام فرماتے تھے اور پھر آپ منبر پر بیٹھا

کرتے تھے۔ دوران خطبہ کوئی کسی قسم کی ضرورت لاحق ہوتی یا کوئی سائل سوال پیش کرتا تھا تو خطبہ قطع فرما کر وہ ضرورت پوری فرماتے تھے۔ یا سائل کو جواب عطا فرماتے۔ پھر آپ خطبہ مکمل کرتے تھے۔ آپ جب دیکھتے تھے کہ امام حسن اور امام حسین کو دیکھ لیتے کہ وہ افتاں و خیزاں آ رہے ہیں۔ تو آنحضرت منبر سے نیچے تشریف لا کر انہیں اٹھا لیتے تھے۔ اسی طرح ایک مرتبہ ایک سائل آیا اور اس نے دین اسلام کے بارے میں سوال پوچھا۔ آپ منبر سے اتر آئے کرسی پر بیٹھ گئے بھی اور سائل کو تعلیم فرمایا۔ پھر آپ منبر پر تشریف فرما ہو گئے اور آپ نے خطبہ مکمل فرمایا۔ اگر حضور لوگوں کا اژدھام میں کسی فقیر کو یا محتاج کو دیکھ لیتے تھے تو حاضرین کو آپ رغبت دلاتے تھے کہ صدقہ و خیرات دیں اور اس کو کچھ عطا فرماتے تھے۔ کپڑا یا نقدی وغیرہ ہم یہ جانتے ہیں یہ سب امور علماء کرام آنحضرت کے خصائص میں شمار کرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

جب ساری جماعت حاضر ہو جاتی تھی تو آنحضرت اگر کاشانہ اقدس میں ہوتے تھے تو باہر تشریف لے آتے تھے برائے ارشاد خطبہ۔ اگر مسجد میں ہی موجود ہوتے تو صف سے باہر آتے اور منبر پر تشریف فرما ہوتے تھے۔ آپ اس وقت اکیلے ہوتے تھے۔ آپ کے آگے آگے کوئی خدمت گزار نہ ہوتا تھا جس طرح کہ آج کل لوگوں میں رواج و متعارف ہے حرمین شریفین میں یوں ہے کہ جمعہ یا عیدین کے خطبہ کے واسطے ایک بڑی جماعت کی معیت میں بڑی آن بان اور شان کے ساتھ باہر نکلتے ہیں لیکن آنحضرت کے آگے کوئی نہیں ہوتا تھا جو کہتا کہ ہٹو بچو وغیرہ۔

صاحب سفر السعادت کا قول ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عادی لباس چادر، رومال اور سیاہ رنگ کے ملبوسات نہ تھے لیکن مشکوۃ شریف میں بحوالہ مسلم بروایت عمرو بن حرث مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطبہ اس حال میں ارشاد فرماتے تھے کہ سر پر سیاہ رنگ کا عمامہ ہوتا تھا۔ اس کا شملہ دونوں کندھوں کے درمیان چھوڑا ہوا تھا۔ اور بروز جمعہ سیاہ رنگ کا لباس پہننا مستحب ہے۔ عندالاحناف سب اوقات ہیں۔ نیز یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بوقت خطبہ خاموشی کے ساتھ خطبہ سننے کا حکم فرماتے تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ جب امام خطبہ دے رہا ہو۔ اس حالت میں اگر کوئی شخص بات کرتا ہے تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے وہ گدھا جس پر کتابوں کو لادھا ہوا ہو۔ یہ تعریض ہے مذہب یہود پر۔ اس لئے یہ آیت یہودیوں کے حق میں نازل ہوئی تھی۔ کمثل الحمار یحمل اسفارا ظاہری طور پر یہود کا یہ حال ہوتا تھا کہ خطبہ کے دوران وہ باتیں کرتے رہتے تھے۔ یہ بے عمل عالم کی مثال دی گئی ہے۔ وہ کتابیں اٹھانے کی مشقت کو برداشت کر لیتا ہے لیکن ان سے کوئی فائدہ نہیں لیتا علاوہ ازیں آنحضرت نے یہ بھی فرمایا کہ خطبہ کے وقت اگر کوئی آدمی اپنے ساتھی سے کہتا ہے کہ بیٹھ جاؤ یا کہتا ہے چپ رہو۔ تو وہ بالیقین لغو کہتا ہے کیونکہ خاموش رہنے کے لئے کسی کو کہنا بات کرنے میں شمار کیا جاتا ہے۔ کسی کو خاموش کرانے کے لئے اپنے ہاتھ کا اشارہ کریں اور جو لغو بولا۔ اس کا کوئی جمعہ نہیں ہے۔ اور بروجہ کمل اس کا ثواب بھی نہیں ہے۔ لغو کلام غیر مشروع ہوتا ہے۔ اور عبث' صراح میں لغو کے معانی دیئے گئے ہیں۔ بے ہودہ بکواس کرنا۔ اکثریت علماء کی خاموش رہنے کو واجب گردانتی ہے۔ ان میں سے امام ابو حنیفہ بھی ہیں۔ مذہب امام مالک بھی یہی ہے۔ کچھ اسے مستحب کہتے ہیں ان میں سے امام شافعی ہیں۔ مواہب لدینہ میں لکھا ہے کہ امام شافعی سے دو قول آئے

ہیں۔ امام احمد سے بھی دو روایات آئی ہیں اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ابن عبدالبر نے خاموشی کے واجب ہونے کے حق میں اجماع نقل کیا ہے لیکن بہت تھوڑے تابعین سے۔

دوران خطبہ سلام و چھینک کا جواب:۔ جواب اور چھینک کے جواب دینے کے متعلق علماء کی رائے مختلف ہے بعض اسے مکروہ سمجھتے ہیں اور بعض رخصت دیتے ہیں۔ مذہب ابو حنیفہ یہ ہے کہ جب امام خطبہ کے لئے نکلتا ہے اس وقت سے لے کر نماز کے شروع کرنے تک نماز اور کلام دونوں چیزیں حرام ہیں۔ اگر نماز میں مشغول ہے جبکہ امام خطبہ شروع کر دیتا ہے۔ تو دو رکعت پر ہی نماز ختم کردی جائے اور صاحبین کے نزدیک یہ ہے کہ امام نکل آئے تو اس وقت سے خطبہ شروع کرنے سے پہلے تک اور خطبہ ختم کر کے منبر شریف سے نیچے اتر جانے کے بعد نماز کی تکبیر سے پہلے بات کرلی جائے تو اس میں حرج نہیں ہے۔ کیونکہ ان اوقات کے دوران کچھ سننا نہیں ہوتا بخلاف نماز کے کیونکہ اس میں درازی ہوتی ہے۔ اس لئے کہ اس کو قطع کرنا خطبہ کے آغاز کے وقت ممکن نہیں ہوتا اور کہا گیا ہے کہ یہ انقطاع نفل نماز کے لئے ہے فوت شدہ قضاء نمازیں خطبہ کے دوران جاری رکھنا بغیر کسی کراہت کے صحیح ہے۔

جب آدمی فاصلے پر دور بیٹھا ہو اور اسے آواز سنائی نہ دیتی ہو تو وہ خاموش رہے یا کہ نہ اس بارے میں اختلاف علماء ہے۔ مختار یہ ہے کہ خاموش ہی رہے کچھ متاخرین نے فرمایا ہے کہ خطبہ کے وقت پر دور بیٹھنا یا جب باشاہوں کی تعریفیں بیان ہو رہی ہوں ذکر اور تسبیح میں مشغول رہنا بہتر ہوتا ہے۔ شرح ابن الھمام میں مندرج ہے کہ خطبہ کے دوران کلام کرنا حرام ہے۔ خواہ امر بالمعروف اور تسبیح و تہلیل ہی کیوں نہ ہو کھانا پینا لکھنا حرام ہے۔ سلام کا جواب دینا یا چھینک کا جواب دینا مکروہ ہیں۔ امام ابو یوسف کی ایک روایت میں ہے کہ مکروہ نہیں ہے کیونکہ یہ فرض ہے۔ اس کا جواب اس طرح ہے کہ فرض ہے اگر سلام میں اذان ہو اور اس سبب سے بھی کہ ہر وقت سلام کا جواب دینا ممکن ہے۔ بخلاف خطبہ کے۔ اور دل ہی دل میں درود پاک بھیجے تا کہ خطبہ سننے سے باز نہ رہے یہی بہتر ہے اور چھینک کے وقت دل میں حمد بھی کرلے اور منکرات سے باز رہنے کی ترغیب و تلقین اگر آنکھ یا ہاتھ کے اشارہ سے کی جائے تو مکروہ نہیں ہے۔ (وھوا لصحیح) اور کتاب پر نظر ڈالنا اور قلم سے درستی کرنا اس بارے میں امام ابو یوسف سے عدم کراہت کے حق میں ایک روایت آئی ہے۔ انتہیٰ۔

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ والہ وسلم جمعہ کی نماز میں اول رکعت میں سورۃ جمعہ دوسری رکعت میں سورۃ منافقون پڑھا کرتے تھے۔ بعض اوقات آپ سبح اسم ربک الاعلی اور ھل اتک حدیث الغاشیہ تلاوت کرتے تھے اور دونوں عیدین کے مواقع پر بھی یہی پڑھا کرتے تھے۔ اگر عید جمعہ کے روز پر واقع ہوتی تھی تو دونوں نمازوں میں یہ ہی دو سورتیں تلاوت کیا کرتے تھے۔

آنحضرت کی تہجد کی نماز کا بیان:۔ وصل:۔ تہجد کا لفظ ہجود سے بنا ہے۔ ہجود کے معنی ہیں نوم (نیند) اور تہجد کا معنی ہوتا ہے ترک نوم۔ جیسے تاثم کے معانی ہیں ترک اثم اور تخبث کے معانی ہوتے ہیں ترک خبث۔ یہاں پر ترک نوم

سے مراد ہے استیقاظ جس کا مطلب بیداری ہے۔ کیونکہ سو کر بیدار ہونے پر تہجد کی نماز ادا ہوتی ہے اور اس بارے میں اختلاف ہے کہ قیام لیل یعنی نماز تہجد آنحضرت پر فرض تھی یا کہ سنت۔ ہر گروہ اسی آیت پاک سے استدلال کرتا ہے۔ فتہجد بہ نافلۃ لک جو گروہ قیام لیل کو سنت کہتا ہے وہ نافلہ سے مراد نفل لیتا ہے۔ جس کے معانی ہیں فرض پر زیادتی۔ اور جو گروہ فرض کہتا ہے وہ نافلہ کا معنی "زیادہ" کرتے ہیں۔ لغوا" جس کے معانی نفل کے ہیں۔ مراد یہ کہ فرائض پر زائد فریضہ۔ اگر نافلہ تطوع کے معانی ہیں ہوتا تو پھر نافلۃ لک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مفید اختصاص جو کہ ہے وہ نہ ہوتا کیونکہ نفل اور تطوع کا اختصاص آنحضرت کے ساتھ نہیں ہے بعض کا قول ہے کہ اس سے مراد درجات کی زیادتی ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں تطوع ہے اس لئے کہ آنحضرت مطلقاً" مغفور ہیں اور آپ معصوم ہیں لہٰذا رفع درجات کے سواء اور کچھ یہاں مراد نہ ہے۔ یہ آپ کا اختصاص ہے آپ کے سوا دوسروں کے واسطے کفارہ ذنوب بھی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خواہ کچھ بھی ہوتا قیام لیل ترک نہ کرتے تھے۔ سفر و حضر گویا کہ ہر حالت میں اس کا پورا التزام فرماتے تھے۔ کسی وقت پر اگر کسی بیماری کے باعث یا قوم کے غلبہ کے سبب سے تہجد فوت ہو جاتی تھی۔ تو دن چڑھے قبل از زوال آفتاب اس کے بدلے میں بارہ رکعت ادا فرماتے تھے۔ ظاہری طور پر اس سے بھی آنحضرت پر وجوب تہجد معلوم ہوتا ہے۔ آپ کا قیام اس قدر ہوتا تھا کہ آنحضرت کے پاؤں مبارک سوج جاتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں آیا ہے کہ آپ کے مبارک قدموں میں شگاف پڑ جاتا تھے۔ کچھ اہل تفسیر اس آیت کی تفسیر ان لن تحصوہ فتاب علیکم میں فرماتے ہیں کہ رات کا قیام واجب ہے مطابق اس تفسیر کے جس کے اوقات کے حفظ کے بارے میں قرآن میں آیا ہے۔ تہائی شب۔ یا نصف شب یا دو تہائی رات ازاں بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور آنجناب کے صحابہ ایک سال تک قیام لیل کرتے رہے۔ پھر یہ آیت منسوخ کر دی گئی۔ اس بارے میں اب بھی اختلاف ہے کہ یہ نسخ مخصوص بامت ہی ہے یا کہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی آتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

نماز تہجد کی رکعتیں:۔ علماء نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تہجد کی نماز کی رکعتیں تعداد میں تیرہ ہوتی تھیں۔ پانچ دفعہ دو دو رکعتیں اور تین رکعت وتر کی یا ایک رکعت وتر۔ ہم وتر کی تین رکعتیں پڑھتے ہیں۔ شافعی کے نزدیک وتر کی ایک رکعت ہے لیکن وہ یوں ہے کہ اس سے قبل دو رکعت ادا کرے اور سلام پھیر کر ایک رکعت وتر کی پڑھے۔ جب وتر کے متعلق امام احمد سے پوچھا۔ تو انہوں نے کہا کہ ایک وتر کی حدیث اکثر و اقویٰ ہے میں بھی اس کا قائل ہوں۔ اور آپ نے فرمایا کہ دو رکعت پر سلام پھیرے۔ اگر سلام نہیں پھیرتا تو اور وتر کی تین رکعتیں ادا کرلے۔ اس طرح مجھے امید ہے کہ کوئی نقصان نہیں ہوگا۔

راقم الحروف (شیخ محقق) نے سفر السعادت کی شرح میں اسی تقویت کے ساتھ وتر کی تین رکعتوں کا اثبات کیا ہے۔ یعنی کہ اگر ایک رکعت پر زیادتی نہ ہوگی تو تین رکعتوں سے کم بھی نہیں ہوں گے (واللہ اعلم) جو لوگ ایک رکعت کے قائل ہیں۔ وہ اسے یوں ادا کرتے ہیں کہ پہلے دو رکعت ادا کرتے ہیں اور سلام پھیرتے ہیں۔ لیکن تین رکعت تسلیم کرنے

والے لوگ سلام نہیں پھیرتے ہیں اور حدیث پاک میں ایک رکعت پڑھنا ممنوع وارد ہوا ہے۔ شوافع حضرات اس کو رکعت مفردہ مستقلہ کی حیثیت سے بغیر ملانے کے دور کعتیں پر محمول کر لیتے ہیں۔

حدیث کے کچھ علماء نے کہا ہے کہ نماز تہجد آنجناب کی گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہ تھی۔ تیرہ رکعت والی حدیث بھی صحیح ہے۔ لیکن اس میں فجر کی دو سنتیں مراد ہیں مراد یہ کہ صلوٰۃ شب تو گیارہ رکعتوں پر ہی مشتمل ہے لیکن ان کے ساتھ فجر کی دو رکعت سنت بھی شمار کر کے تیرہ رکعتیں گن لیتے ہیں اور صحیح یہ ہے کہ بغیر دو رکعت سنت فجر شامل کرنے کے تیرہ رکعتیں درست ہیں۔ اور نو اور پانچ اور سات رکعت کی وتر شامل کرنے کے ساتھ بھی روایات آئی ہیں اور کبھی ساری رات کی نمازوں پر وتر کا اطلاق آیا ہے۔ وہ اس حکم کے مطابق ان اللہ وتر و یحب الوتر اللہ تعالیٰ طاق ہے طاق ہی کو پسند کرتا ہے اس میں مخصوص فضیلت بھی ثابت شدہ ہے اور دن کی نمازوں میں مغرب کی نماز شامل کر کے اس پر بھی اطلاق وتر کیا گیا ہے۔ کیونکہ فرمایا ہے کہ صلوٰۃ المغرب وتر النہار مغرب کی نماز دن کا وتر ہے۔ آنحضرت کھڑے ہو کر شب کی نماز ادا کرتے تھے۔ قرات لمبی کیا کرتے تھے۔ مثلاً سورۃ بقر' سورۃ آل عمران' سورۃ نساء' سورۃ مائدہ اور سورۃ انعام وغیرہ لمبی سورتیں آپ پڑھا کرتے تھے۔ رکوع و سجود و قومہ بھی قرات انداز میں لمبا ہی فرماتے بعض راتوں کو ایک ہی آیت بار بار پڑھتے ہوئے تمام شب گزار دیتے تھے۔ وہ یہ آیت ہے فان تعذبھم فانھم عبادک۔ وان تغفر لھم فانک انت العزیز الحکیم اور ہر آخری دوگانہ اول دوگانہ سے ہلکا کر دیتے تھے۔ آنحضرت نے اپنی عمر کے آخری حصے میں بیٹھے بیٹھے بھی دوگانہ ادا کئے ہیں۔ جب آپ بیٹھ کر پڑھتے تھے تو رکوع و سجود بھی بیٹھ کر ہی ادا کرتے تھے۔ بعض اوقات آپ بیٹھ کر پڑھتے ہوتے جب قرات اختتام کے قریب ہوتی یعنی اپنے آخری حصہ پر تو آنجناب اٹھ کھڑے ہوتے اور پڑھتے رکوع کرتے اور پھر آپ سجدہ ریز ہوتے۔ اسی طرح اور دوسری رکعت میں آپ کرتے یا پھر بیٹھ کر ہی دوسری رکعت پوری کر لیتے اور یا کھڑے ہو کر پڑھ لیتے تھے۔ ترمذی شریف میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے روایت آئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کو میں نے کسی وقت بھی بیٹھے ہوئے نفل پڑھتے نہ دیکھا تھا سوائے چند برسوں میں وصال شریف سے پہلے صحیحین میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت آئی ہے جب عمر شریف کے آخر پر گرانی ظاہر ہوئی تھی تو اکثر اوقات اپنی نمازوں کو بیٹھ کر پڑھتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم جب بیٹھ کر نماز ادا کرتے تھے تو آپ کے جلوس کی صورت چہار زانو ہوا کرتی تھی۔ حدیث کے حافظوں نے اس پر طعن کیا ہے اور اس کے استحباب اور جواز اور مکروہ ہونے میں فقہاء میں بھی اختلاف ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک بیٹھنے کی ہیئت اس طرح ہے جیسے کہ تشہد میں ہوتی ہے۔ دیگر ایک روایت کے مطابق احتباء اور تربع بھی وارد ہوا ہے۔ علاوہ ازیں امام یوسف سے احتباء کی روایت وارد ہے۔ اور امام محمد سے تربع کی۔ اور تشہد کی مانند بیٹھنے میں فضیلت ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔ آنحضرت جب بیٹھ کر نماز پڑھتے تھے تو سورتیں چھوٹی پڑھتے تھے۔ اور ترتیل لمبی کرتے تھے حتیٰ کہ قرات لمبی ہو جاتی تھی پھر اسی کے موافق سجدہ بھی طویل میں کرتے تھے۔ اس روایت سے یہ دلیل

ملتی ہے کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے والا رکوع و سجود اور دیگر سب ارکان پورے طور سے ادا کرے تاکہ قیام کے ترک تلافی ہو جائے۔ اس طرح نہیں کہ جس طرح جاہل لوگوں کا شیوہ ہے اور عادت ہے کہ عجلت اتنی کرتے ہیں کہ کوئی بھی رکن پورا ادا نہیں کرتے۔ اور ان کی خواہش ہوتی ہے کہ ان پر جو گنتی لازم ہے وہ پوری کرلیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کی نماز ہلکی سی دو رکعتوں سے آغاز فرماتے تھے۔ پھر اسے بتدریج لمبا کرتے جاتے تھے۔ اور قیام کی کیفیت کے بارے اور رکعتوں کی تعداد سے متعلق کئی روایت ہیں۔ عبادت گزاروں کو یہ اختیار سونپا گیا ہے کہ ان اقسام کہ ان اقسام اور انواع میں دوام اختیار کریں اور ان میں سے ہر نفل مختلف اوقات پر عمل میں لایا جائے۔ یہی طریقہ اور سلوک اتباع سنت میں شمار ہے اور انسب ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی تو نماز وتر رات کے اول حصہ میں ادا فرماتے تھے اور کبھی رات کے آخر میں اکثر اوقات آخر پر ہی پڑھتے تھے' جامع الاصول میں بحوالہ ترمذی شریف حدیث روایت کی گئی ہے کہ جب آنحضرت نے اس دنیا سے رحلت فرمائی عمر کے آخر میں آنجناب کا وتر بوقت سحر پورا ہوا تھا۔ ترمذی شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جس آدمی کو خدشہ ہو کہ آخر شب وہ اٹھ نہ سکے گا تو اسے اول شب میں وتر ادا کرلینا چاہیے اور پھر سوئے اور جسے بہ امید ہوتی ہے کہ آخر شب بیدار ہو جائے گا۔ تو یقینی بات ہے کہ آخر شب کی نماز محفوظ اور مشہور ہے۔ اور یہ ہی افضل ہے کچھ صوفیوں سے سننے میں آیا ہے کہ آخری حصہ رات کے دوران وتر پڑھنا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بڑا اونچا مقام رکھتا ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا تھا کہ آخذ هذا بالحذر مراد یہ ہے کہ انہوں نے یہ طریقہ بیدار نہ ہو سکنے کے خدشہ کے پیش نظر اختیار کیا ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا کہ اخذ هذا بالقوة جاگ اٹھنے پر قدرت اور قوت رکھتے ہوئے انہوں نے یہ طریقہ اپنایا ہے۔

المختصر یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکثر الاحوال آخر شب کے وقت طلوع فجر سے قبل وتر پڑھا کرتے تھے کبھی کبھی آپ اول شب میں یا رات کے درمیانی وقت پر پڑھ لیتے تھے۔ پھر آپ تہجد پڑھنے کے لئے اٹھا کرتے تھے تو وتر دوبارہ نہیں پڑھتے تھے۔ ترمذی شریف میں حدیث شریف ہے کہ آنجناب نے فرمایا لا وتر ان فی لیلة یعنی ایک رات کے دوران دو وتر نہیں ہوتے۔

شرح ہدایہ میں شیخ ابن الہمام نے فرمایا ہے کہ جس شخص نے اول شب کے وقت وتر ادا کر لئے۔ اگر وہ تہجد کے لئے اٹھتا ہے تو وتر کا اعادہ نہ کرے۔ ان کا استدلال اسی حدیث سے ہے۔ نیز یہ بھی وجہ ہے کہ دو وتر گزارنے کی صورت میں ایک وتر ان میں نفل ہو جائے گا اور نفل کی صورت میں وتر شریعت میں نہیں آیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وتر پڑھ لینے کے بعد ہلکی سی دو رکعت پڑھتے تھے اور ان میں۔ اذا ذلذلة الارض اور قل یاایها الکافرون پڑھا کرتے تھے۔ امام مالک نے اور ان دو رکعتوں سے انکار کیا ہے اور امام احمد کا قول ہے کہ میں

یہ خود کرتا نہیں لیکن دوسروں کو اس سے منع بھی نہیں کرتا۔ اس بارے میں علماء یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف جواز بیان کرنے کے لئے یہ عمل کر کے دوسروں کو بتایا ہے۔ بعض کے نزدیک ان سے نماز فجر کی دو سنتیں مراد ہیں اور کچھ کہتے ہیں کہ یہ دو رکعت وتر ہیں اور ایک حدیث میں روایت ہوا ہے کہ وتروں کے بعد دو رکعتیں پڑھنا قیام لیل کی بجائے ہو جاتا ہے اور یہ اس اعتبار سے ہو گا کہ کسی شخص نے وتر اول حصہ شب میں پڑھ لیا ہو گا۔

وتر ادا کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلی رکعت میں سبح اسم ربک الاعلی اور دوسری میں قل یاایہا الکافرون اور تیسری میں قل هو الله احد پڑھا کرتے تھے۔ کچھ روایات میں قل هو الله احد اور معوذتین بھی مذکور ہوئی ہیں لیکن اس بارے میں مختار اول ہی ہے۔ شیخ ابن الھام بھی اسی طرح فرماتے ہیں لوگوں میں جو اول رکعت میں انا انزلناه لیلة القدر پڑھنا معروف ہے۔ یہ کسی حدیث میں روایت نہیں ہوا۔ نہ ہی آثار میں آیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ کچھ فقہی روایات میں یہ مذکور ہوا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وتروں کا جس وقت سلام پھیرتے تھے۔ تو تین مرتبہ آپ پڑھا کرتے تھے۔ سبحان الملک القدوس تیسری بار جب پڑھتے تو اپنی آواز مبارک بلند فرما لیتے تھے اور حروف کو کھینچ کر (لمبا کر کے) پڑھتے تھے۔

نماز فجر کی سنتوں کا ذکر۔ وصل:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب سنت فجر دو رکعت ادا کر لیتے تھے تو اپنے دائیں پہلو مبارک پر تھوڑی دیر ستاتے تھے۔ حضرت آئشہ صدیقہ (ہماری ماں) رضی اللہ عنہا نے روایت کیا ہے کہ آنحضرت جس وقت سنت فجر ادا کر لیتے تھے اس وقت اگر جاگ رہی ہوتی تھی تو میرے ساتھ آپ گفتگو فرماتے تھے اور اگر نہ جاگتی ہوتی تو آپ لیٹ جاتے تھے۔ جب تک کہ آپ کو نماز کے لئے اطلاع دی جاتی تھی۔ بخاری نے اس کے ساتھ دائیں پہلو کو اضافہ کیا ہے۔ اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ آپ سنت فجر کے بعد باتیں کیا کرتے تھے۔ ترمذی شریف میں امام ترمذی نے اس ضمن میں ایک مستقل باب باندھا ہے "تعکم بعد لز رکعتیں فجر" اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک حدیث روایت کی ہے کہ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب فجر کی دو رکعت سنت ادا کر چکتے تھے تو ضرورت ہوتی تو میرے ساتھ باتیں کرتے تھے ورنہ آپ نماز کے لئے باہر تشریف لے جایا کرتے تھے اور کہا ہے کہ یہ حسن صحیح حدیث ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کچھ اہل علم اصحاب اور تابعین رضی اللہ عنہم نے فجر طلوع ہو جانے کے بعد نماز فجر سے فارغ ہو جانے تک بات کرنا مکروہ سمجھا ہے۔ لیکن وہ مکروہ ہے نہیں جو کہ ذکر الٰہیہ سے جنس سے ہو۔ یا کوئی بات ہو جس کے بغیر چارہ ہی نہ ہو اور کہا ہے کہ امام احمد اور اسحاق کا قول بھی یہ ہی ہے۔ انتہیٰ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلام فرمانا اس طرح کا تھا جس طرح کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما نے بتایا ہے۔ کہ فان کانت کانت لہ الی حاجتہ یہ کلمہ اس قول کی دلیل ہے۔ فرض کر لیں کہ اگر آپ کا وہ کلام ذکر الٰہیہ کی قبیل سے نہ ہو اور ضرور بھی نہ ہو پھر بھی اس سے سنت باطل نہیں ہوتی کہ اس کا اعادہ کرنا پڑے۔ سوائے اس کے کہ کراہت تکلم کی بنا پر بر آں وقت احتیاط کے طور پر اور تکمیل کی خاطر اعادہ کر لے۔

مکۃ المکرمہ میں ایک دفعہ کسی شخص نے مفتی مکہ اور سب سے بڑے فقیہہ شیخ علی بن قاضی جار اللہ سے کہا کہ ہمارے شہروں میں لوگ فجر کی سنتوں کے بعد بات کرنا سنت کو باطل کرنے والا سمجھتے ہیں۔ تو انہوں نے فرمایا سبحان اللہ التکلم خارج الصلوٰۃ یبطل الصلوٰۃ۔ اور نماز سے خارج وقت پر بات کرنے سے نماز باطل ہو۔ حیران کن بات ہے۔ کچھ اہل ظواہر فجر کی سنتوں کے بعد لیٹنا فرض کہتے ہیں یہ اس حدیث کے سبب سے جو جامع ترمذی میں روایت کی گئی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اذا اصل احد کم الرکعتین قبل الصلوٰۃ الصبح فلیضطجع علی جنبہ الایمن

تم میں سے کوئی جب فجر کی سنت کی دو رکعتیں ادا کرلے تو چاہیے کہ فجر کی نماز سے قبل دائیں پہلو پر زمین پر لیٹ جائے اور بعض مبالغہ کرتے ہیں فرض کے واسطے صحت کو شرط قرار دیتے ہیں۔ علماء کی ایک جماعت اس میں کراہت کی قائل ہے اور کہتے ہیں کہ یہ بدعت ہے۔ حالانکہ یہ ہردو اقوال بعید از حقیقت ہیں۔ فرضیت اس لئے بعید ہے کہ بعض احادیث میں لیٹنے کا تذکرہ نہیں ہے اور اس کا بدعت ہونا اس لئے بعید ہے کہ حدیث صحیح سے ثابت ہو چکا ہے۔ جمہور علماء نے درمیانی راہ اختیار کی ہے اور اس کے مستحب ہونے کا حکم دیا ہے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اگر استراحت کی خاطر ہے تو محمود ہے ہمارے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح ہی فرمایا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا یہ عمل بغرض استراحت ہوتا تھا۔ اور تعبد کے طریق پر نہیں تھا۔ اور دائیں پہلو پر لیٹنے کی وجہ یہ تھی کہ آنحضور کی عادت ہی یہ تھی کہ دائیں پہلو پر لیٹتے تھے۔ اس لئے کہ یہ طریقہ گہری نیند نہ لانے کے لئے بڑا موثر ہوتا ہے اور قیام کی خاطر جاگنے کے لئے آسان تر ہے۔ جس طرح کہ اس کے مقام پر ظاہر ہو چکا ہے۔

شب برات پر قیام:۔ جہاں تک نصف ماہ شعبان کی شب کو آنحضرت کا قیام فرمانا یعنی شب برات کو آپ کا قیام حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے۔ کیونکہ انہوں نے بتایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس رات کے دوران قیام فرمایا تھا اور آپ نے اس قدر طویل سجدہ فرمایا کہ مجھے یہ گمان ہونے لگا کہ آنجناب کی روح پرواز کر چکی ہے لہٰذا میں نے یہ حال دیکھا تو اٹھ کر کھڑی ہو گئی آپ کے پاس پہنچی اور میں نے آپ کا انگوٹھا ہلایا۔ تو آنحضرت نے حرکت فرمائی اور سر مبارک سجدے سے اٹھالیا۔ جب نماز سے فارغ ہو گئے تو آپ نے فرمایا اے حمیرا! (محبت سے یوں خطاب فرماتے تھے۔) تم یہ خیال کرنے لگی تھیں کہ خدا کے رسول نے تمہارے حق میں خیانت کی ہے اور تمہاری عہد شکنی کردی ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ایسی بات نہیں ہے بلکہ آپ کا لمبا سجدہ دیکھ کر میں گمان کرنے لگی کہ شاید آپ کی روح مبارک پرواز کر چکی ہے۔ تو آنحضرت نے ارشاد فرمایا۔ کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ یہ رات کون سی ہے۔ میں نے کہا خدا اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا یہ نصف شعبان کی رات ہے۔ اللہ تعالیٰ اس رات کے دوران اپنے بندوں پر توجہ فرمایا کرتا ہے۔ ایک روایت کے مطابق غروب آفتاب کے وقت سے فجر طلوع ہونے تک اس کا یہ مطلب ہے کہ بہ نسبت دوسری راتوں کے اس رات کو زیادہ توجہ فرماتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ دیگر راتوں میں صبح کا وقت ہے۔ لیکن اس

رات کو ساری رات ہے۔ بخشش مانگنے والوں کو اللہ تعالیٰ بخشش عطا کرتا ہے۔ طالبان رحمت پر رحمت عطا ہوتی ہے اور حسد و کینہ رکھنے والے نہیں بخشا ہے تاخیر کرتا ہے۔ مراد یہ کہ جو مسلمانوں کے ساتھ ناجائز دشمنی اور کینہ رکھتا ہے۔

علاوہ ازیں حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت میرے پاس آئے اور جلدی ہی آپ اٹھے اور چلے گئے جبکہ اس رات کو میری ہی باری تھی۔ میں آنحضور کے پیچھے پیچھے چل پڑی میں نے آپ کو دیکھا آپ جنت البقیع میں کھڑے تھے اور اپنا سر مبارک اوپر کو اٹھایا ہوا تھا اور دعا کرنے میں مصروف تھے۔ جب آنحضرت نے مجھے دیکھا تو فرمایا کہ عائشہ! تم کو خدشہ ہوا کہ اللہ اور اس کے رسول نے شاید تم پر ظلم کیا ہے۔ تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے یہ خیال آتا تھا کہ شاید آپ کسی دوسری بیوی کے ہاں چلے گئے ہیں۔ آنحضرت نے فرمایا یہ نصف شعبان کی شب ہے۔ اس رات کو اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر آتا ہے اور بنو کعب کی بکریوں کے جتنے شمار میں بال ہیں ان سے بھی زیادہ لوگوں کو بخش دیتا ہے۔ دیگر ایک حدیث میں ہے کہ سب بخش دیئے جاتے ہیں۔ سوائے مشرک، چغل خور، قاطع رحم، تکلیف دینے والے کے اور والدین کے نافرمان۔ شراب پینے والے اور حسد اور بغض رکھنے والے شخص کے اور اس شب کو ارزاق و ارجال لکھ دیئے جاتے ہیں اور حجاج بھی لکھے جاتے ہیں۔

نصف شعبان کی شب کے فضائل میں بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں۔ لیلۃ القدر کے بعد یہ رات سب راتوں سے زیادہ افضل ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔ چار راتیں ہیں جن میں رحمت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ عید الضحیٰ کی رات۔ عید الفطر کی رات۔ نصف شعبان کی رات۔ اور عرفہ کی رات۔ فجر کی اذان کے وقت تک۔

صحیح حدیث سے نصف شعبان کی رات کو عبادت کرنا اور اس کے دن میں روزہ رکھنا ثابت ہوا ہے ملک شام کے تابعین میں خالد بن معراج۔ نعمان بن عامر۔ اور مکحول وغیرہ ہیں اس شب کو یہ خوب عبادت کیا کرتے تھے۔ عمدہ قسم کا لباس پہنا کرتے اور عود اور عنبر سلگایا کرتے تھے اور مسجد میں قیام پذیر ہوتے تھے۔ لوگوں نے اس رات کی عظمت ان سے ہی لی ہے اور کہا ہے کہ اس بارے میں ان کو اسرائیلی آثار ملے ہیں لیکن اس بارے میں حجاز اور مدینہ کے علماء ان سے موافق نہیں ہیں۔ اور مسجدوں میں اجتماع کرنے کو بدعت کہتے ہیں۔ اور اوزاعی جو کہ شام والوں کے امام ہیں وہ اکیلے نماز پڑھنا مکروہ نہیں سمجھتے تھے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے سوائے قیام 'لمبا سجدہ' استغفار تجی اہل بقیع کے اور کوئی چیز صحت کے مرتبہ کو نہیں پہنچی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ یہ نصف شعبان کی شب تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میرے پاس تھے۔ آدھی رات کا وقت ہوا تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اپنے پاس نہ دیکھا۔ اس وقت وہی میرے بات دل میں آگئی جو غیرت کی قسم سے ہوتی ہے اور عام عورتوں کو لاحق ہوتی ہے۔ میں نے اپنے اوپر چادر لے لی۔ اور دوسری ازواج کے حجروں میں آپ کو تلاش کرنے کے لئے چلی گئی۔ آپ کو میں نے وہاں نہ پایا۔ تو واپس اپنے حجرے کی طرف آنے لگی تو سجدہ میں پڑے ہوئے آنحضرت کو سفید کپڑے کی طرح مسجد میں نے دیکھا اور آپ اس وقت یہ

دعا پڑھ رہے تھے۔

سجدلک خیالی و سوادی و آمن بک فوادی فھذہ یدی وما حست بھا علی نفسی یا عظیم نرجی لکل عظیم اغفر الذنوب العظیم سجدہ وجھی للذی خلقہ و صورہ وشق سمعہ و بصرہ

اے اللہ تعالیٰ میرے خیال اور سواء نے تجھے سجدہ کیا۔ اور میرا دل تجھ پر دار فتہ ہے۔ میرا یہ ہاتھ وہ ہے جس نے سب کچھ کیا ہے اپنی جان اے عظیم۔ میں ہر عظیم امر کی امید رکھتا ہوں تو سب عظیم گناہ بخش دے میرے اس چہرہ نے سجدہ کیا ہے اس کو جس نے اسے پیدا کیا اور بنایا اور اس کے آنکھ اور کانوں کو کھولا۔

ازاں بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنا سر مبارک سجدہ سے اٹھالیا اور پھر دوسرے سجدہ میں پڑھ گئے اور پڑھنے لگے۔

اعوذ برضاک من سخطک و اعوذ بعفوک منک لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک اقول کما قال اخی داؤد اغفر وجھی فی الشراب سیدی وحق لہ ان یسجد

اے اللہ تعالیٰ! میں تیری رضا کے ساتھ تیری ناراضی سے پناہ مانگتا ہوں اور تیرے غضب سے تیری بخشش کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں۔ اور تیرے ساتھ تجھ سے پناہ مانگتا ہوں۔ میں تیری ثنا کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ جیسی کہ تو نے خود اپنی تعریف فرمائی۔ میں بھی وہی کہتا ہوں جو میرے بھائی داؤد نے کہا تھا۔ مجھے بخش اس حال میں جبکہ میرا چہرہ زمین پر ہے اپنے مالک کے لئے وہی مستحق ہے سجدے کا۔

پھر آنحضور نے سجدہ سے سر اٹھا کر یہ دعا مانگی۔

اللھم لرزقنی قلبا نقیا ومن شرک نقیا لافاجہ ولا شقیا

اے میرے اللہ! مجھ کو قلب پاک عطا فرمادے۔ اور وہ شرک سے پرہیز کرنے والا ہو۔ نہ وہ فاجر ہو اور نہ وہ شقی ہو۔

ازاں بعد انہوں نے نماز پوری کی اور رات کے سونے کے لباس میں آپ میرے پاس آگئے۔ آپ نے مجھے ہانپتے

دیکھا۔ تو فرمایا اے حمیرا۔ یہ تمہارا ہانپنا کیسا ہے۔ تو میں سارا ماجرا بیان کیا۔ پھر پھر آنحضور نے میرے زانوؤں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے ارشاد فرمایا ان زانوؤں پر افسوس ہے۔ کہ انہوں نے یہ مشقت اٹھائی ہے اور خطا کی راہ اٹھائی ہے۔ اے حمیرا! یہ نصف شعبان کی رات ہے۔ اللہ تعالیٰ کا اس رات کو آسمان دنیا کی طرف نزول اجلال ہوتا ہے۔ اور وہ اپنے بندوں کو بخشتا ہے سوائے مشرک اور کینہ پرور کے۔

مشائخ کے وظائف والی کتب میں اس رات میں مکمل ایک سو رکعت ہیں۔ جن میں ہر رکعت میں دس دس دفعہ سورۃ اخلاص پڑھا ہے۔ لیکن محدثین کے مطابق یہ صحت کے مرتبہ پر نہیں پہنچا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے شیخ ابوالحسن بکری نے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو نصف شعبان کی شب میں چودھار کعتیں پڑھتے دیکھا ہے اور آپ نے سلام پھیرنے کے بعد چودہ دفعہ فاتحتہ الکتاب چودہ دفعہ قل ھو اللہ احد چودہ دفعہ سورۃ الناس اور ایک بار آیۃ الکرسی پڑھی۔ ازاں بعد آپ نے آیت پاک لقد جاء کم رسول من انفسکم پڑھی۔ اس وقت میں نے آنحضرت سے اس عمل کے متعلق پوچھا۔ تو آنحضرت نے ارشاد فرمایا کہ اس طرح کرنے والے کو بیس حج مبرور اور بیس سال کے قبول شدہ روزوں کے ثواب کے برابر اجر دیا جائے گا۔ اور صبح جب ہوئے تو روزہ رکھے۔ تو دو سال کے روزوں کا ثواب دیا جائے گا۔ محدثین اس حدیث میں کلام کرتے ہیں۔ اور امام بیہقی سے منقول ہے کہ فرماتے ہیں کہ اس سے ظاہر تو یہ ہوتا ہے کہ یہ مرفوع حدیث ہے۔ (واللہ اعلم)۔

ادھر ہمارے شہروں میں چراغاں وغیرہ کرنے کا رواج ہے۔ یہ سب غیر مشروع ہے اور یہ مثل دیوالی ہندوؤں کی ہے اور رسم مجوس ہے۔

رمضان شریف میں قیام شب یعنی نماز تراویح کا ذکر انشاء اللہ تعالیٰ روزوں کے باب میں کیا جائے گا۔ دوران رمضان مبارک رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم حسب معمول جیسے کہ عادت شریفہ تھی پڑھتے تھے۔ وہ ہیں گیارہ رکعتیں جو بوقت تہجد آپ پڑھا کرتے تھے۔ جیسے کہ قبل ازیں ہمیں معلوم ہے۔

نماز چاشت کا بیان:۔ وصل:۔ صلوٰۃ الضحیٰ کے معانی چاشت کی نماز ہے۔ ضحو۔ ضحوہ۔ اور ضحیہ ان الفاظ کے معانی عشیہ کے وزن پر دن چڑھنا ہیں۔ اور اس سے زیادہ بلند کو ضحیٰ کہتے ہیں۔ اس کا ایک معنی آفتاب کی شعاع بھی ہے اور ضحاز کے معانی ہیں۔ چوتھائی آسمان پر چڑھا ہوا آفتاب۔

معلوم رہے کہ دن کے شروع کے حصہ میں لوگوں میں دو نمازیں نفلی مشہور معروف ہیں ایک نماز اس وقت شروع میں جب آفتاب ابھی طلوع ہی ہوا ہے۔ ایک نیزے بلندی سے دو نیزہ بلندی تک کے درمیان۔ اسے اشراق کی نماز کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد دوسری نماز کا وقت ہے جب آفتاب چوتھائی آسمان پر پڑھ جائے اور نصف النہار پر آنے تک یہ صلوٰۃ الضحیٰ کہلاتی ہے۔ بہت سی احادیث میں ان دونوں نمازوں کا نام اور ان دونوں وقتوں میں ضحیٰ کی نماز کا نام وارد ہوا ہے۔ بعض احادیث میں صلوٰۃ الاشراق بھی کہا گیا ہے اس بارے میں علامہ سیوطی رحمتہ اللہ علیہ نے طبرانی سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یا امہا فی ھذہ صلوٰۃ الاشراق۔ تفسیر بیضاوی میں یوں آیا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چاشت کی نماز ادا کی اور فرمایا کہ یہ نماز اشراق کی ہے۔ جس روز مکہ فتح ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ام ہانی کے گھر پر تھے۔

شیخ اجل علی متقی علامہ سیوطی رحمتہ اللہ علیہ کی مواہب جامع الجوامع کے اندر جس کو کہ جامع کبیر کہا جاتا ہے کہ ایک مستقل عنوان چاشت کی نماز کا مقرر کرتے تھے اور وہاں پر یہ حدیث نقل کرتے ہیں۔ کہ جو شخص فجر کی نماز جماعت سے گزارے پھر اسی مقام پر ذکر و فکر میں طلوع آفتاب کے وقت تک لگا رہے اور دو رکعت نماز اشراق ادا کرے اسے حج اور عمرہ کا ثواب برابر اور مکمل ملے گا چاشت کی نماز علیحدہ ہے یہ بات بمرتبہ صحت ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں اوقات میں علیحدہ علیحدہ دو نمازیں ادا کی ہیں۔ اور اس کو مستحب قرار دے کر امت کو ان کی ترغیب دی ہے ظاہری طور پر اس طرح ہے کہ یہ ایک ہی نماز اور ایک ہی وقت پر ہے۔ جس کے اول وقت کو اشراق ہے اور اس کا آخری وقت نصف النہار سے قبل ہے چونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں اوقات میں بعض اوقات نماز ادا کی ہے۔ اس لئے یہ گمان ہوا کہ اس نماز کے دو اوقات ہیں اور دو نمازیں ہیں بعض لوگ اس کا نام ضحوہ صغریٰ اور ضحوہ کبریٰ لیتے ہیں (واللہ اعلم)۔

کہتے ہیں کہ علماء کا چاشت کے بارے میں اختلاف ہے بعض اس کا اثبات کرتے ہیں اور بعض نے اس کی نفی کی ہے۔ اور بعض کے نزدیک یہ سنت ہے بعض اسے بدعت کہتے ہیں اور بعض اس طرف کی روایات کی ترجیح کے قائل ہیں اور بعض اس طرف کی روایت کو ترجیح دیتے ہیں۔ ظاہراً یہ ہے کہ یہ اختلاف آخری نماز کے بارے میں ہے۔ جس کو چاشت کی نماز کہا جاتا ہے۔ پہلی نماز میں اختلاف نہیں ہے۔ جس کو کہ اشتراق کی نماز کہتے ہیں۔ کیونکہ بعض لوگ اس کو موکدہ سنتوں میں گنتے ہیں۔

رکعتوں کی تعداد کے بارے میں بھی مختلف حدیثیں روایت ہوئی ہیں۔ بعض روایات کے مطابق دو رکعت ہیں اور بعض کے مطابق چار رکعتیں ہیں۔ اور چھ اور آٹھ اور دس اور بارہ رکعتوں کے متعلق بھی احادیث آئی ہیں اور ہر جگہ پر عظیم ثواب کا بیان ہے۔

مواہب لدنیہ میں مذکور ہے کہ شیخ ولی بن عراق نے فرمایا ہے کہ چاشت کی نماز صحیح کثیر اور مشہور احادیث میں آئی ہے حتیٰ کہ محمد بن جریر نے کہا ہے کہ اس ضمن میں تو حدیثیں معنوی تواتر تک پہنچی ہوئی ہیں اور قاضی ابوبکر العربی مالکی نے کہا ہے کہ چاشت کی نماز سابقہ نبیوں کی نماز ہے اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق داؤد علیہ السلام کو اس طرح خبر دی تھی۔ انا سخرنا الجبال معہ یسبحن بالعشی والاشراق اللہ تعالیٰ نے اس تسبیح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین میں عصر اور اشراق کی نمازوں کی صورت میں باقی رکھا ہے۔ دیگر ایک حدیث میں ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی زیادہ تر نماز چاشت کی نماز ہی تھی دیگر ایک حدیث میں آیا ہے کہ چاشت کی نماز وہ نماز ہے کہ حضرت آدم" نوح" ابراہیم" موسیٰ"

اور عیسیٰ علیہ السلام اس کی بڑی حفاظت کیا کرتے تھے۔

یہ بندہ مسکین خصہ اللہ . مزید صدق و الیقین (شیخ عبدالحق) کہتا ہے کہ بندوں کے لئے اپنی عنایت سے اللہ تعالیٰ نے آسانی بنا رکھی ہے اور جس وقت عوام الناس کے مشاغل اور مصروفیات کو دیکھا۔ تو رخصت اور تخفیف فرمادی۔ اور خاص بندے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے فارغ ہیں اور مستعد رہتے ہیں ان کے لئے بھی اسی خالی وقت پر عبادت کا ایک طریق موجود رکھا۔ تاکہ وہ عبادت میں مشغول رہیں۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ بصورت استحباب وندب ہے۔ اس میں کوئی وجوب و فرض نہیں ہے اس میں رخصت اور تخفیف کی گئی ہے۔ نماز چاشت کے بارے میں علماء کرام اور مشائخ عظام کی اکثریت کے قول کے مطابق استحباب اور فضیلت ہے کیونکہ نفی کرنے والی روایات پر ثابت کرنے والی روایات کو تقدیم حاصل ہوتی ہے۔ اور ترجیح یافتہ ہوتی ہیں۔ اس لئے ثابت کرنے والی چیز میں علم زیادہ ہوتا ہے اور وہ نفی کرنے والی چیز سے مخفی ہوتا ہے۔ جس طرح فقہ میں مسلم اور مقرر ہے۔ علماء کی ایک جماعت اسے مکروہ تصور کرتی ہے ان کا قول ہے کہ اس کو پڑھنا بدعت ہے۔ اس لئے کہ اس کی ایجاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہ کے بعد ہوئی ہے اسے بدعت کہنے میں ان علماء کا استدلال ان حدیثوں اور آثار سے ہے جو اس کی نفی میں وارد ہوئے ہیں جس طرح بخاری شریف میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت آئی ہے کہ پوچھا گیا کہ کیا آپ چاشت کی نماز پڑھا کرتے ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ نہیں۔ میں نے پوچھا کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ نماز پڑھی ہے تو جواب دیا کہ نہیں پھر میں نے کہا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کیا یہ نماز پڑھی ہے فرمایا نہیں پڑھی میں نے پوچھا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے یہ نماز پڑھی ہے تو جواب دیا کہ میرے خیال میں نہیں پڑھی۔ مراد اس سے یہ ہے کہ میرا خیال اس طرح ہے کہ آنحضرت نے نہیں پڑھی۔ گو اس میں یقین رکھتا ہوں۔ اور اکابر صحابہ کرام میں سے ایک حضرت ابوبکر ثقفی رضی اللہ عنہ ہیں ان سے روایت ہے۔ کہ ایک جماعت انہوں نے دیکھی جو چاشت کی نماز میں مشغول تھی تو انہوں نے فرمایا انکم لتصلون صلوۃ ما صلھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا عامۃ الصحابۃ رضوان اللہ علیھم اجمعین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے چاشت کی نماز نہیں پڑھی اور ایک روایت میں آتا ہے کہ نہ سفر میں اور نہ حضر میں اور میں اس کو پڑھتی ہوں۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے یہ چھوڑ دی تھی۔ حالانکہ ان کو یہ محبوب تھی۔ خدشہ یہ تھا کہ ہم پر فرض نہ کر دی جائے۔ اور ہمارے لئے لازم نہ قرار پائے اور قیس بن عبید صحابی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ میں ایک سال کا عرصہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس برابر آتا جاتا رہا لیکن ان کو اس عرصہ کے دوران کبھی بھی نماز چاشت پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا اور مسروق نے فرمایا ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے سامنے ہم قرآن پڑھا کرتے تھے۔ جب وہ چلے جاتے تھے تو ہم اپنی جگہ پر ہی بیٹھے رہتے تھے۔ ان کے بعد میں اٹھتا تھا اور چاشت کی نماز پڑھتا تھا۔ ہمارا یہ قصہ جب ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو سنایا گیا تھا۔ تو انہوں نے فرمایا اے خدا کے بندو! تم اس چیز کی تکلیف اٹھاتے ہو جس کی تکلیف ان کو خدا تعالیٰ نے نہیں دی ہے۔ اگر وہ اس نماز کے

پڑھنے والوں میں سے ہیں تو اپنے گھر میں پڑھا کریں۔

حضرت مجاہد سے نقل کیا گیا ہے کہ فرمایا میں اور عروہ بن زبیر مسجد نبوی میں آئے تو ابن عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت عائشہ کے حجرہ کے قریب بیٹھے ہوئے دیکھا۔ جبکہ لوگ مسجد میں چاشت کی نماز میں لگے ہوئے تھے۔ ازاں بعد اس قوم کی نماز کے بارے میں ہم نے ابن عمر سے دریافت کیا۔ کہ سنت ہے یا کہ بدعت ہے تو فرمایا کہ یہ بدعت ہے لیکن اس قدر اچھی بدعت ہے کہ نماز چاشت سے بہتر و افضل مسلمانوں نے کوئی ایجاد نہیں کی۔ یہ تمام اخبار و آثار مذکورہ نماز چاشت کی نفی میں ہیں۔ ان کے علاوہ بھی ہیں۔ لیکن ان اخبار و آثار اور سابقہ احادیث کی تطبیق میں کہا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس نماز چاشت کو ہمیشہ نہیں پڑھا۔ گو آپ نے امت کے لئے اس کی ترغیب تحریص دی ہے۔ اس طرح کا عمل آپ کا اس لئے تھا کہ یہ نماز امت پر فرض نہ کر دی جائے اور مشقت میں نہ پڑھ جائیں کہ انجام یہ نکلے کہ اس مشقت سے کماحقہ عہدہ برآنہ ہو سکیں۔ جیسے کہ تصریح فرمائی اس بارے میں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ام المومنین نے۔ لیکن اس میں ہرگز شک نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس کو پڑھا ہے۔ اس پر صحیح احادیث ناطق ہیں۔ لہٰذا جس کی جانب سے بھی اس کی نفی ہوئی ہے۔ اس نے روایت کی نفی فرمائی ہے یا اس کی مراد دوام کی نفی ہے۔ پس جس جگہ آیا ہے۔ ما کان یصلی حضور نے نہیں پڑھی۔ یا آیا ہے ما سبح رسول اللہ رسول اللہ نے اس نماز کو نہیں پڑھا۔ ان سے اصل میں مفہوم ہے۔ مادام علیہما ان پر مداومت نہیں فرمائی۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے نہ پڑھنے یا قیس بن عبید کا برابر ایک سال نہ پڑھتے دیکھنا اس میں یہ ہی احتمال ہے۔ ایک احتمال اس بارے میں اور بھی ہے وہ یہ کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ علم میں مشغول رہتے تھے اور فقہ میں اور علم میں مشغولیت میں نفلی عبادت پر فضیلت حاصل ہے۔ لہٰذا باوجود اس بات کے کہ نماز چاشت میں فضیلت بھی ہے اور مستحب بھی ہے۔ وہ علم میں اپنی مشغولیت کو بہتر جانتے تھے۔ واللہ اعلم اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس بارے میں جو اخبار و آثار وارد ہیں ان پر وجہ عدم وثوق انہوں نے نماز کی نفی کر دی ہو۔ جس طرح ابن عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے۔ لا اخالہ میرا خیال ہے کہ نہیں۔ انہوں نے ابوبکر و عمرؓ دونوں کو نہ پڑھتے دیکھا تھا۔ لہٰذا ان دو حضرات کے متعلق خبر دی تو وثوق سے دی اور جب لوگوں سے پتہ چلا کہ حضور پڑھتے تھے تو وہ وثوق ختم ہو گیا۔ توقف کیا اور پھر عدم وثوق سے خبر دی۔ جن لوگوں نے کہا ہے کہ یہ بدعت ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگ مسجد میں مجتمع ہوئے اور اعلیٰ الاعلان میں مسجد میں پڑھی۔ الغرض حد ذات میں یہ نماز مشروع ہے۔ لیکن اس طرح کا اجتماع و اظہار جس طرح فرض نمازوں میں ہوتا ہے بدعت ہے۔ کیونکہ نوافل کے بارے میں فضیلت اس میں ہے اور یہی مسنون ہے کہ گھر میں پوشیدہ طور پر پڑھیں۔ جیسے کہ قبل ازیں معلوم ہو چکا ہے مختصر یہ کہ کوئی خبر یا اثر اس کی مشروعیت کی نفی میں نہیں ملا بلکہ اگر نفی کی گئی ہے تو صرف ایک مخصوص صفت کی گئی ہے۔ علی الاعلان مداومت اور اجتماع۔ اس لئے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بذریعہ ابن ابی شیبہ منقول ہے۔ کہ جب انہوں نے ایک قوم دیکھی کہ چاشت کی نماز پڑھ رہی ہے تو نفی کرتے ہوئے یوں کہا کہ اگر ضروری ہی پڑھنا چاہتے ہو تو اپنے اپنے گھروں میں پڑھو اس طرح حضرت ابن مسعود سے مسروق نے نقل کیا ہے جیسے کہ قبل

ازیں گزر چکا ہے۔

روایات کی تطبیق و توفیق کی کوشش علماء کی ایک اور جماعت بھی کرتی ہے اور کہتی ہے کہ اسے کبھی کبھی پڑھ لینا ہی مستحب ہے اور بعض ایام میں اسے ترک کر دیا جائے۔ اس جماعت کا استدلال حضرت عبداللہ بن شقیق کی حدیث سے جو مشاہیر تابعین سے ہیں۔ حضرت عبداللہ نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چاشت کی نماز پڑھی تھی۔ جواب دیا کہ نہیں پڑھی مگر سفر سے واپس آنے پر کبھی کبھی۔ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اس طرح آیا ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز چاشت پڑھتے تھے حتیٰ کہ ہم گمان کرنے لگے اب اس کو کبھی بھی ترک نہ کریں اور جب ترک کرتے تھے تو ہم گمان کرتے تھے کہ اب اسے کبھی نہ پڑھیں گے اور آنحضرت کی عادت شریفہ بالعموم نوافل و تطوعات میں اسی طرح تھی اور اسی کے مانند یہ نماز پڑھنے کے متعلق معمول تھا اسلاف صحابہ اور تابعین کا لہٰذا حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی یہ عادت تھی کہ ایک دن نماز چاشت پڑھ کر دو دن تک ترک کئے رہتے تھے اور منصور بن معتمر سلمیٰ نے فرمایا ہے کہ سلف صحابہ اور تابعین کی یہ عادت تھی کہ چاشت کی نماز کی اس طرح سے محافظت اور مداومت کو وہ مکروہ تصور کرتے تھے جس طرح کہ فرض نماز کی کی جاتی ہے۔ لہٰذا وہ حضرات کبھی یہ نماز پڑھتے تھے اور گاہے چھوڑ دیتے تھے۔ اور نفلی عبادات کے قیام بالخصوص نماز روزہ کے ضمن میں بھی عہد سلف کے علماء کی عادت اس طرح ہی تھی اس لئے کہ یہ علمی مشغولیت اور دوسری حسنہ صفات کے حصول میں مانع نہ ہو۔ آخر زمانہ کے زاہدوں اور عابدوں کا معمول اس کے برعکس ہے وہ ان نفلی عبادات سے اس حد تک متعلق اور متعبد ہیں کہ ان میں سے بعض تو علم و معرفت کے میدان میں بالکل جاہل ہیں اور انہوں نے اکثر و متعدد خوبیاں اور نیکیاں ترک کی ہوئی ہیں جو ان نفلی عبادات سے اہم تر ہیں اور مقصود و طلوب ہیں۔ ھذا لیس بشئی وباللہ التوفیق۔

صاحب سفر السعادت کہتے ہیں کہ چاشت کی نماز کی حفاظت اور مداومت بھی استحباب میں ہے لیکن اس کے لئے مساجد میں اجتماع کرنا درست نہیں۔ بلکہ گھر میں اکیلے پڑھنا اولیٰ ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا ہے اور فرماتی ہیں کہ میرے خاطر اگر میری والدین بھی زندہ کر دیئے جائیں تو میں نماز چاشت ترک نہیں کروں گی۔ اس سے یہ مراد ہے کہ والدین کے دوبارہ زندہ کر دینے میں جو سرور و لذت حاصل ہوتے ہیں وہ چاشت کی نماز سے حاصل ہونے والے سرور و لذت کی برابر نہیں کر سکتے۔

تنبیہہ:۔ چاشت کی نماز کی تعداد رکعت کے بارے میں مختلف روایات ہیں۔ یہ اختلاف روایات ایام و احوال کے اختلاف کے باعث اور نشاط و کسل کے سبب سے یا دوسری مہمات کے اہتمام کے باعث ہوگا۔ علماء کی اکثریت چودہ رکعتوں کو اختیار کرتی ہے۔ کیونکہ اس کی سب احادیث صحیح ہیں۔ دوسری تعداد والی احادیث میں کچھ صحیح ہیں اور کچھ ضعیف ہیں۔ واللہ اعلم اور سورۃ والشمس، والضحیٰ، واللیل اذا یغشی اور سورۃ الم نشرح اس نماز سے متعلقہ اوراد مشائخ میں شامل

ہیں۔ نماز کے بعد ایک سو بار یہ دعا پڑھنا ماثور ہے۔ اللھم اغفرلی وارحمنی وتب علی انک انت التواب الغفور یہ دعا آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا میں آئی ہے۔

اعید کی نماز:۔ وصل:۔ معلوم ہونا چاہیے عید کے دن کو عید اسواسطے کہا جاتا ہے کہ وہ عود کر کے آتا ہے اور بار بار اپنے مناسب وقت پر آتا ہے۔ لیکن عام مثل ہے اور دوسرے موسموں پر صادق ہے یہی سبب ہے کہ بعض حضرات نے اس پر کچھ مزید قیود عائد کی ہیں اور کہا گیا ہے کہ یہ دن فرحت اور سرور کے ساتھ عود کر کے آتا ہے۔ اور عید فطر پر جو راحت و سرور ملتا ہے وہ روزوں کی نعمت پوری ہو جانے پر شکرانے کے طور ہے۔ عید الضحی میں نعمت عظمیٰ پوری ہوتی ہے اس لئے کہ اس کا بہترین مرکز عرفہ کا وقوف ہے اور وہ مکمل کا حکم رکھتا ہے اور جمعہ کی عید ہر ہفتہ میں تمام نمازوں کی تکمیل کی عید ہوتی ہے۔ پس تمام اسلامی ارکان کی تکمیل پر شکرانہ کے طور پر ایک دن عید مقرر ہے اور وہ موجب ہے۔ مسلمانوں کے حق میں فرحت و سرور کے اجتماع کا۔ اس آیت میں عید منا کر شکرانہ ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ لئن شکرتم لا زیدنکم اگر تم نعمت کا شکر ادا کرو گے تو ہم تمہیں اور زیادہ دیں گے۔ اور یہ عید اور شکرانہ بھی طاعت اور عبادت بنا دیئے ہیں۔ جہاں تک زکوٰۃ کا ذکر ہے تو چونکہ زکوٰۃ کا وقت معین نہیں اس لئے کہ زکوٰۃ کا شکرانہ اور عید کی خوشی اور سرور اس وقت ہے جب حاجت مندوں اور مساکین کو دے دی جاتی ہے۔ تو فرحت و سرور محسوس ہوتا ہے۔ وہ وقت زکوٰۃ کی عید کا ہوتا ہے اور اسی قدر کافی ہے۔

بعض یہ کہتے ہیں کہ عید کو عید اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ نیک فالی کے طریق پر آئندہ سال لوٹ کر آتی ہے۔ مفہوم یہ ہے کہ اسے بقا حاصل ہے اور آنے والے سال میں پھر آتی ہے جیسے کہ شروع میں۔ جس وقت قافلہ نکلتا ہے تو تفاول کے طریق پر کہا جاتا ہے۔ سلامتی اور خیریت سے واپس آؤ۔ ہدایہ کے کچھ حاشیوں میں آیا ہے کہ عید اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں رب العالمین نے اپنے بندوں سے فرحت و سرور اور اپنے فضل اور لطف و کرم کا وعدہ کیا ہے۔ اس توجیہہ کے مطابق عید کا لفظ وعد سے مشتق ہے اور یہ بعید ہے۔ اس لئے کہ "عید اجوف" یعنی معتل عین ہے جبکہ وعدہ مثل ہے یعنی وہ معتل فاء ہے۔ ہاں اس وقت پر یہ صحیح ہے جبکہ اس کے قلب کے قائل ہوں جس طرح جذب میں اور جبذ میں قلب ہے۔

آنحضرت کی عید کی نماز:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا معمول تھا کہ آپ عید کی نماز عید گاہ میں پڑھتے تھے۔ وہ عید گاہ مدینہ طیبہ سے باہر ہے۔ مغرب کی سمت میں شہر کے مصری دروازہ سے باہر۔ اس طرف سے ہی مکہ شریف سے آنے والے کارواں مدینہ شریف میں داخل ہوا کرتے ہیں۔ مسجد نبوی سے یہ عید گاہ ایک ہزار گز کے فاصلہ پر واقع ہے۔ (کذانی تاریخ المدینہ)۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے۔ کہ مسجد کی نسبت باہر عید گاہ میں نماز ادا کرنا افضل ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی مسجد کو جو فضل و شرف میسر ہے اس کے باوجود آنحضرت نماز عید گاہ میں پڑھتے تھے لہٰذا دوسرے شہروں میں یہی طریقہ بطریق اولیٰ مسلم ہے اور اسی پر شہروں میں لوگ عمل کرتے ہیں۔ کچھ شہروں میں مسجد میں عید پڑھی

جاتی ہے۔ لیکن یہ ایک ہی بار صرف ہوا تھا۔ مکہ مکرمہ کے باشندے تو پہلے سے اس کے عادی چلے آتے ہیں وہ عید کی نماز حرام میں گزرتے ہیں اور وہ لوگ آنحضرت کی جو برکت اور شرف حاصل ہے اس سے محرومی پسند نہیں کرتے۔ اب تو مسجد نبوی مدنی کافی وسیع ہے اور اہل شہر کی آبادی سے بڑھ کر ہے۔ آنحضرت کے دور میں مدینہ شریف کی آبادی زیادہ تھی لیکن اس کے برعکس مسجد نبوی کی وسعت تھوڑی تھی۔

شرح ابن الہمام میں ہے کہ سنت رسول یوں ہے کہ امام صاحب خود عید گاہ میں جائے اور اس کے ہمراہ شہر کے نوجوان اور دوسرے صحتمند افراد وہاں پر جائیں اور شہر میں کمزوروں اور ناتواں اشخاص کے لئے امام اپنا قائم مقام امام مقرر کرے کیونکہ ایک شہر میں دو مقامات پر نماز عید کی ادائیگی کے جواز پر اتفاق ہے۔ بلکہ امام محمد رحمتہ اللہ کے مطابق تو تین جگہوں پر بھی جائز ہے۔ خواہ امام صاحب اپنا کوئی قائم مقام نہ بھی بنائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بروز عید اچھے اور خوبصورت ملبوسات پہنتے تھے۔ آنحضرت کا ایک حلہ فاخرہ بھی تھا۔ جس کو آپ عید اور جمعہ کے وقت عزت کے خاطر اور شعائر اسلام کے واسطے پہنا کرتے تھے۔ محلہ جوڑے کو کہا جاتا ہے اس میں آزار اور چادر دونوں شامل ہوتے ہیں۔ ایسا نہیں کہ حلہ صرف ریشمی کپڑوں وغیرہ کو ہی کہتا ہوں۔ جس طرح کہ کچھ لوگوں کا خیال ہے بعض اوقات آنحضرت سبز رنگ کی دھاریوں والی چادر اوپر لیتے تھے۔ یمنہ من کی بنی ہوئی ہوتی ہے۔ اس کو بردیمانی بھی کہتے ہیں۔ عید کی خاطر مزین ہونا مستحب ہے لیکن شرط یہ ہے کہ لباس شریعت کے مطابق ہونا چاہیے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی یہ عادت شریفہ تھی کہ عید کے دن عید گاہ میں جانے سے قبل آپ چند کھجوریں تناول فرماتے تھے۔ وہ طاق عدد میں ہوتی تھیں یعنی تین پانچ یا سات وغیرہ۔ علماء نے کہا ہے کہ کھجوریں کھانے میں حکمت استحباب کھجوروں کی شرینی ہے جس سے نگاہوں کو قوت میسر ہوتی ہے۔ اس لئے کہ روزے سے نظر کمزور ہو جاتی ہے۔ اور شیرنی ویسے بھی ایمان کے مزاج کے موافق ہے۔ اس لئے کہ "المومن حلو"۔ خواب میں مومن کو کوئی میٹھی چیز مشاہدہ میں آئے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ اسے ایمان کی لذت میسر ہوگی۔ اور شیرنی قلب کو رقیق کر دیتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ کہا جاتا ہے کہ روزہ کی افطاری میٹھی چیز کے ساتھ افضل ہوتی ہے جہاں تک شمار میں عدد طاق کی بات ہے تو وہ آنحضرت کی عام عادت شریفہ تھی۔ اور فرمایا گیا ہے۔ ان اللہ وتر و یحب الوتر تحقیق اللہ تعالیٰ وتر (ایک) ہے اور وہ طاق کو پسند کرتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جب عید کے روز عید پڑھ کر واپس آتے تھے تو آپ کچھ تناول نہ فرماتے تھے حدیث شریف میں آیا ہے کہ عید الفطر کے لئے آپ کچھ کھانے کے بغیر نہ جاتے تھے۔ اور عید الضحیٰ کے موقع پر آپ بغیر کوئی کھانے کے چلے جاتے تھے۔ جب تک کہ آپ عید کی نماز نہ پڑھ لیتے تھے علماء نے عید الفطر سے قبل کچھ کھانے کی حکمت یوں بیان کی ہے۔ کہ چونکہ روزہ کے وجوب کے بعد چونکہ فطرہ واجب ہے۔ تو آنحضرت فطر میں فطر کی جلدی کیا کرتے تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کا حکم تیزی و عجلت سے بجالائیں کیونکہ اگر صرف حکم الہیہ کو بجالانا ہی ہوتا تو آپ اچھی طرح پیٹ بھر کر کھایا کرتے بعض کا قول اس طرح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا کھانا صدقہ نکالنے کی مشروعیت کے وقت پر تھا۔

اور وہ ہر شخص پر لازم ہے صدقہ فطر چونکہ عید نماز کے لئے نکلنے سے پہلے نکالنا ضروری ہے اس لئے صدقہ نکالتے وقت کھجوروں کے کچھ دانے کھالئے جاتے تھے اور عید گاہ کو تشریف لے جاتے تھے اور عید الاضحی کے چونکہ صدقہ بعد از ذبح نکالا جاتا ہے۔ اور اس کا وقت بعد از نماز ہوتا ہے۔ لہٰذا بعد از نماز ذبح کیا جاتا ہے اور اس کے بعد صدقہ فرماتے تھے۔ اور ازاں بعد آپ خود کھاتے تھے۔

عید کے دن غسل فرمانا:۔ دونوں عیدوں کے موقعوں پر غسل کرنے کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی دو احادیث آئی ہیں۔ ایک حدیث فاکہ بن سعد سے ہے۔ ان کی صحبت رسولی بمرتبہ صحت پہنچی ہوئی ہے۔ یہ حدیث شہرت کے درجہ کو پہنچ چکی ہے اور ان کی صحابیت بھی صرف اسی حدیث سے معلوم ہوئی ہے۔ انہوں نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی یہ عادت مبارک تھی کہ آپ عید الفطر کے روز۔ یوم النحر کو۔ اور یوم عرفہ میں غسل کیا کرتے تھے اور دوسری حدیث زیاد بن عیاض اشعری سے آئی ہے۔ انہوں نے ایک قوم کو فرمایا کہ جو فعل میں نے دیکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کیا کرتے تھے۔ تم بھی وہ فعل کرتے ہو۔ لیکن تم لوگ دونوں عیدوں کے موقعوں پر نہاتے نہیں ہو۔ ان دونوں حدیثوں کو محدثین نے کہا ہے کہ ضعیف ہیں اور سوائے ان دو حدیثوں کے مجھے کوئی اور حدیث نہیں ملی۔ نہ ہی کتب ستہ میں کچھ نقل کیا گیا ہے۔ سوائے فعل ابن عمر رضی اللہ عنہ کے جو موطا سے جامع الاصول میں منقول ہے۔ روایت ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ عید گاہ میں جانے سے پہلے غسل کرلیا کرتے تھے۔ سنت کی اتباع میں ابن عمر رضی اللہ عنہ کا خوب مبالغہ کرنا یہ تقاضہ کرتا ہے کہ یہ حدیث اس بارے میں صحیح ہو۔ کذا قالوا راستے میں جاتے ہوئے حضرت ابن عمر بلند آواز سے تکبیر کہتے جاتے تھے اور باآواز بلند تکبیر کہنے کا حکم عید الاضحی کے موقع پر متفق علیہ ہے اور عید الفطر کے ضمن میں امام حنیفہ اختلاف کرتے ہیں۔ لیکن آہستہ آہستہ تکبیر کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پیدل چل کر عید گاہ کو جایا کرتے تھے اور ایسا کرنا سنت ہے۔ اور علماء کی اکثریت کے نزدیک مستحب ہے کہ پیدل چل کر عید گاہ کو جایا جائے سواری وغیرہ پر سوار ہو کر نہ جائے سوائے کسی معذوری کے۔ امام شافعی کہتے ہیں کہ مجھے زہری سے روایت ملی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سواری پر سوار ہو کر نہ عید پڑھنے جاتے تھے اور نہ جنازہ پر

عید الفطر کی نماز ادا کرنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تاخیر کیا کرتے تھے۔ لیکن عید الاضحیٰ کی نماز آپ جلدی پڑھا کرتے تھے عید الفطر میں تاخیر غالباً" اس حکمت پر مبنی تھی کہ صدقہ فطر ادا کیا جا چکا ہوتا ہے اور کچھ طعام بھی کھالیا ہوتا ہے اور دیگر کوئی امر اہم بھی پیش نظر نہیں ہوتی لہٰذا تاخیر فرماتے ہوں گے۔ کہ لوگوں کا اجتماع اور زیادہ ہو جائے۔ برعکس عید الضحیٰ کے موقع کے۔ واللہ اعلم۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جب عید گاہ پہنچ جاتے تھے تو اذان واقامت نہ ہوتی تھی نہ الصلوۃ وغیرہ قسم کی کوئی ندا دی جاتی تھی بلکہ فوراً عید کی نماز شروع کردیتے تھے۔ نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کتنی تکبیریں کہتے تھے اس

بارے میں اختلاف ہے احناف کی مذہب مختار یہ ہے کہ پہلی رکعت میں قرآن سے قبل تین تکبیریں اور دوسری رکعت میں قرات کے فورا بعد تین تکبیریں کہی جاتی ہیں۔ اور ہمارے مشائخ اور اساتذہ نے فرمایا ہے کہ عید کی تکبیروں کے متعلق مختلف روایات ہیں۔ لہٰذا ہم نے تھوری سی تھوڑی کو اپنایا ہے۔ کیونکہ تکبیرات اور رفع یدین عید کی نماز میں خلاف معہود اور شرع میں اس لئے کم از کم کو اختیار کرنا ہی اولی ہے۔ کذافی الہدایہ۔

دور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں عیدگاہ میں منبر نہیں ہوتا تھا مروان بن الحکم پہلا شخص ہے جس نے سب سے پہلے عیدگاہ میں منبر کا رواج دیا۔ اس وقت وہ حضرات امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے مدینہ طیبہ کے حاکم مقرر تھے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ عیدگاہ میں منبر کی بنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہوئی تھی۔ یہ روایت کثیر بن الصلت نے روایت کی ہے۔ ان کا گھر عیدگاہ کے نزدیک تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطبہ سے قبل نماز عید ادا کیا کرتے تھے۔ نماز سے فارغ ہو جانے کے بعد آپ کھڑے ہوتے تھے اور خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔ سب کے سب اصحاب کتب اس روایت پر متفق ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عید الفطر کی نماز اور عید الاضحیٰ کی نماز قبل از خطبہ پڑھ لیتے تھے۔ آنحضرت کے بعد خلیفہ اول و دوم حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا معمول بھی یہی تھا۔ اور ترمذی کہتے ہیں کہ اسی پر سب صحابہ کرام (اصحاب علم) متفق ہیں اور عامل ہیں اور اس طرح کہا جاتا ہے کہ نماز سے قبل خطبہ جس نے سب سے پہلے شروع کیا وہ مروان ہی تھا جب وہ مدینہ کا حاکم تھا فتح الباری میں نقل کیا گیا ہے کہ علماء اس بارے میں مختلف الرائے ہیں کہ سب سے پہلے جس شخص نے نماز سے پہلے خطبہ دیا وہ کون شخص تھا اس طرح ہے کہ وہ شخص مروان تھا۔ جس طرح کہ صحیح میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث وارد ہے۔ بعض یوں بھی کہتے ہیں کہ اس سے قبل حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے بھی اس طرح کیا تھا وہ اپنے دور خلافت کے آغاز میں پہلے نماز ادا کرتے تھے اور بعد خطبہ دیا کرتے تھے اور آخر زمان کے اندر جب ان کے ملاحظہ میں آیا کہ لوگ نماز میں پہنچ نہیں پاتے تو اس مصلحت کو مد نظر رکھ کر انہوں نے خطبہ نماز سے پہلے شروع کیا اور مصلحت مروان کی اس علت کے خلاف ہے جس کے باعث اس نے خطبہ قبل از نماز کیا تھا۔ وہ یہ ہے کہ لوگ نماز کے انتظار میں بیٹھے رہیں گے اور اس کا خطبہ سن لیں گے۔ وہ خطبہ ان لوگوں کی مذمت اور برائی میں دیا کرتا تھا حالانکہ وہ لوگ اس طرح کے نہ تھے اور خطبہ میں ان لوگوں کی تعریف و ستائش کرتا تھا جس کے وہ حقدار نہ ہوتے تھے۔ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اسی طرح اس کی تصریح کی گئی ہے کہ مروان کہتا تھا کہ میں نے اس واسطے نماز سے قبل خطبہ کیا ہے کہ لوگ خطبہ کا انتظار نہ کرتے تھے اور اس امر کا بھی امکان ہے کہ شاید حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بعض اوقات خطبہ کا مقدم کیا ہو۔ اور چونکہ مروان نے اس پر باقاعدہ مداومت کی لہٰذا اس کے فعل کو شہرت حاصل ہو گئی ہو۔ عبدالرزاق بن جریج سے منقول ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ وہ شخص تھے جنہوں نے سب سے پہلے عید کی نماز پر خطبہ عید کو مقدم کیا تھا۔ واللہ اعلم۔

فتح القدیر شرح ہدایہ میں شیخ ابن الھمام نے فرمایا ہے کہ حنانہ کا منبر بنایا جانے میں علماء کا اختلاف ہے۔ کچھ کہتے ہیں کہ

مکروہ ہے اور خواہرزادہ نے کہا ہے کہ حسن ہے اور ہمارے زمانے میں ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ سے مروی ہوا ہے۔ لا باس بہ یعنی کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جس راستہ سے عید گاہ جاتے تھے اس راہ پر واپس نہ آتے تھے بلکہ آپ کسی دوسرے راستہ پر واپس آیا کرتے تھے اس عمل میں عالموں نے متعدد نکتے بیان کئے ہیں۔ یہ تمام نکتے ممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نظر میں بھی ہوں۔ واللہ اعلم۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جو اسرار و رموز اور معانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے افعال میں پنہاں ہیں ان تک رسائی کا حصول مخلوق کے لئے ناممکن ہے اور وہ حقائق پالینا محال و دشوار ہے۔

علماء کے مطابق راستہ کی تبدیلی اس واسطے ہوتی تھی کہ اماکن متعددہ۔ متفرق مقامات اور وہاں کے رہائشی انسان اور جنات سب کے سب اور فرشتے طاعات پر اور نیکیوں پر گوارہ ہو جائیں۔ یا یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ دونوں راستوں کو آنحضرت کی خدمت میں سلام پیش کرنے کا موقع ملے اور اس کے ثواب و عمل کا شرف حاصل کر سکیں اور یہ وجہ بھی ممکن ہے کہ دونوں راستے اور وہاں کے باشندے برکات نبوی سے مالا مال ہو سکیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تشریف آوری کی فضیلت و برکت اور حضوری کی شرف میں برابر شریک ہو سکیں اور یہ سبب بھی ممکن ہے۔ کہ دونوں راستوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طیب اور پاکیزہ خوشبو کو سونگھنے کا شرف برابر حاصل ہو جائے نیز یہ بھی ایک سبب ہو سکتا ہے کہ دونوں راہوں پر رہنے والے لوگوں کو ان کی ضروریات مہیا کر کے ان کو تعلیم و ارشاد فرما کر اور ان کو صدقات اور خیرات دے کر اور ان کو اپنے جمال رخ انور سے مشرف فرما کر مشاہدہ نبوی سے سرور و لذت عطا فرمائیں اور ان کی خواہشات پوری فرمائیں۔ یا یہ وجہ بھی ممکن ہے کہ مد نظر ہو کہ دونوں راستوں پر شعائر اسلام اور شرائع اسلام کا ظہور ہو جائے اور دونوں راستوں پر ذکر الٰہی ہو جائے اور دونوں کو اس کی برکات کا حصول ہو جائے۔ اور یہ وجہ ہونا بھی ممکن ہے کہ کافروں اور منافق لوگوں کو عزت اسلام اور رفعت اعلام دین کا مشاہدہ کرائیں اور لیغیظ بھم الکفار اور قل موتوا بغیضکم کے حکم کے مطابق اس مشاہدہ سے ان کو مضطرب و غمگین بنایا جائے اور اسلامی فوج کی کثرت و عزت کا ان کے دلوں پر رعب چھا جائے۔

نیز علماء نے یہ بھی فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم دائیں طرف عید گاہ کو جایا کرتے تھے اور اگر واپس بھی اسی راستہ سے آتے تو یہ بائیں جانب ہوتا۔ لہٰذا آپ راستہ تبدیل کر لیتے تھے۔ تاکہ وہ بھی دائیں جانب ہی واقع ہو۔ تفصیل اس طرح ہے کہ مدینہ شریف میں جنوب کی طرف قبلہ شریف کی سمت ہے اور عید گاہ مغرب کی جانب واقع ہے لہٰذا یہ لازم ٹھہرا کہ عید گاہ کو تشریف لے جانا دائیں طرف سے تھا اور جب آپ عید گاہ میں موجود ہوئے تھے تو حضور کی منزل (کاشانہ اقدس) شمال کی جانب ہوتا تھا۔ پس واپس آتے ہوئے اگر وہی راستہ اختیار فرماتے جس سے کہ آئے تھے تو واپس شمال کی جانب سے ہوتے اور صاحب مواہب لدنیہ کہہ گئے ہیں کہ یہ محتاج دلیل ہے لہٰذا ساقط ہے۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ

شروع میں آنحضرت نے دائیں طرف کو ہی اختیار کیا ہوگا۔ نیز یہ علماء کے بیان کردہ معانی بر سبیل ہیں اور شروع میں دائیں طرف کو اختیار فرمانا خود محتمل ہے۔ لوگوں میں عام طور پر یہ وجہ مشہور و معروف ہے کہ دین کے دشمنوں کی مکرو فریب کے خدشہ کے پیش نظر راستہ کو تبدیل کیا جاتا تھا۔ کہ کہیں وہ ہلاکت کی گھات میں نہ بیٹھیں۔ حالانکہ یہ وجہ بھی محل نظر ہے کیونکہ اگر یہی موجب ہوتا تو یہ روش بار بار نہ اختیار فرمائی جاتی اور اسے آنحضرت اپنی عادت نہ بنالیتے۔ اس لئے کہ حضور کی عادت سے واقف ہو کر دوسری راہ میں گھات لگانے کا موقع نہ حاصل کرلیں۔ اس کا جواب یوں دیتے ہیں کہ ہمیشہ علیحدہ راستہ اختیار کرنے کی عادت بنانے سے یہ لازم نہیں ٹھہرتا کہ کوئی دوسرا راستہ ہمیشہ کے لئے معین ہوچکا ہے۔

اور یہ بھی وجہ ہو سکتی ہے کہ زندہ بھی اور وفات یافتہ اقارب سے بھی ملاقات اور صلہ رحمی ہو جائے اس لئے دوسرا راستہ اختیار فرماتے اور یا یہ وجہ ہے کہ آپ کی یہ عادت اژدہام عوام کی تخفیف کے لئے اور ہجوم خلائق کے باعث تھی اور یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ آپ جاتے ہوئے فقیروں کو صدیقہ دیتے ہوئے جاتے ہوں اور واپسی پر کچھ باقی اپنے پاس نہ ہوتا تھا۔ لہٰذا واپسی اس راہ سے ہوتی ہو جہاں پر فقراء اور سائلین کا ہجوم نہ ہو کہ کہیں سائلین کا جھڑکنا اور منع کرنا نہ پڑ جائے صاحب مواہب لدینہ اس بیان کردہ وجہ کو بڑا ضعیف گردانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ بعید ہے۔ یہ معاملہ یوں نہیں جیسے بیان کیا ہے۔

بعض کا قول ہے کہ آنحضرت بطریق تفاول راہ کی تبدیلی فرماتے تھے۔ اس سے مراد ہے کہ پہلے راستہ پر بخشش و رضا اور مقام ترب و وصال میں ترقی کی طرف حال ہوتا تھا وہی کیفیت دوسرے راستہ پر بھی قائم رہے۔ اور یہ وجہ خالی از خفاو باریکی نہ ہے اور یہ وجہ بھی شاید ہو کہ جاتی دفعہ راستہ لمبا ہوتا تھا تا کہ جاتے وقت قدموں کی زیاتی پر زیادتی ثواب مقصد ہوتا تھا۔ لیکن واپسی پر اس طرح نہیں تھا۔ جب آپ واپس آتے تو سرعت کے ساتھ آتے تھے۔ اس لئے کہ اس میں عبادت کا مقصود شامل نہ تھا۔ اس پر علماء اعتراض کرتے ہیں کہ یہ وجہ کیسے ہو سکتی ہے جبکہ واپسی سفر میں بھی قدموں پر اجر و ثواب ثابت ہے۔ جس طرح سفر حج اور غزوہ پر ثابت ہے۔ اس کے الٹ کوئی وجہ بیان ہوتی تو پھر بھی تھا۔ یعنی یوں کہہ دیا جاتا کہ شاید جاتے ہوئے راستہ مختصر ہوتا تھا اور آپ کی خواہش ہوتی تھی کہ اطاعت الٰہیہ میں عجلت کا اظہار ہو' اور اول وقت کی فضیلت سے بہرہ ور ہوں اس کے برعکس کہ واپسی پر اپنی منزل گاہ پر دیر سے بھی پہنچیں تو کسی چیز سے محرومی کا خدشہ نہ تھا۔ الغرض یہ تمام وجوہات احتمال پر مبنی ہیں۔

ابن حمزہ نے کہا ہے کہ واپسی پر راستہ تبدیل کرنا یعقوب علیہ السلام کے قول کی موافقت میں ہے کہ انہوں نے گیارہ بیٹیوں کو حکم دیا تھا کہ۔ لا تدخلوا من باب واحد و ادخلوا من ابواب متفرقہ انہوں نے یہ نصیحت نظر بد سے بچاؤ کی خاطر کی تھی۔ واللہ اعلم۔

نماز عید سے قبل اور بعد میں نوافل کے متعلق میں نے شرح سفر السعادت میں لکھ دیا ہے۔ اس جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احوال و افعال کا تذکرہ مقصود ہے لہٰذا اس جگہ اس کا ذکر نہیں کیا گیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور نماز استسقاء:۔ وصل:۔ مولف مواہب لدینہ نے کہا ہے کہ اس بارے میں کسی بھی عالم کو اختلاف نہیں ہے کہ نماز استسقاء سنت نبوی ہے سوائے اس کے جن احادیث میں ذکر نماز نہیں ان سے امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ نے خلاف سنت ہونے پر دلیل قائم کی ہے۔ اور جمہور علماء صحاح ستہ میں موجود احادیث سے استدلال کرتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز استسقاء میں دو رکعتیں ادا کی ہیں اور جن احادیث میں تذکرہ نماز نہیں۔ ان میں بعض نسیان راوی پر محمول ہیں اور بعض جمعۃ المبارک کے خطبہ کے متعلق ہیں۔ اس لئے کہ اس کے بعد جمعہ کی نماز ہے پس اکتفاء اس پر ہی کیا گیا ہے اور اگر استسقاء کے واسطے نماز پڑھی نہ تھی تو استسقاء کے جواز کے لئے دعا یہ بیان ہے اور استسقاء کے جواز میں ہرگز کوئی اختلاف نہ ہے اور قائدہ مسلمہ کے مطابق دیکھیں تو مثبت حدیثیں مقدم ہیں۔ اس لئے مثبت قول قول نافیہ پر مقدم ہوتا ہے۔ یہ سب شوافع کی تقریر ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے مطابق استسقاء کے سلسلہ میں مسنون نماز کوئی نہیں ہے۔ اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے دعا اور استغفار کا نام ہی استسقاء ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ واستغفروا لربکم انه کان غفارا یرمل السماء علیکم مدرارا تم اپنے گنہگار رب سے استغفار کرو۔ آسمان سے تم پر موسلادھار بارش برسانے والی ذات وہ ہی ہے۔ جو احادیث استسقاء کی وجوہات پر مشتمل ہیں وہ تذکرہ نماز سے خالی ہیں۔ سوائے ایک وجہ کے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نماز ادا کرنے کے لئے وسیع جگہ میں گئے اور دو رکعت پڑھیں اور خطبہ ارشاد فرمایا۔ اپنے تمام تر خصائص سمیت یہ حدیث یا تو صحیح ثابت نہیں ہوئی اور یا اس اختصاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہے اور سنت وہ ہوتی ہے کہ اس پر ہمیشہ آنحضرت عمل پذیر رہے ہوں سوائے بعض اوقات کے۔ اور اس جگہ تو نماز کا ترک کثرت میں ہے۔ اور سوائے ایک بار کے اس فعل کا کوئی وجود نہیں ہے۔ اور یہ روایت پایہ صحت کو پہنچی ہوئی ہے کہ امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے استسقاء کی تھی۔ اس میں صرف دعا اور استغفار تھی۔ اگر اس بارے میں کوئی مسنون دعا ہوتی تو باوجود قرب عہد نبوی حضرت عمر سے باوجود علم ہونے کے اس کا ترک لازم آتا اور علماء نے فرمایا ہے کہ استسقاء کے سلسلہ میں کوئی مسنون نماز نہ ہونے سے امام اعظم ابو حنیفہ یہ مراد لیتے ہیں کہ نماز باجماعت باہمہ خصائص کی نماز عید رکھتی ہے مسنون نہیں۔ ہاں اگر ہر آدمی علیحدہ علیحدہ اور اکیلے میں نماز ادا کرے اور دعاء و استغفار کرے تو ٹھیک ہے۔

الغرض اس باب میں جتنی احادیث آئی ہیں ہر ایک میں کوئی نہ کوئی اضطراب ہے اور ان خصوصیات کی حامل ہر حدیث کی سند میں ضعف ضرور ہے۔ پس امام اعظم ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ نے اس کا مغز اور مقصد لیا ہے اور وہ صرف دعا اور استغفار ہی ہے اور ساتھ آپ نے نماز پڑھنا بھی جواز میں رکھا ہے اور عدم یقین کے باعث جماعت۔ خطبہ وغیرہ کو اختیار نہیں فرمایا۔ واللہ اعلم۔

امام محمد اور ابو یوسف اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک استسقاء کے لئے نماز باجماعت اور خطبہ دونوں ہیں بعض نے یوں کہا ہے کہ یہ قول صرف امام محمد رحمتہ اللہ علیہ کا ہے۔ امام ابو یوسف رحمتہ اللہ علیہ تو مسلک امام ابو حنیفہ کے قائل ہیں۔ اس

وقت مذہب احناف میں بھی صاحبین کے مذہب کے مطابق فتویٰ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب استسقاء کرنے تو دعا میں بڑی تضرع اور عاجزی کیا کرتے تھے اور اپنے ہاتھ مبارک مبالغہ کے ساتھ اوپر اٹھایا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ آپ کی بغل مبارک کی سفیدی نمودار ہو جاتی تھی اور آپ کے سر مبارک سے آپ کے ہاتھ مبارک بلند تر ہو جاتے تھے۔ علماء یہ کہتے ہیں کہ واقعہ دشوار تر اور سوال بھی قوی تر ہونے کی وجہ سے ہاتھ مبارک بھی بلند تر ہوتے تھے۔

مشکوۃ شریف میں بحوالہ مسلم شریف منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے استسقاء یعنی رحمت کی بارش کے لئے دعا مانگی۔ اپنے دونوں ہاتھوں کی پشتیں آسمان کی جانب پھیلا دیں۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ آنحضرت نے استسقاء میں دونوں ہاتھ یوں اٹھائے پھیلائے کہ ہر دو ہتھیلی کا رخ باطنی زمین کی طرف تھا اور اس کا ظاہری رخ بجانب آسماں تھا۔ عام طور پر جب دعا کرتے ہیں تو حالت اس کے الٹ ہوتی ہے۔ اسی طرح ابوداؤد کی روایت میں بھی آیا ہے۔

علماء کا قول ہے کہ جب کسی مطلب یا نعمت کے واسطے دعا کریں تو مستحب طریقہ یہ ہے کہ ہاتھوں کی ہتھیلیاں آسمان کی طرف ہوں اور جب کسی فتنہ یا بلا کے دفعیہ میں دعا کی جائے تو ہاتھوں کی پشتوں کو آسمان کی طرف کرنا چاہیے اس میں اشارت ہے کہ غضب فتنہ اور جوش بلا ٹھنڈا کیا جائے اور جو وقت پیدا شدہ ہے اسے اور اس کے غلبہ کو فروتر کیا جائے۔

طیبی کہتے ہیں کہ تغیر حالت میں نیک فال ہے۔ مثال کے طور پر وہ چادر تبدیل کرنے میں جس کا تذکرہ یہ سلسلہ استسقاء مروی ہے علماء کہتے ہیں کہ چادر کا الٹنا پلٹنا حالت کے تغیر کے لئے اور بارش نہ ہونے کی حالت میں تبدیلی کے واسطے تفاول ہے اور تنگی کو فراخی کے ساتھ اور خشک سالی کو رحمت کے بارش سے تبدیلی کی طرف فال نیک ہے۔ بعض اس طرح بھی کہتے ہیں کہ یہ تو بلکہ حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بجالانا ہے۔ آپ نے حکم دیا ہو گا کہ اس طرح کرو۔ تاکہ حالت میں تغیر آ جائے اور یہ نیک فالی تک ہی نہ رہ جائے کیونکہ یہ شرط تفاول ہے کہ اختیار اور قصد کے ساتھ نہ ہو بلکہ خارج میں کسی شے سے ہو اور محض اس آدمی کے قصد و اختیار سے نہ ہو۔ اور بالکل درست تفاول ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے چند دفعہ استسقاء مروی ہے ایک دفعہ اس وقت ہوئی جب آپ کے زمانہ اقدس میں قحط پڑ گیا تھا اور آنحضرت جمعہ کے خطبہ میں مشغول تھے تو ایک اعرابی کھڑا ہو گیا اور فریاد بلند کی۔ یا رسول اللہ! هلک المال وجاع العیال فادع لنا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا مانگی وہ یوں ہے۔ اللھم اغثنا اللھم اسقنا بادل پہاڑوں کی طرح اٹھے اور برسنا شروع کر دیا۔ جب دو سرا جمعہ شریف آ گیا تو وہی اعرابی پھر فریاد بلند کرتا ہے اور کہتا ہے یا رسول اللہ! تھدم البناء وغرق المال تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہاتھ مبارک اوپر اٹھائے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ بنی آدمی کی زود رنجی پر حضور متبسم ہو گئے اور دعا فرمائی۔ اللھم حوالینا ولا علینا اللھم علی الاکام والضراب وبطون الاودیۃ اے اللہ تعالیٰ ہمارے اردگرد بارش ہو اور ہم پر نہ ہو۔ اے اللہ! ہمارے باڑوں پر کھیتوں پر اور جنگلوں پر اور آپ جس سمت انگلیوں کا اشارہ کرتے جاتے تھے۔ بادل فی الفور کھلتا جاتا تھا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ مدینہ شریف پر سے بادل پیچھے ہٹ گیا اور اردگرد برسنا جاری رہا۔ جبکہ مدینہ شریف میں ایک قطرہ

بھی نہ گرا۔ اس کے بعد دوسری مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بڑے خصوع وخشوع اور تضرع کے ساتھ باہر میدان میں تشریف لائے وہاں پر منبر رکھا گیا آپ نے خطبہ ارشاد فرمایا جس کا صرف اسی قدر حصہ تاہنوز محفوظ ہے۔

الحمد للّٰہ رب العالمین ○ الرحمٰن الرحیم مالک یوم الدین ○ لا الہ الا اللّٰہ یفعل ما یرید ○ اللّٰھم انت اللّٰہ لا الہ الا انت تفعل ما ترید اللّٰھم انت اللّٰہ لا الہ الا انت الغنی وعن الفقراء نزل علینا الغیث واجعل ما انزلت لنا قرۃ وبلاغا الی حین ○ دعا مانگ لی تو نیچے تشریف لے آئے اور اذان اور اقامت کے بغیر ہی دو رکعت نماز ادا کی آپ نے جہر سے قرات کی۔ آپ نے پہلی اور دوسری رکعت میں علی الترتیب سبح اسم ربک اعلیٰ اور دوسری میں ھل اتاک الغاشیہ سورتیں پڑھیں۔ جس طرح جمعہ وعید کے موقع پر پڑھا کرتے تھے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ابر کو بھیجا۔ ساتھ گرج کڑک بھی تھی۔ بارش خوب ہوئی حتیٰ کہ مسجد میں پہنچنے تک سیل آب بہنے لگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ملاحظہ فرمایا کہ لوگ بھاگ دوڑ رہے ہیں اور گوشوں کونوں میں چھپنے کی کوشش کرتے ہیں تو آپ نے تبسم فرماتے ہوئے فرمایا واشھد ان اللّٰہ علی کل شیئی قدیر وانی عبدہ ورسولہ ائمہ کرام اسی حدیث سے استسقاء کے حق میں استدلال کرتے تھے تیسری دفعہ آنحضرت نے دعائے استسقاء جمعہ کے علاوہ مدینہ منورہ میں منبر پر تشریف رکھتے ہوئے کی تھی۔ اسے بیہقی نے دلائل النبوۃ میں نقل کیا ہے کہ جس وقت آنحضرت غزوہ تبوک سے لوٹے تو قبیلہ بنو فزارہ سے ایک وفد حاضر خدمت ہوا۔ اور قحط کے متعلق شکایت پیش کی۔ عرض کرنے لگے یا رسول اللہ! اپنے رب کی بارگاہ میں دعا فرمائیں تاکہ ہم پر بارش برسائے۔ اور یا رسول اللہ اپنے رب کے سامنے چاہیے کہ آپ ہماری شفاعت فرمائیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ کو بھی چاہیے وہ آپ ہماری شفاعت فرمائے۔ تو آنحضرت نے جواب دیا۔ "ویلکم" تم پر افسوس ہے۔ سب ہی تو اللہ تعالیٰ سے شفاعت کرتے ہیں۔ کون ہے۔ جس کے ہاں اللہ تعالیٰ شفاعت کرے۔ لا الہ الا ھو العلی العظیم اس کے بعد آنحضرت نے فرمایا کہ رب تعالیٰ تمہاری اس فریاد اور زاری اور تخوف پر خندہ فرماتا ہے۔ ایک اعرابی ان میں سے کھڑا ہو کر کہنے لگا کہ کیا ہمارا رب خندہ بھی کرتا ہے۔ آنحضرت نے جواب دیا۔ ہاں وہ خندہ فرماتا ہے تو اعرابی کہنے لگا کہ پھر تو ہم اپنے رب سے مانگ لینے میں ہرگز کوئی کوتاہی نہ کیا کریں اس لئے کہ ہمیں مانگیں تو وہ خوش ہوتا ہے اور خندہ بھی فرماتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکراتے ہوئے اور منبر شریف پر آبیٹھے اور اپنے ہاتھ مبارک دعا میں بلند کئے اور بارش کے واسطے دعا فرمائی یہاں تک کہ پورا ایک ہفتہ برابر بارش ہوتی رہی۔ الحدیث' اس دعا میں نماز پڑھنا روایت نہیں ہوا صرف خطبہ اور دعا ہی ہے۔

چوتھی بار جب آپ نے استسقاء کے لئے دعا فرمائی تو اس وقت آپ منبر پر بھی تشریف نہ لائے اور خطبہ نہ دیا۔ آپ مدینہ شریف میں مسجد میں ہی تھے۔ اس بار کی دعا جو آپ نے فرمائی اس میں یہ حصہ اب تک محفوظ ہے اللھم اسقنا غیثا مریغا طبقا عاجلا غیر رایت نافعا غیر ضار اے میرے اللہ تعالیٰ ہمیں بارش کے رواں پانی سے بغیر کسی تاخیر کے اپنی رضا کے مطابق جو نقصان دہ نہ ہو بلکہ نفع بخش ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پانچویں مرتبہ

استسقاء فرمائی تھی۔ اس وقت آپ مدینہ طیبہ میں جو مکان حجار الزیت کہلاتا تھا اس میں کھڑے ہو کر کی تھی اور آپ نے اپنے ہاتھ رخ منور کے مقابل اس قدر بلند کئے تھے کہ سر مبارک سے بلند تر تھے۔ یہ واقع ایک غزوہ کے دوران ہوا جبکہ مشرک لوگوں نے پانی پر پہلے ہی قبضہ کر لیا تھا۔ اور خود بھی پانی کے کنارے پر اترے تھے۔ اور لشکر اسلام پانی سے محروم رہ گیا۔ اور وہ سب پیاسے تھے لوگوں نے آنحضرت کی خدمت میں اپنی حالت بیان کی۔ منافقین جو زیادہ تر یہود تھے مشرکین سے کہتے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) اگر اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہوتے تو اپنی مسلمان فوج کے لئے استسقاء فرماتے۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام نے قوم کے لئے کیا تھا انہوں نے اپنا عصاء پتھر پر مارا اور بارہ عدد چشمے جاری کر دیئے تھے اور ہر فرقہ کے لئے علیحدہ ایک چشمہ تھا اس لئے کہ ان کی فوج بارہ فرقوں پر مشتمل تھی۔ جس طرح کہ اس کا ذکر قرآن میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جب اس پر مطلع ہوئے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ وہ اگر یوں کہتے ہیں تو غمگین نہ ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ضرور پانی مہیا فرمائے گا۔ ازاں بعد آپ نے دعا کے لئے ہاتھ مبارک بلند فرمائے اور دعا کی۔ فوراً ہی ایسے بادل نمودار ہوئے کہ ہر طرف اندھیرا ہو گیا اور موسلا دھار بارش ہوئی جنگل پانی سے سیراب ہوئے۔ یہ ہیں وہ چند (پانچ) واقعات جو استسقاء کے بارے میں مشہور و مذکور ہیں۔ بخاری شریف، مسلم شریف اور ترمذی شریف میں الفاظ کے کچھ اختلاف کے ساتھ روایت ہوا ہے کہ اہل قریش نے اسلام قبول کرنے میں تاخیر کی۔ انہوں نے تمرد اور سرکشی کو اپنایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان کے خلاف اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی۔ دیگر ایک روایت میں آیا ہے۔ سنین کسنی یوسف مراد یہ کہ انہیں یوسف علیہ السلام کے قحط جیسے قحط میں ڈال دے۔ پس انہیں قحط نے آلیا۔ اور بوجہ قحط ان کی ہلاکت شروع ہو گئی وہ سرداران کی کھالیں اور ہڈیاں بھی کھانے لگے اور دھوئیں کی طرح کی کوئی چیز وہ آسمان میں بھاگتی ہوئی نظر آتی تھی۔ لہٰذا ابو سفیان آیا اور کہا ہے محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) آپ تو صلہ رحمی کی خاطر آئے ہیں۔ قوم ہلاک ہوئی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے بارش کے لئے دعا فرمائیں لہٰذا آنحضرت نے دعا فرمائی۔ اور بارش برسنے لگی۔ قحط ختم ہو گیا۔ سورۃ حم الدخان میں اس آیت کے تحت یہ قصہ مفصل مذکور ہے۔ یوم تاتی السماء بدخان لہٰذا وہ قحط آنحضرت کی دعا مبارک سے دور ہو گیا تھا۔

علماء کا کہنا ہے کہ یہ بددعا اس دن شروع ہو گئی تھی۔ جس روز بدبخت قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی پشت مبارک پر دوران نماز اونٹ کی اوجھ پھینک دی تھی۔ لعن اللہ علی الکافرین والمنافقین معلوم ہوتا ہے کہ یہ مکہ شریف کا واقعہ ہے علماء یوں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے قصیدہ میں اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا۔ وبیض یستسقے الغمام ابوجھہ اس سے قبل کی مذکور شدہ تمام وجوہات مدینہ شریف سے متعلق ہیں۔ اس زمانہ میں ابو طالب موجود نہیں تھے بعض کا قول ہے کہ ابو طالب کے کلام میں اس زمانہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جبکہ زمانہ عبد المطلب کے دوران قحط پڑ گیا تھا۔ اور انہوں نے قریش کے واسطے بارش کی دعا فرمائی تھی۔ اس وقت آنحضرت بالکل چھوٹی عمر کے تھے۔

یہ بات پوشیدہ نہ رہے کہ ابو طالب کا قول یستسقی الغمام بوجھہ طلب نہیں کرتا کہ استسقی واقعہ ہو۔ اس سے تو

یہ مراد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ کی شان مبارک اور عادت شریف اس امر کا تقاضہ کرتی ہے کہ اگر آنحضور استسقاء فرمائیں تو پانی عطا کرنا اللہ تعالیٰ کا فعل ہے۔ کہ وہ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے وسیلہ سے اپنی مخلوق کو عطا کرتا ہے اور دنیاء میں پانی دینا یہ آنحضرت کا ایک جدا معجزہ ہے۔ پس معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا تصرف اللہ تعالیٰ کے تصرف کے ساتھ تمام زمین و آسمان میں ہے۔ بلکہ دنیا و آخرت کے تمام مشروبات و طعام اور حسی و روحانی لرزق اور ظاہری نعمتیں آنحضرت ہی کے واسطے و طفیل ہیں۔ مصرع

؎ آخر اے باد صباء ایں ہمہ آورد تست

بیت:۔

؎ شکر فیض تو چمن چوں کندا ے ابر بہار که اگر خار وگر گل ہمہ پروردہ تست

الشیخ العالم حضرت عارف باللہ البکری قدس سرہ یہ پڑھتے تھے۔

ماء لرسل الرحمٰن لو یرسل من رحمته تصعه لوتنزل

فی ملکوت اللّٰہ لو ملکه من کل ما یختص لو یشمل

الاوطا المطفٰی عبده وبینه المختار المرسل

واسطه فیها واصل لها یعلم هذا کل من لعقل

نماز کسوف:۔ لغوی طور پر چاند گہن کے لئے لفظ خسوف اور سورج گہن کے لئے لفظ کسوف مشہور ہے لیکن احادیث میں ہر دو کے لئے کاف کے ساتھ ہی روایت ہوا ہے۔ اور بعض مقامات پر دونوں کے خاء استعمال ہوا ہے۔ اور محدثین لوگ چاند گہن کے لئے خسوف اور سورج گہن کے لئے کسوف کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ اور اس بارے میں جتنی بھی احادیث روایت ہوئی ہیں۔ وہ تمام سورج گہن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے فعل مبارک کی خبر دیتی ہیں سوائے اس حدیث کے جس کو علامہ شیخ ابن حجر نے مشکوۃ شریف کی شرح میں چاند گہن پر معمول فرمایا ہے۔ جو ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بات ہے اس کی خبر یہ ہے کہ ان الشمس والقمر آیتان من آیات اللّٰہ فاذا رایتم ذالک فاذکرو اللّٰہ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں اس طرح ہے۔ فادعوا اللّٰہ و کبروا وصلو و تصر فوا اللہ سے دعا مانگو۔ اس کی کبریائی بیان کرو جـ نماز پڑھو اور صدقہ دو۔

لیکن ان ہر دو احادیث سے عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا پتہ نہیں چل سکا۔ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہ میں ہے کہ آنحضرت نے نماز کسوف کو طویل فرمایا۔ قیام و رکوع اور سجود میں معمول سے زیادہ درازی فرمائی اور قرات قرآن اس طرح فرمائی جیسے سورۃ بقر کا انداز ہے اور رکوع و سجود بھی اس قرات کے مطابق تھا جیسے کہ حدیث میں ہے ہر رکعت

آپ نے دو رکوع کئے۔ دوسری ایک روایت کے مطابق تین چار اور پانچ بھی آئے ہیں رکوع لمبا کرتے تھے اس کے بعد سر اٹھا لیتے اور پھر رکوع چلے جاتے تھے۔ یونہی تین یا چار بار کیا گیا۔ امام شافعی کا قول ہے کہ یہ نماز دو رکوع اور ایک خطبہ پر مشتمل ہے اور امام رحمتہ اللہ علیہ کا قول بھی اسی کی مانند مشہور ہے اور صحابہ کرام کی اکثریت اس پر ہے کہ یہ ایک رکوع کے ساتھ بغیر جماعت کے نماز ہے اور اس میں خطبہ بھی نہ ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بھی اسی طرح ہی ناطق ہیں۔ اسی کے مطابق ہمارا مذہب بھی ہے۔ ہدایہ میں یوں کہا گیا ہے کہ اس نماز کے بارے میں مرد زیادہ آگاہ ہیں بہ نسبت عورتوں کے کیونکہ مرد اگلی صف میں ہوتے ہیں اور عورتیں اور بچے تمام پچھلی صف میں ہوتے ہیں۔ شیخ ابن الہمام رحمتہ اللہ علیہ نیں صحیح اور حسن روایات کے ساتھ ایسی حدیثیں بیان کی ہیں۔ جن سے مذہب حنفیہ کا ثبوت مل جاتا ہے۔ انہوں نے ان احادیث پر جرح کی ہے جن میں رکوع کا عدد مذکور ہے۔ اس لئے کہ ان حدیثوں کے راویوں میں شیخ صاحب نے اضطراب واضح کیا ہے۔ بعض دو رکوع بیان کرتے ہیں بعض نے تین چار اور بعض پانچ بیان کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ لازم ہوا کہ نماز معمول کے مطابق ہی ادا کی جائے۔ اور جس طرح راوی مطلق طور پر بیان کرتے ہیں۔ اور فرمایا گیا فاذا کان کذالک فصلوا جب اس طرح ہو تو تم نماز پڑھو۔ یہی اضطراب ہے۔ جس کے موجب مشائخ کہتے ہیں کہ یہ اضطراب اس شک کے باعث ہے جو پچھلی صفوں میں بموجب اژدحام کی کثرت کے ہونے کی وجہ سے ظاہر ہوا ہے۔ ظاہراً تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے زمانہ میں صرف ایک دفعہ گہن وقوع میں آیا۔ متعدد دفعہ گہن کے بارے میں کوئی روایت نہیں آئی۔ دس سال کے تھوڑے سے عرصہ میں اس کا متعدد بار واقعہ ہونا بعید از قیاس ہے اور عادت کے برعکس ہے۔ جو ذکر احادیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے فرزند حضرت ابراہیم کے وصال کے وقت گہن واقع ہوا تھا۔ یہ حضرت ابراہیم حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن سے ۸ھ میں تولد ہوئے اور اپنا ایام رضاعت کے دوران ہی ۱۰ھ میں رحلت فرما گئے لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ گہن ان کے وصال کی وجہ سے واقع ہوا تھا سورج میں۔ اس لئے کہ لوگوں میں مشہور بات تھی کہ کوئی بڑا حادثہ واقعہ ہو تو سورج گہن واقع ہوتا ہے۔ لہٰذا فرزند رسول کی رحلت بھی ایک بہت بڑا حادثہ تھی۔ اس کے سبب گہن وقوع میں آیا۔ فرمایا گیا ہے کہ اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں سورج اور چاند ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور سلطنت پر یہ دونوں دلیل ہیں۔ اور ان میں صاحبان بصیرت کے لئے عبرت اور نصیحت ہے۔ یعنی جیسے اللہ تعالیٰ آن کی آن میں ان کی روشنی اور تابانی کو سلب کر کے ان کو تاریک اور سیاہ بنا دیتا ہے۔ ویسے ہی وہ اس پر بھی قادر ہے کہ وہ لوگوں کے علم و ایمان کی نورانیت کو سلب کرے۔ اور تاریک و سیاہ کر دے (ہم اس سے بحرمت و وسیلہ محمدی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔ مترجم)

کچھ اور روایات میں وارد ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے فرزند ابراہیم کی وفاعت محرم شریف کی دسویں تاریخ کو (یوم عاشورہ) یا ربیع الاول کی دس تاریخ کو واقع ہوئی تھی۔ اس سے نجومیوں کے اس قول کی تردید ہو جاتی ہے جو وہ کہتے ہیں کہ ہمیشہ مہینے کے آخری تین ایام کے دوران سورج گہن کا وقوع ہوتا ہے ہاں اگر عادت کے طور پر اس طرح ہو

تو ممکن ہو سکتا ہے لیکن واقعہ کمن علامت کے برعکس تھا۔ اگر منجم لوگ کہیں کہ ان تین دنوں کے سواء دیگر ایام میں کمن محل ہے تو یہ باطل ہے۔ واللہ علی کل شئی قدیر

صلوٰۃ خوف:۔ وصل:۔ جب خوف کی حالت ہو تو اس وقت نماز پڑھنے کا ثبوت قرآن اور سنت سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے۔

واذا کنت فیھم فاقمت لھم الصلوٰۃ فالتقم طائفۃ (اولاد آیہ) اذا ضربت فی الارض فلیس علیکم جناح لن تقصروا من الصلوٰۃ۔

اور جس وقت تم ان میں موجود ہو تو ان کو کھڑا کرو نماز کے واسطے اور ایک جماعت کھڑی ہوتی ہے (ایک آیت میں اس طرح ہے) اور جب تم زمنی سفر میں ہو تو کوئی حرج نہیں تمہارے لئے کہ تم نماز میں قصر کرلو۔

اور اکثریت اس مذہب پر ہے کہ چار رکعت والی نماز کو دو رکعت قصر کریں بعض کے نزدیک یہ آیت نماز خوف کے بارے میں ہے۔ کیونکہ اس میں بھی کچھ افعال اور کیفیات کو ترک کر دینے سے قصر کرنا آیا ہے۔ جیسے کہ دوران سفر عدد و کیت میں نصر وارد ہوئی ہے۔ بعض یہ آیت دونوں کو شامل قرار دیتے ہیں۔ امام ابویوسف صاحب کی ایک روایت ہے جس کے سبب اور حنفیوں سے حسن بن زیاد سے اور شوافع میں سے مزنی سے یہ قول منقول ہے کہ اس نماز کو زمانہ نبوت سے اختصاص ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اقتداء میں ہی پڑھنے میں اس کو فضیلت حاصل ہے اور ظاہر طور پر آیت پاک فاذا کنت فیھم سے بھی مفہوم ہوتا ہے اور جمہور ائمہ کرام کے نزدیک مختار یہ ہے کہ یہ نبوت کے زمانہ کے بعد بھی جائز ہے۔ استدلال اس طرح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بعد بھی صحابہ میں سے حضرت علی۔ ابوموسیٰ اشعری۔ اور حذیفہ بن الیمان وغیرہ رضی اللہ عنہم نے اسے قائم فرمایا۔ اور اذا کنت فیھم یہ اتفاقی قید ہے کیونکہ کنت انت ہے یامن یقوم منامک ہے۔ اس سے یہ مراد ہے کہ خواہ آپ ہی بذات خود موجود ہوں یا کوئی امام آپ کے قائم مقام ہو۔ جس طرح کہ اس آیت سے ثابت ہے۔ خذ من اموالھم مراد یہ ہے کہ صدقہ کے اموال آپ خود لیں یا آپ کے نائب لیں اور نماز خوف کو اس کیفیت کے ساتھ پڑھنے کی نہایت درجہ تاکید آئی ہے یا آپ کی اور اس نماز کی اتنی شدید محافظت آچکی ہے کہ مزید کسی عذر کی کوئی گنجائش باقی نہیں۔ وقت کی مصلحت کے مطابق اور جب دشمن سامنے ہوں اس وقت نماز خوف رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے کئی وجوہات کی بناپر صحیح ہے اور ثابت ہے اور ہر امام نے ان میں سے کوئی وجہ ضرور اختیار فرمائی ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ ان میں سے اس وجہ کو مختار گردانتے ہیں۔ جو حضرت ابن عمر سے تمام کتب ستہ میں مروی ہے۔ ہم بھی اگر وہی بیان کردیں تو بعید نہیں ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ ہم نجد کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ہمراہ جہاد میں تھے ہم نے آپ کے سامنے روبرو ہو کر صف باندھی اور کھڑے ہو گئے۔ پھر آنحضور نماز پڑھانے کے لئے خود بھی کھڑے ہو گئے آپ نے ہماری امامت فرمائی۔ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ والہ وسلم کے ساتھ اس وقت صحابہ کی ایک جماعت شامل تھی۔ دوسری جماعت دشمنوں سے نگہداشت کے لئے کھڑی رہی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ رکوع فرمایا اور دو سجدے ادا کئے ازاں بعد پہلی جماعت صحابہ دوسری جماعت کی جگہ کھڑی ہو گئی اور دوسری جماعت وہاں سے اس جماعت کی جگہ پر آ گئی۔ پھر ان کے ساتھ آنحضرت نے ایک رکوع اور دو سجدے ادا کئے اور سلام پھیرا اور آنحضرت کھڑے ہو گئے۔ اس کے بعد دونوں جماعتوں نے جو ایک ایک رکعت آنحضرت کے پیچھے نہ پڑھی تھی وہ ادا کی۔ یہ بخاری کے لفظ کا ترجمہ ہے۔ دوسری کتب ستہ میں بھی الفاظ و عبارات کے اختلاف کے ساتھ اسی طرح روایت ہوا ہے۔

علماء نے فرمایا ہے کہ یہ طریقہ قران کے لفظ کے زیادہ مطابق ہے اور ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس بات کی صراحت موجود نہیں کہ یہ نماز کونسی تھی۔ لیکن سفر میں ہوتے ہوئے دو رکعت ادا کیں۔ مذہب حنفی عامتر ہے کہ خواہ سفر ہو یا حضر خوف کی نماز جائز ہے۔ لہٰذا وہ کہتے ہیں کہ سفر ہو یا حضرت دو رکعت کی نماز امام ہر ایک جماعت کے ساتھ ایک رکعت پڑھے۔ اور چار رکعت والی نماز ہو تو امام ہر جماعت کو دو رکعتیں پڑھائے گا۔ نماز مغرب ہو تو پہلے امام پہلی جماعت کو دو رکعتیں اور دوسری جماعت کو ایک رکعت پڑھائے اور امام احمد اور شافعی کا مذہب بھی یہی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے عموم کی بناء پر ہے۔ واذا کنت فیھم جیسے کہ کہا گیا ہے اور اس طرح بھی امکان ہے کہ حضرت میں بذریعہ قیاس اس کا اثبات ہو۔ واللہ اعلم۔ اور امام مالک کے مطابق یہ صرف سفر کے ساتھ ہی مخصوص ہے۔

کئی اسناد اور صحیح روایات کے ساتھ کتب حدیث میں اور وجوہات بھی مذکور ہوئی ہیں۔ ان کی تفصیل سے ہماری غرض نہیں نیز ان وجوہات کی بنا پر آخر زمانہ میں نماز خوف کا وجود شاذ و نادر ہو گا لہٰذا ہم اتنے پر اکتفا کرتے ہیں اور یہ بھی صرف اس تقدیر پر ہو گا کہ نماز ادا کرنے کی قدرت حاصل ہو۔ اگر خوف شدید ہو اور دائرہ قدرت بڑا تنگ ہو تو جیسے بھی ممکن ہو سکے نماز پڑھ لے۔ خواہ پیدا خواہ سواری پر اور خواہ اشارے سے رکوع و سجود کرے۔ ابن عمر کی مذکور بالا حدیث کی بعض اسناد میں اس معنی و مفہوم کی صراحت بھی آئی ہے۔ اگر لڑائی کا میدان اتنا گرم ہے کہ نماز پڑھنا ممکن نہیں تو قضاء کر لے۔ جس طرح یہ غزوہ خندق کے دوران ہوا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ یسونا عن صلٰوۃ الوسطی صلٰوۃ العصر ملا للہ بیوتہم و قبورھم نارا کفار نے ہم کو نماز عصر سے روکے رکھا۔ اللہ ان کے گھر اور قبریں آگ سے بھر دے۔ آنحضرت کی یہ بددعا دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے عذاب کے لئے ہے۔ آنحضرت غذوہ احد کے دوران کس قسم کی سختی سے دوچار ہوئے دانت مبارک شہید ہوا۔ چہرہ مبارک خون آلود ہوا۔ پھر بھی کفار کے لئے بددعا نہ فرمائی تھی بلکہ آپ نے ارشاد فرمایا تھا۔ اللھم اغفر لھم فانھم لا یعرفون اس لئے کہ یہاں اپنی ذات کے حق کا معاملہ تھا اور غزوہ خندق میں اللہ تعالیٰ کے حق اور دین کے حق کا معاملہ تھا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے کہ کافروں نے کہنا شروع کیا۔ کہ اگر ہم مسلمانوں کو نماز پر حملہ کر دیتے تو انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے اور وہ یہ بھی کہتے تھے کہ ایک نماز ان کی ایسی ہے جو ان کو ان کے مال و اولاد سے بھی محبوب تر ہے اور وہ ہے عصر کی نماز۔ اس لئے مسلمانوں پر اس وقت حملہ آور ہونا

چاہیے۔ پھر جبریل علیہ السلام آئے اور انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اس کے بارے میں خبردار کر دیا پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے نماز خوف ادا کی۔

سفر کے دوران عبادت کرنا۔ وصل :۔ آنحضرت کی دوران سفر عبادت' آداب سفر' اور سوار ہوتے وقت اور سواری سے اترتے وقت اور قیام بر منزل اور وطن کی جانب مراجعت کے وقت کے بارے میں جو دعائیں اور اذکار روایت ہوئے ہیں ان کا ذکر کتب حدیث میں آیا ہے یہاں پر صرف دو مسئلے ان میں سے ہم بیان کریں گے ایک مسئلہ قصر کا اور دوسرا جمع کا۔ قصر کے مسئلہ میں چار رکعت والی نماز کی جگہ دو رکعتیں پڑھنے میں امت کے تمام علماء کا اتفاق ہے اور کسی کو اس میں اختلاف نہیں۔ لیکن احناف کے مذہب میں قصر عزیمت ہے اور چار رکعت ٹھیک نہیں اگر چار رکعت بھی پڑھیں اور پہلے تشہد میں بیٹھیں تو جواز ہو جاتا ہے اور اگر نہ بیٹھیں تو نماز فاسد ہے۔ اسی طور امام مالک کے مذہب میں ہے۔ امام شافعی کے نزدیک اس میں رخصت ہے۔ اور چار رکعتیں پڑھ لینا جائز ہے جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ آپ نے چار رکعت والی نماز سفر کے دوران مکمل ادا کی ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی جو حدیث آئی ہے کہ آنحضرت قصر بھی کرتے تھے اور پوری بھی پڑھ لیتے تھے۔ اور آپ روزہ بھی رکھ لیتے تھے اور کبھی افطار ہی رکھتے۔ یہ روایت صحیح المرتبہ نہیں ہے صحابہ سے بھی کسی نے چار رکعت ادا نہیں کیں۔ سوائے اس کے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت کے آخری دنوں کے دوران حج کے موسم میں چار رکعتیں ادا کی تھیں۔ علماء نے اس کی کوئی ایک تاویلات کی ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہی مذہب ہے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سفر پر نماز فرض پر اکتفا کرنے کے عادی تھے اور یہ بات اس وقت محفوظ نہیں کہ نماز فجر کی دو رکعت سنتوں اور چار وتروں کے علاوہ دوران سفر آنحضرت نے فرض نماز سے پہلے یا بعد سنتیں ادا کی ہوں۔ نماز ظہر کے فرضوں کے بعد سنتیں ادا کرنا بھی روایت میں آیا ہے اور صحابہ کرام کی جماعت سے یہ ثابت شدہ ہے کہ وہ سفر کے دوران سنت ادا کیا کرتے تھے لیکن ابن عمر رضی اللہ عنہ نہیں پڑھتے تھے۔ گو کچھ روایات میں ان کا بھی سنتیں پڑھنا وارد ہوا ہے نیز یہ ہے کہ اگر کوئی سنت پڑھتا تھا تو یہ اسے ممانعت نہ کرتے تھے۔ بعض کا قول یہ ہے کہ سنن رواتب میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ لیکن غیر راتبہ قطوع میں اختلاف نہیں ہے۔ آنحضرت صلوٰۃ الیل (تہجد) کو نہ چھوڑتے تھے۔ خواہ سفر ہوتا یا حضر۔ کسی وقت آپ سواری پر ہی اشارے کے ساتھ تہجد کی نماز پڑھ لیتے تھے اور وتر بھی پڑھتے تھے۔ سواری کی پشت پر اشارے کے ساتھ نفل پڑھنے کا جواز ہے۔ سواری خواہ کسی سمت بھی جا رہی ہو۔ شرط یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ کے وقت پر استقبال قبلہ کر لیا ہو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم معہ اپنے صحابہ ایک دفعہ کسی تنگ سی رہگزر پر سفر کر رہے تھے اوپر سے بارش ہو رہی تھی اور نیچے کیچڑ و دلدل تھی۔ یہ سب سوار تھے۔ اتنے میں نماز کا وقت ہو گیا۔ اذان و اقامت کہی گئی۔ آنحضرت نے اپنی سواری آگے بڑھائی اور سب سے آگے ہو کر صحابہ کی جماعت کے ساتھ اشارے سے نماز پڑھائی اور رکوع کی نسبت سجود زیادہ جھک کر کیا۔ یہ موقع ان مواقع میں سے ہے جن کے بارے میں علماء کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے

بذات خود اذان کہی تھی۔ بعض کا قول ہے کہ اس سے یہ مراد ہے کہ آپ نے اذان کا حکم فرمایا تھا۔ بعض میں بالتصریح آیا ہے۔ فامر المؤمذن فاذن

اور جمع کرنا یعنی دو نمازوں کو اکٹھا کر کے ادا کرنے کا مسئلہ اس طرح سے ہے کہ اگر زوال آفتاب سے پہلے ہی آپ کو روانہ ہونا ہوتا تھا تو نماز ظہر میں آپ تاخیر کرتے تھے اور عصر کی نماز کا وقت ہوتا تو اقامت فرماتے تھے اور ظہر اور عصر کے درمیان جمع فرمالیتے تھے۔ اس کو جمع تاخیر کہا جاتا ہے اور اگر سفر پر روانگی سے پہلے ہی ظہر کا وقت ہو جاتا تھا تو کسی وقت آپ ظہر کی نماز پڑھ لیتے تھے اور پھر سوار ہوتے تھے اس کے بعد جب عصر کا وقت ہوتا تھا تو سواری سے اتر کر عصر کی نماز پڑھتے تھے اس طرح جمع وقوع میں نہیں آتا۔ کبھی آپ ظہر کو عصر کے ساتھ ملا لیتے تھے دونوں کو اکٹھا پڑھتے تھے اور اس وقت آپ سوار ہوتے تھے اس کا نام جمع تقدیم رکھا ہے اور اسی طرح مغرب اور عشاء میں ہوتا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر مغرب سے پہلے آپ سفر پر روانہ ہوتے اور راستے میں مغرب کی نماز کا وقت ہو جاتا تو مغرب کی نماز میں تاخیر کر دیتے تھے۔ حتیٰ کہ نزول فرماتے تھے تو مغرب اور عشاء کو اکٹھا کر کے پڑھ لیتے تھے۔ اسے جمع تقدیم کہا جاتا ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ حدیثوں میں جمع بین الصلوٰتین وارد ہوا ہے۔ کچھ احادیث میں مطلق ہے۔ اور کچھ میں روانگی کی حالت سے مقید ہے اور بعض احادیث میں سفر کو زیادہ جلدی قطع کرنے کی قید ہے اور اسی موقع پر علماء مختلف الرائے ہیں جو کہ جمع کے جائز ہونے کے قائل ہیں۔ اور بعض علماء علی الاطلاق قائل ہیں ان میں سے امام شافعی بھی ہیں۔ بعض کے نزدیک روانگی کی حالت اور سفر کے ساتھ مخصوص ہے اور نزول کی حالت میں نہیں اور کہا جاتا ہے کہ آنحضرت کی عام دائمی عادت سفر میں جمع کرنے کی نہیں تھی اگر سفر رواں دواں ہوتا تھا تو پھر آپ جمع فرماتے تھے۔ لیکن نزول اور قرار کی حالت میں جمع کرنا روایت میں نہیں آیا ہے بعض علماء کے نزدیک قطع مسافت میں جلدی کی حالت کے ساتھ مخصوص ہے۔ فتح الباری میں آیا ہے۔ کہ اسی طرح ہی امام مالک سے بھی مشہور ہے۔ اس کے علاوہ بعض زائد سفر کے عذر کی حالت کے ساتھ اس کا اختصاص کرتے ہیں اور بعض نے جمع تاخیر کو جائز کہا ہے اور جمع تقدیم ناجائز قرار دیا ہے۔ اس کی روایت امام احمد سے ہے۔ اور یہ بحالت سیران کے نزدیک بھی جائز ہے لیکن ان کے مذہب میں مطلقاً" جواز ہی مشہور ہے اور فتح الباری میں آیا ہے کہ امام مالک کے نزدیک بھی جمع التاخیر جائز ہونا روایت ہوا ہے اور جمع تقدیم نہیں۔ امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک تو یہ بالکل ہی جائز نہیں وہ کہتے ہیں کہ نماز کے اوقات کا تعین قطعی ہے اور اس کا ثبوت تواتر کے ساتھ آیا ہے۔ اس طرح سے کہ اس میں شک و شبہ کی ہرگز گنجائش باقی نہیں ہے۔ حتیٰ کہ امام صاحب نماز کو اس کے وقت سے لیٹ کرنا یا وقت سے مقدم کرنا کبیرہ گناہ قرار دیتے ہیں۔ امام محمد نے موطا میں نقل کیا ہے کہ ہم کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب سے روایت ملی ہے کہ انہوں نے حکام کو خطوط لکھے اور ممانعت فرمائی کہ کوئی حاکم جمع بین الصلوٰتین نہ کرے اور ان کو بتایا کہ جمع بین الصلوٰتین ایک وقت پر کبیرہ گناہوں سے ہے۔ امام محمد رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔ کہ ثقہ قسم کے علماء سے ہم تک یہ خبر آئی ہے کہ انہوں نے ابن الحارث سے اور انہوں نے مکحول سے روایت کیا ہے۔ چونکہ اوقات کا تعین قطعی طور پر ہے اور متواتر ثابت ہے۔ اس

لئے خبر واحد اس سے معارض نہیں برعکس حالت سفر میں افطار اور قصد کے۔ کیونکہ یہ تو قرآن کی نص کے ساتھ ثابت ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو کبھی غیر وقت میں نماز پڑھتے نہیں دیکھا۔ سوائے مغرب اور عشاء کی نمازوں کے جو انہوں نے مذولفہ میں جمع فرمائیں (کذافی البخاری و مسلم) دیگر حدیثوں میں عرفات کے مقام پر ظہر و عصر کو جمع فرمانا روایت ہوا ہے اور یہ حج کے مناسک کی بنا پر تھی اور سفر کی بنا پر نہیں۔ علاوہ ازیں یہ فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ہمیشہ نہ تھا اس کی صراحت غزوہ تبوک نہ ہے کہ آپ وہاں پر روزانہ یہ فعل کرتے تھے۔ تحقیق اس طرح ہے کہ "کان" کالفظ دوام و استمرار پر دال نہیں ہے۔

ابوداؤد کی روایت سے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے جامع الاصول میں آیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کبھی بھی دوران سفر مغرب و عشاء ملا کر نہیں پڑھیں سوائے ایک دفعہ کے اور یہ بھی ابن عمر سے نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے کبھی بھی دو نمازیں ملا کر ادا نہیں کیں۔ سوائے ایک مرتبہ کے 'بوقت شب جب ان کو کسی مقام سے زوجہ کی فوئیدگی کی اطلاع ملی تھی اور آپ وہاں روانہ ہو گئے تھے۔ دیگر ایک روایت میں آیا ہے ایک یا دوبار کے سوا آپ نے کبھی اس طرح نہ کیا تھا۔ ترمذی سے نقل ہے کہ سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے لوگوں نے دریافت کیا کہ آیا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کبھی کسی رات کو نمازیں ملا کر پڑھی تھیں تو آپ نے جواب دیا کہ نہیں سوائے مقام مزدلفہ کے۔

اور جمع تقدیم کے ذکر کی حدیثیں صحاح میں نہایت تھوری وارد ہوئی ہیں۔ اور جو روایات بخاری میں ہیں ان میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ ائمہ کی اکثریت اس کو تسلیم نہیں کرتی اس لئے اب جمع تاخیر پر عمل باقی ہے۔ اس کی تاویل یوں ہے کہ جمع بین الصلواتین کا مطلب ہے کہ پہلی نماز میں اس قدر تاخیر کی جائے کہ اس کے آخری وقت میں اس کو ادا کریں۔ بعض نے اس کا نام جمع صوری رکھا ہے۔ کیونکہ ظاہری طور پر تو یہ صورت میں جمع معلوم ہوتی ہے لیکن اصل میں یہ جمع نہیں احناف اسی صورت پر دوران سفر جمع کا اطلاق کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک اس کا تصور باب استحاضہ میں حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے گو حدیث کے الفاظ کے مطابق کچھ روایتوں میں اس طرح ہے کہ ظہر اور عصر کے درمیان ایک وقت میں جمع کیا گیا اور بوقت عصر پڑھیں۔ تو ہمارے مذکورہ بالا دلائل کی بنا پر یہ بھی اسی پر ہی محمول ہے۔ اس میں شک نہیں کہ حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ سے ابوداؤد شریف میں روایت ہوا ہے کہ سورج غروب کے بعد آپ جب سفر میں ہوتے تھے اور قافلہ چل رہا ہوتا تھا۔ تو خوب اندھیرا ہو جانے پر آپ قیام فرما کر مغرب کی نماز ادا کیا کرتے اور پھر سفر شروع کر دیتے تھے فرماتے ہیں کہ اسی طرح ہی رسالت صلی الل علیہ و آلہ وسلم کا معمول ہوتا تھا۔ امام محمد رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی موطا میں کہا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ہم تک یہ خبر پہنچی ہے کہ وہ نماز مغرب اس کے اپنے وقت میں ہی ادا کرتے تھے اس لئے کہ وہ قبل از غروب شفق تک تاخیر کر لیتے تھے۔ جبکہ امام مالک کی روایت اس کے خلاف ہے۔ انہوں نے فرمایا ہے کہ حتٰی غاب شفق یہاں تک شفق غرور ہو جایا کرتی تھی۔

جامع الاصول میں حضرت نافع اور عبد بن واقدی کی روایت سے بحوالہ ابوداؤد (شریف روایت ہوا ہے۔) کہ ابن عمر

رضی اللہ عنہ کے موذن نے جب کہا الصلوۃ۔ تو ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کہ سفر جاری رکھو حتیٰ کہ آپ نے غروب شفق سے قبل نزول فرمایا اور مغرب کی نماز پڑھی۔ پھر آپ منتظر رہے یہاں تک کہ رنگ شفق بھی غائب ہو گیا۔ تو آپ نے عشاء کی نماز ادا کی۔ پھر آپ فرمانے لگے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دوران سفر عجلت ہوتی تھی۔ تو آپ بھی اسی طرح حکم فرمایا کرتے تھے۔ جس طرح میں نے عمل کیا ہے۔ نسائی شریف کی حدیث میں اس طرح ہے کہ حتیٰ اذا کان آخر الشفق امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے مطابق جمع پر دلیل و نظیر یہ روایات ہیں۔ ان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عدم جمع ایک وقت پر جمع' جمع بصورت تاخیر آخر وقت تک اور تعجیل در اول ان سب کے متعلق روایات آئی ہیں۔ ان سے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے عدم جمع کو اختیار فرمایا ہے اور یا پھر آپ نے وقت کی محافظت کی خاطر جمع در معنی تاخیر کو اپنایا ہے۔

علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں فرمایا ہے کہ کچھ شافعی المذہب علماء نے کہا ہے کہ جمع نہ کرنا ہی افضل ہے اور ایک روایت میں امام مالک سے مروی ہے کہ جمع کرنا مکروہ ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو ایسا کیا تھا وہ صرف بیان جواز کی خاطر تھا۔ واللہ اعلم۔

تنبیہہ:۔ یہ سارا بیان جمع بیان الصلواتین کے باب میں ہے صرف ان لوگوں کے لئے جو سفر میں ہوں۔ جہاں تک جمع بین الصلواتین برائے مقیم کا تعلق ہے اس بارے میں ترمذی نے کہا ہے کہ کچھ تابعین حضرات صرف بیمار کے لئے جمع بین الصلواتین کے جواز کو مانتے ہیں۔ جن میں امام احمد اور اسحاق بھی شامل ہیں۔ جبکہ امام شافعی مریض کے ایسی جمع کے قائل نہیں ہیں۔ یہ ترمذی کی عبارت ہے۔

نمازہ جنازہ:۔ وصل:۔ نماز جنازہ سے متعلق مسائل کتاب الجنائز میں ہیں اور حدیثوں میں وارد ہوئے ہیں۔ اس کے مقدمات اور اس کے آداب بہت سے ہیں۔ ان میں بیماری کی فضیلت و ثواب اور دوران بیماری بیمار پرسی کرنے کا ثواب و آداب سب کچھ شامل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عیادت کے لئے کسی دن کا تعین نہ فرماتے تھے۔ جیسے کہ عام لوگ اس طرح خیال کرتے ہیں کہ سینچر اور منگلوار ان دو ایام میں بیمار پرسی کرنا مبارک نہیں ہوتا اور مواہب لدنیہ میں کہا گیا ہے کہ سینچر کے روز عیادت کو ترک کرنا سنت کے خلاف ہے اور اس کو بدعت کہا گیا ہے۔ جس کی ایجاد ایک یہودی طبیب سے ہے۔ اس ایجاد کی بنا یوں ہوئی کہ ایک مرتبہ کوئی بادشاہ کوئی بادشاہ بیمار پڑ گیا اس نے اس یہودی طبیب کو حکم فرمایا کہ وہ اس کے علاج کی خاطر ہمہ وقت حاضر رہے اور بادشاہ کا یہ بھی حکم تھا کہ اگر یہ طبیب باہر جائے تو اس کی گردن اڑا دی جائے یہودی کی خواہش تھی کہ اسے جمعہ کے روز کی چھٹی مل جائے اور سینچر کے دن بھی یہودی کے اپنے دین کی خاطر اسے رخصت رہے۔ پس اس نے گزارش کی کہ ہفتہ کے روز بیمار کے پاس رہنے میں اس مریض کی ہلاکت مخدوش ہوتی ہے۔ لہٰذا بادشاہ نے اپنی جان چلی جانے کے خوف کے پیش نظر طبیب کو رخصت دی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو درد چشم پر بھی عیادت فرمایا کرتے تھے۔ امام احمد اور داؤد نے زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میری آنکھ کی تکلیف کے وقت عیادت فرمائی تھی اور کہا ہے کہ یہ صحیح حدیث ہے اور جو شخص آشوب میں عیادت کرنا مسنون اور مستحب نہیں گردانتا اس کے لئے اس حدیث میں اس کا ثبوت موجود ہے۔ طبرانی اور بیہقی سے ایک اور حدیث بھی اسی ضمن میں منقول ہے کہ تین چیزوں میں عیادت نہیں ہے۔ آنکھ کی تکلیف میں، دوسرا پھوڑے پھنسی وغیرہ کی تکلیف میں اور تیسرے دانتوں کے درد میں۔ یہ حدیث ضعیف ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میت پر ان باتوں سے احسان فرمایا کرتے تھے جو قبر میں اور قیامت کے دن اس کے لئے مفید و نافع ہوتی تھیں اور میت کے پسماندگان پر بھی تعزیت، طعام، حالات و احوال پوچھنے اور تجہیز و تکفین میں مدد کرنے سے احسان فرمایا کرتے تھے۔ آپ جماعت صحابہ کے ساتھ اس کی جنازہ کی نماز ادا کرتے تھے اس کے حق میں استغفار کیا کرتے تھے اور پھر آپ مدفن تک صحابہ کے میت میں جایا کرتے تھے۔ قبر کے سرہانے کی جانب آپ کھڑے ہو کر میت کے حق میں دعا فرماتے تھے اور اس کو تلقین فرماتے تھے کہ کلمہ ایمان پر ثابت قدم رہے اور اس کو آپ منکر اور نکیر کے سوالات کے جوابات سکھلایا کرتے تھے۔ آپ اس کی قبر پر مٹی ڈال کر قبر کی تیاری میں حصہ لیتے تھے اور اس کو سلام اور دعا کے ساتھ آپ مخصوص فرمایا کرتے تھے تا کہ اسے راحت و آرام میسر ہو اور اس پر رحمت و مغفرت کا نزول ہو۔ صحابہ کا ایک مدت تک یہ معمول رہا کہ جس وقت کسی کی رحلت کا وقت آجاتا تھا اور اس پر عالم سکرات طاری ہو جاتا تھا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گزارش کرتے تھے اور آنحضرت وہاں تشریف لاتے تھے۔ اس لئے کہ وہ آنحضور کی موجودگی میں اپنی جان قربان کرے ازاں بعد اس کی تجہیز و تکفین کی جاتی۔ نماز بھی آپ پڑھتے اور جنازہ کے ساتھ آپ قبر تک تشریف لے جاتے تھے۔ صحابہ کو جب محسوس ہوا کہ اس طرح تو آنحضرت کو بڑی مشقت و دشواری لاحق ہوتی ہے تو صحابہ نے اس میں اختصار کیا۔ لہٰذا وہ انتقال کر جانے کے بعد آنحضرت کو اطلاع دیتے تھے تاکہ آنحضرت تجہیز و تکفین اور نماز جنازہ و تدفین میں شمولیت فرمائیں۔ جب صحابہ کو نظر آیا کہ اس میں بھی کافی مشقت ہے۔ تو پھر صحابہ میت کی تجہیز و تکفین خود ہی کر لیتے تھے۔ اس کے بعد انتظار کرتے تھے کہ آپ حضور تشریف لائیں اور نماز جنازہ پڑھادیں اور اوقات نادرہ میں مثلاً شب کے دوران یا اگر کوئی دیگر امر مانع ہوتا تھا تو صحابہ کرام نماز جنازہ بھی خود ہی پڑھا لیتے تھے اور آنحضور کو اطلاع نہ دیتے تھے اور میت کی تدفین کر دیتے تھے بعد ازاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لایا کرتے اور اس کی قبر پر نماز ادا کرتے تھے شروع کے زمانے میں تو جب کوئی میت آنحضرت کے سامنے لائی جاتی تھی تو آنحضور دریافت فرمایا کرتے تھے کہ اس پر کسی کا کوئی قرض تو نہیں ہے؟ اور اس نے کوئی ترکہ چھوڑا ہے جس سے قرضہ ادا کیا جا سکے۔ اگر جواب ملتا ہے کہ ہاں اس نے ترکہ میں مال چھوڑا ہے۔ یا کسی نے قرضہ کی ادائیگی اپنے ذمہ لے لی ہے تو آپ نماز پڑھاتے تھے ورنہ فرمادیتے تھے کہ اس کی نماز تم خود ہی پڑھالو اور آپ نہ پڑھاتے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے شہروں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں مفتوح فرمایا اور اموال

میں وسعت عطا فرمائی۔ تو آنحضرت نے قرضے کے بارے میں دریافت فرمانا ترک کردیا اور آپ نے فرمایا ہے کہ جو کوئی شخص مال چھوڑتا ہے تو وہ اس کے اہل و عیال کے لئے ہے۔ اور جس نے کوئی قرضہ پیچھے چھوڑا ہے یا اہل و عیال ہی پیچھے چھوڑے ہیں۔ وہ میری ذمہ داری ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نماز جنازہ میں کبھی چار تکبیریں پڑھتے تھے کسی وقت پانچ اور کبھی چھ بھی پڑھتے تھے۔ اس بارے میں عمل صحابہ کرام بھی مختلف روایت میں آیا ہے۔ جو لوگ چار سے زائد تکبیروں سے ممانعت کرتے ہیں۔ ان کا قول ہے کہ ثابت شدہ یہ ہے کہ جو نماز جنازہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے سب سے آخر میں پڑھائی تھی اس میں صرف چار تکبیرات تھیں اور یہی مقرر اور متعین ہو گیا تھا اس باب میں چار تکبیروں کے حق میں ہی اخبار و آثار مستفیض و مشہور ہوئے ہیں اور کثرت روایات سے اور متعدد طریقوں سے بھی چار تکبیریں ہی ثابت ہیں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس وقت ملا ئکہ نے آدم علیہ السلام کی نماز جنازہ پڑھی تھی تو چار تکبیریں ہی کہی تھیں۔ اور کہا ھذا سنتکم یا بنی آدم اے بنی آدم تمہارے لئے یہی تمہاری سنت ہے۔ حاکم نے اس کو مستدرک میں اور ابو نعیم نے بھی اسے حلیہ میں روایت کیا ہے اور دو سلام کے ساتھ نماز جنازہ سے فارغ ہوتے تھے۔ امام اعظم ابو حنیفہ اور امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہی ہے اور آنحضور کسی وقت ایک سلام پر بھی اختصار فرما لیتے تھے اور یہ ہی مذہب ہے امام مالک اور امام احمد کا اور ایک روایت میں ان سے بھی دو سلام ہی آئے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک قول جمع الجوامع میں نقل کیا گیا ہے کہ وہ ایک ہی سلام پھیرا کرتے تھے اور دوسرے صحابہ کا عمل بھی اسی طور تھا اور ہر تکبیر کہتے ہوئے ہاتھ بلند کرتے تھے یہ مذہب ہے امام شافعی اور امام احمد کا۔ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابن عباس' زید بن ثابت اور امام مالک رضی اللہ عنہ سے تین اقوال روایت میں آئے ہیں۔ پہلا ہے رفع در کل۔ دوسرا ہے عدم رفع در کل۔ تیسرا در اول رفع و در بواقی عدم رفع۔ امام اعظم ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کا مذہب بھی یہ ہی ہے۔ اس لئے کہ ترمذی شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث رویت ہوئی ہے اس کے علاوہ اور بھی احادیث اس ضمن میں وارد ہوئی ہیں اور امکان یہ بھی ہے کہ کبھی اس طرح ہوا ہو اور کبھی اس طریقہ پر ہوا ہو۔ مولف سفر السعادت کا قول ہے کہ نماز جنازہ کے دوران تکبیرات کے ساتھ رفع یدین کے لئے کوئی بھی صحیح روایت نہیں آئی ہے۔ واللہ اعلم۔

نماز جنازہ کی پہلی تکبیر کے بعد سورۃ فاتحہ کی قرات بھی روایت میں آئی ہے۔ شرح ہدایہ شیخ ابن الہمام نے فرمایا ہے کہ نماز جنازہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ و سلم کی قرات کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ لیکن بخاری شریف مسلم شریف ابو داؤد شریف' ترمذی اور نسائی شریف میں حضرت ابن عباس رضی الل عنہ کی حدیث آئی ہے اس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول و فعل کے متعلق روایت ہے اور کچھ روایات ایسی بھی ہیں جن میں سورۃ فاتحہ یا کسی اور سورۃ کی قرات بالجہر ماثور ہوئی ہے اور کہا یہ جاتا ہے کہ وہ جہر صرف تعلیم کی خاطر تھا تاکہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ یہ مسنون ہے جس طرح کہ حدیث میں ان معانی کی صراحت وارد ہوئی ہے اور امام شافعی۔ امام احمد اور اسحاق کا مذہب اسی طرح ہے۔ لیکن امام اعظم' امام مالک

اور ثوری کا مذہب ان کے خلاف پر ہے۔ اس بارے میں صحابہ کرام سے بھی اختلاف روایت ہوا ہے۔
امام طحاوی نے کہا ہے کہ سورۃ فاتحہ جنازہ کی نماز میں ثناء اور دعا کے طور پر پڑھی جاتی تھی اور قرات کی سورۃ میں نہیں پڑھتے تھے۔ شمنی کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۃ فاتحہ کو ثناء کی نیت کے ساتھ اگر پڑھا جانا مراد لیتے ہیں تو ہم بھی اس کو جائز سمجھتے ہیں فتح الباری کے کلام سے پتہ چلتا ہے کہ جو حضرات سورۃ فاتحہ کی قرات کے قائل ہیں وہ مشروعیت مانتے ہیں نہ کہ وجوب لیکن اس بارے میں کرمانی کا قول ہے کہ واجب ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے کلام میں جو آیا ہے کہ یہ سنت ہے اس سے طریقہ مسلوکہ دین مراد ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ اور امام مالک رحمتہ اللہ علیہما کے نزدیک یہ واجب نہیں ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دعا پڑھنا بھی محفوظ ہوا ہے۔ وہ یہ ہے۔
اللھم اغفرله ولرحمه وعافه واعف عنه واکرم نزله ووسع مرخله واغسله بالماء والثلج والبرد ونقه من الخطایا کما نقیت الثوب الابیض اللہ نس وابدله دارا خیرا من داره واھلا من اھله وزوجا خیرا من زوجه وادخله الجنة واعذه من عذاب القبر ومن عذاب النار یہ حدیث مسلم، ترمذی اور نسائی سے بروایت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنازہ کی نماز پڑھی تو اس میں آپ نے یہ دعا پڑھی۔ تو میں نے اس کو یاد کر لیا اور حضرت عوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نماز جنازہ میں یہ دعا پڑھتے ہوئے سنا۔ تو مجھے آرزو ہوئی کاش کہ یہ جنازہ میرا ہی ہوتا۔
اس وقت یہ دعا پڑھنا رائج و متعارف ہے وہ یہ ہے۔ اللھم اغفر لحینا ومیتنا وصغیرنا وکبیرنا و ذکرنا وانثانا وشاھدنا وغائبنا اللھم من احییته فاحیه علی الاسلام ومن توفیته منا فتوفه علی الایمان اللھم لا تحرمنا اجرنا ولا تضلنا بعده اور ایک روایت میں آیا ہے ولا تفتنا بعده کچھ روایت میں اس قدر زائد ہے۔ اللھم ان کان محسنا فزدنی احسانه وان کان مسیئا فتجاوز عن سیئاته یہ موطا میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اگر میت نابالغ لڑکوں سے ہو تو اتنا مزید پڑھا جاتا ہے۔ اللھم اجعله لنا فرطا و ذخرا وجعله لنا شافعا ومشفعا اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جنازہ کی نماز فوت ہو جاتی تھی تو آپ قبر پر نماز ادا کرتے تھے۔ ایک دفعہ تو ایک دن اور رات کے وقفہ کے بعد آپ نے قبر پر نماز پڑھی اور ایک دفعہ تین یوم گزر جانے کے بعد اور ایک ماہ کے بعد کا ذکر بھی آیا ہے۔ حدیث میں اسی طرح آیا ہے۔ کچھ علماء کا کہنا ہے کہ اس وقت تک جائز ہے جب تک میت پھول پھٹ نہ جائے اور اندازہ میں یہ تین دن سمجھے گئے ہیں اور بعض اسے اس وقت تک جائز قرار دیتے ہیں جب تک کہ میت گل سڑ نہیں جاتی اور اس میں ایک ماہ سے زیادہ رہنا بھی مہمل ہے۔ اہل فقہ کا اس میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک یہ خصائص نبوت سے ہے۔ کیونکہ یہ حدیث میں آچکا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ قبر میں اندھیرا چھایا ہے اور میری نماز اس کو روشن کر دینے والی ہے اور حق یہ ہے کہ یہ عام ہے اور بعض یوں کہتے ہیں کہ جس کی نماز جنازہ پہلی نہ پڑھی

گئی ہو اور تدفین بلاجنازہ کی گئی ہو۔ اس کے لئے درست ہے ورنہ نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جنازہ کے ساتھ پیدل ہی جایا کرتے تھے۔ ترمذی شریف اور ابوداؤد شریف میں حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہم ایک جنازہ کے ساتھ گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ایک جماعت کو دیکھا جو کہ ساتھ ہی چلی جارہی تھی۔ تو آنحضور نے ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں کو شرم نہیں آتی کہ اللہ تعالیٰ کے فرشتگان تو ساتھ پیدل جاتے ہیں اور یہ سواریوں پر سوار ہیں۔ ابوداؤد کی ایک اور روایت میں یوں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت اقدس میں سواری کے لئے ایک گھوڑا پیش کیا گیا ہے تو آنحضرت نے سوار ہونے سے انکار کر دیا لیکن جب آپ واپس تشریف لائے تو سواری فرمائی۔ نیز آنحضور اس وقت تک نہ بیٹھا کرتے تھے جب تک جنازہ کندھوں سے نیچے نہ اتارا جاتا تھا۔ آنحضرت کا ارشاد ہے۔ اذا تبعتم الجنازة فلا تجلسوا حتى توضع جب تک جنازہ اٹھایا رہے۔ تم مت بیٹھو۔ ایک روایت میں وارد ہوا ہے کہ جب تک جنازہ لحد میں نہ اتارا جائے تم نہ بیٹھو۔

آیا کہ جنازہ کے آگے آگے چلنا مستحب ہے یا کہ پیچھے چلنا۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک جنازہ کے پیچھے چلنا استحباب میں شامل ہے۔ امام اوزاعی بھی یہی مذہب رکھتے ہیں۔ کیونکہ پیچھے چلنا موت کی یاد اور اس میں غور و تدبیر اور تفکر کرنے اور عبرت کے حصول کی خاطر موثر تر ہے امام نووی اور دوسری جماعتوں کا کہنا ہے کہ دونوں طرح برابر ہے امام مالک شافعی اور احمد رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جنازے کے آگے آگے چلنے کو زیادہ فضیلت حاصل ہے۔ کیونکہ قوم شفیع ہے اور عادت میں شفیع کو تقدیم ہے۔ ترمذی شریف میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت آئی ہے۔ کہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما جنازہ کے آگے آگے جایا کرتے تھے۔ دیگر ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو سوار ہو اسے سب سے پیچھے چلنا چاہیے اور پیدل کو اختیار حاصل ہے۔ خواہ وہ آگے آگے چلے یا پیچھے پیچھے یا وہ دائیں جانب رہے یا بائیں جانب۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نماز جنازہ غائبانہ نہ پڑھتے تھے۔ پھر یہ صحیح ہے کہ حبشہ کے بادشاہ کا جنازہ آپ نے پڑھا تھا۔ جبکہ اس کا انتقال ملک حبشہ میں ہوا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ تمہارا ایک بھائی انتقال کر گیا ہے۔ تم اس کی جنازہ کی نماز ادا کرو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے معاویہ رضی اللہ عنہ لیثی پر بھی نماز پڑھی تھی۔ جبکہ آنحضور غزوہ تبوک میں تھے اور معاویہ لیثی رضی اللہ عنہ مدینہ میں تھے آنحضرت کی خدمت میں حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور کہنے لگے کیا آپ کو پسند ہے کہ آپ کے لئے زمین کو لپیٹا جائے اور آپ ان پر نماز ادا کرلیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں۔ لہٰذا حضرت جبریل علیہ السلام نے اپنا پر مارا اور تمام درمیانی حجابات پہاڑ ٹیلے درخت وغیرہ دور کر دیئے دیگر ایک روایت میں آیا ہے کہ اس کا جنازہ اٹھا کر آنحضور کے سامنے کر دیا۔ تو آنحضرت نے نماز جنازہ پڑھی۔ اس وقت فرشتوں کی بھی دو صفیں آنحضرت کے پیچھے تھیں۔ ہر صف میں فرشتوں کی تعداد ستر ہزار تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام سے دریافت فرمایا کہ معاویہ کو یہ مرتبہ کیسے حاصل ہوا۔ جبریل نے بتایا کہ ان کو قل ھو

اللہ احد محبوب تھا۔ یہ اسے اٹھتے بیٹھتے اور آتے جاتے گویا کہ ہر وقت پڑھا کرتے تھے۔

غائب پر نماز جنازہ پڑھنے میں اہل فقہ مختلف الرائے ہیں۔ امام شافعی اور امام احمد رحمتہ اللہ کا قول ہے کہ غائب پر نماز جنازہ پڑھنا مطلق طور پر سنت ہے امام ابو حنیفہ اور امام مالک مطلق طور پر اس کی ممانعت کرتے ہیں اور بعض نے تفصیل ایسے بیان کی ہے کہ اگر میت کسی اس طرح کے شہر میں ہو جہاں جنازہ پڑھنے والا ہی کوئی موجود نہ ہو تو اس کی غائبانہ نماز پڑھ لینا جائز ہے اور اگر جنازہ پڑھنے والے وہاں موجود ہوں تو فرض ساقط ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اس پر غائبانہ نماز جنازہ کی کوئی ضرورت نہ ہے۔ بعض حضرات کا قول ہے کہ یہ جواز صرف اس ایک روز کے لئے ہی ہے جس روز کہ وہ فوت ہوتا ہے اور یا اس کے دوسرے روز لیکن لمبے اور طویل زمانہ کے لئے اس کا کوئی جواز نہ ہے۔ احناف و موالیک مطلقاً" ممانعت کے قائل ہوتے ہوئے قصہ نجاشی کے جواب میں کہتے ہیں کہ نجاشی کا جنازہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خاطر ظاہر کر دیا گیا اور سب حجابات دور کر دیئے گئے تھے۔ اور یا پھر جنازہ آنحضرت کے روبرو لا کر رکھا گیا تھا اور تمام درمیانی مسافت ختم کر دی گئی ہو گی اور آنحضرت نماز پڑھتے ہوئے اسے دیکھ بھی رہے تھے۔ لیکن صحابہ نہیں دیکھتے تھے۔ صورت حال یوں تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم یعنی امام جنازہ کو ملاحظہ فرماتا تھا جبکہ صحابہ کرام اور قوم جو اقتداء میں تھے نہیں دیکھتے تھے۔ ایسی صورت میں بالاتفاق جواز ہے۔ علاوہ ازیں لیثی کے جنازہ میں بھی صورت حال اسی طرح ہی ہو گی۔ بعض کا قول ہے کہ ایسا صرف نجاشی سے مخصوص تھا۔ اور معاویہ لیثی کے معاملہ میں یہ خصوصیت نہ تھی اور روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت جعفر بن ابو طالب' زید بن حارثہ اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ بھی پڑھی تھی۔ یہ حضرات غزوہ موتہ کے دوران شہید ہو گئے تھے۔

قبر کو اونچا کر کے نہ بنایا کرتے تھے اور نہ ہی اینٹ اور پتھروں سے اس کو پختہ کرتے تھے۔ نہ ہی قلعی و سخت مٹی سے ہی اس کو لیپتا کرتے تھے۔ قبر کے اوپر کوئی قبہ یا عمارت بھی نہیں بناتے تھے۔ یہ تمام چیزیں مکروہ ہیں اور بدعت ہیں سفر السعادت میں اسی طرح آیا ہے۔ مطالب المئومنین میں لکھا ہے کہ اسلاف اس کو مباح گردانتے تھے کہ جو علماء و مشائخ مشہور ہیں ان کی قبور پر قبے بنائے جائیں اس لئے کہ لوگ وہاں کی زیارت کیا کریں اور ان قبوں میں آرام کر سکیں اور سائے میں بیٹھا کریں۔ یہ مفاتیح شرح مصابیح سے نقل ہے اور اس میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ میں نے تراش کردہ اینٹوں سے بنائی ہوئی قبور بخارہ میں دیکھی ہیں اور اسماعیل زاہد نے اسے جائز کہا ہے۔ یہ مشاہیر فقہاء میں سے ہیں۔ (انتہیٰ)

کچھ اہل علم حضرات نے اجازت دی ہے کہ مٹی کو گوندھ کر قبریں بنائی جائیں ان میں حضرت بصری بھی شامل ہیں' اسی مسلک پر امام شافعی ہیں قبور پر بیٹھنے اور چلنے کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ روایت میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ایک آدمی کو قبرستان میں جوتا پہن کر چلتے ہوئے ملاحظہ فرمایا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اپنے جوتے اتار دو مسلم شریف اور ابوداؤد میں ابوالمنہاج سے مروی ہے کہ مجھے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ میں تم کو اسی اجازت کے ساتھ بھیجتا ہوں جس کے ساتھ مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بھیجا تھا چلے جاؤ اور کوئی تصویر مٹائے سے نہ چھوڑنا اور کوئی بلند قبر میں پست کرنے کے بغیر نہ چھوڑنا۔ قبر اس قدر بلند ہونی چاہیے کہ زمین سے اس کو امتیاز حاصل

ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آنحضرت کے ہردو صحابہ وخلفاء کی قبور زمین کے برابر ہی ہیں اس پر سرخ رنگ کے سنگریزے لگے ہوئے ہیں حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے فرزند حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قبر پر پانی کا چھڑکاؤ کیا تھا اور کچھ سنگریزے بھی اس پر رکھے تھے۔ حدیث صحیح میں ہے کہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی تدفین کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ایک بھاری پتھر اٹھا کر ان کی قبر پر رکھا۔

اور یہ بھی صحیح حدیث میں وارد ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو یہود پر کیونکہ انہوں نے انبیاء کی قبور کو سجدہ گاہ بنایا اور قبروں کی زیارت کو جانے والی عورتوں پر بھی لعنت ہو۔ بعض کا قول ہے کہ آپ کے ابتدائی زمانہ میں یہ ممانعت اور لعنت تھی۔ رخصت کے بعد عورتیں بھی داخل ہیں اور عورتوں کے لئے ان کی کم صبری اور زیادہ رونے دھونے کے باعث ممانعت ہے۔

قبروں پر چراغ روشن کرنا بھی ممنوع ہے۔ سوائے اس کے کہ چراغ کی روشنی میں کوئی کام کرنا ہو یا قریب چلنے والوں کا آنا جانا ہو۔ قبر کے مواجہ میں نماز پڑھنا بھی مکروہ ہوتا ہے۔ اور بعض کے نزدیک قبرستان میں بھی نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ آپ فوت شدہ لوگوں کی زیارت دعاء واستغفار اور ترحم فرمانے کے لئے کرتے تھے۔ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اہل بقیع کی زیارت کا حکم فرمایا۔ اس لئے کہ آپ ان کے حق میں دعا اور استغفار فرمائیں۔ آپ کا یہ حکم نصف شعبان کی رات یعنی شب برات کو آیا تھا۔ جیسے کہ اس سے قبل مذکور ہو چکا ہے اور اس قسم کی زیارت مسنون اور مستحب ہے جس کی کوئی غرض ہو اور جس میں کوئی کراہت یا بدعت نہ ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اپنے والدین یا ان میں سے کسی ایک کی زیارت ہر جمعہ کو کیا کرے گا اللہ تعالیٰ اسے بخش دے گا اور اس کو نیک بخت لکھا جائے گا۔ والدین کے واسطے توبہ استغفار اور ان کے حق میں صدقہ خیرات کرنے کے بارے میں بھی یہی حکم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس وقت قبرستان نظر آئے تو کہا کرو اسلام علیکم اھل الربار من المؤمنین والمسلمین وانا انشاء اللہ بکم لاحقون۔ علاوہ ازیں حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ شریف کے قبرستان کی طرف آئے تو آپ نے ان کی طرف رخ انور کیا اور فرمایا السلام علیکم یااھ القبور یغفر اللہ لنا ولکم انتم سلفنا و نحن بالاثر نیز یہ اخبار اور آثار میں وارد ہے کہ گیارہ مرتبہ آیۃ الکرسی' سورۃ اخلاص' معوذتین' سورۃ یٰسین' سورۃ تبارک الذی پڑھی جائے اور میت کے لئے جمع ہونا اور ختم وغیرہ پڑھنا اس کی قبر پر یا کسی بھی دوسری جگہ پر آنحضرت کی عادت بالکل نہیں تھی۔ یہ تمام کام بدعت (حسنہ) ہیں ہاں یہ سنت ہے اور مستحب ہے کہ اہل میت کی خاطر جمع ہوں اور ان کو صبر اور تسکین کے لئے تلقین کی جائے۔ لیکن یہ اجتماعات وغیرہ کرنا۔ بالخصوص تیسرے دن اور دوسری جو رسمیں وغیرہ ہیں اور یتامیٰ کے مال کو خرچ کرنا وغیرہ یہ سب کام بدعت ہیں۔ بلکہ ان میں سے کچھ تو حرام ہیں۔ تعزیت کی تین دن آخری حد ہے اس کے بعد تعزیت کرنا مکروہ ہے۔ کچھ علماء کے نزدیک اس کا ساتھ یوم تک جواز ہے۔ اور بعض اس طرح کہتے ہیں کہ جو

میت حاضرہ ہے اس کی تعزیت تین دن تک ہے اور جو غائب ہے اس کی طرف ایک دن ہی ہے اور ایک بار کے علاوہ نہ کی جائے امام اعظم ابو حنیفہ سے اسی طرح مروی ہے۔ قبر کے سرہانے بیٹھ کر تلاوت قرآن کرنے کے بارے میں اختلاف ہے۔ سوائے اس کے کہ زیارت کے موقع پر کی جائے۔ لیکن قبر کے اردگرد اور سرہانے بیٹھ کر قرات قرآن کراہت میں داخل ہے۔ شیخ ابن الھمام نے شرح ہدایہ میں کہا ہے کہ قبر پر قرآن پڑھنے کے لئے قاریوں کو بٹھائے کے متعلق اختلاف آیا ہے لیکن عدم کراہت ہی مذہب مختار ہے۔ (واللہ اعلم)

اور اس طرح نہیں ہوا کرتا تھا کہ تعزیت کی خاطر آنے والوں کے لئے اہل میت کھانا وغیرہ تیار کر کے کھلائیں۔ کچھ کتب فقہ میں یہ بیان ہے کہ اگر دوسرے آنے والوں کی خاطر مال کے ایک تہائی حصہ تک خرچ میں لایا جائے تو اس کا جواز ہے اور میت کے قریبوں اور ہمسایوں کے لئے خرچ کرنے کا کوئی جواز نہ ہے۔ نیز علماء نے فرمایا ہے کہ اہل میت کے واسطے کھانا بھیجنا چاہیے کیونکہ وہ معذور ہوتے ہیں اور ان کو یہ فرصت نہیں ہوتی بوجہ مبتلائے مصیبت ہونے کے کہ وہ کھانا وغیرہ پکائیں یا اس کا انتظام وغیرہ کر سکیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تھے اپنے اہل بیت کو فرمایا تھا کہ جعفر کے گھر والوں کے لئے کھانا تیار کریں۔ کیونکہ ان کے لئے اس قسم کی مصیبت ہے کہ جس کے سبب سے وہ معذور ہیں اور یہ کھانا اہل میت کو کھلانے میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ علماء کا کہنا ہے کہ ان لوگوں کو کھلانے جائز ہی ہے۔ جو میت کی تجہیز و تکفین وغیرہ میں لگے ہوئے ہوتے ہیں۔

سنن رواتب اور سنن موکدہ:۔ سنن رواتب وہ غیر فرض شدہ نمازیں ہیں۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شب و روز میں عبادت کے طور پر پڑھا کرتے تھے۔ ان میں زیادہ تر وہ ہیں جو موکدہ ہیں یا غیر موکدہ عصر کے وقت جو چار سنتیں ادا کرتے ہیں۔ وہ موکدات میں شمار نہیں کی جاتیں لیکن رواتب میں انکا شمار ہے۔ باوجود اس کے کچھ علماء نے ان پر اطلاق مواظبت بررواتب کیا ہے۔ لہٰذا مواظبت کو یا عام تاکید کے معانی پر معمول کرتے ہیں یا عصر کی وہ چار سنتیں بھی موکدات میں شمار جانتے ہیں۔ گو دوسری جو موکدات ہیں ان میں ان کو کم درجہ تصور کرتے ہیں سب موکدات کا مرتبہ برابر نہیں ہوتا۔ جیسے کہ پتہ چلا ہے لیکن یہ قول مشہور کے برعکس ہے اور رواتب میں ہیشگی کے معانی معتبر سمجھے گئے ہیں۔ رواتب اخذ ہے راتوب سے اور اس کے معانی ہوتے ہیں دوان اور ثبوت۔

نماز ظہر کی سنتیں رواتب میں شمار ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ظہر نماز سے پہلے دو رکعت اور بعد بھی دو رکعت کی روایت ہے۔ امام شافعی کا مذہب بھی یہ ہی ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرض ظہر سے قبل چار سنن رواتب اور بعد میں دو کی روایت ہے اور اسی کے مطابق اہل علم صحابہ کی اکثریت عامل ہے اور تابعین بھی۔ سفیان ثوری۔ ابن مبارک اور ابن اسحاق کے مذہب بھی یہ ہی ہے۔ اور امام اعظم ابو حنیفہ کا مذہب بھی یہ ہی ہے۔ ان کا استدلال حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ہے۔ انہوں نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ظہر کے فرضوں سے قبل چار رکعت کو کبھی نہیں چھوڑا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب آنحضرت گھر پر پڑھتے تھے تو چار رکعت ادا کرتے تھے اور مسجد میں جب

ادا کرتے تو دو رکعت ادا کرتے تھے کیونکہ بعض روایات میں اسی طرح ہے یا پھر اس طرح ہوگا کہ کبھی آپ چار رکعت ادا کرتے ہوں گے اور کبھی دو رکعت۔ لہٰذا جو کچھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اور ابن عمر رضی اللہ عنہ کے دیکھنے میں آیا اسی طرح انہوں نے بیان کر دیا ہے۔ احادیث دونوں صحیح ہیں اور کوئی بھی ان میں سے مطعون نہیں۔ علاوہ ازیں یہ بھی حدیث میں آچکا ہے کہ زوال کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چار رکعت پڑھ کر فرماتے تھے کہ آسمان کے دروازے اس وقت کھولے جاتے ہیں اور مجھے یہ ہی گوارا ہے کہ اس وقت میرا عمل اوپر کو بلند ہو۔ لہٰذا کچھ علماء ظہر کے فرائض سے پہلے کی سنتوں کو اسی کے مطابق گردانتے ہیں اور بعض علماء کا خیال ہے کہ یہ علیحدہ ایک نماز ہے اور یہ ظہر کی سنتوں کے علاوہ ہے۔ اس کو آپ زوال سے فوری طور پر بعد میں پڑھا کرتے تھے۔ اور کہتے ہیں کہ اس کا نام صلوٰۃ فی الزوال ہے۔ اکثر حالات میں گھر پر ہی آنحضرت نماز ادا کیا کرتے تھے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ زوال کے بعد آٹھ رکعت پر مشتمل نماز پڑھا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ آٹھ رکعت نماز قیام اللیل کی آٹھ رکعت کے برابر ہیں اور دونوں اوقات یعنی بعد از زوال اور وقت تہجد نزول رحمت کے خاص اوقات ہیں۔ کیونکہ زوال کے بعد رحمت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ یہ آدھے دن کے بعد کا وقت ہے اور رات کے دوران آدھی رات کے بعد کا وقت نزول رحمت کا وقت ہوتا ہے لہٰذا دونوں اوقات میں مناسبت ہے۔ ایک وقت کی نماز دوسرے وقت کی نماز کے برابر ہے فضیلت کے لحاظ سے۔ چونکہ صبح کے وقت پر رحمت کا نزول مشہور ہے۔ لہٰذا زوال کے وقت کی نماز کو اس کا عدیل بتایا گیا ہے اور اس کے ساتھ اسے مشابہہ بنایا ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ ظہر سے پہلے والی چار رکعت سنت نماز سحر کی طرح شمار کی جاتی ہیں اور یہ وقت ہے جبکہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کو سجدہ بجالاتی ہے اس کے بعد انہوں نے یہ آیت ہی تلاوت کی۔ یتفیؤ ظلٰلہ عن الیمین والشمائل سجدا للّٰہ مطلب یہ ہے کہ رب تعالیٰ کو سجدہ کرنے کے لئے سائے دائیں اور بائیں طرف ڈھل جاتے ہیں۔

سنن سعید بن منصور میں سے حضرت براء بن عازب کی روایت کو شیخ ابن الہمام نے نقل کیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ظہر کی پہلی چار رکعت سنت پڑھتا ہے اس نے گویا کہ رات کے دوران تہجد کی چار رکعت ادا کیں۔ اور جو شخص اس کی طرح نماز عشاء کے بعد ہے تو گویا اس نے شب قدر میں پڑھی اور ظہر کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خواہ سفر ہو یا حضر یہ دو رکعت کبھی فوت نہ ہوئی تھیں سوائے ایک دفعہ کے جبکہ آپ مال کی تقسیم میں منہمک اور مصروف تھے تو یہ دو رکعت فوت ہوئیں۔ تو آنحضرت نے عصر کے بعد اس کی قضاء ادا کی۔ اس طرح بخاری میں وارد ہوا ہے اور یہاں پر یہ اشکال ہے کہ صحیح حدیث میں یوں بھی آیا ہے کہ آنحضرت ہمیشہ ہی نماز عصر کے بعد دو رکعت پڑھا کرتے تھے حتیٰ کہ آپ اس جہان سے تشریف لے گئے اور روایت ہوا ہے کہ دو نمازیں وہ ہیں جو کبھی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فوت نہ ہوئیں خواہ سفر ہو یا حضر۔ ایک نماز فجر کے فرضوں سے پہلے کی نماز دو رکعت اور دوسری ہے عصر کی نماز کے فرضوں کے بعد کی دو رکعت نماز آنحضرت نے ہمیشہ ان نمازوں کو باقاعدہ پڑھا۔ حتیٰ کہ اللہ

تعالیٰ سے جا ملے۔ اس بارے میں متعدد طریقوں سے حدیثیں روایت ہوئی ہیں۔ اور ان میں سے سب سے زیادہ صراحت عصر کی سنتوں کی آئی ہے۔ لہذا اب اس اشکال سے نکلنے کی کوئی راہ نہیں سوائے یہ کہنے سے یہ خصائص نبوت سے تھیں اور دیگر حضرات کے لئے یہ مکروہ ہیں۔ جس طرح کہ روایت آئی ہے ابوداؤد میں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم عصر کے بعد دو رکعت نماز پڑھتے تھے لیکن دوسرے لوگوں کو آپ ایسا کرنے سے منع فرماتے تھے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ آنحضرت دو رکعت نماز اپنے گھر پر ادا کیا کرتے تھے اور ان کو آپ مسجد میں اس لئے نہ پڑھتے تھے کہ امت کے واسطے تخفیف ہو۔ اس لئے کہ آنحضرت اپنی امت کی سہولت و آسانی کو بڑا محبوب رکھتے تھے۔

ظہر کی نماز کے بعد بھی چار رکعت نماز روایت میں آئی ہے۔ مسند امام احمد اور سنن نسائی اور ترمذی میں بھی روایت ہوا ہے کہ جو شخص ظہر نماز کی قبل کی چار رکعتوں اور بعد کی چار رکعتوں کی محافظت کرلیتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر جہنم کی آگ کو حرام فرمادے گا۔ شیخ ابن الھمام نے فرمایا ہے کہ آپ کے زمانہ میں علماء کو اس میں اختلاف ہے کہ آیا یہ چار رکعت ان دو راتبہ رکعتوں کے علاوہ ہیں یا کہ ان میں سے ہی ہیں اور دوسری صورت میں یہ ہے کہ آیا ان کو ایک سلام سے ادا کیا جاسکتا ہے یا کہ نہیں۔ میرے نزدیک تو واضح اور ظاہر ہے کہ کوئی شخص ظہر کے بعد والی چار رکعت کو خواہ ایک سلام سے ادا کرے یا دو سلام سے عدد مذکورہ بالا پورا ہو جاتا ہے خواہ روایت میں شمار کرلیں یا نہ کرلیں کیونکہ حدیث سے یہ مستفاد ہے کہ نماز ظہر کے بعد میں چار رکعت ادا کی جائیں اور ان کا رتبہ ہونے میں یہی صادق ہے۔ انتہیٰ۔

بندہ مسکین عفا اللہ عنہ (شیخ محقق) کہتا ہے کہ ظاہر یہ ہوتا ہے کہ یہ چار رکعت نماز ظہر کے بعد والی دو رکعت کے علاوہ ہے جس طرح کہ عشاء کی نماز کے بعد ہیں اور اس پر مشائخ کا عمل ایک اسلام سے ہی پڑھنا ہے۔ واللہ اعلم۔

اور عصر کی سنتوں کے بارے میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم عصر سے قبل دو رکعت نماز پڑھا کرتے تھے۔ اس کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے علاوہ ازیں ان سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم عصر کی نماز سے قبل چار رکعت ادا کیا کرتے تھے اور ان کے درمیان میں آپ مقرب ملائکہ اور اطاعت گزار مسلمانوں پر سلام بھیج کر فصل کیا کرتے تھے۔ یہ ترمذی نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ عصر سے قبل چار رکعت ادا کرنے والے پر رحمت فرمائے۔ رواہ مسند احمد، ترمذی و ابوداؤد و ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اپنی اپنی صحیح میں روایت کیا ہے روایات پر جو اختلاف ہے اس کے سبب سے مذہب حنفیہ میں اختیار دے دیا گیا ہے کہ اگر کوئی چاہے تو چار رکعت پڑھ لے اور چاہے تو دو ہی پڑھے یہ دونوں احادیث کو جمع کرنے کے لئے ہے لیکن افضل چار رکعت ہی ہے اسی طرح اصول فقہ کی کتب میں تحقیق کی گئی ہے۔

نماز مغرب کی سنتیں صرف دو رکعت ہے مغرب کے بعد۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت آئی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے سنا ہے وہ تمام میں بیان نہیں کر سکتا صرف میں اس

قدر بتا سکتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز مغرب کے بعد دو رکعتوں میں اور فجر کی نماز سے قبل کی دو رکعتوں میں بھی سورۃ قل یاایہا الکافرون اور قل ھو اللہ احد پڑھا کرتے تھے۔ رواہ الترمذی اور بعض اوقات قرات لمبی کر دیتے تھے لہٰذا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعد از مغرب کی دو رکعتوں میں اتنی لمبی قرات فرمائی کہ مسجد سے سب لوگ چلے گئے۔ رواہ ابوداؤد۔ اور عشاء کی نماز میں فرضوں کے بعد دو رکعت ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے ہاں تشریف لاتے تھے تو چار یا چھ رکعتوں کے بغیر آپ عشاء کی نماز ہرگز نہ پڑھتے تھے۔ رواہ ابوداؤد۔ اور دو رکعت اس طرح ہیں جیسے کہ ظہر کے بعد کی چار رکعتیں ہیں جو دو رکعتوں کے ساتھ مل کر چھ بن جاتی ہیں۔ مسلم شریف کی حدیث میں آیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔ کہ آنحضرت عشاء کی نماز دوسرے لوگوں کے ساتھ پڑھتے تھے اس کے بعد آپ میرے گھر میں تشریف فرما ہوتے تھے اور دو رکعت نماز پڑھتے تھے لیکن نماز عشاء سے قبل کی چار رکعتوں کے متعلق احادیث میں کوئی ذکر نہیں ملتا۔ اور اہل حرمین ان کے نہ پڑھنے پر عمل کرتے ہیں اور فقہ کی کتب میں اسے استحباب میں رکھا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

سفرالسعادت میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سنن و رواتب گھر پر ادا کیا کرتے تھے اور لوگوں کو آپ اس طرح عمل کرنے کی ترغیب دیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ مجھ کو اس شخص کی نماز زیادہ پسند ہے جو فرض نماز ادا کرنے کے بعد اپنے گھر جائے اور نماز پڑھے خصوصی طور پر نماز مغرب کے بعد کی دو سنت آپ نے کبھی یہ دو رکعتیں مسجد میں نہ پڑھی تھیں۔ چونکہ آپ یہ سنتیں گھر پر ادا کرنے کی ترغیب و تاکید فرماتے تھے۔ اس سبب سے علماء یوں فرماتے ہیں کہ مسجد میں ان سنتوں کو پڑھنے والا اس کے صحیح مسنون طریقہ عدم وقوع کے باعث اس کے ثواب کا حقدار نہ ہو گا۔ بلکہ امام مروزی نے تو یہاں تک کہا ہے کہ مخالفت سنت کے باعث گنہگار ہوتا ہے اور حکم تو حکم ہی ہوتا ہے کیونکہ اس طرح ارشاد ہوا ہے اجعلو ھافی بیوتکم ان کو گھروں میں پڑھو۔ لیکن اکثریت علماء کے نزدیک یہ ہے کہ وہ ثواب کا حقدار ہے لیکن افضل فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق ہی ہے اور یہ حکم وجوب نہیں بلکہ استحبابی حکم ہے آپ پر دو رکعتیں پڑھنے کے لئے جلدی سے کھڑے ہو جاتے تھے اور فرماتے تھے کہ ملائکہ کو یہ انتظار ہوتا ہے کہ وہ اس کو بھی ساتھ ہی لے جائیں اور آپ کا ارشاد ہے۔ من صل رکعتین بعد المغرب قبل ان یتکلم رفعت فی علیین جو شخص مغرب کے بعد دو رکعتیں کلام کرنے سے پہلے پڑھتا ہے وہ علیین میں اٹھائے جاتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز فجر کی سنتوں کی محافظت اور تاکید فرمائی ہے کہ سفر کے دوران بھی آپ اس پر مواظبت فرماتے تھے اور فجر کی سنتوں کے علاوہ کوئی سنن رواتب پڑھنے کی کوئی روایت نہیں آئی۔ کچھ روایات میں نماز ظہر کی دو سنتیں آئی ہیں اور بعض علماء کے نزدیک فجر کی سنت واجب ہیں وتروں کی مانند اور کہتے ہیں کہ فجر کی سنتیں ابتدائی عمل ہے اور آخری عمل وتر ہیں لہٰذا دونوں میں ہی رعایت و اہتمام معروف ہے اور ان کو بلاعذر بیٹھ کر ادا کرنے کا کوئی جواز نہ ہے۔

سنتوں میں قوی ترین سنت فجر ہے ازاں بعد مغرب کی سنت، پھر ظہر کی سنت' اور ازاں بعد نماز عشاء کی سنت پھر قبل ظہر کی سنت۔ بعض کے نزدیک قبل ظہر کی سنت بھی بعد ظہر کی سنت کی مانند اور ہم مرتبہ ہیں اور سنت فجر کے بعد ان کا درجہ مرتبہ ہے۔ یہ سنتی کا بیان ہے۔

تنبیہہ :- عام لوگ اس طرح کرتے ہیں کہ بعد از ظہر کی سنتوں کے بعد اور مغرب اور عشاء کی سنتوں کے بعد وہ دو نفل ادا کرتے ہیں۔ اس کی وجہ معلوم نہیں ہوئی مگر یہ کہ ظہر و عشاء میں چونکہ ان کے بعد چار رکعتیں روایت میں آئی ہیں بعض روایات میں سنتوں کے ساتھ اور کچھ روایات میں سنت کے بغیر۔ کاش کہ وہ چار رکعت پڑھیں تاکہ چھ سنتوں کے ساتھ شامل ہو اور ان کو بیٹھ کر پڑھنے میں ندرت اور غرابت پائی جاتی ہے۔ جیسے کہ عام لوگ بیٹھ کر ہی پڑھتے ہیں۔

نوع سوم

زکوٰۃ

لغوی طور پر زکوٰۃ کے معانی ہوتے ہیں نموج۔ بڑھوتری' پاکیزگی' ذکی الزرع اذا نما جب کھیتی بڑھتی ہے تو چھانٹتے ہیں۔ مقولہ مشہور ہے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ یزکیھم ای یطھرھم شرعاً" زکوٰۃ کے معانی یہ ہیں کہ مال پر سال گزر جائے تو اصل حاجت کے سواء مال پر صاحب نصاب پر حق زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے۔ زکوٰۃ مال میں زیادتی کا باعث ہوتی ہے اور اس سے مال پاک ہو جاتا ہے نیز صاحب مال کا اجر زیادہ ہوتا ہے اور برائی اور گناہ کے میل سے اسے صاف و پاک کرنے کا باعث ہوتی۔ کچھ حضرات مانتے ہیں کہ زکوٰۃ ماخوذ ہے تذکیہ سے اس کے معانی ہیں مشاہدہ کرنا۔ اس لئے کہ اس سے صاحب نصاب کا تذکیہ ہوتا ہے اور اس کے ایمان کی درستی کی شہادت ملتی ہے۔ زکوٰۃ کو صدقہ بھی کہا جاتا ہے اس لئے کہ ادائیگی زکوٰۃ صاحب صدقہ کے ایمانی دعویٰ کی صحت میں اس کے دعویٰ کی سچائی کی دلیل ہوتی ہے۔ بوضاحت پتہ چلتا ہے کہ ہجرت کے بعد ۲ھ میں رمضان شریف کے وجوب سے قبل یا اس کے بعد زکوٰۃ واجب ہوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی عادت تھی کہ آپ زکوٰۃ اور دوسرے صدقات مثلاً عشر وغیرہ میں فقیروں کو مراعات دیتے تھے آپ نصیحت فرماتے تھے اور اس طرح راغب فرماتے تھے کہ زکوٰۃ دیانت داری سے۔ بڑے زوق و شوق اور جذبہ امانتداری سے بلامنت و مشقت حقداروں کو پہنچائی جائے۔ اور کوئی احسان بھی نہ جتلایا جائے اور زکوٰۃ دیں لیکن اس بارے میں اپنی تعریف کے متلاشی نہ ہوں۔ قریبی خاندان کی عورتیں زیادہ مستحق ہوتی ہیں۔ اس لئے کہ ان کی ضروریات و حاجات مردوں سے زیادہ ہوتی ہیں۔ آپ زکوٰۃ کے عاملوں اور زکوٰۃ اکٹھی کرنے والوں کو بھی ہدایت فرماتے تھے کہ صاحبان نصاب پر زیادتی نہ کریں اور حد سے تجاوز نہ کریں کھرے مال کو منتخب نہ کریں اور نہ ہی فرض سے زیادہ وصول کرنے کا مطالبہ کریں ہدایا اور دعوتیں وغیرہ بھی ہرگز

قبول نہ کریں اور مال پر پورا سال گزرنے کی شرط میں آسانی اور نرمی ہے اور وجہ شرط یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم حکمت و رعایت اور عدل و انصاف متقاضی ہے۔ کیونکہ ان چار اقسام پر زکوۃ واجب قرار دی گئی ہے۔ جو کہ لوگوں میں زیادہ تر ہیں اور ان میں ان کی ضروریات بھی زیادہ ہوتی ہیں۔ اور لوگوں میں ان کا رواج بھی بہت ہے تاکہ ان کو زکوۃ دینے میں آسانی ہو اور لینے والے بھی بڑی آسانی سے زکوۃ حاصل کر کے اپنی حاجات پر لائیں۔ مال کی اول قسم ہے کھیتی اور پھل۔ مثال کے طور پر کھجور۔ انگور' منقہ وغیرہ وغیرہ ترکاری اور سبزی پر زکوۃ نہیں۔ اس لئے کہ تھوڑے عرصہ میں ہی یہ خراب ضائع بھی ہو جاتی ہے۔ مال کی قسم ہے۔ جانور چوپائے۔ مثلاً اونٹ گائے بھینس بکری وغیرہ۔ مال کی تیسری قسم سونا چاندی ہے۔ تمام دنیا والوں کی تجارت وغیرہ اور ان کی معاشی زندگی کا تعلق ان کی ثمنیت اور سکہ سے ہے۔ مال کی چوتھی قسم ہے تجارت کا مال۔ خواہ کسی قسم کا بھی ہو۔ مثال کے طور پر کپڑا' برتن' بستر اور دیگر سب سامان وغیرہ۔ مال کی ان چاروں قسموں پر سال میں ایک دفعہ زکوۃ دینا مقرر فرمایا گیا ہے۔ کھیتوں اور پھلوں کی زکوۃ اس وقت دی جاتی ہے۔ جب انہیں کاٹا یا توڑا جاتا ہے جبکہ وہ مکمل ہو جاتے ہیں اور کمال کو پہنچ جاتے ہیں اس لئے کہ غلہ اسی وقت حاصل ہوتا ہے اور اس میں بھی بہت زیادہ عدل و انصاف ملحوظ رکھا گیا ہے۔ سارے سال میں نرخوں میں تبدیلی اور قیمتوں میں اختلاف و تغیر ہوتا ہے اور سال میں کمی یا زیادتی واقع ہوتی رہتی ہے۔ یہ تمام مراحل گزر جانے کے بعد جو منفعت ہو اور مال میں کثرت ہو اس پر زکوۃ واجب ہے غلے اور پھل کی زکوۃ ادا کرنے کا آسان ترین وقت وہ ہے جب ان کو کاٹا جائے یا توڑا جائے۔ نیز حقداروں کی رعایت بھی اس میں ہے کہ ایسا نہ ہو کہ اگر پھل توڑنے یا کھیتی کاٹنے میں تاخیر ہو تو ادائیگی زکوۃ میں کاہلی واقع نہ ہو جائے اور زکوۃ ادا کرنے میں کوئی دشواری لاحق نہ ہو جائے۔ اور صاحب نصاب کے حق میں انصاف کی رعایت اس طرح ہے کہ جس طرح کی محنت و مشقت اس کو مال حاصل کرنے میں اٹھانی پڑتی ہے یا اسے سہولت و آسانی ملتی ہے اس کے اندازے کے ساتھ واجب مقدار میں فرق رکھا ہے یہی وجہ ہے کہ جو مال بلا مشقت و کلوش حاصل شدہ مال ہوتا ہے مثلاً دفینہ یا معدنیات جو کانوں سے نکلیں وغیرہ جو کہ خود بخود پیدا ہوتی ہیں ان میں سے پانچواں حصہ زکوۃ مقرر ہے اور یہ بھی ضروری نہیں کہ اس مال پر سال کا عرصہ گزرے۔ جو مال قدرے مشقت سے ملے۔ گو زیادہ محنت نہیں۔ جیسے کہ کھیتی پھل یا اونٹ سے پانی نکال کر سیراب ہونے والے یا پانی خرید کر میسر ہونے والے اس میں آدھا عشر ہے اور جن اموال کے حصول کے لئے سفر کی مشقت اٹھانی پڑتی ہے دریا عبور کرنے پڑتے ہیں اور دور کے علاقوں میں جانا پڑتا ہو۔ ان میں ان کا چالیسواں حصہ زکوۃ ہے ان اعداد کے مقرر کرنے میں بھی کچھ اسرار ضرور پوشیدہ ہوں گے۔ جو سوائے شارع علیہ السلام کے اور کسی کے علم میں نہیں آسکتے اور ہر ایک کے واسطے ہر قسم کے مال پر ایک نصاب مقرر کیا گیا ہے۔ جو مصلحت حال کے مطابق ہے اور اس میں وہ حکمت ہے جو سوائے شارع علیہ السلام کے کسی کے علم کے احاطہ میں نہیں آسکتی۔

نصاب لغواً" اصل اور مرجع کو کہتے ہیں۔ ہر چیز کا وہ نصاب ہے جب اپنے مرتبہ کمال کو پہنچ جاتی ہے اور اس پر مرتب کروہ مخصوص اثر و حکمت تکمیل پا جائے۔ زکوۃ کا نصاب متعلقہ مال کا ایک تخمینہ یا اندازہ ہو جاتا ہے کہ جب وہ اس حد کو

ہے تو شرعاً اس پر زکوۃ واجب ہو جاتی ہے۔

اس طرح سے سونے اور چاندی کی زکوۃ یہ ہوتی ہے کہ جب چاندی کی مقدار ساڑھے باون تولہ ہو جاتی ہے۔ یا سونا جب ساڑھے سات تولہ ہو جاتا ہے تو ان پر زکوۃ کا وجوب ہو جاتا ہے۔ غلے پر اور پھلوں پر پانچ وسق زکوۃ ہے کہا جاتا ہے کہ یہ آٹھ صد من شرعی وزن ہوتا ہے۔ ایک وسق میں ساٹھ صاع ہوتے ہیں (ہمارے پاکستان میں ایک صاع تین صد اکیاون تولے کا ہوتا ہے۔ مترجم)۔

بھیڑ بکریوں میں چالیس عدد گائے بھینس میں تین عدد اور اونٹوں میں پانچ عدد نصاب ہے اور نصاب کی مقدار زکوۃ مقرر ہونے کے لئے اصل ومدار ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کتاب مطلب یہ کہ فرض قرار دینا ہے آنحضرت کے بعد آپ کے خلفائے راشدین بھی اس پر عمل کرتے رہے اور ان کے بعد امت کا اس پر اجماع ہے۔ یہ مقداریں اور اعداد وحی آسمانی اور شارع علیہ السلام کے علم کے ساتھ مختص ہیں۔ فقہ کی کتابوں میں ان سے متعلقہ تمام مسائل اور تفصیلات مندرج ہیں ہم یہاں پر اسی پر اکتفاء کرتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں کوئی شخص مال زکوۃ لے کر حاضر ہوتا تھا تو آپ کے حق میں دعائے خیر کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ خذ من اموالھم صدقة تطھرھم و تزکیھم وصل علیھم یہاں پر صلوٰۃ کا معانی دعا ہے اور دعا میں بھی صلوٰۃ کا لفظ استعمال کیا جائے تو لفظ منصوص سے بڑھ کر موافق ہو گا۔ چنانچہ آنحضرت نے فرمایا۔ اللھم صل علی آل ابی اوفی اور اسی قسم کی ایک دعا وہ بھی ہے۔ جو چند احادیث میں آئی ہے۔ کہ آپ نے فرمایا۔ اللھم صلی علی عمرو بن العاص اس لئے کہ مطلوب و مرغوب وجہ پر وہ صدقہ لایا کرتے تھے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ممانعت فرمائی ہے کہ کوئی صدقہ واپس لیوے۔ آپ نے فرمایا ہے کہ جو شخص صدقہ واپس لیتا ہے وہ اس کتے کے حکم میں ہوتا ہے جو اپنی قے کھاتا ہے۔ یہ کراہت اختیاری ملکیت کے لحاظ سے ہے۔ مثلاً بیع یا ہبہ اور وراثت میں ملے۔ تو کراہت نہ ہے۔ کیونکہ وراثت کی ملکیت میں اختیار کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔

صدقے کے جو اونٹ ہوتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ہاتھ مبارک سے ان کو داغا کرتے تھے اور غالباً کان پر داغنے تھے۔ جانوروں کو داغنے کے بارے میں کچھ اختلاف ہے۔ اور صحیح یہ ہی ہے کہ اس میں اگر کوئی مصلحت پائی جائے مثلاً علامت قائم کرنا یا پہچان و تمیز قائم کرنا تا کہ مختلط نہ ہونے پائیں تو داغنا جائز ہے۔ اور جانوروں کو داغنے میں دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صدقے کو جانوروں کو داغا کرتے تھے۔ لیکن چہرے پر داغ نہ دینا چاہیے۔ کیونکہ اس کی ممانعت کی گئی ہے اور آدمی کو علاج کی خاطر داغ دینے میں بھی اختلاف واقع ہوا ہے اور صحیح یہ ہے کہ اس کی حرمت اور کراہت آئی ہے سوائے اس کے کہ طبیب حاذق کہے کہ علاج اس پر ہی منحصر ہے ورنہ مشکل۔ اس مسئلہ کی تحقیق اس کے مناسب مقام پر کی گئی ہے۔

صدقہ فطر:۔ اور صدقہ فطر ہر مسلمان پر عورت ہو یا مرد آزاد ہو یا غلام اور چھوٹا ہو یا بڑا واجب ہے غلام اور بچے پر۔ اس طرح واجب ہے کہ آقا اور باپ صدقہ ادا کرتا ہے۔ مذہب امام مالک میں صدقے کا وجوب یوں ہے کہ صاحب نصاب ہو

اور اصل ضرورت سے زائد ہو۔ یعنی کپڑے۔ مکان۔ خادم اور قرض یہ ضرورت اصلیہ ہے صدقہ فطر نصف صاع ہے گندم یا ایک صاع جو ہے۔ یہ گندم کے وزن سے دوگنا ہے نماز عید سے قبل صدقہ فطر ادا کرنا افضل ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی عادت کریمہ اسی طرح تھی عید کے دن سے پہلے صدقہ فطر دے دینا بھی جائز ہے اور مدت میں کمی بیشی سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اور بعض کے نزدیک ایک دو دن تک جائز ہے لیکن رمضان شریف کے آخری عشرہ سے پہلے ادا نہ کرے اور دیر تک جائز ہونے میں بھی متعدد قول وارد ہوئے ہیں۔

صدقات تطوع:۔ وصل:۔ سابقہ بیان واجب صدقہ کے متعلق تھا اب صدقہ تطوع یعنی نافلہ کے متعلق وضاحت کرتے ہیں گو اس کے ساتھ وجوبی حکم متعین نہیں ہوا نہ ہی اس کے ترک پر کوئی وعید آئی ہے۔ لیکن اسے محبوب گردانا گیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بھی یہ صدقہ دینے پر اسی طرح خوش ہوا کرتے تھے۔ جس طرح کہ صدقہ لینے والا خوش ہوتا تھا آپ جس قدر بھی مال فی سبیل اللہ خرچ کرتے تھے اس کو زیادہ نہ تصور کرتے تھے سائل جو کچھ بھی آپ سے طلب کرتا ہے آپ عطا فرماتے تھے اور نفی میں جواب نہ دیتے تھے۔ آنحضرت کی مدح میں ایک شاعر فرزدق نے بہت خوب کہا ہے۔ شعر

ما قال انظر۔ الی فی تشہد لو لا الشہد کانت۔ لاوہ نعم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے لا (نہیں) فرمایا۔ سوائے تشہد کے۔ اور اگر تشہد نہ ہوتا تو آپ کی لا نعم (ہاں) ہوتی۔ اس جگہ پر تفصیل و تحقیق ہے۔ جو کہ سابقاً اخلاق شریف کے بیان میں آچکی ہے۔ وہاں پر دیکھیں۔ آنحضرت کی عطا و بخشش مختلف قسم کی ہے۔ آپ کبھی کچھ عطا فرماتے تھے اور کبھی ہبہ کرتے تھے اور کبھی اپنا حق و قرض معاف فرما دیتے تھے جو کسی پر ہوتا تھا۔ کبھی مال خرید فرماتے تھے قیمت ادا کرتے تھے اور اس کے بعد وہ مال بھی واپس کر دیتے تھے۔ اور کبھی آپ مال خرید فرماتے تھے تو مال کی قیمت زیادہ ادا کرتے۔ کبھی آپ کسی سے قرض لیتے تھے تو قرضہ سے زیادہ واپس عطا فرماتے تھے۔ آپ اگر ہدیہ کسی سے وصول فرماتے تھے۔ تو اس سے کہیں بڑھ کر اس کو انعام و اکرام عطا فرماتے تھے گویا کہ جیسے بھی مخلوق کو فائدہ دیا جا سکتا تھا۔ آپ دیتے تھے۔ جو شخص بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی صحبت میں قریب تر ہوتا تھا۔ اس میں احسان و کرم کا جذبہ زیادہ ہو جاتا تھا اور اگر کوئی کنجوس آدمی آنحضرت کا حال دیکھ لیتا تھا تو اس کنجوس میں بھی جود و سخا کی صفت اثر کر لیتی تھی۔ گویا کہ آپ کی سخاوت و سماحت اور جود بخشش جملہ انسانوں سے فائق تھی بغیر دنیا یا دنیا کے مال و مناکل سے کسی قسم کے تعلق کے ساری دنیاء میں آنحضرت کا ہمسر اور مثیل کوئی نہیں ہوا۔ یہی سبب ہے کہ آنحضرت ہمیشہ ہی بلند حوصلہ خوش مزاج و خوش طبع اور شاداں و فرحاں ہوتے تھے کیونکہ ہر قسم کا انقباض۔ غم و اندوہ تنگی ترشی بد اخلاقی وغیرہ ظلمات نفس اور رذیل صفتوں یعنی کنجوسی و بخل کے باعث ہوتے ہیں۔ بخل اور کنجوسی سے دنیا اور ماسواء اللہ کے ساتھ رابطہ و تعلق قائم ہوتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی صفات کریمہ اور خصوصیات عزیمہ میں سے آپ کا انشراح صدر ہے۔ دنیاء کا کوئی آدمی بھی ان صفات میں آپ کا شریک نہیں ہے سوائے ان اولیاء کاملین کے جن کو یہ خوبیاں

آپ کی اتباع کی وجہ سے حاصل ہوئی ہیں۔

نوع چہارم

روزے کے بیان میں

صوم (روزہ) سے مراد ہے نفس کو طعام و شرب اور جماع سے باز رکھنا۔ کامل روزہ وہ ہوتا ہے۔ جس کے دوران جسم کے تمام اعضاء اور جوارح گناہوں سے اور حرکات بد سے بچائے رکھیں۔ کچھ احادیث میں روزہ کو توڑنے والی پانچ اشیاء مذکور ہوئی ہیں۔ جھوٹ غیبت 'یہ دونوں چیزیں۔ مفسد صوم ہیں۔ امام احمد کا قول ہے کہ اگر غیبت روزہ کو توڑنے والی ہے تو پھر ہم میں کون ہوگا جس کا روزہ باقی رہتا ہو۔ علماء اس میں مختلف الرائے ہیں کہ نماز افضل ہے یا کہ روزہ جمہور اس مذہب پر ہیں کہ نماز کو فضیلت حاصل ہے۔ کیونکہ حدیث میں آچکا ہے۔ اعلموا ان خیر اعمالکم الصلٰوۃ تم جان لو کہ بہترین عمل نماز ہے۔ رواہ ابوداؤد وغیرہ اور ابو امامہ سے نسائی شریف میں روایت ہے کہ کہا کہ بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ مجھ کو وہ عمل بتادیں جو آپ میں حاصل کروں۔ تو آپ نے فرمایا کہ اپنے اوپر روزہ کو لازم گردانو اس لئے کہ روزہ کے برابر کوئی اور عمل نہ ہے۔ اغلب یہ ہے کہ اس میں وجہ مخصوص سے نفی مماثلت ہوگی۔ جو کہ روزہ کے فوائد و ثمرات سے ہوتی ہے اور جو کہ صائم کے مناسب حال ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔ اور صحیح بخاری میں فضیلت صوم کے سلسلہ میں آیا ہے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا دیتا ہوں اور دوسری روایت میں آیا ہے کہ بنی آدم کا ہر عمل اس کے لئے ہی ہوتا ہے اور روزہ میرے لئے ہوتا ہے اور میں ہی اس کی جزا دیتا ہوں۔ اس میں روزہ کے ثواب کی کثرت کی طرف کنایہ ہے اور اس کی جزاء کے متعلق اور موطاء شریف میں اس طرح آیا ہے کہ ابن آدم کے ہر نیک عمل کا ثواب دس گنا سے سات سو گنا تک ہے۔ سوائے روزہ کے کہ وہ میرے لئے ہے اور میں اس پر جزا دینے والا ہوں اس کی قدر و کیفیت کو جاننے والا سوائے میرے اور کوئی نہیں اور میں اس پر کسی کو مطلع بھی نہ کروں گا اور روزہ کی جزاء میں بلاوساطت ملائکہ دوں گا۔ اور وہ جو فرمایا گیا ہے کہ روزہ میرے لئے ہے جبکہ حال یہ ہے کہ تمام عبادات حق شانہ کے لئے ہی ہیں۔ تو یہاں روزہ کے بارے میں مخصوص زیارت سے مراد روزہ کی بزرگی و تکریم ہے۔

نیز کہتے ہیں کہ غیر حق تعالیٰ کی عبادت کبھی روزہ سے نہیں کی گئی اور کبھی کسی کافر نے کسی بھی زمانے میں اپنے معبود کی تعظیم روزہ رکھ کر نہیں کی۔ گو بصورت نماز سجدہ و ایثار مال ان کی عبادت ہوتی رہی ہے اور دور دراز سے ان باطل معبودوں کی زیارت کے لئے آتے رہے ہیں اور ان کے گرد گھوم کر (طواف کر کے) ان کی تعظیم بجالاتے رہے ہیں۔ علاوہ ازیں یہ ہے کہ روزہ میں ریا کا کوئی دخل نہیں۔ جو کہ شرک اصغر ہے۔ یعنی یہ ایک مجرد عمل ہے (خالص فعل)۔ اگر کوئی کہے کہ میں روزہ دار ہوں تو اس قول میں ریا ہوگی نہ کہ فعل میں۔ نیز یہ کہ اس قول میں روزہ دار کے نفس کے لئے کوئی حظ نہیں ہے۔ جیسے کہ صحیح بخاری میں آچکا ہے۔ کہ روزہ دار میری خاطر اپنا کھانا پینا اور اپنی شہوات کو ترک کر دیتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا

کہ الصوم لی وانا اجزی بہ شہوت سے جماع مراد ہے۔ جیسے کہ بعض روایات میں اس کی صراحت آچکی ہے اور تمام اقسام کی شہوات نفسانی مراد ہیں۔ اس میں تمام اعضاء و جوارح کو گناہوں سے باز رکھنے کی جانب اشارت ہے اور محققین میں سے بعض نے کہا ہے کہ طعام وغیرہ سے استغنار بانی صفات سے ہے اور جب بندہ اس چیز کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا قرب ڈھونڈتا ہے جو کہ حق شانہ کی صفات کی موافقت میں ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کی نسبت اپنی طرف فرماتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ تمام عبادات میں روزہ عظیم الشان عبادت ہے۔ بالخصوص رمضان شریف کے روزے کیونکہ وہ فرض شدہ ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کریم ترین اور جواد ترین تھے ساری مخلوق سے اور ہمیشہ تھے بالخصوص رمضان کے مہینے کے دوران کہ تمام اوقات کی نسبت رمضان میں آپ کی عطاو بخشش بڑھ جاتی تھی اور رمضان کے دنوں اور راتوں میں آپ کے صدقات و خیرات بہت ہی زیادہ ہوتے تھے۔ اور آپ روز و شب کے تمام اوقات کو ذکر و نماز اور اعتکاف و تلاوت قرآن سے معمور رکھتے تھے۔ اور چونکہ یہ مہینہ عظیم مہینہ ہے اور برکات و کرامات کا مکنبہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے بندوں پر اس کے فیوض و برکات اور اس کی نعمتیں اجل اور اعظم ہوتی ہیں۔ لہٰذا اس کا شکرانہ بھی مختلف النوع عبادات کے ذریعے اکثر و وافرادا فرماتے تھے۔ اور چونکہ اللہ تعالیٰ واہب البرکات جل و علی کی جود اور بخشش اس ماہ میں زیادہ ہوتی ہے۔ لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جو کہ سید کائنات ہیں اور اللہ تعالیٰ کی صفات کے انوار کے مظہر اور حق تعالیٰ کے آثار کمالات کے محل ہیں ان کی عطاء و بخشش اور جود و سخا کی متکاثر و وافر ہو جاتا تھا اور آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم رمضان کی ہر شب میں جبریل علیہ السلام سے ملاقات فرماتے تھے اور ملاقات جبریل کے وقت خیر و برکت اور احسان و بخشش کی رفتار ہوا سے بھی تیز تر ہوتی تھی جو سب کو پہنچتی تھی اور سب کو شامل ہوتی تھی۔ اور جبریل علیہ السلام کو آنحضرت قرآن سنایا کرتے تھے اور آنحضرت کو جبریل علیہ السلام قرآن سناتے تھے۔ اس طرح اکٹھے دور قرآن فرماتے تھے۔ جیسے حفاظ ایک دوسرے کو سناتے ہیں۔ ان میں آدمی کے لئے تنبیہہ ہے کہ وہ ان شرف و فضل کے حامل ایام میں اور خیر و برکت کے اوقات میں نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنے کی کوشش کرے۔ نیز نیک اعمال بجالانے اور گناہوں اور بداعمالیوں سے بچنے کی سعی کرے۔ وباللہ التوفیق۔

ماہ رمضان کے روزے ۲ھ میں فرض ہوئے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم رمضان شریف کے روزے رکھا کرتے تھے۔ ماہ رمضان میں قرآن کا نزول شروع ہوا تھا اور قرآن پورے کا پورا بیکبار رمضان شریف میں آسمان دنیا پر نازل ہوا تھا۔ علماء کا قول ہے کہ رمضان شریف کی پہلی تاریخ کو صحف ابراہیم کا نزول ہوا اور چھٹی رات میں تورات نازل ہوئی تھی اور تیرھویں رات میں انجیل نازل ہوئی تھی اور چوبیسویں رات میں قرآن کا نزول ہوا تھا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو یقین ہو جاتا تھا کہ سورج غروب ہو چکا ہے تو آپ روزہ افطار کرنے میں عجلت فرماتے تھے۔ آنحضرت سحری کا کھانا تاخیر سے کھاتے تھے اور آپ صحابہ کرام کو بھی اسی طرح تعجیل اور تاخیر کی ترغیب دیا کرتے تھے۔ آپ تعریف فرمایا کرتے تھے۔ آپ روزہ چند ایک کھجوروں سے افطار فرماتے تھے۔ کھجوریں نہ ہونے پر آپ

چند گھونٹ پانی پی کر افطاری فرماتے تھے۔ آپ نے فرمایا۔ نعم سحور المؤمنین التمر و مومن کے لئے بہترین سحری کھجور ہے۔ آپ جب افطار فرماتے تھے۔ اللھم لک صمت و علی رزقک افطرت فتقبل منی یہ بھی پڑھا کرتے تھے ذھب الظماء وابتلت العروق وثبت الاجر پیاس گئی۔ رگیں تر ہو گئیں اور اجر ثابت ہو گیا۔ افطار کے وقت پر دعا پڑھنا مستحب ہے۔ آپ روزے دار کو ممانعت کرتے تھے کہ فحش کلامی نہ کریں غیبت نہ کریں نہ لڑیں جھگڑیں اور مخالف کو جواب نہ دیں۔ رمضان شریف میں سفر کے دوران آپ کبھی افطار کرتے تھے اور کبھی روزہ رکھتے تھے۔ دوسروں کو بھی آپ اختیار دیتے تھے خواہ سفر میں روزہ رکھیں اور خواہ افطار کریں علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا روزہ افضل ہے یا کہ افطار امام اعظم ابو حنیفہ' امام مالک' امام شافعی اور دوسرے اکثر ائمہ کرام کا مذہب ہے کہ سفر میں اس آدمی کے لئے روزہ افضل ہے جو اس کی قوت رکھتا ہو اور مشقت نہ بڑھاتا ہو اور کوئی ضرر لاحق نہ ہو اگر ضرر ہوتا ہو تو افطار افضل ہے رمضان کی راتوں کے دوران آپ کو اگر غسل کی حاجت ہوتی تھی تو دوران شب ہی غسل کر لیتے تھے کبھی کسی رات کو غسل میں دیر بھی کر لیتے تھے اور صبح ہو جانے کے بعد کرتے تھے۔ علماء کے قول کے مطابق دوران شب غسل کرنا افضل ہے۔ آنحضرت رمضان کے دنوں کے دوران پچھنے لگوا لیتے تھے۔ مسواک کرتے تھے۔ کلی کرتے تھے ناک میں پانی چڑھانے میں مبالغہ نہ کرتے تھے کوئی ایسی صحیح حدیث وارد نہ ہوئی جس میں رمضان میں سرمہ لگانا اور مسواک کرنا منع کیا گیا ہو۔ امام ابو حنیفہ کے مذہب میں بھی یہ جائز ہے آنحضرت کبھی کبھی نفلی روزے یوں رکھا کرتے تھے کہ لوگوں کو گمان ہوتا تھا کہ شاید اب آپ افطار نہ کریں گے اور جب آپ افطار کرتے تھے تو گمان ہوتا تھا کہ شاید اب روزہ آپ کبھی نہ رکھیں گے۔ کیونکہ آپ کا کوئی مہینہ بھی بلا روزہ گزرنے نہ پاتا تھا۔ آنحضرت ایام بیض میں روزہ رکھنے کا بڑا اہتمام فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ سفر میں ہوتے تو پھر بھی روزہ ترک نہ کرتے تھے اور آپ نے دائمی روزہ سے ممانعت فرمائی ہے۔ آپ کا صائم الدہر کے بارے میں ارشاد ہے لا صام ولا افطر آپ سوموار اور جمعرات کے دنوں کو بھی روزہ رکھا کرتے تھے۔ ذوالحجہ کے عشرے میں آپ روزے رکھتے تھے۔ آپ کا فرمان ہے کہ عشرہ ذوالحجہ سے بہتر کوئی اور دن روزہ رکھنے کے لئے نہیں ہے۔ ہاں آپ عاشورہ کا روزہ لازما" رکھا کرتے تھے۔ عمر کے آخری حصہ میں آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ اگر آئندہ سال زندہ رہا تو دسویں کے ساتھ نویں تاریخ کے روزہ بھی ضرور رکھوں گا۔ اگر آپ عرفہ کے روز حج میں ہوتے تو افطار فرماتے۔ صاحب سفرا لسعادت نے کہا ہے کہ یہ تین مہینے جن میں کہ عوام روزہ رکھتے ہیں کوئی چیز نہیں ہے اور ماہ شوال کے بارے میں فرمایا کہ رمضان شریف کے ساتھ اس کے چھ دنوں کے روزے صیام دہر کے برابر ہیں اور آنحضور تمام رمضانوں میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے۔ آخری عشرہ میں سوائے ایک دفعہ ماہ رمضان میں کہ اعتکاف فوت ہوا۔ اور شوال کے ماہ میں قضا فرمایا۔ اور ایک بار آپ نے پہلے عشرہ میں اعتکاف فرمایا اور ایک دفعہ اوسط عشرہ میں۔ اور ایک دفعہ عشرہ اخیر میں اور جب معلوم ہو گیا کہ لیلتہ القدر اسی عشرہ میں ہے تو باقی تمام عمر میں اسی عشرہ میں اعتکاف فرماتے رہے اور اعتکاف کے لئے مسجد میں خیمہ لگا لیتے تھے اور کبھی تخت بچھا لیتے تھے اور ہر سال آپ دس دن کے لئے معتکف رہتے تھے اور چالیس روز کا اعتکاف کے متعلق کوئی روایت نہیں ہے اور ہر سال

ایک بار جبرئیل علیہ السلام قرآن سناتے تھے اور آخری سال میں دو بار سنایا اور یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے وصال شریف کے بیان میں مذکور ہوگی انشاء اللہ تعالیٰ۔

وصال کے روزے وصل:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم رمضان شریف کی بعض راتوں میں صوم وصال اختیار فرمالیتے تھے۔ یعنی لگاتار روزہ سے رہتے بغیر کچھ کھائے پئے اور بغیر افطار کرنے کے اور دور اندیشی کی وجہ سے رحمت و شفقت سے صحابہ کو اس کی ممانعت فرماتے تھے۔ جیسے کہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا میں آچکا ہے صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ! جب اپ نے صوم وصال رکھا ہے تو ہم کو اس سے کیوں منع کیا ہے جبکہ ہمیں آپ ہمیشہ یہ کہتے ہیں کہ میری متابعت کرو تو آپ نے فرمایا۔ لست کاحدکم میں تم میں سے کسی ایک کی مانند نہیں ہوں۔ اور ایک روایت میں یوں فرمایا ہے۔ ایکم مثلی تم میں سے کون میری مثل ہے انی ابیت عند ربی تحقیق میں اپنے رب کے پاس رات گزارتا ہوں وہ میری پروش اور تربیت کرنے والا ہے۔ بطعمنی و یسقینی وہی مجھے کھلاتا ہے اور وہی پلاتا ہے۔ اور ایک روایت میں آیا ہے کہ وہ مجھے کھلانے اور پلانے والا ہے اور اس کھانے پلانے میں علماء کے کئی اقوال ہیں۔ ایک قول یہ ہے کھانا یہی محسوس قسم کا ہے اور ہر رات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خاطر بہشت سے کھانا اور مشروب آتا تھا۔ جو آپ کھاتے تھے اور پیتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے لئے مخصوص کرمت تھی اور یہ صوم وصال اور بطلان صوم کا موجب نہ تھا کیونکہ جس سے روزہ افطار ہو جاتا ہے وہ شرعی طور پر دنیاء کا کھانا ہے۔ لیکن جو خارق طریق سے پروردگار تعالیٰ کے پاس سے آئے اور روزہ کے لئے موجب افطار و ابطلال نہیں ہوتا اور حقیقت میں ثواب کی جنس سے ہے نہ کہ اعمال کی قسم سے اور بعض کہتے ہیں اس جگہ طعام و شراب سے مراد قوت ہے گویا کہ اپ نے فرمایا ہے کہ پرودگار تعالیٰ مجھے کھانے اور پینے میں جو قوت ہوتی ہے عطا فرماتا ہے اور اس چیز سے افاضیہ بخشتا ہے جو طعام و شراب کی قائم مقام ہوتی ہے۔ کیونکہ اس سے مجھے طاعت و عبادات کی قوت حاصل ہو جاتی ہے۔ بغیر کسی قسم کے فتور لاحق ہونے کے۔ تم لوگوں کی حالت اس طرح نہیں ہے اور اہل تحقیق کے نزدیک مختار یہ ہے کہ اس سے روحانی خوراک و غذا مراد ہے۔ کہ مناجات الٰہی کا ذوق و لذت اور معارف و لطائف کا فیضان جو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے قلب شریف اور روح مبارک پر وارد اور نازل ہوتے تھے اور اس کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے احوال شریف کو شادمانی و مسرت اور فرحت میسر ہوتی تھی۔ جس کے باعث آپ جسمانی غذا سے مستغنی ہو جاتے تھے اور ان معانی کا تجربہ مجازی محبتوں اور صوری مسرتوں میں ہو چکا ہے۔ کہ غذا کی احتیاج نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کی یاد تک بھی نہیں آتی۔ اور حقیقی محبت اور معنوی مسرت کا کیا مقام ہو گا۔ واللہ اعلم بحقیقتہ الحال

فرع:۔ صوم وصال کے بارے میں علماء میں اختلاف ہے۔ وہ یہ کہ غیر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے لئے جائز ہے یا کہ حرام یا مکروہ ہے۔ ایک طائفہ علماء یوں کہتا ہے کہ اس شخص کے لئے جائز ہے جو اس کی قدرت رکھتا ہے۔ جیسے کہ

صوم ودام ہوتا ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت پندرہ روز کا صوم وصال فرماتے تھے۔ حضرت ابراہیم تیمی جو کہ تابعین سے ہیں ان کی طرف سے آیا ہے کہ چالیس دنوں میں انگور کا ایک دانہ یا چند دانے کھاتے تھے اور بس اور عوارف میں منقول ہے۔ کہ بعض نے ورزش اور ریاضت سے چالیس دن کا روزہ رکھا ہے۔ کہ ان کے لئے چالیس روز بھی ایک روز کے حکم میں ہیں۔

بتایا گیا ہے کہ صوم وصال کی ممانعت کے بعد بھی چند صحابہ نے صوم وصال رکھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو برقرار ہی رکھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے صرف رحمت وشفقت کے باعث تخفیف رکھی تھی نہ کہ تحریمی صورت میں جیسے کہ مذکور حدیث میں اس کی جانب اشارہ ہے اور اکثریت اس نظریہ پر ہے کہ صوم وصال جائز نہیں۔ امام اعظم حنیفہ اور امام مالک اسی پر ہیں۔ اور امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے کراہت سے اس کی تصریح کی ہے اور شوافع مختلف الرائے ہیں۔ کہ آیا یہ کراہیت تحریمی ہے یا کہ تنزیہی ہے ان میں سے پہلا قول زیادہ صحیح ہے اور امام احمد اور اسحق بن راہویہ کہتے ہیں کہ سحر تک جائز ہے۔ جیسے کہ بخاری میں حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ کہ وصال مت کرنا اور اگر تم میں سے کوئی فرد وصال کرنا ہی چاہے تو صبح تک کرے اور یہ بات تاخیر سے افطار کرنے کے مفہوم میں ہے نہ کہ وصال کے معانی میں اور یہ بھی اس تقدیر پر ہی ہے کہ مشقت نہ اٹھانی پڑے اور نفس کے لئے عذاب کا باعث نہ ہو۔ ورنہ قربت وعبادت میں داخل نہیں۔ اور ظاہراً" جو حدیث مذکور ہو چکی ہے۔ اس میں یہ ہے وصال تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص سے ہے اور جمہور علماء کا مذہب یہ ہی ہے کہ سوائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہر دوسرے آدمی کے لئے صوم وصال حرام ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول میں عام نہی وارد ہوئی ہے۔ لا تواصلوا اور رحمت وشفقت اور تحریم میں کوئی منافات نہیں ہے۔ غایت یہ ہے کہ تحریم بوجہ رحمت ہے۔ اور وہ اہل سلوک حضرات جو نفس کی ریاضت اور اس کو مارنے پر لگے ہوئے ہوتے ہیں وہ ایک چلو بھر پانی سے روزہ افطار کرتے ہیں۔ تاکہ وصال کی حقیقت قائم نہ رہے۔ واللہ اعلم۔

نوع پنجم

حج اور عمرہ

حج لغت میں قصد اور ارادہ کو کہا جاتا ہے اور شریعت میں بیت اللہ شریف کا وجہ مخصوص سے قصد کرنا حج کہلاتا ہے۔

حج کا لفظ حا کی فتح سے اور کسرے سے لغت میں دونوں طرح آتا ہے اور قرآن آیہ کریمہ ولا اللہ علی الناس حج البیت میں دونوں قراتیں آئی ہیں اور لغت میں عمرہ زیادت کے معنوں میں آیا ہے اور حج پر عمرہ اضافی ہوتا ہے اور عمرہ کے معانی عمارت کے اور عورت سے زفاف کرنے کے بھی آئے ہیں اور عمرہ میں مسجد حرام کی تعمیر اور تعظیم ہے اور محبت وارد کی بنیاد کی عمارت کا موجب ہے۔ شرع میں یہ اسم ہے مخصوص اعمال کا۔ طواف اور سعی میں عرفہ کا وقوف نہیں۔ اس لئے یہ

مخصوص باج ہے۔ اور عمرہ کو حج سے ایسی نسبت حاصل ہے۔ جس طرح فرض نماز کے ساتھ نماز نفل کو ہوتی ہے رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہجرت مدینہ کے بعد ایک حج کیا تھا اس کو حج الوداع کہتے ہیں اور حجتہ الاسلام بھی کہا جاتا ہے۔ اس میں آپ نے عوام کو احکام اور مسائل کی تعلیم دی تھی اور آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ شاید اگلے سال تم مجھ کو نہ پاؤ گے اور انکو اپنے سفر آخرت کی وجہ سے رخصت کردیا اور آپ نے خطبہ پڑھا اور فرمایا کہ نزدیک ہے کہ تم اپنے پروردگار تعالیٰ کے سامنے لائے جاؤ اور تمہیں پوچھا جائے تمہارے کرداروں کے متعلق اور میرے کردار کے بارے میں اور آگاہ رہو کہ میرے بعد تم گمراہ نہ ہو جانا اور ایک روایت میں ہے کہ کافر نہ ہو جانا کہ تم سے بعض بعض کی گردنیں نہ ماریں اور تم جان لو اور آگاہ ہو کہ میں نے پروردگار کا حکم تم تک پہنچادیا ہے اور فرمایا کہ اے خداوند! تو گواہ رہنا اور چاہیے کہ جو حاضر ہیں وہ میرا یہ پیغام غائب تک پہنچادیں اور شاید کوئی شخص جس تک یہ پیغام پہنچایا جائے وہ اس کی زیادہ حفاظت کرنے والا اور زیادہ جاننے والا ہو بہ نسبت پہنچانے والے کے اور فرمایا کہ تم مناسک حج سیکھ لو۔ شاید کہ میں دوسری بار حج نہ کروں اور فرمایا کہ اپنے پروردگار تعالیٰ کی عبادت کرنا۔ اور پنج وقتی اپنی نمازیں ادا کرتے رہنا اور رمضان کے مہینہ کے روزے رکھنا اور اپنے میں اولی الامر کی اطاعت بجالانا۔ تاکہ تم کو تمہارا پروردگار تعالیٰ بہشت میں داخل فرمائے اور یہ واقع دسویں سال کا ہے۔

لیکن جہاں تک قبل از ہجرت کی بات ہے بعض نے کہا ہے کہ آپ نے دو حج کئے ہیں اور بعض تین کہتے ہیں اور بعض کے نزدیک اس سے زیادہ۔ اور تحقیق یہ ہے کہ یہ عدد بعنیہ محفوظ نہیں ہے اور جمہور علماء کے نزدیک ہجرت کے بعد پانچویں سال میں حج فرض ہوا تھا۔ اور تحقیق یہ ہے کہ نویں سال میں فرض ہوا تھا۔ اور اسی سال میں اسباب سفر تیار کرنے میں مشغول ہو گئے تھے۔ لیکن اس سال آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو حج میسر نہ ہو سکا کیونکہ امور غزوات اور تبلیغ احکام اور وفدوں کو تعلیم دینے میں مصروف تھے۔ جو کہ ورود کرتے تھے۔ پس آپ نے حضرت ابوبکر صدیق کو (رضی اللہ عنہ) امیر الحج متعین فرمایا اور مکہ بھیجا اور ان کے بعد ان کے پیچھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مشرکوں کو سامنے سورۃ برات پڑھنے کے لئے بھیجا۔ جب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ مکہ پہنچے تو ابوبکر صدیق نے ان سے پوچھا۔ کہ آپ امیر بن کر آئے ہیں یا کہ مامور۔ تو جواب دیا کہ میں مامور ہوں اور سورۃ برات کی قرات کے لئے علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی تخصیص اس لئے ہے کہ اس میں مشرکوں کی عہد شکنی کا تذکرہ ہے۔ اور عہد بندی کا عقد یا عہد توڑنے کی ذمہ داری اس مرد پر ہوتی ہے یا اس کے اہل بیت میں سے کسی کے ہاتھ پر۔

لیکن سید المرسلین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے عمروں کی تعداد چار بتائی جاتی ہے۔ پہلا عمرہ حدیبیہ ہے کہ ہجرت سے چھٹے سال آپ برائے عمرہ نکلے اور جب مکہ سے ایک منزل پیچھے مقام حدیبیہ پر پہنچے۔ تو تمام مشرک جمع ہو کر جنگ کے لئے آ گئے۔ اور آپ کے مکہ میں داخل ہونے کے مانع ہوئے۔ چونکہ ابھی فتح مکہ کا وقت نہیں آیا تھا۔ لہٰذا آنحضرت نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان کے ساتھ مصالحت کرلی اور احرام اتار دیا اور مدینہ مطہرہ کی جانب روانہ ہو گئے۔ اور یہ قرار پایا کہ آئندہ سال آئیں گے اور عمرہ ادا کریں۔ آپ کا دوسرا عمرہ آئندہ ساتویں سال ہجرت کے تھا۔ جو سابقہ سال کے عہد و قرار کے مطابق جو

کہ بہ سلسلہ مصالحت ہوا تھا۔ آپ مکہ شریف میں تشریف لائے اور عمرہ ادا کیا اور تین روز کے بعد واپس مدینہ کو آ گئے۔ تیسرا عمرہ آٹھویں سال ہوا جو کہ فتح مکہ کا سال ہے۔ مقام جعرانہ پر جو مکہ سے ایک منزل پر ہے آپ نے جنگ حنین کا مال غنیمت تقسیم کیا اور شباشب مکہ شریف میں آئے عمرہ ادا کیا اور دوران شب جعرانہ کو واپس لوٹ گئے۔ آپ کا چوتھا عمرہ وہ ہے جو نہ اپنے حج کے ساتھ دسویں سال میں حجتہ الوداع کے موقع پر ادا کیا تھا۔ ان احوال کا بیان غزوات کے بیان میں آئے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ بعض نے صرف تین عمرے شمار کئے ہیں اور اس اعتبار سے کہ حدیبیہ میں دراصل عمرہ ادا نہ ہوا تھا۔ کیونکہ آپ مکہ میں داخل نہ ہوئے تھے اور اسی جگہ پر آپ نے احرام اتار دیا تھا اور مدینہ شریف لوٹ آئے تھے۔ لیکن جمہور علماء اس کو عمرہ کے حکم میں گردانتے ہیں اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حج کا عزم فرمایا تو آپ نے صحابہ کو اعلام فرمایا۔ تو انہوں نے حج کے لئے پوری تیاریاں کیں۔ یہ خبر مدینہ شریف کے گردونواح کے قصبوں اور بستیوں میں پہنچی جملہ مسلمان مدینہ شریف کی طرف متوجہ ہوئے اور مکہ شریف کی راہ میں ہر طرف سے گروہ در گروہ مسلمان آنحضرت کے قافلہ کے ساتھ شامل ہوتے گئے اور حاجیوں کی تعداد حضرو حساب کی حد سے بھی تجاوز کر گئی۔ حتیٰ کہ کہتے ہیں کہ آگے پیچھے دائیں بائیں جدھر نظر ڈالتے تھے۔ جہاں تک نظر کام کرتی تھی حجاج ہی حجاج نظر آتے تھے کوئی پیادہ اور کوئی سوار۔ اور ان کی تعداد معلوم نہیں ہے کہ ایک روایت میں ایک لاکھ چوبیس ہزار آیا ہے۔ پس آپ نے ذوالحجہ میں احرام باندھا۔ حج کو نکلے۔ مکہ پہنچے اور حج ادا کیا۔ اس حج کے احکام اور احوال حدیث کی کتابوں میں مسطور ہیں۔ اور ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا کہ آنحضرت نے اپنی امت کے لئے عرفہ کی رات کو دعائے بخشش فرمائی۔ تو اللہ تعالیٰ کی طرف جواب آیا کہ میں نے بخشش دیا لیکن ظالم کو نہیں۔ کیونکہ اس کو میں مظلوم کی خاطر پکڑوں گا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے عرض کیا اے پروردگار تو قادر مطلق ہے۔ اگر تو چاہے تو مظلوم کو بہشت میں لے آئے اور ظالم کو بخش دے۔ اس وقت اس دعا کا جواب نہ آیا۔ مزدلفہ کے مقام پر آپ کو جب صبح ہوئی۔ تو اس دعا کا جواب آیا کہ میں نے یہ قبول فرمائی ہے۔ جو کچھ آپ نے عرض کیا تھا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مسکرائے۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے آپ سے عرض کیا۔ آپ پر ہمارے والدین قربان۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ خنداں رکھے یہ مسکرانے کا کیسا موقع ہے۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ابلیس دشمن خدا نے جب جانا کہ اللہ تعالیٰ نے میری دعا قبول فرمائی ہے اور میری امت کو بخش دیا ہے۔ تو آپ نے سر پر خاک ڈالی۔ اور واویلہ اور فریاد و پکار کرنے لگا اور بھاگتا چلا گیا۔ پس اس سے مجھے ہنسی آ گئی جو کہ میں نے اس کو جزع فزع کرتے دیکھا۔

علماء نے کہا ہے کہ اس جگہ امت سے مراد ہے مقام عرفات میں ٹھہرنے والے مسلمان۔ یہی وجہ ہے کہ علماء نے کہا ہے کہ حج سے حقوق العباد کا کفارہ بھی ہو جاتا ہے اور طبرانی نے کہا ہے کہ یہ ان ظالموں کے لئے ہے جو ظلم سے توبہ کر لیتے ہیں لیکن حقوق العباد کی ادائیگی سے معذور ہوتے ہیں۔ بیہقی نے بھی اسی روایت کی طرح ابوداؤد اور ابن ماجہ سے نقل کیا ہے اور فرمایا ہے کہ اس کی بہت سی مثالیں ہیں۔ اگر یہ صحیح ہیں تو حجت ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہی کافی ہے۔ یغفر مادون

ذالک (یعنی شرک کے سواسب کو بخش دیا جائے گا)۔ لہٰذا ظلم مادون ذالک میں شمار ہے۔ الختصریہ ہے کہ حج سے حقوق اللہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ لیکن حقوق العباد کے بارے میں اختلاف ہے۔ پھر بھی اللہ تعالیٰ کا فضل بڑا وسیع ہے۔ ظاہر حدیث مفہوم عام کی حامل ہے۔

اور ترمذی میں حدیث صحیح ہے کہ من حج ولم یرفث ولم یفس خرج من ذنوبه کیوم وله امه. جس شخص نے حج کیا اور نہ کوئی برائی کی نہ فسق کیا۔ وہ اس طرح گناہوں سے نکل گیا۔ جیسے کہ ماں نے آج ہی اس کو جنا ہے علماء نے کہا ہے کہ یہ حقوق اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں۔ ان میں حقوق اللہ شمار نہیں ہیں اور یہ بھی کہا ہے کہ حقوق اللہ کے بارے میں سب گناہ بخش دیئے گئے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ کے مخصوص حقوق اس سے ساقط نہیں ہو جاتے کیونکہ ان کا تعلق گناہوں کے ساتھ نہیں بلکہ حقوق اللہ سے ہے۔ نماز کی تاخیر کرنا گناہ ہے اس لئے تاخیر اور مخالفت کے گناہ حج کرنے سے محو نہیں ہوتے۔ تو یہ معلوم ہو گیا کہ حج سے مخالفت کے گناہ ساقط ہو جاتے ہیں۔ لیکن حقوق اللہ ساقط نہیں ہوتے۔

ابن تیمیہ نے کہا ہے کہ جس شخص کا یہ اعتقاد ہوتا ہے کہ اس پر واجب چیزوں کو بھی حج ساقط کر دیتا ہے۔ جیسے کہ نماز وغیرہ۔ اس شخص سے توبہ کروانی چاہیے ورنہ پھر اس کو قتل کر دینا چاہیے اور یہ اجماع سے ثابت ہے کہ حج سے حقوق العباد کا سقوط نہیں ہوتا۔ مواہب لدینہ میں بھی اسی طرح نقل ہے یہ خالی از ندرت بات نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دست اقدس سے (بر موقع حج) تریسٹھ اونٹ ذبح فرمائے تھے۔ اور آپ کی عمر شریف کا عدد بھی تریسٹھ تھا۔ ابوداؤد میں آیا ہے کہ پانچ چھ اونٹ خود بخود اکٹھے آپ کے نزدیک آجاتے تھے۔ اور ہجوم کرتے تھے۔ کہ پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ سے ذبح ہوں۔ ہر اونٹ کوشاں ہوتا تھا کہ قریب تر ہو جائے اور وہ دوسروں کو پیچھے دھکیلتا تھا۔ تاکہ وہ خود پہلے ذبح ہونے کی باری حاصل کرلے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کے سینتیس اونٹ ذبح کئے تھے جن میں خود ان کے اپنے تین اونٹ بھی شامل تھے دوسروں کے اور اپنے یہ سب اونٹ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ہمرہ لے کر آئے تھے۔ یہ سو اونٹ ذبح فرمائے تھے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مسلم شریف میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ازواج کی جانب سے ایک گائے ذبح کی تھی۔ دیگر ایک روایت میں آیا ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے آپ نے ایک اونٹ ذبح فرمایا۔ بعد ازاں حلاق کو بلایا گیا۔ اس کا نام محمد بن عبداللہ تھا۔ آپ نے اس کو اشارہ فرمایا کہ دائیں طرف سے بال مونڈے۔ وہ موئے مبارک آپ نے اپنے صحابہ میں تقسیم کر دیئے تھے۔ زیادہ تر صحابہ کرام نے حلق کرایا کچھ نے قصر کرایا یعنی کہ بالوں کو ترشوایا۔ پھر آنحضور نے دعا فرمائی۔ اللھم لرحم المحلقین اور آخر میں دعا پر یہ اضافہ کیا۔ والمقصرین۔

جب وقت آپ چاہ زم زم پر تشریف فرما ہوئے حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد نے کنویں سے پانی نکالا۔ آنحضرت نے حکم فرمایا۔ اے اولاد عبدالمطلب! پانی نکالو۔ اس لئے کہ یہ نیک کام ہے اگر یہ خطرہ لاحق نہ ہو تاکہ لوگ تم پر

غلبہ کریں گے تو میں خود کنویں سے پانی نکالتا اور پانی پلانے میں تم لوگوں کی اعانت فرماتا۔ وجہ یہ کہ پانی پلانے کے عمل میں فضل و برکت ہے اور عظمت و بزرگی ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اگر میں پانی نکالوں گا تو یہ امت کے لئے سنت ہو جائے گا اور سب لوگ میری اتباع میں یہ کام کریں گے اور تم پر غالب آ جائیں گے۔ تمہاری باری ہی نہ آنے دیں گے۔ اس طرح سے یہ منصب تمہارے ہاتھ سے چھن جائے گا۔ پس انہوں نے ایک ڈول آنحضور کی خدمت میں حاضر کیا۔ آنحضرت کھڑے ہو گے اور پانی پیا۔ آپ کے کھڑے ہو کر پانی کا پینا یا تو اس لئے تھا کہ جواز ہو جائے اور یا ضرورت کے باعث تھا کیونکہ ہجوم اس قدر زیادہ تھا کہ بیٹھنے کے لئے جگہ ہی نہ تھی اور یا کوئی دیگر حاجت و ضرورت ہو گی۔ واللہ اعلم۔

بعض کا قول ہے کہ زم زم کے پانی اور وضو کا پانی پینے میں مخصوص ہے کھڑا ہونا جس طرح آئندہ آنحضرتؐ کی عادت مبارک کے بیان میں آئے گا۔

چاہ زم زم کا نام زم زم اس لئے ہے کہ اس کا پانی بہت وافر ہے اور کثیر پانی کو زم زم یا زازم کہا جاتا ہے بعض کا قول ہے کہ لفظ زم زم کسی سے مشتق نہیں ہے۔ بلکہ اس نام سے یہ شروع سے موسوم ہے۔ سب سے پہلے اس کو جبرئیل علیہ السلام نے ظاہر کیا تھا۔ اسماعیل علیہ السلام کو پیاس لگی اور اس وقت انہوں نے زمین پر قدم مارا۔ اس مقام سے چشمہ آب نمودار ہوا۔ مشکیزہ میں پانی بھرنے کے لئے پانی احاطہ میں کر لیا گیا۔ تاکہ پھیل نہ جائے یہ چشمہ اگر علیٰ حالہ چھوڑ دیا جاتا تو یہ جاری ہو جاتا۔ جس طرح حدیث میں آیا ہے اس کے بعد اسی مقام پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کنواں بنا دیا۔ قبیلہ جرہم نے جس وقت مکہ میں رہائش کر لی تو انہوں نے یہ کنواں بند کر دیا یہاں تک کہ اس کا کوئی نشان تک نہ رہ گیا۔ اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے دادا جان حضرت عبدالمطلب کو اللہ تعالیٰ نے یہ کرامت و عزت بخشی اور ان کو خواب کے اندر یہ کنواں دکھایا گیا اور عام الفیل میں انہوں نے اس کو از سر نو کھودا۔ دیگر ایک روایت میں ہے کہ یہ واقعہ عام الفیل سے پہلے ہوا اور بعد ازاں اس کو ابو طالب نے تعمیر کیا تھا اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم خود پتھر اٹھا کر لاتے تھے۔ جس طرح کہ یہ ذکر مکہ کی تاریخ میں آ چکا ہے۔ اس کنویں کے فضائل و خواص اخبار و آثار میں کثرت سے آئے ہیں۔ اس طرح احادیث میں وارد ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ ذبح کرنے کے عمل سے جہاں تقرب اور عبادت مقصود ہوتا ہے۔ وہ تین ہیں۔ ایک ہدی ہے یہ حج کی قربانی ہوتی ہے۔ اپنے ساتھ حرام جانور نے جا کر یا وہاں جانور کو ۰ میکر ذبح کیا جاتا ہے۔ دوسرا ضحیہ ہوتا ہے جو عید الضحیٰ کے وقت قربانی ہوتی ہے۔ تیسرا ذبح عقیقہ کہلاتا ہے۔ یہ نئے پیدا ہونے والے بچہ کے لئے ذبح کرنے کا نام ہے۔ عقیقہ کرنا امام شافعی احمد رضی اللہ عنہ اور مذہب مشہور کے مطابق سنت نبوی تسلیم کیا جاتا ہے اور ان کی ایک روایت کے مطابق یہ واجب ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ کے مطابق یہ سنت نہیں ہے موطا میں امام محمد رحمتہ اللہ کا قول ہے کہ ہمیں روایت ملی ہے کہ رسوم جاہلیت میں سے عقیقہ بھی تھا۔ اسلام کی ابتداء ہوئی تو اس کو بدستور رائج رکھا گیا۔ ازاں عید بقر کی قربانی کے اجراء سے اس سے قبل کے تمام قسم کی ذبح منسوخ ہو گئے جیسے کہ ماہ رمضان کے صیام فرض ہو جانے پر قبل کے تمام اقسام کے روزے

منسوخ ہو گئے اور اپنے سے پہلے کے غسل غسل جنابت سے منسوخ ہو گئے۔ اور زکوٰۃ کے باعث اس سے قبل کے تمام صدقات منسوخ ہو گئے ہم کو اسی طرح کی خبر ملی ہے۔ انتہیٰ۔

معلوم ہونا چاہیے کہ مسلم ابوداؤد' ترمذی اور نسائی ان سب میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت آئی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ جس وقت تم ذوالحجہ کے مہینے کو دیکھو اور تم میں سے کوئی آدمی قربانی دینا چاہتا ہو۔ تو چاہیے کہ وہ شخص جب تک قربانی تکمیل نہ پا جائے اپنے جسم کے بال اور ناخن نہ دور کرے امام احمد رحمتہ اللہ علیہ اور کچھ دوسرے علماء کا مذہب یہ ہے کہ یہ ممانعت تحریمی ہے۔ اور بعض علماء کے مطابق یہ ممانعت کراہت کے طور پر ہے۔ مسلم بن عمار لیثی سے جامع الاصول میں نقل کیا گیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ انحے کے دن ہم حمام میں تھے۔ ہم چاہتے تھے کہ زیر ناف کے بال دور کریں اس وقت وہاں کچھ لوگ کہنے لگے کہ تمہیں اس کی ممانعت کی گئی ہے۔ اس کے بعد ہماری سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو میں نے یہ بات ان کو بتائی۔ انہوں نے فرمایا کہ اے بھتیجے! یہ حدیث ہے لوگوں نے اس کو بھلا دیا ہے اور اس کو ترک کیا ہوا ہے۔ مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی زوجہ محترم ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس وقت تم کو ذوالحجہ کا چاند نظر آ جائے تو............ الحدیث۔

اور پوشیدہ نہ رہے کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے ہمیں یہ کچھ ہی معلوم ہوتا ہے کہ بال اور ناخن ترشوائے نہ جائیں۔ نہ ہی اپنے اوپر حرام والوں کی طرح چیزوں کو لازم کر لیا جائے۔ اس لئے صاحب سفر السعادت کی یہ بات محل نظر ہے کہ بالوں اور ناخنوں میں سے کچھ بھی نہ کریں اور اسی روز سے اہل احرام کی طرح صورت اختیار کرے۔ (باللہ اعلم)۔

نوع ششم

عبادات، اذکار، دعوت' استغفار و قرابت

ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم:۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اللہ تعالیٰ کا ہر وقت اور ہر لحہ ذکر کرتے رہتے تھے۔ آپ ذکر الٰہی میں ہمیشہ مشغول رہتے تھے۔ کوئی چیز آپ کو ذکر الٰہی سے مانع نہ ہو سکتی تھی آنحضور کی ہر بات یاد حق اس کی حمد و ثنا۔ توحید' تمجید' اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس اور تکبیر اور تہلیل کے سلسلہ میں ہی ہوتی تھی۔ اسماء صفات الٰہیہ' وعد و وعید امر و نہی۔ شرعی احکام کی تشریح۔ جنت و دوزخ اور ترغیب و ترہیب کا بیان وغیرہ تمام ذکر حق میں شامل تھا۔ آپ جب خاموش ہوئے تھے تو آپ کے قلب پاک میں صرف یاد حق ہی ہوتی تھی' آنحضور کا ہر سانس آپ کا دل زبان' اٹھنا بیٹھنا کھڑا ہونا لیٹنا' کھانا اور پینا' آنا جانا اور سو جانا۔ آپ کا سفر یا اقامت پیدل و سواری گویا کہ کوئی حالت ذکر الٰہی سے خالی نہ ہوتی تھی۔ ذکر یاد کرنے کو کہتے ہیں۔ یہ نسیان کی ضد ہے۔ اس کے معانی ہوتے ہیں فراموشی۔ آپ خواہ دل سے یاد کرتے یا زبان سے ہر صورت میں آپ کے ہر فعل و شان میں اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوتا تھا۔ اگر زبان

بھی دل کے ساتھ ذکر میں موافق ہو تو اس میں لازماً فضیلت ہے اور یہ اتم و اکمل ہے۔ کچھ فقہاء کے کلام میں جو بات آئی ہے کہ زبان پر نہ آنے والا ذکر ذکر نہیں ہوتا اور اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔ اس سے ان کا مطلب یہ ہے کہ جو ذکر زبان سے کرنا واجب ہے شرعاً مثلاً تسبیحات اور اذکار جو نماز میں آتے ہیں اور نماز کے بعد کے اوراد اور اذکار ان کی مراد مطلق ذکر سے نہیں ہے۔ قاموس میں بتایا گیا ہے کہ ذکر ضد ہوتا ہے نسیان کی۔ لہٰذا اس میں ذکر قلبی بھی شامل ہے اور یہ باطل ہے کہ قلب کے فعل پر ثواب نہیں اور اس پر اعتبار نہیں۔ وہ چیزیں جو شریعت نے اقرار زبانی کے بغیر قابل اعتبار نہیں گردانیں۔ ذکر قلب کو ان پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے جبکہ اس کی شرعاً کوئی دلیل یا شارع سے کوئی نص نہ ہو۔

اور آنحضرت کے وہ ذکر وظائف اور دعوات جو شب و روز میں تھے۔ رات کے ابتدائی وقت سے لے کر بستر خواب پر جانے کے وقت تک اور وہ بھی جو دیگر اوقات و احوال میں جن طریقوں سے بھی آپ پڑھتے تھے وہ تمام کتب احادیث میں مذکور و مسطور ہیں۔ اور وہ دعائیں جو ماثور ہیں تمام مقاصد و مطالب اور حاجات پر حاوی ہیں اور کوئی بھی حاجت دوسری دعاؤں یا اذکار پر نہیں چھوڑی گئی۔ اور دعا کی فضیلت اور اس کی ترغیب دینے اور اس پر تحریص کے بارے میں بہت سے اخبار و آثار جو کہ حد و حصر سے باہر ہیں بے شمار وارد ہوئے ہیں اور یہ سب حق جل و علیٰ کے اس حکم کے ثبوت میں کافی ہیں۔ ادعونی استجبلکم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا قول مبارک ہے۔ الدعا مخ العبادۃ نیز آپ کا ارشاد مبارک ہے من لم یسئال اللہ یعضب علیہ اور دعا کے دوران خوب توجہ اور اخلاص کا ہونا ضروری ہے۔ یعنی کہ ہر جانب سے منہ پھیر کر بجانب الٰہی متوجہ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کا حمد و شکر بجالائے اور اسی کے لئے اثبات کمال ہے۔ صریحاً بھی اور ضمنی طور پر بھی۔ اس کی توحید و رغبت۔ اس سے مناجات عاجزی و زاری اور اسی کے سامنے تذلل ہو۔ اسی سے مدد طلب کی جائے اور یہ معانی خلاصہ عبادت اور اس کا نچوڑ ہیں اور اسی حیثیت سے وارد ہوا ہے۔ الدعاء مخ العبادۃ اور امام ابو القاسم قشیری نے کہا ہے کہ ایک جماعت نے اس میں اختلاف کیا ہے کہ آیا دعا کرنا افضل ہے یا کہ سکوت و رضا اختیار کرنا۔ بعض اس پر ہیں کہ دعا افضل ہے۔ کیونکہ دعا اپنی ذات کی حد میں خود عبادت ہے اور یہ کہ عبادت و قیام کرنا ہی اس کے ترک کرنے کے مقابلہ میں افضل و اولیٰ ہوتا ہے۔ اس کے بعد پروردگار حق تعالیٰ ہے۔ اگر بندہ کے حق میں قبول نہ کرے اور بندہ اپنی آرزو و خواہش کی تکمیل نہ پائے تو بھی اس کو کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ بندہ نے جو کچھ کسب تعالیٰ کا حق ہے قیام کیا کیونکہ دعاء کا مقصد ہی عابد کا اپنی بھوک اور احتیاج کا ظہور کرنا ہے اور وہ اس نے مقصد پالیا۔

ابو حازم جرح رحمتہ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ میرے نزدیک دعا قبول نہ ہونے کے مقابلے میں سرے سے دعا ہی سے محروم رہنا زیادہ سخت ہے اور امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ قبولیت دعا کے بارے میں مایوس نہیں ہوتا بلکہ دعا سے بھی اور جب دعا مانگتا ہوں تو یہی جانتا ہوں کہ قبولیت دعا کے ساتھ ہی ہے۔

اور ایک گروہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم و تقدیر کے تحت سکوت و خاموشی اور اس کے اختیار و رضا پر قانع رہنا اولیٰ ہے اور اسی گروہ سے کچھ لوگ ایسے ہوئے ہیں کہ اللہ کی بارگاہ کا اس قدر ادب روا رکھتے ہیں کہ ہرگز طلب سوال میں اپنی زبان کو

حرکت نہیں دیتے اور خدا کے ذکر میں مشغول رہتے ہیں اور اس میں مستغرق رہتے ہیں اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جاری اور ظاہر ہوتا ہے اس پر راضی رہتے ہیں اور تحقیق رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اپنے متعلق حکایت کرتے ہوئے من شغل زکری عن مسئلنی اعطیتہ ما اعطی السابلیین یعنی جو میرے ذکر میں مشغول رہے اور سوال نہ کرے۔ میں اسے اس قدر عطا کرتا ہوں کہ مانگنے والوں کو اتنا نہیں دیا جاتا۔

دوسری ایک جماعت یوں کہتی ہے کہ بندہ کو چاہیے کہ زبان سے دعا میں مشغول رہے اور دل مقام رضا پر رہے تاکہ ہر دو کا جامع ہو اور فضیلت اور صحت کی علامت یہ ہے کہ عبودیت اور تذلل اور امتثال امر کے اعتبار سے دعا ہوتی ہے۔ اور کسی خواہش یا مقصد کے حصول کا ارادہ نہ ہو اور دعا کی قبولیت میں دیر ہو تو ناراضگی نہ کرے نہ اپنے پروردگار پر تہمت رکھے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول کرنا یا نہ کرنا برابر ہیں۔

امام قشیری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ مختلف اوقات ہوتے ہیں۔ کچھ حالتوں میں بہ نسبت سکوت دعا افضل ہوتی ہے۔ اور اسی میں وقت کے موافق ادب ہے اور بعض حالتیں وہ ہیں جن میں بہ نسبت دعا اس میں بھی یہی ادب ہوتا ہے اور اس بات کی پہچان بھی وقت میں ہی ظاہر ہوتی ہے۔ کیونکہ وقت میں ہی علم کا حصول ہے۔ اگر دل بجانب دعا اشارت کرتا ہے۔ تو دعا اولیٰ تر ہے اور اگر دل کا اشارہ بجانب سکوت ہو تو اس وقت خاموشی ہی افضل ہے۔ علاوہ ازیں یہ کہ وقت میں اگر علم غالب ہے تو دعا افضل ہے۔ کیونکہ یہ عبادت ہے اور اگر معرفت اور حال کا غلبہ ہے تو سکون اور سکوت اولیٰ ہے نیز یہ کہ مسلمانوں کے نصیبہ میں جو کچھ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس میں دعا حق ہے اور جس مقام پر لذت و خواہش ہو وہاں پر سکوت احسن اور بہتر ہوتا ہے۔ (انتہیٰ)

یہ بندہ مسکین خصہ اللہ . بمزید الیقین (یعنی مصنف کتاب) کہتا ہے کہ کسی وقت دعا بزبان قال ہوتی ہے مثلاً زبان سے اپنی حاجت طلب کرنا اور کبھی دعا بزبان حال ہوا کرتی ہے۔ یعنی کہ بندہ کی حالت ہی خود عرض کرتی ہے۔ کسی وقت دعا بزبان تعرض ہوتی ہے جس طرح کہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی جاتی ہے اس کی صفات کرم و احسان اور اس کی جود و عطا کے تذکرہ سے یہ بھی دعا ہی ہوتی ہے۔ کیونکہ اس اللہ کریم کی مدح و ثنا کرنا ہی دعا و سوال کا عرض کرنا ہے۔

اور دعا کے مقابلہ میں سکوت افضل کہنے سے یہ مراد ہے کہ سکوت میں خالص تسلیم و رضا ہوتی ہے بعض عارف لوگ ہوئے ہیں جنھوں نے زبان استعداد سے دعا مانگی ہے اور یہ دعا بمقابلہ دعا بزبان حال فائق تر ہے اور یہ سکوت میں بھی حاصل ہوتی ہے۔ (فافہم) جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا کے آداب اور شرائط بتائی ہیں ان میں سے چند عمدہ ترین آداب ذکر کئے جاتے ہیں۔

رزق حلال' سچ بولنا' دعا میں تضرع کرنا۔ قبولیت کے متعلق عجلت نہ کرنا ابتدا میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرنا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود شریف پڑھنا اور سلام بھیجنا اور آنحضرت کے آل اور صحابہ پر بھی سلام بھیجنا وغیرہ۔ یہ بھی ایک ادب ہے اداب دعا سے کہ دونوں ہاتھ کھول کر چہرہ کے مقابل اٹھائے جائیں اور ایک روایت میں ہے کہ کندھے کے محاذ

میں رکھے۔ اس روایت سے یہ دلیل ملتی ہے کہ دونوں ہاتھ جدا جدا رکھے اور ہاتھ رکھے جیسے کہ چلو بنا کر پانی پیا جاتا ہے۔ مواہب لدنیہ میں اس طرح ذکر کیا گیا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت میں آیا ہے (کہ جب دعا کیا کرتے تھے تو دونوں ہاتھ ملا لیتے اور ان کے بطون کو چہرے کے مقابل کر لیتے۔ ایک روایت میں آیا ہے) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنے ہاتھوں کو اس قدر بلند کرتے تھے کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی دکھائی دینے لگتی تھی (یہ واقعہ دعائے استسقاء کا ہے)۔ علماء یوں کہتے ہیں کہ ہاتھوں کا اس قدر زیادہ بلند فرمانا اس وقت ہے جبکہ نہایت دشوار معاملہ ہو اور دعا ختم کر کے ہاتھوں کو چہرہ پر ملنا بھی آداب دعا سے ایک ہے۔ یہ اس وقت ہے جب حالات نماز سے باہر دعا مانگیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ایک جماعت کے لئے دعا کی۔ وہ دعا ان سب کے حق میں قبول ہو گئی اور آنحضرت کی تمام دعائیں اس طرح ہی تھیں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بخاری شریف میں روایت کیا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہر نبی کے لئے ایک دعا مستجاب ہے لیکن میری خواہش ہے کہ اپنی اس دعا کو اپنی امت کے لئے محفوظ رکھوں اور آخرت کے لئے رکھوں۔ ظاہری طور پر ایسا محال ہے کیونکہ ہر ایک سابقہ نبی سے اور بالخصوص سید المرسلین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے بے شمار ایسی دعائیں ہیں جو قبول کی گئیں۔ لیکن مذکورہ حدیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہر نبی سے صرف ایک ہی دعا مقبول ہوتی ہے یہ ایک ظاہری اشکال ہے۔ جس کا جواب علماء نے یوں دیا ہے کہ مقبول دعا سے مراد یہ ہے کہ اس کی مقبولیت قطعی و یقینی مذکور ہوئی علاوہ اس کے تمام دعائیں قبولیت کی توقع کے درجہ میں ہیں۔ کچھ علماء نے اس طرح جواب دیا ہے کہ ان کی جملہ ادعیہ میں افضل ترین دعا یہ ہوتی ہے۔ گو ان کے لئے دیگر دعائیں بھی ہوتیں ہیں اور بعض علماء کہتے ہیں کہ ہر نبی کے لئے ایک دعائے عام ہے جو اس کی امت کے حق میں مقبول ہے خواہ وہ ہلاکت امت کے لئے ہو یا اس کی نجات کے لئے ہو۔ لیکن مخصوص دعائیں جو ہیں ان سے کچھ مقبول ہیں اور کچھ نامقبول ہوئی ہیں۔ یا اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر نبی کے لئے ایک دعا ہے۔ وہ اس کی امت کے لئے بھی ہو سکتی ہے جیسے کہ نوح علیہ السلام نے مانگی تھی۔ رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا اے میرے رب تعالیٰ! روئے زمین پر کوئی کافر بھی بستا ہوا نہ چھوڑ اور وہ دعا نبی کی اپنی ذات کے لئے بھی ہو سکتی ہے جیسے کہ ذکریا علیہ السلام نے دعا کی تھی۔ فہب لی من لدنک ولیا یرثنی میرے لئے اپنی جانب سے ایسا ولی عطا فرما جو میرا وارث بنے اسی طرح سلیمان علیہ السلام نے دعا مانگی تھی۔ رب ھب لی ملکا لا ینبغی لاحد من بعدی۔

شرح بخاری شریف میں کرمانی نے سوال کیا ہے کہ آیا نبی کے حق میں جائز ہوتا ہے کہ اس کی دعا قبول نہ کی جائے اس کا یہ جواب دیا کہ ہر نبی کی ایک دعا ضرور مستجاب ہوتی ہے باقی سب دعائیں اللہ تعالیٰ کی مشیت میں ہوتی ہیں علامہ عینی حنفی شارح بخاری نے فرمایا ہے کہ یہ سوال اچھا معلوم نہیں ہوتا کیونکہ اس میں یک گونہ شناعت ہے اور ہمیں کوئی شک نہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی سب دعائیں مستجاب ہوتی ہیں اور آنحضرت کا فرمان ہے کہ ہر نبی کی ایک خاص دعا ہوتی ہے۔ اس سے

مراد حصر نہیں ہے۔ انتہی۔ کچھ محققین نے یہ فرمایا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا اس سے کہیں زیادہ اعزاز و کرامت ہے کہ آپ رب تعالیٰ سے کوئی دعا مانگیں اور وہ اسے نہ قبول کے اب تک کوئی دعا آپ کی نقل میں نہیں آئی جو آپ نے مانگی ہو اور اللہ تعالیٰ نے اسے قبول نہ کیا ہو سوائے اس کے کہ کوئی بڑی مصلحت اس میں پنہاں ہو۔ حدیث میں آیا ہے کہ میں نے اپنی امت کے حق میں دعائیں مانگی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ میری امت کو زمین میں دھنسایا نہ جائے۔ دوسری یہ کہ قحط سے ہلاک نہ کی جائے تیسری یہ کہ ان میں آپس کے اندر خونریزی نہ ہونے پائے۔ پہلی دو دعائیں قبول کرلی گئیں۔ اور تیسری سے ممانعت فرمادی گئی۔ یہاں ممانعت میں یہ احتمال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے ارشاد فرمایا ہو گا کہ اس طرح کی دعا نہ فرمائیں۔ اس سے مراد یہ نہیں ہو سکتا کہ دعا کے بعد قبولیت سے ممانعت کی گئی ہو۔ گویہ بات یہاں عبادت میں متعارف نہیں ہے۔ (واللہ اعلم۔)

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ جو آپ کے خادم تھے کے لئے دعا فرمائی۔ ان کی والدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا انہیں اپنے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں لائی اور عرض کیا یا رسول اللہ! انس آپ کا خادم ہے۔ اس کے لئے دعا فرمائیں۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ شریف تشریف لائے۔ تو آنحضرت انس اس وقت آٹھ یا نو سال عمر کے تھے انہوں نے آنحضرت کی دس سال خدمت کی۔ پس آنحضرت نے ان کے لئے دعا فرمائی۔ اللھم بارک فی مالہ دولدہ واطل حیاتہ اغفر لہ ایک اور روایت میں ہے۔ وادخلہ الجنۃ حضرت انس کی عمر ایک سو سال سے زیادہ ہوئی۔ تین سال یا سات سال۔ اور کم سے کم جو روایت میں آیا ہے وہ ننانوے سال کی عمر ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے کھجوروں کے جو باغ تھے انہیں ایک سال میں دو دفعہ پھل لگتا تھا۔ ترمذی شریف میں ابو العالیہ سے روایت کیا گیا ہے کہ ایک باغ حضرت انس کا وہ تھا جس میں دو بار پھل لگا کرتا تھا ایک سال میں۔ اور ان سے مشک نافہ سے بھی زیادہ خوشبو آیا کرتی تھی اس حدیث کو روایت کرنے والے تمام لوگ ثقہ ہیں۔ حضرت انس کی اولاد ان کے پوتے پڑپوتے وغیرہ تمام ہی سو سال سے زیادہ عمر کے ہوئے ہیں اور انس رضی اللہ عنہ ہی سے یہ روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ میری بیٹی امینہ میری صلب سے میری آخری اولاد ہے۔ اس نے میری اولاد میں سے ایک سو دو افراد کو دفن کیا ہے دوسری ایک روایت کے مطابق ایک سو بیس۔ اور انس رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ میں نے تینوں چیزیں ہی پائی ہیں مال' اولاد' اور طویل زندگی۔ اور چوتھی چیز کی بھی امید رکھتا ہوں کہ انشاء اللہ تعالیٰ جنت میں داخل کیا جاؤں گا اور اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے مالک بن ربیعہ سلولی کے لئے دعا فرمائی تھی۔ تاکہ اس کی اولاد میں برکت دی جائے۔ ان کے ہاں ستر بیٹے پیدا ہوئے۔ اس کو ابن عساکر نے روایت کیا ہے۔ آنحضرت نے کسی کو بھیج کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا۔ انہیں آشوب چشم تھا آنحضرت نے اپنا لعاب دہن ان کی آنکھوں میں لگایا اسی وقت ان کا درد ختم ہو گیا اور ان کے لئے آپ نے دعا فرمائی۔ اللھم اذھب عنہ الحر والبرد اے اللہ تعالیٰ! ان سے گرمی اور سردی کو دور فرما دے۔ پس ان کو نہ گرمی لگتی تھی نہ سردی محسوس ہوتی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ

کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو۔ علی کہنے لگے کہ قضا کا علم نہیں یعنی کہ کسی طرح مقدمات کا فیصلہ کرتے ہیں۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنا ہاتھ مبارک ان کے سینے پر رکھا اور دعا فرمائی۔ اللھم اھد قلبه و سید رلسانه اے میرے اللہ ان کے دل کو ہدایت عطا فرما اور زبان کو سیدھا چلا دے حضرت علی رضی اللہ عنہ خدا کی قسم اٹھا کر فرماتے ہیں کہ مجھے دو شخصوں میں فیصلہ کرتے وقت کبھی وقت کبھی کوئی تردد نہ ہوا یہ روایت ابو داؤد وغیرہ کی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک بیماری کے دوران آنحضرت نے ان کی عیادت فرمائی اور دعا کی۔ اللھم اشفه اللھم عافه ازاں بعد آپ نے انہیں کھڑا ہونے کے لئے حکم فرمایا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ ازاں بعد کبھی وہ درد نہ ہوا۔

(اسی طرح ہی) آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے چچا ابو طالب بیمار پڑ گئے۔ وہ کہنے لگے اے میرے بھتیجے! اپنے رب سے میرے حق میں دعا کرو۔ کہ مجھے صحت عطا کرے۔ کیونکہ آپ نے میری عیادت فرمائی ہے آنحضرت نے دعا فرمائی۔ اللھم اشف عمی۔ پس ابو طالب فوراً ہی اٹھ کھڑے ہوئے۔ جیسے کہ ان کے بندھے ہوئے پاؤں کھول دیئے جاتے ہیں۔ اس کے بعد ابو طالب آپ سے گویا ہوئے۔ اے بھتیجے! آپ جس رب کی عبادت کرتے ہیں وہ آپ کو دیتا ہے۔ اور آپ جو خواہش کریں یا دعا فرمائیں اس کو وہ قبول کرتے ہیں۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اے میرے چچا! اگر آپ بھی اس کی عبادت کریں اور اطاعت کریں تو جو کچھ آپ چاہیں گے وہ آپ کو بھی دے گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کے واسطے دعا فرمائی۔ اللھم فقه فی الدین اللھم اعطه الحکمة و علمه التاویل اس کو بیہقی اور ابو نعیم نے روایت کیا ہے۔ اور بخاری شریف میں آیا ہے۔ اللھم علمه الکتاب یہ اس دعا کا نتیجہ ہی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ جبر الامتہ 'بحر علم' رئیس المفسرین' ترجمان القرآن' رفیع المرتبت اور بلند مقام کے حامل ہیں۔

جناب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو نابغہ جعدی کے دانت بہت پسند آئے۔ آپ نے ان کے حق میں دعا کی۔ اے خدا! اس کے دانتوں نہ گرا انہوں نے سو سال کی عمر پائی ایک اور روایت کے مطابق ایک سو سے زیادہ ہوئی۔ لیکن ان کا ایک دانت بھی نہ گرا۔ اور ان کے دانتوں کو چمک دمک اور خوبصورتی کہیں زیادہ تھی۔ ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ جس وقت ان کا کوئی دانت گرتا تھا تو اس جگہ پر دوسرا نیا دانت ظاہر ہو جاتا تھا۔

ایک دفعہ عمرو بن اخطب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں ایک پیالے میں پانی پیش کیا۔ اور دیکھا کہ پانی میں ایک بال پڑا ہوا ہے۔ انہوں بال نکال کر پھینک دیا۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان کے لئے دعا فرمائی۔ اللھم جمله اے میرے اللہ! ان کو حسین و جمیل بنا دے۔ ان کی عمر ننانوے سال تک ہوئی لیکن کوئی بال ان کی داڑھی اور سر کا سفید نہ ہوا تھا۔ پانی کے پیالہ میں بال نکالنے کی ظاہری مناسبت اور تعلق حسن و جمال اور جوانی سے ہے اور اسی لئے اس کے لئے یہ دعا فرمائی گئی۔ جوانی کے حسن و جمال سے داڑھی کی سیاہی ہی بالعلوم مطلوب لیا جاتا ہے کتب کے آغاز پر آنحضرت کے مبارک بالوں میں سفیدی کی عدم موجودگی کے بارے میں بحث کی جا چکی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ

عنہ سے بیہقی نے نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ریش مبارک سے ایک یہودی نے کوئی چیز نکالی یعنی کوئی تنکا وغیرہ تو آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اللھم جملہ پس اس یہودی کے سفید بال سیاہ ہو گئے۔ اس کے علاوہ ایک روایت آئی ہے کہ ایک یہودی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خاطر اونٹنی کا دودھ دھویا۔ تو آپ نے اس کے لئے دعا فرمائی۔ اللھم جملہ اس یہودی کے سفید بال سیاہ ہو گئے۔ اور نوے سال کی عمر پائی لیکن وہ ہرگز بوڑھا نہ ہوا۔ یہاں سے یہ ثابت اور معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے نعمت و برکت کے خوان سے کافر اور بیگانہ لوگ بھی محروم نہیں رہتے تھے۔ لہٰذا اب مسلمانوں اور آپ سے محبت رکھنے والوں کے بارے میں کیا اندازہ ہو سکتا ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہو گیا کہ بزرگوں کی خدمت گزاری اور ان کی رضا جوئی میں ایک خاص تاثیر ہوتی ہے۔ کافر بھی خیرو برکت سے مستفید ہوتے ہیں گو وہ اخروی خیرو برکت سے محروم و مایوس ہیں۔ پھر اس دنیا میں وہ محروم نہیں ہیں۔ اونٹنی کا دودھ دوہنے اور حسن و جمال کی دعا میں ظاہراً کوئی مناسب دکھائی نہیں دیتی۔ پھر بھی یہ اتفاق اسی طرح ہو گیا۔ یہ بھی امکان ہے کہ ظاہری طور پر وہ یہودی حسن و جمال کا حامل ہو۔ اور آپ نے اس پر مزید اضافہ کے لئے دعا کی ہے۔ (واللہ اعلم)

دیگر ایک آدمی تھا۔ اس کے لئے آنحضرت نے فرمایا۔ اللھم متعہ بشبابہ اے اللہ! اس کو جوانی عطا فرما۔ اس کی عمر کے اسی سال گزر گئے لیکن اس کا ایک بال تک سفید نہ ہوا تھا۔ روایت میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ فاطمہ الزہرہ رضی اللہ عنہ تشریف لائیں تو حال یہ تھا کہ ان کے چہرہ مبارک پر گرسنگی کے آثار نمودار تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے دیکھا تو ان کے سینہ مبارک پر ہاتھ رکھا۔ اور دعا فرمائی۔ اے اللہ! بھوکوں کو سیر فرمادے۔ اے اللہ! محمد کی بیٹی فاطمہ کو بھوکی نہ رکھو۔ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) تو فوراً ہی چہرہ پر سرخی آ گئی۔ سیدہ نے فرمایا ہے کہ ازاں بعد میں کبھی بھوکی نہ ہوئی تھی۔ ابن یعقوب اسفرائی نے دلائل الاعجاز میں بیان کیا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ایک دفعہ عروہ بن ابی الجعد بارقی کے لئے دعا فرمائی تھی۔ اللھم بارک لہ فی صفقتہ اے اللہ ان کی خرید و فروخت کے سلسلے میں انہیں برکت عطا فرما۔ پس جو چیز بھی خریدا کرتے تھے اس میں اسے ضرور نفع حاصل ہوتا تھا۔ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے مال میں غنا اور برکت کے واسطے دعا فرمائی۔ لہٰذا وہ اس قدر تونگر ہوئے کہ خود انہوں نے فرمایا ہے کہ اگر پتھر بھی میں اٹھاتا تو مجھے یہ امید ہوتی تھی نیچے سے سونا چاندی برآمد ہو گا۔ آنحضرت نے مصر کے لئے قحط کی دعا فرمائی تو وہاں ایسا قحط پڑا۔ کہ وہاں کے لوگ کھالیں اور مردار کھا کر گزارہ کرنے لگے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اس دعا کا قصہ عام مشہور ہے۔ جو آپ نے عتبہ بن لہب کے لئے فرمائی تھی اللھم سلط علیہ کلبا من کلابک ایک مرتبہ ایک شخص کا آنحضرت کے روبرو اپنے بائیں ہاتھ سے کھانے کا واقعہ مشہور ہے آپ نے اس کو حکم دیا کہ دائیں ہاتھ سے کھاؤ۔ وہ کہنے لگے کہ میں ایسا نہیں کر سکتا۔ آپ نے فرمایا تو کبھی بھی ایسا نہ کر سکے گا۔ لہٰذا اس کے بعد وہ کبھی بھی اپنا دایاں ہاتھ اپنے منہ تک اٹھا نہ سکا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ایک دفعہ کھجور کے ایک درخت کے آگے نماز میں مشغول تھے۔ آپ کے سامنے

سے ایک آدمی گزر گیا۔ آپ نے فرمایا جس نے ہماری نماز قطع کی اللہ تعالیٰ اس کے قدموں کو قطع کردے۔ وہ شخص نیچے بیٹھا۔ اور اس کے بعد کبھی نہ اٹھ سکا۔ ایک بار حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے طلب فرمایا۔ انہوں نے حاضر ہونے میں تاخیر کی۔ لوگوں نے بتایا کہ حضور وہ کھانا کھانے میں مصروف ہیں۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کا پیٹ کبھی سیر نہ فرمائے۔ اس کے بعد حضرت معاویہ کبھی بھی شکم سیر نہ ہوئے تھے۔ یہ باتیں علماء کی بیان کی ہوئی ہیں یہ سب کچھ دریائے معجزات سے ایک قطرہ ہے۔ اسکے علاوہ بھی بے شمار ایسی موجود ہیں جہاں تک دعا کی قبولیت ہے وہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اتباع کرنے والے اور آپ کے پیروکار اولیاء اور صلحائے امت بھی اس خصوصیت کے حامل ہیں پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی کیفیت کیا ہوگی۔ اور حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی سب دعائیں مقبول و مستجاب ہیں۔ جس طرح کہ مذکور ہوا۔

جہاں تک استغفار فرمانے کی بات ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہر وقت استغفار کیا کرتے تھے۔ حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔ انی لا ستغفر اللّٰہ کل یوم سبعین مرۃ بے شک ہر روز میں اللہ سے ستر مرتبہ استغفار کرتا ہوں ایک اور روایت میں ستر دفعہ سے زیادہ کا ذکر آیا ہے۔ ایک اور روایت میں سو مرتبہ آیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ استغفار کی کثرت اور مبالغہ اس سے مراد ہے۔ اور یہ مخصوص عدد مراد نہیں واللہ اعلم۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں وارد ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو ایک مجلس میں سو دفعہ یہ استغفار کرتے خود شمار کیا ہے۔ استغفر اللّٰہ الذی لا الہ الا ھو الحیی القیوم واتوب الیہ ایک روایت میں استغفر اللّٰہ العظیم آیا ہے اور ابن عمر ہی سے دیگر ایک روایت میں ہے کہ ہم شمار کیا کرتے تھے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ایک مجلس میں ایک سو مرتبہ یہ پڑھتے تھے۔ رب اغفرلی وتب علی انک انت التواب الغفور۔

بخاری میں شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ دعا سید الاستغفار ہے اللھم انت ربی لا الہ الا انت خلقتنی وانا عبدک وانا علی عھدک ووعدک ما استطعت اعوذبک من شر ما صنعت ابوءلک بنعمتک علی وابوء بذنبی۔ فاغفرلی فانہ لا یغفر الذنوب الا انت ایک روایت میں آیا ہے۔ اعوذبک من شر ماصنعت آنحضرت نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو آدمی کامل یقین سے اس کو دن کے وقت پڑھے گا اور شام کے وقت سے قبل مرجائے وہ جنت میں داخل ہو گا اور جو رات کے دوران پڑھے گا۔ اور صبح سے پہلے ہی مر جائے وہ بھی جنت میں داخل ہو گا۔

علماء کا قول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جو استغفار کرتے تھے وہ امت کی تعلیم اور تشریح کی خاطر تھا۔ تا کہ امتی ہمیشہ ہی استغفار کریں اور توبہ کرنے والے ہوں۔ ورنہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تو گناہوں سے معصوم اور

مغفور ہیں۔ آپ کو اپنی ذات کے لئے استغفار اور توبہ کی حاجت نہ تھی اور یا آپ یہ استغفار اپنی امت کے لئے کرتے تھے۔ واللہ اعلم۔

دیگر ایک حدیث میں کہ آنحضرت نے ارشاد فرمایا۔ انه لیغان علی قلبی وانی لا ستغفر اللہ (الحدیث) اس میں شک نہیں کہ بعض اوقات میرا دل پردہ میں ہوتا اور بے شک میں اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں۔ یغان غین سے ماخوذ ہے۔ غین کا معنی رقیق اور لطیف پردہ ہوتا ہے جو سورج پر آجاتا ہے اور تمام علماء عرفا اس غین اور پردہ کی حقیقت کی معرفت سے درماندہ ہیں۔ اکثریت کا خیال اس طرح ہے کہ یہ غین وہ رقیق و لطیف پردہ ہوتا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے دید شہود پر مشاہدہ وحدت بسبب حکم بشریت لوگوں سے ملنے جلنے۔ امور دین و ملت کا اہتمام کرنے۔ مخلوق کو دعوت دینے اور شریعت کے بیان کرنے سے ایک قسم کا فرق اور غفلت طاری ہوتی تھی اور جو اشتغال اور اضمحلال وحدت کا نور ظاہر ہونے اور ذکر کی آتش سے ظاہر ہوتا ہے۔ جب یہ حالت پیش آجاتی تھی تو آنحضور استغفار کیا کرتے تھے۔ حسنات الابرار سیئات المقربین اور بعض علماء خیال کرتے ہیں کہ آنحضرت کا ہر ہر لحہ قرب کے مقام میں ترقی در ترقی ہوتا تھا۔ اور تجلیات حق کے رنگ میں آپ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے مشاہدات کی کوئی حد اور نہایت نہیں ہے۔ اور آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم ہر آن نور جلال کا پردہ دیکھتے تھے اور پہلی نورانی تجلی پر دیگر نورانی جلوے کا اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ جب اگلا مقام رفع آپ پر منکشف ہوتا تو سابقہ پر آپ استغفار فرمایا کرتے تھے۔ بعض صوفیا اس طرح فرماتے ہیں عین الانوار لا غین الاغیار یہ پردہ انوار کا ہوتا تھا نہ کہ غیرت کا شرح مشکوٰۃ میں طیبی صاحب نے شیخ ابو الوقت شیخ شہاب الدین سہروردی کے نقل کرکے فرمایا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی روح مقدس ہمہ وقت ترقی و شوق کے مقام پر اور اپنے رفیق اعلیٰ سے مل جانے میں لگی رہتی تھی جو کہ اس کا حقیقی مقام ہے۔ اور قلب روح کے تابع ہوتا ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ قلب کی حرکت اور رفتار نفس کی حرکت تیز تر اور زیادہ قائم ہے۔ لہٰذا قرب کے مقام اور حریم عزت کی بلندیوں میں روح اور قلب کا مصاحب نہیں رہتا۔ اور جدا ہو جاتا ہے اور عنصری تعلق سے انقطاع کا موجب ہے۔ پس یہ اللہ تعالیٰ کی بالغ حکمت اور اس کی مہربانی اور رحمت غیر متناہی کے سبب ہے کہ مخلوق کی تکمیل و ارشاد کی خاطر آنحضرت کے عصر شریف کی بقاء کا اقتضاء کرتی ہے اور آنحضور کے قلب منور کی حرکت میں کمی لانے کے لئے یہ غین اور پردہ ڈال دیتی ہے۔ تاکہ قلب شریف بالکل ہی بجانب روح نہ چلا جائے۔ اور عالم اقدس کے ساتھ ہی ہو کر رہ نہ جائے۔ اور آنحضرت اپنے شوق کے کمال کے باعث اور جہان میں جذب کے سبب استغفار فرماتے تھے باوجود اس امر کے کہ اس میں بھی حکمت اور مصلحت ہوتی تھی۔ اور امت کی تکمیل بدرجہ کمال تھی پھر بھی آنجناب استغفار کرتے تھے اور عذر خواہی فرماتے تھے۔

اصمی لغت کے بہت بڑے عالم ہیں ان سے لوگوں نے غین کا مطلب دریافت کیا اور سوال کیا کہ غین سے مراد کیا لیا جاتا ہے۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ اگر مجھ سے پوچھنے والا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے غین کو چھوڑ کر کسی اور کے متعلق پوچھتا تو میں جو کچھ بھی اس بارے میں علم رکھتا ہوں وہ بتا دیتا۔ لیکن مجھ میں یہ طاقت نہیں کہ میں قلب مصطفیٰ صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق اور اس کے احوال اور صفات کے ضمن میں دم بھی مار سکوں۔ مجھے اصمعی کہ یہ بات بہت اچھی لگی۔ اللہ تعالیٰ نے اصمعی کو قلب مصطفویٰ کا ادب اور احترام کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ جسے سوا اللہ تعالیٰ اور کوئی معلوم نہیں کر سکتا۔ اور کوئی شخص اس کے بارے میں جو کچھ بھی کہتا ہے وہ اس کی اپنی معرفت اور قیاس کے مطابق ہوتا ہے جبکہ آنحضرت کا مقام ان تمام تبصروں سے کہیں زیادہ بلند ہے اور جو کوئی بھی مقام کے متعلق کوئی خبر دیتا ہے یا اور حقیقت حال کا انکشاف کرتا ہے وہ متشابہات کی تاویل کرتا ہے جبکہ علم متشابہات اور ان کی تاویل سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا ہے۔

آنحضرت کی قرات قرآن:۔ وصل:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ترتیل اور تفسیر کے ساتھ قرات فرماتے تھے اور حرف حرف صاف قرات ہوتی تھی۔ جن حروف پر مد ہوتی تھی وہاں مد فرماتے تھے اور آیت کے آخر پر آپ وقف فرماتے تھے۔ چنانچہ آپ اس طرح پڑھتے تھے۔ الحمد للّٰہ رب العالمین یہاں آپ وقف کرتے اور پھر پڑھتے تھے الرحمٰن الرحیم ٥ یہاں وقف ہوتا پھر آپ پڑھتے مالک یوم الدین یہاں بھی وقف فرماتے رواہ ترمذی۔ اس کو وقف النبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کہا جاتا ہے۔ قرات کے وقف کے بھی قاعدے ہیں۔ اہل فن قرات نے ان کو تمام کلام اور اس کے مابعد سے عدم تعلق کے اعتبار سے اور مابعد کا ماقبل سے انقطاع تعلق کے لحاظ سے تقسیم کیا ہے۔ اسی سبب سے وقف کو وقف تام' وقف حسن اور واقف کافی کا نام دیا جاتا ہے۔ جس طرح کہ یہ بات کتب تجوید میں مذکور ہوئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سورۃ کو ترتیل کے ساتھ پڑھا کرتے تھے یہاں تک کہ وہ سورۃ دراز تر سورۃ سے بھی بڑھ جاتی تھی۔ اور کوئی دوسرا شخص خوش آوازی اور خوش قرات میں آنحضور سے زیادہ نہ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب قرات فرماتے تھے تو طن صوت کا لحاظ رکھا کرتے تھے۔ اور اکثر دفعہ آپ آواز کو بلند فرماتے۔ جیسا کہ فتح مکہ کے دن سورۃ انا فتحنا کی قرات کے دوران آواز کے اسلوب کو بہتر بنانے کا خیال فرمایا۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ بن مغفل نے آنحضرت کی ترجیع تین الف سے تعبیر کی ہے۔ رواہ بخاری۔ ترجیع سے مراد ہے آواز بڑھا بڑھا کر پڑھنا تو آنحضرت کی ترجیع آپ کا ذاتی اختیاری عمل تھا نہ کہ اضطراری تھا اور نہ اونٹنی کی حرکت کے باعث تھا۔ جس طرح کہ لوگوں نے گمان کیا ہے۔ اگر یہ عمل بوجہ حرکت و جنبش ناقہ ہوتا تو عبداللہ بن مغفل اس کو بیان بالکل نہ کرتے اور اس کی بالکل خبر نہ دیتے تا کہ لوگ آپ کی پیروی کرتے نہ ہی اس ترجیع کو فعل رسول کہتے۔ اور وہ یوں نہ کہتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ترجیع فرمائی تھی جس طرح کہ ظاہر ہوتا ہے۔

یہ تو صحیح حدیث میں آچکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ذینو القرآن باصواتکم آپ نے فرمایا۔ لیس منا من لم یتغن بالقرآن۔ وہ ہم میں سے نہیں ہے جس نے قرآن کی خوش آوازی سے تلاوت نہ کی اور آپ نے فرمایا ہے کہ کوئی چیز اللہ تعالیٰ ایسے ساعت نہیں فرماتا اور اس کی جانب متوجہ نہیں ہوتا جیسے کہ وہ اپنے نبی کی خوش آواز سے تلاوت کو سنتا ہے اور اس کی طرف توجہ فرماتا ہے یعنی کہ وہ قرآن خوش آوازی سے اور بالجہر پڑھتا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا لکل شیئی حلیۃ وحلیۃ القرآن حسن الصوت ہر شے کی ایک زیبائش ہے اور زیبائش قرآن خوش آوازی ہے۔ روایت میں آیا ہے کہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی قرات ایک مرتبہ رات کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے توجہ سے سنی اس لئے کہ ابو موسیٰ نہایت خوش آواز تھے اور خوش خواں تھے۔ ان کی تعریف کرتے ہوئے آنحضرت نے ارشاد فرمایا اعطی مزمار من مرامیر آل داؤد یعنی کہ داؤد کی آل کے لحنوں سے ایک لحن ان کو عطا کیا گیا ہے۔ دن چڑھے آنحضرت نے ان کو اپنے سماعت فرمانے کے متعلق بتایا۔ اس پر ابو موسیٰ اشعری کی رضی اللہ عنہ نے گزارش کی۔ کہ افسوس اگر میرے علم میں ہوتا کہ یا رسول اللہ! آپ سماعت فرما رہے ہیں۔ تو میں اس سے بھی زیادہ تحسین و تزئین سے تلاوت کرتا۔

تغنی بالقرآن کے بارے میں علماء مختلف الرائے ہیں۔ بعض اسے مطلق طور پر جائز کہتے ہیں۔ خواہ مد میں زیادتی آئے اور حرکات میں اشباع وغیرہ لازم آئیں اور خواہ وہ علم موسیقی کے قوانین پر ہی کیوں نہ ہو۔ بعض علماء اسے مطلق طور منع فرماتے ہیں اور حق یہ ہے اور یہی دائرہ انصاف کا مرکز ہے کہ دو وجہ پر خوش آوازی اور ملغنی ہوتی ہے ایک یہ ہے کہ طبیعت اس کی خواہش کرے۔ اور یہ بغیر کسی تکلف، تصنع اور تعلیم ادا ہو۔ بلکہ اگر اس طبیعت پر چھوڑ دیں اور قاری خوش آواز اور خوش الحانی کے ساتھ پڑھے تو جائز ہے اگرچہ وہ زیادتی تحسین و تزئین کے ساتھ ادا کر رہا ہو۔ جس طرح کہ قول ابو موسیٰ اشعری ہے کہ اگر مجھے پتہ ہوتا کہ رسول اللہ سن رہے ہیں تو میں مزید بنا سنوار کر پڑھتا۔ جس شخص پر خوشی بے خودی اور شوق غالب ہو اور وہ اپنے نفس کا مالک نہ رہے اور اس کو دوران قرات خوش آوازی اور تحسین و تزئین میں اختیار نہ ہے۔ وہ مطبوع ہوتا ہے۔ مطلب یہ اس کی یہ طبعی صفت ہے وہ منطبع نہیں ہوتا۔ مطلب یہ کہ اس میں کوئی تصنع نہیں ہوتا۔ یہ ہی مطلب ہے صوت عرب اور لحن عرب کا۔ یہ بھی یک گونہ تغنی ہے۔ جس کو صحابہ کیا کرتے تھے اور سنا کرتے تھے۔ ایسی تغنی محمود ہے۔ اس لئے کہ اس کا اثر قاری اور سامع دونوں پر ہوتا ہے۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ موسیقی کے علم کی صنعتوں سے کوئی صنعت ہو۔ اور وہ طبائع کی قسم سے نہ ہو۔ اور بذریعہ تصنع۔ تکلف حاصل ہوتا ہو جس طرح کہ موسیقی کے مختلف قسم کے سر ہوتے ہیں مرکب وغیرہ مرکب وغیرہ۔ جن کی ساخت مخصوص تھاپ سے اور اختراعی اوازوں سے ہوئی ہو۔ اس کا حصول بغیر تعلیم کے اور تکلف کے نہیں ہوتا۔ علماء سلف اسے مکروہ جانتے ہیں۔ اس لئے وہ ایسی قرات سے ممانعت فرماتے ہیں اور اسلاف کے احوال سے واقف شخص اچھی طرح علم رکھتا ہے کہ موسیقی کے سروں تالوں سے اسلاف کو بیزاری تھی۔ کیونکہ موسیقی کی سب باتوں میں بناوٹ و تکلف پایا جاتا ہے۔ یہ اسلاف اس طرح تلاوت قرآن سے بیزار اور مجتنب ہوتے ہیں۔ اور اس کو جائز نہیں سمجھتے۔ بلکہ انہیں یہ پسند ہے کہ خوش آوازی اور سوز و گداز سے اچھی طرح پڑھا جائے۔ اور یہ چیز تمام طبیعتوں میں ہوتی ہے۔ اور اس کی ممانعت شارع علیہ السلام نے بھی نہیں کی۔ بلکہ اس جانب آپ نے اشارہ فرمایا ہے اور لوگوں سے اس طرح سے قرآن کی تلاوت بھی کرائی ہے اور یہ خبر دی ہے کہ اس طرح سے پڑھا

جائے تو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے اور خوب سنتا ہے اور یہ فرمایا کہ جو آدمی اچھی آواز سے قرآن کو نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

ابن ابی شیبہ نے عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ فرمایا ہے کہ قرآن سکھاؤ اور اس کو خوش آوازی سے پڑھا کرو اور حدیث لکھو۔ یہ سب کچھ مواہب الدینہ میں مذکور ہوا ہے۔ ایک حکایت بیان کی جاتی ہے۔ کہ جس وقت حضرت داؤد علیہ السلام چاہتے تھے۔ کہ وہ بنی اسرائیل قوم کو زبور سنائیں اور ان سے ہم کلام ہوں تو قبل اس کے آپ سات دن تک بھوکے رہا کرتے تھے۔ اور اپنی ازواج پر بھی نہ آتے تھے۔ اور سلیمان علیہ السلام کو حکم فرماتے تھے کہ دشت و جبل میں ہر مقام پر اعلان کر دیا جائے۔ کہ فلاں روز کو داؤد علیہ السلام اجلاس فرمائیں گے اور کلام فرمائیں گے۔ پھر ایک میدان میں آپ کا منبر نکال کر بچھا دیا جاتا تھا جس پر داؤد علیہ السلام اجلاس فرمائیں وہ کلام فرمائیں گے۔ پھر ایک میدان میں آپ کا منبر نکال کر بچھا دیا جاتا تھا جس پر داؤد علیہ السلام بیٹھتے تھے۔ سلیمان علیہ السلام ان کے پیچھے کھڑے ہوا کرتے تھے۔ سب جن اور انسان۔ وحوش وطیور اور حشرات الارض جمع ہو جاتے تھے اور ان کے چاروں جانب بیٹھ جایا کرتے تھے پردہ نشین عورتیں اور کنواریاں آتی تھیں اور ان کا ذکر سن لیتی تھیں۔ ازاں بعد حضرت داؤد اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا سے ابتداء فرماتے تھے اور زبور پڑھتے۔ جسے سنتے ہوئے ایک جماعت مرجاتی تھی پھر آپ گنہگاروں کی جانب توجہ فرماتے اور نصیحت کرتے تھے یہ سن کر بھی ایک جماعت مرجاتی تھی۔ جب مرجانے والے بڑی تعداد میں ہو جاتے تو سلیمان علیہ السلام آپ سے عرض کرتے تھے کہ اے اللہ کے نبی! لوگ بڑی کثرت سے مرگئے ہیں۔ اور دیگر سننے والے بھی جگر پارہ ہو چکے ہیں اس پر داؤد علیہ السلام منہ کے بل گر جاتے تھے اور بے ہوشی طاری ہو جاتی تھی۔ سلیمان علیہ السلام ان کو اٹھاتے تھے اور واپس گھر لے آتے تھے پھر سلیمان علیہ السلام لوگوں کو فرما دیتے تھے کہ لاشوں کو ان کے اقربا اٹھا کر لے جائیں۔ عورتیں اپنے ساتھ تختے لاتیں اور ان پر اپنے شوہروں، بیٹوں اور بھائیوں کو ڈال کر اپنے گاؤں میں لاتیں تھیں۔ دوسرے روز داؤد علیہ السلام ہوش میں آجاتے تھے۔ اور پوچھتے تھے کہ بنی اسرائیل کا کیا حال ہے۔ تو ان کے سامنے مرجانے والوں کے نام لئے جاتے تھے۔ پھر داؤد علیہ السلام اپنے سر اور چہرے پر ہاتھ مارتے تھے اور مناجات الٰہی بجالاتے تھے کہ یا اللہ! کیا تو داؤد سے ناراض ہے جو اس کو دیگر لوگوں کے ساتھ ہی موت نہیں دیتا۔ جو کہ تیرے خوف اور اشتیاق کے باعث مرے ہیں۔ اور آپ آئندہ مجلس کے انعقاد تک اسی حال میں رہتے تھے جب تک اللہ تعالیٰ چاہتا تھا داؤد علیہ السلام کا یہی حال رہا۔

کوئی یہ نہ سوچے کہ بنی اسرائیل کا حال امت محمدیہ کے حال سے اکمل اور اعلیٰ تھا۔ غنا اور مزمار کے بارے میں ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا حال بڑا کافی ہے۔ جو کچھ کہ ان کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے ان کو بنی اسرائیل کے مزامیر میں سے ایک مزمار عطا کیا گیا ہے۔ جہاں تک اشتیاق اور خوف سے مرنے کی بات ہے۔ اس کے دو جواب ہیں۔ پہلا یہ کہ اس امت کو یہ قوت دی گئی ہے۔ کہ پیش آنے والی ہر حالت برداشت ہو جاتی ہے۔ اس کی جسمانی قوت فنا نہیں ہو جاتی۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی تائیدات سے روحانی قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ چونکہ اس امت کی قوت

زیادہ ہے۔ اس لئے وہ وعظ کی سماعت اور عدم سماعت کے دوران برابر حالت پر رہتی ہے۔ بلکہ مسلسل ذکر و اطوار کے ذریعے یقین میں اضافہ ہوتا ہے۔ جیسے ارشاد الٰہی ہے۔ لو کشف العطاء ما ذوت یقینا۔ اگر حجابات دور ہو جائیں تو یقین ہی بڑھتا ہے۔ یا جیسے داؤد علیہما السلام کا حال تھا کہ اگر وہ صاحبان مزامیر تھے اور اپنی امت کے مقابلہ اس بارے میں اخص و خواص اور فضیلت والے تھے۔ دیگر لوگوں کی طرح انہیں موت نہ آئی۔ یہ صرف اس قوت کی وجہ سے تھی۔ جو رب کی طرف سے تھی اور انہیں تمکنت حاصل تھی اور داؤد علیہ السلام جو مرنے کی تمنا کرتے تھے اس میں ان کی تواضع اور انکساری تھی اور امت پر ان کے شفیق ہونے کے باعث تھا یہ مراد نہیں ہے کہ وہ اپنے امیوں سے کمتر درجہ پر تھے قلب کے قوت برداشت کے حامل ہونے کے جانب اور اس قوت الٰہیہ کی طرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اشارہ فرمادیا ہے۔ کہ انہوں نے جب ایک دن کسی آدمی کو تلاوت قرآن میں مصروف روتے ہوئے اور بے چین و بے قرار دیکھا تو فرمانے لگے کہ ہم بھی اسی طرح ہی تھے لیکن اب ہم سخت دل ہو چکے ہیں۔ یعنی انہوں نے جذبہ تواضع اور انکساری کے باعث اپنی اس خداداد قوت برداشت کو سختی سے تعبیر کیا ہے۔ جبکہ وہ محفوظ المرتبت رفیع المرلت ہیں اور ہر قسم کی برائی سے مرفوع ہیں۔

نقل میں آیا ہے کہ ایک روز حضرت سہیل تستری رحمتہ اللہ علیہ نے کسی کو تلاوت قرآن کرتے ہوئے سنا۔ ان کے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اور کانپنے لگے۔ حتیٰ کہ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ بعد ازاں لوگوں نے سبب دریافت کیا ہے۔ اور کہا کہ اس سے پہلے تو کبھی ایسے واقع نہ ہوا تھا۔ تو آپ نے جواب دیا کہ یہ حال کی کمزوری ہے۔ لوگ کہنے لگے اگر یہ کمزوری حال ہوتی ہے تو پھر قوت کسے کہا جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا قوت یہ ہوتی ہے کہ سب کچھ جذب کرتا جائے اور اپنی جگہ سے ہلنے نہ پائے۔ اور قائم رہے۔ جواب کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اس امت کے بھی متعدد لوگ سماع قرآن کی مجلس کے دوران خشیت الٰہی اور اشتیاق کے باعث مر چکے ہیں وہ اسی ذوق و اشتیاق میں یہ دنیا چھوڑ چکے ہیں۔ مواہب لدنیہ میں ہے کہ ابو اسحاق ثعلبی نے کئی جلدوں میں ایسے لوگوں کے نام درج کئے ہیں۔ اور نفحات الانس میں ان لوگوں کا تذکرہ ہے جو سماع قرآن کی مجلس کے دوران جان بحق ہو چکے ہیں۔

سماع کا مسئلہ:۔ وصل:۔ قرآن کو اچھی آواز سے تلاوت کرنے کا ذکر چھڑا ہے تو اجمالی طور پر سماع کا مسئلہ بھی بیان ہو جائے تو غیر موزوں نہ ہوگا۔

واضح ہو کہ اس مسئلہ کے بارے میں قدیم و جدید اور قول و فعل کے اعتبار سے بڑا اختلاف ہے۔ بعض حضرات اس کی اباحت کے قائل ہیں۔ کچھ حضرات تردد اور اشتباہ میں پڑے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہم یہ کرتے بھی نہیں اور اس سے انکار بھی نہیں کرتے۔ (نہ ایں کاری کنیم نہ انکاری کنم) معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان سماع کا مشار الیہ ہے الذین یسمعون القول فیتبعون احسنہ جو لوگ بات سن لیتے ہیں اور اچھی طرح سے اس کی پیروی کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ واذا سمعوا ما انزل الی الرسول تری اعینہم تفیض من الدمع عرفوا من الحق جب سنتے ہیں جو کچھ رسول پر نازل ہوا۔ تو دیکھئے حق کی معرفت سے ان کی آنکھیں ابل آتی ہیں۔ عوارف میں کہا گیا

ہے کہ یہ سماع وہ ہے کہ اس کی حقانیت پر تمام متفق ہیں اور کسی کو اختلاف نہ ہے یہ سماع رب تعالیٰ کی رحمت حاصل ہونے کا موجب ہے۔ ہاں اگر قصیدوں اور شعروں کو مطربہ موسیقہ الحان کے ساتھ پڑھا جائے تو اس میں اختلاف آیا ہے اس میں کثرت سے اقوال آئے ہیں۔ کچھ حضرات اس کی ممانعت کرتے ہیں اور اس کو فسق و فجور کے ساتھ ملاتے ہیں۔ بعض علماء اس کو جائز کہتے ہیں اور اسے واضح حق گمان کرتے ہیں یہ دونوں گروہ افراط اور تفریط کا شکار ہیں (انتہیٰ کلام معارف) تلخیص کلام یوں ہے کہ اس مسئلہ کے بارے میں تین راہیں ہیں۔ ایک تو اہل فقہ کا مذہب ہے۔ ان کو اس سے شدت سے انکار ہے۔ ان کی راہ تعصب و عناد کی راہ ہے۔ یہ اس فعل کو کبیرہ گناہوں میں شامل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس پر کفار اور ملحد و زندیق لوگ عقیدہ رکھتے ہیں یہ افراط ہے اور اعتدال و انصاف سے بعید ہے ان حضرات کو اس قدر جسارت نہ کرنی چاہیے تھی۔ بالخصوص مقامات اختلافی پر۔ ہاں یہاں پر ہم وہ دلائل منقول کر سکتے ہیں جو مذہب کے علماء نے اس کی حرمت اور کراہت میں دیئے ہیں۔ دوسرا محدثین کا مسلک ہے۔ ان کا قول ہے کہ سماع کی حرمت میں کوئی صحیح حدیث نہیں آئی اور نہ ہی کوئی صریح نص موجود ہے۔ بلکہ اس بارے میں روایت شدہ سب احادیث یا موضوع ہیں اور یا مطعون ہیں قرآن کی آیات میں بھی اسی طور ہے۔ گو کچھ مفسرین کی تفسیریں حرمت غناء پر دلالت کرتی ہیں لیکن ان آیات کی دیگر تاویلات و محمولات بھی ہیں جو دوسرے علماء اور مفسرین نے بیان کی ہیں۔ پس حرمت ثابت نہ ہو سکے تو اصل و اباحت ثابت ہو جاتا ہے اس میں دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ احل لکم الطیبات اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ قطعی دلیل کے ساتھ نہ اس کی حرمت کا ثبوت ہے اور نہ اباحت کا۔ پس اصل اشیاء پر مبنی مسئلہ میں موجود خطر یا اباحت قرار پا جائے گی۔

تیسرا مسلک صوفیاء سادات کا ہے اس کے متعلق ان کے مختلف اقوال اور مجتنب افعال روایت ہوئے ہیں کچھ تو اس سے مجتنب ہیں اور کچھ حضرات اس میں دلچسپی لیتے ہیں جبکہ ہونا یہ چاہیے کہ انکار انکار سخت ہو اور ان کے اجتناب و تشدید میں قوت ہو کیونکہ ان کا مذہب ہے کہ عزیمت کو اختیار کیا جائے اور تمام ہی اوقات و احوال اور افعال و اقوال میں احتیاط کی جائے۔ اس کے برعکس حال یہ ہے کہ ان میں سے بعض حضرات پر شغف و شوق۔ سکر محبت۔ صنع حال۔ اور وجد و ہیجان وغیرہ اس قدر غالب ہوتا ہے کہ وہ فریفتہ و دلدادہ اور مدہوشی کے حکم میں آتے ہیں۔ اور بلاشبہ نغمات سے نفوس متاثر ہوتے ہیں۔ دلوں کو طرب انگیز کرتے ہیں اور باطن میں ان کا اثر سرایت کرتا ہے۔ اس کا واضح طور پر مشاہدہ ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کا اثر جانوروں' نادانوں اور بچوں پر بھی دیکھنے میں آیا ہے۔ ان میں سے متمکن و متحمل اور حکم و آداب کی بساط پر مستحکم رہنے والے حضرات ڈگمگاتے نہیں ہیں اور نہ ہی وہ اہل شوق لوگوں کی طرح متلون اور وجد و عزام سے مشعر ہوتے ہیں۔

کچھ عارفین کہتے ہیں کہ سماع ان لوگوں کی خاطر ہے جو اہل وجدان سے ہیں اور تجلیات صفات کی اہلیت کے حامل ہوتے ہیں۔ جن پر مختلف احوال اور صفات کا گذر ہوتا ہے۔ لیکن جن حضرات پر ذات کی تجلی ہوتی ہے وہ سب سے ارفع و اعلیٰ مقام رکھتے ہیں۔

اہل طریقت نے سماع کے آداب اور اس کی شرائط کی تحقیق کی ہے۔ اور وہ طالب اتباع کے واسطے کافی ہیں اور احکام و معارف کی جامع ہیں۔ کتاب عوارف میں ان کو ملاحظہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ اس میں ردو انکار پر ایک باب بندھا ہے اور ایک باب قبول وایثار میں آیا ہے اور تیسرا باب سماع سے ترفع واستغفار اور آداب اعتناء کے ذکر میں آیا ہے۔

الامقام باحکام اسماع کے مولف کہتے ہیں کہ سماع دو قسم کے ہوتا ہے پہلی قسم میں یہ عام مروج سماع ہے یہ مسرت قلوب اور کاموں کی آسانی کے لئے .... بوجھوں کی برداشت کے لئے اور سفرحج کو طے کرنے کی خاطر مستعمل ہے۔ اس میں بیت اللہ شریف اور زمزم شریف کے اوصاف بیان ہوتے ہیں رزمیہ اشعار پڑھے جاتے ہیں۔ ان میں جنگ و جہاد کے مقام اور اس کی تعریف و توصیف کی جاتی ہے۔ جس طرح کہ حداد اور نصب وغیرہ ہے یا بچوں کو عورتیں گنگنا کر بھلاتی ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب مباح ہیں ان میں کوئی فحش اور حرام تذکرہ نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ تو استحباب میں آتا ہے کیونکہ اعمال مرفوع پر یہ فرحت و نشاط کا سبب ہے سماع کی دوسری قسم میں وہ ا۔تحال اور گانا آتا ہے جو فنکار لوگ موسیقی کے مطابق گاتے ہیں۔ وہ شعر گاتے ہوئے اس طرح گداز اختیار کرتے ہیں۔ آوازوں میں ایسا زیروبم پیدا کرتے ہیں کہ اس سے نفس ہیجان برپا ہوتا ہے اور سرور آتا ہے۔ دل خوشی و مسرت کے ساتھ گرمائے جاتے ہیں علماء میں سماع کی یہ قسم مختلف فیہ ہے۔ ایک گروہ اس کو مباح کا درجہ دیتا ہے۔ دوسرا گروہ اسے حرام کہتا ہے۔ ایک گروہ کے نزدیک مکروہ ہے۔ علماء نے فرمایا ہے کہ امام مالک امام شافعی' امام اعظم ابوحنیفہ اور امام رحمتہ اللہ علیہم کی طرف مشہور تر اور اصح قول کراہت میں ہی آیا ہے۔ گو حرام کا اطلاق بھی کیا گیا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ سے حرمت کا قول قاضی ابوطیب نے نقل کیا ہے اور شیخ شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ نے عوارف میں فرمایا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے غنا کو ذنوب و معصیت میں شمار کیا ہے۔ اور اسی طرح ہی قاضی ابوالطیب نے عامر شعبی' سفیان ثوری' حماد' نخعی اور فاکہی رحمتہ اللہ علیہ سے ان کی سند کے ساتھ اس کی حرمت نقل کی ہے۔ سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ سے منقول ہے۔ کسی شخص نے گانے کے متعلق ان سے سوال کیا۔ انہوں نے بتایا کہ گانا ایک کان سے داخل ہو کر دوسرے کان سے نکل جانے والی ہوا کی طرح ہوتا ہے۔ علماء نے فرمایا ہے کہ اس میں گانے کی حرمت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اور اہل کوفہ اہل مدینہ اور اہل عراق سے اس کی حرمت منقول کی ہے۔ ایک جماعت اسے مباح رکھنے کی جانب ہے اس میں ان کی بات مطلق ہے اس میں مرد عورت اور لڑکوں کی تفریق نہیں کی۔ ان سب کو وہ برابر سمجھتے ہیں لیکن وہ اس میں شرط اٹھاتے ہیں کہ فتنہ سے محفوظ رہیں۔ اور کچھ علماء قلت و کثرت اور مرد و عورت کا فرق رکھتے ہیں۔ جو لوگ اسے مباح سمجھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ غنا اور اس کا سماع صحابہ ایک بڑی جماعت جن میں عشرہ مبشرہ سے بھی چند شامل ہیں۔ تابعین تبع تابعین اور اتباع تبع اور دوسرے علماء محدثین اہل زہد و تقویٰ اور صاحبان علم و عبادت سے روایت میں آیا ہے اور ان بزرگان سے اس قدر روایات اور احکایات لائے ہیں جو اس ضمن میں کافی ہیں۔ اور یہ معلوم ہونے میں کوئی شک نہیں رہ جاتا کہ ائمہ دین اور اکابرین دین کا اس میں اختلاف موجود ہے حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کے متعلق تو مشہور ہے وہ سماع غنا کرتے تھے۔ جن فقہا اور حفاظ نے اور دیگر اہل تاریخ نے انہیں دیکھا ہے

انہوں نے نقل بھی کر دیا ہے۔ استعاب میں ابن عبد البر نے فرمایا ہے کہ مجھے ان کے سماع میں کوئی قباحت معلوم نہیں ہوتی۔ ان کے دور حیات میں ان کے چچا حضرت علی بن ابو طالب خلیفہ رسول تھے۔ وہ جمیلہ نامی عورت جو بڑا اچھا گانے والی تھی۔ ان کے گھر جاتے تھے۔ اور اس جمیلہ نے قسم اٹھائی تھی کہ وہ کسی کے لئے نہیں گائے گی سوائے اپنے گھر کے اندر گانے کے۔ اس نے چاہا کہ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کے گھر آکر ان کو گانے سنائے اور قسم کا کفارہ ادا کر چھوڑے لیکن عبداللہ بن رضی اللہ نے اس کو منع کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ بات عبداللہ بن جعفر کے پڑوسیوں نے بتائی ہے کہ وہ گاتی تھیں اور کے لئے بربط بجائی جاتی تھی۔

حضرت سعید بن المسیب افضل التابعین اور تقویٰ میں بے مثل تھے ان کے بارے نقل میں آیا ہے کہ وہ غنا سنا کرتے اور لطف اندوز ہوا کرتے تھے۔ سالم بن عبداللہ۔ قاضی شریح رضی اللہ عنہم اپنی جلالت شان اور بڑھاپے کے باوجود گانا باندیوں سے سنتے تھے۔ سعید بن جبیر بھی ایک بڑے تابعی تھے وہ باندیوں سے سنا کرتے تھے۔ وہ گانے کے ساتھ دف بجایا کرتی تھیں۔ ان کی طرح عبدالملک بن جریج بھی علماء۔ حفاظ اور فقہا عباد میں سے تھے۔ ان کی عدالت و جلالت پر اجماع امت ہے یہ گانا سنا کرتے تھے۔ یہ موسیقی کے قواعد بھی جانتے تھے۔ ابراہیم بن سعد اپنے زمانہ میں فقہ اور روایت کے مسلمہ امام تھے۔ جب تک وہ طالب علموں کو غنا نہ سنوا لیتے تھے حدیث نہ سناتے تھے۔ انہوں نے ہارون رشید کی مجلس میں غنا کی حلت کا فتویٰ دیا تھا۔ لوگوں نے ان سے امام مالک کا حال پوچھا۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ میرے علم میں ہے کہ وہ قبیلہ پر بوع میں مدعو تھے۔ یہ قبیلہ بربط وغیرہ ساز رکھتا تھا۔ وہ گاتے تھے اور سازوں سے اپنے کرتب دکھاتے تھے۔ امام مالک کے پاس خود ایک چوکور دف تھا۔ اس کو بجا کر گایا جاتا تھا۔ (واللہ اعلم)۔

صاحب تذکرہ نے ایک حکایت نقل کی ہے کہ امام ابو حنیفہ اور سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہما سے لوگوں نے غنا کے بارے میں دریافت کیا۔ ان دونوں کا یہ جواب تھا کہ یہ کبائر میں نہیں اور صغائر میں بھی نہیں۔ نقل میں یہ بھی آیا ہے کہ امام ابو حنیفہ کا ایک پڑوسی ہمیشہ رات کو اٹھتا تھا اور گایا بجایا کرتا تھا۔ امام صاحب بھی اس طرف کان لگا لیتے تھے۔ ایک رات تھی کہ پڑوسی کی آواز نہ سنی۔ امام صاحب نے اس کے اہل خانہ سے دریافت فرمایا کہ امشب اس کی آواز سنائی نہ دینے کا سبب کیا ہے انہوں نے بتایا کہ آج رات وہ باہر نکلا تھا تو سپاہی پکڑ کر لے گئے اور اس کو جیل میں بند کر دیا۔ امام صاحب اپنا امامہ سر پر باندھ کر امیر کے پاس گئے۔ اور اس مغنی کی رہائی کے لئے سفارش فرمائی امیر نے مغنی کا نام دریافت کیا انہوں نے بتایا۔ عمر۔ تو عمر کے سب آدمی امیر نے رہا کر دیئے۔ اس شخص کو امام صاحب نے فرمایا کہ جو کچھ تو رات کرتا تھا وہ کرنا۔ امام صاحب کا اس کی طرف کان لگانا اور اس کی ممانعت نہ فرمانا دلالت ہے اس کی کہ یہ فعل امام صاحب کے نزدیک مباح ہے۔ آپ کا جو حکم اس کے برعکس ہے اسے فحش کلامی پر مبنی غنا سمجھا جائے گا۔ یہ ہی آپ کے قول اور فعل کی جمع اور تطبیق ہے حالانکہ اس کی تحریم نہیں ہوئی سوائے ان کے فعل کے مقتضار سے اور ان کے قول کی نص سے نہیں۔ جیسے کہ وہ ایک ولیمہ کی دعوت میں گئے اور اس میں غنا وغیرہ تھے۔ اور ابن قیبہ نے حکایت بیان کی ہے۔ کہ ابو یوسف کے سامنے غنا کا مسئلہ پیش کیا گیا۔ پس انہوں

نے حضرت جابر اور ابو حنیفہ کا قصہ بیان کیا۔ اور امام ابو یوسف رحمتہ اللہ کے متعلق حکایت بیان کی جاتی ہے۔ کہ وہ بسا اوقات ہارون رشید کی مجلس میں جاتے تھے اور اس میں غنا ہو تا تھا۔ اپ اسے سنتے تھے اور روتے تھے۔ امام مالک رحمتہ اللہ سے غنا کا مسئلہ پوچھا گیا۔ تو جواب دیا کہ میں نے اپنے شہروں میں علماء دیکھے ہیں۔ جو کہ غنا کی منکر نہیں ہیں اور فرمایا کہ اس کا منکر کوئی اندھا جاہل اور عراقی ہی ہو سکتا ہے جو غلیظ الطبع ہو۔ اور اسی طرح ان سے علائی نے نقل کیا ہے اور ان سے اباحت کی حکایت بیان کی ہے۔ امام قشیری، استاد ابو المنصور اور قفال رحمہم اللہ سے بھی اباحت مروری ہے۔ اور وہ جو امام مالک رحمتہ اللہ کا قول منقول ہے کہ غنا کو سوائے فاسقوں کے کوئی نہیں سنتا۔ یہ وہ غنا ہے جس میں فحش کلامی اور منکر باتیں ہوتی ہیں۔ یہ ہے جمع اور تطبیق ان کے قول اور فعل کی۔ اور امام غزالی نے جو قول امام شافعی کا نقل کیا ہے کہ غنا ان کے مذہب میں حرام نہ ہے۔ ان کی کتب میں ان کا یہ قول میں نے بھی بڑا تلاش کیا ہے۔ میں نے وہاں اس کی حرمت میں کوئی نص نہیں دیکھی استاد ابو المنصور بغدادی نے فرمایا ہے کہ ان کے مذہب میں غنا کا سماع اس شرط کے ساتھ مباح ہے کہ مرد مرد سے سنے یا باندی سے یا اپنی بیوی سے یا اس عورت سے سنے۔ جس پر نظر ڈالنا حلال ہے۔ یا وہ اپنے گھر میں سنے یا پھر اپنے چند مخصوص دوستوں کے گھر میں سنے۔ اس کو سرراہ نہ سنے نہ ہی اس سماع میں کوئی بات خلاف شرع اور منکر شامل کرے۔ نہ ہی نماز کا وقت اس کی وجہ سے ضائع ہو۔

یونس بن عبد الاعلیٰ سے ابو المنصور بغدادی نے ایک حکایت بیان کی ہے امام شافعی نے ان کو ایک مجلس میں شمولیت کی خاطر بلایا۔ اس مجلس میں ایک آدمی گاتا تھا۔ جب اس کا گانا ختم ہو گیا امام صاحب نے یونس بن عبد اعلیٰ سے پوچھا کہ کیا گانا پسند آیا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ نہیں امام صاحب کہنے لگے اگر تم نے ٹھیک کہا ہے تو تمہاری حس درست نہیں ہے۔ اس سے یہ مراد ہے کہ گانا کو پسند کرنا درستی حس و طبع کی نشانی ہوتی ہے۔ اور ناپسند کیا جائے تو یہ ثبوت ہے کج طبعی کا اور کمی حس کا۔ اس سے یہ پتہ چل جاتا ہے کہ غنا کی حرمت یا کراہت میں کوئی شرعی دلیل موجود نہیں ہے۔ اگر کوئی ہوتی تو پھر طبعیت کا اسے پسند کرنا چہ معنی دارد طبیعت میں نغمہ کی تاثیر ہونا تو مسلمہ ہے۔ یہ تاثیر تو جانوروں میں بھی ہوتی ہے۔ چہ جائے کہ آدمی۔ امام شافعی سے ہی نقل میں آیا ہے کہ الغناء لھو مکروہ یشبہ الباطل غنا ایک مکروہ کھیل ہے اور اس کی مشابہت باطل سے ہے۔ علماء کا قول ہے کہ ممکن ہے مکروہ سے مراد یہ ہو کہ اس کا ترک اولیٰ ہے اس لئے کہ اس معنی میں بھی اس کا اطلاق آتا ہے۔ اور امام غزالی کا قول یوں ہے کہ یہ قول حرمت و کراہت پر دلالت نہیں کرتا ہے۔ اگر صرف باطل بھی کہا جائے پھر دلالت نہیں ہوتی کیونکہ باطل وہ ہوتا ہے جس میں کوئی فائدہ نہ ہو۔ امام غزالی کا کہنا ہے کہ غنا کی تغیظ کے متعلق الفاظ والی روایات اس پر محمول نہیں جس میں فحش یا منکر کلام ہو۔ پس نہ کسی عارضہ پر حرمت ہے نہ ہی ان معانی میں حرمت ہے کہ غنا اپنی ذات میں حرام ہے۔

بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ امام شافعی کے قول و فعل سے تحقیق کے ساتھ وہ چیز صحیح ثابت ہو جاتی ہے۔ جو اس کے مباح ہونے کی صراحت کرتی ہے اور حرمت میں کوئی نص موجود ہی نہیں۔

امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ کے متعلق تو صحیح روایت ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے صالح کے گھر پر گانا سنا تھا۔ ابو العباس فرغانی نے روایت کیا ہے کہ میں نے صالح بن امام احمد سے سنا انہوں نے بتایا کہ مجھے سماع پسند ہے اور میرے والد ناپسند کرتے تھے۔ میں نے ابن حنادہ سے یہ وعدہ لیا کہ تم ایک رات میرے ہاں ٹھہرو۔ پس وہ میرے ہاں ٹھہرا۔ جب مجھے تسلی ہو گئی کہ والد صاحب سو گئے ہیں۔ تو ابن حنادہ گانے لگے اسی دوران چھت پر کسی کے چلنے کی آواز مجھے سنائی دی میں چھت پر گیا اور دیکھا کہ میرے والد چادر لپیٹے ہوئے ہیں اور چھت پر گانا سنتے ہیں اور آہستہ آہستہ چہل قدمی بھی کرتے ہیں۔ جیسے کہ وہ وجد کی کیفیت میں ہوں اسی طرح کا ایک قصہ عبداللہ بن امام احمد بن حنبل سے بھی نقل میں آیا ہے اور وہ قصہ مذموم غنا پر مشتمل ہے۔ جس کی بنا فحش اور منکر ہے۔ امام احمد رحمتہ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے صالح کے پاس قوالی سنی اور اس سے انکار نہ فرمایا۔ صالح نے والد سے کہا کہ والد صاحب! کیا آپ اس سے انکار نہ کرتے تھے اور اسے مکروہ نہ سمجھتے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے اس طرح کی خبر ملی ہے کہ اس کے ساتھ منکرات استعمال کئے جاتے ہیں۔

اس طرح داؤد طائی رحمتہ اللہ علیہ کے بارے میں روایت آئی ہے۔ کہ وہ سماع میں آتے تھے تو ان کی کمر بالکل سیدھی ہو جایا کرتی تھی۔ جبکہ اصل میں بوجہ بڑھاپا کمر جھک چکی تھی۔ یہ داؤد طائی رحمتہ اللہ بہت بڑے عالم و فقیہ تھے اور امام اعظم رحمتہ اللہ کے خاص شاگرد تھے۔

ناصر الدین ابو المیر اسکندری جو ایک فقیہ اور عالم تھے انہوں نے اپنے فتویٰ میں لکھا ہے سماع صحیح ہے۔ بشرطیکہ وہ اپنی شرائط کے ساتھ اپنے محل اور اپنے اہل میں ہو۔ یہ قول ابو بکر فلال صاحب جامع اور ان کے مصاحب عبدالعزیز نے اختیار کیا ہے اور دونوں حنبلی ہیں اور کتاب "مستوعب" کے مصنف نے حنبلیوں کی ایک جماعت سے سماع نقل کیا ہے ان میں حضرت امام احمد کے بیٹے حضرت صلاح اور حضرت عبداللہ بھی شامل ہیں۔ اور حافظ ابو الفضل مقدسی وغیرہ اہل ظاہر نے اسے اختیار کیا ہے اور ابو محمد خرم نے اپنی تصنیفات میں اس کو بیان کیا ہے۔ اس بارے میں ان کا ایک رسالہ بھی موجود ہے ابن طاہر بھی تصانیف میں اس پر صحابہ و تابعین کا اجماع نقل کرتے ہیں اور اپنی روایات کے راویوں کو مضبوط کہتے ہیں اور شیخ تاج الدین عبدالرحمٰن فرادی شافعی یہ حضرت دمشق کے شیخ اور مفتی ہوئے ہیں انہوں نے ابن قیتبہ سے نقل کیا ہیں اور ابن طاہر اپنی سند کے ساتھ روایت لاتے ہیں۔ جب اہل مدینہ کا کسی امر میں اجمع دیکھو تو سمجھ جاؤ کہ یہ بات سنت ہے اور یونس بن عبدالاعلیٰ نے بیان کیا ہے کہ سماع کی اباحت کے ضمن میں اہل مدینہ کے متعلق امام شافعی سے دریافت کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ حجاز کا ایسا کوئی عالم میں نہیں جانتا جو سماع کو مکروہ کہتا ہو۔ ہاں ان علماء سے واقف ہوں جو اس کی تعریف کرتے ہیں۔

وابو یعلیٰ حنبلی کا بیان ہے کہ یوسف بن یعقوب ماجشون اور ان کے دوسرے برادران نے سماع کی اجازت دی ہوئی ہے اور اعاظم علماء حدیث یحییٰ بن فرماتے ہیں کہ جب ہم یوسف ماجشوں کے ہاں آیا کرتے تھے وہ ہمیں اپنے گھر میں حدیث سناتے تھے جبکہ ان کے پڑوسی کے گھر سے گانے اور باجے کی آواز آتی تھی۔ ان ثقہ محدثین کی حدیثیں صحاح میں ہیں مفتی مدینہ عبدالعزیز بن ماجشون نے کہا ہے کہ ائمہ محدثین ان سے روایات لے چکے ہیں اور ان میں تخریج کرکے بخاری مسلم

میں شامل کی ہیں ان حضرات سے بھی بربط کی اجازت ہے۔ صاحب نہایہ شرح ہدایہ میں حنفیوں کی طرف سے قول حرمت نقل کر کے کہتے ہیں کہ اس وقت میں کچھ احناف غنا کو مباح مانتے ہیں جس وقت کہ استعارات حاصل کرنے کے لئے اور نظم کے قافیوں کی درستی کی خاطر اور زبان کو فصیح بنانے کے واسطے گنگنایا جاتا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ اس میں حرج بھی کوئی نہیں ہے۔ کچھ احناف یوں بھی کہتے ہیں کہ اگر تنہائی کے عالم میں وحشت کو دفعہ کرنے کی خاطر اپنے آپ ہی گنگنایا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ یہ شمس الائمہ سرخسی اخذ کرتے ہیں اور انہوں نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ انس بن مالک رحمتہ اللہ علیہ گھر میں موجود ہوتے ہوئے بطور کھیل اس کو نہ کرتے تھے اور کہا ہے کہ مطلقاً" کراہت کے قائل اشخاص حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کو مباح شعروں پر محمول خیال کرتے ہیں۔ اور صاحب ہدایہ جزم کرتے ہیں کہ حنفیوں میں سے سرخسی کی بیان کردہ چیز جو کہ سماع غنا بزم سے معلول ہے کہ وہ اس کو دل ہی دل میں گنگنائے۔ صاحب ذخیرہ بھی احناف سے نقل کرتے ہیں کہ بعض احناف کے نزدیک عرسوں میں سماع سے کوئی حرج نہیں ہوتا اور بعض کے نزدیک تو تمام مباح ہے خوشی کے وقتوں پر کوئی مضائقہ نہیں بتایا گیا۔ یہ متقی علماء میں سے شیخ الاسلام ابو محمد بن عبد السلام اور ان کے ہم نشین شیخ محمد بن وقیق العید نے اختیار کیا ہے۔ کتاب امتاع کے مولف نے فرمایا ہے کہ اس میں شبہ نہیں کہ اکثر صوفیاء کرام فقہا اور محدثین ہیں اور شرعی علوم کی انواع سے واقف ہیں مثلاً استاد ابوالقاسم قشیری۔ شیخ ابو طالب مکی اور شیخ شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ۔ ان سب نے اپنے رسائل اور تصنیفات میں سماع کے مباح ہونے پر قول اور فعل سے دلالت کرنے والی چیزیں بیان کی ہیں اور حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ تو مذہب ابو ثور پر فتویٰ دینے والے فقیہہ ہوئے ہیں ان سے امام قشیری اور شیخ سہروردی رحمتہ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ جنید رحمتہ اللہ نے فرمایا ہے کہ تین وقت ہیں جن پر صوفیاء کرام پر اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی ہے۔ ایک وقت کھانے کا ہے جبکہ وہ نہیں کھاتے سوائے اس وقت کے جبکہ فاقہ کی حالت ہو۔ دوسرا وقت ہے ہم نشینی اور مکالمت کا کیونکہ یہ لوگ صدیقوں نبیوں اور رسول کے مقامات میں ان کے قائم مقام بن کر کلام کرتے ہیں اور تیسرے جس وقت سماع ہوتا ہو کیونکہ اس وقت یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے وجد میں اور شہود میں ہوتے ہیں اور علماء صحابہ کی جماعت سے اس باب کے ضمن میں بڑی کثرت سے حکایات نقل کرتے ہیں۔ جو ان کی کتابوں میں مذکور ہوئی ہیں۔

وصل:۔ سماع کے مسئلہ کے ضمن میں نصیحت معلوم ہو کہ کتاب "امتاع" کے مولف سماع کے بارے میں تین قول نقل کرتے ہیں۔ حرمت' کراہت اور اباحت' پھر وہ ہر مذہب کے دلائل دیتے ہیں۔ اس کے بعد وہ مذہب اباحت کو ترجیح دیتے ہیں جس طرح کہ ان کا مدعا ہے اور انہوں نے حرمت و کراہت کے استدلالات اور تمسکات کے جواب بھی دیئے ہیں اور اباحت کے حق میں مفصل کلام کیا ہے اور اس کا ثبوت کتاب و سنت اور اجماع و قیاس سے دیا ہے قیاس کی بنا یہ ہے کہ سنت صحیحہ میں تغنی بالقران کے جواز کا ثبوت موجود ہے۔ لہٰذا شعروں میں بھی جواز ہی ہوگا اور اجماع سے وہ یوں ثبوت دیتے ہیں۔ کہ قرآن میں خوش آوازی سے سوز و گداز اور ذوق و شوق میں اضافہ ہوتا ہے۔ اور خضوع و خشوع

پیدا ہوتا ہے یہی چیز اشعار میں پائی جاتی ہیں کیونکہ ان سے طاعات و مناجات اور دنیوی زندگی میں زہد اور شوق آخرت میں بہت اضافہ ہوتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور سید المرسلین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی متابعت میں اضافے کا سبب ہے۔ لہٰذا یہ بھی جائز ہے۔ اس کے بعد بعض عربوں کی حدی۔ نصب اور نشید وغیرہ پر قیاس کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ یہ سب چیزیں بالاتفاق جائز اور مباح ہیں۔ لہٰذا یہ بھی جائز ہے۔ یہ سب بحثیں اسی اعتبار سے اور صورت میں ظاہر ہو رہی ہیں کہ غنا کی حرمت اور کراہت کے بارے میں کوئی قطعی نص نہیں ہے۔ اگر کوئی نص ہے بھی تو وہ درجہ صحت کو نہیں پاتی اور کاتب الحروف اس لئے اباحت کے قائل لوگوں کے اقوال نقل کرتا ہے کہ معلوم ہو جائے کہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے اور اگر ایک طرف جزم کیا جائے۔ ترجیح دی جائے اور تعصب کا مظاہرہ کیا جائے تو یہ طریق اختلاف کے منافی ہوتا ہے اگر کوئی شخص اس میں اصلاح وقت دیکھتا ہے تو توقف کرے اور احتیاط اور ملاحظہ کا طریقہ اختیار کرے۔ وہ مخالفت اور جھگڑے کے چکر میں نہ پھنسے۔ اسی میں اپنے حال کی سلامتی سمجھے اور بہتر ہو گا اگر اسی میں احتیاط اور تقویٰ دیکھے۔ اسے مناسب ہے کہ اپنی زبان قال سے یا زبان حال سے ہرگز بزرگان دین پر کسی قسم کی طعن تشنیع یا تضلیل و تفسیق نہ کرے اور نہ ہی ان کے حالات میں دخل دے باوجود اس امر کے کہ متعارض دلائل موجود ہیں اور متبائن طریقے ہیں۔ دوسری طرف بھی فقیہ اور عارف حضرات ہیں۔ لہٰذا کسی بھی ایک جانب کی ترجیح نہ دے اور دوسری جانب کو مرجوع نہ کرے۔ اور دامن انصاف کو نہ چھوڑے۔ بیت

؎ صحبت وعافیت است گرچہ خوش افتاد دل جانب عشق عزیز است فرد بگذارش

اور سماع غنا کے مباح ہونے کے قائل حضرات کو متعصب ہونا موزوں نہیں ہے اور منکر اقوال علماء ہونا مناسب نہیں۔ بالخصوص دیانت اور نصیحت کا طریقہ رکھنے والے حضرات۔ ولکل وجهة هو مولها فاستبقوا الخيرات ہر ایک کے واسطے ایک رخ ہے جس کو وہ اختیار کرتا ہے۔ تم بھلائی میں سبقت کرو۔ دونوں گروہوں کو تمیز اور تفصیل کا طریقہ ترک نہ کرنا چاہیے سب کاموں میں توقف کرنا اور احتیاط سے کام لینا ہی اچھا ہے اور ہر جگہ پر افراط اور تفریط قابل مذمت اور بری ہے۔

مزامیر اور دیگر ساز:۔ کتاب متاع کے مولف نے مزامیر اور ساز کے بارے میں بھی بحث کی ہے کہا ہے کہ مزامیر ہر چہار امامین کے نزدیک حرام ہے۔ پھر بھی کچھ شوافع علماء اور اصحاب ظاہر اور امام غزالی وغیرہ کی جانب سے مذاہب امامین کے خلاف کچھ نقل کر کے آلات و مزامیر کی قسمیں شمار کی ہیں اور دف مختلف فیہ ہے۔ بعض نے مطلق طور پر مباح کیا ہے اور بعض مطلقاً حرام کہتے ہیں اور بعض جھانجھ دار اور بلا جھانجھ کی تفریق روا رکھتے ہیں اور درست اس طرح ہے کہ تقریب نکاح میں یہ مباح ہے اور بعض کے نزدیک اعلان کے وقت دف مستحب ہے۔ شبابۃ (بانسری) کے متعلق بھی اختلاف ہے اور مزامیر میں سے عود ہے اس کو بربط بھی کہا جاتا ہے۔ اس میں متعدد تار ہوتے ہیں۔ ان سے آواز میں زیر و بم ہوتا ہے ان کے بارے میں اختلاف مذکور ہے اور کہا گیا ہے کہ چاروں مذاہب میں اس کا بجانا اور سننا حرام ہے۔ علماء کا ایک طبقہ اس کو جواز

میں رکھتا ہے۔ انہوں نے عبداللہ بن عمر حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کا سننا بیان کیا ہے۔ انہوں نے روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن عمر حضرت عبداللہ بن جعفر کے پاس گئے۔ اس وقت ان کے سامنے ان کی باندی بربط بجانے میں مصروف تھی۔ عبداللہ بن جعفر نے عبداللہ بن عمر سے پوچھا کہ آیا آپ اس میں کسی قسم کا کوئی مضائقہ سمجھتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ نہیں اور علماء نے صحابہ میں سے عبداللہ بن زبیر امیر معاویہ بن ابوسفیان عمرو بن العاص اور حسان بن ثابت رضی اللہ عنہم اور غیر صحابہ میں سے عبدالرحمٰن بن حسان اور خارجہ بن زید کو فقہاء سبعہ مدینہ سے ہیں۔ ان سب کا بربط سننا نقل کیا ہے۔ استاذ ابوالمنصور نے زہری سے اور سعید بن المسیب نے ابن ابی رباح۔ شعبی اور عبداللہ بن ابی العتیق وغیرہ مدینہ کے فقیہوں سے نقل کیا ہے اور خلیلی عبدالعزیز بن ماجشون سے نقل کرتے ہیں۔ کہ وہ بربط (عود) کی اجازت دیتے ہیں اور طاؤس سے ابن سمعانی نے نقل کیا ہے اور ابراہیم بن سعد سے روایت کیا ہے کہ وہ خلیفہ ہارون رشید کے پاس گئے انہوں نے حکم دیا کہ عود لائی جائے۔ یہ سن کر رشید نے کہا کہ جلانے کی عود یا بجانے کی عود۔ تو انہوں نے کہا کہ بجانے عود۔ تو رشید نے عود (بربط) منگوائی۔ تو ابراہیم بن سعد اس کو بجانے لگے اور عود اور غنا کی مباح ہونے کا انہوں نے فتویٰ دیا۔ فاکہی اپنی اسناد کے ساتھ تاریخ مکہ میں نقل کرتے ہیں کہ موسیٰ بن الغرہ الجمی سے منقول ہے کہ انہوں نے عطا بن ابی ریاح کو طلب کیا۔ وہ جس وقت آئے تو دیکھا کہ وہاں پر چند لوگ بربط بجاتے ہیں اور گاتے ہیں۔ لوگوں نے ان کو آتے دیکھا تو گانا بجانا بند کر دیا۔ یہ کہنے لگے کہ جب تک بربط نہ بجاؤ گے میں تمہارے پاس نہیں بیٹھوں گا اور جب تک کہ گانے والے نہ گائیں۔ پس وہ بیٹھ گئے اور گانے بجانے سے لطف اندوز ہوئے۔

مصنف کتاب امتاع نے عود و بربط کو اصل قرار دیا ہے اور اس پر تمام آلات و مزامیر کو قیاس کر کے نقل کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ حرمت کے قائلین اس میں مختلف الرائے ہیں کہ آیا یہ باجا کبیرہ گناہوں سے ہے یا کہ صغیرہ گناہ ہے شوافع متاخرین اسے صغیرہ گناہ سمجھتے ہیں۔ یہ چند ایک کلمات کتاب مذکورہ سے نقل کئے ہیں اور اس نقل کا مقصد یہ ہے کہ اس صوفیاء کی جماعت سے کسی وقت اگر کوئی اس طرح کی چیز منقول ہو تو تشدید و تجہیل اور طعن تشنیع۔ تفسیق و تضلیل میں مبالغہ نہ دکھائیں۔ اور قوم کے عیب اور لغزشیں چھپانے کا شعار اپنایا جائے اور چاہیے کہ عوام کی حفاظت میں مشغول رہیں اور اس ضمن میں ان کی پیروی نہ کریں۔ فالحق الحق یتبع واللہ اعلم وعلمہ احکم یہ ضعیف و کمزور بندہ کئی جگہوں پر اس مسئلہ پر بحث کر چکا ہے اور ہر مقام پر تفصیل و تردید اور توسط کے طریقہ کو لحاظ میں رکھا ہے۔ یا تھوڑا سا میلان حرمت و کراہت کی طرف کیا ہے۔ جہاں تک اس کتاب کا تعلق ہے اس میں قدرے اباحت کی طرف زیادہ میلان ہو گیا ہے۔ اس کا یہ سبب ہے کہ وہ دوسرا رخ تو سب ذہنوں میں مشہور اور مقرر شدہ ہے۔ لہٰذا ان کی نقل کی یہاں ضرورت نہ تھی۔ ہماری تو اس طرح ہے جیسے کہ کسی شاعر کا قول ہے۔ شعر۔

؎ عیبی چوں ہمہ گفتی ہنرش نیز بگو   نفی حکمت مکن از بہرول عامی چند

اللھم لونا الحق حقا وارزقنا اتباعہ ولرنا الباطل باطلا ولرزقنا اجتنابہ والعاقبۃ بالخیر

معلوم ہونا چاہیے کہ ہر دو میں ابتدائے حال سے آج کے روز تک تغنی و سماع کی اباحت کے حق میں جو شخص بھی اپنے قول اور فعل کے ساتھ گیا ہے اور جس شخص نے اس سے انکار و استبعاد کیا ہے اس نے یہ تمام حکایات و روایات کی وضاحت کی ہے جو اس باب میں روایت ہوئی ہیں۔

مشکوۃ شریف میں روایت ہے کہ ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ جنہیں بدری بھی کہا جاتا ہے بایں وجہ کہ وہ غزوہ بدر میں شامل تھے یا اس لئے کہ ان کی رہائش بدر میں تھی۔ یہ اور ایک صحابی کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ صحابی گا رہے تھے اور یہ سن رہے تھے۔ دیگر ایک شخص جو وہاں پر موجود تھا اس کی طبیعت پر ان کا گانا گراں گزرا۔ تو اس نے اعتراضا" کہا۔ اے صحابیِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! انتہ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ باوجود دونوں صحابہ رسول ہو اور گانا سنتے ہو۔ انہوں نے فرمایا کہ اگر تمہیں اس کی خواحش ہے تو تم بھی گنا سنو۔ یہاں ہمارے ساتھ ہی بیٹھو اور سنو ورنہ تم یہاں سے رخصت ہو جاؤ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں اجازت دی ہوئی ہے کہ ہم گانا سنیں یہ موقع شادی تھا اور باالاتفاق اس میں تغنی مباحت میں شامل ہے اور بالا تر ازیں تھے حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کہ تغنی میں بڑا شغف تھا اور اس بارے میں ان کے ساتھ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی موافق و شامل تھے۔ یہ دونوں آپس میں گہرے اور محبت کرنے والے دوست تھے حضرت امیر معاویہ کے ہاں تشریف لائے اور وہاں کثرت سے نماز ادا کی۔ حضرت معاویہ اپنی زوجہ سے گویا ہوئے کہ اس وقت ان کی جانب نظر ڈالو کہ کیا کر رہے ہیں۔ لہٰذا اس موقع کے بعد امیر معاویہ کی زوجہ نے ان پر اعتراض کرنا چھوڑ دیا۔

حقیقت حال مذکور اور منشاء اختلاف سے واضح ہو جاتا ہے۔ کہ قدیم زمانہ کے دوران آزاد منش لوگوں، شرابیوں اور فاسقوں اور ہو ولہب کے دلدادہ لوگوں کا کام گانے سننا اور مزامیر دیگر آلات کا بجانا تھا یہی وجہ ہے کہ یہ بات صحیح حدیث میں وارد ہوئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں اس لئے بھیجا گیا ہوں مجھے حکم ہوا ہے کہ میں معازف کو یعنی ان آلات اور مزامیر کو جو لہو ولہب میں بجاتے ہیں مٹادوں اور شراب نوشی اور زناکاری سے لوگوں کو روکوں۔

در حقیقت غنا کا دوسرا نام لہو ہے اس کا تذکرہ ملاہی میں کیا جاتا ہے۔ ان ملاہی کے ختم اور فنا ہو جانے اور اس قسم کی ممنوعات و منکرات کا ازالہ ہو جانے کے بعد وہ پرانی عام رسم اور معمول ختم ہو گئے۔ تو اس سے مسلمان اور صالح اور پرہیزگار لوگ محظوظ ہونے لگے اور فسق و منکرات کی کسی قسم کی ملاوٹ کے بغیر اور فساق وفجار سے کسی قسم کے اختلاط کے بغیر اس سے لطف اندوز ہونے لگے۔ اس کے برعکس دوسری جماعت نے یہ دیکھ کر کہ یہ تو فاسق لوگوں کا معمول اور عادت ہے اور اس کی مشابہت ان کی حالات کے ساتھ ہے خوف زدہ ہوئے کہ کہیں ان کے ساتھ ہی اس کا سرانہ جاملے۔ وہ اس سے پرہیز کرنے لگ گئے۔ اور یہ بھی بعید نہیں کہ شارع علیہ السلام نے بھی اسی نظریہ سے ڈرایا ہو اور وعید فرمائی ہو اور محدچین کا قول کہ شارع علیہ السلام کی طرف سے ممانعت ثابت نہیں ہوتی۔ نہ ہی اس بارے میں کوئی صحیح حدیث ہی ملتی ہے۔ ان کے اس قول کے باوجود گزارش ہے کہ محدثیں کی اصطلاح کے مطابق صحت کا دائرہ تنگ ہے اور ان محدثین کے قول کا مطلب یہ

ہو گا کہ غنا میں بالخصوص۔ اس کی مطلق ممانعت اور حرمت ثابت نہیں ہوتی جیسے کہ فی نفسہ شراب۔ اور زنا میں حرمت وارد ہوئی ہے۔ نیز اہل ظاہر کا قول کہ سرے سے کوئی حدیث آئی ہی نہیں۔ ان کا یہ قول خالی از مکابرہ نہیں ہے۔ اس کی مثال ان برتنوں اور پیالوں کے قضیہ کی مانند ہے جن کے نام لئے جاتے ہیں۔ خم، قرفت۔ تغیر اور دبا۔ وہ اس کو شراب کی اباحت کے موقع پر استعمال کرتے تھے اور ان ظروف سے شراب نوشی کرتے تھے۔ جس وقت شراب کی حرمت آگئی تو ایسے برتن جن میں شراب پی جاتی تھی کچھ مدت کے لئے وہ بھی استعمال میں لانا حرام سمجھا جاتا رہا۔ اس لئے کہ ان کے آثار بالکل ہی معدوم ہو جائیں۔ جس وقت شراب کی حرمت، راسخ ہو گئی اور ثابت و مقرر ٹھہری اور اس کی علامات و آثار کے قلع قمع کی مزید کوئی ضرورت باقی نہ رہی تو ان ظروف پر سے بھی ممانعت ختم کر دی گئی۔ باوجود اس امر کے ائمہ اور علماء کے دو گروہ بن گئے۔ ان میں سے ایک گروہ ممانعت پر ہی قائم رہا اور دوسرے گروہ نے اس کو جواز میں رکھا جس طرح کہ ہم نے اس کے مناسب مقام پر بیان کر دیا ہے۔ بعینہ اس امر میں بھی دو جماعتیں بنیں ایک جماعت تو بایں وجہ کہ یہ فاسقوں اور فاجروں کا کام اور عادت تھی ممانعت اور احتیاط کی روش اختیار کر کے اسی پر ثابت اور قائم رہی۔ دوسری جماعت اس کی حقیقت حال اور معانی کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس سے ملحق رہی۔ اس لئے کہ اگر اس میں فسق و فجور اور شرعاً ممانعت کی آمیزش ہے تو یہ حرام ہے اور اگر اس طرح نہیں ہے تو مباح ہے۔ ازاں بعد ان دونوں گروہوں میں تعصب اور تشدد آگیا ہے۔ مانعین حضرات افراط میں پڑ گئے اور اس کے مرتکب لوگوں کی مطلق طور پر تفسیق و تکفیر کرنے لگے اور انہیں زندیقوں میں شمار کرنے لگا اور خود بھی ہمہ وقت یہ شغل اختیار کر لیا اور دوسروں کو بھی مشغول درپیں رکھنا شروع کر دیا۔ اور مجمع اور معرکہ کرنا شروع کیا ہر دو گروہ ایک دوسرے کو نااہل کہنے لگ گئے۔ انہوں نے انصاف کا رشتہ اپنے ہاتھ سے چھوڑ دیا۔ انصاف کے معانی ہیں نصف لی و نصف لک ان دونوں گروہوں نے ادب کا طریقہ پس پشت ڈال دیا جس کی حقیقت ہر چیز کی حدود کو قائم رکھنا ہوتی ہے۔ ایک گروہ باطن پر نغمہ کی تاثیر و تصرف پر نظر رکھتا ہے اور بے خود ہو جاتا ہے۔ دوسرے گروہ کی نظر میں فقہی جواز یا عدم جواز آیا۔ لہٰذا وہ اپنی جگہ پر ڈٹا رہا۔

شیخ محی الدین ابن عربی نے فرمایا ہے کہ بالذات نغمہ کا اثر روح حیوانی پر ہوتا ہے اور حرکت اور اضطراب میں وہی لاتا ہے۔ اور انسانی روح اس سے پاک ہے۔ اس لئے کہ وہ معانی کا محل ورود ہے اور سکون اور توانائی اس کی ایک صفت ہے۔ لیکن یہاں یہ بات کہنے کا کسی کو حق نہیں۔ البتہ یہ ہے کہ نغمے کی بالذات تاثیر حیوانی روح پر ہو گی اور روح حیوانی کو روح انسانی کے ساتھ جو اتصال اور ہمسائیگی کا تعلق ہے۔ اس میں بھی اس حال کی سرایت ہو جائے تو کونسی چیز ہے جو مانع ہو۔

شیخ ابن عربی نے فرمایا ہے کہ باطن میں قرآن کی تاثیر ہونے کی نشانی یہ ہے کہ یہ تاثیر غنا اور بلا غنا مساوی ہو۔ اور جو تاثیر نغمہ کی ہوتی ہے وہ تاثیر قرآن کی نہیں ہے بلکہ صرف نغمہ کی ہوتی ہے۔ اس بات میں تکلف ہے۔ کیونکہ نغمہ قرآن کا زیور اور زینت ہے۔ حدیث میں اس طرح ہے۔ زینو القرآن باصواتکم اپنی اچھی آوازوں سے قرآن کو مزین کرو۔ اس لئے بانغمہ اور بلا نغمہ ہر دو حالت میں تاثیر برابر ہونا امکان سے باہر ہے۔ مگر اس شخص میں تاثیر یکساں ہونا امکان میں ہے۔ جس کے

لئے مجروذات اور اللہ تعالیٰ کی صفات بالکل مکشوف اور مشہود ہوں۔

فائدہ:۔ مولف کتاب "امتاع" فرماتے ہیں کہ اس بات پر کہ عرب میں نغمہ گانے والا اولین شخص کون تھا علماء میں اختلاف ہے۔ ابوبلال مکری نے کہا ہے کہ اہل علم کی اکثریت یہ خیال رکھتی ہے کہ اس کا نام طویس تھا۔ اس کا آغاز یوں ہوا کہ جس وقت ابن زبیر کعبہ تعمیر کرانے میں مصروف تھے تو فارس اور روم سے تعلق رکھنے والے لوگ بڑی خوش آوازی سے ساتھ ساتھ گاتے تھے۔ عرب کے گانے والوں نے اسے سن کر عربی میں اس کو نقل کر لیا اور اس میں سب سے پہلے یہ کام کرنے والا عربی آدمی طویس تھا۔ طویس کو مشئوم بھی کہا جاتا ہے۔ اس کے معانی ہیں نامبارک۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ شخص اس روز پیدا ہوا تھا جس روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے وصال فرمایا تھا اور جس روز حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رحلت فرمائی اس روز اس شخص کا دودھ چھوڑایا گیا تھا اور جس روز عمر رضی اللہ عنہ وصال پا گئے اس روز یہ آدمی بلوغ کو پہنچا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے وصال کے روز اس شخص نے نکاح کیا تھا۔ اور جس روز حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رحلت فرمائی اس روز اس کے ہاں لڑکا تولد ہوا تھا۔ کہا جاتا ہے یہ غنائے موسیقی عربی نقل کئے جانے سے قبل عرب میں صرف حسن صوت ہی تھا۔ جیسے کہ نصب۔ نشد۔ اعراب۔ حدی اور اکتاب وغیرہ تمام اقسام مباح ہیں اور کسی کو بھی اس بارے میں کوئی اختلاف نہ رہے اور حرمت غنا کے قائلین حضرات گانے کو غنائے موسیقی قرار دیتے ہیں۔ لیکن جو صحابہ کرام اور تابعین وغیرہ اسلاف سے اخبار اور آثار مروی ہوئے ہیں۔ یہ ان کو غنائے موسیقی قرار نہیں دیتے بلکہ ان کو قدیم عربوں کو خوش آوازی میں نصب' نشید اور حدی وغیرہ پر محمول کرتے ہیں۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ کچھ صحابہ جیسے کہ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کا اپنی باندی سے غنائے موسیقی سماع فرمانا روایت ہوا ہے۔ ان حضرات کا کہنا ہے۔ کہ عبداللہ بن جعفر تو کچھ گانے والیوں سے بھی غنا سنتے تھے۔ اصل میں اس قسم کے سب گانوں کی صورت ایک ہی ہے۔ یہ صورت حسن کی جانب راجع ہیں۔ ان میں کوئی تفرق نہ ہے۔ البتہ قرات قرآن میں فرق پایا جاتا ہے۔ اس لئے کہ غنائے موسیقی میں تمطط اور تغیر ہوتا ہے جس سے مراد ہے کہ مدو جزر بڑی حد تک ہے لیکن چونکہ غنا اور سماع کے لحاظ سے جناب سید المرسلین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی متابعت اور صحابہ و تابعین کا اقتضاء ہے اس کے تقرب اور تعبد کو اس انداز سے مجتمع کرتے ہیں کہ اس میں خلجان اور اشتباہ پھر بھی باقی رہ جاتا ہے۔ اس کا یہ جواب ہے کہ مقام رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور آنحضرت کا محل بہ نسبت دیگر حضرات کے اوضاع و مشارب نہایت بلند و بالا اور مختلف ہے۔ دیگر حضرات میں کسی مقام پر تواع اور اتقا کا غلبہ ہوتا ہے اور احتیاط کا دامن ہاتھ میں ہوتا ہے اور وہ طاعت و عبادت بڑے ذوق و اشتیاق اور جمعیت قلب سے مستغرق ہوتے ہیں۔ اور دوسرے مقام پر یہ حضرات سکر و مستی کے زیر غلبہ ہوتے ہیں۔ اور ان کا تمام تر ذوق و اشتیاق سماع میں ہوتا ہے ہمارا مدعا یہ ہے کہ یہ مختلف فیہ بات ہے اور جو معاملہ مختلف فیہ ہو اس میں ایک دوسرے کی عیب جوئی اور نقطہ چینی بالکل نہ کرنی چاہیے۔ ہر فریق کو اپنے حال میں رہنا بہتر ہے۔

فربکم اعلم بمن ھو اھدٰی سبیلا۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم علی سید الخلق محمد و آلہ واصحابہ واتباعہ اجمعین ھداتہ طریق محی علوم الدین۔ آمین۔

باب یازدھم

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانے، پینے، پہننے، نکاح کرنے اور سونے میں عبادت تھی

نوع اول طعام و آب کے بارے میں:۔ معلوم ہونا چاہیے کہ کھانا پینا احتیاجات حیات سے ہے اور اس کھانے پینے کے بغیر قائم رہنا اور عبادات میں حرکات کا صادر ہونا محال عادی ہے۔ پس عابدوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ ضرورت کے مطابق کھانے اور پینے کو استعمال میں لائیں اور طمع اور لالچ سے مجتنب رہیں اور نہ ہی ان کی شہوات میں الجھیں۔ روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنی ساری زندگی میں شکم سیر ہو کر نہ کھایا تھا۔ عطا فرماتے ہیں کہ یہ شکم سیری اس طرح کی بدعت ہے کہ یہ قرن اول کے بعد ظہور میں آئی تھی۔ یہ روایت امام نووی اور ابن ماجہ کی ہے اور حاکم نے مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو صحیح کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ ابن آدم نے اپنے پیٹ سے زیادہ برا کوئی برتن نہیں بھرا۔ حالانکہ اس کے لئے تو صرف اتنے ہی لقمے کافی تھے کہ جس کے ذریعے ریڑھ کی ہڈی قائم رہ سکتی۔ اگر اسے زیادہ کھانے کی خواہش ہے تو اپنے پیٹ کے ظرف کے تین حصے کرے۔ ایک حصہ کھانے کے لئے ہو۔ دوسرا حصہ پینے کے لئے ہو اور تیسرا حصہ سانس لینے کے لئے علامہ قرطبی نے فرمایا ہے کہ اگر بقراط کے سننے میں یہ تقسیم آجاتی تو متحیر و متعجب رہ جاتا۔ حدیث صحیح میں وارد ہوا ہے کہ مسلمان صرف ایک آنت میں کھاتا ہے اور کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے۔ علماء اس کی تشریح یوں کرتے ہیں کہ آدمی کے ساتھ آنتیں ہوتی ہیں۔ ایک معدہ اور تین اس کے قریب کی آنتیں انہیں بواب۔ صائم اور رقیق کہا جاتا ہے اور تین آنتیں دیگر ہیں۔ انکو اعور' قولون اور مستقیم کہا جاتا ہے اور مستقیم پاخانہ کی آنت ہوتی ہے اس کے قریب ہی دبر ہوتی ہے یعنی کہ معقداور یہ غلیظ ہوتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بیان سے مراد ہے مسلمان کی کم خوری اور کافر کی بسیار خوری اور بسیار خوری کی طرف مبالغہ فرمانا فی الحقیقت اس سے مراد آنتوں کو شمار کرنا نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس وقت مسلمان تناول کرتا ہے تو اسباب عبادت کی حفاظت مراد ہوتی ہے۔ اور وہ یہ جانتا ہوتا ہے کہ کھانے سے بھوک مار کر عبادت پر مدد کرتا ہے اور تن پروری نہیں کرتا اور وہ ضرورت سے بڑھ کر بالکل نہیں کھاتا اور کافر کا مقصود خورد و نوش ہے۔ ہی تن پروری اور نفسانی شہوت کو پورا کرنا۔ کافر کا حال مسلمان کے حال کے برعکس ہوتا ہے۔ لیکن یہ بھی یاد رکھیں کہ ہر مسلمان اور ہر کافر ایسا نہیں ہوتا۔ یہ امکان ہے کہ کوئی مسلمان بوجہ اپنی عادت یا کسی عارضہ کے باعث بسیار خوری میں مبتلا ہو یا کسی بیماری کے سبب ایسا کرتا ہو اور کافر کم کھاتا ہو اپنے معدہ کی کمزوری کے باعث یا طبیبوں کے بتائے ہوئے صحت کے اصولوں کے پیش نظر یا بہ طریق راہباں ریاضت کرنے کے لئے۔ علماء کہتے ہیں کہ زیادہ فکری قوت کے حامل اشخاص غذا کم کھاتے ہیں اور نرم دل ہوتے ہیں اور کم فکری

قوت رکھنے والے زیادہ غذا کھاتے ہیں اور سخت دل ہوتے ہیں۔ انہوں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جس آدمی کا پیٹ کھانے سے بھرا رہے اس شخص میں حکمت و دانائی پیدا نہیں ہوتی اور جس کے معدہ میں کم کھانا ہو۔ وہ پیتا بھی کم ہے اور سوتا بھی تھوڑا ہے اس کی عمر میں برکت ہوتی ہے اور زیادہ سونے والے کی عمر میں برکت نہیں ہوتی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا دنیا میں شکم سیری کرنے والے لوگ آخرت میں بھوک والے ہیں۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا میں کبھی شکم سیری نہ کی تھی۔ جس وقت آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اہل وعیال میں ہوتے تھے۔ آپ ان سے کھانا نہیں طلب فرماتے تھے اور نہ ہی آپ ایسی خواہش ہی ظاہر کرتے تھے اگر وہ آپ کی خدمت میں کھانا پیش کرتے تو آپ تناول فرما لیتے تھے اور جو چیز بھی حاضر خدمت کی جاتی تھی آپ قبول فرماتے تھے اور جو کچھ پینے کو پیش کیا جاتا تھا وہی پی لیتے تھے۔ علماء یوں کہتے ہیں کہ شکم سیری نہ کرنا اور اس کی نفی ایسی شکم سیری سے ہے جس میں گرانی پائی جائے جو اکثر اوقات عبادت سے مانع ہوتی ہے اور سست کر دیتی ہے۔ نیند کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ اس طرح کی شکم سیری کراہت میں داخل ہے۔ یعنی مکروہ۔ اور کسی وقت وہ اس طرح کی تحریم پر منتہی ہے کہ اس سے فساد اور بطلان نتیجہ نکلتا ہے۔ عادتاً" شکم سیری مکروہ نہ ہے۔ اس کی دلیل کے طور پر صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ گرسنگی کے حال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ باہر تشریف لے گئے اور ایک انصاری کے ہاں تشریف فرما ہوئے اس نے بکری ذبح کی جو سب نے کھائی اس میں یہ بھی آیا ہے کہ خوب شکم سیر ہو گئے تھے۔ (الحدیث) شیخ محی الدین نووی رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس حدیث سے شکم سیری ثابت ہو گئی ہے تو دیگر لوگوں کے لئے بھی درست ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں رہ جاتا۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی متواتر تین دن پیٹ بھر کر نہ کھایا تھا۔ حتیٰ کہ آنحضور دنیا سے رخصت فرما گئے رواہ شیخین یہ حدیث مفہومات کی حامل ہے ایک یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلسل تین دن تک شکم سیر نہ ہوتے تھے اگر شکم سیر ہوتے بھی تھے تو اس سے کم وقت کے لئے تھی۔ دوسرا یہ مفہوم پایا جاتا ہے۔ کہ آپ مسلسل تین دن بھوک سے دوچار رہتے تھے یعنی کسی روز بھی شکم روز ہوتے تھے۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں دوسرا مفہوم نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔ جس طرح ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور آپ کے اہل خانہ پر متواتر راتیں گزرتی تھیں لیکن رات کو کوئی چیز کھانے کی موجود نہ ہوتی تھی۔ جبکہ غذا بھی جوء کی روٹی ہوتی تھی۔ رواہ ترمذی۔ اور انہوں نے یہ بات صحیح کی ہے۔ مسلم شریف میں ہے کہ آل محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) دو دن تک بھی گندم سے شکم سیر نہ ہوا کرتے تھے سوائے اس کے ان دو روز کے دوران ایک روز غذا کھجور ہوتی تھی۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے اس حالت میں رخصت فرما گئے کہ ایک دن میں آپ کا شکم مبارک دو کھانوں پر نہ ہوا تھا اگر کھجور سیر ہو کر کھاتی تو جوء کی روٹی شکم سیری کے لئے نہ ہوتی تھی اور اگر جوء کی روٹی سیر ہو کر تناول فرمائی تو کھجور سے شکم سیر نہ ہوئے۔

حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے دوران خطبہ فرمایا کہ خدا کی قسم! آل محمد میں ایک صاع کھانے سے شام نہ ہوئی۔ حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے نو گھر تھے۔ حسن بصری فرماتے ہیں کہ آنحضرت نے اس طرح رزق الٰہی کو کم سمجھتے ہوئے نہیں فرمائی تھی۔ بلکہ آپ کی یہ خواہش تھی کہ اپ کی امت بھی اس ضمن میں آپ کی متابعت کرے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ کہ دنیا کی تین اشیاء مجھے پسند ہیں۔ ایک خوشبو۔ دوسرا ازواج اور تیسری چیز ہے طعام۔ اس لحاظ سے آپ کے پاس دو پہلی مذکورہ اشیاء تو موجود تھیں۔ لیکن تیسری چیز یعنی طعام موجود نہ تھا۔

شمائل میں ترمذی نے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ کہ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ کے پاس دقل میں سے اتنا کچھ بھی نہ ہوتا تھا کہ جس سے آپ شکم سیر ہو جاتے۔ دقل ایسے کھانے کو کہتے ہیں کہ کھجوروں کے ساتھ دوسری اجناس ملی ہوئی ہوتی ہیں یہ فقراء کا کھانا ہوتا ہے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ہم ایسے اہل بیت ہیں کہ ہمارے ہاں ایک ایک ماہ تک آگ بھی نہ جلتی تھی اور سوائے کھجور اور پانی کے کوئی کھانا میسر نہ ہوتا تھا۔ دیگر ایک روایت میں آیا ہے کہ ہم پر دو مہینے اسی حالت میں گزر جاتے تھے ہمارے چند انصاری پڑوس میں رہنے والے ہمارے ہاں دودھ بھیج دیتے تھے۔ ہم وہ ہی پی لیتے تھے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اتنی بلا اور مشقت اٹھانی پڑی ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں ہے اور نہ ہی اس قدر کسی اور کو پہنچی ہے خدا کے دین کے سلسلہ میں مجھے اس قدر ایذائیں دی گئی ہیں جتنی کسی اور کو نہ دی گئی ہوں گی اور مجھ پر اور بلال رضی اللہ عنہ پر دن رات گزرتے تھے لیکن اتنی اور ایسی خوراک میسر نہ ہوتی تھی جو کوئی ذی روح کھا سکتا۔ سوائے اس قدر کے جو بلال کی بغل میں پوشیدہ ہو جاتا۔ اس سے یہ مراد ہے کہ کھانے کی مقدار اس حد تک تھوڑی ہوتی تھی کہ اسے بلال کی بغل کی چھپالیتی تھی۔ رواہ ترمذی۔ اور صحیح روایت کیا ہے۔

کچھ غزوات ایسے بھی ہوئے ہیں جن میں صحابہ کا حال یوں تھا کہ درختوں کے پتے کھا کر گزارہ کرتے تھے حتیٰ کہ گلے زخمی ہو جاتے تھے اور یہ میدہ کی چپاتیاں اور روٹیاں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کبھی دیکھی نہ تھیں۔ نیز یہ کہ آنحضرت کے زمانہ میں چھانتی ہوتی ہی نہ تھی۔ صاحب مواہب لدینہ نے کہا ہے کہ کتب میں ہم نے بہتیرا ڈھونڈا ہے کہ آیا آنحضرت جو روٹیاں کھاتے تھے وہ چھوٹی ہوتیں یا کہ بڑی لیکن اس اعتبار میں کوئی صحیح روایت نہیں ملی کچھ روایات میں صرف اس قدر آیا ہے کہ روٹی چھوٹی بناؤ۔ اس لئے کہ یہ باعث برکت ہوتا ہے کہ لیکن ان روایات کی اسناد ضعیف ہیں۔ اور آنحضرتؐ کا سالن سرکہ ہوتا تھا اور آپ فرمایا کرتے تھے کہ نعم الادام الخد (سرکہ بہترین سالن ہے۔)

معلوم رہے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام کی یہ تنگی معیشت دوام نہ تھی اور نہ ہی سب کو اس کا سامنا تھا اور اگر یہ تنگی معیشت تھی بھی تو بوجہ احتیاج و افلاس نہ تھی نہ اس لئے تھی کہ ملتا کچھ نہ تھا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ کبھی تو بوجہ دو ایثار نہ ہوتا تھا اور کسی وقت اس لئے کہ سیر شکمی کو برا سمجھتے تھی اور ایک ماہ تک کھانا بوجہ اختیاری ریاضت

کے نہ ہوتا تھا یہ حال قبل از ہجرت مکہ مکرمہ میں تھا اور ہجرت کے بعد مدینہ شریف کے وارد ہوئے تو مدینہ والوں نے مکان' عطیات' اموال و باغات اور اپنی کھیتیاں ان کی خدمت میں پیش کردی تھیں اور جو صحابہ مالدار تھے جیسے کہ حضرت ابوبکر' عمر' عثمان' طلحہ' سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ وغیرہ۔ وہ اپنے مال و جان بھی آنحضرت پر قربان کئے ہوئے تھے آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ مال پیش خدمت لاؤ۔ حضرت ابوبکر اپنا سب کچھ خدمت میں لے آئے اور عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا نصف مال حاضر کردیا۔ عیش عشرت کی خاطر آنحضرت نے صحابہ کو مدد کرنے پر راغب فرمایا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تھے جنھوں نے ساز و سامان کے سمیت ایک ہزار اونٹ پیش کئے یہ بات مسلمہ ہے کہ جناب عثمان رضی اللہ عنہ اپنے اہل خانہ کے واسطے پورے سال کا خوراک کا بندوبست کر رکھتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حج پر ایک صد اونٹ اپنے ساتھ لے گئے اور وہاں قربان کئے۔ مسکینوں کو کھانا کھلایا۔ بحرین سے جو ایک لاکھ درہم آئے تھے ان کو اس وقت تقسیم کردیا ہو ازن اور حنین میں بکریاں اور سونا چاندی اس قدر عطا فرمایا کہ تصور میں لانا مشکل ہے اس کی تفاصیل اور صورت احوال مناسب مقام پر مذکور ہوگی جناب رسالت صلی اللہ علیہ والہ وسلم وسعت و کشادگی ممکن ہونے کے باوجود فقر اختیار کئے ہوئے تھے۔ جس طرح ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو فرمایا کہ تمہارے لئے بطحا اور مکہ کی پہاڑیاں سونے کی کردیں تو میں نے عرض کیا اے میرے رب! نہیں پیٹ بھر کر تیرا شکر ادا کرتا ہوں اور جب بھوکا ہوتا ہوں تیری حمد و ثنا بجالاتا ہوں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور جبریل علیہ السلام صفا پہاڑ پر تھے آپ نے ایک خوفناک آواز کو سنا اس پر خوف محسوس ہوا آپ نے جبریل سے دریافت فرمایا کہ یہ کیسی آواز ہے؟ کیا قیامت قائم ہوگئی ہے، جبریل علیہ السلام نے عرض کیا کہ حضور! یہ قیامت نہیں۔ آپ کے رب تعالیٰ نے اسرافیل کو حکم فرمایا ہے کہ زمین کی کنجیاں لے کر نیچے اترو۔ ازاں بعد اسرافیل مقالید زمین لئے ہوئے حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے فرمایا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے عرض کردوں کہ تہامہ کے سب پہاڑ آپ کے ساتھ کردوں انہیں زمرد' یاقوت اور سونے چاندی کا بنادوں۔ دیگر ایک حدیث میں اس طرح ہے کہ جبریل نے عرض کیا کہ آپ کا رب کریم ارشاد فرماتا ہے کہ جو کچھ قدرت و منزلت اور ثواب جناب کو میسر تھے اس کے ہوتے ہوئے آپ آیا کہ نبی سلطان بننے کی خواہش ہے یا کہ نبی بندہ۔ دیگر روایت میں یوں ہے کہ اس وقت حضور کا ایک غلام حاضر تھا۔ وہ عرض کرنے لگا کہ یا رسول اللہ! اس کو ہی اختیار فرمالیں۔ کچھ روز تو آسائش و آرام میں گزریں گے۔ لیکن جبریل علیہ السلام نے حضور کو ارشاد فرمایا کہ آپ تواضع کو اپنالیں اور بندگی ہی کو چاہیں۔ علماء آنحضرت کو فقر و احتیاج سے موصوف کرکے راضی نہیں ہیں اور وہ نہیں چاہتے کہ آپ کی تعریف و مدح زہد سے کریں۔

مولف مواہب لدینہ "شعب الایمان" سے نقل کرتے ہیں کہ ان کے روبرو یہ کہا گیا کہ فلاں شخص زاہد ہے انہوں نے دریافت فرمایا کہ وہ کتنا دنیاوی مال رکھتا ہے جس میں وہ زہد کرتا ہے۔ یہ قاضی عیاض نے شفا میں نقل کیا ہے۔ اور شیخ تقی الدین سبکی "السیف المسلول" میں نقل کرتے ہیں۔ کہ اندلس کے فقہا نے متفقہ فتویٰ دیا ہے کہ جس شخص نے مناظرہ میں نبی

کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا استخفاف کیا اور آپ کو یتیم کہہ کر کہا کہ آپ کا زہد لازمی تھا۔ آپ زہد قصداً" اور اختیاری نہ تھا اگر آپ کو اچھے کھانے میسر ہوتے تو ضرور کھاتے۔ اس شخص کو قتل کیا جائے اور سولی پر چڑھایا جائے۔ انتہی۔

علاوہ ازیں یہ بھی نقل میں آیا ہے کہ ایک مصر کے باشندہ نے دوسری آدمی کو طعن و استخفاف کے طور پر کہا۔ تم کون ہوتے ہو۔ تمہارا باپ تو بکریاں چرایا کرتا تھا۔ اس کے جواباً کہا کہ میرا باپ بکریاں چراتا تھا۔ بکریاں تو نبی نے بھی چرائی ہیں۔ کچھ علماء نے اس پر تعزیر کا حکم کیا اور بعض علماء نے اس کے قتل کا حکم صادر کیا۔ اس لئے کہ اس نے اپنی ذات سے عیب اور عار کو دور کرنے کے لئے نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا استخفاف کیا۔ البتہ مسئلہ کے طریق سے یا حکم کے بیان و وضاحت کے لئے کہا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے بکریاں چرائی ہیں تو اس پر یہ درست ہوتا ہے۔

نیز مولف مواہب لدینہ نے بدر الدین زرکشی سے نقل کیا ہے۔ کہ کچھ متاخرین فقہاءیوں کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مال کے اعتبار سے فقیر نہیں تھے۔ پھر بھی آپ کا حال فقراء جیسا تھا لیکن آپ تمام لوگوں سے بہت بڑھ کر غنی تھے۔ اللہ تعالیٰ دنیا میں آپ کی آپ کے اہل و عیال سمیت کفایت کرتا تھا آپ دعا کرتے ہوئے فرماتے تھے۔ اللّٰھم احینی مسکینا اس سے مراد احتیاجات کی تسکین و طمانیت ہے اور وہ مسکینی مراد نہیں جو دنیوی مال کی عدم موجودگی کے باعث ہوتی ہے اور آپ کی کفایت کے بارے میں جو آیا ہے۔ اس کے خلاف جس کا اعتقاد ہو اس کے انکار میں شدت کرتے تھے۔ انتہی۔

لوگوں میں جو مشہور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا تھا۔ الفقر فخر وبہ افتخر شیخ الاسلام حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ موضوع حدیث ہے۔ (فتدبر۔) واللہ اعلم

فائدہ:۔ احادیث میں یوں آیا ہے اور یہ مشہور ہو چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بوقت اپنے پیٹ مبارک پر پتھر رکھا اور فرمایا کہ خبردار۔ طمع کرنے والے اور نعمتیں رکھنے والے بہت لوگ اس قسم کے اس دنیا میں موجود ہیں وہ آخرت میں بھوکے ہوں گے اور بغیر لباس کے بھی۔ اور ایسے لوگ بھی بڑی تعداد میں ہیں اور اپنے نفس کو بڑا کہتے ہیں اور وہ اپنے آپ کو بڑا بنا کر تکبر کے مرتکب ہوتے ہیں جبکہ حقیقت میں وہ ان کا نفس ان کی اہانت کرتا ہے اور وہ لوگ بھی بہت ہیں جو اپنے نفس کو ذلیل رکھتے ہیں اور اسے جھکاتے ہیں جبکہ ان کا نفس ان کی عزت کرتا ہے۔ رواہ ابن ابی الدنیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں ہم نے بھوک کی شکایت پیش کی اور ہم میں سے ہر آدمی نے اپنا اپنا پتھر کھولا اور حضور ؐ کو دکھایا۔ تو جواباً" آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنا شکم مبارک جس پر دو پتھر بندھے تھے دکھایا ترمذی نے اس حدیث کو غریب کہا ہے۔ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں اس حدیث کو نہیں جانتا۔ ہاں اسی مفہوم کی حامل حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ہے۔ وہ غزوہ خندق کے روز کی حدیث ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ کدال لئے کھڑے ہیں اس وقت حال یہ تھا کہ آپ کے شکم مبارک پر پتھر بندھا تھا۔

صاحب قصیدہ بردہ شریف نے لکھا ہے۔ شعر۔

؎ وشد من سغب احساء ہ و طوی تحت الحجار مشرف الادم

مولف مواہب لدینہ نے کہا ہے کہ ابو حاتم بن حبان ان احادیث سے انکاری ہیں جو شکم مبارک پر بھال گرسنگی پتھر باندھنے کے بارے میں آئی ہیں انہوں نے اس حدیث کو بھی باطل کہا ہے۔ ان کا استدلال اور تمسک صوم وصال سے متعلقہ حدیث سے ہے۔ یعنی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ارشاد ہے۔ یطعمنی ربی یسقینی میرا رب مجھ کو کھلاتا ہے اور پلاتا ہے اور ابو حاتم بن حبان اس پر کہتے ہیں کہ جب آنحضرت صوم وصال رکھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ آنحضور کو کھلاتا ہے۔ پھر بوقت بھوک شکم مبارک پر پتھر باندھنے کی آپ کو کیا احتیاج ہو سکتی ہے اور کہتے ہیں کہ بھوک کے وقت پتھر باندھنے سے کوئی فائدہ بھی نہیں ہوتا اور نہ اس کا کوئی اثر ہوتا ہے ابن حبان کا کہنا ہے کہ حجر کا لفظ زاء کے ساتھ ہے اور حجز کے معنی ہوتے ہیں وہ ٹپکا جو بوقت بھوک مضبوطی سے باندھا جاتا ہے۔ (انتھی)

صاحب مواہب اس ضمن میں کہتے ہیں کہ درست یہ ہے کہ یہ احادیث صحیح ہے اور پتھر کو باندھ لینا بھوک کی کچھ تکالیف میں تسکین دیتا ہے۔ کیونکہ معدہ کی حرارت عزیزی کی شدت کے باعث بھوک کی تکلیف ہوتی ہے۔ جس وقت معدہ طعام سے بھرپور ہو جاتا ہے تو حرارت عزیزی اس کھائے ہوئے طعام کی جانب مشغول ہو جاتی ہے اور جس وقت معدہ طعام سے خالی ہوتا ہے۔ تو یہی حرارت جسم کی رطوبات کو جلاتی اور کھاتی ہے۔ جس سے انسان کو درد اور تکلیف کا احساس ہوتا ہے۔ جس وقت پیٹ پر کوئی چیز لپیٹ لی جاتی ہے۔ تو معدہ کی حرارت کسی حد تک دب جاتی ہے اور تکلیف کم محسوس کر باعث تسکین ہوتی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا بھوک کی تکلیف برداشت کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جو اجر قوت کی حفاظت ' نضارت جسم اور رنگت کے نکھار کو بڑھانے کے برعکس میں ہے اسے اور زیادہ بڑھالیا جائے۔ جس طرح کہ خوشحال اور اہل تنعم رکھتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا یہ ایک ایسا معجزہ ہے کہ دنیا میں رہنے والے دیگر لوگوں کو ان کے جسموں کا اچھا اور نکھرا ہوا رنگ مرغوب و لذیذ کھانوں اور نرم و نازک ملبوسات کے پہننے سے اور نرم و گداز فرشوں پر بیٹھ کر حاصل ہوتا ہے۔ لیکن اس کے برعکس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو یہی چیز جوء کی روٹی کھانے کھردرے لباس پہن کر اور سخت بستر پر سو کر حاصل ہو جاتا ہے اور معلوم رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حسن و جمال اور آپ کی لطافت و نظافت کی کوئی حد ہی نہیں ہے۔ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم و علی آلہ علی قدر حسنہ و جمالہ و حسب فضلہ و کمالہ

بعض یوں بھی کہتے ہیں کہ ــــــ بالخصوص اہل عرب کی یہ عادت و معمول تھا کہ جس وقت خالی ہونے کی حالت میں ان کے پیٹ اندر کو دھنس جاتے تھے تو تکلیف میں کمی لانے کے لئے اور کسی قدر تسکین کی خاطر وہ پیٹ پر پتھر لیتے تھے اسی واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بھی پتھر باندھ لئے اس لئے کہ صحابہ کو بھی پتہ چل جائے کہ بھوک کے خاتمے کے واسطے آپ کے پاس کوئی چیز موجود نہیں۔ صاحب مواہب نے فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا

یہ فعل اختیاری تھا اور برائے حصول ثواب تھا اور صرف اپنے حال کے اظہار و بیان کے لئے نہ تھا (واللہ اعلم)

یہ بندہ مسکین نور اللہ قلبہ بنور الیقین (شیخ عبدالحق محدث دہلوی) عرض کرتا ہے کہ ابن حبان کا قول کہ آنحضرت کو صوم وصال کی صورت میں رب تعالیٰ کھلاتا اور پلاتا تھا۔ پھر بصورت بھوک آپ کو پتھر باندھنے سے چہ تسکین و فائدہ۔ یہ یوں بھی ممکن ہے کہ آنحضور کا وہ فرمان صوم وصال کے ساتھ مخصوص ہو۔ اس لئے کہ وہ ذوق و شوق کی حالت ہوتی ہے اور دائمی نہیں ہوتی اور آنحضور کے احوال مختلف تھے۔ کبھی اس طرح کا حال کبھی اس طرح کا حال اور تصرف و تحویل کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی حکمتیں اپنے حبیب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ ایسی مخصوص ہیں کہ وہ عقل و قیاس کے احاطہ سے باہر ہیں ہاں ان احادیث کی اسناد مین کوئی بات کریں تو یہ ایک دوسری بات ہے۔ (واللہ اعلم)

آنحضرت کی غذاء مبارک:۔ وصل:۔ گو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ریاضت نفس کے ساتھ ساتھ طعام کی جانب عدیم الالتفات تھے اور قضائے شہوت اور اس کے تقاضے پورے نہ کرتے تھے پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم حبس نفس کی خاطر کوئی مخصوص غذا کے مکلف نہ ہوتے تھے اور روش تکلف نہ اپناتے تھے اور آپ بھی اہل مدینہ کے معمول کے مطابق کھانا کھاتے تھے تاکہ امت کے لئے وسعت ہو اور رہبانیت کے راستے مسدود ہو جائیں جو کچھ وقت پر موجود ہوتا تھا اور گوشت سبزی پھل اور کھجور میں سے جو کچھ بھی میسر آتا آپ تناول فرمالیتے تھے۔ نیز علماء کا بھی کہنا ہے کہ اگر کوئی غذا مخصوص کرلی جائے تو وہ طبیعت کے لئے نقصان دہ ہوتا ہے خواہ کتنی ہی اچھی ہو اور بھوک میں اضافہ کرنے والی ہو یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم شیرینی اور شہد کو پسند فرماتے تھے اور نوش فرماتے تھے۔ (رواہ ترمذی و بخاری) "حلو" ہر کھائی جانے والی میٹھی چیز کو کہا جاتا ہے۔

خطابی نے کہا ہے کہ حلوہ مٹھائی ہوتی ہے۔ جس کو فن کے مطابق بنایا جائے۔ لہٰذا شہد حلوہ نہیں کہلائے گا بعض اوقات یہ لفظ پھل پر بھی بولتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے نزدیک اس کی پسندیدگی بر بنائے کثرت خواہش شدت میلان اور خواہش طبع کے باعث نہ تھی بلکہ اگر شہد موجود ہوتا تھا تو مزہ میں تبدیلی کے پیش نظر اسے نوش فرمالیتے تھے اس لئے کہ لوگوں کے علم میں آجائے اور آگاہ ہو جائیں کہ آپ کو شہد پسند ہے۔

مواہب لدینہ کے مولف بھی لغت فقہ میں ثعلبی سے نقل کرتے ہیں کہ جو حلوہ آنحضرت کو پسندیدہ تھا اس کا نام جمع (بفع میم و کسر جیم) یہ کھجور کی ایک قسم تھی اور اس کو خمیر سے بنایا جاتا تھا۔ علاوہ ازیں یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ جناب عثمان رضی اللہ عنہ کا ایک قافلہ آیا۔ اس کے ساتھ آٹا اور شہد تھے۔ دوسری ایک روایت کے مطابق آٹا میدہ گھی اور شہد تھی۔ آپ یہ چیزیں تھوڑی مقدار میں لے کر آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان کے لئے دعائے برکت فرمائی اور دیگچی منگوا کر آگ پر رکھوائی۔ حلوہ تیار کیا اور صحابہ کو اس کھانے کے لئے فرمایا اور فرمایا کہ اس چیز کو فارس کے لوگ "حیص" کہتے ہیں۔ نیز یہ بھی مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو شکر پسند تھی اور شکر صدقہ میں دیتے تھے۔ ایک حدیث شریف طحاوی میں ہے کہ آنحضرت صلی الل علیہ و آلہ وسلم ایک انصاری کی

شادی میں تشریف فرما ہوئے تو باندیاں بادام و شکر کے طباق لے کر حاضر خدمت ہوئیں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ادب و احترام کے باعث اس میں ہاتھ نہ ڈالتے تھے۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ اس کو لوٹتے کیوں نہیں۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ ہی نے تو لوٹنے کی ممانعت فرمائی تھی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ شادی کے موقع پر اس کی ممانعت نہیں ہے ازاں بعد آنحضرت قوم کی طرف سے اچھال پھینکتے تھے اور قوم لوٹتی تھی۔ امام طحاوی نے یہ حدیث لٹانے کے مکروہ نہ ہونے میں بطور حجت بیان کی ہے جس طرح کہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کا مذہب بھی اسی طرف ہے اور انہوں نے اس حدیث سے ان احادیث صحیح پر حکم فرمایا ہے جو لوٹنے اور مٹانے کی ممانعت کے سلسلہ میں آئی ہیں۔ لیکن بیہقی کے نزدیک یہ حدیث ثابت نہ ہے اسی وجہ سے انہوں نے طحاوی کے لوٹنے کے قائل ہونے پر تشنیع و طعن کیا ہے۔ یہ بندہ مسکین خصہ اللہ . مزید الیقین (مولف کتاب ہذا) کہتا ہے کہ اس میں ہرگز شبہ نہیں کہ حج کے موقع پر قربانی میں لوٹنے کا حکم آیا ہے۔ امام صاحب کے قول کے حق میں یہ بھی ایک دلیل ہے اور حجت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بکری کا گوشت تناول فرمایا ہے۔ لیکن گائے کا گوشت بالخصوص تناول فرمانا علم میں نہیں آیا جیسے کہ حدیث میں وارد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنی ازواج کی طرف سے ایک گائے ذبح کی۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہے کہ آپ نے بھی اسے تناول فرمایا ہو گا۔ واللہ اعلم۔

گوشت:۔ گوشت کی تعریف میں کئی احادیث آئی ہیں۔ جیسے کہ اللحم سید الطعام اھل الجنۃ جنتیوں کے لئے کھانوں کا سردار گوشت ہے۔ ایک روایت ہے۔ سید الطعام اھل الدنیا والآخر (رواہ ابن ماجہ و ابن ابی الدنیا) اور اس حدیث کی سند ضعیف ہے لیکن اس کی شہادت میں وہ حدیث ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان فرمائی۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا دنیاوی کھانوں کا سردار گوشت ہے اور اس کے بعد چاول۔ اس کو الطب السبوری میں ابو نعیم نے نقل کیا ہے۔ اس کے کھانے کے باعث ستر قوتیں بڑھتی ہیں۔ یہ زہدی نے کہا ہے اور اسی طرح مواہب الدنیہ میں آیا ہے علاوہ ازیں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ گوشت کے کھانے سے خون صاف ہوتا ہے اور خصلت بہتر بنتی ہے اور جو شخص یہ چالیس دن تک کھائے اس کی خصلت بری ہو جاتی ہے۔ (کذافی المواہب) جیسے کہ متواترا سے چالیس دن تک نہ کھانے سے یہ خاصیت پیدا ہوتی ہے اسی طرح متواتر اتنا عرصہ اس کو کھانے کے باعث قساوت قلبی اور شدت طبع کی تاثیر بھی ہوئی ہے علاوہ ازیں کچھ آثار میں اس طرح بھی وارد ہوا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے نزدیک سب کھانوں میں محبوب تر کھانا گوشت تھا آپ فرمایا کرتے تھے کہ گوشت کھایا جائے تو یہ سماعت کو بڑھاتا ہے اور دنیا میں سب کھانوں میں بہترین گوشت ہے اگر میں خواہش کروں کہ میرا رب گوشت کھلائے تو ضرور وہ ہر روز مجھے گوشت ہی کھلائے۔

امام شافعی سے روایت ہے کہ گوشت کھانے سے عقل بڑھتی ہے۔ روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم دست کا گوشت بڑا پسند ہوتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ ایک یہودیہ نے زہر آلود دست پیش کی تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ

عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم دست کا گوشت اس وجہ سے زیادہ پسند فرماتے تھے۔ کہ گوشت ہر روز نہیں ہوتا تھا۔ نہ ہی آپ گوشت روزانہ تناول فرماتے تھے۔ ہاں کبھی کبھی کھاتے تھے اور دست کا گوشت جلدی پک کر تیار ہو جاتا تھا اور آنحضور اسے کھانے میں جلدی فرمایا کرتے تھے۔ ترمذی شریف میں حدیث ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اطیب الھم لحم الظھر پیٹھ کا گوشت بہترین ہے۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ دست کا گوشت پسند ہونے کی وجہ یہ تھی وہ موضع نجاست سے بہت دور ہے۔ اس توجیہہ کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم گردوں کو پسند نہ فرماتے تھے۔ اس لئے کہ موضع پیشاب سے قریب ہوتے ہیں۔ لیکن حافظ نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔ آنحضرت گوشت کو ہڈی سے اپنے دانتوں سے علیحدہ کر کے کھاتے تھے۔ (تمش فرماتا) اور آپ گوشت کو چھری کے ساتھ علیحدہ کر کے بھی کھاتے تھے بخاری شریف میں حدیث میں ہے کہ آنحضرت نے اپنے ہاتھ مبارک میں چھری پکڑ کر بکری کے شانہ سے گوشت کاٹ کر تناول فرمایا۔ پھر نماز کے واسطے آواز دی گئی تو آپ نے وہ چھری ہاتھ سے چھوڑ دی۔ جس سے آپ گوشت چھیلتے تھے۔ اور نماز کے واسطے آپ کھڑے ہو گئے آپ نے وضو نہ فرمایا اور حدیث میں یہ بھی وارد ہوا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کا ارشاد ہے چھری کے ساتھ گوشت نہ کاٹو اس لئے کہ یہ معمول عجمی لوگوں کا ہے۔ اس کو دانتوں سے کھایا کرو۔ یہ عمل زیادہ مرغوب ہے اور دل کو زیادہ مرغوب ہے ابوداؤد نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث قوی نہیں۔ جبکہ حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی شاہد صفوان بن امیہ کی روایت کردہ حدیث ہے جس ترمذی نے روایت کیا ہے کچھ روایات میں تش کا حکم ہے بغیر ممانعت قطع سے ہے اور قطع یعنی کہ چھری کے ساتھ کاٹنا بڑی ہڈی سے ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے بھونا ہوا گوشت تناول فرمایا ہے۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی خدمت میں میں نے بھونا ہوا بازو حاضر کیا۔ اس میں سے آپ نے کھایا اور بعد ازاں وضو نہ کیا اور نماز میں آپ کھڑے ہو گئے (اس سے مراد ہے کہ آپ نے ہاتھ مبارک نہ دھوئے تھے۔) یہ صحیح حدیث ہے اور ترمذی روایت کرتے ہیں۔ اور آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے قدیر (خشک گوشت) بھی کھایا ہے۔ جس طرح کہ سنن میں یہ مروی ہے کہ ایک صحابی کا یہ بیان ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی خاطر بکری ذبح کی اور ہم مسافر تھے۔ آنحضور نے ارشاد فرمایا کہ اس گوشت کو درست کرو۔ میں اس گوشت سے آنحضور کو تناول کراتا رہا۔ حتیٰ کہ ہم مدینہ شریف میں آپہنچے۔ گوشت کی اصلاح سے آنحضرت کی مراد قدیر بنانا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے حماد وحشی کا گوشت بھی تناول فرمایا ہے اس کو گور خر اور نیل گائے بھی کہا جاتا ہے۔ رواہ شیخین۔ اور اونٹ کا گوشت سفر و حضر کے دوران آپ نے اکثر تناول فرمایا ہے۔ آپ نے خرگوش کا گوشت بھی کھایا ہے۔ (بحری رواب دریاء کے جانور کو کہتے ہیں)۔ رواہ مسلم ائمہ کرام سے دریائی جانوروں کے کھانے کے بارے میں تفصیل ہے۔ بعض اس کا مطلق طور پر جائز سمجھتے ہیں اور بعض علماء کے نزدیک صرف غیر السنان۔ بحری اور خنزیر۔ بحری۔ لیکن ہمارے مذہب میں سوائے مچھلی کے اور کوئی دریائی چیز جائز نہیں ہے۔

ثرید:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ثرید بھی کھایا۔ فارسی زبان میں ثرید کو نکنہ کہا جاتا ہے۔ ثرید کہتے ہیں روٹی کو توڑ کر شوربے میں ڈالنا اور کبھی گوشت کے ساتھ بھی تیار کرنا۔ ایک حدیث میں یوں وارد ہوا ہے۔ فصل عائشة علی النساء کفضل الثرید علی سائر الطعام عورتوں پر عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو یوں فضیلت حاصل ہے جیسے تمام کھانوں پر ثرید کو فضیلت حاصل ہے (رواہ ابوداؤد) ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے نزدیک کھانوں میں سے پسندیدہ کھانے ثرید خنبو اور ثرید حیس تھے۔ ثرید خنبو روٹی اور شوربے سے بنتا ہے اور ثرید حیس کھجور۔ گھی اور روٹی سے بناتے ہیں۔ آنحضرت نے مکھن اور گھی سے تر کر کے روٹی کھائی ہے زیتون کے روغن سے چپڑ کر بھی روٹی آپ نے کھائی ہے۔ اور ہریسا کے کھانے کے بارے میں بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں اور محدثین نے ان کو موضوع کہا ہے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جبریل علیہ السلام نے اپنا ہریسہ بھی مجھے کھلایا حتیٰ کہ میری کمر قیام کرنے کے لئے طاقتور اور مضبوط ہو گئی۔ اس روایت کے متعلق کہتے ہیں کہ اس کی سند میں ایک شخص محمد بن حجاج لخمی ہے جس نے یہ حدیث وضع کی ہے۔

کدو:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کدو بھی کھایا ہے اور اس کو آپ نے پسند فرمایا ہے اگر کدو کسی دوسرے سالن کے ساتھ پکایا ہوا ہوتا تھا تو آپ برتن کے کناروں کے ساتھ تلاش کر کے کدو تناول فرماتے تھے۔ یہ کدو کے مرغوب ہونے کے باعث ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں جس وقت سے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا یہ فعل دیکھ لیا ہے مجھے بھی کدو سے محبت ہو چکی ہے۔ (رواہ مسلم) امام نووی کا قول ہے کہ کدو سے محبت رکھنا مستحب ہے نیز ہر چیز سے محبت بھی مستحب ہے جس کو آنحضرت نے پسند فرمایا ہے سید المرسلین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے سلق یعنی چقندر بھی جوء کی روٹی کے ساتھ کھائی ہے چقندر ایک سبزی ہے جو مشہور ہے اس کو ترمذی نے شمائل میں یوں روایت فرمایا ہے کہ ایک روز امام حسن بن علی عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہم حضرت سلمیٰ رضی اللہ عنہا جو آنحضرت کی خادمہ تھیں کے ہاں آئے اور کہا کہ اے سلمیٰ! جو کھانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو بڑا مرغوب ہے وہ ہمارے لئے بھی تیار کرو سلمیٰ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ آج میں اس کھانے سے خوش نہیں کر سکتی۔ مراد یہ ہے کہ تم اچھے لذیز اور مرغوب کھانے کھایا کرتے ہو لہٰذا یہ کھانا تمہاری خوشی کا باعث نہ ہو گا۔ انہوں نے کہا کہ وہ کھانا ہمیں بھی اچھا لگے گا آپ تیار کر دیں۔ اس کے بعد سلمیٰ رضی اللہ عنہا نے جوء کی آش دیگچی میں ڈالی اس کے بعد زیتون کا کچھ تیل' مرچیں اور دوسری اشیاء ڈالیں اور کھانا تیار کیا۔ دیگچی کو ان کے روبرو رکھا اور کہا یہ ہے کہ وہ کھانا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بہت رغبت سے کھاتے ہیں اور انہیں یہ بہت پسند ہے۔

لپٹا:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حزیرہ بھی نوش فرمایا ہے حزیرہ سے مراد لپٹا ہے۔ یہ آٹا پتلا کر کے بناتے

ہیں۔ طبری نے بھی اسی طرح کہا ہے۔ اور جوہری کہتے ہیں کہ یہ کھانا گوشت کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے بنا کر ان میں کافی مقدار میں پانی ڈالتے ہیں جب یہ پک کر نرم و ملائم ہو جاتا ہے تو اس میں آٹا ڈال کر بناتے ہیں اگر اس میں گوشت نہ ہو تو یہ کھانا عصید کہلاتا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ آٹا گھول لیا جاتا ہے اور پھر اسے چھانتے ہیں اور بھوسی نکال دیتے ہیں اور پکاتے ہیں۔ خلاصے خزیرہ وہ ہے جو بھوسی سے بنایا جائے اور حلے حزیرہ وہ ہے جو دودھ سے بنایا جائے اور عتبان نے کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ چاشت کے وقت تشریف لائے۔ میں نے ان کے واسطے خزیرہ بنایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اقط بھی کھایا ہے۔ (اقط پنیر کو کہتے ہیں) یہ دودھ میں سے مسکہ نکال کر جمل لیا جاتا ہے یہ ترش ہوتا ہے اور سخت بھی۔ اس کے بعد اس کو پگھلا کر کھانوں پر اور سالنوں میں ڈالتے ہیں۔

پھل:۔ سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے خشک کردہ کھجور، تر کھجور اور گدری کھجور کھائی ہیں۔ کباث بھی آنحضرت نوش فرماتے تھے۔ یہ اراک کے پھل کو کہتے ہیں جو کہ پکا ہوا ہوتا ہے اور مسواک کے درخت کو اراک کہا جاتا ہے۔ ہندی میں اس کو پیلو کہا جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کھجور کا گودا بھی بڑا پسند کرتے تھے۔ جو کہ درخت کھجور سے مانند گوند کے نکلتا ہے۔ اس کو شحمتہ النخل کہا جاتا ہے۔ آنحضور نے جبن بھی نوش فرمایا ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ غزوہ تبوک کے دوران آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت اقدس میں جبن پیش کیا گیا۔ آپ نے چھری طلب فرمائی اور اس سے اس کو کاٹا۔ ابوداؤد نے روایت کیا ہے بعض فقہا کو اس میں کلام ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کھجور کے ساتھ خربوزہ بھی کھایا ہے۔ آنحضرت کے پسندیدہ پھلوں میں خربوزہ بھی شمار ہے اور خربوزے کی تعریف متعدد احادیث میں آچکی ہے اور رسائل بھی اس بارے میں تحریر ہوئے ہیں۔ لیکن محدثین نے ان پر حکم وضع لگایا ہے۔ (واللہ اعلم) اور تعجب خیز امر ہے کہ محمد بن اسلم خربوزہ نہ کھاتے تھے۔ کیونکہ یہ منقول نہیں کہ کس طرح سے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اس کو کھاتے تھے ایک روایت میں کھجور کے ساتھ ککڑی کھانے کا طریقہ یوں آیا ہے کہ آنحضرت کے ایک ہاتھ مبارک میں ککڑی تھی اور دوسرے ہاتھ میں کھجور۔ آپ کبھی ککڑی کو تناول فرماتے اور کبھی کھجور کو۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں کھجور اور ککڑ ملا کر کھانا مذکورہ ہے یہ دو احتمال سے خالی نہیں۔ یا آپ دونوں اشیاء منہ مبارک میں ڈال لیتے اور چباتے تھے۔ یا آپ کبھی ایک کو کھاتے ہوں گے کبھی دوسری کو۔ نادر احادیث میں سے ایک نادر حدیث یہ ہے جو کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ابن ماجہ میں مروی ہے۔ آپ فرماتی ہیں کہ میری والدہ محترمہ میرے مٹاپے کا علاج کرتی تھیں اور وہ اس میں عجلت کرتی تھیں۔ اس لئے کہ مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں بھیج دیا جائے۔ لیکن کوئی بھی علاج موافق نہ آرہا تھا۔ حتی کہ میں نے کھجور اور ککڑی کو ملا کر کھایا اس سے میرا موٹاپا جاتا رہا۔ مواہب میں بھی اسی طور بیان کیا گیا ہے۔ شارحین راویان حدیث گمان کرتے ہیں کہ کھجور کے ساتھ ککڑی کھانے سے آنحضرت کا مقصد یہ تھا کہ تر کھجور کی گرمی کو مارا جائے اور ککڑی کی برودت میں کمی لانا مقصود نہ تھا۔ یہ طب کے اصول کے مطابق تھا۔ ایسے ہی حدیث ابی امامہ رضی اللہ عنہ سے ظاہر ہے جس کی روایت ہشام نے کی ہے۔ کہ آنحضرت

صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اس لئے ککڑی کھجور کے ساتھ ملا کر کھاتے تھے کہ ککڑی کی برودت کھجور کی گرمی کے باعث اعتدال پر ہو جائے اور کھجور کی گرمی میں بوجہ برودت ککڑی اعتدال آ جائے۔ کہا یہ جاتا ہے کہ اطعمہ کی ترتیب میں یہ ایک بڑی اصل ہے اور ایک قاعدہ ہے حتیٰ کہ یوں بھی کہا جاتا ہے کہ تر کھجور کے ساتھ بطیخ ملا کر کھانے سے بطیخ اخضر (ککڑی) مراد ہے جو کہ تاثیرا" سرد ہوتی ہے اور اس سے مراد بطیخ اصفر (خربوزہ) نہیں جو کہ گرم تاثیر رکھتا ہے۔ جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ تر کھجور کے برعکس خربوزہ یک گونہ سرد ہے اس میں مٹھاس کے سبب سے کچھ حرارت موجود ہے۔ اس بندہ مسکین (شیخ عبدالحق) کا خیال اس طرح ہے کہ قوم یہ کہتی ہے کہ کھجور سے ککڑی ملا کر کھانے کا مقصد ان کی حرارت و برودت کا اعتدال تھا۔ یہ یک گونہ تکلف ہے بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں کو ملا کر کھانا یونہی اتفاقیہ واقعہ ہوا تھا۔ یہ امکان ہے کہ خربوزہ میٹھانہ ہو اور ککڑی تو میٹھی ہوتی ہی نہیں ملا کر اس لئے کھایا کہ ذائقہ میٹھا ہو جائے اسی طور سے یوں کہا جاتا ہے کہ جو کی تاثیر سرد خشک ہوتی جبکہ کھجور گرم تر ہوتی ہے۔ پس ان دونوں کو ملا کر کھانا تیار کر لینا جوء کی سردی مارنے کے لئے ہے اور کھجور کی گرمی ختم کرنے کے لئے۔ یہ ت دبیر اور تعدیل اچھی ہے۔ (واللہ اعلم بحقیقتہ الحال)

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کھجور اور مکھن بھی ملا کر کھائے ہیں اور آپ نے اس کو پسند بھی فرمایا۔ یہ خوراک آج اس زمانہ میں بھی شہروں میں رائج ہے اور بازاروں میں یہ فروخت کی جاتی ہے۔ کھجور کے ایک سرا پر مکھن لیتے ہیں زیادہ تر لوگ کھجور کھاتے ہیں اس لئے کہ مکھن کی چکناہٹ سے تر کھجور کی عفونت ختم ہو جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سالن کے ساتھ کھانا (روٹی) کھایا کرتے تھے۔ جو سالن میں موجود و میسر ہوتا۔ کبھی گوشت کا سالن تھا اور کسی وقت کوئی ترکاری ہوتی تھی کبھی سالن کھجور کا بھی ہوتا تھا اور یہ روایت میں آیا ہے کہ آنحضرت نے کھجور اور جوء کی روٹی کا ٹکڑا زبان مبارک پر رکھا اور فرمایا کہ یہ نانخورش ہے۔ آپ بعض اوقات روٹی کو سرکہ کے ساتھ بھی کھاتے تھے اور فرماتے تھے کہ نعم الآدام الخل سرکہ بہترین سالن ہے۔ یہ مسلم۔ خطابی اور قاضی عیاض رحمتہ اللہ سے مروی ہے کہا جاتا ہے کہ آنحضور کے اس ارشاد سے مراد ہے کھانے کی چیزوں میں میانہ روی اختیار کرنا اور لذیز کھانوں سے اجتناب کی تلقین۔ یعنی کہ سرکہ وغیرہ بطور سالن روٹی کے ساتھ ہوتا تھا اور آسانی سے یہ مل بھی جاتا ہے۔ سرکہ کوئی نادر الوجود چیز نہیں اور شہوت میں رغبت نہ کریں اس لئے کہ اس سے دین فاسد ہوتا ہے اور جسم بھی بیمار ہو جاتا ہے۔

امام نودی کہتے ہیں یہ ساری تعریف خاص سرکہ کے واسطے ہے وجہ یہ ہے کہ اس میں بہت فائدے ہیں جہاں تک کھانے پینے میں میانہ روی اور ترک شہوت کا تعلق ہے۔ یہ بات دوسری احادیث سے اور قواعد سے معلوم ہوتی ہیں۔ ابن قیم نے کہا ہے کہ سرکہ کی یہ تعریف اس وقت کے حال کے مطابق کی گئی ہے اس تعریف میں مقصود یہ نہیں کہ یہ سرکہ دیگر سالنوں سے افضل ہے جس طرح کہ کچھ حضرات کا خیال ہے اس حدیث کی شان وقوع اس طرح سے ہے کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنے اہل خانہ کے پاس آئے۔ آپ کی خدمت میں خشک روٹی پیش کی گئی تو آپ نے دریافت فرمایا کہ کیا آپ کے پاس کوئی سالن نہیں ہے انہوں نے جواب دیا کہ حضور! سالن تو موجود نہیں ہاں سرکہ موجود

ہے۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ نعم الآدام الخل سرکہ بہترین سالن ہوتا ہے اس سے یہ مطلب ہے کہ روٹی کو سالن کے ساتھ کھانا حفظان صحت میں داخل ہے اس لئے کہ اس سے روٹی کی اصلاح ہو جاتی ہے اور اس سے وہ نرم ہو جاتی ہے اور یہ حفظ صحت کی خاطر ہے برعکس اس کے کہ دونوں میں سے کسی ایک پر ہی اکتفاء کیا جائے۔ اس سے یہ مقصود نہ ہے کہ سرکہ کو دودھ گوشت اور شہد شوربے پر فضیلت دی جائے۔ اس موقع پر اگر دودھ یا گوشت مل جاتا تو آپ اس کی اس سے زیادہ تعریف فرماتے لہٰذا آنخضرت کا سرکہ کے متعلق اس طرح ارشاد ان کی تسکین و خوشی کے لئے تھا اور دوسرے سالنوں پر سرکہ کو فضیلت عطا کرنے کی غرض نہ تھی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنے شہر کی سبزیاں اور ترکاریاں اس وقت کھاتے تھے۔ جب وہ پک کر تیار ہو جاتی تھیں اور اسی طرح پھل بھی۔ آپ ان کو کھانے سے گریز نہ کرتے تھے۔ مولف مواہب لدینہ نے فرمایا ہے کہ حفظ صحت کے اسباب سے یہ بھی ایک عظیم چیز ہے کیونکہ ہر بستی میں اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ سے ایسے پھل پیدا فرمائے ہیں جو وہاں کے اس وقت کے باشندوں کو فائدہ دیتے ہیں۔ اس لئے وہ لوگ اسباب صحت اور عافیت کی خاطر وہ لوگ انہیں کھاتے ہیں۔ اس طرح وہ کافی ساری ادویہ کے استعمال کرنے کے حاجت مند نہیں ہوتے۔ اس طرح کہ لوگ تو بہت تھوڑے ہوتے ہیں جو بیماری یا کمزوری و ناتوائی کے خدشہ کے پیش نظر اپنے شہروں کے پھلوں سے اجتناب کرتے ہوں۔ سوائے ایسے آدمی کے کہ جو شدید بیمار اور ناتواں ہو اور اس کی صحت و قوت اسے برداشت نہ کر سکتی ہو۔ پس جو شخص ان پھلوں کو ان کی فصل کے موسم کے دوران کھائے گا وہ متعدد امراض کے لئے انہیں مفید پائے گا۔ (انتہیٰ)۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو انگور کے خوشے کھاتے ہوئے میں نے دیکھا ہے۔ وہ یوں تھا کہ آپ خوشہ منہ میں رکھتے تھے اور اس کے دانے توڑ لیتے تھے اور خالی تنکے باہر کھینچ لیتے تھے اور متعارف یوں ہے کہ ہاتھ سے دانے توڑتے اور منہ میں ڈالتے۔ بعض کے نزدیک یہ حدیث بے اصل ہے۔

آنخضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے پیاز نہیں کھایا۔ لیکن امت کو اس کے کھانے سے منع نہیں فرمایا اور آپ نے فرمایا ہے کہ پیاز کھانے والے شخص کو مسجد میں نہیں آنا چاہیے۔ دیگر اجتماعات کے بارے میں بھی اسی کے مطابق قیاس ہے۔ ابوداؤد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جو آخری کھانا کھایا ہے اس میں پیاز موجود تھا۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے اس وقت اثبات کی خاطر اور جواز کی تاکید کے لئے پیاز تناول فرمایا۔ یا اس کی وجہ یہ ہو گی کہ پیاز پک چکی ہو گی نیز اس کی بو بھی رفع کر لی گئی ہو گی۔ کچی پیاز کھانے سے کراہت ہے۔ اس لئے کہ اس سے بو آیا کرتی ہے۔ ہجرت کے بعد شروع شروع میں جتنی مدت آنخضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان میں مقیم تھے۔ وہ اپ کی خدمت میں اس طرح کا کھانا لاتے جس میں پیاز شامل ہوتا تھا تو آپ وہ خود نہ کھاتے تھے۔ بلکہ دوسرے صحابہ کرام کو بھیج دیتے تھے۔ اور لسن کے بارے میں ایسا ہی ہے بلکہ اس سے بڑھ کر یہی

حکم ہے۔ امام نووی نے فرمایا ہے کہ لسن پیاز اور گندنا ان تینوں کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پیاز حرام سمجھنے والے علماء آپ کے جواب "نہیں" سے مراد لیتے ہیں کہ تم لوگوں پر یہ حرام نہ ہے۔ (واللہ اعلم)

مولف مواہب لدینہ کا قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سچی محبت کے پیش نظر آنحضرت کے موافق لسن وپیاز نہ کھانا اور اس کو اور نیز ہر دوسری چیز کو جسے آنحضرت نے مکروہ جانا مکروہ جاننا واجب ہے کیونکہ یہ اوصاف محبت صادق سے ہے کہ محبوب کی ہر پسندیدہ چیز محبوب ہو اور محبوب کی ہر مکروہ جانی ہوئی چیز مکروہ جانی جائے صاحب مواہب نے یہ جو کچھ فرمایا یہ سچ ہے۔ ان پر اللہ کی رحمتوں کا نزول ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اکثر اوقات بڑی مہربانی اور کرم سے رخصت واباحت اختیار فرماتے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ پسند کرتا ہے کہ ان کو رخصت عطا کی جائے جیسے وہ پسند کرتا ہے کہ انہیں عز-یمتیں دی جائیں۔ ان کا صدر اس سبب سے ہوتا ہے اللہ تعالیٰ جن چیزوں کے بارے میں فرماتا ہے۔ عفا اللہ' وہ اور ہیں۔ روایات میں آیا ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کسی دور افتادہ مقام پر تھے۔ وہاں پر ایک باغ کو پانی سے سیراب کرنے کی مزدوری پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی خدمات ایک شخص کے حوالے کیں اس شخص نے آپ کو روٹی اور گندنا حاضر کیا آنحضرت نے روٹی خود کھائی اور گندنا حضرت علی کو دیا (کذافی ذکر فی تاریخ مدینہ)۔

کھانے کا طریق مسنونہ:۔ وصل:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تین انگلیوں سے کھانا کھانے کی عادت مبارک تھی۔ انگوٹھا' کلمہ کی انگشت اور بیچ والی انگشت سے آپ تناول فرمایا کرتے تھے (رواہ ترمذی فی الشمائل) وجہ یہ ہے متکبر لوگ ایک یا دو انگلیوں سے کھاتے ہیں اور ایسے کھانے میں لذت نہیں ہوتی نہ معدہ ہی سیر ہوتا ہے مگر یہ کہ طویل وقت کھاتے رہیں اور پانچ انگلیوں کے ساتھ کھانا کھانے میں طمع اور حرص کی نشانی پائی جاتی ہے صاحب مواہب نے ایک مرسل حدیث درج فرمائی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پانچوں انگلیوں سے کھانا تناول فرمایا ہے۔ یہ حدیث اور اس سے پہلی حدیث یوں مجتمع ہو سکتی ہیں کہ آپ زیادہ تر تین انگلی سے ہی کھایا کرتے تھے۔ اور کبھی کسی وقت پانچ انگلیوں سے اور جب کھانا کھا چکے تھے تو آپ انگلیاں چاٹ لیا کرتے تھے رومال سے پونچھنے سے قبل۔ بعض روایات میں چاٹنے اور برتن صاف کر دینے کا حکم بھی آیا ہے۔ روایت میں آیا ہے۔ کہ اگر برتن پونچھا جائے تو وہ برتن کھانے والے کے حق میں استغفار کرتا ہے اور چاٹنے کی علت یہ بیان کی ہے کہ معلوم نہیں ہوتا کہ کھانے کے کس جزو میں برکت ہے۔ یہ شرط نہیں ہے کہ تمام انگلیوں کے ساتھ ہی چاٹا جائے۔ ایک ایک انگلی زبان سے چاٹی جائے یا ہونٹوں سے ہی چاٹ لیں تو کافی ہوتا ہے۔ کبھی کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی انگلیاں چھوٹے بچوں اور اپنے خادموں کو چٹوا دیا کرتے تھے۔ لیکن دوران کھانا انگلیاں چاٹنا کراہت میں داخل ہے اور اگر کوئی چیز کھانا کھاتے ہوئے دسترخوان سے یا برتن سے نیچے گر جائے تو اسے اٹھا کر کھانا بھی باعث ثواب ہے۔ کچھ روایت آئی ہیں اس سے محتاجی۔ برص اور کوڑھ سے تحفظ حاصل ہوتا ہے اور اسے کھانے والے کی آئندہ اولاد حماقت و بیوقوفی سے بچی رہتی ہے۔ اور انہیں عافیت میسر ہو جاتی ہے عباسی خلفاء میں سے رشید

سے دیلمی نے بالاسناد نسب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جو شخص دسترخوان سے گر جانی والی چیز کو اٹھا کر کھالیتا ہے۔ اس کی اولاد حسین اور جمیل پیدا ہوتی ہے اور اس کی محتاجی رفع کر دی جاتی ہے۔ ایسے اعمال تکبر کرنے والے لوگوں سے ظاہر نہیں ہوتے۔ وہ تو ایسا کرنے کو مکروہ سمجھتے ہیں۔ لیکن وہ حقیقت پر اگر نظر ڈالیں تو ہرگز کوئی وجہ کراہت نہ ہے گرنے والے اجزاء بھی اسی کھانے کے ہوتے ہیں۔ جس کو وہ انگلیوں کے ساتھ کھا چکے ہیں۔ پھر انگلیاں اور پیالہ وغیرہ چاٹنا کیوں برا ہو گا۔ بالخصوص جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل مبارک کو بھی سن چکے ہوں۔ دراصل ایسے عمل سے کراہت کرنے والے اور اسے برا جاننے والے شخص پر جبکہ اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی نسبت ہو سخت چیز لازم آجاتی ہے۔ العیاذ باللہ

کسی بزرگ سے مواہب لدینہ کے مولف نے نقل فرمایا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ ایک شخص کلی کرتے وقت اپنے منہ میں انگلیاں داخل کرتا ہے اور اپنے دانتوں کو ملتا ہے تو کسی کو بھی اس سے کراہت نہیں آتی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ٹیک لگا کر نہ کھایا کرتے تھے۔ آپ کا ارشاد ہے کہ میں ایک بندہ ہوں لہٰذا بندوں کے انداز میں بیٹھتا ہوں اور جو انداز بندوں کا ہے کھانے میں اسی انداز میں کھاتا ہوں۔ ٹیک لگانے کی تفسیر میں علماء میں اختلاف آیا ہے۔ محقق شراح حدیث میں سے ایک قاضی عیاض رحمتہ اللہ ہیں۔ انہوں نے شفاء میں فرمایا ہے کہ اتکاء (ٹیک لگانا) کا مطلب ہے جم کر بیٹھنا اور کھانے کے دوران چوکڑی لگا کر اپنے سیرین پر بیٹھنا ہے۔ یہ اسی انداز نشست کی طرح ہے جیسے کہ کوئی نیچے رکھ کر ٹیک لگا کر بیٹھا جائے۔ اس صورت میں بیٹھ کر کھانے والا زیادہ مقدار میں کھاتا ہے اور یوں وہ تکبر کا اظہار بھی کرتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یوں بیٹھا کرتے تھے گھٹنوں کے بل گویا کہ آپ ابھی اٹھ کھڑے ہوں گے۔ بطریق اقعاء اور کہا گیا ہے کہ حدیث کے معانی یہ نہیں ہیں کہ ایک طرف کو جھک کر ٹیک لگانا جیسے کہ محققین کے نزدیک سمجھا جاتا ہے۔ انتہیٰ۔

اقعا سے یہ مطلب ہے کہ سیرین زمین کی طرف کئے جائیں۔ پنڈلیاں کھڑی ہوں اور پیٹھ کے بل سیدھا رہیں۔ یہ نشست دوران نماز ممنوع ہے۔ مولف مواہب لدینہ نے کہا ہے کہ یہی معنی منقول ہوئے ہیں جو قاضی عیاض رحمتہ اللہ علیہ نے بیان کئے ہیں۔ اور امام خطابی سے بھی جو کہ شراح حدیث کے اماموں میں سے ہے اور بڑے معتمد علیہ ہیں منقول ہوئی ہے فی تفسیر اتکاء اور خطابی کا قول ہے کہ جن حضرات نے اتکاء سے مراد ایک جانب جھکنا کی ہے۔ ان کی مخالفت ہوئی ہے۔ خطابی نے فرمایا ہے کہ یہ عوامی خیال ہے کہ ایک طرف کو جھکنے والا شخص ہی متکئی ہوتا ہے۔ درحقیقت یہ بات نہیں ہے۔ متکی اصل میں نیچے بچھائی ہوئی چیز پر خوب جم کر بیٹھنے والا ہوتا ہے۔ انتہیٰ۔ ابن جوزی کے نزدیک ایک طرف جھک کر بیٹھنے اور کھانے کے ہیں۔ کچھ حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ اتکاء کا معنی یہی ہے کہ ایک طرف کو جھک کر ٹیک لگائی جائے خواہ دیوار کے ساتھ ہو یا کہ تکیہ کے ساتھ بعض کا قول یہ ہے کہ بائیں طرف جھک کر ٹیک لگانا ہے اور کچھ احادیث میں اس کی صراحت ممنوع ہوئی ہے نہایہ میں ابن اثیر کہتے ہیں کہ اتکاء سے ایک طرف کو جھکنے کی تاویل کرنے والا شخص فن طب کی موافقت میں

ہے۔ ابن قیم نے کہا ہے کہ ایک طرف کو جھک کر کھانا نقصان دہ ہے اس لئے طعام کے اپنے مناسب راستہ سے گزرنے میں نشست کی یہ ہیئت مانع ہے اور اس طرح معدہ میں کھانا سرعت کے ساتھ نہیں پاتا اور معدہ میں گردش کرتا ہے۔ مستحکم نہیں ہوتا اور غذا کے واسطے معدہ معدہ کا بھی کھلتا نہیں۔ بلکہ معدہ بھی ایک طرف کو جھکا رہتا ہے۔ اور سیدھا نہیں رہتا خوراک سہل طریق سے معدہ میں نہیں پہنچتی۔ لیکن بات یہ ہے کہ کسی چیز کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھنا اور کھانا یہ اہل تکبر فراعین کا طریقہ ہے اور خلاف طریقہ عبودیت ہے یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اکل اکما اکل العبد کچھ حضرات کا کہنا ہے کہ ٹیک لگا کر کھانے سے ممانعت خصوصیات آنسرور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے ہے۔ لیکن حقیقت یہی ہے کہ یہ عام کے لئے ہے۔ البتہ کوئی مجبوری لاحق ہو اور اس میں ادب ملحوظ نہ رہتا ہو تو علیحدہ بات ہے۔

مولف سفر السعادت نے تحریر کیا ہے کہ اتکاء پانچ صورتوں میں ہوتا ہے۔ وہ تمام مذکورہ بالا ہیئتیں انہوں نے شمار کی ہیں۔ صاحب مواہب کا کہنا ہے کہ ٹیک لگانا مکروہ با خلاف وئی ہونا ثابت ہو چکا ہے لہٰذا اب کھانے کے دوران دونوں پنڈلیوں کو کھڑا رکھ کر دونوں پاؤں کی پشت پر بائیں قدم کی اندر کی جانب رکھا کرتے تھے۔ کھانا کھانے کے لئے یہ ہیت بہ نسبت دوسری کے مفید تر ہے۔ وجہ یہ کہ جسم کے سب اعضاء اپنی طبی حالت پر رہتے ہیں جس پر کہ ان کی اللہ تعالیٰ کی جانب سے تخلیق ہوئی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کھانے کی جانب اپنا ہاتھ بڑھاتے وقت بسم اللہ کہا کرتے تھے اور بسم اللہ الرحمن الرحیم کہنا افضل ہے اور صرف بسم اللہ کہنا بھی کفایت کر جاتا ہے۔ اور مقصود سنت حاصل ہو جاتا ہے۔ کھانا کھا چکنے کے بعد آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی حمد بجالاتے تھے۔ کئی طرح کے کلمات حمد یہ ماثور ہیں اور صرف اتنا ہی پڑھنا بھی کافی ہو جاتا ہے۔ الحمد للّٰه الذی اطعمنا وسقانا وجعلنا من المسلمین اس کے علاوہ یہ دعا بھی صحت کے ساتھ ماثور ہے۔ اللھم اطعمت وسقینت وما غنیت واقنیت وھدیت واحیت فلک الحمد علی ما اعطیت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنے دائیں ہاتھ کے ساتھ کھایا کرتے تھے اور اسی طرح آپ دوسروں کو بھی حکم فرماتے تھے۔ اور آنحضرت نے فرمایا ہے۔ یا غلام سمّ اللّٰه وکل بیمینک ومما یلیک اے بندے! اللہ کا نام لو اور دائیں ہاتھ کے ساتھ کھاؤ اور جو تیرے نزدیک ہے اس کی طرف سے کھاؤ بعض شافعین کے نزدیک یہ حکم استحباب پر محمول ہے اور صواب یہ ہے کہ اس کے ترک پر وعید وارد ہوئی ہے۔ لہٰذا یہ وجوب میں ہے۔ جس طرح کہ مسلم شریف میں آچکا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے دیکھا کہ ایک شخص اپنے بائیں ہاتھ کے ساتھ کھا رہا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ اپنے دائیں ہاتھ سے کھا۔ اس نے جواب دیا کہ میں اس سے نہیں کھا سکتا۔ تو آنحضرت نے فرمایا کہ تو اس سے کبھی بھی نہ کھا سکے گا۔ ازاں بعد وہ شخص کبھی اس ہاتھ کو اپنے منہ تک نہ اٹھا سکا اور مستحب ہونے پر استدلال کرنے والے حضرت اس قرینہ سے استدلال کرتے ہیں کہ آنحضرت نے فرمایا وکل مما یلیک اور یہ واجب نہیں اور وجوب کے قائل حضرات کی طرف سے اس کا یہ جواب ہے کہ ممانعت علم میں آجانے کے بعد اس کا ترک گناہ ہے۔ اور بعض اس طرح

کہتے ہیں کہ صرف ایک کھانا ہونے کی صورت میں اپنے قریب سے کھائیں اور اگر زیادہ کھانے ہوں جیسے کہ فواکہ وغیرہ تو جائز ہے۔ اس بارے میں وہ ایک حدیث کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ لیکن وہ حدیث ضعیف ہے (کذا قیل) اور اگر کوئی آدمی یوں کہے کہ سابقاً تذکرہ ہو چکا ہے کہ پیالے کے کناروں سے آنحضرت کدو کے قتلے تلاش کرتے تھے۔ یہ حدیث مما یلیک والی حدیث کے خلاف ہے اس کا جواب اس طرح ہے کہ ممانعت کی صورت یہ ہے کہ ساتھی اگر راضی نہ ہوں اور کیا کوئی ایسا ہو سکتا ہے جو آنحضرت سے راضی نہ ہو۔ کچھ حضرات کہتے ہیں کہ آنحضرت اکیلے ہی کھا رہے تھے لیکن بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ انس رضی اللہ عنہ نے آنحضرت کے ساتھ شامل ہے۔ واللہ اعلم۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کھانا کھانے سے قبل اپنے دستہائے مبارک دھو لیتے تھے اور کھانا کھانے کے بعد بھی دھوتے تھے اور آپ نے فرمایا ہے۔ الطعام فی الوضوء قبلہ والوضوء بعدہ کھانے سے قبل بھی وضو ہے اور کھانے کے بعد بھی۔

دیگر ایک حدیث میں آیا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے سامنے کھانا پیش کیا گیا۔ تو صحابہ کی جانب سے عرض کیا گیا کہ کیا حضور کے لئے پانی نہ لاؤں تاکہ آپ وضوء فرمالیں۔ تو آنحضرت نے ارشاد فرمایا کہ مامور نہیں ہوں جو وضوء کروں سوائے اس وقت کے کہ جب نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہوں۔ یہاں وہ شرعی وضوء مراد ہے جو کہ نماز کے واسطے ہے۔ جن احادیث میں ہاتھ دھونے کے معانی میں وضوء آیا ہے وہ لغوا" ہے۔ اس کے معانی ہیں نظافت اور پاکیزگی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں کھانے کا ایک پیالہ حاضر کیا گیا۔ جس سے بھاپ اٹھتی تھی۔ تو آنحضور نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو آگ کھانے کا حکم نہیں فرمایا ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی شدہ حدیث میں آیا ہے۔ کہ جس وقت آنحضرت کی خدمت میں کھانا گرم پیش کیا جاتا تھا تو آپ اسے ڈھانپ دیتے تھے حتیٰ کہ اس کا جوش ختم ہو جاتا تھا اور نیز کہا ہے کہ آنحضرت سے میں نے سنا ہے کہ سرد کھانے میں عظیم برکت ہوتی ہے اور آنحضرت کا ایک پیالہ تھا لکڑی کا بنا ہوا تھا اس پر لوہے کی چادر چڑھی ہوئی تھی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ اس پیالے میں میں نے آنحضرت کو پانی۔ نبیذ۔ اور شہد وغیرہ تمام مشروبات پلائے ہیں۔ بخاری شریف میں ایک حدیث عاصم احوال کی آئی ہے کہ میں نے آنحضرت کا وہ پیالہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس دیکھا ہے اور میں نے اس میں پانی نوش کیا ہے کسی قدر وہ پیالہ ٹوٹ چکا تھا اور اس پر حضرت انس رضی اللہ عنہ نے چاندی کا ایک خول چڑھایا تھا۔ وہ چوڑا پیالہ تھا اور اچھی لکڑی کا بنا ہوا تھا۔ علماء نے فرمایا ہے کہ وہ جھاؤ کی لکڑی کا بنا ہوا تھا۔ اور کچھ کچھ زرد رنگ کا تھا۔ ابن سیرین نے کہا ہے کہ اس پر لوہے کا ایک حلقہ چڑھایا ہوا تھا۔ ازاں بعد حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اس پر لوہے کے حلقہ کی بجائے سونے یا چاندی کا حلقہ چڑھانا چاہا۔ تو ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے انہیں اس خیال سے منع فرمایا۔ اور کہا کہ اس کو جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے رکھا ہے اسی طرح تم بھی رکھو اور امام ابو عبد اللہ بخاری نے روایت کیا ہے۔ کہ وہ پیالہ میں نے بصرہ میں دیکھا ہے اور اس میں پانی بھی پیا ہے۔ یہ نضر بن انس کی اولاد سے آٹھ ہزار درہم میں خرید اگیا تھا۔ (کذا فی المواہب لدنیہ)۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے خوان پر کبھی بھی کھانا تناول نہیں فرمایا آپ نے چپاتیاں تناول فرمائی ہیں اور سفرہ پر نوش فرماتے تھے اور سفرہ چمڑے کا یا پتوں کا بنا ہوتا تھا۔ آج کل میں حرمین شریفین کا اندر کھجور کے پتوں کے بنے ہوئے سفروں کا رواج ہے اور کتاب ھدیٰ سے مواہب میں منقول ہے کہ بعض اطباء کا قول ہے کہ جو شخص اپنی صحت کو محفوظ رکھنا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ رات کے کھانے کے بعد ایک سو قدم تک ضرور ٹہلے اور کھانا کھالینے کے فوراً بعد نہ سویا کرے۔ اس لئے کہ یہ صحت کے لئے نقصان دہ ہے اور کھانا کھانے کے بعد نماز پڑھیں تو اس سے ہضم میں آسانی ہو جاتی ہے۔

پانی کا پینا:۔ وصل:۔ آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو ٹھنڈا شیریں پانی پسند تھا۔ آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم آپ کے واسطے بیر سقیا سے پانی لایا کرتے تھے۔ یہ بیر سقیا مدینہ طیبہ سے دو منزل دور ہے۔ یہ مسافت چھتیس میل کے فاصلہ کی ہے۔ ٹھنڈا شیریں پانی خلاف زاہد نہ ہے۔ نہ ہی یہ مرفہ الحالی میں شمار ہوتا ہے اور یہ ہو بھی کیسے سکتا ہے جبکہ سید الزاہدین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس طرح خود کیا ہے۔ لیکن اگر پانی کو مشک و گلاب وغیرہ سے خوشبودار بنایا جائے تو یہ ترخہ اور تنعم میں شمار ہو گا۔ اور یہی مذموم ہے اور امام مالک رحمتہ اللہ کے نزدیک اس کا مکروہ ہونا نقل میں آیا ہے۔ انہوں نے اپنے تلمیذ سے کہا تھا کہ اے میرے بیٹے! پانی ٹھنڈا کر کے پیو۔ اس لئے کہ ٹھنڈا پانی پیا جائے۔ تو دل کی گہرائی سے اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا ہوتا ہے۔ شاگرد نے پوچھا کہ آپ اس شخص کے متعلق کیا فرماتے ہیں۔ جو پانی کو ٹھنڈا کرنے کے لئے دیوار پر رکھتا ہے حتیٰ کہ پھر اس پر دھوپ پہنچ جاتی ہے اس کو نہ اٹھایا گیا۔ وہ پھر گرم ہو گیا اور گرم ہی اس نے پی لیا اور کہا کہ اے بھائی میں اپنے نفس کو لذت دینے کے لئے اسے نہیں چاہتا ہوں۔ تو امام صاحب فرمانے لگے کہ ایسا شخص صاحب حال ہوتا ہے اس کی پیروی مطلوب نہیں کہا جاتا ہے کہ اس سے مراد حضرت سری سقطی رحمتہ اللہ علیہ ہیں۔

نقل کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے شہد اور پانی ملا کر پیا ہے اور آپ صبح سویرے پیتے تھے جب کچھ وقت گزر جاتا تھا اور قدرے بھوک محسوس ہوتی تھی۔ تو جو چیز کھانے کی موجود ہوتی تھی وہی آپ کھا لیتے تھے۔ صاحب مواہب نے ابن قیم سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ اس طرح تحفظ صحت ہے۔ اسے سوائے فاضل اطباء کوئی سمجھ نہیں سکتا۔ کیونکہ شہد کا شربت پینا یا صبح ناشتے کے وقت شہد چاٹنا اس سے بلغم چھٹ جاتی ہے۔ معدے کے حمولات دھلتے ہیں۔ فضلات دفع ہو جاتے ہیں اور درجہ اعتدال تک معدہ کو گرمی پہنچاتا ہے۔ جسم کے جوڑ اس سے کھلتے ہیں اور ٹھنڈے پانی سے گرمی کٹتی ہے۔ یہ سرد تر ہوتا ہے اور اس میں بھی حفظان صحت ہے بعض یوں بھی کہتے ہیں کہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا میں جو ذکر آیا ہے کہ آنحضور ٹھنڈا میٹھا پانی پسند کیا کرتے تھے۔ وہ یہی شہد کا شربت ہے۔ یا وہ نقوع ہے کھجور سے یا منقہ کا بنا ہوا۔ یہ بھی نبیذ ہے یا شربت۔ یہ بہت زیادہ نفع بخش ہے اور اس میں قویٰ میں اضافہ ہوتا ہے۔ یہ نقوع اور نبیذ کو یوں بنایا جاتا ہے کہ پہلے کھجور یا منقہ کو کوٹ پیس کر پانی میں ڈال دیتے ہیں اس سے پانی شیریں ہو جاتا ہے اسی طرح دو دن پڑا رہنے سے اس کی شیرنی سے لب چپکنے لگتے ہیں۔ اس وقت اس کو نبیذ کہا جاتا ہے لیکن اگر بنانے کے بعد فوراً پی لیں تو یہ نقوع کہلاتا ہے۔ یہ چیز اگر زیادہ تیز کر دی جائے تو مکروہ ہو جاتی ہے اور اگر اس پر جھاگ وغیرہ نمودار ہو جائے یہ شراب بن جاتی

ہے لہذا حرام ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دودھ بھی بہت پسند تھا۔ آپ فرماتے تھے کہ سوائے دودھ کے کوئی دیگر چیز کھانے اور پینے کے دونوں کام نہیں دیتی آپ کھانے کے بعد یہ دعا فرمایا کرتے تھے۔ ذونا منہ آپ کا ارشاد ہے کہ تین اشیاء ہیں اگر کوئی شخص دے تو قبولیت سے گریز نہ کرنا چاہیے۔ دودھ' تکیہ اور خوشبودار تیل۔ دیگر ایک حدیث میں بجائے تیل کے طیب یعنی خوشبو آیا ہے اور یہ معروف تر ہے۔ کسی وقت آپ خالص دودھ نوش فرماتے تھے اور کسی وقت آپ اس میں پانی ملا کر لسی بنالیتے تھے اس کا سبب یہ ہے کہ جب دودھ دوھا جاتا ہے اس وقت یہ گرم ہوتا ہے۔ اور ان ملکوں میں زیادہ تر گرمی ہوتی ہے لہٰذا دودھ کی گرمی پانی کی سردی سے ختم کرتے ہیں اور امکان یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آنسرور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لطیف مزاج کے لئے ٹھنڈا دودھ مناسب تر اور موافق تر ہو۔ بخاری میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ایک روایت آئی ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک انصاری کے باغ میں تشریف فرما ہوئے۔ آپ کے ہمراہ ایک صحابی بھی تھے۔ ایک اور روایت کے مطابق ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ وہ انصاری باغ کو سیراب کو کر رہا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے انصاری کو حکم فرمایا کہ اگر تمہارے پرانے مشکیزہ میں رات کا سرد پانی ہے۔ تو لاؤ۔ ورنہ اس کیاری سے پانی نوش فرماؤں گا۔ انصاری نے عرض کیا کہ میرے پاس مشکیزہ میں رات کا پانی موجود ہے۔ اس نے وہ پانی پیالے میں بھر کر اپنے جھونپڑے میں گیا اور بکری کا دودھ دوھ کر اس میں ملا دیا۔ آنحضرت نے وہ مشروب نوش فرمایا۔ معلوم ہوا کہ اس حدیث میں لفظ آیا ہے۔ "کرع" اس کے معانی پانی میں منہ ڈال کر پینا ہیں۔ لیکن شارحین حدیث یہاں ہاتھوں سے پانی پینا مراد لیتے ہیں اور پانی میں منہ ڈال کر نہیں۔ یعنی کہ وہ آنحضرت کے بلند مرتبہ و مقام کے مناسب کرع کو محمول گردانا درست تصور نہیں کرتے۔ جبکہ اصل میں آنحضرت بے تکلف تھے ان سے یہ بعید نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آپ اس طریق سے نوش فرمانے میں ذوق حاصل کرتے ہوں۔ (واللہ اعلم) ایک دفعہ یہ فقیر (شیخ عبدالحق)☆ اس زمانہ کے ایک صالح بزرگ کی صحبت میں تھا۔ وہ بزرگ علم حدیث رکھتے تھے۔ باغ میں کیاریوں میں پانی بہتا تھا۔ اس عزیز نے کیاری میں منہ ڈالا اور پانی پیا۔ اس وقت مجھ پر حقیقت حال کا انکشاف نہ ہوا۔ جس وقت یہ حدیث جابر رضی اللہ عنہ میرے علم میں آئی تو مجھے پتہ چل گیا اس عزیز کا وہ فعل آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث کے مطابق متابعت تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھانا کھالینے کے بعد پانی نہ پیتے تھے۔ اس لئے کہ اس سے ہضم میں فساد آتا ہے۔ اس وقت تک پانی نہ پینا چاہیے جب تک وہ قریب ہضم نہ ہو جائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیٹھ کر پانی پینے کے عادی تھے۔ (رواہ مسلم) مسلم کی ایک روایت ہے کہ آپ نے کھڑے ہو کر پانی پینے کی ممانعت فرمائی ہے اور اسی مسلم میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ کہ تم کو چاہیے کہ کوئی بھی تم میں کھڑا ہو کر پانی نہ پئے۔ اگر بھول کر بھی پی لیا ہو تو قے کر دی جائے اور پیٹ سے وہ پانی نکال دے۔ بخاری شریف اور مسلم شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں زمزم کے پانی کا ڈول لایا۔ آنحضور نے وہ

کھڑے ہو کر پیا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے کہ انہوں نے وضو فرمایا ہے اور اس کے بعد کھڑے ہو کر وضو کا باقی پانی پی لیا ہے اور فرمایا کہ لوگ کھڑے ہو کر پانی پینا مکروہ سمجھتے ہیں۔ حالانکہ میں نے اللہ تعالیٰ کے نبی کو اس طرح عمل کرتے دیکھا ہے جیسے کہ میں نے کیا ہے یہ تمام احادیث صحیح ہیں۔ ان میں اس طرح سے جمع اور تطبیق ہو سکتی ہے کہ کھڑے ہو کر پانی نوش کرنا مکروہ تنزیہی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا یہ عمل بیان جواز کی خاطر تھا۔ اور شارع علیہ السلام کے لئے جواز ہے کہ وہ مکروہ فعل کو بیان جواز کی خاطر کرے اس لئے کہ آپ کے لئے یہ واجب ہے اور آپ کی طرف اس کی نسبت کرنا مکروہ نہ ہے اور قے کا حکم مذہب اور استحباب پر محلول ہے۔ پس کھڑا ہو کر پینے والے کے لئے اس صحیح اور واضح حدیث کے مطابق قے کر دینی چاہیے خواہ اس نے بھول کر پیا ہو یا عمداً"۔ حدیث شریف میں جو نسیان کی تخصیص سے اس جانب اشارہ کیا گیا ہے کہ جو بات ترک کرنا مومن کے واسطے افضل و اولیٰ ہے وہ بات قصداً" کس طرح واقع ہو سکتی ہے۔ (کذ قالو)۔ اور مالکیوں کے مذہب کے مطابق کھڑے ہو کر پانی نوش کرنے میں قبح نہیں۔ ان کا استدلال حدیث جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے ہے۔ حضرت جبیر نے فرمایا ہے کہ میں نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ کھڑے ہو کر پانی پیتے تھے۔ اور شیخ عبدالحق ائمہ حدیث میں سے ہیں وہ حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا جواب دیتے ہے کہ یہ حدیث سند کے لحاظ سے ضعیف ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ آب زمزم اور آب وضوء کھڑے ہو کر پینا مخصوص ہے اور بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ صرف اس شخص کے لئے وہی ممانعت ہو۔ جو اپنے ساتھی لوگوں کے واسطے پانی لائیں اور انہیں پلانے سے پہلے قبل ہی خود پی لینے میں عجلت کریں۔ وہ اس اصول کے خلاف کرتے ہیں۔ ساقی القوم آخر هم شربا قوم کو پانی پلانے والا خود سب سے آخر میں پیتا ہے۔ یہاں پر حدیث کے مفہوم کو اس وجہ پر محمول کرنا صرف احتمال ہی ہے ورنہ حدیث میں اس جانب کوئی دلالت نہ ہے۔

وضوء کا پانی کھڑے ہو کر پینے میں ان حدیثوں سے اصل جواز پر ثبوت ہے اور جن احادیث میں ممانعت ہے وہ استحباب میں داخل ہیں۔ ساتھ یہ بھی شرط ہے کہ فعل و اولیٰ بیٹھ کر پینا ہی ہے۔ شارحین حدیث کے کچھ کلام سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ طبی قاعدوں کے مطابق کھڑے ہو کر پینا منع کیا گیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس کا خیال کرتے ہوئے ایسے فرمایا ہے الحاصل کلام یہ کہ کھڑے ہو کر پانی پینا عادت نہیں بنانی چاہیے ہاں کبھی کبھار ایسا کر لیا جائے تو ممانعت نہ ہو گی۔ (واللہ اعلم)

بعضوں نے کہا ہے پینے کے بارے میں قول استسقاء ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث جو مسلم شریف میں ہے وہ رفع میں صراحت نہیں کرتی بلکہ بظاہر وقف پر دلالت کرتی ہے۔ (واللہ اعلم)۔

اور امام احمد رحمتہ اللہ کے نزدیک یوں ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو دیکھا۔ وہ کھڑا ہو کر پانی پی رہا تھا۔ انہوں نے اس کو کہا یہ پانی قے کر دو۔ اس نے کہا کہ میں کیوں قے کر دوں۔ تو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آیا یہ تم کو بھلا معلوم دیتا ہے کہ تمہارے ساتھ بلی پانی پئے اس نے کہا کہ میں اسے اچھا نہیں سمجھتا۔ فرمایا کہ

اس میں کوئی شک نہ ہے کہ جس نے تمہارے ساتھ پانی پیا ہے۔ وہ بلی سے زیادہ برا ہے کیونکہ وہ شیطان ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے تین سانسوں میں پانی نوش فرمانے کے عادی تھے اور آپ فرماتے تھے۔ یہ طریقہ سیراب کرنے والا ہے۔ زیادہ پسندیدہ ہے اور شفا دینے والا ہے۔ آپ ہر سانس میں دہن مبارک سے پیالہ علیحدہ کر دیتے تھے۔ پھر آپ سانس لیتے تھے۔ آپ پیالے میں پھونکنا ممنوع فرماتے تھے اور جس وقت آپ پیالہ اپنے منہ مبارک کے نزدیک لاتے تھے۔ بسم اللہ پڑھا کرتے تھے۔ اور یوں آیا ہے کہ پہلے سانس میں کہتے تھے۔ الحمد اللہ دوسرے سانس میں فرماتے الحمد للہ رب العالمین اور تیسرے میں الحمد للہ رب العالمین الرحمٰن الرحیم پڑھتے تھے اور پینے کے بعد یہ دعا بھی ماثور ہے۔ الحمد للہ الذی عذبا فراتا برحمتہ ولم یجعلہ ملحا لوجا جابذ نوبنا نیز یہ بھی آیا ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ پانی کو چوس چوس کر پیو اور غٹ غٹ کر کے اندر نہ انڈیلو۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ برتن کی ٹوٹی مبالغہ کے ساتھ منہ میں ڈال لینا جیسے کہ بعض لوگ کرتے ہیں ممنوع ہے کیونکہ (مص) یعنی چوسنا لبوں سے ہوتا ہے لیکن اس منہ سے جدا رکھنا یا دہن سے بلند تر رکھنا بھی مص کے معانی کے موافق نہیں ہے۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنے مہمانوں کو بار بار اشرب اشرب فرماتے تھے۔ یعنی اور پیو اور پیو۔ حتیٰ کہ اس نے قسم اٹھائی اور عرض کیا کہ قسم ہے اس خدائے بزرگ و برتر کی۔ جس نے آپ کو حق کے ساتھ ارسال فرمایا ہے کہ اب بالکل کوئی گنجائش نہیں ہے۔ (رواہ البخار)۔ اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کسی جماعت کے ساتھ کھاتے تھے تو سب سے آخر پر آپ رہتے تھے۔ یعنی آپ شروع میں نہ کھاتے تھے بلکہ آخر میں ان کے ساتھ موافقت فرماتے تھے۔

حدیث میں وارد ہے کہ جس وقت دسترخوان بچھائیں تو جب تک سب فارغ نہ ہو جائیں نہ اٹھنا ہی چاہیے اور نہ کھانے سے ہاتھ کھینچیں خواہ سیر شکم ہی ہو چکے ہوں۔ اس لئے کہ اس سے دوسرے ساتھیوں کے لئے شرمندگی ہوتی ہے اور ممکن ہے کہ ابھی انہیں کھانے کی مزید حاجت ہو۔ اگر کوئی شخص آنحضرت کو مدعو کرتا اور آپ کی مہربانی کرتا اور میزبان کے ہاں جاتے ہوئے اگر کوئی اور شخص آپ کے پیچھے پیچھے ہو لیتا تو آپ میزبان کو بتا دیتے تھے کہ یہ آدمی میرے ساتھ آگیا ہے اگر تم چاہو تو یہ واپس لوٹ جائے۔ (الحدیث) اور اکابرین و پیشوایان کے ہمراہ خدام و توابع اور طفیلی بھی آتے ہیں اور یہ جائز ہے اور یہ حدیث اس بات کی مقتضی ہے کہ صاحب کو بتایا جائے اور اجازت حاصل کی جائے۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جب کبھی کسی جماعت کے ساتھ کھانا کھاتے تھے اس وقت تک باہر تشریف نہ لاتے جب تک کہ ان کے حق میں دعائے خیر نہ کرتے تھے۔ اور آپ پڑھتے تھے۔ اللھم بارک لھم فیما رزقنھم واغفر لھم ولرحمھم

نوع دوم

لباس مقدس وصل:۔ سرور عالمین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی عادت مبارک میں لباس میں کسی قسم کی وسعت یا

تنگی تکلف متصور نہ تھی۔ اس سے یہ مراد ہے کہ جو کچھ بھی میسر آتا تھا آپ زیب تن فرمالیتے تھے۔ لباس میں کوئی تعین کا تکلف نہ فرماتے تھے۔ نہ کوئی مخصوص جستجو ہی ہوتی تھی۔ آپ کسی بھی حال میں عمدہ اور نفیس لباس نہ چاہتے تھے اور ادنیٰ اور حقیر لباس پہننے کا تکلف بھی نہیں تھا۔ ہر میسر آنے والی چیز زیب تن فرمالیتے تھے احتیاج کو پورا کردینے والا لباس ہوتا تھا تو اسے کافی سمجھتے تھے۔ زیادہ تر آپ کا لباس ایک چادر۔ پیرہن اور ازار پر مشتمل ہوتا تھا۔ وہ سخت اور موٹے سے کپڑے سے بنائے ہوتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پشمینہ بھی پہن لیتے تھے۔ نقل کیا گیا ہے کہ آنحضرت کی چادر مبارک میں کئی کئی پیوند لگے ہوئے تھے۔ جو آپ اوڑھتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں ایک بندہ ہی ہوں۔ اور بندوں کی طرح لباس پہنتا ہوں (رواہ شیخین) اگر کسی وقت عجمی بادشاہ آنحضرت کی خدمت میں اچھے نفیس اور قیمتی لباس بطور ہدیہ بھیجتے تھے تو صرف ان کی تالیف قلوب کے پیش نظر پہن لیتے تھے۔ لیکن جلدی ہی بعد میں وہ لباس اتار دیتے تھے اور لوگوں کو دے دیتے تھے۔ آپ میں انصاف اور عالی ہمتی تھی۔ لہٰذا لوگوں میں تقسیم کرتے وقت مساوات قائم رکھتے تھے۔ اور عمدہ لباس زیب تن کرنا اور اپنے آپ کو زیب و زینت دینا پھر اس پر فخر کرنا شرف و جلالت کے حامل بزرگوں کی شان کے لائق نہیں ہے۔ بلکہ یہ عورتوں کے اوصاف و علامات ہوتی ہیں۔ محمور یہ ہے کہ لباس صاف ستھرا اور پاک ہو اور میانہ روی اختیار کر کے ہم جنسوں کی مشابہت رکھی جائے یہ چیز مروت کے خلاف نہ ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں وارد ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ کے نزدیک مومن کی خوبیوں میں سے پسندیدہ تر خوبی صاف لباس کا پہننا اور تھوڑے پر راضی رہنا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے نزدیک گندے کپڑے مکروہ تھے۔ آپ کو غلیظ لباس پسند نہ تھا۔ ایک دفعہ آنحضرت نے غلیظ کپڑوں میں ملبوس ایک آدمی دیکھا۔ تو ارشاد فرمایا کہ کیا اس کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں جس سے یہ کپڑوں کو دھولے۔ اسی طرح آپ نے ایک شخص دیکھا۔ جس کے بالوں میں میل تھا اور بال الجھے ہوئے تھے اس کی حالت بری تھی تو آپ نے فرمایا کیا ایسا بھی کوئی تم میں آیا ہے۔ اس سے مراد تھا کہ یہ شیطان ہے اور تزئین کی خاطر تکلف و مبالغہ کو بھی آپ اچھا نہ سمجھتے تھے سفر اساوۃ میں آیا ہے کہ لباس کے بارے میں تکلف کو برطرف رکھنا آنحضور کی عادت مبارکہ تھی۔ آنحضرت کے بعد عوام دو جماعتوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک جماعت وہ لوگ ہوئے جو تزئین و پھبن اور عمدہ لباس پہننے لگے اور اسی کے وہ شوقین ہو گئے دوسری جماعت ان لوگوں کی ہوئی۔ جو سخت اور درشت کپڑے پہننے لگے اور اسی کے وہ شوقین ہو گئے۔ دوسری جماعت ان لوگوں کی ہوئی۔ جو سخت اور درشت کپڑے پہننے لگے اور خستہ حالت اختیار کی اسی میں وہ مست ہو گئے۔ یہ دونوں طریقے خلاف طریق نبوت ہیں۔ ہر حالت میں میانہ روی اور تکلف کا نہ ہونا ہی بہتر ہے۔ کوئی شبہ نہیں ہے کہ اسلاف کی سیرت علماء سلف اور زہاد و عابدین کی خستہ حالی پر مشتمل ہے اور ان کی مدح اور تعریف میں احادیث بھی وارد ہوئیں اور روایت میں آیا ہے کہ البذوۃ من الایمان حتہ حالی ایمان سے ہے اور احادیث آراستگی، تحسین ہیئت اور صاف لباس کے حق میں بھی وارد ہوئی ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جب تکبر و غرور کی مذمت کرتے تھے تو صحابہ پوچھتے تھے یا رسول اللہ! آدمی کو پسند ہوتا ہے کہ عمدہ کپڑے ہوں جوتے بھی اچھے ہوں تو آنحضرت فرماتے

تھے۔ ان اللہ جمیل یحب الجمال الکبر بطر والحق بے شک اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال کو پسند فرماتا ہے اور تکبر اللہ سے سرکشی ہے۔ مراد یہ ہے کہ لباس اور ہیت میں تجمل اور تحسین کرنا تکبر نہیں ہوتا۔ کبر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے سرکشی ہو۔ دیگر ایک حدیث میں آیا ہے کہ۔ ان اللہ نظیف یحب النظافت بے شک اللہ پاک و صاف ہے۔ اور پاکی اور صفائی کو وہ پسند کرتا ہے۔ ایک صحابی نے فرمایا کہ مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس حالت میں دیکھا کہ میرے جسم پر بڑی تھوڑی قیمت والے کپڑے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ کیا تمہارے پاس از قسم مال ہے؟ میں نے عرض کیا کہ ہاں۔ اللہ تعالیٰ کی ہمہ قسم از مال و دولت مجھ پر نوازش ہے۔ اونٹ ہیں بکریاں بھی میرے پاس ہیں۔ اللہ نے فرمایا تو پھر تمہارے جسم سے اللہ تعالیٰ کی نعمت و بخشش کا اظہار ہونا چاہیے مطلب یہ تھا کہ تم اپنی تونگری کے مطابق اپنا لباس پہنو اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر ادا کرو۔ دوسری ایک روایت میں آیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی جانب سے تمہیں مال عطا ہوا ہے تو اس کی اس نعمت کا اثر تمہارے اجسام پر نظر آنا چاہیے اور تم سے اسکی علامتیں دکھائی دیں۔ آپ نے اس الجھے بالوں والے شخص سے فرمایا۔ کہ کیا یہ آدمی کوئی ایسی شے نہیں پاتا جس سے اپنے سر کو یہ تسکین دے سکے۔ میلے اور گندے کپڑوں والے شخص کو دیکھ کر فرمایا کیا یہ آدمی کوئی ایسی شے نہیں پاتا ہے جس کے ساتھ یہ اپنے کپڑوں کو دھوئے۔ روایت میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اپنی نعمتوں کا اثر دیکھنا پسند فرماتا ہے۔ لہٰذا ظاہری جمال اور زیبائش اللہ تعالیٰ کی نعمت شکر ادا کرنے کا موجب ہے۔ جو باطنی لباس ہے۔ اسی طرف اشارہ ہے "لباس التقویٰ" اللہ تعالیٰ کے ارشاد ہے۔ یا بنی آدم قد انزلنا علیکم لباسا یولری سواتکم وریشا ولباس التقویٰ ذالک خیر اے بنی آدم تمہارے اوپر ہم نے ایسا لباس نازل کیا ہے جو تمہاری شرمگاہوں کو پوشیدہ کرتا ہے اور زینت بخشتا ہے اور تقویٰ کا لباس نازل کیا ہے۔ یہ بہتر ہے پس آدمی کو اپنا ظاہر و باطن پاک اور ستھرا رکھنا چاہیے اور اپنا دل اور زبان بھی صدق و اخلاق سے آراستہ کرنا چاہیے۔ اور اس کے اعضاء اور جوارح طاقت اور نظافت کے زیور سے آراستہ کرے' اس جگہ نجاستوں سے بدن کی صفائی کا حکم ہے اور مکروہ بالوں کا مونڈنا وارد ہوا ہے مطلب یہ کہ بغلوں کے بال اور زیر ناف کے بال صاف کرے۔ ختنے کرائے اور اپنے ناخن بھی تراشے۔ یہ تمام مسنون امور ہیں اور فطرت انہیں چاہتی ہے۔ فطرت سے مراد ہے۔ سابقہ انبیاء کی سنتیں یہ سب نیت پر منحصر ہے۔ اور اچھا لباس پہننے سے مقصد یہ ہو کہ نفسانیت۔ تکبر غرور اور دنیاوی شان و شوکت ظاہر کی جائے۔ زیبائش اور نفس کی شوکت کا اظہار ہو اور فقراء پر فوقیت دکھانا' اور ان کے دلوں کو مجروح کرنا ہو تو مذموم اور قبیح ہے جس طرح کہ منافقین کی مزمت کرتے ہوئے آیا ہے۔ واذا رایتہم تعجبک اجسامھم جب تم لوگ ان کو دیکھو تو ان کے جسم تم کو حیرانی میں ڈال دیں گے۔ اس طرف اشارہ حدیث شریف میں بھی کیا گیا ہے۔ ان اللہ لا ینظر الی صولرکم واموالکم وانما ینظر الی قلوبکم اعمالکم جس طرح کہ مواہب میں مسلم شریف کی حدیث روایت کی گئی ہے اور کچھ روایات میں آیا ہے۔ ان اللہ لا ینظر الی صورکم واعمالکم وینظر الی قلوبکم ونیاتکم

اگر تجمل و تحسین سے تمہاری مراد نعمت الٰہیہ کو ظاہر کرنا۔ شوکت علم اور عزت دین۔ جمال و حال اور دین کے احکام کی

پیروی کرنا ہے تو ممدوح و محمود ہے۔ ایسے علماء و زہاد اور عبادت کرنے والے کثرت سے ہوئے ہیں۔ جو نفیس ترین اور عمدہ ترین لباسوں میں ملبوس ہوتے تھے۔ اس عمل میں ان کی نیک نیتی کار فرما تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بذات خود بھی وفدوں کے لئے تجمل فرماتے تھے۔ آپ جمعتہ المبارک اور عیدین پر بھی زیبائش و آرائش فرمایا کرتے تھے اور علیحدہ مستقل لباس محفوظ رکھتے تھے۔ علماء کا قول ہے کہ ایسا لباس زیب تن کرنا اس طرح ہے۔ جیسے کہ قتال کے واسطے ہتھیار لگانا ہے۔ قیمتی کپڑوں میں ملبوس ہونا اور ان اشیاء ایسا کرو فرد کھانا جس میں کلمتہ اللہ کی برتری اور فتح مندی دین شامل ہو۔ دراصل یہ دین کے دشمنوں پر سختی اور ان کو جلانے کے لئے ہے کہ وہ کڑھتے رہیں۔

کچھ لوگ اس لئے بھی عمدہ کپڑے پہنتے ہیں تاکہ ان کی دولت مندی کا اظہار ہو اور محتاج و سائل لوگ ان کی طرف توجہ کریں اور اپنی ضروریات ان سے حاصل کریں۔ اسی طرح حقیر لباس زیب تن کرنے میں بھی تفصیل کرتے ہیں۔ اگر یہ ادنیٰ لباس کنجوسی سے یا لوگوں کے مال میں لالچ اور اپنی احتیاج ظاہر کرنے کے لئے پہنا جائے تو یہ مذموم ہے مقبوح ہے اور اگر دنیا کی زینت اور سامان سے عدم رغبت مقصد ہو اور جو ملے وہی پہنے اور ایثار و قناعت کرے تو محمود ہے اور جس کے دل میں یہ دونوں مقاصد نہیں ہوتے۔ تو اس کا عمدہ لباس پہننا محمود بھی نہیں اور مذموم بھی نہیں۔ (کذا فی المواہب)

بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ قسم دائرہ اباحت سے باہر نہیں۔ زیبائش و آرائش کی جملہ صورتوں میں فضیلت و استحباب میں کلام ہے۔ اس کی اصل اباحت میں بالکل کلام نہ ہے۔ مواہب لدنیہ میں سوال کے طریقے پر ایک کلام لا کر کہا ہے کہ بے شک سلف صالحین کی سیرت میں بدہیئت اور لباس کی بوسیدگی شامل تھی پھر اس کا سبب کیا ہے کہ صوفیا شاذلیہ کپڑے پہننے میں حسن و جمال اور زینت کا لحاظ کرتے ہیں جبکہ وہ اتباع سنت اور سلف صالحین کی پیروی کے طریقے پر ہیں۔ اس سوال کے جواب میں بعض علماء کی بحث درج کی ہے جو بڑی جامع فیصلہ کن اور نفع بخش ہے۔ وہ بحث یہ ہے کہ سلف صالحین کو جب یہ نظر آیا کہ غافل لوگ اور دنیا میں مشغول لوگ اپنی ظاہری زیب و زینت میں ہی مبتلا ہو کر رہ گئے ہیں اور دنیا کے مال پر انہیں بڑا فخر و مباہات ہے اور اسی سے وہ مطمئن ہیں تو یہ صوفیاء حضرات ان کی مخالفت کرنے لگے بایں قصد و ارادہ کہ ظاہر کیا جائے کہ ان غفلت شعار لوگوں کو جو چیز بڑی عزیز ہے وہ اصل میں بڑی حقیر اور ذلیل ہے اور اللہ تعالیٰ نے بھی اس کی تحقیر فرمائی ہے۔ اور غافل لوگ جس چیز کے اتنے محتاج ہیں۔ وہ اس سے بالکل ہی مستغنی ہیں۔ اور صوفیاء نے ان غافل حضرات کی مرغوب و محبوب اشیاء سے نفرت ظاہر کی اور زہد اپنا لیا۔ ان حضرات قدسی کو اللہ تعالیٰ نے جو کچھ عطا فرمایا۔ یہ حضرات ان نعمتوں کا شکر ادا کرنے لگے۔ اسی حال پر جب عرصہ بعید گزرا اور اس امر میں فساد کو راہ ملی۔ اس کی حقیقت کے عدم ادراک سے دل سیاہ ہو گئے اور طریق غفلت نے دوسرا پہلو اختیار کر لیا۔ تو کچھ حضرات بدہیئتی اور لباس کی دریدگی و بوسیدگی کے پردے میں حصول دنیا میں حیلے ڈھونڈنے لگے اور معاملہ بالکل الٹ ہو گیا اور ترک دنیا والا طریقہ ہی حصول دنیا کا ذریعہ بنا۔ لہٰذا کچھ اہل طریقت محققین نے جیسے کہ مشائخ شاذلیہ ہیں اور ان کے پیروؤں نے اس کو ترک کر دیا۔ بدہیئتی اور کہنگی لباس سے کنارہ کش ہو گئے اور بڑی دانائی اور حقیقت کی نظر کے ساتھ اس کو وہ سلف صالحین کی موافقت تصور کرنے لگے اور اس

میں انہوں نے ان کی مخالفت خیال نہ کی۔ گو اہل ظاہر کے لئے یہ سلف صالحین کے مخالف ہی نظر آتا ہے۔

استاذ ابوالحسن شاذلی اپنے سلسلہ کے مقتداء رئیس ہیں انہوں نے فرمایا ہے کہ ان بد ہیئتی اختیار کرنے والوں سے اگر اس پر کسی کو اعتراض ہوتا ہے تو جمال ہیئت اور لباس کا تجمل خود ہی جواب دیتے ہیں کہ اے معترض آدمی! میری یہ ہیئت و تجمل اپنی زبان حال سے کہہ رہا ہے الحمد للہ یعنی کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ مجھے اس نے مخلوق سے مستغنی کیا ہے اور تیری ہیئت اور تیرا بوسیدہ لباس پکارتا ہے کہ اے دنیا والو مجھے اپنی دنیاء سے کچھ عطا کرو۔ ان حضرات شاذلیہ کے افعال حکمت و معانی پر مبنی ہیں اور نیک نیتی کے حامل ہیں۔ اب ہم کچھ وصلیں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے لباس کے متعلق اور اس کی اقسام کا بارے میں بیان کریں گے۔

آنحضرت کا عمامہ مبارک:۔ معلوم رہے کہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا عمامہ مبارک اس قدر وزن دار اور بڑا نہ ہوتا تھا کہ سراقدس پر بوجھ محسوس ہو اور اس قدر چھوٹا ہلکا بھی نہ ہوتا تھا کہ سراقدس پر تنگ ہو۔ روایت میں ہے کہ آپ کا عمامہ مبارک شرعی چودہ گز سے زیادہ نہ ہوتا تھا۔ کبھی شرعی سات گز بھی ہوتا تھا۔ شرعی گز ایک ہاتھ کے برابر ہوتا ہے۔ یہ ہاتھ بیچ والی انگلی سے لے کر کہنی تک ہوتا ہے۔ یہ دو بالشت کی مقدار کا ہوتا ہے۔ یعنی چوبیس انگل جو مقدار میں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے حرفوں کے شمار کے برابر۔ یہ حرف بھی چوبیس ہوتے ہیں۔

بعض مقامات میں مثلاً حوض کی پیمائش کرنے میں ذراع کرباسی کا ذکر آیا ہے ذراع کرباسی وہ گز ہوتا ہے جس سے کپڑا ناپتے ہیں۔ یہ گز ہر قوم اور ہر زمانہ میں رائج رہا ہے۔ (یہ تین فٹ ہوتا ہے)۔ لیکن عمامہ کے بارے میں بھی اس کا اعتبار جائز ہونا ممکن ہے۔ (واللہ اعلم) علماء نے کہا ہے کہ مقدار معہود پر تھوڑا سا زیادہ کر لیا جائے تو اس میں مسامحت کرتے ہیں۔ دوسری ایک روایت میں جو ہے کہ عمامہ اہل شرک اور اہل اسلام کے درمیان حاجز ہے یعنی کہ امتیازی نشان ہے وہ عمامہ شملے والا ہے۔ جیسے کہ حدیث کے سیاق سے ظاہر ہے۔ (عذبہ شملہ کو کہتے ہیں) حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا بھی ایک عمامہ تھا۔ اس کا نام سحاب تھا۔ آنحضرت کے تمام کپڑوں۔ گھوڑوں اور سواری کے جانوروں کے علیحدہ علیحدہ تجویز کئے ہوئے نام تھے۔ جیسے کہ یہ کتاب ہذا کے آخر پر آئے گا۔ عمامہ کے نیچے سر سے لگی ہوئی ٹوپی ہوا کرتی تھی۔ آنحضرت کی ٹوپی سفید ہوتی تھی۔ روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ہمارے اور مشرکوں کے درمیان فرق عمامہ باندھنا ہے۔ اس عبارت میں دو معانی کا احتمال موجود ہے۔ ایک یہ ہے کہ ہم ٹوپیوں پر عمامے باندھتے ہیں اور مشرک نہیں باندھتے ٹوپیوں پر۔ دوسرا یہ ہے کہ وہ لوگ بلا عمامہ ٹوپیاں پہنتے ہیں۔ اس سے بھی پہلے ہی مراد ہیں کیونکہ یہ تو ثابت ہے کہ مشرک لوگ بھی عمامے باندھا کرتے تھے۔ واللہ اعلم۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم عمامہ باندھتے وقت سدل فرماتے تھے۔ یعنی آپ سرا چھوڑا کرتے تھے۔ (رواہ ترمذی فی الشمائل عن ابن عمر رضی اللہ عنہما) مسلم نے اس قدر زیادہ کیا ہے کہ قد لوخی طوفہا بین کتفیہ بلاشبہ آپ دونوں شانوں کے درمیان عمامے کا سرا لٹکاتے تھے۔ اس کو عذبہ۔ ذوابہ اور شملہ کہا جاتا ہے اور اس کو سنت عمامہ کہا جاتا

ہے۔ علاوہ ازیں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عمامہ باندھنے میں تدویر (گولائی) فرماتے تھے۔ اپنی دستار مبارک کے پیچ سر مبارک کے گرد لپیٹ لیتے تھے اور اس کا سرا عمامہ کے ساتھ اڑس دیتے تھے۔ دوسرا سرا چھوڑ دیتے تھے۔ اس کو لٹکا لیتے تھے۔ مسلم شریف میں عمرو بن حریث کی حدیث آئی ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منبر اس حال میں تشریف فرما دیکھا کہ آپ کے سر اقدس پر سیاہ رنگ کا عمامہ بندھا تھا۔ اس کا ایک سرا دونوں شانوں کے درمیان میں لٹکتا تھا اور جابر رضی اللہ عنہ والی حدیث میں ذوابہ (شملہ) کا ذکر نہ ہے۔ لہٰذا اس سے یہ دلالت ہوتی ہے کہ ہر جگہ پر ہمیشہ شملہ نہ چھوڑتے تھے۔ (کذانی المواہب) بخاری شریف میں آیا ہے کہ فتح مکہ کے دن جب سرور عالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم داخل ہوئے تھے اس وقت سر اقدس پر خود پہنا ہوا تھا۔ علماء کہتے ہیں کہ مکہ میں داخل ہونے کے وقت حضور کے جسم اقدس پر ہتھیار لگے ہوئے تھے اور سر اقدس پر خود پہنا ہوا تھا اور دستار نہیں تھی۔ آپ ہر مقام پر مناسبت کے لحاظ سے لباس پہنا کرتے تھے۔ کچھ علماء ان دونوں میں جمع کرتے ہیں کہ مکہ میں داخل ہوتے ہوئے شروع میں سر مبارک پر خود تھا۔ داخل ہو چکنے کے بعد آپ نے سیاہ عمامہ کے اوپر سے خود پہنا۔ عمرو بن حریث کے قول کے مطابق یعنی آنحضرت نے خطبہ ارشاد فرمایا اور آپ کے سر اقدس پر سیاہ رنگ کا عمامہ تھا۔ کیونکہ یہ خطبہ در کعبہ پر دیا تھا۔ جبکہ فتح مکمل ہو گئی تھی۔ ابن اعرابی کا قول ہے کہ جمع میں بہ نسبت اول کے یہی اولیٰ و افضل ہے۔ اس کا پورا ذکر فتح مکہ کے باب میں آئے گا۔ انشاء اللہ۔

حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے سر پر عمامہ پہنایا۔ اس کا سرا میری پشت پر دونوں کندھوں کے درمیان لٹکا دیا۔ روایت میں آیا ہے کہ بدر اور حنین کے روز مسلمانوں کی مدد کرنے کے لئے ملائکہ آئے تھے۔ وہ اسی طور سے عمامے باندھے ہوئے تھے۔

علماء نے فرمایا ہے کہ شملہ کی لمبائی کم از کم چار انگل ہے اور زیادہ سے زیادہ نصف کمر تک اس سے زیادہ لمبائی اسبال میں شمار ہے۔ وہ حرام اور مکروہ ہے۔ عزبہ (شملہ) کی بجائے تحنیک بھی روایت میں آیا ہے۔ تحنیک کا مطلب ہے شملہ کو بائیں جانب سے ٹھوڑی تالو کے نیچے سے نکال کر دائیں طرف عمامہ میں گھسیڑ دینا علماء نے کہا ہے کہ تحنیک اور شملہ کے بغیر عمامہ باندھنا مکروہ ہے یہ اس لحاظ سے کہ یہ موکدہ سنت ہے۔ اگر اس سے تنزیہی کراہت مراد لیا جائے تو نتیجتاً اس کا ترک اولیٰ اور افضل ہے۔ (واللہ اعلم)۔

حضور کا پیراہن اور تہبند مبارک:۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا پیرہن مبارک کی آستینیں پنچوں تک لمبی ہوتی تھیں۔ اس سے زیادہ لمبائی حرکت و گرفت کی سرعت میں رکاوٹ ہوتی ہے اگر اس سے کم لمبائی ہو تو گرمی اور سردی سے ہاتھوں کو بچا نہیں سکتی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سب افعال اور اوضاع حکمت و معانی پر مبنی تھے جن کی بنیاد اعتدال اور مناسبت ہے اور ایسے ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیرہن شریف اور چادر مبارک کا دامن بھی پنڈلیوں کے نصف تک لمبے ہوتے تھے اور آپ کا تہبند شریف ٹخنوں سے نیچے ہرگز نہ رکھتے تھے۔ گویا کہ لفظ جمع کے ساتھ انصاف

سے مراد یہ ہے کہ یہ اشارہ ہے کہ نصف کی حقیقت جو کہ وسط حقیقی ہے شرط نہیں طبرانی نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور فرمایا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے مجھ کو دیکھا۔ میرا تہبند ٹخنوں سے نیچے تھا۔ آنحضرت نے ارشاد فرمایا۔ اے ابن عمر! جو کپڑا زمین کے ساتھ لگے وہ دوزخ کی آگ میں ہے۔ بخاری شریف میں آیا ہے کہ تہبند کا ٹخنوں سے نیچے والا حصہ آتش میں ہے۔ یہ مردوں کے واسطے حکم ہے۔ عورتوں کے لئے لمبا کرنا اور لٹکانا جائز ہیں۔ جس وقت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ! عورتیں کس طرح کریں؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ایک بالشت تک بڑھالیں عرض کیا گیا کہ پھر بھی پاؤں ننگے رہ جاتے ہیں۔ ارشاد فرمایا کہ ایک ہاتھ تک بڑھالیں۔ لیکن اس سے زیادہ نہ کیا جائے۔ یہ تہبند اور قمیض کے دامن کے بارے میں ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ عورتوں کے لئے زمین کے ساتھ دامن چھونا جائز ہے۔

یہ بھی معلوم رہے کہ اسبال (لٹکانا) تہبند کے لئے مخصوص نہیں بلکہ اس میں قمیض اور عمامہ بھی شمار ہیں۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں اس کی تصریح کی گئی ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اسبال تہبند۔ قمیض اور عمامہ میں ہوتا ہے۔ جو کوئی بھی ان میں رعونت اور تکبر کے طریقے سے گھسیٹا ہے۔ وہ.... (الحدیث) لیکن زیادہ تر احادیث وہ ہیں جن میں اسبال صرف تہبند کے بارے میں آیا ہے۔ یہ کثرت وجود کے لحاظ سے ہے اور ثوب کے لفظ کے ساتھ مللقا" بھی وارد ہوا ہے۔ لیکن حدیث کا مفہوم عمامہ میں مخفی ہے لہٰذا اس کا مطلب ہے شملہ کی حد سے زیادہ لمبائی اور آستین کی درازی بھی اس حکم میں شامل ہے۔ جس طرح کہ اہل حجاز کی عادت ہے آستینیں لمبی رکھنا۔ صاحب مواہب نے قیم سے نقل کیا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ کھلی اور لمبی آستینیں رکھنا جیسے کہ تھیلے ہوتے ہیں اور برجوں کی طرح کے عمامے باندھنا یہ نئی ایجاد شدہ رسم ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے بالکل نہیں کیا ہے اور نہ ہی یہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا فعل ہے۔ یہ خلاف سنت ہے اور غرور اور تکبر میں داخل ہے اور چند دیگر علماء سے نقل کرکے کہتے ہیں کہ کوئی اہل فہم اور صاحب بصیرت ایسا نہیں ہے۔ جس پر یہ پوشیدہ ہو کہ یہ بہت لمبی آستیں جو لوگوں میں مروج ہیں ان میں اسراف پایا جاتا ہے اور مال ضائع ہوتا ہے۔ جو کہ منع فرمایا گیا ہے۔ لیکن عوام میں یہ ایک اصطلاح بن چکی ہے کہ ہر قوم کے کچھ مخصوص شعار و علامات ہوتی ہیں جن کے باعث ان کی شناخت اور تخصیص ہوتی ہے۔ پھر بھی ان میں جو بات بھی "خیلا" یعنی غرور یا تکبر کے طریق پر پائی جائے وہ حرام ہوتی ہے جس میں کہ ہرگز کوئی شک نہیں ہے اور جو چیز عادت میں داخل ہو اس میں کوئی حرمت نہیں تا آنکہ اس حد کو نہ پہنچ جائے جو کہ لباس کی درازی اور کشادگی کی ممانعت کی ہے۔ قاضی عیاض رحمتہ اللہ سے نقل کیا گیا ہے کہ جو عادت سے زائد ہو اور عام لمبائی و کشادگی سے بڑھ کر ہو وہ مکروہ ہے۔ (انتہیٰ)۔ لباس کی لمبائی اور کشادگی کے بارے میں مذکورہ اقوال علماء سے حرمت و کراہت کی صراحت ہو گئی ہے۔ لیکن لیکن عادت و معتاد کے الفاظ سے یک نوع جواز کی جانب اشارات ہے۔ اس میں ان کو معذور سمجھتے ہیں کچھ اکابر حرمین شریفین زادہما تعظیما" و تشریفا" سے سننے میں آیا ہے کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ اس طریقے کا لباس پہننا ہمارا اشعار اور عرف بن گیا ہے اگر ہم ایسا نہ کریں تو ہما ری پہچان نہیں ہو سکتی۔ اس سے ہماری عزت باقی نہیں رہتی۔ لیکن کلام تو اس امر میں ہے کہ اس طرح کہ عرف یا شعار اختیار کرنے کی وجہ

کیا ہے جو کہ سنت کے خلاف ہے۔ (واللہ اعلم)۔

بہر حال تہبند وغیرہ کے بارے میں درازی اور اسبال کے متعلق حرمت و کراہت میں جو کچھ آیا ہے اس کے ساتھ تکبر اور تزئین کے ارادہ کی شرط ہے۔ جس مقام پر اس قسم کا قصد نہیں ہوتا۔ جیسے کہ مروی سے بچاؤ کرنا یا کوئی دیگر عذر ہو تو وہ اس حرمت و کراہت میں داخل نہیں ہے۔ حدیث شریف میں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی عادت و وضع تھی یعنی ان کا تہبند لٹکا ہوا تھا اور اسبال کی حالت میں وہ بیٹھ جاتے تھے اس کی ممانعت ہو گئی تو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بارگاہ میں گزارش کی کہ میرے تہبند کا حال اس طرح ہوتا ہے لہٰذا مجھے کیا کرنا چاہیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ معذور اور متکبرین کا معمول و عادت جو کچھ ہے تم اس سے نہیں۔

معلوم رہے کہ یہاں لفظ ازار مستعمل ہوا ہے اور اس کے معانی ہیں تہبند۔ لیکن عجم میں جو ازار مروج ہے اسے عرب میں سراویل کہا جاتا ہے اور ہمارے ہاں جو پائجامہ کہلاتا ہے۔ اس کے متعلق علماء میں اختلاف ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے وہ پہنا ہے یا کہ نہیں پہنا۔ کچھ علماء یقین رکھتے ہیں کہ آپ نے اسے پہنا ہے۔ ابویعلی موصلی نے اپنی مسند میں ضعیف سند کے ساتھ روایت درج کی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے۔ کہ میں ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ بازار گیا۔ آنحضرت ایک بزاز کی دوکان پر گئے اور چار درہم قیمت ادا کر کے ایک سراویل (پاجامہ) خرید فرمایا۔ بازار والوں نے آدمی تولنے والا رکھا ہوا تھا۔ وہ درہم کا وزن کرتا تھا۔ آنحضرت نے اس سے فرمایا کہ وزن کرو اور خوب اچھی طرح وزن کرو۔ یہ سن کر وزان بولا کہ میں نے کبھی کسی شخص سے ایسی بات نہیں سنی۔ تو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وزان سے مخاطب ہوئے کہ تجھ پر افسوس ہے کہ کیا تجھے معلوم نہیں ہے کہ آپ ہمارے نبی ہیں وزان ترازو پھینک کر آنحضرت کے مقدس ہاتھوں کی سمت جھکا۔ اور آپ کے ہاتھ مبارک چومنے چاہے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنا ہاتھ پیچھے کر لیا اور اس سے ارشاد فرمایا کہ اس طرح عجمیوں کا معمول اپنے بادشاہوں سے ہے۔ اور میں بادشاہ نہیں بلکہ میں تم میں سے ہی ایک انسان ہوں۔ آنحضرت نے وہ سراویل (پائجامہ) خرید لی۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں اسے اٹھا لینا چاہا۔ تو آنحضرت نے فرمایا کہ زیادہ حقدار مال کا مالک ہوتا ہے۔ کہ وہ اٹھائے سوائے اس کے کہ وہ کمزور ہو یا کوئی اسے مجبوری لاحق ہو اور اس کے پاس اٹھانے کی قوت نہ ہو۔ اس طرح کا مسلمان بھائی ہو تو اس کا مال اٹھانے میں اس کی مدد کرنی چاہیے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ میں نے گزارش کی یا رسول اللہ! کیا آپ نے یہ سراویل زیب تن کرنے کے لئے خریدی ہے۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں۔ میں یہ سراویل سفر و حضر میں اور دن رات پہنا کروں گا۔ کیونکہ مجھ کو اچھی طرح ستر پوشی کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس سے زیادہ ستر پوشی لباس میں نے اور کوئی نہیں دیکھا۔ کثرت کے ساتھ محدثین ہیں جنہوں نے یہ روایت ضعیف سند کے ساتھ درج کی ہے۔ لیکن صحت کے ساتھ یہ ثابت نہیں کہ آپ نے پاجامہ خریدا۔ ہدایہ میں آیا ہے کہ سراویل کا خرید فرمانا پہننے کی خاطر ہی تھا اور مروی ہے کہ آنحضرت نے اس کو پہنا تھا اور صحابہ بھی آپ کی اجازت سے اسے پہنا۔ واللہ اعلم۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا سب سے زیادہ پسندیدہ لباس قمیص ہے گو آپ تہبند اور چادر بھی عام پہنتے تھے۔ لیکن آپ کو قمیص زیب تن کرنا زیادہ پسند تھا۔ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت کا لباس سوتی ہوتا تھا۔ تنگ دامن والا اور آستین والا ہوتا تھا اور آپ کی قمیص میں تکمے ہوئے تھے (گھنڈیاں)۔ اس میں شک نہیں کہ یہ بات علماء۔ محدثین اور عرب کے تمام ملک میں معروف ہے کہ آنحضرت کی قمیص کو سینہ کے مقام پر جیب لگی ہوئی تھی اور قمیص کی یہ سنت ہے۔ ماورا النہر میں پاک و ہند میں گردن کی دونوں جانب دو تکمے معروف ہیں۔ عربی علاقہ میں یہ عورتوں کے لئے معروف ہیں اور مردوں کے سینہ کے مقام پر تکمے لگے ہوتے ہیں اور ادھر کے شہروں میں اس کے برعکس اصطلاح ہے۔

حکایت:۔ مجھے ابھی تک یہ یاد ہے کہ ایک روز میں حرم شریف کے اندر ایک ہندوستانی ساتھی کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی قمیص کو تکمے تھے جس طرح کہ ہمارے ملک میں رواج ہے۔ ایک عالم جو کہ عربی تھے بار بار میرے سامنے آتا اور جاتا تھا اور اس ہندی کو بار بار دیکھتا تھا۔ اس عربی عالم سے کہا کہ یا سیدی آپ کیا دیکھتے ہیں اور کس چیز کی جستجو فرما رہے ہیں۔ وہ عالم کہنے لگے کہ یہ شخص شرم محسوس نہیں کرتا یہ عورتوں کی طرح کے کپڑے پہن کر حرام الٰہی میں بیٹھا ہے۔

معاویہ بن قرہ نے اپنے والد سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا ہے کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت اقدس حاضر ہوا تاکہ میں آنحضرت کی متابعت کروں۔ میں دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے لباس کے تکمے کھلے ہیں۔ میں نے آنجناب کی قمیص کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور مہر نبوت کو مس کیا۔ (رواہ ترمذی) علامہ سیوطی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث بتاتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی قمیص پر جیب موجود تھی جو شخص اس کا علم نہیں رکھتا اس کا خیال اس کے برعکس ہے۔ انتھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی چادر مبارک طول میں چار شرعی گز تھی اور عرض میں دو گز شرعی اور ایک بالشت تھی۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی علیہ والہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ آپ اس وقت ازار لئے ہوئے تھے۔ وہ حرکت کرتا تھا۔ روایت ہوا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا تہبند مبارک آگے کی جانب سے لٹکا ہوتا تھا اور پیچھے کی طرف سے آپ اس کو اونچا رکھا کرتے تھے۔ جناب ابن عباس سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ زیر ناف تہبند باندھے ہوئے دیکھا۔ ابو بردہ بن ابی موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ شب مرقع کے دوران حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ہماری خاطر تہبند اور چادر شریف نکالے اور دکھائے۔ اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان کپڑوں میں اس موجودہ حالت میں وصال فرمایا تھا۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا جبہ مبارک تھا ان کے وصال کے بعد وہ جبہ میں نے لے لیا تھا۔ بیماروں کی شفا کے واسطے ہم وہ جبہ دھو کر ان کو پلاتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے رومی جبہ زیب تن فرمایا ہے جس کی آستینیں تنگ تھیں۔ آپ وضوء کرنے کے لئے اپنے بازو باہر نکال لیتے تھے اس طرح دوران سفر کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ دوران سفر تنگ لباس سے ملبوس ہوتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو حرہ زیب تن فرمانا پسند ہوتا تھا حرہ چادر کی ایک قسم تھی اس پر سرخ رنگ کی دھاریاں ہوتی تھیں اور جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ چاندنی رات کے دوران میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو دیکھا تھا۔ جناب والا کے جسم اقدس پر سرخ رنگ کا جوڑا پہنا ہوا تھا۔ کبھی آپ کی طرف میں دیکھتا تھا اور کبھی چاند کی طرف اور میرے نزدیک آپ جناب چاند سے بڑھ کر حسین تھے۔ براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے بتایا کہ میں نے کسی کو بھی نہیں دیکھا اور ایک روایت کے مطابق ہے کہ کسی چیز کو نہیں دیکھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سرخ جوڑے میں ملبوس سے زیادہ حسین ہو۔ ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ میں نے کوئی خمدار زلفوں کے حامل شخص کو سرخ جوڑے میں ملبوس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے حسین تر نہیں دیکھا ہے۔ حلیہ شریف کے باب میں یہ تحقیق اس سے قبل گزر چکی ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم عیدین پر اور جمعۃ المبارک پر سرخ رنگ کا حلہ زیب تن فرماتے تھے۔ حلہ جوڑے کو کہا جاتا ہے اور یہ چادر اور تہبند پر مشتمل ہوتا ہے۔ حلہ دو کپڑوں کو کہا جاتا ہے (جوڑا) یا استرداد کپڑے کو کہا جاتا ہے اور حمراء یا احمر سرخ دھاریوں والا کپڑا ہوتا ہے۔ جیسے کہ ہمارے ملک میں اب بھی ہے اور بردیمانی کے نام سے بھی یہی چادر معروف ہے۔ اس لئے کہ اس میں سرخ دھاریاں تھیں۔ اس کا مطلب خالص سرخ نہ ہے، جو کہ ممنوع ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مسلم شریف میں روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ میرے بدن پر سرخ رنگ کا لباس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ملاحظہ فرمایا تو فرمایا کہ یہ لباس کافروں کا ہے۔ اس کو مت پہنا کرو۔ عبداللہ بن عمر بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت کے خدمت اقدس میں میں حاضر ہوا۔ اس وقت میں نے سرخ رنگ کے کپڑے پہنے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ یہ لباس تم نے کہاں سے حاصل کیا ہے۔ میں نے گزارش کی کہ میری بیوی نے میرے واسطے بنایا ہے آپ نے فرمایا کہ اس کو جلا دو۔ اس حدیث سے کچھ لوگوں کو یہ شک گزرتا ہے کہ سرخ لباس پہننا جائز ہے لیکن یہ ان کی خطا ہے۔ یہاں سرخ کا مطلب سرخ دھاریاں ہے اور ایسے ہی حضرت آمنہ کی حدیث سبز رنگ کے بارے میں آئی ہے ان کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی زیارت کی ہے۔ آپ کے جسم مبارک پر سبز رنگ کی دو چادریں تھیں۔ عطاء بن ابی یعلی نے اپنے والد صاحب سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو دیکھا ہے کہ اس وقت آپ نے سبز چادر کے ساتھ اضطباع کیا ہوا تھا۔ اس کا مطلب ہے وہ سبز چادر جس میں سبز رنگ کی دھاریاں تھیں گو یہاں پر خالص سبز رنگ کا احتمال موجود ہے لیکن عرب کے ملک میں یہ ہی معانی لئے جاتے ہیں اور ان ہی معانی میں زرد رنگ مفہوم ہے کہ زرد رنگ کی دھاریاں ہوتی ہیں۔ کچھ لوگوں کے نزدیک حلہ سے مراد ریشمی کپڑا ہے لیکن یہ خطا ہے۔ وہی تحقیق ہے جو ذکر کی گئی ہے۔

مولف مواہب لدنیہ نے امام نووی رحمتہ اللہ سے سرخ رنگ کے متعلق علماء میں اختلاف نقل کیا ہے۔ اس بارے

میں صحابہ کرام۔ تابعین اور بعد کے علماء کی جماعت اس کو مباح کہتی ہے اور یہ بھی انہوں نے کہا ہے کہ امام شافعی۔ امام مالک اور امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہم بھی اس کے قائل ہیں۔ لیکن امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کا یہ بھی قول ہے کہ غیر سرخ لباس افضل ہے اور ایک روایت کے مطابق گھروں کے اندر اور سراؤں میں سرخ رنگ کا کپڑا زیب تن کرنا جائز ہے لیکن مجالس اور بازاروں کے اندر اس کا پہننا ناجائز قرار دیا ہے اور ایک جماعت کے نزدیک یہ کراہت تنزیہی کے ساتھ مکروہ ہے اور اسی پر ممانعت مبنی سمجھتے ہیں کیونکہ سرخ جوڑا پہننا آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے ثابت ہے اس کا جواب ہم قبل ازیں دے چکے ہیں کہ وہ خالص سرخ رنگ نہیں بلکہ سرخ رنگ کی دھاریاں مراد ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ حج اور عمرے والوں کے لئے یہ ممانعت ہے انہوں نے یہ تکلف کیا ہے جبکہ اس ضمن میں کوئی دلیل نہ ہے اور مذہب حنفیہ میں بھی متعدد اقوال آئے ہیں۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ کراہت تحریمی کے ساتھ مکروہ ہے اور بکراہت اس سے نماز پڑھ لینا جائز ہے مصر میں شیخ قاسم حنفی ہوئے ہیں جو یکے رز ائمہ احناف و محققین ہوئے ہیں۔ ان کی یہ تحقیق ہے کہ رنگ کے باعث سرخ لباس ممنوع ہے معصفر یا غیر معصفر کوئی بھی ہو۔

مولف مواہب لدینہ نے کہا ہے کہ امام بیہقی رحمتہ اللہ نے "معرفت سنن" کے اندر مسئلہ کا اتفاق ظاہر کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک شخص کو مزعفر (زعفران) میں رنگے ہوئے کپڑے پہننے سے ممانعت فرمائی ہے اور معصفر کو مباح رکھا ہے امام شافعی کا قول ہے کہ میں نے اس وجہ سے معصفر لباس کی اجازت دی ہے کہ کوئی شخص میرے علم میں نہیں آیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسم کی جانب سے اس ضمن میں ممانعت بتاتا ہو سوائے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول کے۔ کہ آنحضرت نے مجھے اس کی ممانعت فرمائی ہے اور ہم یہ نہیں کہتے ہیں کہ یہ ممانعت تم کو بھی ہوئی ہے۔ امام بیہقی کہتے ہیں کہ اس میں شک نہیں کہ احادیث آئی ہیں۔ جو عمومیت کے ساتھ اس بارے میں مخالفت پر دلالت کرتی ہیں۔ بیہقی نے مسلم کی ایک حدیث بیان کی ہے کہ یہ لباس کفار سے ہے۔ اسکے بعد دیگر حدیثیں بیان کر کے بیہقی فرماتے ہیں کہ یہ احادیث اگر امام یہ درجہ صحت تک پہنچی ہوئی بات ہے کہ امام شافعی رحمتہ اللہ نے کہا ہے کہ میرے قول کے مخالف کوئی حدیث جب صحیح ثابت ہو جائے تو اس حدیث پر عمل کرو اور میرا قول ترک کر دیا جائے اور بیہقی نے فرمایا ہے کہ مذعفر میں امام شافعی رحمتہ اللہ نے اتباع سنت کیا ہے اور فرمایا ہے کہ اس شخص کو میری طرف سے ممانعت بوجہ زعفرانی رنگ ہے اور اس کو میرا حکم ہے کہ زعفرانی رنگ دھو چھوڑے۔ حالانکہ معصفر میں ان کی متابعت ہی اولیٰ ہے۔ (انتھیٰ) پس معلوم ہو گیا۔ کہ معصفر اور مزعفر کپڑے منع کئے گئے ہیں اور یہ صحیح حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسم نے حکم فرمایا ہے کہ مزعفر لباس سے ہیں۔ لیکن اشکال اس طرح ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آنحضرت زرد رنگ میں رنگتے تھے قمیض اور عمامہ۔ رواہ دمیاتی اور ابوداؤد کے نزدیک یوں ہے کہ آنحضرت اپنا لباس زعفران میں رنگتے تھے حتیٰ کہ امامہ بھی رنگ لیتے تھے۔ حضرت زید بن اسلم اور ابن سلمہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سے بھی حدیث روایت ہوئی ہے لیکن علماء کہتے ہیں کہ یہ احادیث ممانعت والی احادیث سے متعارض نہ ہیں اور یا یہ منسوخ شدہ ہیں (واللہ اعلم) آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

سفید لباس فرماتے تھے اور آپ فرمایا کرتے تھے کہ حسین ترین لباس سفید لباس ہے۔ لہٰذا تم لوگ زندہ بھی اسے پہنو اور اپنے مردوں کو بھی سفید کفن پہنایا کریں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کالے رنگ کی کملی بھی زیب تن فرماتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت بوقت صبح باہر تشریف لے جایا کرتے تھے۔ اس وقت آپ پر سیاہ کملی ہوتی تھی۔ اور آنحضرت کے عمامہ مبارک کا سابقاً ذکر کیا جاچکا ہے کہ جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بوقت فتح مکہ، مکہ میں داخل ہوئے تو اس وقت تک آنحضرت کے سر اقدس پر کالے رنگ کا عمامہ تھا۔ کالے رنگ کا لباس استحباب میں ہے اور حنیفہ مسلک بھی یہی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اون کے بنے ہوئے لباس (پشمینہ) بھی زیب تن فرمایا کرتے تھے۔ ابن قیم نے کہا ہے کہ تطلیس مکروہ ہے۔ تطلیس یہ ہے کہ سر پر یوں چادر لیں کہ دونوں سرے کندھوں پر ہوں اور کہا ہے کہ یہ آنحضرت سے منقول نہیں نہ ہی آنجناب کے کسی صحابی ہی سے منقول ہے مسلم کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت نے دوران تذکرہ دجال فرمایا کہ اصبحان کے ستر ہزار یہود دجال کے ہمرہ نکلیں گے وہ اوپر طیالسہ لئے ہوں گے اور ایک جماعت کو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے دیکھا تھا۔ وہ اپنے اوپر طیالسہ لئے تھے۔ انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ یہ عجب نہیں کہ ان سے مشابہت رکھنے والے یہود ہوں۔ جس کی خبر دی گئی ہے اور ابوداؤد اور حاکم کی حدیث میں اس طرح آیا ہے کہ من تشبہ بقو فھوا منھم ترمذی کی حدیث میں اس طرح آیا ہے لیس منا من تشبہ بغیرنا اور حدیث متعلقہ ہجرت میں جو بیان ہے کہ اس دن آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بکانہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف فرما ہوئے۔ اس وقت آپ نے چادر لپیٹی ہوئی تھی۔ یہ اپنے آپ کو پوشیدہ کرنے کی خاطر تھا۔ اس لئے کہ کوئی اپ کو نہ پہچانے اور یہ آپ کی عادت میں شامل نہ تھا۔ (انتہیٰ)۔

ابن قیم کی یہ بات ان کی خطا ہے۔ اس لئے کہ علماء نے کہا ہے کہ آنحضرت سے نقل میں نہیں آیا کہ آپ نے اس طرح ضرورت کے باعث کیا تھا۔ ورنہ یہ آپ کی عادت نہ تھی۔ کیونکہ سہل بن ساعدی کی حدیث میں وارد ہوا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اکثر اوقات چادر لپیٹتے تھے۔ پس اس حدیث اور دوسری احادیث سے ابن قیم کا قول مردود ٹھہرتا ہے۔ جو انہوں نے کہا ہے کہ آنحضرت سے نقل میں نہیں آیا کہ آپ نے چادر لپیٹی۔ تو یہ اس حدیث میں روایت ہوا ہے جو مستدرک شریف میں حاکم بخاری کی شرط کے ساتھ قرہ بن کعب سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو ایک فتنہ کا تذکرہ فرماتے ہوئے میں نے سنا اور آپ نے اس کا جلد ظہور میں آنا ارشاد فرمایا۔ اسی دوران ایک آدمی وہاں سے گزرا جس نے چادر لپیٹی ہوئی تھی تو آنحضرت نے ارشاد فرمایا کہ یہ آدمی اس روز ہدایت پر ہوگا۔ تو میں کھڑا ہوا کہ دیکھوں یہ کون آدمی ہے۔ میں نے دیکھا کہ وہ شخص حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھے اور سعید بن منصور نے اپنی سنن میں ابو العلاء سے روایت کیا ہے۔ کہ ابو العلاء نے کہا ہے کہ میں نے امام حسن بن علی کو اپنے سر پر چادر ڈال کر اور منہ لپیٹ کر نماز ادا کرتے دیکھا ہے اور ابن سعد نے مغیرہ سے نقل کیا ہے کہ میں نے امام حسن رضی اللہ عنہ کو اپنے اوپر چادر لئے ہوئے (اندقی طیلسان) دیکھا ہے۔ یہود کے قصہ سے ابن قیم نے جو کہا ہے اس ضمن میں حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ

اس سے صرف اس صورت میں استدلال کرنا جائز ہو سکتا ہے جب طیالسہ صرف یہود کے شعار ہو۔ بے شک زمانہ کے طور طریقے اب بدلے ہوئے ہیں۔ پس یہ چیز اس وقت اباحت عامہ میں شمار ہو گی۔ شیخ عزالدین بن عبد السلام نے فرمایا ہے کہ اہل اسلام میں جس عادت کا رواج عام ہو جائے اسے چھوڑیں تو بے مروتی ہوتی ہے یا جس طرح کہ فرمایا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ چادر کے رنگ کے سبب سے انس رضی اللہ عنہ کو انکار تھا۔ یعنی کہ وہ زرد رنگ کی تھی یہ سب کچھ مواہب لدنیہ میں ذکر کیا گیا ہے۔ اور اعظم و کبائر مشائخ کرام اور صلحائے عظام سے نقل ہے کہ وہ چادر سے ڈھانپ لیا کرتے تھے۔ بہجۃ الاسرار میں آیا ہے۔ وکان شیخ عبدالقادر یتطلس حضرت شیخ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ اپنے آپ کو چادر کے ساتھ ڈھانپ لیا کرتے تھے۔ ابن قیم نے غالباً اسی بنا پر انکار کیا ہے اور جناب غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کا جو فعل ہے اسکے باعث اس کے انکار میں مبالغہ کیا گیا ہے۔ کیونکہ ابن جوزی اور ان کے پیروی کرنے والے سب غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے انکار میں جتلاء تھے۔ (تاب اللہ علیہم واللہ اعلم)۔

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات سب لوگوں سے بڑھ کر اطیب اور الطف تھی۔ لہٰذا آپ کے جسم اقدس میں اس کی علامت بھی عیاں تھی۔ یعنی کہ آپ کا لباس جسم اطہر کے ساتھ لگا رہنے سے میلا نہیں ہوتا تھا۔ اور لباس میں جوں بھی نہ پڑتی تھی۔ اور آپ کے جسم پاک پر اور آپ کے لباس پر مکھی نہیں بیٹھتی تھی جس طرح کہ یہ حدیث میں ہے لیکن امام احمد نے اپنی مسند میں ترمذی نے اپنی شمائل میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جو حدیث روایت کی ہے اس سے اشکال ہو سکتا ہے۔ یعنی کہ جب ان سے پوچھا گیا کہ گھر پر موجود ہوتے ہوئے آنحضرت صلی الحہ علیہ وآلہ وسلم کیا کیا کرتے تھے۔ تو انہوں نے فرمایا کہ کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یفلی ثوبہ ویحلب شاتہ و تخصف نعلہ رسول اللہ صلی الحہ علیہ وآلہ وسلم کپڑوں سے جوں تلاش کرتے تھے اپنی بکری کا دودھ دوہتے تھے۔ اور اپنا جوتا مبارک سیتے تھے۔ علماء کا قول ہے کہ شاید کسی اور آدمی کے لباس سے آنحضرت کے کپڑوں میں جوں آ چکی ہو۔ اور آپ کے جسم لطیف سے پیدا نہ ہوئی ہو۔ یہاں پر یہ بھی امکان ہے کہ "فلی" سے مراد ہے خس و خاشاک چننا اور وہ چیونٹیاں تلاش کرنا جو کہ زمین پر سے کپڑوں پر چڑھ آتی ہیں۔ اور یہ اطلاق مجازی طور پر ہو۔ یہ بھی فلی کا ہی ایک انداز ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم اپنے ملبوسات کی نگہداشت فرماتے تھے۔ اور انہیں وہی سے ہی پاک و صاف فرمایا کرتے تھے جیسے کہ عموماً دوسرے لوگ اپنے کپڑوں میں جوں ڈھونڈتے ہیں۔ مسکین راقم الحروف (شیخ عبد الحق) کے ذہن میں یہ معانی ہی آتے ہیں۔ (واللہ اعلم بحقیقتہ حاعلی وجہ کمالہ) مواہب لدنیہ میں اس کی تعبیر اس طرح سے کی گئی کہ جوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم و تکریم کا لحاظ رکھتے ہوئے آپ کو تنگ نہ کرتی تھی۔ لیکن ان الفاظ سے جوں سے تکلیف کی نفی ظاہر کرتے ہیں۔ اس کے وجود کی نفی نہیں کرتے۔ ہو سکتا ہے کہ ملزوم کی نفی سے لازم کی نفی کی جانب اشارہ کیا گیا ہو۔

انگشتری نبوی مبارک:۔ وصل:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لباس مبارک میں انگشتری بھی شامل

تھی۔ جو آپ پہنتے تھے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے صحیحین میں مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی انگشتری چاندی کی بنی ہوئی تھی۔ اور آپ کے ہاتھ میں وہ انگوٹھی پہنی رہی ہے۔ وہ انگوٹھی آنجناب کے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس رہی۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں رہی۔ اور اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں رہی۔ حتیٰ کہ وہ انگوٹھی بیراریس میں گر گئی۔ مسجد قباء کی طرف ایک کنویں کا نام بیراریس ہے۔ ترمذی میں آیا ہے کہ معیقب کے ہاتھ سے یہ انگوٹھی کنویں میں گری تھی۔ اور معیقب نام تھا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے غلام کا۔ اور یہ بھی صحابی ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ روایت میں آیا ہے کہ اس انگوٹھی کی بڑی تلاش کی گئی۔ کنویں کا پانی باہر نکال دیا گیا۔ اور کنواں صاف کر دیا گیا۔ لیکن انگوٹھی نہ ملی۔ علماء نے کہا ہے کہ یہ انگوٹھی کچھ اسرار کی حامل تھی۔ ان کے ساتھ ملک وملت کا کام انتظام وابستہ تھا۔ جیسے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی میں بھی صفات تھیں۔ اس لئے کہ جب وہ انگوٹھی گم ہو گئی تھی تو سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی میں بھی صفات تھیں۔ اس لئے کہ جب وہ انگوٹھی گم ہو گئی تھی تو سیمان علیہ السلام کے ملک میں تفرقہ اور فتور پڑ گیا تھا۔ جس طرح کہ عام مشہور ہے اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم وای انگوٹھی گم ہو گئی تفرقے اور فتنے ظاہر ہو گئے جن کی ابتداء یہ تھی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔ اور یہ فتنے اور خونریزیاں قیامت تک برپا ہوتے رہیں گے۔ علاوہ ازیں یہ صحیحین کے اندر روایت ہوا ہے کہ راوی حضرت انس رضی اللہ ہیں۔ کہ حضور علیہ السلام کی انگوٹھی چاندی کی بنی ہوئی تھی۔ اس پر حبشی نگینہ لگا ہوا تھا۔ حبشی کے معانی میں متعدد قول آئے ہیں۔ کچھ حضرات نے کہا ہے کہ سیاہ رنگ کا پتھر تھا اور بعض کا قول ہے کہ جو پتھر حبشہ میں ہوتا ہے۔ جس کی کان حبشہ میں تھی وہ تھا۔ اور بعض یوں کہتے ہیں کہ اس کو بنانے والا آدمی حبشی تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم انگوٹھی کا نگینہ ہاتھ کے اندر کی طرف رکھا کرتے تھے۔ کئی احادیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسم نے ایک آدمی کے ہاتھ میں انگوٹھی ملاحظہ فرمائی لوہے کی بنی ہوئی۔ آپ نے فرمایا کہ یہ کیا بات ہے کہ تمہارے پاس مجھے دوزخیوں کو زیور نظر آتا ہے۔ پھر اس کو فرمایا۔ چاندی کی انگوٹھی بنالو اور ایک مثقال (ساڑھے تین ماشہ) سے زیادہ نہ کرنا۔ دوسری ایک روایت میں ہے کہ پورے ساڑھے تین ماشہ نہ کریں۔ یعنی کہ اس سے کچھ تھوڑا ہی وزن رکھیں ایک اور آدمی آیا جو اپنے ہاتھ میں پیتل کی انگوٹھی پہنے ہوئے تھا۔ پیتل سے بت ڈھالے جاتے تھے۔ پیتل سونے کا ہم رنگ ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کو عربی زبان میں شبہ کہا جاتا ہے آنحضرت صلی الله علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھ کو کیا ہو گیا ہے۔ کہ بتوں کی بو آتی ہے یہ سنا تو اس آدمی نے انگوٹھی اتاری اور پھینک دی۔ ترمذی کی حدیث میں آیا ہے۔ "من صفر" صفر کے معانی بھی پیتل ہے۔ اس طرح سے رانگ اور پیتل کی انگشتری بھی مکروہ ہے۔ ورنہ صحیحین کی حدیث کی رو سے ظاہراً لوہے کی انگشتری جائز معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے کہ جس عورت نے اپنے نفس کو اپنے خاوند کے حوالے کر دیا اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔ اطلب ولو خاتما من حدید مانگو خواہ لوہے کی انگوٹھی ہو۔ اس حدیث سے جواز پر دلیل قائم کرنا درست نہ ہے۔ اس لئے کہ یہ ضعیف روایت ہے نیز اس سے لوہے کی انگوٹھی کا پہننا تو ثابت نہ ہے۔ بلکہ اس سے تو مراد ہے۔ قلیل از حقیر شے۔ اور ابوداؤد میں اسناد جیر کے ساتھ

سے روایت ہوا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگوٹھی مبارک لوہے کی بنی ہوئی تھی اور اس پر چاندی لپٹی ہوئی تھی۔ واللہ اعلم۔

جہاں تک سونے کی بنی ہوئی انگوٹھی کی بات ہے اس کے بارے میں براء بن عازب اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے صحیحین میں ہی روایت ہوا ہے۔ انہوں نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سونے کی انگشری ممنوع فرمائی ہے۔ علاوہ ازیں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بھی صحیحین میں مروی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی بنوائی اور ازاں بعد صحابہ نے بھی سونے کی انگوٹھیاں بنوالیں۔ اس کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے تو آپ نے اپنے ہاتھ مبارک سے انگوٹھی اتاکر پھینک دی۔ صحابہ نے بھی انگوٹھیاں اتار کر پھینک دیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی اتار کر پھینک دی۔ صحابہ نے بھی انگوٹھیاں اتار کر پھینک دیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی بنوانے سے ممانعت فرمائی۔ ائمہ اربعہ اور دوسرے علماء کی اکثریت اسی مذہب پر ہے اور کچھ صحابہ سے جو نقل میں آیا ہے کہ ان کے پاس سونے کی انگوٹھیاں تھیں۔ یہ غریب ہے۔ جو بخاری نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے۔ کہ ابی سید رضی اللہ عنہ کی وفات پر ان کے ہاتھ سے لوگوں نے سونے کی انگوٹھی نکالی تھی۔ (واللہ اعلم)۔ ایک روایت یوں ہے کہ جس وقت صحابہ کرام نے اپنی انگوٹھیاں اتار کر پھینک دیں۔ تو وہ انگوٹھیاں کسی ایک صحابی نے بھی نہ اٹھائیں۔ بعض نے ان کو کہا کہ یہ تمہارا مال ہے کیوں نہیں اٹھالیتے۔ تو وہ جواب میں کہنے لگے کہ جس چیز کو آنحضرت نے ممنوع فرمایا ہے ہم وہ ہرگز نہ اٹھائیں گے اور اس کو مکروہ سمجھا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے عقیق کی انگشتری کے متعلق مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ تم عقیق کی انگوٹھی پہنو اور زینت کا زیادہ حقدار دایاں ہاتھ ہے۔ دیگر ایک روایت میں آیا ہے کہ عقیق کی انگوٹھی پہنا کرو اس لئے کہ اس سے محتاجی دور ہو جاتی ہے اور حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا میں آیا ہے کہ وہ مبارک ہے اور فاطمہ الزہرہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آنحضرت کا ارشاد ہے کہ جس شخص نے عقیق کی انگوٹھی پہنی۔ وہ خیر دیکھے گا۔ دیگر احادیث بھی ہیں لیکن علماء کا قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عقیق کی انگوٹھی زیب دست فرمانا ثابت نہیں ہے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآہ وسلم نے فرمایا۔ کہ زردیا قوت کی انگوٹھی پہننے سے طاعون سے محفوظ رہتا ہے یہ ضعیف السند حدیث ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے چاندی کے نگینہ والی انگوٹھی کے متعلق بخاری میں روایت کیا ہے کہ انگوٹھی چاندی کی بنی ہوئی تھی اور رنگ بھی چاندی ہی کا تھا۔ مسلم شریف میں آیا ہے کہ چاندی کی انگوٹھی تھی اور جلبی کا رنگ تھا۔ جس طرح کہ سابقاً گزر چکا ہے۔ علماء نے فرمایا ہے۔ امکان ہو سکتا ہے۔ کہ انگوٹھیاں دو ہوں ایک اس طرح کی اور دوسری اس طرح کی۔ کبھی یہ پہن لیتے ہوں گے اور کبھی وہ انگوٹھی اور صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے انگوٹھی کے نقش کے ضمن میں روایت ہوا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے چاندی کی انگوٹی بنوائی۔ اس انگوٹھی میں "محمد رسول اللہ" کے الفاظ نقش کرائے اور دیگر لوگوں کو

ممانعت فرمادی کہ وہ اپنی انگوٹھیوں میں یہ نقش نہ کرائیں۔ اور بخاری اور مسلم میں آیا ہے کہ انگوٹھی مبارک کا نقش تین سطروں میں تھا۔ ایک سطر میں "محمد" تھا۔ دوسری میں تھا "رسول" تیسری سطر میں تھا "اللہ"۔ اور فتح الباری میں اس طرح ہے کہ ظاہر یہ ہوتا ہے کہ کتابت اس طرح تھی۔ کہ اوپر کی سطر میں "محمد" ہو گا۔ دوسری نچلی سطر میں "رسول" اور تیسری سطر میں نیچے ہو گا "اللہ" اور کہا ہے کہ بعض مشائخ کا یہ قول کہ اوپر کی سطر میں اسم جلالت تھا۔ نچلی سطر میں محمد اور وسط میں رسول۔ اس کی کوئی تصریح میں نے نہیں پائی۔ کسی بھی حدیث میں۔ بلکہ اسماعیل کی روایت ظاہر میں اس کی مخالفت ہے۔ کیونکہ اس میں کہا ہے کہ پہلی سطر میں "محمد" تھا۔ سطر ثانی میں رسول اور سطر ثالث میں اللہ "کذا قال صاحب مواہب" لیکن اس بارے میں اخبار و آثار اس طرح ہیں کہ دائیں ہاتھ میں پہننا بھی مروی ہے اور بائیں ہاتھ میں بھی۔ صاحب مواہب کا کہنا ہے کہ دائیں ہاتھ میں بھی پہن لینا جائز ہے اور بائیں ہاتھ میں بھی۔ ہاں لوگ اس میں اختلاف کرتے ہیں۔ کہ کونسے ہاتھ میں پہننا افضل ہے بعض بائیں ہاتھ میں پہننا افضل کہتے ہیں یہ امام احمد رحمتہ اللہ کی نص کے مطابق ہے اور صالح بن امام احمد اور شافعی کا مذہب بھی ایسے ہی ہے اور امام احمد کا ظاہر مذہب بھی اسی طرح ہے (واللہ اعلم)۔ صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس انگلی میں انگوٹھی پہنا کرتے تھے اور بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے کچھ حفاظ حدیث کا بیان ہے کہ عام صحابہ کرام اور تابعین سے بائیں ہاتھ میں ہی انگوٹھی پہننا مروی ہے اور دائیں ہاتھ کو ترجیح دی گئی ہے۔ یہ حضرت ابن عباس اور عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہم کا قول ہے اور دائیں ہاتھ انگوٹھی پہننا ہی وہ آنحضرت سے روایت کرتے ہیں۔ لہٰذا کچھ حضرات یوں کہتے ہیں کہ امکان یہ ہے کہ کبھی آپ انگوٹھی دائیں ہاتھ میں پہنتے ہوں گے اور کبھی بائیں ہاتھ میں اور بعض کا قول ہے کہ دونوں میں آخری بائیں ہاتھ پہننا ہے مراد یہ کہ دائیں میں پہننا منسوخ شدہ ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس کی صحت میں کلام ہے اور یہ سب کچھ مواہب میں ذکر ہو چکا ہے کچھ روایات میں یہ بھی ہے کہ کبھی کبھی یاداشت کے واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی انگھوٹھی میں دھاگہ باندھ لیتے تھے۔ دو یا اس سے زیادہ انگوٹھیا پہننا مکروہ ہے۔ بالخصوص چاندی کی انگوٹھیاں۔ منصف مواہب لدینہ نے فرمایا ہے کہ عبارت سے کراہت کا اظہار ہوتا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ حرمت میں داخل نہیں ہیں۔

فی الحقیقت انگوٹھی کے پہننے کے بارے میں علماء میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اکثریت کے نزدیک مباح ہے اور مکروہ نہیں۔ بعض کے نزدیک زینت کی خاطر انگوٹھی پہننا کراہت میں داخل ہے اور بعض اسے مطلقاً مکروہ گردانتے ہیں لیکن ان کے نزدیک بھی بادشاہ صاحب سلطنت پہنے تو مکروہ نہ ہو گا۔ اسی طرح ہی حدیث میں بھی وارد ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اسی مقصد کے پیش نظر انگوٹھی بنوائی تھی اس سے مراد یوں ہے کہ جس وقت آنحضرت نے چاہا کہ بادشاہوں اور قیصرو کسریٰ اور حبشہ وغیرہ کے امراء سلطنت کو فرمان لکھیں تو آپ کی بارگاہ میں عرض کیا گیا کہ بلا مہر یہ لوگ نامہ و خط قبول نہیں کرتے نہ ہی اُسے وہ پڑھتے ہیں۔ لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انگوٹھی تیار کرائی۔ اس پر آپ نے لکھوایا۔ "محمد رسول اللہ" اور ابن البرا سے مطلق مکروہ نقل کیا ہے۔ انہوں نے حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انگوٹھی بنوائی ضرور تھی لیکن ہاتھوں میں نہیں پہنی تھی۔ بعض یوں بھی کہتے ہیں کہ پہنی تھی لیکن صرف کچھ روز۔ اس کے بعد آپ نے اتار دی تھی۔ (واللہ اعلم)

موزے مبارک:۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے موزے بھی زیب پا فرمائے ہیں اور موزوں پر مسح کر لینا صحت کے ساتھ ثابت۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے ترمذی نے نقل فرمایا ہے کہ حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاطر آپ کی خدمت میں نذرانے کے طور پر سیاہ رنگ کے سادہ سے دو موزے ارسال کئے تھے۔ آنحضرت نے ان کو پہنا تھا اور ان پر مسح فرمایا تھا۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ بن شعبہ سے روایت ہے کہ حضرت وحیہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے دو موزے ارسال کئے اور آنحضرت نے وہ پہنے۔

نعلین شریف:۔ وصل:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نعلین شریف بھی پہنتے تھے (نعلین اور موزے میں فرق یہ ہے) کہ پاؤں کو پورا ڈھانپ لے تو وہ موزہ ہوتا ہے۔ اگر پورا نہ ڈھانپے تو وہ نعلین کہلاتا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بخاری شریف میں روایت ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی **نعلین** شریف دو قبال والی ہوتی تھی۔ قبال فیتے کو کہا جاتا ہے۔ یہ فیتے اور تسمے دو انگلیوں کے درمیان ہوتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی الله عنہ سے شمائل میں ترمذی روایت کرتے ہیں کہ دو عدد تسمے تھے۔ اور وہ دوہرے کے تھے۔ ایک روایت مرفوع حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص تم میں سے جوتا پہنے وہ پہلے دائیں پاؤں سے پہننا شروع کرے اور جب جوتا پاؤں سے اتارے تو پہلے بائیں پاؤں سے اتارنا شروع کرے۔ الحدیث اور یہ بھی حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا کہ ایک جوتی پہن کر نہ چلو۔ کیونکہ یہ غیر عادی فعل ہے اس سے گر پڑنے کا احتمال بھی ہوتا ہے بعض نے کہا ہے کہ اس کے سبب کچھ بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں روارد ہوا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنے گھر پر ایک نعل پہنی۔ اس میں احتمال ہے کہ شاید کوئی چیز اٹھانے کے لئے آپ نے اس طرح کیا ہو۔ جبکہ فاصلہ تھوڑا ہو۔ اور ایک طرف کے پاؤں کے ملوث ہو جانے کا خدشہ ہو گا۔ اس وقت اس طرح نظر آیا کہ ایک اسی طرف ہی نعل مبارک پہنی ہوئی ہے اور احتمال یہ بھی ممکن ہے کہ صرف جواز کی خاطر آپ نے ایسا عمل کیا۔ بالخصوص اس قسم کی صورت حال کے دوران اور ابو داؤد اور ترمذی سے مواہب لدینہ میں نقل کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھڑے ہو کر جوتا پہننے سے ممانعت فرمائی ہے۔ کچھ علماء نے نعلین نبوی کی تمثیل اور نقشہ کے بارے میں علیحدہ رسالے تحریر کئے ہیں۔ اور بیان کیا گیا ہے کہ اس سے برکات و منافع اور اللہ تعالیٰ کا فضل حاصل ہوتے ہیں مواہب میں ایک ایسا تجربہ بیان کیا گیا ہے مقام درد پر نقشہ نعلین مبارک رکھا جائے تو درد رفع ہو جاتا ہے۔ اور نقشہ نعلین اگر ساتھ ہو تو راستہ میں لوٹ مار سے محفوظ رہتے ہیں اور شیطان کے مکر و فریب سے بھی محافظت رہتی ہے اور حسد کرنے والے کی شر اور فساد سے محفوظ رہتے ہیں نیز مسافت کے طے کرنے میں آسانی میسر ہوتی ہے اس کی تعریف اور مدح د

ستائش اور اس کے فضائل میں قصائد تحریر شدہ ہیں۔

آنحضرت کا بستر مبارک:۔ وصل:۔ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بستر شریف کے متعلق حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے صحیحین میں روایت آئی ہے کہ انہوں نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بستر شریف جس پر آپ آرام فرمایا کرتے تھے۔ چمڑے کا بنا ہوا تھا اور اس میں کھجور کے درخت کے ریشے کوٹ کر بھرے ہوئے تھے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا میرے پاس ایک انصاری عورت آئی اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا بستر دیکھا کہ ٹاٹ کی دو تہوں کا بستر ہے۔ تو اس عورت نے میرے پاس ایک ایسا بستر بھیج دیا جس میں اون بھری ہوئی تھی آنحضرت جب تشریف لائے اور اسے دیکھا تو فرمایا کہ اے عائشہ! یہ کیا ہے تو میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! فلاں انصاری عورت میرے پاس یہاں آئی تھی۔ اس نے آپ جناب کا بستر مبارک دیکھا۔ تو یہ بستر اس نے بھیج دیا۔ آنحضرت نے فرمایا کہ اس کو واپس کر دو۔ اے عائشہ۔ بعد ازاں ارشاد فرمایا کہ اگر مجھے خواہش ہوتی تو اللہ تعالیٰ میرے ساتھ سونے چاندی کے پہاڑ موجود کر دیتا۔ مراد یہ ہے کہ یہ بستر میرے زہد اور ریاضت کے باعث ہے۔ نہ کہ فقر اور نلداری کے باعث۔ بلکہ میں نے تو اسے اپنے رب تعالیٰ کی محبت اور رضا میں اختیار کیا ہوا ہے۔ امام احمد نے اپنی مسند میں ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور بیہقی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ عالیہ میں حاضر ہوئے۔ اس وقت آنحضرت صی اللہ علیہ وآلہ وسلم چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے اور آپ کے پہلوئے اقدس پر چٹائی کا نشان پڑا تھا۔ تو عرض کیا یا رسول اللہ! کاش کہ آپ اس سے اچھا اور نرم بستر پسند کرتے آنحضرت نے فرمایا۔ مجھے دنیا سے کیا غرض۔ میرے قصہ اور داستان اور دنیاء کی داستان کی مثال یوں ہے کہ جس طرح کوئی سوار شخص گرمی کے دوران سفر کرتا ہو اور ستانے کے لئے تھوڑا سا وقت ایک درخت کے نیچے بیٹھے۔ بعد ازاں پھر وہ اپنے سفر پر روانہ ہو جائے۔ حضرت ابن مسعود ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ میں آنحضرت کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوا۔ آپ ایک گرم کمرے میں چٹائی پر سوئے ہوئے تھے۔ جس کا نشان آپ کے پہلوئے اقدس پر پڑ گیا تھا۔ میں نے یہ حالت دیکھی تو رونے لگا۔ تو آنحضرت نے دریافت فرمایا کہ کیا بات ہے۔ اے عبد اللہ! کس چیز نے تم کو رلایا ہے؟ تو آپ نے عرض کیا کہ حضور! قیصر اور کسریٰ تو دیبا اور حریر کے فرش پر سوتے ہیں اور آپ چٹائی پر۔ آنحضرت نے ارشاد فرمایا کہ اے عبد اللہ! رو مت۔ ان کے لئے دنیاء ہے۔ ہمارے لئے آخرت ہے۔ اس حدیث کا مضمون حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں زیادہ تفصیل کے ساتھ ذکر ہوا ہے۔ اس پر فرمایا ہے کہ چٹائی پر استراحت فرماتے وقت حضور کے جسم مقدس پر سوائے تہبند شریف کے اور کوئی کپڑا نہ تھا اور آنجناب کے پہلو مبارک پر اس چٹائی کے نشان پڑ چکے تھے اور کاشانہ نبوت کے ایک کونہ میں تقریباً ایک صاع جو پڑے ہوئے تھے۔ دیوار کے ساتھ ایک کھال لٹک رہی تھی یہ منظر دیکھا تو میری آنکھوں میں آنسو رواں ہو گئے۔ حضور نے ارشاد فرمایا۔ اے ابن خطاب! کیوں روتے ہو۔ میں نے عرض کیا اے اللہ تعالیٰ کے نبی! مجھے کیوں رونا نہ آئے۔ قیصر اور کسریٰ باغات و انہار کے درمیان سنہری تختوں پر دیبا اور حریر

کے (نرم و گداز) بستروں پر آرام کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نبی ہوتے ہوئے بھی آپ یوں چٹائی پر دریں حالت استراحت فرماہیں۔ آنحضرت نے ارشاد فرمایا کہ ابن خطاب! کیا تم اس پر خوش نہیں ہو کہ ان کے لئے دنیاء ہے اور ہمارے لئے آخرت ہے دیگر ایک روایت میں آیا ہے کہ چٹائی پر تھوڑی سی مٹی بھی گری ہوئی تھی اور حضور نے اپنے سر اقدس کے نیچے ٹاٹ کا تکیہ رکھا ہوا تھا۔ اس میں کھجور کی چھال بھری تھی۔ روایت میں آیا ہے کہ یہ قوم ایسی ہے جسے اس دنیا کے اندر اچھی اشیاء دینے کے لئے عجلت برتی گئی ہے اور ہماری قوم وہ ہے جسے آخرت پر اچھی چیزیں عطا کرنے کے لئے دیر برتی گئی ہے۔ نقل کیا گیا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اگر بستر بچھا دیا جاتا تھا تو آپ اس پر استراحت فرماتے تھے اور اگر بستر نہ ہوتا تھا تو زمین پر ہی آرام فرما لیتے تھے۔

نوع سوم

نکاح مبارک

وصل:۔ اب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسم کے نکاح و جماع کے سلسلہ میں حضور کی عادت کریمہ کا بیان کرتے ہیں۔ معلوم رہے کہ حفظ صحت میں کے اسباب میں جماع بھی شامل ہے۔ منی کو روکے رکھنا۔ اسے خارج نہ ہونے دینا اور ایسا ہی معمول بنا لینے سے ضعف واقع ہوتا ہے اور اس سے اس کی رگوں میں خشکی اور دیگر مختلف اقسام کی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں مثال کے طور پر وسواس و جنون یا مرگی یا دیگر قسم کی امراض۔ لیکن اس بارے میں یہ شرط ہے کہ قوت اور اعتدا مزاج قائم رہے اس میں کثرت ہونے نہ پائے جس آدمی میں زیادہ طاقت ہے اس کے لئے جماع ترک کرنا بڑا نقصان دہ ہے اور آنحضرت صلی الحہ علیہ و آلہ وسلم سب مردوں سے زیادہ قوت رکھتے تھے۔ ابن سعد نے طاؤس اور مجاہد سے زیادہ روایت کیا ہے کہ آنحضرت کو چالیس مردوں کے برابر جماع کی طاقت عطا کی گئی تھی۔ دیگر ایک روایت میں اس طرح ہے کہ جنتی چالیس اور چند مردوں کے برابر تھی۔ اور امام احمد اور نسائی اور حاکم کے نزدیک زید بن ارقم کی حدیث میں مرفوعاً" آچکا ہے کہ ایک جنتی مرد کو سو آدمیوں کے برابر کھانے پینے اور جماع اور شہوت کی طاقت حاصل ہوتی ہے اور صفوان بن سلیم سے بھی مرفوعاً" آیا ہے کہ میرے لئے جبرائیل علیہ السلام ایک پکی ہوئی دیگ لائے۔ پس میں نے اس دیگ میں سے کھایا تو مجھے چالیس مردوں کے برابر قوت جماع ہو گئی۔ ور بعض حدیث میں ہریسہ کی ایک دیگ آئی ہے۔ اور محدثین نے اس پر موضوع ہونے کا حکم لگایا ہے۔ جیسے کہ سابقاً" گزر چکا ہے۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ شادیاں کرو اس امت میں وہ آدمی افضل ہے۔ جس کے عورتیں (بیویاں) زیادہ ہوں۔ اس میں اشارہ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آہ وسلم کی طرف۔ اور یا یہ عام بات ہے۔ شیخ ابن حجر کہتے ہیں کہ ابن عباس کی مراد اس سے آنحضرت صیل الحہ علیہ والہ وسلم اور آپ کے خاص صحابہ کی خوبیوں کی خبر دینا ہے۔ بندہ مسکین (شیخ عبدالحق محدث رحمتہ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ ظاہر یہ ہوتا ہے کہ اس سے تمام

امت مراد ہے اور اس پر اتفاق ہے کہ عرب کے لوگ مردوں میں جماع کی قوت پر فخرو مباہات کرنے کے عادی تھے اور اس بات پر اس سے زیادہ اور کیا دلیل ہو سکتی ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سید الانبیاء اس کام کو شرف سمجھتے تھے۔ اور نکاح میں لانے کے لئے چار آزاد عورتیں حد ہے۔ یہ مباح کیا گیا ہے۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اس جہاں سے رحلت فرمانہ ہوئے جب تک آپ پر جتنی چاہیں عورتیں حلالہ ہو گئیں۔ اور عورتوں کے لئے آپ میں جذبہ محبت پیدا فرمایا گیا۔ فرمایا ہے کہ امیر علی الطعام والشراب ولا اصبر عنہن کھانے اور پینے کے بارے میں تو صبر کرو لیکن ازواج کے بارے میں صبر نہ کرو۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آہ وسلم نے ارشاد فرمایا مجھ کو دوسرے لوگوں پر چار لحاسے فضیلت عطا کی گئی ہے۔ ساحت (سخاوت) جماع کی زیادتی۔ شجاعت اور شدت گرفت پس معلوم ہو گیا کہ عورتوں کے ساتھ جماع کی قوت انسان کے کمال سے ہے۔ خلیل الرحمٰن ابراہیم علیہ السلام امام الحنفا ہیں۔ ان کی زوجہ حضرت سائرہ تھیں جو کہ سارے جہان کی عورتوں سے زیادہ حسین و جمیل تھیں۔ اور حاجرہ رضی اللہ عنہا آپ کی زوجہ ہوئیں تو آپ ہر روز براق پر شام سے ان کے پاس برائے صحبت تشریف لاتے تھے۔ یہ ان کے ساتھ شفقت کی زیادتی کے باعث تھا۔ اور ان سے قلت صبر کی وجہ سے۔ اور داؤد علیہ السلام ننانویں (ایک کم سو) بیویاں تھیں۔ پس آپ کو پسند ہوا کہ ایک زوجہ ہو جائے۔ تاکہ ایک سو پوری ہو جائیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام ننانویں بیویوں کے پاس جایا کرتے تھے۔ آپ میں سو مردوں کی طاقت تھی۔ یہ بھی ان کا معجزہ تھا۔ ان کی تین سو ازواج تھیں اور ایک ہزار باندیاں تھیں۔ (کذافی المواہب)

اس مقام پر یہ گمان نہ ہو کہ اس اعتبار سے سلیمان علیہ السلام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر فوقیت ہے وجہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کفایت کے مطابق جماع فرماتے تھے۔ سلیمان علیہ السلام ایک نبی بھی تھے اور بادشاہ بھی تھے اور ایسی سلطنت انہیں عطا ہوئی تھی جو ان کے بعد کسی اور کو نہ دی گئی تھی اور عورتوں کی اس قدر تعداد بھی ملک ہی کی قسم سے تھی۔ جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نبی تھے اور عبودیت اور فقیری اختیار کردہ تھیں اور آنحضرت کو جو قوت جماع حاصل تھی یہ بھی آنحضرت کے معجزات میں داخل ہے کیونکہ آپ ایک رات میں سب ازواج پر دورہ فرما لیتے تھے۔ آپ کی گیارہ ازواج مطہرات تھیں۔ ایک اور روایت کے مطابق نو بیویاں تھیں اور آپ کو یہ قوت حاصل تھی۔ باوجود اس امر کے کہ آپ کثرت سے روزے رکھتے تھے اور وصال کا روزہ بھی رکھتے تھے اور بھوک کی شدت کی حالت میں اپنے شکم اطہر پر پتھر باندھ لیا کرتے تھے اور بطور عادت کریمہ مقویات قسم کی چیزیں کھانا پینا آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بارے میں نادر ہی نہیں بلکہ معدوم تھا اور حسن و جمال۔ نکھرا ہوا رنگ اور رخ روشن کی چمک دمک اور تابانی بالعموم لذیذ و مشتی کھانوں سے اور نرم و نازک ملبوسات کے سبب اور مخملی بستروں پر سونے سے حاصل ہوتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو ظاہراً اشیاء میسر نہ تھیں۔ پھر بھی عالم ظاہر میں آپ کا ان تمام صفات کا حامل ہونا آپ کے معجزات سے ہے۔ ہاں کچھ انبیاء ایسے بھی ہوئے ہیں جو اصلاح وقت کے لحاظ سے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے عدیم النکاح اور قلیل الازوال ہوئے ہیں

لیکن اس میں ان کا عیب نہ سمجھنا چاہیے۔ حاشا للّٰہ و عیاذا باللّٰہ من ذالک اس اعتبار سے ان انبیاء میں فضیلت و کمال زیادہ افضل و اکمل تصور کرنا چاہیے۔ کچھ متقشع زاہد لوگ جو جہالت و رہبانیت کے اوصاف کے حامل ہیں اس بارے میں حسن اعتقاد اور معقولیت کی رات کے خلاف چلتے ہیں اور وہ اس خصلت کو صرف لذات حسیہ سے گمان کرتے ہیں۔ انکو یہ علم نہ ہے کہ اس میں اسرار و فوائد اور منافع مخفی ہیں جو کہ اس کے ماسوا میں نہیں ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کا عمل مبارک حسن لطافت اور کثرت ازواج کے لئے کافی دلیل ہے۔ نکاح کرنے اور جماع کرنے کے بہت سے فائدے ہیں۔ ان میں سے سب سے عمدہ یہ ہے کہ سلسلہ تناسل بڑھتا ہے اور نوع انسانی کو دوام میسر ہوتا ہے۔ جب تک اللہ تعالیٰ کو منظور ہے یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ علاوہ ازیں قضائے حاجت، حصول لذت شوق مباشرت اور نعت الہیہ سے تمتع کا حصول ہے۔ یہ وہ نعمت ہے جو جنت میں بھی عطا ہوگی۔ لیکن وہاں نہ سلسلہ تناسل نہیں ہوگا اور نہ ہی اخراج منی ہوگا۔

منی کے روکنے سے کئی بیماریاں لاحق ہو جاتی ہیں اور یہ بھی اس کے فوائد و منافع میں شمار ہے کہ نگاہ میں تیزی ہوتی ہے اور منی کا اخراج ہوتا ہے۔ اس سے ضرر دینے والی چیزیں ازالہ ہو کر صحت کا تحفظ ہوتا ہے جیسے کہ گزر چکا ہے اور اس سے عورت اور مرد کا نفس کسی گناہ کا مرتکب ہونے سے محفوظ رہتا ہے اور مرد و عورت کے نکاح کے منافع میں سے ایک فائدہ ان کی آپس میں محبت ہے۔ کیونکہ ازواج کے حقوق کی ادائیگی کی خاطر وافر تکلیف برداشت کی جاتی ہے اور بیویوں کی کج اخلاقی اور تکلیف و گفتگو پر صبر کیا جاتا ہے۔ یہ ایسا فائدہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے بدرجہ اتم و اکمل لازما" حاصل کیا ہے۔ اس لئے کہ یہ عبادت ہے اور بڑی اتم و اکمل ہے اس لئے کہ اس میں بڑا اجر و ثواب حاصل ہوتا ہے۔ مذہب حنفیہ کے مطابق یہ ہے کہ مجرد رہنے سے افضل ہے نکاح کرلینا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی طرف سے اس پر ترغیب دی گئی ہے۔ آپ کا ارشاد ہے کہ محبت کرنے والی اور بچے پیدا کرنے والی عورت سے نکاح کرو۔ کیونکہ یوم محشر اپنی امت کی کثرت کے باعث دیگر امتوں پر مجھے فخر و مباہات میسر ہوں گے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے متعلق نقل میں آیا ہے ان کا ارشاد ہے کہ میں عورتوں سے محبت کرتا ہوں گو مجھے ان کی طرف میلان نہیں ہے یہ امید رکھتے ہوئے کہ اس سے اللہ تعالیٰ ایسا بچہ پیدا فرمائے جس کے باعث دوسری امتوں پر آنحضرت اپنی امت کی زیادتی کے باعث فخر فرمائیں اور جو شخص نکاح کرنے کی استطاعت سے محروم ہو اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے روزہ رکھنے کا حکم فرمایا ہے۔ اس لئے کہ روزہ کے ذریعے قوت باہ کم ہوتی ہے اور روزہ قوت باہ کے مادہ کو فنا کرتا ہے پس اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ روزہ رکھنے کے برعکس نکاح کرنا بہتر ہے کیونکہ روزہ رکھنے کا حکم آپ نے اس لئے فرمایا ہے جو استطاعت نکاح مفقود ہے اور اس میں ہرگز شبہ نہ ہے کہ امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوۃ والسلام کی زیادتی جب نکاح کرنے کے مقصد ہو تو نکاح کرنا ہی افضل ہے اور بے شک آنسرور صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے فرمایا ہے۔ لا رھبانیۃ فی الاسلام اسلام میں رہبانیت نہیں ہے اور رہبانیت کا مراد ترک نکاح ہی تو ہے۔ اگر نکاح نہ کرنا ہمارے دین کی رو سے افضل ہوتا جبکہ یہ دین سب سے افضل دین ہے تو اس میں رہبانیت ضرور شریعت میں جائز ہوتی۔

ازواج رسول کی زیادتی میں حکمت:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کی یہ خاصیت ہے کہ آپ نے کثرت سے نکاح کئے اور اس عمل کا مقصد یہ تھا کہ اندرو خانہ احکام کی بھی تبلیغ خوب ہو سکے نیز یہ ہے کہ ان کا آنحضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خوبیاں علم میں آجائیں اور انہیں آنحضرت کی سیرت مقدسہ سے خبر ہو جائے۔ جس سے مرد آگاہ نہیں ہوتے۔ کیونکہ آنحضرت کی چند ازواج مطہرات ایسی بھی تھیں جن کے والد اور چچا فوت ہو چکے تھے جیسے کہ ام صفیہ اور ام حبیبہ رضی اللہ عنہما کے والد اس دور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مخالف تھے وغیر ذالک اگر ان ازواج کو آپ کی سیرت پاک کا علم نہ ہوتا اور آپ کے حسن کمل کے درجہ کمل سے آگاہ نہ ہوتیں۔ تو یقیناً انسانی طباع اپنے آباؤ اقارب کی جانب ہی متقاضی المیلان ہوتیں۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کثرت ازواج۔ کی صورت میں معجزات محمدی اور آنجناب کے کمالات ظاہری مخفی کا ظہور ہے (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واصحابہ اجمعین)

تنبیہہ:۔ یہ ایک حدیث ہے جو اسی طور سے زبان خلق پر مشہور ہے۔ حبب الی من دنیا کم ثلث تمہاری دنیا کی تین چیزیں میرے لئے محبوب کردی گئی ہیں۔ لیکن امام غزالی کی کتاب احیاء العلوم میں اور صاحب کشاف کی سورۃ آل عمران کی تفسیر میں اور فقہ کی بہت سی کتب میں یوں آیا ہے کہ اس حدیث کی عبارت پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ نماز دنیا میں شمار نہیں ہے۔ محدثین اہل تحقیق نے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ طرق حدیث کے تتبع اور جستجو کے بعد ہمارے علم میں آیا ہے کہ حدیث کی عبارت میں لفظ "ثلث" نہ ہے۔ لہٰذا اعتراض رفع ہو جاتا ہے۔ اور متعدد حدیثوں میں من الدنیاء کے الفاظ میں بھی موجود نہیں اس اعتبار سے تو اعتراض وارد ہونے کا امکان بھی نہیں رہتا۔ مشکوٰۃ شریف کی شرح میں ہم نے اس حدیث کی تحقیق کی ہے اور اس کی شرح اور معانی و نکات بھی بیان کر دیئے ہیں۔ وہاں پر ملاحظہ کرنا چاہیے۔

آنحضرت کا خواب و استراحت:۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نیند کرنا اعتدال سے ہوتا تھا۔ آپ ضرورت سے زائد بالکل نہ سوتے تھے نہ ہی آپ قدر ضرورت سے کم سوتے تھے۔ اس بارے میں احادیث میں بھی آیا ہے کہ جس کی خواہش ہوتی تھی کہ وہ آنحضرت کو دوران خواب دیکھے تو وہ آپ کو دوران خواب دیکھ لیتا تھا اور جو چاہتا تھا کہ دوران نماز آنحضور کی زیارت سے مشرف ہو تو وہ آپ کو نماز میں پاتا تھا۔ مراد یہ ہے کہ آنحضرت قیام فرمایا کرتے تھے اور خواب بھی فرماتے تھے جس طرح کہ آنحضرت کی عبادات و نوافل میں عادت مبارک ہوا کرتی تھی۔ کبھی رات کے دوران آپ سو بھی لیتے تھے۔ اور پھر اٹھ کر نماز پڑھتے اور پھر سو جاتے تھے اسی طور پر آپ چند بار سوتے بھی تھے اور نیند سے اٹھتے بھی تھے۔ یہ بات اس طرح سے بھی صحیح ہے کہ جسے خواب میں دیکھنے کی خواہش ہوتی تھی وہ بھی دیکھ لیتا تھا اور جو جاگتے ہوئے دیکھنے کا متمنی ہوتا تھا وہ جاگنے کے دوران دیکھ لیتا تھا۔

جب آنحضرت سوتے تھے تو دائیں جانب کروٹ پر قبلہ رو استراحت فرماتے تھے۔ اپنی دائیں ہتھیلی پر رخسار مبارک

رکھ لیتے تھے تعریس کی صورت اگر ہوتی تو آپ ہاتھ کھڑے کر لیتے اور ہتھیلی پر اپنا سر اقدس رکھ لیتے تھے اس لئے کہ بیداری اور نماز کی خاطر کھڑا ہونے میں آسانی رہے۔ اور جس طرح کہ مشہور ہے کہ خواب کا آغاز آپ دائیں جانب سے فرماتے وہ اس لئے کہ بائیں طرف میں دل بعلق ہو۔ اور بائیں پہلو پر اگر سوئیں تو دل قائم رہتا ہے اور راحت و آسائش میں ہوتا ہے جس کے باعث نیند زیادہ گہری ہوتی ہے۔ جبکہ دائیں کروٹ پر سونے سے دل کو بے چینی رہتی ہے اور دل کے بجانب دائیں معلق رہنے اور بے چین رہنے سے گہری نیند نہیں آتی ہے۔ اور اس کو آرام و سکون کی خواہش باقی رہتی ہے گو نیند کی کثرت سے اور زیادہ سونے سے کھانے کے ہضم و تحلیل میں مدد ہوتی ہے۔ پھر بھی رات کے قیام اور نماز کی خاطر اٹھنے میں دائیں کروٹ پر سونا معین و ممد ہوتا ہے پس جن لوگوں کو قلب صنوبری اور جسم کی صحت کی خواہش ہوتی وہ بائیں کروٹ پر سوتے ہیں اور جن لوگوں کو معنوی قلب اور حقیقی زندگی کی جستجو ہوتی ہے وہ دائیں کروٹ پر سوتے ہیں۔ جس طرح کہ پرہیزگار لوگ دائیں کروٹ پر سونا اختیار کرتے ہیں۔ ان میں یہ نکتہ شہرت یافتہ ہے۔

صاحب مواحب کا بیان ہے کہ یہ علت بیان کرنے میں کچھ کلام ہے۔ وجہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا قلب پاک تو سوتا ہی نہ تھا۔ دائیں پہلو پر سوتے ہوئے نہ بائیں کروٹ۔ یہ آپ کی دائمی خصوصیت ثابت شدہ ہے لیکن اس شخص کے لئے یہ ٹھیک ہے جس کا دل بھی جسم کے ساتھ سوتا ہے۔ لہٰذا سب سے بہتر علت حصول برکت ہو سکتی ہے۔ کیونکہ آنجناب کی عادت مبارک اس طرح ہی تھی۔ آنحضرت نے فرمایا ہے ان اللہ یحب النیا من فی کل شیئی حدیث بلاشک اللہ تعالیٰ تمام اشیاء میں داہنی جانب کو پسند فرماتا ہے یا اس کا مقصد امت کی تعلیم اور ارشاد ہے۔ کیونکہ اس طرح سے دل سو جاتا ہے۔ (انتہیٰ) اور اس سے مقصد یہ فرمانا ہوگا کہ بیداری و ہوشیاری قلب آنحضرت کے اختیار میں دل کی بے قراری اور طبیعت کی عدم مزاحمت کی وجہ سے شدید تر اور زیادہ قوی ہے جس طرح کہ مذکور ہوا۔ جب آپ بائیں پہلو پر آرام کر رہے ہوں تو کمتر اور زیادہ ست ہوتا ہے۔ اس میں طبیعت کی طرف مزاحمت کے باعث بعض چیزوں میں اور کچھ اوقات پر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ذات مبارک میں طبعاً" یہ داخل ہے۔ لہٰذا آنحضور کو ہر لحاظ سے بیداری میسر ہے اور اس حالت میں زیادہ تر ہوتی ہے ان حضرات کا ظاہری مقصد یہی ہو گا یہ بتانے کا۔ لیکن ان کی عبادت سے بظاہر یہ گمان ہوتا ہے۔ واللہ علم۔

آنحضرت نے فرمایا ہے۔ تنام عینی ولا ینام قلبی میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا۔ آپ کی یہ حدیث صحیح ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بخاری شریف میں روایت ہے۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے ہیں۔ تو حضور نے فرمایا۔ تنام قلبی۔

مولف مواہب لدینا نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے قلب مبارک کے نہ سونے کی وجہ یہ ہے کہ دل جب قوی ہو تو وہ سوتے ہوئے بھی زندہ رہتا ہے۔ اور بدن سو رہا ہو تو وہ جاگتا رہتا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں یہ خصوصیت موجود تھی۔ اور ہر وہ شخص جو اتباع محمدی اور محبت رسول کا حامل ہوتا ہے اس میں بھی اللہ تعالیٰ

یہ کیفیت پیدا فرمادیتا ہے۔ منقول ہے کہ مواہب الدنیا کے مولف بذات خود بھی اہل معارف و حقائق میں سے ایک کامل بزرگ تھے۔ انہوں نے بھی خود فرمایا ہے کہ۔ عینی ینام ولکن قلبی واللہ لا ینام میری آنکھیں سوتی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی قسم میرا دل نہیں سوتا ہے۔ اور دل کیوں سوئے

کیف ینام عاشق مسی نستھام ۔ ناظراالی وجہ المحبوب شاخصا علی الدام

یہ بات پوشیدہ نہیں رہنی چاہیے کہ مواہب لدینہ کے مولف نے اولیاء اللہ کے حق میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی متابعت کے لحاظ سے حیات قلبی اور اس کے نہ سونے کے لازمی نتیجہ اور ننتیجتہ زندگی قرار دیا ہے۔ اس میں کلام نہیں کرنا چاہیے۔ گو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور دوسرے لوگوں میں اس صورت میں اشتراک صوری ہو جاتا ہے۔ صاحب مواہب کی یہ تقریر ہمیں اچھی نہیں لگی۔ اگر اولیاء کے لئے یہ صورت واقعی درست ہے۔ تو ان پر اس کے احکام بھی مترتب ہوں گے یعنی۔ وضو کا نہ ٹوٹنا وغیرہ اس لئے کہ یہ آنحضرت کے خصائص میں شامل ہے۔ سننے میں آیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے قریب کے دور میں کچھ صوفی لوگ اپنی ولایت کے خیال سے سو کر اٹھنے پر بلاوضو نماز شروع کر دیتے تھے۔ اور اس بارے فقاہت کا دعویٰ بھی کرتے تھے بایں وجہ کہ علت مشترک ہے۔ جس سے قیاس صحیح بنتا ہے۔ حالانکہ یہ جہالت کی علامت ہوتی ہے۔ کیونکہ قیاس کی یہ شرط ہے کہ منصوص علیہ لے حکم کے ساتھ اسے اختصاص نہ ہو۔ وباللہ التوفیق۔ ان کے علم میں یہ نہیں ہے کہ حدیث لا ینام قلبی پر لیلۃ التعریس والی حدیث سے اعتراض کیا جاتا ہے جبکہ آنحضرت ایک وادی بمعہ لشکر سورج نکلنے تک سوتے رہے۔ وہ یہ کہ اگر بیداری کی حالت رہتی تھی۔ سورج طلوع ہو جانے کی خبر کیوں نہ ہوئی۔ اس اعتراض کے امام نووی نے دو جواب دیئے ہیں۔ ایک جواب یہ ہے کہ قلب صرف اپنے متعلقات کا ادراک کرتا ہے۔ اسے لذات اور رنج و غم وغیرہ ادراک نہیں ہوتا اس لئے کہ جو کچھ آنکھیں دیکھتی ہیں اس کا ادراک نہیں کرتا۔ اور طلوع و غروب دیکھنا آنکھ کے ذمہ ہے۔ گو قلب بیدار تھا لیکن آنکھیں سو رہی تھیں مثلاً اس طرح کہ کوئی جاگتا ہی ہو لیکن آنکھیں بند ہوں تو وہ طلوع آفتاب نہیں دیکھتا گو وہ خود جاگ رہا ہوتا ہے۔ دوسرا جواب یوں دیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی دو حالتیں ہیں۔ ایک حالت میں آپ کا قلب اطہر بیدار رہتا ہے۔ آپ کی زیادہ تر یہی حالت ہوتی تھی۔ دوسری حالت وہ تھی کہ دل بھی سوتا تھا۔ لہٰذا لیلتہ التعریس کے موقع پر یہی حالت تھی۔ امام نووی کا قول ہے۔ کہ صحیح جواب پہلا ہی ہے اور وہی قابل اعتماد بھی ہے۔ دوسرے جواب میں ضعف ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ مذہب مختار اس طرح ہی ہے کہ آنحضرت کا قلب پاک دائمی طور پر پیدا بیدار ہے اور اسے ہر حالت میں ثابت و قرار ہوتا تھا۔ (اور ہے)۔ حدیث کی عبارت سے بھی یہی مطلب مفہوم ہے۔ کچھ لوگ پھر بھی اعتراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ طلوع آفتاب دیکھنا آنکھ کا کام ہے قلب کا ادراک نہیں ہے لیکن پھر بھی پتہ چل جانا چاہیے کہ وقت زیادہ ہو چکا ہے۔ کیونکہ طلوع فجر کے شروع سے طلوع آفتاب تک لمبا وقت ہوتا ہے۔ یہ چیز کس طرح پوشیدہ رہ سکتی ہے۔ سوائے ایسے آدمی کے جو گہری نیند میں ہو فتح الباری میں کہا ہے کہ یہ استحالہ اور استبداد ردشدہ ہے۔

کیونکہ یہ امکان ہے کہ اس وقت آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قلب پاک وحی میں مستغرق ہو۔ اس سے نیند میں محو ہونا لازم نہیں ٹھہرتا۔ جیسے کہ جاگتے ہوئے وحی ہوتے وقت استغراق کا عالم ہوتا ہے اور حکمت یہ تھی کہ آپ کے فعل کے ذریعے سے شریعت اور حصول اتباع بیان ہو رہے تھے۔ آپ کے اعلیٰ مرتبہ وفضیلت کے لحاظ سے بات صحیح تر ہے۔ جیسے کہ دوران نماز بوقت سہو علماء نے کہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم بھی فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت محو خواب ہوتے تو ہم آپ کو جگاتے نہ تھے۔ کیونکہ ہمیں یہ علم نہ ہوتا تھا کہ آپ کس عالم و مرتبہ پر اس وقت ہیں اور کس مقام میں۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیند' نماز اور لسیان کا سبب یہی تھا اور آپ کے قلب پاک کے سونے کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ آنجناب کے ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف توجہ فرمالینے کی وجہ سے ہوتا تھا۔ اور یا یہ آپ کے اور زیادہ بلند مقام پر ہونے کے باعث تھا۔ یعنی اس لئے یہ سنت بن جائے۔ جس طرح کہ مولف مواہب الدنیاء نے قاضی ابوبکر عربی مالک سے نقل کیا ہے۔ کچھ صوفی اس طرح کہتے ہیں کہ آنحضرت اس طرح ابتلاء میں اس وجہ سے پڑ گئے تھے کیونکہ آپ نے اپنی تدبیر پر اعتماد کر لیا تھا۔ اور آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اس پر مقرر فرمادیا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر نہ رکھا اور یہ بات بھی بڑی کمزور ہے۔ کیونکہ یہ ساری توثیق و توکیل اور تاکید و اہتمام رب تعالیٰ کا حکم بجالانے کے لئے ہی تھے اس لئے نہیں کہ تدبیر پر بھروسہ کیا جائے۔

کچھ لوگ آنحضرت کے قول مبارک لا ینام کے معانی یہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت پر وضو ٹوٹ جانے کی حالت مخفی نہیں رہتی۔ مراد یہ کہ میں اتنا مستغرق نہیں ہوتا ہوں جس سے مجھے حدث ہو جانا معلوم نہ ہو سکے گویا کہ آنحضور قلب کی بیداری کو وضو ٹوٹ جانے کی کیفیت کے ادراک کے ساتھ مخصوص سمجھتا ہے۔ حالانکہ یہ چیز بھی بعید از حقیقت ہے۔ کیونکہ آنحضرت جو فرمایا ہے کہ میری آنکھیں سو جاتی ہیں لیکن قلب نہیں سوتا یہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے جواب کے طور پر ہے جب انہوں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! آپ وتر ادا کرنے سے قبل ہی سو جاتے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اس سوال کا وضو کے ٹوٹنے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو ایک مطلق سوال ہے اور صرف وتر پڑھنے کے بارے میں ہے بغیر اس کے کہ ایک حالت سے کہ ایک حالت سے دوسری حالت کے ساتھ مقید کیا جائے کچھ روایات میں اس طرح بھی ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ تم جو بھی گفتگو کرتے ہو میں وہ تمام سنتا ہوں۔ اس کا وہی جواب درست ہے جو شیخ ابن حجر رحمتہ اللہ نے دیا ہے۔ آنحضرت اوندھے لیٹنا منہ کے بل سے ممانعت فرمائی ہے۔ سنن ابی داؤد میں روایت ہے کہ ایک آدمی پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گزر ہوا وہ اپنے منہ کے بل اوندھا سویا ہوا تھا۔ آنحضرت نے اسے اپنے پاؤں سے ٹھوکر دی اور ارشاد فرمایا۔ اٹھو اور بیٹھ جاؤ یہ جہنمیوں کا طریقہ خواب ہے۔ مولف مواہب لدینہ نے فرمایا ہے کہ چت لیٹنے کی حالت میں سونا بہت برا ہے اور منہ کے بل اوندھا لیٹ کر سونا اس سے زیادہ برا ہے اور اس طرح کہا گیا ہے کہ اگر سونا نہ ہو تو صرف استراحت کے لئے چت لیٹنے میں مضائقہ نہیں ہے۔ امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ سونے کی چار حالتیں ہیں۔ چت لیٹنا ان معجوں کا ہے جو آسمان اور اس پر ستاروں کو دیکھا کرتے ہیں۔ اور اس کی علامات پر تدبر کرتے ہیں۔ دائیں

کروٹ پر سونا عابدوں اور شب بیداری کرنے والوں کا ہے۔ اور بائیں کروٹ پر سونا زیادہ کھانے والوں کا کام ہے جو کھایا ہوا ہضم کرنے کی خاطر راحت و آرام کرتے ہیں اور منہ کے بل اوندھا بد بخت اور احمق سوتے ہیں۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بعض اوقات فرش پر سوتے تھے اور کبھی چمڑے پر اور کبھی آپ جناب ٹاٹ پر یا زمین پر سو جاتے تھے آنحضرت کا فرش (بستر) چمڑے کا ہوتا تھا اس میں کھجور کے درخت کی چھال بھری ہوتی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی سیرت سے متعلق یہ باتیں جیسے کہ کپڑے پہننے اور نکاح کرنے اور خواب و استراحت کے بارے میں تھیں۔ جو کہ کتاب مواہب الدنیاء سے نقل کی گئی ہیں اور اس بارے میں متعدد جزئیات اور آداب و ابواب وغیرہ ہیں جو کہ کتاب سفر السعادۃ اور شرح مشکوۃ وغیرہ میں بیان کردی گئی ہیں اس مقام پر صرف ضرورت کے مطابق ہی تذکرہ پر اکتفاء کیا ہے۔

"اللہ رب العزت کا لاکھ لاکھ شکر ہے اور لاکھوں کروڑوں درود و سلام محبوب محمد رسول اللہ صلی اللہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر کہ اس بندہ حقیر کو مدارج النبوت کے پہلے حصہ کے ترجمہ کی توفیق بخشی پہلی جلد کا ترجمہ مکمل ہوگیا۔

اللھم صلی علی سیدنا محمد وعلی ال محمد وبارک وسلم تسلیما کثیرا۔"

"محمد اشرف نقشبندی"

xx